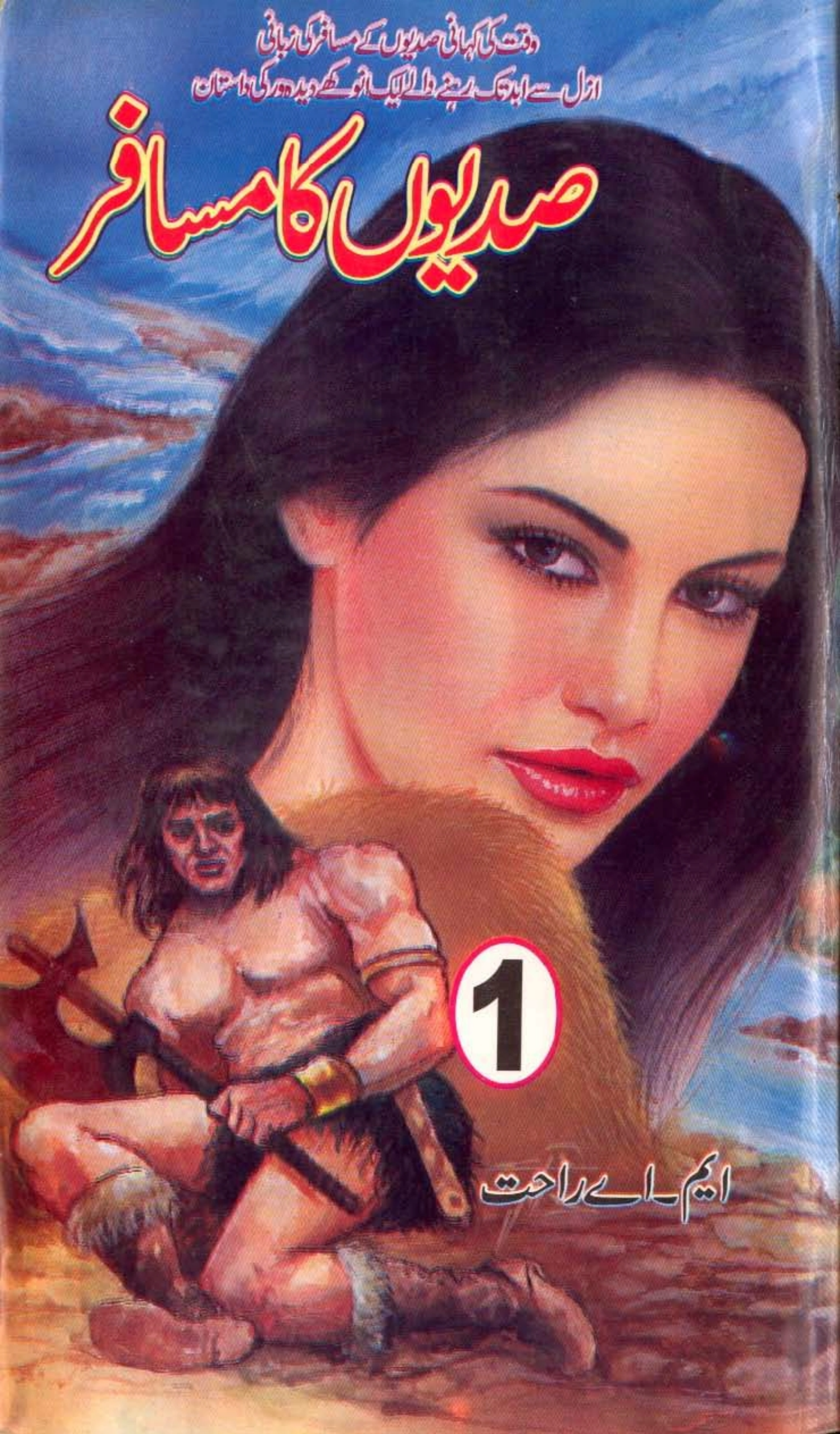
وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

ازل سے ابد تک رہنے والے لاکھ انوکھے دیو مالا کی داستان

صدیوں کا مسافر



1

ایم۔اے راحت

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

ازل سے ابد تک زندہ رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر

3168
Shah
SA

1

ایم-اے راحت

قرطاس پبلی کیشنز لاہور

Azam & Ali

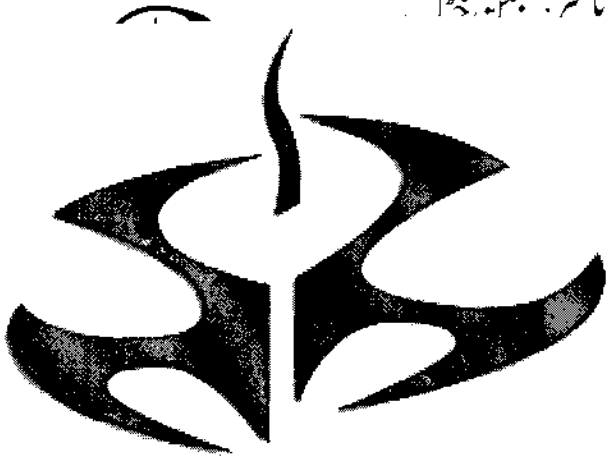
aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

جملہ حقوق بحق ناشر ادائی محفوظ ہیں

۲۰۰۱

ناشر : مبین ۔ خ ۔ کاکا



Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

عالدایجنسی کراچی اردو بازار کراچی

صدیوں کا مسافر ۔ زمانہ قدیم کی داستان ہے ۔

ہم اسے انسانی کہانی کہہ سکتے ہیں جب انسان نے خود کو دانش کے عدسے سے دیکھا اپنے وجود کو پہچانا اور تہذیب و تمدن کی جانب قدم بڑھائے انسان فانی ہے اور وقت کا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ وقت لافانی ہے چنانچہ وقت کو سمجھ کر یہ داستان تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے ۔ ماضی میں اسے میں نے صدیوں کا بھکاری کے نام سے لکھا تھا ۔

اس کے کچھ ابواب نامکمل رہ گئے تھے جو میں نے بعد میں لکھے ۔ یہی ابواب قند مکرر کے طور پر پیش خدمت ہیں اپنے وقت کی عظیم داستان جو کئی ممالک میں مختلف ہیئتوں میں ایک بار پھر آپ کی خدمت ۔ صدیوں کے مسافر کے ہمراہ صدیوں کا سفر کیجئے ۔

ا ع ۔ ا ح برلاس

یونیورسٹی آف ایڈیمبرا میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ دنیا کے بہت سے ممالک کے اسکالر یہاں پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے محقق بڑے بڑے سائنسدان، ماہر نفسیات اور مختلف عہدوں کے لوگ جمع تھے۔ ایک ایسی شخصیت یہاں آنے والی تھی جسے ایک افسانوی کردار کہا جاسکتا تھا۔ یہ صدیوں کا مسافر تھا۔ اور جو شخصیت سامنے آئی تھی وہ ایک انتہائی ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ سب سے بڑا دیدہ ور۔

پریس فوٹو گرافر اور صحافی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ رسمی کاروائیوں کے بعد صحافیوں نے سوالات کی بوچھاڑ کردی تو معزز مہمان نے کہا۔

''میں نے جو داستان آپ لوگوں کو سنائی وہ نہ تو افسانہ تھی نہ میری اپنی تراشی ہوئی۔ وہ ہسٹری آف سولائزیشن تھی وہ انسان کی تاریخ تھی اور صدیوں کے مسافر نے جن ادوار میں سفر کر کے یہ داستان مرتب کی تھی وہ کائنات کی تاریخ کے روشن راستے ہیں جنہیں تاریخ سے منسلک کتابوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو سب سے بڑے دیدہ ور کی تحریر ہے جسے آپ میں سے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔''

''یعنی وقت کی۔؟'' کسی نے سوال کیا۔

''ہاں... میں صدیوں کی تخلیق ہوں۔ یا یوں کہہ لیں کہ صدیاں میری تخلیق ہیں۔ بات ایک ہی ہو جاتی ہے۔''

''لیکن آپ نے خود کو ایک کردار بنا کر پیش کیا جبکہ آپ صرف ایک تصور ہیں۔'' ایک صحافی نے کہا۔

''آپ انسان ہیں نا..... اگر میں کسی لکڑ جھگے کی آواز میں آپ کو کوئی داستان سنانا شروع کردوں تو آپ کی سمجھ میں آئے گی۔''

نہیں۔''

''وقت کی اپنی کوئی زبان نہیں ہے۔ میں نے یہ داستان ایک انسان کی زبان میں سنائی اور اسے میں نے انسان ہی کی زبان میں آپ تک پہنچایا۔''

''آپ وقت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟''

یہی کہ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ میں آگے بڑھ جاؤں گا اور صدیاں پیچھے رہ جائیں گی۔ یہ وقت کی پیش گوئی ہے۔ صدیوں کا مسافر کی پیشگوائی۔''

''آپ نے اپنی داستان کی انتہا کردی تھی اس کے بعد کیا ہوا۔

''ہونا کیا تھا۔ حالات نے ثابت کردیا کہ وقت کی پیش گوئی درست تھی، وہ بھٹکے ہوئے مسافروں کی مانند برف کے وسیع میدانوں میں سفر کررہے تھے۔ لیکن ان کے قدموں میں لغزش تھی، ان کے ذہن ان کے قابو میں نہیں تھے، تب انہوں نے صدیوں کے بعد موجودہ دور کے انسانوں کو دیکھا، برف کے رہنے والے زندگی کا بوجھ اٹھائے رواں دواں تھے۔ وجود کی ضرورتوں سے نڈھال پژمردہ سے یہ لوگ انہیں ایک آنکھ نہ بھائے ان کے تو ذہن ہی بدل گئے تھے انہوں نے تو انسان کی نمود دیکھی تھی، اس کا عروج و زوال دیکھا تھا، ماضی، حال اور مستقبل دیکھا تھا، انسان ان کی نگاہوں میں کچھ نہیں رہا تھا، یہ وہ تھے جو اپنے ہاتھوں گڑھے کھود رہے تھے اور ایک دن وہ ان گڑھوں میں ایسے گریں گے کہ پھر ان کا وجود قصہ پارینہ بن جائے گا۔ وہ قدیم عجائب گھروں میں نظر آئیں گے، آہ، یہ انکا مستقبل ہے۔

کھوئے ہوئے انسان برف کی بستی میں داخل ہو گئے، نہ جانے کونسی بستی تھی، نہ جانے کونسا علاقہ تھا، ان کا دل نہ چاہا کہ بستی والوں سے ان کے بارے میں معلوم کریں، بس کوئی خواہش نہیں تھی کوئی امنگ نہیں تھی، وجود پر ایک بھاری بوجھ تھا، ایسا بوجھ جسے، اتار پھینکنا انکے بس کی بات نہیں تھی۔

تھکے تھکے سے وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ انہیں بھوک لگ رہی تھی، لیکن کوئی چیز کھانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ پروفیسر خاور نے اپنی دونوں بچیوں کی طرف دیکھا، فروزاں اور فرزانہ کے چہرے بھی ستے ہوئے تھے۔

مجھے تعجب ہے، پروفیسر نے نڈھال آواز میں کہا۔ اور دونوں اسے دیکھنے لگیں۔

''کس بات پر پاپا۔؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تمہارے چہروں پر وہ خوشی نہیں ہے۔ وہ بشاشت نہیں ہے جو صدیوں کے قید کے بعد رہائی مل جانے پر ہونی چاہیے تھی۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔

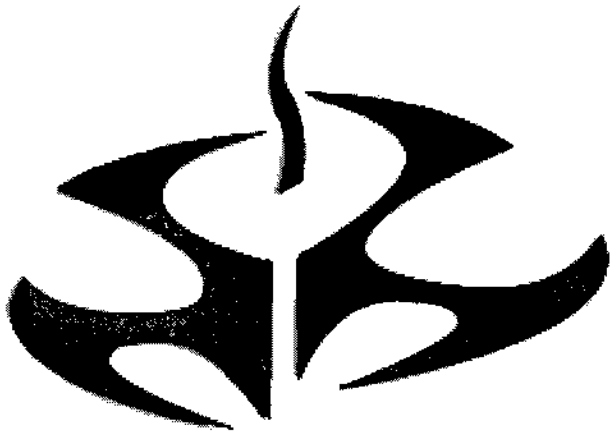
''رہائی۔'' فروزاں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی اور پروفیسر گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تب فروزاں فرزانہ کی جانب متوجہ ہوگئی، تم اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کروگی فرزانہ۔''



Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com



Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

"ہیں، ہیں کیا کہوں باجی!"

"کچھ بھی ہو، جو تاثر ذہن میں ہو بتاؤ، ہم اپنے باپ کے سامنے ہیں۔"

"جو کچھ گزری ہے باجی، جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد صرف مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ کسی ویرانے میں سو جانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی مانند، جو وقت تھا، آہ کس قدر خوش نصیب ہے، وہ صرف دیکھنے والا۔ عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کس قدر حاوی ہوتا ہے وہ حالات پر کس قدر قادر ہے وہ ماحول پر، آہ باجی اس سے دور ہونے کے بعد ہم خود کو کس قدر کمتر محسوس کرتے ہیں۔ باجی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم دوبارہ اس طلسم میں کھو جائیں۔ ایک بار پھر وہ ماضی کے در پتے ہم پر وا کر دے۔"

"گیا وقت کہاں ہاتھ آتا ہے پگلیو۔" پروفیسر کی آواز میں بھی مسرت تھی۔

"ہم ابھی دور نہیں نکلے ہیں، وہ بھی انہیں ویرانوں میں کہیں ٹھٹک رہا ہوگا، اسے تلاش کریں پاپا، اسے تلاش کریں، اس کی کیسے منت کریں کہ ہم پر رحم کرے ہمیں خود میں سمو لے۔ ہمیں اپنے آغوش پر سوار کر کے انہی جزیروں میں لے جائے۔ جہاں وہ ہو وہاں ہم رہیں، یہاں تک کہ ہمارے بال سفید ہو جائیں، ہمارے سانسوں کی میعاد پوری ہو جائے اور پھر ہم وقت کی آغوش میں دم توڑ دیں۔ ہاں ہم اس کی کہانیاں سنتے سنتے سو جائیں، گہری نیند اور پھر روز قیامت ہی جاگنا نصیب ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے فروزاں، یہ بہت مشکل ہے۔"

"وہ موجود ہے، اور موجود رہے گا، خالق کائنات نے اسے ابدیت بخشی ہے اور تلاش سے صنم ضرور ملتا ہے، طلب صادق ضرور پوری ہوتی ہے، ہم کوشش تو کریں۔ ہم اسے پکاریں تو سہی۔" فروزاں نے کہا، اور پروفیسر عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن جھٹک دی۔

"مورپ کا کیا خیال ہے پاپا، صاف گوئی شرط ہے۔" فروزاں نے ہمیشہ کی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"میں؟" پروفیسر کی آنکھیں خلاء میں گھورنے لگیں۔ "میں بھی عجیب کیفیت کا شکار ہوں فروزاں، اس کے ساتھ گزاری ہوئی صدیاں، بالکل حیات افروز تھے، وہ ہمیں قدیم ماحول میں لے جاتا تھا، وہ اس ماحول کا ایک کردار ہوتا تھا اور ہم اس کی آنکھوں سے اس ماحول کو دیکھتے تھے۔ وہ سب کچھ ہمارے سامنے ہوتا، جو وہ بیان کرتا اور یوں صدیوں کے راز ہم پر آشکار ہو جاتے تھے۔ آہ ہم نے قدیم دور میں کس قدر مسافت طے کی ہے۔ فروزاں کیا تم نمرعون کے دور کے ایک ایک کھنڈر کو پہچان لو گی، کیا تم بابل اور نینوا کی تہذیب کے رازوں کا انکشاف نہیں کر سکتیں۔ کیا تم یونان کے بازاروں کے ایک ایک نقش سے واقف نہیں ہو۔ بولو کوئی ہے جو ماضی میں سفر کر چکا ہو، میں نے انسان کی انتہا دیکھی ہے، کیا ہم اس قابل ہو گئے ہیں فروزاں کہ اب انسانوں کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اور اگر ہم ان کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش بھی کریں تو کیا ان میں رہ کر ہمارا دم نہیں گھٹ جائے گا۔ یاد کرو فروزاں اس ماحول کو، ان لوگوں کو جو ہمارے ساتھی تھے، کس قدر نفسا نفسی کا عالم تھا، کس طرح انسان ایک دوسرے سے بیزار تھے، کیا وہ ہماری بات سنیں گے، کیا وہ ہمارے جانے کو جائیں گے، اسے مان لیں گے، اگر ہم انہیں مشقبل کی تصویر دکھا کر آگاہ کریں گے تو کیا وہ ماننے والوں میں ہوں گے، کوئی نہیں سنے گا، کوئی نہیں مانے گا، ایک ایک سانس دوبھر ہو جائے گی۔ ایک ایک لمحہ صدیاں بن جائے گا، بڑی مشکل ہو جائے گی میری بچیو، بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"اوہ پاپا، کچھ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔" فروزاں نے سامنے اشارہ کیا، بستی والے اس جانب آ رہے تھے، چھ آدمی تھے جو ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا تم سیاح ہو، یا مصیبت زدہ، کون ہو تم لوگ اور ان اطراف میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"ہاں ہم مصیبت زدہ ہیں، بھٹک کر ادھر آ نکلے ہیں۔ کیا تم ہماری مدد کرو گے، ہمیں کھانا کھلاؤ گے؟"

"ہاں، لیکن اس کے عوض تم ہمیں کیا دو گے، کیا تمہارے پاس خریداری کرنے کے لئے سونا یا کرنسی موجود ہے؟" سوال کیا گیا۔

"نہیں ہم مصیبت زدہ ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "ہاں ہم تمہیں نصیحت ضرور کریں گے۔ ہم تمہیں ایسی باتیں بتائیں گے کہ تم ہمیشہ یاد کرو گے، ہم تمہیں زندگی کے راز بتائیں گے، ہم بتائیں گے تمہیں کہ تمہارا بچپن تمہارے لئے قاتل ہے اور تم مستقبل کے تاریک گڑھوں میں ایسے گرو گے کہ تمہارا وجود مٹ جائے گا۔"

"اور کیا بتاؤ گے؟" ان میں سے ایک نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم وہ بتائیں گے تمہیں کہ اس کے بعد کچھ جاننے کی آرزو نہیں رہے گی۔"

"اور اس کے عوض روٹی مانگو گے، کیوں؟"

"کیا تمہیں یہ سودا منظور نہیں؟" پروفیسر خاور نے پوچھا۔

"بھاڑ گھاٹے کا سودا ہے، تمہاری نصیحتیں بھی سنیں اور تمہیں کھانے کو بھی دیں، مان لیں۔ کہ اس کے بعد جاننے کی آرزو ہی نہ رہے، واہ کیا عمدہ بات ہے، سب کچھ جان لیں گے تو اس کے بعد زندہ رہنے کے لئے کیا رہ جائے گا، ہاں اگر تمہارے پاس تو ٹھیک ہے، تمہیں خوراک مل جائے گی۔"

"نہیں، تباکو نہیں ہے ہمارے پاس" پروفیسر نے اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر تمہارا خدا حافظ، بے فکر ہو، یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا، کوئی تمباکو وغیرہ تو کل آئے گا" وہ واپس لوٹ گئے، اور پروفیسر حیرت سے بھری نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو پروفیسر گہری سانس لے کر لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

تم نے دیکھا وہ تمباکو کی تلاش میں آئے تھے، انہیں تمباکو نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے، بے سوچے سمجھے بغیر کچھ لوگ بھوکے ہیں، یہی ہے ہماری دنیا اور یہ اس کی پہچان ہے، کہ بہتر ہے، وہ غار جہاں کہانیاں تھیں اور زندگی کی شکل نہ تھی، ہاں فیروزاں فرزانہ میں اس دنیا میں نہیں جی سکتا ... مجھے وقت کی تلاش ہے، میں پھر اس کی آغوش میں جانا چاہتا ہوں۔ اگر ہم اسے نہ پا سکے تب بھی نجات اس میں ہے کہ ہم اس برف میں دفن ہو جائیں۔ تاکہ قیامت کے روز جب وقت کا اختتام ہو جائے تو ہم اس کے ساتھی ہوں۔ واپس چلو فیروزاں، یہ دنیا ہمارے قابل نہیں ہے"

اور رات گئے وہ برف کے دیوتاؤں میں اپنے قدموں کے نشان تلاش کرتے ہوئے کہ اس کی جستجو حاصل زندگی تھی اور زندگی کا تصور ان کی نگاہوں میں کچھ اور تھا۔ یعنی وہ وجود جن نے انہیں صدیوں کا علم بخشا تھا تحلیل ہو گیا تھا فضاؤں میں خود کو تبانے کے بعد، لیکن وہ بھولی جانے کے عوامل مند تھے، اس کی اصلیت کو اور وہی قصے سننا چاہتے تھے جو ابدی تھے۔ لیکن تلاش کرنا وقت کا آسان نہیں کہ یہ ظالم اپنے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ اور عرصہ ہو گیا اس طلب میں لیکن دنیا کا دور سرا رخ ان کے لئے ناقابل قبول تھا، اور فیصلہ تھا کہ برف کی اس زمین میں، تھک جائیں گے تو سو جائیں گے۔ تاکہ روئیدہ تر و تازہ اٹھیں اور خوشگوار کیفیات کے دوش بدوش ہوں۔ لیکن وہ جو تلاش کو مضبوطی کا درجہ دیتے ہیں۔ ناکام نہیں رہتے، اپنی کاوشوں میں، سو ایک رات وہ ایک سنسان غار میں داخل ہوئے کہ اردگرد اونچے ستون تھے، اس کے یوں لگتا تھا جیسے یہ ستون آسمان کی جہت سے جا لگے ہوں، اور درمیان میں اس غار کے ایک عظیم الشان کتاب موجود تھی اور اس کے جوڑے اوراق اڑ رہے تھے، اور حیران کن تھا یہ منظر ان کے لئے کہ کچھ ہے، جس میں کوئی گہرائی مضمر ہے، تو فیروزاں نے پروفیسر کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔ "کیا آپ کو کچھ یاد ہے پاپا"؟

"تمہارا اشارہ اس کتاب کی جانب ہے فیروزاں"؟

"ہاں، اس نے اپنی کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ اور پھر تم کہ یہ کتاب کیا وہی نہیں ہے" اگر نہیں تو اس کی تشکیل کس نے کی، اور کیا یہ ایک اشارہ نہیں ہے وقت کی جانب"

"لیکن یہ طلسم کدہ" پروفیسر خاور پر خیال انداز میں بولا۔

"آہ کاش یہ ہماری منزل ہو، آہ کاش یہ ہماری طلب صادق کا حاصل ہو، ہمیں اسے قریب سے دیکھنا چاہیئے۔ دور نہ عجیب و غریب جگہ تب وہ تلاش کرنے لگے کتاب تک پہنچ پہنچنے کا راستہ، اور دیکھا انہوں نے عقب میں کہ چند میٹر سیڑھیاں بلندی تک گئی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ بہ آسانی کتاب تک پہنچا جا سکتا ہے، تب جیسوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھایا، لیکن ان کا قد بہت چھوٹا تھا، ان اوراق سے یوں وہ بلندی پر پہنچ کر کتاب کے بالکل نزدیک پہنچ گئے اور اس پر بھرے ہوئے الفاظ چیونٹیوں کی مانند تھے تاہم انہوں نے اس تحریر کو پہچانا کہ وقت تھی اور ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا... لیکن دفعتاً ورق کی دیوار ان کے سروں پر آ رہی، ورق الٹ گیا تھا اور وہ اس میں دب گئے، لیکن بڑا لطیف دباؤ تھا اس کا اور یوں لگتا تھا جیسے پرسکون غوابوں کی ایک دیوار ہو اور ایسی سکون بخش کہ بس سو جانے کو جی چاہے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک اونچی جگہ موجود ہیں، اور یہ اونچی جگہ نہ جانے کیوں جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کو پہلے بھی دیکھ چکے ہوں۔ لطیف ہوا کے جھونکے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران تھے۔

"کیا ہمارے وجود میں زندگی کی علامت ہے" فیروزاں نے سوال کیا۔

"ہم سانس لے رہے ہیں، اور وجود کا یہ زیر و بم ہی زندگی کہلاتا ہے" فیروزاں بولی!

"کیا آپ بھی سانس لے رہے ہیں پاپا"؟

"ہاں، بشرطیکہ کے دائرے لامحدود ہیں اور وہ جو پہاڑوں میں غاروں میں عبادت الٰہی کرتے ہیں اور وہ تارک کر دیتے ہیں، بلاشبہ فیض پاتے ہیں کہ جذبے کی منازل ہوتی ہیں، طلب و عقیدت اور تحقیق ان منازل کے راستے ہیں، اور یہ راستے کھلے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی ان پر چلنے کا ہنر جانے، جو کچھ کیا اس نے وہ درست تھا اور اس جگہ کو پہچانو اگر تمہاری یاد داشت تمہارا ساتھ دے سکے کہ یہ جگہ کیا مقام ہے"

دونوں لڑکیاں خیالات میں گم ہو گئیں، دیر تک سوچتی رہیں پھر کھڑی ہو گئیں، کیا ہم یہاں ایک چکر لگائیں"؟

"ضرور، اور مجھے بتاؤ کہ یہ کونسی جگہ ہے" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا، اور دونوں لڑکیاں اس طلسم گاہ میں چکر لگانے لگیں۔ انہوں نے اس کا جائزہ لیا پروفیسر ان کے ساتھ ہی تھا، تب وہ ایک تہہ خانے میں پہنچ گئے کہ عجیب جگہ تھی۔ ساری دیواریں عکسی ہونے والے شیشوں کی تھیں۔ اور لاتعداد سپلو نظر آ رہے تھے کہ

کسی کا تعین مشکل تھا۔ کہ فیروزاں چیخ پڑی۔

"آہ تقدیر، یہ سنی ہوئی بات لگتا ہوں کے سامنے آ گئی، پاپا، کیا یہ سلاٹوس کا دانش کدہ نہیں ہے"!

پروفیسر خاور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا کہ سمجھانے والے کا کمال ہے، اور اس نے جو تصویر کھینچی، وہ ذہن پر نقش ہو گئی، ہاں یہ وہی دانش کدہ ہے جس کے ہر پہلو میں ماضی حال مستقبل پوشیدہ ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ طلب کا انعام ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اور ہم اسے ضرور پا لیں گے، جو ہمارے دونوں میں پوشیدہ ہے۔ لیکن کیا تم تیار ہو ماضی میں کھونے کے لئے"؟

"طلب زندگی سے زیادہ قیمتی ہے اور یہ دنیا بچ ہے ہماری نگاہوں میں، ہمیں ماضی میں لے چلو پاپا خواہ کچھ بھی ہو جائے" اور پروفیسر نے ذہن پر زور دیا اور پھر متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر اس نے کہا "لیکن سلاٹوس تو اپنے دانش کدہ میں واپس آ گیا تھا"

"ہاں، اس نے ہی بتایا تھا، مستقبل کی دنیا اسے راس نہیں آئی تھی اور وہ وہاں سے آ کر چلا آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر" فیروزاں نے جواب دیا۔

"تو بہتر ہے سلاٹوس کو تلاش کریں کہ وہ دیوتا تھا ممکن ہے وہ ہمیں اس زاویئے سے آگاہ کر دے جس سے گزر کر ہم اس تک پہنچ جائیں، آؤ فیروزاں ہماری تلاش نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے تو وہ آگے بھی مدد کرے گی"

تب وہ دانش کدے سے نکل آئے اور اس کے بعد غاروں کی اس دنیا کی چھان بین کرنے لگے۔ انہوں نے ایک سمت انتخاب کی اور وہاں سے یکے بعد دیگرے دوسری جگہوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، غار در غار یہ دنیا نہ جانے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اس نے بہت تفصیل سے غاروں کی کہانی ـــــ سنائی تھی وہ اس طرح ذہن نشین ہو چکی تھی کہ اجنبی نہیں لگتی تھی، تب وہ ایک ایسے غار میں پہنچ گئے، جہاں کا ماحول بھید پراسرار تھا۔

دیواروں میں مخروطی نصب تھے جن سے لطیف دھواں اٹھ رہا تھا، عجیب عجیب خوشبوئیں چکراتی پھر رہی تھیں ایسا خوابناک ماحول تھا کہ سو جانے کو جی چاہے، اور ایک انوکھا سحر طاری ہوتا تھا۔ یہاں داخل ہونے پر۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ ایک مخصوص جگہ ہے ان غاروں میں، تب ان کی نگاہ خالی غار کے بیچوں بیچ رکھے ہوئے سیاہ رنگ کے ایک تابوت پر پڑی اور اس تابوت کے سامنے چند اوراق رکھے ہوئے تھے۔

چند ساعت وہ اس طلسم میں کھوئے رہے اور پھر پروفیسر خاور بے چین ہو گئے ضرور اس تابوت میں کوئی گمراز ہے ہم اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکیں گے، یا تم خوف محسوس کر رہی ہو" اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں پاپا، یوں لگتا ہے، جیسے ہم اب ان محسوسات کی دنیا سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا"

"تو آؤ دیکھیں اس اور تلاش کیا ہے، یا پھر پڑھیں اس تابوت کا ڈھکن اٹھا جائے، آؤ مدد کرو" پروفیسر خاور بے تابوت کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔ تب اس نے عظیم الشان تابوت کا ڈھکن اٹھا دیا، بھوری نفیس اور باکی کھوی کا بنا ہوا تھا، اور اندر دیکھا، ایک جسیم خاکی قوی جوان تھا، پراثر چہرہ لمبی ڈاڑھی، بدن کا لباس وقت کی ترتیب کھو چکا تھا، اور سانسوں کے لطیف جھونکوں سے ہی منتشر ہو گیا تھا۔ یہ کیفیت بدن کی تھی اور عجیب پرکشش منظر تھا یہ۔ وہ دیکھتے ہے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، تب پروفیسر خاور نے ڈھکن بند کر دیا۔

"بہتر ہے سونے والے کی نیند میں خلل اندازی نہ کی جائے آؤ ان اوراق کو دیکھیں، یہ کیا کہتے ہیں۔ پروفیسر نے احتیاط کے ساتھ تابوت کے سرہانے رکھے کاغذات اٹھائے اور انہیں سمجھتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں روشنی تھی۔ یہاں بیٹھ کر پروفیسر نے پہلا کاغذ اٹھایا، ایک جگمگاتی روشنائی سے ایک تحریر لکھی ہوئی تھی، پروفیسر نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔

"تقاضائے آدم تدریج ہوا ہے، انسان نے اپنے وجود سے آشنائی حاصل کرنے کے علاوہ بہت آہستہ آہستہ کئے ہیں ماں کے احساسات کو الفاظی شکل ایک طویل عرصہ کے بعد ملی ہے لیکن بنیادی طور پر جو شعور اس کے وجود پر حاوی رہی ہے وہ خیال ہے اور خیال کی زبان یکساں ہے اس خیال نے ابتدا میں اشاراتی رخ اختیار کئے۔ اور ہم نے اپنے مقاصد کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنے اعضاء کی جنبش کے سہارے لئے۔ پھر ان جنبشوں کو نام دیئے گئے، اور زبان کے ذخیرے سے نکل کر جدا ہونے والی آوازوں کو اپنی ضرورت میں ڈھال لیا، یوں زبان کو تحریری شکل ملی اور تحریر کی ابتدا بھی نقوش سے ہوئی، لیکن خیال حاوی رہا، ان مادی چیزوں پر یعنی جو محسوس کیا، جو دیکھا، جو سوچا، اسے نزدیک سے اشاروں میں اور دور سے نقوش میں ڈھال لیا اور پھر ان نقوش کی ترتیب بدل کر الفاظ کی شکل اختیار کر گئی، لیکن یہ سب آہستہ آہستہ ہوا اور بنیادی چیز پھر بھی حاوی رہی تھی ساری چیزوں پر یعنی خیال، سو اسے دیکھنے والے خواہ کسی بھی دور میں ہو، کوئی بھی زبان بولے اور پڑھ سکتا ہو۔ چشم خیال وا کرنا اس تحریر سے آشنا ہو۔ کہ یہ میرے بارے میں ہے۔ اور نام میرا سلاٹوس ہے کہ طویل زندگی پائی تھی میں نے اور لاتعداد تجربات سے گزرا ایسے لمحوں سے شناسائی رہی۔ میری کہ علم و دانش میں مجھ سے کہیں آگے تھے، یوں میں

ایک ایسے دور میں کرشنا سائی ہوئی میری ایک انسان عجیب سے اور ہم دونوں گئے مستقبل کی وادیوں میں کہ وہ عجیب تھا۔ اور ناقابل تسخیر تھا سو تسخیر نہ ہوا، وہ کہاں، لیکن میں اس کا ہم پلہ نہیں تھا اور یوں میں نے ساتھ کھویا۔ ایک ایسی ذات کا جو سمجھ میں نہ آنے والی تھی، لیکن میں اہل نہ تھا مستقبل کے آثار کا اور اکتا گیا تھا اور اس کے بعد سے مجھے جستجو نہ رہی کسی شے کی، اور انسان جب اکتا جاتا ہے تو پھر اسے سکون کی وادیوں کی تلاش ہوتی ہے تو میں نے اختیار کر لیا درس۔ لیکن میرے دانشکدے کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اس کا استعمال جوں کا توں ہے، یعنی اگر ہو سکے۔

یہاں تک کہ جمادات عالم کی سیر در کار ہو تو اس آئینے خانہ میں چلا جا اور تصور کر اس بنیادی شے کا یعنی خیال، سو جو رخ پر روشن ہو جائے اس کی سمت بڑھ اور سورج کا رتھ دیکھ لے اور یاد رکھ اس رتھ کو کہ یہ تیری واپسی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یوں دیکھ ماضی حال اور مستقبل کی تصویر کریہ الصنام ہے تیری کاوشوں کا کہ تو جہاں تک پہنچا۔ میں تیرے لئے خیر کا طالب ہوں۔

سلانوس!

پروفیسر کے چہرے پر مسرت کی کرنیں رقصاں تھیں، اس انوکھی تحریر نے انہیں جو خوشیاں بخشی تھیں وہ ناقابل بیان تھیں۔ فرزانہ اور فیروز بھی مسکرا رہی تھیں، تب پروفیسر نے بھاری آواز میں کہا۔

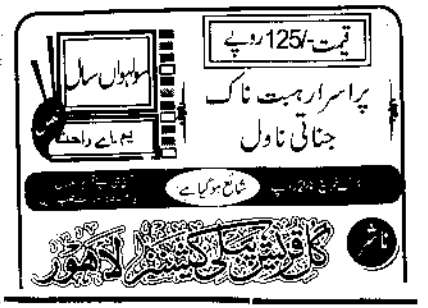
"ہر صاحب علم نے دنیا کو کچھ نہ کچھ۔ ضرور دیا ہے۔ سلانوس نے ہماری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے اور اب اس کے بتائے ہوئے نشان کے سہارے ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں، لمحات کا یقین گو مشکل کام ہے۔ لیکن میں بھی جاہل انسان نہیں ہوں۔ سلانوس کے علم کی روشنی میں ہم اپنے لئے لمحات کا تعین کر لیں گے۔"

"گویا، گویا ڈیڈی۔" فیروز اں۔ تعجب سے بولی۔

"ہاں فیروز اں، بس یوں سمجھو کہ حالات نے ہمارے لئے وہ راہ فراہم کر دی جس کے ہم محرا ہشمند تھے۔ تھوڑی سی ذہانت سے ہم منزل پا سکتے ہیں، کیسے جانکار ہیں ہم۔ اور تم کتنے ثبوت چاہو گی اس کا سیمیا کے یعنی اس دانشکدے کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا کیا وہ غلط تھا۔؟"

"اس کی تو سربہات کے ثبوت موجود ہیں ڈیڈی، کوئی غلط بات کی تھی اس نے وہ تو جھوٹ بولنے والوں میں نہیں تھا، لیکن میں نہیں سمجھ سکی، سلانوس کے دانشکدے میں موجود آئینہ خانے سے آپ کیا فائدہ اٹھائیں گے۔؟"

اس کی ذہانت بھی وجد کر گیا تھا وہ اس کے حسین تصور میں کتنا سکون ہے۔ فیروز اں ہماری تقدیر ہے۔" پروفیسر کے چہرے سے مسرت چھوٹ رہی تھی۔ فرزانہ اور فیروز اں بھی مسرور تھیں گو ان کے



سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا، لیکن وہ جانتی تھیں کہ پروفیسر ہے وجہ مسرور نہیں ہے۔ تب پروفیسر نے کہا۔ "صدیوں پرانے دانشکدے میں رہنمائی کے لئے میں تہہ از صد شکر گزار ہوں اور جو کچھ تم لوگوں نے اپنی ذات سے کیا وہ روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا۔ تیری اس ذات سے میں رہنمائی حاصل کر رہا ہوں اور اپنا مقصد پا رہا ہوں اور اس کے عوض میں خراج تحسین پیش کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں، آؤ فیروز اں اور فرزانہ، ہم اپنی زندگی کے اس عجیب تجربے سے روشناس ہونے جا رہے ہیں۔ اور اگر ہم اس تجربے میں کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو زمین پر بسنے والوں سے ہمارا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اور اگر کسی دور میں ہم دوبارہ زمین والوں کے درمیان پہنچے تو ہمیں وہ سب اجنبی لگیں گے۔!"

لڑکیوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پروفیسر کے ساتھ اس خلا سے باہر نکل آئیں اور چند ساعت کے بعد وہ دوبارہ اس طلسم آئینہ خانے میں داخل ہو گئے جس کی کچھ عجیب تفصیل بتائی تھی اس نے تب پروفیسر نے اپنے حساب سے سورج کا تعین کیا۔ اور کافی غور و خوض کے بعد سلانوس کی رہنمائی میں اپنے ماضی کے کارنامے کی اور منزل سے انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اس مانند جس طرح اس نے کبھی سلانوس کے دور کی کہانی سنائی تھی اور اور آئینے سے منعکس ہونے والی شعاعوں میں انہوں نے اپنے وجود کو تحلیل ہوتے محسوس کیا یوں کہ وہ ساکت تھے، لیکن جنبش کر رہے تھے، ان کے بدن بھی ہوا کی مانند اور اس قدر ہلکے ہو گئے تھے وہ کہ خود اپنی ذات پر تعجب تھا، تب اس کی آواز سنائی دی۔

"جہاز کے سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں، خود زیر اس نے مجھے حکیم ہاکو کے ساتھ جہاز پر مجھے اطلاع دینے آیا تھا اور اس نے اپنے نائب خاص کو اور جہاز کے کپتان کو میرے بارے میں خصوصی ہدایات دیں، سمندر کی پہلی رات میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ لیکن شامانہ کو آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور حد نگاہ پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر کچھ عجیب احساس ہو رہا تھا۔ اور یہ احساس اس کے جسم سے نمایاں تھا، اس وقت بھی وہ عرشہ پر میرے نزدیک کھڑی شاید میرے وجود کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ دفعتاً

وہ میری جانب پلٹی!

"سبوتا، کیا تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گے، تم کہیں مجھ سے دور تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا شامانہ۔" میں نے پوچھا۔

"بس یونہی، زمین و آسمان کی گردش نے زمانے کو ان کو نئے رخ اختیار کئے ہیں، میں اپنی حیات کے اختصار کے بارے میں سوچ رہی تھی، کہیں یہ، اس کے انداز میں حزن تھا۔

میسی داستان گو خاموش ہو گیا، یوں لگا جیسے شامانہ کی قربت میں ڈوبے ہوئے اسے اچانک کوئی اور خیال آ گیا ہو، اس نے چونک کر اپنے نزدیک بیٹھے ہوؤں کو دیکھا اور کھوئے ہوئے انداز میں دیر تک دیکھتا رہا جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد کر رہا ہو، پھر وہ بری طرح چونک پڑا۔

"تم..... پروفیسر... تم، آہ اور یہ دونوں لڑکیاں، یہ کیسے ممکن ہے، یہ کیونکر ممکن ہے، میں گزرنے والا ہوں، ماضی حال مستقبل سب کچھ میرا ہے۔ تم نے ماضی کے اوراق کیونکر پلٹ دیئے۔ میں نے حال سے مستقبل میں چھلانگ لگائی تھی۔ میں نے دانشمندوں کے قرب میں صدیوں کا ماضی اور صدیوں کا مستقبل پایا تھا کسی دوسرے کے لئے یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

"تمہاری رہنمائی میں ایک چھوٹی سی بات اس نا ممکن کا ممکن بن گئی۔ لیکن کیونکر ممکن تھا کہ ماضی میں کسی اور کی مداخلت ہو سکے، لیکن تم وقت ہو۔ اور وقت کی کہانی ازل سے ابد تک جاری رہے گی، سو تم کو نہ کہنے والوں میں ہو، جبکہ اس وقت کوئی نہیں جو زکا۔ جب تم نے ماضی میں خود کو منوایا۔ ہاں تم ہمیں مستقبل میں لے گئے۔ اور پھر ساری کہانیاں ختم ہو گئیں۔ لیکن ایک کہانی باقی رہ گئی میرے دوست۔ صرف ایک کہانی۔"

"کونسی کہانی۔؟" اس نے پوچھا۔

"پروفیسر خاور کی کہانی۔ اس ان دو لڑکیوں بیٹیوں کی کہانی جو وقت کے علم میں قید ہو گئے تھے اور پھر یہ قید انہیں ایسی بھائی کہ انہوں نے زندگی کی گھما پھیر دی۔ اور تمہاری چاہت میں تڑپنے لگے اور پھر سلانوس کے دانشکدے میں ہماری رہنمائی ہوئی اور ہم نے ماضی کا ایک ورق پکڑ لیا، یوں تم ہمیں دوبارہ مل گئے، سنو دوست، ہم فانی ہیں جس طرح لاتعداد بستیاں تمہارے قرب میں زندگی گزار کر فنا ہو گئیں، تو ہم بھی اس کے خواہشمند ہیں، گو دنیا کے ہنری سرغنک چاہتے ہیں، لیکن تمہارے قرب کی خواہش ہے، ہمیں پھر اپنے وجود میں ضم کر لو اور تم اس لئے پہنچے ہیں تم تک کیونکہ ہمارا وجود اب ہماری دنیا کے تقابل ہے۔ ہمیں پھر اپنی کہانیوں میں سمو لو۔ اور اتنے عرصہ کے قرب کے بعد ہم اتنا حق ضرور رکھتے ہیں کہ تم سے یہ بات منوا لیں۔"

اس کے انداز میں تعجب تھا اور ایسی ہی تعجب بھری نگاہوں سے اس نے فرزانہ اور فیروز اں کو دیکھا، پھر مسکرا دیا۔ لیکن تم تو اپنی دنیا کی خواہشمند تھیں۔!

"ہاں، لیکن جب وہ دنیا ہمیں ملی تو ہمیں بڑی اجنبی لگی۔ ہم نے تو علم کو تمہاری آنکھوں سے دیکھا تھا۔" فیروز اں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تعجب ہے میری کتاب میں ایک اور کے باب کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس تحریر کو کس نام سے منسوب کروں گا، تاہم تم یہ بتاؤ کہ اب میں تمہارے لئے کیا کروں کہ میرا سکوت ممکن نہیں ہے۔؟"

"تم گزرتے رہو، جس ماند گزرتے ہو۔ یوں ہمیں اب زندگی کی ہوس نہیں ہے اور ہم تمہارے وجود کے ساتھ بوڑھے ہونا پسند کریں گے اور ہماری کہانی کا آخری باب تم یوں لکھنا کہ بالآخر وہ بوڑھے ہوئے اور انہوں نے انہیں غاروں میں موت پائی جہاں انہوں نے صدیوں کی کہانی صدیوں کے بیٹے کی زبانی سنی تھی۔"

تب وہ مسکرا دیا اور بولا۔ "لیکن اب میں تمہیں کونسی کہانیاں سناؤں گا۔؟" اس کے انداز کی چمک بتا رہی تھی۔

"تم نے کہا تھا، ابھی تو اس کتاب کے بے شمار اوراق باقی ہیں۔ پروفیسر ان میں وہ اوراق بھی ہیں جن میں مستقبل تحریر ہے۔ اور وہ اوراق بھی جنہیں میں ابھی تحریر کروں گا۔ اگر میں یہ اوراق الٹ دوں تو تمہارے دلوں کی دھڑکنیں بند ہو جائیں، سو ہمیں ماضی کی کہانیاں سناؤ۔ وہ کہانیاں جو تمہاری داستان میں نہیں آ سکی تھیں۔ کیونکہ تمہاری آنکھوں میں صدیاں سمائی ہوئی ہیں اور صدیاں اتنی مختصر نہیں ہوتیں جتنی مختصر تمہاری داستان تھی۔"

"پروفیسر میرے دوست، علم و دانش کے برستے پانی میں نہانے والے روئے زمین سے اس قدر بے نیاز ہو جاتے ہیں، کہ گردش فلک ان کے لئے بے معنی ہے۔ سانسوں کی زنجیر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا، بدن کا بوجھ روح پر گراں ہو جاتا ہے، اور وہ بے چین ہو جاتی ہے، اس فرسودہ نظام زندگی سے جو کیمیاں ہے، اور نمود و حیات سے موت کی آغوش تک کا سفر تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ صدیوں کا تجربہ ہے میرا۔ سو تم نے دانشوری سے بھی ماضی میں تلاش کر لیا ہے کہ حال سے تو میں گزر چکا ہوں اور تم نے اس تول کی گردان والی ہے، اگر کیا وقت ہاتھ نہیں آتا، اب اس مثال کو یوں کہو کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا، لیکن اس سے ماضی میں ملاقات کی جا سکتی ہے۔ اور ماضی تمہارے ذہنوں میں قید ہے، بشرطیکہ تم اسے دماغ کے فیصلوں میں سے ڈھونڈ نکالو، ماضی اس وقت زندہ ہے جب تک تم، یا تمہیں جاننے والے۔ آؤ پروفیسر انہیں کہانیوں کی وادی میں چلو کر داستان کوئی کا لطف اسی میں ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"کیسی شرط۔" پروفیسر نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

"تم جان چکے ہو کہ ماضی حال اور مستقبل کے راز اب مجھ پر عیاں ہیں، وہ کہانیاں جن کا وجود ہے میری ذات میں پنہاں ہیں اور پھر کہانی میں میرا ایک کردار رہا ہے، سو اس بار کہانیوں کا انتخاب

تم کر دگے۔ ہاں سنانے والا میں ہوں۔"

"لیکن ہمارے ذہن اتنے کشادہ نہیں ہیں کہ ہم ماضی کے روگ دار تلاش کریں جو عام لگا محوں میں نہ ہوں۔"

"جو تصور بھی تمہارے ذہن میں ابھرے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں تو تم تک دوبارہ پہنچ جانے کی خوشی ہے۔ اور یقین کرو اس دور کے لوگ ہمیں اتنے اجنبی محسوس ہوتے کہ ہم ایک لمحہ انہیں برداشت نہ کر سکے، دنیا اس رخ پر چل رہی ہے جس کی تم نے نشاندہی کی تھی، اور ہم جانتے ہیں کہ انسان کا یہ انداز اسے کہاں لے جائے گا۔ بس ان کے ساتھ گزارنا ایک ناممکن امر ہے۔ باقی رہی کہانیوں کی بات تو اس طویل سفر میں تمہارا ہر لمحہ ایک کہانی ہوگی۔ لاکھوں کردار بکھرے ہوئے ہیں تمہاری نذر میں۔"

اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، تب اس نے نیم باز آنکھوں سے انہیں دیکھا اور سر ہلا دیا۔ "لیکن تم نے مجھے خوب تلاش کیا اور سائنس کے دانشکدے نے بھی تمہاری الجھنوں رہنمائی کی اور اس میں تمہاری ذہانت کارفرما ہے۔ آداب سکون کی انہیں وادیوں کا رخ کریں۔ لیکن اس سے قبل تمہاری ضیافت ضروری ہے، ٹھہرو میں تمہارے لئے آب سکون لے آؤں۔" وہ اٹھا اور رکا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یوں لگتا ہے جیسے وجود کائنات صرف ایک کہانی ہو۔ جو اس کے ہونٹوں سے ابھر رہی ہو۔ کیا ان داستانوں کے سوا اور کوئی پیرائی و نقش ہے۔" فروزاں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، اس کی ذات میں کائنات بھی ہوئی ہے۔ اور جب وہ اپنے بدن کی چادر کا کوئی حصہ اٹھاتا ہے تو ایک نئی کہانی سر ابھارتی ہے۔"

کافی دیر ہو گئی تھی اسے گئے ہوئے۔ وہ مختلف باتیں کرتے رہے اور اس کے انتظار میں انہیں بے چینی ہونے لگی تو وہ آ گیا۔ ہونٹوں پر وہی دلکش مسکراہٹ سجائے اور پھر اس نے صراحی اور گلاس ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"تم اس شراب لطیف سے ناآشنا نہ ہو گے۔ شربت حیات تمہارا پسندیدہ شربت۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پروفیسر نے بے اختیار سامنے رکھے برتن اٹھائے۔

"ہاں، انہیں ساری چیزوں کی تلاش نے تو یہیں دیوانہ کر دیا تھا۔ آب سکون کے چند گلاس پی کر وہ خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے کہ بیان سے باہر ہے۔ یوں لگتا تھا کہ وجود سے کچھ کھویا ہوا پا لیا ہو۔ اس کی آنکھیں خمار میں ڈوب گئی تھیں، تب اس کی آواز ابھری۔

"مجھے والپسی میں دیر اس لئے ہو گئی کہ میں اپنی کتاب کے ان اوراق پر نگاہ ڈال رہا تھا کہ جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل رہے تھے۔ ان اوراق کی کہانیاں تم نہیں سن سکے تھے، مثال کے طور پر راجہ کشکا۔ کیا تم نے اس کی داستان سنی؟"

"نہیں، یہ کون تھا؟" فروزاں بے اختیار بول پڑی۔

"گزشتہ کلپ کا راجہ۔ اور کہانی اس کی یوں تھی کہ میں ان دنوں ذہنی پتھر مروگی کا شکار تھا۔ یعنی انہیں ایام میں سے گزر رہا تھا جب میرے اوپر کبھی طاری ہو جاتی ہے اور میں سکون کی جگہوں کا متلاشی ہوتا ہوں۔ اور یہ جگہیں میری پسند کے مطابق ہونا ضروری ہوتی ہیں، تاکہ نیند کا لطف آئے۔ لیکن میری لاتعداد داستانیں شاہد ہیں کہ وقت کو قرار کہاں، زمین کے سینے پر انسان کا وجود ایک لمحے میں لاکھوں کہانیاں ترتیب دیتا ہے۔ اور ان میں سے ہر کہانی میرے وجود کو چھوتی گزرتی ہے۔ یوں سفر میں تھا کہ ایک سادہ سی مصوم سی بستی پر نگاہ پڑی۔ چاروں طرف کھیتوں میں ہریالی لہلہا رہی تھی۔ سبز رنگ کے لہلہاتے کھیتوں میں ہر سو ہوائیاں نظر آ رہی تھیں، یہ رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس کسان لڑکیاں تھیں جو کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ خوش و خرم سرخ و سپید زندگی سے بھرپور ان کی ہنسی کے جلترنگ کانوں میں رس گھول رہے تھے اور ان نوجوانوں کی تھکی قدم رو کے لے رہی تھی، لیکن ایسا ہو کہ پھر کسی الجھن میں شکار ہو جاؤں۔ کہ جہاں انسانی وجود ہوتا ہے وہاں الجھنیں ضرور ہوتی ہیں۔ سو پلٹ گیا میں اس طرح سے۔ لیکن پروفیسر میں نے علم کے وجود کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اور یہی میری کمزوری تھی۔ جس کا میں شکار تھا۔ ہر خزینہ میسر لئے دلکش ہوتی تھی۔ اور اوتار نے یہی بتایا تھا کہ علم کی کتاب میں جتنے صفحات تحریر ہو سکیں وہ کائنات کے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ سرمایہ قدرت کی امانت ہے۔ جس میں خیانت کبھی نہیں۔

کھیتوں سے دور کا رخ اختیار کیا تھا میں نے۔ اور سوچا تھا کہ اس بستی سے بچ کر نکل جاؤں۔ لیکن راستے میں گنگناتی ہوئی ایک ندی نے قدم روک لئے اور سوچا کہ اس کے کنارے بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کروں۔ ایسی خنک ندیاں بے مدحسین ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھول گیا کہ ندی بستی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اور یہاں بھی وجود انسانی ہے — ممکن ہے۔ کنارے اس ندی کے سرسبز گھاس سے رغبت ہی آرام کے لئے لیٹ گیا۔ پانی کی گنگناہٹ بڑی پرسکون بخشش تھی۔ نرم ریت کی ٹھنڈک نے وجود کو بڑا سرد بخشا۔ لیکن قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا۔ اور میں گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

لکڑی کی کھڑاؤں پہنے اوپری بدن سے ننگے وجود کو دیکھ کر میں اٹھ گیا۔ لیکن میری آنکھوں نے اس کے چہرے کی نرمی اور تمتماہٹ کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا میں نے کہ ضرور یہ کوئی صاحب علم ہے۔ اور ہونٹ وا ہو گئے اس کے مسکراہٹ کے انداز میں

اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگا دیئے۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اور تب اس کی گھمبیر آواز ابھری۔ رشیوں اور منیوں کے چہیتے کار نرالے ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ماتھے کی چمک کہاں چھپا پائیں۔ ہاں مہاراج، وہ چمک جس میں ستارے بولتے ہیں۔ اگر اجازت تو تھوڑی دیر کے لئے پاس بیٹھ جاؤں۔"

"تم لوگ کہاں چھپا چھپا پھرو گے۔ بیٹھو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور اس کی مسکراہٹ کے خلوص میں کوئی تبدیلی نہ آئی مگر میرے الفاظ تلخ تھے، وہ بیٹھ گیا۔ اور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

"سنسار دکھوں کی پوٹ ہے۔ مگر یہ نہ بھولو مہاراج کہ بھگوان نے ہی اسے بنایا ہے۔ جس بھگوان کی تلاش میں تم سرگرداں ہو۔ اس کے بنائے ہوئے انسانوں سے بھاگو گے تو بھگوان کو کیسے پاؤ گے؟"

"خوب۔ تو تم گیانی ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ کہاں گیانی اور کہاں میں۔ میں تو بس گرتا ہوں۔ بھگوان کے گن گاتا ہوں مندر میں۔ نام میرا سکھ راج ہے، لوگ سوامی سکھ راج کہتے ہیں۔ جیو تش و دیا سے پیٹ پالتا ہوں۔ ہاتھ دیکھ لیتا ہوں۔ اور سارا جیون اس تلاش میں بتایا ہے۔ پر بھی گیانی نے توجہ نہیں کی۔" اور جاپ کر رہا تھا دریا کے کنارے اشنان کا کہ کسی مہان گیانی سے سنبندھ ہو جائے اور آج اس جاپ کا آخری دن تھا۔ اور مہاراج دریا کے کنارے آنے والے تم پہلے شخص ہو۔"

"چنانچہ تم میری گردن پکڑ لو اور اس وقت تک دبائے رہو جب تک میں تمہیں گیان دینے کا اقرار نہ کر لوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں مہاراج، میری مجال کہ میں گردن پکڑوں۔ میں تو داس ہوں اور بس سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر من چاہے تو مجھے کچھ دیدیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میرے بھائی، دریا کے کنارے کی یہ جگہ بے حد خوبصورت لگی، تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے رکا گیا اس کی اتنی بڑی سزا تو نہ دو۔ میں سکون کی تلاش میں ہوں۔ انہیں پہاڑوں میں کوئی مناسب جگہ دیکھ کر سو جاؤں گا۔"

"اور داس جیون بھر جیوتش گیان کی آس میں تڑپتا رہے گا۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"سوامی سکھ راج جی۔ تمہارے جاپ میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ یا پھر اس کا آخری لمحہ پورا نہیں ہوا۔ جلدی سے جاؤ اور جاپ کے آخری لمحات پورے کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی بھول میں سب کچھ گھر جائے۔ میں تو مسافر ہوں تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اور تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔"

تب سوامی سکھ راج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ تمہارے جھوٹ نہیں بولتے مہاراج۔"

"بے شک۔ ستارے جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن۔ اوہ دیکھو تمہارا مطلوب وہ تو نہیں ہے۔" میں نے ایک اور وجود کو دریا کے کنارے دیکھا۔ یہ بھی کوئی سادھو ہی تھا، ہاتھ میں اکتارا سنبھالے ہوئے وہ بڑے مست انداز میں چلا آ رہا تھا۔

"ہے بھگوان۔ میری سہائتا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا اور پھر اس سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔ سادھو دریا کے کنارے بیٹھ کر، اپنا اکتارا ایک طرف رکھ کر جھولے سے پانی پی رہا تھا۔

سکھ راج سوامی گردن اٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گئے۔ اور میرے ذہن میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں ان دونوں کو دیکھنے لگا اور میرا دل چاہا کہ قریب سے ان کی گفتگو سنوں۔ پھر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی کہ فضول الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ، بہتر ہے کہ جلدی سے یہاں سے آگے بڑھ جاؤں۔ لیکن پروفیسر وقت کی گردش بھی کسی کے اشاروں کی پابند ہوتی ہے۔ میں اپنے جس اپنی دلچسپی کو نہیں دبا سکا۔ اور ان دونوں کی طرف چل پڑا۔

سوامی سکھ راج سادھو کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کی پشت پر پہنچ کر اس کے فارغ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا سادھو اپنی گردن اور بال جھٹک رہا تھا اور پھر اس نے سکون کی گہری گہری سانسیں لیں۔ اسی وقت اس نے شاید اپنے عقب میں آوازیں محسوس کیں اور جلدی سے پلٹ کر دیکھا، پھر لپک کر اپنا اکتارا اٹھا لیا۔

"لے جا۔ لے جا۔ اسے بھی لے جا جہاں تجھی ایک پونجی رہ گئی ہے اسے بھی بھجن لو۔ نہار استیا ناس۔" سادھو نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"نہیں مہاراج ہم چور نہیں ہیں۔ ہم تو سوامی سکھ راج ہیں۔ مندر میں بھجن گاتے ہیں۔ کھرے برہمن ہیں بھگوان کی سوگند۔ ہم نے جیون میں کبھی کسی کی کوئی چیز نہیں چرائی۔"

"مگر یہ ہو بھجن گاتے ہو۔" سادھو نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" سکھ راج نے کہا۔

"ہوں۔" سادھو غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اکتارا اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ بات ہے تو پھر کوئی بھجن سناؤ۔"

"جو۔ جو آگیا مہاراج۔" سکھ راج نے کہا اور اکتارا لے لیا۔ سکھ راج کی آواز واقعی خوبصورت تھی۔ جو کچھ وہ گا رہا تھا وہ بے مدحسین تھا۔ سادھو مست ہو گیا اور گردن ہلنے لگا۔ پھر جب سوامی سکھ راج خاموش ہو گئے تو اس نے جھومتے ہوئے کہا۔

"خوب گاتے ہو سکھ راج، بھگوان کی سوگند خوب گاتے ہو۔

ہم یہاں استھان کریں گے۔ بستاروں نے شاید اسی بستی کے بارے میں ہمیں بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا مہاراج!" سکھ راج نے پوچھا۔

"نام تمہارا سکھ راج ہے اور تم ان کو خاتی دیتے ہو جیوتش سے لگاؤ ہے تمہیں سکھ راج!"

"بڑا لگاؤ ہے مہاراج۔ وہی سیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم تمہیں گیان دیں گے۔ تمہیں جیوتش شکتی دیں گے۔ بادھے شکر رادھے شیام۔ چلو تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"ندی کے اُس پار بستی میں مہاراج۔"

"آؤ پھر۔ ہمارے استھان کا بندوبست کرو۔ آؤ۔" سادھو مہاراج اٹھ کھڑے ہوئے۔ تب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ "یہ۔۔۔ یہ کون ہے؟"

"کوئی مسافر ہے مہاراج۔ ندی کنارے آرام کر رہا تھا۔"

"سادھو معلوم ہوتا ہے۔ مگر جوان ہے خوبصورت بھی ہے۔ ابھی گیان کہاں ملا ہوگا تم کو کوئی سمبندھ ہے؟"

"نہیں مہاراج۔ آپ کے درشن کے لیے میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں پورن جاپ کر رہا تھا آپ کے لئے مہاراج۔ جیوتش سیکھنا چاہتا تھا۔"

"ہم تجھے جیوتش دیا سکھائیں گے سکھ راج تو جیتامت کر۔ آ ہمارے ساتھ۔" سادھو مہاراج چل پڑے۔ میں اب بھلا ان لوگوں کا پیچھا کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں بھی دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر مہاراج رکے۔ پھر سکھ راج کو دیکھ کر بولے۔

"کیا یہاں پانی کا تار ہے؟"

"ہاں مہاراج۔ اس اور جانے کا یہی راستہ ہے۔"

"تو آگے چل۔" سادھو مہاراج نے کہا اور سکھ راج پانی میں اتر گیا۔ اس کے آگے بڑھنے کے بعد مہاراج نے پانی میں قدم رکھا اور جلدی سے باہر نکل آئے۔ "رک جا سکھ راج۔ رک جا پانی تو بہت ٹھنڈا ہے۔"

"گیان جوت جگاؤ مہاراج۔ سادھو سنتوں کے لئے ٹھنڈا گرم کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آجاؤ۔" سکھ راج نے عقیدت سے کہا۔ اور نا چار سادھو مہاراج بھی پانی میں اتر گئے۔ میں بدستور ان دونوں کے پیچھے تھا۔ سادھو مہاراج کی حالت کافی خراب تھی۔ پانی کم کہ پہنچ گیا تھا اور یہ ندی کسی پہاڑی آبشار نے تشکیل دی تھی۔ اس لئے کھنچی ہوئی برف تو ٹھنڈی ہی ہوتی ہے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر مہاراج تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔ اور منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن سکھ راج آرام سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کھیتوں سے پرے ایک چھوٹی سی جھونپڑی سکھ راج کا مکان تھی۔ اس کے آگے گوبر اور مٹی کی دیواریں اٹھی ہوئی تھیں اور ان دیواروں کے بعد چند درخت تھے جن کے نیچے گھاس بچھی ہوئی تھی۔ برگد کا ایک بڑا درخت جھونپڑی سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سکھ راج نے کئی بار مجھے پہن لگاہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن کچھ بولے نہیں تھے۔ دونوں اس جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

حالانکہ سوامی سکھ راج خود سیدھے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی طلب نے اسے بھٹکا دیا تھا۔ اور وہ خواہ مخواہ کے لوگوں کے چکر میں پڑ رہا تھا۔ اب یہ سادھو مہاراج مجھے کوئی ٹکے کا آدمی معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن سکھ راج ان کے سامنے بچھا جا رہا تھا، ویسے ٹھنڈے پانی نے سادھو مہاراج کی حالت بری کر دی تھی۔

میں نے برگد کے اس درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ میں نے سوچا یہ سکون کی بستی ہے۔ کچھ وقت یہاں گزار کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ بہرحال یہاں رہ لگانے تو نہیں ہیں۔ اور صدیوں کی سنائی ہوئی کہانیوں میں ایک بات تو تم نے ہمیشہ محسوس کی ہوگی پروفیسر کہ جب بھی میں نے سکون کی تلاش کی کامیاب نہ ہو سکا۔ دراصل یہ احساس ہی غلط تھا کہ کائنات میرے سینے پر پھیلی ہوئی ہے۔ میں اگر نہ ہوں تو کائنات کی ترتیب بگڑ جائے۔ لوگ گزری ہوئی داستانوں کے تعین میں بھٹک جائیں۔ میری ذات سے تو ان ماہ و سال کا وجود ہے۔ سو یہ لمحہ میرا ایک کردار ضرور ادا کر رہا ہے۔ گو میں نے بھی تھکے ہوئے مسافروں کی مانند سکون کی راہ تلاش کی ہے۔ سو یہاں بھی اس سکون کی بستی میں میرے لئے سکون نہیں تھا۔

برگد کے درخت کے نیچے میرا دھونی رمانا چند دلچسپ اور اہم واقعات کی ابتدا تھی اور یہ ابتداریوں ہوئی کہ میں نے سورج ڈھلے زمین پر دھوپ پھیلتی دیکھی۔ شفق سمٹ کر انسانی روپ اختیار کر گئی تھی۔ اور سنگ میں لپٹی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ پاؤں میں پہنی ہوئی پائلوں کی چھم چھم۔ زمین اور آسمان کے درمیان ایک رابطے کا پتہ دیتی تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن روپ کی دھوپ برگد کے درخت کے قریب پہنچ گئی۔ الو کو حسن تھا۔ پروفیسر بلا شبہ سادگی اور پرکاری کا ایسا امتزاج کہ آنکھ نہ جھکے۔ ایک ہاتھ میں پیتل کا تھال اٹھائے دوسرے ہاتھ میں پانی کا چھوٹا سا پکڑے وہ میرے سامنے رک گئی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور مشرق کی ساری شرم حیا اس کی پیشانی کا جھومر بن گئی تھی۔ تب ایک لرزتا ہوا نغمہ گونجا۔ بربط کے تار پر گویا مضراب چھو گئی۔ اور میرے کانوں نے سنا۔

"بھوجن ہے مہاراج۔"

"میرے لئے دیوی؟" میں نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" جھکی جھکی آنکھیں بول پڑیں۔

"بھول ہو گئی ہوگی تم سے۔ پنڈت جی نے شاید تم سے کہا ہوگا کہ مہاراج کو بھوجن دے آؤ۔ اور تم یہاں اٹک گئیں۔"

"تو پھر۔" اس بار اس نے حیرانی سے آنکھیں اٹھائیں اور ایک لمحے کے لئے ساکت ہو کر رہ گئی۔ یوں لگا جیسے وہ اپنے آپ کو بھول گئی ہو۔ لیکن دوسرے لمحے اسے حیا کی جھرجھری آ گئی۔

"تم میرا مطلب ہے مہاراج پنا جی نے آپ ہی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا تم ان دوسرے سنت مہاراج سے بھی واقف ہو جو بستی کی جھونپڑی کے اندر موجود ہیں۔" میں نے سوال کیا اور اس نے شرمگیں نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔ آنکھیں تو مسکرا ہی رہی تھیں، ہونٹ بھی بے اختیار مسکرا اٹھے اور چمکیلے دانت نظر آنے لگے۔

"جی مہاراج۔" اس نے کہا۔

"ہاں شاید رہی۔ میں ان کا نام نہیں جانتا۔"

"وہ تو مہاراج بھوجن کرنے کے قابل نہیں رہے۔" پھول جیسی معصوم آواز سنائی دی۔ ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی۔ میں نے دلچسپی سے اس خوبصورت ہنسی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں۔؟"

"بڑے زور کا جاڑا چڑھا ہے انہیں۔ ٹھنڈے پانی میں بھیگ گئے تھے نا۔ ساری چیتنا دیا بھول گئے۔ اور اب جیون کی نگریں ہیں۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سادھو مہاراج کی بوکھلاہٹ میں نے بھی دیکھی تھی۔ اس وقت جب وہ ٹھنڈے پانی میں اترے تھے۔ گویا انہیں ان کی دروغ گوئی کا بدلہ مل گیا تھا۔ تاہم میں نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "اور سکھ مہاراج کیا کر رہے ہیں؟"

"ان کی سیوا کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑے پریشان ہو گئے ہوں گے وہ بے چارے تو۔ لائے تھے انہیں جیتش دریا سکھانے کے لئے اور اب اس جنجال میں پھنس گئے۔ مگر میرے لئے کھانا دیوی۔" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کیا آپ بھوجن نہیں کریں گے مہاراج۔" اس نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم لائی ہو دیوی تو ضرور کروں گا۔ پر بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں تو تمہارا مہمان بھی نہیں ہوں۔"

"نہیں مہاراج۔ پتا جی سادھو سنتوں سے بڑا پریم کرتے ہیں۔ آپ نے یہاں استھان کیا ہے تو کیا ہم آپ کو بھوجن بھی نہ کرائیں۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، تھال رکھ دو اور ہاں دیوی جلدی میں ہو؟"

"نہیں مہاراج!"

"تو بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر باتیں ہی کر لیں۔ میں ذرا مہاراج کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیسی حالت ہے ان کی؟"

"بڑی بُری۔ ہری اوم ہر کلام جپ رہے ہیں۔ گھر کے سارے کپڑے ان کے اوپر ڈھیر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب تو پتا جی خود بھی ان کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ پر ان کی سردی دور نہیں ہوئی۔" میں نے تو پتا جی سے کہا تھا کہ اندھیر مہاراج کو بند کر کے گھر میں آگ لگا دیں تبھی ان کی سردی دور ہوگی۔ مگر پتا جی برا مان گئے۔" وہ ہنس پڑی۔ سادگی میں شرارت بھی شامل ہو گئی تھی، مجھے بھی اس کی شرارت پر ہنسی آ گئی تھی۔

"دیکھی ترکیب بتائی تم نے۔ پر یہ بتاؤ نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے بتایا۔

"بڑا سندر نام ہے۔ تمہاری طرح۔"

"بھوجن تو کریں مہاراج۔ آپ نے تو ابھی تھال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" اس نے قدرے شرارت سے کہا۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ چہرے کی سادگی بلاشبہ سادگی ہے۔ لیکن اندر بہت کچھ ہے۔ تب میں کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ میرے نزدیک بیٹھی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر اچانک بول اٹھی۔

"پر تم نے اپنا نام نہیں بتایا سنت مہاراج۔؟"

"میرا نام، تمہی میرا نام رکھ دو روپ کلی۔"

"کیوں ماتا پتا نے کچھ نہیں رکھا؟" اس نے بدستور شرارت سے پوچھا۔

"ماتا پتا کو کس نے دیکھا ہو تو بتاؤں، میں نے ماتا پتا نام کی کوئی چیز کبھی دیکھی ہی نہیں۔"

"ہے رام۔ مر گئے وہ دونوں؟" روپ کلی نے کسی قدر سنجیدہ ہو کر ہمدردی سے پوچھا۔

"بھگوان جانے۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ اور وہ بھید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں نے صرف اس کی خوشی پوری کرنے کے لئے کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے انداز میں کسی قدر ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ جب میں نے پانی کی جانب دیکھا تو اس نے جلدی سے چمڑول اٹھا کر میری طشت بڑھا دیا اور میں نے اس کے ہاتھ سے پانی لے کر ہاتھ دھونا شروع کر دیا۔

"تو روپ کلی تم نے مجھے کوئی نام نہیں دیا؟"

"ہم کیا نام دیں مہاراج۔ سنسار آپ کو جس نام سے پکارے ہوگا وہی ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔

"تب لوگ تو مجھے صرف سنت کہتے ہیں۔"

"ہم بھی وہی کہیں گے۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں بولی۔ "تمہاری مرضی، ویسے بڑی لمبی چوڑی ہو تم۔ ایک چھوٹا سا نام بھی نہیں کر سکتیں۔" یہ میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگی۔

کھانا ختم ہو چکا تھا۔ چنا پڑا اس نے برتن اٹھائے اور میری طشتری دیکھ کر بولی: "اب آگیا دیں مہاراج۔"

"باتیں تو تم سے بہت کی کرنا چاہتا تھا روپ کلی۔ پر کہہ بھی نہیں سکتا کہ ابھی تھوڑی دیر اور بیٹھو۔"

"ابھی تو آگیا دیں مہاراج گھر کے کام کاج بھی بہتیرے ہوتے ہیں۔ آپ کا استھان تو ہے ہی۔ پھر آجاؤں گی۔" وہ برتن اٹھاتی ہوئی بولی۔ اور پھر چھم چھم کرتی چلی گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر ایکدم سورج غروب ہونے کا احساس ابھرا۔ روپ کلی گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ میں دیر تک چشم تصور سے اسے دیکھتا رہا۔ بے حد حسین لڑکی تھی، اتنی سادہ اتنی معصوم کہ تصور سے باہر۔ ان حالات میں یہ جگہ چھوڑ کر جانے کو کس کا دل چاہے۔ میں نے بھی سوچ لیا کہ کچھ وقت یہاں ضرور گذاروں گا۔

رات گہری ہونے لگی۔ پھر چاند نکل آیا اور تیز چاندنی پھیل گئی۔ پھر گھر کے دروازے پر وہی چھم چھم کرتی دیوی اور چاندنی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ میں نے سوچا مہاراج سو گئے ہوں گے اب دیکھنے چلی آئی تھی۔

"جیسے تمہارا انتظار ہو وہ حسین بھر نہیں سو سکتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"سادھو سنتوں کو تو بس بھگوان سے لو لگانی چاہئے۔ مہاراج، جہاں ناری کے پھیر میں پڑے ساری پتسیا بھنگ ہو گئی۔ میں تمہارے سکھ سے گیان کی باتیں سننا چاہتی ہوں۔" اس نے نا محمود انداز میں کہا۔ اور میں ہنسنے لگا۔

"بھگوان کو پانے سے پہلے نشٹ کو پانا پڑتا ہے روپ کلی۔ تم مجھے نشٹ سے دور کرنا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔ اور وہ حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"بات تو تم نے سچ کہی ہے سنت مہاراج۔ پر، تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے۔؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے روپ کلی۔"

"بس۔؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، تم نے اور کیا سوچا تھا۔؟" میں نے بھی سوال کر ڈالا۔

"تم حیران ہونا سادھو مہاراج، اس لئے بھول میں پڑ گئی تھی کہ کہیں پریم روگ تو نہیں لگ گیا تمہیں۔ مگر اب ٹھیک ہے۔ بھگوان کی سوگند مجھے اس بیماری سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ اور میں اسے دیکھنے لگا!

"تمہیں تو کبھی نہیں لگی یہ بیماری۔؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ستت جی، دوسروں کو دیکھ کر من میں فیصلہ کر لیا کر بھگوان نے منش کو دو روپ بخشے ہیں، نر اور ناری کے۔ دونوں کے مان الگ الگ ہیں، نر کے چوڑے سینے میں سنسار کو تسخیر کرنے کا مان ہے اور ناری کے من میں حیا کی جوت ہے۔ بھگوان اکاش سے جو ڈورے تارتا ہے اور سنسار میں دونوں کہیں دکھیں اٹکتے ہیں۔ یہ کام بھگوان کا ہے۔ ناری اپنے نر کے چرنوں میں پریم آرتی اتارتی ہے اور نر اسے سینے میں بھر لیتا ہے۔ جب بھگوان نے یہ کام سنبھال رکھا ہے تو ہم بے صبری کر کے اس کا آدیش کیوں توڑیں، اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں، ایسے کام کیوں کریں جس سے نہ ہماری حیا باقی رہے نہ ناری کا مان۔ ماتا پتا کی عزت۔ بھگوان کا ایک آدیش توڑنے سے کتنے لوگوں کی ان ہتیا ہوتی ہے۔ ہم ایسا کام ہی کیوں کریں۔"

معصوم لڑکی کی منطق بڑی عجیب تھی۔ تب میں نے کہا۔

"لیکن پریم تو تمہارے بھگوان ہی کا ایک روپ ہے۔"

"ہے مہاراج۔ پر پریم کے روپ بھی تو بھگوان نے بنائے ہیں۔ ماں کا پریم بیٹے کے لئے باپ کے لئے، بہن کا بھائی کے لئے۔ بیٹی کے لئے ماتا پتا کے لئے اور بہت سے پریم کے ناطے ہیں، نر ناری کا پریم بھی اٹوٹ ہے۔ پر اس کے لئے بھگوان نے سیدھے راستے رکھے، اس پریم کی پوتر تا سب سے بڑی ہے۔ اور یہ پریم سادھو تری کبھی من میں کالک نہیں لگاتی۔" لڑکی نے کہا اور میں اس ارسطو زادی کو تعجب سے دیکھنے لگا!

"میں نے کوئی انہونی کہہ دی ہے مہاراج۔؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں دیوی، تو ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر سر جھکائے پاس بیٹھے بیٹھے وہ چلی گئی۔ میں اس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ کتنی معصوم آگہی ہے اس میں، بڑی مہارت سے مجھے دھرم اپدیش دے گئی تھی۔ مجھے ہنسی آگئی اور پھر میں برگد کے اس درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری صبح جب آنکھ کھلی تو سورج چڑھ آیا تھا۔ رندھیر جی مہاراج بھیگے ہوئے الو کی مانند دھوپ میں بیٹھے سو کھ رہے تھے۔ سکھ راج ان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن چند ساعت کے بعد وہ گھر سے برآمد ہوا اور اس نے میری طرف دیکھا، مجھے جاگا دیکھ کر وہ میری طرف بڑھ آیا۔

"پالاگ مہاراج۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور میں نے بھی اس کے انداز میں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "آپ سو رہے تھے سوامی اس لئے میں نے آپ کے لئے صبح کا بھوجن نہیں بھیجا۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

"سنئے سکھ راج سوامی، ہم تمہارے مہمان نہیں ہیں۔ ہم تو

اس بوڑھے برگد کے مہمان ہیں، تم ہمارے لئے تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو۔؟"

"یہ برگد میرے گھر کے سامنے ہے مہاراج، اور پھر یہ بھی کوئی تکلیف کی بات ہے، آپ کی سیوا میرے لئے خوشی کی بات ہے۔"

"تمہارے رندھیر سوامی کا کیا حال ہے۔؟"

"ساری جیوتش وِدیا بھول گئے۔ ٹھنڈے پانی میں۔ ویسے مہاراج تم نے اپنے من کا حال نہیں بتایا۔" سکھ راج نے کہا۔

"من کا حال کچھ وہی ہے سوامی جو تن کا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ٹھہرو پہلے میں بھوجن لے آؤں۔ خود بھی تمہارے ساتھ ہی بھوجن کروں گا۔" اس نے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک تھال لئے ہوئے میرے پاس پہنچا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ کھاؤ مہاراج اور ہاں رات کو سونے کے لئے چھت موجود ہے تو برگد کے نیچے کیوں پڑے ہو۔ آج سے اندر رہا کرو۔" اس نے منت کی۔

"ایک چھت کے پیچھے تین گیانی نہیں رہ سکتے سکھ راج۔ اور پھر میری موجودگی میں تم رندھیر مہاراج سے جیوتش گیان بھی نہیں سیکھ سکو گے۔"

"کچھ بھول ہو گئی ہم سے۔ نہ جانے کیوں ستارے بتاتے ہیں کہ رندھیر مہاراج بس مہاراج ہیں۔ اور جیوتش کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ پر نہ جانے مہاراج کیوں سپھل نہیں ہوا۔ انہیں تو بڑی آس تھی۔"

"ستاروں کا کھیل جتنا جانتے ہو اتنا کافی نہیں ہے سکھ مہاراج۔؟"

"گیان کا ورد ان تو اتھاہ ہے مہاراج منش کا من کہاں بھرتا ہے۔ پر ہمارے من میں تو ایک کالا دھبہ ہے۔ ہم تو اپنی بیٹی کے لئے دکھی ہیں۔ ہم اس کے کشٹ کا اُپائے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں ستارے ہماری مدد نہیں کرتے۔ ہماری ساری کوشش کسی ایسے گیان پرش کی تلاش کے لئے ہے جو ہماری بیٹی کے بھاگ سے یہ کالا من نکال ڈالے۔"

"کیا مطلب۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جیوتش گیان ہمارے بتاتا ہی نے ہمیں دان کیا تھا، وہ بہت بڑے جیوتشی تھے، ہم نے ان سے جو کچھ سیکھا اسے کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ خود مندر میں بھجن کیرتن کر کے پیٹ پالتے رہے پر ہمیں شوق نہ تھا مہاراج اور ہم ستاروں سے سنسار کے حالات معلوم کرتے رہے۔ ستاروں نے ہمیں بتایا کہ روپ کلی کی ماں جیون کے تیسویں ورش میں ساتھ چھوڑ دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے جیون کا سب سے بڑا دکھ روپ کلی کی ہے۔ سوامی پر اس کی جنم کنڈلی کی کالی چھایا کے بھاگ میں اتنے ہیں کہ ہمارا من ڈوبنے لگتا ہے۔ ہم ستاروں کی چال بدلنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، مگر ناکام رہے۔"

"اوہ، روپ کلی کے ستارے کیا بتاتے ہیں۔؟"

"خاموش ہیں مہاراج، اس لئے ہیں، جب کبھی انہیں تلاش کر کے ٹٹولو وہ تاریکی میں چھپ جاتے ہیں۔" سکھ راج نے اداسی سے جواب دیا۔

"کیا یہ بات روپ کلی کو معلوم ہے۔؟"

"نہیں مہاراج، بچوں کو ایسی باتیں بتا کر ان کے من کو نہیں ڈرایا جا سکتا۔" سکھ راج نے کہا۔ اور میں خاموش ہو کر اس کی پریشانی پر غور کرنے لگا۔

بہرحال سکھ راج، میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ رندھیر نے سکھ راج کو آواز دی اور وہ اٹھ کر چلا گیا، میں دیر تک ان حالات پر غور کرتا رہا تھا، پھر سکھ راج نے مجھے وہیں آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ رندھیر مہاراج اب کسی حد تک ٹھیک تھے۔ انہوں نے مجھے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔

"تم یہاں دھونی رما کے کیوں پڑے ہو۔؟" انہوں نے پوچھا۔

"ارے نہیں مہاراج، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، دھرتی بھگوان کی ہے۔" میرے جواب دینے سے قبل سکھ راج بول پڑا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں رندھیر جی۔؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا معلوم نہیں۔؟"

"اپنی جیوتش وِدیا سے معلوم کریں کہ میں یہاں کیوں پڑا ہوا ہوں۔۔۔"

"اس کا رن جیوتش کی کیا ضرورت ہے، تم جیسے جوان سادھو اپنے نکمے پن کو چھپانے کے لئے جوگی کا روپ دھار لیتے ہو اور بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ اس سے زیادہ تمہاری کیا اوقات ہے۔" رندھیر مہاراج نے کہا۔

"ارے ارے کیا باتیں شروع ہو گئیں، کچھ گیان دھیان کی باتیں کریں مہاراج، سادھو سنتوں کو ان باتوں سے کیا دلچسپی۔ میری باتیں کریں مہاراج۔ میرے کشٹ کو دور کرنے کے لئے آپ میری کیا سیوا تاکر سکتے ہیں۔؟"

"میں تمہارے لئے بہت کچھ کر دوں گا سکھ راج، ذرا مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔" رندھیر نے کہا۔

"آپ ابھی ٹھیک نہیں ہوئے مہاراج، ویسے آپ کی دیا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ پانی بہت ٹھنڈا ہے۔" میں نے از راہ مذاق پوچھا۔

"کیوں نہیں بتایا، مگر ہم تو سکھ راج کا کشٹ دور کرنے آئے تھے۔ اور اس کے لئے ہمیں جو تکلیف بھی اٹھانی پڑے ہم تیار ہیں۔"

"واہ، یہ تو بڑی اچھی بات ہے، کوئی بات ضرور سوچیں۔"

"ہم نے سوچ لیا ہے۔" رندھیر نے جواب دیا۔

اچھا، کیا سوچا مہاراج؟" سکھ راج نے پوچھا۔ اور رندھیر جی نے آنکھیں بند کرلیں۔ دیر تک خاموش رہے پھر آنکھیں کھول کر بولے۔ "تیری بیٹی کی جنم کنڈلی میں کالا دوشہ ہے نا سکھ راج اور بچپن سے آج تک اسے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو اس کی سیاہی دور ہو جاتی تو اب ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ تو اس کی شادی کر دے مہادیو اور ناری کے ستارے مل کر ایک ہو جائیں گے اور کشٹ کسی ایک پر نہیں رہے گا۔ یوں بھی تیری بیٹی اب شادی کے قابل ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے مہاراج۔" سکھ راج نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس سے ٹھیک بات کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی سکھ جی، ہم نے جو کہا پتھر کی لکیر سمجھو۔"

"میں سوچوں گا مہاراج۔" سکھ راج نے کہا اور پھر وہ دیر تک مختلف باتیں کرتا رہا۔ شام کو روپ کلی آئی، ہنستی مسکراتی لڑکی لیکن زندگی میں ٹھوس اصولوں سے بھی ہوا تھا۔ ایک عجیب سی شخصیت کی مالک تھی وہ پروفیسر، بظاہر ایک عام اور سنجیدہ لڑکی لیکن جوں جوں اس کے وجود کی گہرائیاں نظر آتی رہیں میں اس سے متاثر ہوتا گیا۔ اس شام بھی میں نے اس سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اور پھر جب وہ چلی گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کے متعلق سوچوں گا۔

اب آدھی رات کو جب آسمان پر ستاروں کی نگرانی تھی طویل وقفہ کے بعد میں نے ان دوستوں سے ملاقات کی۔ رہنما ستارے اپنی جگہ میرے منتظر تھے جہاں بھی گیا انہوں نے مجھے اپنی ہم نشینی سے مایوس نہیں کیا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دیئے۔ تب میں نے ان سے مختصر سی گفتگو کے بعد روپ کلی کے بارے میں پوچھا۔ اور ستاروں نے ایک جانب اشارہ کر دیا چند مدھم ستارے میری نگاہوں میں آئے۔ اور پھر وہ میری عقل سمجھتے چلے گئے۔ ان کی سیاہی روشن ہو گئی ـــــ اور جو کچھ اس سیاہی سے ابھرا وہ تعجب خیز تھا۔ روپ کلی کا مستقبل میری آنکھوں میں روشن ہو گیا اور ستاروں کی یہ کہانی مجھے بڑی عجیب بڑی دلکش محسوس ہوئی۔

پروفیسر جہاں جہاں انسان کا وجود ہے وہاں وقت متحرک ہے، زمین، دریا، پہاڑ، درخت ایک ہی کہانی سناتے ہیں۔ یہ سب کے سب پرسکوت مٹیالین میں تغیرات ان کی زندگی میں بھی ہیں، ہوائیں پتھروں میں کاٹ کرتی ہیں اور ان کے نقوش بدلتی ہیں لیکن صدیوں کی عمر کے بعد زمین پر کوہ پیکر ابھرتی ہیں۔ اور سوکھ جاتی ہیں، درختوں پر خزاں اور بہار آتی ہے، لیکن وقت سے اور یہ وقفہ اتنا طویل ہوتا ہے۔ کہ وقت کی آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ درحقیقت سب کی ایک ہی کہانی ہوتی ہے، یکساں کہانی۔ اس کے علاوہ ان کے وجود میں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لیکن انسان کا ہر وجود ایک علیحدہ کہانی کا حامل ہوتا ہے۔ ہر انسان کی کہانی اور ہوتی ہے۔ اور انسانوں سے متعلق کہانیاں بے حد دلکش ہوتی ہیں۔ چنانچہ میری دلچسپی ان کے وجود میں ہے۔ سو جو کہانی میں نے ستاروں کی زبانی سنی۔ اس نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس معصوم ہستی کو زنجیروں اور کچھ لمحے یہاں گزاروں۔ لیکن یہ کہانی ستاروں کا قرض تھی مجھ پر، اور رازداری کا تقاضہ یہ تھا کہ میں اسے عام نہ کروں تاہم مجھے اس معصوم کلی سے ہمدردی بھی تھی جو اپنی ذات میں ایک انوکھی دنیا سمائے ہوئے تھی۔

ستاروں کی ہمنشینی میں خاصا وقت گزارا، اور اس کے بعد رات کی تاریکی آنکھوں میں سما گئی اور دوسری صبح اس وقت جاگا جب سکھ راج کی آواز سنائی دی،

"صبح ہو گئی ہے مہاراج، سورج چڑھ گیا ہے۔ جاگ جاؤ، بھوجن کا سمے ہے۔" اور میں جاگ گیا، ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھ گیا سکھ راج میرے سامنے کھڑا تھا۔

"بڑی تکلیف کرتے ہو میرے لئے سکھ راج، مجھے افسوس ہے۔"

"بھگوان کی سوگند تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی منش کی سیوا تو منش پر فرض ہوتی ہے۔ آپ نے ہماری رکھشا اور رات اس جگہ گزاری۔"

"بڑے آرام سے تھا میں سکھ راج، ارے ہاں ہمارے رندھیر مہاراج کہاں ہیں آج نظر نہیں آ رہے؟"

"رات ہی کو چلے گئے، وہ سنیاسی نہیں بہروپیا بھی تھے مہاراج ہم سے بڑی بھول ہو گئی ہے۔"

"کیا ہوا سکھ راج۔؟"

"رات کو اس نے ہم سے ایسی باتیں کیں کہ بس، اگر نیند کو دکھ پہنچانا پاپ نہ ہوتا تو ہم اسے بہت مارتے۔"

"ارے ارے۔ کیا ہو گیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس ایسی ہی بری باتیں کی تھیں اس نے۔ کہنے لگا، بس ایک جی اپائے ہے کہ روپ کلی کی شادی کرا دی جائے اور اس کے لئے۔ اس کے لئے اس نے خود کو پیش کر دیا، اس نے کہا کہ وہ روپ کلی کو بیاہ کرے جائے گا اور اسے سکھ سے رکھے گا، پاپی کہیں کا!"

"اوہ۔ تو پھر؟"

"بس مہاراج، سنسار میں ایک بیٹی کے سوا موجود ہے ہی کون، برداشت نہ کر سکے اور اسے کھری کھری سنا دی، شراپ دے کر چلا گیا۔"

"اچھا ہی ہوا سکھ راج، ایسے آدمی کا گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اور تم، تم ہر ایک کے چکر میں مت پڑو۔ بتایا ایک دھرم ہے

اور دھرم یہی کہتا ہے کہ بھگوان جو کرے گا ٹھیک کرے گا۔"

"آپ سچ کہتے ہیں مہاراج! بالکل سچ کہتے ہیں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا، آخر ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ پھر ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ تب سکھ راج نے کہا۔

"آپ کچھ چلیں مہاراج، چند روز میرے ساتھ رہیں، مجھے خوشی ہو گی۔ اور پھر روپ کلی کے وواہ کے لئے میں آپ سے مشورے کروں گا۔ بہت سے رشتے بھی آئے ہیں میری روپ کے لئے، محود جاگیردار لچھمن رام نے اپنے بیٹے کے لئے، دبی زبان سے کہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ رانگھک ہیں اور رانگھکوں کی شادی برہمن کی بیٹی سے نہیں ہوتی، ہم بھی مہاراج خون کا خاص خیال رکھتے ہیں چاہے سندر ہیں صفائی کرنے والا ہو مگر کھری ذات کا ہو۔ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ کوئی رشتہ لے ہی لیں روپ کلی کے لئے۔"

"ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن تم بڑے بھولے ہو سکھ راج، ایک غلطی کر کے دکھ اٹھا چکے ہو اور غور نہ کی۔ دوسری غلطی کرنے جا رہے ہو۔"

"دوسری غلطی۔؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"میرے بارے میں تمہیں کیا معلوم کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ پھر بھی مجھے اپنے گھر میں جگہ دے رہے ہو۔" میں نے کہا اور سکھ راج سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔

"بات تو ٹھیک ہے مہاراج۔"

"تم میری فکر مت کرو، میں ٹھیک ہوں، آج بستی کی سیر کروں گا۔ ہاں رات کو یہاں رہنے کی اجازت دیدو!"

"بستی میں کہیں جاؤ مہاراج، پر سمجھ بوجھ کر، ہمارے ہاں کر و گے، اس بات کا وعدہ کرو۔"

"چلو ٹھیک ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور میں کچھ یہاں رک کر اس دلچسپ واقعے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا پروفیسر جو پیش آنے والا تھا۔ اس لئے میں نے یہاں رکنے کی ٹھانی، پھر اس روز میں نے بستی کی سیر کی اور اس وقت میں ایک چھوٹے سے بازار سے گزر رہا تھا، جب میں نے سنا۔ کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"روگاو اس کالیدان ضرور ہو رہا ہے، راج کمار پتیو سنگھ آج پاکل یہاں پہنچ جائے گا، بستی والوں کو چوری چوری خبر کر دو۔ جیسے موقع ملے خاموشی سے یہاں سے نکل جائے۔ نہ جانے کس اپھاگی پر کشٹ آ جائے۔"

"پتیو سنگھ آ رہا ہے۔؟"

"اوش۔" آوازوں میں سنسنی تھی اور ہر جگہ گھوم کر میں نے بستی والوں کے ہراس کا اندازہ لگایا وہ سب پتیو سنگھ سے خوفزدہ تھے۔ تب رات کو میں نے سکھ راج سے پتیو سنگھ کے بارے میں پوچھا۔

"راجہ کشن سنگھ کا بیٹا ہے، اکلوتا بیٹا، غریب خون کی علامت راجہ کشن سنگھ کا۔" سکھ راج نے کہا۔ مہاراج راگھوت لال ٹھاکر کا منہ چڑھا تھا۔ ایک معمولی سا انسان لیکن نہ جانے کس طرح راجہ راگھوت اس کے جال میں پھنس گئی۔ راگھوت کا حوصلہ بڑھتا گیا اور رانی کی کوشش سے راگھو سنگھ نے راج گدی پر قبضہ کر لیا۔ یوں کشن سنگھ کو راج گدی ملی، غریب خون کا خراب نشان کشن سنگھ جو بڑا کام کر سکتا تھا کرتا رہا اور بھیما اس نے رجواڑہ سے شادی کر لی۔ سڑکوں اور گلیوں میں ناچنے والی رجواڑہ رانی بن گئی اور اس نے پتیو سنگھ کو جنم دیا۔ اور اب یہ راجہ پتیو سنگھ کے رحم و کرم پر ہے۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔"

"ہاں مہاراج کسی کی عزت محفوظ نہیں ہے، کوئی سکھ سے نہیں ہے، پتیو سنگھ جہاں جاتا ہے وہاں دکھ پھیل جاتا ہے۔"

"وہ یہاں آ رہا ہے سکھ راج!"

"کب۔؟" سکھ راج نے پریشانی سے پوچھا۔

"شاید بہت جلد۔" میں نے جواب دیا۔

"بھگوان بستی والوں کی رکھشا کرے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لوگ بستی چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔"

"براکر رہے ہیں، اسے پتہ چل گیا تو بہت ناراض ہو گا۔ اپنا اپمان سمجھے گا پاپی، اپنے پاپوں کو کون دیکھتا ہے۔"

"تمہیں خطرہ نہیں ہے مہاراج۔؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس لئے کہ پتیو سنگھ کی جنم کنڈلی میں نے بنائی تھی۔ اور کشن سنگھ نے مجھے وچن دیا تھا کہ میری رکھشا کی جائے گی۔ میں نے اس سے کوئی اور چیز نہیں مانگی، پر میری عزت کی جاتی ہے۔"

"اوہ، یہ بات ہے۔"

"پھر بھی میں بستی والوں کے لئے پریشان ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ میں خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن پھر میں پتیو سنگھ کے افکار میں مصروف ہو گیا۔ جس میدان کی بات کی گئی تھی میں نے اسے تلاش کر لیا۔ یہاں خیمے نصب کئے جا رہے تھے۔ بے شمار لوگ معروف تھے۔ بستی سے بھی بیگاری کے لئے لوگ پکڑ کر لے جائے گئے تھے۔ میں ان تمام کارروائیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دو دن گزر گئے، تیسرے دن راجکمار پتیو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ بستی کے بڑے بڑے لوگ اس کے سواگت کو گئے تھے۔ راجکمار ایک خوبصورت جوان تھا لیکن انداز سے سرکشی نمایاں تھی۔ اس نے والوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھا رہا تھا۔ تب ایک بار اس نے اپنے ایک پیشرو سے کہا

"کیوں لال کیا اس بستی میں عورتیں نہیں رہتیں؟"

"کیوں نہ رہتی ہوں گی راجکمار جی۔"

"ایک بھی نہیں آئی ہم سے ملنے سسری۔ کیا بستی والے ہمیں اس قابل نہیں سمجھتے۔" ڈرامائی چھوان سے۔"

"کیوں بستی والو۔ تمہاری عورتیں راجکمار کی سیوا میں کیوں نہیں آئیں۔ مکھیا جنس راج تم بتاؤ۔" گجن لال نے ایک بوڑھے ہاری سے کہا۔

"عورتیں گھروں کی شوبھا ہوتی ہیں مہاراج، ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم سب جو آ گئے۔"

"مگر یہ راج کمار کا اپمان ہے۔" گجن لال نے لال پیلی آنکھوں سے کہا۔

"کس کی مجال کہ راجکمار جی کا اپمان کرے۔ اگر راجکمار جی ایسا سمجھ رہے ہیں تو کل ساری عورتیں سیوا میں توشیوں کے پھول لائیں گی۔" مکھیا نے جان بچانے کے لئے کہا۔ اور راجکمار کا منہ بن گیا۔ وہ ان لوگوں سے اچھے انداز میں نہیں پیش آ رہا تھا۔ بہرحال آہستہ آہستہ کر کے سب چلے گئے۔ البتہ میں نے تھوڑے فاصلے پر دھونی رما دی تھی۔ مجھ سے کسی نے تعرض بھی نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کسی نے میری طشت توجہ دی۔ دن بھر میں نے دور سے راجکمار کے نو آباد خیموں کے شہر کا جائزہ لیا۔ حسین عورتوں کی کافی تعداد تھی۔ جس سے راجکمار کی اوباش فطرت کا اندازہ ہوتا تھا۔ بہرحال میں نے ان کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں رات کو میں سکھ راج کے پاس ضرور گیا تھا۔

سکھ راج دکھی تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں نمایاں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تو وہ بولا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اس کی باتوں سے پتہ نہیں چلتا کہ اس کی فطرت کیا ہے۔"

"ہاں۔ یوں بھی میں اس کی رہائش گاہ کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔"

"تم نے ہو مہاراج۔ اس کے کسی آدمی سے بھڑنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔" سکھ راج نے کہا۔

"اب کیا ہو گا سکھ راج۔ کیا کل ساری عورتیں اس کی خدمت میں جائیں گی۔"

"ہاں اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ مکھیا نے وعدہ کیا ہے۔ دوسری صورت میں نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"تم اس سے نہیں ملے سکھ راج۔"

"ملا تھا، مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ یوں بھی وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں نے اس کے بعد ان سے کبھی ملاقات نہیں کی۔"

"ہوں۔" میں۔ پرخیال انداز میں بولا۔ لیکن میں دل ہی دل میں بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ میں نے برگد کے نیچے بیٹھ کر بہت سے فیصلے کئے اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے نیموں کے شہر کی جانب چل پڑا۔ نیموں کے شہر سے تھوڑی دور میں نے اس ریوڑ کو پایا اور بھاڑ جھنکار جمع کر کے ان میں آگ لگا دی۔ شعلے کافی بلند ہو گئے تھے اور دھواں پھیل رہا تھا۔ تب چند آدمی میرے قریب پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔ "اے سادھو مہاراج۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ تمہیں پتہ نہیں یہاں راجکمار بیتو سنگھ سدھارے ہیں۔"

"پتہ ہے مہاراج، مگر ہم سے انہیں کیا کام ہے۔"

"یہ آگ بند کرو، ورنہ کہیں ہم تمہیں اسی میں ڈال کر بھسم نہ کر دیں۔"

"اگر تمہارے راجکمار کو اس سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو ضرور ایسا ہی کرو بھائی، آگ تو ضرور جلے گی۔" میں نے کہا اور آنے والے آپے سے باہر ہو گئے، انہوں نے آگ کو منتشر کر دیا اور مجھے گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ لیکن میں نے چند ساعت کے بعد آگ دوبارہ روشن کر دی تھی۔

اس بار وہ لوگ بڑے غیظ و غضب کا شکار ہو کر آئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے آگ پر پانی ڈال کر اسے بجھایا اور بعض نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے تعرض نہیں کیا تھا، تب وہ لوگ مجھے لے کر نیموں کے شہر میں پہنچ گئے۔ ایک طشت سے سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں، گھنگروؤں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھے ایک خیمے میں دھکیل دیا گیا اور ان میں سے ایک آدمی بولا۔ "اگر رات بھر یہاں سے باہر نکلے تو اپنی موت کا آغاز دو گے۔"

"تو میں اپنی موت کا آغاز دے رہا ہوں بھائی، تم ادھر سے نکلو گے تو میں ادھر باہر نکل جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"نکل کر دیکھو، یہ تلواریں تمہارے ٹکڑے کر دیں گی۔"

اور میں کے اطمینان سے خیمے سے باہر قدم رکھ دیا۔ ان میں سے ایک نے غصے سے تلوار سونت لی تھی، لیکن دوسرے نے اسے روک کر۔ "نہیں، نہیں ایسا مت کرو۔ ممکن ہے راجکمار کو یہ بات پسند نہ آئے، اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔"

"اس سے کیوں شامت آئی ہے۔"

"اور کیا کیا جائے۔ چلو اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔ وہ جو کر گیا دیں گے۔" اور وہ لوگ مجھے پکڑ کر اس طشت کے لئے جہاں ناچ گانا ہو رہا تھا۔ حسین رقاصائیں نیم عریاں لباس میں بدن کے جوہر دکھا رہی تھیں، شراب کا دور چل رہا تھا، راجکمار بدمست تھا اور دوستوں کے ساتھ بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔

مجھ پر نگاہ پڑی تو چونکا، اور پھر ہاتھ اٹھا کر مجھے قریب لانے کا اشارہ کیا۔ مجھے گرفتار کرنے والے مجھے لئے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔ "کیا ہو رہا ہے یہ۔ کون ہے یہ اور کیوں پکڑ لائے ہو اسے۔"

"برائے کھوٹ سادھو ہے مہاراج، آگ جلا رہا تھا۔ ہم نے منع کیا تو نہیں مانا اور دوبارہ آگ جلا دی۔ خیمے میں بند کیا تو بولا کہ ادھر جاؤ گے تو میں ادھر سے نکل جاؤں گا۔ مجبور ہو کر اسے آپ کے پاس پکڑ لائے۔"

"کیوں سادھو مہاراج، مرنے کے لئے یہی جگہ رہ گئی تھی۔" راجکمار نے پوچھا۔

"ہاں دیکھا چیتو سنگھ۔ سوچا تمہارے ہاتھوں ہی مریں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"یہ سونے کی مورتی بوجھ کیوں لگ رہی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔ چلو چھوڑ دو اسے۔ اور تم بھاگ جاؤ۔" نہ جانے کیوں وہ مجھ پر مہربان تھا۔ رقص برابر جاری تھا۔ لیکن چیتو سنگھ مجھے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ "بھگوان کی سوگند تم نے سنیاس لے کر بڑی ناریوں کا حق مارا ہے۔ تمہارے جیسے جوان کو تو سیج بازار کھڑے کر لینا چاہئے تھا کہ حسینائیں ہر راتوں کی طرح آئیں اور جل کر راکھ ہو جائیں۔ ۔ ۔ ۔ گجن لال۔"

"جی مہاراج۔"

"تم نے ایسا حسین۔ ایسا بانکا کبھی دیکھا۔"

"آپ کو دیکھنے کے بعد مہاراج کوئی اور نگاہ میں کہاں چڑھے، مگر سادھو واقعی خوبصورت ہے، اس کا بدن تو سونے کا معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں، ہم نے انسانوں کا رنگ ایسا کبھی نہیں دیکھا یوں لگتا ہے جیسے یہ سونے کے تالاب میں نہا کر آیا ہے۔"

"یہ سادھو سنت جڑی بوٹیوں کے متوالے ہوتے ہیں مہاراج، ممکن ہے اس نے ایسی کوئی لاگ لگائی ہو۔" چیتو سنگھ نے کہا۔

"دھرتی بھگوان کی ہے، اس کے بارے میں جو کوئی جاننے دوسرے کو ضرور بتائے، تم جو کچھ بھی کر رہے تھے اسے بھول جاؤ۔ مہاراج، ہمارے مترنن جاؤ اور انہیں بھی اپنے جیسا بناؤ، بولو ہماری سہائتا کرو گے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم جیسے بن جائیں اور سارے سنسار کی ناریاں ہمارا نام لے کر آنکھ کھولیں اور ہمیں یاد کرتے کرتے سو جائیں۔"

"ٹھیک ہے کمار، میں تجھے یہ گر بتا دوں گا۔"

"آرام سے بیٹھو مہاراج۔ بہت سی باتیں کریں گے تم سے۔ ناچ دیکھو، یہ بھی تو بھگوان کی ترن ہیں، ہاں مگر اس جوانی میں تم پر کیا چنتا پڑی کہ سنیاس لے لیا، جوانی تو چند روز کے لئے آتی ہے، اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ۔ باقی اس کے گزر جانے کے بعد تو سنسار فنا ہو جاتا ہے۔ لیجئے مہاراج کو ایک جام دو۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں شراب نہیں پیوں گا، لیکن میں نے اطمینان سے جام لے لیا، اور راجکمار ہنسنے لگا۔ "واہ۔ بڑا کام کیا ہے میں نے جیون میں، ایک

سادھو کو انسان بنا دیا، وہ ہنستا رہا، میں تو اپنی سوچ پر عمل کر رہا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اور رقص میں تیزی آ گئی تھی، راجکمار بدمست ہو گیا، اور میرا گہرا دوست بن گیا۔ تب اس نے میرے لئے ایک آراستہ خیمہ منتخب کیا اور مجھے پیش کش کی کہ میں ان رقاصاؤں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لوں۔ تب میں نے ایک حسین رقاصہ کی جانب انگلی اٹھا دی، اور رقاصہ کو میرے خیمے میں چھوڑ دیا گیا۔

"لگے تو یوں ہے کہ جیسے تم آکاش سے اترے ہو۔ دھرتی کے لوگ تو تم جیسے نہیں ہوتے۔ مگر یہ جوگیوں کا روپ کیوں دھارن کیا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"مجھ سے کیوں کر تیری تلاش میں ہے۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہ۔ نہ۔ کہو گے بھی تو ہم نہ مانیں گے۔ ہم مردوں کی باتوں سے بڑے واقف ہیں، من چاہے تو سچی بات بتا دو۔ بھگوان کی سوگند میں شیطان کے دوست مگر جوگی۔"

"گویا تم راجکمار کو شیطان سمجھتی ہو۔" میں نے کہا، اور اس کا چہرہ اتر گیا، ساری چونکڑی بھول گئی۔

"یہ ہم نے کب کہا۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"راجکمار نے ہی تو مجھے، پناہ دوست بنایا ہے۔"

"ہم نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا، بھول ہو گئی مہاراج بھگوان کے لئے تمہارا کہا مان لیتے ہیں، پر دیوی تم کون ہو اور راجکمار کے ہتھے کس طرح چڑھ گئیں۔"

"وہی ہیں ان کی، ان کا من بہلانا ہی ہمارا جیون ہے، ان باتوں کو چھوڑو۔ ہم کیا سیوا کریں تمہاری۔" اس نے کہا اور ایک بھرپور نگاہ میرے اوپر ڈال دی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ عمر تجربات سے بہت کم ہے، تجربے کی عمر اس عمر سے دس گنا زیادہ لگتی تھی۔ بہرحال ہر چیز کی گہرائی میں کیوں اترا جائے، راجکمار کی دوستی ہی کافی ہے۔ اور انسان کی تحریک سے دور رہنا ممکن اس دوستی سے میں ستاروں کی پیش گوئی کے تجربات کرنا چاہتا تھا اور یہی سب کچھ اس دنیا میں میرے لئے دلچسپی کا باعث رہا، ورنہ اکتاہٹ بدرت کی گہرائیوں ہی میں لے جاتی ہے، اور ابھی زمانے کو بھول کر سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن تمہارا تو کبھی آکاہٹ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اور نہ ہی رات کے گزرنے کا کچھ احساس ہوتا ہے کہ سفر کے حسین راستے ہر دوسرے خیال کی قید میں نہیں آتے نہ پلکیں جھپکتی ہیں اور سورج یوں نکل آتا ہے جیسے ڈوبا ہی نہ ہو اور میں اس تصور میں کبھی تنہا نہ رہا۔ یہ تاریخ سے صدیوں کی سیر اور فیصر خیمے کی روشنی اس کے لئے بھی حیران کن تھی اور حسرت تھی اس کی آواز میں کہ کیا صبح ہو گئی۔ خیمے کے کھلے حصوں سے چبھتی ہوئی دھوپ کو ستم آموز نگاہوں سے دیکھا اس

لے اور پھر اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"تمہارے ساتھ تو رات کیسے گزاری جیسے ایک پل بیتا ہو۔ میں نے تو سانس بھی نہ لی تھی کہ صبح ہو گئی، کیا اب رات کبھی نہ ہو گی؟" تب پہلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

دن گزارنے کے بعد، اور ممکن ہے کل کی رات بھی اس خیمے میں تم میرے ساتھ رہو۔"

"آہ، بھگوان کرے دن صدی بیت جائے اور میں مہینوں پینے کی طرح نہ دیکھوں، تم کون ہو مجھے آتما تو نہ تاؤ، نام تک نہ بتایا، دھرتی میں کوئی نہیں آتی ہیں، لیکن سب کی سب روندنے کے لئے تو نہیں ہوتیں اور پھر ہم تو انسان کہلاتے ہیں کوئی سمجھے نہ سمجھے۔" اس نے سسکی لے کر کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے رلیو، نام تو تم نے بھی نہیں بتایا۔"

"میں تو داسی ہوں، پوچھے تو ضرور بتاتی، چندا ہے ہمارا نام، پھر ہم تمہیں کس نام سے پکاریں۔ پورن ماشی کے چندرما کی مانند ہو۔ ہم تمہیں پورن کہیں گے۔"

"ضرور کہو، تاریخ اپنے آپ کو دھراتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ باہر نکل گئی کہ اشنان کا سمے تھا اور کسی داسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی پسند کو ترجیح دے۔ راجکمار کے بتائے ہوئے اصولوں پر۔ تب میں بھی باہر نکل آیا، اور دوسپاہی میرے خیمے کے سامنے موجود تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے صبح کا بھوجن راجکمار کے ساتھ ہی کرنا ہے اور ان کی آوازوں میں احترام تھا، اور یہ معمولے بات نہیں تھی۔

ضروری تیاریوں کے بعد میں راجکمار کے وسیع خیمے کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر اس کے چند خاص آدمیوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ راجکمار مجھے اکھڑا اکھڑا نظر آرہا تھا، اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "بھگوان کی سوگند صبح کو تمہارا خیال آیا تو میں نے خود کو نشے میں سمجھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ نشے میں ہونے کی وجہ سے میرے حواس نے مجھے دھوکہ دیا ہے، لیکن دن میں تو تم رات سے بھی زیادہ سندر نظر آرہے ہو۔ کہو، ہو تم اور یہ روپ تم نے کہاں سے پایا، کیا بات کی تاہیں بیچ کھائیں؟" راجکمار نے پوچھا۔

"مجھے تعجب ہے کمار جی، آپ شوخ ہونے میں کیا نظر آرہا ہوں۔ حالانکہ آپ خود اتنے سندر ہیں کہ آپ پر سے آنکھیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔"

"کیوں بھائیو کیا اب یہ بنگلہ کا باسندہ مجھے بے وقوف نہیں بنا رہا کیا، اس کا رنگ و روپ نیا ہے نہیں ہے، کیا اس جیسا چمکدار سنہری بدن تم نے کسی اور کا دیکھا ہے، کیا اس کے سے خوبصورت بال پہلے کسی منش کے دیکھے گئے ہیں اور اس کے جھوٹ

کو ہمارے سامنے بھی آگنی میں تپا سکتے ہو، ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ گیا کے صبل کیا ہوتے ہیں۔ اور وہ اگنی جو شریر کو جلانے کا کام کرتے ہے کیسے شریر میں سماتی ہے، گرفتار کرو اس رنگے سیار کو اور اس کے لئے اس کی پسند کی چتا تیار کرو، اس نے ہماری شیشیت کو بھول کر بات کی ہے، راجکمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

جیسے ایک بار منتر بنا لیتے ہیں پیتو سنگھ اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک کہا ہے۔ تم چتا تیار کراؤ اور تجربہ کرلو۔ میں تو آگ میں بھسم ہو ہی جاؤں گا۔ پھر گرفتار کرانے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اور پیتو سنگھ کی آنکھوں میں حیرانی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ مجھے گھورنے لگا، جو لوگ مجھے گرفتار کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے، وہ بھی رک گئے تھے۔ تب پیتو سنگھ نے ہاتھ سے نہیں ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"تم مجھے پورن کہہ لو۔"

"اس جوان عمری میں سادھو کیوں بن گیا؟"

"سادھو تو تم مجھے کہہ رہے ہو پیتو سنگھ، خود میں نے تو تم سے یہ بات نہیں کہی کہ میں سادھو ہوں۔"

"تو تو رشی نہیں ہے، مگر تیرا علم!"

"میرے علم میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ایک سیاح ہوں، ایک آوارہ گرد، گیان وگیان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اور تو نے اگنی کی جو مات کہی ہے؟"

"جھوٹ نہیں کہی، تم چتا تیار کراؤ تمہیں خود پتا چل جائیگا۔"

"بس اس بات پر مجھے غصہ آرہا ہے، مگر پورن، نہ میں تمہارا دھرم دل ہوں اور نہ ہے وقوف کہ تیری بات مان لوں۔ اور مجھے جھوٹ دوں۔ اگر تو سچا ہے تو اگنی میں نہا کر دکھا دے، اور اگر جھوٹ ہے تو اب بھی اپنا جھوٹ مان لے۔ اور مجھے اپنی نرم طبع رحم دلی کا راز بتا دے، بولو تمہیں کیا قابل قبول ہے۔"

اور پیتو سنگھ کا چہرہ خوفناک ہو گیا۔ اس نے شدید غصے سے مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم نے گنی سچائی ہے اپنے بدن پر سادھو مہاراج پھر تو بڑے گیانی ہو گے تم اور تمہارے لیان کا کیا ٹھکانہ۔ کون ہے جو پورے دیش میں تمہاری ٹکر کا ہو، مگر گنی تو تشنہ کو بھسم کر دیتی ہے سادھو جی، اس میں اگر تمہیں کوئی حل مل سکتی ہے، زندہ انسان بھلا اس کی تپش کو کیسے برداشت کر سکتا ہے، سو ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ تم جھوٹ سے کام لے رہے ہو۔ اور پیتو سنگھ سے مذاق کر رہے ہو، یا اپنے اوپر کسے منتر کی سچائی پرکھنا چاہتے ہو۔ اور چند لوگ اس کے گرد پرکرما جھوٹ کر چلے گئے، تب کچھ نئے لوگ اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

"راجکمار کی جے۔ بستی کی عورتیں آئی ہیں۔ اور مہاراج سے ملنا چاہتی ہیں، ان میں سے ایک نے کہا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"اوہو، ٹھیک ہے، انہیں ایک جگہ جمع کر دو۔ ہم بھی تیار ہو کر آتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "جاؤ، یا جاؤ، لیکن اطمینان رکھو تم یہاں سے کہیں جا نہیں سکو گے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے ہی رہو، ہم تیار ہو جائیں۔" اور میں جیسے بجھے باہر نکل آیا، چند لوگوں نے مجھے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا لیکن میں دل ہی دل میں ان کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔

تب پیتو سنگھ باہر نکل آیا، بڑا بھیانک نظر آرہا تھا خوب صورت پوشاک پہنی تھی۔ جس سے اس کی فوقیت کا اندازہ ہوتا تھا، عورتوں سے ملاقات کے لئے خاص ہی اہتمام کیا تھا۔ چار خادم اس کے ساتھ تھے۔ باہر نکل کر اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہنس کر بولا۔ "آؤ مہاتما بھی میرے ساتھ ہی آئیں۔"

پھر ہم اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں بستی کی بوڑھی اور جوان عورتوں کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا، اور ان کے مردوں کے ساتھ نہیں تھے۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ راجکمار پر عدم اعتماد کا اظہار کرے۔ عورتوں کے ہاتھوں میں پھول تھے۔ لیکن چہروں کے پھول مرجھائے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے کنول خوف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے لب مسکراہٹ کے انداز میں وا نہ ہوئے کسی کی آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات نہیں ابھرے۔ ہاں، راجکمار جن کے پاس سے گزرا اس نے خوف کے پھول عزور نچھاور کئے۔ اس پر سے بھینٹ بھی چڑھائی گئی۔ راجکمار ایک ایک کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ بوڑھی عورتوں اور بچکانہ لڑکیوں کے سامنے سے وہ تیزی سے گزر جاتا، اور جو صورت ذرا دل میں کھبتی اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لئے ضرور رکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عقاب کی سی چمک تھی اور اس طرح نگاہوں سے انہیں ٹٹول رہا تھا، جیسے قصائی ذبح ہونے والے جانور کو ٹٹولتا ہے۔ اور پھر، وہ یوں چونکا جیسے کوئی انوکھی شے دیکھ لی ہو۔ گریہ انوکھی شے ذرا دور کھڑی تھی۔ لیکن بس نگاہ خود بخود اس پر جا پڑی تھی۔ تب اس نے دوسری عورتوں کو نظر انداز کر دیا اور لمبے لمبے چند قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

روپ کلی کے پھولوں والے ہاتھ اٹھائے، تاکہ موٹا گجرا اس کی گردن میں ڈال دے لیکن راجکمار نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ بازوؤں سے پکڑ لئے تھے۔ "بھگوان کی سوگند، یہ پھول تمہارے کھڑے سے زیادہ سندر نہیں ہیں، بھگوان کی سوگند، تم کون ہو، کیا نام ہے تمہارا۔" اس کے منہ سے آواز نکلی۔

روپ کلی ساکت رہ گئی تھی، پھول راجکمار کی گرفت تک بھی نہیں پہنچے تھے۔ روپ کلی نے خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ تب وہ دوبارہ بولا۔ "نہیں اپنا نام نہ بتاؤ گی سندری!"

روپ کلی نے اس کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

"غلط، تمہارا نام روپ ساگر ہے، کلی تو ایک چھوٹی سی چیز ہوتی ہے، تمہارے مہان روپ پر نہیں سجتی، کس سنسار میں بستی ہو" راجکمار نے کہا، اور اب جیسے روپ کلی کو ہوش آگیا، اس نے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھ چھڑائے اور پھولوں کا ہار نیچے گر پڑا، تبھی راجکمار جھکا اور اس نے ہار اٹھا کر گردن میں ڈال لیا۔

"ہم ان پھولوں کا اپمان نہیں ہونے دیں گے، کیونکہ انہیں تمہارے ہاتھوں نے چھوا ہے، پر تم نے بتایا نہیں، روپ کہ تمہارے روپ کا ساگر کہاں بستا ہے۔ ہم اپنے جنم جنم کی پیاس بجھانے کہاں آئیں، ہم کو سورج بھی نہیں سکتے تھے کہ پھولوں سی بستی ایسی خوشنما ہے"

روپ کلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گردن جھکائی تھی اور اس کا چہرہ غصے اور شرم سے تمتما رہا تھا، تب راجکمار نے پیچھے ہاتھ کر کے اشارہ کیا اور گجن لال علامی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "روپ کی اس کلی کو دیکھا گجن لال۔ نہ جانے شہر کتنی کہاں رہتی ہیں، تمی معلوم کرو گے ان کے بھید" پیتو سنگھ کی آواز سے مکاری عیاں تھی۔ اور گجن لال نے گردن جھکا دی، تب پیتو سنگھ وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ "بس اب ہمیں کسی اور سے نہیں ملنا اور باقی عورتیں سکون کی سانسیں لیتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔

پیتو سنگھ الجھا الجھا سا نظر آرہا تھا، وہ اپنے خیمے میں داخل ہوگیا، روپ کلی کے بارے میں ستاروں کی پیش گوئی کی ابتدا ہوگئی تھی۔ ہیں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے کسی حد تک واقف تھا۔ لیکن محو دیر آنے ان واقعات میں کوئی مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، تب مجھے ایک خیمے میں پہنچایا گیا۔ لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بار پھر پیتو سنگھ کا بلاوا آگیا۔

پیتو سنگھ اب ہشاش بشاش نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تو بڑی ریاضی ہوگی تم نے جیسا کہ تم نے کہاں پورن، نرایہ تو بتاؤ کہ عورت کا من جیتنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے؟"

من کی جیت راج سنگھاسن پر بیٹھ کر نہیں ہوتی، اس کے لئے آکاش سے دھرتی پر آنا ہوتا ہے، انسان بن کر پریم کرنا ہوتا ہے راجکمار بن کر نہیں"

"تب تمہارا تجربہ کچھ بھی نہیں ہے، ہم راجکمار ہیں، جہاں جاتے ہیں۔ ہمارے راستے میں لاکھوں آنکھیں بچھ جاتی ہیں۔ کنواریاں ہمارے سپنے دیکھتی ہیں اور جسے ہم مل جائیں وہ سمجھو سورگ پالیتی ہے"

"ہوسکتا ہے پیتو سنگھ، تمہارا تجربہ زیادہ ہو"

"بس ہمیں تمہاری سمندتا چاہیئے، ہم چاہتے ہیں کہ کنواریاں ہمارا نام لے کر سستی ہو جائیں، جو ہمیں ایک بار دیکھ لے، جیون بھر دوبارہ دیکھنے کی، زور کرتا رہے، اس معاملے میں تم ہم سے زیادہ خوش نصیب ہو، ایک بار پھر ہم تمہیں زندگی کی دعوت دیتے ہیں، ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دو"

"اگر میرے بس میں ہوتا راجکمار تو مدتوں کہنے کے بعد میں تمہارے لئے یہ ضرور کرتا، لیکن میرے دوست بس آگ میں ہی یہ رنگ ہے، اگر تم آگ برداشت کرو تو میرا دعویٰ ہے کہ یہ رنگ حاصل کر لو گے"

"تم ابھی تک ہٹ دھرمی لگائے ہوئے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے اس نرم انداز پر رحم کھاؤں گا، آگ تیار ہو چکی ہے۔ اور جوں جوں تم ضد کر رہے ہو تمہاری موت قریب آتی جارہی ہے۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں تمہاری ضد کا کیا انجام ہونے والا ہے" وہ اٹھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آیا تھا۔ میدان کے ایک سرے پر دھوئیں کے بادل بلند ہو رہے تھے۔ خوب اونچے اونچے شعلے اٹھ رہے تھے۔

راجکمار نے اسی سمت کا رخ کیا اور جہاں تک تپش تبادل برداشت تھی وہاں تک پہنچ کر رک گیا۔ "تو یہ آگ تمہارے رنگ کو جلا دیتی ہے کیوں! اب بھی سوچ لو وقت ہے"

"ایک بات بتاؤ راجکمار، اگر میری بات سچ ہوئی تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟"

"یوں کہو گے کہ ہم تمہاری۔ استدعا مان لیں گے لیکن ہم اتنا بلاوا کر کے جسے لگن بھی نہیں بلاتی، پھر تو تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں ہوگا"

"تب پھر آؤ۔ اگر آگ کا رنگ چاہتے ہیں تو میرے ساتھ آؤ۔ چلیں" میں نے اسے دعوت دی اور آگے بڑھا۔

"ابھی نہیں، آگ کو اور تیز ہو جانے دو۔ میں جانتا ہوں۔ تم تم ہتھیار پہنے ہوئے ہو۔ پر میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا" وہ جھنجلا کر بولا۔ اور پھر اس نے دوسرے لوگوں سے کچھ کہا، تھوڑی ہی دیر میں بہت سے لوگ آگ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔

اور راجکمار میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ "ٹھیک ہے مہاراج میرا خیال ہے اب وقت آگیا ہے آپ کے دعوے کے ثبوت کا۔ جائیے اور اپنے اوپر رنگ چڑھا لیجئے۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ آپ کی راکھ کہاں پھینکی جائے؟" اس نے کہا۔ اور میں نے اب اس سے مزید گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا اور آگ کی طرف بڑھ گیا۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں اب اس مذاق کو ترک کر دوں گا۔ لیکن جوں جوں میں آگے بڑھتا جارہا تھا اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بنتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ میں آگ کے قریب پہنچ گیا، اور اس وقت سارے خیالات اچانک میرے ذہن سے نکل گئے۔ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی کو مرعوب کرنے کے لئے کسی غیر مشن کا خواہشمند ہوں۔ آگ کی لطیف حرارت پاکر میرے بدن کے مسامات نے منہ کھول دیا تھا اور طلب کر رہے تھے وہ حرارت زندگی۔ سو آگ میں داخل ہوگیا، اور لاتعداد

لوگوں نے میرا استقبال کیا تھا۔

لیکن اب یہ آوازیں میری سماعت سے باہر تھیں۔ میں تکلیف دہ سرور کی ان وادیوں میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں دوسری چیزوں کا گذر نہیں۔ لیکن دوسرے لوگ نہ جانے کیا کرنے لگے تھے بس آوازیں بھدی سی تھیں جو بظاہر بہت دور سے آرہی تھیں، آگ نے میرے وجود میں نئی زندگی ڈال دی تھی۔ اور میرا رنگ و روپ بلا پا گیا تھا۔

لیکن بے وقوف لوگ آگ کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کی مسلسل کوششوں نے حرارت میں کمی پیدا کرنا شروع کر دی۔ وہ آگ پر پانی ڈال رہے تھے اور چونکہ سب کے سب اس کام میں مصروف ہو گئے تھے، اس لئے آگ مدھم پڑتی جارہی تھی۔

مجھے ان بے وقوفوں پر شدید غصہ آنے لگا۔ ابھی تو میری رنج میری نہیں ہوئی تھی اور آگ مرے دھوئیں میں بدلتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اسے مکمل طور پر بجھانے میں کامیاب ہو گئے۔

لوگوں کے گروہ سے آئے تھے بجھی ہوئی آگ کے نزدیک اور ایندھن پھاڑ پھاڑ کر شاید میری جلی ہوئی لاش کو تلاش کر رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے میرے وجود کو سلامت دیکھا تو ان کی ڈری ڈری چیخیں ابھرنے لگیں، بہت سے کمزور دل تو اس ناقابل یقین واقعہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تب میں افسردہ سا آگ سے باہر نکل آیا اور میرا پورا بدن چمک رہا تھا کندن کی مانند اور حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے وہ لوگ۔ پیتو سنگھ، سو میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور ایک شخص کے نزدیک سے گزرتے ہوئے میں نے اس کا دوشالا کھینچ لیا اور اسے اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ کیونکہ میرا اپنا لباس آگ کی نذر ہو چکا تھا۔

"آگ بجھانے کی کوشش کیوں کی گئی تھی، پیتو سنگھ اگر یہ روشن رہتی تو میرے وجود کی چمک ناقابل دید ہوتی، لیکن میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہوگئی ہوگی" میں نے اس سے کہا، لیکن اس کی تو آواز ہی بند تھی، بمشکل تمام اس نے کہا۔

"تو..... تو مہاوگر ہے پورن، بہت بڑا جادوگر، ناممکن ہے ناممکن ہے سنگھوں کی سوگند"

"نہیں پیتو سنگھ، وہ جادوگر نہیں ہے" ایک بوڑھے اور تجربے کار شخص نے کہا جو پیتو سنگھ کے نزدیک کھڑا ہوا تھا اور پیتو سنگھ نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اگر جادوگر نہیں تو پھر، یہ بھڑکتی آگ سے زندہ کیسے نکل آیا۔؟"

"جادو کے بارے میں تو تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو پیتو سنگھ کہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو آگنی دیوی اس کا توڑ ہوتی ہے، آگ کا نہاں ہر جادو کا توڑ ہے، نہیں نہیں یہ جادوگر نہیں ہے"

"تب یہ آکاش سے اترا کوئی دیوتا ہے۔ ہیں۔ ہیں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے سائے سے بچاؤ"

"نہیں پیتو سنگھ، تو تو ہار رہا ہے۔ اب تو تجھے میری بات ماننا پڑے گی۔ تم نے کہا تھا کہ اگر میری بات سچی ہوئی تو مجھے تیری دوستی حاصل رہے گی۔ اور تو اب مجھ سے محبت کا اظہار کر رہا ہے"

"نہیں مہاراج۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔ مہاراج کو احترام کے ساتھ لے جاؤ۔ اس کے لئے ایک بڑا خیمہ لگا دو۔ اور خبردار ان کی سیوا میں کوئی کمی نہ کی جائے" پیتو سنگھ نے کہا اور مجھے ہنسی آنے لگی، پیتو سنگھ کے ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ اور پروفیسر میری انفرادیت نے مجھے بھروسا دلایا تھا کہ یہ تو صدیوں سے ہوتا آیا تھا۔

بڑے خیمے میں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں جمع کر دی گئی تھیں اور جب رات ہوئی تو میں نے سابقہ رات کی حسین و دلنشیں چندرا کو طلب کر لیا، چندرا سوامی سنگھار کے بعد میرے خیمے میں داخل ہوگئی، اس کی آنکھوں میں خوشیوں کا چراغاں جھلملا رہا تھا۔ جیسا کہ وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم کوئی مہان دیوتا ہو، آکاش سے اترے ہو یا پھر اتنے بڑے جادوگر ہو کہ آگنی کے پاس بھی تمہارے جادو کا توڑ نہیں ہے سو جادوگر تو ہم بھی تمہیں مانتے ہیں کہ جب سے گئے ہیں تمہارے پاس سے اتنے بے کل رہے کہ کسی اور چین نہ آیا۔ پھر پیتو سنگھ پر تم نے کیا جادو کر دیا؟"

"کیوں، کیا وہ بھی بے کل ہے" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پاگل ہو رہا ہے دیوتا، مجھے پاس بلایا اور پچھلی رات کی کہانیاں پوچھیں، بولا۔ میں نے کوئی بات دیوتاؤں کی پانی اب میں کیا کہتی زبردستی سے مل کر جسم ہو جاتا، سو میں نے تھوڑا سا جھوٹ بول دیا۔

"کیا جھوٹ بولا تم نے"

"میں نے تو یہی کہا کہ پوتر ہے، بس ساری رات ہیں، اسے کتھا سنائی رہی اور وہ جھوٹ سمجھا" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں اس کی ہنسی کی کھنکھناہٹ میں کھو گیا۔

"تو آؤ چندرا، آج کی رات بھی تم مجھے کتھا سناؤ، اور ساری رات سناتی رہو" چندرا کی آنکھوں میں مسرتیں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس نے مسکرا کر خدا جانے کس انداز میں میرے [illegible] ور رکھ دیا اور اپنی محبت کا اظہار کرنے لگی، حالانکہ یہ لڑکی [illegible] سے میرے پاس آئی تھی اور جو کچھ میں نے اس کے انداز میں پایا تھا اس سے بخوبی اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود معصومیت کی حدود کو پھلانگ چکی ہے اور اپنے فن دلربائی میں اس قدر طاق ہے کہ اب اس میں معصومیت اور الھڑپن تلاش کرنا ایک حماقت ہے، تاہم وہ مجھ سے جس انداز میں محبت کا اظہار کر رہی تھی، اور کر

رہی تھی۔ وہ میرے لئے دلچسپ اور دلکش تو اور پروفیسر میں نے صدیوں میں لاتعداد تجربات کئے تھے اور انہی تجربات میں سے ایک تجربہ یہ بھی تھا۔

سورج ابھی ابھرا۔ یعنی سورج کو چندرا کی یکسوئی اور سکون پسند نہیں آیا اور اس نے تھیلے کے پردے سے جھانک کر اسے آواز دی، تب چندرا نے آنکھیں کھول کر بے چین نگاہوں سے سورج کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہنگاموں کا دن شروع ہو گیا۔ لیکن آج پیتو سنگھ نے۔ اپنے ساتھ ناشتے پر مجھے طلب نہیں کیا تھا۔ بلکہ میرے لئے یہیں خیمے میں ناشتے کا علیحدہ بندوبست کر دیا گیا تھا۔ جو بہت سے لوگ لے کر آئے تھے۔

میں اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ پیتو سنگھ اب مجھ سے خوفزدہ ہو گیا تھا، وہ میرے وجود کا قرب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال میں بھی اس بات کی طلب نہیں رکھتا تھا کہ اس کے قریب رہوں، چنانچہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں باہر نکل آیا اور پھر میں نے بستی کا رخ کیا۔

بستی والوں کو شاہی خیمے کی کہانی معلوم نہیں تھی، ویسے اب میں ان کے لئے اجنبی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں دیر تک بستی میں گھومتا رہا، اور پھر میں نے اپنے دوست سکھ راج کے گھر کا رخ کیا۔

سکھ راج کے مکان پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ ڈیوڑھی سے باہر نکلا، اس کی آنکھوں میں کرب کے آثار تھے، مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی اس کا کوئی سندیس لائے ہیں مہاراج۔!"

"کس کا سکھ راج۔!"

"پیتو سنگھ کا۔ سنا ہے آپ اس کے مقروں میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"میں اس کا کوئی سندیس نہیں لایا مہاراج اگر آپ کو میری آمد بری لگی ہو تو چلا جاؤں۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں مہاراج، آؤ اندر آجاؤ، ہمارے من میں تو اندھیرے آتے ہیں، برا سے شروع ہو چکا تھا، وہ کالا وقت اب زمین پر اتر آیا ہے مہاراج، اور ہمارے پاس اسے دور کرنے کا کوئی اپائے نہیں ہے۔"

"آپ اتنے پریشان کیوں ہیں سکھ راج جی۔" میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اور سکھ راج نے مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ پیش کر دی۔

"تباہی نے آج سکھ راج کے گھر کا رخ کیا ہے۔ پیتو سنگھ کا سندیسی آیا تھا۔" سکھ راج نے کہا۔

"وہ کب۔؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو، اور آج پھیرا آنے کے لئے کہہ گیا ہے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا آپ سے پیتو سنگھ کا سندیسی۔؟"

"اس نے بتایا کہ پیتو سنگھ کو ہماری بیٹی روپ کلی بہت پسند آئی ہے، اور وہ میں عزت دینا چاہتا ہے۔ کیا ہم یہ عزت قبول کریں گے، یا ذلت اور رسوائی۔" میں نے اس سے پوچھا کہ ذلت اور رسوائی کا کیا مطلب ہے تو اس نے کہا، پیتو سنگھ جیسے چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے، اگر تم اپنی خواہش سے روپ کلی کو پیتو سنگھ کی کنیزوں میں داخل کر دو تو تمہیں مالا مال کر دیا جائے گا۔ تو تم خود سوچو کہ ہمیں مال و دولت کی کیا ضرورت ہے، ہماری آنکھوں کی جوت تو روپ کلی ہی ہے، روپ کلی کے بدلے ہم دولت کے ڈھیروں کا کیا کریں گے۔ ہر پتا کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی عزت کے ساتھ کسی کے گھر میں جائے، اس کے بھیرے کرا دیئے جائیں اور پتا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے لیکن جب اس کے علم میں یہ بات آئے کہ وہ ایک راکھشش کے پاس جا رہی ہے اور وہ راکھشش اسے بعزت باندیوں کی طرح اپنے گھر میں ڈالے رکھے گا تو پتا کے من کا جو حال ہو گا تم خود جانتے ہو۔"

سکھ راج کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میرے ذہن میں ایک ہلکی سی لہر آئی تھی، لیکن میں نے خود کو پرسکون کر لیا۔ ستاروں کی پیشن گوئی یہی تھی تو اس میں مداخلت بے جا اور بے معنی ہوتی۔ اور پھر یوں بھی میں ہر مسئلہ میں اپنی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے سکھ راج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن سکھ راج تم ایک باعزت آدمی ہو اور میں سمجھا کہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے پیتو سنگھ کی جنم کنڈلی بنائی ہے اور پیتو سنگھ کا باپ تمہیں عزت اور احترام دیتا ہے۔ بلکہ تمہاری رکھشا کا وچن بھی دے چکا ہے تو تم اپنا حق کیوں نہیں استعمال کرتے۔؟"

"مہاراج آپ نہیں سمجھتے، راجہ کشن سنگھ اپنا وہ وچن بھول بھی گیا ہو گا، اور پھر پیتو سنگھ اس کا لاڈلا بیٹا ہے، کیا آپ کے خیال میں کشن سنگھ کو پیتو سنگھ کی باتیں نہیں معلوم ہوں گی۔ کیا وہ اپنے بیٹے کے خلاف کوئی قدم اٹھائے گا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔

"میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، سکھ راج۔؟"

"کچھ نہیں مہاراج، ستاروں کی چال انمٹ نہیں جا سکتی۔ میں اپنی بچی کی پیشانی سے وہ دھبہ دور نہیں کر سکتا، میرا سارا علم بے کار رہا۔"

"مگر بابا، میں اپنی پیشانی سے یہ دھبہ ضرور دور کروں گی۔"

دفعتاً اندر کے دروازے سے روپ کلی کی آواز سنائی دی۔ اور ہم دونوں نے اس طرف دیکھا، روپ کلی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ رات بھر روتی رہی ہو۔

"تو.... تو یہ دھبہ کس طرح دور کر سکتی ہے بیٹی۔" سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔

"میں ناری ہوں بابا، تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ شرم و حیا ناری کے وجود کی شوبھا ہوتی ہے، اس کی تقدیر کا فیصلہ ماتا پتا کرتے ہیں۔ ہر بڑے کی بھاؤنا غلط راستوں پر لے جاتی ہے اور نشٹ پنی ایک خواہش پر ایک جہاں کی خواہشوں کا خون کر دیتا ہے۔ بولو بابا یہ کہا تھا تم نے۔؟"

"کہا تھا میری بچی۔!"

"سو میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ میں بھی عورت ہوں بابا، میرا من بھی چلا پھر میں نے آپ کی بات کا گرہ کھولی، بابا اب آپ کے پاس کیا جواب ہے، اگر پتا بھی ناری کو عزت کا جیون نہ دے سکے تو وہ کیا کرے۔؟"

اور سکھ راج پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ "روؤ نہیں بابا۔" میں نے کہا۔ "کوئی راہ تو جو تم نہیں کر سکے وہ میں کروں گی۔"

"تو اس راکھشش کا کیا بگاڑے گی بیٹی، اے بھگوان میں کتنا بے بس ہوں، میں کیسا پاپی ہوں۔" سکھ راج روتا رہا، اور میں ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان سے اٹھ گیا۔ میں ان کی پریشانی میں اضافہ کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا۔

میرے ذہن میں بہت سے خیالات سر ابھار رہے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں داخلت کروں، پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ ستاروں نے جو پیشن گوئی کی ہے وہ غلط تو نہ ہو گی۔ چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہی میں نے بہتر سمجھا اور اس وقت تو دل بھی نہ چاہا کہ پیتو سنگھ کی طرف جاؤں۔ چنانچہ بستی کی سیر کو نکل گیا۔

پھولی سی بستی تھی، کوئی خاص بات نہیں تھی، بس سیدھے سادے لوگ جو پیتو سنگھ کی آمد سے خوفزدہ تھے۔ جگہ جگہ اسی کے چرچے ہو رہے تھے۔ میرے بارے میں شاید ابھی ان تمام لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ میں پیتو سنگھ کی خیمہ گاہ میں کیا کھیل دکھا چکا ہوں، لیکن یقینی طور پر یہاں بھی ان پر کوئی خاص ہی ردعمل ہوتا، پیتو سنگھ کے جھگڑوں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں میرے بارے میں کس انداز سے سوچا جا رہا ہے۔ یوں میں بستی میں پورا دن گھومتا رہا اور اس کے اطراف کی سیر بھی کر آیا۔ وہ دریا جس کے کنارے پہلی بار میں نے اس بستی کو دیکھا تھا، دور تک پھیلا ہوا تھا، میں دریا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور نجانے کہاں سے کہاں نکل گیا۔ ایک لمبے کے لئے تو دل چاہا کہ واپس بستی کی جانب ہی نہ جاؤں، لیکن پھر یہی خیال آیا کہ کم از کم اندازہ تو لگاؤں کہ پیتو سنگھ اور سکھ راج کے معاملات کہاں تک پہنچے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد شام ڈھلے میں بستی کی جانب واپس چل پڑا۔

بستی پر خاموشی چھا گئی تھی، میں نے سکھ راج کے مکان کا رخ کیا اور ادھر ہی میں ڈوبے ہوئے اس مکان کے نزدیک پہنچ گیا، تب میں نے سکھ راج کو آواز دی، اور تھوڑی دیر کے بعد سکھ راج نے دروازہ کھول دیا، اس کی حالت کافی خراب تھی۔ اور وہ مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "تم.... تم اس کے ساتھ نہیں گئے مہاراج۔!" اس نے پوچھا اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کس کے ساتھ مہاراج۔؟"

"اسی راکھشش پیتو سنگھ کے ساتھ جو میری عزت لے گیا، ہے رام نہ جانے ہم سے کیا پاپ ہوا جس کا پھل یہ بھوگنا پڑا۔" سکھ راج روتے روتے بولا۔ اور میں چونک پڑا۔

"کیا پیتو سنگھ نے یہ بستی چھوڑ دی۔؟" میں نے پوچھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے مہاراج۔؟" سکھ راج نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں تو دریا کے کناروں کے ساتھ ساتھ دور تک نکل گیا تھا، لیکن تم نے جواب نہیں دیا کہ پیتو سنگھ یہاں سے چلا گیا۔؟"

"ہاں۔ اس نے اچانک خیمے اکھاڑ دیئے، اور اس کے آدمی روپ کلی کو اٹھا کر لے گئے، میری کیا مجال تھی کہ میں اسے روکتا، ایک پتا اپنی بیٹی کے لئے اس سے زیادہ بے بس بھی نہ ہوا ہو گا۔ بھیا میں بڑا ہی ابھاگی ہوں۔ مگر.... مگر یہ اچانک سکھ راج روتے روتے خاموش ہو گیا، شاید اس کے ذہن میں کوئی خیال ابھرا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج۔!"

"میں۔ میں کشن سنگھ کے پاس جاؤں گا، اسے اس کا وچن یاد دلاؤں گا، میں اس سے بات تو کروں گا، میں کھرا برہمن ہوں۔ اور وہ دوغلا چھوت۔ میں وہیں پران دے دوں گا، آتما تو میں کر سکتا ہوں۔ ہاں میں آج ہی سفر کروں گا بھیا۔!"

"تم راجہ کشن سنگھ کے پاس جاؤ گے۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں جاؤں گا، اور اس سے اس کے وچن کی قیمت مانگوں گا۔!"

"تب میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا سکھ راج۔" میں نے کہا۔ اور سکھ راج مجھے دیکھنے لگا، پھر بولا۔ "تم بھی تو اس سے پیتو سنگھ کے ساتھ تھے مہاراج، جب اس نے ہماری بیٹی کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔"

"ہاں میں تھا، لیکن اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟"

"کچھ نہیں بھگوان جب منظور رکھتا تو کوئی بہ

رہتا تھا تم ہمارا ساتھ دو گے، تم ہمارے ساتھ چلو گے!"

"ہاں، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا اور سکھ راج نے گردن ہلادی۔

"تب ہم دو گھوڑوں کا بندوبست کرنے جا رہے ہیں۔ تم یہاں رک کر ہمارا انتظار کرو۔" اس نے کہا، اور میں نے گردن ہلادی۔

رات کی تاریکی میں ہم دونوں بستی کے آخری مکان کو پیچھے چھوڑ آئے۔ گھوڑے پکے راستوں پر سفر کر رہے تھے۔ سکھ راج کے دل کی گرہیں ہوئی تھی۔ راستے میں وہ روپ کلی کے بارے میں گفتگو کرتا رہا اور اس کی باتیں غلط نہیں تھیں۔ میں نے بھی اس الہڑ لڑکی میں کردار کی کمزوریاں پائی تھیں۔ میں نے اس کے انداز میں لچک نہیں دیکھی تھی۔

صبح کی روشنی پھیلی تو ہم ایک اور بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں رک کر گھوڑوں کو آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا اور وہ ایک چراگاہ میں گھس گئے۔ خود سکھ راج بھی تھک گیا تھا، چنانچہ وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹ گیا۔ میں بستی میں خوراک کی تلاش میں نکل گیا، سیدھے سادے لوگوں کی بستی تھی۔ میں نے خوراک طلب کی تو بہت سے لوگ جو کچھ ان کے پاس تھا لے آئے۔ میں نے اس میں سے ضرورت کی چیزیں لے لیں اور پھر سکھ راج کے پاس پہنچ گیا۔

عمر دو بوڑھا درخت سے پیٹھ ٹکائے گہری نیند سویا ہوا تھا۔ میں نے کھانے پینے کی چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں اور اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا، پھر بولا۔ "ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی مہاراج!"

"کھانا سکھ راج زندہ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ راجدھانی کتنی دور رہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تو لمبا سفر ہے، ایک دن اور ایک رات اور لگے گی۔"

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ پیتو سنگھ سے واپس راجدھانی ہی کا رخ کیا جائے؟"

"وہ ادھر سے ہی گیا ہے۔ ہم نے ایک کسان سے معلوم کیا تھا۔" سکھ راج نے جواب دیا۔

"اوہ ٹھیک ہے پہلے یہ کھانا کھالو۔" بے چارے سکھ راج نے بیسیوں کہنے سے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر ستانے کے بعد ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا، راستے میں پیتو سنگھ کے سفر کے متعلق پوچھتے رہے تھے اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ واپس راجدھانی میں ہی گیا ہے۔ میں اور سکھ راج سفر کرتے ہوئے بالآخر راجدھانی پہنچ گئے، جس وقت ہم راجدھانی میں داخل ہوئے رات ہو چکی تھی۔ لیکن چھوٹی بستیوں کی نسبت یہاں کافی رونق تھی۔ بازاروں میں چہل پہل تھی، لوگ چل پھر رہے تھے، مکانات اور عمارتیں کافی خوبصورت تھیں اور راجدھانی کا یہ سارا علاقہ سرسبز تھا۔ قلعہ کا محل شہر کے بالکل وسط میں تھا۔ سکھ راج بالآخر محل کے سامنے پہنچ گیا اور پھر اس نے محل کے سب سے بڑے پھاٹک کے سامنے گھوڑے روک دیئے۔ پہریدار پہرہ دے رہے تھے۔ سکھ راج نیچے گھوڑے سے نیچے اتر کر ان سے بات کی، میں بھی اس کے ساتھ تھا۔

"میں راجہ کشن سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کون ہیں مہاراج آپ۔؟"

"سکھ راج ہے میرا نام۔ آپ مہاراج کشن سنگھ کو میرا سندیس دے دیں اور بتا دیں، میں گوری بستی سے آیا ہوں۔"

"سکھ راج جی وہ سامنے سرکاری مہمان خانہ ہے۔ آپ وہاں چلے جائیں۔ بات کر دیں گے، کیں جسے کو آپ کا یہ سندیس مہاراج کشن سنگھ تک پہنچا دیا جائے گا، اس سے تو مہاراج سے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔"

سکھ راج نے گہری سانس لی اور پھر پہریدار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا راجکمار پیتو سنگھ محل واپس پہنچ گئے ہیں۔؟"

"ہاں پیتو سنگھ جی سیر و سیاحت سے واپس آ گئے ہیں۔" پہریدار نے بتایا۔

"وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔؟"

"اپنے چھوٹے محل میں۔" پہریدار نے جواب دیا، اور سکھ راج کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"کیا میں راجکمار پیتو سنگھ سے مل سکتا ہوں؟"

اس سے کسی سے قطعاً مشکل ہے مہاراج، ہمیں اجازت نہیں ہے۔" پہریدار نے نرمی سے کہا، اور سکھ راج گردن جھکائے واپس چلا آیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"چلو پورن، رات کو تو مہمان خانے میں ٹھہرنا ہی ہوگا۔"

سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ جب سکھ راج نے بتایا کہ وہ مہاراج کشن سنگھ سے ملنے آیا ہے تو وہاں کے منتظموں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ ہمارے لئے بھوجن وغیرہ کا بندوبست بھی کیا گیا اور سکھ راج نے اس وقت کچھ نہ کھایا۔ مجھے تو بھوک کی خواہش ہی نہیں تھی، چنانچہ ہم نے وہ کھانا واپس کر دیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔

سکھ راج بے چارہ رات بھر جاگتا اور سوچتا رہا تھا، میں اس شخص کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، کرنے کو تو بہت کچھ میرے ہاتھ میں تھا لیکن وہی بات آڑے آ جاتی تھی کہ دیکھوں تو سہی کرداروں نے جو پیش گوئی کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی۔

دوسری صبح سکھ راج تیار ہو کر پھر باہر نکل آیا، اس وقت راجہ کشن سنگھ کا دربار لگا ہوا تھا، چنانچہ ہمیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت با آسانی مل گئی، راجہ کشن سنگھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد بیٹھے تھے۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس پُر رعب راجہ کو دیکھا جو اپنی رعایا کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ ایک دربار کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

راجہ کے چہرے میں پیتو سنگھ نظر آ رہا تھا، نہ جانے وہ کس نظر کا مالک ہو۔

تب کافی دیر کے بعد سکھ راج کی باری آئی اور وہ اٹھ کر راجہ کے سامنے پہنچ گیا، اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر راجہ کو پرنام کیا تھا۔ راجہ کشن سنگھ خاموش نگاہوں سے سکھ راج کو دیکھ رہا تھا۔

"فریاد لائے ہیں مہاراج، چھوٹا منہ بڑی بات ہے، اجڑے دربار میں من کی بیتا نہیں کہہ سکتے، کیا ہمیں اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملے گا؟"

"دربار برخاست ہو جانے کے بعد تم ہم سے مل سکتے ہو۔" راجہ نے جواب دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی۔ تب سکھ راج ہاتھ جوڑ کر واپس اپنی جگہ آ گیا۔ یہ وقت ہم نے دربار ہی میں گزارا تھا۔

سورج چڑھے دربار برخاست ہو گیا اور آہستہ آہستہ لوگ باہر نکلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بس ہم دونوں رہ گئے تھے۔ راجہ اندر چلا گیا تھا، بہرحال میں نے اندازہ لگایا تھا کہ راجہ زیادہ برا انسان نہیں ہے، پھر تنہائی میں اندر طلب کر لیا گیا اور راجہ نے نرم انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس کے دوسرے ساتھی باہر نکل چکے تھے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو کہو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ہمارا نام سکھ راج ہے مہاراج، گوری بستی سے آئے ہیں۔" سکھ راج نے کہا، راجہ اس دوران میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔

"کہو سکھ راج ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔؟"

"راجکمار پیتو سنگھ ہماری بیٹی کو زبردستی اٹھا لائے ہیں مہاراج، اس کی فریاد لائے ہیں۔"

"اوہ۔" راجہ کشن سنگھ کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ "پھر اس نے کہا۔ تم نے اپنی بیٹی کو اس کے سامنے کیوں نہیں بھیجا تھا سکھ راج، تم جانتے ہو جوان منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتی ہے اور پھر راجکماروں کے تو سبھی کھیل ہوتے ہیں۔ اگر وہ نڈر ہو جائے اس وقت کچھ نہ کھایا، مجھے تو بھوک کی خواہش ہی نہیں تھی، چنانچہ ہم نے وہ کھانا واپس کر دیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔

سکھ راج بے چارہ رات بھر جاگتا اور سوچتا رہا تھا، میں اس شخص کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، کرنے کو تو بہت کچھ میرے ہاتھ میں تھا لیکن وہی بات آڑے آ جاتی تھی کہ دیکھوں تو سہی کرداروں نے جو پیش گوئی کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی۔

دوسری صبح سکھ راج تیار ہو کر پھر باہر نکل آیا، اس وقت راجہ کشن سنگھ کا دربار لگا ہوا تھا، چنانچہ ہمیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت با آسانی مل گئی، راجہ کشن سنگھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد بیٹھے تھے۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس پُر رعب راجہ کو دیکھا جو اپنی رعایا کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ ایک دربار کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

راجہ کے چہرے میں پیتو سنگھ نظر آ رہا تھا، نہ جانے وہ کس نظر کا مالک ہو۔

تب کافی دیر کے بعد سکھ راج کی باری آئی اور وہ اٹھ کر راجہ کے سامنے پہنچ گیا، اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر راجہ کو پرنام کیا تھا۔ راجہ کشن سنگھ خاموش نگاہوں سے سکھ راج کو دیکھ رہا تھا۔

"فریاد لائے ہیں مہاراج، چھوٹا منہ بڑی بات ہے، اجڑے دربار میں من کی بیتا نہیں کہہ سکتے، کیا ہمیں اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملے گا؟"

"دربار برخاست ہو جانے کے بعد تم ہم سے مل سکتے ہو۔" راجہ نے جواب دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی۔ تب سکھ راج ہاتھ جوڑ کر واپس اپنی جگہ آ گیا۔ یہ وقت ہم نے دربار ہی میں گزارا تھا۔

سورج چڑھے دربار برخاست ہو گیا اور آہستہ آہستہ لوگ باہر نکلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بس ہم دونوں رہ گئے تھے۔ راجہ اندر چلا گیا تھا، بہرحال میں نے اندازہ لگایا تھا کہ راجہ زیادہ برا انسان نہیں ہے، پھر تنہائی میں اندر طلب کر لیا گیا اور راجہ نے نرم انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس کے دوسرے ساتھی باہر نکل چکے تھے۔

"کیا کہنا چاہتے ہو کہو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ہمارا نام سکھ راج ہے مہاراج، گوری بستی سے آئے ہیں۔" سکھ راج نے کہا، راجہ اس دوران میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔

"کہو سکھ راج ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔؟"

"راجکمار پیتو سنگھ ہماری بیٹی کو زبردستی اٹھا لائے ہیں مہاراج، اس کی فریاد لائے ہیں۔"

"اوہ۔" راجہ کشن سنگھ کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ "پھر اس نے کہا۔ تم نے اپنی بیٹی کو اس کے سامنے کیوں نہیں بھیجا تھا سکھ راج، تم جانتے ہو جوان منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتی ہے اور پھر راجکماروں کے تو سبھی کھیل ہوتے ہیں۔ اگر وہ نڈر ہو جائے اس وقت کچھ نہ کھایا، مجھے تو بھوک کی خواہش ہی نہیں تھی، چنانچہ ہم نے وہ کھانا واپس کر دیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔

سکھ راج بے چارہ رات بھر جاگتا اور سوچتا رہا تھا، میں اس شخص کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، کرنے کو تو بہت کچھ میرے ہاتھ میں تھا لیکن وہی بات آڑے آ جاتی تھی کہ دیکھوں تو سہی کرداروں نے جو پیش گوئی کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کر لی تھی۔

دوسری صبح سکھ راج تیار ہو کر پھر باہر نکل آیا، اس وقت راجہ کشن سنگھ کا دربار لگا ہوا تھا، چنانچہ ہمیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت با آسانی مل گئی، راجہ کشن سنگھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد بیٹھے تھے۔

میں نے گہری نگاہوں سے اس پُر رعب راجہ کو دیکھا جو اپنی رعایا کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ ایک دربار کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

کیا تم نے اس۔ نہیں تیار نہیں کیا تھا اور کہیں اس میں یہ بات نہیں تھی؟" راجہ نے پوچھا، پھر بولا۔ "بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو۔؟"

"آپ سے انصاف مانگنے آئے ہیں مہاراج۔"

"میں کوشش کرتا ہوں اگر پیتو سنگھ اسے چھوڑنے پر تیار ہو گیا تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے، لیکن تم پریشان نہ ہو۔ ہم اپنے دیش کا پالن بھی ضرور کریں گے۔ اور تمہیں نراش نہیں دیکھیں گے تم انتظار کرو ہم ابھی پیتو سنگھ کو بلاتے ہیں۔" راجہ نے خادموں کو بلانے کے لئے گھنٹہ بجایا اور تھوڑی دیر کے بعد پیتو سنگھ اندر داخل ہو گیا۔

لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، پھر اس نے سکھ راج کو دیکھا اور پھر راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ تو گوری بستی کا سکھ راج ہے۔"

"پیتو سنگھ، اس نے تمہاری جنم کنڈلی بنانی تھی اور اس سے ہم نے اسے دیش دیا تھا کہ اگر اس پر کوئی کٹھنائی پڑی تو ہم اس کی مدد کریں گے۔ اب یہ ہمارے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ تم اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے آئے ہو، کیا یہ سچ ہے۔؟"

"سچ ہے مہاراج۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"روپ کلی۔"

"کیا وہ اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہے؟"

"نہیں۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"اگر ہمارے دیش کے پالن کے لئے تم اسے اس کے پتا کے حوالے کر دو تو ہم بڑے خوش ہوں گے۔" راجہ نے کہا۔

اور پیتو سنگھ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ بہت سندر ہے۔ اور اس میں میرا پران ہے۔ میں اب بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اس سے پوچھو کہ یہ اس جادوگر کو ساتھ کیوں لایا ہے۔ اس کے ساتھ جو بے بہت بڑا جادوگر ہے مہاراج جس پر گولی۔ شر نہیں کرتی۔ میں جانتا ہوں۔ یہ جادوگر روپ کلی کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ مہاراج یہ میرے جیون کا سوال بھی ہے۔ آپ سوچ لیں۔ میں کسی قیمت پر اسے ان دونوں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"یہ جادوگر ہے۔" راجہ نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا، اور پھر بولا۔ "تمہارا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ سکھ راج۔؟"

"وہی جو ایک منش کا منش سے ہوتا ہے مہاراج۔"

"مگر ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ تم اسے ساتھ لائے۔ ہمارے راج میں بھی بڑے جادوگر موجود ہیں۔ اور ہر جادو کا توڑ ہے ہمارے پاس اور پھر تم سن چکے ہو پیتو سنگھ کی بات۔ لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ انصاف کریں گے۔ کیونکہ تم نے ہم سے دیش مانگا ہے۔

کیا تم نے اس۔ نہیں تیار نہیں کیا تھا اور کہیں اس میں یہ بات نہیں تھی؟" راجہ نے پوچھا، پھر بولا۔ "بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو۔؟"

"آپ سے انصاف مانگنے آئے ہیں مہاراج۔"

"میں کوشش کرتا ہوں اگر پیتو سنگھ اسے چھوڑنے پر تیار ہو گیا تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے، لیکن تم پریشان نہ ہو۔ ہم اپنے دیش کا پالن بھی ضرور کریں گے۔ اور تمہیں نراش نہیں دیکھیں گے تم انتظار کرو ہم ابھی پیتو سنگھ کو بلاتے ہیں۔" راجہ نے خادموں کو بلانے کے لئے گھنٹہ بجایا اور تھوڑی دیر کے بعد پیتو سنگھ اندر داخل ہو گیا۔

لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، پھر اس نے سکھ راج کو دیکھا اور پھر راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ تو گوری بستی کا سکھ راج ہے۔"

"پیتو سنگھ، اس نے تمہاری جنم کنڈلی بنانی تھی اور اس سے ہم نے اسے دیش دیا تھا کہ اگر اس پر کوئی کٹھنائی پڑی تو ہم اس کی مدد کریں گے۔ اب یہ ہمارے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ تم اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے آئے ہو، کیا یہ سچ ہے۔؟"

"سچ ہے مہاراج۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"روپ کلی۔"

"کیا وہ اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہے؟"

"نہیں۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"اگر ہمارے دیش کے پالن کے لئے تم اسے اس کے پتا کے حوالے کر دو تو ہم بڑے خوش ہوں گے۔" راجہ نے کہا۔

اور پیتو سنگھ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ بہت سندر ہے۔ اور اس میں میرا پران ہے۔ میں اب بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اس سے پوچھو کہ یہ اس جادوگر کو ساتھ کیوں لایا ہے۔ اس کے ساتھ جو بے بہت بڑا جادوگر ہے مہاراج جس پر گولی۔ شر نہیں کرتی۔ میں جانتا ہوں۔ یہ جادوگر روپ کلی کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ مہاراج یہ میرے جیون کا سوال بھی ہے۔ آپ سوچ لیں۔ میں کسی قیمت پر اسے ان دونوں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"یہ جادوگر ہے۔" راجہ نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا، اور پھر بولا۔ "تمہارا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ سکھ راج۔؟"

"وہی جو ایک منش کا منش سے ہوتا ہے مہاراج۔"

"مگر ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ تم اسے ساتھ لائے۔ ہمارے راج میں بھی بڑے جادوگر موجود ہیں۔ اور ہر جادو کا توڑ ہے ہمارے پاس اور پھر تم سن چکے ہو پیتو سنگھ کی بات۔ لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ انصاف کریں گے۔ کیونکہ تم نے ہم سے دیش مانگا ہے۔

آن آرام کر لو پھر تم سے بات چیت کریں گے۔" راجہ نے کہا۔ اس کا مزاج کسی حد تک برہم ہو گیا تھا اور دوسری طرف میرا دل بھی عجیب سا ہو گیا تھا۔ تب ہم دونوں وہاں سے اٹھ آئے۔ سکھ راج بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج! میری وجہ سے تمہارے کام میں رکاوٹ ہوئی۔"

"نہیں مہاراج! مگر وہ تمہیں جادوگر کیوں کہہ رہا تھا۔؟"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ لیکن اس بارے میں مجھے بہت کچھ سوچنا پڑ رہا تھا اور میری اپنی نشاط۔ بیدار مغز جارحی تھی، بھلا اس بے وقوف راجہ کی مجال تھی کہ وہ میرے راستے میں آنے کی کوشش کرے۔ تب پروفیسر میری اپنی تخصیص ابھر آئی اور بس دو تین دن کا انتظار کرنے لگا۔

ستاروں کی کہانی کا دوسرا باب شروع ہونے والا تھا لیکن اس دلچسپ کہانی کا انکشاف میں کسی دوسرے پر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خاموش رہنا ضروری تھا۔ حالانکہ غرور و سکھ راج کو دیکھ کر کئی بار میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اسے صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ لیکن سکھ راج سے دوستی ایک مختصر وقت کے لئے تھی جبکہ ستاروں نے راز صدیوں سے سینے میں پوشیدہ رہے تھے، اور وہ ہمیشہ سے قابل اعتماد ساتھی رہے تھے اور قابل اعتبار ساتھیوں کو دھوکہ دینا مناسب بات نہیں تھی۔

ساری رات سکھ راج بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ شن سنگھ اس کے ساتھ ایسا ظلم کر سکے گا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں جس طرح مجبور تھا اس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"یوں لگتا ہے پورن جی کہ شن سنگھ اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔"

"لیکن اس نے ہمیں جو وچن دیا ہے؟"

"راجاؤں پر سے اب میرا بھروسہ اٹھ چکا ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، معاملہ اگر اس کے بیٹے کا نہ ہوتا تب وہ اپنا وچن ضرور پورا کر دیتا لیکن ان حالات میں؟"

"اگر ایسا ہوا تو سکھ راج تو تم کیا کرو گے؟"

"میں، میں تو ایک مجبور انسان ہوں۔ میں کیا کر سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ ندی میں ڈوب مروں!" سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔ اور میں ہمدردی سے اس کا شانہ تھپتھپانے لگا۔ اس کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کہا۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا اور وہ جو تاروں ہو حالات بدلنے پر تو منحصر ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات پر لیکن بات یہ نہیں تھی بلکہ جو ستارے تحریر کر چکے تھے اس میں رخنہ اندازی معصوم نہیں تھی۔ لیکن میں نے یہ بات سوچی کہ اس لئے مناسب نہیں ہے مستقبل بینی کر تحریک مدخل کر دیتی ہے۔ اور پھر خاموش رہنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔

خاموشی کی اس رات میں بوڑھے باپ کا کرب شامل تھا اور دوسرے دن اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونا باقی تھا لیکن اس شب کے صبح کو ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے مجھے راجگہار کا پیغام دیا۔

"مہاراج آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں۔" میں نے سکھ راج کی طرف دیکھا اور سکھ راج نے کہا۔

"چلے جاؤ پورن۔ اسے سمجھانا کہ ایک غریب کی عزت لے لینا راج گھرانے کی شان نہیں ہے، اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہاں اگر کوئی اس کا مدمقابل ہوتا تو اسے زیر کرنا ضرور شان کی بات تھی۔ میں نے سکھ راج سے کچھ نہیں کہا اور اس خادم کے ساتھ چل پڑا۔ راجگہار میرا انتظار کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نفرت کے چراغ روشن تھے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا جادوگر کہ ہم نے جسے پسند کیا ہو اسے کوئی چھین کر ہماری غلامت سے لے جائے۔ پیتو سنگھ ارادے کا دھنی ہے، لیکن میں نے تمہیں ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا ہے۔ پوچھو راجگہار!" میں نے حلیمی سے کہا۔

"کیا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو، کیا روپ کی تمہاری پریکا ہے؟"

"نہیں..... وہ ایک معصوم لڑکی ہے جو ممکن ہے محبت کے نام سے آشنا ہو، لیکن میرے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"کیا تم اس سے پریم نہیں کرتے؟"

"میری بات چھوڑو راجگہار۔ میں تو اوروں کے لافانی انسانوں سے پیار کرتا رہا ہوں۔ ان میں بھی تھے۔ لیکن جسے میں نے اپنی عورت بنانا چاہا اسے کوئی دوسرا نہیں حاصل کر سکا اور بہتر ہے کہ تم اس طور گفتگو نہ کرو۔ کیا تم نے اس سے یہ بات نہیں پوچھی؟"

"پوچھوں گا۔ ابھی تمہارے سامنے پوچھوں گا۔ لیکن مجھے اس بات کا جواب دو کہ اگر تم اس سے پریم نہیں کرتے تو پھر بوڑھے سکھ راج کے ساتھ یہاں کیوں آئے ہو۔؟"

"صرف انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر۔ اور تمہیں سمجھانے محبت کے رشتے یوں استوار نہیں کئے جاتے۔"

"چالاک سنت نے بڑی کامیابی سے میرا پیچھا کیا ہے اور بات میرے پاتال پہنچا دی ہے۔ لیکن میں پیتو سنگھ ہوں۔ میں نے جو سوچا وہ ہو جاتا ہے۔ حاصل کیا اور اس حسین لڑکی کو بھی تجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ بس یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا۔"

"تم کچھ بھول رہے ہو پیتو سنگھ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا بھول رہا ہوں؟"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تم اس سے بھی اس بارے میں پوچھو گے کہ وہ مجھے پریم کرتی ہے یا نہیں؟"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ لیکن میں نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا۔" راجگہار نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بلایا تھا پیتو سنگھ، میں آ گیا جو کچھ تم بتانا چاہتے ہو یا نہیں بتانا چاہتے ہو۔ میں تم سے پوچھوں گا بھی نہیں۔"

"لیکن میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔" راجگہار نے کہا۔

"وہ کیا۔؟"

"اگر تم چاہو تو میرے دوست بن کر میرے پاس رہو۔ میں تمہاری چھپی ہوئی قوتوں سے متاثر ہوں اور تمہیں ایک بہتر مقام دوں گا۔"

"میں اس پیشکش پر ضرور غور کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خلوص دل کے ساتھ۔ یوں نہ ہو کہ تم میرے ساتھ کوئی چال بازی کرو اور دوست بن کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔"

"اگر یہ احساس تیرے دل میں ہے پیتو سنگھ تو پھر تو نے یہ پیشکش کیوں کی ہے۔ بہتر ہے کہ ایسا خطرہ مول نہ لے۔"

"یہی تو میری کمزوری ہے کہ خطرات کو اپنے گرد پیش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ راجہ بننے کے بعد مجھے خطرات سے نمٹنے کا اندازہ آ جائے۔"

"تو ابھی خود سے بھی بے خبر ہے پیتو سنگھ۔ دو الگ الگ باتیں ایک ساتھ کہہ رہا ہے۔ پہلے تو اپنے دل میں خود فیصلہ کر لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں نے جو پیشکش کی ہے اس پر غور کرنا فائدے میں رہو گے۔" پیتو سنگھ نے کہا اور مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

ہمارا سکھ راج میرا انتظار کر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں امید و یاس کی عجیب کیفیت تھی اس شخص کو دیکھ کر ہمیشہ میرا دل پگھلنے لگتا تھا۔ بعض اوقات میں چاہتا تھا کہ اسے آنے والے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔ لیکن اس بار میں ستاروں سے بد عہدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوستوں سے بد عہدی مناسب نہیں ہوتی چنانچہ اس کی امید بھری نگاہوں کے جواب میں میں نے گردن ہلا دی۔

"نہیں سکھ راج کچھ نہیں، وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ اور شیطان ہی رہے گا اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ اس بار بھی اس نے وہی بات کی ہے کہ وہ روپ کلی کو کسی طور نہیں چھوڑے گا۔"

"بھگوان نے جو تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔" سکھ راج ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وقت کافی گذر گیا تھا اور بارگ چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں بھی کشن سنگھ کے دربار میں پہنچ گئے۔ راجہ کشن سنگھ اپنے دربار میں کام کر رہا تھا تاہم اس نے ہمیں بیٹھنے کا لئے ایک مناسب جگہ پیش کی۔ اس کے انداز میں نرمی اور دوستی تھی۔ لیکن میں جانتا تھا یہ دوستی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ جب سارا کام نمٹ گیا تو راجہ کشن سنگھ نے اپنے بیٹے پیتو سنگھ کو طلب کیا۔

دربار میں اس وقت چند خاص آدمی موجود تھے اس کے علاوہ ہم دونوں تھے۔ پیتو سنگھ کامیابی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے راجہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب سا اظہار ہوتا تھا۔ سکھ راج جھکاریوں کے سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، تب راجہ کشن سنگھ نے سکھ راج کو اور مجھے اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں اس کے پاس پہنچ گئے۔

"سکھ راج میں نے تمہیں وچن دیا تھا کہ اگر تم کبھی میرے پاس آئے اور مجھ سے کچھ مانگنے کی کوشش کی تو میں ضرور دوں گا۔ لیکن سکھ راج تم ایک بیٹی کے باپ ہو اور اولاد کی ہٹ بعض اوقات پوری کرنا ہی ہوتی ہے۔ سو میں نے پیتو سنگھ کو مجبور کیا کہ وہ تمہاری عزت کو اپنی عزت سمجھے اور ہم دونوں مل کر ایک ایسا فیصلہ کریں جسے سن کر تم بھی خوش ہو جاؤ گے۔"

"وہ کیا مہاراج۔؟" سکھ راج نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"غور کرو سکھ راج تمہاری بیٹی اگر اس راجدھانی کی رانی بن جائے تو کیا تمہاری تقدیر نہیں بدل جائے گی۔" راجہ نے سوال کیا اور سکھ راج کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"م..... میں نہیں سمجھا مہاراج۔" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"نہیں سمجھے تو ہم تمہیں سمجھاتے ہیں۔ پیتو سنگھ ہمارے بعد اس راجدھانی کا راجہ ہو گا اور کوئی بھی بڑے خاندان کی کنیا یہاں کی رانی ہو اگر تمہیں یہ مقدر مل جائے تو کیا تم اپنی تقدیر پر ناز نہیں کرو گے۔؟"

"م..... میں اب بھی نہیں سمجھا مہاراج۔"

"بڑے بے وقوف ہو سکھ راج۔ لیکن اب ہمارا تم سے ایک ایسا رشتہ ہونے والا ہے کہ ہم تمہیں بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتے۔ سنو سکھ راج پیتو سنگھ تمہاری بیٹی ان ابلاؤں کی طرح اس سے وواہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے وچن کا پالن اس طرح کریں کہ تمہاری بیٹی راج محل میں نہ رہے جو راجاؤں کی باندیاں ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ راجوں

کی طرح اس راج محل میں آئے۔ کیا تمہیں ہمارے بیٹے کا رشتہ نامنظور ہے؟" سکھ راج کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ منہ پھاڑے کھڑا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں کوئی بوجھ آگیا ہے۔

"کیا... کیا یہ ممکن ہے مہاراج؟" سکھ راج خوشی سے تھرتھر کانپنے لگا۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "کیا کیا سکھ راج کو تاثر دام نہیں مل سکتا ہے؟"

"ہاں سکھ راج، راجہ کو اپنی بات کا بڑا بھرم ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے دھن کا پاس بھی تھا اور اپنے بیٹے کی آرزوؤں کا احساس بھی۔ اور ہم نے اس کا ایک باعزت طریقہ یہی سوچا کہ پیتو سنگھ سے اس کی پریمکا بھی نہ چھینے اور تمہاری عزت بھی رہ جائے۔ سکھ راج ہم یہ کڑوی گولی بڑی مشکل سے نگل رہے ہیں۔ ہمارے من میں اپنے بیٹے کے لئے بہت سی آشائیں تھیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہم اپنی ہی جاتی کے کسی راجکمار کی بیٹی سے اس کا وواہ کریں گے تاکہ دو راجدھانیاں مل کر ایک ہو جائیں۔ لیکن اگر بھگوان کی یہی اچھا ہے تو ہمیں اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ سو سکھ راج تم بھی خوش ہو جاؤ کہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو بہت بڑا مرتبہ مل گیا ہے۔ تم اس راجدھانی کی رانی کے پتاجی ہو۔ ہم آج ہی سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ آج سے ٹھیک تین دن کے بعد روپ کلی کا وواہ پیتو سنگھ سے ہو جائے گا۔" اور سکھ راج ہاتھ جوڑ کر مہاراجہ کرشن سنگھ کے قدموں میں گر پڑا۔

اس کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہی تھی، یہ بات واقعی اس کے لئے قابل فخر تھی کہ اس کی بیٹی راجدھانی کی رانی بن جائے۔ اس نے یہی خواب تو روپ کلی کے لئے دیکھے تھے اور ان خوابوں کی تعبیر اسے اس طرح مل جائے گی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"جے بھگوان، جے مہاراج..." اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ روپ کلی کی تقدیر سے وہ کالا دھبہ دور ہو چکا ہے۔ اور سکھ راج خوشیوں میں ڈوبا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر مستی مذاق مسکراہٹ تھی اور میں اس مسکراہٹ کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی یہ سب کچھ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو ستاروں نے مجھے بتائی تھی اور بلاشبہ ستارے جو راستہ منتخب کر دیتے ہیں وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ مجھے اور سکھ راج کو محل سے دور ایک چھوٹی سی حویلی دے دی گئی۔ جہاں ہمیں شادی کی تیاریاں کرنا تھیں۔ لیکن یہ انوکھی شادی تھی، دلہن سسرال میں تھی گھر میں موجود تھی اور یہاں تیاریاں ہو رہی تھیں، تب اسی شام پیتو سنگھ نے مجھے دوبارہ بلایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ کسی بھی ناطے سے سہی تم اب میرے رشتہ دار بھی بن گئے۔" اس نے میرا مذاق اڑانے کے سے انداز میں کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ اس خوشخبری کو ترجمانی زبان سے روپ کلی کو سناؤ۔ بولو کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بات تو اب اچھے انداز میں طے ہو گئی ہے۔ اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اس سے دلچسپی بس اسی حد تک تھی۔" تب پیتو سنگھ نے اپنے ایک خادم کی طرف دیکھا اور وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو باندیاں روپ کلی کو لے کر آگئیں۔

کلی کا روپ مرجھایا ہوا تھا۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔

"پورن!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کہاں ہیں پتاجی! آہ وہ کہاں ہیں؟"

"راج محل میں بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک سمبندھ ہونے والا ہے روپ کلی۔" پیتو سنگھ نے کہا۔ اور روپ کلی نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بھگوان کی سوگند۔ میرے تیرے درمیان کوئی سمبندھ کبھی نہیں ہوگا۔" وہ نفرت بھرے انداز میں بولی۔

"ارے رے رے۔ بے چارے بھگوان کو ایسے کاموں میں مت گھسیٹا کرو جو اس کے بس کے نہ ہوں۔ کیوں اس بے چارے کی سوگند کھاتی ہو۔ میں نے تو تمہیں بس ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا تھا۔"

"کیا؟" روپ کلی غضبناک انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

"کیا پورن بھگت تمہارے پریمی ہیں روپ کلی؟" اس نے پوچھا۔ اور روپ کلی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ دیر تک وہ گردن جھکائے رہی۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ میں ان سے پریم کرتی ہوں۔ میں ان کے چرنوں میں زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"ہوں۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ کیوں پورن جی۔ یہ سوال میں نے آپ سے بھی پوچھا تھا مگر آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ جواب دے بھی نہیں سکتے تھے۔ پریم تو بھگوان کی دین ہے۔ میں نے سارا جیون کبھی کسی کے سامنے من نہیں ہارا۔ کیونکہ یہ میرا قول تھا۔ پریم میں نے کیا تھا۔ میں اپنے پریم میں کسی کو شریک کیوں کرتی۔ مہاراج پورن کو اس بارے کچھ نہیں معلوم۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ تب تو ٹھیک ہے۔ بات تو ختم ہو ہی رہی۔ لیکن افسوس روپ کلی تمہاری پریم بھاونا ادھوری رہ گئی۔ تمہیں پورن مہاراج سے کچھ نہ مل سکا۔ اور اب۔ اب تم یہ بھاونا اپنے من سے نکال دو کیونکہ اب تمہیں مہارانی بننے والی ہو۔ میں تم سے وواہ کر رہا ہوں۔"

"تم جیسے راکھشش ناری کو کھلونا تو بنا سکتے ہو۔ انہیں اپنا جیون ساتھی نہیں۔ اس لئے مجھے ایسے بھرم کے نہ دو۔"

"پوچھ لو اپنے پریمی سے۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"

"ہاں روپ کلی۔ پیتو سنگھ ایک برا انسان ہے۔ تمہیں اس نے آج تک جو برائیاں کی ہیں ان کا پرائشچت کرنا چاہتا ہے۔ مہاراج کرشن سنگھ اور تمہارے پتا سکھ راج کے درمیان یہ بات طے ہو گئی ہے کہ تم دونوں کا وواہ کر دیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ تم رانی بن کر رہو گی۔"

"پیتو سنگھ۔ اور میرا تیاگ۔ بھگوان کی سوگند۔ میرا من تیاگ کی حیثیت سے اسے کبھی سویکار نہیں کر سکے گا۔ یہ اگر میرے بدن کے قریب آئے گا تو یوں لگے گا جیسے سانپ مجھے اپنے شکنجے میں لپیٹ رہے ہیں۔ پتاجی نے ایسا فیصلہ کیوں کیا۔ مجھ سے کیوں نہ پوچھا۔"

میں نے پیتو سنگھ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی۔ "سنا تم نے پورن سنگھ۔ تم نے سنا ایک مرد کا اس سے بڑا اپمان اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں اس سے وواہ ضرور کروں گا۔ میں اسے سارا جیون دکھ میں جلاؤں گا۔"

"یہ سب جذباتی باتیں ہیں پیتو سنگھ۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ وہ تمہاری پتنی ہے تو اس کے دل میں خود بخود تمہاری محبت جاگ اٹھے گی۔"

"مجھے اس کا پریم نہیں چاہیے۔ میں اسے وہ مزا چکھاتا کہ یہ جیون بھر یاد رکھتی۔ لیکن افسوس پتاجی میرے آڑے آگئے ہیں۔ پھر بھی میں دیکھوں گا کہ یہ کتنی مان والی ہے۔ میں اسے... میں اسے وہ سزا دوں گا کہ یہ جیون بھر یاد رکھے گی۔ میں اسے..." پیتو سنگھ کے منہ سے جھاگ آرہے تھے۔

"تم دیکھ رہے ہو پورن۔ تم برداشت کر رہے ہو۔ پتاجی سے میرا پتا بنا رہے ہیں۔ تو میرے لئے من میں یہ ارادے رکھتا ہے۔ نہیں پورن تمہیں کرودھ کو دبانا ہوگا۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت۔" روپ کلی نے ذہنی انداز میں کہا۔

"تیرا پتا خوشی سے پاگل ہو گیا ہے سکھ روپ کلی۔ اس کا بس چلے تو وہ تجھے کے تصور ہی بھی نہیں ہونے دے گا کہ کبھی اسے آنا بڑا مان مل سکتا ہے۔ تو خود اس سے بات کر لے۔ وہ اپنے منہ سے کہے گا کہ اس سے بڑی خوشی اسے نہیں مل سکتی۔"

"افسوس، کوئی میرا مان نہیں رکھتا، کوئی میرے من کا میت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے پیتو سنگھ اگر سنسار میرے خلاف ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں نار ہی ہوں۔ بے بس ہوں کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن ایک دن۔ غور سے سن لے پیتو سنگھ۔ میرے ستیان ضرور ہوگی، اور جب بھگوان مجھے بٹیا دے گا تو میں اسے اس طرح پروان چڑھاؤں گی کہ جوان ہو کر وہ تیرا اب سے بڑا دشمن ہو۔ پیتو سنگھ اب میرا بدلہ میرا بیٹا لے گا۔ میں اس سے تب تک خاموش رہوں گی۔ جب اس کے بعد میری زبان بند ہو چکی ہے۔"

روپ کلی خاموش ہو گئی۔ لیکن پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر بڑی مکارانہ مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ "روپ کلی۔ اگر تو میری پوری بات سن لیتی تو۔ تو تیرا یہ مان بھی ٹوٹ جاتا۔ لیکن ابھی میں تجھے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ آنے والا سمے تجھے سب کچھ بتا دے گا۔ سب کچھ..." تو پرونیسہ ایک لڑکی نے صبر کر لیا

اور آنے والے وقت کے انتظار میں بیٹھ گئی اور دوسرے نے اس کی اس لتم کو ناکام بنانے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد پیتو سنگھ میرا دوست بن گیا۔ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اسے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ میں روپ کلی کے پریمی کی حیثیت سے یہاں نہیں آیا۔ نہ ہی میرا اس سے کوئی رشتہ ہے۔ مجھے اس نے ایک دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا اور یوں بھی وہ مجھ سے بہت متاثر تھا۔ پھر یوں ہوا کہ میں تو بستی کے نظاروں میں مصروف ہو گیا اور دوسری طرف راجکمار کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ راجہ کرشن سنگھ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا اور جشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دیکھا جائے تو کرشن سنگھ نے یہ اقدام برا نہیں کیا تھا۔ اس نے بیٹے کی جیون ساتھی بنانے والے سے کہا ہوا تو نبھایا تھا یوں کہ بیٹے کی... زوجی پوری ہو گئی تھی اور اس کا قول بھی رہ گیا تھا اور بلاشبہ یہ بہت بڑی بات تھی سکھ راج تو کسی طرح اس کے برابر نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک کھری ذات کا انسان تھا۔

راجہ نے سارے انتظامات اس کی طرف سے بھی کئے۔ دوسری طرف پیتو سنگھ بھی مصروف تھا اس نے آبادی سے دور ایک محل کی تعمیر کروانی شروع کر دی تھی۔ یہ محل ایک دشوار گزار راستے پر تھا اور عام لوگوں کا ادھر سے گزر نہیں تھا۔ بے شمار مزدور اس محل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کوئی اس کا مقصد نہیں جانتا تھا۔ میں نے بھی ایک دفعہ اسے دیکھا لیکن اس کا مقصد مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔ تب پیتو سنگھ کی شادی کا دن آگیا پوری آبادی جشن منا رہی تھی۔ جگہ جگہ ناچ گانے ہو رہے تھے میں بھی پیتو سنگھ کے ساتھ تھا۔ وواہ ہوا۔ ہون کے گرد روپ کلی کا پلو راجکمار پیتو سنگھ کے پلو سے باندھ دیا گیا اور انہوں نے پھیرے مکمل کئے۔ تب روپ کلی نے پیتو سنگھ کے چرن چھوئے۔ اور یوں وہ پیتو سنگھ کی ملکیت بن گئی تھی۔

رات کو جشن کا ایک خاص انتظام تھا، دور دور سے طوائفیں بلوائی گئی تھیں۔

میں پیتو سنگھ کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا اور پیتو سنگھ اچھنے والیوں پر زور و جور لگا رہا تھا۔

"پورن اس لڑکی کو دیکھو۔

اسی سیج

پر جہاں وہ بے وقوف لڑکی میری دلہن بنی بیٹھی ہوگی جسے میں نے دل و جان سے پسند کیا تھا لیکن جو اب نازندگی بھر عذاب اور میری نفرت کا شکار رہے گی۔" اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب پیتو سنگھ؟"

"وہی جو میں نے سوچا تھا اور جس کی جانب اشارہ کیا تھا۔

یعنی یعنی۔" میں شدید حیران ہو گیا تھا۔

"ہاں پورن سنگھ۔ وہ سارا جیون اپنے پتی کے لمس کو ترسے گی، وہ سارا جیون کنواری رہے گی۔ میں اس کے من کی آشا کبھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔ میں کبھی اس کے سنتان نہ ہونے دوں گا۔ میں اس کے لئے سونے کا محل بنوا دوں گا۔ اس کی ہر آرزو پوری کروں گا بس وہ جیون کے سب سے بڑے روگ میں مبتلا رہے گی۔ میں اس کا پتی کبھی نہ بنوں گا۔"

اور پروفیسر میں ششدر رہ گیا۔ بڑا خوفناک ارادہ تھا بڑا ہی بھیانک انتقام تھا جو پورن نے سوچا تھا۔ روپ کلی نے اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ سارا جیون اس سے نفرت کرے گی، اور اس کی سنتان کو اس طرح پروان چڑھائے گی کہ وہ اس کی سب سے بڑی دشمن ہوگی۔ ایک ماں یہ تو نام کر سکتی تھی۔ لیکن اس وقت جب اس کی کوئی اولاد ہو۔ جب پیتو سنگھ اسے شوہر کی محبت ہی نہ دے گا تو اس کے ہاں اولاد کہاں سے ہوگی۔

کافی دیر تک میں گم سم رہا تھا، پھر مجھے پیتو سنگھ کی ہنسی سنائی دی۔ "کیسا طریقہ ہے پورن جی کیا اس بے وقوف لڑکی نے سارے جیون کا روگ نہیں پال لیا۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میں اس سے۔ لیکن سنسار کی ریکا ہوں میں ہم پتی پتنی ہیں۔" وہ بتا رہا تھا میں خاموش رہنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا سو یہی ہوا۔ پیتو سنگھ اس حسین زناشہ کرنے کر نیلہ پوری میں چلا گیا۔ رات کی کہانی ختم ہوگئی اور دن کے اجالوں رات کی کہانیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ شادی کے جشن اب بھی جاری تھے۔ سورج چڑھے پیتو سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"آؤ میرے عزیز دوست۔ میرے سب سے پیارے ساتھی کاش تمہارے جاوید کا تھوڑا سا حصہ بھی مجھے مل جاتا تو میں امر ہو جاتا۔ آؤ۔ میں تمہیں اپنی سہاگ رات کی کہانی سناؤں۔ آؤ ذرا میرے پاس بیٹھو۔" اور میں ایک گہری سانس لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

عورت کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ تو میری دھرم پتنی جو مجھ سے نفرت کرتی ہے میری منتظر ہے۔ تب میں نے اسے مخاطب کیا۔

"دیوی روپ کلی۔ ممکن ہے تم روپ کی کلی یا کلی کا روپ ہو۔ مگر ہمارے تمہارے درمیان نفرت کا رشتہ ہے اور بڑا ہی گہرا رشتہ قائم ہوا ہے ہمارے درمیان۔ تو دیوی جی تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے بدلہ لینے کا ایک نیا طریقہ اپناؤ گی۔ یعنی جب تمہارے ہاں اولاد ہوگی اور وہ بیٹا ہوا تو تم اسے نفرت کی بنیادوں پر پروان چڑھاؤ گی۔ اور جب وہ جوان ہو جائے گا تو تمہارا بدلہ مجھ سے لے گا۔ تو دیوی جی میں نے بھی یہ کہا تھا کہ اس ایمان کا میں تم سے ایک انوکھا انتقام لوں گا۔ میرا انتقام تو آج سے شروع ہو گیا ہے۔ میری سیج پر تم کبھی نہیں آؤ گی روپ کلی۔ میں کبھی تمہارا پتی نہیں بنوں گا۔ اب تم یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

اور پورن کیا دلچسپ منظر تھا وہ۔ روپ کلی پر ں حیرت سے گنگ تھی۔ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر وہ سیج سے اتر گئی۔ نئی بیاہی امنگوں بھری دلہن سیج کے پہلے کھڑی تھی اور میری پسندیدہ لڑکی پھولوں کے بستر پر۔

میں نے غور سے پیتو سنگھ کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ نہ جانے وہ میری ہمدردی سے ڈر گیا تھا یا پھر بھول جانے کا عادی کیونکہ وہ میرے اوپر بہت ہی مہربان تھا۔ رات جشن منایا جاتا اور نئی نئی زنانیاں تلاش کر کے لائی جاتیں ان میں سے کوئی نہ کوئی زناشہ ہر رات میری مہمان ہوتی اور ایک طرح سے پھر میں تعطل کا شکار ہو گیا تھا یعنی لمحات کی تحریک رک گئی تھی اور میں ایک تعطل میں گم ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن مجھے سکھ راج کا پیغام ملا وہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا سکھ راج نے بڑے احترام سے میرا خیر مقدم کیا تھا۔ "واپس نوری جا رہے تھے۔ مہاراج تم سے ملنے کو جی چاہتا تھا۔ آگیا دو۔" اس نے کہا۔

"خوش ہو سکھ راج؟" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ روپ کلی نے اسے اپنی بدنامی کی داستان سنائی یا نہیں۔ میرے اس سوال پر سکھ راج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھگوان کی دیا ہے۔ روپ کلی کے بارے میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا مہاراج کہ وہ محلوں کی رانی بن جائے۔ ہاں میں نے ایک باپ کی طرح اسے دعائیں ضرور دی تھیں۔ پھر بھگوان کے لیلا نیاری ہے۔ اس نے میری یہ دعا اس طرح پوری کر دی۔ روپ کلی عزت سے بیاہی گئی ایک باپ کے من میں سب سے بڑی آشا یہی تو ہوتی ہے سو میری یہ آشا پوری ہو گئی اب واپس جا رہا ہوں باقی جیون بھگوان پورا جانے تباؤں گا نہ؟"

"روپ کلی سے مل لئے؟" میں نے پوچھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ روپ کلی نے باپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور اچھا ہی کیا تھا اس نے۔ غریب سکھ راج بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتا تھا۔ سوائے سینے پر زخم کھانے کے۔ اور یہ زخم اس کی زندگی کو ذرا جلدی ختم کر دیتے۔

"ہاں۔ بہت بار۔ روزانہ صبح وہ میرے چرن چھونے آتی ہے۔"

"وہ بھی خوش ہے نا؟"

"کیوں نہ خوش ہوگی۔ ناری کا گھر اس کی سسرال ہوتی ہے وہیں اسے سکھی خوشی سارا جیون گزارنا ہوتا ہے اور پھر وہ تو بڑی بھاگیہ وان ہے کہ اسے اتنا اچھا ور مل گیا ہے۔ وہ کیوں نہ خوش ہوگی۔"

تب میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ پیتو سنگھ پرستور میرا دوست تھا اور ہماری عیاشیاں جاری تھیں۔ روپ کلی سے اس دوران ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پھر سان کے ہاں ایک تہوار آیا۔ جسے یہ لوگ دیوالی کا نام دیتے تھے۔ اس تہوار کے لئے پوری ریاست میں عجیب عجیب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سڑکوں، گلیوں کو درختوں کے پتوں سے سجایا گیا تھا۔ رنگ برنگے کپڑے لٹکائے گئے تھے۔ طرح طرح کی شکلیں بنا کر سڑکوں پر نکل آئے اور نہ جانے کیا کیا کھیل کھیلتے۔ مجھے ان ساری چیزوں کو دیکھ کر لطف آ رہا تھا۔ پھر تہوار کا مخصوص دن آگیا۔ چاروں طرف ہنگامے ہو رہے تھے۔ پورے شہر کو دیوں سے روشن کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص خوش نظر آ رہا تھا اس رات کا جشن بھی عام راتوں سے مختلف تھا۔ ہر شخص شراب پی رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے تو اتنی شراب پی کر ہوش ہی نہ رہا۔ اس کے بے ہوش ہونے کے بعد جشن ختم ہو گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی دو بجے تھے۔

میں یونہی ٹہلتا ہوا محل کے ایک سنسان سے گوشے کی طرف نکل آیا۔ یہ ایک بلند جگہ تھی۔ اور یہاں سے شہر نظر آتا تھا۔ دفعتاً میں نے روپ کلی کو دیکھا جس کی پشت میری جانب تھی۔ اور وہ خاموش کھڑی دور تک تاریکی میں دیئے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پشت کی سمت سے اسے پہچان لیا اور میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اسے خبر نہیں ہوئی تب میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک کر پلٹ پڑی۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنی ساڑھی کا پلو سر پر درست کر لیا۔

"پورن مہاراج؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں روپ کلی۔ میں ہوں۔"

"یہاں۔ یہاں کیسے آ گئے۔" اس کے انداز میں کسی قدر گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

"بس یونہی ٹہلتا نکل آیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں موجود ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں آپ۔" اسے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تھا۔

"ہاں۔ تم کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ بھگوان کی دیا سے۔ اب میں چلتی ہوں کسی نے دیکھ لیا تو ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"مجھ سے گھبراتی ہو روپ کلی۔ حالانکہ میں ہمیشہ تمہارے لئے بے ضرر رہا ہوں۔"

"بھگوان کی سوگند یہ بات نہیں ہے پورن مہاراج۔ آپ تو بہت اچھے ہیں۔ پر میں ہی خراب ہوں۔ نہ جانے کیوں اس دن میرے منہ سے ایسی بری بات نکل گئی تھی۔ بھگوان جانتا ہے کہ میں اس پر شرمندہ ہوں۔ سوامی پیتو سنگھ کے من میں وہ بات ضرور ہوگی۔ اس لئے ڈرتی ہوں کہ ان کے من میں کوئی کھوٹ نہ آ جائے۔"

"پیتو سنگھ کا رویہ اب تمہارے ساتھ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا۔ بڑے دیالو ہیں وہ۔ میری ساری باتوں کو بھول گئے ہیں۔" اس نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے کتنی خوش اسلوبی سے اپنے معاملات کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بھی اس کے بھرم کو نہ توڑا اور چند ساعت کے بعد وہاں سے چلا آیا لیکن بہت دیر تک میں اس شریف، معصوم اور مظلوم لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا تھا، بے چاری عجیب حالات کا شکار ہو گئی تھی۔

یوں وقت گزرتا رہا۔ پھر ایک دن پیتو سنگھ بہت خوش تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "میں نے پتاجی سے شکار پر جانے کی آگیا لے لی ہے۔"

"اوہ۔ کہاں جاؤ گے۔؟"

"جہاں شکار ملے۔ ویسے اس بار میں نے کالندی کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ سنا ہے کالندی کے پہاڑوں میں حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔ وہاں کی پہاڑی ندیوں کے کنارے حسین لڑکیاں سرخ ہیر جیسوں کی مانند نظر آتی ہیں، کیوں وہاں ہو کر آیا ہے۔"

"کیشو کون ہے؟"

"میرا دوست ہے۔ بڑا ہی دل پھینک انسان ہے۔ ہمیشہ میرے لئے نت نئی خبریں لاتا ہے۔" راجکمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کب جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بس بہت جلد۔ جانے سے پہلے صرف ایک کام کرنا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا۔؟" میں نے سوال کیا۔

"روپ کلی کو اس کے آخری استھان پر پہنچانے کا کام اور اس کے بعد میری طرف سے اس کا کام تمام سمجھو۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"او ہو۔ کیا بھول گئے پورن۔ کیا وچن ہوا تھا ہمارے اور اس کے درمیان۔ کیا قول ہارے تھے ہم نے۔ اس نے کہا تھا کہ میری پتنی بننے کے بعد وہ مجھ سے بدلہ اس طرح لے گی کہ میری ہی اولاد کو میرے خلاف کھڑا کر دے گی۔ پگلی بھول گئی تھی کہ پتو سنگھ کسی ایک لڑکی کے لئے پاگل ہو جانے والوں میں سے نہیں ہے اور مہاراج پورن سنگھ تم خود ہی سوچو جب وہ میرے سنتان کی ماتا ہی نہیں بنے گی۔ تو پھر میری سنتان مجھ سے بدلہ کہاں سے





سکے گی۔ پر ہمارا پورن سنگھ اب اسے اس محل میں بھیج رہا ہے جہاں وہ جیون کے باقی دن تڑپ تڑپ کر کاٹ دے گی۔

میں نے پہلے ہی کہا تھا اسے دلوں کو تکلیف نہیں ہوگی، کھانے کی پینے کی، پہننے کی، سونے کی، اٹھنے بیٹھنے کی، اور رہنے کی۔ مگر یہ پیتو سنگھ اسے نہیں ملے گا اور وہ سارا جیون اسی کشمکش میں گزار دے گی۔ یہ ہے اس کا جاگ ہے، اور اسے جاننا چاہئے کہ پیتو سنگھ کا اپمان کرنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا اب وہ ساری عمر ترستی رہے گی۔ جتنی گوس کی جوالا ڈھل جائے گی، اس کا سندر مکھڑا کسی کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔ پیتو سنگھ نے کہا۔

"پیتو سنگھ کیا اب تم اسے معاف نہیں کر سکتے؟"

"معاف۔ بھگوان کی سوگند پورن جی میں تو تمہیں بھی معاف نہ کرتا۔ اگر یہ بات میرے علم میں نہ آجاتی کہ رضیہ وہ تم سے پریم کرتی ہے۔ تم اس سے پریم نہیں کرتے۔ معاف کرنے کا کھیل تو میں کھیلتا ہی نہیں ہوں۔ بچپن ہی سے نہیں سیکھا۔ جب سے دنیا سنی ہوں اس کا کام ختم کرو اور اس کے بعد جیون کی ہتی بجھا لی۔"

مگر پیتو سنگھ اس کی اور ہتیاری دشمن بھی بھلا کوئی دشمنی ہے۔ اب وہ ہماری دھرم پتنی ہے، سہ بڑھ کر یہ کہ وہ ایک کمزور عورت اور تم سنبھل کے ہونے والے راجہ، وہ بیچاری ہتیارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ یوں بھی اس کی کوکھ سے پیدا ہونے والا ہتیارا بیٹا بھی تو ہوگا۔"

"وہ۔" نہیں پورن سنگھ اسے اس حسرت میں جیون بھر تڑپنے دو۔ اسے یہ جاننے دو کہ پیتو سنگھ کو ٹھکرانے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا اور یوں بھی نوشتہ وہ کے حالات جانتا ہی تھا اور مجھے علم تھا کہ پیتو سنگھ وہی کرے گا جس کی طرف ستاروں نے راہنمائی کی ہے۔

پیتو سنگھ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہا اور پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ کل صبح روپ کلی کو محل پہنچوا دے گا۔

"کیا تم نے اپنے پتا سے اس بارے میں گفتگو نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"پتا جی راجہ ہیں، پریہ جانتے ہیں کہ ہونے والا راجہ ہیں ہوں۔ اگر آج وہ مجھ سے ٹکرائیں گے تو کل انہیں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ وہ میرے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا اور میں بس کر رہ گیا۔

انسان وہی انسان تھا خود کو بنانے کیا سمجھنے والا۔ لیکن اس کا انجام میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، دوسری صبح چند رتھ میں نے شہر سے باہر جاتے دیکھے، ان میں روپ کلی موجود تھی۔ اپنی بدقسمتی کی آخری منزل کی جانب رواں دواں نہ جانے اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ میں نے تو اس کی صورت بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیتو سنگھ کے چہرے پر کوئی احساس بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھا۔ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پھر ایک دن پیتو سنگھ کالندی کی طرف چل پڑا۔ میں بھی ایک گھوڑے پر اس کے ساتھ تھا۔ پیتو سنگھ کے عمراویوں کا ایک لشکر بھی ہمرے بھرے راستے تھے بعلاقہ نہایت سرسبز تھا۔ راستے میں پیتو سنگھ نے مجھے بتایا۔

"کالندی بے حد خوبصورت جگہ ہے میں نے کئی بار ادھر آنے کی سوچی لیکن پتا جی نے کبھی اجازت نہیں دی۔ یہ علاقہ خطرناک کہلاتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"دراصل کالندی ترکھانوں کا علاقہ ہے اور یہ قوم کسی کی سرداری قبول نہیں کرتی کالندی کے دوسری طرف راجہ گلاب چند راجوڑی کی حکومت ہے لیکن جب بھی کسی نے ترکھانوں کے آزاد علاقے پر قبضہ کرنے کی سوچی انہیں مزہ کی کہانی بنی، خود ایک بار مہاراجہ کشن سنگھ نے ان پر چڑھائی کی لیکن ان کی نوعمیں بہادر بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گئیں، بہت سے لشکری مر گئے۔ دریا ئیوں کو لے کر مہاراج نکل آئے۔ ہم ان ترکھانوں کو اناج اور دوسری چیزیں ہر سال دیتے آئے۔ اور جب بھی یہ چیزیں ان تک نہیں پہنچتی وہ قریب و جوار کی بستیوں میں لوٹ کے ڈاکے ڈالنے نکل آتے ہیں اور بڑی تباہی پھیلاتے ہیں۔"

"اوہ۔ خوب۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "گویا وہ ہاتھیوں میں شمار ہوتے ہیں؟"

"بڑی بہادر اور مضبوط قوم ہے۔ لیکن پورن جی۔ میں راجہ بننے کے بعد پہلا کام یہی کروں گا کہ ان ترکھانوں کو ٹھیک کر دوں گا اور دیرینہ خیال ہے کہ صرف یہ ایک کام کرنے سے بہت سے کام بن جائیں گے۔ راہ رو دکھے راہداریوں پر میری دھاک بیٹھ جائے گی اور اس کے بعد کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوگی۔"

"لیکن تم ان پر قابو کیسے پاؤ گے۔؟"

"بس دیکھنا۔ تم بھی اب جیون بھر کے ساتھی ہو کہاں جا کر کیا کرو گے ہمیشہ دوست ہو تمہیں بھی میری ضرورت ہوگی۔ اور پھر تم سے مشورے بھی تو لینا ہوں گے پیتو سنگھ نے کہا اور میں خاموش ہو گیا لیکن ترکھانوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا اشتیاق میرے دل میں بھڑک اٹھا تھا۔ سفر جاری رہا اور میں ان علاقوں کے حسن کو سراہتا رہا بہت سی بستیاں درمیان میں آئی تھیں لیکن ہم ان بستیوں کے قریب سے گزر گئے تھے اور میرے خیال میں یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ۔ ورنہ جہاں پیتو سنگھ رکتا وہاں کچھ نہ کچھ لے ضرور جم لیتے۔

اب پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا اس دوران ہم نے کرت دو جگہ قیام کیا تھا اور اب تیسرے پڑاؤ کی باری آگئی تھی یہ علاقہ آنکھوں کو بہت سرسبز لگا تھا میں ڈوبا ہوا تھا۔ پہاڑیوں پر بے اندازہ سبزہ تھا کوئی پہاڑی برہنہ نہیں نظر آرہی تھی۔ تب سرسبز و شاداب ٹیلے پر خیمے لگا دیئے گئے۔

"ترکھانوں کا علاقہ شروع نہیں ہوا ابھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں پورن۔ ہم پہنچ چکے ہیں۔ بس یہاں سے کچھ دور ترکھانوں کی حد شروع ہو جاتی ہے اور اس کا نشان ایک پرشور ندی ہے جسے عبور کرنا کافی مشکل کام ہے، اس ندی کے اس سمت ترکھان اپنا خراج وصول کرنے آتے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"لیکن ہمیں اس وقت تو ترکھانوں کی روستی درکار ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ان کے لئے بیشمار تحفے تحائف لایا ہوں۔ ان کے بغیر ہم ان سے دوستی کس طرح کر سکیں گے اور اس کے بغیر ترکھان لڑکیاں ہمارے خیموں میں کیسے آئیں گی۔"

"لیکن کیا ترکھان لڑکیاں آسانی سے ہاتھ آسکتی ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"کیوں کیشو، تمہارا اس بارے میں کیا تجربہ ہے؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا مہاراج۔ پر وہ بڑی سندر ہوتی ہیں۔"

"بس یہ جانتے ہو۔ بہرحال سندر لڑکیوں کے لئے تو ہر خطیر مول لیا جا سکتا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو مہاراج یہاں سے، اور آگے بڑھیں گے؟" کیشو نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ یہاں ہم کیا کریں گے، ہمیں ندی کے اس کنارے خیمے لگانے ہیں اور وہاں سے ہم دریا عبور کریں گے۔"

"مگر ترکھان اپنے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت کب دیتے ہیں۔؟"

"ہم ان سے اجازت لے لیں گے تم بے فکر رہو کیشو۔" پیتو سنگھ نے کہا لیکن کیشو کے چہرے پر تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ پھر شام کو توقع کے مطابق ہی اس نے کہا۔

"مجھے وہ بڑی بھول ہوئی مہاراج۔ جیون بھر اس بھول پر پچھتاتا رہوں گا۔ پرتاپ نو ہو گئی ہے۔"

"کیسی بھول کیشو۔؟" میں نے پوچھا۔

"مہاراج کو یہاں کے بارے میں بتا دیا۔ وہ ضدی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ہم دریا پار نہ کریں، اکثر دریا کے کنارے لڑکیاں اشنان کرنے آتی ہیں تھوڑی سمجھ سے ان میں سے کسی پر ہاتھ ڈال کر یہاں سے نکل بھاگا جائے اور پھنس جائیں گے۔"

"یہ بات تو ہمیں پہلے ہی سوچنی چاہیے تھی کیشو۔"

"بس پورن جی۔ الغام کے لالچ میں منہ سے بات نکل گئی تھی۔ بعد میں سوجھی۔ پرتاپ کیا ہو۔؟"

"یہ تمہارا کام ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"کچھ کریں مہاراج۔ سب ہی کشٹ بھوگیں گے ہیں اکیلا تو نہیں"۔

"دیکھا جائے گا کیشو۔ راجکمار یہاں آیا ہے تو کچھ نہ کچھ کر کے ہی جائے گا"۔ میں نے کیشو کو صاف ٹال دیا اس جیسے انسان سے مجھے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی جس کا کوئی کردار ہی نہ ہو۔ اور پھر وہ بے چارا کیا جانتا تھا کہ خطرہ صرف اسے ہے۔ مجھے نہیں۔ وہ پریشان سا واپس چلا گیا تھا لیکن مجھے اس کی پریشانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رات ہو گئی اور آسمان پر ستارے بکھر گئے۔ تاحد نگاہ سرسبز پہاڑیاں تاریکی میں ڈوب ہو گئیں۔ پھر جب چاند نکلا تو ماحول بے حد حسین ہو گیا۔ چونکہ یہاں پتوسنگھ کی تفریحات کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی اس لئے وہ اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔ چند سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ میں خیمے سے نکل کر پہاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔ چاندنی رات میں اس علاقے کی دلکشی ذہن پر ایک خوشگوار اثر ڈال رہی تھی۔ میں دور تک نکل گیا اور پھر ایک پہاڑی ٹیلے پر چڑھ گیا۔ ٹیلے پر ایک درخت کھڑا ہوا تھا۔ کافی گھنا تھا اور کہیں کہیں سے چاند نیچے جھانک رہا تھا۔ میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

دور دور تک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور پھر کافی دور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شے متحرک ہے۔ فاصلہ بہت کافی تھا اس لئے میں یہ نہ جان سکا کہ وہ کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی جانور ہو۔ لیکن جب میں نے کافی توجہ سے وہاں نگاہیں جما دیں تو مجھے احساس ہوا کہ وہ جانور نہیں ہیں۔ وہ انسان تھے۔ لیکن کون۔ ممکن ہے مقامی باشندے ہوں۔

کیوں نہ ان سے ملاقات کی جائے۔ میں نے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پہلے میں نے فاصلے کا اندازہ کیا اور صحیح سمت کا اندازہ لگانے کے بعد برق رفتاری سے نیچے اتر آیا، دوسرے لمحے میں اس طرف دوڑ رہا تھا۔

اس جگہ کا تعین میں نے دو اونچی چٹانوں سے کیا تھا جن کے اوپری حصے نوکیلے تھے اور یہ دونوں نوکیں آپس میں مل رہی تھیں۔ میری رفتار بہت تیز تھی اس لئے یہ فاصلہ میں نے بہت کم وقت میں عبور کر لیا۔ اور پھر میں ان نوکیلی چٹانوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن جس جگہ میں نے وہ سائے متحرک دیکھے تھے اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں کسی طور اسے نظر کا دھوکہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ضرور یہاں کوئی تھا۔ میں نے چٹان کے بائیں سمت دیکھا تو چاندنی میں ایک خوبصورت چشمہ چمکتا نظر آیا۔ چشمے کے کنارے خوبصورت گول پتھر پڑے ہوئے تھے۔ میں لمبی لمبی پھلانگیں لگا کر ان پتھروں کے پاس پہنچ گیا۔ پتھر بھیگے ہوئے تھے اور ان کے آس پاس بھی ایسے نشانات نظر آ رہے تھے جیسے کوئی پانی میں نہا کر نکلا ہو۔ لیکن ان نشانات کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا تھا۔ میں نے قرب و جوار میں نشانات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تب میں نے آواز لگائی ہے "یہاں کون ہے۔ جو کوئی بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں"۔ دو تین بار میں نے یہ آوازیں لگائیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں نے مایوسی سے شانے ہلائے۔ یا تو وہ لوگ کہیں آگے بڑھ گئے ہیں یا پھر مجھے دیکھ کر پوشیدہ ہو گئے۔ لیکن کیوں۔ کون تھے وہ؟

میں نے اندازہ لگایا کہ اگر کوئی کہیں چھپ گیا ہے تو چھپنے کی جگہ کونسی ہو سکتی ہے اور اس کا اندازہ آسانی سے ہو گیا۔ نوکیلی چٹانوں کے اس سمت ایک سیاہ جگہ نظر آ رہی تھی جو یقیناً ایک غار کا دھانہ تھا۔ میں نے کچھ اور آگے بڑھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی وہاں اور کوئی غار موجود نہیں تھا..... ممکن ہے پوشیدہ ہونے والے اسی غار میں ہوں۔ چنانچہ میں اس طرف چل پڑا۔ غار کے دہانے پر رک کر میں نے کچھ سوچا اور پھر غار میں گھسنے ہی والا تھا کہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ کوئی مجھ پر آ پڑا۔ چاندنی روشنی میں میں نے ایک چیتے کو دیکھا اور تو اور میرے بائیں شانے پر پڑی۔ لیکن اس ایک وار پر اکتفا نہ کی گئی اور تابڑ توڑ کئی حملے ہوئے۔ لیکن ان کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا تمہیں معلوم ہے پردیسی۔ اور اس کا ردعمل بھی وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ لیکن صرف ایک لمحے کے لئے۔ دوسرے لمحے وہ تلوار چھینک کر مجھ سے آ لپٹا۔

چوڑے چکلے بدن کا دیو ہیکل انسان تھا۔ بدن پر مخصوص طرز کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ یعنی وہ جس پر بھیار اثر نہ کریں۔ اس کے چوڑے بازوؤں میں کافی قوت تھی اور وہ اپنی تمام تر کوشش اس میں صرف کر رہا تھا کہ مجھے زمین پر گرا کر خنجر سے میری گردن اڑا دے۔ لیکن ذرا سی دیر میں اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔ اور پھر وہ کسی قدر پریشان انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کچھ بھیدی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر خنجر جوتوں پر زبان پھیرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ کون ہو تم۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی تھی پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم تنہا ہو؟"

"ہاں اس جگہ تنہا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی یہاں سے کافی دور ہیں"۔

"کیا تم بھی ترکھان ہو۔ کونسی بستی کے رہنے والے ہو؟"

"میرا اس علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کشن چند کی راجدھانی سے آیا ہوں"۔

"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ میرا مطلب ہے۔ لیکن تم کیسے انسان ہو۔ میرا مطلب ہے کیا تم۔ تم۔ تلوار نے تمہارے اوپر اثر کیوں نہیں کیا"۔

"تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو دوست۔ کیا تم ترکھان ہو؟" میں نے بدستور نرم اور شفقت آمیز انداز میں پوچھا۔ نوجوان کے چہرے میں مجھے بڑی معصومیت نظر آئی تھی ایک عجیب سی جاذبیت تھی اس کے انداز میں۔

"کیا تم مجھے کشن سنگھ کے علاقے میں پناہ دلوا سکتے ہو؟"

میری بات کا جواب دیئے بغیر بولا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن پہلے تم مجھ پر بھروسہ تو کرو"۔

"میری موت میرے چاروں طرف منڈلا رہی ہے۔ اس سے مجھے پناہ چاہئے۔ اگر تم مجھے پناہ دلوا دو تو میں جیون بھر تمہارا احسان مانوں گا"۔

"میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں، مگر پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم ترکھان ہو؟"

"ہاں، مگر راجدھریہ ترکھان۔ ہم نیچ ذات کے ترکھان ہیں۔ جن کے لئے ان علاقوں میں کچھ نہیں ہوتا"۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"رانا سنگھا راجدھریہ"۔ اس نے جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا"۔ میں نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔

"بہت دور سے اس چٹان کے نزدیک میں نے دو سائے دیکھے تھے اور اس جنگل میں یہاں چلا آیا تھا کہ یہ کون ہو سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں آ کر تم نے نہیں نے تو میں نے تمہیں آوازیں بھی دیں اور اس کے بعد جب یہ غار نظر آیا تو میں نے سوچا اگر واقعی یہاں کوئی موجود تھا تو اس غار کے سوا کہیں نہیں ہو گا"۔

"اوہ" رانا سنگھا نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر مجھے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ میرے دوست ثابت ہو گے دشمن نہیں"۔

"ہاں اور اپنے وعدے کا پورا پورا خیال رکھوں گا"۔

"وہ میرے پریمیکا ہے"۔ رانا سنگھا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کوئی لڑکی۔؟"

"ظاہر ہے پریمیکا کوئی لڑکی ہی ہو سکتی ہے" رانا سنگھا کسی قدر مسکرا کر بولا اور پھر اس نے اندر کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "لاجونتی باہر آؤ"۔ لیکن کئی ساعت تک غار کے دہانے پر کوئی نظر نہیں آیا۔ تب رانا سنگھا نے دوبارہ آواز دی اور ایک سہمی سہمی سی لڑکی باہر نکل آئی۔

بڑی خوبصورت چہرہ تھا۔ ننھا منا سا معصوم سا کسی گڑیا کی مانند نظر آ رہی تھی وہ جبکہ اس کے برعکس رانا سنگھا دیو ہیکل آدمی تھا لڑکی کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں مجھے بڑا ہی بھایا۔ میں نے اسے اشارہ کیا۔

"میرے نزدیک آؤ۔ میں رانا کا دوست ہوں۔ تمہارے پریتم کا دوست"۔ اور شاید اسے میرے لہجے کی نرمی سے ڈھارس بندھی۔ وہ آہستہ آہستہ جھجکتی ہوئی آگے بڑھ کر ہمارے نزدیک پہنچ گئی۔ "تو یہ ہے تمہاری پریمیکا"۔ میں نے رانا سے کہا۔

"ہاں۔ مگر تم دونوں بڑے دکھی ہیں"۔

"کیوں۔؟" میں نے سوال کیا۔

"لاجونتی اونچی نسل سے تعلق رکھتی ہے، ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ پر کیا کیا جائے، بھگوان نے سینے میں جو ننھے سے گوشت کے ٹکڑے رکھ دیئے ہیں۔ یہ ایسے ایسے کھیل کھیلتے ہیں کہ منش ان کی تاب نہیں لا سکتا۔ میں کیسا کام کا ایک اونچی خاندان تھا، پر لاجونتی مجھ سے پریم کرنے لگی، میں نے بڑی سمجھایا مگر یہ پگلی نہ مانی اور اپنی ضد پر اڑی رہی، تب میں بھی مجبور ہو گیا مہاراج جب پریم مجھے اتنا اٹوٹ کر چاہتی تھی تو میں اسے کیسے چھوڑ دیتا۔ مگر ہمارے بھاگ ایسے نہیں تھے کہ ہم دونوں مل سکتے، اگر لاجونتی یا میں اس بات کا اظہار بھی کرتے تو جاری باتیں کھینچ کر باہر نکال لی جاتیں، کیونکہ رام بڑا ہی باعزت آدمی ہے، گووند لاجونتی کا باپ ہے۔ شہر میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ انتہائی لالچی آدمی ہے۔ اونچی نسل کا ہونے پر آپ میں قیمتوں کی کرتا ہے۔ مجھے شما کر مہاراج تو میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا، حالات کا علم تمہیں ہے ہی۔ تو مہاراج میں اس لئے یہ ساری باتیں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ کا تعلق ترکھانوں سے نہیں ہے۔ میرے اور لاجونتی کے ملن کا کوئی امکان نہیں تھا۔ لیکن ہم دونوں اس آگ میں سلگ رہے تھے کہ کیسے کام کو پنڈت سدھاشن کا پتہ نام ملا۔

پنڈت سدھاشن کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں ہے لیکن ان کے پاس جانوروں کے سب سے بڑے ریوڑ اور سونے کا ذخیرہ موجود ہے، انہوں نے یہ ساری دولت پرانے سکے ٹوٹ مار کر کے جمع کی ہے اور کیسے کام کو جب ان کی دولت کا علم ہوا تو وہ پنڈت جی کا بڑھاپا بھول گئے۔

رسم کے مطابق سو گھر میں لاجونتی کو پنڈت سدھاشن کے گلے میں مالا ڈالنی تھی رسم پوری کرنے کے لئے دوسروں کو بھی بلایا گیا تھا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ باقاعدہ سو گھر نہیں رچایا گیا۔ لاجونتی نے مجھ سے کہا کہ اب اس کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہونے والا ہے۔ کیا میں اس کے لئے کچھ نہیں کروں گا۔ بس مہاراج میرا من ڈول گیا اور میں

نے سوچ لیا جب وہ مجھ سے اتنا پریم کرتی ہے تو کیوں نہ میں بھی اس پر جیون وار دوں۔ سو اس سے سوئٹزر میں ہی دوستی لوگوں کی ندمت میں لگا ہوا تھا اور میں نے سارے انتظامات کر لئے تھے۔

پھر جب سوئٹزر میں لاجونتی نے میرے گلے میں مالا ڈالی تو اردگرد کی نسل کے لوگ غصے سے چلا اٹھے۔ ان کی آنکھیں باہر نکل آئیں لیکن اب لاجونتی میری تھی۔ میں نے لاجونتی کو اٹھایا اور ان میں سے دو چار کو زخمی کر کے جو میرے سامنے آئے تھے لاجونتی کو لے کر دریا پار نکل آیا۔ اب مہاراج اور میری ذات کے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے گھوڑے چاروں اور دوڑ رہے ہیں۔ اور ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے، ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے جب تک کہ وہ لوگ تھک ہار کر اپنے مٹھ کانوں کی جانب واپس نہ چلے جائیں۔ یہ پہاڑ بہت طویل ہیں مہاراج اور اس قدر ہیں کہ میں یہاں بہت عرصہ تک ان لوگوں کو پریشان کر سکتا ہوں۔ یہاں وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکتے، میں ان پہاڑوں میں اپنے آپ کو اور لاجونتی کو آسانی سے چھپا سکتا ہوں۔ پر مہاراج ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہم دو دن سے بھوکے ہیں۔"

"اوہ" میں چونک پڑا۔ یہ کہانی بڑی دلچسپ اور بڑی عجیب تھی گو انداز مختلف نہیں تھا۔ گزری ہوئی زندگی میں ایسے بے شمار حالات سے سابقہ پڑ چکا تھا اور مجھے ایسی کہانیاں پسند تھیں۔ میں نے محبت کرنے والے اس جوڑے کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کی محبت میں اتنی دور نکل آئے تھے، ہر خوف سے دور، ہر پریشانی سے دور، بس ایک دوسرے میں مگن۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس جوڑے کو دیکھا۔

"تمہیں کھانے کے لئے میں دے سکتا ہوں" میں نے کہا۔

"مجھے اپنی چنتا نہیں ہے۔ پر یہ پگلی میرے ساتھ کشٹ اٹھانے کو نہ جانے کیوں پگلی آئی ہے۔ یہ بھی تو بھوکی ہے" رانا سنگھ نے بڑے درد سے کہا۔

"تب رانا سنگھ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں پہلے تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آؤں۔ میرا انتظار کرنا" اور اسے لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر میں واپس پلٹ پڑا۔ اب میں پہلے سے بھی زیادہ برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ یہ طویل فاصلے میں نے پہلے سے جلدی طے کیا اور خیموں کے نزدیک پہنچ گیا۔ پہریداروں نے مجھے دیکھا لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔ خیموں میں مجھے وہ جگہ معلوم تھی جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں، میں نے ان میں سے خاصا خورد و نوش ساتھ لیا اور واپس چل پڑا۔

رانا بے وقوف نوجوان نہیں تھا، وہ مجھے غدار نہیں سمجھا۔ بلکہ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ میں تنہا ہی واپس آیا ہوں اور کوئی سازش کر کے نہیں آیا تو بہت دور سے اس نے مجھے آواز دی۔ "میں یہاں ہوں اجنبی دوست۔ براہ کرم یہاں آ جاؤ۔ لاجو کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔" میں اس کا مقصد سمجھ گیا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ لاجو اس کے پاس گھاس پر بے سدھ پڑی تھی۔

"پانی زیادہ پی گئی تھی یہ۔ اور طبیعت بگڑ گئی ہے" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

اور پھر ہم دونوں نے مل کر پہلے لاجو کو کچھ کھلایا اور پھر بچے کھچے پر رانا نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔

"تم کون ہو بھگوان، اور کہاں سے آئے ہو، ہمارے لئے تو تم آکاش سے اترے فرشتے بن گئے۔ میں تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔"

"میرا نام پورن ہے۔ راجہ کشن سنگھ کا بیٹا پیتو سنگھ سیر شکار کے لئے ادھر نکل آیا تھا اس کے ساتھ میں بھی آیا ہوں۔"

"ان کے ساتھ لشکر بھی ہے۔" رانا نے پوچھا۔

"نہیں بس تھوڑے سے آدمی ہیں۔ ظاہر ہے ہم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔"

"مجھے ان کے پاس پناہ مل سکے گی؟" رانا نے پوچھا، اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔ پیتو سنگھ عورت خور تھا اور رانا کی محبوبہ خاصی حسین تھی۔ بے چارا رانا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اس لئے میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں رانا۔ تم بھول کر بھی اس طرف کا رخ مت کرنا۔ پیتو سنگھ اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں کرے گا۔ تمہارے لئے اب یہی جگہ ٹھیک ہے کہ کچھ روز یہاں چھپے رہو۔ میں تمہارے لئے کھانے پینے کی اتنی مقدار لے آیا ہوں کہ تم کئی روز آرام سے گزار لو گے۔ جب تم قسوس کر کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو یہاں سے کہیں نکل جانا۔"

"جو آگیا مہاراج" رانا سنگھ نے جواب دیا اور متفکر نگاہوں سے لاجونتی کو دیکھنے لگا۔ میں اس پر جیون وار نے کو تیار ہوں پر اس کے لئے چھت نہیں بنا سکا۔ پہلے تو میں نے یہی سوچا تھا کہ راجہ کشن سنگھ کے پاس چلا جاؤں گا اور ان کی سیوا کروں گا۔ لیکن تم نے مجھے ڈرا دیا۔ پر سچ تو یہ ہے میں اکیلا ہوں کہاں کہاں لاجو کی حفاظت کروں گا!"

"پھر کہاں رہو گے رانا سنگھا؟"

"کسی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں منش کے قدم نہ ہو سکیں میں ایک نیا سنسار بناؤں گا۔ میرے بازوؤں میں بہت طاقت ہے پھر یہ بات تمہارے سامنے نہیں کہہ سکتا۔ راج تم نہ جانے کیا ہو!

بڑی مشکلات میں پڑ جاؤ گے رانا سنگھا۔"

"جو بھگوان کی مرضی۔ پریم ہے ہی مشکل۔ پر کسی کے لئے جیون تیاگ دینا ہی تو سب کچھ ہے۔ ہمارا بچاؤ ضروری تو نہیں جی کر کیا کروں گا۔" اس نے پیار بھری نگاہوں سے لاجونتی کی طرف دیکھا جو اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں گھٹنوں کو جوڑ کر ان پر ٹھوڑی رکھے ہمیں دیکھ رہی تھی اس کے سیاہ لمبے بال زمین تک آ رہے تھے۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر میں یہاں سے اٹھ گیا۔ "تو اب میں چلتا ہوں، تم خاص طور سے اس وقت تک یہاں پوشیدہ رہو جب تک پیتو سنگھ یہاں سے اپنے خیمے نہ اکھاڑ دے اس سے خاص طور سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اور پھر میں واپس خیموں میں چلا آیا اور اپنے خیمے میں پڑ کر سو رہا۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ میں رات کو کیا کرتا پھرا ہوں۔ صبح کو اس وقت جاگا جب میں نے باہر بہت سی آوازیں سنی تھیں، میں باہر نکل آیا، تب میں نے دیکھا کہ پیتو سنگھ اور دوسرے لوگ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور ہتھیار سنبھال رہے ہیں۔

"کیا ہوا پیتو سنگھ؟" میں نے پوچھا۔

"ترکھان چاروں طرف سے آ رہے ہیں ان کی تعداد ابھی خاصی ہے۔ غالباً وہ ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں" پیتو سنگھ نے کہا اور میں بھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر دیکھنے لگا۔ پندرہ بیس گھوڑے ایک سمت ملے آ رہے تھے۔ اتنے ہی دوسری طرف سے اور ان کے پیچھے دوسرے بھی تھے ان کی رفتار سست تھی۔ لیکن وہ بڑے متناسب انداز میں بڑھ رہے تھے۔

خیموں سے تقریباً پچاس گز دور چل کر وہ رک گئے اور ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر ان میں سے دو آدمی آگے بڑھے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے۔ پیتو سنگھ کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہمارے بالکل قریب آ گئے۔

"یہ ترکھانوں کے خیمے نہیں ہیں، اگر تم لوگ ترکھان نہیں ہو تو پھر کون ہو؟"

"میں راجہ کشن سنگھ کا بیٹا پیتو سنگھ ہوں، ہم لوگ سیر شکار کے لئے نکلے تھے راستہ بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلے اور راجہ کشن سنگھ سے تعلقات ترکھانوں سے برے نہیں ہیں، ہم لوگ تمہیں کشتہ اتار دیتے رہتے ہیں۔"

"اوہ مہاراج کشن سنگھ سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے" ان دونوں نے بیک وقت کہا۔

"بالکل ٹھیک رہیں بھی جب یہاں پہنچا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ کے تعلقات سے ترکھانوں کے علاقوں میں نکل آئے ہیں لیکن پھر میں نے یہی سوچ یہاں خیمے ڈال دیئے کہ ترکھانوں ہمارے دوست ہیں، دشمن نہیں، اور ہمارے اور ان کے درمیان آج تک دشمنی کا کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا ہے، مگر تم کس ارادے کے تحت یہاں تک آئے ہو؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ہم تمہارے پاس نہیں آئے راجکمار پیتو سنگھ۔ بلکہ اپنی ایک پریشانی کا ایک شکار تھے، اتفاق سے تمہارے خیمے نظر آئے تو ہم سب چونک کر ادھر آ نکلے۔ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ یہاں کس کا قیام ہے" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"اوہ تو پیتو سنگھ تمہارے زمین پر آنے کے لئے معافی چاہتا ہے اور اب تم سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا ہم کچھ دنوں کے لئے رک جائیں۔ یا تمہاری اجازت نہیں ہے۔"

"مہاراج ہم تو عام سے لوگ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھنا، ہم تو خود ایک کام کے لئے نکلے تھے اب اس میں ناکام ہو کر واپس جا رہے ہیں، ہم تو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے رک گئے تھے کہ معلوم تو کریں آپ کون لوگ ہیں، ہاں ذرا ایک بات تو ہمیں بھی بتا دیں!"

"کیا؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"آپ نے یہاں کن لیے تو جوان کو تو سفر کرتے نہیں دیکھا جس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی، دراصل وہ نوجوان ہمارا مجرم ہے ہماری ذات کا ایک اچھوت جوان نے۔ . . . . . ذات کی ایک لڑکی کو لے کر دریا پار کر آیا ہے اور اب اس پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ہم بہت دور تک اس کی تلاش کرتے آئے ہیں دور کروہ کسی بھی رفتار سے جاتا۔ ہم سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ ان ہی پہاڑوں میں ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔ مہاراج میں نے کسی ایسے نوجوان کو نہیں دیکھا۔ لیکن تعجب کی بات ہے وہ تمہارے ہاں کی کسی لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا ہے!"

"ہاں مہاراج!"

"بہر حال فکرمند نہ ہو۔ اگر وہ اس طرف گیا ہے تو ہاتھ یوں میں جانے کی کوشش ضرور کرے گا اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے نظر آ گیا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا!"

"جے مہاراج کی۔ تو مہاراج یہاں رکیں گے یا واپس چلے جائیں گے" اس شخص نے پوچھا۔

"میں ابھی رکنا چاہتا ہوں، لیکن اگر تم لوگوں کی اجازت ہو تو" پیتو سنگھ نے سکاری سے بولا۔ وہ بے حد چالاک شخص تھا ترکھانوں کی دوستی حاصل کر کے وہ یہاں رکنے کا خواہش مند تھا تاکہ اپنی تفریح خواہشات کی تکمیل کر سکے۔

"آپ یوں کریں مہاراج کے دریا کے کنارے آ جائیں اور وہاں خیمے لگا لیں۔ ہم دریا پار کر کے اپنے سرداروں سے گفتگو کر لیں گے اگر انہوں نے آگیا دے دی تو ہم دریا پار کر کے

آپ کو اپنا مہمان بنائیں گے"۔

"ٹھیک ہے تم لوگ چلو، میں نیچے اتھا کر دریا کے کنارے پہنچتا ہوں"۔ پیتو سنگھ نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور وہ لوگ واپس لوٹ گئے انہوں نے جا کر اپنے آدمیوں کو تفصیلات بتائیں اور پھر یہ غول سمٹ کر دریا کی جانب دوڑ پڑا۔ پیتو سنگھ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا پورن، کہ میں ایک دن ان لوگوں کو تسخیر کر لوں گا۔ میں ترکھانوں کا زور ختم کر دوں گا اور اس کا طریقہ یہی ہوگا، پہاڑوں میں رہنے والے اپنے علاقے میں بہت مضبوط ہیں لیکن اگر انہیں چالاکی سے باہر نکال دیا جائے تو، مگر بات قبل از وقت ہے، تم دیکھو گے کہ ایک دن کیا ہوتا ہے"۔ پھر پیتو سنگھ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ اپنے خیمے اکھاڑ لیں۔

ہم لوگ دریا کی طرف روانہ ہوئے کیا اور خاصا طویل سفر کر کے اس کے کنارے پہنچ گئے۔ آج کل یہ دریا پرسکون تھا کیونکہ دور کے پہاڑوں کی برف جمی ہوئی تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ترکھانوں کی بستیاں نظر آ رہی تھیں کنارے پر کچھ لوگ معروف بھی تھے۔

ہماری الطرح شاید فالی پہلے یہاں پہنچ گئی تھی کیونکہ ہم ابھی خیمے نصب ہی کر رہے تھے کہ ہم نے دس بارہ گھوڑوں کو دریا میں اترتے دیکھا۔ ان میں ایک توی ہیکل شخص سب سے آگے تھا۔ بلاشبہ یہ لوگ بلند قامت اور تنومند تھے اور چہروں سے بارعب نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے پرسکون انداز میں دریا پار کیا اور پھر ہمارے پاس آ گئے۔ ان کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔

"میں پورے علاقے کا سردار کہرنا ہوں۔ رانا بکھار پیتو سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں"۔ توی ہیکل شخص نے کہا اور پیتو سنگھ اس کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ جواہرات کے تھال اور کپڑے کے تھان لائے گئے اور سردار کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ تب پیتو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ سردار گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

"سردار کہرنا کے لئے"۔ پیتو سنگھ نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا اور کہرنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان چیزوں کو دیکھا اور بولا۔

"پچھلے دس برسوں سے ہمارے اور کشن سنگھ کے درمیان کوئی اختلافات نہیں پیدا ہوا"۔

"اس کے بعد میں راجہ منوں گا سردار کہرنا، اس لئے میں [illegible] سے درمیان دوستی قائم ہو جائے"۔

"تب میں پیتو سنگھ کو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اور دوستی کے ناطے ترکھانوں کے علاقے میں آنے کی دعوت [illegible] خیمے یہاں نہ لگائے جائیں بلکہ دریا پار کر کے آپ ہمارے مہمان بنیں"۔ کہرنا نے کہا اور پیتو سنگھ نے اس کی پیش کش قبول کر لی اس کی آنکھوں میں خاکہ چمک تھی۔

سردار کہرنا نے ہمارے لئے اس دریا کنارے کی بستی میں بندوبست کر دیا۔ بڑی شاداب بستی تھی۔ میں نے بھی بستی کی تروتازہ لڑکیوں کو دیکھا۔ کشمیر نے ٹھیک کہا تھا یہاں حسن بکھرا ہوا تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ دریا کے کنارے ہی ہمارے لئے انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ کہرنا دیر تک پیتو سنگھ سے گفتگو کرتا رہا تھا اس کے جانے کے بعد پیتو سنگھ نے کہا۔

"سردار چالاک ہے۔ اس نے ہم سے مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بستی میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اس وقت ہمیں بستی میں نہیں لے جایا جا سکتا۔ ہم محسوس نہ کریں۔ اس کے علاوہ اس نے کہا کہ ترکھان کسی اجنبی کو اپنے اندرونی علاقوں میں نہیں آنے دیتے۔ اور یہ ان کی ریت ہے اس لئے ہم دریا کے کنارے ہی محدود رہیں"۔

"کیا یہ ہمارا اپمان نہیں ہے مہاراج"۔ ہمیشو نے پوچھا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"ہے، لیکن اس اپمان کا ہم پورا پورا بدلہ لے لیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ترکھان لڑکیاں ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں تشویش کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ترکھانوں کا جو انداز میں نے دیکھا تھا اس سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لوگ سخت غیور اور خطرناک ہیں۔ مگر پیتو سنگھ نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے لقمہ اجل بننا پڑے گا۔

لیکن میرے ذہن میں اس وقت پیتو سنگھ سے زیادہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ کا خیال تھا۔ میں ان لوگوں کی مدد کرنا چاہتا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اس کے لئے مجھے کسی خاص انداز میں سوچنا ہوگا۔

ہمارے لئے یہاں کافی بندوبست کیا گیا تھا، رات کو یہاں کچھ ناچنے گانے والے پہنچ گئے اور انہوں نے ہمارا دل بہلایا۔ رقص کرنے والی دونوں لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں، لیکن وہ اپنے مردوں کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ پھر جب کیشوان میں سے ایک مرد کو لے کر پیتو سنگھ کے پاس پہنچا تو پیتو سنگھ نے سونے کے سکوں کا ایک توڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے کمال سے بہت خوش ہوئے ہیں، ناچنے والی دونوں لڑکیاں آج رات ہمارے خیموں میں چھوڑ دو۔ صبح کو انہیں انعام دے کر رخصت کر دیا جائے گا"۔ سونے کے سکوں کا توڑا انعام پا کر مسرت سے پھولے نہ سمانے والے شخص کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہو گیا۔ اس نے توڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے روک لیا۔

"ان کا کیا کرو گے راجکمار"۔ اس نے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ ہمارا دل بہلائیں گی اور تم انعام حاصل کرو گے"۔

"اس سے زیادہ کچھ نہ کہنا راجکمار، آپ ہماری زمین کے مہمان ہیں، لیکن ہم اپنی عزت کی خاطر اپنا کھانا کھانے والوں کے آنکھیں ہمیشہ کے لئے بیکار کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں کہرنا بھی نہیں مجبور نہیں کر سکتا"۔ اور وہ غصے سے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

"ہوں، بھی سیدھی انگلیوں نہیں نکلے گا کیشو۔ کوئی بات نہیں ہمیں دوسرے گر آزمانے پڑیں گے"۔ پیتو سنگھ نے کہا۔

میں بھی اس ناچ رنگ میں شریک رہا تھا، لیکن لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد میں یہاں سے نکل آیا۔ بستی خاموشی اور سناٹے کی گود میں سوئی ہوئی تھی، گو یہاں بستی میں جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن میں کسی بات کی پروا نہ کیا کرتا تھا۔ میں بستی میں داخل ہو گیا ان لوگوں کے رہن سہن کا انداز بھی عام سا ہی تھا، بستیوں پر انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی، معمولی سے کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ سردار کا مکان کونسا ہے۔ میں کافی دیر تک گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکتا رہا کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر توجہ دی جاتی، چنانچہ پھر میں دریا کے کنارے کی طرف چل پڑا، لیکن ابھی یہاں پہنچا ہی تھا کہ حیران رہ گیا تھا۔

بہت سے گھوڑے دریا پار سے آ رہے تھے۔ اور ان کا انداز کچھ عجیب تھا ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں، جنہیں وہ ہاتھوں میں اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ میرے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا کہ کہیں ان دونوں کو گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔ تاہم میں نے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کی، جب وہ میرے نزدیک سے گزرے تو میں نے مہمان دیکھ لیا کہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ لاجوان کے قبضے میں تھی۔ مجھے بے حد دکھ ہوا، رانا سنگھا سے جنگ ہو چکی تھی اس کے بعد میں اس نوجوان سے بے حد متاثر تھا اور چند لمحات کے بعد میں نے سوچا کہ ستاروں کی پیش گوئی صرف روپ کلی اور پیتو سنگھ کے بارے میں تھی ان نئے لوگوں کو تو میں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی ان کے معاملے میں دخل دینا کوئی عقل کی بات نہیں تھی، پیتو سنگھ تو اب میں اس کے لئے حیثیت بھی کیا رکھتا تھا، ظاہر ہے صرف ایک دوست کی حیثیت تھی، میری اور پیتو سنگھ مجھے بہت زیادہ عزیز بھی نہیں رکھتا تھا، پھر اس سے کوئی ذہنی رابطہ نہیں تھا چنانچہ میں نے سوچا کہ کیونکہ نہ ان لوگوں کی کھوج کی جائے۔

میں برق رفتاری سے ان کے پیچھے دوڑ پڑا، گھوڑے بستی میں داخل ہو گئے اور پھر وہ ایک ایسے مکان کے سامنے پہنچ گئے جو چار فیٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ گو یہ مکان کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق سردار یہیں رہتا ہوگا کیونکہ گھوڑ سواروں کا اس طرف آنا اور رک جانا اس ہی بات کی نشاندہی کرتا تھا۔

مکان کے احاطے میں وہ لوگ داخل ہو گئے، اور میں ایک نیچی دیوار سے دوسری طرف جھانکنے لگا، مشعلوں کی روشنی نے ماحول خاصا اجاگر کر دیا تھا، مکان کے اندرونی حصے سے میں نے اس شخص کو برآمد ہوتے دیکھا جو سردار تھا، بہت ہی معمولی رہن سہن تھا ان کا سرداروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ آدمی آگے بڑھ آیا، پھر اس نے کسی آدمی سے مشعل لی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا رانا سنگھا کے نزدیک پہنچ گیا، اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سفاکی چمک نمایاں تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا رانا سنگھا، کیا تم پورے علاقے کو دھوکا دے کر فرار ہو سکتے تھے، اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ رانا سنگھا نے گردن جھکا لی تھی۔ "تمہاری اس جرات پر پوری ترکھان قوم کو شدید غصہ ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا تمہارے اہل خاندان کو مل رہی ہے۔ لیکن ٹھیک ہے اب تم بھی اس سزا میں شریک ہو جاؤ"۔ اس آدمی نے کہا اور رانا سنگھا سے مخاطب ہونے لگا۔

"میرے گھر والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تم نے؟"

"بہتر ہے کہ وہ سلوک تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، اس وقت ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ آئے ہوئے ہیں جنہیں ہم اندر کے معاملات نہیں بتایا کرتے۔ دلیپ سنگھ تم اسے لے جاؤ اور بستی میں ہی میرے فیصلے کا انتظار کرو۔ ان لوگوں کو ضیافت کرنے کے بعد میں آؤں گا۔ اس وقت تک اسے سخت پہرے اور حراست میں رکھا جائے"۔ سردار نے اپنے کسی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اور اس نے گردن جھکائے، چند ساعت تک سردار کھڑا رہا پھر مشعل دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھما کر واپس اندر چلا گیا۔ میں نے ایک ملے میں اپنے دوسرے اقدام کا فیصلہ کر لیا تھا اس فیصلے کے تحت میں نے چاروں طرف دیکھا، مکان کے بائیں سمت مجھے ایک اصطبل نظر آیا تھا۔ اور میں اطمینان سے اس کی طرف بڑھ گیا، اصطبل سے ایک گھوڑا کھول کر میں اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا دوسرا اقدام کیا ہوگا چنانچہ جب وہ ان دونوں کو لے کر چلے تو میں بھی ایک مخصوص فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ رات کی تاریکی میں مشعلوں کی روشنی کے سہارے ان کا پیچھا کرتا رہا تھا۔

چاند کے سفر کے ساتھ ساتھ ان کا سفر بھی جاری رہا اور جب مدھم پڑ گیا تو وہ ایک بستی میں داخل ہو گئے۔ یہ بستی پہلی بستی سے بھی زیادہ تباہ حال تھی۔ زندگی کی ضرورتوں کو نہایت بھونڈے پن سے پورا کیا گیا تھا۔ میں نے گھوڑا بستی سے باہر چھوڑ دیا اور پیدل چلتا ہوا ان لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔ گو ابھی صبح نہیں ہوئی تھی لیکن بستی کے لوگ جاگ گئے۔ اور پھر چاروں طرف سے رانا سنگھا گرفتار ہو گیا۔ رانا سنگھا گرفتار ہو گیا کی آوازیں سنائی دیں۔ بستی میں مکمل طور صبح ہو گئی تھی۔

گرفتار شدہ لوگوں کو ایک ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہو رہا تھا آگ کی لپٹیں دور دور تک نظر آرہی تھیں۔ اور آگ کے عقب میں تین آدمی ٹکٹکیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا آدمی تھا اور دو نوجوان لڑکے تمام لوگ اس طرف دوڑ رہے تھے اور میدان کافی ہجوم سے ہو گیا تھا۔

ان پاپیوں کو نزدیک میں جھونک دو۔ آگ میں ڈال دو۔ سب لوگ کو سب چیخ رہے تھے۔ پھر مختلف آوازیں سنائی دیں۔

"لاجو۔ لاجونتی۔ تو کہاں ہے بیٹی۔ میری لاجونتی تو کہاں ہے"

اور ایک عورت اور مرد روتے ہوئے لوگوں کے ہجوم سے نکل کر آگے پہنچ گئے۔

"لاج: ارے تجھے تو میری اس کے ساتھ جاتے ہوئے کہیں کانہ چھوڑا تو نے ہمیں۔ ہائے تو بھاگ کیوں نہ گئی تو نے تو ناک کٹوا دی سب کی: عورت بین کرتی ہوئی بولی۔

"وہ مجھے زبردستی تو نہیں لے گیا تھا ماتا جی وہ سالا پتی کا انتخاب کرنے کے لئے ہاتھوں میں رسی جاتی ہے۔ جب تم نے یہ اوجھکار دیا تھا تو میں من کا کہا کیوں نہ کرتی۔ تم بھی سن لو نگر باسیو۔ میں من سے سچے من سے رانا سنگھا کو اپنا پتی مانتی ہوں وہ میرا پتی بن چکا ہے اور اگر تم اسے سزا دو گے تو میں بھی اس کی چتا میں جلوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے" لاجو کی آواز میں بے پناہ گرج تھی۔

"ارے او چنڈال۔ ارے او جنم جلی۔ ہماری چتا کیوں ہمارہی ہے تو۔ ہماری عزت کی ارتھی کیوں نکال رہی ہے لوبے حیا۔ عورت نے لاجو کو پکڑ لیا لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے مت چھوؤ ماتا جی۔ میں اب اچھوت ہوں۔ کیونکہ ایک اچھوت کی پتنی ہوں۔ تمہارا دھرم نشٹ ہو جائے گا۔ چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو" لاجونتی غرائی اور اس کی ماں پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ۔ سردار نے کہا ہے کہ انہیں بھی تیار کر دیا جائے۔ وہ خود ان کا فیصلہ کریں گے۔ لاجونتی کو بھی اس وقت تک ان کے ساتھ ہی باندھے رکھا جائے گا۔ جب تک سردار خود آکر ان کا فیصلہ نہ کریں"

"ہے بھگوان یہ کیا ہو گیا" لاجونتی کی ماں رونے لگی۔ اور پھر جب لاجونتی اور رانا سنگھا کو بھی ان کے ساتھ ہی باندھ دیا گیا تو مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کہ کم از کم ان لوگوں کو کوئی فوری خطرہ نہیں ہے۔ اب مجھے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کا بندوبست کرنا تھا۔ اور اس کے لئے میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی۔

یہ وہ درخت تھا جو کافی گھنا تھا اور جس کے نیچے قیدی بندھے ہوئے تھے۔ یہ زیادہ گھنے نہیں تھے۔ بہرحال اس سے زیادہ محفوظ اور ان لوگوں کے نزدیک رہنے کے لئے اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے خود کو جھاڑیوں میں پوشیدہ کر لیا۔

روشنی پھوٹ پڑی اور میں نے بندھے ہوئے لوگوں کو دیکھا یقیناً رانا سنگھا کے گھر کے لوگ تھے۔ لاجو بھی انہیں کے درمیان موجود تھی۔ تینوں بندھے ہوئے لوگوں کی بری حالت تھی۔ نہ جانے کب سے وہ اس جگہ بندھے ہوئے تھے۔ دن بھر لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہے۔ شام کو انہیں کتوں کی طرح کھانے کے لئے غذا دی گئی جیسے رانا سنگھا اور لاجونتی نے قبول نہیں کیا تھا باقی تینوں افراد نے شاید بہت زیادہ بھوکے تھے انہوں نے تکلف نہ کیا اور دی ہوئی چیزیں کھا لیں۔ مجھے ان کی بے چارگی پر بہت ترس آیا تھا۔ پھر جب رات گہری ہو گئی تو میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ سامنے کے الاؤ کے دوسری جانب کچھ لوگ موجود تھے جو الاؤ کو دہکا رہے تھے اور یہی ان بندھے ہوئے آدمیوں کے نگران بھی تھے۔

میں سب ان کے سامنے پہنچا تو لاجونتی اور رانا سنگھا مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئے ان کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی، وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تب میں نے رانا سنگھا سے کہا۔

"میں نے کہا تھا نا رانا سنگھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ سو اس وقت بھی میں نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا"

"تم تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"جس طرح بھی پہنچ گیا۔ لیکن تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہئے تھا اگر پچھلی رات ہی وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو میں انہیں باز رکھتا"

"آہ اب کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکے گا۔ تقدیر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا" لاجونتی روہانسی آواز میں بولی۔

"نہیں لاجونتی تقدیر تمہارا ساتھ ضرور دے گی" میں نے اسے دلاسہ دیا اور پھر رانا سنگھا سے پوچھا "یہ لوگ کون ہیں جو بندھے ہوئے ہیں"

"میری بدنصیبی ان پر بھی مسلط ہو گئی ہے۔ ان میں دو میرے بھائی ہیں اور تیسرے چاچا ہیں۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اونچی ذات کے تنگ دل لوگ میرا بدلہ ان سے لیں گے"

"تمہارے گھر کی عورتوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا"

"نہیں گھر میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا میری ماتا جی مر چکی ہیں۔ بس میرے پتا جی اور تین بھائی ہیں اور یہی بھگوان کا شکر ہے کہ انہیں ایسی کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ یہ لوگ۔ یہ لوگ میری وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے"

"نہیں کہتا ہمیں شرمندہ مت کرو۔ بھگوان کی سوگند اگر تمہارے لئے ہمیں بچا لیا جائے تو ہمیں ذرا بھی پچھتاوا نہیں ہوگا۔ ہم بھی انسان ہیں اور اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں۔ تم دیکھ لینا یہ اونچی ذات کے لوگ ہمیں کب تک پیستے رہیں گے [illegible] سے

نوجوانوں میں سے ایک نے پرعزم لہجے میں کہا۔ میں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں میرے دوست تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آج کی رات تمہاری اس قید کی آخری رات ہوگی اور اس کے بعد میں تم لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا" میں نے کہا۔ رانا سنگھا بار بار مجھے تعجب سے دیکھنے لگتا تھا تب اس نے کہا۔

"لیکن تم یہاں پہنچے کس طرح گئے۔ ان لوگوں نے تمہیں دیکھا کیوں نہیں"

"جو کچھ بھی ہے رانا سنگھا بس میں تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور پھر اس درخت پر چھپ گیا"

"اوہ تو کیا تم سارا دن یہاں رہے ہو" اس نے پوچھا۔

"ہاں"

"تو تم نے کچھ کھایا بھی نہ ہوگا"

"او ہو رانا سنگھا ان باتوں کو چھوڑو۔ کیا تم مہمان نوازی کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارا مہمان نہیں نجات دہندہ ہوں اور تم دیکھو گے کہ میں تمہیں ان اونچی ذات کے لوگوں سے کیسے بچاتا ہوں" میں نے کہا اور رانا سنگھا گردن ہلانے لگا۔

"افسوس میں مجبور ہوں۔ تم نے جو احسان مجھ پر کیا تھا اس کا بدلہ کبھی نہیں دے سکتا" اس نے افسوس ناک لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب میں چھپنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ رات میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب صبح ہوئی تو میری موجودگی ان لوگوں کے لئے سخت حیران کن تھی جو الاؤ کے گرد موجود تھے۔

وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آگئے لیکن ان کے چہرے شدید حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے وہ میرے چمکدار بدن اور سنہرے بالوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو مہاراج اور ان پتت ذاتوں کے پاس کھڑے ہوئے کیا کر رہے ہو؟"

"میں ان کا محافظ ہوں اور جہاں سے آیا ہوں وہاں آسمان اور زمین ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تم میں سے کوئی مجھے پہچان سکتا ہے" میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔ اور وہ لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"کیا نام ہے تمہارا" دوسرے نے سوال کیا۔

"اجودھا پورنا" میں نے جواب دیا۔ پھر ان میں سے دو آدمی شاید کسی کو خبر کرنے دوڑ گئے۔ جو لوگ موجود تھے وہ اب بھی قریب سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر پہلا آدمی بولا۔

"مگر یہ دونوں پاپی ہیں اور ترکھانوں کے سردار نے ان کی موت کا فیصلہ کیا ہے ان کے ساتھ یہ بھی مارے جائیں گے"

ان سب کو کھول دیا گیا۔ بلکہ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق گھوڑے بھی دے دیئے گئے اور ہم نے رخ بدل کر سفر شروع کر دیا۔

اور ہمیں تو عمر تجربہ کرنے والا تھا پر وفیسر کا حاصل گفتگو بنتی ہوئی کہانیاں مجھے پسند تھیں بھلا میں کیوں واپس جاتا۔ پیتو سنگھ کے پاس اور مجھے اس سے کیا دلچسپی تھی ہوا صال کرتا سنا پاتا کہ یونہی ہوتا آیا تھا۔ ہاں رانا سنگھا اس کی دھرم پتنی لاجونتی اور اس کے دونوں بھائی اس کا باپ میرے ساتھ تھے اور ہم دوسری راجدھانی میں داخل ہو گئے جہاں انہیں پناہ مل گئی۔ اور جہاں انسان ہوں وہاں ہنگاموں اور واقعات کی کیا کمی سو میں ان کے درمیان اس وقت تک رہا جب تک رانا سنگھا اور لاجونتی کی بیٹی نے مجھے ماما کہنا نہ شروع کر دیا۔ چار سال گزر چکے تھے مجھے ان کے درمیان۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن ایک خوبصورت لڑکی پھول چنتی ہوئی ملی اور میرے پاس آگئی۔ میں نے پھولوں کا ایک ار بنایا ہے اور یہ سوچا تھا میں نے کہ جو بھی مجھے اچھا لگا اس کی گردن میں یہ ہار ڈالوں گی۔ کیا یہ ہار میں تمہاری گردن میں ڈال دوں؟"

اس کے بعد کیا ہوگا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ ایسا تو میں روز کرتی ہوں۔ کل میں نے ایک بڑے سندر بچے کی گردن میں ہار ڈالا تھا۔" لڑکی نے معصومیت سے کہا اور میں نے گردن جھکا لی۔ میری گردن میں ہار ڈال کر وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی اور پھولوں کی ٹوکری اٹھا کر چل پڑی۔

"سنو تو۔ کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔ اور پروفیسر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے ایک اور روپ کلی یاد آگئی جو کھلتے ہی مرجھا گئی تھی وہ جس نے مجھ سے محبت کا اقرار کیا تھا۔ لیکن جو پاکدامن تھی اور اس طرح وہ مجھے یاد آئی کہ میں اس کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکا میں نے سوچا کہ اس روپ کلی کا حال تو معلوم کیا جائے۔ دیکھوں تو سہی کہ ستاروں کی پیش گوئی کس حد تک درست میں داخل ہو گئی ہے۔

یوں بھی میں آوارہ گرد تھا میری کوئی ایک منزل نہیں تھی مجھے تو رنجے جہاں درکار تھے چنانچہ میں نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور میرا گھوڑا ترکھانوں کی حدود سے گزرنے لگا۔ لیکن راستے میں نے ایسے اختیار کئے تھے کہ ان سے ڈسٹربنس نہ ہوئی۔ اور طویل عرصہ کے بعد میں نے دجی دریا پار کیا جو کشن سنگھ کی حکومت اور ترکھانوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ دریا پار کر کے میں کشن سنگھ کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس دوران میں نے بہت کچھ سوچا تھا طویل عرصہ گزر گیا تھا نہ جانے کشن سنگھ کی حکومت میں کیا تبدیلیاں آئی ہوں۔

لیکن میں نے راجدھانی کا رخ کرنے کی بجائے اس طرف سفر کیا تھا جہاں پیتو سنگھ نے وہ محل بنوایا تھا جہاں روپ کلی رہتی تھی۔ روپ کلی کا محل دور سے نظر آیا تو میں نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی بہتر یہ ہے کہ چھپ کر اس سے لوں اور پیتو سنگھ کو پتہ چل جائے گا کہ میں نے روپ کلی سے ملاقات کی ہے اور تمکنت سے وہ مجھ سے بدگمان ہو جائے۔

چنانچہ میں نے محل سے اتنی دور رہ کر کسی کو نظر نہ آنے کی رات ہونے کا انتظار کیا اور جب خوب تاریکی ہو گئی تو خاموشی سے محل کی طرف بڑھ گیا۔ باہر چند پہریدار گشت پر تھے ان کے گھوڑے محل کی فصیلوں کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے لیکن اتنی گنجائش ضرور تھی کہ محل میں داخل ہونے کا موقع مل جائے اور بے شک فصیلیں ناقابل عبور تھیں لیکن میرے لئے نہیں۔ سو میں ایک کمزور جگہ دیکھ کر اس وقت محل میں داخل ہو گیا جب پہریدار وہاں موجود نہیں تھے۔

اب روپ کلی کی تلاش تھی اور میری خواہش یہی تھی کہ کوئی مجھے نہ دیکھے اور اس کے لئے مجھے شدید احتیاط برتنا پڑی۔ لیکن خوابگاہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے ایک مشکل جگہ اپنانی پڑی تھی۔ تاہم میں اندر پہنچ گیا۔

خوابگاہ کا دروازہ بند تھا اور روپ کلی ایک حسین مسہری پر سو رہی تھی محل کی چھپن قابل دید تھی۔ خواب گاہ میں رنگین شیشوں میں سے سورج کی روشنیاں اور نور دھنک کے رنگ کی روپ کلی کے کومل بدن کو چوم رہے تھے اس کے حسن کو کوئی گہن نہیں لگا تھا اس کے رخساروں پر زندگی تحریر تھی اور اس کے ہونٹوں پر کوئی حسین خواب مچل رہا تھا۔ اس کے سونے کا انداز بھی کن انداز میں مچل جانے کے لئے کافی تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا پھر میں دروازے کے قریب پہنچا اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ وہ اندر سے بند ہے۔ واپس روپ کلی کے پلنگ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی اور اس کی نیند کچی تھی چنانچہ وہ پہلی آواز پر ہی جاگ گئی اور چونکنا نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ بری طرح سہم گئی۔

"تم یہاں پہنچے کیسے۔ تمہارے لئے بڑا بہت ہوا روپ کلی اور کسی برے ارادے سے اس وقت تمہارے پاس آیا ہوں۔" میں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا اور روپ کلی تڑپ کر اٹھ بیٹھی اس نے سب سے پہلے اپنا لباس درست کیا تھا۔

"م۔م۔ مہاراج پورن۔" اس کے حلق سے بمشکل تمام آواز نکلی۔

"شکر ہے تم نے مجھے پہچان لیا روپ کلی۔"

"آپ۔ آپ یہاں کیسے آگئے پورن جی۔! آپ یہاں کیسے آگئے۔ پہریداروں سے آپ نے کیا کہا، وہ۔ وہ پیتو سنگھ کو تباہ کر دیں گے وہ۔ وہ۔"

"مجھے یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا روپ کلی۔ تمہاری خیر لینے آگیا ہوں۔"

"کسی نے بھی نہیں دیکھا!"

"ہاں کسی نے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے۔"

"لیکن۔ کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ یہاں سب میرے مہاراج کے ہیں میرے دوست ہیں۔ میرے لئے دکھی ہیں۔ لیکن اگر کسی نے پیتو سنگھ کو بتا دیا تو۔" وہ سہمی ہوئی تھی۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ اور اطمینان سے بیٹھو۔ آخر میں بھی تو کوئی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ میری صورت دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے ان آنسوؤں کو پی لیا تھا۔

"پتاجی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں گے۔ میں بھی ان سے نہیں ملا۔ میں اس راجدھانی میں نہیں تھا۔ کیا وہ تم سے ملنے نہیں آئے؟"

"کبھی نہیں آئے۔ ایک بار بھی نہیں آئے۔" وہ سسکی سی لے کر بولی۔

"اور پیتو سنگھ؟"

"وہ بھی کبھی نہیں آئے۔ اس دن کے بعد سے میں نے کبھی کسی کی شکل نہیں دیکھی۔ پرسناہے کہ کشن سنگھ مہاراج کے دیہانت کے بعد وہ راجہ بن گئے ہیں۔"

"پیتو سنگھ۔!" میں نے چونک کر پوچھا اور اس نے گردن ہلادی "کشن سنگھ کا دیہانت کب ہوا۔!"

"اب تو دو برس بیت گئے۔ بیمار ہوئے تھے مر گئے۔"

"اوہ۔ نئی خبر ہے میرے لئے۔ تم اس وقت سے اس پنجرے میں قید ہو۔" میں نے پوچھا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلادی۔ "بک بک تیز ہو گئی روپ کلی۔!"

"تو کیا کروں گی مہاراج۔!" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"یہاں جو لوگ ہیں وہ یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد نہیں کریں گے۔!"

"میں نے کبھی نکلنے کی تو سوچی بھی نہیں پورن جی۔ نکل کر جاؤں گی کہاں۔ یہ گھر مجھے میرے پتا جی نے دیا ہے۔ پتا کا گھر آخری منزل ہوتا ہے۔ میں منزل تو نہیں چھوڑوں گی۔"

"کیا تمہارے دل سے بدلے کا خیال نکل گیا؟" میں نے پوچھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"ایک ہی آشا تو ہے جیون میں۔ جو کہا ہے وہ پورا کر دکھاؤں۔ مگر بھگوان نے شاید یہ میرے بھاگ میں نہیں لکھا۔ وہ ایک بار بھی تو میرے پاس نہیں آئے۔ بس جیون میں ایک بار۔ پورے جیون میں صرف ایک بار وہ مجھے اپنی پتنی سویکار کر لیتے۔ ان کی یہ آشا پوری ہو جائے پورن جی۔ تو۔ تو۔" وہ حسرت سے بولی اور اس کے چہرے پر استحکام کے سائے لہرانے لگے۔

"روپ کلی عورت ہونے کی حیثیت سے تم نے کبھی کوئی دوسری بات سوچی۔ تمہارے دل میں کوئی اور احساس تو نہیں جاگا۔ مجھے صاف کرنا میں نے ایسی بات پوچھ لی ہے جو کوئی دوسرا نہیں پوچھ سکتا تھا۔ لیکن میرے دل میں کوئی برا خیال نہیں ہے۔"

"آپ مہان ہیں پورن جی۔ میں جانتی ہوں۔ مگر آپ نے ایک ایسی بات پوچھی ہے جو بندوناری کے لئے اجنبی ہے۔ ہم لوگ جیون میں ایک بار جس ناطے سے بندھتے ہیں سارا جیون اس کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ وہ ناطہ ہمارے لئے جیون مرن کا ناطہ ہوتا ہے۔ کوئی بری بات ہم سوچ بھی نہیں سکتے پورن مہاراج۔ پرسن کی سب سے بڑی آشا ہے۔ کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کر دکھائیں۔ بھگوان نہیں ایک بار موقع دیدے بس سارے جیون میں ایک بار۔" روپ کلی کی آنکھیں خوفناک ہو گئیں۔

میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کردار کا یہ رخ مجھے بہت پسند آیا تھا پروفیسر اور میں ستاروں کی چال کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔

"یہاں موجود پہریدار تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں۔!"

"ہاں۔ ساری کی ساری عورتیں ہیں۔ مرد ایک بھی نہیں رکھا ہے پیتو سنگھ مہاراج نے۔!"

"اوہ۔ کیا واقعی۔!" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں پورن جی۔!"

"پہریدار بھی عورتیں ہی ہیں۔!"

"ہاں مہاراج۔"

"تمہیں کبھی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں یہ عورتیں بھی مرد سمان ہیں۔ سارے کام بڑی چوکسی سے کرتی ہیں۔" روپ کلی ہنس کر بولی۔

"ایک بار تم نے مجھ سے بھی تو پریم کی بات کہی تھی روپ کلی۔" میں نے اچانک کہا اور روپ کلی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس اچانک سوال پر وہ حیران ہو گئی تھی۔ مگر پھر اس کی آنکھوں میں اداسی سمٹ آئی۔

"کبھی تھی مہاراج۔ مگر وہ اس جنم کی بات تھی۔ وہ ہم سے بھول تھی۔ ہم اس پر ہمیشہ شرمندہ رہیں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب مجھے بتاؤ روپ کلی میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے پوچھا اور اس نے گردن جھکا لی۔ چند ساعت سوچنے کے بعد بولی۔

"پیتو سنگھ جی آپ کے ستر ہیں مہاراج۔ اگر ہو سکے تو ان سے ہمارا دوش سمات کرا دیں۔ وہ یہاں شما کر دیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو۔ تو۔" شرم کی وجہ سے وہ زبان نہ کھول سکی لیکن میں اس کا مدعا سمجھ گیا تھا تب میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے سے روپ کلی میں تمہارے لیے کوشش کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں" اور اس نے ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھا بھولی۔

"منش کے جیون میں ایک ہی بات تو ایسی ہوتی ہے مہاراج جو اسے زندہ رکھتی ہے۔ میں بھی اسی امید پر زندہ ہوں کہ مکتی ہے بھگوان نے جس طرح پیتو سنگھ کو مجھ سے بڑا کیا ہے اسی طرح کبھی مجھے بھی بڑا ہونے کا موقع دے گا۔" میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور راستے کھڑا ہوا۔ تب روپ کلی بولی۔

"رکو گے نہیں مہاراج؟" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"دل سے کہہ رہی ہو روپ کلی؟" میں نے کہا اور روپ کلی شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ "میں تمہاری مجبوری جانتا ہوں اس لئے اس کی شکایت کروں گا۔ میں چلتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ تمہاری ولی آرزو پوری کر دوں۔" میں نے کہا اور پھر اسی راستے سے واپس نکل آیا جس سے داخل ہوا تھا روپ کلی کے لئے میرا دل واقعی اداس ہو گیا تھا۔ میں نے موہ پاکر کسی طرح اس کی خواہش بھی پوری کرنی چاہیے۔ میں جانتا تھا کہ پیتو سنگھ اس کا دشمن ہے اور ایک ضدی انسان ہے لیکن اب یہ ضد ختم ہو جانی چاہیے۔ بہت عرصہ ہو گیا میں نے سوچا کہ پہلے تو پیتو سنگھ کو سمجھاؤں گا اور اگر وہ نہیں مانا تو پھر کوئی حرکت کرنا پڑے گی۔ بہرحال میں اسی رات گھوڑے پر بیٹھ کر راجدھانی کی سمت چل پڑا۔ صبح ہونے کو تھی جب میں راجدھانی پہنچا۔ مجھے علم ہو چکا تھا کہ پیتو سنگھ راجہ بن چکا ہے۔ کشن سنگھ رخصت ہے بہروپیا میں دربار کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد محل پہنچ گیا۔ باہر جو پہریدار تھے مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ انہوں نے مجھے محل میں داخل ہونے سے روک لیا۔

"کون ہو تم اور اندر کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میں مہاراج پیتو سنگھ سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔"

"اس سے۔؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی سندیسی ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ اگر یونہی ملنا چاہتے ہو تو دربار میں ملنا۔ یہ سے مہاراج سے ملنے کا نہیں ہے۔"

"تم ان سے کہلوا کر پورن آیا ہے۔ ان کا دوست پورن۔" میں نے کہا اور ایک پہریدار مجھے غور سے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے ان میں کیشو بھی تھا جس نے مجھے پہچان لیا۔ اور پھر وہ مجھے لے کر اندر چل پڑا۔

"آپ زندہ ہیں پورن مہاراج۔ ہم تو آپ کو مردہ سمجھ بیٹھے تھے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں میں زندہ ہوں کیشو۔"

"پیتو سنگھ مہاراج بہت دن تک آپ کے لئے افسوس کرتے رہے تھے۔ انہوں نے تو واپس آکر مہاراج کشن سنگھ سے فوراً تعلق کرنے کی آگیا مانگی تھی پر سرکاشی کشن جی نے انہیں آگیا نہیں دی۔"

"اوہ۔"

"آپ کو تو معلوم ہے ناکاب پیتو سنگھ مہاراج راجہ ہیں۔"

"ہاں میں نے یہاں داخل ہو کر سنا تھا۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں پیتو سنگھ کے سامنے تھا۔

پیتو سنگھ کا چہرہ پرجوش تھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے گلے لگایا تھا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا میرے دوست کہ جیون میں دوبارہ تمہارے درشن ہوں گے۔ بگھ بھگوان کی سوگند جوں کے توں ہو۔ تمہارا بھاروا واقعی اچل ہے۔ میں تمہیں بدھائی دیتا ہوں۔"

"اور میں تمہیں پیتو سنگھ کیونکہ تم راجہ بن چکے ہو۔"

ہاں کشن جی مہاراج کے دیہانت کے بعد مجھے پتہ چلا کہ راج نیتی کیا ہوتی ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری رکھ دی گئی ہے میرے کندھوں پر۔"

وہ مجھے اندر لے گیا اور بڑی عزت سے بٹھایا۔ برادھو نے کے باوجود وہ تنا برا انسان نہیں تھا اور راج گدی مل جانے کا غرور اس کے دل میں نہیں آیا تھا۔ بڑے احترام سے اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور مسکراتے ہوئے میری حالت دیکھ کر بولا۔

"بڑی ہی کٹھنائیاں آن پڑی ہیں مہاراج۔ آپ یقین کریں میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"ہاں پیتو سنگھ حکومت معمولی بات نہیں ہوتی، حکومتوں کے لئے تو خون کو خون دینا پڑتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"پر مہاراج اصل حکومت تو تمہاری ہے۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر بڑا شک آتا ہے، ہمیں بھی یہی گر بتا دو مہاراج۔ تمہاری طرح سدا جوان رہیں، چمکتے رہیں چندرما کی طرح۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر من چاہتا ہے کہ ہم خود بھی تمہارے جیسے ہو جائیں۔" اس کے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"تلفر سکھات جاری ہیں پیتو سنگھ۔؟"

"ارے نہیں مہاراج اب وہ دور کہاں رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا راجہ کی ستان ہوتی ہے۔ تو اب اس ستان کا تو خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔ پر من نہیں مانتا۔ اس ستان میں بھی اپنے لئے کچھ نہ کچھ ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے۔"

"اوہ۔" میں ہنسنے لگا۔ پیتو سنگھ نے خاصا خوش مزاج ہو گیا تھا اب اس کے اندر وہ تندی اور تیزی نہیں رہی تھی اور مجھے اس کا یہ انداز پسند آیا تھا۔

"کتنی رانیاں ہیں تمہاری پیتو سنگھ۔؟"

"ایک بھی نہیں۔ رانیوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور پھر میرے من میں ایک بال بھی تو ہے مہاراج۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کیا بال؟"

"تم بھول گئے۔ مگر میں نہیں بھولا۔" وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہیں یاد نہیں ہے روپ کلی۔ پگلی۔ تم سے بھی تو پریم کرنے لگی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میری اشنائی تو میرے سینے کے سامنے لا کھڑا کرے گی۔ بس اس دن سے سنتان کا خیال چھوڑ دیا۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"اوہ لیکن پیتو سنگھ وہ پرانی بات ہے۔"

"بات مہینہ نہیں رتی ہے پورن جی۔ بشرطیکہ انسان اسے غور سے سنے۔"

"مگر تم دوسری شادی تو کر سکتے تھے۔"

"ہاں مگر میں نے نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"ممکن ہے اس کے بارے میں جان کر تمہیں حیرانی ہو۔"

"تو اس سے کیا ہوتا؟"

"مجھے روپ کلی کی بات کے بعد ستان سے چڑھ ہو گئی ہے۔ اور اس کے لئے میں نے ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے۔"

"کیا۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"تم سے کیا چھپاؤں گا پورن جی۔ اللہ میاں میرے پاس آتی ہیں جب میں پسند کرتا ہوں۔ ساتھ رکھتا ہوں مگر جب مجھے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شریر میں میری سنتان پرورش پانے لگی ہے تو میں اسے مرواد یتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں دنگ رہ گیا۔ بڑی خوفناک بات تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رحم اور خوش روح رکھنے والے پیتو سنگھ کا دوسرا رخ اتنا خوفناک ہو گا۔ میں حیرت سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن پیتو سنگھ کیا یہ اچھی بات ہے۔"

"بری کیا بات ہے مہاراج۔ ایک عورت ہی نے تو یہ بات مجھے سکھائی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر پیتو سنگھ یہ تمہاری انتہا پسندی ہے۔ کیا تم نے روپ کلی سے ملنے کی کوشش نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

میں نے ہنس پڑا۔ بھلا مجھے اس سے ملنے کی کیا ضرورت تھی۔ مہاراج وہ مجھ سے پریم تو نہیں کرتی۔ وہ تو صرف میری سنتان چاہتی تھی اگر وہ مجھ سے پریم کرتی مہاراج تو پیتو سنگھ آج دوسری ہوتا لیکن اس نے مجھ سے نفرت کا اظہار کیا وہ مجھ سے دور رہنا چاہتی تھی اور جب میں نے اسے مجبور کر دیا تو اس نے مجھ سے بدلے کی بات کی اور اگر ایک راجہ سے ایسی بات کی جائے مہاراج تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا۔"

"پیتو سنگھ بڑے افسوس اور بڑے تعجب کی بات ہے تم ایک کمزور عورت کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہو۔"

"عورت کبھی کمزور نہیں ہوتی مہاراج۔ اگر تم نے جیون میں یہ تجربہ نہیں کیا تو کوئی تجربہ نہیں کیا۔ عورت بہت مضبوط بہت طاقتور ہوتی ہے۔ اس کا من بڑا ہوتا ہے مہاراج۔ اور سچی بات تو یہ ہے مہاراج کہ منش کو سنسار میں سب سے زیادہ جس چیز سے ڈرنا اور ہوشیار رہنا چاہیے وہ عورت ہے۔ اس جاتی پر کبھی تم نے کیا جانے پہچاننے سے پرشن ہے، اور یہ میرا جیون بھر کا تجربہ ہے۔"

"نہیں پیتو سنگھ تمہارا جیون کا حیثیت رکھتا ہے۔ کتنا چھوٹی سی زندگی ہے تمہاری سمجھے۔ سمجھے مجھ سے پوچھو۔"

"تم سے کیا چھپانا مہاراج۔" اس نے جھجک کر کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں پیتو سنگھ کو اپنے بارے میں بتانے جا رہا تھا لیکن اب یہ بعد از وقت تھا اب وہ مجھے نہیں کرے گا اور نقصان کر بھی لے گا تو یہ بات اسے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی چنانچہ میں نے بات کا رخ ٹال دیا۔

"بہرحال پیتو سنگھ میں تمہارے اس اقدام سے خوش نہیں ہوں۔"

"دوش میرا نہیں ہے مہاراج۔"

"جس کا دوش ہے تم اسے صاف بھی تو کر سکتے ہو۔ اس کا تمہارا کیا مقابلہ۔ اور اب تو تم راجہ بن چکے ہو۔ راجہ تو بڑے فراخ دل ہوتے ہیں۔"

"ہاں مگر دوستوں کے لئے۔ دشمن کے لئے تو فراخ دلی تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ دوستوں کے لئے تو عجب ہی فراخ دل ہوتے ہیں۔ دشمنوں سے فراخ دلی کا سلوک کیا جائے تو انسان کا کردار بنتا ہے۔ بہرحال روپ کلی تمہارا بھی ہے دشمن نہیں ہے۔"

"میں تو اب اسے بھول چکا ہوں پورن جی۔ تم مجھے اس کی یاد مت دلاؤ۔"

"تم اس سے پریم بھی کرتے ہو پیتو سنگھ۔"

"ہرگز نہیں۔ پریم سے پریم کیا جا سکتا ہے کبھی نہیں۔" اور میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ اپنے قول میں اٹل ہے۔ اگر اس سے زیادہ گفتگو کروں گا تو وہ بدظن بھی ہو سکتا ہے اور میں اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب میں خاموش ہو گیا۔

"تمہاری مرضی پیتو سنگھ!"

"مگر پورن جی! اپنی تو ستاؤ تم تو سب دریا پار چھوڑ کر نہ جاسکے تھے۔ تمہیں تو بڑی تلاش کرائی تھی تمہاری۔ میرا خیال تھا ترکھانوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اور تمہیں مروا دیا۔" انہوں نے کہا۔

"میری موت آنی آسان نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ مگر تم گئے کہاں تھے؟"

"آگے بڑھ گیا تھا۔" پیتو سنگھ نے ترکھان لڑکیاں واقعی بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر سے چند لڑکیاں میرے دوست بن گئی تھیں۔"

"اور تو یوں کہو ان کے ساتھ عیش کر رہے تھے۔"

"مگر میں بھی بے وقوف نہیں ہوں اس وقت میسے عمل میں کچھ ترکھان لڑکیاں موجود ہیں۔"

"واہ کہاں سے آئیں؟" میں نے پوچھا۔

"ترکھانوں میری دوسری خدمت پورن جی۔ اچھا ہوا تم بھی آگئے۔" میں نے بچپن میں عہد کیا تھا کہ جیسوں میں ایک بار ضرور ان کا شکار کروں گا اور اب اس کی تیاریاں مکمل ہو گئی ہیں۔ میں بہت جلد ترکھانوں پر حملہ آور ہونے والا ہوں۔ میں نے جیسوں سے ان کی لڑکیاں اغوا کی ہیں۔ اپنی پرماتما میں کسی کو کچھ کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ میسے ذہن میں ایک مضمون پرورش پانے لگا تھا۔ پیتو سنگھ کافی دیر تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ اس نے مجھ سے میری مصروفیات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اسے مختصراً بتایا کہ میں گوتم بدھ کا پیروکار ہوں۔ یہ کوئی بری بات نہیں تھی دراصل میں اس پر مظاہر بنانا کرنا چاہتا تھا کہ میں نے بدھ کی طرح سے گزارا۔ تاکہ رپ کل سے ملاقات کی بات اس کے علم میں آنی چاہیے تھی۔

بہرصورت ان ساری باتوں سے ہٹ کر پیتو سنگھ نے میرا اچھا استقبال کیا تھا اور وہ مجھے بدستور اپنے دوستوں میں جگہ دیئے ہوئے تھا۔ مجھ سے خاصی دلچسپی سے بات کرتا تھا اور اس کے مزاج کی شگفتگی میسے لئے دلچسپی کا باعث تھی۔

دوسرے دن میں نے اس کی ترکھان محبوباؤں کو بھی دیکھا۔ بلاشبہ خوب صورت لڑکیاں تھیں اور بظاہر پیتو سنگھ کی میت میں ہوش نہیں تھیں۔ کہا نہ کیوں۔ بہرحال یہ ان کی مجبوری بھی ہو سکتی تھی۔ بہرحال میں کیا کہہ سکتا تھا کہ ایک راجہ کے سامنے انہیں کیسے رہنا چاہیے۔ پیتو سنگھ نے مجھے بھی یہی تلقین کی۔

گمرپ نے مذمت کر لی۔

پیتو سنگھ کو یہ بات اچھی لگی تھی۔ میں

جانتا تھا مہاراج تاج کر تم مہان ہو اور اگر میسے من میں یہ دھوکہ ہوتا تو مہاراج میں اس سے بھی چوکنا سب روپ کلی نے تم سے پریم کر بات کہی تھی۔"

"ایک راجہ کو اتنا فراخ دل ہونا چاہیے پیتو سنگھ۔ اور زور راجہ نہیں رہتا۔" میں نے کس قدر تلخ لہجے میں کہا۔ لیکن وہ میسے کہ کی محبت کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔ اس کے بعد میں نے بھی اس سے روپ کلی کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ لیکن دل میں میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پیتو سنگھ کو اگر جھکانا ہے تو اس کے لئے گوریلا مسلح سوچنا ہوگا۔

اس کے بعد کے دن خاموشی سے گزرنے لگے اور ایک طویل وقت گزر گیا۔ پیتو سنگھ باقاعدہ جنگ کی تیاریاں کر چکا تھا۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تب ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔

میسے جیسوں میں پہلی بار یہ شعبہ دن آیا ہے مہاراج۔ جب میں ایک راجہ ہونے کی حیثیت سے کسی سے جنگ کرنے جا رہا ہوں آپ سارے مشکل میں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ چلنا چاہیں تو خوشی سے آپ یہاں آرام کریں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا پیتو سنگھ۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے۔ تو پھر تم تیار ہو جاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

بالآخر پیتو سنگھ ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ ترکھانوں کی طرف چل پڑا۔ اس کے جاسوس اور اس کی منگ سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اس جنگ کے معاملے میں کتنا پرجوش ہے۔ راستے میں بھی وہ مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ اس کے دل میں پچھلی بار سے یہ خواہش تھی۔ ترکھانوں کی داستان میں سن سن کر اس کے دل میں ان کے لئے نفرت پیدا ہو گیا تھا اور اس نے تو عملی میں ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر کبھی اسے راجہ بننے کا موقع ملا تو وہ ترکھانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔ بڑے زور دار لوگ تھے پورن مہاراج۔ انہوں نے جیسوں میں سوچا ہے کہ ان کے علاقے ناقابل تسخیر ہیں۔ میں انہیں دکھاؤں گا کہ پیتو سنگھ کیا ہے۔" اس نے کہا تھا۔

بالآخر سنہ کرتے ہوئے ہم دریا کے کنارے پہنچ گئے اس دریا کے کنارے ہم تھوڑے ہی عرصہ میں دوبارہ آئے تھے پہاڑوں کا سلسلہ جوں کا توں تھا۔ پیتو سنگھ نے دریا کے کنارے لشکر انداز کر لی۔ اور پھر اس نے مجھ سے کہا۔

میسے لئے ایک بڑی حیرت کی ہے مہاراج۔"

"کیا پیتو سنگھ؟"

"کیا ترکھانوں کو ہماری آمد کی اطلاع نہیں ملی ہوگی؟ انہیں نہیں ہے کہ انہیں ہمارے آنے کے بارے میں علم ہو۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سرحدوں پر صف آرا ہو کر جنگ نہ کرنا چاہتے ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ تو ان کی ہمیشہ کی ریت ہے مہاراج۔ ہمیشہ پہاڑوں میں گھس کر لڑتے ہیں اور کبھی سامنے نہیں آتے۔ بلاشبہ ان کی تعداد بہت کافی ہے۔ پر یوں لگتا ہے ان میں کبھی کوئی گرم خون پیدا ہے نہیں ہوا جو سامنے آکر جنگ کرے۔"

"اپنا اپنا طریقہ جنگ ہے پیتو سنگھ۔ لیکن یہ طریقہ جنگ کافی خوفناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے مہاراج کہ اب ہم یہ دریا کس طرح پار کریں۔ میرا خیال ہے کیا گھوڑے دریا میں ڈال دیں۔ یا یہاں سے آگے جانے کے لئے کوئی آسان حل نکالیں۔"

میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ تب میری نگاہ کافی دور پر نظر آنے والے جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ اونچے اونچے درخت کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دریا کے اوپر پل بنایا جا سکتا ہے پیتو سنگھ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمیں ایک بار دریا عبور کرنا ہے پل کی ضرورت کیا ہے؟"

"ہاں تمہارا خیال درست ہے پورن مہاراج لیکن اگر پل بن جائے تو ہمیں جنگ میں آسانیاں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم فوج کا تمام تر حصہ اس طرف نہیں لے جائیں گے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہمارے لئے مدد آتی رہے گی۔ اور پھر ترکھان ہمارے علاقے میں بھی داخل نہیں ہونے پائیں گے۔"

"اوہ یہ خیال ہے تمہارے ذہن میں تو پھر ٹھیک ہے۔ ان درختوں کو کاٹ کر ترکھانوں سے پل بنایا جا سکتا ہے۔"

"کیا؟" پیتو سنگھ نے متحیر انداز میں ان درختوں کی جانب دیکھا اور پھر بولا۔ "لیکن یہ تو بہت طویل کام ہوگا پورن۔ بڑا وقت لگ جائے گا اس میں۔ درختوں کو کاٹنا معمولی بات نہیں ہے اور پھر دریا پار!"

"میرا خیال ہے اگر تم پسند کرو تو اس مسئلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ کس طرح؟"

"بات دن ہو جاتی ہے پیتو سنگھ کیا تم یہ پل بنانا چاہتے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"ان جائے تو اچھا ہی ہے۔ آنے جانے میں بڑی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور پھر جب ہم ترکھان علاقے فتح کر لیں گے تو مہاراج دریا سے رابطہ تو رہے گا ہی۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر تم ہمیں اپنی فوج کے چند دستے دے دو۔ میں تمہارا پل تعمیر کرائے دیتا ہوں۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ نے گردن ہلا دی۔

"ہاں تم سب کچھ کر سکتے ہو۔" پیتو سنگھ نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر اس کی آنکھیں خود بخود مسکرا اٹھیں۔ "مگر پوران کم ایک کام اور بھی تو کر سکتے ہو!"

"کیا؟"

"ترکھانوں سے جنگ میں کیا تمہارا جادو ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟" اس نے پوچھا اور میں مسکرا اٹھا۔ اب پیتو سنگھ کو میرا فائدہ کا احساس ہوا تھا۔ بہرحال میں خود بھی یہ بات سے زیادہ اپنی اہمیت کا احساس دلانا چاہتا تھا تاکہ میں اگر کبھی اس سے کچھ کہوں تو وہ انکار نہ کر دے۔

"پیتو سنگھ تم نے مجھے دوست کہا ہے۔ دوست بنایا ہے اور اسی لئے جب تم مجھے نظر انداز کر کے ترکھانوں سے جنگ کرنے کے لئے آ رہے تھے تو میں نے اپنی پیشکش کی۔ میں نے کہا میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تم بے فکر ہو کر ترکھانوں سے جنگ میں تم تمہارا ہو گے اور جس طرح پر تم مجھے سمجھو گے اس طرح پر تمہیں دوسروں کی عبادت بالکل نہیں کرنی پڑے گی۔"

"بے شک۔ اس طرح تو ہمیں یوں سمجھوں کہ تمہارا حصہ تم سے دور رہے ہیں بڑے نقصان اٹھا رہے ہیں جانے والے کسی سکیس کام آ سکتے تھے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا پوران کر دے گا۔ اس نے بڑی چیز ثابت ہو گے۔"

"اچھا تو اب مجھے یہ کام کرنے دو۔" میں نے کہا اور دوسرے درخت گرانے لگا۔ میری ہدایت پر پیتو سنگھ کے لوگوں نے پل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ میں نے وہ وہ کام کئے جو ان میں سے کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ دریا کے بہاؤ میں تیز پتھروں کے اوپر لمبے اور چکنے لٹھے گاڑے اور ان لٹھوں کو رسیوں کی مدد سے کس کر میں نے ان پر پل تعمیر کرایا۔ یہ پل آنا جانا جب وہ تیار ہو گیا تو وہ لوگ اس کی تعمیر پر خود بھی نہیں کر سکتے تھے۔ میں انہیں اس انداز میں اسے تعمیر کیا گیا تھا وہ انسانی کارنامہ نہیں تھا۔ میں کارنامہ لگتا تھا۔ جو بھی ہو بہرصورت پل تیار ہو گیا تھا۔ اور جب پیتو سنگھ پہلی بار اس پل سے گزرا دریا کے درست کنارے پر گیا تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں ترکھان اور اس کے ساتھی جیسے ہوئے دیکھوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکا۔ پیتو سنگھ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"پوران! اب بتاؤ تم لوگوں سے کیا کہا جائے؟"

"میں نے صرف ایک نظر ترکھان پر ڈالی۔ ان پہاڑی چٹانوں کو اور لگا کر ترکھانوں کی بستی کو دیکھا جو جگہ جگہ سے نظر آ رہی تھی۔ اگر انہوں نے کوشش کی ہوتی تو بلاشبہ ہماری ابتدائی کوشش ناکام ہو سکتی تھی۔ لیکن ترکھان تو شاید پتے ہی تھے سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اس کے چھتے ہوئے تیر بے تکے ثابت ہوئے تھے۔ بے شمار ہو گئے اور تو میرے پاس ہیں لگے دو تلوار ہو گئے ہیں اس طرح اسے بڑھتے ہوئے پہاڑ اتھا اور میرے دو ایسے ہے ہیں۔

"میں نے کہا۔ "ہم نے ان سب لوگوں کو فنا نہیں کر سکتا ہے۔ کر سکتے ہو جو انسانی تصور سے بھی باہر ہے۔ میں تمہارے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ کیا صرف ایک راہ بھٹکا ہوا راجہ مہاراجہ کافی ہے۔ نہیں پوران نہیں تم جو کچھ ہو میں وہ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود اگر تم مجھے کبھی کوئی حکم دو گے تو میں انکار نہیں کروں گا۔"

میں نے گردن ہلا دی۔

پیتو سنگھ بہت خوش تھا پھر اس نے جنگ کے بارے میں منصوبے بنائے اور ان منصوبوں میں بھی میں نے اس کی مدد کی اور میری تو راست پر حیران رہ گیا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا پوران۔ بلاشبہ پہاڑوں میں چھپے ہوئے ترکھانوں کو نکالنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں اور پروفیسر ہمارا پہلا فوجی دستہ ترکھانوں کے علاقے میں داخل ہوا۔ وہ بستی جو میں نے دیکھی تھی ویران پڑی تھی۔ اب یہاں کوئی نہیں تھا۔ کچے پکے مکانات بکھرے ہوئے تھے لیکن ان میں انسانی وجود مفقود تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ترکھان پہاڑوں کی طرف چلے گئے ہیں اور یہ سوچنا واقعی خاتمہ آمیز بات تھی کہ انہیں ہماری آمد کا علم نہیں ہوا انہوں نے آسانی سے پہاڑوں میں مورچہ بندی کر لی ہو گی۔"

چنانچہ سب سے پہلے پیتو سنگھ نے ان پہاڑوں کے ڈھلوان بنائے ہوئے جو دستہ ترکھانوں کے سامنے پہنچا اس کا سربراہ میں تھا اور میرے آگے کوئی ڈھلوان نہ تھی۔ ایک پہاڑی حصے کو عبور کرنے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے۔ ہم تقریباً ڈیڑھ سو افراد تھے۔ یہ سب درختوں سے کاٹی ہوئی چوڑی چوڑی تسبیحوں کی لمبی لمبی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ ہم پڑھے ہوئے اور ان کے پیچھے اپنا بدن چھپائے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور میں ان سب سے آگے تھا۔

سو جب ہم پہنچے اس پہاڑ کے نزدیک جو ہمارے سامنے تھا تو ہمارے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ترکھان پہاڑی چٹانوں کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے اور انہوں نے سب سے پہلی کوشش یہ کی کہ ہمیں نیزوں کی باڑھ پر رکھا لیا۔ اور تیر ہمارے بدن سے ٹکرانے اور ان تیروں کی زبان سے چیخیں۔ میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن میں نے اشارہ کیا اور پیتو سنگھ کی فوج کے سپاہی رک گئے۔

مجھے صرف ایک نظر دیکھنا تھا کہ ترکھان۔ ان پہاڑی چٹانوں کو اور لگا کر کتنی مضبوط مورچہ بندی کر چکے ہیں۔ جگہ جگہ سے نظر آتی تھیں۔ اگر انہوں نے کوشش کی ہوتی تو بلاشبہ ہماری ابتدائی کوشش ناکام ہو سکتی تھی۔ لیکن ترکھان تو شاید پتے ہی تھے سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اس کے چھتے ہوئے تیر بے تکے ثابت ہوئے تھے۔ بے شمار ہو گئے اور تو میرے پاس ہیں لگے دو تلوار ہو گئے ہیں اس طرح اسے بڑھتے ہوئے پہاڑ اتھا اور میرے دو ایسے ہے ہیں۔

ثابت ہوئے کہ ترکھان چٹانوں کو بڑھکانے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے دلوں سے پسپائی اختیار کی اور بھاگنے لگے۔ بھاگتے ہوئے لوگوں کو نشانہ بنانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ یوں شام ہونے سے پہلے ہم نے پہلا معرکہ سر کر لیا اور ترکھانوں کا خاصا بڑا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔

دوسری جانب پیتو سنگھ اپنی فوجی دستوں کے ساتھ دریا کے کنارے کنارے ایک لمبی پٹی پر ترکھانوں کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن ترکھانوں کی ہمت نہ پڑی کہ وہ ان پر حملہ کرتے۔ اس پہلی کامیابی کے بعد جب آدھی رات گزری تو ترکھانوں نے پہلی بار اپنی کمین گاہوں سے نکل کر پیتو سنگھ کی فوجوں پر شب خون مارا۔ شب خون میں بلاشبہ پیتو سنگھ کا نقصان ہوا تھا لیکن ترکھان زیادہ مارے گئے تھے۔ تب ہم نے دوسری حکمت عملی اختیار کی۔

میں نے اپنی فوجوں کو سمیٹ لیا۔ ترکھانوں کو ہم ایک علاقے سے پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اس لئے ہمیں ان پہاڑوں کی قطعاً پروا نہیں تھی ہم نے اپنی تمام فوجیں اس علاقے میں بلوا لیں اور یہاں اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس کے بعد یہاں اپنے مکمل انتظامات کرنے کے بعد ہم آگے بڑھے اور یوں ہم ترکھانوں کے علاقوں پر علاقے فتح کرتے گئے۔ لاتعداد ترکھانوں کو ہم نے ہلاک کیا بے شمار گرفتار کئے اور گرفتار شدگان کے لئے ایک عظیم الشان کیمپ قائم کیا۔ یہ کیمپ دراصل بہت بڑا قید خانہ تھا۔ اس قید خانے میں ان لوگوں کے لئے انہی کی غذائی اجناس استعمال کی گئیں اور میں نے پیتو سنگھ کو ہدایت کی پیسری پہلی ہدایت تھی۔ میں نے کہا کہ پیتو سنگھ قیدیوں کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہ دی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی ذہنی یا جسمانی اذیت دی جائے۔ انہیں صرف قید رکھا جائے پیتو سنگھ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے تباہ کر دشمن کو زیر کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

"مگر یہ ترکھان میں ہم سے میری پچپن کی دشمنی ہے!"

"تم کیا چاہتے تھے پیتو سنگھ؟" میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا!"

"کیا تم ان کو ختم کر کے تسلی کر دینا چاہتے ہو؟"

"ہاں میں ان سے شدید نفرت کرتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"لیکن مجھے تم سے اختلاف ہے پیتو سنگھ!"

"کیوں پوران؟"

"اس لئے کہ تم ان سب لوگوں کو فنا نہیں کر سکو گے۔ ان میں سے تم نے قیدیوں کو بھی مار دیا ان کے رشتے دار تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور ساری زندگی تم سے نفرت کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ جو لوگ جنگ میں مارے جائیں وہ تو ان کی تقدیر ہے لیکن جو لوگ گرفتار ہو جائیں یا ہتھیار ڈال دیں ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔ یہی انسانی اصول ہے اور یہی تمہیں کرنا چاہئے پھر بہت سے ترکھان بلاشبہ تمہاری پناہ میں شامل ہو جائیں گے۔" میں نے کہا۔ اور پیتو سنگھ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پوران یہ تمہارا حکم رہے تو میں اسے ضرور مانوں گا۔ حالانکہ میں ان لوگوں کا سخت دشمن تھا۔"

"بہرحال اپنی جگہ پیتو سنگھ لیکن جو شخص تمہارے سامنے زیر ہو جائے پھر اس سے دشمنی نکالنے سے کیا فائدہ؟"

"مگر یہ بڑے پاپی ہیں۔" انہوں نے میرے ساتھ بڑا برا سلوک کیا تھا۔"

"کیا؟"

"اس سے مہاراج جب ہم پہلی بار یہاں آئے تھے۔"

"اوہ ہاں۔ روایات میرے لئے آج تک معنی خیز ہوئی ہے، تم یہاں سے کس طرح واپس گئے۔؟"

"بس کس طرح واپس جاتے۔ ایک لڑکی اگ گئی تھی۔ اسے اٹھا لیا تو یہ سب پاپی چڑھ دوڑے۔ انہوں نے ہم پر حملہ کیا اور لڑکی کو چھین لیا اور اس وقت مجھے اس علاقے سے نکال دیا گیا۔ دریا پار کرا دیا گیا تب سے ان لوگوں کے لئے میرے من میں بڑا کرودھ ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اب یہ تمہاری پرجا ہے۔ تمہارے ماتحت ہیں اور ان سنورلڑکیوں کے سلسلے میں بھی اب تمہیں احتیاط کرنا ہو گی۔ ضروری نہیں ہے کہ تم انہیں بے دریغ استعمال کرتے رہو۔" میں نے کہا۔

"ابھی تو احتیاط کروں گا پوران۔ مگر میرا تو یہاں آنے کا مقصد ہی یہی ہے، ان لوگوں نے اپنی ایک لڑکی کی خاطر مجھے دریا پار کرایا تھا اب میں ان کے سامنے ان کی عزت کا جنازہ نکالوں گا!"

"نہیں پیتو سنگھ تمہیں اس سے باز آنا ہو گا۔ یہ ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج تم تو مجھے بنانے کیا بنائے دے رہے ہو، اب اگر تم ترکھانوں کی لڑکیاں بھی میری اپنی نہ بنیں تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گا!"

"پیتو سنگھ، انسان کو بہرحال اعتدال میں رہنا چاہئے۔"

"جو تمہارا حکم پوران، میں اسے مانوں گا۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں اس کی خوشی ہو کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"اب تم دیکھو گے پیتو سنگھ کہ ترکھانوں کے پورے علاقہ پر مہتاب کا قبضہ ہوگا اور تمہاری شرکت ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جائے گی۔"

"میں کچھ کہنا چاہتا ہوں پورن جی۔" میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے سرت سے بوکھلا کر کہا اور میں اسے تسلیاں دینے لگا۔

اور پھر وقت نے بتا دیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا۔ غلط نہیں کہا تھا ہم ترکھانوں کے علاقوں پر قبضہ حاصل کرتے رہے ترکھان کونے کھدروں میں چھپتے پھرتے تھے وہ پریشان تھے یہاں تک کہ ایک رات ترکھانوں کا ایک وفد جھنڈے لہراتا ہوا جو سفید رنگ کے تھے ہمارے سامنے پہنچ گیا انہوں نے اپنے ہتھیار پیتو سنگھ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"ہم پانچوں ترکھان قبیلے کے سردار ہیں اور ہم پانچوں کے علاوہ ان قبیلوں کا اور کوئی سردار نہیں ہے۔ پیتو سنگھ مہاراج آپ نے جس انداز میں ترکھانوں پر حملہ کیا وہ انہیں شکست دی۔ ہم آپ کو اس کی بدھائی دیتے ہیں۔ ایک بہادر دشمن کی حیثیت سے اور ہم اس بات کا اعتراف کرنے آئے ہیں کہ آپ کی سینا ؤں کے مقابلے میں ہم کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ حالانکہ ہم نے سینوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان پہاڑوں پر کوئی اتنی طاقت حملہ آور ہو کر فتح پا سکتی ہے۔ لیکن بتائیے ساتھ کچھ ایسی طاقتیں ہیں جو ہمارے سمجھ سے باہر ہیں، ہم ان طاقتوں سے نہیں لڑ سکتے چنانچہ ہم پانچوں سرداروں نے مل کر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے اور ترکھانوں کے لئے پناہ مانگنے آئے ہیں۔" انہوں نے میری طرف دیکھا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ تب میں نے بڑھا اور میں نے ان سے کہا۔

"مہاراج پیتو سنگھ ایک ظالم حکمران نہیں ہیں۔ وہ ایک عادل انسان ہیں۔ ترکھانوں کا زندگی آزار علاقہ ہمیشہ کالنڈی کے لئے پریشانی کا باعث رہا ہے۔ آپ لوگوں نے کالنڈی سے خراج وصول کیا ہے اور اگر کوئی طاقت ور راجہ آپ کو خراج دے تو یہ اس کا سب سے بڑا اپمان ہوتا ہے۔ ہم آپ کو ختم کر کے آپ کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے آئے ہیں، چنانچہ ترکھانوں کی یہ درخواست مہاراج پیتو سنگھ سویکار کرتے ہیں اور انہیں پناہ دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر ترکھانوں نے کوئی سازش کی کوئی چال کوئی بغاوت کی تو پھر ان کے لئے اس زمین پر اس سنسار میں کوئی پناہ نہیں ہوگی۔ کیا اس بات کو آپ تمام سردار قبول کرتے ہیں؟"

"ول وجان سے مہاراج۔ ہمیں جان کی امان چاہیئے۔" ہم کالنڈی کے وفادار دوں کی حیثیت سے باقی جیون گزاریں گے۔"

"تو پھر سنو ترکھان سردارو۔ تمہاری سرداری بحال رہے گی۔

یہی پیتو سنگھ کہ کالنڈی کا حکمران تمہارے بعد کون ہوگا؟ کالنڈی کا وہ شخص جو اسے جیتنے کے قابل ہوگا۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"نہیں پیتو سنگھ تمہارے چاہنے یہ بات نہیں سوچی تھی یہ سوچی تو میں نے بھی نہیں تھی پورن مہاراج۔ پرکسی کی مٹ نے یہ بات دل میں ڈالی ہے۔"

"نہیں پیتو سنگھ ازل سے یہ تمہارے ان کے دل میں راجہ نہ ہو کر کیوں تھبلا رہے ہو کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی بچہ باپ کہہ کر پکارے۔"

"اس کی وجہ آپ جانتے ہیں مہاراج۔ ایک عورت کا قول میرے دل تک پار رہے گا۔ میں روپ کلی سے شکست نہیں کھا سکتا۔ مہاراج پورن آپ وشواش کریں کہ اس نے جس لہجے میں بات کی تھی اس میں بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا زہر میری رگ رگ میں بس گیا ہے مہاراج۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک کسی اور عورت سے بھی شادی نہیں کی۔ مجھے ڈر ہے مہاراج کہ کہیں روپ کلی کا قول پورا نہ ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی بھی رانی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ میری پگڑی اچھالے۔ وہ یہ بات میرے من میں اس طرح جم گئی ہے کہ اب نکالے نہیں نکلتی۔"

"مگر پیتو سنگھ عورت کے قول کا اعتبار کیا۔ وہ کمزور ہوتی ہے اور کمزور انسان ہر وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس کے منہ میں آتی ہے جبکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ آتما عرصہ ہو جانے کے باوجود وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکی اور بگاڑے گی بھی نہیں۔ میرا خیال ہے اب اسے معاف کر دو۔"

"مہاراج۔" پیتو سنگھ بھنے مڑپ گیا۔ "مہاراج آپ سنسار کا کوئی بھی کام مجھ سے کہیں لیں گے بھگوان کی سوگند جیون بھر انکار نہیں کروں گا۔ لیکن یہی بھی آپ کو بھگوان کی سوگند دیتا ہوں کہ مجھے اس بات کے لئے دوبارہ مجبور نہ کریں۔ میں آپ کی یہ بات ماننے کے بعد بھی نہیں مان سکتا۔" پیتو سنگھ نے مضبوط لہجے میں کہا اور میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

"ہماری رضی پیتو سنگھ۔ میں نے تو ان تمام حقوقات کو دیکھتے ہوئے یہ بات کہی تھی اگر تم نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے۔ بندھن میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن میں نے اندازہ کر لیا کہ پیتو سنگھ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو آسانی سے کوئی بات مان لیتے ہیں اور اب میں وہ کرنے کے لئے مجبور تھا جو خود میں نے سوچا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

چنانچہ ہم سفر کرتے رہے اور جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں سے مجھے اپنا کام کا آغاز کرنا تھا تو میں نے اپنا گھوڑا پیتو سنگھ کے گھوڑے کے بالکل برابر کر لیا اور پھر میں نے نہایت آہستہ سے پیتو سنگھ کے گھوڑے کی کوکھ میں خنجر بھونک دیا گھوڑا بے اختیار اچھلا اور پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔

کوئی نہیں سمجھ سکا کہ گھوڑا اچانک کیوں بگڑ گیا ہے لیکن زخمی گھوڑے کو روکنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ میں نے اپنا گھوڑا پیتو سنگھ کے گھوڑے کے پیچھے لگا دیا تھا لیکن میرا گھوڑا بھی اس رفتار سے نہیں دوڑ رہا تھا جس رفتار سے پیتو سنگھ کا گھوڑا بھاگ رہا تھا۔

پیتو سنگھ کی فوجیں اتنی پیچھے رہ گئی تھیں کہ اب آسانی سے ان کا ہم تک پہنچنا مشکل تھا۔

دفعتاً ایک بلند جگہ پیتو سنگھ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ سنبھل نہ سکا لیکن پیتو سنگھ بڑی طرح گرا تھا اور پھر وہ اس بلند ٹیلے سے نیچے لڑھکنے لگا۔ بہرصورت حال میرے پروگرام میں نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں پیتو سنگھ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے کو چھوڑا اور خود اس ٹیلے پر دوڑنے لگا۔

پیتو سنگھ درمیان ہی میں رک گیا تھا لیکن وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا اس کے سر میں بھی چوٹ آئی تھی اور بدن تو کئی جگہ سے سخت زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈالا اور پھر سمت بدل لی لیکن اس کے ساتھ ہی پریشانی بھی تھا پھر ایک آبشار کے کنارے جا کر میں نے پیتو سنگھ کے زخم صاف کئے اس کا لباس پھاڑ کر ان زخموں کو کسا۔ پیتو سنگھ بے ہوش تھا لیکن اس کی حالت خطرناک نہیں تھی۔ میں نے اطمینان سے اسے گھوڑے پر ڈالا اور سمت بدل کر چل پڑا۔ یہ طویل راستہ میں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ کہیں پیتو سنگھ کی فوجیں اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک نہ پہنچ جائیں۔

پیتو سنگھ کو گھوڑے پر ڈالے ڈالے میں نے کافی طویل سفر کیا تھا لیکن وہ اس دوران ہوش میں نہیں آیا۔ میں بھی اس کے بدن سے کافی خون بہہ گیا تھا کالنڈی ابھی بہت دور تھا آخر میں وہ اس محل میں پہنچ گیا جہاں روپ کلی مقید تھی۔

محل کے باہر پہرہ دار عورتوں نے میرا راستہ روکا تو میں نے پیتو سنگھ کو سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "بے وقوفو۔ دیکھ نہیں رہیں مہاراج پیتو سنگھ زخمی ہیں۔ ہٹو مجھے اندر جانے دو۔" اور پیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے۔

روپ کلی کو خبر ملی تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑی چلی آئی۔ پیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ غم کے تاثرات ہیں یا خوشی کے۔

بس عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔

"انہیں کیا ہو گیا پورن جی؟" اس نے پوچھا۔

جھوڑے سے گزر کر زخمی ہو گیا ہے روپ لعل۔ لیکن تم فوراً ایک کام کرو!"

"کیا مہاراج!"

"محل کے ایک ایک فرد سے کہہ دو کہ کسی کو پیتو سنگھ کے بارے میں کچھ نہ بتائے خواہ کوئی اہم ترین آدمی کیوں نہ آئے۔ مہاراج کو اپنے دشمنوں سے خطرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے میں کہے دیتی ہوں۔" روپ کلی کے انداز میں وہ تڑپ، وہ جوش نہیں تھا جو ہونا چاہیئے تھا لیکن وہ بھی اپنی جگہ مدہوش تھی جو زندگی وہ گزار رہی تھی وہ تبدیلیوں سے بھی بدتر تھی ان حالات میں اس کے دل میں پیتو سنگھ کا اور کیا مقام ہو سکتا تھا۔ بہرحال وہ ہدایات جاری کرنے کے بعد واپس آ گئی۔

پیتو سنگھ کو ہوش آ رہا تھا۔ اس نے روپ کلی کو یہاں سے ہٹایا اور روپ کلی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ پیتو سنگھ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا اور پھر اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں کہاں ہوں۔ یہ کونسی جگہ ہے۔ میں کہاں ہوں؟"

"گھبراؤ نہیں پیتو سنگھ۔ تم محفوظ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"پورن جی۔ پورن جی۔ تم کہاں ہو۔ سامنے آؤ۔ تم مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے ہو۔ تم کہاں ہو پورن مہاراج!" اور میں نے گہری سانس لی۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے پیتو سنگھ کی آنکھیں اندھیری ہو گئی تھیں۔ میں نے ان آنکھوں کو غور سے دیکھا ان میں چمک موجود تھی مگر زیادہ اندھا نہیں ہوا تھا بس وقتی کمزوری کی وجہ سے بینائی متاثر ہو گئی تھی۔

"میں تو تمہارے سامنے ہوں پیتو سنگھ!"

"مگر مگر میں تمہیں دیکھ کیوں نہیں سکتا کیا میں اندھا ہو گیا ہوں؟"

"نہیں پیتو سنگھ۔ یہ وقتی کمزوری ہے۔ تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"مگر مجھے ہوا کیا ہے۔ مجھے کیا ہو گیا پورن مہاراج!" پیتو سنگھ روہانسی آواز میں بولا۔

"آپ کا گھوڑا بدک گیا تھا۔ اور آپ اس سے گر پڑے تھے۔"

"آہ۔ کیا میں محل میں ہوں۔ کیا آپ مجھے محل لے آئے ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ تمہاری راجدھانی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پوری سرحدیں ہیں ہم لوگ یہ گھر ایک شریف اور رحمدل عورت کا ہے جو نہایت ضعیف ہے اس کی نوجوان پوتی دن رات تمہاری تیمارداری کرتی رہی ہے۔"

"لیکن اب کیا ہو گا!"

"تم مجھے جانتے ہو پیتو سنگھ۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ایک آدھ ماہ میں تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی اور تم اطمینان سے واپس جا سکو گے۔"

"مگر مہاراج۔ کسی طرح بھی مجھے کالندی لے چلیں۔ میں کلوندی جانا چاہتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں پیتو سنگھ ان حالات میں تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں ہے اور ناہی میں تمہیں لے جاؤں گا۔ لیکن یہ میرا وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی تم تم دونوں کلوندی واپس چلے جانا۔ کم از کم تم اس قابل تو ہو جاؤ کہ گھوڑے پر سفر کر سکو۔ اس حالت میں تمہارا سفر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ بے چارگی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

تب میں نے اسے مطمئن رہنے کے لئے کہا اور پھر اٹھ کر اس کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں روپ کلی حیران و پریشان بیٹھی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھا اور کہا۔

"یہ سب کیا ہے پورن مہاراج!"

"روپ کلی جو کچھ بھی ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ تمہاری منوکامنا پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

"مہاراج۔ وہ عجیب سے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سنکی نمودار ہو گئی تھی۔ تب اس نے مجھے دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولی۔ "مہاراج کیا آپ مجھے میری منوکامنا پوری کرنے کا موقع دے دیں گے۔"

"ہاں روپ کلی۔ میں اس لئے اسے یہاں تک لایا ہوں۔"

"آپ۔ آپ لائے ہیں مہاراج!"

"ہاں میں سمجھا۔ لیکن مجھے بتاؤ کیا تم ان حالات میں اپنا مقصد حل نہیں کر سکتیں۔ مجھے بتاؤ روپ کلی کہ میں نے یہ جو یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے کس طور ناقابل قبول ہے۔"

"نہیں مہاراج! بالکل نہیں۔ میں تو مرتے دم تک آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی اگر آپ نے یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا۔ مہاراج تو جگوں کی سوگند میں آپ کو دیوتا۔ ماں مانتی ہوں آپ نے میری آرزو پوری کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے جگوں ان آپ کو اس کا صلہ دے گا۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "تم خوش ہو روپ کلی مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے لیکن تمہیں نہایت احتیاط سے اپنا کام کرنا ہو گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ یہ پوری سرحد کا ایک مکان ہے اور یہاں ایک بوڑھی عورت اور اس کی نوجوان پوتی رہتی ہے جو تمہاری خدمت کریں گی ہے۔ تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں خیال رکھوں گی مہاراج!"

"اس کے علاوہ ممکن ہے پیتو سنگھ کی تلاش میں لوگ یہاں آئیں۔ تم پہرداروں کو اور سمجھا دینا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اب میں سب ٹھیک کر لوں گی۔" روپ کلی نے کہا اور میں چپ ہو گیا۔ چونکہ اب میں پیتو سنگھ سے ساتھ آیا تھا اس لئے یہاں میرے قیام کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں بھی ایک آرام دہ کرسی میں بیٹھ گیا۔

رات گزرتی رات گزر گئی۔ دوسرا دن آ گیا۔ تب روپ کلی نے مجھے بتایا کہ پیتو سنگھ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ اور میں پیتو سنگھ کے پاس پہنچ گیا اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پہچان کر اس نے مجھے آواز دی۔

"میں ہی ہوں پیتو سنگھ۔"

"آہ۔ یہ جگہ بہت اچھی ہے پورن مہاراج۔ میرا من تو ایک بار میں یہاں موہ لگ گیا۔"

"کل تو تم بڑے گھبرا رہے تھے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کل کی بات اور تھی مہاراج۔" پیتو سنگھ بھی مسکرا دیا۔

"ہاں کل کی بات اور تھی اور آج اور ہے۔ ایک ہی خوبصورت بے پناہ حسین خدمت گار جو مل گئی ہے تمہیں۔" میں نے کہا۔

"کیا وہ بہت سندر ہے مہاراج!"

"تم نے کیا اندازہ لگایا۔؟"

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ ٹٹول کر دیکھا تھا۔ روپ کلی معلوم ہوتی ہے۔ بڑی میٹھی آواز ہے۔ ہے باتیں کرتی ہے کہ من ڈول ڈول جاتا ہے۔" پیتو سنگھ گھور رہے ہیں بولا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے پیتو سنگھ!"

"ابھی نہیں مہاراج ابھی نہیں۔" پیتو سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

پیتو سنگھ جتنی دیر میں اس کے پاس بیٹھا اس لڑکی کی باتیں کرتا رہا جس نے اپنے نام سکھنلا بتایا تھا۔ وہ سکھنلا کی داستانوں کے بارے میں بتاتا رہا اور میں اس کی نادانی پر مسکراتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ گیا یوں دن گزرتے رہے اور تقریباً تیس بائیس دن اس طرح گزر گئے کہ پتہ بھی نہیں چلا۔ ابھی تک پیتو سنگھ کی سینا کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا تھا۔ شاید ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی تھی۔ مجھے بھی ہنسی آتی تھی کہ راجدھانی میں پیتو سنگھ کے لئے کیا کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ایک بات میرے ذہن میں تھی وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ پیتو سنگھ کو مردہ نہ سمجھ لیں اس کی سلطنت کو زوال نہ آ جائے چنانچہ

ایک دن میں نے روپ کلی سے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے کچھ دن کے لئے کھوڑ ندی جانا چاہیئے میں خاص خاص لوگوں کو تباہ کر دوں گا کہ پیتو سنگھ خیریت سے ہے اور بہت جلد واپس آ جائے گا میرا جانا اسلئے بھی ضروری ہے روپ کلی کہ یہاں پیتو سنگھ کی خبر ہو گی تو کوئی نہ کوئی فوج یہاں ٹھیک ہے کہ مہاراج آپ چلے جائیں اور یہاں کے بارے میں بالکل چنتا نہ کریں۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

چنانچہ میں کھوڑ ندی کی طرف چل پڑا اور سفر کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بے تحاشہ دنوں کے حالات بہت خراب تھے۔ راجہ کے ہونے سے اور کان حکومت تخت پر بٹھا لیا تھا۔ میں نے انتہائی تسلی دی اور بتا کر مہاراج پیتو سنگھ خیریت سے ہیں اور بہت واپس آ جائیں گے۔ میرے اس بیان کا اعلان کر دیا گیا۔ بے شمار سوالات لوگوں نے مجھ سے کئے لیکن میں نے ٹال دیا۔ البتہ ان کے لئے میں نے پیتو سنگھ کی ہدایات پہنچا دیں گو یہ بھی اختراع تھی۔ لیکن بس طرح میں لپٹے ہوئے حالات سنبھال لیئے تھے اور پھر اس طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں واپس روپ کلی کے محل پہنچ گیا۔

پیتو سنگھ مہاراج اب بڑے کڑے ہو گئے تھے۔

لیکن آنکھوں کی پٹی میرے بغیر کیسے کھل سکتی تھی۔ میں نے انہیں راجدھانی کے حالات سنائے اور روپ چوک پڑے۔ "تم مجھے بتائے بغیر یہاں سے چلے گئے پورن مہاراج لیکن یہ کام تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں تمہارے یہ احسانات کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"تمہارا اب کیا ارادہ ہے پیتو سنگھ۔ چلو گے نہیں۔"

"میری پٹی کب کھلے گی مہاراج۔ اور ہاں میں سکھنلا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ بس میں اسے رانی بناؤں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میں اسے رانی بناؤں گا۔" میں نے اسے دیکھا رہا ہے۔ اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ پیتو سنگھ کی طرح انداز کا کہ یا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہو چکے ہیں۔ تب ایک دن میں نے روپ کلی سے بات کی اور اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ یہاں سے نکلنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا گیا تھا اور پھر ایک دن بس منصوبے پر عمل کر لیا گیا۔ اس کے بعد کے قریب دو ہفتوں میں خوب ہنگامہ کیا گیا جہاں پیتو سنگھ نے یہاں پر [illegible] اور میں نے بتایا ہے [illegible] مہاراج کو [illegible] کہ پیتو سنگھ کو تباہ کر دیا ہے [illegible] سکھنلا اور اس کی ماں کو ہلاک کر دیا ہے میں نے ان کی لاشیں دیکھی ہیں اور اب لوگ یہاں [illegible] کو [illegible] کہنے پر [illegible] سکھنلا کی موت [illegible]

کلونڈی کے محل میں پیتو سنگھ کی آمد سے کھلبلی مچ گئی۔ لوگوں کے دلوں میں جو اندیشے سر ابھارے تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ پوری راجدھانی کے دیدار میکر اس کی تیمارداری کے لیے جمع ہو گئے۔ اور اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

اور پھر دوسرے دن اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی۔ پیتو سنگھ نے سب کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر جز بز سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کو ٹھیک نظر آ رہا ہے مہاراج؟" دھڑکتے دلوں سے لوگوں نے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" پیتو سنگھ نے اثبات میں جواب دیا۔ دوسرے لوگ اس اثبات کی وجہ نہیں جانتے تھے لیکن رانی اس سے پوری طرح واقف تھی۔ اس کے ذہن پر سکسلا کی موت چھائی ہوئی ہے۔ بہرحال پیتو سنگھ کی واپسی کی خوشیاں منائی جانے لگیں۔ یہ ایسی عام باتیں تھیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اپنے طور پر مصروف رہا۔ اپنے بارے میں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا کروں۔ یہاں کے ماحول سے مجھے کوئی اذیت نہیں تھی میری زندگی کا تو ایک یکساں انداز تھا پر فیصر سو جہاں بھی گزرتا۔

میرا خیال تھا کہ پیتو سنگھ چند روز، یا زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں میں سکسلا کو بھول جائے گا لیکن پیتو سنگھ کی نظرت میں بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس واقعے کو اب تقریباً سات ماہ گزر چکے تھے لیکن پیتو سنگھ درست نہیں ہوا تھا۔ راج پاٹ کے کام میں وہ دلچسپی لیتا تھا لیکن پہلے جیسی شوخی اور دلچسپی نہیں رہی تھی۔ تب ایک شام میں نے اس سے کہا۔

"تمہارے ذہن میں ابھی تک اس کا خیال موجود ہے پیتو سنگھ؟"

"کس کا مہاراج؟"

"سکسلا کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ کے چہرے پر غم کے آثار ابھر آئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ کا خیال درست ہے پورن جی۔"

"لیکن کب تک اس کے لیے افسردہ رہو گے پیتو سنگھ؟"

"شاید جیون بھر مہاراج۔"

"یہ تمہاری ذات میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے پہلے تو تم عورت کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے احساس ہے مہاراج۔ پر میں کیا کروں۔ لاکھ کوشش کرتا ہوں مگر من سے اس کا خیال نہیں مٹتا۔ اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ وہ صرف عورت ہی نہیں تھی مہاراج بلکہ اس کے وجود میں کچھ ایسی کشش تھی جسے میں فراموش نہیں کر سکتا۔ آج بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ زندہ ہو مجھے آواز دے رہی ہو۔"

"اب تو طویل عرصہ گزر چکا ہے پیتو سنگھ، خود کو سنبھالو۔"

"میں تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ مگر۔ ہار گیا ہوں میں مہاراج۔ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو یہ افسوس بھی ہے کہ میں اس کی صورت تک نہ دیکھ سکا۔ بس وہ ایک سپنے کی طرح میرے جیون میں آئی اور پھر آنکھ کھل گئی۔"

"ہاں بعض خواب ایسے ہی ہوتے ہیں پیتو سنگھ۔ مگر اب کیا ارادہ ہے؟"

"کیا مطلب مہاراج۔ کس ارادے کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"کیا تم پوری زندگی ایسے ہی گزار دو گے؟"

"تو پھر کیا کروں گا؟"

"اپنی نسل کو آگے نہیں بڑھاؤ گے؟"

"شاید۔ مگر ان کو بھی یہ فلسفہ نہیں ہے۔"

"جگوان کو کیوں دوش دیتے ہو۔ یہ تو تمہارے اپنے ہاتھ کی بات ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرے ہاتھ کی بات۔؟" وہ سوالیہ انداز میں بڑبڑایا۔

"ہاں کسی خوبصورت سی راج کماری کو رانی بنا لو۔ اس سے تمہارے ہاں اولاد پیدا ہو گی۔ کشن سنگھ کا نام تو زندہ رہنا چاہیے تھا۔"

"اگر جیون میں کسی عورت کو رانی بنانے کا خیال آیا مہاراج تو جگوان کی سوگند وہ سکسلا ہی ہو گی۔ میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو رانی بنا لوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے بگڑ۔"

"تو پھر دوسرا کام کرو پیتو سنگھ۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"روپ کلی کا قصور معاف کر دو۔ کتنا طویل عرصہ گذر گیا تم نے اس کے ارادوں کو شکست فاش دی ہے کیا وہ ساری زندگی اپنا انتقام اچھا کر سکتی ہے۔ اگر وہ اپنا انتقام لے سکتی تو اتنے دن خاموش نہ بیٹھی رہتی۔ اس لیے اب اسے رانی کی حیثیت سے محل میں لے آؤ۔"

"جگوان کی سوگند مہاراج۔ یہ کبھی نہ ہو گا۔ ایسا کبھی نہ ہو گا۔ مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا تھا۔ مرو کی نا جسلڈٹ جاتے تو پھر کبھی نہیں جا سکتی۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر روپ کلی کے لیے کوئی لچک نہیں پیدا کر سکتا۔ اسے اسی محل میں بڑھاپا ہو گا۔ میں تو بس اس کی ارتھی میں شریک ہو جاؤں گا اور جب اس کی ارتھی جلائی جا رہی ہو گی تو میں اس سے سوال کروں گا۔ کیوں روپ کلی۔ کہاں گیا تیرا روپ مان کہاں گیا تیرا جوبن جا جیون بھر آگ میں جلتی رہی اب آخری آگ میں جل جا۔" پیتو سنگھ کا چہرہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو دل سے کبھی کینہ نہیں نکالتے چنانچہ ایسے لوگوں کو کچھ سمجھانا فضول ہوتا ہے۔ البتہ حقیقت حال سے میں واقف تھا۔ روپ متی کا روپ مان پرواں چڑھ رہا تھا۔ وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی دن میرے ذہن میں خیال آیا کہ اس کا جائزہ لوں۔ وہ کس حال میں ہے۔ کافی دن گزر گئے تھے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ میں نے پیتو سنگھ سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی لیکن کبھی اس کی خبر تو لے لیا کرو پیتو سنگھ۔"

"محل میں اس کے لیے سب کچھ ہے مہاراج۔ میں نے جن لوگوں کو وہاں رکھا ہے انہیں بھی ہدایت کی تھی کہ روپ کلی کے بارے میں کوئی خبر مجھے نہ دیں صرف ایک اطلاع دینے آئیں کہ وہ مر گئی۔ اس سے قبل اس کے بارے میں کوئی اطلاع دینے آیا تو اس کی گردن اتار دی جائے گی۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور پیتو سنگھ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ کو تو منع نہیں کیا ہے پورن مہاراج۔"

"کس بات سے پیتو سنگھ؟"

"آپ جس طرح من چاہے جگ رلیاں منائیں بلکہ میری مانیں تو کچھ وہ سہ ترکھانوں کے علاقے میں گزارا کریں، وہاں کی سندریاں آپ پر جان دیں گی۔"

"ہاں میں سوچ رہا ہوں پیتو سنگھ کہ کچھ وقت گھوم پھر کر گزاروں۔"

"جو من چاہے کریں مہاراج۔ پیتو سنگھ کی راجدھانی میں آپ کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔ اور میں اس کے پاس سے اٹھ آیا۔ پیتو سنگھ کیا حیثیت رکھتا تھا میرے لیے تو دنیا بھر میں آج تک کسی نے روک ٹوک نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں چل پڑا۔ اور میرا رُخ اب روپ کلی کے محل کی طرف تھا۔ اس بار میں چھپ کر نہیں گیا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ میں پیتو سنگھ کا دوست تھا۔ میں اس کے ساتھ آ چکا تھا۔ روپ کلی نے بڑی محبت کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا۔ اور اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اس کا پھولا ہوا پیٹ اس کے مشن کی کامیابی کی اطلاع دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت شرمائی لیکن میں نے اسے تسلیاں دیں۔

"جگوان نے ایک کمزور عورت کی لاج رکھی ہے مہاراج۔" وہ بولی۔

"ہاں روپ کلی۔ میں بھی تمہارے ساتھ خوش ہوں۔"

"سواتی کے کیا حال ہیں؟"

"بہت بدل گیا ہے۔ شکسلا کی یاد کو اپنے دل سے نہیں نکال سکا۔"

"اور روپ کلی کو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"اسے بھی۔ لیکن اس کے لیے پیتو سنگھ کے دل میں آج بھی انتقام سلگ رہا ہے۔ وہ روپ کلی کو سارا جیون معاف نہیں کرے گا۔"

"میں بھی اسے سارا جیون معاف نہیں کروں گی مہاراج۔ اب تو جگوان بھی میرے ساتھ ہے اور تم بھی۔ مگر مہاراج؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کہو روپ کلی۔"

"من میں ایک بات ہے مہاراج۔ پر کہاں تک آپ کے لمستاک بار جھا ٹھاؤں۔"

"کہو روپ کلی۔ میں تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"جگوان نے چاہا تو میرے ہاں بیٹا ہی پیدا ہو گا مہاراج۔ مگر ایک اور خوف دل میں بار بار سر ابھارتا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"اسے اس قابل کون بنائے گا مہاراج کہ وہ۔ امان بن سکے یہاں کون اس کی تربیت کرے گا کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟"

"کیا چاہتی ہو روپ کلی؟" میں نے پوچھا۔

"جیون بھر۔ اس سمے سے جب سے آپ ملے پورن جی۔ میں نے آپ سے کچھ نہ کچھ مانگا ہی ہے کچھ بھی نہیں دیا آپ کو۔ اور اب تو جیون میں دینے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ اور مانگنے کو بہت کچھ ہے سوماتگوں گی تو سہی منع کر دیں گے تو برا نہیں مانو گی۔ کیا آپ میری یہ سہایتا بھی کریں گے؟ کیا آپ میرے بیٹے کو بلوان بنانے میں میری مدد نہیں کریں گے؟"

"میں نے پہلے تمہیں کس بات کو منع کیا ہے روپ کلی۔ ٹھیک ہے یہ فرض بھی میں انجام دوں گا لیکن اس سمے میرا تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہو گا۔ تمہارا بیٹا جب چار سال کا ہو جائے گا تب میں تمہارے پاس آؤں گا۔"

"وچن دیں مہاراج سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے۔ بھگوان آکاش پر ہے اور دھرتی پر آپ ہیں۔ مجھے وچن دیں کہ آپ ضرور آئیں گے۔" روپ کلی نے درد بھری آواز میں کہا اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔ کچھ وقت اس کے ساتھ گزار کر پرفیصر میں وہاں سے چل پڑا۔ زمین بے حد وسیع ہے اور اس پر لاتعداد واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر ذرے کی اپنی ایک کہانی ہے اور سلسلۂ روز و شب یونہی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ میں ترکھانوں کے علاقے میں گیا اور پھر وہاں سے میں نے پرتر بھوگ کی سرحد پار کی اور پیتو سنگھ کی حدود سے نکل گیا۔ وہاں والوں نے مجھے لوکھ کے نام دیے اور میں نے طویل وقت اُن کے ساتھ گزارا۔ وہ کہانیاں اپنا الگ رنگ رکھتی ہیں اور اگر میں انہیں اس داستان میں شامل کروں تو یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہو جائے گا۔ اس طرح انسانوں کے حساب سے چار یا ساڑھے چار سال میں نے دوسری جگہوں پر گزارے۔ روپ کلی سے کیا ہوا وعدہ مجھے یاد تھا چنانچہ میں نے جب حساب لگایا اور ستاروں نے مجھے میرا قول یاد دلایا تو میں واپس پیتو سنگھ کی زمین پر پہنچ گیا۔ ترکھانوں کے علاقے میں پیتو سنگھ کے خلاف بغاوت سر ابھار رہی تھی۔ لیکن نہ مجھے پیتو سنگھ سے ہمدردی تھی اور نہ ترکھانوں سے۔ جب میں نے اپنے لیے دوسرے مشن کا انتخاب کر لیا تھا تو پھر میں کسی نئے کام میں نہیں الجھنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے دوسری سمتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور آگھوڑا برقی رفتاری سے اس محل کی طرف دوڑنے لگا جہاں روپ کلی موجود تھی۔

محل کے قرب و جوار میں تبدیلیاں ہو گئیں تھیں۔ اب اس کے اطراف ایک خوبصورت باغ بکھرا ہوا تھا اس باغ میں ایک حوض کے قریب مجھے روپ کلی اپنے بیٹے کے ساتھ مل گئی۔ شکل و صورت سے بھی اب وہ ماں نظر آنے لگی تھی۔

میرے گھوڑے کی چاپ سن کر اس نے گردن اٹھائی اور پھر اس

کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ وہ دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی اور آنسو بہانے لگی۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے سہارا دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے بہت ہمدردی تھی۔ پھر میں نے اس کے بیٹے کو دیکھا۔ انتہائی خوبصورت اور چست و چالاک بچہ تھا۔

میں نے اسے اشارے سے بلایا تو وہ میرے پاس آگیا۔

"کشکا۔ انہیں پہچانتے ہو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"پہچانتا ہوں ماتا جی۔" بچے نے جواب دیا۔

"کون ہیں یہ؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"جنگل میں آدھی رات کو بھرا کاشیر چیختا چنگھاڑتا ہے لیکن خاموش ہو جاتا ہے، جنوں کے پیاسے شکاری بھیڑیوں کا غول جب گیدڑوں میں جا چھپتا ہے تو پرندے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں تب وہ ایک ایسے منش کو دیکھتے ہیں جس کا بدن سونے کا ہے۔ اور جس کا یہ سونا ماتا جی لیسنر ہے۔ تب وہ مسکراتا ہے اور معصوم پرندوں کو یوں لگتا ہے جیسے رندوں کا راج ختم ہو گیا ہو۔ اور یہ مسکراہٹ ہے۔ میرے ماتا جی مہاراج کی۔ یہ میرے ماتا جی مہاراج ہیں۔" بچہ اچھل کر میری گردن میں لٹک گیا۔ میں اس کی زبان سے یہ سب کچھ سُن کر حیران رہ گیا تھا۔

"میں کون ہوں تمہارا؟"

"ماتا جی مہاراج۔"

"اور یہ جوتم نے کہا۔ وہ تمہیں کس نے سکھایا؟"

"ماتا جی نے۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر تم مجھے پہچان کیسے گئے؟"

"اس لیے کہ جنگل کے بھیڑیے خاصی سے گیدڑوں میں جا چھپے ہیں اور تمہارا بدن سونے کا ہے۔" بچے نے جواب دیا۔

"اوہ۔" روپ کلی۔ بہت ہوشیار بچہ ہے تمہارا کیا نام ہے اس کا؟"

"کشکا۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

"نام پسند آیا آپ کو ماتا جی مہاراج۔" بچے نے پوچھا۔

"بہت۔" میں نے اسے چوم کر کہا۔

"ماتا جی۔ دیکھو ماتا جی نے مجھے پیار کیا۔" بچہ خوشی سے بولا۔

"میں نے کہا تھا نا کشکا۔"

"میں نے ماتا بھی تو تمہارا ماں جی۔" بچہ شرارت سے بولا ۔ اور روپ کلی ہنسنے لگی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"اب تو نہیں جائیں گے کہیں پورن مہاراج۔ اب تو سمے آگیا ہے کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔"

"ہاں روپ کلی ۔ اور یقین کرو میں اسی وعدے کو پورا کرنے کے لیے بہت دور سے آیا ہوں۔"

"میں جانتی تھی مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں جانتی تھی کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اُسے ضرور پورا کرو گے، اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ میرے بھاگ ضرور کھلیں گے ایک نہ ایک دن۔ اور شاید وہ دن قریب آگیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بچے کو گود میں لیے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور سنائو پتو سنگھ کے کیا حال ہیں؟"

"کچھ نہیں معلوم۔ تب ہی سے کچھ پتہ نہیں بس یہاں کے ان رات جوں کے توں چل رہے ہیں۔"

"ہوں سکھ راج مہاراج کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟" میں نے سوال کیا اور روپ کلی کے چہرے پر اداسی تیر گئی۔

"نہیں بالکل نہیں، بس بھگوان سے ان کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں، اور پھر ان سے تو ہمارا ناطہ اسی دن ٹوٹ گیا تھا جب وہ محل میں پھوٹ کر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ پتو سنگھ بھلا کیا ہمیں ان کے درشن کرائے گا، بہر صورت بھگوان جب تک انہیں جیون دے سکھی رہیں۔" روپ کلی اداس لہجے میں بولی۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ مزید حالات پوچھنا ہی بیکار تھا۔ روپ کلی یہاں وہی خاموشی اور تنہائی کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں تھی سوائے کشکا کے۔ کشکا اس کی زندگی میں امیدوں کے سہارے لے کر آگیا تھا۔ اور اب وہ اسی کی ذات میں خوش تھی، میں نے محسوس کیا تھا کہ روپ کلی بہت خوش نظر آتی ہے، بچہ بھی اس کا بہت پیارا تھا۔

تب پردیسر میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں گئیں۔ میں اسے فنون حرب میں طاق کرنے لگا اور ذہین بچہ میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ زندگی کے ماہ و سال میرے لیے بے معنی اہمیت نہیں رکھتے تھے میں تو گزرنے والوں میں سے ہوں۔ ہاں اس دوران کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ کشکا جوان ہو گیا۔

اب وہ پورے بیس سال کا شیر تھا۔ اسے شیر کہنا ہی مناسب ہو گا۔ میں نے اسے نشانے کی تختیاں، پھینکنے میں طاق کر دیا تھا اور وہ میرے معیار پر پورا اترتا تھا۔ بنے پناہ طاقتور اور حسین نوجوان تھا جس روز اس کی زندگی کا بیسواں سال پورا ہوا اور روپ کلی نے جس کے بال اب سفید ہو گئے تھے۔ دیوالی کی رات بیس چراغ روشن کیے میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میرا کام پورا ہو گیا روپ کلی۔"

"میں نہیں سمجھی پورن مہاراج۔"

"کشکا جیسا شیر تمہارے سامنے ہے؟"

"بھگوان اسے جیتا رکھے۔"

"کیا اب مجھے اجازت نہ دو گی؟"

"کہاں جائیں گے مہاراج؟"

"کلونجری۔"

"مگر اب میں کیا کروں مہاراج؟" وہ بولی۔

"باقی کام تمہارا ہے۔ روپ کلی۔" میں نے جواب دیا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے ایک عزم سے گردن ہلا دی۔

"ہاں پورن مہاراج۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب باقی کام میرا ہے۔" اس نے کہا اور مجھے اجازت دے دی۔

طویل عرصہ کے بعد میں نے کلونجری کا رُخ کیا تھا۔ لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی میں نے علاقے میں بہت سی تبدیلیاں دیکھیں۔ نئی نئی بستیاں آباد ہو گئی تھیں، آبادی کافی بڑھ گئی تھی، طرز تعمیر میں بھی خاصی جدت پیدا ہو گئی تھی، گویا پتو سنگھ ترقی کے راستے پر تھا، لیکن میں براہ راست اس کے محل کی طرف نہیں گیا بلکہ کہیں اور رک کر میں نے پتو سنگھ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ بڑے دلچسپ "اَت" معلوم ہوئے تھے، ترکھانوں نے تین دفعہ بغاوت کی تھی، اور اب وہ آزاد تھے، وہ لوگ پتو سنگھ کے زیر نگین نہیں رہے تھے بلکہ انہوں نے باقاعدہ اپنی ریاست قائم کر کے سرحدیں بنا لی تھیں۔

لیکن پتو سنگھ اپنی سرحد کے بائیں سمت پہاڑی راستے عبور کر کے ادھر ملک پر قابو پا چکا تھا اور اب ملک کی سلطنت اس کے زیر نگین تھی۔ گویا ترکھانوں کی قسمت پتو سنگھ نے ادھر لوہری کر لی تھی، سُنا تھا کہ پتو سنگھ کی جنگوں میں شدید زخمی بھی ہو گیا تھا، لیکن اب وہ ایک ناقابل تسخیر شخصیت بن چکا تھا۔

پتو سنگھ کے بارے میں بے شمار معلومات مجھے حاصل ہوئیں، مجھے پتہ چلا کہ اس نے آج تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی خادمائیں اس کے محل میں اس کی داشتاؤں کی حیثیت سے زندگی گذار رہی ہیں۔ ان میں سے ہر اس خادمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے جو حاملہ ہو جاتی ہے، پتو سنگھ ایڈز شدید ذہنی مرض کا شکار ہو چکا تھا، اور اس مرض نے اسے انسانیت سے دور کر دیا تھا۔

ان ساری معلومات کے بعد میں پتو سنگھ سے ملا۔ میں نے اس ملاقات میں اس سے ملاقات کی۔ اس وقت پتو سنگھ اپنے دربار میں فریادیوں کے فیصلے کر رہا تھا جب میں وہاں داخل ہوا۔ میں نے پورن فقیر بن کر اسے سلام کیا تھا ویسا ہی اس کے پاس پہنچا لیکن پتو سنگھ میں سفید بال اور سفید مونچھوں کی وجہ سے کافی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں، تاہم اس نے مجھے پہچان لیا اور دربار کھڑا ہو گیا، تخت سے کھڑا ہوتے ہی دربار میں موجود تمام لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور پتو سنگھ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ "پورن مہاراج۔" اس کی آواز میں محبت کی لرزش تھی۔ میں بھی اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ "ساتھو۔ برادر۔ میرا دوست۔ طویل عرصے کے بعد میرے پاس آیا ہے۔ اب میں کوئی دربار کا کام نہیں کر سکتا اس لیے دربار خاصت کیا جاتا ہے۔"

لوٹ سنگھ پتو سنگھ کی کو [illegible] جو بس ان تھی، وہ خوش خوش مجھے اندر لایا اور اپنے کوٹھ خاص میں پہنچ گیا۔

کوٹھ خاص کے بیچوں بیچ ایک خوبصورت حوض بنا ہوا تھا جس میں بھرا ہوا خوش رنگ پانی دراصل شراب تھا۔ پتو سنگھ پہلے کی بہ نسبت اب بہت بدل گیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے عمر کے بیس سال واپس لوٹ آئے ہیں۔ کاش میں بھی تمہاری طرح جادوگر ہوتا۔"

"جادوگر؟"

"بھگوان کی سوگند۔ پہلے جیسے سندر رہو۔ وقت کی ایک شکن بھی تو نہیں پڑی تمہارے چہرے پر۔ یہ جادو مجھے بھی تو سکھا دو۔"

"تمہارے چہرے پر تو بہت سے زخم ہیں پتو سنگھ۔"

"ایک جنگجو اور دلیر راجہ کی شان انہیں زخموں میں جھلکتی ہے پورن مہاراج۔"

"بہت سے معرکے سر کر لیے؟"

"ہاں۔ لیکن تمہارے سامنے وہی مسئلہ پھر موجود ہے۔"

"کون سا مسئلہ؟"

"ترکھانوں کا۔ وہاں گوکل سنگھ حکمران ہے۔ اور ترکھانوں نے الگ حکومت بنا لی ہے۔"

"اوہ تم سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تیاریاں کر رہا ہوں۔ پتو سنگھ کے جیون میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ترکھان حکومت کریں۔"

"کب حملہ کر رہے ہو؟"

"بہت جلد۔ گوکل سنگھ کا ہر سانس مجھ پر بھاری ہے۔"

"خوب۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو رہا ہے؟"

"بس چاروں طرف پتو سنگھ کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ میں نے دُور دُور تک کا علاقہ فتح کر لیا ہے اور اب پتو سنگھ کی حکومت سب سے بڑی ہے۔ اس حکومت کی سرحدوں میں ہیضوں گھوڑے دوڑائے جا سکتے ہیں۔ پنجاتی نے اس حکومت کو محدود رکھا تھا میں نے اُسے لامحدود کر دیا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ پتو سنگھ پہلے سے کہیں زیادہ مغرور ہو گیا ہے۔ اس کی ہر بات میں خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے کا احساس ہے۔ بہر حال میں نے اس معزور راجہ سے کچھ نہ کہا۔ البتہ پتو سنگھ آج بھی میرا معترف تھا اور مجھ پر رشک ہی کرتا تھا۔ پھر اس نے میرے لیے قیام کا بندوبست کرایا اور

میری تفریحات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اسے یہی جواب دیا کہ میں تو دنیا گھومتا ہوں۔ نہ جانے اس دوران کہاں کہاں مارا پھرا ہوں۔ اور پھر جب پتو سنگھ کی یاد آئی تو پھر یہاں چلا آیا۔

بہر حال پتو سنگھ نے میرے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا اس نے مجھے دنیا کی ہر آسائش مہیا کر دی تھی لیکن اب میں روپ کلی کے کسی قدم کا انتظار کر رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کشکا روپ کلی کے مان کو کس طرح پورا کرتا ہے۔ اور اس کے لیے مجھے طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔

بھرا دربار تھا، پتو سنگھ لوگوں کے مقدمات سن رہا تھا۔ اس کے نزدیک ہی مہا منتری بیٹھے ہوئے ان مقدمات پر رشوانی مہر لگا رہے تھے جن کا فیصلہ پتو سنگھ کر رہا تھا کہ دربار میں ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بدن پر چست لباس تھا اس کا چہرہ ایک کپڑے میں ڈھکا ہوا تھا۔ کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ وہ بیباکی سے چلتا ہوا پتو سنگھ کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں راجہ پتو سنگھ کے پاس ایک سوال کرنے آیا ہوں۔" اس کی



بیباک آواز ابھری اور اہلِ دربار چونک کر سر
آواز کہاں سے اچھلی ہے اور پھر میں دلچسپی لندن میں اسے دیکھنے لگا۔

"کون ہو تم۔ اور کیا راجہ کے محل میں آنے کے آداب نہیں جانتے؟" سیناپتی نے کرخت لہجہ میں کہا۔

"نہیں میں آداب کی پرواہ نہیں کرتا کیوں کہ میں بھی اپنے من کا راجہ ہوں۔ اور میری ماں مجھے پیدا سے راجہ کہہ کر پکارتی ہے۔"

"تمہیں اس گستاخی کی سزا دی جاسکتی ہے۔ کیا اسے گرفتار کیا جائے مہاراج؟" سیناپتی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ لیکن پیتو سنگھ نے ہاتھ اٹھالیا۔ وہ اس شخص میں دلچسپی لے رہا تھا۔ سیناپتی نے خاموش ہو کر دوبارہ نیام میں کرلی تھی۔

"اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔" پیتو سنگھ بولا۔

"اس کے لیے ماں نے منع کیا ہے۔ اور جس بات کا حکم ماں دے وہ ہر طرح افضل ہے۔ میری نگاہوں میں ماں کا حکم راجہ کے حکم سے بڑا ہے۔" اسے والے نے جواب دیا اور میں مسکرا اٹھا۔ کشکا کی یہ بیباکی مجھے بہت بھائی تھی اور شاید پیتو سنگھ بھی اس بیباکی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ دربار میں بہت سے لوگوں نے دوبارہ تلواریں نکال لی تھیں۔ لیکن راجہ نے اشارہ نہ کیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"کیں سوال کرنا چاہتے ہو تم؟"

"میرا یہ سوال راجہ پیتو سنگھ سے ہے۔ سنسار میں سب سے بڑا مان کس کا ہوتا ہے؟"

"ماں کا۔" پیتو سنگھ مسکرا کر بولا۔

"سارے سنسار میں سب سے بڑا احسان کس کا ہوتا ہے؟"

"صرف ماں کا۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"ایک حکومت کے کتنے راجہ ہوتے ہیں؟"

"ایک۔"

"تمہاری حکومت میں دو راجہ کیوں ہیں؟"

"دو راجہ؟"

"ہاں۔ ایک پیتو سنگھ۔ اور ایک کشکا۔"

"پیتو سنگھ تو میں ہوں۔ پر یہ کشکا کون ہے؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا۔

"میں۔" اس نے جواب دیا۔

"خوب۔ یہ تو واقعی بڑی مشکل بات ہے۔ اب کیا ہو؟"

"تم کتنے رن حکومت کر چکے ہو؟"

"میں۔ تقریباً بائیس سال۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"بس تو اب میری باری ہے۔ شاہی مہر ایک ہوتی ہے نا؟"

"شاہی مہر؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا پھر بولا۔ "ہاں ایک ہی ہوتی ہے۔"

"کسی راج میں دوسری مہر نہیں بنوائی جاتی اور اگر دوسری مہر بنوائی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ راجہ اپنے پرکھوں سے انحراف کر رہا ہے اور انہیں تسلیم نہیں کرتا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ آگے بڑھ آیا پھر اس نے جھٹا مار کر شاہی مہر اٹھالی اور بولا۔

"تو آج سے یہ مہر میرے قبضے میں ہے۔ اب پیتو سنگھ کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کریں گے اور آج سے راج دربار کی ساری کارروائی معلق ہو جائے گی کیونکہ یہاں مہر ہی نہیں ہوگی۔"

"کیا صرف مہر قبضے میں کرنے سے راج بدل جاتا ہے؟" پیتو سنگھ نے کہا۔

"یہ ابتدا ہے۔"

"لیکن یہ گستاخی ہے نوجوان۔ تم راج مہر لے کر یہاں سے کس طرح جاسکتے ہو؟"

"اگر میں راج مہر لے کر یہاں سے نکل جاؤں تو تم سوچ لینا کہ تمہارا

زوال شروع ہو گیا ہے۔" سیاہ پوش نے کہا۔ اور اب پیتو سنگھ کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔

"مہر واپس کر دو۔ مجھے تمہاری یہ بیباکی پسند آئی ہے۔ لیکن کہیں میری یہ پسند غصے میں نہ بدل جائے۔"

"تم تلاش کر بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے سمجھ لینا راجہ پیتو سنگھ کا زوال آگیا۔" نوجوان نے کہا اور نیام سے تلوار نکال لی۔ جو لوگ میرے ہاتھوں سے قتل ہونے کی خواہش رکھتے ہوں وہ مجھے روکیں میں جا رہا ہوں۔" نوجوان نے کہا اور الٹی قلابازی کھا کر نیچے اترا اور دوسری چھلانگ میں دروازے تک پہنچ گیا۔

دروازے کے بالکل نزدیک کھڑے ہوئے لوگوں نے تلواریں سونت کر اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن نوجوان نے صرف دو دو ہاتھوں میں انہیں زمین بنادی اور دوسرے لمحے وہ باہر تھا۔ پیتو سنگھ کھڑا ہو گیا۔

"اسے گرفتار کرو۔ نکل کر نہ جانے پائے۔" اس نے کہا اور دوسرے لمحے اندر موجود لوگ باہر نکلے۔ میں اپنی جگہ پر رہا تھا۔ پیتو سنگھ حیران کھڑا تھا۔ "یہ کون تھا؟" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ لیکن اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔

باہر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ نہ جانے اس کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔

بہرحال دربار برخاست ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نتیجہ بھی نکل آیا... نوجوان آٹھ افراد کو قتل کر کے صاف نکل گیا تھا۔ اور اب پیتو سنگھ کو احساس ہوا کہ یہ سب کچھ مذاق نہیں تھا۔ وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاص لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر واپس آجائی پڑے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور جو کچھ میں جانتا تھا وہی درست نکلا۔ سب کچھ ہوا لیکن مہر لے جانے والے کا کوئی نشان نہیں ملا۔ فوری طور پر راجدھانی میں کچھ ہدایات جاری کی گئیں جن کے تحت ان ساری کارروائیوں کو روک دیا گیا جو راجہ کے حکم سے عمل میں آئی تھیں۔ تاوقتیکہ مہر نہ مل جائے کوئی خاص فائدہ اٹھایا جاسکے۔

راجہ پیتو سنگھ اور اس کے مشیر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس شخص کے بارے میں غور کیا جا رہا تھا جس نے یہ دیدہ دلیری کی تھی۔ لیکن کوئی یقینی رائے دینے سے قاصر تھا۔ پھر ایک رات کی صبح راجہ جاگا تو اس کا تاج شاہی غائب تھا اور اس کی جگہ ایک پرچہ رکھا ہوا تھا۔

"ایک راجہ کے لیے اس سے بڑی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ بے تاج ہو جائے۔ یہ تاج اب میرے سر پر ہے اور بہت جلد میں اس کو تسخیر کر چکا ہوں گا۔ درباریوں آؤں گا بیلے پیتو سنگھ بہادر! تاج مجھے تلاش کرنے کی کوشش کریں۔"

اب تو پیتو سنگھ کے تن بدن غضب کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ جن لوگوں پر بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بہت سے بے گناہوں کی شامت آگئی لیکن اصلی آدمی نہیں پکڑا جاسکا۔

میں مطمئن تھا۔ کشکا نے ایک راستے کا انتخاب کر کے کام شروع کر دیا تھا۔ نہ ہی تاج شاہی ملا اور نہ ہی شاہی مہر۔ حالانکہ راجہ کے ہزاروں آدمی اس کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ لیکن کشکا بلا کا ذہین تھا۔ ایک صبح وہ اس وقت راج دربار میں داخل ہوا جب پیتو سنگھ وہاں نہیں پہنچا تھا۔ اس کا چہرہ بدستور کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ لوگ سمجھ نہ سکے اور کشکا تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لباس سے گمشدہ تاج نکال کر سر پر رکھ لیا تھا۔ اسی وقت میں اور پیتو سنگھ دوسرے لوگوں کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے تھے لیکن اندر کا منظر دیکھ کر پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔

"یہ کون ہے؟" وہ غصہ آیا

"میں راجہ ہوں۔ اور یہ تاج۔ اس تخت کا ہے۔ راجہ پیتو سنگھ میری برتری تسلیم کر لو اور تاج چھوڑ دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" کشکا نے کہا۔ پیتو سنگھ کے جانثار تلواریں سونت کر تیار ہو گئے لیکن پیتو سنگھ نے انہیں روک دیا۔

"بیباک انسان! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ اگر تم کوئی شاطر چور ہو تو مجھے بتاؤ میں تمہیں معاف کر کے انعام دوں گا۔ اگر تم حکومت کے باغی ہو تو بھی بتاؤ تاکہ میں تم سے بغاوت کی وجہ معلوم کروں۔ دوسری صورت میں تم مارے جاؤ گے اور اتنے دلیر انسان کو قتل کر کے مجھے افسوس ہوگا۔"

"میرا نام کشکا ہے۔ اور میں اس تخت کا مالک ہوں۔"

"کیا تم باغی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ اپنے وطن سے کون باغی ہوتا ہے۔ مگر مجھے اب تمہاری حکومت پسند نہیں ہے۔ میں تم سے بہتر طور پر نظام حکومت چلا سکتا ہوں۔"

"مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو۔ تاج اور مہر واپس کر دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"اپنی تلوار بھی کھول دو پیتو سنگھ۔ یہ میرے پاس ہونی چاہیے۔"

"گرفتار کر لو اسے۔ نکل کر نہ جانے پائے۔" پیتو سنگھ کو طیش آگیا اور نوجوان نے تاج آمادہ کر لیا تھا۔ اور آخر کشکا کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے اسے وقت کی بہترین صلاحیتیں بخشی تھیں۔ چاروں طرف سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے تھے لیکن اس نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا اور بے شمار لوگوں کو قتل کر کے وہ پیتو سنگھ پر جھپٹا پڑا۔ اس نے نہایت چابکدستی سے پیتو سنگھ کی تلوار نکال لی۔ اور اپنی تلوار پھینک کر فرار ہو گیا۔ محل کے مختلف حصوں میں اس نے چند لوگوں کو قتل کیا اور صاف نکل گیا۔ لیکن پیتو سنگھ راہِ فرار سمجھ گیا تھا۔ اس کی حکومت ہل کر رہ گئی تھی۔ بقیہ میں آنے والی بات ہی نہیں تھی۔ اس نے اعلیٰ پیمانے پر کشکا کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ لیکن دوسری طرف کشکا بھی خاموش نہیں

تھا اس نے محل میں کئی بار داخل ہو کر اسر سی پھیلائی اور پیتو سنگھ کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اب تو پیتو سنگھ کسی بہت بڑی سازش پر غور کرنے لگا تھا۔

میں اس دوران ایک خاموش تماشائی بنا رہا تھا پیتو سنگھ نے کئی بار مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ بس میں بھی حیرانی کا اظہار کرتا رہتا تھا پیتو سنگھ کو اس بات کی پریشانی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے "میدان جنگ میں ہرگھ پیتو سنگھ کا نام گونجتا تھا مہاراج" اس نے کہا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پولس مہاراج وہ جانتے ہیں کہ اب ان کے جیون کی آخری گھڑی آپہنچی ہے، اور میرے مقابلے پر آنے والے متقرعہ کانپنے لگتے ہیں میں نے اب تک بہت سی فتوحات حاصل کی ہیں مہاراج اگر ان کا حال آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو آپ کو یقیناً خوشی ہوتی مہاراج بس یہ تڑکھان رہ گئے ہیں لیکن اس بارے میں نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اس کے بعد تڑکھانوں میں اتنی جان ہی نہ رہے گی کہ وہ کبھی بغاوت کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔ میں ان لوگوں پر رحم نہیں کرتا تھا لیکن اب انہوں نے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ ان پر اعتبار کرنا بے وقوفی ہے۔ میں چاہتا ہوں مہاراج کہ میں تڑکھانوں کو سخت سزا دوں گا۔ میں نے جو کوششیں کی ہیں ان کا جائزہ آپ لے لیں۔ مگر یہ گھر بھیدی یہ آستین کا سانپ کون ہے مجھے تو سب سے بڑی حیرت اس بات پر ہے کہ وہ محل میں آتا اور محل سے چلا جاتا ہے۔ بستی میں اس کی تلوار ہر مقابلے پر آنے والے کو ختم کر دیتی ہے۔ آن کی آن راستے سے باہر ہو جانے کا۔ مگر کوئی اسے روک نہیں پاتا یہ کیسی انوکھی بات ہے؟"

"اس کی وجوہات تمہیں بھی معلوم ہیں پیتو سنگھ؟"

"کون سی وجوہات مہاراج؟"

"ظاہر ہے کہ وہ دن اور رات کا کوئی بھی حصہ ہو تو نہیں آتا، اس کا اچانک نمودار ہوتا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس پہلے سے تیاریاں نہیں ہوتیں۔"

"کوئی تیاریاں نہیں ہیں ہماری کلوندی میں جگہ جگہ فوجی پھیلے ہوئے ہیں اور اسے تلاش کر رہے ہیں مگر اب وہ اطمینان سے آتا ہے اور نکل جاتا ہے مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے پوری کلوندی اس کے ساتھ ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے پیتو سنگھ، میدان جنگ کا معاملہ دوسرا ہے، وہاں ایک جانا پہچانا دشمن نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے کہ وہ چھپ نہیں سکتا۔ لیکن یہ تنہا آدمی ظاہر ہے اسے کام کرنے کے بہتر مواقع فراہم ہیں، وہ انہیں سے فائدہ اٹھا کر نکل جاتا ہے۔"

"مگر اب میں کیا کروں؟"

"اسے گرفتار کرنے کی کوششیں جاری رکھو۔"

"بڑی انوکھی بات ہے مہاراج یہ بھی بات تو ہے کہ وہ مجھ پر قابو پا چکا ہے۔ جس ریاست کے راجہ کا تاج، شاہی مہر اور تلوار کسی دوسرے آدمی کے قبضے میں ہو وہ اپنے آپ کو صرف اسی بات پر راجہ کہلوا سکتا ہے کہ اس کی حکومت باقاعدہ ختم ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ورنہ اگر پرکھوں کی ریت مان لی جائے تو میری حکومت تو ختم ہو چکی ہے۔"

"اوہ نہیں پیتو سنگھ اس سلسلے میں تو ایسی باتیں سوچ رہے ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے، باغی تو آتے جاتے ہیں، ان کی سرکوبی بھی کی جاتی ہے چنانچہ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان نہیں ہوں مہاراج، مگر اس باغی کی حرکتیں مجھے ضرور حیران کیے ہوئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں آخر اس کے ساتھ کون سی قوت ہے جو وہ اتنے دلیر دست پیمانے پر کام کر رہا ہے۔"

"وہ چالاک ہے پیتو سنگھ، نڈر ہے دلیر ہے اور یہی سب باتیں اسے کامیابی دلا رہی ہیں لیکن وہ ہمیشہ تو ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا، ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جائے گا۔"

"مہاراج پورن سنگھ میں اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہوں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس نے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، میں کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں، اچ دریا کے سارے کاموں سے دور رہ کر صرف اس کے بارے میں سوچنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے مہاراج پورن" پیتو سنگھ نے کہا۔

"کہاں جاؤ گے پیتو سنگھ" میں نے سوال کیا۔

"میرا ایک اوطاق ہے بستی سے دور ہے مگر ایک دریا کے کنارے بڑی سندر جگہ ہے وہاں چاروں طرف سکون ہی سکون بکھرا ہوا ہے میں پرسکون ہو کر اس سلسلے میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں، جب بھی مجھ پر کوئی پریشانی طاری ہوتی ہے تو میں وہیں چلا جاتا ہوں اور واقعی اس جگہ سوچنے میں بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے پیتو سنگھ، اگر تم سمجھتے ہو کہ اس وقت تمہیں سکون کی ضرورت ہے تو چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ مہاراج۔ ابھی تیاریاں کیے لیتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

اور پروفیسر پریشان حال راجہ مہاراج دربار کے سارے کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر سکون کی تلاش میں چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا، جس محل کے بارے میں راجہ نے نشاندہی کی تھی وہ واقعی ایک حسین ترین علاقے میں تھا، تاحد نگاہ سرسبز چوٹیاں نظر آتی تھیں، ان کے دامن میں سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے اور سبزہ زاروں میں یہ حسین محل ایک کھلونے کی مانند نظر آتا تھا۔ بلندیوں سے دیکھنے پر تو نظارے مزید حسین معلوم ہوتا تھا۔

میں نے بھی اس جگہ کو پسند کیا۔ راجہ کی بے تحاشا دولت یہاں موجود تھیں۔ یک ایک حسین اور ایک سے ایک خوش کن سکون

کے لیے یہ بہترین جگہ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ راجہ پیتو سنگھ نے یہاں تفریح طبع کے لیے بے شمار سامان مہیا کر لیے ہیں، اس کی فطرت کی نمایاں تبدیلیاں میرے علم میں آچکی تھیں، وہ پہلے سے زیادہ عیش پسند ہو گیا تھا اور عورتوں کے معاملے میں تو اس کے دل میں رحم کی ذرہ برابر گنجائش نہیں تھی۔ جو جہاں جیسی ملتی اور پسند آجاتی تو پھر اس کا ٹھکانہ راج محل ہی ہوتا تھا۔ کنیزوں اور باندیوں کے جھرمٹ میں ہم نے تین دن گزارے۔ میرے ذہن میں کشکا کا خیال تھا، میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور اب اس سلسلے میں وہ کیا کرتا ہے۔ ویسے احتیاطاً راجہ نے اپنے ساتھ چند خاص سپاہی بھی لے لیے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کشکا سے خوفزدہ ہے۔

بہرصورت تفریحات کا سلسلہ جاری تھا۔ راجہ پیتو سنگھ کی ذہنی واردات کا پتہ ہی نہ چلتا تھا، اب وہ گہرائی میں سوچنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پھر ایک شام جب کہ سورج اپنے سفر کا آخری مرحلہ طے کر رہا تھا۔ پیتو سنگھ میرے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے کنارے چل پڑا۔

سبزہ زاروں میں خوبصورت جانور دوڑتے پھر رہے تھے۔ پرندوں کی ٹولیاں دریا کے پانی پر سے خوبصورت آوازیں نکالتی ہوئی سفر کر رہی تھیں، موسم بے حد خوشگوار تھا، راجہ پیتو سنگھ کی ذہنی کیفیت بھی اس وقت خاصی بہتر معلوم ہوتی تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"پورن مہاراج آپ نے تو امرت جل پی رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ تو کبھی بوڑھے ہی نہ ہوں گے آپ کا حسن اور جوانی دیکھ کر مجھے بڑا رشک آتا ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا پورن مہاراج کہ آپ مجھے بھی کوئی ایسی ہی چیز مہیا کر دیں۔"

"نہیں پیتو سنگھ تم زندگی کے ان جنگلوں سے اکتا جاؤ گے۔"

"کیا مطلب مہاراج؟"

"زندگی اور موت ایک ایسا فلسفہ ہے کہ انسان اس کے ہر نقطے کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ خوشیوں اور سکون کی انتہا بیزاری کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر میں یہ علم ہو جائے کہ میں ملی ہوئی خوشیاں دائمی ہیں تو یقین کرو میں خوشیوں کا لذت کھو بیٹھوں ان کی لذت ختم ہو جائے۔ ہر تکلیف کے بعد راحت کا تصور خوشگوار ہوتا ہے اور راحتوں کے درمیان تکلیفوں کا احساس ان راحتوں کی لذت کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ زندگی کے لیے احساسات بے حد ضروری ہیں۔ اگر کشکا تمہاری زندگی میں مناسب وقوع خود کو ایک فاتح تصور کرتے اور ایک وقت ایسا بھی آجاتا جب تمہیں ان فتوحات سے کوئی دلچسپی نہ رہ جاتی۔"

ممکن ہے آپ کا کہنا درست ہو مہاراج مگر کشکا کو جیون نہیں دیا جا سکتا۔ اس نے جو میری بے عزتی ہے اس کی سزا "یا تو میں ہوں گا" ہے یا وہ ہوگا۔"

"ضرور۔ ضرور۔ لیکن تم دیکھو نا کہ تم اس کے بارے میں سوچنے کے لیے یہاں آگئے ہو، گویا تمہیں اس کی اہمیت کا احساس ہے۔ اگر اس کی اہمیت کا بھی کوئی احساس نہ ہوتا تو تمہارے دل میں اس کے خلاف یہ نفرت نہ ہوتی۔"

"ہاں میں یہ اعتراف کرتا ہوں، ایک انسان نے مجھ سے میرا وقار چھین لیا ہے۔ میں اس کا خون پینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔ ہر شخص کو اپنا وقار بحال کرنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا اور پیتو سنگھ خاموش ہو گیا۔

سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ رہا تھا، موسم کچھ اور مست ہو گیا تھا۔ اسی وقت ہماری نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ گھنے درختوں کے جھنڈ میں آڑے کر کوئی باہر نکل رہا تھا۔ میں اور پیتو سنگھ رک گئے۔ یہ لباس اور یہ انداز اب ہمارے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ ہم کشکا کو صاف پہچان گئے۔

"بھگوان کی سوگند۔ آج فیصلہ ہو جائے گا" پیتو سنگھ نے اپنی تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

کشکا پُراطمینان انداز میں چلتا ہوا ہمارے سامنے پہنچ گیا۔ پیتو سنگھ کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جے رام جی کی پیتو سنگھ۔"

"مجھے مہاراج کہو میں راجہ ہوں۔"

"راجہ تو اب میں ہوں پیتو سنگھ جی۔ تاج و تلوار اور شاہی مہر کا مالک اس کے سوا راجہ کے پاس کیا ہوتا ہے؟"

"تمہاری گرفتاری اب ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔"

"پہلے ہی آپ نے کون سا برداشت کیا تھا مہاراج۔ مجبوریوں کو دوسرا روپ دینا چاہتا ہو تو دوسری بات ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ میں نے یہ سلطنت اتنی پھیلائی ہے۔ بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ مجھ سے پانی مانگتا ہے اور تم۔ جو ہر کے میدان کے میرے سامنے بولنے کی جسارت کر رہے ہو۔"

"لوہے کو لوہا کاٹتا ہے مہاراج۔ میری کاٹ تم سے زیادہ بہتر ہے۔ دیکھو لوہیں نے مجھے دربار میں تم سے سب کچھ چھینا ہے۔ اگر تم اعتراف شکست تو دیہ ایک راجہ کی بددیانتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پورن بھی تم بھی گواہ ہو۔"

"چھینے اور چوری کرنے میں بڑا فرق ہے۔"

"میں سر فرق کو مٹانے کے لیے تیار ہوں۔" کشکا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ میں بتاتا ہوں۔" کشکا نے کہا اور پھر اس نے اپنے لباس میں سے تاج نکالا، اور ایک جگہ رکھ دیا۔ پھر اس نے مہر اور تلوار بھی اسی جگہ رکھ دی اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اگر میں ایک راجہ کی حیثیت سے تو آؤ فیصلہ کر لیں۔ ہار جاؤ تو یہ چیزیں تمہاری ہیں جو تمہارے سر پر رکھی ہے، اتار کر ان چیزوں کے ساتھ رکھ دینا جیت جاؤ تو یہ سب واپس لے جانا اور

اس کے بعد میں بھی خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا اس ماں کا بیٹا ہوں اس کے نزدیک وجے بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"باپ کون ہے تمہارا؟"

"تمہاری ہی طرح کوئی خود پرست جس کا مان شاید ٹوٹ گیا ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ کیا تم اپنے آپ کو اس کے لیے تیار نہیں پاتے؟" کشکا نے کہا اور پیتو سنگھ غضب کا شکار ہو گیا۔

"اس کی موت میرے ہی ہاتھوں آئی ہے تو سہی ہوگی۔" اس نے کہا اور تلوار کھینچ لی۔ اور پھر تجھ سے بولا "تم کسی طور نہیں بولو سنگھ پورن مہاراج۔ میں راجہ ہوں اور اپنا مان تجھے ہی رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے پیتو سنگھ۔ اب تو ایک طویل تجربہ ہے تمہارے پاس۔" میں نے جواب دیا اور پیتو سنگھ تلوار کھینچ کر اس کے مقابل آ گیا۔ سیماب صفت کشکا نے بھی تلوار کھینچ لی اور مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

دونوں ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے لیکن کشکا کے وار محتاط تھے۔ وہ درمیان میں ہنس ہنس کر پیتو سنگھ کو غصہ دلاتا جا رہا تھا۔ یہ۔

یہ پورن مہاراج۔ گردن گئی۔ یہ ہاتھ گیا۔ گیا نا!" پیتو سنگھ دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے تجربے کا سہارا آزمایا تھا۔ لیکن اس کے مقابل ایک بھلاوا تھا۔ پیتو سنگھ اس سے ایک طویل وقت تک لڑتا رہا یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گیا۔ اب اس سے تلوار بھی نہیں ہلائی جا رہی تھی۔ کشکا چاہتا تو اسے آسانی سے قتل کر دیتا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ کے چہرے پر اب شکستگی پھیل رہی تھی۔ وہ مسکرانے لگا تھا۔ اور پھر وہ ہلتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ اور بالآخر اس نے تلوار دریا میں اچھال دی۔ اب وہ مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "اب کیا خیال ہے۔ پورن مہاراج۔ جیون کے اس حسین روپ کو کونسی نگاہ سے دیکھا جائے؟"

"ایک راجہ کی نگاہ سے۔" میں نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"تو پھر پورن سنگھ۔ میں نے کشکا سے ہار مان لی ہے۔ یہ ایک راجہ کا اعلان ہے۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی پگڑی اتار لی۔ کشکا تلوار سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ پیتو سنگھ آگے بڑھا۔ لیکن درختوں کے عقب سے کوئی اور نکلا۔ اور اس طرف بڑھ آیا۔ پیتو سنگھ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی عورت تھی لیکن اس کا چہرہ بھی اسی طرح ڈھکا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ماں ہوں اس کی۔" عورت نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ چونک پڑا۔

"شیرنی ہو۔ شیر کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔ بڑا بھاگ تمہارے دودھ کا۔ مگر تم دونوں نے چہرے کیوں ڈھکے ہوئے ہیں؟"

"پیتو سنگھ جی۔ بیٹے اپنا پرچن پورا کرو۔" کشکا بولا پڑا۔

"ہاں۔ یہ پگڑی اب تمہارا قرض ہے۔" پیتو سنگھ ہکا لیکن عورت تڑپ کر آگے بڑھ آئی۔

"کشکا۔ پگڑی نہیں۔ چھونے پائے۔ اسے۔ اسے اپنے پتاجی کے سر پر رکھو۔ جلو۔ تلوار پھینک دو۔ پگڑی زمین پر گری تو میں تمہارا دودھ نہیں معاف کروں گی۔" روپ کلی کی آواز میں بلا کی کھنک تھی۔ پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔

کشکا کے پگڑی سنبھال لی تھی۔ لیکن پیتو سنگھ کے حواس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ کشکا نے پگڑی دوبارہ پیتو سنگھ کے سر پر رکھ دی۔

"اب چرنوں میں جھک جاؤ ان کے۔" روپ کلی نے کہا۔

"تم... تم کون ہو دیوی۔ یہ تمہاری آواز۔ تمہاری آواز۔" پیتو سنگھ دیوانگی سے بولا۔ "تم۔ تم شکنتلا ہو۔ بھگوان کی سوگند تم شکنتلا ہو۔"

"ہاں مہاراج۔ میں شکنتلا ہوں۔ میں وہی ابھاگن ہوں۔" وہ غمزدہ آواز میں بولی۔

"شکنتلا۔ تم۔ تم زندہ ہو۔ مگر پورت مہاراج۔ یہ سب کیا ہے۔ تم نے تو کہا تھا۔ شکنتلا مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ اور۔ یہ۔ یہ کون ہے؟"

"آپ کا بیٹا کشکا۔"

"تم۔ میرا بیٹا۔ میرا بیٹا۔ کیا کہہ رہی ہو شکنتلا؟"

"جو کچھ کہہ رہی ہوں مہاراج۔ اس کا ثبوت آپ خود ہیں۔ آپ کی یہ مالا ہے جسے میں نے جان کے ساتھ لگا کر رکھا ہے۔" شکنتلا نے ایک مالا نکال کر سامنے کر دی۔

"چہرہ تو کھولو شکنتلا۔ آہ۔ میں۔ میں مر جاؤں گا۔ میں شکنتلا میں جیون کی کسی سانس تمہیں نہیں بھول سکا۔ تمہاری آواز ہی تو میرا جیون تھی۔ اس آواز کی بازگشت ہر لمحہ میرے کانوں میں رہی ہے۔ شکنتلا چہرے سے نقاب اٹھاؤ۔"

پیتو سنگھ نے آگے بڑھ کر خود شکنتلا کے چہرے سے کپڑا اٹھا دیا۔ اس نے چاہت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے ساری جان سے لرز گیا۔ "روپ۔ کلی۔!" وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں راجہ پیتو سنگھ۔ سکھ راج کی بیٹی روپ کلی۔"

"یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"اسی طرح پیتو سنگھ جس طرح تم نے ایک نار کے لیے اپنے ایمان کا بدلہ لینے کے لیے اس کے سارے جیون میں انگارے بھر دیے تھے۔"

"مگر تم روپ کلی ہو یا شکنتلا؟"

"اس کا جواب پورن مہاراج دیں گے۔" روپ کلی بولی۔

"ہاں پیتو سنگھ۔ یہ روپ کلی ہے اور یہ شکنتلا ہے۔"

"مگر کیسے مہاراج؟"

"تم وہی ہو کر روپ کلی کے محل ہی میں پہنچے تھے۔ وہاں اس نے شکنتلا کی حیثیت سے تمہاری خدمت کی اور تم اس کی کوکھ میں اپنا پھل چھوڑ آئے۔ یہ ایک کمسن لڑکی کی فتح کے اسباب تھے جس میں میں نے اس کی مدد کی۔ روپ کلی نے جو بیس سال کے بعد اپنا کہا پورا کر دکھایا ہے۔"

"پورن جی۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"ستاروں کا یہی کہنا تھا پیتو سنگھ۔ تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ اور پیتو سنگھ غصے سے کھولتا۔ ہانپتا لیکن پرلیس تجھے اس کے غصے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔

"میں نہیں۔ ستاروں کے اس کھیل کو۔ یہ سازش ہے۔ تم مجھے جان بوجھ کر اس محل میں لے گئے اور پھر اسے شکنتلا بنا کر۔ ہاں آپ ہی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے شکنتلا اور اس کی ماں کی لاش دیکھی ہے۔"

"ہاں پیتو سنگھ۔ تم راجہ تھے تم نے طاقت کے بل پر ایک کمزور لڑکی کو زندگی سے محروم کر دیا۔ میں اس کی اتنی مدد بھی نہ کرتا؟"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا پورن جی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"میں آپ سے کچھ نہیں چاہتے پیتو مہاراج۔ بھگوان نے میرا مان پورا کر دیا۔ تمہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اب ہم دونوں ماں بیٹے کو مار گیا دو۔ وہ پڑا ہے تمہارا تاج اور تلوار۔ آتے تھے اس کے بل پر۔ آؤ کشکا۔"

روپ کلی نفرت سے بولی۔ کشکا نے بھی اب چہرہ کھول دیا تھا۔ وہ ہو بہو پیتو سنگھ کی جوانی کی تصویر تھا۔ پیتو سنگھ نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کشکا ماں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں واپس پلٹ پڑے۔

"شکنتلا۔" پیتو سنگھ نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"میرا نام روپ کلی ہے مہاراج۔ سکھ راج کی بیٹی ہوں۔ آپ کو بھول ہو رہی ہے۔"

"روپ کلی۔ پیتو سنگھ آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ میں تیرا اپرادھی ہوں مگر مجھے معاف کر دو روپ کلی۔"

"اب کیا چاہتے ہیں مہاراج؟"

"میں نے تمہیں جیون بھر دکھ دیتے ہیں روپ کلی۔ مگر تم نے مجھے کشکا دیا ہے۔ سوتکے وہاں پھر سے ہرے ہو گئے ہیں روپ۔ جو کچھ دیا ہے اسے سمیٹو۔ میں تمہیں روک سکنے کا ادھیکار نہیں رکھتا۔ لیکن، لیکن روپ کلی ہو سکے تو مجھے تنہا مت چھوڑو۔"

پیتو سنگھ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ روپ کلی اسے دیکھتی رہی پھر وہ اس کے چرنوں میں جھک گئی۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ۔ ہٹتا اور پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں تو آزاد تھا پروفیسر لیکن انسان کی مہلت میرے پروں کی پڑی نہیں بن سکی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں بھی اپنا وجود کھو بیٹھتا لیکن میں نے وہ بستی نہیں چھوڑی۔ میں نے اس ڈرامے کے آخری مناظر بھی دیکھے۔

پیتو سنگھ، روپ کلی اور اپنے بیٹے کشکا کے محل میں آ گیا۔ اس نے چاروں طرف میری تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر مایوس ہو کر اپنی راجدھانی چلا پڑا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے دربار عام بلایا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"ستگرو باسیو۔ چوبیس سال پرانی بات ہے جب میں نوری بستی گیا تھا۔ وہاں میں نے روپ کلی رانی روپ کلی کو دیکھا اور میرا دل اس پر آ گیا۔ وہ ایک کھری ذات کی لڑکی تھی۔ میں اسے اٹھا لایا۔ پرانی نے مجھے زمانہ اور میرا مان توڑنے کی کوشش کی سو، نے اس سے داؤ کر لیا۔ اس نے کہا کہ میں نے راجہ ہونے کا فائدہ اٹھایا۔ مگر وہ میرا مان اس طرح توڑے گی کہ مجھے میری ہی اولاد کے ہاتھوں ر۔ ے گی۔ تو سنگیا سیو۔ میں نے اسے ایک ٹاگ محل میں قید کر دیا۔ اور کھری ، ماں والے کا خوار کھڑی ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کشکا نے مجھ سے تاج، ر ، نی اور پھر میری تلوار بھی چھین لی اور پھر اس نے مجھ سے جنگ کر کے مجھ کو شکست دی۔ اور خود کو راجہ ثابت کر دیا۔ اس طرح کلوندی کے باسیو پیتو سنگھ کو شکست ہوئی۔ میں شکست مانتا ہوں اور آج تمہارے سامنے یہ تاج روپ کلی کے لیے کشکا کے سر پر رکھتا ہوں۔ کل سے نئے راجہ کی خوشی میں جشن مناتے جائیں گے۔ پیتو سنگھ اب ہارا ہوا جواری ہے۔ پورن کشکا مہاراج کی جے۔"

اور چاروں طرف جے جے کار گونجنے لگی۔ اس کے بعد پروفیسر میرے یہاں رکنے کا کیا جواز تھا۔ میں نے عوام کے ہجوم میں شامل ہو کر یہ کارروائی دیکھی تھی اور پھر خاموشی سے وہیں وہاں پلٹ پڑا۔ اب اس سرزمین سے نکلنا ہی بہتر تھا تو میں پروفیسر کشکا کی کہانی۔

اور ایک چنتا کے ساتھ صدیوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ وہ سب کچھ لگا ہوں سے اوجھل ہو گیا۔ فرزانہ اور فرزانہ اجھتوں کی طرح ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔ تب پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بڑا لطف تمہاری داستانوں میں ہے۔ وہ کہیں اور کہاں۔ آہ دیکھنے والے کاش تیری آنکھیں ہیں مل جاتیں۔ زمین پر رہنے والے کیسی کیسی خوبصورت داستانیں سمیٹے ہوئے ہیں کاش۔ یہ داستانیں سہاری نگاہوں میں ہوتیں۔ تو نے کیا کیا دیکھا۔ ہمیں بھی سب کچھ معلوم ہوتا تو کیا خوش نصیبی تھی۔"

"وقت کائنات کا سب سے عظیم داستان گو ہے۔ لیکن سننے والے بھی تو لوگ ہو۔ جن کی پیاسی مجھے حیرت میں مبتلا کرتی ہے کہ کیا تمہارا ذہن کہانیوں کا شکار نہیں ہوا؟"

"ہرگز نہیں بلکہ جب کسی داستان کا طلسم ختم ہوتا ہے تو چاروں طرف ویرانی پھیل جاتی ہے اور ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہوں۔"

"کیا ہم ان دونوں لڑکیوں کو بوڑھا کر کے یہاں سے لے جاؤ گے پروفیسر؟"

"ہم سب ایک دوسرے کی وجہ سے آزاد ہیں کیونکہ اب انسان نہیں۔ ہم تو ماضی کے پرستار ہیں۔ ہمیں خود میں شامل رکھو اور ہمیں آزاد شاخوں میں قدم رہنے دو۔"

"تو اب بتاؤ کہاں جانے کے خواہشمند ہو؟"

"پھر کوئی طلسمی فضا رہے کوئی حسین ماحول۔ پھر کوئی روح پرور داستان جاگتا قیامت ہے۔ ہمارے ذہنوں کو ماضی کے دھارے بخش دے کہ یہ

کہانیاں جاں بخش ہیں اور تیری آواز روح کا سرور۔" پروفیسر خاور نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر اس کی جاں گداز آواز ابھری۔

صدیوں کے بیتے ہوئے ماہ و سال انسانی زندگی میں انوکھے تغیر اور تبدیلیاں لاتے رہے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہواؤں کی نمی، مٹی کی نمو بخشی اور موسم کے تغیرات سے نشوونما پانے والے اس وجود نے خود میں بے پناہ قوتیں سمیٹی ہیں اور قدرت کی کائنات میں لفظ "ناممکن" کا تجربہ دیکھ کے رکھو، وہ سوچ سکے۔ وہ چاہو اور عمل ہو تو پاؤ تو تمہیں یاد ہوگا پروفیسر کہ چند دانشوروں نے کہا بلاشبہ علم و دانش میں یہ کہتا تھے ایسی کوششیں کیں کہ اگر جاوی نہ ہوتی ایک قوت ان کی ذات پر اور اس کا منشور موت و زیست نہ ہوتا تو وہ کائنات کی کتب کھول چکے تھے کچھ نے میری حیات کا تجزیہ کرتے ہوئے خود بھی میرے سفر میں شریک ہونے کی کوشش کی تھی اگر وہ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو شاید یہ کوشش نہ کرتے کہ لمحے فنا نہیں ہوتے خواہ انہیں گہرے میں ڈھلو۔ مٹی میں دبا دو یا پانی کی گہرائی میں۔ لیکن لمحوں کی تشکیل فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ ثبوت موجود ہے تمہارے سامنے یعنی سلاطوس کا وہ دانشکدہ جس کے مکتوں ماضی حال اور مستقبل بندب کے ہوتے ہیں اور سلاطوس فانی تھا۔ اس کا دانشکدہ بھی فانی ہے اور ہر کوئی نہ زلزلہ بن کا تغیر نمودار ہو جائے تو سب کچھ بکھر جاتا ہے۔ ٹوٹنے والی چیز صرف خیال ہے اور خیال کی قوت لافانی ہے۔ لیکن انسان کو شاں ہے اور آخری دور پہنچ گئے۔ کہ گمان ہوتا تھا ابدیت پانے کا لیکن ان کی ذات کی ایک کمی ہمیشہ مانع رہی یعنی وہ سانسوں پر قادر نہ تھے اور جو قادر ہے وہ ترکیب جانتا ہے اور اس ترکیب سے اس نے ایک جنبش کی اور یہ جنبش اس طور لیاقت کی قائم ہو گئی جس کے تحت سوچ لیا گیا کہ لافانی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ سو میری بات چھوڑو۔ میری شکیل میں اس خیال کا نتیجہ جسے لیجئے نے غلط سمجھ لیا تھا۔ اور اس نے اپنا خیال مجھے بھی تصور کیا تھا یعنی یا رہا تمہارے ذہن میں یہ خیال گندلہ ہوگا کہ گیا انسان نے کوئی قوت بھی حاصل کی جو لافانی ہو گئی ہو۔ تو میں نے پہنچنے والوں کا ذکر کیا ہے جو ہمت دُور تک جا سکے لیکن کوئی جگہ انہیں ایسی نہ مل سکی جہاں وہ آخری لمحات توڑ سکت دے سکتے۔ لیجئے اتنی خیال کی حامل ہستی اور یوں کمبخت پروفیسر کہ عورتوں میں وہ عورت میرے ذہن کا وہ نقش ہے جو ماضی کے اوراق میں ہمیشہ جاوداں ہے نہ

"لیجئے کون تھی؟" فرزین نے پوچھا۔

"یونان کے ایک پسماندہ گھرانے میں پیدا ہونے والی ایک لڑکی جس نے تاریخ یونان میں تو شہرت حاصل نہیں کی لیکن دیکھنے والی آنکھ نے اُسے بہت دُور تک دیکھا۔ تیدیہ یونان کی تاریخ میں ایک کی تہذیب کا ذکر بطور خاص آتا ہے اس کا مرکز جزیرہ کریٹ تھا۔ کریٹ کے باشندے تند خو اور جاں فروش تھے۔ خطے کی آب و ہوا نے انہیں جسمانی توانائی بخشی تھی۔ اس کے علاوہ کریٹ کو سمندر نے ایک طرف سے بیرونی حملوں سے محفوظ کر دیا تھا صحت مندی، فارغ البالی اور پُرسکون آب و ہوا نے کریٹ کے باشندوں کو فنِ تعمیر اور جرأت مندوں کا ذوق و شوق بخش دیا تھا۔ یہ جزیرہ مشرقِ بحیرہ روم کو قطع کرنے والے عام راستوں پر واقع تھا ساتھ ہی ایشیا، افریقہ اور یورپ سے اتنا قریب تھا کہ پہنچے مواقع ابتدائی دور کی کشتیوں پر سوار ہو کر مصر، فینیقیہ اور یونان پہنچ سکتے تھے۔

جزیرے کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی جس کے باعث جزیرے کے باشندوں نے طبعاً تجارت اور بحری قذاقی اختیار کر لی تھی۔ اب تانبے اور برنج کی ساخت کا فن فینیقیہ یا ایشیائے کوچک کے دوسرے حصے سے کریٹ پہنچا تو وہاں تہذیب کا آغاز ہو گیا۔ مصر کی طرح کریٹ میں بھی مطلق العنان بادشاہی کا دور شروع ہو گیا۔ ان بادشاہوں کو ندہبی پیشوا کی بھی حاصل تھی اور وہ ایک مرکزی نظام کے تحت کاروبارِ حکومت چلاتے تھے۔ پھر جب کریٹ کی قوت عروج پر پہنچ گئی تو اس نے بحری سلطنت قائم کر لی جس میں بحیرہ ایجہ کے جزیرے بھی شامل تھے اور ایشیائے کوچک اور یونان کے سواحل کی بیرونی چوکیاں بھی۔

تہذیب و ترقی کا یہ معیار ان لوگوں کے لیے اہم نہیں تھا جو ہمیشہ شہد پیدا ہوتا تھا۔ تھوڑا بہت گوشت کے علاوہ پھل انگور اور زیتون کاشت کرتے تھے، صرف پہاڑوں کی ڈھلانوں پر چرائی کی جاتی تھیں۔ وہاں بھیڑ بکریوں کے بہت کم ریوڑ رہا سکتے تھے، کیونکہ ملیشی ان ڈھلوانوں پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن حوصلہ مند لوگ کشتی رانی سے علاقہ رکھتے تھے۔ ساحل کے دندانہ دار ہونے کی باعث اور جزیروں کی کثرت کے سبب کشتیوں کو جگہ جگہ پناہ مل گئی تھی، موسم گرما کشتی رانی کا خاص دور ہوتا تھا اس موسم میں تباہی خیز طوفان بہت کم آتے تھے۔ کشتیاں سیکڑوں میل دور نکل جاتی تھیں اور زمین ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ ایسے ہی ماہ میں سفر کیا جاتا تھا جس میں بادبان ہوتے تھے یا جنہیں چپوؤں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ اجنبی اوقات دلوں چیزوں سے بیک وقت کام لیا جاتا تھا۔ یہ سفر خشکی کے راستے پہاڑ، جوہڑ، دلدل اور ترائی کے مقابلے میں زیادہ ارزاں اور آرام دہ تھا۔ غیر مسافت جلد طے ہو جاتی تھی، چنانچہ یونانیوں نے بحری تجارت کا ایک عمدہ اور سرگرم نظام قائم کر لیا تھا۔ یونان اور ایشیائے کوچک سے روغن زیتون اور مٹی کے برتن پہاڑوں کے ذریعے سے دور دور کے ملکوں میں پہنچائے جاتے تھے جہاں وہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے اور ان کے بدلے میں دھاتیں، غلہ اور دیگر ضرورت کی دوسری چیزیں حاصل کی جاتی تھیں۔

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں پروفیسر اہل یونان اور اہل ٹرائے کے درمیان جنگ ہونے کے بعد کی کہانی ہے۔ یہ جنگ گیارہ سو ستر قبل مسیح میں ہوئی تھی اور یہ انہی مہمات کا ایک جز تھی جو یونانیوں نے ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جزیرا کیہ کی تہذیب کی بیسیوں چوکیوں سے پیش آئی۔ ایگا میمنون اور بہترین یونانی بہادر ایسینے کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور وہ روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ چنانچہ ٹرائے میں یونانیوں کی حالت پتلی ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں شاہ ٹرائے کا بیٹا ہیکٹر پیٹروکلس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو ایکیلیز کا بہترین دوست تھا۔ زندہ ایکیلیز نے انتقام میں ہیکٹر کو قتل کر ڈالا۔

یہ دور یونانی دیوتاؤں کا دور تھا۔ ان یونانی دیوتاؤں کا وسیع خاندان کوہ اولمپس کی برفپوش بلندیوں پر بستا تھا۔ یہ پہاڑ یونانیوں کے شمالی کنارے پر ہے۔ دیوتاؤں کے خاندان پر زیوس اور اس کی بیوی ہیرا کی حکومت تھی۔ یہ دیوتا انسانی معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے پوسیڈن سمندروں کا دیوتا تھا اس نے اوڈیوس کو جا بجا سرگرداں پھرایا۔ خود زیوس نے ایکیلیز کی حمایت کی جو تھیٹس نام کی ایک دیوی کا بیٹا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایگا میمنون سے جھگڑنے کے بعد ایکیلیز روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ جب ایکیلیز ہیکٹر کو قتل کرنے کے لیے نکلا تو اسے ہیفا ایسٹس نے ہتھیار فراہم کیے تھے جو اسلحہ سازی کا دیوتا تھا۔ جب ایکیلیز ہیکٹر کی لاش کو ٹرائے کی فصیل کے اردگرد گھسیٹتے پھرتا تھا تو پھر دیوتاؤں نے مداخلت کی اور کہہ سن کر اسے راضی کیا کہ ہیکٹر کی لاش مناسب تدفین کے لیے اہل ٹرائے کے حوالے کر دی جائے۔

میری اس تفصیل سے پروفیسر تم نے اس دور کے یونان کا اندازہ لگا لیا ہوگا جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں۔ گویا یہ دور توہمات اور دیوی دیوتاؤں کا دور تھا، ہر چیز پیدائش کی حکمرانی تھی۔ ان کے آپس کے جھگڑے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور اہل یونان ان میں باقاعدہ ملوث ہو کر رہتے تھے۔ دیوتاؤں کے ساتھ غیر معمولی گہرے روابط پر یونانی کس وجہ سے استوار تھے۔ بظاہر فطرت میں جو چیزیں تحریر انگیز اور دہشت انگیز تھیں یا انسانوں میں جو فضیلت پیدا کرتے تھے ان کا اطمینان بخش حل یونانیوں کو دیوتاؤں میں مل گیا تھا، وہ سورج کی حرکات کو اپولو سے منسوب کرتے تھے اور سمندر میں جو طوفان آتے تھے ان کا انتساب پوسیڈن سے ہوتا تھا۔ انسانی عقل و حکمت کی دیوی ایتھینا تھی۔ ترائی میں فتح جنگ کے دیوتا ایریز کی برکت سے حاصل ہوتی تھی اور محبت میں کامرانی کا ذریعہ افروڈائٹ تھا۔

یہ دیوتاؤں کا کوئی مکمل خاندان نہیں تھا۔ بلکہ سرکش، حریف اور جھگڑالو افراد کا ایک گروہ تھا جو اس سلسلے میں کچھ خاص قوتیں حاصل کر چکا تھا اور ان قوتوں کو غیر فانی سمجھا جاتا۔

دیوتا کا یہ حال تھا اور عام افراد طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ جو جتنا طاقتور ہوتا اتنے ہی بہتر وسائل اور اتنی ہی عزت کا حقدار رہتا تھا۔ بحری قذاقی عام تھی اور کمزور افراد کے لیے کوئی بہتر چارہ کار نہیں تھی۔ ان کی تقدیر میں موت اور ذلت در سوائی لکھی ہوئی تھی۔ ہر جگہ ظلم و بربریت کے مظاہرے نظر آتے تھے۔ ہر شخص دوسرے کو شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دراصل اہل یونان اور اہل ٹرائے بالکل اپنے دیوتاؤں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس سلسلے میں یونانی ادبیات شہری ریاستوں کی مثید خانہ جنگیوں اور تباہ کن رزم آرائیوں سے لبریز ہیں۔ یونان کی سیاسی پائیدار زمین کی شدید ضرورت اور حملہ آوروں کی روایتی نزاع کا نتیجہ تھی — یہ نزاعات بعض اوقات سخت خونریزی کا موجب ہوتے تھے اور بعد میں ان ہی کی وجہ سے یونان بہت سی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا۔

دیوتاؤں کی مشیتیں الگ تھی۔ میرا نے زیوس سے شکایت کی۔ "کیا آپ میرے کارناموں پر خاموش رہیں گے جس نے اہل ٹرائے کی مدد کی ہے۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں تو برائی میں شمار کیا جائے گا۔

بادلوں کو جمع کرنے والے زیوس نے کہا۔ "اس بارے میں یہ بہتر ہے کہ اے کیا کرنا چاہیے۔ میں تجھ سے کچھ نہ کہہ سکوں گا۔" تب میرا نے ریویریز سے کہا۔ "یونان کے جوانمرد تو دیریز یا کسی دوسرے غیر فانی سے کیوں نہ تابے۔ اتھا اور دیریز پر کاری ضرب لگا کہ وہ بدحواس اور وعدہ خلاف ہے۔ اس نے کہا تھا کہ میں اہل ٹرائے سے جنگ کروں گا۔ اور یونانیوں کی مدد کروں گا مگر اس نے اہل ٹرائے کا ساتھ دیا۔

ریویریز اپنے رتھ پر سوار ہو کر چل پڑا۔ اور ایک خونریز لڑائی کا آغاز ہو گیا جو چند افراد کے قتل اور پھر ان لوگوں کی صلح پر ختم ہوئی۔ اس پرسکون ماحول میں یونانی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ماحول کی وضاحت میں اپنا ہوا میں ایک ایسے خطے کی جانب جا نکلا جس کے بارے میں مجھے کوئی خاص اندازہ نہیں تھا۔ طویل سفر کے بعد میری چھوٹی سی بوسیدہ کشتی ایک ساحل سے جا لگی جو دندانہ دار تھا اور جس کے ایک سمت سخت کافی زندہ لیکن موٹے اور مضبوط شہتیروں سے جہازوں کا سامان اتارنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ مضبوط شہتیروں کے نزدیک ایک بادبانی جہاز تنگدندانہ تھا جس پر سے بلے شامر دور شراب کے بڑے پیپے اور بادبانی کے بنے ہوئے توکرے اتار رہے تھے۔

اس بار پروفیسر میں نے ایک زمانہ سمندر کے سینے پر گذارا تھا اور انسانوں سے دور رہا تھا اس لیے خود کو انسانوں کے درمیان پا کر مجھے بیحد خوشی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی کشتی کا بقیہ حاصل بھی دور کر دیا اور خود بھی اس جہاز کے نزدیک پہنچ گیا۔ چند طاقتور توانا لوگ ہاتھوں میں رسیوں کے ٹوکرے لیے مزدوروں کی نگرانی کر رہے تھے اور جب بھی کسی مزدور کے قدموں میں لغزش ہوتی یہ کوڑے مار مار کر اسے دور کر دیتے۔

ایسی ہی مار کا شکار ایک بوڑھا مزدور مے شراب کے وزنی پیپے کے میری کشتی میں آگرا اور چھوٹی سی کشتی جو پہلے ہی ماہ و سال کے سفر اور سمندری نمک سے بوجھل ہو رہی تھی اس سے تنگ آ کر عمر خضر کر پکی تھی۔ چیخ کر الٹ گئی۔ بوڑھا مزدور تو سمندر کی گہرائیوں میں روپوش ہو گیا یہ مے شراب کا ڈھول سمندر پر تیرنے لگا۔ میں اپنی دیرینہ رفیق سے فروم ہو چکا تھا اور اس کے ٹوٹ جانے پر افسوس بھی نہیں کر سکا تھا کہ چند افراد نے مجھے اوپر سے آواز دی۔

"ایک بڑھے اور بدخو انسان کی زندگی اتنی قیمتی نہیں ہوتی کہ تو اس کا ماتم کرے۔ نہ ہی لکڑی کی بوسیدہ کشتی اس شراب کے پیسے کی قیمت رکھتی ہے۔ اس لیے تو سوچنے کے بجائے اس پیسے کو اپنے شانوں پر سنبھال اور باہر نکل آ۔" ایک کوڑا برداز نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن سی ہلا دی۔

انسان جوں کا توں میرے سامنے آیا تھا۔ لیکن سمندر کی طویل زندگی نے مجھے معاملت کی طرف راغب کر دیا اور میں نے شراب کا وزنی ڈھول اپنے کاندھے پر لاد لیا پھر تیرتا ہوا سا لکڑی کے سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ وزنی برتن کندھے پر اٹھائے ہوئے میں اوپر پہنچ گیا۔ اور مجھے ایک سمت کا راستہ بتا دیا گیا۔ شراب کے پیپے جہاں جمع کئے جا رہے تھے وہاں بھی چند لوگ موجود تھے یہ اسرار تھے جن کا مال اس جہاز سے آیا تھا جس کا مال اس جہاز سے آیا تھا۔ ایک جنگاری بوڑھ لوگوں کے ایک گروہ میں موجود تھا اس کی آن بان دیکھنے کے قابل تھی۔ میں نے پیسا کھا اور سیدھا ہوا ہی تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"نملی لیس۔ ذرا اس غلام کو دیکھو۔ کتنا خوبصورت جوان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پرلی طرف اسے میرے لیے لایا ہوگا۔ اے جوان ادھر آؤ۔" اس بار اس نے مجھے مخاطب کیا۔ اور میں اس کے پاس چلا گیا۔ "کیسا نام ہے تمہارا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "غلام۔"

"میں نے نام پوچھا ہے۔" بوڑھے نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"غلاموں کا اپنا کوئی نام نہیں ہوتا۔ آقا انہیں جو نام بھی دے دیں۔" میں نے نیازمندی سے کہا۔ اور بوڑھا خوش ہو گیا۔

"واہ۔ آقا کی پرانتھا پر وسر کرنے والے مجھے اپنے ہیں۔ بس بس۔ تم ان لوگوں کے درمیان نہ جاؤ۔ انفیٹس کے غلام بار بار یہاں نہیں آ کرتے یہاں کھڑے ہو جاؤ۔" اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں اس کے اشارے پر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔

اسی وقت چابک بردار دوں میں سے دو میری طرف آئے۔ اور ان میں سے ایک میری گردن دبوچ کر بولا۔ "یہاں کیوں کھڑے ہو گئے نمک حرام۔ کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"چلو۔ پیپے اٹھاؤ۔"

"اے تم اٹھے ہو۔ تم نے نہیں دیکھا کہ وہ میرے غلاموں کی صف میں کھڑا ہے۔" انفیٹس نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ جہاز کا بار بردار ہے۔ تمہارا غلام نہیں۔ سمجھے تم۔ اور تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو۔" ان میں سے دوسرے نے رسی کا چابک ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک چابک میری پشت پر رسید کر دیا گیا۔ بس غضب ہو گیا۔ انفیٹس کے جانبازوں نے چابک والوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور جنگ ہونے لگی۔ چابک والوں کے ساتھی بھی آ گئے اور بندرگاہ خونریز بننے لگا۔ بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ پھر مداخلت کاروں نے اس جنگ کو ختم کرا لیا لیکن انفیٹس کا پلہ بھاری رہا تھا۔

اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ یوں یہاں میرا سپلاقدم خونریزی سے بھرا ہوا تھا۔

انفیٹس نے مجھے اپنے رتھ پر پیچھے بٹھا لیا اور رتھ چل پڑا۔ حسن یونان کھرا پڑا تھا۔ ہر طرف رنگ رلیوں کا دور دورہ تھا۔ قدیم جب عروج کی جانب سفر کر رہی ہوتی ہیں تو ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے تاکہ زوال کے راستے آسان ہو جائیں۔

انفیٹس شراب کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اس کا خوبصورت مکان بیشمار ملازموں سے بھرا ہوا تھا اور بے حد وسیع اور کشادہ تھا۔ مکان کے احاطے احاطے میں خوبصورت باغیچہ لہلہا رہا تھا جس میں پھل اور پھول بکھرے ہوئے تھے، باغیچے میں ایک سفید مرمر کا حوض بنا ہوا تھا جس میں رنگین پانی بھرا ہوا تھا۔ گویا عیش و عشرت کے تمام سامان یہاں موجود تھے۔ مجھے چونکہ وہ بڑی چاہ سے لایا تھا اور اس نے مجھے اپنا غلام تصور کر لیا تھا میرے حصول کے لیے جنگ لڑنے خون بھی بہانا پڑا تھا اس لیے میری بڑی عزت ہوتی اور مجھے محل میں خاص جگہ بھیج دیا گیا، جہاں لوگوں کو ہدایت کر دی گئی کہ مجھے سجا سنوار کر اس کی غلامی میں پیش کر دیں۔

غلاموں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو مجھے تھیں مگر میں ان کا اصل مصرف نہیں جانتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ حالات کا یہ رُخ خاصا دلچسپ ہے، انجانے مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا ویسے اب تک میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس میں غلاموں کا کام تو صرف غلامی ہی تھا۔ انفیٹس مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

دلچسپ بات تھی پروفیسر میں ہر طرح سے بن سنور کر تیار ہو گیا اور پھر رات کو مجھے انفیٹس کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

جس جگہ مجھے لے جایا گیا تھا یہ انفیٹس کے محل نما مکان کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں پر بھی حسین باغ لگا ہوا تھا، جہاں جا بجا سبز گھاس بچھی ہوئی تھی اور اسی سبز گھاس پر نہایت خوبصورت تخت بچھا ہوا تھا، اس حسین تخت پر انفیٹس دراز تھا۔

تخت کے ساتھ ایک گہرا اور لمبا حوض بنا ہوا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ اس حوض میں کیا ہو رہا ہے۔ حوض کے کنارے پر دوشیزائیں نظر آ رہی تھیں۔ میں انفیٹس کی خدمت میں پیش کر سینے پر ہاتھ باندھ کر جھکا۔ انفیٹس نے قابلیت کا مخصوص انداز میں نے دیکھ لیا تھا اور انفیٹس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

تب میری نگاہ حوض پر پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ حوض میں لڑکیاں تیر رہی ہیں۔ بالکل ان رنگ برنگی مچھلیوں کی مانند جو اس قسم کے حوض میں نظر آیا کرتی ہیں۔ ان کا انداز تیراکی بھانے والا تھا۔ ان میں سے اکثر گردنیں باہر نکالتیں اور ان کے سر سے رنگین پانی بہنے لگتا۔ ایک عجیب سی مہک پھیلی ہوئی تھی اور تب مجھے اس مہک کا راز معلوم ہو گیا، حوض میں شراب بھری ہوئی تھی۔

انفیٹس کے یہ شاہانہ انداز دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ یہ تو ایک امیر کا محل تھا۔ انجانے اس کے علاوہ یہاں اور کیا کچھ ہو۔

"دنیا کے حسین غلام۔ کیا تجھے انفیٹس کی عیش گاہ پسند آئی؟"

"یہ عیش گاہ شہنشاہوں کی عیش گاہ سے کسی طرح کم نہیں۔ میں تو حیران ہوں۔"

"تیرا حسن گاہوں کو خیرہ کرتا ہے۔ یہ چاند جیسی رنگت تو نے کہاں سے پائی؟"

"میں نہیں جانتا انفیٹس۔"

"تیرے انداز بھی غلاموں کے سے نہیں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تیری تشکیل دیوتاؤں کی نگاہ خاص سے ہوئی تاہم تو مجھے پسند ہے۔"

"میں شکر گذار ہوں انفیٹس۔"

"انفیٹس کو آقا کہہ۔ میں تیرا مالک ہوں۔ اگر تو اس نام سے مجھے مخاطب کرتا رہا تو دوسرے لوگ مجھے تعجب سے دیکھیں گے۔"

"مگر میں تیرا غلام نہیں ہوں انفیٹس۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"نذری میں اس جہاز سے آیا ہوں جس میں سے شراب اتاری جا رہی تھی۔ میں نے تو ایک چھوٹی سی کشتی سے سفر کیا اور یہاں پہنچا۔ جو کچھ بھی ہوا غلط فہمیوں کے دوران ہوا۔"

"اوہ کیا تو مجھے میرے لیے نہیں لایا گیا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"لیکن یہ بات تو نے مجھے بندرگاہ پر نہیں بتائی تھی۔"

"میں تیری دوستی کا طالب تھا انفیٹس۔"

"تو دھوکہ باز ہے میں نے تیرے لیے خونریزی کی ہے اور اب اگر لوگ کہیں معلوم ہو جائے تو میرا غلام نہیں ہے تو مجھ سے باز پرس ہوگی۔"

"تو اگر چاہے تو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تیرا غلام ہوں۔ میں تردید نہیں کروں گا۔ لیکن میں تجھے آقا نہیں کہوں گا۔"

"یہ بڑی پریشانی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ راز چھپا نہیں رہ سکتا۔ جلد یا بدیر لوگوں کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ میں نے تیرا دعویٰ کیا ہے۔"

انفیٹس نے کہا اور ایک حسینہ کو اشارہ کیا۔ لڑکی نے جام بھر کر مجھے پیش کیا اور میں نے وہ جام قبول کر لیا۔

"غلاموں میں سب سے افضل کہ دوستوں میں شامل ہے۔"

"کیا نام ہے تیرا؟"

"شعلیات۔ اور تو کون ہے؟"

"سرزمین یونان پر تجھے کوئی بہتر نام دے۔"

"کیا مطلب۔ خود تیرا کوئی نام تو ہوگا؟"

"ہزاروں نام ہیں۔ مگر مجھے وہ نام پسند ہوگا جو تو مجھے دے گی۔"

"تب میں تجھے آقا کہوں گی جس کا مطلب ہے چاند کی پہلی [illegible]

"بہتوں کے دیوانے تجھ سے گفتگو ہو سکے گی اور اب یہاں کسی کو [illegible] ہے تو باغ کے اس گوشے میں چلتے ہیں۔" اس نے تجویز پیش کی اور میں اٹھ گیا۔

سورج کی پہلی کرن وقت کی تیز رفتاری کی شاکی۔ شعلیا ہوش میں آ گئی اور غمناک نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"آہ۔ کیا میری کسی غلطی سے سورج طلوع ہو گیا ہے؟"

"دن ڈھلنے میں کتنی دیر لگے گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا میں اسی جگہ بیٹھ کر سورج ڈھلنے کا انتظار کروں؟"

"میں انفیٹس کا غلام ہوں۔ شام میری پسند کے مطابق نہیں ہوگی۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بھول جانے کا عمل بہتر ہے۔ اور پھر تقدیر کے ہاتھوں بات بے حد زیادہ آسانیاں ہو جاتی ہیں تو بھی اسی پر عمل کر۔"

"آہ مگر میں تجھے بھول جانے پر قادر نہیں ہوں، شعلیا کی آنکھوں سے سفید موتی گرنے لگے اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میرے اور تیرے درمیان ایک شے مشترک ہے۔"

"کیا؟" وہ بسورتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔

"تو بھی غلام ہے اور میں بھی غلام، حالانکہ غلامی کا یہ تحفہ میں نے زندگی میں پہلی بار قبول کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ غلاموں کے اطوار کیا ہوتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ غلاموں کا اپنے ذہنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ صرف آقاؤں کی جنبش ابرو پر جیتے ہیں اور اسی پر مرتے ہیں۔"

"ہاں تیرا یہ خیال درست ہے۔" شعلیا نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر ہماری اپنی پسند ہماری اپنی رائے ہمارے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہم اپنی سوچ کو بے حقیقت کیوں نہیں جانتے۔" میں نے کہا اور وہ عزم و ہ انداز میں گردن ہلانے لگی۔

محل میں مختلف ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو روک کر انفیٹس کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں وہ نہا دھو کے کمرے میں گیا ہے۔"

"میرے لیے کوئی حکم نہیں ہے۔" میں نے پوچھا۔ وہ خادم مسکرایا۔

"ابھی نہیں جب وہ کھانا فارغ ہو جائے گا تب اسے دوسرے لوگ یاد آئیں گے اور وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ ہاں اگر تم نے بھی ناشتہ نہیں کیا تو میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس جگہ پہنچا دوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے، میں ناشتہ کر چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور ملازم اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

انفیٹس کا اس طرح نظر انداز کر دینا مجھے محسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت بڑا تاجر ہے اور پروفیسر انسان ہر روز میں یکساں اہمیت کا حامل رہا ہے، اگر شخص بھی نظر انداز کر دینے والوں میں سے ہے۔ تو خود بھلا اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ میں تو خود اپنی ذات میں مگن تھا اور مجھے بھلا کسی کی کیا پروا ہوتی جس وقت چاہتا انفیٹس کے محل سے نکل جاتا، لیکن بہرحال یہ میرا پہلا گھر تھا جہاں سے مجھے اہل یونان کی طرز زندگی اور موجودہ معاشرے کی روش کا صحیح اندازہ ہو سکتا تھا چنانچہ میں ابھی اس جگہ کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا اور خود کو زمین و آسمان کی گردش سے پیدا ہونے والے واقعات کے دھاروں پر بہتے دیکھنا چاہتا تھا چنانچہ میں محل کے مختلف

گونجوں میں چکر اتا رہا۔ بلاشبہ الفیئس کی عظمت کا انداز عاس مکان یا محل کے ماحول سے ہو جاتا تھا۔ چاروں طرف ملازموں کی فوجیں تھیں۔ بے شمار ملازم نظر آ رہے تھے۔ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ ان میں خادمائیں بھی تھیں جو حسین مہ پیکروں والی تھیں شاید ان کی روشنی میں ان کے لیے چھوٹے چھوٹے معمولی کاموں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا۔ البتہ رات کو ان کی اہمیت بڑھ جاتی تھی اور شراب کے حوض کی رنگین مچھلیاں اپنی جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ اور یہی ان کی تقدیر تھی۔

لیکن ادھر اُدھر گھومنے والوں میں مجھے شاذ ہی نظر آئی۔ وہ میری نگاہوں سے اوجھل رہی تھی۔ پھر اس وقت میں اس حسین مکان کے سامنے والے باغ میں ایک خوبصورت اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دو ملازم دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے۔

"آقا تمہیں طلب کرتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ملازموں کے ساتھ چلتا ہوا میں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر ایک بہت بڑے کمرے کے سامنے خادم رک گئے۔

"اندر چلے جاؤ۔ آقا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے کہا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

زر نگار سامان آسائش، وسیع و عریض کمرے کی زینت کو دوبالا کر رہا تھا۔ ایک مرصع کرسی پر الفیئس بڑی شان سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد دو افراد مودبانہ انداز میں کھڑے تھے۔ الفیئس نے مسکراتی نگاہ سے مجھے دیکھا اور مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"گو میں دن کی روشنی میں تمہیں دیکھ چکا تھا اور سورج کی شعاعیں تمہارے بدن سے منعکس ہو رہی تھیں لیکن رات کو تمہارا حسن کچھ اور جچ گیا تھا۔ عجیب و غریب شخصیت کے مالک میں ابھی تک تمہارا نام نہیں جان سکا۔" الفیئس نے نرم اور پُر اخلاق لہجے میں کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

"ملکہ کی صبیہ نے مجھے کیا اس کہا ہے اور یہ نام مجھے بھی قبول ہے، میں نے اس نام کو پسند کر لیا ہے، چنانچہ یونان کے بڑے تو مجھے کیا اس کے نام سے پکار سکتا ہے۔"

"چاند کی پہلی کرن۔" الفیئس نے کہا اور مسکرا دیا۔ "میں مخاطب ہونے والی سے متفق ہوں سنگرو نے میرے ذہن کی بہت صحیح طرح الجھا دیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے بتا کر کہ پولی ناس بھیجے اپنے جہاز میں نہیں لایا اور میں نے بھی پولی ناس سے یہی معلوم کیا، جو جو غلام وہ اپنے ساتھ میرے لیے لایا تھا اس نے مجھے پیش کر دیے اور تجھ سے لاعلمی کا اظہار کیا، گویا تو اکیلا درست تھا۔ لیکن جو کچھ بندرگاہ پر ہوا اس کے بعد اب مجھے گورنر کے حضور تیرے ساتھ پیش ہونا ہے۔ تو مجھے جواب دے کہ میرے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے؟ جو تو چاہے الفیئس۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا کہ خود تیری اپنی حیثیت کیا ہے، تو مجھے عجیب و غریب معلوم ہوا۔ یہاں غلاموں کی حیثیت سے تو بے مثال تھا لیکن اب میں تجھے غلام نہیں کہہ سکتا، جیسا کہ تو نے کہا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

الفیئس بھی گورنر کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، گو اس کی حیثیت معمولی نہیں لیکن بہرصورت گورنر اس سے کم حیثیت ہونے کے باوجود حکومت کا نمائندہ تھا اس لیے وہ زیادہ صاحب عزت تھا تب اس نے اپنی غرغراتی آواز میں الفیئس کو مخاطب کیا۔

"جو کچھ میرے کانوں نے سنا اور جو کچھ مجھے معلوم ہوا۔ کیا اس میں صداقت ہے الفیئس؟"

"ہاں عالی نسب یہ درست ہے۔"

"کیا یہ بھی درست ہے کہ تمہارے آدمیوں نے بندرگاہ پر موجود محافظوں کی خونریزی کی اور ان میں سے چند کو قتل کر دیا۔" گورنر نے بھاری لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں عالی نسب یہ بھی درست ہے۔"

"کیا تمہیں یہ معلوم ہے الفیئس، کہ بندرگاہ کے محافظ حکومت کا اجازت نامہ رکھتے ہیں اور انہیں وہاں کے معاملات میں دخل اندازی کا پورا پورا حق دیا جاتا ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"بے شک، لیکن یونان کے تاجر اس امید پر ملک کی ترقی کے لیے محنت و مشقت کرتے ہیں کہ ان کی عزت دوسروں سے ممتاز ہو گی، اور اگر بندرگاہ پر کام کرنے والے محافظ ناموس کے دشمن بن جائیں تو یونانی کا قانون بھی اجازت دیتا ہے کہ اپنے ناموس کی حفاظت کی جائے، خواہ اس کے لیے کسی قسم کا اقدام کرنا ہو۔" الفیئس نے جواب دیا۔

"تیرے ناموس کو کیا خطرہ تھا الفیئس؟" گورنر نے حقارت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا غلام بارہ داری کے لیے نہیں تھا، حکومت کو اگر بیگار لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے تو بے شک ہر شخص کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کرے۔ اس بیگار میں الفیئس بھی بخوشی شامل ہونے کو تیار ہے لیکن کیا کسی معمولی درجے کے محافظ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آقا کی موجودگی میں غلام کو پکڑے اور اس سے بیگار لینے لگے۔"

"کیا ایسا ہوا ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس خون خرابے کی بنیادی وجہ یہی تھی۔" الفیئس نے جواب دیا۔

"اس کا کوئی گواہ ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"وہ سب لوگ اس بات کے گواہ ہوں گے جو اس وقت بندرگاہ پر موجود تھے۔" الفیئس نے جواب دیا۔

"میں ان لوگوں کو نہیں جانتا، تاہم محافظوں کے سردار نے جو جو بات کہی ہے وہ یوں ہے کہ ایک شخص ایک بوسیدہ سی کشتی میں سفر کرتا ہوا ساحل تک آیا، ایک بار بردار شراب کا پیالے کر سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا کہ سمندر میں گر پڑا اور سفر کے آنے والے شخص کی کشتی ڈوب گئی۔ وہ بار بردار بھی زندہ نہ بچ سکا لیکن سفر کرنے والا پیالے اٹھائے ہوئے اوپر آ گیا۔ اور اس نے وہ پیالے اس کی جگہ رکھ دیا۔ محافظوں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص بھی بار برداروں میں شامل ہے، چنانچہ اسے کچھ کہے بغیر کام پر لگا دیا۔ تمہارے آدمیوں نے ان کے خلاف خونریزی کا رد عمل شروع کر دیا۔"

"بے شک یہ تمام گفتگو سچ ہے۔ لیکن میرا سوال اپنی جگہ قائم ہے۔ کیا میرے غلام کا باربرداری کے لیے پکڑا جانا مناسب تھا؟"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے الفیئس کہ وہ شخص تیرا غلام تو نہیں تھا۔" گورنر نے سوال کیا۔

"نہیں عالی نسب بات صرف اتنی سی ہے اگر وہ میرا غلام نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں ایک امن پسند انسان ہوں اور بے امنی کی ایسی کوئی کوشش نہ کرتا۔ میں نے محافظوں کو سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے، تب مجبوراً میرے آدمیوں نے یہ اقدام کیا۔"

"ہوں۔" گورنر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ "تو آگے آ اے شخص، کیا تو الفیئس کا غلام ہے؟"

"ہاں الفیئس میرے آقا ہیں۔" میں نے جواب دیا اور دربانوں کی سی ہیبت ناک گونج اٹھی۔

"تو الفیئس کے پاس کب سے ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"عرصہ دراز سے۔"

"تو کیا کرتا ہے؟"

"میرا آقا مجھ پر مہربان ہے۔ چنانچہ مجھے بہت کم کام سونپے جاتے ہیں۔" میں نے نرم اور خوش گفتارانہ انداز میں جواب دیا۔ اور گورنر نے کچھ فاصلے پر کھڑے لوگوں کی جانب دیکھا اور بولا۔

"تم میں سے کون ہے جو الفیئس کے خلاف شکایت لے کر آیا ہے؟"

"میں ہوں عالی نسب۔" محافظوں کے سردار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ شخص بندرگاہ کا ملازم ہے؟"

"اس نے شراب کا پیالہ اٹھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ حکومت کا ملازم ہے۔"

"لیکن جب الفیئس نے تمہیں بتایا کہ یہ شخص اس کا غلام ہے تو تم نے اس بات کو تسلیم کیوں نہیں کیا؟"

"میں اس وقت موجود نہ تھا عالی نسب۔"

"اوہ لیکن تم نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا کہ تم اس وقت وہاں موجود تھے۔"

"ہاں عالی نسب لیکن میں بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہاز سے سامان اتروانے میں مدد دے رہا تھا۔ مجھے تو اس واقعے کا اس وقت علم ہوا جب چند افراد قتل ہو چکے تھے اور میں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر یہ اطلاع عالی نسب تک پہنچا دی۔"

"اس کا مطلب ہے جن لوگوں نے جنگ کی اور الفیئس کے غلام کو پکڑنا چاہا تو زیادتی تو ان کی ہوئی کیونکہ انہوں نے الفیئس کا کہا نہ مانا اور تاجر بربر ممتاز ہوتے ہیں عام لوگوں سے اور ان کا بڑا حق ہوتا ہے ملک و حکومت کی ترقی میں۔ چنانچہ انہیں مان لینا چاہیے تھا الفیئس کی بات کو اور یہ شخص تو الفیئس کا غلام ہے جیسا کہ اس نے خود اقرار کیا ہے

کرن ہے جو غور کر کسی کی غلامی میں دینے کو تیار ہو جائے اور وہ بھی گورنر کے سامنے۔ گویا اگر کبھی وہ انکار کرے اپنی حیثیت سے تو قانون کے مطابق اس کی گردن اتار دی جائے۔ چنانچہ تمہاری شکایت بے سود اور بے کار ہے۔ الفیئس کو حق ہے اپنے غلام کی مدد کرے اور اگر کوئی دوسرا اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کرے تو اس سے بہتر طریقہ سے نمٹ لے چنانچہ میں تمہاری اس درخواست کو خارج کرتا ہوں۔ الفیئس نے جو کچھ کیا اسے اس کا حق تھا۔" گورنر نے فیصلہ صادر کر دیا اور الفیئس بے پناہ مسرور ہو گیا۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"عالی نسب کے فیصلے ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتے ہیں اور ہم نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ نے اپنے منصب کی پوری پوری تکمیل نہ کی ہو۔ موجب ٹٹولوں کا اجتماع ہو گا اور جو بے پوچھا جائے گورنر کے بارے میں۔ تو اس واقعہ کو میں ذہن نشین رکھوں گا۔" الفیئس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"ہم تجھ سے ہمیشہ تعاون کے لیے تیار ہیں الفیئس۔" گورنر نے جواب دیا اور الفیئس نے پھر گردن جھکا دی۔

"اب گرجا تا پا ہے تو مجھے اجازت ہے۔" گورنر بھر بولا۔ اور الفیئس ایک بار پھر جھک کر سیدھے ساتھ گورنر کے دربار سے نکل آیا۔ وہ خاصا بھی باہر چلا آیا تھا جس نے الفیئس کے خلاف گورنر سے شکایت کی تھی۔ تب الفیئس نے مجھے رتھ میں سوار کرایا اور واپس چل پڑا۔ لیکن وہ بے حد مسرور تھا اور بے ساختہ مسکرا کر مجھے دیکھتا جا رہا تھا۔

"تو نے میری جرأت افزائی کی ہے کیا اس میں تجھے اس کا صلہ ملنا چاہیے تک تو اس قابل ہے کہ مجھے اپنے دوستوں میں شامل کیا جائے۔ لیکن میرے دوست میری بدبختی ہے کہ دوسروں کے سامنے میں مجھے غلام رکھنے پر مجبور ہوں البتہ میرے مکان میں تیری جو حیثیت ہو گی اس سے تو خود اندازہ لگا لے گا کہ میرے دل میں تیری کیا قدر و منزلت ہے تیری عزت میرے دل میں ہے کیا اس۔" الفیئس نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تجھ سے مکمل طور پر مطمئن ہوں الفیئس۔" میں نے جواب دیا۔ اور پھر ہم محل میں پہنچ گئے۔ الفیئس نے مجھے قیام کرنے کے لیے ایک بہترین جگہ مہیا کر دی تھی۔ اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اس موتے کے غلام کو اسی مانند رکھا جائے جیسے خود اتنے میں کسی نایاب ہیرے کا اضافہ ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کی خوشی اور آرام کا مکمل بندوبست کیا جائے۔

چنانچہ پروفیسر مجھے الفیئس کے محل کے ایک خوشنما گوشے میں پناہ مل گئی اور یہ گوشہ پورے محل کے حسن کی نمائندگی کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات الفیئس کی خوش ذوقی تھی۔

شام تک مجھے مختلف لوگوں سے الفیئس کے محل کی بے شمار باتیں معلوم ہو گئیں۔ مجھے پتہ چل گیا کہ محل کے دور افتادہ گوشے میں اس کے اپنے اہل خاندان ہی رہتے ہیں لیکن انہیں اجازت نہیں ہے کہ الفیئس کی باقاعدہ کے اس حصے میں آئیں جہاں بیرونی لوگ آتے رہتے ہیں اور اس ہدایت پر انہیں سختی سے عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا تھا چنانچہ اس طرف کے بہت سے افراد نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس طرف کا ماحول کیسا ہے اور یہاں کیسے کیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔

بہرحال پروفیسر ملنا ان کی سرزمین پر میرے لیے ایک مخصوص مقام پیدا ہو گیا تھا اور اب میں اسی مقام کو ذہن میں رکھ کر اپنے آئندہ اقدامات کر سکتا تھا۔

پھر رات ہو گئی اور الفیئس کا خصوصی ملازم میرے لیے آیا۔ اس نے مجھے اپنی عیش گاہ میں طلب کیا تھا۔

الفیئس کی عیش گاہ کے روح رنگ تھے یہاں شاہانہ سجی سجائی موجود تھی جو مجھے دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ آخر الفیئس کے نزدیک میری جگہ ذرا مختلف تھی۔ یعنی اس نے مجھے ان لوگوں میں شمار کر لیا تھا جو اس کے دوستوں میں تھے۔ آج چند رقاصائیں اپنے رقص کا مظاہرہ کرنے کے لیے الفیئس کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور الفیئس نے انہیں اس جگہ آنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ برابر نما سازیے چند لڑکیاں منتظر بیٹھی تھیں کہ کب الفیئس اشارہ کرے۔

میں الفیئس کے نزدیک جا بیٹھا تو الفیئس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تیرے اعزاز میں آج میں نے رقص کا اہتمام کیا ہے کیا اس۔"

"میں الفیئس کی عنایتوں کا شکر گزار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں میرے دوست اس میں عنایت کی کوئی بات نہیں ہے تو نے بھی تو میرے ساتھ ـــ دوستانہ برتاؤ کیا ہے۔ ہاں ذرا یہ تو بتا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے کیا تیرا تعلق اس سرزمین سے ہے یا تو کہیں دور کا رہنے والا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ کہیں تیرا تعلق فاتحین میں تو نہیں ہے جو دور دراز کے مقامات سے آکر آباد ہو گئے ہیں کیونکہ تیری شخصیت میں ایک انوکھا پن ہے جس پر مجھے حیرت ہے، میرے کچھ ساتھیوں کا خیال ہے کہ درحقیقت تیرا تعلق کوہ اولیس کے دیوتاؤں کی سرزمین سے ہے اور شاید تو انہی میں سے کوئی ہے اور ہمارے درمیان آگیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کم از کم ہمیں اپنا صحیح نام بتا تاکہ ہم تیری عزت اور تکریم کر سکیں۔"

"انوکھی بات ہے الفیئس، میں نے خود کو یہاں تیرے غلاموں کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے اور تو دیوتاؤں کی حیثیت سے میرا احترام شروع کر دے تو کیا تیری بات غلط نہ ہو جائے گی۔"

"گزری ہوئی بات گزر چکی ہے دوست، مسئلہ صرف گورنر کے سامنے جانے کا تھا اور جو تیرے مخالفوں کا سردار اس سلسلے میں ناکام ہو گیا ہے اس لیے اب وہ کبھی کوشش نہیں کرے گا کہ دوبارہ گورنر کے سامنے جا کر یہ بتائے کہ درحقیقت وہ کس نے اپنے آپ کو غلام کہا تھا دیوتا ہے۔ چنانچہ" بات کو اب ذہن سے نکال پھینک باب تو میری حیثیت میرے ایک دوست کی سی ہے اور میں اسی انداز میں تجھ سے یہ سوال کر رہا ہوں۔" الفیئس نے کہا۔

"نہیں الفیئس میرا تعلق کوہ اولیس سے نہیں ہے اور نہ ہی میں دیوتاؤں کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میں تو ایک عام آدمی ہوں اور عام آدمیوں

کی طرح تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ الفیئس مسکرانے لگا پھر بولا۔

"بہرصورت تیری آمد سے میں بے حد خوش ہوں، لیکن تیرے اندر جو عجیب و غریب خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ میرے لیے ہمیشہ تعجب خیز رہیں گی۔ تو اب میں رقص کا اہتمام کرتا ہوں۔" الفیئس نے ہاتھ بجایا اور بلا کے تار چھڑ گئے۔

یوں شب و روز گذرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن ایک بہت ہی حسین حسینہ میری خلوت میں آئی۔

بلاشبہ یہ حسینہ آج تک آنے والی ساری خادماؤں سے زیادہ حسین اور نازک اندام تھی۔ اس کے انداز سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ خادمہ ہے، میری شخصیت سے وہ سحر زدہ سی تھی۔ سہمی سہمی ڈری ڈری وہ میرے پاس آئی مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"کون ہو تم؟"

پردیسیر۔ میرے ساتھ تو عجیب حادثات ہوتے تھے۔ میں ایک خوشگوار ماحول کی تلاش میں انسانوں کی سرزمین کی جانب آیا تھا لیکن انسانوں کی جو مختلف اشکال میرے سامنے آئیں ان میں کوئی نہ کوئی کردار ایسا آجاتا تھا جو مجھے خود میں الجھا لیتا۔ اور پھر میں اس کردار کی بھول بھلیوں میں الجھ کر خود بھی اپنے لیے بے شمار الجھنیں خرید لیتا تھا۔ لیکن اس بار مجھے یوں لگتا تھا جیسے میری کہانی میرے پسندیدہ انداز میں آگے بڑھے گی۔ بلیئر کی تعلق ایک ایسے شخص سے ہو گیا تھا جو اپنے طور پر کسی الجھن کا شکار نہیں تھا بلکہ ایک مطمئن اور خوشحال شخص تھا۔

"میرا نام گلشار ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"خادمہ ہو؟"

"صرف تمہاری ہے۔" وہ بولی۔ اس کی شخصیت میں بڑی معصومیت تھی۔

"صرف میری؟"

"ہاں۔"

"مگر میں نے تمہیں کبھی الفیئس کے عیش کدے میں نہیں دیکھا۔"

"مجھے وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اوہ، کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ میرے سوالات سے کسی قدر گھبرا گئی تھی۔

"میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بہت کی شراب ابل رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے میرے پاس بیٹھ گئی۔

"تم چاند کی پہلی کرن ہو۔"

"تمہارے لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"کہاں سے آئے ہو۔ کیا چاند سے؟"

"نہیں تمہاری زمین کا رہنے والا ہوں۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔"

"کیوں؟"

"بس یہ راز کوئی نہیں جانتا صرف میں جانتی ہوں۔"

"کونسا راز؟"

"یہی کہ چاند پر بھی انسان رہتے ہیں اور تم وہیں سے بھٹک کر آگئے ہو۔ شاید کسی ٹوٹتے ہوئے ستارے کے ساتھ۔ میں نے کئی مرتبہ خوابوں میں دیکھا ہے۔"

"اوہ تم خواب دیکھتی ہو؟"

"اکثر دیکھتی ہوں۔ اور میں نے کئی بار تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔"

"بہرحال میں چاند کا نہیں زمین کا انسان ہوں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

اور ساری رات معصوم معصوم سی باتیں کرتی رہی۔ آدھے قصے سنائے تھے اس نے مجھے چوپوں کی کہانیوں کی مانند تھے۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر دن کی روشنی میں اس نے میرے پاس سے جانے سے انکار کر دیا۔

"میں اب تمہارے ساتھ ہی رہا کروں گی تم پریشان تو نہیں ہو جاؤ گے کیا اس؟"

"نہیں گلشار، تم اتنی حسین اور اتنی معصوم ہو کہ تمہاری باتیں چاند کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ خوش ہو گئی۔ اس نے ناشتہ بھی میرے ساتھ کیا اور کسی نے اس دوران مداخلت نہیں کی تھی۔

دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے چلی گئی لیکن پھر واپس آگئی اور اس وقت بھی وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے عشق کرنے لگی ہے۔ اس شام وہ یہ کہہ کر گئی کہ رات کو ذرا دیر سے آئے گی لیکن اسی رات مجھے الفیئس نے طلب کر لیا۔ وہ واپس آگیا تھا اور اس وقت اپنے عیش کدے ہی میں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔

"بات صرف یہیں تک محدود نہیں ہے کہ میں ایک تاجر ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میں سیاسی بصیرت بھی رکھتا ہوں۔ اس لیے ضروری امور میں وہ میری قبولیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تیری فراست سے اندازہ ہوتا ہے الفیئس۔" میں نے کہا۔

"شکریہ۔"

"تو نے کیسا وقت گذارا اکیا اس۔"

"الفیئس کی عنایات کے سائے میں مجھے ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یوں بھی میں ہدایات دے گیا تھا کہ تجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ نہ جانے کیوں میں دل میں تیرے لیے بڑی جگہ پاتا ہوں۔"

"میں خلوص دل سے تیرا شکر گذار ہوں الفیئس۔" میں نے کہا۔ "لیکن افسوس ابھی تک میں تیری عنایات کا شکار ہوں۔ میں نے خود تیری ذات کے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"اوہ۔ تو میری ذات کے لیے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ وقت آنے پر میں خود تیرے پیروکوئی خدمت کر دوں گا۔"

الفیئس نے جواب دیا۔ میں نے گردن ہلا دی تھی اور پھر میں اٹھ گیا۔

لیکن ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ مجھے کچھ بھگدڑ کے سی آوازیں سنائی دیں۔ خادماؤں کا ایک غول کسی کو اپنے نرغے میں لیے ہوئے تھا۔ اور کوئی چیخ رہا تھا۔ چیخنے والی آواز بھی نسوانی تھی۔ انیٹس چونک کر کھڑا ہوگیا۔ اس سے قبل اس کے عیش کدے کے اطراف میں ہنگامے نہیں ہوتے تھے اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ہنگامہ خیز یاں رک گئیں۔

"کیا بات ہے۔ تمہارے درمیان کون ہے؟" اس نے پوچھا اور خادماؤں کا غول کاہی کی طرح چھٹ گیا۔ ان کے درمیان نوخیز گلشا موجود تھی۔ میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور مجھ سے زیادہ خراب حالت انیٹس کی ہوئی تھی۔

"کون۔ گلشار؟" اس نے خوابناک آواز میں کہا۔

"ہاں۔ یہ میں ہوں۔" لڑکی جرأت سے بولی۔

"لیکن تجھے اس طرف آنے کی جرأت کس طرح ہوئی؟"

"میں کیا اس کی تلاش میں آئی تھی۔"

"کیا اس۔ تو اسے کس طرح جانتی ہے۔" انیٹس خمخوار لہجے میں بولا۔

"وہ میرا محبوب ہے۔" گلشار نے کہا۔ اور انیٹس پر جیسے بجلی گر پڑی۔ وہ منہ کھولے کھڑا رہ گیا میں نے اس معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔

"وہ تیرا محبوب کس طرح ہوگیا؟"

"تم نہیں جانتے۔ جان بھی نہیں سکتے۔ میں اسے بہت پہلے سے جانتی ہوں۔" گلشار بولی۔

"کیسے جانتی تھی؟"

"چاند جب دیر سے نکلتا ہے تو اس میں کچھ معنی پنہاں ہوتے ہیں۔ ابتدائی راتوں میں لوگ جاگ رہے ہوتے ہیں لیکن جب آخری رات میں چاند سارا جاگتا ہے تو اس میں رہنے والے پکے پھیکے زمین کی سیر کے لیے چلے آتے ہیں۔ پھر جب تک لوگ سوتے رہتے ہیں وہ چاند کی کرنوں کے ذریعہ زمین کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ کرنوں کی رسی سے کر کبھی وہ نیچے آتے ہیں کبھی اوپر چلے جاتے ہیں۔ یہ کھیل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک دنیا سوتی رہتی ہے۔ پھر جب زمین کا پہلا آدمی جاگتا ہے تو وہ سب اوپر چلے جاتے ہیں۔ لیکن کیا اس۔ اور یہ نہیں جاگا۔ وہ اس وقت تک زمین پر رہے جب تک چاند آدھی رات کو نہیں نکلتا۔ میں نے چوری چوری اسے چاند سے اترتے دیکھا تھا۔ اور جب وہ ہمارے محل میں آیا تو میں اس کے پاس آگئی۔

"لے جاؤ۔ اسے محل میں لے جاؤ۔ زبردستی لے جاؤ۔ پلوٹے چلو۔" انیٹس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ بھی نہیں ہوا اور لڑکی کو اپنی نگرانی میں لے کر محل کی طرف چل گیا۔ میں متعجب تھا۔ انیٹس کو میں نے اتنا مضطرب کبھی نہیں دیکھا تھا۔

شراب کے حوض کے گرد کی لڑکیاں بھی تیز کھڑی تھیں۔ میں نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ میرے قریب آگئی۔

"یہ کیا ہنگامہ تھا؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"گلشار کون ہے؟"

"انیٹس کی بیٹی۔" لڑکی نے جواب دیا اور میں دنگ رہ گیا۔ اب سارا ہنگامہ خود بخود میری سمجھ میں آگیا تھا۔ لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ گلشار انیٹس کی بیٹی ہے۔ میں دیر تک حیران سا کھڑا رہا۔ کنیز لڑکی نے مجھے اپنے آپ کو خادمہ ہی بتایا تھا۔ اگر مجھے یہ بات پہلے پتا چل جاتی کہ وہ انیٹس کی بیٹی ہے تو شاید میں اس کی عنایت کو توجہ نظر انداز کرتے ہوئے اس لڑکی کی طرف راغب نہ ہوتا لیکن میں تو بے قصور تھا۔ اس رات انیٹس دوبارہ اپنے عیش کدے میں واپس نہیں آیا تھا ناہی میں نے کسی لڑکی انا قرب بخشا! ہاں رات میں نے اپنی آرام گاہ ہی میں گذاری تھی اور یہ رہا تھا کہ انیٹس پر اس واقعے کا کیا اثر ہوگا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر انیٹس نے مجھے طلب کر لیا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ انیٹس ضرورت سے زیادہ سنجیدہ و فکر آباد تھا۔ ناشتے پر اس کے اور میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اور میں بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ گلشار میری بیٹی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ کب تمہارے پاس آئی تھی؟"

"دوسری رات جب تم چلے گئے تھے۔"

"خود آئی تھی یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

"نہیں وہ خود آئی تھی۔"

"اس نے تم سے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں اس نے یہی بتایا کہ وہ بھی خادمہ ہے۔"

"ہوں، خود اس نے مجھ سے بھی کہا ہے لیکن اگر وہ یہ بات نہ بھی کہتی تو جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا؟" میں نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور سوالیہ نگاہوں سے انیٹس کو دیکھنے لگا۔ "میں تمہاری دونوں ٹانگوں میں رسیاں باندھتا اور ان رسیوں کو دو مضبوط اور طاقتور گھوڑوں کے بدن سے باندھتا اور ان دونوں گھوڑوں کو مختلف سمتوں میں ہانک دیا ہوتا۔ یوں کر تمہارا بدن درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ گلشار میری بیٹی ہے اور تم نے دوست ہو کر میری عزت پر ڈاکا ڈالا ہے۔"

"میں بتا چکا ہوں انیٹس کہ اس لڑکی نے خود کو خادمہ بتایا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتی تو میں اس کے ساتھ کوئی غلط سلوک نہ کرتا لیکن میں لاعلم تھا۔"

"ہوں۔ وہ لڑکی تمہارے لیے پاگل ہو رہی ہے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟" انیٹس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"اسے سمجھاؤ انیٹس، مجھے واقعی افسوس ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں وہ سمجھنے کی حد سے باہر نکل چکی ہے۔ میں نے بھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں مارا۔ لیکن اب ——— اگر تم اس کی آنکھوں کو دیکھو گے تو تمہیں اس کے بدن پر سینکڑوں نشانات نظر آئیں گے۔ لیکن اس زبان سے صرف تمہارا ہی نام نکلتا ہے۔"

"بہت افسوس کی بات ہے انیٹس۔ میں حالانکہ تصور وار نہیں ہوں لیکن اس بات پر میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میں نے جواب دیا۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں اس کی تقدیر کا مالک

بنا دوں۔"

"میں نہیں سمجھا انیٹس۔"

"میرا مقصد ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس سے تمہاری شادی کر دوں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میرے تمہارے درمیان جو کچھ بھی ہو چکا ہے اس کی وجہ نہیں میرے خادم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں انیٹس۔ یہ کام تمہارے لیے انتہائی مشکل ہوگا، اس کا ایک حل میرے پاس موجود ہے۔"

"کیا؟" انیٹس نے پوچھا۔

"میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ میں یہ علاقہ ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اپنی پریشانی نہیں رہے گی۔"

"پریشانی اب تو میرا مقدر بن چکی ہے، یا تو گلشار کی زندگی ختم کرنا پڑے گی یا اپنی عزت داؤ پر لگا دینا ہوگی۔" انیٹس نے سخت لہجے میں کہا۔ "انیٹس کی صورت دیکھنے کا تھا تم اگر یہاں سے چلے بھی جاتے ہو تو اس کا فائدہ کیا ہوگا۔ گلشار بدستور تمہارے لیے پریشان رہے گی اور ہم سب کو پریشان کرتی رہے گی۔"

"اس سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں انیٹس۔" میں نے سوال کیا اور انیٹس عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناشتہ کرو۔ میں سوچوں گا۔"

پروفیسر ملی نے انیٹس کے چہرے پر کوئی ایسی عجیب بات دیکھی تھی جو میرے ذہن میں کھٹکنے لگی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے کا خواہاں تھا لیکن بہرصورت اس کے اندر کچھ ایسے روئیے ابھرے تھے اور پھر وہ کسی حد تک مطمئن ہوگیا۔ نجانے کیوں ناشتے کے بعد اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی اور میں وہاں سے چلا آیا لیکن نجانے کیوں مجھ پر اس واقعے کا بڑا اثر تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ انیٹس اس مسئلے کا کیا حل تلاش کرے گا۔

میں اپنے طور پر بھی سوچ رہا تھا

یہاں سے نکل چلنا چاہیے۔ انیٹس کی جان کا روگ بنے رہنا اچھی بات نہیں تھی۔ صبح کو میں تنہا تھا لیکن سورج چڑھا نہیں تھا جب انیٹس کے بلانے پر اس کے گھر کے ایک حصے میں بلایا جہاں اس کے اہل خاندان رہتے تھے۔ میں جب وہاں داخل ہوا تو گلشار بھی وہیں موجود تھی۔ لیکن اس کی حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ چہرہ اترا ہوا بال بکھرے ہوئے سالوں کی بیمار لگ رہی تھی مجھے دیکھ کر دیوانہ وار اٹھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ انیٹس نے رخ بدل لیا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی کیا۔ دیوتا داس کے لیے مجھے چاند لے چلو۔ مجھے اپنی دنیا میں لے چلو۔"

"کیا کیا اس نے اپنے ساتھ لے جانے کا بندوبست کر دیں۔ دونوں کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد تم اس زمین پر مت آنا۔" انیٹس نے رخ بدلے بدلے کہا۔

"یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے گلشار۔؟"

"یہ تو مجھے تم سے محبت کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"اب تم ٹھیک ہو جاؤ گلشار۔"

"نہیں لیکن تم مجھے یہاں سے لے چلو۔"

"کیا تم اسی طرح ایکناس کے ساتھ بھی جاؤ گی۔ کیا تم اہل لبنان کی رسم توڑ دو گی؟ بہتر یہ ہے کہ خود کو سنبھالو۔ انتظار کرو اور اس کے بعد ایکناس سے شادی کر کے اس کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"کتنا انتظار کرنا ہوگا؟" گلشار نے باپ سے پوچھا۔

"بس چند روز۔ صرف چند روز۔" انیٹس نے جواب دیا۔

"تم۔۔۔ تم بھی یہی کہتے ہو ایکناس۔ کیا میں ایسا ہی کروں؟" اس نے معصومیت سے پوچھا اور میں نے گردن ہلا دی۔ یہ ایک لڑکی مسیحی پر مسلط سوہری تھی پروفیسر میرا اندازہ تھا کہ بالآخر انیٹس نے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ لیکن میں کسی کے فیصلے کا پابند نہیں تھا۔ البتہ ہمدردی کی بات دوسری تھی۔ اس لڑکی کی حالت پر مجھے رحم آگیا تھا بہرحال میں نے خاموشی اختیار کر لی اور تھوڑی دیر تک میں گلشار کے پاس رہا۔ لیکن انیٹس نے ہم پر کڑی نگاہ رکھی تھی۔ پھر اس نے گلشار سے کہا۔

"اب اسے اجازت دو گلشار۔"

"کیوں پاپا۔ اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔"

"یہ روایات کے خلاف ہے۔"

"میں روایات کی پروا نہیں کرتی۔"

"تمہیں اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"باپ کو بھی میری محبت کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں۔" انیٹس غرایا

"مجھے تم لوگ۔ تم سب لوگ دشمن محسوس ہوتے ہو۔ اور دشمنوں کے وعدوں پر اعتبار کرنا دانشمندی نہیں ہے۔"

"ایکناس تم ہی اسے سمجھاؤ۔" انیٹس شاید اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

"انیٹس ٹھیک کہتے ہیں گلشار۔ تھوڑا سا انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم تو وہاں رہتے ہو؟"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تب مجھے اطمینان ہے لیکن جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی تم یہ شب بھر کے ملاقات کرو گے۔ مجھ سے ملتے رہو گے۔"

"یہ مناسب نہیں ہوگا گلشار۔" انیٹس نے کہا۔

"کیوں مناسب نہیں ہوگا۔" جواب وہ دے کر بولی۔

"یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔ اور ہم اپنے اصولوں کو توڑ کر دیوتاؤں کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتا۔ لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے؟"

"میرا خیال ہے گلشار۔ اپنے بابا کی بات مان لو۔ شادی کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس وقت تک انتظار کر لو۔"

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے۔" وہ بے چارگی سے بولی۔ اور پھر میں

وہاں سے عل آیا۔ الفیئس نے پولیڈون مجھ سے ملاقات نہیں کی تھی میں اس کی پریشانیوں سے واقف تھا۔ ویسے میں خود بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں گلشاد کی ذمہ داری سنبھالنا میرے لیے خاصا مشکل مرحلہ تھا اس لیے گلشاد عجیب ہو گئے تھے۔ الفیئس نے میرے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا اس لیے اس کی یہ پریشانی بھی میرے لیے باعث تکلیف تھی۔ میں کوئی درمیانی حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔

الفیئس کے رویے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے اور خوش ہو بھی نہیں سکتا تھا اس کی عزت پر بٹا لگ گئی تھی۔ بیش قدر بھی اس لمحے بھی ویران تھا لیکن جب تابیکی پھیلی تو ایک حسینہ جام و سبو لیے میرے پاس پہنچ گئی۔

"کیا تمہیں الفیئس نے بھیجا ہے؟"

"اس وقت نہیں۔ لیکن اس نے تمہیں کو ہدایت کی تھی کہ تیری دلجوئی کا خیال کیمیں اسی سہارے سے آگئی ہوں۔" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں بھی پریشان تھا۔ تو نے اچھا کیا جو آگئی۔ کیا نام ہے تیرا؟"

"مہانہ۔" اس نے جواب دیا۔ اور میں مسکرانے لگا۔ مہانہ۔

مجھے شراب پلاقی رہی۔ اور تھوڑی دیر کے لیے میں ذہنی انتشار سے اور پھر وہ رونے لگی اچانک ہی اس کے رونا شروع کر دیا تھا۔ میں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا مہانہ۔ تو کیوں رو رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور سسکیاں لیتی رہی۔

"آہ۔ میں اتنی مجبور کیوں ہوں۔ آہ۔ میں نے اچھا نہیں کیا کاش آقا یہ کام میرے سپرد نہ کرتا۔" وہ روتی ہوئی بولی۔ اور پھر اس نے جست بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "میرے محبوب۔ اکیاس۔ تو بیشک کرلوروں کی تخلیق ہے۔ تیرے وجود کی گرمی ذہنوں کو مسخر کر لیتی ہے میں بھی تیری محبت کا شکار ہو گئی ہوں۔ یوں کر اکیاس۔ شراب کا ایک جام مجھے اپنے ہاتھوں سے بھر کر دے۔"

میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کی اور اسے شراب کا جام بھر کر دے دیا۔ میری روح میں اتر جانے والے۔ میں خود کو اس جرم کی سزا دے رہی ہوں جو میں نے بحالت مجبوری کیا ہے۔ آہ چند ساعت کے بعد تو اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ لیکن میں خود بھی تیرے ساتھ لیوتاتوں کی سرزمین میں چل رہی ہوں۔ میں خود بھی اس احساس کی محرم نہ رہوں گی۔"

اس نے جام ہونٹوں سے لگا کر خالی کر دیا۔

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں مہانہ۔" میں نے کہا۔

"آہ۔ مجھے الفیئس نے تیرے پاس بھیجا تھا۔ اس شراب میں زہر ملا ہوا تھا جو تو نے پڑھ مقدار میں معدے میں اتاری ہے الفیئس کا حکم تھا کہ تجھے زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ سو میں نے تعمیل حکم کی لیکن ہائے میرے لیے بے مزا ہو گئی۔ تو اس دنیا میں نہ ہو گا تو تیرا تصور مجھے ہر لمحہ موت دے گا۔ اس لیے۔ زہر کا ایک جام۔ میں نے بھی۔ تیرے ہاتھوں سے۔" مہانہ کی حالت بگڑنے لگی۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں اور پھر اس کا کلیجہ کرمنہ کے راستے باہر آنے لگا۔

"میرے محبوب۔ میرے محبوب۔" اس کے منہ نے خون میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔

الفیئس کے بارے میں میری رائے پہلے بھی اچھی نہیں تھی لیکن مہانہ کی موت کے بعد مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ شراب کا لالچی اور خود غرض تاجر اپنی بیٹی کے ہاتھوں مجبور رہا۔ گلشاد نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے گلشاد کو تسلیاں دی تھیں اور اس کے بعد مجھے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔

کم از کم مجھ سے اس کے جیسے تعلقات تھے ان کے پیش نگاہ اسے یہ گھناؤنی سازش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن پروفیسر قسطاس اب تو اس کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے لفظ بھی نہیں رہے ہیں میرے پاس۔ تاہم میں نے ان سب کے درمیان زندگی کے گزر بسر کے لیے بہت کچھ کما لیا تھا۔ اب میں ان واقعات سے زیادہ بددل نہیں ہوتا تھا۔

دوسری صبح میری اس سے ملاقات ہوئی۔ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"آہا اس میرے عزیز۔ صبح بخیر۔ صبح بخیر۔ تمہیں دیکھ کر دل کو بڑی فرحت کا احساس ہوتا ہے کہو رات کیسی گزری؟"

"حسب معمول۔ تمہاری مہربانیوں کے دوران۔ لیکن مہانہ عجیب لڑکی ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔"

"کیوں، کیوں۔ کیا اس نے کوئی ایسی بات کہی جو تمہاری شان کے خلاف ہے۔ اگر اس غلام زادی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے تو قابل گردن زدنی ہے میں اسے بدترین سزاؤں سے دوچار کرواؤں گا تو کیا کہا اس نے؟" چالاک انسان مصنوعی غصے کا اظہار کرنے لگا۔

"کہنے لگی۔ الفیئس تمہاری جان کا دشمن ہے، وہ تمہیں زہر دلوانا چاہتا ہے۔"

"آہ۔ آہ۔ اس نمک حرام نے یوں میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کیوں؟ اس سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ آہ میں سمجھ گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ کچھ لوگ نہیں چاہتے کہ میرے اور تمہارے درمیان دوستی محبت کی راہیں ہموار ہوں۔ لیکن فکر مت کرو میں اس نمک حرام لڑکی کی زبان سے سب کچھ اگلوا لوں گا ذرا بتاؤ تو وہ کہاں ہے اور کیا ثبوت پیش کرے گی وہ اس بارے میں۔"

"میں نے بھی اس سے یہ سوال کیا تھا اور ثبوت کے طور پر اس نے وہ شراب اپنے معدے میں اتاری جو زہر آلود تھی۔"

"پھر۔ پھر کیا ہوا؟" تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔ اس کی آنکھیں پریشانی سے پھیل اور سکڑ رہی تھیں۔

"پھر وہ وہاں بھی ہو گئی اور اس کی لاش میرے کمرے میں موجود ہے۔" میں نے جواب دیا اور تاجر سکتے میں رہ گیا۔ پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گویا۔ گویا میرے اور تمہارے دشمن ہمارے درمیان تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس شدت پسندی کا ثبوت دیا کہ ایک زندگی اس کام کی بھینٹ چڑھا دی۔ وہ کیسے شقی القلب لوگ ہیں۔ اب بتاؤ میں اپنی صفائی کے لیے کیا کروں۔ ایکاس میرے دوست کیا تم میرے دشمنوں کے جال میں پھنس گئے۔ کیا میں تمہاری نگاہوں میں اپنا اعتماد کھو بیٹھا ہوں؟" اس نے بدستور روندھی آواز میں کہا۔

"ہرگز نہیں الفیئس۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے لوث انسان ہو۔ تم نے تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔ اتنی معمولی سی بات پر میں تم سے بددل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں کو ہم سے دشمنی کیوں ہو گئی۔ وہ اس بات کے درپے کیوں ہیں کہ ہمارے درمیان اختلافات ہو جائے۔"

"میرا کاروبار، میری دولت، میری عزت و شہرت، بہت سے لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے، اور وہ اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ کسی طرح میں الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہو جاؤں۔" ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن اس طرح وہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے، تم یوں کرو الفیئس کہ ایک آدھ دن میں اپنی بیٹی سے میری شادی کا اعلان کر دو، اور اس کے فوراً بعد میری شادی اس سے کر دو۔ تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔"

موزی صفت تاجر کا چہرہ میری اس تجویز پر اتر گیا لیکن بظاہر وہ سانپ کی طرح موزی تھا۔ اس کے اعصاب میں بلا کی قوت تھی۔ دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور خوش ہو کر بولا۔

"نہایت مناسب تجویز ہے، صولیوں کرتا ہوں کہ آج ہی انتظامات کیے دیتا ہوں اور کل شام کو چند معززین کو بلا کر یہ اعلان کیے دیتا ہوں کیسا رہے گا؟"

"بہت ہی موزوں۔" میں نے جواب دیا۔ میں اس سے جو بلی کا کھیل کھیل رہا تھا، مجبوری تھی میں خود تو اسے نقصان پہنچانے کے قابل نہیں تھا لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اور اب مجھے اس کی مکاری سے نفرت ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں اس کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا بلکہ اسے سبق دینے کا خواہاں تھا۔ اس سلسلے کے بعد میں نے سوچا کہ ضرور اس کے شیطانی ذہن نے کوئی دوسرا منصوبہ سوچا ہے، لیکن بدنصیب تاجر ایک لاکھ منصوبے

بنا لیتا تو بھی میری ذات ان سے متاثر نہ ہوتی، ہاں اس کا یہ منصوبہ اس رات میرے سامنے آ گیا۔ شام کو اس نے ایک محفل رقص و سرور برپا کی تھی اور مجھے بطور خاص اس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

"میں فنکاروں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور جب بھی میری نگاہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو رقص و موسیقی کے فن میں یکتا ہوں میں ان کی عزت افزائی کے لیے انہیں دعوت دیتا ہوں۔ آج جو رقاص رقص پیش کریں گے وہ اپنے فن میں یکتا ہیں۔" اس نے مجھے بتایا۔

"ہاں میں جانتا ہوں تم طالب ذوق ہو۔" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ میرے بیٹھنے کے لیے جو جگہ بنائی گئی تھی وہ کافی نمایاں تھی اور ذرا الگ تھلگ کر بھی تھی۔ میں نے اس بات کو محسوس کیا لیکن درحقیقت اس وقت الفیئس کا منصوبہ میرے علم میں نہیں آیا تھا۔ جن رقاص کا اس نے تذکرہ کیا تھا ان کی تعداد سات تھی، سیاہ ذرکار لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ رقص گاہ میں آئے تو ایک عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ وہاں موجود لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے لیکن پھر ڈرم پر چوٹ پڑی اور رقاصوں کے بدن تھرکنے لگے۔ انہوں نے ایک قطار بنا لی تھی، اور ان کے پھیلے ہوئے بازو سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ پورے بدن ساکت تھے بس ہاتھ ہل رہے تھے اور ایک عجیب سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد رقاصوں نے چھلانگ لگائی پیچھے ہٹے اور اس کے فوراً بعد ہی ڈرم طوفانی انداز میں بجنے لگا۔ اور رقاصوں کے پھریلے بدن حرکت میں آ گئے۔ عاصا سنسنی خیز رقص تھا اور میں اس رقص سے محظوظ ہو رہا تھا۔ میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ تمام لوگ سنسنی خیز نگاہوں سے رقاصوں کو رقص کرتے دیکھ رہے تھے اور الفیئس کے چہرے پر سکون کے تاثرات تھے، وہ تیز باز آنکھوں سے رقاصوں کی ہر جنبش کو دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ رقاصوں کے فن پر عروج آتا گیا۔ اب وہ اتنی پھرتی سے تھرک رہے تھے کہ ان کے بدن نظر نہیں آ رہے تھے۔ بس بے پناہ تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے سائے تھے۔ میں ان کے اس فن کی داد دیے بغیر رہ سکا اور پھر جونہی ڈرم رکے، رقاصوں کے بدن بھی جہاں اور جس حالت میں تھے ساکت ہو گئے۔

دیکھنے والوں نے ایک نعرہ ہائے تحسین بلند کیا لیکن اس کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ ڈرم پر دوچوٹیں پڑیں اور رقاصوں نے اپنے لباسوں کی پٹیوں میں اڑسے ہوئے مکدار خنجر نکال لیے۔ چوڑے پھل والے خنجر جن کی تیز چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی، اور اس کے بعد ڈرم پھر تیز ہو گیا اور رقاص خنجر لے کر ناچنے لگے۔

دوسرے لمحے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر میری جھانپ دیدہ نگاہیں اور تجربہ کار سوچ غلط نہیں تھی تو یقیناً الفیئس کی

سازش کی بنا ہو چکی تھی۔

چانچہ رقاص پھر تحریک میں آ گئے ان کی رفتار آہستہ آہستہ پہلے کے سے انداز میں طوفانی ہوتی چلی گئی۔ اسی انداز میں دو پہلے ہی پنا رقص پیش کر چکے تھے۔ ڈرم پر پھر زبردست چوٹ پڑی اور تماص رہ گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دلچسپ واقعہ پیش آیا جو کا میں متوقع تھا۔

نہوں نے اپنے خنجر چھل کی طرف سے پکڑ کر انتہائی قوت سے میری جانب پھینکے اور پے در پے یکے بعد دیگرے آٹھ خنجر میرے جسم کے مختلف حصوں پر آ کر لگے۔ لیکن میں۔ میں تو ناقابل تسخیر ہوں اور بعض اوقات یہ بات بڑے فخر و انبساط کے ساتھ کہتا ہوں کہ گزرے ہوئے لمحات میں گزری ہوئی صدیوں نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا لیکن مجھے فنا نہیں ہے میں تو جاری ہوں اور جاری رہوں گا خنجر کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرائیں اگر وہ اتنی قوت سے کسی اور کے بدن سے ٹکراتیں تو یقیناً پتھر سے ٹکرا کر شکستہ ہو جاتے۔ لیکن ہوا یوں کہ ان کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرا کر شکستہ ہو گئیں اور ایک ایک کر کے وہ سب میرے قدموں میں گر پڑے۔

ایفٹس بخوفزدہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے جسم کی لرزش نمایاں طور پر محسوس کی تھی۔ دوسرے تمام لوگ جو اس رقص کے تماشائی تھے۔ منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے کھڑے ہو گئے ان کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اس خوف میں تعجب کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ پھٹی ہوئی آنکھوں سے انہوں نے مجھے دیکھا۔

میں بدستور پرسکون تھا اور میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تب میں نے ایفٹس کی جانب دیکھا جس کے بدن کا لہو تیزی سے بخار رہا تھا۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور وہ تھکے تھکے سے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

تب میں آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا خوب رقص پیش کیا تمہارے ان فنکاروں نے ایفٹس۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا اور ایفٹس منہ کھول کر رہ گیا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔

دوسری طرف تماص بھی وحشت زدہ نگاہوں سے اپنی اس کارروائی کا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ پلٹ کر ایسے بھاگے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ ظاہر ہے اگر وہ یہاں موجود رہتے تو ان کی اپنی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ ایفٹس دوسرا کام یہی کرتا کہ انہیں کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتا۔ لیکن انہوں نے جان بچا کر بھاگ جانے میں عافیت محسوس کی تھی۔ تب تماشائی میرے نزدیک پہنچ گئے اور مجھے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان تمام سوالات کا لب لباب یہی تھا کہ میرے بدن پر زخم کیوں نہیں آئے اور میں نے ان سب کو تسلی دی۔ میری آواز انتہائی نرم تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص خوف و دہشت سے بے ہوش ہو جا رہا تھا تو وہ ایفٹس تھا۔ تب میں نے لوگوں سے کہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو اس ناگوار حادثے کی وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے بعد اب رقص و سرور کا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ نشستیں برخاست کی جائیں" میں نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اور ان لوگوں نے ایفٹس کی طرف دیکھا۔

ایفٹس کے تو گویا بدن میں جان ہی نہیں تھی وہ اپنے منہ سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔ چانچہ تماشائی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے اور اب رقص گاہ میں صرف میں اور ایفٹس رہ گئے۔

"تم پریشان کیوں ہو ایفٹس، بیٹھ جاؤ میرا خیال ہے تمہیں خاصی پریشانی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے اس کی نشست پر بٹھا دیا۔ پھر میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بہتر تو یہ تھا عظیم تاجر کہ تم جس دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے وہی دوستانہ انداز برقرار رکھتے۔" میں نے کہا ایفٹس نے پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے سکی تھی۔

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ہوش و حواس واپس لاؤ اور مجھ سے گفتگو کرو میں اس وقت بھی تم سے دوستانہ انداز میں اور دوستانہ لہجے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اور تم یقین کرو میرے ذہن میں تمہارے خلاف کوئی انتقامی جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے۔"

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔"

"ہاں ہاں کہو ایفٹس کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے سخت شرمندہ ہوں۔"

"نہیں۔ تمہاری یہ بہت سخت سزا کا مستحق ہے، میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میرے غصے کو آواز نہ دو۔ میری پرخلوص پیش کش کے جواب میں خلوص سے گفتگو کرو۔ میں تمہاری الجھن جانتا ہوں۔" میں نے کہا اور ایفٹس مجھے دیکھنے لگا پھر شاید اس نے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا پھر وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ میں ایک بااثر انسان ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کسی بدنیتی سے اپنے ساتھ نہیں لایا۔ بلکہ میں نے تمہیں اپنا دوست سمجھا ہے۔ لیکن ہوا یوں کہ میں تمہیں بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔ عورت ہمیشہ کمزور ہوتی ہے۔ جذباتی فیصلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی اور بعض اوقات اس کے یہ فیصلے ایسا بدنما داغ بن جاتے ہیں جنہیں کسی بھی طور نہیں دھویا جا سکتا۔ اپل پائی گاس ایفٹس کی عزت بھی کرتے ہیں اور اس کی اہلیہ سے خوفزدہ بھی ہیں ان کے ذہنوں میں اس کے لیے گنجائش ہے اور اس گنجائش کو بھی موقع ملتا ہے ابھر آنے کا ہے۔ چانچہ اگر میں اپنے شخص کے ساتھ

بیٹی کی شادی کر دوں جو حقیقت میں نہ سہی بظاہر میرا غلام ہے
ں کہ کہیں گے۔ مجھے پائی گاس چھوڑنا پڑے گا اور میں کسی
اس جگہ پر باعزت نہیں رہ سکتا۔ لیکن دوسری جانب میری حق
ے جس کی وجہ سے مجھے مشکلات کا شکار ہونا پڑا ہے۔"
"لیکن ایفٹس تم جانتے ہو کہ جس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ
تمہاری بیٹی ہے تو میں نے خلوص دل سے یہ بات کہی تھی کہ اگر
ں عالم ہوتا تو میں اسے اپنے قریب ہی جگہ نہ دیتا۔"
"ہاں مجھے علم ہے۔"
"پھر مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"
"تمہارا کوئی قصور نہیں۔"
"تو پھر تم ایک بے قصور انسان کو قتل کرنے کی ناپاک اور
خوفناک سازشیں کر رہے ہو۔ تم نے اپنی لونڈی مہانسہ سے مجھے زہر
دینے کا فیصلہ کیا لیکن تمہاری بدقسمتی تھی کہ بہانہ
میری محبت سے سرشار ہو گئی تھی اور اس نے
زہر خود پی لیا تاکہ اسے یہ ناگوار فرض نہ انجام دینا پڑے اور نہ ہی
تمہارے سامنے جوابدہ ہو اور میں تمہاری اس دوسری کوشش
بھی واقف تھا۔"
"واقف تھے؟" ایفٹس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔
"ہاں ایفٹس مجھے اس کے بعد سے تم پر اعتبار نہیں رہا تھا
تمہارے خودکشی کی۔ اور میں تمہاری طرف سے محتاط تھا۔
یہی وجہ ہے کہ میرے جسم پر تمہاری خنجر زنی کامیاب
نہ ہو سکی۔
"وہ میں کتنا بدنصیب ہوں، میں کتنا بدقسمت ہوں کہ
نے دوست کو بھی اپنے دامن میں پناہ نہ دے سکا۔ میں تم سے
بار پھر شرمندہ ہوں۔"
"میں کہتا ہوں ایفٹس مکاری مت کرو۔ مجھے کھلے دل سے
بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"
"جو کچھ میں بتا چکا ہوں اس کے بعد اس سلسلے میں تم خود
فیصلہ کرو کیا اس؟" ایفٹس نے کہا۔
"ٹھیک ہے ایفٹس اگر میں چاہوں تو انتقاماً تمہیں مشکلات
کا شکار کر سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو تم سے اپنے اور پرقاطا نہ جملے کا
انتقام لے سکتا ہوں یا اگر یہ بھی نہ ہو تو تمہاری بیٹی سے مل کر تمہاری
خفیہ سازش کا انکشاف بھی کر سکتا ہوں اور اس کے بعد ظاہر
ہے تمہارے لیے بے پناہ مشکلات پیدا کر دے گی۔ لیکن اس
سب کے باوجود میں تمہارے ساتھ کرتے رہے ہیں تمہیں کسی
مشکل میں نہیں ڈالا رہا بلکہ میں تو پوری طرح پائی گاس چھوڑنے
کا فیصلہ کر رہا ہوں۔ ایفٹس خوشی سے اچھل پڑا۔ لیکن دوسرے لمحے
اس نے اپنی یہ خوشی چھپا لی۔

"کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو ایکباس؟"
"میں وقوف انسان میں تیری طرح مجبور اور سازشی نہیں ہوں جو کہہ رہا ہوں وہی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چانچہ مجھے رخصت کی اجازت دے۔"
"اوہ ایکباس میرے دوست ایک بار پھر میں شرمندگی کا اظہار کر رہا ہوں اور اس اظہار میں کوئی مکاری یا شبہ نہیں ہے، مجھے واقعی اس بات کا احساس ہے کہ تو نے میرے ساتھ بہت شریفانہ برتاؤ کیا ہے۔" وہ بولا اور میں واپس کے لیے مڑ گیا۔

رات کا وقت تھا۔ ایفٹس کے خوبصورت مکان سے نکلنے کے بعد میرے لیے ایسی کوئی جائے پناہ نہیں تھی جہاں میں قیام کرتا لیکن پروفیسر میں ان انسانی مشکلات کا شکار تو نہیں تھا۔ جو تمہاری دنیا کے لوگوں کو پیش آتی ہیں میرے لیے تو ہر جگہ پرسکون اور قابل آرام تھی۔ چانچہ ایفٹس کے مکان سے نکل کر جدھر میرا منہ اٹھا چل پڑا۔ خوبصورت پائی گاس میں درختوں کی بہتات تھی اور ایسے ہی ایک درخت کے نیچے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ مجھے تھوڑے فاصلے پر خانہ بدوشوں کے خیمے لگے ہوئے تھے ظاہر ہے عارضی طور پر یہاں پڑاؤ کر گزین ہو گئے تھے۔ کیونکہ خیموں کی آبادی اس جگہ کے علاوہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھی۔ تب میں نے سوچا کہ پائی گاس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اپنایا جائے لیکن اس کے لیے سمندری سفر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جزیرہ پائی گاس چاروں طرف سے سمندر کے درمیان گھرا ہوا تھا اور سمندر کو عبور کیے بغیر کوئی دوسری سرزمین دیکھنا مشکل تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ انتظامیہ کے عالم میں ایفٹس نے بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اگر میں اس سے پائی گاس چھوڑنے کا وعدہ کر رہا ہوں تو کس بنیاد پر۔ ظاہر ہے اس کے لیے مجھے سمندری سہولتیں درکار ہوتیں۔

لیکن بہرحال اب تو ایفٹس کے مکان سے نکل آیا تھا اور اب مجھے اس سے کیا ہوا وعدہ نبھانا تھا۔ میں نے درخت سے ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں اور نیم غنودگی کی کیفیت میں کھو گیا۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب میں نے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنیں، میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ بیابان میں کچھ اور خیمے نصب کیے جا رہے تھے۔ نہ جانے یہ خانہ بدوش کہاں سے آ رہے تھے۔ صبح کی آمد کے ساتھ ساتھ جنوں کا ہجوم بڑھتا رہا اور میں دلچسپی سے اس اجتماع کو دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لوگوں کے بولنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تب مجھے ایک پستہ قامت شخص، اس درخت کی طرف آتا نظر آیا۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس لیے میں اس شخص کو بخوبی دیکھ سکتا تھا وہ کمر پر دونوں ہاتھ باندھے چہل قدمی کرنے کے سے

انداز میں اس طرف آرہا تھا۔ پھر وہ میرے نزدیک پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے عجیب سی عیاری کا احساس ہوتا تھا۔ چند لمحات وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ قدم بڑھا کر میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"دیوتاؤں کی مدد سے۔ تو کون ہے۔"

"ایکاس۔"

"بلاشبہ اسم بامسمّیٰ ہے، لیکن یہاں کیا کر رہا ہے۔ کیا تو غلاموں کا تاجر ہے بشکل وصورت سے تو غلام نہیں معلوم ہوتا۔"

"نہیں میں غلام ہوں اور نہ غلاموں کا تاجر۔ بس ایک بے خانماں انسان ہوں اور دو رات گزارنے کے لیے یہاں ٹھیر گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور اس کا نچلا ہونٹ اس انداز میں ٹھٹک گیا۔ جیسے اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال آیا ہو۔

"کیا مطلب، کیا مطلب۔ کیا تیرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے۔ کیا تو کسی دوسری جگہ سے یہاں پہنچا ہے؟"

"ہاں، ایک جہاز کی تباہی نے مجھے اس ساحل پر چھوڑا ہے۔"

"دیوتا تجھ پر رحم کریں۔ کیا اہل پائی گاس میں سے کسی کی نگاہ تجھ پر نہیں پڑی۔ کیا کسی نے تجھے اپنا مہمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔"

"نہیں اہل پائی گاس خشک طبیعت ہیں۔ اور پھر میں نے ان میں سے کسی سے مدد مانگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں اس شخص کے بارے میں جاننے کا خواہشمند تھا۔ اس لیے اس کی پسند کے اغلاط قبول کر رہا تھا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی حریص چمک کو دیکھ رہا تھا۔"

"لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے تجھ جیسی سونے کی کان کو بھی چھوڑ دیا اور یہ تو بتا تیرے سونے کی طرح چمکنے والے بدن کا کیا راز ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"لوگوں کہتا ہے جیسے تو چاند کی دنیا سے بھٹک کر آگیا ہو۔ قدر دانوں کے لیے تو تو زمین کا چاند ہے۔ آہ مجھے تیری اس بے بسی پر کتنا رنج ہو رہا ہے۔ تجھ جیسا گوہر بے بہا یوں چھوڑ دیا گیا۔ میرے عزیز۔ کیا تو میرے خیمے میں پناہ نہیں پسند کرے گا۔"

"تجھے تکلیف ہوگی۔"

"ہرگز نہیں، تو تو میرے لیے سونے کا پہاڑ ہے۔ میں تجھے زندگی کی ہر بہتر ین سہولت فراہم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو اگر اپنی ذات میرے لیے وقف کر دے تو میں تجھے ایسا اعلا منصب دلاؤں گا کہ تو تا زندگی مجھے دعائیں دے گا۔ اٹھ۔ آ میرے ساتھ۔ میں تیری منت کرتا ہوں۔"

میں اٹھ گیا۔ دوسرے چالاک آدمی کے دل میں کیا ہے یہ تو مجھے ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا تھا، لیکن پروفیسر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا تو میری فطرت تھی۔ میں نے سوچا ذرا اسے بھی تو دیکھوں۔ یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

موٹا شخص مجھے ایک کشادہ خیمے میں لے گیا۔ وہاں ایک شخص گہری نیند سو رہا تھا۔ "اوہ بے وقوف انسانوں نے اسے بھی یہاں سلا دیا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے تو خیمے میں آرام کر۔ اگر نیند گہری ہے تو تھوڑی دیر سو جا۔ اس پر لطف ماحول میں تجھے خوب نیند آئے گی۔ بھوکا ہے تو مجھے بتا میں تیرے لیے فوراً خوراک کا بندوبست کروں۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں بھوکا نہیں ہوں۔"

"تب پھر آرام کر۔ بقیہ گفتگو تجھ سے صبح کو ہوگی۔" اور پھر ادا کے وہ چلا گیا۔ اس کے انداز میں جوش و اضطراب تھا۔ جیسے کوئی اندرونی خیال اسے مسرت میں مبتلا کر رہا ہو۔ وہ خیال کیا تھا۔

تب میں سوتے ہوئے شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سیاہ فام نسل کا کوئی نوجوان تھا جس کے اعضا فولاد کے ڈھلے معلوم ہوتے تھے۔ اس کے بدن کا ایک ایک پٹھا کسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی صورت بدنما تھی۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر اس شخص کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اسے جگایا اور وہ ایک جھٹکا لے کر بیدار ہو گیا۔

"کیا صبح ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہونے کے قریب ہے۔ کیا تو سونا ہے گا؟"

"نہیں اگر الغوذ کا حکم ہے تو میں جاگ جاتا ہوں۔"

"الغوذ کون ہے؟" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے خیمے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"تو کیا یہ الغوذ کا خیمہ نہیں ہے؟"

"کیا اس موٹے اور پستہ قد انسان کا نام الغوذ ہے، جس کے سر پر ہیٹ نما چوٹی ٹوپی میں ایک سیاہ پتھر جڑا ہوا ہے۔"

سیاہ شخص نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ پھر چونک پڑا۔ "تو تو عجیب ہے، لیکن تو اس خیمے میں کس طرح آگیا۔ جبکہ تو الغوذ واقف بھی نہیں ہے؟"

"اگر تو حیرتوں سے نکل آئے تو ہم دونوں دوستوں کی طرح گفتگو کریں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ بھی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تو عجیب ہے۔ تیری یہاں موجودگی ابھی میری سمجھ میں نہیں آئی، لیکن بہتر ہے ہم خیر توں میں ڈوبنے کے بجائے ایک دوسرے سے گفتگو کر کے معلومات حاصل کریں۔"

"ہاں نہایت مناسب فیصلہ ہے۔" میں نے اس سے اتفاق

"پہلے سوال کون کرے گا۔ میں یا تم؟" سیاہ فام نوجوان نے خوش مزاجی سے پوچھا وہ اپنی صورت اور جسامت کے برعکس نرم طبیعت کا معلوم ہوتا تھا اور میں نے اس کی یہ بات پسند کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کی بے پناہ قوت اس کے لیے سکون کا باعث تھی اور اس نے ٹھنڈی طبیعت چاہی تھی۔

"تم ہی سوال کر لو۔ تاکہ پہلے تمہارا تجسس دور ہو جائے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تب تمہارا شکریہ۔ ہاں ذرا یہ تو بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟"

"ایکاس۔"

"پائی گاس کے رہنے والے ہو، یا کہیں اور سے مٹر گشتی آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے۔ بس اتفاقات مجھے یہاں تک لے آئے ہیں۔ یوں سمجھو ایک جہاز کی تباہی کے بعد میں پائی گاس کے ساحل تک پہنچ گیا۔"

"گویا پائی گاس میں تمہارا کوئی شناسا یا عزیز نہ تھا؟"

"نہیں۔"

"آہ! تعجب ہے، تب پائی گاس کے لوگوں نے تمہیں پناہ کیوں نہ دی، لاوارث انسان تو قوت کا غلام ہوتا ہے۔ ایسے کسی شخص کے لیے تو جنگیں تک ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم الغوذ کے ہاتھ کہاں سے لگے؟"

"موٹے پستہ شخص نے مجھے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا پایا تھا اور اس نے مجھے پناہ کی پیشکش کی اور اس خیمے میں لے آیا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن ایکاس تم عام لوگوں سے بڑے مختلف ہو۔ تمہارا بدن سونے کی طرح سنہرا اور چمکدار ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن یوں سمجھ کہ جس طرح تمہارا بدن ان لوگوں کے جسم کے رنگوں کے برعکس سیاہی مائل ہے اسی طرح میرے بدن کا رنگ بھی سنہرا ہے۔"

"میری نسل کے تمام لوگ میری طرح سیاہ فام ہوتے ہیں کیونکہ میری سرزمین سورج سے قریب ہے، اس لیے ہمارے رنگ سیاہ ہوتے ہیں۔"

"یعنی تمہارا تعلق افریقہ سے ہے۔"

"ہاں میرے وطن کا یہی نام ہے۔"

"میرے بارے میں اور سوالات کرو۔" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"میرے خیال میں میرے سوالات پورے ہو چکے ہیں میں تمہارے بارے میں ابتدائی باتیں جان گیا ہوں اس لیے اب سوالات کی باری تمہاری ہے۔"

"سب سے پہلا سوال یہ کہ تمہارا کیا نام ہے؟"

"جالوت، غلام جالوت۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم الغوذ کے غلام ہو؟"

"ہاں، میں اس کی ملکیت ہوں۔ اور اس کی رضامندی نہ جانے مجھے کونسا اقاقا بخشے۔" جالوت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پائی گاس کے بارے میں شاید تیری معلومات محدود ہوں ایکاس۔ یہ غلاموں کی بڑی منڈی ہے، قرب وجوار کے اور بعض اوقات دور دراز کے جزیروں سے غلام یہاں لا کر فروخت کیے جاتے ہیں موسم بہار کا آغاز پائی گاس کے لیے بڑا منفعت بخش ہوتا ہے۔ ان دنوں یہاں غلاموں کے تاجروں اور خریداروں کا ہجوم ہو جاتا ہے اور خوب خرید و فروخت ہوتی ہے۔ تاجروں اور خریداروں کے بہت سے جہاز پہنچ چکے ہیں اور منڈیاں زیادہ ہو گئی ہیں۔ کیا تم نے ایسی کوئی منڈی کبھی نہیں دیکھی ہے؟"

"نہیں۔"

"ویسے الغوذ تمہیں نیک نیتی سے یہاں نہ لایا ہوگا۔ ضرور اس شخص نے اندازہ لگایا ہوگا کہ تم لاوارث ہو۔ چنانچہ اب وہ تم کو فروخت کر دے گا۔"

"میری مرضی کے بغیر؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں غلاموں کی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔"

"کمال ہے کیا یہ حرکت غیر انسانی نہیں ہے۔"

"غلام انسان کہاں ہوتے ہیں۔" جالوت حسرت سے بولا۔ اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم الغوذ کے پاس کب سے ہو؟"

"الغوذ نے تو مجھے صرف تین ماہ قبل خریدا ہے۔ اس سے قبل میں ترا کاذ کا غلام تھا اور وہاں میں نے چھ سال گزارے۔ یوں سمجھو میری ہوش کی زندگی کا آغاز اس کے پاس سے ہوا۔"

"ترا کاذ نے تمہیں کیوں فروخت کر دیا۔"

"اس لیے کہ میں نے حرکت کی تھی جو غلاموں کی تقدیر نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے نشہ سے عشق ہو گیا تھا وہ بھی ایک باندی تھی، اور خوبصورت تھی۔ گو وہ ان کے تصرف میں نہیں تھی۔ لیکن حالات بڑے عجیب تھے۔ مجھے اس سے عشق کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں۔"

"ہاں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ترا کاذ کے نطفے سے تھی۔ گو اس کی ماں بھی باندی تھی۔ لیکن باندیوں کی اولاد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ ان کو اپنا باپ کہہ سکیں۔ تاہم ترا کاذ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ مجھے قتل کر دیتا یا فروخت۔ چنانچہ اس نے ان میں سے ایک کام کیا۔"

"نشہ کہاں ہے؟"

"اسے بے قصور مگر دانا گیا۔"

"ہمم، تیرے دل میں اب بھی اس کی یاد چٹکیاں لیتی ہو گی؟" میں نے سوال کیا اور جالوت کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اس نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں بھی خاموش ہو گیا۔ انوکھی لیکن دلچسپ صورت حال تھی۔ انوکھے قانون تھے، اب مجھے بھی فروخت کر دیا جائے گا۔ مکار لومڑی مجھے کس جھانسے سے یہاں لے آئی ہے۔ لیکن اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ اگر میں اس سے تعاون نہ کروں تو اسے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ میں سوچتا رہا۔ پانی گلاس سے نکلنا چاہتا تھا اور یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ غلاموں کی دنیا کیسی ہوتی ہے اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بک جاؤں اور میں خود کو تیار کرنے لگا۔ زندگی کا یہ تجربہ انوکھا اور نیا تھا اور میں تو تجربات کا رسیا تھا چنانچہ ایک رسک یہ بھی سہی۔ میں نے سیاہ غلام کی طرف دیکھا اور بولا۔ "نشہ نہیں بھی چاہتی تھی؟"

"ہاں بہت لیکن اس نے پیش گوئی کر دی تھی کہ دیدمن ہم دونوں کو جدا کر دیا جائے گا اور یہی ہوا۔"

"ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر وہ تمہیں دوبارہ مل جائے؟"

"نہیں میرے دوست، غلاموں کی زندگی میں سنہرے خوابوں کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے میں اس کی یاد کو بھلانے میں کوشاں رہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ صبح ہو گئی تھی۔ دیر تک ہم خیمے میں رہے۔ کسی نے اندر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر باہر چہل پہل ہو گئی اور خاصا سورج چڑھ آیا جب کسی نے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

"اگر تم دونوں جاگ چکے ہو تو ناشتہ کر لو۔"

"آقا کا کیا حکم ہے؟" جالوت نے پوچھا۔

"یہی جو میں نے کہا۔"

"تب ہم ناشتہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔" جالوت بولا۔ اور ناشتے والا چلا گیا۔

"کیا ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے؟" میں نے پوچھا

"اس وقت تک نہیں جب تک آقا ہمیں نیلام گاہ میں نہ پیش کرے۔"

"میں نیلام گاہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"باہر پہرے دار تمہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"ناشتہ کر لوں، اس کے بعد سوچوں گا۔" میں کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لیے چھلوں کا رس۔ بھنا ہوا گوشت اور پنیر کے ٹکڑے آ گئے۔ جالوت اپنا غم بھول کر ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ اور میری علالت بھی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

"یہ کاروبار کتنے دن سے جاری ہے؟"

"مجھے یہاں آئے ہوئے پانچواں دن ہے۔"

"تمہیں نیلام گاہ میں نہیں پیش کیا گیا؟"

"ابھی تک نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ الغوذ کی نگاہ میں میں ایک قیمتی غلام ہوں۔ اس نے مجھے قیمتی داموں خریدا ہے اور اب وہ میرے اوپر معقول معاوضہ وصول کرے گا۔"

"ہاں جسمانی طور پر تم بہت مضبوط ہو، بہرحال جالوت دیکھنا تو چاہیے کہ یہ نیلام کس طرح ہوتا ہے۔"

"تمہارے لیے مشکل ہے دوست، اب الغوذ کسی طور تمہیں ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ وہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کرے گا۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آ گیا۔ یہاں چار یا زیادہ بڑے خیمے موجود تھے جنہوں نے تب سے مجھے دیکھا اور ان میں سے ایک مستعمل کر بولا۔

"کیا بات ہے تمہیں کسی شے کی حاجت ہے؟"

"ہاں میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کس کام سے؟" پہرے دار نے پوچھا۔

"یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"آقا کی اجازت نہیں ہے۔ پردہ بند کر دو۔" پہرے دار نے کہا۔ میں باہر نکل آیا۔ پہرے داروں نے نیزے تان لیے تھے۔ لیکن میں نے ان میں سے ایک کو پکڑا اور نیزے سمیت اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس کی چیخ سن کر چار مزید پہرے دار آ گئے اور انہوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ پھر شاید الغوذ کو اس بات کی اطلاع مل گئی خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔

لیکن الغوذ نے آتے ہی ان سب کو ڈانٹا اور پھر ہاتھ ملتا دانت نکالتے میرے پاس پہنچ گیا۔ "کیا بات ہے میرے دوست کیا ہوا میرے غریب۔ ان لوگوں میں سے جس نے گستاخی کی ہے تم سے، لو میری تلوار اور اس کی گردن، اڑا دوں مجھے اعتراض نہ ہو گا لیکن کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔"

"کیا میں تمہارا قیدی ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، کسی طور نہیں۔"

"پھر یہ پہرے دار کیوں ہیں؟"

"او اندر ایک غلام موجود ہے، آؤ اندر چلیں اندر چل کر گفتگو کریں ورنہ یہاں کافی مجمع جمع ہو جائے گا اور تم پریشان ہو جاؤ گے۔ آؤ۔ ابھی جاؤ۔ براہ کرم میری بات مان لو۔" میں اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ "ہوا کیا۔ بات کیا ہوئی۔ تمہیں کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"بس میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں۔ کیا انہیں لوگوں کے درمیان، جنہوں نے تمہارے اعتماد کی۔ آہ تم کتنے معصوم ہو۔ اور یہ خوبصورت انسان سوم ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں کے درمیان خوش نہ رہ سکو گے۔"

"مگر مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟"

"بڑے لوگوں کی نگاہوں سے بچانے کے لیے اور پھر میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی بہتر بندوبست کروں گا سو اگر تم کسی ایسے قدردان کے ہاتھوں میں پہنچ جاؤ جو تمہارا صحیح مقام پہچان لے تو کیا برا ہو گا۔"

"اور وہ قدردان کون ہے؟"

"بہت جلد، بس بہت جلد اس کی آمد ہو گی۔ تھوڑا سا صبر کرو میرے بچے۔" الغوذ نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اس خیمے سے اکتا چکا ہوں۔ میرے لیے باہر سیر و تفریح کا بندوبست کرو۔"

"ضرور ضرور، لیکن ایک شرط پر۔"

"کیا شرط ہے؟"

"تم واپس یہاں آ جاؤ گے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم جالوت کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور ہاں جالوت، تم نگراں و محافظ ہو، کیا سمجھے۔ کہ اور یہاں واپس لانا تمہارا کام ہے لیکن اس مانند کہ دوسروں سے پوشیدہ رہو۔ ابھی بٹیرو۔ میں تمہارے لیے ایسی بگھی کا انتظام کروں جو خریداروں کی ہوتی ہے۔ پھر تم آرام سے منڈیوں کی سیر کر سکو گے۔ کیا تم مجھ سے تعاون کرو گے اور واپس آ جاؤ گے وعدہ کرو۔ بولو کیا تم ایک سنہرا مستقبل نہیں اپناؤ گے؟" چالاک لومڑ نے کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ دولت کمانے کا یہ شوقین دولت کے حصول کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

"تو میں جاتا ہوں اور تمہاری سیر و تفریح کے لیے دلکش بگھیوں کا بندوبست کرتا ہوں جہاں جا کر تمہیں خوشی ہو جالوت ذرا تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے جالوت کو حکم دیا اور وہ الغوذ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"بگھی تیار ہے۔" اس نے کہا۔

"اور تم میرے نگراں ہو گے۔"

"یہ گھنٹہ بگھی کے اندر گزریں گے آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دو گھوڑوں کی یہ بگھی بہت خوبصورت تھی۔ ایک کوچوان اوپر بیٹھا تھا۔ ہم دونوں بگھی میں بیٹھ گئے۔ اس نے مجھے لاتعداد ہدایتیں دیتے ہیں کہ میں تمہیں یہاں واپس لے آؤں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے ایکاس؟"

"اگر میں واپس نہ آنا چاہوں تو؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا اور بس، اس کے بعد جو اس کا دل چاہے گا کرے گا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"یہی کہ تمہیں تیار کروں کہ تم اس کے کام آ جاؤ اور وہ تمہیں بہترین قیمت پر فروخت کر دے، اس نے کہا کہ تم اس کے لیے درحقیقت سونے کی کان ثابت ہو گے۔"

"عجیب، عجیب انسان ہے۔ میری آزادی چھین کر مجھے غلام بنا رہا ہے اور میں اس سے تعاون کروں۔"

"اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں سنہرے خواب دکھاؤں۔ تمہیں بتاؤں کہ تمہاری آئندہ زندگی کس قدر خوشگوار گزرے گی۔"

"فضول آدمی ہے، اس کی باتیں چھوڑو۔ باقی تم مجھے ذرا منڈی کی سیر کراؤ۔"

"کوچوان کسی دوسری منڈی چلو۔" جالوت نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی لوگوں کے ہجوم کے قریب رک گئی۔ اونچے اونچے لکڑی کے چبوترے بنے ہوئے تھے اور ان پر غلاموں کی قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ رنگین لباسوں میں کنیزیں سر جھکائے جانوروں کی طرح فروخت ہو رہی تھیں۔ اہل چوں اور اہل زر تجسس لگا رہے تھے اور بیچنے والے طرح طرح کے سوانگ رچائے ہوئے تھے۔ خوبصورت جسموں سے حسن و جمال کی اور اوصاف کی تعریفیں کی جا رہی تھیں۔

تبھی ہم نے ایک نقاب پوش کی آواز سنی۔ "اہل شوق کے لیے متاع بے بہا، سیاہی و سفیدی کا امتزاج، سیاہی کو وفاپرستی میں بے مثال ہوتی ہے طاقت و پسہ گیری میں لاجواب ہے۔ اس کے سونے کے بدن سے رات کی تاریکی منور ہو جاتی ہے۔ الغوذ کے پاس آج شام کو سورج چھپنے سے قبل، صرف ان لوگوں کے لیے یہ دعوت ہے جو ذوق ہوں اور جن کے خزانے لبریز ہوں، موسم بہار کی سب سے قیمتی فروخت۔" نقاب پوش خاموش ہو گیا اور چند ساعت کے بعد اس نے پھر یہی بگل اس شروع کر دی۔

"سنا تم نے، یہ اعلان ہمارے بارے میں ہو رہا ہے۔"

"وہ ہاں۔" میں نے اندازہ لگا لیا۔ گویا یہ ہماری تشہیر ہو رہی ہے۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں تمام منڈیوں اور بندرگاہوں پر رئیسوں کے جہازوں کے نزدیک ایسے ہی نقار چی چیخ رہے ہوں گے۔" جالوت نے جواب دیا۔ اور میں غلاموں کی فروخت کا جائزہ لینے لگا۔ بولیاں دی جا رہی تھیں۔ سونے کے سکوں کے انبار لگائے جا رہے تھے اپنی پسند کی کنیزوں اور غلاموں کی خرید کے لیے بڑی بڑی قیمتیں دی جا رہی تھیں۔ فروخت شدہ انسان کو اس کے خریدار کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

میں گہری سانس لے کر اس کاروبار کو دیکھتا رہا۔ جالوت کے ساتھ میں نے کئی منڈیوں کا جائزہ لیا اور پھر اس کی درخواست پر ہم واپس الغوذ کی رہائش گاہ چل پڑے۔

الغوذ ہمیں دیکھ کر خوش ہوگیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔ "اس طرح تمہیں کوئی مضبوط سہارا مل جائے گا۔ ظاہر ہے تمہارے خریدار عام لوگ نہ ہوں اور جو تمہارے لیے ایک بیش بہا دولت خرچ کرے گا وہ تمہارا قدر دان ہو گا کوئی معمولی آدمی تو تمہیں خرید بھی نہیں سکے گا۔"

اور پروفیسر میں اپنی قیمت بنائے کا خواہشمند ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی میری کیا حیثیت ہے۔ یہ سورج چھپنے سے قبل چند مشاطائیں ہمیں سنوارنے آگئیں، مجھے ایک حسین لباس دیا گیا۔ سونے کا ایک تاج میرے سر پر رکھ دیا گیا۔ جالوت کے بدن کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس پر کوئی روغن مل کر اس کو چمکا دیا گیا تھا۔ پھر ہمیں بڑے اہتمام سے جیناڈل کے جھرمٹ میں باہر لایا گیا اور میں نے ایک عظیم اجتماع دیکھا۔ تاحد نگاہ سر ہی سر نظر آرہے تھے جو ایک پک کر کے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں نیلام گاہ کے چبوترے پر لایا گیا جسے رنگین قالین سے سجایا گیا تھا۔ اور ہماری بولی لگانے والا خود الغوذ تھا جو ایک ریشمی لباس میں کوئی جادوگر نظر آرہا تھا۔

مجمع میں زبردست چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہمیں دیکھنے کے لیے بے چین ہوگئے۔ لاتعداد گھوڑے سوار تھے، لاتعداد پیدل تھے، غلام قطاروں کے بوجھ لادے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی مجمع چھٹتا اور کوئی زبردست سب سے آگے آجاتا۔

پھر ایک ڈھول پیٹا جانے لگا اور لوگ خاموش ہوگئے اور پھر مکار شخص کی آواز ابھری۔ دیکھتی آنکھوں نے کبھی ایسا دیکھا سنتے کانوں نے کبھی ایسا سنا۔ ایک حسن و جمال میں یکتا تو دوسرا قوت و جرأت میں بے مثال، سونے سے تراشے ہوئے اور انمول تسکین پانے والے آپ کے سامنے ہیں۔ اور اس کے بعد ممکن ہے الغوذ آپ کے سامنے نہ آئے کیونکہ وہ اس کی مثال نہ دے سکے گا۔ ہاں میرا نام الغوذ ہے اور یہ نایاب ہیرے میری تلاش ہیں، ہے کوئی جوان کا بدل تلاش کردے اور اب قدردان وہ کہیں جوان کے شایان شان ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جس پر دوسرے ہنسیں۔"

مجھ تھلیاں زر سرخ۔" ایک بوڑھے فقیر کی آواز ابھری۔

"اس مسخرے کو پیچھے دھکیل دو۔" الغوذ نے نفرت سے کہا۔

"بیس تھلیاں زر سرخ۔" دوسری آواز ابھری۔

"اس سے اپنے گھوڑوں کے لیے چارہ خرید لینا ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔"

"سو تھلیاں۔"

"دو سو تھلیاں۔"

"ایک ہزار تھلیاں۔" آوازیں بلند ہوتی رہیں اور الغوذ مسکراتا رہا پھر اس نے کہا۔

"چاند جس محل میں جھانکتا ہے وہاں چمکے گا اور بہتر تو یوں ہے کہ یہ دونوں نایاب موتی یکجا رہیں تو اب مذاق کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں آجائیں اور سنجیدہ بولی لگائیں۔"

"ایک ہزار تھلیاں۔" ایک آواز ابھری اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ دو گھوڑے برابر کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں پر عورتیں تھیں لیکن ان کے چہرے نقابوں میں پوشیدہ تھے۔

"آہ جس کی زندگی میں یہ دونوں ہوں اسے پھر کیا طلب رہے لیکن سنہرے سکوں کی زیادہ تعداد ہی کارآمد ہوگی۔"

"دو ہزار تھلیاں۔" ایک دوسری نسوانی آواز ابھری۔ ایک صحت مند اور دراز قامت عورت گھوڑے پر سوار نظر آئی۔ عمر تو کشش تھی لیکن عمر پینتیس چالیس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کے شانے پر سیاہ رنگ کا ایک عقاب بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے کئی غلام گھوڑوں پر موجود تھے۔

"آہ اب صحیح قدردان پہنچ سکے۔ لیکن بات شان کے ساتھ نہیں ہوئی پہلی آواز دو ہزار تھلیاں زر سرخ۔" الغوذ بولا۔

"پانچ ہزار تھلیاں۔" پہلی آواز ابھری۔ "یہ میری ماں کی جانب سے ہے۔"

"دوسری آواز پانچ ہزار تھلیاں۔"

"دس ہزار۔" عقاب والی شہسوارہ کو طرارہ آگیا۔

"بیس ہزار۔" لڑکی بولی۔

"پچاس ہزار معدود گوہر سرخ۔" عقاب والی بولی اس کے بعد کوئی آواز نہ سنائی دی۔ لیکن پھر گھوڑے والی دوسری حسینہ نے بھی اپنا گھوڑا آگے بڑھا لیا۔

"پچاس ہزار تھلیاں اور بیس گوہر سرخ۔"

"واہ اب قدردانوں کے درمیان گھمسان ہو رہی ہے۔"

"پچاس ہزار تھلیاں مع پچاس گوہر سرخ۔" عقاب والی عجیب کے عالم میں بولی اور گھوڑے والی حسینہ بے قابو ہوگئی۔ اس کی بلند و بانگ چیخ ابھری اور وہ گھوڑے سے گر پڑی لیکن اس وقت مجمع کو کاٹی کی طرح کاٹتا ہوا ایفٹس برآمد ہوا اور اس نے گری ہوئی حسینہ کو اٹھا لیا۔

یہ گلشار تھی جو شاید فرط غم سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ ایفٹس نے گلشار کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اسے فوراً مجمع کے پیچھے لے گئے۔ تب ایفٹس آگے بڑھا اور الغوذ سے بولا۔

"کس کی اجازت سے تم کیا اس کو نیلام کر رہے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا امیر۔" الغوذ کا چہرہ ہوائی ہوگیا۔

"یہ... یہ میرا آدمی ہے... یہ... میرا غلام ہے۔" ایفٹس بولا۔ الغوذ کی آنکھوں میں جیسے تاریکی چھا گئی ہو۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے چبوترے کا سہارا لیا۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ تب ایفٹس میرے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے کیا اس تم اس کے ساتھ کیسے بن گئے؟"

"راز کی بات ہے ایفٹس۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں کیا تکلیف لاحق ہوگئی ہے تم یہاں کیوں آگئے؟"

"آہ میری زندگی تو عذاب میں گرفتار ہوگئی۔ نہ جانے وہ کونسا منحوس لمحہ تھا جب تم میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے تمہیں اپنے خزانے کا فیصلہ کیا تھا۔ گلشار میری زندگی کا روگ بن گئی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے تمہیں خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

"دس ہزار تھلیاں زر سرخ اور بیس گوہر سرخ۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں ہماری کی ذاتی ملکیت ہے۔"

"چلو اچھا ہوا تم بچ گئے۔ اگر بولی اس کے نام پر ختم ہو جاتی تو پھر آہ میرے عزیز۔ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں چلو میرے ساتھ چلو۔ میں جو کچھ کر چکا ہوں اس پر شرمندہ ہوں۔ اب میں تمہیں اپنی بیٹی کا شوہر بناؤں گا۔"

"تو یوں کرو ایفٹس، اس خاتون سے بڑھ کر رقم لگاؤ جو ابھی تمہاری بیٹی سے مقابلہ کر رہی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اچھا میں سمجھ گیا کہ تم مجھے منقام بنانا چاہتے ہو۔ لیکن یہ وقت اس کے لیے موزوں نہیں ہے، ہم تحفظ واپس چل کر اپنے معاملات طے کرلیں گے۔"

"الغوذ یہ پاگل شخص کیا بکواس کر رہا ہے، کیا یہ تمہارا کاروبار خراب کرنے کا باعث نہیں بن رہا۔ اسے دور ہٹاؤ اور اپنا کام جاری رکھو۔" میں نے الغوذ سے کہا اور اس کے مردہ جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔

"تو... تو تم... تم... ہو۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں یہ دروغ گو ہے۔ میں تو تمہارا غلام ہوں اور تم مجھ فروخت کرنے کا حق رکھتے ہو۔" میں نے کہا اور الغوذ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور بولا۔

"اس بے وقوف شخص کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو اور اس سے کہو کہ معزز میتھوں کے مشاغل میں دخل نہ دے۔"

"کیا بکواس کرتے ہو۔ میں شراب کا سب سے بڑا تاجر ہوں اور یہاں کے معززین میں میرا شمار ہوتا ہے، تم اس بدتمیزی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتو گے۔" ایفٹس دھاڑا۔

"ہم بھی تاجر ہیں اور حکومت کو اس کاروبار کا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ پانی گاس میں آزادانہ تجارت کی یقین دہانی کی گئی ہے۔ اس لیے تم شرافت سے واپس چلے جاؤ ورنہ..."

"لیکن یہ شخص تمہارا غلام نہیں ہے۔"

"کیا تم اسے اپنا غلام ثابت کرسکو گے اور دروغ گو کی سزا سے بھی تم واقف ہو۔" الغوذ کو میری شہ مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ غیر ہوگیا تھا۔

"احمق دو کاندار۔ یہ تم نے معزز آنکھوں کو جانچنے کے بعد کیا جھگڑا شروع کر دیا ہے، نیلام کرو تاکہ ہم اپنی بولی لگنے کے غلام خرید کر واپس جاسکیں۔" عقاب والی عورت نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بدقسمتی ہے محترمہ کہ یہ احمق شخص ہمارے کاروبار کے درمیان آگیا۔ لیکن چند لمحات توقف کریں، میں ابھی غلام شروع کرتا ہوں۔" الغوذ بولا۔ اور ایفٹس پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں تھیں۔

"کتنی بولی لگی ہے اب تک وہ۔" میں نے پوچھا۔

"پچاس ہزار زر سرخ اور پچاس گوہر سرخ۔" الغوذ بولا۔

"پچاس ہزار زر سرخ اور سو گوہر سرخ۔" ایفٹس نے کہا۔

"ایک لاکھ اور ایک سو۔" عورت بولی۔

"دو لاکھ دو سو۔"

"پانچ لاکھ ایک ہزار۔" عورت نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا اور الغوذ زمین پر بیٹھ گیا اب وہ پاگلوں کی طرح ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا لگتا تھا اب ایفٹس کی بھی حالت خراب ہوگئی تھی اس سے زیادہ وہ بولی نہیں دے سکتا تھا چنانچہ اس نے گردن جھکا لی۔ تب گھوڑے سوار عورت آگے بڑھی اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"میرا نام شاکا نیہ ہے تاجر۔ میں حکومتیں خرید سکتی ہوں تم صرف ایک غلام کی بات کر رہے ہو۔"

ایفٹس نے ایک بار خونخوار نگاہوں سے شاکا نیہ کو دیکھا یہ نام شاید اس کے لیے اجنبی نہیں تھا اور پھر وہ مجمع سے باہر نکل گیا۔ تب الغوذ بمشکل کھڑا ہوا۔ "آپ کی بولی صادق ہے خاتون شاکا نیہ۔"

"ہاں غلام ہمارے حوالے کردو اور ازبیلا کے جہاز پر آکر قیمت وصول کرلو۔"

"آہ دوسرے غلام کے بارے میں کیا خیال ہے وہ۔" الغوذ نے پھر لالچ کیا لیکن اس سے جملہ میں بول پڑا۔

"ہم دونوں ساتھ فروخت ہوتے ہیں الغوذ، جالوت بھی میرے ساتھ ہی جائے گا۔"

"نہیں میرے عزیز۔ مالکہ کو بولنے دو۔ اس کی بات میں دخل اندازی مت کرو۔" الغوذ لجاجت سے بولا۔

"اور اگر تم نے فضول حرکت کی تو..." میں نے کڑی نگاہوں سے الفوز کو دیکھا اور وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر اس نے نیم مردہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، جیسا آپ پسند کریں اور پھر ہمیں شاکانیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ ہم دونوں چبوترے سے اتر آئے اور شاکانیہ کے غلاموں نے ہمیں گھیر لیا۔ لوگ پانی کا اس کی تاریخ کی اس سب سے بڑی بولی پر ششدر تھے۔ ہمیں دو گھوڑے پیش کیے گئے۔ شاکانیہ الفوز کو ساتھ لے کر بندرگاہ چل پڑی، جہاں اس کا جہاز لنگر انداز ہوا کھڑا ہوا تھا۔

سفید خوبصورت کشتی کے ذریعے ہمیں سمندر میں کھڑے ہوئے عظیم الشان جہاز پر لایا گیا اور پھر اس کشتی میں زرد جواہر کے انبار لا لا کر الفوز کے حوالے کر دیے گئے۔ جہاز کے عرشہ پر کھڑے ہو کر ہم الفوز کی مسکراتی کیفیت دیکھتے رہے، وہ اتنی دولت حاصل کر کے نیم دیوانہ ہو رہا تھا۔

"اس کی حالت دیکھ رہے ہو جالوت، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ساحل تک پہنچتے پہنچتے اس کی حرکت قلب بند ہو جائے۔"

"یہی لگتا ہے کیا اس، لیکن اب ہمیں اس سے کیا۔"

"یہ شاکانیہ کیا کوئی مشہور نام ہے؟"

"ہاں مگر یہ وہی شاکانیہ ہے تو ہم زیتون کے جنگلات کی سب سے بڑی ریاست ایوورز کی ملکہ کے غلام بن گئے ہیں اور زیتون کی تجارت کے لیے ایوورز سے بڑی کوئی ریاست نہیں ہے۔"

"اوہ! ایوورز کا شہنشاہ کون ہے؟"

"کوئی نہیں، شاکانیہ ہی اس ریاست کی مالکہ ہے اور اس کا شمار یونان کی خطرناک ترین عورتوں میں سے ہے، اوہ ٹھیک ہی تو ہے اس کے کاندھے پر سیاہ عقاب موجود ہے بالکل یہ شاکانیہ ہی ہے اور پھر اس کا عظیم الشان جہاز چاروں طرف نگاہ ڈالو اس سے بڑا جہاز اور کوئی موجود ہے؟"

میں نے دور تک کے سمندر کو دیکھا، لاتعداد چھوٹے بڑے جہاز کھڑے تھے جبکہ اس وقت جب میں پانی کا اس کے ساحل پر پہنچا تھا یہ سمندر خالی تھا اور یہاں صرف ایک جہاز تھا۔

"یہ سارے جہاز موسم بہار کے کاروبار کے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان پر غلاموں کے تاجر اور خریدار آئے ہوں گے۔"

"ہاں یہ وہی ہیں۔"

"دلچسپ منظر ہے۔" میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے کھڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی بڑی کشتیاں سمندر میں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں اور ساحل پر خوب رونق تھی تاجروں کے لیے ساحل پر ہی بازار لگا دیے گئے تھے۔ عزم عجیب ماحول تھا اور سمندر میں سورج کا طباق غروب ہو رہا تھا اور اس کے نارنجی لہریے پانی پر جگمگا رہے تھے۔

تب چند لوگ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ "تم لوگ اب یہاں کھڑے ہوئے ہو، آؤ تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھا دی جائے۔" ہم نے جالوت کی طرف دیکھا اور ہم دونوں شانے ہلا کر ان کے ساتھ چل دیے۔

پورا جہاز سامان آرائش کی حسین چیزوں سے آراستہ تھا اور خوبصورت نیا پیش چاروں طرف گردش کر رہی تھیں۔ رنگین پردے بنی ہوئی قیمتی اور ان کے درمیان موٹے خوشنما قالین بچھے ہوئے تھے، ہمیں ایک دالان میں لے جایا گیا اور اس سے متصل دو کمروں میں ہماری رہائش گاہ بتا دی گئی۔

"سیاہ غلام باہر لان میں رہے گا اور تم اندر۔" ہمیں لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"شاکانیہ کا حکم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تعمیل ہو گی۔" جالوت بولا۔ اور پھر ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ہم نے عمل کیا۔ یوں مجھے تنہائی میسر آئی اور میں اپنی غلامی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فکر و تردد کی کوئی رمق تو میرے کسی گوشے میں نہیں تھی، کہیں بھی ہوں اور کسی بھی جگہ ہو میری اپنی انفرادیت کون چھین سکتا تھا۔ میں نے تو اپنی ذات کے لاتعداد تجربات کیے تھے اور یہ تجربہ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔ جہاں سرد شبنیاں جاگا کرتی تھیں، چند حسین خادمائیں میرے کمرے میں آ کر شمعدان روشن کر گئیں۔ باہر دالان میں بھی روشنیاں جاگ اٹھیں۔ میں کافی دیر تک اندر رہا اور پھر باہر دالان میں نکل آیا جہاں جالوت موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تنہائی سے اکتا گئے؟"

"ہاں جالوت، تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"میں تو ٹھیک ہوں، مجھے تو ہر حال میں خود کو مہم کرنا آتا ہے لیکن تم نے نئی نئی غلامی قبول کی ہے۔"

"تھوڑا سا وقت گزرنے دو جالوت تم بھی غلام نہیں رہو گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہیں۔؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس لیے کہ تم اب میرے ساتھ ہو اور میں حالات بدلنے والوں میں سے ہوں، تم میری قوتوں سے واقف نہیں ہو لیکن جلد واقف ہو جاؤ گے۔"

"ہاں! مجھے تمہاری شخصیت بڑی انوکھی لگتی ہے، نہیں جانتا قیمت ادا کر کے خرید لیا ہے کہ غلاموں کی تاریخ میں کوئی اتنا قیمتی غلام نہ ہو گا۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کون تھی جو تمہیں خریدنا چاہتی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی ہمارے ساتھی نے سوال کیا۔

"اس کا نام گلشارا تھا اور وہ جو بعد میں مجھ پر دولت لٹانے کے لیے تیار ہو گیا تھا اس کا باپ اور مقامی تاجر ایفلس تھا۔" میں نے جالوت کو ایفلس کی مختصر کہانی سنا دی۔

"تم عجیب ہو۔ ایک ایسی زندگی مل رہی تھی جو عیش و عشرت سے بھرپور تھی تو پھر تم نے اسے کیوں نہ قبول کیا؟"

"نہیں میرے دوست۔ میری گردش حیات ہے میں رک جاؤں تو بقیہ کائنات رک جائے مجھے تحریک پسند ہے اور میں قرار قبول نہیں کرتا۔"

"میں تمہاری انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں تم سے بہت کمزور ہوں نہ جانے تمہارے وجود میں کونسی توانائیاں پوشیدہ ہیں۔" جالوت بولا۔ اور میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پھر عجوب رات گئے ہمیں کھانے کی پیشکش کی گئی اور ہم دونوں نے اس دوران میں کھانا کھایا، چند خادمائیں ہمارے پاس تھیں اور ہماری ضروریات پوری کر رہی تھیں، اس کے بعد وہ واپس چلی گئیں رات کو ہم آرام کی نیند سو گئے اور دوسری صبح جہاز پر اعلان ہوا کہ لنگر اٹھانے جا رہے ہیں۔ ہم عرشہ پر آ گئے۔ اس دوران ہم نے ایک بار بھی ملکہ شاکانیہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ عرشہ پر کھڑی تھی اور سمندر سے کشتیاں اوپر اٹھائی جا رہی تھیں، سیاہ عقاب بدستور اس کے شانے پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

"اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جالوت؟"

"ملکہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"خطرناک اور دلیر عورت ہے۔"

"مجھے اس نے نئی چاہ سے کیوں خریدا ہے؟"

"لگتا ہے تمہیں چاہنے لگی ہو۔ اس کے علاوہ تم ایسی نوکھی شے ہو کہ ہر شخص تمہارے حصول کا خواہاں ہو۔"

"اوہ! دلکش نظارہ ہے ہو۔"

"نہیں حقیقت کہہ رہا ہوں۔" جالوت ہنس کر بولا۔ پھر دو غلام ہمارے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ دونوں یونان کے کسی پسماندہ علاقے کے تھے اور ہم سے دوستی کے خواہاں تھے انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر ان میں سے ایک بولا۔

"تم دونوں بھی عجیب ہو، ایک چاند کی مانند چمکدار اور دوسرا آبنوس کا پہاڑ۔ یہاں بڑے بڑے طاقتور موجود ہیں۔ ممکن ہے تمہیں ان پہاڑوں سے ٹکرانا پڑے۔"

"کیا مطلب؟"

"ملکہ شاکانیہ طاقت کی رسیا ہے اور اکثر جہاز پر خوبصورت غلام رکھتے ہیں۔"

"اوہ! گویا سمندر میں یہ تفریحات بھی ہوتی ہیں۔"

"جو کچھ ہوتا ہے تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا لیکن درحقیقت ہم لوگ اس جہاز کے سفر کی آرزو کرتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کا سفر نئی دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے، کچھ نوکھی تفریحات کی شناسائی ہے۔"

"خوب! لیکن ہمیں یہاں آتے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟"

"صرف تین دن۔ اگر رات کے واقعات نہ ہوتے تو شاید وہ یہاں سے ابھی نہ جاتی۔"

"رات کے واقعات؟"

"تمہیں معلوم نہیں؟"

"نہیں ہم جلدی سو گئے تھے۔"

"آہ! رات کو تو ہتھیار نکل آئے تھے۔ اگر ایفلس واپس نہ چلا جاتا تو ضرور خونریزی ہوتی لیکن جب ہم سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر گئے اور ہم نے اس کی کشتیوں پر تیر اندازی شروع کر دی تو وہ واپس چلا گیا۔ ہاں اگر اس نے کھلے سمندر میں تعاقب کرنے کی کوشش کی تو پھر خونریزی یقینی ہے۔"

"ایفلس؟" میں نے دلچسپی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں، مقامی باشندہ ہے، شراب کا بہت بڑا تاجر، کوئی سرپھرا ہی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا اور جالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ایفلس کی کہانی میری زبان سے سن چکا تھا۔ بہرحال فی الحال ہم یہ کہانی سب کو تو نہیں سنا سکتے تھے۔

جہاز کی روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں، ملاح پوری تندہی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ بادبانوں کے رخ بدلے گئے اور پھر جہاز ساحل چھوڑنے لگا۔ دیو پیکر جہاز آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتا جا رہا تھا اور ایک بار پھر سمندر کے سفر کی ابتداء ہو گئی تھی، میں عرشہ پر کھڑا دور ہوتے ہوئے ساحل کو دیکھ رہا تھا اور میرے نزدیک جالوت بھی خوفزدہ میں کھویا ہوا تھا۔

شاکانیہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں چلی گئی تھی۔ تب جالوت ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آؤ کیا اس اپنی جگہ چلیں نہ جانے کب کس وقت ہماری ضرورت پیش آ جائے۔ غلام مہمان نہیں ہوتے۔" میں ہنس پڑا۔ جالوت بھلا آدمی تھا۔

لیکن شام تک ہماری خاطر مدارت مہمانوں کی طرح ہی رہی تھی دوپہر کے کھانے میں بھی اہتمام تھا اور بڑے احترام سے ہمیں کھانا کھلایا گیا تھا اور پھر شام کو ہم جس وقت عرشہ پر نکلے تو دو خادمائیں ہمارے پاس پہنچ گئیں۔

"بہتر یہ ہے کہ اس وقت آرام کرو، دراصل خلط تمہارے لباسوں کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں وہ تیار کر لیں تو تمہیں ملکہ شاکانیہ کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"یہ کب تک ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔ رات کی محفل گرم ہونے سے قبل۔" خادم نے جواب دیا۔

خادم کے چلے جانے کے بعد میں اور جالوت نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور مسکراتے ہوئے واپس آ گئے۔ خادماؤں کا کہا غلط نہیں تھا۔ اس گفتگو کے تھوڑی ہی دیر بعد چند خادمائیں اندر آ گئیں اور انہوں نے دو لباس ہمارے سامنے رکھ دیے۔ میرے لیے ایک زرکار قبا تھی اور جالوت کے لیے ایسا لباس جو اس کے جسمانی خطوط کو نمایاں کر دے۔ ہم نے کہا کیا کہ ہم خوب غسل کر کے یہ لباس زیب تن کر لیں

"ذرا یہ بتاؤ کہ تمہاری ملکہ کس نظرت کی مالک ہے اور مجھے قربانی کے جانوروں کی طرح کیوں تیار کیا جا رہا ہے؟"

"تاکہ تمہاری قربانی دی جا سکے۔"

"گویا یہ میری زندگی کی آخری رات ہے؟"

"ہاں! تمہیں سب قربان ہونا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب وقت سے قبل نہیں بتایا جا سکتا۔"

خادمائیں چلی گئیں۔ میرے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں باہر نکلا تو جالوت موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا پھر پرشوق انداز میں آگے بڑھ آیا۔

"تمہیں دیکھ کر کبھی کبھی سنبھلنا ہونے لگتا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے، تم مجھے اس ملکہ شاکانیہ سے زیادہ پراسرار معلوم ہوتے ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

"گویا اب تم بھی وہی احمقانہ گفتگو کرو گے جو دوسرے کرتے رہے مگر ان لوگوں نے میری حیثیت عجیب بنا دی ہے۔"

"خوش نصیب ہو کیا اس؟" جالوت مسکرا کر بولا۔

"وہ کیوں۔ ذرا میری خوش نصیبی سے مجھے بھی تو آگاہ کرو۔"

"ملکہ شاکانیہ کا منظور نظر ہونا اس کی ریاست کا حکمراں بھی بن سکتا ہے۔ نہ سہی یہ لیکن تم شہنشاہوں کی سی زندگی ہی بسر کرو گے۔ ویسے اس عورت کے بارے میں میری رائے زیادہ اچھی نہیں ہے تاہم مثل مشہور ہے کہ عورت کی وہ اتنی بری بھی نہیں کہ تمہیں کسی ذہنی تکلیف کا شکار ہونا پڑے۔"

جالوت بکواس کرتا رہا۔ وہ خود بھی بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس لباس میں اس کا طوفانی بدن پھٹا پڑ رہا تھا۔ رات ہو گئی اور جہاز برتیز روشنیاں جگمگا اٹھیں وہ سبک روی سے سمندر میں تیر رہا تھا۔

پھر وہی خادماؤں آئیں اور ہم دونوں کو ملکہ کے حضور طلب کیے جانے کا حکم سنایا۔ میں اور جالوت چل پڑے، جس جگہ ہمیں لے جایا گیا وہ جہاز کے عرشے کا انتہائی سامنے کا حصہ تھا لیکن اسے حسین محرابوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں گلکاری بھی کی گئی تھی اور گملوں میں حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ نیچے سبز گھاس کے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا اور کشنیاں کافی تیر تھیں۔

ایک زرکار تخت پر ملکہ شاکانیہ انتہائی حسین لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے قرب و جوار میں بیٹھی ہوئی حسین لڑکیاں ہلکے سروں میں بربط بجا رہی تھیں جس کی دھنیں دور تک گونج رہی تھیں، عطر بیز ہوائیں چل رہی تھیں اور ماحول کافی خوبصورت تھا۔

ملکہ شاکانیہ نے مجھے دیکھا اور ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئی وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر ساز بند کرا دیے۔ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی۔ بس سحر زدہ سی تھی اور چاروں طرف سکوت طاری ہو گیا تھا تاب وہ سنبھل۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بائیں طرف رقص کرنے کے لیے تنہائی میں مکمل تنہائی چاہتی ہوں۔" اور خادمہ نے اس کا حکم دوسروں تک پہنچا دیا۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ اٹھ گئے۔ تب اس نے جالوت سے کہا۔ "تم بھی جاؤ میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔"

جالوت نے گردن خم کی۔ ایک مسکراتی نگاہ مجھ پر ڈالی اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد صرف میں اس کے پاس رہ گیا تھا اور وہ دیوانہ وار مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم نے کبھی آئینہ دیکھا ہے۔ یا کسی نے تمہیں یہ حیثیت نہیں بخشی؟"

"میں مالکہ کے الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"آہ تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے۔ سچ بتاؤ تم کون ہو اور بازار میں کس طرح آ گئے۔ میں نہیں مانتی۔"

"میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ نے مجھے خریدا ہے۔"

"اس سے قبل کہاں تھے؟"

"پانی کے اس میں۔"

"اور اس سے قبل؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دن کی بہ نسبت وہ یکسر بدل ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شراب کا خمار تھا اور خدوخال میں نرمی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک غلام کی زندگی کا آپ تصور کر سکتی ہیں ملکہ عالیہ۔"

"نہیں میں زیرک ہوں۔ میں نے جہاں دیکھے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تم کوئی بھٹکے ہوئے دیوتا ہو۔ یا پھر تمہیں آسمان سے کوئی سروکار ہے، تم اس جہاں کی مخلوق نہیں لگتے۔"

"یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ ورنہ میں آپ کا غلام ہوں۔"

"آہ تمہیں تو غلام کہہ کر شرمندگی ہوتی ہے۔ تم غلام نہیں ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو۔ میں تو تمہیں دیکھ کر ششدر رہ گئی ہوں۔"

"مالکہ کے حکم سے سرتابی میری مجال نہیں۔ اگر کوئی دوسری بات ہوتی تو میں عرض کر دیتا۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ میں تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن اگر تم دیوتا ہو تو میں خود کو دیوی سمجھتی ہوں۔ میں نے تمہیں ایک غلام کی حیثیت سے خریدا تھا۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ چھٹکارا غلام میری تقدیر کا مالک بھی بن سکتا ہے۔ کیا اس میں نے تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کیا۔"

"مالکہ میں تیرا شکر گزار ہوں۔"

"لیکن مجھے بتاؤ۔ میں تمہیں اپنے نہاں خانۂ دل سے کیسے نکالوں۔ تم نے تو میرے حواس چھین لیے ہیں۔"

"میں خادم ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور۔۔۔۔ سر جھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ میری شکل دیکھنے لگی۔

"آہ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے دیوتاؤں نے میرا امتحان لینے کے لیے تمہیں زمین پر بھیجا ہو۔ شک میں باقی ہوں اپنی ذات اور ماحول سے۔ لیکن تمہارے بدن کو داغدار کرنے کا تصور بھی میرے لیے ممکن نہیں، تم تقدس کے بت ہو۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ایک تکلیف دہ خیال سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی، پختہ کار تھی۔ زمانے کے سرد گرم اس کے وجود کی ہر سے خبر تھی اس کے خلاص کی حیثیت سے اگر مجھے اس کے تصرف میں رہنا پڑتا تو میرے لیے خوشگوار نہیں تھا۔ لیکن یہ دیوتاؤں کا چکر دلچسپ ہے بولوں تو اور میں بسنے والوں نے مجھے مختلف رنگ اور مختلف نام دیے تھے لیکن یہ حیثیت اگر میرے کام آ رہی ہے تو مجھے اس سے مزید فائدہ اٹھانا چاہیے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آہ تمہاری مسکراہٹ۔ دیوتاؤں کی قسم میں بے حد خوش نصیب ہوں۔ میں نے تمہاری قیمت ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ مسکراہٹ سورج کی اس کرن کی مانند ہے جو سب سے پہلے زمین کو صبح کی آمد کا پیغام دیتی ہے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"میرا نام اکیاس ہے۔"

"ہاں تمہارے وجود کی روشنی اس بات کا پتا دیتی ہے۔"

"اس کے علاوہ تم اور کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

"اس طرح سر بازار کیسے آ گئے؟"

"اگر آسمان کے راز زمین پر عیاں ہونے لگیں تو دیوتاؤں اور انسانوں میں کیا فرق رہ جائے۔"

"آہ تو تم نے تسلیم کر لیا۔ گویا میرا خیال درست تھا۔ میری خوش بختی اب کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہے۔ بلاشبہ میرے اوپر برکتوں کا نزول شروع ہو گیا ہے، لیکن مجھے بتاؤ میں اس جہاز پر تمہارے لیے کیا کروں۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہاری آمد میرے لیے کون سی خوشیاں لائی ہے؟"

"تم ہر طرح سے ایک مطمئن عورت ہو شاکانیہ۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"شاکانیہ کیا چاہتی ہے، کیا یہ تم پر عیاں نہیں ہے۔ لیکن افسوس عمر کی اس منزل میں آ کر مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل رہی ہے۔ نہ جانے یہاں خود کو خوش نصیب کہوں یا بدنصیب میں کیا کہوں خود کو۔"

"میں تیرے دکھ، تیرے خواب جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم واقف ہو کیا اس۔ بلاشبہ تم واقف ہو، تمام باتوں سے میرے دل کا راز جان لو۔ اف! تمام علامتیں وہی ہیں۔ میرے خواب، میرے بچپن کے خواب جو میرے ذہن سے نکل بھی چکے تھے۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ ہاں یوں لگتا ہے، جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ میں چھوٹی سی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی۔ شاید دس یا گیارہ سال کی۔ میرا باپ گڈریا تھا۔ جنگل میں بھیڑیں چراتا تھا۔ جو کہ میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی اس لیے میرا باپ مجھے اکثر ساتھ رکھتا تھا۔ ایک چھوٹی سی آبادی میں ہماری رہائش گاہ تھی پھر ایک دوپہر جب آسمان سے قہر برس رہا تھا، سورج کی تپش عروج پر تھی۔ میرے باپ نے مجھے ایک چٹان کے سائے میں سلا دیا۔ اور میں گہری نیند سو گئی۔ تب میں نے دیکھا بلند و بالا پہاڑی چوٹیوں سے ایک قافلہ اتر رہا ہے۔ وہ سب کے سب نورانی چہرے والے تھے۔ ان کے سفید لباس ہواؤں سے ہل رہے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچ گئے اور پھر۔ پھر۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ ان میں سے ایک نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے لباس سے ایک تاج نکال کر میرے سر پر رکھ دیا۔ تب اس نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔ اور میں شاکانیہ بن گئی۔ سمجھے ایکاس میں شاکانیہ بن گئی۔"

"اس سے قبل تمہارا نام شاکانیہ نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں میرے باپ نے میرا نام شاکی رکھا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔"

"خوب۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔؟" میں نے پچیسی سے پوچھا۔

"پھر انہوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرے پیٹ کو کھول دیا۔ انہوں نے ایک مخصوص جگہ میرے پیٹ کے اندر پوشیدہ کر دیا میں نے پوچھا وہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ازمیر ہے ہونوں کا رکھوالا ازمیر۔ اور یہ میرے بطن میں پرورش پائے گا اور اس سے جنم لے گا۔ اس خواب کے بعد میں جاگ گئی۔ لیکن میرے بطن میں بھاری پن تھا اور میرے سر پر تاج موجود تھا۔

میرے باپ نے جب بھیڑوں کو اکٹھا کیا اور مجھے دیکھا تو تاج دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے پورا واقعہ سنا دیا وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے مجھے بہت سے سجدے کیے اور پھر خوشی خوشی واپس آ کر یہ کہانی بستی والوں کو سنائی۔ لیکن بستی کے تاریک نگاہ نہ سمجھ سکے انہوں نے یقین کیا بلکہ میرے باپ پر الزام لگایا کہ اس نے یہ تاج کہاں سے چرایا ہے۔"

پھر دونوں باپ بیٹی کو حکومت وقت کے حوالے کر دیا گیا۔
یہاں میں میرے باپ کی ان باتوں کو دیوانگی قرار دیا گیا اور ان سے چھین لیا گیا۔ یہی کرم کیا گیا تھا ہمارے اور پر کہ ہمیں قتل نہیں کیا گیا لیکن میرے باپ کو میری پہچان پر یقین تھا۔ وہ مجھے واپس لے کر بستی گیا اور یہاں سے بنا سامان سمیٹ کر میری خوش بختی کی تلاش میں نکل گیا لیکن خوبیوں کی تعبیر دیر سے ملتی ہے۔ جنگل جنگل صحرا صحرا ہم خوش بختی کی تلاش میں بھٹکتے پھرے اور ایک شام میرے باپ نے ایک ویرانے میں دم توڑ دیا اور میں تنہا رہ گئی جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ میرے لیے عذاب بن گیا تھا۔ مجھے ہوش آیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ خواب صرف خواب ہوتے ہیں۔ پانچ برس بھوگ گئے تھے ہمیں اس عذاب کا شکار ہوئے۔ میں اب اس کے تصور سے لرزنے لگی تھی۔ تنہا ویران جنگل میں میں بے یار و مددگار تھی اور خوف سے برا حال تھا۔ رات کی تاریکی میں چند گھنٹے سوار میرے پاس سے گزرے اور میں نے انہیں مدد کے لیے پکارا۔ گھوڑے رک گئے اور پھر ایک شخص نے مجھے دیکھا اور میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے اپنی داستان سنائی تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلا۔ پورا قافلہ ہو گیا۔ اس کا نام فرناس تھا اور وہ ازیلا کا حکمران تھا۔

میری عمر سولہ سال کی تھی اور یہ شاہ میں نہایت خوبصورت عمل فرناس نے مجھ سے شادی کر لی۔ لیکن وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا لیکن اس کی پہلی بیوی اطراف مجھ سے بری طرح جلتی تھی وہ بے وفا تھی اور اسے خوف تھا کہ اگر میرے بطن سے اولاد پیدا ہو گئی تو وہ فرناس کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے گر جائے گی۔ وہ میرے خلاف سازشوں میں لگی رہی لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن پھر تقدیر نے اسے بھرپور موقع دے دیا اور اس کے ہاں ایک لڑکی ہوئی۔ فرناس کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی اور میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکی۔ لڑکی کی پیدائش کے تین سال بعد میں نے فرناس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ پھر اس کی بیوی کو قتل کر دیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں نے جب بھی فرناس کی بیٹی کو قتل کرنے کی کوشش کی تو میری روح کانپ جاتی تھی، وہ شیطان صفت لڑکی آج بھی میری جان کا عذاب بنی ہوئی ہے۔"

فرناس کی موت کے بعد میں اس ریاست کی مطلق العنان تھی اور میں نے خود کو شاکانیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاکانیہ کی حیثیت سے میں ایک مہم جو مشہور ہوئی۔ ازیلا زمین کے درختوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور یہاں سے زیتون پورے یونان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی جاتا ہے اس لیے دولت کی میرے پاس کوئی کمی نہ رہی اور میرے عاشیہ بردار میری مافوق الفطرت شخصیت کے چرچے کرنے لگے۔

لیکن جب میں اپنے خوابوں سے مایوس ہو گئی تو رفتہ رفتہ میں نے زندگی پہچان اور سارے خواب بھول گئی، میں پورے یونان میں اپنی کہانی کے ساتھ مشہور ہو گئی لیکن اب لوگ بھی میری اس کہانی کو بھول گئے ہوں گے۔ آہ کہاں ہے تجھے دیکھ کر مجھے وہ کہانی پھر یاد آ گئی ہے۔ جہاں میں اپنی سچائی دوسروں پر کیسے ثابت کروں۔"

میں کیا بتا سکتا ہوں شاکانیہ۔"

"آہ مجھ سے عقاب نہ برسات آج پھر میرے دل میں میرا بچپن زندہ ہو گیا ہے۔ تیرے سامنے ہیں وہ نہیں ہوں جو دوسروں کے لیے ہوں۔ جنگ میں نے تجھے خریدا ہے لیکن آج سے میں خود تیری غلام ہوں مجھے اپنے قدموں سے روشنی دیدے۔"

وہ جھکی اور اس نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور پروفیسر بڑی برکھوٹ کے ملمات تھے۔ اب میں اتارتا کیا یہ میرے بس کی بات تھی۔

میں پریشانی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ لیکن عورت جس تلاش کی تھی اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا طلسم ٹوٹ گیا اور وہ عورت نہ رہے گی۔ اس لیے کچھ کہنا ضروری تھا تب میں نے اسے مخاطب کیا اور بولا۔ شاکانیہ کیا تو مجھے سوچنے کی مہلت نہ دے گی۔"

میں زندگی کی آخری سانس تک اپنے حق میں تیرے فیصلے کا انتظار کروں گی آہ میں جبر کرنے والوں میں ہوں۔ لیکن بھلا تیرے اوپر کس طرح کروں گی۔"

"پھر تم کیا کہتے ہو میرے لیے۔" میں نے پوچھا۔

"آسمان سے اترنے والے، تو جس رنگ میں میرے سامنے آیا ہے وہ اجنبی ہے لیکن دلہنوں کی باتیں دلہنا ہی جانتی ہیں۔ میں وہ مقام حاصل کرنا چاہتی ہوں جو کسی دیوتا کی ماں کا ہوتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو ہی میرے بدن میں نازیتر کی روح پھونکے۔"

اور پروفیسر یہ روح پھونکنے کا معاملہ ہی سمجھ رہا تھا۔ اس نے ناں ذرا گھبرا کر پکڑ لی تھی۔

اور یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ روح پھونکنے میں میری کیا حیثیت تھی۔

بہرحال مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ شاکانیہ تو گہرے نشے کے عالم میں تھی، باہر رات گہری ہو رہی تھی۔ سوچنے لگے اور پھر میرے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی نیاز مندی سے مجھے میری قیام گاہ تک چھوڑنے آئی۔

جالوت اپنے دالان میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود اپنی تمام گاہ میں آ کر لیٹ گیا۔ لیکن میں دلچسپ واقعات کا تجزیہ کر رہا تھا۔

دوسری صبح جالوت اس وقت میرے کمرے میں آیا جب میں خاصی دیر تک پڑھتا رہا تھا اور بڑی چاہ سے مجھے بیدار ہی ہوتے ہی دیکھ کر وہ بوکھلا گیا اور سامنے ہی جالوت کی مسکراتی شکل تھی۔ اس نے سنجیدہ پروفیسر کو دونوں ہاتھ رکھے اور جھک گیا میرے سامنے۔

"خوب کوئی نیا سمجھ ان سوچا ہے تم نے کہا۔

"نہیں آقا کیا کہوں، جالوت تو آپ کا غلام ہے۔"

"لڑکیوں کے سامنے فضول گفتگو کرنے کی عادت نہ

ہی تو نہیں ہوتی۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"جالوت کی مجال، خود ان لڑکیوں سے پوچھ لیا جائے۔"

"کیا پوچھ لیا جائے؟"

"یہی کہ راتوں رات تقدیریں کیسے بدل جاتی ہیں اور کس کرامت کیا سے کیا عنایت کر دیتی ہے۔"

"پھر بات کروں گا تجھ سے۔ ہاں میں جاگ گیا ہوں تم لوگ آپ جاؤ۔ جالوت اور ہدایت ہے میرے بیٹے۔"

"شاکانیہ اس وقت تک ناشتہ نہیں کریں گی جب تک آپ یہاں پہنچ جائیں گے۔" ایک خادم نے کہا۔

"جلے بھی بلند یاں مل جائیں۔" جالوت سخرے پن سے بولا۔

"تم لوگ جاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں خود ہی آ جاؤں گا۔"

"تھا وہ حق عورت بلا سے بھیج رہی ہے۔ میں ذرا اس کے پاس جاؤں پھر تم سے گفتگو ہو گی۔ میں نے اندر جا کر باس پہنچ گیا۔ پھر میں اس بے وقوف عورت کے پاس پہنچ گیا۔

تنتے پردہ میری منتظر تھی کس قدر مضطرب نظر آ رہی تھی۔ کو شکار کی بازی اس وقت بھی اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"خوش آمدید کیا اس۔ خوش آمدید چاند سے آنے والے۔ رات تو میری کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"تمہارا شکریہ شاکانیہ۔"

"احسان تو تیرا ہے کہ تو میری شخصیت مکمل کرنے میرے لیے احسان تو تیرا ہے کہ تو نے مجھے بھولے ہوئے خواب یاد دلا دیئے تجھے اپنی رہائش گاہ پر تکلیف ہو گی۔ کیا میں تیرے لیے اور مزید دلجمعی کر دوں؟"

"نہیں شاکانیہ۔ میری رہائش گاہ نہایت آرام دہ ہے یہاں جالوت بھی موجود ہے۔ کسی دوسری رہائش گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو مطمئن ہے تو ٹھیک ہے۔ ویسے رات کو تو نے میرے لیے مزید سوچا ہو گا۔"

"ہاں اور مزید سوچنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔ لیکن اب تو میرا ہر لمحہ خوش آئند ہوں میں گزرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تو میرے حق میں فیصلے کرے گا۔" کہا اور میں نے خاموشی سے ناشتہ شروع کر دیا۔ دونوں میں نے پوچھا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے شاکانیہ؟"

"کس بارے میں؟"

"تمہارے تمہارے جہاز کی دوسری منزل کونسی ہو گی؟"

موسم بہار میں، میں طویل سفر کرتی ہوں اور دور دور کے جزیروں میں نکل جاتی ہوں، مقصد سیر و تفریح بھی ہوتا ہے اور تجارت بھی، میں ان جگہوں پر زیتون کی کھیت کی بات کرتی ہوں۔ لیکن اب میرا ارادہ کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد ازیلا پہنچ جاؤں اور اہل ازیلا کو ان کی خوفناک فتح کی خوشخبری سناؤں۔"

"اس کے لیے اتنی جلدی ضروری نہیں ہے شاکانیہ۔ بہتر ہے تمہارا دے کے مطابق اپنا سفر جاری رکھو اور وقت پر ازیلا پہنچو۔"

"اس میں اگر کوئی رسم پنہاں تو ٹھیک ہے اگر زیتر کی تکمیل سے تمہارا مقصد ہے تو مجھے اعتراض نہیں جیسا تو کہے۔"

"ہاں ابھی اپنے دلوں میں کوئی تہہ بلی مت کرو۔"

جیسا تو نے کہا۔ وہی ٹھیک ہے۔ میں نے اپنے ارادے سے کسی کو باخبر نہیں کیا البتہ تیری آمد کی اطلاع دے دی ہے۔

"یہ بھی مناسب نہ ہوا۔"

"وہ کیوں؟ کیا میں اپنی خوشیاں چھپا لے۔ ہتھ یہ میرے لیے بہت مشکل تھا تو میری خوشیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔"

اور پروفیسر میں نے سوچا کہ یہ عورت باز نہیں آئے گی۔ یہ میری لاگو ہو گئی تھی۔ اب اس کے مقاصد پورے ہوں یا نہ ہوں وہ دوسری بات ہے لیکن مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سے بچ نہ سکوں گا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ خیر ٹھیک ہے اس نے سوچا۔ زمانہ قدیم میں ایسی عورتیں کثیر میرے ساتھ رہی تھیں جو میں عالم جوانی میں میری زندگی میں شامل ہوئی تھیں اور میرے سامنے ہی بوڑھی ہو کر مر گئی تھیں لیکن بوڑھی ہونے کے باوجود میں نے انہیں اپنی بیگانگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ اور برداشت کرتا رہا تھا۔ اسی عورت کو بھی انہیں میں شمار کروں گا۔

"خیر ٹھیک ہے۔" میں گہری سانس لے کر بولا۔ وہ میری خاطر مدارت کرتی رہی اور پھر میرے ساتھ ہی جہاز کے عرشہ پر نکل آئی اس کی روانی گفتگو کو مضحکہ خیز رنگ رہی تھی لیکن میں اسے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کر رہا تھا۔

ازیلا میں میرے ہزاروں دشمن ہیں۔ لیکن میں نے کسی دشمن کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اب جب میرے دشمن میری اس بلندی سے واقف ہوں گے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے اور اس کے بعد وہ مجھے برتر و اعلیٰ سمجھنے پر مجبور ہوں گے وہ بھی سرنگوں ہو جائیں گے جو خود کو دیوتاؤں کا بیر سمجھ کر پیش گوئیاں کرتے ہیں۔"

"وہ کون؟" میں نے پوچھا۔

"تم ان سے روشناس ہو جاؤ گے۔ بس وقت آنے دو۔" وہ اندر میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب دھوپ بلند ہو گئی تو مجھے اس سے نجات ملی۔ لیکن صرف دوپہر تک کے لیے اس کے بعد مجھے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا تھا۔

واپس پہنچا تو جالوت غمگین نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے غصیلے انداز میں سر ہلا دیا۔

"کیا بات ہے جالوت؟ ناراض ہو؟"

"تم نے مجھے پریشانیوں کا شکار کر دیا ہے۔" وہ بولا۔

"خیریت۔ کون سی پریشانی لاحق ہو گئی تمہیں؟"

"وہ مصیبت ابھی ابھی میرے پاس سے گئی ہے۔"

"کون زلاء؟"

"ہاں!"

"اوہ کیا کہہ رہی تھی۔ کس لیے آئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا ویسے جالوت کی شکل دیکھ کر ہنسی نہیں روکی جا رہی تھی۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"اس کا خیال ہے کہ دیوتا صفت لوگ جھوٹ نہیں بولتے میں اس سے چھپا رہا ہوں اپنی عجلت کیونکہ میں شرمیلا ہوں۔ رات کو میرے پاس آنے کی دھمکی دی گئی ہے۔" جالوت فریادی لہجے میں بولا

"خیر میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے نجات دلا دوں مگر خود میں تو بری طرح پھنس چکا ہوں۔"

شام کو بادل چھا گئے تھے۔ ملاح چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ دور سمندر کی ہوائیں خنک اور مست کن ہو گئی تھیں۔ ملکہ شاکانیہ کی طرف سے ہمارا بلاوا آ گیا۔ میں اور جالوت جہاز کے ایک حصے پر پہنچ گئے۔ زیادہ تر ملاح وہاں جمع تھے۔ ملکہ شاکانیہ بھی اپنے عقاب کے ساتھ موجود تھی۔ اس کے بدن پر وہی جست جہازی لباس تھا جو سب کے تلوار لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے ہاتھ ہلایا۔

"کیا تمہیں قوت کے مظاہروں سے دلچسپی ہے اکیاس؟"

"یکسوں نہیں۔"

"میرا پسندیدہ کھیل ہے اور اس کے لیے میں نے بڑے بڑے طاقتور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ ابھی میں ان کے جسمانی مقابلے کراؤں گی۔ تم اس کے نزدیک بیٹھ جاؤ۔"

"خوب۔" میں نے کہا۔ اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ تب شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"سیاہ فام تم میرے لیے اس طور قابل توجہ اور احترام ہو کہ اکیاس تمہیں دوست سمجھتا ہے۔ تم بھی خود کو یہاں غلام مت سمجھو۔ اکیاس کے دوست کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ہاں جسمانی طور پر تو تم بھی یہاں بے بس ہو۔ کیا تمہیں جسمانی مقابلوں سے دلچسپی ہے؟"

"اگر شاکانیہ کا حکم ہو گا تو میں تمہیں کروں گا۔" جالوت نے سمجھتے ہوئے کہا۔ اور شاکانیہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر جسمانی مظاہرے کرنے والے آ گئے تھے۔ انوکھے لوگ تھے یہ گوشت کے پہاڑ۔ جالوت کے لیے فرزندگی کا ہاوٹ۔ مگر میں نے جالوت جیسے حسین بدن کا مالک کسی کو بھی نہ دیکھا۔

اندر میں کنگانہ سب سے لحیم شحیم تھا وہ بڑا اترتا ہوا آیا تھا اور اس کے آنے کے بعد مقابلوں کا آغاز ہو گیا۔ دو دیو پیکر ایک دوسرے سے گتھ گئے اور دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کو زیر کر لیا۔ اور فتح پانے والے کو انعامات سے نوازا گیا۔ اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مقابلہ ہوا۔ پھر شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"تم ان میں سے کس سے مقابلہ کرو گے؟"

"اس کا ہم تمہیں کیا بتایا تھا؟" جالوت نے پوچھا۔

"کنگانہ۔"

"میں اس سے لڑوں گا؟"

"اوہ! کیا اس کے دوست۔ اسے صرف طاقت کے اظہار کے طور پر رکھا گیا ہے، وہ جدھر سے گزرتا ہے زمین دب جاتی ہے۔ سب ہی مل کر بھی اسے زیر نہیں کر سکتے۔ ظہور میں تمہیں اس کی طاقت دکھاتی ہوں۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے ایک خادمہ کو ہدایات دیں۔ لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں کنگانہ کے بازوؤں سے کس دی گئیں اور اسے لوہے میں غرق کر دیا گیا۔ کنگانہ ہاتھ اٹھانے لگا تھا اور پھر جب غلام دیوہیکل اس کام سے فارغ ہو گئے تو کنگانہ بدن کو پھلایا اور لوہے کی کڑیوں کے منہ کھول دیے۔ اس نے ایک ایک زنجیر جھٹکا کر کے پھینک دی اور چند ساعت کے بعد وہ آزاد ہو گیا تھا۔

طاقت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ شاکانیہ نے مسکرا کر جالوت کو دیکھا اور بولی۔ "اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اگر شاکانیہ کی اجازت ہو تو؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن لڑائی کے اصول ہوتے ہیں جن کی انہیں بتا دیا ہے اور تمہیں بھی۔"

"حکم ملکہ شاکانیہ۔" جالوت بولا۔

"لڑائی کے دوران کسی پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ ہر طرح کے داؤ آزمائے جائیں گے۔ اور اگر کوئی پہلوان کسی کو موت کے گھاٹ بھی اتار دے تو اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" جالوت بولا۔ لیکن میں نے تشویش زدہ نگاہوں سے جالوت کو دیکھا تھا۔ وہ کسی طور کنگانہ کے قابل نہیں تھا۔

"کیا کوئی دوسرا بھی اس لڑائی میں مداخلت کر سکتا ہے؟" میں نے پوچھا

"صرف اس شکل میں جب وہ خود کنگانہ کو للکارے۔ یہ اصول میں نے بنائے ہیں اور اب یہی کشتی کے ذیلی اصول ہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن میری رائے ہے کہ جالوت کو اس سے نہ لڑنے دیا جائے وہ وحشی صفت ہے۔ اور اپنے مقابل کے سامنے دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں صرف چھ کشتیاں لڑی ہیں اور اس کا ایک بھی مدمقابل جانبر نہ ہو سکا۔ اس کا اصول ہے کہ وہ مقابل کو اپنے ایک خطرناک داؤ سے ہلاک کر دیتا ہے تاکہ کوئی یہ کہنے کے لیے زندہ نہ رہے کہ وہ کنگانہ سے لڑ چکا ہے۔"

"مجھے اجازت دی جائے۔" جالوت مسکرا کر بولا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے کنگانہ کو آواز دی۔ کنگانہ اس کے حضور حاضر ہو گیا۔ "طاقت کے بے مثال مظاہرے پر تمہارا اختتام۔ لیکن آج پھر تمہارا ایک مقابلہ آیا ہے۔"

"کون ہے عظیم شاکانیہ؟"

"جالوت۔ یہ سیاہ فام۔" شاکانیہ نے کہا۔

"آہ ملکہ اسے جینے کی اجازت دی جائے۔ ابھی جوان ہے اور میرے اصول میری زندگی ہوتے ہیں۔"

"اس نے تمہارے اصول سے لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تب خوش آمدید۔" کنگانہ نے بدن نہیں پھلایا۔ لیکن اسے اس کے اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

"ہاں اس نے قبول کیا ہے۔ جاؤ سیاہ فام۔ اپنے فن کا مظاہرہ کرو۔ اگر تم نے کنگانہ کو شکست دے دی تو میں تمہیں آزادی بخش دوں گی۔" جالوت نے سر جھکا دیا اور پھر اپنے بدن کا لباس اتار کر وہ کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ اس کے بدن کی پھولیاں تڑپ رہی تھیں۔

بلاشبہ وہ حسین بدن کا مالک ہے۔ لیکن گوشت کا یہ تودہ اس کے قابل نہیں ہے۔ وہ جانتی ہے اور فخر کار بھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ خود میں بھی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

کنگانہ کی کشتی کی خبر سن کر دوسرے ملاح بھی اپنے کام چھوڑ کر ادھر آ گئے۔ خود شاکانیہ بھی کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ جالوت کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ کنگانہ اسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر دونوں نے ایک

دوسرے کو دعوت لڑنا دیا۔ لیکن جالوت برق کی طرح کود کر کنگانہ کی گرفت سے نکل گیا۔

"بڑی بات ہے۔" شاکانیہ بے اختیار بولی۔ اس بار جالوت نے کنگانہ کو اپنی ٹانگوں میں پھنسایا اور گھوم گیا کنگانہ توازن نہ برقرار رکھ سکا۔ لیکن گوشت کا اتنا عظیم تودہ اتنی پھرتی سے اٹھ جائے گا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"اس کا ایک خاص داؤ ہے۔" اچانک شاکانیہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"جس وقت یہ لڑتے لڑتے زمین پر بیٹھ جائے تو سمجھ لو کہ داؤ لگانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا مقابل اسے تھکا ہوا سمجھ کر اسے زیر کرنے کی فکر کرتا ہے اور یہ اپنی رانوں کی قینچی اس کی گردن میں لگا دیتا ہے۔ عین اس وقت یہ داؤ استعمال کرتا ہے جب اسے مقابل کے طاقتور ہونے کا احساس ہو جاتا ہے۔ اوہ خوب طلب۔" شاکانیہ اچھل پڑی۔ جالوت نے کنگانہ کو پشت سے پکڑ لیا تھا اور کنگانہ اس کی گرفت میں زور لگا رہا تھا۔ لیکن جالوت اس بے پناہ گوشت کو گرفت میں نہ رکھ سکا اور کنگانہ اچھل کر نیچے بیٹھ گیا۔ جالوت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آہ کاش کوئی اسے روک سکتا۔ کنگانہ پر جنون سوار ہو گیا ہے۔" شاکانیہ بولی۔ جالوت کنگانہ کی اس چال کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ جھکا اور اس نے کنگانہ کی گردن پکڑ لی۔ لیکن اس وقت کنگانہ نے ایک قلابازی کھائی اور جالوت کی گردن میں دونوں ٹانگیں پھنسا لیں۔

جالوت بے پناہ قوت صرف کر کے کنگانہ کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے مضمحل ہوتے دیکھا۔ دوسرے لمحے میں کھڑا ہو گیا۔ اس سے قبل کہ شاکانیہ مجھے روکے میں ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا اور میں نے کنگانہ کے دونوں پاؤں پکڑ کر جالوت کی گردن سے ٹانگیں نکال دیں۔

کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"خبردار۔ ہرگز نہیں۔ رک جاؤ کنگانہ۔ ابھی تم وار نہیں کرو گے شاکانیہ چیخی اور کنگانہ کسی زخمی چیتے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے وحشت خیز آوازیں نکل رہی تھیں۔

"یہ... یہ بے اصولی ہو گئی۔ یہ ظلم ہو گا۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میرا شکار... میرا شکار مجھے دیدو۔" وہ چیخ رہا تھا۔ میں نے جالوت کی طرف دیکھا وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا اور اب اس میں سکت نہیں تھی۔

"بے اصولی نہیں ہو گی کنگانہ۔ مگر مجھے لباس اتار لینے دو۔"

"نہیں اکیاس، تم اکھاڑے کے انسان نہیں ہو۔ میں اسے سمجھا لوں گی۔ اصولی طور پر وہ جیت چکا ہے۔ لیکن میں نے لباس اتار کر پھینک دیا اور اب میں بے حجاب تھا۔

"آؤ... اٹھ جاؤ۔ آج میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔" میں نے کنگانہ سے کہا اور اس نے فریادی نگاہوں سے شاکانیہ کو دیکھا۔

"مجھے اجازت دے شاکانیہ، مجھے اجازت دے۔" لیکن میں نے اس کی کمر پہلوان رسید کردی اور وہ اوندھا گر پڑا۔

"جنگ اجازت مانگ کر نہیں ہوتی۔ کھڑا ہو جا۔ میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شاکانیہ اضطراب کے عالم میں کھڑی ہلا رہی تھی۔ لیکن میں نے کنگانہ کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے اور اسے اٹھا کر دوبارہ پٹخ دیا تو وہ رک گئی۔ تب میں کنگانہ کو سنبھلنے کا موقع دے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے اجازت دے دو شاکانیہ۔" میں نے کہا۔ لیکن اب کنگانہ جوش میں بھر گیا تھا اور شاید اجازت وغیرہ کے جھگڑے سے نکل آیا تھا۔ وہ میرے اوپر حملہ آور ہوا۔ دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ میں پھرتی سے اس کا وار خالی دوں گا لیکن میں نے کنگانہ کی زور دار ٹکر اپنے بدن پر روکی۔ اور کنگانہ کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ اور لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

جالوت اب حیران کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ کنگانہ سنبھل گیا۔ اس نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا اور شاکانیہ کی طرف سے کوئی مداخلت نہ پا کر چیخ پڑا۔ اس نے ہاتھ پاؤں پھینکے اور حلق سے ایک مسلسل آواز نکالتا ہوا پھر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس بار میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اسے چکر دے کر اونچا اچھال دیا لیکن زمین پر گرنے سے قبل میں نے اسے پھر دبوچ لیا تھا۔ اور اب میں نے اسے دونوں ٹانگوں میں پھنسا کر گڈ دیا۔ کنگانہ کی تقدیر میں خرابی تھی تو کوئی کیا کر سکتا۔ وہ اپنے مخصوص داؤ کے لیے پھر بیٹھ گیا تھا اور جوں ہی میں جھکا اس نے میری گردن میں قینچی ڈال دی۔

شاکانیہ کی آواز بند ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ شدت خوف سے سفید پڑ گیا تھا لیکن میں نے کنگانہ کی دونوں ٹانگوں کو گرفت میں لے کر انہیں گردن سے کھول دیا اور پھر انہیں پکڑ کر کنگانہ کو سیدھا کھڑا کر کے اپنے ہاتھوں پر بلند کر دیا۔

گوشت کے اس وزنی پہاڑ کو اس طرح اٹھا لینا بھی بعید از قیاس تھا وہ فضا میں جنبش کر رہا تھا لیکن جونہی وہ الٹا لٹک کر خود کو زمین پر لانے کے لیے جھکا میں نے جھولا دے کر اسے پھر سیدھا کھڑا کر دیا۔ اور اس کے بعد میں نے کئی بار اس کے ساتھ یہ سلوک کیا اگر میں چاہتا تو اسے دور پھینک سکتا تھا۔ لیکن میں نے اسے نکل طور پر اسے بے بس کرنے کے بعد زمین پر کھڑا کر دیا۔ کنگانہ میں اب سکت نہیں رہ گئی تھی۔

"آؤ۔" میں نے اسے بلایا۔ لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور اس کے بعد اس نے گردن جھکا کر ہار مان لی۔ ملاح چیخنے لگے تھے ان کی آوازوں میں حیرت و خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔

پھر کسی نے کہا۔ "وہ دیوتا ہے۔ انسان دیوتاؤں سے جنگ نہیں کر سکتا۔"

"کیا اس دیوتا ہے؟"

"شاکانیہ یہی ہے۔"

"اسے دیوتا نہ سمجھنے والا عتاب کا شکار ہو گا۔" اور پھر لوگ چیختے چلاتے رہے۔ شاکانیہ دیوانہ وار اچھل رہی تھی اور اس کا شکستی باز پھڑ پھڑا رہا تھا اور پھر وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے میرا منہ چوم لیا۔

"میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا کیا اس میرے دعوے کی تصدیق ہو گئی ہے۔" وہ خوشی سے چھلتی ہوئی بولی۔

دیر تک ہنگامہ رہا اور پھر اس سے نجات مل سکی۔ لیکن صرف مجھے، شاکانیہ سے اب بھی نجات نہیں مل سکی تھی اور رات کو اس وقت تک اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک میں نے اس سے شدید نیند آنے کا بہانہ کیا۔ وہ مجھے میری آرام گاہ تک چھوڑنے آئی تھی۔ لیکن آرام گاہ میں جالوت موجود تھا۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا اور وہ روٹھا روٹھا نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"ساری زندگی میں پہلی بار شکست ہوئی ہے۔"

"یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ تم نے نہ سہی تمہارے دوست نے اسے زیر کر دیا۔"

"میں دیوتاؤں کی دوستی کے قابل کہاں ہوں؟"

"تم پر بھی یہ بھوت سوار ہو گیا؟"

"غلط تو نہیں ہے۔ مجھے بتا دیتے تو میں تمہاری تکریم کتاب گنہگار ہوا یا نہیں؟"

"اور کسے بے وقوف، فضول توہمات کا شکار نہ ہو۔ میں کوئی دیوتا وغیرہ نہیں ہوں۔ ان لوگوں میں پل رہی ہے تو اچھا ہی ہے۔ بہت سی مراعات مل گئی ہیں نقصان ہی کیا ہے؟"

"دیوتاؤں کی قسم تم دیوتا نہیں ہو؟"

"ہاں! میں دیوتا نہیں ہوں۔"

"پھر تم نے اس پہاڑ کو شکست کس طرح دی؟"

"طاقت سے۔"

"ایسی بے پناہ طاقت؟ نظر تو نہیں آتے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"تمہاری وجہ سے میں پاگل نہ ہو جاؤں کہیں میری تو عقل میں نہیں آ گیا کہ تم کیا ہو، خواہ مخواہ خود کو الجھن کے جال میں پھنسا دیا۔ پھر فروخت ہوتے اس سے قبل اتنی بڑی دولت ٹھکرا دی۔ اور اب اس جہاز پر آ کر خوامخواہ باتوں میں کیا راز ہے؟"

"بس یوں سمجھو کہ متحرک رہ کر گزر رہا ہوں۔"

"الوکھی تحریک ہے یہ۔ بہرحال تم کہہ رہے ہو تو لے لیتا ہوں۔

یہ کہ اب اپنے پیچھے کر تم اس سے شادی کرو گے؟"

"اس بوڑھی چڑیل سے؟"

"وہ اب اتنی بدغما بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ تو اسی خوش فہمی کا شکار ہے اور جہاز پر اس سلسلہ میں خوب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اس سے متعلق ایک کہانی بھی دہرائی جا رہی ہے اور اب لوگوں کے ذہن میں اس کے لیے صرف ایک ماں کا تصور ہی نہیں ہے بلکہ وہ دیوی جیسی بھی تعظیم کرتی جا رہی ہے۔ لوگوں کے اسے نامل ہونے والے دیوتا کے پیغمبر کی ماں کہنا شروع کر دیا ہے۔"

"خوب! بہرحال اس نے میرے اوپر زرکثیر خرچ کیا۔ گروہ اس سے اس قدر شہرت حاصل کر رہی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"لیکن زمیر کا کیا ہو گا؟ اہل یونان میں اس کا بڑا چرچا ہے۔"

"وہ اس کی آمد کے منتظر ہیں۔"

"کیا تفصیل ہے اس سلسلہ میں؟"

"مجھے نہیں جاننا۔ اول تو ہر تعلق اس سرزمین سے نہیں ہے دوسرے میں کسی مذہب سے بھی متاثر نہیں ہوں۔ چنانچہ تفصیل مجھے نہیں معلوم۔ اس سلسلہ میں مفصل تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا کہ۔"

"بہرحال زمیر کہ زمیر میرے راستے سے نہیں آئے گا اور گروہ اگر اپنی خوش فہمی کی وجہ سے دیوتا ہے تو پھر شاکانیہ جیسی عورت کے بدن سے تولد ہونا بھی میری اس بات پر جالوت ہنس پڑا تھا۔"

"خوب واقعات ہیں۔ لیکن تمہاری عقل واقعی لولھی ہے۔ ایسی عقل شخص کی عقل بھی کام نہیں کرتی۔"

"تمہاری عقل تو اس نے سلب کر لی ہے۔"

"کس نے؟"

"کیا نام ہے اس حبشہ کا کہ غالباً اس نے بھی نہیں بھی تمہارے پاس آ کر اس سے کہا اور جالوت نے خون سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"دیوتاؤں کے لیے اس کا نام لو۔ مجھے خوف محسوس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ چاند نکلے آئے گی۔ لیکن آ جانے بے وقوف میں اس وقت یہاں موجود ہی نہ ہوں گا۔"

"وہ کہاں جاؤ گے؟"

"بندوبست کر رہا ہے میں نے کسی کو بتاؤں گا۔" جالوت نے کہا۔ میں دیو ہیکل کے خون پر ہنستا رہا۔ میں نے اس سے کئی بار پوچھا۔ وہ وہاں سے بچنے کے لیے کہاں جائے گا۔ لیکن اس نے کسی قسم بتانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

بہرحال میں اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ کوئی فکر کوئی تردد نہیں تھا میں اپنی پسند کے مطابق تھا۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا۔ میری آنکھوں میں غنودگی بھی تھی۔ دفعتاً مجھے جالوت کا خیال آیا۔ اور میں اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا۔ اس کی حالت تو دیکھی جائے۔ بہرحال وہ جالوت بنی جگہ موجود نہیں تھا۔

"بھاگ گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ اور پھر میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یوں بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا تھا میں سمندر کا نظارہ ہی کیا جائے۔

اپنی جگہ سے نکل کر میں ایک طرف چل پڑا۔ جہاز پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں کچھ ملاح کسی کام میں مصروف نظر آ جاتے تھے۔

میں عرشہ پر پہنچ گیا اور پھر دور دور تک نگاہیں دوڑاتا آگے بڑھتا رہا۔ پھر مجھے کسی عجیب سی آواز سنائی دی اور میں نے ٹھٹک کر اپنی بائیں سمت دیکھی۔ ایک عجیب سی کیفیت نظر آئی۔ کوئی لڑکی تھی۔ چاندنی رات میں وہ گھٹنوں کے بل عرشے کے سوراخ سے بیٹھی تھی۔ اس کی صورت تو میرے سامنے نہیں تھی لیکن جسمانی خوش ہیئت حسین تھے قدوقامت تھا اور بدن اس مناسبت سے انتہائی موزوں۔ میں متحیر انداز میں آگے بڑھا اور اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ لڑکی کے سامنے تین پیالے پڑے ہوئے تھے۔

پھر اس نے جیبوں پانسے اٹھائے اور انہیں مٹھی میں بند کر کے ہلایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔ اور پھر وہ جھک کر نہیں دیکھے گی۔ کہاں سے۔ ستاروں کے اصول کے مطابق اب اسے میرے پاس ہونا چاہیے بلکہ وہ ہے۔ وہ بڑبڑائی اور پھر اس نے جونہی کر سامنے دیکھا۔ چیخ پڑی۔

اور اچانک گویا اسے میرے جانے کا احساس ہوا۔ اور وہ اچھل کر پیچھے۔ ایک لمحے کے لیے وہ خوفزدہ سی نظر آئی۔ لیکن پھر ہنس پڑی۔ انداز شکایت آمیز تھا۔

"تو ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا لیکن میں متحیر سے انداز میں اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ایک کمسن لیکن ایسا جاذب نگاہ چہرہ قزاقیے کسی سرسبز درخت پر تنہا کھلا ہو بھولی آنکھوں میں جا کی گہرائی اور شرارت بولتی تھی جیسے اسے مجھ سے ذرا بھی ہیبت کا احساس نہ ہو۔ درحقیقت پورے جہاز پر ایسا معصوم حسن و دلربا نہ ہو گا۔ اس کی دلکشی بے مثال تھی۔ اور وہ ایسی تھی جس کی پرستش کی جائے۔

"مجھے خوف ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا مکمل جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"کس بات پر؟"

"تم میری چیخ آمد پر خوفزدہ ہو گئیں۔"

"وہ اب ایسی بھی بات نہیں ہے میں نے لفظ خوف سنا ضرور ہے لیکن وہ میری ذات سے بہت دور ہے۔"

"خوب۔ بھی تم نے خود کہا تھا۔"

"تجربے کے الفاظ تھے میں تمہارے آنے کا انتظار تھا۔ کہ تم

تھی اور یوں چونک کر تمہیں اپنے عقب میں دیکھ کر متحیر رہ گئی تھی۔"

"اُسے کے انتظار کر رہی تھیں۔" میں نے تعجب سے کہا۔ "وہ اس کے انتظار میں تھیں؟"

"ستاروں کے مطابق اسے یہاں ہونا چاہیے تھا۔" وہ بولی۔ "وہ ستاروں کے اصول کے مطابق اسے یہاں ہونا چاہیے تھا۔ وہ ستاروں

"اس کے بعد ستارے خاموش ہیں اور ٹھیک بھی تو ہے۔ رات کے رازدان کی روشنی میں عیاں نہیں ہونے چاہئیں ورنہ رات کا انتظار کون کرے۔ رات آنے دو راز عیاں ہو جائیں گے۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور عرشے کے پاس سے ہٹ گئی۔ پھر اس نے رقصتی انداز میں مجھے دیکھا اور مڑ کر ایک طرف چل گئی۔

میں خاموشی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا اور پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے گہری سانس لی۔ لڑکی لڑکی ہے لیکن حسین بھی ہے اور زیرک بھی۔ کیا کام لینا چاہتی ہے وہ مجھ سے۔ ویسے اس کے انداز سے کس قدر دہشت تھے۔ اس نے بہت کچھ معلوم کر لیا میرے بارے میں اور اپنی معلومات سے بہت پر اعتماد ہے۔

آخری رات میں، میں عرشے سے ہٹ آیا۔ میرا دوست جالوت واپس آ گیا تھا اور اب مزے کی نیند سو رہا تھا۔ شاید اسے اس خطرے سے نجات مل گئی تھی جس سے وہ بھاگا پھر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنی آرام گاہ میں آ گیا اور پھر دوسری صبح حسب معمول تھا۔ جاگنے کے بعد جالوت نے اپنی مختصر کہانی سنائی کہ کس طرح زالا اسے تلاش کرتی رہی اور وہ اس سے چھپا چھپا پھرتا رہا ہے۔

"اس لڑکی کو تم نے میرے پیچھے لگایا ہے، کیا اس؟"

"اب بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لیے؟"

"میری جان بچاؤ کسی طرح اس سے۔"

"اس کی صرف ایک ترکیب ہے۔"

"کیا؟" جالوت نے مجھے دیکھا۔

"میں خود اس سے اظہار عشق کر دوں۔"

"اوہ عمدہ ترکیب ہے۔ مگر خون سے مر جائے گی بیچاری" جالوت ہنس کر بولا۔

"کیوں؟"

"تم شاکانیہ کے منتظر نظر ہو۔ اور اگر شاکانیہ کو پتا چل جائے گا کہ اس کی کوئی کنیز تمہاری توجہ کا مرکز ہے تو وہ اطمینان سے اسے قتل کر کے سمندر میں پھینکوا دے گی اور یہ بات زالا بخوبی جانتی ہے اس لیے وہ دہشت سے زرد ہو جائے گی۔"

"اس طرح پھر وہ تمہارے پاس بھی نہیں آئے گی۔"

"ہاں! اس بات کا امکان تو ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ اب اسے آنے دو بلکہ ہو سکے تو تم خود بھی اس کا تذکرہ کر دو۔ ممکن ہے مجھ تک آنے کی نوبت ہی پیش آئے۔" میں نے کہا اور جالوت بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر ہنسی ختم کرتے چل پڑا تھا۔

شاکانیہ نے حسب معمول میرا استقبال کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے چراغ روشن تھے۔ اس وقت اس نے خود کو سجا رکھا تھا اور بلاشبہ اپنی اس سج دھج سے وہ کم عمر نظر آنے لگی تھی۔

"ایک بار پھر میری آنکھوں میں انوکھے خواب آ بسے ہیں کیا اس جانتے ہو ہر بار میں کیا دیکھتی ہوں؟"

"کیا دیکھا شاکانیہ؟"

"میں نے دیکھا میں سمندر کی سڑک پر ننگے پاؤں دوڑتی ہوں پانی کسی پھول کی طرح میرا وزن اٹھائے ہوتے ہے پھر سمندر کے لطیف بخارات نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور میں ان کے ساتھ بلند ہو گئی اتنی بلند کہ میرا جہاز کسی ننھے سے نقطے کی مانند رہ گیا۔ اور خلاؤں میں معلق ایک وادی میں لے جا کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ پھر وادی میں کچھ دور پر سرسبز سا ٹیلہ نمودار ہوتے اور ایک ننھے سے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ ننھا سا بچہ میرے بازوؤں میں آ گیا۔ اور چند ہی لمحات گزرے تھے کہ وہ ایک قوی ہیکل نوجوان بن کر [illegible] چلا گیا۔ لوگوں نے میرے سر پر تاج فضیلت رکھ دیا تھا اور وہ مجھے ازمنہ کی مقدس ماں کے نام سے مخاطب کر رہے تھے۔ بس میں کہا بتاؤ کیا اس میں کتنی خوش قسمتی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف مسکرا دیا۔ شاکانیہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود اس کی ہمت نہیں پڑی اور وقت گزر گیا۔ پورا دن حسب معمول تھا۔ جہاز کے ملاح اپنے کام میں مصروف تھے دن میں صرف ایک بار اور شاکانیہ سے ملاقات ہوئی اور پھر رات ہو گئی۔ رات کے کھانے پر وہ میرے ساتھ نہیں تھی۔ میں نے کسی سے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ لیکن پھر جب رات گہری ہو گئی تو اس کا بلاوا آ گیا۔ دو خادمائیں آئی تھیں۔

"کیا اس کو طلب کیا گیا ہے؟"

"کہاں ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"اپنی آرام گاہ میں۔" خادماؤں نے کہا اور میں ان کے ساتھ چل پڑا۔

"آؤ کیا اس میں تمہارا منتظر تھی۔"

"کھانے کے وقت ملاقات نہیں ہوئی؟"

"ہاں، ذرا طبیعت بوجھل تھی۔"

"کیوں؟ خیریت۔۔۔" میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے شانوں میں ڈوبی رہی ہوں میں۔ اس سے قبل یہ کیفیت میں نے کبھی محسوس کی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس سے قبل میری پسند کا کوئی جوان میری زندگی میں بھی نہیں آیا تھا۔"

"اوہ یہ بات ہے؟"

"ہاں۔ آج میرے دل میں یہ عورت جاگ اٹھی ہے۔ گزرے ہوئے واقعات مجھے نہ جانے کون سی کہانیاں سنا رہے ہیں۔"

"کس کہانی؟" میں نے سوال کیا

"رفتہ رفتہ سے بے پناہ شور سنائی دیا اور جہاز کو کئی جھٹکے لگے۔ شاکانیہ نے مخمور آنکھیں کھول دیں۔ "یہ کیا ہو گیا؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"یہ شور۔ میرا خیال ہے جہاز کے ملاح چیخ رہے ہیں" [illegible] پر وہ کرخت لہجے میں بولی۔ پھر دفعتاً چیختی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی کیفیت بھوکی شیرنی کی سی تھی اور اسی کیفیت میں وہ باہر نکل آئی۔

"کیا ہو گیا کیوں مر رہے ہو سب لوگ، کیوں خلق چھاڑ رہے ہو۔" شاکانیہ آگے بڑھی اور کچھ دوڑتے ہوئے ملاح نظر آئے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا تھا۔

"بحری قزاق۔۔۔ بحری قزاق۔" ملاحوں کی آواز بھری اور میں نے ایک تحیر کن منظر دیکھا۔ چیخنے والے ملاح کے سینے میں تیر پیوست تھا۔ اس نے اپنا فرض پورا کیا اور نیچے گر پڑا۔

شاکانیہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی جذباتی اعتبار سے [illegible] کے عین سے ایک خونخوار آواز بلند ہوئی۔ دوسرے لمحے وہ فضا میں گونج گئی۔ باہر کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ بڑی مشکل سے تو اس بیچاری کو یہ [illegible] نصیب ہوئے تھے لیکن ازمنہ کی قسمت میں ہی یہی کچھ [illegible] یہ حادثات جھیلنے کے لیے جہاز کے ہر فرد نے جینے ہیں گے۔

جو چیختے جہاز کو لگے تھے وہ بحری قزاقوں کی کشتیوں کے تھے [illegible] نے جہاز لگا دی تھیں اور اب ان کی سیڑھیوں کے [illegible] اور وہ چڑھتے آ رہے تھے ان کی طرف سے تیر [illegible] کے مدافعت شروع کیا تھا لیکن دوسری کشتی سے قزاق [illegible] کے اور صبح طلوع ہوتے ہوتے [illegible]

ایک بلند [illegible] میں نے دیکھا کہ قزاقوں کی کشتیوں کی [illegible] زیادہ تھی [illegible] کشتی پر ہمت سے [illegible] ہوئے تھے جو تیزی سے [illegible] تھے۔

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ملاحوں کی تعداد [illegible] قزاقوں سے مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کا مطلب ہے کہ شاکانیہ کا [illegible] صورت رہ گیا اور شاید اس کی موت بھی نزدیک آ گئی۔

قزاقوں کی للکار رفتہ رفتہ نزدیک ہو رہی تھی۔ وہ خوف ناک نعرے لگاتے چیختے چلاتے اوپر آ رہے تھے۔ وہ بے دریغ غلاموں کو قتل کر رہے تھے۔ غلام حتی المقدور کوشش کر رہے تھے کہ ان کی بھار [illegible] لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ تب میں نے [illegible] کی دھار سنی وہ اپنے اسی لباس میں تھی۔ جس میں میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چوڑی تلوار تھی۔ شاکانیہ نے بہت بانہ بیٹھا ہوا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک خونخوار اور جنگ جو عورت نظر آ رہی تھی۔

شاکانیہ نے آتے ہی قزاقوں پر حملہ کر دیا اور میں نے دیکھا اس نے پہلے ہی حملے میں دو انسانوں کی گردنیں اڑا دی تھیں پھر وہ بڑی چابکدستی سے قزاقوں سے مقابلہ کرنے لگی۔ میں اب بھی خاموش کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ان معاملات میں میرا کیا حصہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے مجھے قزاقوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی شاکانیہ سے اتنی ہمدردی کہ اس کے لیے میں قتل عام شروع کر دیتا۔

لیکن پھر میں نے جالوت کو دیکھا، یہ زرخرید غلام چند قیمت ادا کر کے لیے میدان میں آ گیا تھا۔ کنگانا اور دوسرے لوگ بھی میدان میں آ گئے تھے اور لڑ رہے تھے۔ یہ سب قزاقوں پر بلاشبہ بھاری پڑ رہے تھے۔ لیکن جالوت کی پھرتی قابل دید تھی بلور بازی میں واقعی وہ یکتائی نہیں رکھتا تھا اور بے دریغ قزاقوں کو قتل کر رہا تھا۔

تب جانگ قزاقوں کا ایک جھنڈ اس کے نزدیک جمع ہو گیا۔ قزاقوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سیاہ فام خطرناک ہے چنانچہ اسے قتل کرنا ضروری ہے۔

جالوت کو ان کے ارادے میں دیکھ کر میں برداشت نہیں کر سکا اور میں نے اپنی جگہ سے اچھل کر [illegible] کی۔ ایک مڑتے ہوئے قزاق نے میرے [illegible] کر دیا۔ اس کی طرف [illegible] شاکانیہ کے قریب [illegible] میں [illegible] کا ہاتھ [illegible] اور اسے [illegible] کہ [illegible] کے [illegible] [illegible] [illegible]

نظر آیا۔ وہ مجھے بلا رہی تھی۔

"اور لعیشہ اس وقت تمہارا جہاز کے کھلے حصوں پر آنا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اور جو مناسب ہے وہ میں تمہیں بتانے آئی ہوں۔" لعیشہ بولی۔

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تم کیوں ان لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہے ہو؟"

"کیا مطلب؟ کیا جہاز کے ملاحوں کو قتل ہونے دیا جائے؟"

"یہ تقدیر کا فیصلہ ہے۔" لعیشہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور کیا تم نے اس سلسلے میں ستاروں سے رابطہ قائم کیا ہے؟"

"نہیں تم بھول گئے۔ میں نے تم سے کل بھی ایک بار کہا تھا یاد ہے تمہیں۔ جب تم نے پوچھا تھا کیا کل رات ملاقات ہوگی۔ لیکن میں نے کہا تھا۔ ہاں ہوگی لیکن اس محل میں نہیں۔ کل کی رات ایک دلچسپ رات ہے۔" اور میں چونک کر لعیشہ کی شکل دیکھنے لگا۔ بلاشبہ اس نے یہ جملے کہے تھے۔ اور یقیناً ستارہ شناس لڑکی پہلے سے ان حالات سے واقف تھی اور میں رک گیا۔

"تو کیا تمہارا خیال ہے شاکانیہ قتل ہو جائے گی؟"

"نہیں شاکانیہ قتل نہیں ہوگی۔ اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔" لعیشہ نے کہا۔

"جہاز کے دوسرے ملاح؟"

"بیشتر ماریں جائیں گے۔ اور بیشتر گرفتار ہو جائیں گے۔ جہاز کو آگ لگا دی جائے گی۔" لعیشہ نے کہا اور اپنے مٹھی میں دبے ہوئے پانسوں کو کھنکھنانے لگی اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔ میں رک گیا اور میں نے جالوت کو آواز دی۔ جالوت جو اپنے سامنے والے دو آدمیوں کا صفایا کرنے کے بعد آگے بڑھ رہا تھا۔ پلٹ کر میرے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے لعیشہ کو دیکھا اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"بحری قزاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غلام ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ تم خود کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

"لیکن میں اپنا فرض ادا کرنے سے باز نہ رہوں گا۔" جالوت نے کہا

"تمہاری وجہ سے مجھے بھی جنگ میں حصہ لینا پڑے گا اور میرا وجود بحری قزاقوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔"

"افسوس ایسا ہے، میں تمہاری طرح آقا نہیں غلام ہوں۔ مجھے اپنی قیمت ادا کرنے دو۔" جالوت نے کہا اور جنگ میں کود گیا۔ لعیشہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"اگر وہ اس زبان کا مالک نہ ہوتا تو غلام بھی نہ ہوتا حکمران ذہین ہوتے ہیں اور غلام جذباتی۔ تماشہ دیکھو وہ جہاز میں شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ قزاقوں نے جہاز کو آگ لگا دی تھی۔ اور سمندری موجیں اس آگ کو جلا دے رہی تھیں اور وہ تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔

شاکانیہ اب بھی وحشت خیز جنگ کر رہی تھی۔ لیکن پھر کسی نے اس پر ایک سیاہ جال پھینکا اور وہ جال میں جکڑ گئی۔ اس نے شانے پر بیٹھا بانہ زور زور سے چیخنے لگا اور شاکانیہ تلوار سے جال کاٹنے لگی تھی۔ لیکن پھر کئی دوسرے جال اس پر آ پڑے اور وہ ان میں جکڑ کر رہ گئی۔ دوسری طرف جالوت پر بھی کئی جال پھینکے جا چکے تھے۔

قزاق بہت ذہین تھے انہوں نے خطرناک لڑاکوں پر قابو پانے کے لیے جال استعمال کیے تھے۔ کنگنا اور دوسرے طاقتور بدستور جنگ کر رہے تھے لیکن بہت جلد غلاموں کی مدافعت کمزور پڑنے لگی جو زندہ بچے تھے انہیں گرفتار کیا جانے لگا۔ شاکانیہ کو شکست ہو گئی تھی۔

بحری قزاق اب لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ قیمتی سامان نیچے پھینکا جانے لگا۔ اور پھر ایک قوی ہیکل قزاق جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ہی دوسرے قزاق بھی تھے۔ اس نے نیزے کی انی میرے سینے پر رکھ دی۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔" میں نے نیزے کی انی پر زور لگایا اور ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ قزاق خود کو سنبھال گرنے سے روکا تھا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے میرے گرد تلواروں کا حصار کر دیا۔ لعیشہ میرے بالکل نزدیک ہو گئی۔

"لیکن تم لوگ میرے ہاتھ سے قتل ہونا چاہتے ہو۔" میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ تمہارے دوسرے کو شکست ہو چکی ہے۔" ایک چشم بولا۔

"ہم جنگ میں حصہ نہیں لے رہے۔ لیکن مجھے گرفتاری کے لیے تمہیں مجھ سے جنگ کرنا ہوگی۔" میں نے کہا اور یک چشم نیزہ کر کے میری طرف لپکا۔ میں نے دوبارہ نیزے پر ہاتھ ڈالا اور دوسرے لمحے نیزہ ایک جھٹکے سے میرے ہاتھ میں آ گیا میں اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ تب میں نے نیزہ درمیان سے دو ٹکڑے کر دیا اور بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم جنگ نہیں کر رہے۔ گرفتار ہونے کو بھی تیار نہیں ہیں لیکن اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو پھر نئے سرے سے جنگ ہوگی۔"

"بس چند ساعت کے بعد یہ جہاز تباہ ہو جائے گا۔"

"ہم لوگ تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔" لعیشہ اور یک چشم نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"انہیں کشتیوں پر لے جاؤ۔"

"چلو۔" وہ بولے۔ اور میں نے لعیشہ کو سنبھال لیا۔ ہم دونوں رسی کی سیڑھی سے ایک کشتی پر اتر گئے۔ خاصی کشادہ اور جدید کشتی تھی۔ دوسرے بہت سے قیدیوں کو اس کشتی پر اتارا دیا گیا۔ ہم خاموش ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔

جہاز میں اب بری طرح آگ لگ گئی تھی۔ قزاق تیزی سے نیچے کود رہے تھے پھر کشتیاں جہاز سے دور لے جائی جانے لگیں آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور چاندنی دشمنوں کو بہت خوفناک بنا کر پیش کر رہی تھی۔ گرفتار شدہ غلام خاموش تھے نہ جانے جالوت شاکانیہ وغیرہ کا کیا حال تھا۔ وہ لوگ کشتیوں کو تیز رفتاری سے چلاتے ہوئے جہاز سے بہت دور نکل آئے۔ تب میں نے لعیشہ کی طرف دیکھا وہ مطمئن تھی اور اس کے چہرے سے کسی قسم کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"تم بہت پرسکون ہو لعیشہ۔" میں نے کہا اور اس نے مٹھی میں بھرے ہوئے پانسے پھینک دیے۔ پھر جھک کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے پانسے سمیٹ لیے اور پھر میری طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی بات بھی تو حیران کن نہیں ہے۔"

"خوب۔" میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہتا ہے اب تمہارا علم؟"

"ہمارا سفر ایک خطرناک ماحول کی طرف ہے۔ اور ہمیں ایک طویل عرصہ گزارنا پڑے گا وہاں کہیں۔ وہیں سے ابتداء ہوگی۔۔۔ وہیں سے ابتداء ہوگی۔"

"کس بات کی؟"

"اس کا جواب ماحول کی دھند میں پوشیدہ ہے۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"بڑی متضاد شخصیت ہے تمہاری لعیشہ؟"

"کیوں؟"

"اس قدر خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر پراسرار نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا ہونا چاہیے۔ کیا نہ ہونا چاہیے۔ اس کا فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔ میں وہ بننا چاہتی تھی جو نہیں ہوں اور کچھ بننے کے لیے مجاہدہ ضروری ہے انسان کے وجود میں دو جتے ہیں۔ اس کا ایک رخ منفی ہوتا ہے اور دوسرا اس کی ذات کی گہرائیوں میں چھپا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی گہرائیاں خود اسے نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن اگر اس کی نگاہ من کی گہرائیوں تک پہنچ جائے تو منفی زندگی بے معنی ہوتی وہ اپنی ذات کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"

"تو تم اپنی ذات کا سراغ لگا رہی ہو؟"

"لگا چکی ہوں۔ میں اس منزل سے گزر چکی ہوں جو جذباتی طوفان کی سرزمین ہوتی ہے۔ اب میں سکون کی وادیوں میں ہوں۔"

"اتنی سی عمر میں؟" میں نے کہا۔

"بات تلاش کی ابتداء کی ہے، جس عمر میں بھی تلاش کا تجسس ہو جائے میں نے اپنی ذات کا عرفان پا لیا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے مجھے کاوشیں کرنا تھیں اور اب میں کاوشوں کی عمر سے گزر رہی ہوں۔ یہ پانسے میرے معاون بھی ہیں اور اس میں پہلا منتر نہیں حاصل ہے۔ چنانچہ تم تک پہنچنے کے لیے مجھے جن راستوں سے گزرنا تھا میں ان کی تلاش میں تھی اور بالآخر یہ راستے مجھے مل گئے میں صحیح جگہ پہنچی اور میں نے تمہیں پا لیا۔"

"خوب! لیکن لعیشہ پا لینے کا تصور تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟"

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھی؟"

"کسی کی ذات سے قریب ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ تم نے اس ذات کو اپنی خواہشات کا تابع بنا لیا ہو؟"

"ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن میں ستاروں کی چال سے بھی مطمئن ہوں۔"

"وہ کس طرح؟"

"ستارے کہتے ہیں کہ تم میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے مجھے کیا کاوشیں کرنا ہوں گی میں یہ میں نے آنے والے وقت پر رکھ چھوڑی ہیں۔"

"کیوں تمہارا علم تمہاری ان کاوشوں کی جانب رہنمائی نہیں کرتا؟" میں نے سوال کیا۔

"کرتا ہے اور میں اس سلسلے میں بہت جلد ابتدا کرنے والی ہوں لعیشہ نے کہا۔

"گویا تم میری ذات پر مکمل قدرت رکھتی ہو؟"

"نہیں یہ بات نہیں۔"

"پھر؟"

"بس میں اپنے حالات سے مطمئن ہوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ کسی نہ کسی طرح بالآخر میں تمہیں اپنی امداد کے لیے آمادہ ضرور کر لوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان دو بحری قزاقوں کی جانب دیکھنے لگی جو ہماری طرف آ رہے تھے۔ یہ دونوں نوجوان تھے اور خاصی اچھی شکل و صورت کے مالک ان کے انداز سے بڑی شان ٹپکتی تھی اور ان کے جاں برخون کے بڑے بڑے دستے تھے۔ دونوں ہمارے سامنے آ کر رک گئے۔

"تم وہ ہو جنہوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہیں کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ میں مسکرا کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"ہاں ہم وہی ہیں۔"

"لیکن کیا تمہارے لیے دوسرے لوگوں سے کوئی مختلف

ہے تم نے آپ میں اس انفرادیت کو کیوں پالیا ہے؟"

"اس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔"

"وہ وقت آچکا ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردو۔"

"ہم تمہاری قید میں ہیں اور ظاہر ہے ان کشتیوں سے فرار ممکن نہیں ہے۔ پھر تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ معمولی سی رسیاں ہمارے بدن کے گرد لپیٹ دی جائیں۔"

"اس لیے کہ یہ ہمارا اصول ہے۔ اور۔ تو تم اس خوبصورت لڑکی سے کس مرنے کے ساتھ گفتگو کررہے ہو۔ کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ کوئی ہوئی سیارہ ماں حق ہوتی ہیں۔"

"تم سفلی آہیں کررہے ہو۔ اگر تم میرے جسم کے گرد رسیاں ہی لپیٹنا چاہتے ہو تو صرف یہ بتادو کہ مجھے انکار نہیں ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔"

"واہ عجیب دلیر آدمی ہو۔ ہماری قید میں آکر بھی دھمکیاں دے رہے ہو۔ چلیں تم تو کر لیں۔ [illegible] وہ ہے ملاحوں کو حکم دیا اور چند ملاح آگے بڑھے۔ میرے قریب پہنچ گئے انہوں نے میرے بدن کے گرد [illegible] دی تھیں اور میں اس سلسلے میں کوئی فوری فیصلہ نہیں کرپایا تھا۔ بہرحال پروفیسر دیسے یہ بندوبست کرتے ہوئے جب ان سے کلام مجھے رسیوں سے کس کر تیار ہوگئے تو [illegible] توڑ کر کے ٹوٹ گئیں [illegible] نکلتے ہوئے ان [illegible]

[illegible] ہوئے تھے اور مجھے نہیں معلوم [illegible] کے بعد ساتھ آنے والی دوسری [illegible] لگا سکتا [illegible] ترتیب تھا [illegible] لیکن ان سب [illegible] تبدیل ہوسکتا تھا [illegible] واپس نہیں جاسکتا تھا لیکن [illegible] کرنا چاہتا تھا بحری [illegible] میرے لیے کسی ایک فریق کی [illegible] کے بارے میں [illegible] کی کارروائی کا پتہ اپنے لوگوں کی [illegible] کہ [illegible] کے بارے میں لعیشہ کی زبان سے شکایات ہی [illegible] ایک دوسرے کو انتہائی بدترین [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے

سے بہت بڑی رقم حاصل کرے گا۔"

"یہ قام کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بوقام ہمارا سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم لوگ اپنے آپ کو منتی مقاب کہتے ہیں۔ اور بوقام کا مطلب ہے مقابوں کا سردار۔"

"تمہارا مطلب اسی قوی ہیکل قزاق سے ہے جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" وہی۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم مقابوں میں سرداری کا ایک پیمانہ بھی ہے۔ اور وہ ہے سب سے زیادہ طاقتور ہونا۔ جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا، وہی ہمارا سردار ہوگا۔ اور بوقام ہم میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہمارے پورے گروہ میں کوئی شخص کشتی، شمشیر زنی یا نیزے بازی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حقیقی معنوں میں ناقابل تسخیر ہے۔"

"ناقابل تسخیر۔" میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس بے چارے سے معمولی درجے کے قزاق کو بوقام دنیا کا سب سے زیادہ بہادر آدمی نظر آتا تھا اور میں اس کی نظروں میں محض ایک غلام تھا، ایک زر خرید اور مفتوح غلام جس کی جلد کی رنگت سنہری تھی۔

"کاشانہ۔ دوسرے قیدی کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔ "تم لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"یہ فیصلہ کرنا بوقام کا کام ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے دوسروں کی بھی فکر کیوں ہے۔ تو پتہ نہیں میرے بارے میں کیوں نہیں سوچتا؟ کیا تو یہ جاننے کا خواہش مند نہیں کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"نہیں۔ میں یہ جاننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"تو مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے جو یہ بات کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو جلتا نہیں ہے کہ بوقام کون ہے اور ہم لوگ اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"میں نہ تو پاگل ہوں اور نہ تمہارے بوقام سے خوفزدہ۔" میں نے اسے جواب دیا۔ "وقت آنے پر تجھے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"اوہ!" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بڑا غرور معلوم ہوتا ہے تو۔ چل کھانا کھالے۔ لعشیہ نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ تجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔"

"مگر لعشیہ ہے کہاں؟" میں نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"وہ اس وقت بوقام کے پاس ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں سوچنے لگا کہ لعشیہ بوقام کے پاس کس طرح پہنچ گئی۔ یقیناً وہ کسی گہری سازش میں مصروف ہے۔ اس نے بحری قزاقوں کے سردار کو کسی نہ کسی طرح شیشے میں اتار لیا ہے اور اب وہ اس کی منظور نظر بن کر حکم چلا رہی ہے۔ ہاں وہ ہے بھی تو بہت خوبصورت اور کمسن بھی۔ سے حکم چلانا چاہیے۔" میں دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔

"کس سوچ میں غرق ہو گیا سنہری غلام؟" قزاق نے مجھ سے پوچھا۔

"متبادل نام کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میرا نام ڈینپ ہے۔ اور تیرا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے کاشانہ کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ڈینپ۔ میں تمہیں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ تم لوگ ہماری دوستوں کی طرح نہیں رہ سکتے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" ڈینپ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "ویسے لڑائی کے دوران تو نے اچھے ہاتھ دکھائے تھے اور میں بہادر دشمن کو پسند کرتا ہوں۔ بہر حال جب تک تو زندہ ہے یا ہمارے ساتھ ہے، اس وقت تک مجھے اپنا دوست سمجھ۔ اچھا اب کھانا کھا لے بہت دیر ہو چکی ہے۔" ڈینپ کھانے کے برتن لے کر واپس چلا گیا اور ہمارا مذاکرات کی طرح جاری رہا۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔

اس دوران میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ تو مجھے لعشیہ ہی نظر آئی اور نہ بوقام اور میں نے ان میں سے کسی سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ لعشیہ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے اور تب تک کہ اسے میرے ان اقدامات کا بھی علم تھا جو میں مستقبل میں کرنے والا تھا۔ تبھی تو اس نے بڑے دعوے کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ میں اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاؤں گا اور اسی لیے وہ شاید میری طرف سے مطمئن تھی اور اس نے مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ لیکن یہ کہ وہ میرا سامنا کرنے سے اس لیے گریز کر رہی ہو کہ میں اس سے اس کے اور بوقام کے درمیان تعلقات کے بارے میں ضرور پوچھوں گا اور ابھی وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا چاہتی ہو۔ بہر حال مجھے اس کے نہ ملنے پر نہ کوئی تشویش تھی نہ غم، البتہ میں یہ جاننے کی خواہش ضرور رکھتا تھا کہ شاکانیہ، جالوت اور کلکانہ وغیرہ کے ساتھ اس وقت کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ انہیں کھانا وغیرہ دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مجھے کھانا دیا جا رہا ہے یا نہیں، یہ کھانا میرے لیے ذریعہ زندگی نہیں تھا لیکن وہ لوگ فانی تھے۔ دنیا کے تمام انسانوں کی طرح فانی۔ فانی۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ یہ شاید قمری مہینے کی آخری تاریخیں تھیں، چاند کا کہیں دور دور نشان نہیں تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی اور اس تاریکی میں پراسرار سناٹے چھپے ہوئے تھے۔ بحر منجمد شمالی کی موجوں کی مخصوص ٹاک آوازوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ڈینپ کھانا لے کر آیا۔ مجھے کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی تاہم میں اس قزاق سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"ڈینپ دوست۔" میں نے ڈینپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری منزل ابھی کتنی دور ہے؟"

"کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔" ڈینپ نے مسکراتے ہوئے جواب

دیا۔ "رات کے ختم ہوتے ہوتے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔"

"تم لوگ اپنے اس ٹھکانے میں کب سے آباد ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں آج سے پانچ سال پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن گروہ کے پاس یہ ٹھکانہ گزشتہ بیس سال سے ہے۔ مگر تب سے بیس سال سے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" ڈینپ نے جواب دیا۔ "دراصل ویران اور غیر آباد سیاہ پہاڑوں کے درمیان چٹانوں سے تراش کر یہ مضبوط ٹھکانہ آج سے بیس سال پہلے مشترال اور اس کے ساتھیوں نے تعمیر کروایا تھا۔ مشترال اپنے گروہ کا سردار تھا اور بہت بہادر اور طاقتور انسان تھا۔ ایک طویل عرصے تک وہ گروہ کا سردار رہا۔ لیکن پھر وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کی طاقت میں کمی آ گئی۔ اس عرصے کے دوران بوقام جو قزاقوں کے ایک دوسرے لیکن چھوٹے سے گروہ کا سردار تھا، تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ بوقام کی نظریں مشترال کے ٹھکانے پر لگی ہوئی تھیں بالآخر مشترال کو پیشکش کی کہ وہ اپنی منصب العمری کے سبب اب سرداری چھوڑ دے اور اپنے گروہ کو بوقام کے گروہ میں ضم کر کے بوقام کو سردار مان لے۔ بوقام نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو مکمل تحفظ اور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ لیکن مشترال اس بات پر آمادہ نہ ہوا اور اس نے بوقام کو جنگ کی دعوت دی۔ دونوں گروہوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بوقام نے اپنی برتری کے زبردست جوہر دکھائے۔ اس کے ساتھیوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر مشترال کے گروہ کو شکست دے دی۔ بوڑھا مشترال مارا گیا اور اس مقابلے میں بوقام کی اپنی ایک آنکھ سے محروم ہونا پڑا۔ مشترال کی موت کے بعد اس کے گروہ کے زیادہ تر ساتھی مارے گئے، جو باقی بچے وہ گرفتار ہوئے اور انہوں نے بوقام سے وفاداری کا عہد کیا اور اس کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ آخر وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔

"کیا لعشیہ بھی تب سے بوقام کے ساتھ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے اور مجھے اتنا اضافی علم حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ میں تو صرف اپنے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا ہوں۔"

اس ذاتی تضاد سے اب اس موضوع پر زیادہ بات چیت فضول تھی۔ اسے بوقام اور لعشیہ کے تعلقات اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

ڈینپ تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گیا۔ اس بڑی سی کشتی میں اب جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ آس پاس چلنے والی کشتیوں میں بھی روشنی کے نقطے نمودار ہو گئے تھے۔ عجیب و غریب منظر تھا۔ پروفیسر دور دور تک پھیلی ہوئی ابتدائی تاریکی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ ساری کائنات سیاہ رات کی ایک دبیز چادر میں لپٹ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

اور اس گھور تاریکی میں مغرقے ہوئے سمندر کی موجوں پر تیرتے ہوئے روشنی کے چند نقطے گہرے سناٹے اور تاریکی میں روشنی کے یہ ننھے ننھے دیئے زندگی کی علامت بنے ہوئے تھے۔ رات ڈھلتی گئی، اندھیرا گہرا ہوتا گیا، ہوا میں زیادہ خنکی آ گئی اور میں کشتی کے ایک کونے میں ایک آرام دہ نشست پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ لعشیہ نہ جانے اس وقت کیا کر رہی ہوگی۔

اب آسمان پر تارے نکل آئے تھے اور سطح سمندر پر پھیلی ہوئی ہلکی تاریکی کے پس منظر میں ان کی روشنی بڑی تیز معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اپنی نظریں ستاروں پر جما دیں۔ میں ان سے کچھ پوچھ نہیں رہا تھا، کوئی سوال و جواب نہیں کر رہا تھا۔ صرف دوستانہ گفتگو کر رہا تھا وہ میرے دوستہ حر تھے۔ صدیوں پرانے ازلی اور ابدی دوست۔ جو ضرورت کے موقع پر میری مدد کے لیے آمادہ رہتے تھے اور جن کی فراہم کردہ معلومات نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔

اور پھر میں اپنے دوستوں کی محفل میں چلا گیا۔ ستاروں کے ساتھ میری آنکھ مچولی کا کھیل دیر تک جاری رہا، یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے میری نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئے۔ دور افق پر آسمان کا رنگ ہلکا سرخ ہو چلا تھا۔ تاریکی کی دبیز چادر دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی، ہوا میں اور زیادہ نرمی اور لطافت پیدا ہو گئی تھی۔ کہیں دور سے آبی پرندوں کی چلاہٹوں کی گونجتی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ سفر کی ایک اور رات بیت گئی تھی اور ایک نیا ہنگامہ پرور دن طلوع ہو رہا تھا۔

میں نے ایک انگڑائی لے کر بدن کو جھٹکا دیا اور سامنے نظر ڈالی۔ دھند میں لپٹا ہوا ایک جزیرہ میرے سامنے تھا جس میں جگہ جگہ اونچے پہاڑ اپنا سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ کہر کی گہری چادر میں ان پہاڑوں کے خدوخال سرمئی رنگ کے نظر آ رہے تھے۔ کشتی میں زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہو گیا۔ دو قزاق میرے سامنے سے ہتھیار بجاتے ہوئے گزرے، انہوں نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی شاید کشتی پر موجود سارے قزاقوں کو اس بات کا یقین تھا کہ کوئی بھی قیدی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا خواہ وہ اس کے ہاتھ پیر کھلے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس بحر ناپیدا کنار میں بھلا کنگا صرف اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ اب لعشیہ اور بوقام بھی اپنے سنہرے روپہلے خوابوں سے بیدار ہو گئے ہوں گے۔ یہ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہر حال خوب کھیل تھا لیکن پروفیسر میسا کر میں آگے چل کر تمہیں بتاؤں گا، میں سخت غلطی پر تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سپیدۂ سحر پورے طور پر نمودار ہو گیا۔ لمبے لمبے سفید پروں والے آبی جانوروں کے غول کے غول ہمارے سروں پر سے اڑتے ہوئے اپنی طرح طرح کی آوازوں میں آمد سحر کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ پورے ماحول پر ایک سحر انگیز کیفیت طاری تھی، سامنے پہاڑوں کے خطوط اور زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ ساحل پر اگے ہوئے گھنے درخت ایک سبز کا ہی دھندلکے کی مانند نظر آ رہے تھے۔ کشتیوں کا قافلہ ساحل کی طرف رواں دواں تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب میری زندگی کی طویل تاریخ میں ایک اور نئے

دلا چیپ باب کا اضافہ ہونے والا ہے، صبح کی روح پرور اور کیف آگیں ہوا کے جھونکوں نے جو کہر اور پانی کے بخارات سے بوجھل تھے، مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری کر دی اور اسی عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔

میری کمر پر پڑنے والی لات بڑی زوردار تھی اور میں چونک ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ میرے سامنے سیاہ ڈاڑھی والا ایک ہٹا کٹا قزاق ہتھیاروں سے لیس کھڑا مجھے لعنت سے گھور رہا تھا۔ "تو کوئی شاہزادہ نہیں ہے جو دن چڑھے تک ستارے گنا کرے۔" اس نے بڑی نحوت کے ساتھ کہا۔ صبح ہو گئی ہے، اٹھ جا، ہم منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں، اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔"

میری آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے اور میرا فوری ارادہ یہ تھا کہ اس بدنصیب شخص کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔ لیکن بھرپور نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ اس نے جو کچھ کہا وہ نداسٹنگی کے عالم میں کہا تھا وہ میری توانائیوں اور صلاحیتوں سے ناواقف تھا اور اس نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو غلاموں اور اسیروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس پر اس کا زیادہ قصور نہ تھا۔ تاہم اسے کچھ سزا دینی ضروری تھی تاکہ آئندہ وہ انسان کے ساتھ انسان جیسا سلوک کرنا سیکھ لے۔ میں چند لمحوں تک اسی طرح اپنی نشست پر نیم دراز اسے سرد نگاہوں سے گھورتا رہا اور اس کے آئندہ اقدام کا منتظر رہا۔

"کیا تو نے سنا نہیں سنہری غلام؟ کیا تجھے اٹھانے کے لیے مجھے تلوار کی نوک استعمال کرنی پڑے گی؟" اس نے اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکالتا۔ میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس نے جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا ہاتھ تو فولاد کی گرفت میں تھا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اور میں نے دوسرے ہاتھ سے ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔ اگرچہ میں نے اس کے آہستہ مارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ اس کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ شدید کئی دانت اپنی جگہ سے ہل گئے تھے۔ اس کی چیخ سن کر کئی قزاق جاگ کر ہمارے قریب سے دوڑ کر آگئے اور اس منظر کو حیرت سے دیکھنے لگے اور تیز تیز باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کئی قزاقوں نے اپنی کمانیں کھینچ لیں اور قریب تھا کہ وہ مجھ پر پل پڑتے کہ پیچھے سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

یہ کیا شور مچا رکھا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ بوتمام اپنی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھے بڑے پروقار انداز میں ایک چٹان کی طرح سامنے کھڑا تھا۔

سمندر اور اس سنہری جسم والے غلام نے ہوؤں کے طلائی بازو ہمارے کی بوٹیاں کاٹ دیں گے۔" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

"نہیں الوقار تم سب لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ وہ میں تمہاری ڈاڑھیاں کاٹ دوں گا۔" بوتمام زور سے دھاڑا۔ اور سارے قزاق دھڑا دھڑ ہو گئے تجھے افسوس ہے کہ میں بدبودار منہ والے تم جیسے کتوں کو اپنے ساتھ

ہوئے اور دوسرے لوگ تم سے واقف نہیں ہیں، صرف وہ تمہاری شان میں گستاخی نہیں کرتے، ہوں لال نے ضرور کوئی بات ایسی کی ہوگی جس پر تم نے اس کے طمانچہ مارا۔ میں اس کی جانب سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

بوتمام کا رویہ دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ یہ بلاوصف قزاق میرے ساتھ اس قدر مہربانی سے پیش آ رہا تھا۔ لیکن فوراً ہی میں نے اپنی حیرت پر قابو پا لیا۔ یقیناً لعشیہ نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا اور میری قوتوں اور صلاحیتوں کا اسے بخوبی علم ہو گیا ہوگا۔ تاہم میں نے تصدیق کی غرض سے اس سے پوچھا۔ "تم میرے بارے کیا جانتے ہو سردار؟"

"بہت کچھ جانتا ہوں۔" اس نے اپنے خوفناک چہرے پر مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں اب سے نہیں، بہت عرصے سے جانتا ہوں اور تم سے ہم لوگوں کی ملاقات بالکل اسی طرح ہوئی ہے جس طرح اس کی پیشگوئی میری بیٹی نے کی تھی۔"

"تمہاری بیٹی نے؟" میں ایک بار چونک پڑا۔ "تمہاری کون سی بیٹی ہے؟ میرے ذہن میں عجیب و غریب شبہات سر اٹھا رہے تھے۔

"تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "میری بڑی بیٹی جو علم کا سمندر ہے۔"

"کیا کہا لعشیہ نے؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا لعشیہ تمہاری بیٹی ہے؟"

"ہاں!" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن وہ تو فرناس کی بیٹی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"میرتوں کے سمندر سے نکل آؤ میرے دوست۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ہماری منزل اب قریب آ گئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر ہم ساحل پر پہنچ جائیں گے۔ اور پھر اطمینان سے بیٹھ کر ساری باتیں ہوں گی۔ میں اس پوری داستان سے واقف کروا دوں گا جو تمہارے لیے بھی سب کچھ جاننا ولیے بھی ضروری ہے۔"

کشتیاں ساحل کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کی پشت پر کئی پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ساحل جزیرہ دور سے ہرے بھرے درختوں، سرسبز جھاڑیوں اور رنگ برنگے پھیلی ہوئی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کشتیوں کو خیمہ مقدم کرنے کے لیے ساحل پر کافی لوگ موجود تھے لیکن میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ ان میں نوجوانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ تر بچے اور بوڑھے تھے۔ پھر عورتیں، جو اپنی زندگی اور صحت و توانائی سے بھرپور عورتیں جن کے چہروں کی جلد کو کھلے سمان کی دھوپ اور سمندر کی تری نے سفوف دیا تھا۔ جن کے بدن محنت اور جفاکشی کے سبب سخت اور مضبوط نظر آ رہے تھے۔ بڑی دلکش اور حسین عورتیں تھیں ان میں کچھ کمسن لڑکیاں بھی تھیں لیکن مجموعی طور پر جوان عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔

پہاڑوں کی چوٹیوں کو اندھیری تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ ہر سو ہاتھوں نے اپنی کوئی ایک عالی شاہکار تخلیق کیا تھا۔ ایک بہت ہی

یہ لوگ ان پہاڑوں کے اندر کیسی دنیا سموئے ہوئے تھے اور دن و رات کیسے گزارتے تھے۔ جن کا دوسرا کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

بھروں کو اس نفاست سے تراشا گیا تھا کہ دیکھ کر جی خوش ہو جائے نہ جانے وہ کون لوگ تھے جن کے ہنرمند ہاتھوں نے اس عظیم نشان پیش کیا تھا جو کسی تعمیر کی تھی جس کا ایک ایک گوشہ انسانی عظمت کی گواہی دے رہا تھا۔ خود بوتمام کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بستی کے معمار کون تھے وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی تعمیر شتراں نے کروائی تھی۔ یہ پوری بستی قزاقوں کی بستی تھی اور اب اس پر بوتمام کی حکمرانی تھی۔

یہ ایک بہت وسیع و عریض ہال تھا جس میں چند لوگ جمع تھے۔ مجھے بیٹھنے کے لیے ایک زرتار کرسی پیش کی گئی۔ سامنے ایک بڑے سے میز پر بوتمام اور لعشیہ بیٹھے تھے۔ سمندری سفر کے دوران اور اس کے بعد لعشیہ کو اب میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت پرسکون اور خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور تب اچانک ہال کے دوسرے کونے میں بہت سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے دیکھا وہ شاکا بنہ تھی۔ دانیال کی پرغرور اور بہادر بیٹی جس نے ایک بڑا اخراج دے کر مجھے خرید تھا۔ اس وقت وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے چاروں طرف چار قزاق تلواریں سونتے ہوئے چل رہے تھے اور وہ درمیان میں شاکا بنہ کو سہارا دے کر لا رہی تھی۔ چند ہی روز میں اس کی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ چالیس بوڑھی اور عمر رسیدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس کی دلکش آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نمودار ہو گئے تھے۔ اس کا بناس میل اور شکن آلود ہو گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ویرانی تھی۔ اور چہرے پر شدت غم کی وجہ سے ہر وقت ایک کرب طاری رہتا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس نے مجھے اپنا سب سے بڑا مجرم سمجھا تھا اور اس نے مجھے ایک دن تنہائی میں بلا کر اپنی داستان غم سنائی اور یہ بتایا کہ شاکا بنہ اس کی جان کی دشمن بن گئی ہے اور اسے اس کی جان سے سخت خطرہ لاحق ہے۔ تب میں بوڑھی نفرتا کے پاس گیا۔ وہ بظاہر ایک بوڑھی سبزی فروش عورت تھی لیکن میرے علاوہ کوئی چند ہی لوگ یہ بات جانتے تھے کہ وہ ستاروں کا علم رکھتی ہے اور آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کر سکتی ہے اس نے یہ علم بڑی محنت سے ریاضت اور دیوتاؤں کے حضور کڑی مشقتوں کا نذرانہ پیش کر کے حاصل کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی صلاحیتوں کو مخفی رکھنا ہی پسند کرتی تھی۔ میں نے بوڑھی نفرتا کو ساری بات بتا کر اس سے مدد کی درخواست کی اور اسے محل میں طرابلا کے پاس بھجوا دیا۔ طرابلا نے اسے محل میں ہی مستقل اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور تب بوڑھی نفرتا نے طرابلا کو بتایا کہ طرابلا ماں بن سکتی ہے۔ لیکن فرناس باپ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دیوتاؤں نے اس کی قسمت میں باپ بننے کا خانہ نہیں بنایا ہے۔ طرابلا اس بات سے سخت پریشان ہو گئی۔ اسے کہا۔ "میری بیٹی لعشیہ نے۔۔۔۔"

"ٹھہریو بوتمام۔" میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ لعشیہ تمہاری بیٹی کس طرح ہے؟"

"بابا تمہارے اس سوال کا جواب ضرور دیں گے۔" بوتمام کی بجائے لعشیہ نے کہا۔ "تم سے کوئی بات چھپائی نہیں جائے گی سنہری طرشتے لیکن تمہارے میرے بارے میں سنو تو میں نے دیکھا کہ شاکا بنہ بوتمام کے الفاظ پر اچھل گئی تھی۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی لعشیہ کو دیکھتی اور کبھی بوتمام کو۔

"اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ لعشیہ میری بیٹی کس طرح ہے۔" بوتمام نے کہا اور شاکا بنہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اے مغرور اور ظالم عورت تو بھی یہ باتیں سن لے۔ آج تک تیرے علم میں نہیں تھیں۔ انکشافات یقیناً تیری روح کو زخمی کر دیں گے۔

طرابلا لعشیہ کی ماں ایک نیک دل عورت اور شوہر پرست بیوی تھی۔ اس کا شوہر فرناس جوانی میں ہی فلکیات کا شیدائی تھا۔ اسے بہت چاہتا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں نوجوان تھا۔ طرابلا اور میں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ فرناس سے شادی کے بعد طرابلا نے مجھے فرناس کی حکومت میں ایک اچھا عہدہ دلوایا تھا اور فرناس میری خدمات سے بہت مطمئن اور خوش تھا۔ فرناس کو صرف ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اکثر یہ کہتا کہ اس کے مرنے کے بعد زیبا کی ریاست پر دوسرے لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا اور اس کا نام ہمیشہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔ تب اس نے شاکا بنہ کے ساتھ دوسری شادی کر لی۔ شاکا بنہ جب فرناس کی بیوی بن کر آئی تو پہلے دن سے وہ طرابلا سے شدید نفرت کرنے لگی۔ وہ درات دن طرابلا کے خلاف فرناس کے کان بھرتی اور طرابلا کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں وہ اسے محل سے نکلوا نہ دے۔ طرابلا کے پاس اپنے بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ کسی طرح ماں بن جائے۔

طرابلا مجھے اپنا سب سے بڑا ہمدرد سمجھتی تھی اور اس نے مجھے ایک دن تنہائی میں بلا کر اپنی داستان غم سنائی اور یہ بتایا کہ شاکا بنہ اس کی جان کی دشمن بن گئی ہے اور اسے اس کی جان سے سخت خطرہ لاحق ہے۔ تب میں بوڑھی نفرتا کے پاس گیا۔ وہ بظاہر ایک بوڑھی سبزی فروش عورت تھی لیکن میرے علاوہ کوئی چند ہی لوگ یہ بات جانتے تھے کہ وہ ستاروں کا علم رکھتی ہے اور آنے والے واقعات کی پیشین گوئی کر سکتی ہے اس نے یہ علم بڑی محنت سے ریاضت اور دیوتاؤں کے حضور کڑی مشقتوں کا نذرانہ پیش کر کے حاصل کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی صلاحیتوں کو مخفی رکھنا ہی پسند کرتی تھی۔ میں نے بوڑھی نفرتا کو ساری بات بتا کر اس سے مدد کی درخواست کی اور اسے محل میں طرابلا کے پاس بھجوا دیا۔ طرابلا نے اسے محل میں ہی مستقل اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور تب بوڑھی نفرتا نے طرابلا کو بتایا کہ طرابلا ماں بن سکتی ہے۔ لیکن فرناس باپ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دیوتاؤں نے اس کی قسمت میں باپ بننے کا خانہ نہیں بنایا ہے۔ طرابلا اس بات سے سخت پریشان ہو گئی۔ اسے

سمیرے عزیز و محترم دوست۔" بوتمام نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے

یقین ہوگیا کہ بہت بلند شاکا نہ اسے ٹھکانے لگوا دے گی۔ لیکن نفرتیتا نے اسے تسلی دی اور یہ کہا کہ ایسے مواقعوں پر دیوتاؤں نے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے جو مناسب سمجھے کر سکے۔ اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔ نفرتیتا نے کہا کہ دیوتا انسان کی زندگی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اگر کوئی انسان اپنی زندگی کو بچانے کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جو عام راستوں سے ہٹ کر ہو تو دیوتا اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ نفرتیتا نے مجھے ساری بات بتائی اور پھر مجھے یہ عجیب و غریب حکم دیا کہ میں طرابلا کو (ڈائرکٹر کینز کہ دیوتاؤں کی مرضی یہی ہے۔ میرے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ طرابلا کو میں نے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری دوست تھی اور محسنہ بھی اس نے مجھے فرناس کی حکومت میں اعلیٰ عہدہ دلوایا تھا۔ میں اس کے ساتھ ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن نفرتیتا نے مجھ سے کہا کہ اگر طرابلا کی جان بچانا مقصود ہو تو ایسا کرنا ہوگا۔

اور پھر لعشیہ پیدا ہوئی۔ فرناس اور طرابلا دونوں بہت خوش تھے۔ فرناس کی زندگی بھر کی محرومی کو مداوا ہوگیا تھا اور لعشیہ ایک جیتے جاگتے کھلونے کی صورت میں اس کے ہاتھ میں تھی۔ فرناس کا زیادہ تر وقت اب طرابلا اور اپنی بیٹی کے ساتھ گزرتا تھا اور شاکا نبہ کاموں پر دھیان دیتی تھی۔ اگرچہ شاکا نبہ کو عمل میں دخل تمام معاملات اور اختیارات حاصل تھے جو ایک حکمران کی ملکہ کو حاصل ہونے چاہئیں۔ لیکن وہ اس سے بھی زیادہ کی خواہاں تھی، وہ ہر چیز کی بلاشرکت غیرے مالک بننا چاہتی تھی۔

بچی کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام نفرتیتا کے سپرد تھا۔ طرابلا کو خطرہ تھا کہ شاکا نبہ موقع پا کر اس کی بچی کو ہلاک نہ کروا دے۔ اس لیے اس صورت میں نفرتیتا سے زیادہ اس کی حفاظت کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر میرے اور طرابلا کے علاوہ نفرتیتا دنیا میں وہ واحد فرد تھی جو اس راز کی امین تھی۔ نفرتیتا کو خود بھی بچی سے بہت محبت تھی اور وہ بڑے پیار سے اس کی پرورش کر رہی تھی۔ نفرتیتا کی محنتی مصلاحیتوں کے بارے میں شاکا نبہ سمیت پورے محل میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا۔

لعشیہ کی پیدائش کے تین سال کے بعد شاکا نبہ نے بعض سازشی امراء کی مدد سے فرناس کو دھوکے سے زہر دے دیا۔ فرناس ہلاک ہوگیا اور اس کے چند ہی روز بعد جب ملکہ طرابلا کی تخت نشینی کا اعلان ہونے والا تھا تو شاکا نبہ نے سونے میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور وہ بھی ہلاک ہوگئی۔ لعشیہ اس وقت نفرتیتا کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھی، ورنہ شاید آج یہ یہاں زندہ نہ بیٹھی ہوتی۔ فرناس اور طرابلا کی ہلاکت کے بعد شاکا نبہ ازبیلا کی نگران بن گئی اور اس نے اپنی سخت گیر اور ظلم پسند طبیعت سے کام لے کر ان لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے جو طرابلا سے ہمدردی رکھتے تھے اور ماضی میں اس کے قریب تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ شاکا نبہ نے میری ملازمت ختم کر دی اور مجھے ازبیلا کی حدود سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ میری اضافی داس کے عمل میں پرورش پا رہی ہے۔ اور یہ بات اس سے پہلے میں نے نفرتیتا سے تفصیل ملاقات کی۔ نفرتیتا نے مجھے بتلایا کہ منصوبہ اس بات پر تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے کہ لعشیہ کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ اگر لعشیہ کو قتل کیا گیا تو ازبیلا کی ساری آبادی اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی اور بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ریاست کے لوگ کو فرناس اور طرابلا کی ہلاکت کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہیں تھا۔ فرناس کے بارے میں تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مرگیا اور طرابلا کی موت کو زینے سے گرنے کا حادثہ قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر لعشیہ بھی مرجاتی تو لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات بھڑکتے اور شاکا نبہ کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ یہی بات نفرتیتا نے شاکا نبہ کو سمجھائی تھی اور شاکا نبہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی تھی۔ کیونکہ ہر محل میں کئی اندر موجود بہت سے لوگوں کو فرناس اور طرابلا کی موت کے بارے میں اصل حقائق کا علم تھا۔ اور اگر یہ باتیں محل کی چار دیواری سے باہر نکل جاتیں تو لوگ شاکا نبہ کو قتل کر دیتے۔

نفرتیتا نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ لعشیہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھے گی نیز وہ بچپن ہی سے اسے اپنا علم منتقل کرنا شروع کر دے گی۔ اور اسے ایسی تربیت دے گی جو ازبیلا تو کیا پورے یونان میں شاید ہی کسی دوسری لڑکی کو نصیب ہو۔ نفرتیتا کا کہنا تھا کہ وہ لعشیہ کے سینے کو علم و حکمت کے خزانے سے بھر دے گی۔ لیکن خفیہ طور پر اس طرح کہ شاکا نبہ کو اس کا بھنک تک نہ پڑ سکے۔ نہ وہ ان دونوں کو ہلاک کروا دے گی۔ مجھے ازبیلا چھوڑے ہوئے پانچ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصے میں میں نے سب سے بڑے بحری تجارتی نیٹ ورک کو تشکیل دے کر اس کے جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا اور میں تمدن کی دنیا کا بادشاہ بن گیا تھا۔ آس پاس کی چھوٹی موٹی ریاستیں میرے نام سے کانپنے لگیں۔ ملاحوں اور جہاز رانوں کے لیے میرا نام موت اور بربادی کی علامت بن گیا تھا۔ میری دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا اور ہمارے ساتھیوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹی کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ مجھے گزشتہ پانچ سال کے عرصے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ نفرت بڑھتی تھی، وہ کسی وقت بھی مر سکتی تھی۔ لعشیہ کی یاد بار بار میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ تب میں نے ازبیلا جانے اور لعشیہ اور نفرتیتا سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

میں بھیس بدل کر ازبیلا پہنچا اور بدقت تمام نفرتیتا سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ مجھے یہ جان کر مسرت خوشی ہوئی کہ نفرتیتا زندہ تھی اور لعشیہ بھی۔ اس وقت پورے ازبیلا پر شاکا نبہ کے نام کا ڈنکا بول رہا تھا۔ حکومت پر اس کی گرفت بڑی سخت تھی۔ اس نے اپنے مخالفین کو ایک ایک کر کے راہ سے ہٹا دیا تھا اور اپنے پسندیدہ سرداروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔

نفرتیتا نے لعشیہ سے میری ملاقات کروائی۔ اس وقت لعشیہ کی

عمر سات سال تھی۔ لیکن مجھے اس سے گفتگو کرتے ہی اندازہ ہوگیا کہ وہ غیر معمولی ذہن و دماغ کی مالک ہے، وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ ذہین تھی اور نفرتیتا اپنی محنت سے اسے مخفی علوم کی تعلیم دے رہی ہے۔ نفرتیتا کا کہنا تھا کہ لعشیہ دس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لعشیہ مخفی علوم کی مکمل ماہر بن جائے گی۔ وہ اس کم عمر میں ہی سنسکرتیں اور ریاضیں کروانی تھی اور پرسلا پہنچانے سے پہلے کر لیا تھا۔ شاکا نبہ کو فی الحال لعشیہ سے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ حاقت کے نشے میں چور تھی۔

جب لعشیہ سات سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے مخفی علوم کی ماہر بن گئی۔ یہ وہ عمر تھی جب نفرتیتا کا کام ختم ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اسے محض یہی کام کرنے کے لیے اب تک زندہ رکھا تھا۔ کیونکہ لعشیہ کی عمر کا پندرہواں سال شروع ہوتے ہی نفرتیتا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

شاکا نبہ لعشیہ سے شدید نفرت کرتی تھی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں اس سے خوفزدہ بھی تھی کیونکہ اس محل میں یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ لعشیہ مخفی علوم سے واقف ہے اور اسے دیوتاؤں کی تائید حاصل ہے۔ شاکا نبہ تک بھی یہ خبریں پہنچ گئی تھیں۔ وہ لعشیہ کو ختم کروا دینا چاہتی تھی۔ لیکن اسے دیوتاؤں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں لعشیہ کا خون اس کے لیے عذاب نہ بن جائے۔ اس لیے وہ اپنی خواہش کے باوجود لعشیہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ البتہ اس نے اس کی ہر حرکت پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی تھیں اور دوسرے طریقوں سے لعشیہ کو آزار پہنچاتی تھی۔

اور پھر وہ وقت آگیا جس کی لعشیہ نے اپنے علم کی بنیاد پر پیشگوئی کی تھی۔ شاکا نبہ کے جہاز پر حملے کا منصوبہ لعشیہ کی پیشین گوئی کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اور پھر وہی سب کچھ ہوا، اور اب تک ہو رہا ہے، جو لعشیہ کے محل سے بتایا تھا۔ شاکا نبہ کا زوال ہو چکا ہے وہ تمہارے سامنے زنجیروں میں جکڑی کھڑی ہے اور لعشیہ آزاد ہے۔"

بوقام نے اپنی داستان ختم کر کے ایک گہری سانس لی۔ اس داستان کے دوران لعشیہ اور شاکا نبہ بالکل خاموش رہی تھیں۔ میں نے شاکا نبہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں بے یقینی تیر رہے تھے۔

"بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز داستان ہے تم لوگوں کی۔" میں نے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔ "ویسے اس داستان کے بعض ٹکڑے میں شاکا نبہ اور ڈینیب کی زبانی سن چکا ہوں۔ لیکن اب پوری بات میرے سامنے بالکل واضح ہے۔ بہرحال اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ بوقام کی حکومت حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد؟ یا بوقام کی حکومت حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد؟"

لعشیہ نے جواب دیا۔

"اور اگر میں اس تعاون سے انکار کر دوں تو؟" میں نے کہا۔

"تو پھر؟" اس مرتبہ بھی لعشیہ نے جواب دیا۔ "تمہاری زبان سے انکار کا لفظ نکلتے ہی چار تلواریں بیک وقت شاکا نبہ کے جسم پر پڑیں گی اور قبل اس کے کہ تم اس تک پہنچ سکو، اس کے جسم کے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے۔ یہ جارحانہ انداز اس نے ان محافظوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جو ننگی تلواریں لیے شاکا نبہ کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ صرف ہمارے اشارے کے منتظر تھے۔ کہا نا، میرا علم مجھے کبھی غلط بات نہیں بتاتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم شاکا نبہ کی زندگی کے خواہاں ہو۔ اس وجہ سے نہیں کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ تمہیں اس سے ہمدردی ہے۔ تم اسے زمانے کی ٹھکرائی ہوئی ایک ایسی مظلوم عورت سمجھتے ہو جو خود بھی مریضہ ہے اور اپنی محرومیوں کا انتقام ساری دنیا سے لے رہی ہے۔ تم شاکا نبہ کی موت کے خواہاں نہیں ہو اور اس کی زندگی بچانا چاہتے ہو اور اس کی زندگی صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب تم ہماری مدد کرو۔"

پروفیسر! میں اس نقطہ نظر کی بات سن کر بہت حیران ہوا۔ بالآخر شاکا نبہ کی تمام تر غلط حرکتوں کے باوجود مجھے اس گڈریے کی غریب بیٹی سے دلی ہمدردی تھی جسے زمانے نے سنگدل اور بے رحم بنا دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ دنیا میں کچھ دن اور زندہ رہے اور حالات سے سبق سیکھے۔ نئے طریقے سے، عام انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا سلیقہ پہچانے ہو اور اسی لیے میں نے موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا۔ لعشیہ کے علم نے اس کی بالکل صحیح رہنمائی کی تھی۔ وہ میرے بارے میں مکمل معلومات رکھتی تھی۔ دونوں باپ بیٹی میری اس مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ میں شاکا نبہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں میرے ساتھ وہی کر رہے تھے پروفیسر جسے تم لوگ آج کی دنیا کی زبان میں بلیک میلنگ کہتے ہو۔ بہرحال میں اس بلیک میلنگ کا شکار ہونے کے لیے خود تیار تھا۔ ورنہ ان کی میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میرے سامنے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ازبیلا کی حکومت ارغوث کے پاس رہے یا لعشیہ کے پاس۔ میں تو صرف شاکا نبہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا اور پھر اس طرح جیسے ایک اور کھیل میں شریک ہونے اور اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے تو یہ سب کچھ کھیل ہی تھا۔ مجھے اپنے لیے تو سلطنت چاہیے تھی، حکومت، دولت۔ میں تو سب کچھ دوسروں کے لیے کر رہا تھا۔ میری زندگی کی ساری مسرت دوسروں کو فیض پہنچانے کے لیے تھی چنانچہ میں شاکا نبہ کی جان بچا۔ اس کی خاطر بوقام اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے لیے تیار تھا۔

"تمہارا علم حیرت انگیز ہے لعشیہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال مجھے تم لوگوں کی بات منظور ہے۔ میں شاکا نبہ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے بدلے میں، میں ازبیلا کی حکومت حاصل کرنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ شاکا نبہ کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"شاکا نبہ جائے تو زبیلا میں قیام کر سکتی ہے۔" اس بار بوقام نے جواب دیا۔ "وہاں اسے ایک محل میں نظر بند رہنا پڑے گا۔ جہاں اس کی ضرورت کی ہر چیز بافراط مہیا کی جائے گی اور ایک سابق ملکہ کی حیثیت سے اس

کا احترام بھی کیا جائے گا لیکن اسے محل سے باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔"

"کنگا نہ، جالوت اور باقی قیدیوں کا کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تم مناسب سمجھو اور اس کی اجازت دو تو انہیں ہم اپنی فتح تک اپنا قیدی رکھنا پسند کریں گے۔" بوتقام نے جواب دیا۔ "اس کے بعد میرا وعدہ ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں جالوت کی فوری آزادی چاہتا ہوں۔ وہ شاکاینہ کی فوج کا سپہ سالار نہیں ہے، بلکہ میرے ساتھ اسے بھی شاکاینہ نے غلامی سے خرید تھا۔ وہ میرا دوست ہے جہاں تک باقی لوگوں کا تعلق ہے، تم انہیں اپنی فتح تک اپنا قیدی رکھ سکتے ہو۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" بوتقام نے کہا اور زور سے تالی بجائی۔

ایک دم قراق پتھر کے تراشے ہوئے درسے گزر کر اندر آیا۔ "جالوت کو یہاں لے آؤ۔" بوتقام نے اسے حکم دیا۔

"اور شاکاینہ کے باقی سرداروں کا مجمع بٹھا دو۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ شاکاینہ کو ایک طرف کمرہ دے دو جس میں وہ آرام کر سکے۔ وہ بہت تھک گئی ہے۔" میں نے حکم جاری کیا۔

بوتقام نے ہاتھ سے شارہ کیا اور محافظ تلوار باز سر جھکائے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ صرف دو محافظ نظر آ رہے تھے جو شاکاینہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔

"اس کی زنجیریں کھول دو۔" میں نے براہ راست محافظوں کو حکم دیا۔

بوتقام نے احتجاج میں گردن ہلائی اور محافظوں نے شاکاینہ کو آزاد کر دیا۔

"شاکاینہ۔" میں نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور اپنے کمرے میں آرام کرو۔ تمہیں سکون کی ضرورت ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے ملنے آؤں گا اور اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

"تم... تم... میرے پاس آؤ گے؟" شاکاینہ نے اس تمام عرصے میں پہلی بار میری آنکھوں میں دیکھا۔ اسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیوں، کیا میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی روک سکتا ہے؟"

"نہیں۔" شاکاینہ کی بجائے بوتقام بولا۔ "کیا اس بھلا جاری کیا محل جو تم پر کوئی پابندی لگائیں؟"

شاکاینہ کو شعب سرخ والے کمروں میں سے شمال کی طرف کا آخری کمرہ دے دیا۔ بوتقام نے محافظوں کو ہدایت دی۔

شاکاینہ غیر مسلح محافظوں کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

"کیا اب بھی تم اس بات سے انکار کرو گے کہ تم دیوتا نہیں ہو تم

شاکاینہ نے ایک لمحہ وہ مسکراہٹ کے ساتھ میرا چہرہ مقدم کرتے ہوئے کہا۔ اس کے کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کمرے کے باہر بھی کوئی محافظ موجود نہیں تھا۔ شاکاینہ پوری طرح آزاد تھی۔ اس وقت وہ آرام دہ لباس پہنے ہوئے تھی اور لباس کے ساتھ رکھی ہوئی میز پر کافی مقدار میں کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ بوتقام نے اس کے آرام کا پورا خیال رکھا تھا۔

"اگر تمہارا حکم ہے تو چلو یونہی سہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں اسے بہرحال خوش کرنا چاہتا تھا۔

"وہ لوگ تم سے خوفزدہ ہیں۔" اس نے کہا۔ "ان کا یہی خوف میری زندگی کا باعث بنا ہے۔ اگر تم ہمارے درمیان میں نہ ہوتے تو وہ مجھے کب کا ہلاک کر چکے ہوتے۔"

"اب تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تم میری پناہ میں ہو۔ وہ تمہیں زندہ دیکھیں گے۔"

"ہاں کیا۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے بیشہ مورا اس کی ماں پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آج میرا یہ انجام نہ ہوتا۔ بہرحال میں باتیں نہیں کروں گا اور مجھے امید ہے کہ میرے بعض سے جنگلے والے میرے لیے خوش بختی کی علامت ثابت ہوں گے۔"

میں نے شاکاینہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس کے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ وہ فی الحال بوتقام اور بیشہ کے راستے سے ہٹ جائے اور انہیں از خود حملہ کرنے دے۔ ان کے خلاف کسی قسم کی سازش میں شریک نہ ہو ورنہ اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور میں اسے نہیں بچا سکوں گا خواہ اس کی جان کے عوض بعد میں کتنے ہی دیوتاؤں کو کیوں نہ ہلاک کر دوں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ گروہ اژدہا میں رہنے کا مقصد کرتی ہے تو اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھے کہ بیشہ بوتقام کی بیوی ہے۔

شاکاینہ اب بہت مطمئن نظر آتی تھی۔ "مجھے اب کسی بات کی فکر نہیں ہے کیا اس۔ مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد سے میں ایک مختلف انسان ہوں گی۔ میں زہر کو ہضم کر دوں گی جو میری ساری مشکلات کا حل ہوگا۔"

میں اس کی اس احمقانہ بات پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا!

شاید وہ نے زمین پر کی مقامات اس قدر خوبصورت ہوں گے جس قدر خوبصورت یہ چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ اس کے حسن کے سحر نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ چند ہی دن کی مدت میں میں نے اس کے چپے چپے کی سیر کر لی تھی۔ قدرت نے اس چھوٹے سے قطعہ ارض کو اپنے دست خاص سے سنوارا تھا۔ یہاں کی زمین پر ایسے ایسے پھول کھلے تھے جو میں نے دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھے۔ ٹھنڈے پانی کے کئی شفاف چشمے یہاں موجود تھے۔ گھنے درختوں کے سائے میں عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ جزیرے پر ہر طرف زندگی کا حسن بکھرا پڑا تھا۔ میں اور جالوت جیسے بری خواہش پر رہا کر دیا گیا تھا۔ اکثر سارا سارا دن ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ میں نے بوتقام کو سمجھا دیا تھا۔ ابھی اس کے آدمیوں کو کچھ دن

برسنے کی ضرورت ہے اور اس کے جدید نیلی کی مہم کے بارے میں سوچیں گے۔ اصل بات یہ تھی کہ میں اس جزیرے پر کچھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

اس دن میں ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا ایک حسین پرندے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جو ایک شاخ پر بیٹھا ہوا مسلسل نہایت زور زور سے میٹھے میں گا رہا تھا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے پتوں کے چرمرانے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی نسائی آواز میں۔

"بوتقام اب بڑا ہو گیا ہے۔" اور اس کا دماغ بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔ میں درخت کے پیچھے ہو گیا۔ گزرنے والوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ میں نے ان کی آواز پہچان لی۔ ان میں سے ایک ڈینپ تھا اور دوسری مورال تھی۔ میں نے سنی میں میری پیٹھ پر لات ماری تھی۔ اس نے اس سنہری غلام عورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا تھا۔ وہ قاب کی سرزمین پر اجنبی اجنبی سے پھر رہے تھے۔ میں یہ سب کچھ جاری برداشت سے باہر ہے۔" مورال کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ سردار اس سنہری غلام کی مدد سے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دینا چاہتا ہے۔ وہ کسی بڑی مہم کی تیاری کر رہے ہیں۔" ڈینپ کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ "اس کو اس سنہری غلام کو زیر کرنا ہوگا۔ غلام، غلام ہی ہوتا ہے۔ اسے آزاد انسان کی طرح کبھی حقوق نہیں دی جا سکتی۔ سردار جلد یوں پرانے اصولوں کی توہین کر رہا ہے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ رفتہ رفتہ اس کی آواز بھی معدوم ہوتی گئی۔

تو گویا خود بوتقام کے آدمیوں میں بھی میرے خلاف عناصر موجود تھے۔ بہت خوب۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اب یقیناً کچھ نئے لوگ کھڑے ہو جائیں گے خاص مگلاؤں کے لیے مجھے انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ان کا خاتمہ اور انجام المناک طریقے پر ہوا۔

ہوا یوں کہ اس واقعے کے دو تین دن بعد میں اور جالوت حسب معمول کافی دیر تک پیراکی کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میں آگے تھا اور جالوت میرے پیچھے تھا۔ ہم ساحل سے چل کر بلندی پر چڑھ رہے تھے اور درختوں کے ایک جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔ اچانک مجھے ایک طرف سے کوئی چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔ میں رک کر اسے دیکھنے لگا اور جالوت بھی ایک قدم آگے نکل گیا۔ عین اس وقت کہیں سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور جالوت کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتا ہوا پشت سے نکل گیا۔ جالوت بہت چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دور کہیں سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے حملہ آور کی جانب توجہ دینے کے بجائے جالوت کو سنبھالا۔ لیکن چند ہی لمحوں میں وہ دم توڑ چکا تھا۔ تیر یقیناً زہریلا تھا۔ مجھے کوئی تھا اور مارنے والے کا نشانہ جالوت نہیں میں تھا۔ جالوت کی جگہ میں عین وقت پر میرے آگے آ گیا۔ مجھے جالوت کی موت کا سخت ہی صدمہ ہوا۔ میں اس کے قاتل کو جو کہ درحقیقت میرا قاتل تھا۔ بہت اچھی طرح جانتا تھا۔

میں نے جالوت کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور محل کی جانب چل پڑا۔ راستے میں ملنے والے قراق اس منظر کو دیکھ کر حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور ان میں سے کئی تیزی سے بھاگتے ہوئے مجھ سے پہلے ہی بوتقام کے پاس اس واقعے کی اطلاع دینے پہنچ گئے۔ میں ابھی محل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بوتقام اور بیشہ تیز تیز قدموں سے مجھے اپنی جانب آتے دکھائی دیئے۔ بوتقام کے چہرے پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے آثار تھے۔ بیشہ البتہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔

میں نے ان لوگوں کے قریب پہنچ کر جالوت کی لاش کو آہستہ سے بوتقام کے قدموں کے پاس رکھ دیا اور خود سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میرے دوست کو قبیلے کے کسی ساتھی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔" میں نے بوتقام کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اس کا ارادہ یقیناً مجھے قتل کرنے کا تھا لیکن عین وقت پر اتفاق سے جالوت میرے آگے آ گیا اور زہریلا بھالا جالوت کے سینے کو توڑتا ہوا نکل گیا۔"

"فقارہ بھاگو۔" بوتقام غصے کی طرح دھاڑا اور چند قراق ایک طرف بھاگ پڑے۔

چند لمحوں بعد ایک عجیب سے ڈھول کی آواز میں بلند ہونے لگیں اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے قراق سپاہی بھاگتے بھاگتے آ کر محل کے سامنے میدان میں جمع ہونے لگے۔ ڈھول کی آواز ان سب کے لیے بلاوے کا پیغام تھی۔ ذرا سی دیر میں تقریباً سارے ہی لوگ جمع ہو گئے۔

بوتقام نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑے ہوئے مجمع پر ڈالی اور پھر چیخ کر بولا۔ "مورال کہاں ہے؟"

"مورال۔" سے بوڑھے سردار نے مجھ کے پیچھے سے مورال کی آواز بلند ہوئی جو ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے دوڑتے آ رہا تھا۔

مورال سیدھا بوتقام کے سامنے جا پہنچا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔ "یہ کام میرا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ سنہرا سانپ چھ بھی بچ گیا اور وہ سیاہ گیدڑ مارا گیا۔ میرا ارادہ تم، تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ تم مشتبہ اجنبیوں کو قاب کی سرزمین پر آنے کی اجازت دو اور حقیر غلاموں کو جانے برابر بیٹھنے کا اعزاز بخشو۔ ہو سکتا ہے تم کسی وجہ سے اس سنہری غلام سے خوفزدہ ہو لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں اور اس کو ہلاک کر کے دکھاؤں گا۔" اتنا کہہ کر وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

"خبردار۔" بوتقام گرجا۔ "بدنصیب تجھے نہیں معلوم کہ سنہری جلد والا یہ شخص کس کا غلام نہیں ہے۔ وہ دیوتاؤں کا منظور نظر ہے اور دیوتاؤں نے اسے ہماری مدد کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والوں پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہوگا۔"

"فی الحال تو میں اس کو زندگی کے عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔" مورال نے پھر گلا پھاڑا اور آگے بڑھا لیکن ڈرا ہی

اور تو سے ایک قدم آگے اگر اس کا بس چلتا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیتا۔

"میں سردار ہونے کی حیثیت سے تجھے حکم دیتا ہوں کہ کیا اس سے معافی مانگ اور جالوت کے قتل کا نادان اور اکبر"

"ورنہ" ہوں نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔

"ورنہ تو سخت عدولی کا مرتکب ہوگا، اور اس کی سزا تو جانتا ہے بوقام نے غصے سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" ہوں نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ تو اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے، سرداری اب تیرے بس کا روگ نہیں۔ سردار وہی ہو گا جو سب سے زیادہ طاقتور ہو گا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تیرے احکامات کی تعمیل کروں تو ثابت کرنا پڑے گا کہ تو اب بھی مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں تیری سرداری کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں اور تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

بوقام نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی۔ میں نے بوقام کو روک کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن عتیشہ نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تمہیں ان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم معاملات میں مداخلت ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "مجھے اس مقابلے کا انجام معلوم ہے۔ ہوں کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔"

اور واقعی ہوں کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے وہ اگرچہ جوان، طاقتور اور مضبوط جثے کا مالک تھا۔ لیکن بوقام کے برسوں کے تجربے اور اس کی کہنہ مشقی کے آگے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ سارا مجمع نہایت خاموشی کے ساتھ اس خونریز مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔ ہوں نے سردار کو مقابلے کی دعوت دی تھی اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اگر اس مقابلے میں بوقام شکست ہو جاتا تو ہوں ہی اگلا سردار بنتا۔ لیکن ظاہر ہے کوئی دوسرا شخص اس کی سرداری کو چیلنج نہ کرتا۔ بوقام کے تجربے اور مہارت نے تھوڑی ہی دیر میں اس مقابلے کا فیصلہ کر دیا اور ہوں کی گردن نہ جھکا پڑی۔ اس کی بغیر سر کے لاش جالوت کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔

کیا کوئی اور ہے جو میرے بڑھاپے کو للکارنے کی حسرت رکھتا ہے؟" بوقام نے غضب ناک نظروں سے اپنے آدمیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر قوم میں سے کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ سرداری کے منصب کا مجھ سے زیادہ مستحق ہے تو سامنے آئے۔" ہوں، مجمع خاموش رہا۔ کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔ یکایک ایک بوڑھا آگے بڑھا اور گویا ہوا۔ "بوقام! ہم تجھے بہادر اور قابل عزت گردانتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تو جو کچھ سوچے گا ہم لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچے گا۔ ہم تجھے ہی اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔"

مجمع میں منظور رہے یہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بوقام نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ اس وقت وہ تدفین کریں اور تدفین دلہات کا انتظار کریں۔ لوگ بوقام کی بات سن کر منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے کاموں دھندوں میں لگ گئے۔ بوقام کے حکم پر جالوت کی لاش کو بڑے ہی روحانی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ ہوں کی لاش سمندر میں بہا دی گئی جہاں وہ مچھلیوں کی خوراک بن گئی۔

ایک ہفتہ کی مدت گزرنے کے بعد میں نے بوقام کے ساتھ زبیلا پر حملے کی منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔ میں نے اسے یہ سمجھایا کہ سب سے پہلے تو اسے ایک مضبوط بحری بیڑے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زبیلا کی فوج ایک زبردست بحری بیڑے کی مالک ہے جس میں کئی جنگی جہاز شامل ہیں۔ بوقام اور اس کے ساتھیوں کے پاس بڑے جہاز نہیں تھے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں جو زیادہ تر ماہی گیری اور جن کی نقل و حرکت بہت آسان تھی۔ یہ کشتیاں لوٹ مار کے لیے تو موزوں تھیں۔ کیونکہ وہ فوراً ہی رخ بدل کر بڑی تیزی سے فرار اختیار کر سکتی تھیں۔ لیکن باقاعدہ بحری لڑائی کے لیے بالکل سود مند نہیں تھیں۔

بروقت اگر میں چاہتا تو بوقام اور عتیشہ کے لیے زبیلا کی حکومت اپنی تباہ قوت سے حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس طرح ایک طرف تو میری گمنامی کا راز افشا ہو جاتا۔ دوسرے یہ کہ زبیلا کے حکمرانوں کے ساتھ انصاف ہوتا۔ میں چاہتا تھا کہ بوقام اور عتیشہ کی فوجیں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے جم کر مقابلہ کریں اور میں ان کی مدد کے لیے تب ہی میدان میں اتروں جب انہیں مکمل شکست کا خطرہ درپیش ہو۔ میں، عزیزت اور میرے ساتھیوں کو لڑنے کا بہترین موقع دینا چاہتا تھا۔ عزیزت اور شاکابنہ کی فوج کا ہاورد سپہ سالار تھا۔

چنانچہ میری ہدایات کے موجب بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر لکڑی سے بھاری بھاری جہازوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ جب بڑے بڑے جہاز تیار ہو گئے تو ان کی چھتوں پر بڑے بڑے درختوں کی کوئی کمی نہیں تھی جن کی لکڑی بہت عمدہ اور مضبوط تھی۔ قزاقوں نے اس کام میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ زیادہ تر قزاق جہاز سازی کے بنیادی اصولوں سے واقف تھے، کیونکہ ان کی زندگیوں کا بیشتر حصہ پانی میں ہی گزرتا تھا۔ لیکن انہوں نے خود کبھی بڑے جہاز نہیں بنائے تھے۔ اب وہ میری نگرانی میں بڑے جہاز تعمیر کر رہے تھے اور میں نے محسوس کیا کہ انہیں اس کام میں کوئی دقت نہیں پیش آ رہی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف بڑی تیزی اور مہارت کے ساتھ عمدہ قسم کے جہاز بنا رہے ہیں۔ انہیں بس میری نگرانی کی ضرورت تھی اور پھر وہ خود بخود آگے بڑھنے لگے۔ بوقام نے انہیں ایک نئی اور پرتحفظ زندگی کی نوید دی تھی اور وہ اس نئی زندگی کے تصور سے سرشار تھے۔ وہ جلد از جلد اپنی تیاریاں مکمل کر کے نئی مہم پر روانہ ہو جانے کے آرزومند تھے۔

ہوں کے مرنے کے بعد سے پھر کسی قزاق نے میری توہین نہیں کی تھی۔ میرا رویہ ان سب کے ساتھ دوستانہ تھا اور میں انہیں نئی نئی

باتیں بتاتا تھا جنہیں وہ بڑے غور اور حیرت کے ساتھ سنتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جانب ان کے رویے میں احترام کے علاوہ خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

میرا زیادہ تر وقت اب انہیں لوگوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ اور میری نگرانی میں جنگی تیاریوں کا کام پورے زور و شور سے جاری تھا۔ بوقام بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھنے کا موقع ملا تھا اور اب اس کی بیٹی عنقریب ایک بڑی سلطنت کی حکمراں بننے والی تھی۔ عتیشہ کے بارے میں دوسرے قزاقوں کو یہی بتایا گیا تھا کہ شاکابنہ کی سوتیلی بیٹی ہے اور بوقام کی پناہ میں آ گئی ہے۔ وہ بوقام کی بھتیجی ہے اور اس لیے بھی کہ شاکابنہ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ اپنے بھائی کی بیوی سے بھی ناجائز تعلقات رکھتا ہے۔

"اور عزیزت تو ہمارے اس اچانک حملے سے بڑا حیران اور متعجب ہو جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہ فوری طور پر دفاعی تیاریاں بھی نہ کر سکے۔" میں نے ایک دن عتیشہ سے کہا۔ شام کا وقت تھا اور ہم دونوں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہماری نظروں کے سامنے دور دور تک وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ سمندر کے پانی میں ہر وقت کئی رنگ نظر آ رہے تھے۔ بلکہ نیلا، گہرا نیلا، سبز، سبز کا ہی بڑا دلکش منظر تھا، دور افق پر جہاں سمندر اور آسمان ایک دوسرے میں جذب ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سورج ایک سرخ گولے کی مانند آہستہ آہستہ نیچے تر رہا تھا۔ اس کا کچھ حصہ سمندر میں ڈوب چکا تھا اور یوں لگتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد سمندر کی لق و دق دنیا سورج کے اس چھوٹے سے گولے کو اپنے حلق میں اتار دے گی اور پھر ہر طرف اندھیرا پھیل جائے گا۔ میں اور عتیشہ اکثر شام کا وقت ایک ساتھ گزارتے تھے۔ میری طرح اس نے بھی اتفاقیہ کی سرزمین پر پہلی مرتبہ قدم رکھا تھا اور اسے یہ حسین جزیرہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے میرے سامنے بارہا اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ اگر زبیلا کی مہم درپیش نہ ہوتی تو شاید وہ اپنی ساری زندگی اس خوبصورت خطہ ارض پر گزار دیتی۔

میری بات کے جواب میں عتیشہ نے گردن ہلائی۔ "یہ بات نہیں ہے کہ میں، عزیزت کو یا تو اب تک ہمارے ارادوں کا علم ہو چکا ہو گا یا پھر کچھ دنوں میں ہو جائے گا۔"

"لیکن کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔ "بوقام نے کھلے سمندر میں شاکابنہ کے جہاز پر چھاپہ مارا۔ زبیلا سے سینکڑوں میل دور شاکابنہ کے جہاز پر موجود کوئی بھی شخص فرار نہیں ہو سکا۔ اس کے آدمی یا تو مارے گئے یا گرفتار ہو کر یہاں لائے گئے۔ کوئی بھی زبیلا پہنچ کر اس واقعہ کی اطلاع نہیں دے سکتا۔ پھر عزیزت کو ہمارے بارے میں کیسے معلوم ہو جائے گا۔"

"عزیزت کو طاشرہ کی حمایت جو حاصل ہے۔" اس نے خاموشی سے جواب دیا۔

"اور یہ طاشرہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ ازبیلا کی مشہور ساحرہ ہے۔" عتیشہ نے جواب دیا۔ "وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے، دراصل طاشرہ میری قبائل تعلیم قائین نفریتا کی ساتھیوں میں سے ہے۔ نفریتا انتقال کر چکی ہے اور طاشرہ ابھی زندہ ہے اور عزیزت کی خاص مددگار ہے۔"

"طاشرہ اس معاملے میں عزیزت کی کیا اور کس قسم کی مدد کر سکتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ اس معاملے میں عزیزت کی صرف اتنی مدد کر سکتی ہے کہ وہ اسے ان واقعات سے آگاہ کر دے جو اس وقت زبیلا کی حدود سے دور دنیا کے کسی بھی حصے میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ آنکھوں سے اوجھل واقعات کی تفصیلات جان سکتی ہے۔ لیکن پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ وہ مستقبل بینی کی صلاحیت سے محروم ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں طاشرہ عزیزت کو اب تک ہمارے عزائم سے آگاہ کر چکی ہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر چکی ہو گی۔" عتیشہ نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ جب شاکابنہ ازبیلا سے روانہ ہوئی تھی تو اس نے اپنی واپسی کے وقت سے عزیزت کو مطلع کر دیا تھا۔ شاکابنہ کی واپسی کا جو وقت مقرر تھا وہ گزر چکا ہے بلکہ تین ہفتے زیادہ ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عزیزت کو شاکابنہ کے واپس نہ آنے سے تشویش لاحق ہوئی ہو گی اور اس نے شاکابنہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے طاشرہ سے رجوع کیا ہو گا۔ اور طاشرہ نے عزیزت کو وہ سب کچھ بتا دیا ہو گا جو ابھی پیش آ رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ازبیلا پر حملے کے وقت ہمیں عزیزت کی فوجیں بالکل تیار ملیں گی۔" میں نے پوچھا۔

"میں آج رات اس سلسلے میں پوری معلومات حاصل کروں گی۔" عتیشہ نے جواب دیا۔ "میں نے ابھی تک اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا علم مجھے یہ بتاتا ہے کہ اس لڑائی میں فتح ہماری ہو گی اس لیے میں مطمئن ہوں۔ البتہ کچھ سیاہ دھبے نظر آ رہے ہیں۔"

"اچھا یہ بات تو پتا ڈوبے۔" میں نے مسکراتے ہوئے عتیشہ سے پوچھا۔ "میں اس کے ساتھ مذاق کرنا چاہتا تھا۔ "جن دلوں تم نفریتا کی زیر نگرانی اپنے علم کی تکمیل کر رہی تھیں تو کیا تمہیں کسی دیوتا نے وصل کی دعوت نہیں دی؟"

عتیشہ ہنسنے لگی، اور پھر اس کی ہنسی میں سونے کے سکوں کی سی جھنکار تھی۔ اس کا حسین چہرہ کچھ اور زیادہ حسین ہو گیا۔ اس کے حسن میں بلا کی کشش اور معصومیت تھی۔ "ایک تو مجھے نفریتا کی سرپرستی اور علوم حاصل تھیں جس نے مجھے تمام مفکلات اور خطرات سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسا میں، میں کوئی جذباتی لڑکی نہیں ہوں۔ میری ماں، میرے باپ اور میری ماں کے شوہر کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس نے مجھے وقت سے بہت پہلے عاقل و بالغ بنا دیا اور دنیا کے مسائل کو سمجھنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کر دیا۔ مجھ سے جذباتی

غلطیاں ہو سکتیں۔"

"بہت خوب۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن کبھی نہ کبھی تو تم سے یہ جذباتی غلطی سرزد ہو گی۔"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔" کیا اس لبعثہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ وقت کب آئے گا، اور وہ شخص کون ہو گا جو اس جذباتی غلطی میں میرا شریک ہو گا۔ مجھے معلوم ہے مجھے سب معلوم ہے، لیکن اس کا وقت سے پہلے انکشاف بے سود ہے۔" لبعثہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی رہی اور میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔

"معاف کرنا کیا اس۔" اس نے یک لخت جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ "مخفی علوم سے آگاہی انسان کے لیے باعثِ رحمت کم ہے اور باعثِ زحمت بھی، بہت سی باتیں مجھے ایسی بھی معلوم رہتی ہیں جو دل کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان کا غم دل کو جلانا شروع کر دیتا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، تم تو خود ریاضیاتی قوتوں کا ایک تھا۔ سمندر ہی، لج، شکست، کامیابی، ناکامی، دولت، تقدار، موت اور زندگی یہ سب تمہارے لیے بے معنی الفاظ ہیں۔ تمہارا وجود وجودِ وقت کی طرح امر اور ان مٹ ہے۔ تمہارے حواسوں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے تو اور پھر وہ خاموشی میں ڈوب گئی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا جب میں اور لبعثہ واپس محل میں آئے تو قام کھانے پر ہم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ آج میں نے لبعثہ سے بہت سی باتیں کی تھیں اور اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ محض قوتوں کا مالک ہونے سے قطعی نظر۔ لبعثہ ایک ذہین لیکن مغلوب لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کا باپ کون ہے۔ وہ لوگوں کو یہ باور کرانے پر مجبور تھی کہ وہ فرعاس کی اولاد ہے، اور یوتام کے زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو یوتام کی اولاد نہیں کہہ سکتی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی، ہر دیسر انسان نے بھی اپنے لیے کیسے کیسے تانے بانے اور قانون بنا لیے ہیں اور خود کیسی کیسی پابندیاں عاید کی ہیں۔ وہ خود ہی ان پابندیوں کا شکار ہو کر کس طرح تلملاتا اور تڑپتا ہے۔ ان بندھنوں میں جکڑا ہوا خود کو کتنا بے بس محسوس کرتا ہے لیکن شاید انسانی تہذیب کے ارتقاء کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ ان بندھنوں اور پابندیوں کے بغیر انسانوں کا معاشرہ ایک جوالہ مکھی میں تبدیل ہو جاتا۔ بہرحال، میں انسانی تہذیب کے ہر دور سے گزرا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی زندگی کو زیادہ نفیس اور زیادہ باضابطہ بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

میں نے لبعثہ اور یوتام کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور پھر میں ان دونوں سے رخصت ہو کر محل کے باہر آ گیا اور ایک جھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھ کر رات کی خاموشی اور تاریکی میں ڈوب گیا۔ سامنے جزیرہ گھبرے سناٹے کی لپیٹ میں تھا۔ میری پشت پر عظیم الشان پہاڑیاں سیاہ دیو کی طرح کھڑی تھیں جن کا سینہ چیر کر اندر یہ محل بنایا گیا تھا۔ اس وقت سارا محل بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا سامنے سمندر کی موجیں کیسکن رفتار کے ساتھ سفید جھاگ اڑاتی معروف تھیں۔

اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ہوا بند ہو گئی ہو۔ ہر چیز جیسے بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ میں نے سمندر کی طرف غور سے دیکھا۔ اندھیرے میں مجھے یوں لگا جیسے ہر موج جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی ہو۔ سمندر کی پرشور آواز کو جیسے کسی غیبی طاقت نے سلب کر لیا تھا۔ میں ابھی اس غیر متوقع تبدیلی پر غور ہی کر رہا تھا کہ یک لخت دور سے بہت دور سے، سمندر میں ایک ہلکی ہلکی خوفناک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی جو ہر لمحہ بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں بڑے غور سے اس آواز کو سن رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بہت دور کہیں ہزاروں توپیں داغی جا رہی ہوں۔ توپوں کے داغے جانے کی آواز کچھ دیر تک تسلسل کے ساتھ سنائی دیتی رہی اور پھر یک لخت خاموشی طاری ہو گئی۔ بڑا ہولناک اور ہلاکت انگیز قسم کا سناٹا۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات کی تمام مخلوقات ہلاک ہو گئی ہوں، وقت کی رفتار رک گئی ہو۔ اور ہر چیز تھمی آنے والی تباہی کے انتظار میں خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی ہو۔ اس معنی خیز سناٹے میں سمندر کی موجوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک ایک بہت ہی زوردار دھماکہ ہوا۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی ایک بھیانک آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے سمندر کی سطح پر دور بہت دور ایک سیاہ چمکتی ہوئی بلند دیوار ساحل کی طرف تیزی سے بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ میں فوراً ٹیلے سے اتر کر پہاڑی محل کی طرف لپکا تاکہ سوئے ہوئے لوگوں کو خبردار کر دوں کہ سمندر خطرے پر چڑھا آ رہا ہے۔ اتنے میں ایک اور قیامت خیز دھماکہ سنائی دیا جو شاید اتنی دور نہیں ہوا تھا جتنی دور پہلا دھماکہ ہوا تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ بے حد خوفناک منظر تھا۔ پے در پے ہونے والے یہ دونوں دھماکے اس قدر شدید تھے کہ جیسے کے مخرب باشدے پیدا ہو گئے۔ میں نے دور سے سنا ایک شور برپا ہو گیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا نام لے لے کر پکار رہے تھے۔ اپنے عزیزوں کو پکار رہے تھے۔

میں تیزی سے پہاڑی محل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک پانی کی ایک تیز اور طوفانی دھار نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا۔ اور میرے منہ میں نمک کا ذائقہ گھل گیا۔ سمندر کا پانی ساحل کو روندتا ہوا کئی فٹ کی بلندی پر چڑھ آیا تھا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا اٹھتے ہوئے سمندر کی بلند پر چڑھ آیا تھا۔ میں نے پیچھے ہٹ کر دیکھا اٹھتے ہوئے سمندر کی بلند دیوار جزیرہ کی جانب دوڑتی دکھائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ آج شاید اس جزیرے کی زندگی کا آخری دن ہے اور اگر طوفانی موجوں کا حملہ اسی طرح جاری رہا تو کچھ دیر میں یہ پورا جزیرہ ڈوب جائے گا۔ دوسری دیوار کے پانی کے تھپیڑے بہت شدید تھے۔ اور گزرنے کی جگہ کوئی دوسرا عام انسان ہوتا تو اب تک ایک ناقابل اور حقیر تنکے کی طرح بہہ کر کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا۔ مگر میرے قدم آگے، اوپری بلندی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پہاڑی محل اور جزیرے کی پوری بستی ساحل سے بہت زیادہ بلندی پر تھی اور اوپر موجود لوگوں کو شاید ابھی تک اس بات کا علم نہیں تھا کہ پانی کی ہلاکت انگیز طوفانی موجیں تیزی کے ساتھ جزیرے کی بلندیوں کو سر کر رہی ہیں۔ میں اب کافی اونچائی پر پہنچ گیا تھا اور تب ہی ایک اور بہت ہی خوفناک دھماکہ سنائی دیا جس نے یقیناً بستی والوں کے دل لرزا دیئے ہوں گے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی عورتوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں اوپر سے سنائی دینے لگیں۔ سمندر میں ہونے والے خوفناک دھماکوں اور پانی کی سرکش موجوں کی گڑگڑاہٹ کے کان پڑی آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں۔ یوں لگتا تھا یہ لمحات دنیا کی زندگی کے آخری لمحات ہیں اور اب سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ فنا کا جیسا بھیانک عفریت سب کو نگل لے گا۔ کوئی باقی نہ بچے گا۔

پانی کی تیز بوچھاڑیں میرے تعاقب میں تھیں اور میں تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اب ایک تیسری سیاہ دیوار دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ جو پہلی دو دیواروں کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند تھی۔ اس دیوار نے مجھے بالکل ڈبو دیا اور پانی میرے سر پر سے بہتا ہوا نکل گیا۔ یہ چند لمحات، جب پانی میرے سر سے اوپر ہوا اور پھر بہہ گیا۔ ایک عام انسان کی ہلاکت کے لیے بہت کافی تھے، لیکن مجھے ظاہر ہے کہ اپنے غرق یا ہلاک ہونے کی نہ کوئی فکر تھی نہ اندیشہ، میں تو اس لیے جلدی جلدی چڑھائیاں چڑھ رہا تھا کہ بستی والوں کی مدد کر سکوں اور ان کی ڈھارس بندھا سکوں اب تک میں کافی بلندی طے کر چکا تھا اور میرے تعاقب میں خوفناک موجیں غرا رہی تھیں، اچانک ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا محسوس ہوا گویا زمین میرے قدموں تلے سے نکل گئی ہو۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی اور گرتے گرتے بچا۔ اس کے ساتھ ہی اوپر بستی میں زوردار دھماکہ ہوا جیسے پہاڑ پھٹ کر گر پڑے ہوں۔ اس دھماکے کے ساتھ ہی انسانی چیخوں کا طوفان بھی اٹھ پڑا۔ اچانک ہوا میں بہت تیزی آ گئی اور اس کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ کسی انسان کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کی سائیں سائیں اس قدر شدت اختیار کر گئی۔ گویا لاکھوں بدروحیں ایک ساتھ چیخ رہی ہوں۔ اسی کے ساتھ زور سے بادل گرجے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہواؤں کی چنگھاڑ، بارش کا شور۔ سمندر کی طوفانی موجوں کی گھن گرج اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہولناک دھماکوں کی آوازیں ان سب چیزوں نے مل کر گویا ایک قیامت برپا کر دی تھی۔

میں گرتا پڑتا اور پانی میں بھیگتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور چٹانوں کے محل میں داخل ہو گیا جہاں جگہ جگہ چربی کی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ یوتام اور لبعثہ سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک تفریق اپنے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں تھامے ہوئے ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب کے چہروں سے ہیبت اور بدحواسی ٹپک رہی تھی۔ یوتام اور لبعثہ کے پیچھے بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ غالباً ساری بستی کے باشندے اس وسیع و عریض ہال میں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر زیر لب یا بلند آواز سے دعائیں مانگ رہے تھے، کچھ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، کچھ زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوف و ہراس نمایاں تھا۔

میں سر سے پاؤں تک شرابور میں داخل ہوا۔ بہت سی نگاہیں میری طرف اٹھیں اور پھر سمندر کی جانب مڑ گئیں جہاں سے دیو پیکر موجیں بلند ہو کر جزیرے پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ سوائے لبعثہ کے کسی نے مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سب کے سب اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ لبعثہ نے مجھے دیکھ کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کدھر سے آ رہے ہو کیا اس۔" اس نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا، گویا وہ اس بات سے خوفزدہ ہو کہ کوئی دوسرا اس کی بات سن لے گا۔

"میں سمندر کے کنارے سے آ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "سمندر کے تیور اچھے نہیں ہیں، طوفانی موجیں اس جزیرے کا کلیجہ چیر دینے کے درپے ہیں، سمندر میں ہونے والے پے در پے دھماکے بڑے ہلاکت آفریں ہیں۔ نہ معلوم صبح تک اس جزیرے کا اور اس میں موجود انسانوں کا کیا حشر بنے گا۔ بارش اور زلزلہ بھی اس طوفان کا حصہ ہیں۔"

ابھی میرے الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ دور سمندر کی طرف سے ایک اور قیامت خیز دھماکے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد پے در پے کئی زبردست دھماکے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی پانی کی دیو پیکر موجیں تیزی سے جزیرے کی بلندیوں پر چڑھنے لگیں۔ لوگوں میں چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ عورتیں چلا چلا کر رونے لگیں، عجیب و غریب کیفیت تھی پروفیسر، سب کے سب لوگ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور لاچار محسوس کر رہے تھے۔ موجوں کے خوفناک عفریت ہر طرف سے منہ کھولے ہوئے بڑھتے چلے آ رہے تھے اور وسیع و عریض اور بے کراں سمندر کے درمیان اس حقیر سے قطعۂ ارض پر موجود یہ انسان ان کے سامنے معمولی مکھیوں کی طرح بے بس اور لاچار نظر آ رہے تھے۔ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سمندری تلاطم میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا گویا آج سارا سمندر الٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ میرے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں موت کی ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ کہاں جاتے، یہ کہاں رہتے ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسی جزیرے پر محصور رہ کر خود کو سمندر کی قاتل موجوں کے حوالے کر دیں۔ وہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ خود کو موت کے قریب محسوس کر رہے تھے کیونکہ جزیرے کے گرد پانی کی بلندی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا

سمندر سے دھماکوں کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ بارش بڑے زور و شور کے ساتھ ہو رہی تھی اور پانی کی سطح بڑھ رہی تھی۔

جزیرے کی زمین سمندر کی سطح سے کئی سو فٹ بلند تھی اور یہ پہاڑی محل جس کے وسیع دالان میں اس وقت سارے لوگ جمع تھے جزیرے کی سب سے زیادہ بلند جگہ پر واقع تھا لیکن اب جزیرے کی زیادہ تر زمین پانی میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ساحل کب کا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور چکنا ہوا پانی نشیب کی زیادہ تر زمین پر قابض ہو چکا تھا۔ پھر ایک اور سیاہ دیوار برق رفتاری کے ساتھ آئی اور پانی پہاڑی محل کے فرش سے صرف چند گز نیچے رہ گیا۔ اگر چند اور دیواریں اسی طرح تلاطم آور ہوتیں تو پانی محل کے اندر داخل ہو جائے گا۔ یہ دکھ کے ساتھ سوچا اور اس کے ساتھ یہ سارے لوگ جو مستقبل کے بارے میں لمبے چوڑے منصوبے بنا رہے ہیں، غرقاب ہو جائیں گے۔ میں نے بوقام کے چہرے پر نظر ڈالی وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ پتھر کا بن گیا ہو۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ یوں لگتا تھا گویا اس نے موت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا ہو اور اب وہ اس کے استقبال کے لیے آمادہ ہو۔ لعشیہ مطمئن انداز میں کھڑی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ آیا وہ پہلے سے اس طوفان کی آمد سے واقف تھی یا نہیں۔ تاہم اس کے چہرے کا اطمینان اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں تھا اور شاید وہ اس کے انجام سے بھی واقف تھی۔ ہوا کے تیز جھکڑوں میں اس کے سیاہ بال بری طرح اڑ رہے تھے اور ڈھیلا ڈھالا لبادہ پھڑپھڑا رہا تھا۔ اپنی اس ہیئت کذائی میں وہ بڑی پر اسرار معلوم ہو رہی تھی۔

اچانک پانی کا ایک تیز ریلا اوپر تک چڑھتا چلا آیا اور دالان میں داخل ہو گیا۔ پانی کی شرشر کی آواز گونجنے لگی اب سارے لوگوں کے ٹخنوں تک پانی آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی زور سے بجلی کڑکی، ہوا کا ناتاگر گنجا اور سمندر کی طرف سے آنے والے دھماکوں کی آواز یکدم تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخ پکار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ان کے لیے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

سب لوگوں کے ٹخنے پانی میں بھیگے ہوئے تھے اور ہر شخص اس بات کی توقع کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں پانی ٹخنوں سے بڑھ کر گھٹنوں تک اور پھر اور اوپر پہنچ جائے گا اور یہ وہ لمحات ان سب کی زندگی کی آخری لمحات ثابت ہوں گی۔

لیکن کافی دیر تک پانی کی وہی سطح قائم رہی۔ اندھیرے میں ہر طرف پانی کی موجیں چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور کسی بھی لمحے وہ ان سب انسانوں کو نگل سکتی تھیں۔ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے۔

اسی حالت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ شاید ایک گھنٹہ یا شاید دو گھنٹے، کسی کو اندازہ نہیں تھا کیونکہ ان سب لوگوں کے لیے وقت کے اب کوئی معنی نہیں رہے تھے۔ اس وقت اس ایک آخری لمحے کا انتظار تھا جو ان کے ناتواں اور حقیر جسموں کو اٹھا کر بے پایاں اور نامحدود طاقت کے حامل سمندر کی ظالم گود میں پھینک دے اور پھر ان کا کوئی سراغ بھی نہ ملے۔

• پھر یکلخت سب لوگوں نے یہ بات محسوس کرنے لگے کہ سمندری موجوں کی گھن گرج میں کچھ کمی آ گئی ہے۔ پانی کی دیواریں اب بھی ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں لیکن ان کی بلندی کم ہو گئی تھی اور جھٹ پٹے تک پہنچتے پہنچتے ان کا زور کافی حد تک ٹوٹ جاتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر نیچے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان پر مایوسی کی طرح امید کی کرنیں طلوع ہوتی نظر آئیں اور پھر جانے کیوں لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاؤں اب پانی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پانی اتر رہا تھا۔

اور واقعی پانی اتر رہا تھا۔ موجوں کی غضب ناک چنگھاڑ میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ سمندر کی طرف سے آنے والی دھماکوں کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ جھاڑوں کے طوفانی جھکڑوں میں بھی خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔ البتہ بارش ابھی تک زور و شور سے ہو رہی تھی۔ تو وہ کوئی ایسی بڑی نشانی نہیں تھی۔ اصل اور اہم بات یہ تھی کہ سمندر کا پانی اتر رہا تھا۔ قضا و قدر کی قوتوں نے جزیرے کو ایک بار پھر زندگی عطا کر دی تھی اور اس کے باشندوں کو زندہ رہنے کا ایک اور موقع فراہم کر رہا تھا۔

لوگوں کے چہروں سے سکون و اطمینان جھلکنے لگا اور اب کھڑے ہوئے لوگ جو زانو جانے کتنے گھنٹوں سے کھڑے ہوئے تھے تھکن محسوس بیٹھنے لگے۔ کچھ جو زیادہ ہی تھک گئے تھے فرش پر لیٹ گئے۔ عورتوں نے اپنی گودوں میں اٹھائے ہوئے بچوں کو آرام سے فرش پر لٹا دیا۔ محل کے دالان میں زندگی کی سرگرمیاں نظر آنے لگیں۔

اور آہستہ آہستہ بارش بھی رک گئی۔ دھیرے دھیرے سمندر بالکل پرسکون ہو گیا۔ ہوا معتدل ہو گئی۔ بادل چھٹ گئے، اور کہیں کہیں تارے نظر آنے لگے۔ طوفان گزر چکا تھا اور اب سمندر کی موجیں معمول کے مطابق بہہ رہی تھیں۔

"اگیاس" لعشیہ نے بڑی دیر بعد مجھ سے مخاطب ہو کر آہستہ سے کہا۔ "تم نے تو اپنی زندگی میں بڑے بڑے خوفناک سمندر طوفان دیکھے ہوں گے۔ کیا اس سے زیادہ ہولناک طوفان بھی تمہاری نظروں سے گزرا ہے؟"

اور اس نے ٹھیک ہی کہا تھا پروفیسر میری آنکھوں نے اس کرۂ ارض پر عظیم تیسرت کو جم لیتے دیکھا تھا۔ میں نے بڑے بڑے ہولناک طوفان دیکھے تھے۔ ایسے طوفان جو پوری پوری بستیوں اور پوری پوری

بستیوں کو بہا کر لے گئے تھے جن کے نتیجے میں زمین کا کلیجہ شق ہو گیا تھا پہاڑوں کی جگہ سمندر اور سمندروں کی جگہ پہاڑ نمودار ہو گئے تھے۔ ایسے ایسے طوفان جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدل دی تھیں۔ لعشیہ بے چاری کو بھلا ان طوفانوں کے بارے میں کیا پتہ ہو سکتا تھا اس کے لیے یہی ایک بہت بڑا طوفان تھا جس سے وہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دوچار ہوئی تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت قیامت خیز طوفان تھا۔

میں نے لعشیہ کے سوال کے جواب میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ "میں نے تو ایسے ایسے طوفان دیکھے ہیں جنہیں دیکھنے والی کوئی انسانی آنکھ باقی نہ رہ سکی اور کوئی زبان زندہ نہ رہی جو ان طوفانوں کی داستان سنا سکتی۔"

قدرتی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا گویا کبھی طوفان آیا ہی نہ تھا۔ ہر طرف معمول کے مطابق سناٹا تھا۔ سمندر اپنی رفتار سے بہہ رہا تھا اور ہوا میں ہلکی ہلکی خوشگوار خنکی شامل تھی جو قیامت ابھی کچھ دیر پہلے گزر چکی تھی۔ اس کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ساحل صاف و شفاف دکھائی دے رہا تھا جبکہ کچھ دیر پہلے وہ طوفانی سمندر کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

کچھ دیر بعد آسمان پر صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ہزارہا پرندوں کی چہکار سے جزیرے کی سرزمین گونج اٹھی۔ رات بھر کے تھکے ہارے لوگ نئی زندگی کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ اجالا پھیل رہا تھا اور جب لوگوں کی نظریں سامنے سمندر کی جانب اٹھیں تو حیرت کے مارے بہت سی چیخیں ایک ساتھ مل پڑیں۔ لوگوں میں مل مچ گیا۔ وہ حیرت و استعجاب کے عالم میں بری طرح چیخ رہے تھے اور ایک دوسرے کو سامنے کی طرف اشارہ کر کے کچھ دکھا رہے تھے اور تب میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا، واقعی بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ سامنے کی سمت، دور سمندر میں جہاں کل رات تک صرف پانی ہی پانی تھا، اب ایک بڑا سا جزیرہ نمودار ہو گیا تھا اور آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ دور سے یہ سیاہ رنگ کا نظر آ رہا تھا اور ایک چھوٹے سے پہاڑی سلسلے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ بوقام اور لعشیہ نے بھی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

ابھی سورج پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا مگر اس نئے نمودار ہونے والے جزیرے کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ جب دن پوری طرح نکل آیا تو لوگوں نے سب سے پہلے تو پہاڑی محل کے اس حصے کا رخ کیا جہاں رات کے زلزلے کے دوران بڑے زور کا دھماکہ ہوا تھا۔ لوگوں کو عمارت کے اس حصے سے کہ دلچسپی اس وجہ سے تھی کہ یہ زیادہ تر خالی تھی سوائے اس کے کہ اس کے چند کمروں میں شاکانیہ کے ساتھ ساتھ گرفتار ہونے والے سپاہی قید تھے جن میں کنگانا اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ عمارت کے اس منہدم حصے کی طرف گیا یہاں مٹی اور پتھروں کا ہزاروں ٹن وزنی ملبہ پڑا ہوا تھا وہ کمرے بیٹھ گئے تھے جن میں شاکانیہ کے قیدی بند تھے، وہ سب کے سب مٹی اور چٹانوں کے نیچے دب کر اس طرح ہلاک ہو گئے تھے کہ ان کے جسموں کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ رات کو جزیرے پر زلزلے کا صرف ایک ہی ہلکا سا جھٹکا آیا تھا اور اس کے نتیجے میں پہاڑی محل کے صرف اس حصے کو نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ایک اور اہم بات بھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ شاکانیہ بھی ہلاک ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کے کمرے کے دروازے کھلے رہتے تھے اور اسے باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ لیکن شاید اس نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اپنے کمرے میں رہنا پسند کیا اور چھت سے کئی پتھر گرنے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی۔ سچی بات تو یہ ہے پروفیسر! کہ مجھے شاکانیہ کی موت کا دلی رنج ہوا تھا۔ زبردست طاقتور ریاست کی حکمران اسیری کے عالم میں اس کسمپرسی کی موت مری کہ کوئی اس کے پاس بھی موجود نہیں تھا اور اس پر سکوت کو جنم دینے کی آرزو دل ہی میں لیے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ شاکانیہ اور اس کے سارے رفقا مر گئے تھے اور جزیرے کی آبادی میں سے بھی چند لوگ ہلاک ہو گئے تھے جن کے عزیز و اقارب ان کے لیے ماتم کر رہے تھے۔ مگر شاکانیہ کے لیے کسی آنکھ میں آنسو نہیں تھے کل کی باسطوت حکمراں آج گوشت و پوست کے ایک بے جان ڈھیر کی صورت میں پڑی ہوئی تھی۔

جب صبح کا اجالا پوری طرح پھیلا اور سورج کی کرنوں نے پورے جزیرے کو اپنی سفید چاندی سے روشن کیا تو درات کی تباہی کے آثار ہر طرف نظر آنے لگے۔ جزیرے پر جا بجا سیکڑوں درخت ٹوٹے ہوئے پڑے تھے کئی جگہ سے چٹانیں ٹوٹ کر گری تھیں سبزیوں اور پھلوں کے باغات بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ شیریں چشموں کا پانی گدلا ہو گیا تھا۔ سیکڑوں مویشی اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے تھے جن کے بے جان جسم جگہ جگہ پڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ساحل پر پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ جنگی جہازوں کی تیاری کا جو کام اب تک کیا گیا تھا۔ اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ اب تک کئی جہازوں کے ڈھانچے تیار کیے جا چکے تھے لیکن اب ان کی جگہ محض ٹوٹے ہوئے تختوں کا ایک ڈھیر تھا۔ کوئی ایک ڈھانچہ بھی صاف نہیں بچا تھا۔ سمندر کی طوفانی موجوں نے انسان کی مہینوں کی محنت کو لمحوں میں ملیا میٹ کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ توپوں کی بہت سی کشتیاں بھی تباہ ہو گئی تھیں اور جو باقی بچی تھیں وہ استعمال کے قابل نہیں تھیں چنانچہ سب سے پہلے اور فوری طور پر کشتیوں کو قابل استعمال بنایا گیا، تاکہ سمندر کی سطح پر رات کے بھرنے والے جزیرے کا جائزہ لیا جا سکے۔ سارے لوگوں کو کشتیوں کی تیاریوں کے کام پر لگا دیا گیا۔

سب سے پہلی کشتی جو نئے جزیرے پر پہنچی اس میں ہماری طرف کے صرف تین مرد تھے، بوقاسم، لعیشہ اور لعیشہ سوار تھے۔ جیسے جیسے جزیرہ قریب آتا جا رہا تھا ہماری حیرت اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سمندر کی سطح پر ابھرنے والی ان سلسلہ وار چٹانوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ نہ جانے کب سے کتنے کروڑوں یا اربوں سال سے یہ چٹانیں سمندر کے سینے کے اندر، اس کی گہرائیوں میں دفن تھیں اور پھر ایک ہیبت ناک زلزلے نے، ایک مظہر قدرت نے انہیں تہ میں سے نکال کر اچھال دیا اور وہ ایک جزیرے کی شکل میں نمودار ہو گئیں۔ سیاہ چٹانیں، ٹھنڈے سمندر میں سر اٹھائے ایک عجیب شان بے نیازی سے کھڑی تھیں بے حس اور بے جان چٹانیں۔ ہر قسم کے احساس سے عاری چٹانیں جنہیں اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ ان کا وجود انسانوں کے لیے کس قدر حیرت انگیز اور حیران کن ہے۔

ہماری کشتی نئے جزیرے کے ساحل سے جا لگی۔ سب سے پہلے میں کشتی میں سے کود کر زمین پر آیا۔ میرے پاؤں ان پتھروں سے مس ہوئے جنہوں نے اپنی کروڑوں برس کی زندگی میں پہلی بار انسانی لمس محسوس کیا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے بوقاسم اور لعیشہ بھی کشتی سے اترے ملاحوں نے کشتی کو ایک چٹان کے نکیلے حصے سے باندھ دیا۔

کافی لمبا چوڑا جزیرہ وجود میں آ گیا تھا۔ بیشتر حصہ چٹانوں والا سیاہ جزیرہ جس پر ظاہر ہے کہ زندگی کی کوئی علامت موجود نہیں تھی ہم لوگ ایک چٹان سے دوسری چٹان تک جھک جھک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اچانک لعیشہ ایک جگہ رک گئی اور زمین پر جھک کر کسی چیز کو غور سے دیکھنے لگی۔ میں اور بوقاسم بھی رک گئے اور پھر ہم نے دیکھا کہ اس جگہ پر بہت بڑی تعداد میں سمندری سیپیوں کا ایک ڈھیر موجود تھا بڑی بڑی چکیل اور زنگ لگ سیپیاں، لعیشہ نے ایک سیپی اٹھائی وہ بند تھی۔ اس نے ہاتھ کے ذرا سے دباؤ سے اسے کھول دیا۔ سیپی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے اندر سے ایک نہایت آب دار گول، بڑا سا موتی برآمد ہوا۔ بوقاسم نے وہ موتی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا یکایک اس کی آنکھیں فرط حیرت سے چمک اٹھیں۔ یہ بالکل اصلی اور سچا موتی تھا۔ اس نے سرگوشی کی کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ آج بڑی جسامت کے موتی دنیا میں بہت کمیاب ہیں۔" پھر اس نے جھک کر دوسری سیپی اٹھائی، اسے کھولا اور اس میں سے بھی ایک آب دار موتی برآمد ہوا۔ پھر تو دونوں باپ بیٹی جلدی جلدی سیپیوں کو کھول کر ان میں سے موتی نکالنے لگا اور ذرا دیر میں ان کے پاس موتیوں کا ایک ڈھیر جمع ہو گیا۔

"موتیوں کا یہ خزانہ ایک بڑی سلطنت کے خزانے کی مالیت سے کم نہیں ہے۔" بوقاسم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سمندر نے اپنی صدیوں کی پھیلی ہوئی دولت کو اگل دیا ہے یہ سیپیاں نہ جانے کب سے زیر آب دفن رہی ہوں گی۔ رات کے زلزلے سے اور طوفان نے انہیں ان پتھروں کے ساتھ باہر کر دیا۔ ان موتیوں سے تو ایک پوری سلطنت خریدی جا سکتی ہے۔"

"صرف ایک نہیں بلکہ کئی سلطنتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوقاسم حیران ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔ "اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ادھر دیکھو۔" میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور بوقاسم اور لعیشہ دونوں کی نظریں بیک وقت اس طرف اٹھیں اور حیرت و مسرت کے عالم میں ان کی چیخ نکل گئی۔ جس طرف میں نے اشارہ کیا تھا ادھر پتھروں کے درمیان میں سیپیوں کا ایک اتنا بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا جیسے والے ڈھیر سے کہ ان کا چار گنا بڑا تھا۔ دونوں باپ بیٹی سیپیوں پر پل پڑے اور تیزی کے ساتھ موتی نکالنے لگے۔

"کیا اس" لعیشہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اس کام میں تم ہماری مدد کرو۔ ہمیں جلد از جلد یہ سارے موتی جمع کر لینے چاہئیں۔" میں بھی ان کے ساتھ سیپیوں سے موتی نکالنے میں شامل ہو گیا۔ مجھے خود ان موتیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے وہ محض سنگ ریزے تھے لیکن عام انسانوں کے لیے وہ بے انتہا قیمتی تھے۔ سمندر سے نکلنے والے اصلی اور سچے موتی۔ ویسے ایک بات ہے پروفیسر، مجھے یہ موتی اچھے بہت لگے، گول گول، سڈول، چمک دار اور سفید۔ میں نے مٹھیاں بھر بھر کر موتی لعیشہ اور بوقاسم کو دیئے۔ بوقاسم نے اپنے ڈھیلے ڈھالے بالائی لباس کو اتارا۔ پھر اپنی قمیص اتاری اور بالائی لباس دوبارہ پہن لیا۔ اس نے اپنی لمبی چوڑی قمیص کی سلائی ایک طرف سے کھول کر اسے ایک چادر کی سی شکل دے دی اور سارے موتی اس میں جمع کر کے گٹھڑی کی طرح باندھ لیے خاصی بڑی گٹھڑی بن گئی تھی۔

"کیا اس" بوقاسم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں عنوبیت جھلک رہی تھی۔ "تم بڑے خوش قسمت ہو۔ کیا اس۔ تمہاری آمد ہمارے لیے حیرت انگیز، محیر العقول ہوں کا سبب بن گئی ہے۔ ہمیں اتنا بڑا خزانہ مل گیا ہے جو ہماری قرائی کی عمر بھر کی کمائی سے کہیں زیادہ ہے تم بڑے واقعی بڑے دیوتاؤں کا سایہ ہے۔ تم عظیم ہو کیا اس۔ تم عظیم ہو۔" وہ آبستہ آہستہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔

"ان موتیوں کو سنبھال کر رکھو۔" میں نے اس سے کہا۔ "نہیں تمہیں چل کر بہت کام لینا ہے۔"

ہمازوں کی تیاری کا کام ایک بار پھر پورے زور و شور کے ساتھ شروع کر دیا گیا۔ بوقاسم اور لعیشہ کے موتیوں کے خزانے میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ انہیں جزیرے پر سیپیوں کے اور ڈھیر ملے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ سمندر نے اپنی ساری دولت ان کے لیے اگل دی تھی۔ لعیشہ بہت خوش تھی۔

"کیا اس" تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ ویسے تو ہماری کامیابی کے تمام آثار اور قرائن موجود ہیں اور اندازاً پر ہمارا قبضہ ہو چکا ایک یقینی بات ہے۔ لیکن ہیچ میں کچھ سیاہ دھبے ابھر رہے ہیں۔ میں ان سیاہ دھبوں کے راز کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ یہ یہاں میرا علم میری رہنمائی کرنے سے قاصر نظر آتا تھا اور میں پریشان تھی کہ یہ سیاہ دھبے کس چیز کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اب یہ عقدہ کھل ہو چکا ہے۔ سیاہ دھبے اس

طوفان کی علامت تھے جس سے ہم بخیر و عافیت گزر چکے ہیں۔ اس طوفان نے جہاں کچھ نقصان پہنچایا ہے تو بہت بڑا فائدہ بھی پہنچایا ہے۔ اتنا بڑا فائدہ جس کو شاید ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

"تم لوگوں کو یقیناً اس میں فائدہ نظر آتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن میں اس طوفان کی تباہ کاریوں سے خوش نہیں ہوں۔ ان لوگوں کے لیے ماتم کناں ہوں جو اس طوفان کی بھینٹ چڑھ گئے خاص طور پر مجھے نشا کانیہ کی موت کا بہت افسوس ہے، اسے ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے زیلا پر تم لوگوں کے قبضے کے بعد وہ اپنی ان زیادتیوں کی تلافی کرنے کے بارے میں سوچتی جو اس نے زیلا پر کی تھیں۔"

"شاید" لعیشہ نے جواب دیا۔ "مگر اب صورت حال بدل چکی ہے زیلا والوں کی نظروں میں فرناس کی ہیبتی ہونے کی حیثیت سے اب میں زیلا کی حکومت کی جائز حقدار ہوں۔ کیونکہ نشا کانیہ دنیا میں موجود نہیں ہے اور زغوث کا زیلا کی حکومت پر کوئی حق نہیں ہے۔"

"حکومت کے معاملات میں جائز یا ناجائز کے تصورات کا کوئی گزر نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔ "حکومت اسی کی ہوتی ہے جو اپنی طاقت سے اسے حاصل کرلے، ارغوث اپنے آپ کو تم لوگوں سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔ درحقیقت وہ ہے بھی۔ اس سے حکومت صرف طاقت ہی کی بدولت حاصل کی جا سکتی ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ لعیشہ اس بات سے ذرا بھی پریشان نہ تھی کہ نشا کانیہ کے مر جانے کے ساتھ ہی میرا وہ وعدہ بھی ختم ہو گیا ہے کہ میں لعیشہ اور بوقاسم کی مدد کروں گا۔ اصل صورت حال تو اب یہ تھی کہ نشا کانیہ، جس کی جان بچانے کی خاطر میں ان دونوں باپ بیٹی سے "بلیک میل" ہوا تھا اب دنیا میں موجود نہیں تھی اور اب کوئی وجہ نہیں رہی تھی کہ میں اپنے وعدے کی پابندی کرتا۔ اب تو مسئلہ صرف میری اپنی صوابدید کا تھا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ میں نشا کانیہ کی موت کے بعد بھی زیلا کی حکومت پر قبضہ کرنے میں تم لوگوں کی مدد کروں گا؟" میں نے لعیشہ سے پوچھا۔

"ہاں کیا اس" لعیشہ نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے پورا یقین ہے۔ آخر اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے؟"

"کیونکہ اب اس دعوے کی اصل بنیاد، یعنی نشا کانیہ ختم ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن میں تو موجود ہوں، تم بھی موجود ہو اور تمہارا وعدہ بھی موجود ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

بڑی عجیب و غریب لڑکی تھی پروفیسر اس میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا تھا کہ یا میں اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں یا در اصل میں اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ مجھے تو اس قسم کے کھیلوں سے ہمیشہ ہی لطف آیا ہے۔ چنانچہ میں بھی نئے کھیل کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"بات یہ ہے کیا اس" لعیشہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "ستارے مجھے بتلاتے ہیں کہ میرا نام ہزاروں لاکھوں لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جن کی تم نے مدد کی ہے یا کرو گے۔ خود میرے اندر ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے جو تمہیں اس بات کے لئے مجبور کر سکے کہ میری مدد کرو۔ یہ فیصلہ تو تضاد قدرت کی قوتوں کے ہیں جو ہماری خواہشات سے بے نیاز ہوا کرتی ہیں۔" لعیشہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ مجھے یہ سوچتی ہوئی سنجیدہ شکل کی لعیشہ بہت اچھی لگی۔ بہت پیاری سی۔

کچھ عرصہ میں ہمازوں کی تیاری کا کام پورا ہو گیا۔ اب رات دن ان کی آزمائش کی جانے لگی اور انہیں ہر لحاظ سے عمدہ اور قابل استعمال پایا گیا۔ بوقاسم اور اس کے ساتھی اس بات سے بہت خوش تھے کہ اب ایک نیا ہمزان کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ بڑے بڑے جہاز اپنے ہاتھوں سے بنا سکتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ اپنے کچھ آدمیوں کو آئندہ مستقلاً اس کام کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور اپنی ضرورت سے زائد جہاز تیار کر کے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے روپیہ اس زمانے میں تمہارے آج کے دور کی طرح شپ یارڈز تو ہوتے نہیں تھے۔ بہرحال یہ بھی طے کر لیا گیا کہ سمندر میں ابھرنے والے نئے جزیرے کو "سلطنت" میں شامل کر لیا جائے۔ اس جزیرے پر سے کئی قیمتی دھاتیں ملی تھیں اور اب اس پر دھاتوں کی مزید تلاش کا پروگرام بنایا گیا۔

میں نے ان لوگوں کو میدانی جنگ کی کافی تربیت دے دی تھی اور اب وقت آ گیا تھا کہ ہم زیلا کی طرف کوچ کریں۔ چنانچہ کوچ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ چند ہی دن بعد جنگی جہازوں اور تیز رفتار کشتیوں کا ایک زبردست قافلہ طویل سمندری سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ ہمارے پاس وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا اور ہم مہینوں تک کہیں کے بغیر سمندر میں سفر کر سکتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر اس سمندری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ہم زیلا کے قریب پہنچ گئے۔ صبح کا وقت تھا اور سارے سمندر پر مکمل دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر میں جگہ جگہ طرح طرح کے رنگ نظر آ رہے تھے اور دور ہماری نظروں کے سامنے زیلا کا خوبصورت ساحل ایک طویل سرسبز و شاداب بیل کی طرح پھیلا ہوا تھا جو کافی فاصلے سے سبز کا ہی رنگ کی نظر آ رہی تھی۔ لیکن اس سبز کا ہی رنگ سے پہلے کچھ مدھم مدھم سے سیاہ دھبے بھی نظر آ رہے تھے۔

ہمارا کارواں آگے بڑھتا گیا اور دھبے واضح ہوتے گئے۔ معلوم ہوا کہ بڑے بڑے جنگی جہازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو ساحل سے ساحل کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ ارغوث ہماری آمد سے یقیناً باخبر تھا اور اس نے ہمارے استقبال کے لیے پوری تیاریاں کر رکھی تھیں۔ فرناز ہمازوں کے خطوط زیادہ واضح ہوتے گئے۔ ان کی تعداد خاصی تھی۔ بڑے

جہازوں کے علاوہ اب چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی نظر آرہی تھیں ازمیلا کا جنگی بیڑہ کافی طاقتور تھا۔ یقیناً ان کے جہازوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور فوجوں کی بھی۔ بوقام اور اس کے ساتھی اس صورتِ حال سے کافی پریشان نظر آرہے تھے۔ کیونکہ انہیں اس قسم کی جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا وہ پہلی بار ایک باقاعدہ لڑائی میں حصہ لینے جارہے تھے لیکن لعشیہ حسبِ معمول مطمئن تھی۔

"کیا ہم واقعی اتنے بڑے جنگی بیڑے کو شکست دے سکیں گے؟" بوقام نے بے یقینی کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

"دل چھوٹا مت کرو بوقام! اور ہمت سے کام لو۔" میں نے اس سے کہا۔ "اس قسم کی کوئی بات اپنے سپاہیوں کے سامنے مت کرنا ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ ان کی ہمتوں کو بلند رکھنا ضروری ہے۔"

اب دونوں بیڑے ایک دوسرے کے آمنے سامنے پہنچ گئے تھے ازمیلا کے بیڑے میں ہونے والی سرگرمیاں ہم لوگوں کو صاف نظر آرہی تھیں جہازوں کے عرشے پر مسلح سپاہی تعینات تھے انہوں نے اپنے ہاتھوں میں تیر کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تیز رفتار کشتیوں میں بھی مسلح تیر انداز موجود تھے۔ ان کے پیچھے شیشہ زنوں کی نوعیں تھیں ازمیلا کے تمام سپاہی سروں پر فولادی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

ابھی تک کسی بھی طرف سے حملے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بوقام نے اپنے سپاہیوں کو تیر کمان سنبھال لینے کا حکم دے دیا تھا اور آگ کے گولے پھینکنے والے سپاہی بھی کسی لمحے اپنی کارروائی کا آغاز کر سکتے تھے۔ انہیں بس ایک اشارہ کرنے کی دیر تھی۔

"ہم اپنی کارروائی کا آغاز بالکل دوسرے انداز میں کریں گے۔" میں نے بوقام اور لعشیہ سے کہا۔

"وہ کس طرح؟" بوقام نے پوچھا۔

"میں پہلے ایک کشتی میں بیٹھ کر خود ارغوث کے نمائندوں سے گفتگو کروں گا۔ اگر ہم لوگوں کو ہلاک ہونے سے بچا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" بوقام نے جواب دیا۔

چنانچہ ایک چھوٹی سی کشتی پر ایک سفید جھنڈا لہرایا گیا۔ جس میں میرے علاوہ بوقام کے دو اور معتمد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ہرمونا اور دوسرے کا گنوم تھا۔ ہماری چھوٹی سی کشتی سفید جھنڈا لہراتی ہوئی تیزی سے ازمیلا کے ساحل کے نزدیک پہنچ رہی تھی اور ساحل پر کھڑے ہوئے جہازوں اور کشتیوں میں موجود لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہماری کشتی کو ساحل تک آنے دیا گیا اور کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ البتہ کشتی جیسے ہی ساحل سے لگی اور ہم تینوں کشتی میں سے اترے۔ ویسے ہی کئی درجن بھر مسلح سپاہیوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ ایک شخص جو اپنی وضع قطع اور لباس سے اس جماعت کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ آگے بڑھا اور براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ ہو کہاں سے آئے ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے؟" اس نے تیکھی سی آواز میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔

"اتنی جلد بازی سے کام نہ لو دوست!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اپنی سرزمین پر ٹھیک سے قدم تو رکھ لینے دو۔"

"میں زیادہ فضول باتیں کرنے اور سننے کا عادی نہیں ہوں۔" اس نے میری مسکراہٹ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "تم جلدی بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کچھ کہنا ہے میں وہ صرف ارغوث سے کہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میری اس کلمات کو فوراً بندوبست کرو۔"

"مگر تم کس حیثیت سے ارغوث سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں شاکانیہ کی سوتیلی بیٹی اور فرناس کی بیٹی لعشیہ کی جانب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوں۔" اس شخص نے مجھے غور سے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھا اور پھر اپنے نائب پر نظر ڈالی جو اس کے برابر کھڑا تھا۔ "سن رہے ہو لاگاس، یہ شخص لعشیہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے۔"

"سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں ہرمیس۔" لاگاس نے جو ہرمیس کا نائب نظر آتا تھا۔ ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے ایک بات ہے ہرمیس، آدمی واقعی باجواب ہے۔ اس کی جلد کی رنگت کس قدر عجیب و غریب ہے، معلوم ہوتا ہے سر سے لے کر نیا ہوا ہے۔" میں اس کے انداز میں تمسخر کی جھلک صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی بالکل خاموش کھڑے ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"ہمیں لعشیہ کی پسند کی داد دینی چاہیے۔" لاگاس نے ہرمیس کی طرف دیکھ کر تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"ازمیلا کے بہادر دوستو!" میں نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا۔ "سفیروں کی توہین کرنا ایک قابلِ مذمت فعل ہے۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا مجھے ارغوث کے پاس لے چلو، مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"او ہو سفیر صاحب!" اس بار ہرمیس کے بجائے اس کے نائب لاگاس نے جواب دیا۔ "معاف کیجیے، ہم نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ بہرحال ارغوث سے ملنے سے پیشتر بہتر ہوگا کہ آپ ہم لوگوں کے سامنے اپنا مدعا بیان فرما دیں تاکہ ہم لوگ آپ کو مناسب جواب دے سکیں شاید آپ کو علم نہیں کہ ارغوث فضول باتیں سننے والوں کو بہت کم چھوڑتا ہے اور پھر آپ کے تو ابھی مرنے کے دن بھی نہیں ہیں۔"

میں اس کے لہجے کی کاٹ اور توہین آمیز انداز گفتگو کو بڑی مشکل سے برداشت کر رہا تھا۔ تاہم میں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ان سے دوبارہ مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے ارغوث اور صرف ارغوث سے بات کرنی ہے، تم لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

اتنے میں ایک طرف سے شور کی آوازیں آنے لگیں، سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ کئی گھوڑ سوار تیزی سے ادھر آرہے تھے۔ سب سے آگے سیاہ رنگ کے ایک نہایت حسین اور توانا گھوڑے پر ایک بے حد قوی ہیکل شخص سوار تھا جس کے چہرے سے رعب و دبدبہ ٹپک رہا تھا۔ باقی سوار اس کے پیچھے تھے۔

"لو وہ ارغوث آگیا۔" ہرمیس نے دور سے اسے دیکھ کر تعظیم دیتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "اب میں تمہاری جان کی سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

شاید کسی نے ارغوث کو ہم لوگوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور وہ خود ہی یہاں آگیا تھا۔

"کیا تو لعشیہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے؟" ارغوث نے گھوڑے سے اترتے ہوئے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے لہجے میں نخوت تھی۔

"ہاں ارغوث! مجھے لعشیہ اور بوقام نے تمہارے پاس ایک اہم پیغام دے کر بھیجا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بوقام کون ہے؟" ارغوث نے سوال کیا۔

"وہ سمندر کا بادشاہ ہے، اقاب اس کا دارالحکومت ہے اور اس نے لعشیہ کو اپنی بیٹی بنایا ہے۔ ان جہازوں میں سمندری عقاب بھرے ہوئے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے بڑی سے بڑی فوج کو فنا کر دیتے ہیں۔"

"بات مختصر کرو نقیب!" ارغوث غصے میں دھاڑا۔ "مجھے صاف صاف بتاؤ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"میں تم سے یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ شاکانیہ کی موت کے بعد اب لعشیہ ازمیلا کی جائز اور قانونی حکمران ہے۔ تمہیں ازمیلا کی حکومت لعشیہ کے حوالے کر دینی چاہیے۔"

"بہت خوب!" اس نے خوفناک انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "لعشیہ یہ چاہتی ہے کہ میں تھالی میں سجا کر حکومت اس کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو ناحق خون خرابہ ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "حکومت تو بہرحال لعشیہ کو ہی ملے گی۔"

"تم لوگ اس بیڑے کے بل بوتے پر مجھ سے جنگ کرو گے؟" اس نے ہمارے جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ازمیلا کے عظیم الشان بحری بیڑے کے آگے بہت حقیر نظر آرہے تھے۔

"ہاں ارغوث!" میں نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری شکست تمہارا مقدر ہے۔"

"ہرمیس!" ارغوث کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "کیا کسی نے آج تک ارغوث سے اس لہجے میں گفتگو کی ہے؟ اگر یہ سفیر بن کر نہ آیا ہوتا تو اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلتا۔ بہرحال اس بدزبان کو سزا دینی ضروری ہے۔" جوشِ سردار!" ہرمیس بولا۔

"ان تینوں کے گرد گھیرا تنگ کر دو اور طالیس کو فوراً بلاؤ۔" ارغوث نے کرخت لہجے میں حکم دیا۔

سپاہی اپنی تلواریں کھینچ کر ہم تینوں کے گرد کھڑے ہو گئے تاکہ ہم میں سے کوئی بھاگ نہ سکے۔ میرے دونوں ساتھی بار بار گھبرا کر میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری طمانیت شاید ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

اور تب میں نے طالیس کو آتے دیکھا وہ ایک بھاری بھرکم شخص تھا جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ ایک سفید رنگ کے گھوڑے پر بیٹھ کر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا چمکتا ہوا خنجر تھا اس کے ساتھ دو قوی ہیکل آدمی اور تھے جو اس کی طرح شکل سے جلاد نظر آتے تھے۔

"طالیس!" ارغوث نے اسے مخاطب کر کے زور سے کہا۔ "تو اعضا و بریدگی کا ماہر ہے اس گستاخ شخص کی زبان کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے تاکہ جب یہ اس حالت میں لعشیہ کے پاس پہنچے تو اسے میرا جواب معلوم ہو جائے، سنو ہرمیس! جب یہ تینوں احمق اپنی کشتی میں بیٹھ کر واپس اپنے بیڑے میں چلے جائیں تو اس کے فوراً بعد ان کے بیڑے کو نیست و نابود کر دو۔ میں اپنی سلطنت کے ساحلوں پر کالا کپڑا دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

ہرمیس نے اثبات میں گردن جھکا لی اور وہاں سے چلا گیا۔ یقیناً وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دینے گیا ہوگا۔

طالیس اپنا خنجر چمکاتا ہوا گھوڑے سے کود اور اس کے دونوں ساتھی بھی اتر پڑے۔ اب وہ تینوں ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ طالیس بیچ میں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ دونوں آدمی دونوں طرف سے مجھے پکڑ کر بے بس کرنا چاہتے ہیں تاکہ طالیس اپنا کام کر سکے۔

"ارغوث ہمیں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ "ابھی اس حرکت سے باز آجاؤ، تمہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ میں سفیروں اور تم سے اطلاع نہیں بلکہ گفتگو کرنے آیا تھا۔"

ارغوث نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے نفرت سے مجھے دیکھا اور طالیس کو اشارہ کیا کہ اپنا کام کرے۔

طالیس اور اس کے دونوں ساتھی مجھ سے محض دو تین فاصلے پر رہ گئے تھے کہ یکایک وہاں موجود لوگوں نے ایک عجیب، غریب اور حیران کن منظر دیکھا، خنجر طالیس کے ہاتھ سے گر چکا تھا اور وہ خود بھی زمین پر گرا ہوا بری طرح کراہ رہا تھا۔ شاید میرے ہاتھ نے جو بجلی کی طرح چمک کر اس کے شانے پر پڑا تھا۔ اس کے بازو کی ہڈی توڑ دی تھی۔

طالیس کے گرتے ہی اس کے دونوں ساتھی وحشیانہ انداز میں مجھ پر پل پڑے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر خنجر نکال لیا اور وہ میرے حلق میں گھسیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ارغوث کے

قدموں میں لوٹ رہا تھا اور بری طرح ہانپے جا رہا تھا۔ غالباً میری ناک نے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی۔ تیسرے جلاد کو میں نے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور ارغوث کی جانب اچھال دیا وہ اس طرح ارغوث کے اوپر گرا کہ وہ اور ارغوث دونوں زمین پر تھا۔ دوسرے لمحے ارغوث اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظروں میں اب نفرت کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

"میری ہم مجال ذلیل غلام زادے، وہ غضب ناک ہو کر دھاڑا "سمجھ لے کہ تیری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اسے گرفتار کر لو۔" اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ اب اس کی زبان میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں لگا۔"

سپاہی آگے بڑھے۔ اتنے میں ایک بھاری اور کریہہ آواز سنائی دی

مجھے توقع دوسرا یہ شخص بڑا مغرور نظر آتا ہے۔ میں بھی بہت دنوں سے خالی بیٹھے بیٹھے اکتا گیا ہوں۔ ذرا ہاتھ پیر سیدھے کر لوں۔"

میں نے آواز کی سمت دیکھا اور مجھے ایسا لگا گویا یہ گھڑگھڑاتی ہوئی کریہہ آواز گوشت پوست کے کسی پہاڑ سے نکل رہی ہو۔ وہ ایک غیر معمولی تن و توش کا آدمی تھا۔ بے حد دراز قد اور فربہ اندام۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک بھاری ساگر تھا لیکن میرے خیال میں اسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ عام انسانوں کے لیے اس کے ہاتھ ہی گزر کا کام دے سکتے تھے۔

ارغوث نے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم اس سے لڑنا چاہتے ہو کانال؟" میں نے گوشت کے پہاڑ سے پوچھا۔ "میں تمہیں اسے ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اسے زندہ تعذیب کے پاس واپس بھیجنا چاہتا ہوں، لیکن اس طرح کہ اس کی ناپاک زبان اس کے جسم سے علیحدہ ہو چکی ہو۔ تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں اسے ہلاک نہیں کروں گا میرے آقا۔" کانال نے گھڑگھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "بس میں ذرا اسے زمین کی خاک چٹا دوں پھر اس کی زبان کاٹ لی جائے اور اسے واپس بھیج دیا جائے۔"

کانال میری طرف بڑھا دیکھنے والے دم بخود تھے۔ میرے دونوں ساتھیوں کو پورا یقین تھا کہ اب میرا انجام قریب ہے۔ وہ مجھے غمزدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کانال میری طرف جارحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنا گرز پھینک دیا تھا اور ہاتھوں کو آگے کیے جھکا ہوا آ رہا تھا۔

"سن اے سڑے ہوئے گوشت کے تودے۔" میں نے چلا کر کہا تاکہ سب لوگ سن سکیں۔ "اپنے غلیظ بدن کو مجھ سے دور رکھ۔ مجھے چربی کی گٹھڑیوں سے سخت کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

کانال نے اس کے جواب میں ایک خوف ناک آواز حلق سے نکالی اور اپنے سر کو جھکا کر تیزی کے ساتھ جھپٹا۔ وہ اپنا سر میرے پیٹ پر مارنا چاہتا تھا لیکن ایک سیکنڈ کے شاید ہزارویں حصے میں، میں اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ اپنے وار کی جھونک میں کانال سپاہی پر جا پڑا جو میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور میرے ہٹ جانے سے براہ راست کانال کی زد میں تھا۔ سپاہی کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کے منہ سے بری طرح خون جاری تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے اسے سنبھالا اور کانال سخت غضب کے عالم میں زمین پر سے اٹھ کر میری طرف تیزی سے لپکا۔

میں اب اس فضول کھیل سے اکتا گیا تھا اور لوگوں کی نظروں میں تماشہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ کوشش کی کہ کانال کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ بن جائے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے لیکن اس کی طاقت اور اقتدار کے نشے میں اس قدر چور تھا کہ میری کسی بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ اب میں چاہتا تھا کہ اس قصے کو جلد از جلد ختم کر دوں اور اپنے بیڑے میں جا کر حملے کا اہتمام کر لوں۔

چنانچہ میں نے اس باقی جیسے شخص کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور جھٹکے سے اوپر اٹھا لیا۔ کئی لوگوں کی حیرت کے لیے چیخیں نکل گئیں۔ میں نے ارغوث کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ میں نے کانال کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ وہ بری طرح میری گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا لیکن اسے اپنی سب کوششیں بے سود نظر آ رہی تھیں۔ میرے ہاتھ کی آہنی گرفت سے نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں کانال کو اس طرح گھماتا ہوا پیچھے اور میرے ہمراہیوں طرف سے سپاہیوں کا مجمع کاہی کی طرح چھٹ گیا۔ کشتی میں واپس چلو۔" میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور خود چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ تھا اور کانال کو برابر زور زور سے گھما رہا تھا۔ اس صورت میں ازیلا کا کوئی سپاہی ہم پر تیر چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کئی شمشیر زنوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن کانال کے پنکھے کی طرح گھومتے ہوئے جسم نے انہیں ہم سے دور رکھا۔ کانال کا بدن بم تینوں کے لیے ڈھال بنا ہوا تھا اور اب کانال بری طرح چیخ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک اس کا بھیجا ہل کر رہ گیا ہوگا۔

کانال کو ڈھال بنائے ہم لوگ کشتی تک پہنچ گئے۔ ازیلا کے ساحل پر کھڑے ہوئے سپاہی اور انسان حیرت اور خوف کے ساتھ منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کانال واقعی بڑا بھاری بھرکم آدمی تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے بہت سے معرکے سر کیے ہوں گے اور بڑے بڑے سورماؤں کو نیچا دکھایا ہوگا لیکن اس وقت وہ ایک ایسے بچے کی طرح میرے ہاتھوں میں گھوم رہا تھا جسے گویا میں نے دم دے کر پکڑا ہو۔ میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی میں سوار ہو کر فوراً جائیں انہوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ پھر میں نے بھاری بھرکم کانال کو آخری مرتبہ زور سے ایک چکر دیا اور پھر اسے دور سمندر میں اچھال دیا۔ جہاں ایک زبردست چھپاکے کی آواز بلند ہوئی اور اس جسیم ایک دم پانی میں ڈوبتا چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند لمحوں بعد وہ پانی

سطح پر پہنچ جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں اچھل کر کشتی میں سوار ہو گیا اور بادبان کھینچ لیے۔ کشتی تیزی سے ازیلا کے ساحل سے دور ہونے لگی۔ بگڑا ہوا سپاہی بے بسی سے ہمیں برستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کئی تیر میرے جسم سے ٹکرائے اور گر پڑے۔ میں نے ساحل کی طرف دیکھا۔ تیر اندازوں کا دستہ دوبارہ کمانیں کھینچ رہا تھا۔ ہماری کشتی تیر کی پہنچ سے تک لوہے میں غرق تھے لہٰذا انہیں کوئی نقصان نہیں تھا۔ تیر ایک بار پھر آئے اور انہوں نے بہت سے تیروں کا نقصان ہو گیا۔ اس بار بھی بعد ہم ان کے تیروں کی زد سے باہر تھے۔

کشتی جیسے ہی بیڑے کے دوسرے جہازوں کے پاس پہنچی۔ میں نے ذرا بلند آواز میں پکارا اور اس سے کہا۔ "میں نے جو باتیں تم کو سمجھائی ہیں ان کے مطابق عمل کرنا اور میری ہدایات کے خلاف کوئی قدم مت اٹھانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ زیادہ باتوں کا وقت نہیں میں ساری تکمیل کر چکا ہوں۔ وہ لوگ بس اب حملہ کرنے ہی والے ہیں، تم تیار ہو جاؤ۔"

میں نے پہلے ہی بوقام کو سمجھا دیا تھا کہ اس کے آدمیوں کو ساحل پر پہنچ کر اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگ کے گولے پھینکنے والا دستہ اپنے کام میں مصروف رہے اور یہ کام صرف ایک جہاز کی مدد سے سرانجام دیا جائے۔ باقی جہاز اور کشتیاں تیزی سے ساحل کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں اور سپاہی فوراً ہی ازیلا کی حکومت پر ہلہ بول دیں۔

میں نے جہاز سے لوہے کا وہ شکنجہ اٹھایا جو میں نے ثاقاب کے خاص طور پر تیار کروایا تھا۔ یہ لوہے کا ایک بہت بھاری ستون تھا جس کا ایک سرا کسی سوئی کی طرح نوکیلا تھا۔ اس شمشیر کو اٹھا کر جہاز میں پھینکنے کے لیے دس آدمیوں کو لگنا پڑتا تھا۔ میں نے بوقام کی نظروں کے سامنے اس بھاری بھرکم فولادی شمشیر کو ہاتھوں میں اٹھایا اور سمندر میں پھینک لگا دی۔ بوقام کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں ایک طویل غوطہ لگا کر پانی کے نیچے ہی ازیلا کے بڑے کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ازیلا کے جہاز حرکت میں آ گئے ہیں اور وہ اپنے جہازوں کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جا رہے ہیں میں پانی کے نیچے تیرتا ہوا ازیلا کے اس جہاز کی تہ کے پاس پہنچ گیا جو سب سے آگے تھا۔ یہ ایک نہایت شاندار اور مضبوط جنگی جہاز تھا اور ارغوث کو اس پر فخر ہوگا۔ میں جہاز کے پیندے کے نیچے تیرتا رہا تھا اور پھر اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا لوہے کا شمشیر نکیلے حصے کی طرف سے جہاز کے پیندے میں مارا۔ لوہے کا نوکدار شمشیر اور دوسرے ہاتھوں کی پے در پے یلغار قوت، شمشیر تختوں کی موٹی موٹی تہوں کو چیرتا ہوا اندر تک گھستا چلا گیا اور پھر میں نے اسے واپس کھینچ لیا۔ سوراخ کر دیا تھا اور میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ جہاز پر موجود لوگوں کی کیا حالت ہو گئی تھی۔ جہاز میں تیزی کے ساتھ پانی بھرنے لگا۔

میں جہاز کے پیندے کے نیچے سے نکل کر تیرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور میں نے پانی سے سر نکال کر ہر طرف دیکھا۔ جہاز ڈوبنے کا سماں تھا۔ افسر اور سپاہی سب چیخ چیخ کر بول رہے تھے اور کوئی کسی کی بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ میں اس وقت مخالف سمت سے آگ کا ایک گولا ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور ٹھیک جہاز کے مستول سے ٹکرایا۔ میں گولا پھینکنے والوں کے صحیح نشانے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مستول نے فوراً آگ پکڑ لی اور جہاز کے بادبان بھی دھڑا دھڑ جلنے لگے۔

میں نے اپنا سر دوبارہ پانی کے اندر کر لیا اور اب میرا نشانہ اس سے پچھلے والا جہاز تھا۔ میں نے اس کے مضبوط پیندے میں بھی لوہے کا شمشیر مار کر سوراخ کر دیا اور اس میں بھی تیزی سے پانی بھرنے لگا۔

میں نے یکے بعد دیگرے ازیلا کے چار بڑے بڑے جہازوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور انہیں ناکارہ بنا دیا۔ جب میں نے پانی میں سے اپنا سر نکال کر دیکھا تو سب سے پہلا والا جہاز بڑی تیزی کے ساتھ ڈوب رہا تھا۔ پچھلے والے جہاز بھی پانی میں دھنس رہے تھے۔ کئی جہازوں میں آگ لگ گئی تھی اور وہ دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ سپاہی ان میں سے کود کود کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تین بوقام کے بیڑے کی طرف سے آگ کے ملے سنسناتے ہوئے تیران کے جہموں کو چھیدے ڈال رہے تھے۔ بوقام کے جہاز اور کشتیاں تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں کھڑے ہوئے ازیلا کے ہتھیار بند سپاہی اور انسان اپنے جہازوں کا یہ سوتع حشر دیکھ کر سخت پریشان تھے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جہاز آخر اس طرح لرز لرز کر کیوں ڈوبے جا رہے ہیں۔ دوران کی پیشقدمی کس وجہ سے رک گئی ہے۔ خاص کر ساحل پر موجود لوگوں کو اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اچانک اعتماد سے ازیلا کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ میری طاقت کا ایک ذاتی ساگر شمہ انہیں اب سے کچھ دیر پہلے مرعوب کر چکا تھا جب کہ میں نے ان کے نامی گرامی پہلوان کو چربی کی طرح دم سے پکڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور پھر اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اب جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے اس نے انہیں اور زیادہ بوکھلا دیا تھا۔

بوقام کے جہازوں اور کشتیوں کی جانب بھی آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے لیکن ازیلا کے برقندازوں کے نشانے اتنے زیادہ صحیح نہیں ثابت ہو رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں اکثری قراقوں سے بہت پیچھے نظر آ رہے تھے۔ تاہم آگ کے جو گولے بوقام کی کشتیوں اور جہازوں تک پہنچ بھی جاتے تھے۔ انہیں فوری طور پر بجھا کر بے ضرر بنا دیا جاتا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ہر جہاز پر چند آدمیوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کا کام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ آگ کے گولوں پر فوری طور پر قابو پا لیتے۔ اس گروہ کے افراد کے پاس ضروری سامان بھی موجود تھا۔

یہ ایک میں نے دیکھا کہ زیلا کے بیڑے کی ایک جنگی کشتی جس میں سے متواتر آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس جہاز کے قریب پہنچ رہی ہے جس میں بوتام اور لعیشہ سوار تھے اور اس کشتی میں سے مسلسل اور نہایت تیزی کے ساتھ آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے جو سب کے سب جہاز کے اندر جا کر گر رہے ہیں اس کشتی میں اچھے نشانچی موجود تھے اور وہ بھی لمبور بوتام اور لعیشہ کے جہاز کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاز کے ملاح تیزی سے راستہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جہاز پر سے بھی جوابی کارروائی کی جا رہی ہے لیکن کشتی کے نشانچی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ اچانک کشتی میں سے پھینکا جانے والا ایک گولہ جہاز کے بادبان کے بالکل قریب گرا اور بادبان میں آگ لگنے لگ گئی۔ تیز رفتار کشتی بڑی تیزی سے جہاز کے قریب پہنچ رہی تھی۔

میں نے اپنا سر پانی کے اندر کیا اور تیزی کے ساتھ تیرتا ہوا کشتی کے نیچے پہنچ گیا۔ پانی کے نیچے میرے ہاتھ کی ایک ہی جنبش نے کشتی کو الٹ دیا اور اس میں موجود افراد چند لمحوں کے اندر اندر پانی میں غوطے کھانے لگے۔ کشتی ڈوبتی چلی گئی۔

میں نے پانی میں سے سر نکال کر ایک بار پھر باہر کا منظر دیکھا زیلا کے وہ چاروں جہاز جن کے ہیندوں میں میں نے سوراخ کئے تھے۔ تین چوتھائی سے زیادہ پانی میں ڈوب چکے تھے اور ان میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔ پیچھے والے جہازوں میں سے بھی کئی میں آگ لگ گئی تھی۔ ان کی پیش قدمی رک گئی تھی۔ بوتام کے بیڑے کا بھی ایک جہاز جل رہا تھا اور کئی کشتیاں تباہ ہو گئی تھیں لیکن بوتام کے باقی جہاز اور کشتیاں اب ساحل کے بہت نزدیک پہنچ گئی تھیں اور وہ ساحل کی طرف سے تیروں کی زبردست بارش کے باوجود بیش قدمی کر رہے تھے۔

بالآخر بوتام کے آدمی ساحل پر اترنا شروع ہو گئے۔ آدھی جنگ فتح کی جا چکی تھی۔ زیلا کی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان کا بکھری ہوئی مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور زیادہ تر بحری سپاہی مارے جا چکے تھے اب ساحل پر موجود فوج حملہ آوروں سے واضح طور پر خوفزدہ نظر آتی تھی۔ اگرچہ ان سے مقابلہ نہیں ڈالے تھے۔ تاہم اس میں بددلی اور خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

میں نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا ساحل تک آ گیا اور پھر اچانک میں نے اپنا سر پانی سے نکالا۔ اب ساحل پر زبردست دست بدست جنگ شروع ہو گئی تھی۔ فریق اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن بڑی بے جگری سے اور بے خوفی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جب کہ زیلا کے سپاہی اپنی اعلیٰ جنگی مہارت کے باوجود بے یقینی اور وسوسے کا شکار نظر آ رہے تھے۔

تب تھوڑی دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے حملہ آوروں میں بوتام بھی نظر آیا جس کی تلوار خون سے تر بتر ہو رہی تھی اور جس کے بازو میں ایک سرکٹ کر نیچے گر جاتا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی شجاعت کی داد دینے لگا۔

اچانک میری نظر غوث پر پڑی۔ وہ خود جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا بلکہ دور ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اپنے افسروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا اور میں پانی میں سے نکل کر سیدھا اس ٹیلے کے پاس جا پہنچا، جس پر غوث کھڑا ہوا تھا میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ تھا جبکہ غوث کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا اور تلوار سونت کر میری طرف لپکا۔

"ٹھہرو، جو نوف انسان" میں نے اسے زور سے ڈانٹا اور میری بے خوفی سے متاثر ہو کر وہیں ٹھٹک گیا۔ میری قوت کے اثر سے وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ "اپنے سپاہیوں کو کیوں ہلاک کرا رہے ہو؟" میں نے اس سے کہا۔ "اگر تم اپنی فوج کے سب سے بہادر آدمی سوتآ مجھ سے مقابلہ کرو۔ وہ لڑے جس آدمی کو چاہو میرے مقابلے میں بھیج دو۔ اس مقابلہ کا نتیجہ ہی تمہاری قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ اگر تم اس سے اتفاق کرتے ہو"

"میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا بدروح" غوث میری بات کے جواب میں غصے سے دھاڑا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ اپنی تلوار میرے سر پر ماری۔ ایک زوردار آواز پیدا ہوئی اور غوث کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئی۔

اس اثناء میں وہاں کئی اور افسر بھی آ گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیران کن منظر دیکھا۔ غوث تحیر و حیرت ہی کا رہ گیا تھا اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ غوث نے زور سے لات چلائی اور چیخ دے کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ اس کے ساتھ ہی کئی تلواریں بیک وقت میرے جسم پر پڑیں اور ٹوٹ کر گر پڑیں افسروں میں سے کئی ایک جو کھڑے ہوئے۔ اگر غوث میرے ہاتھ کی گرفت میں بری طرح تڑپ رہا تھا۔

میں اغوث کو کھینچتا ہوا دھڑا یا جہاں زوکا سان بڑھا آ رہا تھا۔ "ازیلا کے بہادرو!" میں نے زور سے چلا کر کہا۔ "تمہارا سردار میرے قبضے میں ہے۔ میں اسے شکست دے چکا ہوں۔ جنگ بند کر دو اور ہتھیار ڈال دو۔"

زیلا کے فوجیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اغوث سخت مشکل میں مبتلا تھا۔ وہ میری بات کی تردید بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ میری گرفت میں تھا اور ہر کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہیں کر سکا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی گردن جھکا دی۔ یہ گویا اپنے سپاہیوں کے سامنے اس کا اعترافِ شکست تھا۔

"جنگ روک دی جائے" میں نے بلند آواز سے حکم دیا اور دونوں طرف کے لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اغوث کی فوج کے دو افسر

گرفتار کر لیا گیا جن میں لاگاس اور ہرمیس بھی شامل تھے۔ اغوث اب بالکل بے بس ہو چکا تھا۔ اس کے تمام سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ میں نے اغوث کا ہاتھ چھوڑ دیا اور قبل اس کے کہ مجھے کچھ دونوں پر عمل ہو سکے۔ میں نے جھک کر زمین پر پڑی ہوئی ایک تلوار اٹھا لی۔ اپنے پیٹ میں انتڑیاں روکے ہوئے بہادر تھا اور بہادروں کی طرح مرا اس نے مفتوح اور شکست خوردہ ہو کر زندگی گزارنے سے انکار کر دیا تھا۔

اغوث کی اچانک اور دردناک موت نے ہر سپاہی کو بری طرح متاثر کیا۔ بہرحال پروفیسر جنگ تو جنگ ہے اور جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ازیلا کے تمام سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور ملکہ کا انتظار کریں۔

میں نے بوتام سے کہا کہ وہ لعیشہ کو جہاز میں سے لے آئے۔ وہ کہ مسلسل اتنی حیرتوں کا واسطہ پڑا تھا کہ اب اس نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ میں کوئی دیوتا ہوں جسے آسمانوں سے مدد کرنے کے لیے بھیجا گیا اور وہ میرے حکم کی تعمیل اسی طرح کر رہا تھا جس طرح دیوتاؤں کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔

لعیشہ نے جب ساحل پر قدم رکھا تو میں خود بھی اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس وقت ساحل پر خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اس وقت لعیشہ جہاز پر بنے کمرے میں سنگھار میں مصروف تھی سے معلوم تھا کہ اسے اس سرزمین پر ملکہ کی حیثیت سے قدر رکھنا ہے۔ اس کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ نہایت قیمتی اور شاندار لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سارے بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے اور سر پر ایک تاج پہن رکھا تھا، جس میں سچے موتی جڑے ہوئے تھے۔ یہ ان آبدوزوں سے نکالے ہوئے جزیرے سے جمع کئے گئے تھے لعیشہ کے گلے میں کئی بار پڑے ہوئے تھے جو انہیں موتیوں کے تھے سچے ہیرے پر مشتمل کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں جادو جگا رہے تھے اور شانوں پر پڑی ہوئی نفیس سیاہ بادلوں کو چھو رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی آسمانی مخلوق ہے جو اتفاق سے زمین پر اتر آئی ہے۔ میں نے لعیشہ کو اس سے پہلے کبھی اس قدر حسین اور پرکشش نہیں پایا تھا۔

لعیشہ کی چال بھی بدل گئی تھی اب وہ بڑے باوقار انداز میں آہستہ آہستہ بڑھا رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایک حکمران کی شان اور سنجیدگی نمایاں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت مورچھل تھا جس کے دستے کی شکل ایک اڑتے ہوئے عقاب کی تھی۔

"شہر جیسے ہی ساحل پر آئی۔ سب سے پہلے بڑھ کر میں نے اسے خوش آمدید کہا۔ لعیشہ کو زیب کی حکومت مبارک ہو"

لعیشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ شاہانہ وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

پھر وہ ہم سے آگے بڑھ کر اپنی ملکہ کو تعظیم دی۔ جو دنیا والوں کی نظروں میں اس کی منہ بولی بیٹی تھی۔

ازیلا کے سپاہیوں کی صفوں کے سامنے سے لعیشہ اس طرح گزری کہ اس کے دائیں جانب میں تھا اور بائیں جانب بوتام۔ ہم دونوں کے درمیان لعیشہ کی ایک مختصر سی جھلک۔ میرے سوال میں سے ہر شخص مسلح تھا اور کسی بھی اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ ازیلا کے سپاہیوں نے پنی گردنیں جھکا جھکا کر لعیشہ کو تعظیم دی۔

ازیلا کا عظیم الشان محل نئی ملکہ کا منتظر تھا۔ غوث کی شکست اور اس کی موت کی خبر محل والوں کے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور پورے محل میں حالات بدل گئے تھے۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر دنیا لعیشہ جیتنے والے کے آگے ہی سر جھکائی ہے اور فاتح کے حکم کی تعمیل کرتی ہے ہم لوگ فاتحین کی حیثیت سے محل میں داخل ہوئے، محل کے دروازے پر جن معتدد شخصیتوں نے ہمارا خیر مقدم کیا ان میں طاشرہ بھی شامل تھی۔ ایک بیحد کفیف و نزار بڑھیا جس کی بھنوؤں تک کے بال سفید تھے۔

"مجھے شاکا یہ اور اغوث کی موت کا افسوس ہے بہرحال ان کا مقدر یہی تھا ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور اب میرا تر تہ دل سے خیر مقدم کرتی ہوں لعیشہ" بڑھیا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ طاشرہ" لعیشہ نے جواب دیا۔ "تم ہمیشہ مجھے اپنا دوست پاؤ گی"

اسی شام کو لعیشہ نے ہلا اور بار منعقد کیا اس سے پہلے پورے شہر میں منادی کرا دی گئی کہ لعیشہ ان تمام افسروں اور امیروں کے لیے عام معافی کا اعلان کرتی ہے جو اس کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے کو تیار ہیں، انہیں چاہیے کہ شام کو دربار میں حاضری دیں ساتھ ہی گرفتار شدہ افسروں اور امیروں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیا گیا۔ اور ان سبھوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا انہیں رہا کر دیا اور شام کو دربار میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی۔ سارا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ میں اور ہرمیس بھی شامل تھے۔

دربار بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ میں سارا دن لوگوں کی توجہ کا مرکز اور ان کی گفتگو کا موضوع بنا رہا تھا اور ازیلا کے زیادہ تر لوگ مجھے جانتا تھا کہ مجھے لعیشہ کا وزیر اعظم یا سپہ سالار مقرر کیا جائے گا۔ میری جرات، نیز قوتوں کے کرشمے دور دور تک پھیل گئے تھے اور لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں اور واقعی میں عجوبہ ہی تھا۔ ازیل کی حیثیت میری ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھیں۔ تم تو جانتے ہو پروفیسر یونان کی عورت نے ہمیشہ ہمارا دل سے پیار کیا ہے۔

سارے افسران اور سردار دربار میں جمع ہوئے اور انہوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں لعیشہ نے انہیں جو کچھ دیا

اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل کی پھیل رہ گئیں۔ ہر امیر کو ایک ایک چھوٹی سی خوبصورت ڈبیہ دی گئی جس میں دس دانے موتی کے موجود تھے۔ یہ وہی موتی تھے جو شہزادے سے حاصل کئے گئے تھے ان میں سے ایک ایک موتی بہت زیادہ بیش قیمت تھا اور ایسا کے امراء میں سے کسی نے بھی کبھی اتنے بڑے بڑے موتی نہیں دیکھے تھے ناگاس اور ہرمیس بھی دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے لعشیہ سے تاجداری کا اعلان کیا۔ انہیں بھی انعام میں موتی دیئے گئے۔ لیکن برلیم میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے زہر بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی ذلت کو ابھی تک نہیں بھولا تھا اور اگر چہ اس نے لعشیہ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں میرے لیے سخت کینہ توزی پائی جاتی تھی، وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی اس وقت بڑا تعجب ہوا جب لعشیہ کے دربار میں اس کی فوج میں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا اور اسے محض گمنامی کا قلمدان بوقام کے سپرد کیا گیا۔

دربار برخاست ہوا اور رات ڈھلنے لگی۔ آج ازمیلا کے محل میں زبردست رونق تھی۔ لعشیہ پہلے بھی اسی محل میں رہتی تھی اور اس کے چپے چپے سے واقف تھی۔ لیکن آج اس کی حیثیت دوسری تھی پہلے وہ محکوم تھی آج وہ حاکم تھی۔ کھانا کھانے کے بعد لعشیہ مجھے محل کی سیر کرانے کے لیے لے گئی۔ اس نے محافظوں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا اور تنہا مجھے محل دکھانے لگی۔

میں نے لعشیہ کو بتایا کہ مجھے محل میں دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میرے لیے اس محل میں کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن لعشیہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مختلف عمارتوں سے گزارتی ہوئی محل کے ایک دروازے تک لے آئی۔

"یہ ہے محل کا وہ حصہ جہاں میری رہائش تھی۔" اس نے ایک خواب گاہ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میری نظروں کے سامنے بیک حسین اور سجائی سجائی خواب گاہ تھی جسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کی سجاوٹ ابھی چند لمحے قبل پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔ یقیناً لعشیہ نے حکم دے کر اس کو خاص طور پر آراستہ کرایا ہوگا۔

میں لعشیہ کے ساتھ ہی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور لعشیہ نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔" لعشیہ نے یک لخت دلربائی سے کہا۔ "مجھے تنہائی درکار تھی اس لیے میں تمہیں یہاں لائی ہوں۔"

"کہو کیا ہے۔" اس نے کہنا شروع کیا۔ "اب زمین کی ملکہ ہو اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے اگر تم میری مدد نہ کرتے تو میں کبھی

زمیلا کی حکومت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تم کون ہو اور کیا ہو اس کے بارے میں تفصیلات پیش کرنے سے یہ اعلم قاصر ہے۔ البتہ تمہاری بعض خصوصیات سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تم رشتہ حوری کے ایک لطیف و پرکیف جھونکے کی طرح میری زندگی میں داخل ہوئے ہو اور اسی طرح چپکے سے دبے پاؤں نکل جاؤ گے بہت مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔ میں یہاں کی ملکہ اس وقت تک نہیں بن سکتی ہوں جب تک میں شادی نہ کروں۔ شادی کرنے کے بعد مجھے ملکہ اپنے شوہر کے حوالے کرنی پڑے گی۔ میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں چنانچہ میں یہ فیصلہ کر چکی ہوں کہ زندگی بھر شادی نہیں کروں گی اور پھر کیا میں شادی کر بھی کیسے سکتی ہوں، جس عورت نے تمہیں قریب سے یا ہو وہ کسی دوسرے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی ہے

اس کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ میرے وہم و گمان میں نہ تھا کہ لعشیہ کے دل میں میرے لیے اس قسم کے جذبات ہوں گے میں اسے اس کے تدبر، علم و حکمت کے باوجود ایک چھوٹی سی لڑکی ہی سمجھتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل میں جذبات کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔

میں خاموشی کے ساتھ لعشیہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ محل میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم جگہ جگہ قندیلیں روشن تھیں جن کی مدھم روشنی میں در و دیوار کے بھلے بھلے سائے نظر آتے تھے۔

میں لعشیہ کی خواب گاہ سے نکل کر ایک لمبی راہداری کو طے کرتا آگے بڑھ گیا۔ اب میں جس جگہ سے گزر رہا تھا وہاں نسبتاً اندھیرا تھا اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ سایہ میرے تعاقب میں چلا آ رہا تھا آنے والے کے پاؤں تک ایک سیاہ رنگ کا بادیہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ کالا جن کا ایک جز معلوم ہوتا تھا اس کا چہرہ بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں رک گیا اور آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

سایہ میرے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"چاہتا ہوں نہیں، چاہتی ہوں۔" سائے میں سے ایک نسوانی آواز بلند ہوئی اور دو ہاتھوں نے نقاب الٹ دیا۔ میں نے فوراً ہی طائرہ کو پہچان لیا۔

"میں تم سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتی ہوں کیا اس وقت جو بھی تمہارا نام ہے۔" اس نے مجھ سے کہا اور اس کے لیے اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دن کی مصروفیات تمہیں نہیں چھوڑیں گی۔ تم اس وقت جہاں سے آ رہے ہو اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔" اس کے بڑھتے ہوئے جھریوں بھرے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

فی الحال میرا نام کیا ہی ہے۔ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہو تو؟"

"کسی سے پیار کرنے والے کی۔ میرا سارا علم تمہارے بارے کچھ بھی بتانے سے قاصر ہے۔" اس نے اپنی کھلکھلاتی آواز میں کہا۔ میں تمہیں کو دیکھ کر زرد پیر میں ہی اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیتی ہوں۔ ستاروں کے ستارے مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیتے ہیں۔ تمام دنیا کے عجیب ترین انسان بھی تمہارے بارے میں ستارے کی زبان میں کچھ نہیں بتا سکتے۔ کوئی شارہ نہیں، کوئی ذرا سا بھی اشارہ نہیں ملتا ہے جس سے کہ میں کچھ کہہ سکوں۔ البتہ تمہیں دیکھ کر میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ تم بہت بڑے کام کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ تمہارا مستقبل بہت شاندار ہے۔ تم ایک بہت بڑے اور غیر معمولی انسان ہو۔ یہ جانتے ہوئے میں تمہارے پاس کسی کو دبنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

"تم ایک بہت بڑے اور غیر معمولی انسان ہو۔" یہ جانتے ہوئے میں تمہارے پاس کسی کو دین

کی تیاریاں شروع کر دی گئیں اور میں نے ازبیلا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے لوقام اور لعشہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ لعشہ کو ازبیلا کی حکومت مل گئی تھی اور اب میرے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ ظلمت کی تاریکی میں میں محل سے باہر نکلا۔ میں نے ایک نظر پلٹ کر محل کو دیکھا اور پھر کسی سمت کا تعین کیے بغیر چل پڑا۔ میری اگلی منزل کون سی تھی مجھے اس کے بارے میں خود بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ لعشہ اور لوقام کو ان کے حال پر چھوڑ کر اب میں نئی دنیاؤں کی تلاش روانہ ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح اب ان لوگوں سے میرا کبھی ملاقات نہیں ہو سکے گی جنہیں میں اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ میں ان کی دنیا سے ہمیشہ کے لیے نکل آیا تھا۔

میں نے ساری رات اپنا سفر جاری رکھا ازبیلا کا شہر اور اس کے مضافات اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میں وسیع گنجان اور تاریک جنگلوں سے گزرتا ہوا چلا آیا تھا۔ مجھے نہ تو سمت کا پتہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ میں نے کتنا سفر طے کر لیا ہے اور اب میں کہاں ہوں۔ بہرحال، اتنا اندازہ مجھے ضرور تھا کہ میں سمندر سے علاقے سے بہت دور نکل آیا ہوں کیونکہ اب میں جس جگہ سے گزر رہا تھا، وہاں کی ہوا میں رطوبت کے بجائے خشکی کا احساس ہو رہا تھا۔ رات ڈھلنے لگی ستارے ایک ایک کر کے نظروں سے اوجھل ہونے لگے۔ دور افق پر ایک سفید مدھم سی لکیر نمودار ہونے لگی جو بہت آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔ ساری رات مختلف اقسام کے جنگلی جانوروں سے میری مڈبھیڑ ہوتی رہی تھی۔ ان میں بعض خطرناک درندے بھی شامل تھے، لیکن ان میں سے کسی نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر کہ جنگل دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں۔ رات کو جنگل کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے جس کا تجربہ صرف انہیں لوگوں کو ہوتا ہے ——— جنہیں جنگل میں راتیں گزارنے کا موقع ملا ہو اور میں تو ہر قسم کے تجربوں سے گزر رہا تھا۔ اور گزرنے کے لئے تیار تھا۔

اب بڑھ جکا جالا پھیلنا شروع ہو چکا تھا اور میں اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے منظر کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک خوبصورت اور سرسبز و شاداب وادی میں پایا جس کے تین اطراف میں بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے اور ایک طرف صاف و شفاف پانی کا ایک دریا اپنی مترنم آواز میں بہہ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی وادی تھی اور اس میں دور تک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ البتہ بعض مکان کافی بڑے اور بلند بھی نظر آ رہے تھے لیکن مجھے کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ شاید ابھی کسی کے لوگ بھی تک تو خواب تھے کیونکہ ابھی تک سورج نہیں ابھرا تھا۔

میں ایک بڑے سے پتھر کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ اور میں نے آرام سے اپنی ٹانگیں زمین پر پھیلا دیں۔

نہ جانے یہ جگہ کون سی ہے اور یہاں رہنے والے کون لوگ ہیں میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہرحال، کوئی بھی ہوں، مجھے ان سے کیا لینا ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ دیر یہاں ٹھہر کر اور دنیا کی سیر کر کے آگے چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ حیرت انگیز واقعات کی ایک دنیا میرے انتظار میں یہاں موجود ہے۔ میں رات بھر چلتا رہا تھا، اس لئے صبح کی ٹھنڈی ہوا میں مجھے بہت فرحت محسوس ہوئی اور آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔

میں شاید زیادہ دیر تک نہیں سویا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی کچھ لوگ زور زور سے میرے قریب باتیں کر رہے تھے۔

میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا وہ تعداد میں پانچ تھے اور عجیب قسم کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ بڑے قوی ہیکل اور مضبوط جسم کے لوگ معلوم ہوتے تھے ان میں سے ایک کا لباس باقی چاروں کے لباسوں کے مقابلے میں زیادہ اعلیٰ درجے کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ غالباً ان سب کا سردار تھا۔

"مجھے یہ کوئی مفرور غلام معلوم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "شاید کسی وحشی کو کھا گیا ہے۔"

"یہ فاتح تو ہو سکتا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "لیکن شکل و صورت سے غلام نہیں لگتا۔ اس کی رنگت کتنی لاجواب ہے اور جسم کتنا خوبصورت ہے۔"

"غلاموں کے سر پر کیا سینگ لگے ہوتے ہیں؟" اس شخص نے جو سردار معلوم ہوتا تھا، کہا۔ "کیا غلام خوبصورت اور جسیم جسموں کے مالک نہیں ہو سکتے؟ اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے، اور یہاں اس وقت کیا کر رہا ہے۔"

ان میں سے دو آدمی اپنے گھوڑوں سے نیچے اترے اور میرے قریب آ کر مجھے غور سے دیکھنے لگے میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"میں تمہارا دوست ہوں اور آرام کر رہا ہوں۔" میں نے بھی اپنی ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

یہاں میں یہ بتا دوں پروفیسر کہ یہ لوگ ان کی تاریخ کا ایک حصہ تھا۔ جب انسان کو غلام بنانا ایک عام سی بات تھی صرف بیرونی ملکوں سے غلام لائے جاتے تھے۔ بلکہ اندرون ملک ہی لوگ کبھی غلام بنا لیا جاتا تھا اور انہیں ساری زندگی اپنے آقا کی خدمت میں گذارنی پڑتی تھی۔ سمندر میں بڑے بڑے جہازوں کی تلاش میں گھومتے رہتے تھے اور ادھر سے لوگوں کو پکڑ کر یا طاقت اسیر کر کے غلام بنا لیا جاتا تھا اور جہازوں میں لاد کر دور دراز کے ملکوں میں فروخت کر دیا جاتا تھا۔ ہتھیار بند لوگوں کے گروہ ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے اور اکا دکا لوگوں کو پکڑ کر انہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے اور غلاموں کے کسی تاجر کے ہاتھوں انہیں فروخت کر کے ملک سے باہر بھجوا دیتے تھے یونان کے غلاموں کی المناک زندگی سے متعلق بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات میرے سینے میں محفوظ ہیں جنہیں میں پھر کبھی سناؤں گا۔

میں ان لوگوں کو کچھ کچھ پہچان رہا تھا۔ یہ لوگ اپنے تیوروں سے مجھے مشکوک نظر آ رہے تھے۔ ان کا تعلق شاید غلاموں کی تجارت سے تھا اور یہ اکا دکا لوگوں کو پکڑ کر غلام بنایا کرتے تھے۔ میری سوئی ضعف نہیں نکلی۔

"یہ بندر بھی لگتا ہے اور حاضر جواب بھی یقیناً اس نے کسی اچھے ماحول میں زندگی گزاری ہے۔" کافی بڑی رقم دے جائے گا۔" سردار نے اپنے قریب کھڑے ہوئے سوار سے مخاطب ہو کر کہا۔" اس کی زبان اور لب و لہجہ بھی صاف ہے۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو اور یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو؟" میں بار سردار نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"تمہارے سوال کے دوسرے حصے کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں اور پہلے حصے کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ دراصل یہ بھی پروفیسر کہ میں نے اپنی زندگی کے کافی دن کسی نہ کسی صورت میں غلام بن کر گزارے تھے اور اب فی الحال میں دوبارہ غلام بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں کافی عرصہ افلیٹس کی غلامی میں رہا تھا، پھر مجھے شاکانہ نے "عزیز" دیا اور میں نے غلامی کی زندگی کے کافی تجربات حاصل کر لئے۔ اگرچہ فی الحقیقت کہیں بھی میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا گیا جو سرزمین یونان پر غلاموں کے ساتھ کیا جاتا تھا، لیکن اب میں اس زندگی کو دوبارہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"بڑے مغرور معلوم ہوتے ہو۔" سردار نے کہا۔ "کچھ کام دھندا بھی جانتے ہو یا فن سپہ گری سے واقف ہو؟"

"جب میں تمہارے پاس اس درخواست کے ساتھ آؤں گا تو مجھے اپنی ملازمت میں قبول کر لو۔ اس وقت تم مجھ سے یہ سارے سوالات پوچھ لینا۔" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت گھوڑا تیار کرو اور اپنا راستہ لو۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" سردار نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم اس وقت کس سے گفتگو کر رہے ہو۔ میرا تعلق اس علاقے کے سب سے طاقتور لوگوں سے ہے۔ ہم جیسے لوگ میری دولت ہیں ضخامت کا سبب بنتے ہیں یہاں سے زیادہ دور نہیں جہاز ایک ویران ساحل پر لنگر انداز ہے جس میں تمہارے جیسے بہت سے جانبند موجود ہیں اب تم اس سرزمین کو دوبارہ نہیں دیکھ سکو گے مجھے اب مزید تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ تنہا تمہاری قیمت دس عام غلاموں کی قیمت سے بھی زیادہ ہو گی بڑا خوبصورت بدن ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر وہ بڑے زور سے ہنسا اس کا قہقہہ بڑا خوفناک تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے برابر کھڑے ہوئے شخص کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پروفیسر اس شخص نے اس قدر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ مجھ پر چال پھینکا کہ چیخ تک نہ نکل سکی۔ اور پھر مجھے اندازہ ہوا کہ میرے جسم کا اوپری حصہ رسیوں کی مضبوط ڈوریوں میں جکڑا جا چکا ہے میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے کھڑے ہوتے ہی جال نے میری ٹانگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا سردار کے ساتھی کے ہاتھ کی ایک جنبش نے میری ٹانگوں کی آزادی بھی چھین لی۔ اب میں مچھلی کی طرح جال میں پھنسا ہوا تھا۔

"تمہاری بدزبانی کی سزا کے طور پر میں تمہیں قتل بھی کر سکتا تھا۔" سردار نے حقارت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا۔ "لیکن میں بنیادی طور پر ایک کاروباری آدمی ہوں، اور کاروبار کا پہلا اصول یہ ہے کہ جذبات کو عقل پر غالب مت آنے دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک کیا بہ قسم کے غلام ہو اور میں تمہاری بہت زیادہ قیمت وصول کر سکتا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں مارنے کے بجائے گرفتار کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

پروفیسر میں گرچہ بات تو چند لمحوں میں بہ سانی ختم ہو سکتا تھا۔ بھلا ایک میری یہ ڈوریاں میری آزادی کی راہ میں کیا رکاوٹ بن سکتی تھیں ایک بار تو میرا جی چاہا کہ انسانوں کی تجارت کرنے والے ان بد دماغ فروشوں کو یہیں جہنم واصل کر دوں اور خود کہیں آگے نکل جاؤں لیکن پھر فوراً میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سردار نے اپنے جہاز کا ذکر کیا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ایک ویران ساحل پر کھڑا ہوا ہے اور جس میں بہت سے غلام موجود ہیں میں نے ان لوگوں کو زیادہ بڑی اور زیادہ کڑی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ میں نے خود کو حال سے آزاد کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

سردار کے ساتھی نے ڈوری کھینچی اور جال کو میرے جسم کے گرد اور زیادہ سختی کے ساتھ کس دیا۔ میرے دونوں بازو پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور دونوں ٹانگیں بندھی ہو کر اس میں جڑ گئی تھیں۔ میں زمین پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اپنی مرضی سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا۔

میرے قریب کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں نے سردار کے اشارے پر مجھے دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور پھر انہوں نے مجھے اٹھا لیا۔ میرا وزن کوئی غیر معمولی نہیں تھا۔ تم تو دیکھ ہی رہے ہو پروفیسر میری جسامت ایک عام صحت مند انسان کی جسامت سے زیادہ نہیں ہے انہوں نے مجھے اٹھا کر گھوڑے کی پیٹھ پر لادا اور پھر اچھی طرح سے مجھے گھوڑے کے جسم کے ساتھ باندھ دیا تاکہ میں گر نہ سکوں۔ سردار نے اپنا گھوڑا بڑھا لیا اور باقی چاروں آدمی بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے جس گھوڑے پر مجھے لادا گیا تھا وہ درمیان میں تھا اور تب پروفیسر میں نے فیصلہ کیا کہ اب ان کو کڑی سزا ملنی ہی چاہیئے اور اس کے لئے میں نے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا۔

راستے میں ان لوگوں کی آپس کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہمہ دار جس کا نام رفاس ہے۔ غلاموں کا ایک بین الاقوامی تاجر ہے اور کئی بڑے بڑے جہازوں کا مالک ہے۔ اس کے جہاز دنیا میں ہر جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور اس کے مسلح کارندے ہر جگہ سے انسانوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے ہیں اور انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ پھر ان غلاموں کو جہازوں کے ذریعے ان کے اصل وطن سے ہزاروں میل دور پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کو، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کبھی زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکتے اور انہی سرزمینوں پر، انہی لوگوں کے درمیان اپنی دکھ بھری زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بردہ فروشوں کا یہ گروہ زنجیلا میں غلاموں کی تلاش میں آیا تھا۔ لیکن زنجیلا میں ہونے والی اچانک سیاسی ہنگامہ آرائیوں کے پیش نظر یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ رفاس اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ فتیر نے قزاقوں کی مدد سے زنجیلا کی حکومت پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن دراصل اس کا سہرا ایک ایسے بڑے سرمایہ شخص کے سر ہے جس کے بارے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے لیکن وہ شخص حیرت انگیز اور غیر انسانی قوتوں کا مالک ہے۔ سنا ہے کہ اس پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ سارے جزیرہ میں اس شخص کے جن کی کارستانیوں کا تذکرہ ہے۔ پکے پکے لوگ بھی اس کی شجاعت کے قصے بیان کرتے ہیں۔

"اگر وہ شخص ہمیں تنہا مل جاتے تو ہم ان سے ایک سے" رفاس نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"لڑتا وہ شاید ہر شخص کا قصہ بنا دیتے۔ لیکن ہم لوگوں نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

میں ان لوگوں کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ ان بے وقوفوں کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ وہ ایک غلام کو نہیں بلکہ اپنی موت کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔

ویرانوں اور جنگلوں سے گزرتا ہوا ہمارا چھوٹا سا قافلہ شام تک سفر کرتا رہا۔ راستہ بہت اچھے رہ گیا تھا وہ دودی بھی اب بہت دور رہ گئی تھی، جہاں میں نے قیام کیا تھا۔ جہاں سے مجھے گرفتار کیا گیا تھا اور جہاں سے ان نئے واقعات کی ابتداء ہوئی تھی جس سے میں دن گھوڑے کی پیٹھ پر پڑا رہا تھا۔ اس دوران انہوں نے صرف ایک بار مجھے ایک برتن سے پانی پلوایا تھا۔ برتن ایک بردہ فروش کے ہاتھ میں تھا جس کو اس نے میرے منہ سے لگا دیا تھا اور میں نے اس طرح بے تاب ہو کر پانی پیا گویا میں سخت پیاسا تھا اور بغیر پانی کے مرا جا رہا تھا۔ دراصل پیروں پر میں انہیں اپنے بارے میں ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں کوئی غیر معمولی انسان ہوں۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پورے زنجیلا میں اس غیر معمولی انسان کے بعنی میرے چرچے تھے اور ان بردہ فروشوں نے بھی میرے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ میں انہیں وقت سے پہلے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کھانا کھانے کے دوران اور اس کے بعد بھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ غالباً میری ذات میں ان کی دلچسپی اب ختم ہو گئی تھی۔ ویسے بھی ایک غلام سے انہیں صرف اسی قدر دلچسپی ہونی چاہیے تھی کہ وہ کتنی قیمت لائے گا۔ اور انہیں یقین تھا کہ میری اچھی قیمت ملے گی۔ پھر بھلا اس بارے میں زیادہ سوچنے یا گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے میرے جسم کے گرد بندھے ہوئے چمڑے کے بندھن کو اچھی طرح معائنہ کیا۔ اس کی ڈوریوں اور پھندوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ میری کمر میں بندھی ہوئی ڈوری کو کھینچ کھینچ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ اور درخت کے ساتھ بندھے ہوئے اس کے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا۔ وہ لوگ سونے سے پہلے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ میں جال کی ڈوریاں توڑ کر راہ فرار اختیار کر لوں۔

اپنے طور پر پورا اطمینان کر لینے کے بعد وہ لوگ آرام سے لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی اچھی طرح کھلا پلا کر درختوں سے باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد ان میں سے چار لیٹ گئے اور ایک کھڑا ہو گیا۔ یہ پہرے کا نظام وضبط کے عادی اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ایک پہر رات گزر گئی اور اس دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ پہرہ دینے والا شخص گاہے گاہے مجھ پر نظر ڈال لیتا تھا۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش تھا۔ لیکن پہرہ دینے والے شخص کو یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی تھی کہ میں کس سے باتیں کر رہا ہوں۔ گزرے ہوئے دنوں کی باتیں، آنے والے زمانوں کی باتیں۔ حال کی باتیں۔ میرے سر پر تنی ہوئی سیاہ آسمان کی چادر میں ہزاروں ستارے جگمگا رہے تھے اور میں اپنے گرد وپیش سے بے خبر ہو کر اپنے پرانے دوستوں سے خاموشی کے ساتھ محو کلام تھا۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد پہرے دار نے اپنے ساتھی اور ساتھی کو جگا دیا اور خود آرام کرنے کے لیے سو گیا۔ اس کی ڈیوٹی آ گئی تھی۔

ابھی دوسرے پہر یدار کی ڈیوٹی کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ یکایک میرے حساس کانوں میں سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ پہرے دار کے بے فکری کے انداز سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس نے یہ آواز سنی ہے۔ میں نے اسے اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ سرسراہٹ کی آواز قریب آ رہی تھی۔

اور تب اچانک پہر یدار اپنی جگہ سے اچھل کر دور جا گرا۔ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک سانپ ٹھیک اس جگہ موجود تھا جہاں چند لمحے پہلے وہ پہر یدار کھڑا ہوا تھا۔ سانپ اب تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے جسم میں صرف میری ٹانگیں حرکت کرنے کے قابل تھیں اور پہر یدار کے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں تھی، جس سے وہ سانپ کو ہلاک کر سکے۔ گھبراہٹ میں جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کوئی پتھر وغیرہ تلاش کر سکے۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی تلوار موجود تھی، لیکن ظاہر ہے تلوار اس وقت کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سانپ اگلے ہی لمحے میرے سینے پر چڑھ آیا۔

میں پہر یدار کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سانپ مجھے کاٹ بھی لیتا تو میرا کیا بگڑ سکتا تھا۔ مگر یہ اپنی خفیہ قوتوں کے مظاہرے کا مناسب وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے لیٹے ہی لیٹے تیزی سے اس طرح پٹھا کھینچا کہ سانپ میرے سینے کے نیچے دب کر رہ گیا۔ پہر یدار حیرت اور خوف کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید یقین تھا کہ اب میں زندہ نہیں رہ سکوں گا اور زہریلا سانپ ضرور مجھے ڈس لے گا۔ میں ذرا دیر تک اسی عالم میں پڑا رہا اور سانپ میرے پتھر جیسے سینے کے نیچے دب کر بالکل بے بس ہو گیا۔ وہ ایک بار بھی جنبش نہ کر سکا اس کی دم کی طرف کا کچھ حصہ آزاد تھا جسے اس نے دو ایک بار رگڑا۔ پھر اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کے بعد میں سیدھا ہو گیا۔ مرجھایا سانپ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ پہر یدار میرے قریب آیا اور غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔ میں مسکرا دیا۔

"تم زندہ ہو۔ تمہیں سانپ نے کاٹا تو نہیں؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "قبل اس کے کہ وہ مجھے کاٹتا میں نے اس کا بھرتہ بنا دیا۔"

"تم واقعی بڑے عجیب وغریب آدمی ہو۔ بہت ہی بہادر اور غیر معمولی۔" اس نے کہا۔ "کیا تمہیں بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"اگر میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوتا تو تمہیں ضرور بتا دیتا۔" میں نے جواب دیا۔

پہر یدار خاموش ہو گیا۔ رات گزرتی گئی اور ان چاروں نے باری باری پہر دیا۔ سرد اور ساری رات سوتا رہا۔ صبح کو رات والے پہر یدار نے سرد کو جگایا تو سانپ دکھایا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ سرد بہت متحیر ہوا اور اس نے میرے کارنامے سے خوش ہو کر میرے حال پر یہ عنایت کی کہ مجھے رات کا بچا ہوا کچھ گوشت دیا۔ جسے لینے سے میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

ذرا دیر بعد تازہ سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد جنگل کے گھنے پن میں کمی آ گئی اور زنجیلا میدان شروع ہو گیا۔ اب دور سے سمندر کا چمکتا ہوا پانی نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس تک پہنچنے کے لیے ابھی کافی دیر طے کرنا تھا۔ ہم لوگ اسی طرح چلتے رہے اور سمندر نزدیک آتا گیا۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک جہاز کے دھندلے دھندلے نقوش بھی نظر آنے لگے۔

یہ واقعی ایک وسیع ساحل تھا۔ دور تک، میلوں تک کسی شناسا کا پتہ نہیں تھا۔ سمندر کا یہ حصہ جہازوں اور کشتیوں سے بالکل خالی تھا۔ دراصل یہ ایک چھوٹی سی خلیج تھی، جو کافی اندر تک چلی گئی تھی۔ یہاں میلوں میل تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ رفاس نے اپنے جہاز کو لنگر انداز کرنے کے لیے یقیناً بہت محفوظ جگہ تلاش کی تھی۔ یہاں اس کا جہاز کئی مہینوں تک بھی لنگر انداز رہتا تو کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔

ہم لوگ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ارفاس اور اس کے دو ساتھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ ارفاس نے جہاز کی طرف گھوڑا بڑھایا۔ وہیں سے اس نے دیکھا کہ جہاز کے ساتھ بندھی ہوئی ایک بڑی سی کشتی کو کھولا جا رہا ہے۔ ذرا دیر بعد وہ کشتی ہمارے پاس پہنچ گئی۔ اور نو ملاحوں میں سے سردار سمیت چار آدمی کشتی میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ میں لے لیا تھا۔ ایک آدمی گھوڑوں کے ساتھ ساحل پر رہ گیا۔

ہم لوگوں کو جہاز پر پہنچانے کے بعد کشتی فوراً ہی واپس چل گئی اور ذرا ہی دیر میں پانچویں آدمی کو اور پانچ گھوڑوں کے ساتھ لے کر لوٹ آئی۔ گھوڑوں کو بھی جہاز میں سوار کرا لیا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا جہاز تھا۔ لیکن اس میں مسافر نہیں تھے۔ عملے کے افراد کے علاوہ اس میں بڑی تعداد میں ارفاس کے مسلح سپاہی تھے اور جہاز کا ایک بہت بڑا حصہ غلاموں سے بھرا ہوا تھا۔

مجھے بھی ان غلاموں میں شامل کر دیا گیا اور میرے جسم پر سے نیم کے جال کو کھول کر مجھے نیچے کی مضبوط زنجیر پہنا دی گئی۔

میں ان غلاموں کی حالت زار کیا بتاؤں پروفیسر تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ اس زمانے میں غلاموں کے ساتھ مویشیوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان غلاموں کی تعداد کئی سو کے لگ بھگ تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں اور بچے بھی۔ سارے مرد اور ساری عورتیں جوان تھیں۔ بوڑھے غلاموں کا اس زمانے میں کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بوڑھے غلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ محنت اور کام کرنے کے قابل نہیں ہوا کرتا تھا۔ غلاموں کی اکثریت بوڑھا ہونے سے پہلے ہی مر جاتی تھی اور اگر کوئی اتفاق سے بوڑھا ہو جاتا تھا تو ساری سختیاں جھیلنے اور غیر انسانی حالات میں زندگی گزارنے کے باوجود بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جاتا تھا تو کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوتا تھا اور اسے مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اکثر تو آقا اپنے بوڑھے غلاموں کو خود ہی ہلاک کر ڈالتے تھے بھی جوان غلاموں کا ہوتا تھا۔ کسی غلام کا بیمار ہو جانا اس کے لیے موت کا علامت تھی۔ کیونکہ بیماری کے بڑھنے کی صورت میں ایک خود ہی اسے ختم کر دیتے تھے۔ بیمار غلام کے دوا علاج و تیمارداری کے لیے کسی کے پاس وقت تھا نہ پیسہ۔

جہاز کے نیچے ایک بڑا سا تہ خانہ بنا ہوا تھا۔ بہت بڑا۔ ارفاس میں غلاموں کو جانوروں کی طرح بھر دیا گیا تھا۔ مجھے جب یہاں زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا تو سخت تعفن کی وجہ سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ میرے چاروں طرف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر تھے اور یہ تعفن سڑتے ہوئے فاقہ زدہ یا بیمار مردوں اور عورتوں کی بو کا تھا جس میں بہت سے بچے بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے جسموں پر سیاہ بس کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں اور سخت بدبو اٹھ رہی تھی۔ نہ جانے ان لوگوں سے نہانے کا موقع حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ جہاز کے سخت لکڑی کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں کے نیچے کوئی بستر نہیں تھا۔ ان کے بال اور ناخن بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر کانپ اٹھا اور میرے دل میں بردہ فروشوں کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ میری آمد پر تمام غلاموں کی توجہ میری جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھنے لگے۔ میرے جسم کی سفید اور میری آنکھ رنگت انہیں بہت متاثر کر رہی تھی۔

میں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک موجود غلاموں پر نظر دوڑائی۔ ان میں مجھے مختلف قوموں اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے مرد اور عورت نظر آئے۔ ان میں سیاہ فام حبشی بھی شامل تھے اور سفید فام یورپی بھی، کئی ایک چینی ناک اور پیلی رنگت والے منگول نسل کے لوگ بھی تھے اور گندمی رنگت والے۔ سانولے سلونے ہندوستانی بھی نہ جانے کہاں کہاں سے انہیں پکڑ کر یہاں لایا گیا تھا۔ قسمت ان بے چاروں کو نہ جانے دنیا کے کن کن گوشوں سے یہاں کھینچ لائی تھی۔

جو مسلح سپاہی مجھے گرفتار کر کے تہ خانے میں لائے تھے۔ انہوں نے ایک دھکے کے ساتھ مجھے ان لوگوں کی طرف بھیج دیا۔ باقی سارے غلاموں کی طرح میرے ہاتھ پیروں میں بھی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ میں لڑکھڑاتے ہوئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ جس جگہ میں گرا وہاں ایک نوجوان سیاہ فام عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کی آنکھوں میں ساری دنیا کی ویرانیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس عورت نے بڑے اپنائیت کے انداز میں مجھے تھاما۔ زنجیر ہستہ ہاتھوں سے سہارا دیا۔ سیدھا بٹھانے لگی۔ ان کی اس ہمدردی پر میرا خون کھول گیا۔ میں چاہتا تو نہیں تھا مگر میں بھی بے اختیار ہو کر اس عورت کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے اپنا سر جھکا لیا گویا میں بہت دکھی اور مغموم ہوں۔ سارے غلام خوفزدہ بھیڑ بکریوں کی طرح سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چابک لہرا رہے تھے۔

سپاہی مجھے تہ خانے میں پھینک کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بہت سے غلام اپنی جگہوں سے چل کر میرے پاس آ گئے اور مجھ سے مختلف قسم کے سوالات پوچھنے لگے۔ یہ لوگ ٹوٹی پھوٹی زبانیں بول رہے تھے لیکن میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میں ان سب کی زبانیں بخوبی سمجھتا تھا میں نے ان کے سوالات کی وجہ کے جواب میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ میں بھی ان کی طرح ان بردہ فروشوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوں۔ لیکن مجھے اپنی آزادی سے محبت ہے، میں نے دیکھا، پروفیسر کہ آزادی کے نام پر ان کی آنکھوں میں ایک عزم ناک چمک پیدا ہوئی جو فوراً ہی مدھم ہو گئی۔ بھلا آزادی سے کون محبت نہیں کرتا ہے۔ میں نے دیکھا پروفیسر کہ ان میں سے ہر ایک کی پرسنل ہسٹری کوڑوں کی عزیزوں کے لمبے نشانات موجود تھے۔ ان میں سے بعض نشانات تو اس قدر تازہ تھے کہ ان میں سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو بڑی ہی بیدردی سے کوڑے مارے جاتے تھے۔ میں اس دردناک منظر

سے بہت متاثر ہوا اور میں نے طے کر لیا کہ ان بردہ فروشوں کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ ہمیشہ اسے یاد رکھیں گے۔

جو سیاہ فام عورت میرے قریب بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا نام کاواسا بتایا۔ اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ان غلاموں میں سے بہت سے پہلے سے غلام ہیں اور انہیں ارفاس نے مختلف مقامات سے خریدا ہے۔ تاہم کثرت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں بیدردی طرح پکڑ کر یہاں لایا گیا تھا۔ کاواسا کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ اس نے سپاہیوں سے سنا ہے کہ انہیں صرف ارفاس کی واپسی کا انتظار تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ کوچ کر جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شاید دو روز میں جہاز یہاں سے روانہ ہونے والا تھا اور مجھے اس سے پہلے کام کر لینا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں سے روانہ ہونے کے بعد جہاز کی اگلی منزل کون سی ہوگی اور وہاں تک پہنچنے میں کتنا عرصہ لگے گا۔ لیکن اتنے عرصے تک زبردستی غلامی کی زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجھے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے پہلے میرے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ لیکن میں نے اسے نہیں بتایا کہ بردہ فروشوں نے مجھے نیلا کے قریب سے گرفتار کیا ہے جو ریاست نیلا کی فوج کا ایک سپاہی ہوں۔

ہاتھوں میں کوڑے لیے پہریدار برابر ہماری نگہداشت کر رہے تھے اور جب مرضی جس غلام کو چاہتے۔ اس کی بیٹھک پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے۔ اس کے لیے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں تھی بردہ فروش سے پیشتر دیکھتا رہا۔ شکر ہے کہ اس دوران کسی پہریدار نے میری پیٹھ کو نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔

دن پھر گزر گیا اور شام ہو گئی۔ تہ خانے میں پھیلی ہوئی نیم تاریکی میں بدلنے لگی۔ دن بھر غلاموں کو کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا تھا۔ کاواسا نے مجھے بتایا کہ ان لوگوں کو چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا ہے۔ شام کے وقت اور وہ بھی اتنا کم ہوتا ہے کہ بمشکل کسی ذی روح کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ مسلسل نیم فاقہ کشی کا شکار ہیں۔

میں نے دل ہی دل میں سارا منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔ اس وقت کاواسا کے علاوہ میری اور کسی سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تھی اور اس کا خیال تھا کہ میں اسے اپنا منصوبہ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ کوئی بھی انسان اسے محض پاگل پن ہی قرار دیتا۔

رات گہری ہوتی گئی اور اندھیرا بڑھتا گیا۔ تہ خانے میں اس وقت بھی دو پہریدار موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے غلاموں کی جانب سے کسی قسم کی بغاوت کا خطرہ نہ تھا اس لیے دو پہریدار بھی ضرورت سے زیادہ ہی تھے۔

میں کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ اوپر سے آنے والی آوازیں آہستہ آہستہ مدھم پڑ کے رک گئیں اور چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ پہریداروں نے تہ خانے میں ایک شمع روشن کر دی تھی جس کی نیم مردہ روشنی میں ہر چیز دھندلی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن تہ خانے کے وہ گوشے جو شمع سے دور تھے، تقریباً مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے ذرا دیر بعد دونوں پہریدار بھی خراٹے لینے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔

میں نے ایک نظر غلاموں کے جم غفیر پر ڈالی۔ زیادہ تر لوگ فرش پر لیٹ کر سو گئے تھے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو جاگ رہے تھے اور ان جاگنے والوں میں کاواسا بھی شامل تھی جو میرے قریب ہی آنکھیں کھولے ہوئے لیٹی تھی۔

"کاواسا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے؟"

"اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔" کاواسا نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "میرے لیے جاگنا یا سونا برابر ہے۔ میں صرف اس وقت تک کے لیے جب تک کہ ہم اس جہاز پر موجود ہیں۔ اس کے بعد دیکھو ہماری تقدیر میں ہمیں کہاں لے جائیں۔"

"ہماری تقدیر میں کیا یہ فیصلہ کہ آج کی رات ہماری غلامی کی آخری رات ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا اور آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے جسم سے بندھی ہوئی زنجیریں زور سے بج اٹھیں لیکن یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی جو پہریداروں کی نیند خراب ہوتی۔

میرے ان الفاظ نے کاواسا کو ایکدم حیران کر دیا اور میرے اس طرح اٹھ جانے سے وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

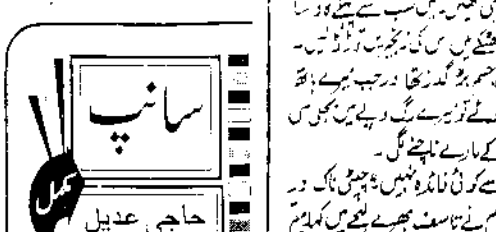
"تم کیا کرنے جا رہے ہو..... تم..... اف..... تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔" اس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔

"میرے نام کی فکر مت کرو۔" میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا اور خاموشی سے دیکھتی رہو کہ میں کیا کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے جسم کو آہستہ سے جھٹکا دیا کہ زور کی آواز پیدا نہ ہو۔ لیکن اتنا ہی جھٹکا کافی تھا اور آہنی زنجیریں موسم کے ٹکڑوں کی طرح کٹ کر میرے جسم سے جدا ہو گئیں۔

"تم حیرت انگیز ہو....." کاواسا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ "تم یقیناً کوئی جادوگر ہو۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کئی غلاموں نے جو ہمارے قریب تھے باجاگ رہے تھے۔ ہماری کھسر پھسر سن لی اور وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ مجھے آزاد دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پہریداروں کی طرف بڑھنے لگا۔ بردہ فروش پہریداروں کی یہ نیند ان کی زندگی کی آخری نیند ثابت ہوئی اور میرے ہاتھوں کی ایک معمولی جنبش نے انہیں قید حیات سے نجات دلا دی۔ ان کے مردہ جسم تہ خانے کے سرد فرش پر لڑھک گئے۔

[illegible]



اس کے بعد ہوا کا سرد میں نے یہ کہا کہ تہ خانے کے بھاری چوکور دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب بہت سے لوگ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے منہ سے حیرت بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں سب سے پہلے وہ سیڑھی کے قریب آیا، جو میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کی زنجیریں توڑ ڈالی تھیں۔ اس فاتر کشی کے عالم میں بھی اس کا جسم بڑا گداز تھا۔ قریب میرے ہاتھ اس کے نیم برہنہ بدن سے مس ہوئے تو میرے رگ و پے میں بجلی سی دوڑ گئی۔ کالا سا تاریک کر خوشی کے مارے ناچنے لگی۔

"کوئی فائدہ نہیں، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" چپٹی ناک والے زرد رنگت والے ایک پستہ قد غلام نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ "ہم نے پہریداروں کو ہلاک کر کے دراصل ہم سب کو ہلاک کر دیا ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے، خواہ تم اپنے عمل کے ذریعے ہم سب کی زنجیریں ہی کیوں نہ کھول دو۔"

"ایسا نہیں ہوگا میرے دوست۔" میں نے اس کی زنجیریں توڑتے ہوئے کہا۔ "اپنے حوصلے بلند رکھو، ہم ان ظالموں کو نیست و نابود کر دیں گے۔" وہ حیرت سے اپنے آزاد جسم کو دیکھنے لگا۔

میں نے ایک ایک کر کے سارے غلام مردوں اور عورتوں کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ ان میں سے بیشتر کی نگاہوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔ میں ان کی صورتحال کا اندازہ ان کی آنکھوں سے لگا سکتا تھا۔ ان میں سے کچھ مجھے غیر معمولی طور پر بہادر سمجھ رہے تھے۔ کچھ کے خیال میں میں جادوگر تھا اور کچھ مجھے بہروپیا سمجھ رہے تھے۔

"تم نے یہ سب کچھ کیسے کر دیا؟" ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔

میں نے برسوں لوہے کی زنجیریں توڑنے کی مشق کی ہے اور میرے بازوؤں میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ میں موٹی سی موٹی زنجیر کو بھی توڑ سکتا ہوں۔" میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"ناممکن، بالکل ناممکن۔" طرح طرح کی بڑبڑاہٹیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ "بڑے بڑے سورما لوہے کی زنجیریں نہیں توڑ سکتے۔ تم نے کیسے توڑ دیں؟"

"یہ وقت اس بحث میں الجھنے کا نہیں ہے۔" میں نے بات کو ختم کرنے کی غرض سے کہا۔ "اب میری بات غور سے سنو۔ ہمیں چار پر موجود سپاہیوں اور پہریداروں سے مقابلہ کرنا ہے۔ اپنی آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی تمہیں ضرور دینی ہوگی۔ تم سب مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"ناممکن۔ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام نے کہا۔ وہ اپنے جسم کے لقوے کے عیب سے بدنما معلوم ہوتا تھا۔

"اوپر دیکھو۔" میں نے لوہے کی زنجیروں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم میں تمہارے ہتھیار جو ابھی کچھ دیر پہلے تک تمہارے جسموں کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ یہ شخص اپنے جسم سے الگ ہونے والی زنجیروں کے لمبے لمبے ٹکڑے اٹھا لے اور ہر پہریدار پر ٹوٹ پڑے۔ باقی لوگ اس کا ساتھ دیں۔ ہم ان ظالموں کو نیست و نابود کر دیں گے۔"

میں نے ان کا راستہ روک دیا۔

اور پھر ایک ہنگامہ مچ گیا۔ زبردست چیخ و پکار کا بازار گرم ہو گیا۔ باہر سے سپاہیوں اور پہریداروں کی ایک بھاری مسلح تعداد تہ خانے میں داخل ہوئی تھی۔ میں نے غلاموں کو ہوشیار ہو کر حملہ کرنے کی تلقین کی اور خود لمبے چوڑے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں اگر چاہتا تو ان سب سے تنہا بھی نمٹ سکتا تھا۔ اور ان میں سے کوئی ایک شخص بھی زندہ بچ کر واپس نہ جاتا۔ لیکن میں غلاموں کو یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ یہ جنگ انہوں نے مشترکہ جدوجہد کے ذریعے جیتنی ہے تاکہ ایک حرت تو میری شخصیت کا راز پوری طرح منکشف نہ ہونے پائے اور دوسری طرف غلاموں کو اس معرکے کا ایک حصہ سمجھیں۔ چنانچہ میں نے بہت سے مسلح سپاہیوں کو اندر جانے دیا۔ اور جیسے ان میں کود پڑا جو میرے قریب تھے۔ ہنگامہ زور کی مچ گئی۔ غلاموں کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں جنہیں وہ پوری قوت کے ساتھ گھما رہے تھے۔ اور جو سپاہی بھی ان کی زد میں آ جاتا تھا، آن کی آن میں اس کا چہرہ ادھیڑ کر گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر بن جاتا تھا۔ میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ اس معرکے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں۔ کوئی عورت ایسی نہ تھی جو جنگ میں حصہ نہ لے رہی ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا پروفیسر کہ فاقہ کشی، لاغری اور کمزوری کے باوجود ان غلاموں کے جسموں میں جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں۔ وہ قیامت بن بن کر سپاہیوں پر ٹوٹ رہے تھے اور ان کی بوٹیاں ادھیڑ رہے تھے۔ بہت سے سپاہیوں کی تلواریں زنجیروں کی بھاری ضربات سے ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر بھاگنا چاہا لیکن وہ دروازے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کی قسمت میں اس تہ خانے میں مرنا لکھا تھا۔

پھر اوپر سے تازہ کمک آ پہنچی۔ اگر یہ سب کے سب لوگ اندر چلے جاتے تو یقیناً بہت سے غلام مارے جاتے۔ میں نے ان میں سے زیادہ تر کو دروازے پر ہی ڈھیر کر دیا اور پھر مجھے ایک کروک دار آواز سنائی دی۔

"او ذہین انسان، اپنا ہاتھ روک لے۔ میرا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ اور قبل اس کے کہ میں سنبھل سکوں۔ ارفاس کی دو دھاری تلوار پوری قوت سے میرے شانے سے ٹکرائی۔ زنار کے ٹکڑے اڑ کر دور تک بکھر گئے، جن سے ارفاس کے کئی سپاہی زخمی ہو گئے۔ میں نے پلٹ کر فاس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بھیجہ ناک کے نتھنے سے بہہ گیا۔

ارفاس کے مرنے سے لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ میں نے ہی چیخ چیخ کر پروفیسر کو یہ بتایا تھا کہ ارفاس کے سپاہیوں اور غلاموں کی تعداد میں غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ ارفاس کے آدمیوں میں سے بیشتر حصے سے لگ بھگ تھے۔ باقی سب یا تو مر گئے تھے یا شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان بچے کھچے لوگوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے اور میرے حکم کی منتظر ہو گئے۔ جو غلام نہیں رہے تھے۔ انہیں گرفتار کر کے رسیوں سے باندھ دیا۔

"تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتے دوست؟" ایک بے حد خوبصورت رنگ کی حسینہ نے آنکھیں مٹکا کر مجھ سے پوچھا۔

"تم ہی میرا کوئی نام رکھ دو۔ مجھے تو اپنا نام معلوم نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں سارو م کہوں گی۔" اس نے کہا۔ "جانتے ہو ہمارے وطن کی زبان میں اس لفظ کا کیا مطلب ہے؟" اس کا مطلب ہے بہت خوبصورت۔ "تم نے ہم سب کو اس ذہنی زندگی سے نجات دلائی ہے اس لیے تم حقیقی سارو م کہلانے کے مستحق ہو۔" سارو م کہنا شروع کر دیا۔ یہ حسینہ نے اپنا نام وتر یبا بتایا۔

غلاموں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ انہیں اس زندگی سے نجات مل جائے گی۔ وہ اپنے آقاؤں پر فتح حاصل کر لیں گے۔

تہ خانے میں ہر طرف خون، گوشت، انسانی اعضا اور ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ بہت سے زخمی کراہ رہے تھے۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس معرکے میں دس غلام مارے گئے، جن میں سے چھ عورتیں تھیں اور چار مرد۔ ارفاس کے آدمیوں کے مقابلے میں یہ نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں نے غلاموں سے دریافت کیا کہ ان میں سے کوئی زخمیوں کا علاج کرنا جانتا ہے، فوراً ہی دو آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کر دیں جو اس فن سے واقف تھے، جیسا کہ گروقار شدہ پروفیسر نے بتایا، بہت سی ادویات موجود تھیں، جو ہنگامی صورت حال کے لیے رکھی گئی تھیں۔ ادویات حاصل کر لی گئیں اور زخمیوں کا علاج شروع ہو گیا۔

سب لوگ تہ خانے سے نکل کر اوپر آ گئے۔ زخمیوں کو بھی اوپر منتقل کر دیا تھا اور تہ خانے کا بھاری مضبوط سے بند کر دیا گیا کہ اس کے اندر پڑی ہوئی لاشوں کی سی طرح چھوڑ دیا گیا۔

اب میں نے باہر جہاز کے مختلف حصوں کا جائزہ لیا۔ ارفاس کے سارے آدمی ختم ہو چکے تھے اور کچھ زخمی تھے جن کا علاج کیا جا رہا تھا۔ جہاز میں کھانے پینے کی اشیاء بہت تھیں جنہیں لے کر وہ دشمن علاقے سے گزرتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ ان سامانوں کے لیے کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ اسلحہ خانہ بھی موجود تھا جس میں کافی تعداد میں مختلف قسم کے ہتھیار موجود تھے۔ اس کے علاوہ کپڑوں اور دیگر اشیائے ضرورت کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ موجود تھا۔ مطلب یہ ہے کہ پروفیسر کا اس جہاز کا جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ ذہن میں صحیح سفر کا منصوبہ بنا کر نکلے تھے اور اسی لیے ان کے جہاز میں ضرورت کی ہر چیز کافی مقدار میں موجود تھی۔

ہم ارفاس پر فتح پا چکے تھے۔ سارے غلام آزاد ہو چکے تھے لیکن مجھے ان سب کے چہرے پر ایک ہی سوال لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیا کرنا ہے؟ میرے ذہن میں اس سوال کا واضح اور یقین جواب موجود تھا۔

اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ میری تجویز سے ضرور اتفاق کریں گے۔

میں نے ان سب کو جمع کیا اور بیٹھ کر اپنے مستقبل کے پروگرام پر غور کیا اور ان سے پوچھا کہ اب آزاد انسانوں کی حیثیت سے وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

"ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے سارنگ۔ کیونکہ تم ہمارے نجات دہندہ ہو۔" مردوں اور عورتوں کی ملی جلی آوازیں بلند ہوئیں۔

تو پھر میری بات غور سے سنو۔" میں نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہو۔ اب تم میں سے ہر ایک کا اپنے وطن واپس جانا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس ایسے وسائل موجود نہیں ہیں کہ تمہیں تمہارے گھروں تک پہنچایا جا سکے۔ قسمت نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا اتنا سامان موجود ہے کہ کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک غیر آباد اور ویران علاقہ ہے، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کی زمین اچھی ہے اور سبزے کی بہتات ہے اگر ہم محنت سے کام لیں تو ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ جگہ آبادیوں سے بہت ہی دور ہے، ہم یہاں ایک نئی بستی تعمیر کریں گے۔ کھیت اور باغات اگائیں گے۔ گھر بنائیں گے اور اپنی زندگی کے باقی دن یہاں سکون و اطمینان کے ساتھ گزاریں گے۔ تم میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی اور سب ہی جوان ہیں، تم لوگ آپس میں شادیاں کر کے اپنا گھر بسا سکتے ہو اور اولادیں بھی پیدا کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا نیا وطن ہوگا جہاں تمہیں کسی کی غلامی کا خوف نہیں ہوگا۔ اگر بستی پر کوئی آفت آئے تو ہم سب مل جل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔"

میری اس تجویز کے جواب میں ہر طرف سے تائیدی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ بعض لوگ تو خوشی کے مارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ایک آزاد زندگی کا تصور ان کے لیے بہت خوش کن تھا۔ ان لوگوں کی حالت واقعی قابلِ دید تھی جو پہلے سے غلام چلے آ رہے تھے اور جنہیں ارفاس نے دوسری منڈیوں سے خریدا تھا۔ اس ایک سفر نے ان کی تقدیریں بدل دی تھیں۔

چنانچہ ساحل سے کچھ دور رہے بھرے میدانوں کے قریب ایک چھوٹی سی نئی بستی کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ میں نے چند ہوشیار مردوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ بستی کی تعمیر کا نگرانی کرے۔ ملبے کے گودام سنبھالنے کا کام میں نے چند عورتوں کے سپرد کیا اور اسی طرح مختلف کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ اس طرح ان سب میں ایک نظم و ضبط پیدا ہوا اور وہ مل جل کر بامنا بھگی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

کھیتی باڑی کے لیے زمینیں صاف کرا لیں۔ گیہوں بونے کے لیے میں نے چند آدمیوں کو کشتی کے ذریعے روانہ کر دیا۔ پانی کی یہاں کمی نہیں تھی کیونکہ تھوڑے فاصلے پر دریا بہتا تھا جو آگے دور جا کر سمندر میں گر جاتا تھا۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر ماہی گیری بھی شروع کر دی تھی تاکہ خوراک کی قلت کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

یہ سارے کام بہت جلد ہو گئے۔ بستی میں جو گھر سب سے پہلے تعمیر کیا گیا، وہ میرے لیے تھا اور میں خود بھی ان لوگوں کے ساتھ تمام کاموں میں برابر کا شریک تھا۔ بستی کا نام مجھ سے منسوب کر کے سارنگ رکھا گیا اور میں گویا ایک طرح سے اس بستی کا سردار بن گیا۔

جب مجھے کچھ لمحوں کے بعد سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تو میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ بستی کی زیادہ تر عورتیں میری جانب مشتعل ہیں لیکن سیاہ فام حسینہ کا دلسا اور گندمی رنگ کی طرح حسینہ وترلیسا میرے لیے کچھ زیادہ ہی پُرجوش ہیں۔ وہ دونوں ہمیشہ میرے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں اور میرے التفات کی طلب گار تھیں۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خوبصورت اور پُرکشش تھیں۔ غلامی کی زندگی سے نجات اور آزاد فضاؤں میں پھلنے پھولنے سے ان دونوں کے حسن کا نکھار اپنے عروج پر تھا۔ دونوں کی دلآویزی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں ان دونوں میں سے کسے اپناؤں۔

بستی کے سارے گھر ان کو تیار ہوتے تھے رفتہ رفتہ سب ہی لوگ گھروں میں منتقل ہو گئے تھے۔ اب اطمینان اور آرام حاصل ہو جانے کے بعد شادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد کم تھی، چنانچہ دلسا کا اور ترلیسا کے علاوہ باقی ساری عورتوں کی شادیاں ہو گئیں۔ یہ دونوں شادی کے لیے تیار نہیں ہوئی تھیں اور ساری بستی کے لوگوں کو اس کی وجہ معلوم تھی۔ انہیں میرے فیصلے کا انتظار تھا۔ لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں پہلے اس بستی کو پوری طرح آراستہ اور خود کفیل بنا دینا چاہتا تھا اور میری زیادہ تر توجہ انتظامی امور کی جانب رہتی۔ اگرچہ سارے لوگ مجھے حکمراں کی طرح مانتے تھے لیکن میں نے بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں پر مشتمل ایک انتظامی ادارہ قائم کر دیا تھا جو بستی کا نظم و نسق چلا رہا تھا۔

بات یہ ہے پیرو نصر کہ مجھے یہ سارے کے سارے لوگ بہت پسند آئے تھے۔ ان بے چاروں کی زندگیاں محرومیوں اور صعوبتوں کا شاہکار تھیں اور میں نے انہیں ایک بڑے عذاب سے نجات دلائی تھی اس لیے یہ سب لوگ میرے بہت زیادہ ممنون تھے اور میری خاطر جان دینے کو بھی تیار رہتے تھے میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک طویل عرصہ اسی بستی میں گزاروں گا۔ یہاں بڑا آرام اور سکون تھا، کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی سازش نہیں، کوئی جنگ و جدل نہیں اور اب میں خود بھی کچھ عرصہ آرام و سکون کے ساتھ دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے خود کو ایک طویل عرصے کے لیے اس بستی اور بستی والوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

دلسا اور ترلیسا کے مسئلے کا حل یوں تلاش کیا گیا کہ میں نے بیک وقت ان دونوں سے شادی کر لی۔ دونوں پہلے ہی سے اس کے لیے تیار تھیں الغرض انہیں ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بستی کے سارے لوگوں نے میرے اس عمل کو سراہا۔ میں کادلسا اور ترلیسا کے ساتھ اپنے بڑے سے مکان میں رہنے لگا۔

پرو فیسر ان دنوں میری زندگی ایک عام محنت کش انسان کی طرح گزر رہی تھی اور اس میں مجھے اس قدر لطف آتا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ صبح ہوتے ہی میں بھی بستی کے تمام مردوں کے ساتھ کھیتوں یا باغوں میں کام کرنے چلا جاتا اور سارا دن محنت کرتا۔ میری بیویاں اور بیٹیوں کی دیکھ بھال کرتیں اور گھر کا کام کاج کرتیں۔ دوپہر کا کھانا ہر ایک دن وترلیسا لاتی اور دوسرے دن کادلسا۔ جب فصلوں کا موسم ہوتا اور کھیتوں میں کوئی کام نہ ہوتا تو ہم لوگ مچھلیاں پکڑنے نکل جاتے۔ اب ہمارے پاس اپنی کشتیوں کا ایک بیڑہ موجود تھا۔ ہمارے مویشیوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور کسی اچانک حملے کی صورت میں بستی کے دفاع کے لیے وافر تعداد میں ہتھیار بھی موجود تھے۔

امن و سکون کی اس فضا میں رہتے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ نہ جانے کتنے سال گزر گئے، میں تو ماہ و سال کی پابندیوں اور دن و رات سے یکسر آزاد تھا، لہٰذا میرے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن بستی کے باقی لوگ ظاہر ہے کہ معتادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے جا رہے تھے۔ نہ جانے کتنے غیر محسوس طور پر تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ بستی میں بچے پیدا ہوئے اور میری نظروں کے سامنے ہی جوان ہو گئے، جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے مرنے لگے۔ موسم بدلتے رہے، وقت گزرتا رہا۔ بستی کی زمینیں سونا اگلتی رہیں اور نئے نئے انسان وجود میں آتے رہے۔ میری دونوں بیویاں بوڑھی ہو گئیں تھیں اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔ انہیں زندگی کچھ زیادہ کی تمنا نہ تھی بے چین کیے رکھا۔ لیکن وہ یہ ارمان لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

سارنگ کی بستی والوں کے میرے بارے میں مختلف خیالات تھے بعض لوگوں کے خیال میں میری طویل جوانی کا راز کسی خفیہ دوا یا جڑی بوٹی کا کرشمہ تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ مجھے کسی دیوی یا دیوتا کی اشیرباد حاصل ہے اور بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی سادھو یا جوگی نے مجھے کوئی ایسا منتر بتا دیا ہے جو مجھے سدا جوان رکھے ہوئے ہے۔ بستی کے لوگ چونکہ مختلف مذہبی عقائد کے حامل تھے اس لیے ان کی سوچ بھی جدا جدا تھی۔ تاہم میرے بارے میں ان میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ وہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور وقت آنے پر میرے لیے جان دینے کو تیار تھے۔

اس طویل عرصے کے دوران کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا تھا کہ جس نے مجھے اپنی غیر معمولی جسمانی قوت کا مظاہرہ کرنا پڑا ہو۔ ارفاس کے کارندوں سے جنگ کے بعد ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ اور پھر اچانک ایک دن یہ سکون غارت ہو گیا۔

بات یہ تھی کہ اپنی خوشحالی اور زرخیزی کے سبب سارنگ کی بستی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ ایک نسل کی زندگی کے دوران سارنگ نے ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کی تھیں۔ یہ یہاں کی زمینیں سونا اگلتی تھیں، باغوں میں طرح طرح کے پھلوں کی افراط تھی۔ ماہی گیری بڑے پیمانے پر ہوتی تھی اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلے موجود تھے ان ساری باتوں کی خبریں دور و نزدیک پہنچ رہی تھیں۔ بستی کے لوگ باہر آتے جاتے رہتے تھے اور مجھے ان کی زبانی یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ بہت سے ہمسروں، سرداروں اور حکمرانوں کی للچائی ہوئی نظریں سارنگ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ میں اس صورتِ حال سے باخبر تھا اور اسی لیے میں نے بستی کے تمام مردوں کو وسیع پیمانے پر جنگی تربیت دی تھی، وہ سب کے سب بہادر تھے اور نڈر لوگ تھے اور مجھے یقین تھا کہ وقت پڑنے پر وہ سارنگ کا بخوبی دفاع کر سکیں گے۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں تھی۔

وہ ایک سرد اور تاریک رات تھی۔ سارنگ کے تمام لوگ اپنے اپنے آرام دہ گھروں میں گرم بستروں میں سوئے پڑے تھے۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا اور ہر طرف سناٹے کا عالم تھا۔ سارنگ کے کتوں نے اچانک بھونکنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی اور ان کی ہنہناہٹوں کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

میں بجلی کی سی تیزی سے اپنے بستر میں سے نکلا۔ لپک کر میں نے اپنے سرہانے رکھی ہوئی تلوار اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ چاند نی رات تھی اور ہر طرف جاڑے کی سفید سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن میری آنکھیں جو منظر دیکھ رہی تھیں، وہ بڑا بھیانک تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے سارنگ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ بے دریغ مکانوں کو آگ لگا رہے تھے۔ ان بزدلوں نے سارنگ پر شب خون مارا اور اس کے باشندوں کو غفلت میں جا لیا تھا۔ سارنگ کے جوان بھی تیزی سے مسلح ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل رہے تھے، لیکن ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ وہ گھروں کو آگ سے بچائیں یا حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ تاہم وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے، خواتین اور بچے اور بوڑھے گھروں کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور مردوں نے حملہ آوروں کو روکنا شروع کیا۔

میں خجم اجل بن کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا اور انہیں بے تحاشہ گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں نے ان کی بڑی تعداد کا صفایا کر دیا۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر گھیر کر بڑی شد و مد سے حملے کر رہے تھے، لیکن ان کے ہتھیار میرے جسم سے ٹکرا کر کند ہو جاتے تھے۔ اور دوسرے لمحے وہ خود ہی لقمۂ اجل بن جاتے تھے۔ بستی کے جوان بھی حیرت کے ساتھ میرے جنگ کرنے کے انداز کو دیکھ رہے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر میں اتنے بہت سے حملوں کے باوجود

نہیں کہوں نہیں جھٹلا سکتا ہوں۔ زرداد پیر میں نے محسوس کیا کہ حملہ آوروں کی تعداد میرے ساتھ مصروف جنگ ہے اور مجھ سے الجھے ہوئے کی بنا پر وہ سارہ کے جوانوں کے حملوں کا بآسانی شکار ہو رہے ہیں۔ جنگ کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا تھا۔ حملہ آوروں نے جس شدت کے ساتھ یلغار کی تھی اس سے ایک عام آدمی یہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ ذرا سی دیر میں پوری بستی کو تاخت و تاراج کر ڈالیں گے۔ لیکن واقعات ان کی توقعات کے بالکل برخلاف پیش آ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ سب کے سب مل کر بھی مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو پا رہے ہیں۔

رفتہ رفتہ ان پر خوف غالب آتا گیا۔ ان کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ سارہ کے بہت سے نوجوان جنگ کا نقشہ دیکھ کر اب لڑائی کے میدان سے ہٹ گئے تھے اور بڑی تیزی کے ساتھ مکانوں میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے میں تھے۔ انہیں گویا خود اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ میں حملہ آوروں سے بخوبی نمٹ لوں گا۔

حملہ آوروں میں سے کچھ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے تھے۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھ رہے تھے جو ان کے لیے ناقابل تسخیر تھی۔ اب وہ میرے مقابلے سے بھاگ رہے تھے لیکن سارہ کے جوانوں نے بھاگنے والوں کو نہیں بخشا اور انہیں چن چن کر ہلاک کر دیا۔

اب حملہ آوروں کے صرف دس آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں ان کا سردار بھی شامل تھا جو آخری وقت تک بڑی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ لڑتا رہا تھا لیکن جس بدنصیب کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ اس جنگ میں فتح اس کا مقدر نہیں ہو سکتی خواہ وہ ساری دنیا کی فوجوں کو اپنی حمایت میں کیوں نہ بلا لے۔

اچانک سردار کے نو سپاہیوں نے اپنی تلواریں زمین پر پھینک دیں اور ہاتھ اٹھا دیے۔ ان کے چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور وہ خود کو ان الجھنوں کا حصہ نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اپنے نوساتھیوں کو ہتھیار پھینکتے دیکھ کر سردار نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا میں نے اپنی تلوار جھکائی اور سارہ کے جوانوں کو اشارہ کیا کہ وہ جنگ بند کر دیں۔ میرے حکم پر سردار سمیت ان دس آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بچے کھچے حملہ آوروں کے علاوہ خود سارہ کے جوان مجھے دیکھ کر دور بھاگ رہے تھے۔ سبھی حملہ آوروں سے لڑنے اور انہیں ہلاک کر دینے کے باوجود میرے جسم پر کہیں ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ ہزار ہا تلواریں میرے بدن سے ٹکرائی ہوں گی لیکن وہ اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑ گئی تھیں۔ سارہ کے جوانوں کے سامنے میری غیر معمولی جسمانی قوتوں کا یہ پہلا مظاہرہ تھا جسے دیکھ کر ان کی عقل دنگ رہ گئی تھی۔

وہ ساری رات زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور لاشیں ٹھکانے

لگانے میں مصروف رہے۔

میں غور سے اس کے تیور دیکھ رہا تھا اور وہ بھی مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر اچانک اس نے سارہ کی بستی کے سردار کا پتا لگانے کے سلسلے میں جھوٹے شخص کے بارے میں جو کچھ اس نے سن رکھا تھا، وہ سب کچھ مجھے بتا دیا۔ اس نے اپنے علم کے بارے میں کوئی بات نہیں چھپائی تھی جو کچھ سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ میں اس کی صاف گوئی سے بڑا متاثر ہوا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پروفیسر کہ یہ شخص اپنے بچپن کے دور میں مجھے دیکھ چکا تھا اور آج پچیس تیس سال بعد اس نے پھر مجھے دیکھا تھا اور بالکل ہی طور پر اس کا خیال یہ تھا کہ جس شخص کو اس نے بچپن میں دیکھا تھا وہ میرا باپ تھا۔ تاہم دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ مجھ ہی کو میرا باپ سمجھ رہا تھا۔

میں اسے زیادہ حیران نہیں کرنا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے اس کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سارہ کے کچھ دوسرے لوگ اس وقت وہاں موجود تھے۔ ان میں سے کوئی میری اجازت کے بغیر نہیں بول سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔ وہ ارشو نامی شخص کی دلچسپ غلط فہمی سے بہت لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ تم اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے تھے۔" میں نے ارشو سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ تمہارا باپ ایک ظالم پرور فتور شخص تھا اور اس نے [illegible] ساتھیوں کو جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا تو کون سی غلط بات ہے؟"

"مجھے ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔" ارشو نے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ میرا باپ تھا اور اس کے قتل کا بدلہ لینا میرا فرض تھا۔"

میں نے سمجھ لیا کہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ سراسر انتقام کے جذبے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ارشو!" میں نے اس سے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ پچھلی ساری باتوں کو فراموش کر کے دوست بن جائیں؟ تم کافی نقصان اٹھا چکے ہو اور تمہاری فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ سارہ ناقابل تسخیر ہے۔"

"دوست؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے زندہ واپس جانے کی اجازت دے دو گے؟"

"میں انتقام پسندی کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگرچہ تم حملہ آور کی حیثیت سے یہاں آئے تھے اور تم نے ہمیں خاصہ نقصان بھی پہنچایا ہے تاہم تم ہمارے سر ہو اور تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن میں قیدیوں کو ہلاک کرنا انتہائی بزدلی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو آزاد کرتا ہوں تم جس وقت چاہو یہاں سے جا سکتے ہو۔"

گزری حملہ آوروں کی تقریباً ساری تعداد کے علاوہ بستی کے کچھ لوگ بھی مارے گئے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم تھی (کل سات آدمی) ہو گئے تھے لیکن ان کے مکینوں کو بچا لیا گیا تھا۔ اس طرح مجموعی طور پر زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ اگر فقار شدہ حملہ آوروں کو ایک مکان میں قید کر دیا گیا اور سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

سارہ کے جوان بار بار میرے جسم کو چھو کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ میں اتنی تلواریں کھانے کے بعد بھی زندہ ہوں اور میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔

"سارہ م کیا تم ہمیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرو گے؟" وہ بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"میں تمہیں اس بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میرے دوستو! میں خود نہیں جانتا کہ یہ سب کیوں کر ہوا ہے۔ میرے جسم میں ایسی خاصیت کیونکر پیدا ہو گئی ہے۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میری جلد میں ایسی خاصیت ہے جو لوہا اس پر اثر نہیں کرتا۔"

ظاہر ہے وہ میری اس بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے ان کا خیال تھا کہ میں اس بات کو تسلیم کر لوں کہ میں کوئی دیوتا ہوں اور مجھے آسمان سے سارہ والوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ میرے لیے ان لوگوں کا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ وہ میرے اپنے لوگ تھے اور سارا دن میرے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے آج تک اپنی حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا مگر آج اس اچانک انکشاف سے وہ سب کے سب چونک اٹھے۔

صبح ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی جب ہم لوگ آرام کرنے چلے گئے۔ لاشوں کو ٹھکانے لگا چکا تھا اور زخمیوں کو دوائیں دی جا چکی تھیں۔ جن گھروں کے لوگ مارے گئے تھے۔ وہاں سے آہ و بکا کی آواز بلند ہو رہی تھیں۔

صبح کو حملہ آوروں کے سردار کو مع اس کے ساتھیوں کے میرے سامنے لایا گیا۔

سردار ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اس کی عمر بیس سال کے قریب ہو گی۔ وہ بڑا گٹھیلا اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ میری نظر بار بار اس کے چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے، لیکن کب اور کہاں؟ یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس کے خدوخال مجھے جانے پہچانے لگ رہے تھے۔

"تم لوگ کون ہو اور اس بستی پر حملہ کرنے سے تمہارا کیا مقصد تھا؟" میں نے سردار سے براہ راست مخاطب ہو کر پوچھا۔

بستیوں پر حملے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے علاقے کو تسخیر۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ حکومت اس کی ہے جس نے پر قبضہ کیا ہو۔ اگر تم نے مارہ پر حملہ کر کے اسے جیتنے کی کوشش کی ہے تو اس میں کون سی انوکھی بات ہے؟" سردار نے جواب دیا۔

پروفیسر میں اس کے اس صاف اور منطقی جواب پر حیران رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرے گا

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" رالشوز نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے ہم لوگوں کی جان بخشی کر کے عالی ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ میں اجازت دوں تاکہ ہم اپنے گھروں کو واپس جا سکیں اور ان لوگوں کے بال خاندان کے غم میں شریک ہو سکیں جن کی موت کی اطلاع ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ رالشوز کی آنکھوں میں مناقفت کی چمک تھی۔ میں اس کے لہجے کی کاٹ کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

"تم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے سارہ کے سردار رالشوز نے مؤید کہا۔ "مجھے اپنی شکست کا یقین تو یقیناً ہے، لیکن میں تمہاری بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم آج سے دوست ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیکن پروفیسر میں اپنے صدیوں کے تجربے کی بنا پر یہ بات واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ رالشوز کی دوستی کی پیشکش میں ریاکاری کا عنصر شامل ہے اور اس نے دل سے اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو معاف نہیں کیا ہے۔

"میں کچھ عرصہ بعد تمہیں اپنی جاگیر پر مدعو کروں گا اور یہ میری عزت افزائی ہوگی اگر تم میری دعوت قبول کرو۔" رالشوز نے کہا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "میں تمہاری دعوت ابھی سے قبول کرتا ہوں رالشوز۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارا مہمان بن کر خوشی ہوگی۔"

رالشوز اور اس کے ساتھی رخصت ہو گئے۔ اور اپنے مجھے لاشوں کو ایک نباڑ چھوڑ گئے، جنہیں دفن کرنے کے لیے گڑھے کھودنے کھودنے کے لیے بستی والوں کے شانے دکھ گئے۔ رالشوز کے چلے جانے کے بعد بستی کے ان معمر لوگوں نے جو رالشوز کے ساتھ میری بات چیت کے وقت موجود تھے اپنے خدشات کا برملا اظہار کیا اور یہ کہا کہ انہیں رالشوز کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق رالشوز اس وقت تو مجبوری کی حالت میں واپس چلا گیا ہے لیکن وہ ایک انتقام پسند قوم ہے اور دوبارہ کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرے گا۔ انہوں نے مجھے خبردار کیا کہ میں اس کی جاگیر پر نہ جاؤں۔ میں نے ان لوگوں کی باتوں سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ "ہمیں فی الحال سمجھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی ایک طویل عرصہ تک رالشوز اس قابل نہیں ہو سکے گا کہ سارہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے میں سوچے۔ تاہم ہمیں چوکس اور تیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"وہ تمہاری غیر معمولی قوت کا مشاہدہ کر چکا ہے۔" ایک بوڑھے رالشوز نے کہا۔ "اب وہ اس وقت تک سارہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہیں بنائے گا جب تک تم یہاں موجود ہو۔ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ پہلے کسی حیلے سے تمہیں ٹھکانے لگا دے۔ اس کے بعد سارہ پر حملہ کرے۔"

"ممکن ہے وہ اس انداز میں سوچ رہا ہو۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "بہرحال خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

چند ماہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس دوران سارہ والے ان لوگوں کا غم کافی حد تک بھول چکے تھے جو پچھلی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ زندگی اپنے معمول کے مطابق جاری تھی۔ دن گزرتے رہے۔ پچھلی لڑائی کو بھولتے جا رہے تھے۔ البتہ ایک بڑی تبدیلی یہ ضرور ہوئی تھی کہ سارہ کے لوگوں کے لیے میری شخصیت جو پہلے ہی خاصی پراسرار تھی اب افسانہ و پراسرار بن گئی تھی۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت وجود سمجھنے لگے تھے۔ یا کہ محض لوگوں نے وقتاً فوقتاً عجوبہ دیوتا سمجھ کر میری پوجا بھی شروع کر دی تھی جنہیں میں سختی سے ایسا کرنے سے منع کیا۔

پھر ایک دن پروفیسر نے رالشوز کا ایک پیغام میرے پاس آیا۔ رالشوز کی طرف سے وہ میرے لیے دعوت نامہ لایا تھا۔ رالشوز نے مجھے اپنی جاگیر پر مدعو کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ میری مہمان نوازی کو بھولا نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ اب میں اُسے میزبانی کا موقع دوں۔ میں نے رالشوز کے ایلچی کو بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ اور اس کے آرام و طعام کے لیے بہترین انتظام کیا۔

سارہ کے لوگوں کو جب یہ علم ہوا کہ مجھے رالشوز نے مدعو کیا ہے تو وہ اس خبر سے خاصے پریشان ہوئے۔ بستی کے معمر دانشمندوں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں رالشوز کی دعوت کو مسترد کر دوں۔ انہیں اس کے پیچھے کسی سازش کی بُو آ رہی تھی۔ مجھے ان لوگوں کو سمجھانے کرنے میں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اصل بات یہ تھی کہ پروفیسر کو ایک طویل عرصے سے میں خاموشی اور سکون کی زندگی گزارتا چلا آیا تھا۔ چنانچہ پہلے سارہ پر رالشوز کے حملے میں مجھے کچھ ہاتھ پیر سیدھے کرنے کا موقع ملا تھا اور اس کے بعد پھر وہی زندگی کی یکسانیت شروع ہو گئی تھی۔ سارہ میں رہتے رہتے میں ایک نسل کی زندگی گزار چکا تھا جس بستی کو میں نے اپنے ہاتھوں سے آباد کیا تھا اب وہ ایک چھوٹی سی ترقی یافتہ اور خوشحال ریاست کی شکل اختیار کر چکی تھی جس کے پاس وسیع وسائل موجود تھے۔ میری دونوں بیویاں عرصہ ہوا مر چکی تھیں اور سارہ کی تمام جوان عورتیں میرے سامنے کی پیدا تھیں اور بستی کے بچے بچے سے گویا میری پکی پہچان تھی۔ بہت دنوں سے مجھے جنس لطیف کی طلب ستا رہی تھی اور اب میں بستی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے دانشمندوں کی اس رائے سے پورا اتفاق تھا کہ رالشوز کی دعوت کے پیچھے کوئی سازش کارفرما ہے۔ لیکن پروفیسر، اگر کوئی شخص خود ہی مصائب کا شکار ہونا چاہے تو بھلا اُسے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟"

میں نے سارہ کے لوگوں کو سمجھایا کہ کسی کی دعوت کو مسترد کرنا آداب انسانی کے خلاف ہے اور خود رالشوز کے ایلچی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ بستی والوں نے بہت چاہا کہ میں اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بطور محافظ لے لوں مگر میں نے سختی سے منع کر دیا۔ جب میں ایلچی کے ساتھ سارہ سے روانہ ہوا اور ہم لوگ کافی دور نکل آئے تو راستے میں ہمیں دو گھوڑ سوار ملے۔ انہوں نے ایلچی سے گفتگو کی۔ ایلچی نے مجھے بتایا

کہ یہ رالشوز کے ملازمین خاص ہیں اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے ہیں کہ میں رالشوز کی دعوت قبول کر رہا ہوں یا نہیں۔ تاکہ یہ ہم سے پہلے اشارہ پہنچ کر رالشوز کو ہماری روانگی کی اطلاع دے سکیں۔ کئی دن کی مسافت کے بعد ہم لوگ رالشوز کی جاگیر میں پہنچ گئے۔

رالشوز کی جاگیر میں میرا شایانِ شان خیر مقدم کیا گیا۔ رالشوز نے خود بنفسِ نفیس آگے بڑھ کر میرا استقبال کیا اور مجھے ساتھ لے کر اپنی جاگیر میں داخل ہوا۔ اس کا علاقہ کافی خوبصورت اور زرخیز تھا اور اس کے مکانوں کی تعمیر مشرقی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رالشوز کی بیوی مشرقی نژاد تھی اور رالشوز نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مشرق میں گزارا تھا۔

رالشوز کا محل حسبِ توقع بڑا خوبصورت تھا۔ اس سے کہیں زیادہ بڑا اور خوبصورت تھا۔ اس کی تعمیر میں اعلیٰ ذوق اور نفاست کا ثبوت دیا گیا تھا۔ جگہ جگہ حسین اور نازک اندام کنیزیں نظر آئیں جو مسکرا مسکرا کر ہمارا خیر مقدم کر رہی تھیں۔ مجھے جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ نہایت عیش و آرام کے قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر نفیس پردے پڑے ہوئے تھے اور کھڑکیوں کی منقش میزیں اور کرسیاں موجود تھیں ہر نہایت آرام دہ اور قیمتی تھا اور جا بجا میزوں پر قیمتی گلدان سجے ہوئے تھے جن میں تازہ پھول مہک رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔

میں نے اشمار کے محل کی اس شان و شوکت کا سارہ کی بستی سے مقابلہ کیا تو مجھے واضح فرق نظر آیا۔ سارہ میں زندگی سادہ اور ہر قسم کے تکلف اور تصنع سے آزاد تھی۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ سارہ کی بنیاد جن ہاتھوں نے رکھی تھی وہ عجوبہ اور جفاکش ہاتھ تھے اور ان کی ساری توجہ اجتماعی خوشحالی پر صرف ہوئی۔ نہ کہ انفرادی دولت اکٹھا کرنا۔ سارہ میں رالشوز کے محل جیسا کوئی گھر موجود نہیں تھا۔ وہاں کے لوگوں کو سادہ طرزِ زندگی اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملتی تھی۔ وہ ابتدا ہی سے اس شان و شوکت اور طمطراق سے دور رہتے تھے۔

ایک طویل مدت کے بعد عیش و طرب کا یہ ماحول میری زندگی میں ایک بار پھر داخل ہو گیا تھا۔ میرے میزبان میرے ہر تقاضے کو سمجھ جاتے تھے۔ رالشوز کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔ وہ جس انداز میں میری آؤ بھگت کر رہا تھا اس میں انتہائی درجہ خلوص کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ دخل تھا۔

میں اس کمرے میں آرام دہ بستر پر لیٹ گیا جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ میں نے ایک طویل سفر طے کیا تھا اور اب ایک آرام دہ بستر کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ابھی مجھے بستر پر لیٹے ہوئے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلا اور ایک آفتِ جاں قسم کی لڑکی جام لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک نہایت حسین کنیز تھی۔

اس کی مسکراہٹ میں بے باکی اور بے حجابی تھی۔ وہ ایک ادا سے مسکراتی قریب بیٹھ گئی اور اس نے بغیر کچھ کہے جام میز پر رکھ دیا۔

"میں اشمار کی وہ سب سے زیادہ خوش نصیب عورت ہوں جسے رالشوز نے تمہاری خدمت پر مامور کیا ہے سردار۔" اس نے جام بھرتے ہوئے کہا۔

"اس میں خوش نصیبی کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ "میں تم لوگوں کا مہمان ہوں اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا میزبانوں کا فرض ہے۔"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم جیسے مہمان کی میزبانی کا شرف مجھے اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔"

دوسرے دن رات کو کھانے کے بعد ایک بہت بڑے کھلے میدان میں جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا جشن تھا۔ جشن میں رالشوز کے علاوہ اشمار کے بہت سے سردار اور فوجی انتظامی افسر شریک تھے۔ قالینوں کے فرش پر جا بجا کشتیوں میں پھل اور میوے رکھے ہوئے تھے اور خوبصورت کنیزیں جام بھر بھر کر مہمانوں کو پیش کر رہی تھیں۔ جشن کی جگہ سے کوئی آدھے فرلانگ کے فاصلے پر گھاس پھوس کی بہت سی خوبصورت اور گول کٹیائیں بنائی گئی تھیں جنہیں رنگین پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ یہ گول گول کٹیائیں عید بھی تھیں اور ان میں انسان پورے قد سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ابھی تک ان سجی سجائی اور خوبصورت کٹیاؤں کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا لیکن جشن کے دوران یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔

رقص جب عروج پر پہنچا تو مجھے رسلا ایک کٹیا میں لے گئی

کٹیا اندر سے بھی بہت خوبصورت تھی۔ اس میں صرف ایک بستر تھا نرم اور آرام دہ بستر جو زمین پر بچھا ہوا تھا۔ کٹیا اتنی چھوٹی تھی کہ اس میں ایک سے زیادہ بستر کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے کٹیا کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ایک کونے میں شمع دان رکھا ہوا تھا جس پر ایک چھوٹی سی شمع جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی کٹیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کٹیا میں اور کوئی سامان نہ تھا۔

"خوش نصیبی ایک بار پھر میرے ساتھ ہے سردار۔" رسلا نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رالشوز نے مجھے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ میں تمہیں اس کٹیا میں لاؤں کیونکہ تم مجھے پسند کرنے لگے ہو۔ میں اشمار کی سب سے زیادہ حسین عورت ہوں۔"

"رالشوز کیوں چاہتا تھا کہ تم مجھے اس کٹیا میں لاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کٹیائیں صرف تمہاری آمد کی خوشی میں بنائی گئی ہیں۔ یہ ضرب کٹیا میں آج کی رات کے جشن کے لیے خاص طور سے تیار کی گئیں ہیں۔

نہ جانے کس وقت میں اور مرسیلہ نیند کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اچانک ایک غیر معمولی گرمی اور تپش کے احساس نے مجھے بیدار کر دیا۔ میری حیران آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ گھاس پھوس کی بنی ہوئی خوبصورت اور مرصع مچھ نیوں کو چاروں طرف سے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اونچے اور بلند شعلوں کا ایک جھنڈ سا گرد تا ئم ہو گیا تھا۔ ہم دونوں شعلوں کے حصار میں تھے اور سحر زدہ عالم میں مرسیلہ نے رک کر مجھ سے کہا۔

"مجھے تمہارے ساتھ مر کر جینے کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ سرور سارو۔ تم سے جدائی کا تصور بھی محال تھا۔ میں رالشور کی وفادار تھی اور اس کی سب سے زیادہ دل پسند کنیز۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے خود کو اس کام کے لیے وقف کیا۔ رالشور نہیں جانے کا تہیہ کر چکا تھا میں اسے روک نہیں سکتی تھی اور اگر میں تمہیں پہلے سے بتا دیتی تو یہ اپنے لوگوں سے غداری ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں سارو۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں۔ میں نے اپنے لوگوں سے غداری نہیں کی۔ میں نے رالشور کی حکم عدولی بھی نہیں کی اور میں نے اپنے دل کی مراد بھی پالی۔"

اس کے ساتھ ہی شعلے اس کے جسم کو بری طرح چاٹنے لگے۔ وہی حسین و نازیبا جسم میرے دیکھتے ہی دیکھتے چوب خشک کی مانند دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ مرسیلہ کی چیخیں دل دہلا دینے والی تھیں۔ درد کی شدت سے اس کا جسم کوئلہ بن گیا۔ ایک تڑپ کا پیکر۔ جاں لبان رحمت کے لطیف زندگی بخش چھینٹوں سے اپنے جسم کے ایک ایک مسام کو تر کر رہا تھا۔ آگ کے شعلے میرے بھی دہک رہے تھے اور میرے وجود کو ایک نئی توانائی ملنے کی قوت بخش رہے تھے۔ میں کبھی آگ میں کودتا کبھی تڑپتا۔ جسم کا کوئی حصہ حرارت سے خوابیدہ ہو جاتا۔ کبھی کھڑا ہو کر شعلوں سے ہم آغوش ہو جاتا۔ میرا دل روا روی میں بھر چکا تھا۔ مرسیلہ کی چیخیں میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھیں۔ میں نے بھی اپنے جسم کو جھٹک کر رکھ جھاڑ دی باہوں کو فضا میں لہرایا اور گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ مرسیلہ کا جسم راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ میں نے اس راکھ کے ڈھیر کے درمیان سونے کے ایک ستون کی مانند کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دور دور تک اپنی نظریں دوڑائیں۔ رالشور کے محل میں ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ بستی کے باقی تمام مکانوں میں اندھیرا پڑا تھا۔

بات اتنی صاف تھی پروفیسر کہ اسے سمجھنے کے لیے دماغ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ رالشور میری تمنا کے جو ہر دیکھ چکا تھا اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ کھلے مقابلے میں ایک لشکر بھی مجھ پر غالب نہیں آ سکے گا تاہم وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے مشاورین نے اپنی شکست کے فوراً ہی بعد ایک سازش کا منصوبہ تیار کر لیا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ میں لگا چکا تھا۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے اپنے محل کی سب سے زیادہ دلنواز کنیز کو بھی قربان کر دیا۔ مجھے رالشور سے اس طرح کی سخت نفرت آ رہی تھی اگر چاہتا تو اس کے جواب میں اشاملکا یک ایک گھر کر راکھ کا ڈھیر بنا سکتا تھا لیکن میرا مذہب نہیں تھا۔ میں تو مرد با عفو و درگذر تھا۔ میں تو لوگوں کو بچانے پر مجبور تھا صرف اس وقت سزا دیتا تھا جب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کیا پروفیسر کہ رات کے اس مہیب سناٹے میں جبکہ یہ تمام لوگ اس یقین کے ساتھ یہاں سے چلے گئے ہیں کہ ہم نہیں بچ سکیں گے میں اپنی طاقتوں کا ایک آخری مظاہرہ کروں گا۔ میں اس جگہ سے دستیاب ہوں گی۔ یہاں سے چلا جاؤں گا۔ نہیں اس خوش فہمی کا شکار رہنے دوں کہ وہ مجھے ہلاک کر چکے ہیں۔ کم از کم کچھ عرصہ تک تو ان کی یہ غلط فہمی قائم رہ سکتی تھی۔ اس وقت تک جب تک کہ انہیں کسی ذریعے سے میرے زندہ ہونے کی اطلاع نہ مل جاتی۔

میں نے اپنے جسم کو جھٹک کر رکھ جھاڑ دی باہوں کو فضا میں لہرایا اور گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ مرسیلہ کا جسم راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا لیکن ایک خیال نے میرے قدم روک لیے۔ صبح کو جب یہ لوگ یہاں آئیں گے اور انہیں ایک بھی انسانی جسم کی جلی ہوئی ہڈیاں ملیں گی تو ان کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ میں کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ چنانچہ ہتھیلی پر رکھ کر انہیں کوئی انسانی ہڈی نہ ملے اور وہ یہی سمجھیں کہ آگ کی شدت سے ساری ہڈیاں جل کر راکھ ہو گئی ہیں چنانچہ میں نے مرسیلہ کے بدن کی کچھ بھی ہڈیاں بھی ساتھ نہیں اور وہاں سے چل دیا۔ میں واپس سادہ جا رہا تھا۔

تقریباً ساری رات سفر کرنے کے بعد مجھے ایک ندی ملی۔ میں نے مرسیلہ کے بدن کی ہڈیاں اس ندی میں بہا دیں اور خود خنک اور فرحت بخش پانی میں اتر گیا۔ ندی کا پانی بے حد شفاف اور ٹھنڈا تھا اور اس نے

[illegible] حرکت میں لے آئے میں عسل کیا تھا اور اب تک پانی میں غسل کر [illegible] بڑی دیر تک نہاتا رہا اور میرے مسامات میں جما ہوا راکھ کا [illegible] صاف ہو گیا۔ میری جلد کندن کی طرح چمکنے لگی۔ میرا رنگ و [illegible] نکھر آیا۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر خود بخود مسکرا پڑا۔ کتنا عجیب [illegible] تھی میری زندگی کتنی انوکھی اور نرالی بھی۔ آگ مجھے حرارت اور زندگی اور پانی بخشتی تھی اور پانی مجھے فرحت اور تازگی بخشتا تھا۔ دونوں میرے [illegible] کی علامت تھے۔

راستے میں یہی سوچ رہا تھا کہ رالشور اور اس کے ساتھی جب [illegible] گے اور میرا اور مرسیلہ کا نام و نشان بھی نہ پائیں گے تو انہیں [illegible] ہو جانے کا کروہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ رالشور ناکامی سے کتنی تقویت پہنچے گی۔ حالانکہ اصل صورت حال یکسر مختلف تھی۔ رالشور مجھے اس شخص کا بیٹا سمجھ رہا تھا جس نے اس کے باپ کو ہلاک کیا تھا۔ اسے یہ بات بھی سمجھنی چاہیے تھی کہ اس کے باپ کے قتل [illegible] قصور نہیں۔ لیکن وہ تو انتقام کی آگ میں اندھا ہو رہا تھا۔

سادہ کی جانب میرا سفر کئی دن تک جاری رہا بالآخر میں سادہ کے [illegible] پہنچ گیا۔ لیکن مجھے بعض عجیب و غریب تبدیلیوں کا احساس [illegible] جنگلوں کے قریب سے گزر رہا تھا۔ جنگل پوری کا موسم تھا لیکن [illegible] کی کھیت میں لوگ کام کرتے درخت چرتے دکھائی نہیں دیے۔ [illegible] درختوں پر طوطوں کے جھنڈ شور مچا رہے تھے۔ [illegible] کو کاٹ کاٹ کر نیچے پھینک رہے تھے۔ عام حالات میں ایسا [illegible] تھا۔ کیونکہ سادہ کے باغات اس پورے علاقے میں اپنے [illegible] کے لیے جانے جاتے تھے اور ان کی بڑی سختی کے [illegible] حفاظت کی جاتی تھی۔ ہر باغ میں کئی کئی کھولے موجود رہتے [illegible] طوطوں اور دوسرے پرندوں کو بھگاتے رہتے تھے۔ کنوؤں [illegible] کھیتوں پر سناٹا تھا۔ میرا دل ایک عجیب سے احساس [illegible] سے دھڑکنے لگا۔ بستی ابھی کافی دور تھی۔

ذرا پھر مجھے بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ دور سے ہی مجھے نظر [illegible] بستی نہیں ہے جیسی میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ تبدیلیاں [illegible] تھیں اور جب میں قریب پہنچا تو میری آنکھوں نے [illegible] منظر دیکھا۔ بستی کے بہت سے مکانات جلے ہوئے اور [illegible] تھے جگہ جگہ بربادی کی نشانیاں نظر آ رہی تھیں۔

بستی کے نیچے کھچے لوگوں نے۔ جن میں نوجوانوں کی تعداد بہت [illegible] تھی۔ سادہ اور اہموں کے درمیان مجھے بتایا کہ بستی سے میری [illegible] دوسرے ہی دن رالشور نے اپنے آدمیوں کے ساتھ بستی پر [illegible] حملہ کیا۔ اس بار رالشور ایک بہت بڑی فوج لے کر آیا تھا [illegible] یاں پہلے سے زیادہ تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی نہتے [illegible] کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ہلاکو خاں کی طرح لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس بار حملہ اس وقت کیا گیا جب بستی کے زیادہ تر مرد باغوں، کھیتوں اور دوسری جگہوں پر اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بستی کے جوانوں نے جیسے تیسے کر کے خود کو مقابلے کے لیے تیار کیا۔ لیکن ان پر بے خبری میں چھاپہ مارا گیا تھا اس لیے انہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ زیادہ تر جوان مارے گئے۔ حملہ آوروں نے بستی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اور سارے گھروں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ سب سے زیادہ ظلم و زیادتی کی بات یہ تھی کہ حملہ آور بستی کی بیشتر نوجوان عورتوں کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ بہت سی عورتوں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں اور جان دے دی۔ حملہ آوروں نے خوب جی بھر کر بستی کو تہس نہس کیا اور اس کے بعد عورتوں کو ساتھ لے کر واپس چلے گئے۔ انہوں نے تھے کے گرد اکھی خالی کر دیے تھے۔ لاشوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی وہ اپنے ساتھ ہنکا لے گئے۔

بستی کے لوگوں کی زبانی یہ المناک داستان سن کر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میری آنکھوں میں خون تراوش رالشور نے کیسی کی انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی۔ اب اس کی پوری اسکیم میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس نے اپنے لشکر کو میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ہی ایک بڑے لشکر کی مدد سے سادہ پر حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب بچی میرے پاس آیا اس وقت رالشور اپنے لشکر کے ساتھ سادہ سے زیادہ دور نہیں تھا اور کسی محفوظ جگہ پر چھپا ہوا تھا۔ راستے میں جہاں جہاں جو دو گھوڑ سوار ملے تھے وہ یقیناً رالشور کے ہی آدمی تھے اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے تھے کہ یا میں سادہ سے روانہ ہو گیا ہوں۔ انہوں نے رالشور کو میری روانگی کی اطلاع دے دی۔ اور رالشور کے لشکر نے میری عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سادہ پر ہلہ بول دیا اور بستی کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد رالشور اپنے لشکر کے ساتھ کسی دوسرے مختصر راستے سے مجھ سے پہلے اشاملکا پہنچ گیا۔ اب اسے اطمینان تھا کہ اگر میں کسی طرح اس کی گرفت سے بچ بھی نکلا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اپنے کام کے بڑے حصے کو پورا کر چکا تھا۔ اپنی جھے جس راستے سے اٹھا لے گیا تھا وہ کئی دن کا راستہ تھا اور یہ صرف اللہ جان ہی جانتا تھا کہ یہ کتنا عرصہ تھا جسے رالشور اور اس کے لشکر نے یقیناً کہا تھا۔ رالشور نے اپنی دانست میں ہم سب لوگوں کی مکمل تباہی کا سامان کر دیا تھا۔ سادہ کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مجھے گھاس پھوس کی کھٹیا میں بند کر کے نذر آتش کر دیا تھا۔ بظاہر ایک عام انسان کے لیے اس آتش زدگی سے بچ نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ رالشور مجھے اپنی دانست میں ختم کر چکا تھا لیکن اس بدنصیب انسان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں نے خود ہی ہلاکت کے سامان مہیا کر لیے تھے اور مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اس کو ختم کر دوں۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اپنے ذاتی معاملے میں تو اسے معاف کر سکتا

تھی اور جیسا کہ میں نے بتایا، میں نے اسے معاف بھی کر دیا تھا۔ میں گاؤں سے نکل کر سیدھا واپس سارہ دم آ گیا تھا اور میں نے اس کی اس حرکت سے چشم پوشی کی تھی۔ لیکن جو کچھ اس کے سارہ دم والوں کے ساتھ کیا اس کے لیے میں اُسے تاحیات معاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سب کے سب معصوم اور بے گناہ لوگ تھے۔ گزشتہ پچیس تیس سال سے وہ امن و سکون کی زندگی گزارتے چلے آئے تھے۔ آس پاس کی بستیوں، جاگیروں اور علاقوں سے ان کے اچھے اور دوستانہ مراسم تھے۔ انہوں نے کسی کے علاقے کی طرف بُری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ گزشتہ پچیس تیس برس کے دوران سارہ دم والوں کی کسی سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ رالشوز کے پاس انہیں تباہ و برباد کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔

اس نے محض اپنی انتقام پسند طبیعت کی بنا پر بستی پر دوبارہ حملہ کیا پہلا حملہ میری وجہ سے ناکام رہا اور دوسرے حملے میں وہ اپنا کام کر گیا۔

بستی کے ان دانشمندوں نے، جنہوں نے مجھے اُٹھا لانے سے روکا تھا، مجھ سے سخت شکوہ کیا کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی اور وہ قیمے میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اپنی غلطی کا اعتراف کروں۔ میں نے انہیں دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ میں سارہ کی اس ذلت کا ضرور بدلہ لوں گا۔

"رالشوز نے تمہیں کیسے زندہ چھوڑ دیا؟" بستی کے ایک ضعیف العمر شخص نے مجھ سے سوال کیا۔

"انہوں نے مجھے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ وہ مجھے ہلاک کر بھی چکے ہیں۔ انہیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ میں زندہ ہوں، مگر میں زندہ ہوں۔ ان سے سارہ والوں کا حساب چکانے کے لیے۔"

کیا ان کے پورے لشکر نے تمہارے دو ہر مدبول دیا تھا؟" اس ضعیف العمر شخص نے پوچھا۔ یقیناً وہ جاننا چاہتا تھا کہ اشمارہ والوں نے مجھے کس طرح ہلاک کرنا چاہا اور میں کس طرح ان کے ہاتھوں سے بچ نکلا۔

میں نے اس ضعیف العمر شخص کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے مجھے پانی میں ڈبو دیا تھا لیکن میں اتفاق سے بچ نکلا۔

"مگر وہ کیسا پانی تھا سارہ دم جس میں اشمارا والوں نے تمہیں ڈبو دیا تھا؟" بوڑھے دانشمند نے پوچھا۔ "کیا وہ کسی سونے کے پانی کا دریا تھا؟"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ بوڑھے کی بات فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"اس لیے کہ تمہارا سارا بدن کندن کی طرح چمک رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تم کو ابھی ابھی سونے سے تراش کر بنایا ہے۔"

اور پھر فوراً ہی میری سمجھ میں آ گیا۔ میں بوڑھے کے سوال میں طرح مسکرا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ میں آتش فسل والی بات کا انکشاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دانشمند کے اصرار پر میں نے اس سے کہا کہ پانی کے اندر کافی دیر تک سانس لیے بغیر رہ سکتا ہوں، اور میری یہی خصوصیت میری جان بچنے کا سبب بنی ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں پانی کے نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا ان لوگوں کی نظروں سے دور نکل گیا۔

وہ ساری رات میں نے سارہ کے عزیز لوگوں کے ساتھ جاگ کر گزاری۔ بچے کھچے لوگوں میں سے ہر شخص اپنی تباہی کی انفرادی کہانی سنا رہا تھا اور میں پوری توجہ اور دل سوزی کے ساتھ ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ مجھ سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے اور مجھے اپنا نجات دہندہ اور سب سے بڑا مونس و غم خوار سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ سب کے سب مجھے اپنے غم میں شریک کرنا چاہتے تھے اور ہر فرد میں واقعی ان سب کے غم میں پوری طرح شریک تھا۔ جن لوگوں کی بیٹیاں، بیویاں اور بیٹیاں اغوا کر لی گئی تھیں۔ ان کے سر میرے سامنے جھکے ہوئے تھے، اور چہروں پر ویرانی برس رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا۔ پروفیسر کہ میں نے سارہ کو چھوڑ کر واقعی غلطی کی تھی۔ میرے نہ ہونے کے باعث کتنے گھروں کے چراغ گل ہو گئے۔

"میرے عزیزو! میرے دل کے ٹکڑو!" میں نے ان لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میری اس بات کو تم لوگ اپنی گرہ میں باندھ لو کہ چند روز کے اندر اندر سارہ دم سے اغوا کی جانے والی ہر عورت واپس اپنے گھر میں موجود ہو گی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے اغوا کرنے والے خود اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ رالشوز کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ آج سے اسے زندہ سمجھنا چھوڑ دو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس کی ہلاکت میں ہونے والی تباہی کا اصل ذمہ دار رالشوز ہے۔ اس لیے سب سے بڑی سزا کا مستحق وہی ہے۔ ہم لوگ رالشوز کی طرح کوئی کمینی اور گھٹیا حرکت نہیں کریں گے۔ اشمارا کی عورتوں کے ساتھ وہ سلوک ہرگز نہیں کریں گے جو رالشوز نے سارہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔ مجھے اس بات کا بیحد افسوس ہے کہ میں تم لوگوں کے منع کرنے کے باوجود یہاں سے چلا گیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے کوئی بہت بڑا فرق نہیں پڑا۔ رالشوز کے دل میں انتقام کی آگ بُری طرح سلگ رہی تھی اور وہ ہر صورت موقع کی تلاش میں رہتا۔ جب بھی اُسے موقع ملتا وہ سارہ پر حملہ کر دیتا۔ بہرحال رالشوز نے اگر خود اپنی موت کے اسباب تیار کر لیے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"لیکن اب تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے سارہ دم؟" ایک بزرگ نے مجھ سے پوچھا۔ "ہمارے پاس لڑنے والوں کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ ہمارے زیادہ تر لوگ تو مارے جا چکے ہیں۔ اب ہم لڑائی کے لیے فوج کہاں سے لائیں گے؟"

"کہیں اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں سب بندوبست کر لوں گا۔"

قوں کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں بھی کئی ماہ تک تیاریوں اور تربیت کے مراحل سے گزرنا ہو گا۔ پہلے والے شخص نے مایوسی کے ساتھ کہا۔ "کاش کہ ہمارا دشمن میری بیٹی شاہجہانہ جانے کس حال میں ہو گی۔ نہ جانے درندوں نے اس معصوم صورت اور فرشتہ سیرت لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا۔" بوڑھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"کسی انتظار یا تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر بھروسہ رکھیں۔ تم لوگوں کو مایوس نہیں ہونا پڑے گا۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے اس کی تکمیل کے لیے کسی قسم کی تیاری کی ضرورت نہیں، صرف حرکت عمل سے کام لیا جائے گا۔ تم لوگ مجھ سے اس بارے میں مزید سوالات مت کرو اور صرف چند دن انتظار کرو۔"

"ہمیں تمہارے اوپر مکمل اعتماد ہے سارہ دم۔" ان لوگوں نے جواب دیا۔ "ہم جس طرح جانتے ہیں کہ تم اور صرف تم ہی اس بستی کے نجات دہندہ اور کھوئے ہوئے بیٹے ہو۔ پہلے بھی تم نے ہماری سفاظت کی تھی اب بھی کرو گے۔"

صبح کاذب میں بستی کے بچے کھچے نوجوانوں کو جمع کیا گیا۔ وہاں میں نے ہر ایک کو اچھی طرح جانچا پرکھا۔ ان میں تقریباً سب سے زیادہ جسیم، تنومند اور مضبوط اعصاب کا نوجوان تھا۔ میں نے اس کے کئی امتحان لیے۔ وہ گھوڑ سواری، نیزے بازی اور شمشیر زنی میں بھی درست مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایک نڈر اور بہادر شخص تھا۔ مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جسے میں ایک مددگار کے طور پر اپنے ساتھ رکھ سکوں۔ میرے ساتھی کا ذہین اور سمجھ دار ہونا بھی ضروری تھا اور تقریباً میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں، وہ ہر لحاظ سے میرے معیار پر پورا اترا۔

سارہ دم سے اغوا ہونے والی عورتوں میں تقریباً کی بہن بھی شامل تھی جس وقت سارہ دم پر حملہ ہوا تھا، اس وقت تقریباً بستی میں موجود نہ تھا، بلکہ وہاں سے بیس پچیس میل دور ایک دوسرے علاقے میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے بوڑھے ماں باپ کو قتل کیا جا چکا ہے، اس کا بڑا بھائی اشمارا والوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا ہے، اور اس کی نوجوان بہن بانو کو رالشوز کے سپاہی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ تقریباً یہ سب کچھ جان کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اسی وقت تلوار سنبھال کر گھوڑے کی طرف لپکا۔ مجھے رالشوز کا خون چاہیے۔ وہ دیوانوں کی طرح چلا رہا تھا۔ بستی کے لوگوں نے بڑی مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس سے کہا کہ اس طرح تنہا جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ اسے سارہ دم کی واپسی تک کا انتظار کرنا چاہیے۔ تقریباً نے ان لوگوں کی بات مان لی ورنہ وہ تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لیا تھا۔

میں نے تقریباً سے کہا کہ ہمیں تمہی یہاں سے روانہ ہونا ہے اور وہ اس سفر کے لیے ضروری تیاریاں کر لے۔

"مجھے کس تیاری کی ضرورت نہیں سارہ دم۔" اس نے جوشیلے لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میرے لیے دنیا میں اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ میں اسے اپنی بہت بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ تم جس وقت بھی حکم دو گے میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

بات یہ تھی پروفیسر کہ میں اب رالشوز کو کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس کے سامنے اس طرح اچانک پہنچنا چاہتا تھا کہ وہ کوئی زاد فرار تیار نہ کر پائے۔ اگر اسے کسی طرح بھی یہ پتہ چل جاتا کہ میں زندہ ہوں اور اشمارا آ گیا ہوں تو وہ یقیناً لنگر انداز ہو جاتا اور اس حال میں اشمارا پہنچوں کے پہنچانا نہ جاؤں اور رالشوز کو میرے زندہ ہونے کا علم وقت سے پہلے نہ ہو سکے۔ چنانچہ میں نے خوب سوچ سمجھ کر اپنا منصوبہ ترتیب دیا۔

دوسرے دن جب میں اور تقریباً اپنی ہم سفر پر روانہ ہونے لگے تو میں نے تقریباً کو حکم دیا کہ وہ دھلے ہوئے کپڑوں میں سے پوٹلی بھر کچھ اکٹھا کر لے۔

تقریباً میرے اس عجیب و غریب حکم پر حیران رہ گیا اور مجھے الجھی الجھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پریشان اور حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" تقریباً نے اسے سمجھایا۔ "میرے ساتھ چلنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تم میرے تمام احکامات کی تعمیل کرو گے اور کوئی سوال نہیں کرو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے تقریباً جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

"بیشک، بیشک سارہ دم۔" تقریباً نے شبات میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ تم جانتے ہو وہ میں نہیں جانتا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو کچھ تم کہو گے وہ میں سنوں گا۔"

میں نے ایک تھیلا تقریباً کو پکڑایا، جس میں کچھ چھوٹا موٹا سامان تھا۔ تھیلے کا منہ سختی کے ساتھ ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ تقریباً نے ایک بڑی سی پوٹلی میں رکھ کچھ اکٹھا کر لی تھی۔ ہماری روانگی کے وقت بستی کے تمام لوگ ہمیں رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک آئے۔ کئی معمر لوگ مجھ سے بالاصرار پوچھتے رہے کہ میں تنہا تقریباً کی مدد سے کس طرح رالشوز کو شکست دوں گا۔ لیکن میں نے انہیں نہیں بتایا کہ انہیں قبل از وقت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت سی عورتوں نے روتے ہوئے ہمارے گلے میں ہار ڈالے اور ہماری فتح مندی کے لیے دعائیں کیں۔ سارے بستی والے ان

دعوں میں شریک تھے۔ باوجود یکہ ان کے مذاہب جُدا جُدا تھے اور طریقے دعا بھی مختلف تھے۔ میں نے سارہ والوں سے کہا کہ وہ ہر گز متفکر اور دل برداشتہ نہ ہوں اور میری اور تفرّان کی واپسی کے لیے پُریقین رہیں۔

میں اور تفرّان اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر شمار کی جانب روانہ ہوگئے۔ راستے میں کوئی خاص بات پیش نہیں آئی اور ہمارا سفر کئی دن تک جاری رہا اور پھر دور سے شمار کی بستی کی جھلک نظر آنے لگی۔ سرالشوز کے محل کے اونچے اونچے مینار اور گنبد بڑی دور سے نظر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ اس وقت صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔

"اب ہم شمار کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" میں نے تفرّان سے کہا۔ "تھوڑی دیر بعد ہم بستی کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ ان چٹانوں کی جانب چلو اور ان کی اوٹ میں اپنا گھوڑا روک لو۔ ہمیں یہاں رک کر کچھ کام کرنا پڑے گا۔"

تفرّان نے بلا چون وچرا ان چٹانوں کی طرف گھوڑا بڑھا دیا۔ جن کی جانب میں نے اسے اشارہ کیا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اس طرف چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر ہم دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔

"اب تم راکھ کی یہ پوٹلی سنبھالو اور میرے جسم پر راکھ کی اتنی مالش کرو کہ میری سفید رنگت کالی ہو جائے۔" میں نے تفرّان کو ہدایت دی۔ وہ میرے اس عجیب وغریب حکم پر حیران رہ گیا۔ لیکن اس نے حسب وعدہ کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ہم شمار کی چٹانوں کی اوٹ میں تھے اور شمار کی جانب سے آنے والا کوئی بھی شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں پتھریلی زمین پر لیٹ گیا اور تفرّان نے ہتھیلیاں بھر بھر کر راکھ میرے بدن پر ملنی شروع کر دی۔ میں نے اسے مزید ہدایت دی کہ ساری راکھ استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کے کچھ حصّے کو بچا کر رکھے شاید ہمیں اس کی ضرورت ہو۔

فوراً ہی دیر میں میرا سارا بدن سیاہی مائل ہو گیا۔ میری سنہری رنگت رخصت ہو گئی تھی۔ تفرّان نے میرے بالوں کے رنگ کو بھی راکھ سے بدل دیا تھا۔

"اب سارم! تمہارا جسم تو فولاد کی طرح سخت ہے۔" تفرّان نے کہا۔ "میں نے آج تک اس سے زیادہ مضبوط بدن نہیں دیکھا۔" میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اب میں نے تفرّان سے وہ تھیلا کھولنے کو کہا جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس تھیلے میں سیاہ گھوڑے کی دُم کے بالوں سے بنی ہوئی ڈوریاں اور مونچھیں تھیں جو میں نے سارہ کی ایک پرفن کاریگر عورت سے بنوائی تھیں اور اسے منع کر دیا تھا کہ وہ اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ ساتھ ہی ایک شیشی میں کافی مقدار میں گوند موجود تھا۔ تفرّان جانتا تھا کہ ہر پردیسی کہ اس دربار میں بیک وقت دو نوں ریاست کو موجود نہیں تھے جو تمہارے دور میں پائے جاتے ہیں اور جن کے استعمال سے انسان کی ہیئت مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ تاہم پورے یونان میں تھیٹر، تھیس اور تماشوں کا دور تھا اور بھیس بدلنے کے طریقے موجود تھے۔ اس لیے میں ایک ڈھیلا ڈھالا نوسیدہ اور پرانا لباس بھی موجود تھا۔ میں نے وہ لباس پہن لیا اور اپنے چہرے پر داڑھی اور مونچھوں کو مہارت کے ساتھ چپکا لیا۔ میرا حلیہ اتنا بدل چکا تھا کہ خود تفرّان بھی مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ میری اس کارپلٹ پر حیران تھا۔

"سنو تفرّان۔ میں اب ایک ہندوستانی تجارتی مال اور دنیا کے مختلف دراز علاقوں کا سفر کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔ تم ایک یونانی نوجوان ہو اور تم نے میری شاگردی اختیار کی ہے۔ دورانِ سفر تم میرے ساتھ ہو۔ تمہیں ستاروں کا علم سیکھنے کا بہت شوق ہے اور یہی شوق تمہیں میری شاگردی میں لے آیا ہے۔ ہم لوگ بہت دور سے صحرا سفر کرتے ہوئے اس علاقے میں آئے ہیں۔ تم سب کچھ سمجھ گئے ہو؟" میں نے تفرّان سے پوچھا۔

"میں بالکل سمجھ گیا سارم۔ مالک سمجھ گیا۔" تفرّان نے جلدی سے جواب دیا۔

"تمہاری یہی ترکیب ہیں۔ شوز کے دامن جلد از جلد پہنچانے میں کامیاب ہو گی۔ مجھے معلوم ہے کہ اسے علم نجوم اور نجومیوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ میں نے تفرّان کو بتایا۔ البتہ جب ہم شوز کے دربار میں ہوں گے اس وقت تمہیں اپنے دفاع کے سلسلے میں بہت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں ہوگی کہ دشمنوں کی تعداد میں کمی کرو لیکن تمہاری واحد ضرورت یہ ہوگی کہ تم اپنے جسم کو ان کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو۔"

"میں بہت محفوظ ہوں۔" تفرّان نے طمطراق کے ساتھ جواب دیا "میں نے اپنے لباس کے نیچے سینے پر آہنی زرہ بکتر پہن رکھی ہے یہ سادہ کے ہنرمند لوہار کی بنائی ہوئی زرہ بکتر ہے اور اس پر میسوں تلواریں ٹوٹ جائیں گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "در عمل رونگی کے دشت مجھے یاد نہیں رہا کہ میں تمہیں زرہ بکتر پہننے کے لیے کہہ دوں۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اور ہاں، ذرا میری چال بھی دیکھ لو۔" یہ کہتے ہوئے میں ایک پیر سے لنگڑانا ہوا چند قدم چلا۔ تفرّان اس دل چسپ منظر کو دیکھ کر بھی تمام تر دل گرفتگی کے باوجود اپنی ہنسی کو ضبط نہیں کر سکا۔

"ہنسو اور خوب ہنسو میرے نوجوان دوست۔" میں نے اس سے کہا۔ "روتا تو اب شوز کے بت خانہ کی قسمت میں لکھا ہے۔"

یکایک تفرّان سنجیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں سارم کہ اگر تمہاری ماں بھی تمہیں اس حلیے میں دیکھتی

تو پہچان نہیں سکتی تھی۔ تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا ہے۔"

"میری ماں۔ میں دل ہی دل میں تفرّان کی اس بات پر مسکرا اٹھا۔ مجھے پتا نہیں کہ میرے ماں باپ کون ہوں اور کیا ہوں۔ وہ ایک ماں جس کی گود میں میرے ماں باپ کا ذکر کر رہا تھا۔

"اچھا سنو میرے دوست۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تمہیں بتا چکا ہوں، جب ہم سرالشوز کے ہاں پہنچیں گے تو ہمیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم کہیں، تمہارا حلیہ اور یہ بھی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ کبھی بات نہیں کرنا اور دوسری بات یہ ہے کہ ارطائی کی صورت میں تم کسی پر حملہ نہیں کرو گے۔ تمہارا کام صرف اپنا دفاع کرنا ہوگا۔ ہم لوگ کون ہیں اور تمہارا کیا رشتہ ہے، اس کے بارے میں میں تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ چلو اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وقت ہو چکا ہے۔ ہمارے کاروبار حیات شروع ہو گیا ہے۔"

تفرّان نے میری بات سن کر اثبات میں گردن ہلائی۔ وہ ایک سمجھدار نوجوان تھا لیکن میں برابر یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ بہرحال، چند ہی لمحوں میں اس کی تمام تر توجہ دور ہو جانے

ہم اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شمار کی خوبصورت اور عظیم الشان فصیل کے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ دروازے پر کھڑے ہوئے سپاہیوں نے ہمیں روک لیا۔ ان کا سردار ہمارے پاس آیا۔ اس نے میرے اور تفرّان کے گھوڑوں کی باگیں تھام لیں۔ وہ ہمیں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس لیے اس نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ ہمارے گھوڑوں کو لے کر ایک طرف چلا گیا۔ ہم دونوں پیدل چلتے ہوئے شمار کی فصیل کے اندر داخل ہو گئے۔ شمار کی بستی بہت بڑی تھی۔ اس کی آبادی کا اندازہ لگانا بہت مشکل تھا۔ ہزاروں لوگ ہر طرف چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ بستی میں داخل ہونے والے راستوں کی کوئی گنتی نہیں تھی۔ ہر طرف سے لوگ آ جا رہے تھے۔ بستی کے مرکز میں ایک بہت بڑا چوک تھا۔ جہاں سے چاروں طرف راستے نکلتے تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی تلاش میں رہتا ہوں جو ان چیزوں سے واقف ہوں۔ آپ کو یہاں پر تشریف لانا یقیناً ہم سب کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوگا۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے کسی عالم سے مل رہا ہوں اس لیے میں نے بہت سے سوالات کر ڈالے، مجھے معاف کیجیے گا محترم آپ میرے ساتھ آئیے۔ اور ہاں یہ نوجوان کون ہے؟" اس نے تفران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا نام تفران ہے اور یہ میرا شاگرد ہے۔ اس کا تعلق یونان سے ہی ہے۔ یہ مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

پہرے دار نے ہم دونوں کو ایک وسیع اور کشادہ عمارت کے ایک آراستہ کمرے میں ٹھہرایا اور رخصت ہو گیا۔ یہ عمارت محل کے احاطے کے باہر واقع تھی جسے پہلی بار میں جب یہاں آیا تھا تو مجھے محل کے نذر دلالے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا جو یقیناً ایک معزز مہمان کے شایانِ شان تھا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد دس پہرے دار دوبارہ ہم لوگوں کے پاس آئے اور اس نے بتایا کہ رالشوز ہمارا منتظر ہے۔

ہم دونوں جب رالشوز کے دربار میں پہنچے تو وہ ایک آرام دہ تخت پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ دو حسین کنیزیں اس کے دائیں بائیں کھڑی ہوئی مور چھل جھل رہی تھیں۔ سامنے نیچی نیچی کرسیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن پر امرائے دربار اور فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بیشتر کو میں پہچانتا تھا، ایک طرف ایک کرسی پر ایک بہت بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے پر لمبی سی سفید ڈاڑھی تھی اور اس کے سامنے پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی میز پر چند کتابیں، کاغذات اور کچھ اور فضول قسم کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں نے دربار میں داخل ہو کر رالشوز کو تعظیم دی پھر سامنے رستے سنگِ مرمر سے ہم چلتا آیا تھا، پر پہنچا۔ ہمیں دروازے تک چھوڑ کر رخصت ہو گیا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا ہندوستانی دانشمند؟" رالشوز نے مجھ سے سوال کیا۔

"اس ناچیز کو بلارام سنگھ کہتے ہیں۔" میں نے بھلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور ساتھ ہی یہ میرا شاگرد تفران ہے۔"

"میرے پاس آنے کا مقصد؟" اس نے بھاری آواز میں سوال کیا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ نجومیوں اور نجومیوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں علم نجوم کا ایک پرانا طالب علم ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھ ملاقات کی عزت بخش کر آپ کو خوشی ہوگی۔"

رالشوز نے ایک لمبی سی "ہوں" کی آواز نکالی۔ اس کا انداز گفتگو رعونت اور تکبر سے بھرپور تھا۔

"تم میری قسمت کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سب کچھ سردار۔ سب کچھ۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ بھی جو بیت چکا ہے اور وہ بھی جو آنے والا ہے۔"

"اچھا تو پھر شروع ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

بات یہ ہے کہ پرو فیسر کرمی گرچہ تمہارا تو اب چند لمحوں میں رالشوز کا کام تمام کر سکتا تھا۔ لیکن میں اسے اتنی آسانی سے مرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے سارے درباریوں کے سامنے جی بھر کر ذلیل کرنا چاہتا تھا اور میری خواہش یہ تھی کہ مرنے سے پہلے اسے اس بات کا اچھی طرح علم اور احساس ہو جائے کہ اس نے سارہ والوں کے ساتھ اور خود میرے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے۔ میں اسے عبرت سے گاہ کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے اپنا ہاتھ چھونے کی اجازت دیجیے سردار۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

رالشوز نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ اس شمایں میں نے محسوس کیا کہ دربار میں موجود ایک لمبے تڑنگے بوڑھا، جس کے سامنے کتابیں اور دوسرا سامان رکھا ہوا تھا، مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور میں نے صاف طور پر محسوس کر لیا کہ اس کی نظروں میں میرے لیے ناپسندیدگی اور حقارت ہے۔

"ٹھہرو ہندی نجومی۔" یکایک وہ بوڑھا اپنی گہری اور بھاری آواز میں بولا۔

مجھ سمیت سارے لوگ، جن میں رالشوز بھی شامل تھا، آواز کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس وقت رالشوز کے دربار میں ہو میرا نام شاریپ ہے اور میں اس پورے علاقے کا سب سے بڑا نجومی ہوں سردار رالشوز کے ماضی، حال یا مستقبل کے بارے میں کوئی بات زبان پر لانے سے پہلے یہ سچ لینا کہ میں یہاں موجود ہوں اور تمہاری غلط بات پر فوراً گرفت کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ سردار رالشوز جھوٹوں اور غلط بیانی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔" بوڑھا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"عظیم رالشوز شاریپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" رالشوز نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس علاقے کا سب سے زیادہ باکمال اور باعلم نجومی ہے دور دور تک اس کی لیاقت کا کوئی ثانی نہیں۔ اسے میرے دربار میں شاہی نجومی کا درجہ حاصل ہے اور میں اس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں۔"

"میں سردار اور اس کے شاہی نجومی کے اعتماد کو مجروح نہیں کروں گا۔" میں نے رالشوز کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

سارے دربار میں اتنا گہرا سناٹا طاری تھا کہ لوگوں کے سانس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تھوڑی دیر تک رالشوز کے ہاتھ کو غور سے دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں یہ سوچ آرہا تھا کہ اس ہاتھ نے سارہ کے بے گناہوں کے علاوہ اور نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون بہایا ہوگا۔

"عظیم سردار رالشوز۔" میں نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے ماضی کے بارے میں جاننا چاہیں گے، حال کے بارے میں یا مستقبل کے بارے میں؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سب کچھ بتا سکو گے مندی دانش مند؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے اپنے علم پر پورا بھروسہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو میرے ماضی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"تو سنیے عالی نسب سردار۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا آبائی تعلق ان قبائل سے تھا جو بردہ فروشوں کے ایک خونخوار گروہ کا سردار تھا۔" میں نے رک کر رالشوز کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور واقعی سخت ناگواری کے ساتھ حیرت کا اظہار بھی تھا۔

"سرداروں اور بادشاہوں کے سامنے گفتگو کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں ہندی نجومی۔" شاریپ نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "تمہیں اس سے پہلے کسی دربار میں حاضر ہونے اور حکمرانوں سے ہم کلام ہونے کا موقع نہیں ملا۔"

"اسے بولنے دو شاریپ۔" رالشوز نے متانت سے کہا۔ "اس کی باتوں میں سچائی کی بو ہے۔ شاید یہ صحیح لفظوں کے انتخاب کے سلیقے سے واقف نہیں ہے۔"

"آپ کے باپ کو غلاموں کی ایک بغاوت کے دوران جہاز پر قتل کر دیا گیا اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ اس بغاوت کی قیادت ایک ایسے شخص نے کی تھی جو غیر معمولی طور پر بہادر تھا اور جسے کوئی ہلاک نہیں کر سکا۔" رالشوز نے ثبات میں گردن ہلائی۔

پھر پروفیسر میں اسے دوبارہ اس کے ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بتاتا گیا جو مجھے معلوم تھے۔ رالشوز حیرت سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ سارے درباری خاموش تھے اور شاریپ کی نگاہوں میں میرے لیے موجود نفرت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رالشوز اور سارے درباری میرے "علم" سے بڑے متاثر نظر آرہے تھے۔ متاثر تو شاریپ بھی تھا اور اسی لیے وہ سخت ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"سردار رالشوز! آپ نے دوبارہ سارہ پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا۔" میں نے گزشتہ واقعات بیان کرنے کے بعد کہا۔ "آپ سارہ والوں سے دوستی کا عہد کر کے آئے تھے۔ آپ بدعہدی اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"میں نے تمہاری رائے نہیں پوچھی ہے۔" رالشوز نے تلخی سے کہا۔ "تم صرف واقعات بیان کرو۔ صحیح اور غلط فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔"

"یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں سردار رالشوز کہ اس بات کا تعلق آپ کے عبرتناک انجام سے ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" رالشوز بلکہ سم چونک پڑا۔ اور شاریپ سمیت اس کے سارے درباری مجھے گھورنے لگے۔

"مطلب یہ ہے سردار رالشوز کہ آپ نے سارہ کے سردار سارم کو دھوکے سے مہمان بنا کر یہاں بلایا اور اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سارہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ میں آپ کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اب اجل آپ کے سر پر منڈلا رہی ہے اور آپ کوئی دم کے مہمان ہیں۔"

مغلوشی گستاخ۔" شاریپ زور سے دھاڑا۔ "میرے علم کے مطابق سردار رالشوز کو ابھی کم از کم چالیس سال تک زندہ رہنا ہے۔ تو نے کیا بکواس گوئی شروع کر دی ہے؟ سارہ میں اب کون بیٹھا ہے جو سردار رالشوز سے بدلہ لے گا؟"

لیکن میں نے دیکھا، پروفیسر کرمی میرے الفاظ سے رالشوز کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کچھ بھی میں اب تک اسے بتا رہا تھا، وہ سب درست تھا۔ میں نے اس کے سامنے وہ واقعات جو مجھے معلوم تھے بڑی تفصیلات کے ساتھ بیان کیے تھے اور اسے اس بات کا یقین آگیا تھا کہ میں کوئی بڑا پہنچا ہوا نجومی ہوں۔ چنانچہ جب میں نے اسے موت کا پیغام سنایا تو وہ گھبرا گیا۔

"مجھے کون ہلاک کرے گا ہندی نجومی؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "تقدیریں کہہ رہی ہیں سردار رالشوز کہ تم کسی کی موت سارہ کے سردار سارم کے ہاتھ لکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہا ہا ہا۔" رالشوز بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں گہری مکاریت کی جھلک موجود تھی۔

"تمہارا مطلب ہے سارم آقل کا بیٹا سارم دوم؟"

پروفیسر اس موقع پر میں نے اس بات کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ سارم دوم ایک ہی ہے، دو آقل اور دوم کا کوئی سوال نہیں کیونکہ رالشوز میری اس بات کا ہرگز یقین نہیں کرتا۔

"جو بھی آپ سمجھ لیں، بہرحال یہ کام سارم دوم انجام دے گا۔" میں نے کہا۔

شاریپ نے تحقیر آمیز نظروں سے رالشوز کی طرف دیکھا اور زیرِ لب مسکرانے لگا۔ اچانک دانست میں اس نے میری "غلطی" پکڑ لی تھی۔

"یہاں تم ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہو ہندوستانی۔" رالشوز نے مجھ سے ایسے لہجے میں کہا، جس میں عزا اور تمسخر کی جھلک موجود تھی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا علم وسیع بھی ہے اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد بھی۔ لیکن اس جگہ تمہارا علم تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔"

"میرا علم کبھی مجھے دھوکا نہیں دیتا سردار رالشوز۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے اپنے علم کی سچائی پر پورا اعتماد ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" رالشوز نے سنسنی لہجے میں کہا۔ "تمہارے علم نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ سارم دوم ہلاک ہو چکا ہے؟"

"میرے علم نے مجھے سارم کے ہلاک ہونے کی کوئی خبر نہیں دی۔" میں نے اسی طرح ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ "اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سارم ہلاک نہیں ہوا، وہ زندہ ہے۔"

"کیا بکتے ہو میرو قوف آدمی۔" رالشوز واقعی غصہ آگیا تھا۔ "سارم کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔"

رالشور کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ہر ہی نظریں تلوار ان کی جانب اٹھ گئیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کا منہ حیرت کے باعث کھلا ہوا تھا اور وہ بالکل بے یقینی کے انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔ نہیں یاد ہو گا پر البیر کہ میں نے سارڈم میں کسی کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ مجھے جلا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

کیا پھوس کی اس کٹیا میں سے سارڈم اور سیوک کے جلے ہوئے مجسمے برآمد ہوئے تھے؟ میں نے رالشور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

رالشور کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اوہ تو تم کو یہ بھی معلوم ہے۔ تم کو سب کچھ معلوم ہے۔ اس نے ٹوٹے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ میں نے رالشور کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ دربار میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ہر چہرے پر حیرانی کے تاثرات تھے۔

سارڈم کہاں ہے؟ کہاں ہے سارڈم؟ مجھے بتاؤ۔ رالشور کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ دربار میں ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ہر چہرے پر حیرانی کے تاثرات تھے۔

سارڈم یہیں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تم نے اس کا دل دکھایا ہے رالشور۔ سارڈم موجود ہے۔ اس کی مدد موجود گی سے فائدہ اٹھا کر تم نے اس کی بستی کے لوگوں پر ظلم کیا ہے۔ تم نے دوستی کے نام پر اسے دھوکہ دیا۔ تم نے سارڈم کو تمہاری غداری کی سزا دینے کے لیے یہاں پہنچ چکا ہے۔

خاموش۔ رالشور نے [illegible] میں [illegible] چلا کر [illegible] اپنے [illegible] میرے لیے نفرت [illegible] رالشور کی [illegible]

نے اپنی اصل [illegible] بدلی ہوئی [illegible] داڑھی اور [illegible] سامنے [illegible] اپنی آستین [illegible] تیر کی پوری [illegible] تیار ہو [illegible] ایک ہلکا سا [illegible] کا کھینچا [illegible] جیسے والی کیفیت [illegible] کے ساتھ [illegible] کیا [illegible] کے تخت

[illegible] آخری جھٹکے لے رہا تھا اور خون تیزی کے ساتھ بہہ بہہ کر نیچے [illegible] رہا تھا۔

دربار میں ایک شور مچ گیا۔ سارڈم زندہ ہے۔ یہ سارڈم ہے۔ سارڈم واپس آ گیا ہے۔ ہلکی ہلکی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔ [illegible] پر دہشت طاری تھی۔ تاہم ایک نوجوان فوجی افسر نے تلوار لہراتے ہوئے میری طرف پیشقدمی کی کوشش کی۔

خبردار بے وقوف! تم میں سے کوئی بھی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ ورنہ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ میں تم لوگوں کو معاف کر رہا ہوں۔ لیکن رالشور کو میں معاف نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ اس نے [illegible] کی تھی۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔

میری بات پوری ہونے سے پیشتر ہی کسی جانب سے ایک بہت [illegible] اور سبک نیزہ سنسناتا ہوا آیا اور میرے سخت سینے سے ٹکرا کر ٹوٹ [illegible] بلند ہوئی اور نیزہ ٹوٹ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔

میں نے اس طرف دیکھا جدھر سے نیزہ آیا تھا۔ کوئی سپاہی [illegible] سے بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

دربار میں [illegible] کے لیے یہ منظر بڑا حیرت ناک تھا۔ ان درباریوں میں [illegible] وہ بھی شامل تھے جو سارڈم پر رالشور کے پہلے حملے کے دوران [illegible] تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ تیر پر [illegible] گر کر کیسے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن دربار میں کھڑے ایسے لوگ بھی تھے [illegible] آنکھوں سے یہ منظر نہیں دیکھا تھا۔ ان میں سے بعض نے یہ سمجھا [illegible] اپنے بچاؤ کے لیے زرہ بکتر پہن رکھی ہے۔ چنانچہ میرے [illegible] کے باوجود چند درباری مجھ پر چڑھ دوڑے۔ بوڑھا شاریپ [illegible] کی حرکت [illegible] کر رہا تھا۔

خاموش ہو جاؤ بے وقوفو۔ میں نے شاریپ کی طرف [illegible] کہا۔ [illegible] ان لوگوں کی زندگیوں کے پیچھے پڑے ہو۔ اگر [illegible] اور [illegible] درباریوں کے قد [illegible] تعداد [illegible] پانچ تھے اور [illegible] ایک وقت میں [illegible] حملہ کرتے [illegible] کی [illegible] بعد میں [illegible] قدموں میں [illegible] پڑے [illegible] چند لمحوں [illegible] تھے۔ دراصل مجھے [illegible] تھی اور [illegible] کیے [illegible] پتا تھا کہ دربار میں کوئی معرکہ آرائی نہ ہو اور [illegible] تم [illegible] نہیں ان [illegible] درباریوں میں [illegible] چوکس [illegible] زیادہ [illegible] اپنے [illegible] کا سارا جوش ختم کر دیا۔ میں انہیں ہلاک [illegible] چاہتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے خود موت کو دعوت دی تو اس [illegible] اور کیا کر سکتا تھا۔ میرے ہاتھ کی ہلکی سی ضرب سے ان [illegible] زہر [illegible] اور کھوپڑیوں کی ہڈیوں کو سرخ رنگ کے دھبوں [illegible] دیا۔

[illegible] حال سے سامنے دربار کی بہت ہی زیادہ [illegible] اپنی آنکھوں پر [illegible] رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کے چلنے [illegible] ملنے کی قوت ہی سلب ہو گئی ہے۔ بوڑھے شاریپ کی زبان بھی چھانک کے [illegible] گئی تھی، مگر وہ اب بھی کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

اگر تم میں سے کسی کا دل چاہے تو وہ اپنی حسرت نکال سکتا ہے۔ میں نے باقی ماندہ درباریوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اور اگر تم لوگ سب کے سب ایک ساتھ مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہو تو اس کی بھی اجازت ہے اور اگر تم اپنے پورے لشکر کو میرے برابر لانا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن اس صورت میں تمہیں یہ بات یاد رکھنی ہو گی کہ میرے مقابلے پر آنے والے ہر شخص کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور اس طرح تم اپنے پورے لشکر کو بے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ جیسا کہ سارڈم پر تم لوگوں کے پہلے حملے کے دوران ہوا تھا جب رالشور کی فوج کے صرف دس سپاہی باقی بچے تھے جن میں رالشور خود بھی شامل تھا اور میں نے اس کی جان بخشی کی تھی۔ اگر تم لوگ اس واقعہ کو ایک بار پھر دہرانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی ہے۔

میں نے دربار میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ مجھے ہر جانب جھکے ہوئے سر نظر آ رہے تھے۔ ہر شخص جو سے آنکھ ملانے سے گریزاں تھا۔ بڑی عجیب صورت حال تھی پر وہ یہ الفاظ بنا سارڈم کی صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ میں نے بوڑھے شاریپ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک لعنت اور زیادہ بوڑھا اور نڈھال ہو گیا تھا۔ وہ اس کی ذہنی کشمکش سے ترتیب۔ اس نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا تھا۔

جو جواب دو۔ میں نے اسے کہا۔ تم لوگوں میں حکومت کے [illegible] وزراء اور فوجی افسر موجود ہیں۔ میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں۔ تم لوگ سوچنا چاہتے ہو اپنی شکست کا اعتراف کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دو۔

میرے اس سوال کے جواب میں [illegible] دربار میں کچھ سرگوشیاں ہوئیں۔ [illegible] کے بعد ایک [illegible] میرا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

[illegible] سردار [illegible] پہلے پروقار انداز میں ہاتھ باندھ کر [illegible] جھک کر مجھے تعظیم دیتے ہوئے کہا۔ آپ نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ ہماری [illegible] کے مصداق [illegible] ہے۔ [illegible] دنیا [illegible] بات [illegible] ہے۔ [illegible] دعا کہ وہی ہر [illegible] ہماری کوشش ہوتی ہے۔ [illegible] اپنی تمام جہالت سے ہم سب کو محروم کر دیا۔ اب آپ ہمیں اتنی [illegible] دیجیے کہ ہم لوگ [illegible] میں کچھ مشورہ کر سکیں اور آپ کو [illegible] بعض فیصلے سے مطلع کر سکیں۔

اگر آپ [illegible] دربار میں تنہا کیا [illegible] کرنے [illegible] ہوئے کہا۔ [illegible] پروقار انداز میں [illegible] ان لوگوں پر [illegible] رہا تھا۔ [illegible] میرے [illegible] رہا تھا۔

میرا نام [illegible] رالشور نے جواب دیا۔ میں [illegible] کا وزیر اعظم اور نائب السلطنت ہوں۔ مجھے دربار کے تمام ارکان کا اعتماد

حاصل ہے۔"

"کیا یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے؟" میں نے مراد درہار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان سب نے یک آواز جواب دیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور یہ کہ سب کے سب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اور اب رالشوز کے بعد اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کریں گے۔

"اور تم کیا کہتے ہو بوڑھے شارپ؟" میں نے شارپ کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تمہارے علم کے مطابق تو رالشوز کو ابھی مرے ہوئے کم از کم چالیس سال تک مزید زندہ رہنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ چالیس گھنٹے بھی نہ جی سکا۔"

"میں نائب السلطنت اقلوس کا وفادار اور اس کے حکم کا پابند ہوں۔" بوڑھے نے مجھے زہریلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو سنو اقلوس!" میں نے کہا۔ "میں تمہیں ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے کے دوران تم لوگ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو۔ اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ بصورت دیگر تمہیں سارودہ سے لوٹا ہوا سارا مال و اسباب واپس کرنا ہوگا۔ وہاں کی ساری اغوا شدہ عورتوں کو واپس کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں تم لوگوں نے لوٹ مار سے جو ذخیرہ تم لوگوں نے لوٹا ہے وہ اور سارے مویشی واپس کرنے ہوں گے۔ تم نے انسانی جانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تو کوئی تلافی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ مردوں کو کوئی نہیں جلا سکتا۔ تاہم اس کے عوض تمہیں سونے اور چاندی کی ایک معقول مقدار سارودہ والوں کے حوالے کرنی پڑے گی تاکہ جن گھروں کے چراغ گل ہو گئے ہیں ان کی تھوڑی بہت اشک شوئی ہو سکے۔" میں نے رک کر ان کے چہروں کا جائزہ لیا اور پھر سب کے سب خاموش تھے۔ "میرا یا سارودہ کے کسی شخص کا شمار پر قبضہ کرنے اور اس پر حکومت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

میں نے پھر ان کے چہروں کو دیکھا۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے تھے۔ "میں اپنے نوجوان دوست کے ساتھ یہاں سے واپس چلا جاؤں گا اور تمہاری حکومت نہیں لوگوں کے سپرد کر جاؤں گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا شمار کے امیر! کہ اگر تم میں سے کسی نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر میں آزاد ہوں گا کہ تم لوگوں کے ساتھ جیسا چاہوں، سلوک کروں۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر شمار میں سازشیوں کے نام کو رونے والا بھی کوئی باقی بچے گا یا نہیں۔ ایک بار میری بستی کے معصوم لوگ تمہاری سازش کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ میری غفلت سے، کیونکہ میں نے رالشوز پر اعتماد کیا تھا۔ اب دوبارہ دھوکہ کھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں اور میرے نوجوان دوست اب شمار کی سیر کریں گے اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد میں اسی جگہ واپس آ جاؤں گا۔ اگر تم کو لڑنے کا شوق ہو تو اپنی فوجیں آراستہ کر کے تیار رہنا۔"

اہل دربار کے سامنے یہ تقریر کرنے کے بعد، جس میں، میں نے صلح کی ساری شرائط بیان کر دی تھیں۔ میں نے نفران کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں سامنے درباریوں کو حیران اور خوفزدہ چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

جب ہم محل کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں موجود پہرے داروں نے دو بانکھوں اس پہرے دار نے جس کے دھچے ہماری دربار تک رسائی ہوئی تھی، ہمیں بڑی حیرت سے دیکھا کیونکہ ہماری داڑھی مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور میں شکوفے کے بجائے بڑی کمان کے تیر کی طرح سیدھا چل رہا تھا۔ تاہم اس پہریدار نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اب ہم شاہی مہمان بن چکے تھے۔

شمار کے گلی کوچوں میں زندگی اپنے تمام تر حسن و سرگرمیوں کے ساتھ رواں تھی۔ بازاروں میں اور دکانوں پر خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ حسین عورتیں سامان آرائش کی دکانوں میں آ جا رہی تھیں۔ قدم قدم پر حسن کے جلوے بکھرے پڑے تھے۔ شمار کی عورتیں اپنے دور کی بڑی فیشن پرست عورتیں تھیں پر فیسر جبکہ سارودہ کی عورتیں سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عادی تھیں۔ بازار میں خرید و فروخت کے کاروبار اور دکانوں میں اشیائے خوردنی کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ شمار کے لوگ اپنی زندگی سے کافی خوش حال ہیں۔ ویسے بھی پروفیسر مجھے ان کے طرز زندگی کا اس سے پہلے بھی اندازہ ہو چکا تھا تاہم نفران کے لیے یہ مناظر نئے تھے۔ وہ اس سے پہلے کبھی شمار میں نہیں آیا تھا۔ بستی کے لوگ ہم دونوں اجنبیوں کو پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ مجھے خاص طور پر بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مجھے اس سے پہلے بھی شمار میں رالشوز کے مہمان کی حیثیت سے دیکھ چکے ہوں گے۔ اس وقت میری رنگت سنہری تھی جبکہ اب میں انہیں سانولا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ ہم دونوں" میں گہری مشابہت دیکھ کر حیران ہو رہے ہوں۔ محل سے باہر کے لوگوں کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ رالشوز مر چکا ہے اور ان کی بستی زبردست انقلاب سے گزر رہی ہے۔

ایک نانبائی کی دکان کے آگے سے گزرتے ہوئے بھنے ہوئے گوشت کی تیز لپٹ نے مجھے اور نفران کو دکان کے اندر کھینچ لیا۔ بے ساختہ ہم دونوں کے منہ سے رال ٹپکنے لگی تھی۔ دکان کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ ہم دونوں کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ نانبائی نے دو پلیٹوں میں بھنا ہوا گرم گرم گوشت اور شوربے کے دو پیالے ہمارے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم لوگ اس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو میرے دوستو؟"

"ہم لوگ بڑی دور سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں سے کئی دن کی مسافت پر ایک بستی ہے، جس کا نام سارودہ ہے، ہمارا تعلق اسی بستی سے ہے۔"

"اوہ!" اچانک نانبائی کی آنکھوں میں حیران اور مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "تو تم سارودہ سے آئے ہو؟ ہم سارودہ تو..." سارودہ تو..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں شاید یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جس بستی

کو چند دن پہلے شمار کی فوجوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا تھا، وہاں کے مسافر شمار میں کس طرح پہنچ گئے۔ یا شاید وہ ہمارے سامنے یہ کہنے سے جھجک رہا تھا کہ شمار والوں نے سارودہ کو تباہ کر دیا ہے۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ "شمار کی فوجوں نے سارودہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ میں سارودہ کے بچے کھچے لوگوں کی جانب سے ایک ضروری پیغام لے کر اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ یہاں رالشوز کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔"

"کیا تم لوگ رالشوز سے مل چکے ہو؟" اس نے پوچھا۔ اس عرصہ میں آس پاس بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی توجہ ہماری جانب مبذول ہو گئی تھی اور وہ غور سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔

"ہاں، ہم لوگ رالشوز کے دربار میں گئے تھے اور اس سے بات بھی کی تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ مر گیا۔" میں نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا کہا؟" نانبائی اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ "رالشوز مر گیا؟ وہ کیسے؟"

"اسے بھرے دربار میں کسی نے قتل کر دیا۔" میں نے اسے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"رالشوز کو کس نے قتل کر دیا؟" اس نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔ "وہ بھرے دربار میں کیسے قتل ہو گیا؟"

"اسے کسی نے اس جرم میں قتل کر دیا کہ اس نے سارودہ کے بے گناہ لوگوں کو دھوکے سے ہلاک کیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

ذرا ہی دیر میں پورے بازار میں غل مچ گیا کہ رالشوز کو اس کے کسی دشمن نے بھرے دربار میں قتل کر دیا ہے۔ جب میں اور نفران نانبائی کی دکان میں سے خوب شکم سیر ہو کر نکلے تو اس وقت تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ لوگ میری اور نفران کی جانب انگلیاں اٹھا اٹھا کر کچھ کہہ رہے تھے۔ غالباً وہ یک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ یہ طویل عرصہ ہم لوگوں کی فراہم کردہ ہے۔ میں اور نفران سڑک پر کافی آگے نکل چکے تھے اور ہمارے پیچھے پیچھے یہ خبر پھیلتی جا رہی تھی کہ رالشوز مارا گیا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے گھوڑوں کی تیز تیز ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ شمار کے دو فوجی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں نے نفران کو اپنے پیچھے کر لیا اور خود ان کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ دونوں فوجی ہمارے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے پیچھے کئی لوگ بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں نے فوجیوں کو ہماری نشاندہی کی ہوگی۔

"یہ افواہ تو نے پھیلائی ہے کہ رالشوز کو قتل کر دیا گیا ہے؟" ان میں سے لڑکے کو کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ افواہ نہیں ہے۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "تم رالشوز کے محل میں جا کر خود اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ تمہارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے بے ایمان۔" سپاہی نے اپنا لمبا سا چابک لہرایا۔

"میں ابھی کچھ دیر پہلے محل کے اندر موجود تھا اور رالشوز نے میرے سلام کا جواب بھی دیا تھا۔ وہ زندہ و سلامت ہے۔ تو کس دشمن کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" اور اتنا کہہ کر اس نے چابک گھما یا اور مجھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر چابک پکڑ لیا اور اچانک اسے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ وہ سپاہی منہ کے بل چابک کے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اسی اثنا میں اس کے دوسرے ساتھی نے اپنا چابک لہرایا اور میں نے اچھل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بھی گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اتنی دیر میں پہلے والا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہ کھل کی طرح لپک کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے اسے بھی ہاتھ سے پکڑ لیا اور پھر میں نے ان دونوں کے دائیں ہاتھوں کو ایک ساتھ ملا کر اپنی بغل میں دبا لیا۔ ان کے صرف بائیں ہاتھ آزاد تھے دونوں سپاہی بری طرح مچل اور تڑپ رہے تھے۔ وہ میری گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا انہیں کسی نے لوہے کے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔ ان کی آنکھوں سے حیرانی اور شدید خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آزاد ہاتھوں سے مجھے بری طرح مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لاتیں چلا رہے تھے اور زور لگا رہے تھے لیکن کسی طرح ان کی گلو خلاصی ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اس دوران وہاں ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اور حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بعض من چلے تو سپاہیوں کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن مجمع میں سے کسی نے بھی ان کی مدد کے لیے آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً لوگ رالشوز کے سپاہیوں سے زیادہ خوش نہیں تھے اور انہیں ناپسند کرتے تھے۔

میں نے بازو کو تھوڑا سا دبایا اور سپاہیوں کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ بری طرح ڈکرانے لگے۔ میں نے اپنی گرفت ڈھیل کر دی تو ان کے درد میں کمی آ گئی۔ پھر زیادہ دیر میں وہ میری خوشامد پر اتر آئے اور گڑگڑا کر اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے میری گرفت سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔

میں نے اپنا بازو اور سر اٹھا کر ان کے ہاتھوں کو آزاد کر دیا اور یہ منظر دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی کہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر ایسے بے تحاشہ بھاگتے چلے گئے کہ انہوں نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اس دوران مجمع کچھ اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور بہت سے لوگ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی بھی شامل تھی اور کئی عورتوں نے تو باقاعدہ مجھے شاباش بھی کہی۔ لیکن میں نفران کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میرے تیور بدستور برہمی کی رو کی وجہ سے بپھرے ہوئے تھے اور کندن جیسا جسم چمک رہا تھا۔

سارے بازاروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ سب دکاندار اپنی دکانوں سے باہر نکل کر سڑکوں پر آ کھڑے ہوئے تھے، خرید و فروخت کا سلسلہ رک گیا تھا

رشنو کے قتل کی خبر ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گلی کوچوں میں جمع ہو کر باتیں کرنے لگے تھے۔ اب تک یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ رشنو کو قتل کرنے والا شخص آزادی کے ساتھ ان کے درمیان گھوم رہا ہے۔ اور پروفیسر اگر انہیں یہ بات معلوم ہو بھی جاتی تو اس سے کیا فرق پڑ سکتا تھا، ظاہر ہے کہ وہ بے چارے بیچارے کیا بگاڑ سکتے تھے۔

تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بستی کے بازاروں کی سیر کرنے کے بعد ہم دونوں دوبارہ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے ایک حمام میں غسل کر کے اپنا بدن صاف کر لیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص اور قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب ہم دونوں محل کے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم صدر دروازے کے سامنے جمع ہے اور لوگ ایک دوسرے سے اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہم دونوں بھیڑ کو چیرتے ہوئے اپنا راستہ بناتے ہوئے صدر دروازے کے قریب پہنچے وہاں جا کر ہم نے دیکھا کہ دروازہ بند تھا اور پہرے داروں کی تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی پہرے داروں کے افسر نے فوراً دروازہ میں لگی ہوئی کھڑکی کھول دی اور ہمیں اندر بلا لیا۔ غالباً انہیں پہلے سے اس بات کی ہدایات دے دی گئی تھیں۔ وہ ہمارے بدن کی اصل رنگت کو دیکھ کر آنکھیں جھپکنے لگے۔

جونہی ہم محل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے، ہم نے ایک ایسے منظر کو اپنا منتظر پایا جس کے لیے ہم وجود ہی نہیں تھا۔

"اقلوس اور دوسرے سردار آپ کے منتظر ہیں معزز سردار۔" اس نے شائستگی کے ساتھ ہم سے کہا۔ "سب ولی دربار میں جمع ہیں۔"

"ہم بھی وہیں چل رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھا میں نے دزدیدہ نظروں سے اتلوس کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ ایک لمحے کے دسویں حصے میں میں نے تثاریب کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت نظر آ رہی تھی۔ باقی تہ باری دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آہستہ سے ڈبے کے ڈھکن کا کنڈا کھول دیا۔ اب صرف ڈھکن اوپر اٹھانے کی دیر تھی۔ لیکن میں نے پورا ڈھکن اوپر نہیں اٹھایا۔ میں نے ڈھکن کو بالکل ذرا سا اوپر اٹھا کر اس میں ایک چھری پھینکی اور پھر ایک دم اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ نکالا تو اس میں ایک نہایت خوف ناک سیاہ رنگ کا سانپ لہرا رہا تھا جس کا پھن میری مٹھی میں دبا ہوا تھا اور جو بری طرح مچل رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر تفرین کی چیخ نکل گئی اور وہ میری طرف دوڑا میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا۔ میرے چہرے پر خوف دہراس اور گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ پا کر تفرین بہت حیران ہوا۔ امراء دربار کی حالت قابل دید تھی۔ یوں لگتا تھا یہ وفیسر جیسے کسی نے ان کے جسموں سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ان سب کے چہرے یک لخت سفید پڑ گئے تھے اتلوس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بوڑھے تثاریب پر سکتہ طاری تھا۔

"کیا کہتے ہیں امرائے شمار کی سخاوت کے"۔ میں نے اتلوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "واقعی شمار کے جواہرات کس قدر قیمتی اور نادر الوجود ہیں۔ لیکن میں یہ جواہرات تمہیں کو واپس کر رہا ہوں۔ شمار کہہ کر میں نے سیاہ زہریلے سانپ کو اتلوس کے سر پر اچھال دیا۔ غصے میں آئے ہوئے سانپ نے صحیح نشانہ لگایا کہ اتلوس کی گردن میں اپنے دانت پیوست کر دیئے۔ اتلوس کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس اثناء میں کئی درباریوں نے بھاگ کر باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں سانپ کو اتلوس کی طرف اچھالنے کے فوراً ہی بعد لپک کر دروازے کو اندر سے بند کر چکا تھا۔ دربار میں آنے جانے کا یہ واحد دروازہ تھا۔ لکڑی کا بنے عدد بھاری بھرکم اور بلند و بالا دروازہ جس میں اندر و باہر بھاری بھاری زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے اندر سے بھاری زنجیر چڑھا دی اور عقب دروازے کو روک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھاگتے ہوئے امیر نے حواس باختگی کے عالم میں مجھے دھکا دیتے ہوئے زنجیر کھولنے کی کوشش کی اور دوسرے لمحے اس کی گردن میرے ایک ہاتھ کی گرفت میں تھی اور اس سے اگلے لمحے اس کا نیم مردہ بدن زمین پر پھڑک رہا تھا۔ زہریلا سانپ اتلوس کو ڈسنے کے بعد اب ایک اور امیر کی طرف بڑھ رہا تھا کہ کسی نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا وہ ایک لمبا تڑنگا درباری تھا جس کی آنکھیں بہت بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا دوست"۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "بعد جواہرات کے اس ذخیرے پر سمجھوتہ آزمائی کیا ضرورت تھی یہ تو ٹھیک قیمتی جواہرات کا ذخیرہ تھا۔"

"یقین کرو معظم سارہ یہ اس شخص نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ سب کچھ کسی غلطی کا نتیجہ ہے، شاید کوئی ملازم غلط ڈبہ اٹھا لایا۔ ہم..... ہم..... تم سے معافی چاہتے ہیں۔"

"اس کا وقت گزر چکا ہے اشمار اس کے بدلے امیر وزیر میں نے غصے سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری تحقیق ہی غداری کے خمیر سے گندھی ہے۔ غلط فہمی نہیں مجھے ہوئی تھی جو میں نے تم جیسے رہزنوں اور بدقماشوں پر اعتماد کیا۔ اس وقت دربار میں جتنے لوگ موجود ہیں ان یقیناً سب کے سب اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کا حشر یکساں ہو گا۔ اتما کہہ کر میں نے اس شخص کی تلوار کھینچ لی جس نے بھاگنے کی کوشش میں میرے قدموں میں دم توڑ دیا تھا۔

میرا گلا شدت سے اور بھاری بھرکم بدن کا سر وار تھا جس نے میری جانب اپنا خنجر چھالنے کی حماقت کی تھی۔ بوڑھا شاریب حیرت ناک خاموشی کے ساتھ یہ روح فرسا منظر دیکھ رہا تھا۔

مختصر یہ کہ میں نے ایک ایک کر کے سارے امرائے دربار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ اتنے زیادہ خوفزدہ ہو گئے تھے کہ ان میں مقابلے یا مزاحمت کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اور اگر وہ مقابلہ کرتے بھی تو بھی ان کا انجام مختلف نہ ہوتا۔

ان سب سے فارغ ہو کر میں بوڑھے شاریب کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ نہ جانے اس نے کس وقت کون سی ایسی چیز کھا لی تھی، جس نے اسے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے واقعی اپنی اناکا آخری وقت تک برقرار رکھا اور میرے ہاتھوں مرنا گوارا نہیں کیا۔ ویسے یہ پروفیسر میں اسے ہلاک نہ کرتا۔ کیونکہ وہ کافی بوڑھا اور کمزور تھا۔ میں نے اس کی جان بخش دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ میرے مخالف سازشوں میں وہ برابر کا شریک تھا۔ مگر مجھے اس کی کیا پروا تھی۔ بہرحال اس نے خود کو ہلاک کر لیا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟

دربار میں ہر طرف لاشیں اور خون پھیلا ہوا تھا۔ میں نے دربار کے بڑے دروازے کو کھول دیا۔ تھوڑی دور پہرے دار کھڑے تھے۔ میں نے ان کے سربراہ کو بلایا اور اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ دربار کا اندرونی منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔

"یہ سب لوگ سازش کے نمائندوں کے ساتھ بدعہدی اور غداری کے مرتکب ہوئے تھے اور میں نے انہیں اس کی سزا دی ہے۔" میں نے سپہ سالاروں کے سربراہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شمار میں فی الحال کوئی سردار نہیں ہے اور میں عارضی طور پر اپنے ساتھی تفرین کو یہاں کا سردار مقرر کرتا ہوں۔ تم پورے شہر میں اس بات کی منادی کر دو اور اس کے ساتھ ہی میں نے اسے ان شرائط کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ جو میں نے شمار کے امراء کے سامنے پیش کی تھیں اور اسے ہدایت دی کہ وہ پورے شہر والوں کو مطلع کر دے کہ ہم

شمار کی فوجیں کر دی جائے۔ میں نے اسے مزید ہدایت دی کہ شمار کی فوجوں کو شام کے وقت محل کے سامنے میدان میں جمع کیا جائے۔ میں ان سے مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے اسے حکم دیا کہ محل کے چند ملازمین کو میرے پاس بھیج دے۔ میری اس ہدایت پر فوراً عمل کیا گیا۔

خوفزدہ و لرزتے ہوئے ملازمین کو میں نے حکم دیا کہ دربار میں بکھری ہوئی ہر لاش کو ایک چارپائی پر ڈال دیا جائے اور یہ ساری چارپائیاں محل کے سامنے والے میدان میں بچھا دی جائیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اتلوس اور اس کے دیگر پانچ ساتھیوں کی لاشیں ابھی دفنائی نہیں گئی تھیں اور محل کے ایک حصے میں موجود تھیں۔ میں نے ان لاشوں کو بھی چارپائیوں پر ڈال کر محل کے سامنے رکھنے کا حکم دیا۔

جس وقت میں تفرین کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوا تھا اس وقت تک اتلوس کے قتل کی خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی لیکن لوگ کسی کی جانب سے اس خبر کی تصدیق کے منتظر تھے۔ اب منتظر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد دوسرا جنازہ آنا شروع ہوا اور وزراء امراء سارے امرائے دربار کی لاشیں ان کے سامنے تھیں۔ سب سے پہلے اتلوس کی لاش کو باہر نکالا گیا۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر میں سارے شہر میں خوف و ہراس کی فضا طاری ہو گئی۔ تفرین کے ساتھ محل کے دروازے پر شاہانہ انداز میں کھڑا ہوا میں اور سنتری کرنے والوں کی آوازیں سن رہا تھا جو سارے شہر میں اعلان کرنے سے دوسرے کونے تک گونج رہی تھیں۔ میں اور تفرین دونوں محل کے دروازے پر کافی دیر سے کھڑے تھے۔ کسی ملازم کی یہ ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ میرے اندر آنے کے لیے کہے۔ تاہم ایک خوفزدہ بوڑھا ملازم ڈرتے ڈرتے اندر آیا اور کرسیاں لا کر ڈال گیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ اب سورج مغرب کی سمت بڑھ رہا تھا اور سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ سامنے میدان میں فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اپنے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں جمع ہونے لگے تھے۔ یہاں تک کہ میدان کا ایک کونہ سے بھر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری غیر معمولی شجاعت کے قصے اب تک پہنچ چکے ہوں گے۔ دراصل میں سے اب کوئی مقابلے پر نہیں کرے گا۔

ذرا دیر بعد کئی چھوٹے چھوٹے سردار میرے پاس آئے۔ انہوں نے میرے سامنے جھک کر تعظیم دی اور یہ کہا کہ شمار کے سامنے فوجی اپنے اپنے سرداروں کی کمان میں میرے معائنے کے منتظر ہیں۔ تفرین کو کرسی کے سامنے پہنچا، جانے میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا کہ محل کے خادموں کی ایک بڑی جماعت ٹوٹ انداز میں ہمارے پیچھے چل آ رہی ہے۔ یہ سارے خادم مسلح تھے مگر ان کے ہتھیار میں تلواریں تھیں۔

میں نے شمار کے فوجیوں پر ایک نظر ڈالی، فوجیوں کے علاوہ شمار کے عوام کی بھاری تعداد بھی میدان میں جمع تھی۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے سارہ اور شمار کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی مکمل تفصیل بیان کی اور انہیں بتایا کہ کس طرح ہمارے ساتھ بار بار بدعہدی کی گئی۔

سارے واقعات بیان کرنے کے بعد میں نے شمار کے لوگوں کو دعوت دی کہ اگر ان میں سے کوئی رائشور کو حق بجانب سمجھتا ہے اور مجھ سے مقابلے کا خواہشمند ہے تو سامنے آئے اور اگر ساری فوج مجھ سے لڑنا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی میں تیار ہوں۔ میرے اس اعلان کے جواب میں چاروں طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر مختلف دستوں کے سردار ایک منظم ٹولی کی شکل میں آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی اپنی تلواریں میرے قدموں میں رکھ دیں اور باادب کھڑے ہو گئے۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل سچ ہے سردار سارہ!" ان میں سے سب سے معمر سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہمیں سارہ والوں کے ساتھ رائشور کی پہلی جنگ کا حال بھی بخوبی معلوم ہے اور دوسری جنگ میں تو ہم سب لوگ بذات خود شریک تھے۔ تمہیں جلانے کی سازش بھی رائشور کے ذہن کی پیداوار تھی، لیکن تم کس طرح بچ نکلے یہ تم نے ہمیں نہیں بتایا، لیکن ہم اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ تمہیں دیوتا ڈل نے تحفظ فراہم کیا ہے تم یقیناً کسی دیوتا کا اوتار ہو، ورنہ ایک عام آدمی اس قدر حیرت انگیز سرگرمیوں کا حامل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ تم تاویل تسخیر ہو۔ اب ہم تم سے جنگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم تمہارے غلام اور تابع فرمان ہیں۔ تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔"

"میرا سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ آج سے تفرین اس مملکت کا سردار ہے۔" میں نے تفرین کو ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "تفرین کے حکم کو میرا حکم سمجھا جائے اور اس کی تعمیل کی جائے۔ جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے تو اس وقت میں تمہیں میں سے کسی کو سردار بنا دوں گا۔ کیونکہ ہمارا یہ دیوتا اپنی حکومت قائم کرنے کا نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہو۔ اپنا سردار اپنا منصب سنبھالنے کے لیے تیار رہے۔"

لوگ منتشر ہونے لگے میں اور تفرین سرداروں کی معیت میں محل میں داخل ہوئے، بچے کھچے امراء و وزراء نے تفرین کو نذریں پیش کیں جو اس نے میری ہدایت کے مطابق قبول کرنے کے بعد شکریے کے ساتھ واپس کر دیں تفرین نے فوراً ہی انتظامات جاری کرنے شروع کر دیئے۔ شمار کے بعض لوگوں کے ساتھ رائشور اور امرائے دربار نے سخت زیادتیاں کی تھیں لیکن وہ لوگ ان کے آگے زبان نہیں کھول سکتے تھے۔ اب لوگوں کا ایک بڑا گروہ شکایتوں کا دفتر لے کر آ گیا اور تفرین ان کے مقدمے سننے لگا۔ اس نے میرے مشورے سے ان کے مسائل حل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا اور ہم لوگ محل کے اندرونی حصے میں آئے جہاں حسین و نازک اندام کنیزوں کے پرے کے پرے ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔ یہاں نہایت

پر تکلف کھانا اور اعلیٰ درجے کے مشروبات پیش کیے گئے۔ تفران رشتہ کے لحاظ سے ان کی اندرونی شان و شوکت دیکھ کر دنگ تھا۔

تفران کا لباس تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب اس کے جسم پر بیش قیمت خلعت تھا۔

مہمانے مجھ سے بھی تبدیلیٔ لباس کی درخواست کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ اب میں نے ہندوستانی بڑھی والا لباس بھی اتار کر پھینک دیا تھا۔ اور میں اپنے روایتی قدیم لباس میں آ گیا تھا جو میں ہمیشہ سے استعمال کرتا چلا آیا تھا۔

رات زیادہ ہو گئی اور تفران کو شاہی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا مجھے محل کا ایک اور عالی شان کمرہ خواب گاہ کے طور پر دیا گیا اور میں آرام و بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسرے دن صبح ہونے سے کچھ دیر بعد سپاہیوں کی نگرانی میں عورتوں کے ایک گروہ کو محل کے اندر لایا گیا۔ یہ سارہ کی منتخب کردہ حسین ترین عورتیں تھیں۔ جو مجھے اور تفران کو دیکھ کر چھوٹے چھوٹے قہقہے لگانے لگیں۔ ہم نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ جلد ہی وہ اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں گی۔ عورتوں کے علاوہ ان کے لئے کچھ تحائف بھی تیار کر کے ایک طرف رکھ دیئے گئے تھے۔ اور سارہ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ محل کے سامنے سارہ سے لوٹے ہوئے مال و اسباب کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ اور اس سامان کو بڑی حفاظت کے ساتھ محل کے اندر پہنچا دیا گیا جہاں اس کی بڑی بڑی کھڑکیاں باندھی جاتی ہیں۔

اس دن بھی تفران نے پہلے سے حالات کا جائزہ لیا۔ اس نے ان کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دیا۔ البتہ دن بھر وہ وسیع و عریض محل کے باغات میں گھومتا رہا اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

غرض پورے ہفتے ہم وہاں رہے۔ ہر روز ہم نے شمار میں گزاریں یا پانچویں دن صبح کو ہم نے واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا اور تیاریاں شروع کر دیں تفران کی چار دن کی بادشاہت بے حد مزیدار تھی۔ اور میں نے مقامی زبان میں سے کچھ کو جو میں سب سے زیادہ استعمال کرتا تھا وہاں کا حکمران مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔ وہ باشاہ اور سارہ کے معمار نے بھری رائے سے اتفاق کیا اور نئے حکمران نے وفاداری رہنے کا وعدہ کیا۔

تفران نے ہمیں بہت سی گاڑیاں فراہم کیں جن میں سے کچھ میں عورتوں کو بٹھایا گیا۔ باقی گاڑیوں میں لوٹا ہوا سامان اور نذرانہ گیا۔ مویشیوں کے جوڑے ساتھ کر دیئے گئے۔ میں نے اشاروں اشاروں پر ہی تفران کو نذرانہ پیش کیا تھا اس نے بہانہ کر دیا حالانکہ وہ لوگ سونے کا کافی ذخیرہ اپنے ساتھ لے چکے تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کا قافلہ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ تفران نے میرے ساتھ چلنے کی بہت ضد کی لیکن ہم نے اسے بمشکل سمجھا بجھا کر راضی کر لیا کہ اس وقت اس کا میرے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے شوہر کے قتل میں شریک تھی اور سازش کی سزا سے بچنے کے لیے واپس چلی گئی ہے۔ یہ بات آخر میں اس نے مجھ سے کہی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ مجھے کبھی حالات نے اجازت دی تو میں دوبارہ اشمار ضرور آؤں گا۔ شہر کے سربرآوردہ لوگوں نے ہمیں رخصت کیا۔ جن میں نیا سردار بھی شامل تھا۔ گھڑ سواروں کا ایک دستہ میرے منع کرنے کے باوجود ایک منزل تک ہمارے ساتھ آیا۔ اس کے بعد ہم نے اسے رخصت کر دیا۔ اور ہم لوگ سارہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کئی دن کے مسلسل سفر کے بعد جب ہم سارہ میں داخل ہوئے تو سارا شہر ہمارا منتظر تھا۔ ہمارا بڑا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اعزاز میں دعوتیں دی گئیں جن میں تفران کی بہن بھی شامل تھی۔ اپنے اپنے گھروں میں پہنچا دی گئیں لوٹا ہوا سامان بیچ کے وسط میں ایک میدان میں رکھا گیا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی اشیاء پہچان کر لے لیں۔ مجھے کے نہ جھگڑا ہو اس لیے مجھ کو دیئے گئے تحائف کو باقی مویشیوں کو باڑوں میں باندھ دیا گیا۔

اگرچہ سارہ والے میری غیر معمولی بہادری کا اس سے پہلے بھی خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور کسی وہم سے وہ مجھے انسان کے بجائے دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ لیکن جب تفران کی زبانی انہوں نے وہ واقعات سنے جو شمار میں پیش آئے تھے تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ تفران نے انہیں میرے تگ ہیں زندہ جلائے جانے کے بارے میں بھی بتایا جبکہ اہل سارہ اس واقعے سے بالکل لاعلم تھے۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارہ والوں کے لیے ایک مقدس سا، برگزیدہ اور پر اسرار شخصیت بن گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ فیصلہ کرنے میری جانب سارہ والوں کے رویے میں اب وہ پہلی سی بات موجود نہیں ہے۔ پہلے میں ان میں سے ایک تھا۔ اور وہ مجھے اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھتے تھے جس میں اچھائیوں اور شجاعت کے ساتھ کچھ کمزوریاں بھی ہوتی تھیں۔ وہ میرے ساتھ بے تکلفانہ ہنسی مذاق بھی کرتے تھے۔ لیکن اب ان کے اظہار میں میرے لیے احترام اور تقدس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اب میں باقاعدہ دیوتا سمجھا جانے لگا تھا جس کے سامنے ہنسنا، زور سے بولنا یا مذاق کرنا سخت بے ادبی کی بات تھی۔ اب لوگ میرے سامنے دوزانو ہو کر فاصلے پر بیٹھتے اور انتہائی مودبانہ انداز اختیار کرتے۔ میں رفتہ رفتہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں اجنبی محسوس کرنے لگا۔ میری مخلصانہ گفتگو کے اظہار نے مجھے اپنے لوگوں سے دور کر دیا تھا۔ میں محفل میں بھی جا کر بیٹھ جاتا وہاں گفتگو ہوتے ہوتے قہقہے رک جاتے۔ چہ میگوئیوں کی طرح ہنستی ہوئی آوازیں تھم جاتیں۔ چہروں پر تمانت اور سنجیدگی کا پتھریلا پن نمودار ہو جاتا۔ لوگ کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے اور سنبھل کر مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ میری بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کے جواب میں چہروں پر صرف ہلکی ہلکی محتاط مسکراہٹیں نمودار ہوتیں اور کوئی شخص کھلکھلا کر ہنسنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں خود اپنی ہی نظروں میں مجرم بن کر رہ گیا تھا۔

رفتہ رفتہ میں اس صورت حال سے سخت بیزار ہو گیا۔ میں سارہ والوں کے درمیان ان ہی کی طرح رہنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ایک بن کر رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں بے بسی اور

تقدس کی عادت بن گیا تھا اور اس سے مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی۔

بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے سارہ چھوڑ دینا چاہیے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس بستی کی بنیاد رکھی تھی۔ اسے ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرایا تھا اور دشمنوں کی سازشوں کے خلاف اس کا دفاع کیا تھا۔ میں ایک حد تک برابر زندگی اس بستی میں گزار چکا تھا اور اس دوران اشمار اور اس کی تھوڑی سی گوشمالی کرنے کے علاوہ میں نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ سکون اور اطمینان کا ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا اور میرا دل پھر کسی طویل سفر کے لیے اور کسی طویل اور خطرناک مہم کے لیے بے تاب تھا۔ میں سارہ میں اب پتھر کے بت کی طرح نہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں سستی کھیلتی زندگی چاہتے تھی۔

وہ ایک سخت گرم دن تھا۔ سارا دن شدید حبس طاری رہا۔ شام ہوتے ہوتے گہرے بادل گھر آئے اور تھوڑی دیر میں بارش شروع ہو گئی۔ ابتداء میں ہلکی ہلکی بارش ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے شدت اختیار کر لی اور دھواں دھار برسنے لگا۔ ساری فضا میں پھیل گئی اور یوں لگتا تھا جیسے پانی کی ایک دبیز چادر آسمان سے زمین تک تن گئی ہے۔ بارش کے تیز ہونے کے ساتھ ہی گرمی کی شدت میں کمی اور فضا میں خنکی پھیل گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے دور دور تک سناٹا چھا گیا۔ اگرچہ ابھی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ بستی میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ فضا میں بڑی سوگواری سی طاری تھی۔ ایسے میں میں اپنے گھر سے باہر نکلا۔ میں نے ایک نظر اپنے بارش میں بھیگتے ہوئے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ تیز طوفانی بارش نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا۔ میں نے اپنا منہ کھول دیا اور پانی کے قطرے سیدھے میرے حلق میں ٹپکنے لگے۔ میرے رگ و پے میں انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تھوڑی دیر تک میں اس حالت میں کھڑا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا اور آگے۔ اور آگے۔ یہاں تک کہ میں بستی کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے ایک الوداع نظر سارہ کے خوبصورت مکانوں پر ڈالی۔ اب سارہ سے رخصت ہو رہا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ آج سے میں سارہ والوں کی زندگی سے نکل رہا تھا۔ اور سارہ کو اپنی زندگی سے خارج کر رہا تھا۔ اب صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔ سینکڑوں، ہزاروں گھر دوسری یادوں کی طرح جن کا انمول خزانہ میرے سینے میں محفوظ ہے۔ اب کبھی سارہ والوں کو میرے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے گا اور نہ میرے بارے میں کچھ جان سکوں گا۔ الوداع.... سارہ کے باشندو۔ الوداع۔

میں تیز اور طوفانی بارش میں چلتا رہا یہاں تک کہ سارہ کے مکانات بھی میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ بارش کی تیزی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ بجلی بار بار کوند رہی تھی اور بادل خوفناک انداز میں گرج رہے تھے۔ راستوں پر پانی بھر گیا تھا اور چھوٹے نالوں نے تیز رفتار ندیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور جس وقت بجلی چمکتی تو جنگلوں کے لیے سارا منظر روشن ہو جاتا۔ نیچے نیچے ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، جھاڑیاں اور پانی سے بھرے ہوئے گڑھے میں اب آبادی سے بہت دور نکل آیا تھا اور نہ جانے کون سے ویرانوں میں داخل ہو گیا تھا مجھے نہ سمت کا اندازہ تھا نہ منزل کا پتہ معلوم تھا۔ میں تو بس محو سفر تھا۔

ساری رات دھواں دھار بارش ہوتی رہی۔ آسمان اپنا قہر اگلتا رہا۔ بجلیاں غضب ناک سانپوں کی طرح مچلتی رہیں۔ بادل خوف ناک انداز میں گڑگڑاتے رہے اور میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اندھیرے میں کمی ہونا شروع ہو گئی۔ لیکن بارش اسی شدت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ذرا دیر میں مکمل تاریکی کی جگہ نیم تاریکی نے لے لی۔ صبح ہو رہی تھی لیکن گہرے بادلوں نے سورج کو چھپا رکھا تھا۔ میں چلتا رہا۔ بعض بعض جگہوں پر میں گھٹنے کا پورا پانی میں ڈوب گیا۔ کیونکہ ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور یہ نظر نہیں آتا تھا کہ نشیب کہاں ہے۔ بہر حال میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بارش کے پانی نے میرے جسم کو دھو کر بالکل تر و تازہ کر دیا تھا اور میں خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

کئی دن اور کئی راتوں تک میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں زیادہ تر ویرانوں اور غیر آباد علاقوں سے گزرتا رہا۔ کہیں کہیں دریاں میں چھوٹی چھوٹی دور افتادہ بستیاں بھی نظر آئیں۔ جہاں شاید ایسے لوگ آباد تھے جن کا اس دور کی متمدن زندگی سے کوئی گہرا رابطہ نہیں تھا لیکن میں ان میں سے کسی بھی بستی میں نہیں رکا۔ میں نے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی کہ بستی کے کسی شخص کی مجھ پر نظر نہ پڑنے پائے۔ کئی بار میرا انسانوں سے آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا اور میں بمشکل خود کو ان کی نظروں سے چھپا سکا۔

نہ جانے میں ایک ہفتے تک سفر کرتا رہا یا دو ہفتے تک یا شاید تین ہفتے تک۔ میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں اب کسی چھوٹی موٹی بستی میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ میرا ارادہ تھا کہ اب کچھ عرصہ تک کسی بڑے شہر میں زندگی گزاری جائے۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا کہ میں نے کسی بڑے شہر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ میں نے تقریباً پچیس تیس سال کا عرصہ سارہ میں رہتے ہوئے گزار دیا تھا اور اب میں وہاں سے اکتا کر چلا آیا تھا کیونکہ سارہ والوں کا رویہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ میں اب کسی نئی جگہ جا کر کچھ عرصہ گزارنا چاہتا تھا تاکہ اپنے گناہ گوں تجربات کے ذخیرے میں کچھ اور اضافہ کر سکوں اور میرے سینے میں موجود علم کا یہ قیمتی ذخیرہ کچھ اور وسعتیں حاصل کرے۔ چنانچہ راستے کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کو نظر انداز کرتا ہوا میں ایک ہی سمت میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ رات میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے گزاری تھی اور خوب آرام سے سویا تھا۔ اس جنگل میں بڑی خوش گوار خنک فضا طاری تھی۔ یہاں اونچے اونچے اور گھنے درختوں کی بہتات تھی اور ہزارہا پرندے سرخوشی و سرمستی کے عالم میں ہر طرف چہچہا رہے تھے۔

میں گزشتہ شام کو اس گھنے جنگل میں داخل ہوا تھا اور میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ میں آج کی رات یہیں بسر کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ رات بھر میں درختوں کے نیچے سوتا رہا۔ میرے ارد گرد سفید اور رنگا رنگ بیلیں سرسرا رہی تھیں۔ جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں پھولوں سے بھری ہوئی سیج پر سو رہا ہوں۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو بہت تازہ دم اور شاداں پایا۔ میں اٹھتے ہی آگے چل دیا۔

جب میں کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد گھنے جنگل سے باہر نکلا تو مجھے اپنے سامنے بہت دور اونچی اونچی عمارتوں کے آثار نظر آنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں کسی بڑے شہر کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اسی سمت میں چلنا شروع کردیا۔ دور سے نظر آنے والی عمارتوں کے آثار اتنے قریب نہیں تھے۔ اور مجھے اس جگہ پہنچتے پہنچتے تقریباً دوپہر ہوگئی۔ اب میں ایک عظیم الشان شہر کے سامنے کھڑا تھا جو ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور جس میں بڑی شان دار عمارتیں نظر آرہی تھیں۔ میں شہر کے اندر داخل ہوگیا۔ بڑا پُررونق اور شاداب شہر تھا۔ ہر طرف زندگی رواں دواں تھی۔ بارونق بازار لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف خوبصورت اور مضبوط عمارتوں کے سلسلے نظر آرہے تھے۔ روساء اور معزز شہری گھوڑوں پر سوار اپنے غلاموں اور محافظوں کے ساتھ سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ ان گنت لوگ گلی کوچوں میں چہل پہل کررہے تھے۔ میں نے دیکھا معزز لوگ زیادہ تر بدنو انی تھے۔ لیکن دوسرے طبقوں اور دوسری نسلوں کے معزز لوگ بھی کافی تعداد میں نظر آرہے تھے۔ یہ یقیناً سوداگر، اسیاح اور تجارت پیشہ لوگ ہوں گے۔ غلاموں میں..... یونانی بھی نظر آتے تھے۔ رومن بھی۔ مصری بھی۔ ہندوستانی بھی اور افریقی بھی۔ یہ اپنے دور کا ایک بین الاقوامی قسم کا شہر نظر آرہا تھا چونکہ یہاں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ موجود تھے۔ اس لیے میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ حیرو ہیا نامی ایک چھوٹی سی بستی نہیں تھی جہاں کے تمام افراد ایک دوسرے کی شکلیں پہچانتے تھے۔

میں ادھر اُدھر کافی دیر تک گھومتا رہا۔ دراصل میں یہ فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اب میں کہاں جاؤں اور کس عمارت میں داخل ہوں۔ میرے چاروں طرف مکانات اور عمارتیں پھیلی ہوئی تھیں اور میں ان میں سے کسی میں بھی داخل ہوکر ایک نئی داستان کا موضوع بن سکتا تھا۔

اسی شش و پنج کے دوران میں ایک وسیع عمارت کے صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک بے حد وسیع احاطہ تھا اور اس کے چاروں طرف دالان اور کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے میں ایک طرف چند مضبوط جسموں والے جوان ورزش کرنے میں مصروف تھے۔ ایک طرف دو طاقتور پہلوان آپس میں کشتی لڑ رہے تھے۔ اور ایک معمر شخص انہیں پیچ پیچ کر ہدایتیں دے رہا تھا۔ دوسری جانب چند پہلوانوں کی مالش کی جارہی تھی۔ ایک کونے میں دو بھرپور تیلے افراد بیٹھے میں شترنج بازی کی مشق کررہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی ایسا اکھاڑہ ہے جہاں کھیلوں اور فنونِ حرب کی تربیت دی جاتی ہے۔ میں چند قدم اور آگے بڑھ کر احاطے کے اندر آگیا اور دور کھڑا ہوکر ان لوگوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔

اچانک کسی نے پیچھے سے میری گدی کو کس کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میں نے بے حد طاقت کے استعمال کے بغیر اپنی گردن گھمائی اور دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا آدمی میری گدی کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

"کون ہے تو؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "یہاں کیا کررہا ہے؟" پھر اس نے مجھے اندر آنے کی اجازت دی؟"

"میں ایک مسافر ہوں اور تمہارے شہر میں مہمان ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "کیا تم لوگ اپنے مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟"

"تو اجنبی، تو یہاں کہاں سے آیا ہے؟" اس نے میرے الفاظ کا اثر لیے بغیر کرخت لہجے میں پوچھا اور تب ہی مجھے معلوم ہوا کہ میں اس وقت اس عظیم شہر استھنز میں موجود ہوں جس سے انسانی تہذیب کی ہزاروں داستانیں وابستہ ہیں۔

"کیا تم انسانوں کی طرح بات نہیں کرسکتے؟" میں نے اپنی گردن کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ شخص گرتے گرتے بچا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

اس اثنا میں وہ شخص جو پہلوانوں کو ہدایات دے رہا تھا، ہمارے پاس آچکا تھا۔ اور بڑے غور سے میرے جسم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا تو سرحد والوں کی جاسوسی کرنے یہاں آیا ہے؟" اس نے مجھے نکال کر پوچھا۔ "ہم اس سے پہلے بھی ان کے دو جاسوسوں کی بری درگت بنا چکے ہیں اور اگر تو بھی ان کا جاسوس ہے تو تیرے ساتھ بھی ہمارا رویہ مختلف نہیں ہوگا؟"

"سرحد والے کون؟" میں نے پوچھا۔ "میں کسی سرحد والوں کو نہیں جانتا۔"

"تو سرحد والوں کو نہیں جانتا؟" اس شخص نے پوچھا۔ "پھر تو اس احاطے میں بغیر اجازت کے داخل کیسے ہوا؟ کیا یہاں کوئی شخص تیرا جاننے والا ہے؟"

"نہیں۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اے بھلے مانس تو ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے اور یہاں اس احاطے میں کیا کررہا ہے؟" اس شخص نے اکتا کر پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

"میں کون ہوں، یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "نام کا مسئلہ تو تم مجھے میرے نام سے پکار لو۔ میں ایک بہت دور دراز کی بستی سے یہاں آیا ہوں۔"

"کیوں آیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اس شہر کی بہت تعریف سنی تھی، اور اسے دیکھنا چاہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس شہر میں تیرا کوئی واقف ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میرا کوئی واقف نہیں۔"

"پھر تو کہاں رہے گا؟" اس نے مشتبہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں بھی جگہ مل جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کھائے گا کہاں سے؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں ہر کام کرسکتا ہوں۔ ہر قسم کی محنت کرسکتا ہوں۔ میں جیسے کا سکتا ہوں۔"

"تو جوان ہے اور تیرا جسم بے حد خوبصورت اور سبک ہے۔ تیری بناوٹ تو ایسی ہے جیسے تجھے سونے سے بنایا گیا ہو۔" اس نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تو چاہے تو یہاں رہ سکتا ہے۔ ہمیں مضبوط اور توانا جسم والے ایک شخص کی ضرورت ہے، ہم تجھے معقول معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا یقین کس طرح کرلوں کہ تو سرحد والوں کا جاسوس نہیں ہے۔"

"میں اس شہر میں آج ہی داخل ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں نہیں جانتا کہ سرحد والے کون ہیں اور کیا کرتے ہیں میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس شہر میں میری کسی سے واقفیت نہیں ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں ہے تو نہ سہی، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"ٹھہر، نوجوان۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ہوسکتی ہے۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

میں نے اس کی بات پر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا اور خاموش کھڑا رہا۔ اس اثنا میں احاطے کے تقریباً سارے ہی لوگ اپنا کام چھوڑ چھاڑ کر ہمارے پاس اکٹھے ہوگئے تھے اور حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"ہم تمہیں کام بھی مہیا کریں گے اور اس کا معقول معاوضہ بھی دیں گے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس کی شرط یہ ہوگی کہ تم آئندہ چار ماہ تک اس احاطے سے باہر نہیں نکلو گے، اور اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم سرحد والوں کے جاسوس ہو اور پھر ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "مجھے عمر بھر میں انہیں چند دنوں میں باہر کرانے میں کامیاب ہوجاؤں گا کہ میں کسی کا جاسوس نہیں ہوں، اور ویسے بھی اگر میں نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تو بھلا مجھے کون روک سکے گا۔"

"اچھا تو پھر آؤ شروع ہوجاؤ۔" اس شخص نے کہا اور مجھے ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہوگیا، جہاں کچھ دیر پہلے چند پہلوانوں کی مالش کی جارہی تھی۔ زمین پر کچھ شیشیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں طرح طرح کے روغن موجود تھے۔ اس نے ایک شیشی اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھمادی۔

"رغون۔" اس نے کہا۔ "لگا دی۔"

"جی استاد۔" ایک گٹھیلے اور مضبوط بدن کا جوان آدمی اس سے کہنے لگا۔

"اے بھائی یہ شیشی پکڑ۔" استاد نے مجھے شیشی تھماتے ہوئے کہا۔ "اور ارتون کے بدن کی مالش شروع کردے۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ کہاں کتنا زیادہ دباؤ ڈالنا ہے، کن پٹھوں کو زیادہ رگڑنا ہے اور کہاں نرمی سے ہاتھ چلانا ہے۔ چل اب شروع ہوجا۔"

ارتون میرے سامنے فرش پر لیٹ گیا اور میں نے شیشی میں سے تھوڑا سا تیل اپنی ہتھیلی پر انڈیلا اور اس کی پنڈلی کو پکڑ کر ایک گھٹنا دبا دیا۔ ارتون بلبلا کر چیخ اٹھا اور اپنی پنڈلی کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اس کی پنڈلی چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" استاد نے گھبرا کر پوچھا۔ اور ارتون نے اپنی پنڈلی اس کے سامنے کردی۔ استاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ارتون کی پنڈلی پر سے کھال چھل گئی تھی اور جگہ جگہ سے خون چھلک رہا تھا۔

استاد نے مجھے کھڑے ہوجانے کا حکم دیا۔ اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر میری ہتھیلی کا بغور جائزہ لیا اور اس پر انگلیاں پھیر کر دیکھیں۔ میری ہتھیلی بالکل صاف تھی۔ استاد نے میرے ہاتھ کو دبایا اور اچانک اچھل پڑا۔

"کیا تیرا جسم لوہے کا بنا ہوا ہے اجنبی؟" اس نے حیرت سے کہا۔ اور پھر میرے بھرپور جسم کو اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگا۔

"ناممکن... ناممکن..." وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔ "میری عمر پچاس سال ہے۔ آج سے دس سال پہلے تک میں نے سیکڑوں کشتیاں لڑیں اور جیتیں۔ اب پچھلے دس سال سے میں اپنے کلب میں پہلوانوں کی تربیت کرتا ہوں۔ میں نے ہزاروں مضبوط بدن دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا بدن... ایسا بدن میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تو کوئی جواب ہے اجنبی، تو واقعی لاجواب ہے، ارتون تیرے ایک گھٹنے کی تاب نہ لاسکا۔ اچھا ذرا مغرلیس سے مقابلہ کر۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک خوبصورت اور کسے ہوئے بھاری بدن کا جوان میرے سامنے آکر تمکنت سے ٹھونک کر کھڑا ہوگیا۔ یہ مغرلیس تھا۔

"مغرلیس۔" استاد نے کہا۔ "بالکل دوستانہ انداز میں کوئی نقصان پہنچائے بغیر ذرا اس اجنبی کو دیکھ کر تو دکھاؤ۔"

مغرلیس ماہرانہ انداز میں مجھ سے لپٹ پڑا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اگر چاہتا تو ایک منٹ میں مغرلیس کو اٹھا کر پھینک دیتا۔ لیکن میں ان لوگوں کو بہت زیادہ حیرت زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور نہ ہی اپنی غیر معمولی قوتوں کا ذری طور پر مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے مغرلیس کو زور کرنے کا موقع دیا اور خود اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہٹتا رہا۔ پھر میں نے ہنستے سے ایک دھکا دے کر مغرلیس کو نیچے گرا دیا اور اسے دبا لیا۔ مغرلیس نے میری گرفت سے آزاد ہونے کی پوری کوشش کی، لیکن وہ بے چارہ بالکل بے بس ہوکر رہ گیا تھا۔ میں نے جو زور اس کے جسم پر محض ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا، اس سے وہ تھوڑی بہت

حرکت کر سکتا تھا، صرف اتنی جتنی کہ میں چاہتا تھا۔ استاد حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مغربیں کو تھوڑی دیر تک اپنے نیچے دبائے رکھنے کے بعد میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت بھی تھی، اور ندامت بھی۔ مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"نہیں، تم مایوسی کا شکار نہیں کرو گے اجنبی!" استاد نے گرجدار آواز میں کہا۔ "تم نے مغربیں جیسے ہر مند اور ماہر فن پہلوان کو شکست دے کر ثابت کر دیا ہے کہ تم اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہو، جیسے تم نظر آتے ہو۔ اب کل میں تمہارا مقابلہ اپنے اکھاڑے کے سب سے بڑے پہلوان "ناتوم" سے کراؤں گا۔ اور اگر تم نے ناتوم کو بھی ہرا دیا تو پھر ہمیں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا ہوگا۔ یاد رکھنا کہ ناتوم وہ پہلوان ہے جسے پورے ہیغمر میں ناقابل شکست سمجھا جاتا ہے؟"

"اور یہ سر سبز والے کون ہیں جن کا تم لوگ بار بار تذکرہ کر رہے تھے؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"تمہیں ان کے بارے میں بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" استاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ساری باتیں ایک ہی وقت میں جاننے کی کوشش مت کرو اور بہتر ہے کہ اب تم نہا دھو کر کوئی معقول سا لباس پہن لو اور کھانا کھا لو۔ تمہیں لباس فراہم کر دیا جائے گا۔ اور ہاں۔ تمہارا نام؟ تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں؟"

"استاد!" میں نے اس سے کہا۔ "تم جس نام سے چاہو مجھے مخاطب کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھا۔" استاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں شہزور کے نام سے پکاروں گا۔ تمہیں یہ نام کیسا لگا؟"

"بالکل ٹھیک۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر مجھے مغربیں کی زبانی یہاں کے سارے حالات کا تفصیلی علم ہو گیا۔ یہ بڑی دلچسپ جگہ تھی اور میری پسند کے عین مطابق۔ یہاں کی تربیت کا ایک تہائی حصہ مقام اپنی موجودہ اصطلاح میں اسے کوئی سینہ بھی کہہ سکتے ہو لور اسٹیڈیم بھی، یہاں مختلف قسم کے کھیلوں کی تربیت دی جاتی تھی جو اس نسل کے یونان کے مردوں کے پسندیدہ کھیل تھے۔ ایک بات بے پروفیسر اس وقت کے یونان کے لوگوں کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ جرأت، بہادری اور بے خوفی کی بڑی قدر کرتے تھے اور جیسی مردانہ صفات موجود ہوں، اسے بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں میں مقابلوں کا رجحان عام تھا۔ کھیلوں اور فنون کے مقابلوں کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ جگہ جگہ کھیلوں کی تربیت گاہیں قائم تھیں جن کے اپنے اپنے حلقے تھے جنہیں تم کلب کہہ سکتے ہو۔ ان کلبوں میں آپس میں زبردست چشمک رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ میں اتفاق سے جس کلب میں پہنچ گیا تھا اس کا نام طوفان کلب تھا۔ طوفان کلب کا مالک، نگراں اور کرتا دھرتا اسکندر نامی ایک تجربہ کار اور ہوشیار شخص تھا جو اپنی جوانی کے زمانے میں ایک نامی گرامی پہلوان، شمشیر زن، گھوڑ سوار اور نیزہ باز رہ چکا تھا۔ اس نے پہلوانی، شمشیر زنی، گھوڑ سواری اور نیزے بازی کے سینکڑوں مقابلوں میں شرکت کی تھی اور شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے پاس تمغوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کے قویٰ میں جوانی کی سی طاقت برقرار نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ کھیلوں سے اپنی گہری اور ناقابل شکست وابستگی کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے کھیلوں کا یہ تربیتی مرکز قائم کر لیا اور نوجوانوں کو نیست و نابود شروع کر دی۔ جلد ہی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے کلب سے وابستہ ہو گئی اور طوفان کلب کا شمار ہیغمر کے اعلیٰ درجے کے کلبوں میں ہونے لگا۔ اسکندر اس کے سارے شاگرد استاد کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ طوفان کلب کے مقابلے میں شہر میں اور بھی کئی بڑے بڑے کلب موجود تھے جن سے طوفان کلب کی رقابت رہتی تھی، لیکن سب سے زیادہ چشمک سرسبز کلب سے رہتی تھی جو کسی طرح بھی طوفان کلب سے کم نہیں تھا۔ سرسبز کلب کا مالک اور نگراں تارس نامی ایک شخص تھا جو خود بھی ایک نامی گرامی شمشیر زن تھا۔

شہر میں اکثر مقابلوں میں سرسبز کلب اور طوفان کلب کے کھلاڑی ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے تھے۔ کبھی سرسبز کلب والوں کو فتح حاصل ہوتی تھی اور کبھی طوفان کلب والوں کو۔ دونوں کلب نئی سے نئی تکنیک ایجاد کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور نئے نئے داؤ پیچ اور نئے نئے طریقے دریافت کرتے رہتے تھے۔ اسی لیے دونوں ایک دوسرے کے اندرونی حالات جاننے کے خواہشمند رہتے تھے۔ سرسبز کلب کا کوئی آدمی طوفان کلب میں بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتا تھا، اسی طرح طوفان کلب کا کوئی آدمی سرسبز کلب میں پیشگی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ دونوں کلب ایک دوسرے کی جاسوسی میں لگے رہتے تھے اور خفیہ طور پر اپنے آدمی بھیج کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ دوسرے کلب میں کیا ہو رہا ہے۔ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ جب میں اتفاق سے طوفان کلب کی عمارت میں پہنچا گیا تو ان لوگوں نے مجھے سرسبز والوں کا جاسوس سمجھا اور میرے ساتھ سختی سے پیش آئے لیکن جب میں انہیں یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں سرسبز والوں کو بالکل نہیں جانتا اور میں کسی کا بھی جاسوس نہیں ہوں، تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ پھر میری طاقت کے ایک ادنیٰ سے مظاہرے نے انہیں میرے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ مارتون کے مجسمہ پیرے باجے کے ایک معمولی سے گھسنے نے ہی اس کی کھال اتار دی تھی۔ مغربیں کو جو اس کلب کا ایک سنجیدہ اور پہلوان تھا، میں نے ایک منٹ میں شکست دے دی تھی۔ استاد میری کارکردگی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ مجھے

بہت خوش ہوا اور اس نے مجھے اپنے "شیروں" میں شامل کر لیا۔

مغربیں مجھ سے شکست کھانے کے بعد بڑی دیر تک میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اور دبا دبا کر دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے۔

"دوست!" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "استاد نے تمہیں بالکل صحیح نام دیا ہے۔ تم واقعی شہزور ہو۔ تمہاری شہزوری کے آگے بہت کم لوگ ٹک سکیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم کون سی غذائیں کھاتے ہو اور کس کس قسم کی ورزشیں کرتے ہو؟ میں نے ایسا فولادی اور مضبوط بدن آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میری غذا میں کوئی خاص چیز شامل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جو کھانا عام انسان کھاتا ہے وہی میں بھی کھاتا ہوں۔ رہا ورزش کا سوال، تو مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک بار بھی ورزش کی ہو۔"

"حیرت ہے۔" مغربیں نے کہا۔ "تم کوئی خاص غذا استعمال کرتے ہو اور نہ ہی کوئی ورزش کرتے ہو پھر تمہاری کھال اور ہڈیوں میں توانائی کا یہ ذخیرہ کہاں سے آگیا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے یہ دیوتاؤں کی مہربانی ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں نے کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا۔"

اس اثنا میں استاد کچھ اور جوانوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا، اور پھر وہ اترتون اور دیگر لوگ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"شہزور!" استاد نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج تم نے ہمارا کام کر دیا۔ تم نے اپنے آپ کو ایک نہایت اعلیٰ اعزاز کا مستحق ثابت کیا ہے اور وہ اعزاز ہے ناتوم سے مقابلہ۔ ناتوم نہ صرف ہمارے کلب کا بلکہ اس پورے شہر کا سب سے زیادہ بہادر اور بااہمیت پہلوان ہے۔ چھوٹے موٹے پہلوان تو اس کا ایک گھسا پٹا برداشت نہیں کر سکتے۔ ناتوم نے اس شہر کے سارے پہلوانوں کو شکست دی ہے اور وہ اب تک کسی سے نہیں ہارا ہے۔ سرسبز والوں کے کئی پہلوان یکے بعد دیگرے ناتوم سے مقابلہ کر کے ہار چکے ہیں۔ سرسبز والوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی طرح ان کے کلب کا پہلوان ناتوم کو ہرا دے۔ اب تک انہیں کامیابی نہیں ہوئی ہے لیکن ان دنوں وہ لوگ ایک نئے پہلوان کو تیار کر رہے ہیں جس کی ماں یونانی ہے اور باپ اسکندریہ کا رہنے والا۔ اس شخص نے ابتدائی تربیت مصر میں حاصل کی ہے اور پھیلے دنوں یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہیغمر آیا تھا۔ سرسبز کے نگراں کی اس کے باپ سے پرانی ملاقات تھی۔ تارس نے اس نوجوان کو بہت پسند کیا اور اس کے باپ کی اجازت سے اسے کلب میں داخل کر لیا۔ پچھلے کئی مہینوں سے سرسبز والے اشرام کی تربیت ہمارور شور سے مصروف ہیں اور انہوں نے اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کر رکھی ہے کہ اشرام کو اس قابل بنا دیں کہ وہ ناتوم کو شکست دے سکے اور اس طرح طوفان کلب کا یہ اعزاز اس سے چھین لیا جائے۔ ہمیں ان کا چیلنج قبول کرنا پڑے گا۔ تاریخ بھی مقرر ہو گئی ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد مقابلہ ہوگا۔ ہمارے علم کے مطابق اشرام نے بہت زیادہ باصلاحیت ہونے کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ ہم اس بات سے غافل نہیں ہیں اور ہم نے بھی ناتوم کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔"

"تم ناتوم سے میرا مقابلہ کیوں کرانا چاہتے ہو؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"اس لئے کہ ہمیں تمہاری طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے۔" استاد نے جواب دیا۔ "تم نے مغربیں کو جس آسانی سے شکست دی ہے وہ بڑے سے بڑے پہلوان کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ مغربیں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ جب ناتوم اور مغربیں کا دوستانہ مقابلہ ہوتا ہے تو ناتوم کو بھی مغربیں پر غالب آنے میں کافی دیر لگ جاتی ہے اور کافی جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے۔ میری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد تم کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔" استاد نے جواب دیا۔ "اب تم جا کر آرام کرو۔ مغربیں تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

مغربیں مجھے لے کر بالائی منزل کے ایک کمرے میں آگیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ لیکن اس میں ایک آدمی کے قیام کا پورا سامان موجود تھا۔

مغربیں کا رویہ میری جانب بہت دوستانہ تھا۔ ہم دونوں کمرے میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ مغربیں نے مجھے بتایا کہ اسے بچپن سے ہی فن سپہ گری اور کشتی وغیرہ کا بہت شوق رہا ہے۔ اور اس نے اپنے اس شوق کی تکمیل کی خاطر کئی بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین کی خدمات انجام دی ہیں اور اس کے عوض ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ گزشتہ دو سال سے وہ طوفان کلب سے وابستہ ہے۔ پچھلے ایک سال تک وہ اس کلب کا سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس نے بہت سے نامی گرامی پہلوانوں کو شکست دی تھی، سرسبز والوں سے اس کے کئی معرکے ہوئے تھے جن میں وہ سرخ رو رہا تھا۔ لیکن پھر سرسبز والوں کے ایک پہلوان نے اسے شکست دے دی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست تھی جس سے وہ سخت دل برداشتہ ہوا۔ طوفان کلب کا بھی اعزاز چھن گیا۔ سرسبز والوں نے اس خوشی میں زبردست جشن منایا جس میں طوفان والوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی، استاد نے جشن میں شرکت کی کیونکہ روایات کا یہی تقاضہ تھا۔ لیکن مغربیں خود کو اس جشن میں شرکت کے لئے تیار نہیں کر پایا اور اس جشن کے دوران استاد کی نگاہ ناتوم پر پڑی۔ ناتوم ایک غلام تھا اور اپنے آقا

کے خدمت گار کے طور پر اس جشن میں آیا تھا۔ استاد کی دور میں اور نکتہ شناس نگاہوں نے ناتوم کے جسم میں چھپی ہوئی لچک، پھرتی، اور توانائی کا اندازہ لگا لیا۔ اس نے ناتوم کو بلا کر اس کی تربیت کرنے کا فیصلہ کیا کہ وہ ناتوم کو اپنے کلب میں لے جا کر اس کی تربیت کرے گا کیونکہ میری شکست کے بعد اب اسے نئے توانا جسموں کی تلاش تھی۔ دوسرے دن استاد نے ناتوم کے آقا سے ملاقات کی اور ناتوم کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ناتوم کے آقا نے یہ دیکھ کر کہ استاد اس غلام کی خریداری میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے، موقع سے فائدہ اٹھایا اور بھاری قیمت طلب کی لیکن استاد اسکے لئے پہلے سے تیار تھا اس نے بلا کسی حیل وحجت کے رقم اس کے حوالے کی اور ناتوم کو اپنے ساتھ لے آیا۔ استاد کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر سرسبز والوں کو ذرا سی بھی بھنک مل گئی تو وہ یقیناً زیادہ بڑی رقم ادا کر کے ناتوم کو خود خرید لیں گے۔ یہاں لانے کے بعد استاد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ناتوم کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ کیونکہ غلاموں کے ساتھ مختلف سلوک کیا جاتا ہے اور آزاد انسانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ استاد نے ناتوم کو پہلے ہی بتا دیا کہ وہ اسے اس شرط پر آزاد کر رہا ہے کہ وہ یہیں، اسی کلب میں رہے گا اور مختلف فنون اور داؤ پیچ سیکھنے کی تربیت حاصل کرے گا۔ اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ کسی اور کلب کا رخ نہیں کرے گا، ظاہر ہے کہ ناتوم کو بھلا اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا اسے اپنی آزادی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی چنانچہ اس نے استاد کی تمام شرائط خوشی خوشی مان لیں۔

استاد نے ناتوم پر محنت کرنا شروع کر دی اور چند ہی ماہ میں ناتوم نے حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ورزش اور بھی متوازن خوراک سے اس کا جسم سانچے کی طرح نکھر آیا۔ سارے عضلات پتھر کی طرح سخت ہو گئے اور پھر ایک دن اس نے کلب میں دوستانہ زور آزمائی میں مغرس کو پسینے پسینے کر دیا۔ استاد حیران رہ گیا اب ناتوم اس کے لئے ایک بہت بڑی چیز بن گیا تھا۔ اس نے کلب میں مغرس اور ناتوم کے درمیان دوبارہ باقاعدہ مقابلہ منعقد کروایا لیکن اس بار بھی ناتوم نے مغرس کو شکست دے دی۔ استاد حیران رہ گیا۔ اور اس نے سرسبز والوں کو اس پہلوان کو چیلنج بھجوا دیا جس نے مغرس کو شکست دی تھی۔ سرسبز والوں نے بڑی خوشی سے چیلنج قبول کر لیا۔ دونوں جانب سے زبردست جوش وخروش کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا اور زور وشور سے تیاریاں جاری تھیں۔ مقابلہ ہوا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ اسے دیکھنے آئے۔ ناتوم نے سرسبز والوں کے پہلوان کو شکست دے دی۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ اس کا گزشتہ اعزاز اس کے پاس واپس آ گیا تھا۔ لیکن سرسبز والوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی پہلوان تیار کئے اور چیلنج بھجوا کر مقابلے کروائے۔ ناتوم نے ان کے ہر پہلوان کو شکست دے دی اور اب سرسبز والے ایک نئے آدمی کو تیار کر رہے ہیں جس کا نام اشرام ہے اور جس کی طاقت اور فنی مہارت کے قصے دور دور تک پھیل چکے ہیں۔

"تمہارے خیال میں اشرام اور ناتوم کے درمیان اس مقابلے کا کیا انجام ہوگا؟" میں نے مغرس سے پوچھا۔

"اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" مغرس نے جواب دیا۔ "ناتوم تو خیر جو کچھ ہے لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق اشرام بھی کسی طرح اس سے کم نہیں ہے۔"

"اور اگر اشرام نے ناتوم کو شکست دے دی تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو پھر استاد اشرام کے مقابلے کے لئے کوئی نیا آدمی تیار کرے گا۔" مغرس نے جواب دیا۔ "اور ہو سکتا ہے کہ وہ نئے آدمی تم ہو۔"

"میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن میں تو یہاں بالکل نووارد ہوں اور استاد مجھے ٹھیک سے جانتا بھی نہیں ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" مغرس نے جواب دیا۔ "استاد انسان کو نہیں دیکھتا، صرف اس کے بدن کو دیکھتا ہے اس کے کس بل کو دیکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ناتوم کو اس قدر ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ناتوم ایک غلام تھا اس کا باپ بھی غلام تھا۔ استاد نے اسے آزادی دلائی اور اپنی محنت سے اسے ایک مقام دلوایا۔ لیکن وہ بدبخت انسان اپنی اوقات بھول گیا ہے وہ طاقت کے نشے میں مبتلا ہو کر سخت مغرور ہو گیا ہے وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں جب بھی اس کا جی چاہتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کی بھی توہین کر دیتا ہے۔ لوگ برابر استاد سے اس کی شکایت کرتے رہتے ہیں لیکن استاد تو اس کا ایسا دیوانہ ہے کہ کسی کی کچھ سنتا ہی نہیں۔ اسے تو بس اپنے کلب کے اعزاز کی دھن سمائی رہتی ہے، ادھر ناتوم ہے کہ روز بروز ہم لوگوں کے سر پر چڑھتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ استاد اسے یہاں سے نکال نہیں سکتا، کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ اشرام سے اس کا مقابلہ نہیں ہو جاتا اور اس مجبوری سے وہ پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ابھی کل ہی اس نے سارے تماشائیوں کے سامنے تون کو للکارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہوا تھا استاد نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا ورنہ نہ جانے کیا تماشہ ہوتا اس کے باوجود استاد سے کوئی کرنے کے بجائے خوشامد انہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔"

"ہاں یہ سچ ہے کہ یہاں بھی حسد اور رقابتوں کے لاوے پک رہے ہیں۔ طاقت کے نشے اور غرور کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اگر تون اور مغرس سمیت کلب کے سارے جوان بھی ناتوم کے خلاف ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں یہ خواہش چھپی ہوئی ہو کہ ناتوم اشرام کے ہاتھوں شکست کھا جائے۔"

"ناتوم یہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ بھی اسی عمارت میں رہتا ہے؟"

"ہاں! استاد کے علاوہ ناتوم، میں اور اراتون اسی عمارت میں الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں اس کے علاوہ ملازمین اور خدمت گاروں کے بیرک ہیں۔ باقی لوگ دن بھر کے لئے یہاں آ جاتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف شام کو آتے ہیں اور چند گھنٹے کی تربیت کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ ویسے یہاں سب سے زیادہ رونق سہ پہر کو ہی ہوتی ہے اس وقت کلب سے تعلق رکھنے والا تقریباً ہر شخص یہاں موجود ہوتا ہے۔" مغرس نے بتایا۔

"ناتوم بھی؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی ضروری نہیں ہے۔" مغرس نے جواب دیا۔ "اس کی مرضی ہے۔ وہ اتنا مغرور ہو گیا ہے کہ لوگوں کے سامنے ورزش بھی نہیں کرتا۔ اور جب آتا بھی ہے تو کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ استاد نے اس کی تربیت کا وقت بھی علی الصباح مقرر کیا ہے۔ جس وقت یہاں بہت کم لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اس کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ کبھی کبھی تو وہ استاد کے ساتھ بھی گستاخانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔"

"تم نے ناتوم کے بارے میں اتنی بہت سی دلچسپ باتیں بتائی ہیں کہ میں اس سے ملنے کا بہت زیادہ مشتاق ہو گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "کیا مغرس نے کہا: "وہ یقیناً ایک نووارد سے مل کر خوش ہو گا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" مغرس نے جواب دیا۔ "بلکہ عین ممکن ہے کہ اسے یہاں تمہارا وجود ہی ناگوار گزرے اور وہ تم کو یہاں سے نکال دینے کی کوشش کرے۔ وہ مغروروں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور اگر اس نے استاد کو مجبور کیا کہ وہ تمہیں یہاں سے نکال دے تو استاد اس کی بات کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مجھے یہاں سے کیوں نکلوانا چاہے گا؟" میں نے دریافت کیا۔ "وہ تو مجھے جانتا بھی نہیں اور نہ میں اسے جانتا ہوں پھر وہ میری مخالفت کیوں کرے گا؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے۔" مغرس نے کہا۔ "ناتوم اس کھانے کے لئے سب سے زیادہ طاقتور پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی دھوم ہے۔ یہ بات برداشت نہیں کر سکے گا کہ کوئی نووارد کلب میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو بظاہر کسی طور پر اس سے زیادہ طاقتور ثابت ہو سکے۔"

"لیکن وہ یہ کیوں سمجھے گا کہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں۔" میں نے کہا۔ "ہمارے نورصف مقابلے کے بعد ہی ہو گا۔" میں نے کہا۔

"کاش تم اس کو مقابلے میں شکست دے سکو۔" مغرس نے حسرت بھرے دل کو نظر انداز کرتے ہوئے بالکل ہی دوسری بات کہی۔

"مغرس کے ذہن کو سمجھ چکا تھا اور میرے لئے اس کی حسرت کا اظہار کوئی چنداں تعجب کی بات نہیں تھی تاہم میں نے پوچھا۔ "تم کیوں چاہتے ہو کہ ناتوم مجھ سے مقابلے میں شکست کھا جائے؟"

"اس لئے کہ وہ ان لوگوں کی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جنہیں اس نے مقابلوں میں شکست دی ہے اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ ان کی توہین کرنے سے نہیں چوکتا۔" مغرس نے کہا۔ "مگر ایک بار وہ شکست کی ذلت سے دوچار ہو جائے تو اس کا سر نیچا ہو جائے گا۔"

"لیکن اس سے کلب کا وقار نہیں مجروح ہو گا؟" اور پھر اشرام کے ساتھ مقابلے سے پہلے ہی ناتوم کے حوصلے پست نہیں ہو جائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے دوستانہ مقابلے میں ناتوم کو شکست دیدی تو استاد اشرام سے مقابلے کے لئے ناتوم کو نہیں بلکہ تمہیں بھیجے گا۔" مغرس نے کہا۔ "اور جہاں تک تمہارے اور ناتوم کے مقابلے کا سوال ہے تو یہ کلب کے اندر ایک دوستانہ مقابلہ ہو گا اور اس میں کسی فریق کی ہار یا جیت سے کلب کے وقار کا کوئی تعلق نہیں۔"

رات ہو گئی تھی، مغرس میرے لئے کھانا لے کر آیا۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور کھانے کے بعد وہ بڑی دیر تک مجھے ایتھنز کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتاتا رہا۔ یہاں کے سورماؤں کے بارے میں، یہاں کی عورتوں، ان کی دلچسپیوں اور ان کے فیشنوں کے بارے میں، شاہی محل اور دربار میں ہونے والی سازشوں اور امراء کی باہمی رقابتوں کے بارے میں۔ میں بڑے غور اور دلچسپی سے مغرس کی باتیں سنتا رہا۔ مغرس مجھے ایک چھوٹے سے تھیلے کا رہائشی باشندہ سمجھ رہا تھا جو پہلی مرتبہ ایتھنز جیسے بڑے اور بارونق شہر میں آیا تھا اس لئے وہ مجھے ایک ایک بات تفصیل سے بتا رہا تھا، وہ ایک قابل شخص تھا، لیکن مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ ناتوم سے اس کی ناراضگی کا اصل سبب اس کا اپنا حسد نہیں، بلکہ ناتوم کا غیر معقول رویہ تھا۔

کافی رات گئے تک مغرس یہاں باتیں کرتا رہا۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جو صدیوں سے وقت کے بہتے ہوئے سمندر میں بہتا ہوا چلا آیا ہے اور جس نے انسانی تہذیب کے عروج وزوال کی بے شمار داستانوں کو جنم لیتے، ختم ہوتے اور ماضی کا حصہ بنتے دیکھا ہے۔ میں دل ہی دل میں مغرس کی سادگی پر مسکراتا رہا۔

جب میری آنکھ کھلی تو دن خاصہ چڑھ آیا تھا۔ مغرس مجھ سے پہلے بیدار ہو گیا تھا اور میرے لئے ناشتہ تیار رکھا۔

اچانک استاد میرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ "صبح بخیر شہزور، کیا حال ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"صبح بخیر۔" میں نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہوں۔"

"مغرس ورزش کروا رہا ہے۔" استاد نے کہا۔ "اور دوسرے پہلوان بھی ورزش کر رہے ہیں۔ اگر تم چاہو تو تم بھی اس میں شریک ہو سکتے ہو۔ بلکہ میرے خیال میں شریک ہو ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ میں مغرس کو ہدایت کئے دیتا ہوں گا۔ ویسے بھی تم دونوں اچھے دوست

بن گئے ہو۔"

"شکریہ استاد۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں کسی ورزش وغیرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں اس کے بغیر بھی ٹھیک ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔" استاد نے جواب دیا۔ "لیکن ناشتے سے پہلے تھوڑی سی ورزش بدن کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ چلو آج سے ہی دو چار دن کے بعد سے شروع کر دینا۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب لوگ ورزش وغیرہ سے فارغ ہو جائیں گے تو پھر ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔ اس وقت ناتوم بھی موجود ہوگا۔ تمہاری اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مغریس مجھے بتا رہا تھا کہ اس نے تمہیں ناتوم کی طاقت کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ "مغریس نے مجھ سے ناتوم کے بارے میں بہت سی باتیں کی ہیں اور میں ناتوم سے ملاقات کا متمنی ہوں۔"

"تھوڑی دیر بعد تمہاری اس سے ملاقات ہو جائے گی۔" استاد نے جواب دیا اور مجھ سے کہا کہ میں ہاتھ منہ دھو کر ناشتے کے لئے تیار ہو جاؤں اور نیچے آ جاؤں۔

میں ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اتنے میں مغریس آ گیا۔

"استاد مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں ورزش اور کشتی کے داؤ پیچ سکھاؤں۔ میں نے استاد سے کہا کہ میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔ اگر تمہیں باضابطہ تربیت ملے اور تم خوب مشق کر لو تو مجھے یقین ہے کہ پورے ایتھرین میں تم سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔" مغریس نے کہا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ مغریس کو یا اس کلب میں شامل کسی بھی دوسرے شخص کو میری طاقت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے مغریس کو شکست دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اپنی طاقت کے نہایت معمولی سے حصے کو استعمال کروں، صرف اتنے حصے کو جو مغریس جیسے ایک مضبوط پہلوان پر غالب آنے کے لئے درکار ہو۔ چنانچہ مغریس مجھ سے ہار تو گیا لیکن وہ میری طاقت کے بارے میں صحیح اندازہ قائم نہیں کر سکا۔ میں دل ہی دل میں اس کی باتیں سن کر مسکرا دیا تھا۔ تاہم میں نے اس کے ان دوستانہ اور مخلصانہ جذبات کی بڑی قدر کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔

ناشتے کی میز پر سب سے زیادہ نمایاں شخصیت ناتوم ہی کی تھی۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہی شخص ناتوم ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ سب لوگوں میں ممتاز نظر آ رہا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں پروفیسر کہ اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ واقعی بہت پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا قد کم از کم ساڑھے چھ فٹ کا ہوگا اور جسامت میں وہ کسی طرح بھی مجھ سے ڈیڑھ سے کم نہیں تھا لیکن فربہی مائل ہونے کے باوجود اس کا جسم بہت سڈول اور متناسب تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پتھر کی طرح سخت نظر آ رہی تھیں۔ ناشتے کی میز پر استاد، ناتوم، ارتون اور ناتوم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ کئی ملازمین موجود تھے۔

"ناتوم سے ملو شہزور۔" استاد نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "یہ ہمارے کلب کا سرمایۂ افتخار ہے، اور ناتوم! یہ ہے شہزور، جس کا کل رات میں نے تم سے تذکرہ کیا تھا۔"

ناتوم نے بڑی نفرت کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر بڑی حقارت آمیز لہجے میں استاد سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ دہقانی آیا کہاں سے ہے اور اس کا اصل نام کیا ہے؟"

"میں نے اس کا نام شہزور رکھا ہے۔" استاد نے خوشی کے ساتھ کہا۔ "آج شام کو تمہارا اور اس کا دوستانہ مقابلہ ہوگا۔"

"استاد!" ناتوم نے سخت لہجے میں کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے نے تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ تمہارے دماغ پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ بھلا اس کی شکل تو دیکھو۔ یہ مجھ سے لڑے گا؟ تم کیوں اس غریب دہقانی کے پیچھے پڑے ہو؟ ایک تو وہ دیکھنے میں ہی مجھ سے کمزور نظر آتا ہے اور دوسرے وہ کوئی باقاعدہ تربیت یافتہ پہلوان بھی نہیں ہے۔ میں اس طرح ہر راہ چلتے کے ساتھ اپنا وقت اور طاقت برباد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

ناتوم کا لہجہ بڑا جارحانہ اور گستاخانہ تھا اور میں نے محسوس کیا کہ استاد کے چہرے کا رنگ چند لمحوں کے لئے متغیر ہو گیا لیکن اس نے ناتوم کے کڑوے کسیلے طنزیہ جملوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "مگر یہ مغریس کو ہرا چکا ہے۔"

"مغریس صغریس ہے اور میں بڑیس ہوں!" ناتوم نے رعونت کے ساتھ جواب دیا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دہقانی کا جسم بے حد خوبصورت اور سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اس کی جلد کی رنگت بھی سونے کی طرح ہے جو میں نے آج تک کسی دوسرے انسان میں نہیں دیکھی۔ اس کے بال بھی سنہری اور گھنے ہیں لیکن ان خصوصیات کی بنا پر بہتر ہوتا کہ تم اسے کسی شہزادی یا امیرزادی کے محل میں پہنچا دیتے۔ وہاں اس قسم کے لوگوں کی بڑی مانگ رہتی ہے۔"

میں ناتوم کے اس توہین آمیز اندازِ گفتگو پر دل ہی دل میں بہت چراغ پا ہوا لیکن میں نے اس کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ میں ان باتوں سے بہت بالاتر تھا۔ بھلا میرے لئے اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ کوئی انسان میرے بارے میں توہین آمیز باتیں کہہ رہا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس انسان کو میری شخصیت کے اسرار و رموز کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ تاہم پروفیسر میں نے محسوس کیا کہ ناشتے کی میز پر موجود تمام لوگوں کو ناتوم کا یہ توہین آمیز رویہ ناگوار گزرا ہے۔ خاص طور پر استاد کے چہرے سے ساری خوشی کافور ہو گئی اور اس کی جگہ گہری سنجیدگی نے لے لی۔ تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا اور

سب لوگ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔

"استاد۔" میں نے اس ناگوار خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم میرا اور ناتوم کا مقابلہ ملتوی کروا دو۔ ناتوم ایک نامی گرامی پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی طاقت کی دھوم ہے اور اگر میں اس کے مقابلے میں مجھ سے شکست کھا گیا تو اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور پھر یہ خود اعتمادی سے محروم ہو جائے گا جو اشرام سے مقابلے کے لئے ضروری ہے۔ اگر اشرام نے اسے ہرا دیا تو تمہارا اعزاز تم سے چھن جائے گا۔"

ناتوم مجھے اس طرح مدلل گفتگو کرتے دیکھ کر کافی حیران ہوا۔ اس کے نزدیک میں ایک غیر مہذب دیہاتی تھا۔ وہ پھر کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"اگر تم نے ناتوم کو اس دوستانہ مقابلے میں شکست دے دی تو پھر طوفان کلب کی جانب سے اشرام کے مقابلے میں ناتوم نہیں، تم جاؤ گے۔" استاد نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے چہرے کی تکیریں گہری ہو گئی تھیں۔

"کیا کہا استاد؟" ناتوم نے سخت برہم لہجے میں کہا۔ "یہ دہقانی مجھے شکست دے گا؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

"یہ بات میں نے نہیں خود شہزور نے کہی ہے۔" استاد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ وہ ناتوم سے خاصہ ناراض نظر آ رہا تھا۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ میں ناتوم کو شکست دے سکتا ہوں۔ میں نے تو محض ایک امکان، ایک دور دراز امکان کی جانب اشارہ کیا تھا۔"

"دہقانی سے مقابلے کی ایک شرط ہوگی استاد۔" ناتوم نے استاد کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے شہزور کہنے کے بجائے مسلسل دہقانی کہہ رہا تھا۔

"وہ کیا؟" استاد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"وہ یہ کہ میرے ساتھ مقابلے میں دہقانی کے شکست کھا جانے کے بعد تم اسے یہاں سے چلتا کر دو گے۔ میں ہرگز آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ نہ معلوم یہ شخص کون ہے۔ اور کس ارادے کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ ویسے اس کی اصل جگہ ایتھرین کی ہوس کوش حسیناؤں کی خواب گاہیں ہیں۔ وہاں کے اکھاڑے میں اس کا کیا کام؟" ناتوم نے ایک بار پھر توہین آمیز تحقیر کرتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے بیٹھا ہوا اس کے تاثرات دیکھتا رہا۔

ناتوم آ مغریس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم بات بھول رہے ہو ناتوم، شہزور مجھے شکست دے چکا ہے۔"

"تم اگر اپنی چونچ بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔" ناتوم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ مغریس منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"اس صورت میں اگر استاد مجھے یہاں رکھنا بھی چاہیں گے تو میں نہیں رہوں گا۔" استاد کے کچھ کہنے سے پہلے میں بول پڑا۔ "اگر تم نے مجھے شکست دے دی تو پھر میں خود ہی یہاں سے فوراً چلا جاؤں گا تاکہ تم کسی اجنبی کی وجہ سے اپنے لئے مشکلات محسوس نہ کرو ویسے بھی میرا تم سے مقابلہ کرنے کا کوئی ارادہ تھا اور نہ ہے۔ یہ تو استاد نے مجھے اس مقابلے کی دعوت دی ہے!"

"ٹھیک ہے!" استاد نے ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تمہاری اس شرط سے اتفاق ہے۔ ناکامی کی صورت میں شہزور یہاں سے چلا جائے گا!"

پروفیسر اس ذرا سی دیر کی گفتگو میں مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ ناتوم واقعی ایک ناپسندیدہ شخصیت تھا۔ مگر مغریس اور کلب کے دوسرے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ ناتوم کو طاقت کے نشے نے اندھا کر دیا تھا اور وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا حتیٰ کہ استاد کی توہین کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا اور اپنی پوزیشن کا غلط فائدہ اٹھا رہا تھا۔

"آج سہ پہر کو تم دونوں کا مقابلہ ہوگا۔" استاد نے کہا۔ پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اگر تمہیں اپنی تیاری کے لیے کسی خاص چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔ مثلاً کسی خاص غذا کی، کسی دوا کی یا کسی اور چیز کی۔ تمہاری مطلوبہ چیز تمہیں مہیا کر دی جائے گی۔ اگر تم اکھاڑے میں ندھ کرنا چاہو تو مغریس تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔"

"شکریہ استاد۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"بہرحال، مغریس تمہارے ساتھ ہوگا۔" استاد نے کہا۔ "تمہیں جو کچھ چاہیے ہو، اسے بتا دینا۔"

ناشتے کے دوران باقی وقت خاموشی طاری رہی۔ میز پر سے سب سے پہلے اٹھ کر جانے والا ناتوم تھا جس نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کسی سے کوئی بات نہیں کی اور سیدھا باہر نکل گیا۔ ناتوم کے جانے کے بعد مغریس نے استاد سے کہا۔ "ناتوم کا رویہ تاثاں بردشت ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو وہ تمہارے بھی منہ آنے لگا ہے۔"

"مجھے اب خود بھی اس بات کا احساس ہو چلا ہے۔" استاد نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ صورتِ حال کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے جو ایک فیئر پلیئر کا طرزِ عمل نہیں ہے۔ بہرحال ہمیں اشرام سے اس کے مقابلے تک تو اسے برداشت کرنا ہی ہے۔"

اس سہ پہر کو کلب کے میدان میں کافی لوگ جمع تھے لیکن یہ سب

کے سب وہی لوگ تھے جن کا ناتو کلب سے کسی قسم کا تعلق تھا اور نا ہی کلب کے ہمدردوں اور حمایتیوں میں سے تھے۔ کلب کا وسیع و عریض میدان شائقین سے بھرگیا تھا۔

بالآخر مقابلے کا وقت آن پہنچا۔ ناتوم ایک شاندار وقار کے ساتھ چلتا ہوا کھڑے ہونے تک آیا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا تک گوارا نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنا لباس اتارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے بدن پر صرف ایک چست جانگیہ رہ گیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے پروفیسر کہ میں ناتوم کے حسین اور فولادی بدن کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا بدن یونان کے تصوراتی دیوتاؤں کے مجسموں کی طرح متناسب اور مڈول تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس کے ہر حصہ جسم پر گوشت کی مناسب ترین مقدار لگائی ہے۔ کاش اس شخص کا ذہن بھی اتنا ہی حسین ہوتا جتنا حسین اس کا بدن ہے۔" میں نے دل میں سوچا اور اس سے مقابلے کے لیے اکھاڑے میں اتر آیا۔

"اگر تمہارے ساتھ میری کوئی ہڈی ٹوٹ جائے تو مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔" اس نے ایک بار پھر مجھے ذلیل کرتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ کہنا ہے استاد سے کہنا۔ کیونکہ میرا اسی کا فیصلہ ہے کہ میں تم سے مقابلہ کروں۔" استاد ارتون اور مغریس وغیرہ کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ اکھاڑے کے قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے ناتوم کی بات سن لی اور استاد کے چہرے پر ناگواری کے سخت اثرات نمودار ہوئے۔ میں نے ناتوم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اس بار سر اپا مقابلہ کرنے کا انداز قدرے مختلف ہوگا اور میں ناتوم کو اس کے احمقانہ غرور و زعم کی سزا ضرور دوں گا۔

اب میں اور ناتوم ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ناتوم شاید اس انتظار میں تھا کہ میں پہل کروں اور آگے بڑھ کر کوئی داؤ لگاؤں تاکہ جواباً وہ مجھے لپیٹ سکے۔ لیکن میں نے ناتوم کو پہلے موقعہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ تقریباً ایک منٹ اسی حالت میں گزر گیا۔ پر طرف ہال سناٹا طاری ہوگیا تھا۔ استاد اور دوسرے لوگ سانس روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آخر ناتوم میری اس خاموشی اور بے حرکتی سے اکتا گیا۔ یک بیک اس نے اپنے عقب سے درندوں کی طرح کی ایک زوردار آواز نکالی اور مجھ پر حملہ آور ہو کر اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد حمائل کر دیئے۔ مجھ سے ٹکراتے ہی اس کے بدن کو شدید جھٹکا لگا اور میری کمر کے گرد اس کے بازوؤں کی گرفت سخت نہ ہوسکی۔ تاہم اس نے دوسرے ہی لمحے میری کمر کو خوب کس کے کھینچا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن میں نے جوب کے ایک ایسے ستون کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا جو آدھے سے زیادہ زمین کے اندر گڑا ہوا ہو۔ ناتوم کی آنکھوں میں غصے کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے ایک بار پھر پوری قوت صرف کر کے مجھے نیچے گرانے کے لیے پورے بدن کا زور لگا دیا لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

ناتوم کے قدآور اور بھاری جسم کے سامنے میرا جسم بہت ہلکا پھلکا اور کم تر نظر آرہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ جسم پتھر کا ایک ایسا سنگین مجسمہ بن گیا تھا جسے ناتوم بالکل بھی نہ ہلا سکا۔ میں نے ناتوم کو دم کھنے تک اسے پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو قدرتی انداز میں لٹکائے ہوئے خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ناتوم نے اب دوسرا داؤ آزمایا۔ اس نے مجھے گرفت میں لینے کے ساتھ ہی اپنی ایک بھاری اور مضبوط ٹانگ میری دونوں ٹانگوں کے بیچ میں پھنسا کر اڑنگا لگا کر مجھے گرانے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ٹانگ میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

میں نے ایک نظر تماشائیوں کی طرف ڈالی۔ استاد مغریس، ارتون اور دوسرے لوگ آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ استاد کے چہرے پر بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ مغریس اور ارتون کے چہروں پر دلوں میں چھپی ہوئی مسرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ مجمع کے باقی لوگوں پر حیرت طاری تھی۔

ناتوم نے مبہوت حملہ پورے زور و شور کے ساتھ کیا۔ وہ میرے پاس سے دوڑ چلا گیا اور پھر وہاں سے کسی چیتے کی طرح جھپٹتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ مجھ سے ٹکرایا۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ اس کے جسم کے کئی حصوں سے خون نکلنے لگا تھا۔

"ناتوم!" میں نے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی اور داؤ آزمانا چاہتے ہو تو میں ابھی تمہارے سامنے اسی طرح کھڑا ہوں۔ اور اگر تمہارے پاس اپنی فنی مہارت کا ڈھیر ختم ہوگیا ہو تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں اس مقابلے کو اس کے اختتام تک پہنچا دوں۔" مجمع میں سے اب بھنبھناہٹ کی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ کچھ لوگ مرگوشیوں میں اور کچھ بآواز بلند اس صورت حال پر تبصرہ کر رہے تھے۔

ناتوم زخمی سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا ایک بار پھر لپک کر میری طرف جھپٹا۔ میں نے حسب وعدہ اسے ایک موقع دیا تھا۔ اس بار اس نے مجھے دبوچنے کی دوبارہ کوشش کی لیکن بے سود۔ میں نے محسوس کیا کہ ناتوم کے چہرے پر شکست خوردگی کے ساتھ ساتھ خوف کے آثار بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اب میں نے آگے بڑھ کر ناتوم کی کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اس کے بے حد بھاری بھرکم اور تنومند جسم کو پھول کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ اس نے بری طرح مچل کر پیٹ اور سینے پر لاتیں مارنے کی کوشش کی لیکن شاید اس کے پیروں میں درد کی ایسی شدید ٹیسیں اٹھیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ مجمع میں ایک شور مچ گیا۔ مغریس کود کر اکھاڑے میں آگیا۔ لیکن استاد نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور ڈانٹ کر اسے باہر آنے کو کہا۔ ناتوم میرے ہاتھوں میں کسی موٹے سے بیمار چوہے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور میں اسے مقابلے ہوتے ہوئے سارے اکھاڑے کا چکر لگا رہا تھا۔ بالآخر میں نے ناتوم کو مسترد کر دیا اور جواباً یہ کہلوایا کہ طے شدہ معاہدے کے مطابق اختتام کے مقابلے میں ناتوم کو ہی آنا ہوگا۔ اگر ناتوم اختتام کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو اس صورت میں طوفان کلب والے اختتام کے مقابلے میں شہزور کو لا سکتے ہیں اور اگر اختتام، ناتوم کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو سربراہ کچھ دنوں بعد کسی اور پہلوان کو شہزور کے مقابلے میں تیار کر کے لائیں گے۔ استاد کے پاس ان تجاویز کو ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ معاہدے کے مطابق وہ اختتام کے مقابلے میں ناتوم کو لانے کا پابند تھا۔ ناتوم کے بجائے کسی دوسرے پہلوان کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار سربراہوں کو حاصل تھا۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی مزید خلوص دل لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے سامنے مفروضہ یہ تھا کہ جو پہلوان ناتوم کو بآسانی ہرا سکتا ہے، اس سے اختتام کا جیتنا مشکل ہوگا۔ استاد کی دلی خواہش تھی کہ وہ اختتام کے مقابلے میں مجھے بھیجے لیکن وہ مجبور تھا۔ استاد کے پاس کلب میں آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ لوگ استاد کی اجازت سے مجھے دیکھنے اور مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے آتے تھے۔ وہ میری سنہری رنگت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے لیکن اس سے زیادہ حیرت انہیں میرا چھریرا بدن دیکھ کر ہوتی تھی جس نے ناتوم جیسے قوی الجثہ انسان کو اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ استاد میری نمائش کر کے بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ آنے والوں کی خوب آؤ بھگت کرتا اور انہیں مجھ سے ملنے میں کوئی تردد نہیں کرتا تھا۔ ناتوم اب ہل اصباح اپنی ورزش کی مشقوں سے فارغ ہوتے کے بعد دن بھر کے لیے کہیں ادھر ادھر غائب ہو جاتا اور رات گئے واپس آکر سو جاتا۔ ناشتہ بھی وہ اپنے کمرے میں ہی کرتا تھا۔ مقابلے کے دن کے بعد سے میرا دن کا آسان سا نہیں ہوا تھا۔

اس شام مغریس مجھے باہر گھومنے لے گئے۔ استاد نے میری حفاظت کی ذمہ داری شرطہ والوں کے ذمے لگا دی تھی۔ اور مجھے کلب سے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ شام کے دھندلکوں میں لپٹا ہوا یتھنز ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ مغریس مجھے مختلف مقامات کی سیر کراتا رہا اور مجھے ان کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس رات ہم نے کھانا بھی باہر کھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مغریس مجھے ایک خوبصورت اور مہنگے طعام خانے میں لے گیا جو اندر سے بڑا اسپا ہوا اور روشن تھا۔ ہم لوگ منقش کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ اس وقت پورے طعام خانے میں ہی مدھر سرگوشیاں خالی تھیں۔ ہم دونوں کے بیٹھنے کے بعد طعام خانے میں کوئی خاص گہما گہمی نہ رہی۔

ابھی ہم نے کھانے کے لیے کچھ منگوایا بھی نہیں تھا کہ نہایت قیمتی لباسوں میں ملبوس ایک جوان اور وجیہہ مرد اور عورت اندر داخل ہوئے۔ عورت کا ریشمی لباس جھلمل جھلمل کر رہا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر حسین تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ کسی مورنی کی طرح خوبصورت انداز میں چل رہی تھی۔ مرد کے چہرے کے خدوخال بھی حسین تھے اور ان میں مردانہ سختی موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی طعام

خانے کا مالک دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا اور اس نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ساری کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ لوگوں کے سامنے میزوں پر کھانے رکھے ہوئے تھے اور وہ کھانے میں مصروف تھے۔ صرف ایک میز ایسی تھی جس پر ابھی تک کوئی کھانا نہیں لگایا گیا تھا۔ اور یہ میز تھی جس کے گرد ہم دونوں بیٹھے تھے۔

طعام خانے کے مالک نے چاروں طرف دوڑائی اور پھر اس کی نظریں ہم پر جم گئیں۔ نوواردوں کو حیرت بھی ہماری طرف دیکھنے لگے۔

"یہ ایتھنز کے گورنر کا بھائی ازتینوس ہے"۔ مغرلیس نے کہا۔ "گورنر کا بھائی ہونے کے علاوہ یہ فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اس کے ساتھ جو عورت ہے وہ ایتھنز کی نامی گرامی رقاصہ تارونہ ہے جس کے حسن اور فن کے قصے سارے ملک میں مشہور ہیں، اور بڑے بڑے امراء اور رؤسا اس کی ایک نظر کرم کے محتاج رہتے ہیں۔ بہت کم ایسے خوش نصیب ہیں جنہیں اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حسین اور ماہر فن ہونے کے علاوہ یہ عورت بے حد مغرور اور مغنی بھی ہے۔"

اس اثنا میں طعام خانے کا مالک ہمارے قریب آگیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ازتینوس اور تارونہ بھی آرہے تھے۔ ان کے ساتھ کے والے چار غلام مؤدب انداز میں دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے تھے۔

"مجھے امید ہے کہ تم لوگ معزز ازتینوس اور اس کی حسین رفیقہ کے لیے جگہ خالی کر دو گے"۔ اس نے ہم لوگوں کو مخاطب کر کے شائستہ لہجے میں کہا۔ مگر مجھے خوب اندازہ تھا کہ شائستگی کے ساتھ کی جانے والی اس درخواست میں حکم کا عنصر شامل تھا۔

"معزز"۔ مغرلیس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن میں نے ایک جھٹکے سے مغرلیس کو دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ "ہرگز نہیں"۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہیں معزز ازتینوس اور اس کی حسین رفیقہ اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔"

طعام خانے کے مالک کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ مغرلیس نے گھبرا کر دوبارہ میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ ازتینوس نے اپنی گھنی بھنویں سکیڑ کر سخت نظروں سے مجھے گھورا اور تارونہ حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

اسی اثنا میں برابر والی میز پر سے کئی آدمی اٹھ کر چلے گئے اور جگہ خالی ہو گئی۔ طعام خانے کے مالک نے فوراً ازتینوس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس میز پر آنے کی درخواست کی۔

"مغرلیس! میں تمہارے استاد کی، تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا ہوں"۔ ازتینوس نے مغرلیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ نوورد ——— یہ اجنبی کون ہے؟ کیا تم نے اسے میرے بارے میں نہیں بتایا ہے؟"

"نہیں معزز"۔ مغرلیس نے جواب دیا۔ "یہ اس شہر میں صرف چند روز قبل آیا ہے اور آپ سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر یہ آپ سے واقف ہوتا تو بھلا ایسی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟" میں مغرلیس کے اس جواب پر دل ہی دل میں جل کر رہ گیا، لیکن کچھ بولا نہیں۔ بقامہ تارونہ برابر مجھے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گھورے جا رہی تھی۔

"اسے کچھ تمیز اور تہذیب سکھاؤ اور یہ بتاؤ کہ ایتھنز کے امراء کے ساتھ کس طرح گفتگو کی جاتی ہے"۔ ازتینوس نے کہا اور تارونہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری میز پر جا بیٹھا۔

"تم نے تو مروا دیا تھا شہزور"۔ مغرلیس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میں نے تمہیں بتا بھی دیا تھا کہ وہ گورنر کا بھائی اور ایک اعلیٰ فوجی افسر ہے، پھر بھی تم نے اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا۔"

"میں نے کوئی غلط رویہ اختیار نہیں کیا"۔ میں نے سختی سے کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں اٹھانے والا کون ہوتا ہے؟"

"مگر وہ ایک بااختیار اور بااقتدار شخص ہے۔ . . . . ."

"مغرلیس! میں تم لوگوں" میں نے مغرلیس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس وقت صرف اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ تمہارے اور استاد کے لیے کوئی مشکلات پیدا نہ ہو جائیں، ورنہ میں اس قسم کی گفتگو کرنے والے مغرور انسانوں کا سر جھکانا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"سنو شہزور"۔ مغرلیس نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ ایتھنز ہے، یونان کا دارالحکومت، امراء، رؤسا، وزراء، فوجی افسران اور صاحب اقتدار و اختیار لوگوں کا شہر۔ یہ تمہارا گاؤں یا قصبہ نہیں ہے۔ جہاں سے تم سیدھے چلے آ رہے ہو۔ یہاں تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط اور ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہاں صرف جسم کی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ جسم سے زیادہ دماغ کی طاقت اہمیت رکھتی ہے۔ تم لاکھ زبردست پہلوان سہی، لیکن حاضر اقتدار لوگوں کے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتا ہوں"۔ میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا اور انکی شان کے عین مطابق سمجھتا ہوں۔ بہرحال، اس قصے کو ختم کرو اور کھانا منگواؤ۔" بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اس سے اس بارے میں زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ نہ وہ میری بات سمجھ سکتا تھا اور نہ اپنی بات مجھ سے سمجھا سکتا تھا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ ازتینوس جیسے کتنے ہی سیکڑوں کو میں نے اپنی ٹھوکروں سے روندا ہے۔ ویسے بھی بربریت میں اپنی طاقت کے کم سے کم استعمال کا قائل تھا اور بلاوجہ تماشا بننے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔

ہم دونوں بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے تاکہ ہماری آواز دوسرے لوگ، اور خاص طور پر ازتینوس اور تارونہ نہ سن سکیں۔ میں نے محسوس کیا کہ تارونہ کی نظریں میری نظروں سے ہٹ کر بار بار میرے چہرے پر جم جاتی ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا، اس نے ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور ہولے سے مسکرا دی۔ ازتینوس اس کی اس مسکراہٹ کو نہیں دیکھ سکا۔ اگلے لمحے گاڑی روانہ ہو گئی۔

"سچ بتاؤ شہزور۔ تم نے دو گھوڑوں کی طاقت سے پیچھے ہٹتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ سے روکنے کے لیے کون سا داؤ استعمال کیا تھا؟" مغرلیس نے گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔ "میرے علم کے مطابق پورے ایتھنز میں کوئی ایک جوان بھی ایسا نہیں ہے جو دو گھوڑوں کی گاڑی کو ایک ہاتھ سے روک لے۔"

"میرا خیال ہے دوست، تم جاگتے میں خواب دیکھنے کے عادی ہو"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"بھلا تم خود ہی سوچو کہ کیا کوئی انسان دو گھوڑوں والی گاڑی کو روک سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "میں چونکہ گاڑی کے قریب تھا اس لیے میں نے تارونہ کو غصے میں دیکھ کر بالکل فطری طور پر گاڑی پر ہاتھ رکھ دیا، بس کہنے کو یہ ہاتھ بڑا تھا۔ ورنہ دو تو در حقیقت گاڑی تک پہنچ گیا۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ گھوڑوں نے عین اس وقت پیچھے ہٹنا بند کر دیا اور گاڑی رک گئی۔"

"پھر وہ دوبارہ آگے کیسے بڑھی؟" مغرلیس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس وقت تک کوچوان نے غلاموں کی مدد سے گھوڑوں پر قابو پا لیا تھا اور انہیں آگے بڑھا دیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"شاید ایسا ہی ہوا"۔ مغرلیس نے اچھے ہوئے ذہن کے ساتھ جواب دیا۔ "مگر مجھے تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ جب تم نے گاڑی کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ کر زور لگایا تو عین اسی وقت گاڑی رک گئی اور پھر تم نے اسے دیکھا تو وہ گھوڑوں سمیت آگے بڑھ گئی۔ میں نے خود گھوڑوں کو آگے گھسٹتے ہوئے دیکھا جیسے انہیں کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے"۔ میں نے اسے بہلانے کے لیے کہا۔ "دنیا میں کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔"

"یقیناً"۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ مغرلیس نے جواب دیا۔ "ایسا کام انسان نہیں، صرف دیوتا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض دفعہ میرے دل میں شام کو کلب میں موجود تمام لوگوں کے اندازے کے مطابق تمہارا جسم عام معمولی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ تم دیکھنے میں ایک عام صحت مند آدمی کی طرح پورے بدن کے نظر آتے ہو اور تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی نمایاں خصوصیت نظر نہیں آتی کہ تمہاری جلد اور بالوں کی رنگت سنہری ہے۔ لیکن مجھے کبھی کبھی طرح یاد ہے کہ تم نے کس طرح ایک ہلکے سے جھٹکے میں مجھے نیچے گرا دیا تھا۔ اور ناتوم کے مقابلے میں تم نے جو قوت کا مظاہرہ کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ناتوم تمہیں تمہاری جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں

[illegible] لمحے کی مختصر سی مدت کے دوران میں نے اس کی نگاہوں میں [illegible] بڑھ گیا تھا اس سے پہلے میں سیکڑوں ہزاروں خونخوار لوگوں کی آنکھوں [illegible] جھکا تھا" اور جسے سمجھنے میں میں نے کبھی غلطی نہیں کی تھی۔

[illegible] لوگوں نے کھانا ختم کیا اور باہر نکلنے لگے۔ ازتینوس اور تارونہ نے [illegible] تھام کر لیا تھا اور وہ جارحانہ انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ طعام خانے کے [illegible] ازتینوس کی مرصع اور شاندار دو گھوڑوں والی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ [illegible] طعام خانے کے دروازے سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

[illegible] کوچوان نے دانستہ طور پر دروازہ کی جگہ چھوڑی تھی اور گاڑی کو دیوار [illegible] سے کھڑا کیا تھا۔ تارونہ گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے [illegible] کا ہاتھ تھاما ہی تھا کہ اچانک نہ معلوم کس وجہ سے ایک گھوڑا بدک گیا۔ وہ بڑے [illegible] ہنہنایا اور اپنی اگلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی [illegible] دیکھ کر دوسرا گھوڑا بھی زور سے ہنہنانے لگا اور وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا۔ [illegible] ایک دم گھوم کر ٹیڑھی ہو گئی۔ تارونہ کے ہاتھ سے دروازے چھوٹ گیا۔ وہ [illegible] پیچھے کی طرف ہٹی، مگر پیچھے دیوار تھی اور سامنے سے گاڑی ترچھی [illegible] کی طرف اس تیزی سے آ رہی تھی کہ اس نے طعام خانے کے [illegible] کی راہ بھی روک لی تھی جہاں تارونہ کو پناہ مل سکتی تھی۔ کوچوان اور [illegible] طعام خانے کے مالک کی سی تیزی کے ساتھ گھوڑوں کی جانب لپکے اور انہیں آگے [illegible] کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن گھوڑے برابر پیچھے ہٹ رہے تھے اور [illegible] میں تارونہ کا جسم دیوار اور گاڑی کے درمیان پھنس کر کچلا [illegible] تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ ازتینوس اس تک پہنچنے سے قاصر [illegible] کے اور تارونہ کے درمیان گاڑی حائل تھی جو تیزی سے پیچھے [illegible] تھی۔ یہ سارا واقعہ محض چند لمحوں میں پیش آیا اور محض چند لمحوں [illegible] اس کے انجام تک بھی پہنچا دیا۔ قبل اس کے کہ تارونہ کا جسم گاڑی [illegible] کے درمیان دب کر بھک جاتے، میں نے آگے بڑھ کر گاڑی کے پچھلے [illegible] سے تارونہ اور دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا، ایک ہاتھ سے [illegible] پکڑ لیا اور گاڑی اپنی جگہ تھم کر رہ گئی۔ پھر میں نے سے دھکا [illegible] گھوڑوں سمیت آگے کی طرف جھک گئی۔ دیوار اور گاڑی کے درمیان [illegible] تھی۔ تارونہ گاڑی سے نکل گئی۔ تارونہ کے نکلنے کے بعد میں نے گاڑی پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ اس اثنا میں کوچوان [illegible] کی مدد سے گھوڑوں کو رام کر لیا تھا۔

[illegible] نے گاڑی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے پوری طرح صرف دو [illegible] دیکھ سکے تھے، ایک تو تارونہ اور دوسرے مغرلیس، جو میرے قریب [illegible] ازتینوس میرے پیچھے تھا۔ اس لیے اسے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا [illegible] کی وجہ سے پیچھے ہٹنے سے رک گئی تھی۔ لیکن تارونہ نے اس منظر کو [illegible] دیکھا تھا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔ دوبارہ گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے اس نے پیچھے ہٹ کر ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور ہولے سے مونٹ دبا کر مسکرائی۔ ازتینوس اس کی اس مسکراہٹ کو نہیں دیکھ سکا۔ اگلے لمحے گاڑی روانہ ہو گئی۔

"سچ بتاؤ شہزور۔ تم نے دو گھوڑوں کی طاقت سے پیچھے ہٹتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ سے روکنے کے لیے کون سا داؤ استعمال کیا تھا؟" مغرلیس نے گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔ "میرے علم کے مطابق پورے ایتھنز میں کوئی ایک جوان بھی ایسا نہیں ہے جو دو گھوڑوں کی گاڑی کو ایک ہاتھ سے روک لے۔"

"میرا خیال ہے دوست، تم جاگتے میں خواب دیکھنے کے عادی ہو"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"بھلا تم خود ہی سوچو کہ کیا کوئی انسان دو گھوڑوں والی گاڑی کو روک سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "میں چونکہ گاڑی کے قریب تھا اس لیے میں نے تارونہ کو غصے میں دیکھ کر بالکل فطری طور پر گاڑی پر ہاتھ رکھ دیا، بس کہنے کو یہ ہاتھ بڑا تھا۔ ورنہ دو تو در حقیقت گاڑی تک پہنچ گیا۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ گھوڑوں نے عین اس وقت پیچھے ہٹنا بند کر دیا اور گاڑی رک گئی۔"

"پھر وہ دوبارہ آگے کیسے بڑھی؟" مغرلیس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس وقت تک کوچوان نے غلاموں کی مدد سے گھوڑوں پر قابو پا لیا تھا اور انہیں آگے بڑھا دیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"شاید ایسا ہی ہوا"۔ مغرلیس نے اچھے ہوئے ذہن کے ساتھ جواب دیا۔ "مگر مجھے تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ جب تم نے گاڑی کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ کر زور لگایا تو عین اسی وقت گاڑی رک گئی اور پھر تم نے اسے دیکھا تو وہ گھوڑوں سمیت آگے بڑھ گئی۔ میں نے خود گھوڑوں کو آگے گھسٹتے ہوئے دیکھا جیسے انہیں کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے"۔ میں نے اسے بہلانے کے لیے کہا۔ "دنیا میں کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔"

"یقیناً"۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ مغرلیس نے جواب دیا۔ "ایسا کام انسان نہیں، صرف دیوتا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض دفعہ میرے دل میں شام کو کلب میں موجود تمام لوگوں کے اندازے کے مطابق تمہارا جسم عام معمولی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ تم دیکھنے میں ایک عام صحت مند آدمی کی طرح پورے بدن کے نظر آتے ہو اور تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی نمایاں خصوصیت نظر نہیں آتی کہ تمہاری جلد اور بالوں کی رنگت سنہری ہے۔ لیکن مجھے کبھی کبھی طرح یاد ہے کہ تم نے کس طرح ایک ہلکے سے جھٹکے میں مجھے نیچے گرا دیا تھا۔ اور ناتوم کے مقابلے میں تم نے جو قوت کا مظاہرہ کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ناتوم تمہیں تمہاری جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں

بتاؤ گے کہ تمہاری اس زبردست قوت کا راز کیا ہے؟"

"میری قوت کا کوئی راز نہیں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور پروفیسر میں اسے بتاتا بھی کیا ہے میں بھلا اپنی قوت کے راز کی کس طرح تشریح کر سکتا تھا؟

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اب ہم لوگوں نے "گھر" کا رخ کیا۔ طوفان کلب کی عمارت ہی ہمارا "گھر" تھی۔

جب ہم گھر پہنچے تو استاد ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے انتظار میں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مغربیس نے سے بتایا کہ ہم لوگوں نے کھانا باہر ہی کھا لیا ہے۔ میں نے گھر واپس آتے ہوئے مغربیس کو منع کر دیا تھا کہ وہ گاڑی رکھنے والی بات کا کسی سے بھی ذکر نہ کرے، ورنہ لوگ میرے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیں گے۔ مغربیس نے اس بات کا تذکرہ استاد سے نہیں کیا۔ البتہ اس نے عقاب خانے میں اڑیسوں اور تارونہ کے ساتھ ہماری مڈبھیڑ کی اطلاع استاد کو دی۔ استاد نے پوری بات سننے کے بعد کہا۔ "شہزور اور تماب طوفان کلب سے وابستہ ہو۔ طوفان کلب کا نام اب تمہارے نام کا ایک جزو بن گیا ہے۔ میں نے اس کلب کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ قائم کیا ہے اور اپنے خون سے ان لوگوں کی پرورش اور تربیت کی ہے جو اس کلب سے وابستہ ہیں۔ مجھے یہ کلب دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جوانی کے جوش میں کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھانا جس سے کلب کو کوئی نقصان پہنچے۔ مجھے اپنی کوئی پروا نہیں لیکن میں اس کلب کو پنپتے سنورتے کے بعد بھی پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اب تیزی سے بوڑھا ہو رہا ہوں اور معلوم نہیں کب دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین بھی مقرر کرنا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ تاتوم اور اشرام کے درمیان مقابلے کے بعد میں کوئی فیصلہ بھی کر لوں۔" اس نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور ذرا رک کر پھر کہنے لگا۔ "اڑیسوں بڑے اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔ وہ گورنر کا بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی ہے اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ملکہ اس کے حالیہ رضوص عنایات کرتی ہے۔ بہرحال تم اس شہر میں نئے ہو۔ میں تمہیں محتاط بننے کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ ہمارے لیے تمہاری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ ابھی تو تمہاری تمام صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے۔ اصل کامران تو تاتوم اور اشرام کے مقابلے کے بعد شروع ہو گا۔ اور پھر آج سے چھ ماہ بعد قومی کھیلوں کے مقابلے ہونے والے ہیں جو سال میں صرف ایک بار ہوتے ہیں اور جنہیں دیکھنے کے لئے بادشاہ اور ملکہ بذات خود تشریف لاتے ہیں۔ میں تمہیں ایتھنز والوں کے سامنے اس عظیم میرو کے روپ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"ایک ایسا ہیرو جسے گورنر کا بھائی کھانے کی کرسی سے اٹھا دے اور خود وہاں بیٹھ جائے۔" میرے منہ سے نکل گیا۔

مغربیس گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن استاد نے میرے اس طنز کا بالکل برا نہیں مانا۔ بلکہ وہ مسکرا کر کہنے لگا۔ "حکومت اور ارکان حکومت کے حکامات کی پابندی کرنا کسی توہین کا باعث نہیں ہوتا۔ تم اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم تینوں سے ڈر جاؤ۔ اگر تمہیں کوئی غلط حرکت کرتا ہے تو میں اتنے وسائل رکھتا ہوں کہ براہ راست شہنشاہ تک پہنچ سکتا ہوں اور اڑیسوں کو ہلکا بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے اپنی قیمتی زندگی گزاری ہے اور یہاں کے سامنے اور داؤ سازشیں بہت عزیز ہیں۔ اگر تینوں ہم سے محاذ آرائی چاہے گا تو ہم اس کے لیے تیار ہیں لیکن مقصد صرف یہ ہے کہ حتی الوسع دوستانہ ماحول قائم رہے۔ اب تم لوگ جا کر آرام کرو۔ وہ بے فکر ہو۔"

ہم دونوں اوپر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اور دوسرے دن دوپہر کو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ مغربیس نے اوپر آ کر مجھے بتایا کہ کوئی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔

"مجھ سے ملنے کے لیے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "لیکن میں تو اس شہر میں کسی کو بھی نہیں جانتا۔ مجھ سے کون ملنے آئے گا؟"

"لوگوں کو نہیں جانتے۔ لیکن لوگ تو تمہیں جانتے ہیں۔" مغربیس نے ایک عجیب انداز سے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں مجھے کوئی گہرا پوشیدہ مفہوم محسوس ہوئے۔

میں مغربیس کے ساتھ نیچے آیا۔ مغربیس نے آنے والے کو ایک کمرے میں بٹھایا تھا جو عمارت کے ایک دور دراز گوشے میں واقع تھا۔ ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک غلام جو منتظر کھڑا تھا، ہمیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے جھک کر ہمیں تعظیم دی۔

"انہیں کے لیے پیغام ہے؟" مغربیس نے پوچھا۔

جی ہاں۔" غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "کل میں اپنی مالکہ کے ساتھ تھا۔ اور میں نے انہیں فلاں عمارت میں دیکھا تھا۔ مالکہ نے مجھے ہدایت کی کہ آپ کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں۔ مالکہ کو جو آپ جانتی ہیں، اور آپ کے فن کی مداح بھی ہیں۔ انہوں نے میرے ہاتھ اپنی یہ انگوٹھی بھی بھیجی ہے کہ آپ اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کریں۔ اور صنوبر کی رنگت والے نوجوان کو کل دوپہر کو ان کے پاس بھیج دیں۔ وہ وقت کی خواہاں ہیں۔"

میں نے پہلی نظر میں تو غلام پر کوئی توجہ نہیں دی تھی، لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو میں اسے پہچان گیا۔ یہ ان چار غلاموں میں سے تھا جنہیں کل میں نے اڑیسوں اور تارونہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ بات اب معمہ بن گئی تھی۔ اڑیسوں کا نہیں، بلکہ تارونہ کا غلام تھا۔

"مالکہ نے شہزور کہا ہے۔" مغربیس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "تم سے ملاقات کی خواہشمند ہے اور کل دوپہر اس نے تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔"

"لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے مغربیس اور غلام دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو نہیں، وہاں چل کر ہی پتہ چلے گا۔" مغربیس نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شہزور آ جائے گا۔ لیکن اپنی مالکہ سے کہہ دینا کہ شہزور ابھی اس شہر میں نو وارد ہے اور استاد کا حکم ہے کہ وہ تنہا کہیں بھی نہ جائے، اس لیے میں اس کے ساتھ آؤں گا۔"

غلام تعظیم دے کر رخصت ہو گیا۔ "تم خوش قسمت ہو شہزور کہ تارونہ نے تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ تارونہ ایسی عورت ہے جس کے آگے بڑے بڑے لوگ ناک رگڑتے ہیں اور وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" اور نہ میں اس کے التفات کا بھوکا ہوں۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ جانے کی شرط کیوں لگائی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ ہمیں استاد سے چھپ کر وہاں جانا ہے۔ اگر استاد کو پہلے سے پتہ چل گیا تو وہ ہرگز ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ سب کو معلوم ہے تارونہ ان دونوں اڑیسوں کی منظور نظر ہے اور وہ اس پر بے دریغ زر لٹا رہا ہے۔ اگر اڑیسوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تارونہ نے کسی اور میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے تو اس سے بڑی گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ استاد فی الحال اپنے لیے مشکلات مول لینا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی ویسی صورت حال پیدا ہو جائے تو میں اسے سنبھال سکوں، کیونکہ تم معاملے سے کام نہیں لیتے۔ کل تم غلام کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر ہمیں تعظیم دی۔

"یہ تو نہیں، وہاں چل کر ہی پتہ چلے گا۔" مغربیس نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شہزور آ جائے گا۔ لیکن اپنی مالکہ سے کہہ دینا کہ شہزور ابھی اس شہر میں نو وارد ہے اور استاد کا حکم ہے کہ وہ تنہا کہیں بھی نہ جائے، اس لیے میں اس کے ساتھ آؤں گا۔"

غلام تعظیم دے کر رخصت ہو گیا۔ "تم خوش قسمت ہو شہزور کہ تارونہ نے تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ تارونہ ایسی عورت ہے جس کے آگے بڑے بڑے لوگ ناک رگڑتے ہیں اور وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" اور نہ میں اس کے التفات کا بھوکا ہوں۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ جانے کی شرط کیوں لگائی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ ہمیں استاد سے چھپ کر وہاں جانا ہے۔ اگر استاد کو پہلے سے پتہ چل گیا تو وہ ہرگز ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ سب کو معلوم ہے تارونہ ان دونوں اڑیسوں کی منظور نظر ہے اور وہ اس پر بے دریغ زر لٹا رہا ہے۔ اگر اڑیسوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تارونہ نے کسی اور میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے تو اس سے بڑی گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ استاد فی الحال اپنے لیے مشکلات مول لینا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی ویسی صورت حال پیدا ہو جائے تو میں اسے سنبھال سکوں، کیونکہ تم معاملے سے کام نہیں لیتے۔ کل تم غلام کو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر ہمیں تعظیم دی۔

"انہیں کے لیے پیغام ہے؟" مغربیس نے پوچھا۔

جی ہاں۔" غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "کل میں اپنی مالکہ کے ساتھ تھا۔ اور میں نے انہیں فلاں عمارت میں دیکھا تھا۔ مالکہ نے مجھے ہدایت کی کہ آپ کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں۔ مالکہ کو جو آپ جانتی ہیں، اور آپ کے فن کی مداح بھی ہیں۔ انہوں نے میرے ہاتھ اپنی یہ انگوٹھی بھی بھیجی ہے کہ آپ اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کریں۔ اور صنوبر کی رنگت والے نوجوان کو کل دوپہر کو ان کے پاس بھیج دیں۔ وہ وقت کی خواہاں ہیں۔"

میں نے پہلی نظر میں تو غلام پر کوئی توجہ نہیں دی تھی، لیکن جب اس نے غور سے دیکھا تو میں اسے پہچان گیا۔ یہ ان چار غلاموں میں سے تھا جنہیں کل میں نے اڑیسوں اور تارونہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ بات اب معمہ بن گئی تھی۔ اڑیسوں کا نہیں، بلکہ تارونہ کا غلام تھا۔

"مالکہ نے شہزور کہا ہے۔" مغربیس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "تم سے ملاقات کی خواہشمند ہے اور کل دوپہر اس نے تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔"

"لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے مغربیس اور غلام دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا

کل رات سے ہی میں تمہارے ۔۔۔ سحر میں گرفتار ہو گئی ہوں اور مجھے تمہارے قریب آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

"اور تینوس کا کیا ہو گا؟"

"میں اسے منع کر دوں گی کہ وہ آئندہ یہاں نہ آئے۔ وہ ہر ماہ مجھے ایک بھاری رقم اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ میں صرف اس کی ہو کر رہوں لیکن میں اس کی ساری رقم واپس کر دوں گی۔ میرے پاس پہلے ہی دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ میں اسے اس سے بھی زیادہ دولت دے سکتی ہوں جتنی وہ اب تک مجھے دے چکا ہے۔"

"لیکن وہ گورنر کا بھائی ہے اور ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی۔" میں نے کہا۔

"لیکن میرے بھی ملکہ سے خصوصی مراسم ہیں۔ وہ میرے حال پر عنایت کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملکہ کی نگاہ التفات کے بعد تینوس مجھے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں تو تمہارے لیے مرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں کل ہی شاہی محل جا کر ملکہ کے حضور حاضری دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ میں تینوس کو چھوڑ رہی ہوں۔ پھر میں تینوس کو بھی سب کچھ بتا دوں گی اور اس سے کہوں گی کہ میرا اور اس کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی بقیہ زندگی تمہارے قدموں میں گزار دوں گی۔ میرے بن جاؤ شہزور۔ میرے بن جاؤ۔"

"سوتارونہ!" میں نے محبت سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "تمہیں احتیاط کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ارکیوس تمہارے آدمی تمہارے دستبردار نہیں ہو گا اور کافی ہنگامے کھڑے ہوں گے۔ میں نہ تو تینوس سے ڈرتا ہوں اور نہ جنگوں سے۔ لیکن میں اپنے استاد کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تمہیں مجھے دو ماہ تک صبر سے کام لینا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ تاتوم اور اشرم کے درمیان مقابلہ ختم نہ ہو جائے، اور ہو سکتا ہے کہ تاتوم کی شکست کی صورت میں مجھے اشرم سے مقابلہ کرنا پڑے۔ تب تک تمہیں بالکل خاموش رہنا ہو گا اور تینوس کو اس کی کچھ تک خبر نہیں ہونی چاہیے۔ وقت آنے پر میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا ہے۔ تھوڑا سا انتظار اور پھر میں تمہیں یہاں سے کہیں دور لے چلوں گا۔"

میرے ان الفاظ نے تاروند پر جیسے جادو کر دیا۔

"میں چھ بھی دو ماہ تو کیا ساری عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا۔ شہزور! لیکن آؤ اس مہلت کو جو آج ہمیں حاصل ہے رائگاں نہ جانے دیں۔"

لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے منع کر دیا۔ "ابھی نہیں۔ باہر مغرلیس میرا منتظر ہے۔ اب کافی دیر ہو گئی ہے استاد ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" تاروند نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کھڑی ہو گئی۔

جیسے ہی ہم تاروند کے گھر سے نکل کر سڑک پر آئے، ہم نے اپنے سامنے سے تاتوم کو گزرتے دیکھا۔ وہ غیظ آلود نظروں سے ہمیں دیکھتا ہوا گزر گیا۔

"کیا یہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا؟" میں نے مغرلیس سے پوچھا۔

"شاید۔" مغرلیس نے فکرمندی سے جواب دیا۔ "اس نے ہمیں تاروند کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہے اور اب یہ ضرور کوئی خرابی پیدا کرے گا۔ اگر استاد کو پتہ چل گیا تو بڑی بُری بات ہو گی۔ میں نے استاد سے ساری بات چھپا کے رکھی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلا دیں گے کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

لیکن تاتوم نے ہماری توقعات سے زیادہ خطرناک قدم اٹھایا۔ دوسرے روز مغرلیس نے مجھے بتایا کہ تاروند کا غلام اس کے پاس آیا تھا۔ تاروند نے کہلوایا ہے کہ ارتینوس کو تاتوم کے ذریعے اس بات کی اطلاع مل گئی ہے کہ شہزور اور مغرلیس اس کے گھر آئے تھے اور کافی دیر تک اندر رہے۔ ارتینوس نے تاروند کو کڑی سزا دینے کی دھمکی دی ہے اگر اس نے آئندہ اسے شہزور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا تو وہ اس شہزور رنگت والے دیہاتی کو قتل کروا دے گا۔ تاروند نے اپنے خصوصی ملازم کے ذریعے ہمیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ یہ تاتوم کی اس کمینگی پر سخت غصہ آیا۔ مغرلیس نے بھی اس کی اس حرکت پر سخت اظہار نفرت کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم نہ تو استاد سے اس کی شکایت کر سکتے تھے اور نہ ہی ہم خود اس سے کچھ کہہ سکتے تھے۔ میں اگر چاہتا تو تاتوم اور ارتینوس دونوں ہی کو اسی وقت ٹھکانے لگا سکتا تھا لیکن ابھی صبر سے کام لینا تھا۔

اور یہ اس واقعے کے دو دن بعد کی بات ہے۔ میں اور مغرلیس فوجی روزانہ ہی شام کو گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے اور اکثر رات کو کافی دیر سے واپس آتے۔

اس دن واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ شراب کے نشے میں چور ایک مدہوش بری طرح میرے پیچھے پڑ گیا تھا اور اس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم جونہی اس کے عشرت کدے سے باہر نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی آگے جا کر ہمیں ایک گلی سے سڑک گزرتا تھا جس کے دونوں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ گلی بالکل سنسان تھی اور دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

اچانک سامنے سے دو نقاب پوش گھوڑ سوار نمودار ہوئے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

ہمیں اپنے پیچھے بھی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ دو اور پوش گھوڑ سوار ہمارے پیچھے کھڑے تھے!

ہم آگے اور پیچھے، دونوں طرف سے گھر چکا تھا۔ نقاب پوش ہمیں سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا اور وہ آناً فاناً تلواریں سونت کر ہم پر پل پڑے۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ مغرلیس کو کس طرح ان لوگوں کے حملوں

سے محفوظ رکھوں کیونکہ حملہ آوروں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ایک اور بائیں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں جن پر چڑھنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ مغرلیس کے پاس تلوار تھی اور میرے پاس خنجر۔ ہم دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ گھوڑ سوار کے مقابلے میں پیدل سپاہی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ ہمارے حملہ آور نقاب پوش تھے۔ ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی تعداد کتنی ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی کو پکڑ بھی لیتے تو کیا فائدہ تھا۔ انہوں نے مغرلیس کی جان بچانے کے لیے ہی یہ سب کچھ کیا تھا۔ اگر ہم ان میں سے کسی کو پکڑ لیتے تو ہمیں یقیناً کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جاتیں۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت ممکن تھا جب ہم زندہ رہتے۔ ہمیں فوراً ہی کچھ کرنا تھا۔ اگر ہم ان کے گھیرے کو توڑ کر نکلنے کی کوشش کرتے تو ہمارے پیچھے سے وار کیے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر ہم دونوں نقاب پوشوں کی تلوار کی زد سے بچ بھی جاتے تو ان کے گھوڑے ہمیں روند ڈالتے۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ایک طرف کی دیوار پر چڑھ جائیں۔ میں نے مغرلیس سے کہا۔ "ایک ساتھ ایک طرف کی دیوار پر چڑھ جائیں۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نشانہ بنا کر اپنے خنجر پھینکتا ہوں۔ تم اس کے بعد فوراً دیوار پر چڑھ جانا۔"

مغرلیس نے سر ہلا دیا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ان دونوں سواروں پر حملہ کیا۔ مغرلیس کی جان بچانے کی خاطر میں نے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نشانہ بنا کر اپنے خنجر پھینکے۔ میرا خنجر ایک سوار کے سینے میں اتر گیا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ دوسرا خنجر دوسرے سوار کے سینے سے ٹکرایا۔ وہ بھی چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ مغرلیس کے ساتھ ہی میں نے دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے دیوار پر چڑھ کر مغرلیس کو اوپر کھینچا۔ ہم دونوں نے دیوار پر سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ ہم دونوں کے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔ دوسری طرف استاد کو موجود پا کر ہمیں کچھ حوصلہ ہوا۔ استاد نے ہمیں دیکھتے ہی پوچھا۔ "کیا ہوا؟ تم لوگ اس طرح خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو؟"

"استاد!" مغرلیس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہم پر حملہ کیا گیا تھا۔ ہم نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں سواروں کو مار ڈالا ہے۔"

"کون تھے وہ؟" استاد نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

"لیکن میرے بھی ملکہ سے خصوصی مراسم ہیں۔ وہ میرے حال پر عنایت کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملکہ کی نگاہ التفات کے بعد تینوس مجھے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں تو تمہارے لیے مرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں کل ہی شاہی محل جا کر ملکہ کے حضور حاضری دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ میں تینوس کو چھوڑ رہی ہوں۔ پھر میں تینوس کو بھی سب کچھ بتا دوں گی اور اس سے کہوں گی کہ میرا اور اس کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی بقیہ زندگی تمہارے قدموں میں گزار دوں گی۔ میرے بن جاؤ شہزور۔ میرے بن جاؤ۔"

"سوتارونہ!" میں نے محبت سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "تمہیں احتیاط کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ارکیوس تمہارے آدمی تمہارے دستبردار نہیں ہو گا اور کافی ہنگامے کھڑے ہوں گے۔ میں نہ تو تینوس سے ڈرتا ہوں اور نہ جنگوں سے۔ لیکن میں اپنے استاد کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تمہیں مجھے دو ماہ تک صبر سے کام لینا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ تاتوم اور اشرم کے درمیان مقابلہ ختم نہ ہو جائے، اور ہو سکتا ہے کہ تاتوم کی شکست کی صورت میں مجھے اشرم سے مقابلہ کرنا پڑے۔ تب تک تمہیں بالکل خاموش رہنا ہو گا اور تینوس کو اس کی کچھ تک خبر نہیں ہونی چاہیے۔ وقت آنے پر میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا ہے۔ تھوڑا سا انتظار اور پھر میں تمہیں یہاں سے کہیں دور لے چلوں گا۔"

میرے ان الفاظ نے تاروند پر جیسے جادو کر دیا۔

"میں چھ بھی دو ماہ تو کیا ساری عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا۔ شہزور! لیکن آؤ اس مہلت کو جو آج ہمیں حاصل ہے رائگاں نہ جانے دیں۔"

لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے منع کر دیا۔ "ابھی نہیں۔ باہر مغرلیس میرا منتظر ہے۔ اب کافی دیر ہو گئی ہے استاد ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" تاروند نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کھڑی ہو گئی۔

جیسے ہی ہم تاروند کے گھر سے نکل کر سڑک پر آئے، ہم نے اپنے سامنے سے تاتوم کو گزرتے دیکھا۔ وہ غیظ آلود نظروں سے ہمیں دیکھتا ہوا گزر گیا۔

"کیا یہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا؟" میں نے مغرلیس سے پوچھا۔

"شاید۔" مغرلیس نے فکرمندی سے جواب دیا۔ "اس نے ہمیں تاروند کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہے اور اب یہ ضرور کوئی خرابی پیدا کرے گا۔ اگر استاد کو پتہ چل گیا تو بڑی بُری بات ہو گی۔ میں نے استاد سے ساری بات چھپا کے رکھی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلا دیں گے کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

لیکن تاتوم نے ہماری توقعات سے زیادہ خطرناک قدم اٹھایا۔ دوسرے روز مغرلیس نے مجھے بتایا کہ تاروند کا غلام اس کے پاس آیا تھا۔ تاروند نے کہلوایا ہے کہ ارتینوس کو تاتوم کے ذریعے اس بات کی اطلاع مل گئی ہے کہ شہزور اور مغرلیس اس کے گھر آئے تھے اور کافی دیر تک اندر رہے۔ ارتینوس نے تاروند کو کڑی سزا دینے کی دھمکی دی ہے اگر اس نے آئندہ اسے شہزور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا تو وہ اس شہزور رنگت والے دیہاتی کو قتل کروا دے گا۔ تاروند نے اپنے خصوصی ملازم کے ذریعے ہمیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ یہ تاتوم کی اس کمینگی پر سخت غصہ آیا۔ مغرلیس نے بھی اس کی اس حرکت پر سخت اظہار نفرت کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم نہ تو استاد سے اس کی شکایت کر سکتے تھے اور نہ ہی ہم خود اس سے کچھ کہہ سکتے تھے۔ میں اگر چاہتا تو تاتوم اور ارتینوس دونوں ہی کو اسی وقت ٹھکانے لگا سکتا تھا لیکن ابھی صبر سے کام لینا تھا۔

اور یہ اس واقعے کے دو دن بعد کی بات ہے۔ میں اور مغرلیس فوجی روزانہ ہی شام کو گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے اور اکثر رات کو کافی دیر سے واپس آتے۔

اس دن واپس آنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ شراب کے نشے میں چور ایک مدہوش بری طرح میرے پیچھے پڑ گیا تھا اور اس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم جونہی اس کے عشرت کدے سے باہر نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی آگے جا کر ہمیں ایک گلی سے سڑک گزرتا تھا جس کے دونوں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ گلی بالکل سنسان تھی اور دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

اچانک سامنے سے دو نقاب پوش گھوڑ سوار نمودار ہوئے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

ہمیں اپنے پیچھے بھی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ دو اور پوش گھوڑ سوار ہمارے پیچھے کھڑے تھے!

ہم آگے اور پیچھے، دونوں طرف سے گھر چکا تھا۔ نقاب پوش ہمیں سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا اور وہ آناً فاناً تلواریں سونت کر ہم پر پل پڑے۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ مغرلیس کو کس طرح ان لوگوں کے حملوں سے محفوظ رکھوں کیونکہ حملہ آوروں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔ ایک اور بائیں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں جن پر چڑھنے کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ مغرلیس کے پاس تلوار تھی اور میرے پاس خنجر۔ ہم دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ گھوڑ سوار کے مقابلے میں پیدل سپاہی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ ہمارے حملہ آور نقاب پوش تھے۔ ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی تعداد کتنی ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی کو پکڑ بھی لیتے تو کیا فائدہ تھا۔ انہوں نے مغرلیس کی جان بچانے کے لیے ہی یہ سب کچھ کیا تھا۔ اگر ہم ان میں سے کسی کو پکڑ لیتے تو ہمیں یقیناً کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جاتیں۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت ممکن تھا جب ہم زندہ رہتے۔ ہمیں فوراً ہی کچھ کرنا تھا۔ اگر ہم ان کے گھیرے کو توڑ کر نکلنے کی کوشش کرتے تو ہمارے پیچھے سے وار کیے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر ہم دونوں نقاب پوشوں کی تلوار کی زد سے بچ بھی جاتے تو ان کے گھوڑے ہمیں روند ڈالتے۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ایک طرف کی دیوار پر چڑھ جائیں۔ میں نے مغرلیس سے کہا۔ "ایک ساتھ ایک طرف کی دیوار پر چڑھ جائیں۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نشانہ بنا کر اپنے خنجر پھینکتا ہوں۔ تم اس کے بعد فوراً دیوار پر چڑھ جانا۔"

مغرلیس نے سر ہلا دیا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ان دونوں سواروں پر حملہ کیا۔ مغرلیس کی جان بچانے کی خاطر میں نے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نشانہ بنا کر اپنے خنجر پھینکے۔ میرا خنجر ایک سوار کے سینے میں اتر گیا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ دوسرا خنجر دوسرے سوار کے سینے سے ٹکرایا۔ وہ بھی چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ مغرلیس کے ساتھ ہی میں نے دیوار پر چڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے دیوار پر چڑھ کر مغرلیس کو اوپر کھینچا۔ ہم دونوں نے دیوار پر سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ ہم دونوں کے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سخت گھبرا گئے۔ دوسری طرف استاد کو موجود پا کر ہمیں کچھ حوصلہ ہوا۔ استاد نے ہمیں دیکھتے ہی پوچھا۔ "کیا ہوا؟ تم لوگ اس طرح خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو؟"

"استاد!" مغرلیس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہم پر حملہ کیا گیا تھا۔ ہم نے اپنی جان بچانے کے لیے ان دونوں سواروں کو مار ڈالا ہے۔"

"کون تھے وہ؟" استاد نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

ہر چار نقاب پوشوں نے حملہ کیا۔ جن کی شکلیں ہم نہیں دیکھ پائے۔ وہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ لیکن مغرلیس کو زخمی کر کے بھاگ گئے۔ انہوں نے اس وقت زیادہ سوال وجواب نہیں کیے اور نہ ہی مغرلیس کی ہم پر حملہ کی وجہ معلوم ہو گئی۔ اس نے اسی وقت ایک آدمی کو مارینیاریوں کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔ جزیرہ کے کہنے کے مطابق انتظار کا نائی گرامی طبیب اور جراح تھا۔ تھوڑی دیر میں مارینیاریوس بھی آ گئے۔ ان کی آنکھوں میں ابھی تک خون بھرا ہوا تھا لیکن وہ فوراً ہی اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

"زخم اچھا بڑا ہے۔" مارینیاریوس نے کہا۔ "مغرلیس کی جان بھی بچ جائے گی اور اس کا ہاتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دن کا ٹانکا نہ پڑے۔ میں پینے کی دوا بھی دوں گا۔ صبح تک اسے ہوش آ جائے گا۔ پھر دوا پلا دینا۔" پھر اس نے مغرلیس کے زخم کو صاف کر کے اس میں کچھ دوائیں اندر تک بھریں اور پٹی باندھ دی۔ اب خون رک گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مارینیاریوس مطمئن ہو کر رخصت ہو گئے۔

مجھے یقین تھا کہ حملہ کرنے والوں کا مقصد مجھے ہلاک کرنا تھا۔ وہ یقیناً پیشہ ور آدمی ہوں گے اور اسی لیے انہوں نے نقاب پہن رکھی تھیں تاکہ مغرلیس انہیں پہچان نہ لے۔ تینوس نے تاروند کو تو محض تنبیہ کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ لیکن میری ہلاکت کا اس نے براہ راست حکم دیا تھا۔ اور یہ سب کچھ تاتوم کی وجہ سے ہوا۔ اگر وہ ہمارا پیچھا نہ کرتا تو تینوس کو ہماری آمد کا علم نہ ہوتا۔ تاتوم نے میرے خلاف نہایت گھٹیا حرکت کی تھی۔ لیکن میں اور مغرلیس اس بارے میں کسی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجھے اصل جھنجھلاہٹ اس بات کی تھی کہ میں سب کچھ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک بار تو میرے جی میں آیا کہ مقابلے وغیرہ کے انتظار پر لعنت بھیجوں اور تاتوم اور تینوس کو ان کی حرکتوں کی کھلم کھلا ایسی سزا دوں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں۔ لیکن پھر میں نے یہی سوچا کہ ارتینوس سے ٹکر لینے کا مطلب ہو گا ایتھنز کی حکومت سے ٹکر لینا۔ اور یہ کام میں اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا جب تک میں یہاں سے بحفاظت نکل نہ جاؤں۔ بہرحال یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہم لوگوں کو یہاں سے کسی آسمانی مخلوق کی طرح غائب ہو جانا چاہیے۔ ایک بار پھر کسی دیوتا کی سی کسی آسمانی مخلوق کی سی زندگی گزرنا اور لوگوں سے اپنی پرستش کروانا۔ اور میں اس کے لیے قطعی آمادہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ دن اور اس صورت حال کو برداشت کروں گا تاکہ استاد کی امیدوں پر بھی پانی نہ پھیرے اور میں بھی کچھ عرصہ تک سکون سے گزار لوں۔

استاد کا خیال تھا کہ ہم لوگوں پر حملہ کرانے میں سمندروں کا ہاتھ ہے۔ اور وہ میری موت کے کرشموں کی داستانیں سن کر مجھ سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اور میری ہلاکت کے درپے ہیں۔ وہ بہت غلط تھا۔ اور اس نے کہا کہ وہ صبح نارس کے پاس جائے گا اور اس سے اس بارے میں بازپرس کرے گا۔ اور اگر نارس اسے مطمئن کرنے میں ناکام رہا تو وہ اس مسئلے کو عدالت میں لے جائے گا۔

لیکن صبح تک مغرلیس کو ہوش آ گیا اور اس نے استاد کو سمجھایا کہ یہ حرکت سرمیہ والوں کی نہیں ہو سکتی بلکہ شاید کچھ اور لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں

اس نے بات بنانے کی غرض سے یہ بھی کہا کہ ہو سکتا ہے کہ شہزور کا کوئی دشمن اس کے پیچھے وہاں موجود ہو اور وہ اس کی تلاش میں یہاں تک آن پہنچا ہو۔ یہ خوب رہے کہ مجھے اور مغرلیس دونوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس حملے میں کس کا ہاتھ ہے۔ جمیع کو ناتوم بھی مغرلیس کی عیادت کرنے آیا اس کی آنکھوں میں لومڑی کی سی چمک اور چہرے پر ہلکا سا مسکراہٹ تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ خاص طور پر مسکرایا۔ وہ پہلی بار مجھے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ میں اس کی اس تحمدانہ مسکراہٹ کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ اس وقت کہنے میں ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

"تمہاری اس مسکراہٹ کا جواب میرے اوپر دھارے میرے دوست دیں نے آہستہ سے ناتوم سے کہا۔ میں یہ دھارا جو پھینکوں گا پھر تو تو کے بھاگ جانے کا افسوس ہے؟"

ناتوم مجھے کوئی جواب دینے والا تھا کہ اتنے میں استاد کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک اور معزز شخص تھا جسے میں نہیں پہچانتا تھا۔ مغرلیس نے مسکرا کر اس شخص کو دیکھا۔ اس نے مغرلیس کی خیریت پوچھی اور اس کے بستر پر بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے آج صبح ہی یہ خبر ملی ہے۔ میں نے ایک آدمی کو مارسیلیا بھیجا تھا۔ مارسیلیا میں اس کے ایک مرحوم دوست کے لیے یہ خبر ملی تھا۔ مارسیلیا میں اس نے اسے بتایا کہ گزشتہ رات کو کسی نے مغرلیس کو زخمی کر دیا ہے اور وہ اس کے علاج کے لیے گیا تھا۔ یقین کرو مغرلیس مجھے اس بات سے سخت تکلیف پہنچی اور میں نے اسکندہ کو بتا دیا ہے کہ اس ذلیل حرکت سے ہمارے کسی آدمی کا کوئی تعلق نہیں۔ ہم لوگ بہادر ہیں اور بہادروں کی طرح جیتے یا مارتے ہیں۔ بزدلوں کی طرح رات کی تاریکی میں چھپ کر دشمن پر حملے نہیں کرتے۔"

"مجھے تو سے یہی امید تھی تمارس۔" استاد اسکندہ نے جواب دیا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ عبادت کے لیے آنے والا شخص سرسبز کلب کا نگراں اور مالک تمارس تھا۔

چالاک تمارس کی نظر مجھ پر پڑی اور وہ رکے غور سے میری سنہری رنگت اور سنہری بالوں کو دیکھنے لگا۔ "یہ کوئی نئی دریافت ہے اسکندہ؟" اس نے استاد سے پوچھا۔ استاد نے مختصر الفاظ میں اور خاصے گھما پھرا کے میرے بارے میں اسے بتایا۔

کوئی دیکھے یہ تو یہ آسانی قوی ہیکل نظر نہیں آتا کہ ناتوم جیسے جوان مرد کو شکست دے سکے۔ تمارس نے کہا۔ خیر ناتوم اور اشرام کا مقابلہ ہو لینے دو۔ پھر اس کے جوہر بھی آزما لیے جائیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ باقی لوگ بھی چلے گئے اور کمرے میں میں اور مغرلیس تنہا رہ گئے۔

"مجھے اس بات پر سخت حیرت ہے کہ تم نے پیدل اور بغیر کسی ہتھیار کے ان چار مسلح گھوڑ سواروں پر کس طرح قابو پایا کہ وہ تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچائے بغیر بھاگ گئے۔ پھر مجھ سے کیا کہتے ہو گئے؟" مغرلیس نے تنہائی ہوتے ہی مجھ سے پوچھا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں کسی آدمی نے بھیجے تھے اور تمہیں ہی قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ تنہا! بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ آخر کیسے؟ میرے تم پر مسیح تھے؟"

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ میں تمہیں میری وجہ سے اس مصیبت کا شکار ہونا پڑا۔ اگر تم چاہتے تو مجھے زندگی بھر اس بات کا طعنہ دیتے رہتا۔ تمہیں زندہ دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی تو مجھی کو ہوئی ہے۔" میں نے اس کے اصل سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" مغرلیس نے کہا۔ "میں تو جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ بھاگے کیوں؟ کیا چار مسلح گھوڑ سوار ایک پیدل غیر مسلح شخص پر قابو پانے کے لیے کافی نہیں تھے؟ یہ بڑی عجیب صورت حال ہے۔"

"تم اس جھگڑے میں زیادہ مت پڑو اور اپنے دماغ پر زور مت ڈالو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

میں وہاں سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور اس واقعے کے بعد سے میں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ میں زیادہ تر مغرلیس کے پاس رہتا۔ ہمارا اس کا دل بہلانے اس کا زخم تیزی سے بھر رہا تھا اور اب وہ آرام سے چل پھر سکتا تھا۔ ہم مارسیلیا میں کوئی لائق شکار تلاش کرتے رہتے اس کی مرہم پٹی کرنے آیا کرتا تھا۔ تمارس نے یہ طے کر لیا تھا کہ مقابلے کے وقت تک ہم لوگ زیادہ تر کلب کے اندر ہی رہیں گے تاکہ کوئی نئی افتاد نازل نہ ہو سکے۔ مغرلیس کو تسلی ہو گئی تھی کہ میں اس اکھاڑے کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کروں گا۔ مقابلے کے بعد اگر استاد نے مجھ پر جو اعتماد کیا ہے اور مجھ سے جو امیدیں وابستہ کی ہیں، وہ مجروح نہ ہوں۔

تب گرینہ کلب کی چار دیواری میں بند رہ کر اکتا گیا تھا۔ یکسانیت میں اسے خود بھی جانے سے اپنے اوپر مسلط کر دہ سمجھ کر گوارا کر رہا تھا۔ یہ بات ہے ہر نوجوان کی جب انسان کی توانائی قوت پر بھرپور جوش ہو اسے یہ یقین حاصل ہو کہ وہ جب چاہے، جو چاہے کر سکتا ہے، تو وہ اسے خود پر چھوٹی موٹی پابندیاں لگانے میں بھی ایک خاص قسم کا مزا آتا ہے۔ اور میں ان دنوں اس مزے کے دور سے گزر رہا تھا۔ اتنے لوگ اور اس کے آدمی یقیناً میری تلاش میں ہوں گے، وہ کلب کی عمارت کے اندر گھس کر مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ اسکندہ کا شمار مارسیلیز کے شہریوں میں ہوتا تھا۔

ناتوم کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ ادھر جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ اشرام بھی پورے طور پر اپنے فارم میں تھا۔ جیسے جیسے مقابلے کا دن قریب آتا جاتا تھا، جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں کی مجھے معلوم ہو رہا تھا۔ اس مقابلے کا بے چینی سے منتظر ہے۔ استاد ناتوم پر بڑی سخت محنت کر رہا تھا اور گھنٹوں اسے نئے نئے داؤ پیچ سکھاتا رہتا۔ ناتوم خود بھی زور دست بنیاں کر رہا تھا۔ میرے ہاتھوں کھانے کے بعد اب اس کا غرور خاک میں مل گیا تھا اور وہ کافی

عرصہ تک کافی دیر تک مقابلہ جاری رہا۔ دونوں میں سے کوئی دوسرے کو مغلوب نہیں کر پا رہا تھا۔ دونوں کے جسم پسینے میں شرابور ہو کر چمکنے لگے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر مختلف داؤ آزما رہے تھے۔ وہ پھر اچانک بالکل اچانک اشرام نے ایک داؤ لگا کر ناتوم کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ اور خود اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ ناتوم نے اسے اپنے اوپر سے ہٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن اشرام کسی بھاری پتھر کی طرح اس کے سینے پر جم کر رہ گیا تھا۔ وہ فریاد پر تک اسی طرح ناتوم کے سینے پر سوار رہا۔ میں نے استاد کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر تاریکی پھیل رہی تھی۔ مغرلیس خاموش تھا۔ تماشائی حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

منصفوں نے اشرام کو ٹکر دیا کہ وہ ناتوم کے سینے پر سے اتر آئے۔ کشتی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اشرام جیت گیا تھا!

اسٹیڈیم میں جیسے غلغلہ برپا ہو گیا۔ سرسبز کلب کے حامیوں نے اپنے پُرجوش نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ تمارس اور اس کے ساتھیوں کی مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصے کے بعد یہ اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ اشرام جھک جھک کر لوگوں سے داد وصول کر رہا تھا۔ ناتوم گردن جھکائے ہوئے استاد کے پاس واپس آیا تھا۔ آج مجھے وہ بالکل مختلف نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کامیابی نے سرسبز والوں کے دماغ بالکل ہی خراب کر دیئے۔ تمارس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ اگر طوفان والوں کے پاس کوئی اور پہلوان موجود ہے تو وہ بھی اشرام سے مقابلہ کر کے اپنی حسرت نکال لے۔ میں استاد کے پوچھے بغیر ہی خود کھڑا ہو گیا اور میں نے چلا کر تمارس سے کہا کہ مجھے اس کا چیلنج قبول ہے۔

لیکن منصفین کی جماعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ اشرام تھکا ہوا ہے اور ایک تازہ دم پہلوان سے اس کا کوئی مقابلہ انصاف کے تقاضوں کے منافی ہو گا۔ باقی طرفین دونوں کلبوں کے سرپرستوں اور منصفین کی باہمی مشاورت یہ طے پایا کہ آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اسی اسٹیڈیم میں اور اسی جگہ شہزور اور اشرام کا مقابلہ ہو گا۔ اس مقابلے کے اعلان کے بعد سے استاد کے مردہ چہرے پر زندگی کے کچھ آثار نظر آنے لگے۔ مجمع آہستہ آہستہ منتشر ہو رہا تھا۔ تمارس اور اشرام نے خاص طور پر آ کر مجھ سے ملاقات کی۔ ان دونوں کا رویہ مہذب اور دوستانہ تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ ہم لوگ بھی گھر واپس آ گئے۔ ناتوم ہمارے ساتھ نہیں آیا تھا۔ وہ نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔

میں اس صورت حال سے خاصا مطمئن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ صرف ایک ہفتے کی بات اور ہے۔ اور اس کے بعد میں استاد کا قرض ادا کر چکا ہوں گا اور آزاد ہوں گا۔

تاروز سے اس دن کی ملاقات کے بعد پھر دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کا معتمد غلام ایک دو دفعہ میری اور مغرلیس کی خیریت

دریافت کرنے عزہ آیا تھا۔ اس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ تیمنوس کو اپنے آقا ایلیو کی سخت ناکامی کا بڑا افسوس تھا اور اس نے ان لوگوں کو ان کی بزدلی کی سخت سزا دی تھی۔ بہرحال ایک ہفتے کے بعد میں تیمنوس سے نمٹنے کے لیے بھی تیار تھا۔ بہت زمانے سے کوئی عورت میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی تھی اور میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ تاورنہ کو لے کر یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اور کچھ دن سکون کے ساتھ اس کی رفاقت میں گزاروں۔ پھر تو یہ ہے پروفیسر کہ ایتھنز کی یہ بے باک دل نشین رفاقہ مجھے بے حد پسند آئی تھی اور میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس دوران استاد نے مجھ پر بہت زور دیا کہ میں تھوڑی بہت تربیت حاصل کروں اور کم از کم صبح کے وقت تھوڑی بہت ورزش ضرور کر لیا کروں۔ لیکن میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے اسی لیے ان باتوں کی بھد کیا اہمیت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے صاف انکار کر دیا اور استاد سے کہہ دیا کہ میں اغرس سے نمٹنے کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے شکست دے دوں گا لیکن استاد میری اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ میں نے اپنے آپ کو ابھی تک ناقابل تسخیر ثابت نہیں کیا تھا۔ میں نے دوستانہ مقابلے میں سب سے پہلے مغریس کو شکست دی تھی۔ لیکن مغریس تاتوم کے ہاتھوں بھی پہلے شکست کھا چکا تھا۔ اس لیے اس بات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے دوستانہ مقابلے میں تاتوم کو شکست دی۔ لیکن بعد میں تاتوم نے اغرس کے ہاتھوں بھی شکست کھائی۔ اس طرح مجھ سے ہارنے والے پہلوان دوسروں سے بھی ہار چکے تھے۔

استاد اب زیادہ تر وقت مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس نے مجھے باہر نکلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔ مبادا کوئی مجھ پر پھر کوئی حملہ کر دے۔ کلب کے وسیع احاطے میں ایک طرف بڑا سا باورچی خانہ تھا جس کا نگران جامس نامی ایک رومن ہمزمنصب باورچی تھا۔ استاد آج کل رازانہ جامس کو خصوصی ہدایات دے کر میرے لیے طرح طرح کے مقوی اور لذیذ کھانے تیار کروا رہا تھا۔ ان کھانوں پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی اور یہ سب میرے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ کوئی دوسرا ان میں حصہ نہیں بٹا سکتا تھا۔ میں نے استاد کو کئی بار منع کیا کہ مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں لیکن وہ نہیں مانا۔

رات کا وقت تھا اور میں اور مغریس کلب کے وسیع احاطے کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے آپس کی صحبت سے کچھ وقت تھوڑی بہت ورزش ضرور کر لیا کرتے تھے۔ لیکن میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے اسی لیے ان باتوں کی بھد کیا اہمیت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے صاف انکار کر دیا اور استاد سے کہہ دیا کہ میں اغرس سے نمٹنے کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے شکست دے دوں گا لیکن استاد میری اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ میں نے اپنے آپ کو ابھی تک ناقابل تسخیر ثابت نہیں کیا تھا۔ میں نے دوستانہ مقابلے میں سب سے پہلے مغریس کو شکست دی تھی۔ لیکن مغریس تاتوم کے ہاتھوں بھی پہلے شکست کھا چکا تھا۔ اس لیے اس بات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے دوستانہ مقابلے میں تاتوم کو شکست دی۔ لیکن بعد میں تاتوم نے اغرس کے ہاتھوں بھی شکست کھائی۔ اس طرح مجھ سے ہارنے والے پہلوان دوسروں سے بھی ہار چکے تھے۔

استاد اب زیادہ تر وقت مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس نے مجھے باہر نکلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔ مبادا کوئی مجھ پر پھر کوئی حملہ کر دے۔ کلب کے وسیع احاطے میں ایک طرف بڑا سا باورچی خانہ تھا جس کا نگران جامس نامی ایک رومن ہمزمنصب باورچی تھا۔ استاد آج کل رازانہ جامس کو خصوصی ہدایات دے کر میرے لیے طرح طرح کے مقوی اور لذیذ کھانے تیار کروا رہا تھا۔ ان کھانوں پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی اور یہ سب میرے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ کوئی دوسرا ان میں حصہ نہیں بٹا سکتا تھا۔ میں نے استاد کو کئی بار منع کیا کہ مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں لیکن وہ نہیں مانا۔

رات کا وقت تھا اور میں اور مغریس کلب کے وسیع احاطے کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے آپس کی صحبت سے کچھ وقت

گزار رہے تھے۔ جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے باورچی خانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم درختوں کے اس جھنڈ کے نیچے سے جہاں ہم تقریباً چھپے بیٹھے تھے باورچی خانے کے کھلے دروازے سے مدھم روشنی میں جامس کو اپنے کام میں مصروف دیکھ سکتے تھے۔ رات کا کھانا سب لوگ کھا چکے تھے اور اب اگلے دن کے کھانے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

اچانک میں نے تاتوم کو محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے باورچی خانے کی سمت بڑھتے دیکھا۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر آہستہ سے جامس کو آواز دی اور جامس اسے دیکھتے ہی باورچی خانے سے باہر آ گیا۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے اندھیرے میں اسی سمت بڑھ رہے تھے جدھر میں اور مغریس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں۔

"یہ خوشخبری ہے۔" تاتوم نے سرگوشی میں جامس سے کہا۔ "بڑی مشکل سے میں اسے حاصل کر پایا ہوں۔ یہ ایسا زہر ہے جو انسان کو چند منٹ سے زیادہ کی مہلت نہیں دیتا۔ لیکن اس کے بعد تو اس کا جسم نیلا پڑ جاتا ہے اور نہ کوئی ایسی علامات ظاہر ہوتی ہیں جن سے کوئی طبیب یہ سمجھ سکے کہ موت زہر خورانی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ تمہارا کام اس لیے اور بھی آسان ہو جائے گا کہ شہزور اغرس کو ہر کلب کی طرح الگ کھانا پکایا جاتا ہے جس میں سے کسی اور کو کھانے کی اجازت نہیں۔ بس کل یہ کام ہو جانا چاہیے۔" پھر اس نے اپنی جیب سے کوئی اور چیز نکالی جو یقیناً سونے کے سکے یا اسی قسم کی کوئی چیز ہوں گی اور اسے جامس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد تمہیں اس سے کہیں زیادہ ملے گا۔ تیمنوس کوئی غریب آدمی نہیں ہے۔"

تو گویا یہ قصہ تھا۔ تاتوم ایک وقت میرے دشمن کا کارندہ تھا۔ ڈاکہ ڈالتا تھا اور تیمنوس کے ایجنٹ کا کام کرتا تھا۔ دونوں کا مفاد اسی میں تھا کہ مجھے کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ تیمنوس کو تاورنہ اپنے ہاتھوں سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے ہلاک کرنے کے بعد تاورنہ کا تیمنوس کے ساتھ کیا رویہ تھا۔ یقیناً اس کا رویہ حوصلہ شکن ہو گا۔ شاید تو اریجنوس میری جان کا ناگو ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کروایا، لیکن ناکام رہا۔ اب وہ تاتوم کو استعمال کر کے مجھے زہر دلوانا چاہتا تھا۔ اور روگیا تاتوم، تو وہ شکست خوردگی، انتقام جوئی اور حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس کے سیاہ جذبوں نے اسے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے کلب کی عزت کو بھی داؤ پر لگا گیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر میرا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر میں اس مقابلے میں اغرس کو شکست دے دیتا تو پھر اس کو اور زیادہ ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یقیناً اس نے میری ہلاکت کے لیے تیمنوس سے بھاری رقم وصول کی ہو گی۔

تاتوم شیشی اور رقم جامس کے حوالے کر کے وہاں سے چپکے سے کھسک گیا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ہم کو نہیں دیکھ سکا۔ جامس دوبارہ باورچی خانے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران مغریس بالکل خاموش رہا تھا۔ ان دونوں کے

چلے جانے کے بعد اس نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے درختوں کے جھنڈ کے نیچے سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئے۔

"اس میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تاتوم اس حد تک گر سکتا ہے۔" مغریس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔ "اس نے تو غداری کی انتہا کر دی ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ یہ بات اتفاقاً ہم لوگوں کے علم میں آ گئی۔ ورنہ اس بدبخت نے تو تمہارا کام تمام کر ہی دیا تھا۔" میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ مغریس بے چارے کو کیا معلوم کہ تاتوم جیسے کتنے سنڈوں اور ہزاروں لوگوں نے مقام، حسد، نفرت اور لالچ کے جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے زہر دینے کی کوششیں کی ہیں اور میں زہر کی اس ساری مقدار کو کتنے اطمینان سے اپنے پیٹ میں اتار چکا ہوں۔

"تم اس بات سے فکرمند مت ہو۔ مجھے ہلاک کر دینا اتنا آسان نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ اور ہاں، دیکھ بھی کسی سے، استاد سے بھی یہ بات کا ذکر نہ کرنا۔ کل کھانے کے وقت میں تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گا۔"

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے وقت میں، استاد، اور تین مغریس کے علاوہ سب ہی میز پر موجود تھے۔ میرے لیے الگ برتنوں میں مخصوص کھانا چنا گیا تھا۔ تاتوم آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا اور مسکرا مسکرا کر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اسے یقین ہے کہ شہزور اغرس کو ہرا کر کلب کی ذمہ داری کے مقابلے میں اب صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ استاد نے حوصلہ آمیز خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانتا، میں کرتا ہوں اور نہ اکھاڑے میں جا کر زور کرتا ہوں۔

جب کھانا میز پر لگا دیا گیا تو قبل اس کے کہ کوئی شروع کرتا میں نے جامس سے کہا۔ "ذرا جامس کو بلوانا۔" استاد نے ایک ملازم کو حکم دیا اور وہ جامس کو بلوا لائے۔

جامس نے آتے ہی کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم روزانہ اپنے ہاتھ سے جو مرغن اور عمدہ غذا تیار کرتے ہو آج میرے سامنے خود اس میں سے تھوڑا سا لے کر کھاؤ۔ تمہیں ان نعمتوں سے محروم نہیں ہونا پڑے گا کیونکہ تم اپنے ہاتھ سے انہیں تیار کرتے ہو۔"

اس کے علاوہ سب لوگ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ تاتوم مسکرا رہا تھا اور جامس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

استاد نے حکم کی تعمیل کرنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی۔ اس نے ایک چمچہ بھر کر جامس سے کہا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے شہزور؟" استاد نے گھبراہٹ سے کہا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"آخر قصہ کیا ہے؟" استاد نے دھاڑ کر کہا۔ "آخر قصہ کیا ہے؟" میں نے کرسی سے اٹھ کر اس سے کہا۔ "آج تمہارا حساب بھی بیباق ہونا ہے۔ تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے۔" تاتوم غصے سے کھڑا ہو گیا۔

اچانک جامس میرے قدموں میں گر گیا۔ وہ بری طرح رونے لگا۔ "میں مجبور تھا۔ میں مجبور تھا۔ مجھے تاتوم نے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔ اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اس نے مجھے اس کی دھمکی دی تھی۔"

"آخر قصہ کیا ہے؟" استاد نے دھاڑ کر کہا۔ "آخر قصہ کیا ہے؟" میں نے کرسی سے اٹھ کر اس سے کہا۔ "آج تمہارا حساب بھی بیباق ہونا ہے۔ تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے۔" تاتوم غصے سے کھڑا ہو گیا۔

اچانک جامس میرے قدموں میں گر گیا۔ وہ بری طرح رونے لگا۔ "میں مجبور تھا۔ میں مجبور تھا۔ مجھے تاتوم نے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔ اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اس نے مجھے اس کی دھمکی دی تھی۔"

"آخر قصہ کیا ہے؟" استاد نے دھاڑ کر کہا۔ "آخر قصہ کیا ہے؟" میں نے کرسی سے اٹھ کر اس سے کہا۔ "آج تمہارا حساب بھی بیباق ہونا ہے۔ تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے۔" تاتوم غصے سے کھڑا ہو گیا۔

اچانک جامس میرے قدموں میں گر گیا۔ وہ بری طرح رونے لگا۔ "میں مجبور تھا۔ میں مجبور تھا۔ مجھے تاتوم نے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔ اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے بھی ہلاک کر دیتا۔ اس نے مجھے اس کی دھمکی دی تھی۔"

مقابلہ کرنے پر تیار نہیں تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو آئندہ بھی جارحیت خلاف سازشیں کرے گا۔ لیکن ناتوم کینہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بزدل بھی نکلا۔ وہ استاد کے قدموں میں گر پڑا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ اس کے یہاں تک کہا کہ وہ آج ہی ایتھنز سے کہیں دور چلا جائے گا۔ اور کبھی زندگی بھر ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔

دل چسپ بات یہ تھی پروفیسر کریس سامنے تھیٹر میں اسٹیوس اور تارونہ کا کوئی حوالہ تو ہم نے دیا اور نہ ہی ناتوم یا جاسس نے۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ناتوم گھبراہٹ کے عالم میں یہ نہ کہہ دے کہ اسے اسٹیوس نے میری طرف پر اکسایا تھا۔ لیکن ناتوم بڑا چالاک اور مکار آدمی تھا۔ اس نے اسٹیوس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ اپنی غلطیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ناتوم اور جاسس کو فوراً نکال دیا گیا۔ استاد نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہوا سارا کھانا ضائع کروا دیا اور باہر سے کھانا منگوایا۔

مجھے ایتھنز میں آئے ہوئے ابھی ڈیڑھ ماہ اور چند دن کا عرصہ ہی گزرا تھا اور اس مختصر سی مدت میں مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ استاد میری طرف سے بہت پریشان ہو گیا۔ میرے باہر نکلنے پر سختی سے پابندی کے علاوہ کلب کے اندر بھی خصوصی حفاظتی اقدامات کیے گئے۔ مسلح پہریداروں کی ایک جمعیت صدر دروازے پر متعین کر دی گئی۔ میز پس کو حکم دیا گیا کہ ایک منٹ کے لیے بھی مجھے تنہا نہ چھوڑے۔ جاسس کی جگہ نیا باورچی مقرر کر دیا گیا تھا اور اس کے لیے یہ لازمی تھا کہ جب میز پر کھانا لگائے تو پہلے ہر برتن میں سے ایک ایک لقمہ خود کھائے۔ استاد ایک مرتبہ چوٹ کھا جانے کے بعد دوبارہ کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

چند ہی دنوں کے بعد میرے اور اشرام کے درمیان مقابلے کی گھڑی آ پہنچی۔ گزشتہ ہفتے کے دوران شہر بھر میں اس مقابلے کی خوب پبلسٹی کی گئی تھی اور اس بار لوگوں کی دلچسپی پہلے سے بھی زیادہ تھی۔ اشرام ناتوم کو ہرا چکا تھا اور ایتھنز کے لوگ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ایک دیہاتی پہلوان کے ساتھ اس کے مقابلے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اس دن اسٹیڈیم پہلے سے بھی زیادہ بھرا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر اس مقابلے کو دیکھنے کے لیے اسٹیڈیم پر امڈ پڑا ہے۔ مغربیس نے مجھے بتایا کہ شہر کے اعلیٰ حکام اور وزراء کی بھی ایک بڑی تعداد اسٹیڈیم میں موجود ہے۔ اور پھر اچانک میری نظر ہمسٹوکلیز پر پڑی۔ وہ بھی مقابلہ دیکھنے والوں میں موجود تھا۔ تارونہ اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی اور بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ہم دونوں کی نظریں ایک لمحے کے لیے چار ہوئیں اور اس لمحے کے دوران کی کہانی سب کچھ کہہ دیا اور میں نے سب کچھ سمجھ لیا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کا طوفان امڈا ہوا تھا۔ وہ بے حد حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

مقابلے کے آغاز کا وقت آ گیا۔ اشرام نر شیر کی طرح سینہ نکالے ہوئے اکھاڑے میں اترا۔ وہ بار بار اپنے بازوؤں کی مچھلیوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا اس کا قد تو مجھ سے بھی ایک آدھ انچ اونچا ہی تھا۔ جسم بھی کسی طرح ناتوم سے کم نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں بالکل سبک، بلکہ پھلکا اور کم تر نظر آ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ میرا جسم بے حد خوبصورت اور سڈول تھا۔ جب ہم دونوں اکھاڑے میں اترے تو چاروں طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔

ناتوم کے ساتھ میرا مقابلہ طوفان کلب کے اندر ہوا تھا اور اسے دیکھنے والوں کی تعداد کم تھی۔ لیکن آج کا مقابلہ ایک جیتنے مقابلہ تھا جو شہر کے وسط میں واقع کھلے اسٹیڈیم میں منعقد ہو رہا تھا اور جسے دیکھنے کے سارا شہر ٹوٹ پڑا تھا۔ جہاں تک میں تماشائیوں کو زیادہ سے زیادہ محظوظ ہونے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ میں اس مقابلے کو ایک دل چسپ شکل عطا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تاکہ تماشائی اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں۔

حسب توقع اشرام نے حملہ کرنے میں پہل کی۔ وہ شیر کی طرح دہاڑتا ہوا میری طرف لپکا۔ لیکن میں تیزی سے ایک طرف کو ہٹ گیا۔ اشرام کے بھی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو گرنے سے محفوظ رکھا۔ میں اس سے دور کھڑا مسکراتا رہا تھا۔ اشرام دوبارہ گرجتا ہوا میری طرف جھپٹا لیکن میں اس بار بھی اسے جھکائی دے گیا۔ اس طرح میں اسے تھوڑی دیر تک دوڑاتا رہا۔ تماشائی بار بار تالیاں بجا رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں اس طرح اشرام کو تھکا دوں گا۔ میں نے ایک نظر استاد کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ شاید میری اس حرکت کو کمزوری پر محمول کر رہا تھا۔ چنانچہ اس دفعہ جب اشرام مدھی کی طرح میری طرف بڑھا تو میں اپنی جگہ سے صرف اتنا پیچھے ہٹا۔ کہ میں اس زوردار تصادم سے اشرام کے بدن کی ہڈیاں نہ ٹوٹ جائیں۔ قبل اس کے کہ اشرام مجھ سے ٹکراتا، میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ سے اس کے داہنے ہاتھ کی کلائی پکڑ لی۔ اشرام نے زور سے جھٹکا دینے کی کوشش کی لیکن میرا ہاتھ جیسے فضا میں گڑ کر رہ گیا تھا۔ اس نے بہتا ہا ہاتھ چھڑانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن وہ ناکام رہا۔ تنگ آ کر اس نے اپنے خالی ہاتھ سے میری کلائی پر زوردار مکا مارا اور درد سے بلبلا اٹھا۔ پھر اس نے بے تحاشہ مجھے لاتیں مارنا شروع کر دیں۔ کچھ لوگ ہنس رہے تھے، کچھ شور مچا رہے تھے، کچھ حیرت سے سانس پھاڑے یہ عجیب و غریب مقابلہ دیکھ رہے تھے۔ جس میں ایک بھاری بھرکم اور قوی الجثہ پہلوان بچوں کی طرح لاتیں چلا رہا تھا۔ اشرام نے پوری طاقت سے اچھل کر میرے پیٹ پر رانوں کی زبردست ضرب لگائی اور ایک بار پھر وہ درد سے کراہ اٹھا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ درد تک سنی گئی۔ میں نے مجمع کی طرف دیکھا استاد کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے گہری ملامت کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں کانپ گیا۔ وہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ سرسبز والوں کی جیت میں خاموشی طاری تھی۔

پھر میں نے اچانک اشرام کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ بھاگتا ہوا پیچھے ہٹا

وہ حملہ کرنے کی تیاری کرے لگا۔ اس بار وہ آگے آیا تو میں نے [illegible] پکڑ لی اور اسے اوپر اٹھا لیا۔ اس طرح اس کی ایک ٹانگ [illegible] بدن کا سارا بوجھ دوسری ٹانگ پر آ گیا۔ میں نے اسے گھما [illegible] مارا دے کر روک لیا۔ اس کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔ اس نے [illegible] گرفت سے چھڑانے کی کوشش کے ساتھ دونوں ہاتھ [illegible] میں ڈال دیے اور گھما کر میرا گلا دبانے کی کوشش کی۔ وہ بہت [illegible] زور لگا رہا تھا۔ لیکن میرے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ میں نے اپنے خالی ہاتھ سے اس کے کان پر ایک ہلکی سی چپت لگائی۔ [illegible] سے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اب میں نے اشرام کی پنڈلی کو [illegible] کھا کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اشرام کمزور تھا کہ وہ ایک [illegible] میرے ساتھ ساتھ چلے کیونکہ اس کی پنڈلی میرے ایک [illegible] سے کسی طرح آزاد نہیں ہو پا رہی تھی اور تب اکھاڑے [illegible] دل چسپ، اس قدر مضحکہ خیز اور غریب و عزیب منظر لوگوں [illegible] سامنے تھا کہ اہل ایتھنز نے اپنی زندگی میں ایسا منظر نہیں دیکھا [illegible] دونوں ہاتھوں پر چل رہا تھا اور اشرام اپنی ایک ٹانگ پر میرے [illegible] رک رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے بری طرح مار رہا تھا [illegible] کوشش کر رہا تھا۔ اپنے سر سے مجھے مکھیوں [illegible] میرے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور تھا کیونکہ اس کی مزاحمت [illegible] اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جانگھ میں ہر طرف سے قہقہے پھوٹنے [illegible] دیکھتے سارا اسٹیڈیم زعفران زار بن گیا۔ تالیوں کی گونج نے [illegible] ہلا ڈالا۔ اشرام کی جھنجلاہٹ اور جھلاہٹ اس حد تک بڑھ [illegible] بے قابو ہو کر میرے بازو پر کاٹنے کی کوشش کی۔

میں نے ایک نظر اپنے اطراف پر ڈالی۔ تارونہ خوشی سے دیوانی ہو کر [illegible] تھی۔ اور آنسوؤں اپنی بھنوؤں سکیڑے حیرت سے یہ منظر [illegible] تارس اور اس کے ساتھی میرے بے مثال حسن و حرکت بھرے [illegible] معزز میں اور اراکین اچھل اچھل کر تالیاں بجا رہے تھے۔ ستاد [illegible] نظروں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اشرام کو چھوڑ دیا [illegible] چکر لگوائے اور پھر اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ جانگھ کے آزاد [illegible] پھر پیچھے کی طرف بھاگا۔ لیکن اس مرتبہ اس نے حملہ کرنے [illegible] کی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ میں [illegible] خاتمہ کر دینا چاہتا تھا کیونکہ میں نے اہل ایتھنز [illegible] کے لیے کافی دیر تک اپنے آپ کو معروف رکھا تھا۔

[illegible] اشرام بہت محتاط طریقے سے میری جانب بڑھا اور میں [illegible] اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے قریب آنے [illegible] محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے خود پیش قدمی کر کے اسے گھیر کر پکڑ لیا [illegible] ہاتھوں سے تھام کر سر سے اوپر اٹھا لیا۔ تماشہ گاہ میں جیسے [illegible] ہو گئی۔ لوگوں کے نعرہ ہائے تحسین نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ بہت سے لوگ اپنی نشستوں پر کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ اشرام نے اس بار کوئی جدوجہد نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو مقدر کے حوالے کر دیا ہے۔ اسے اپنی شکست تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے اسے پورے اکھاڑے میں کئی چکر دیے اور پھر آہستہ سے اتار کر نیچے کھڑا کر لیا۔ اس کی ٹانگیں تھک گئی تھیں۔ اس نے اب جوابی حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ مقابلے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

استاد کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو رواں تھے۔ اس نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور بچوں کی طرح پیار کرنے لگا۔ طوفان والوں کی مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ صرف ایک ہفتے تک اپنے اعزاز سے محروم رہے تھے اور پھر میری بدولت یہ اعزاز انہیں دوبارہ حاصل ہو گیا تھا۔ سرسبز والوں میں صف ماتم بچھی تھی۔ وہ اس اعلیٰ اعزاز کو محض ایک ہفتے تک ہی اپنے پاس رکھ سکے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس مجمع میں مجھے ناتوم کہیں نظر نہیں آیا۔ میرے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ حسب وعدہ ایتھنز چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے۔ کیونکہ میں اس کی مکارانہ فطرت کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اسٹیوس کی مدد سے ایتھنز میں ہی کہیں روپوش ہو گیا ہے اور موقع ملتے ہی پھر مجھے نقصان پہنچانے کی تعاون کوشش کرے گا۔ اور اب تو میں نے اشرام سے مقابلہ بھی جیت لیا تھا۔ ناتوم تو حسد اور غصے کی آگ میں جل کر بھسم ہو چکا ہو گا۔

اشرام کے ساتھ مقابلہ جیتنے کے بعد مجھے ایتھنز کی زندگی کا ایک نیا رخ دیکھنے کا موقع ملا۔ جس سے میں اب تک ناواقف تھا۔ کئی دن تک مجھے کسی نہ کسی میز و نزیر یا اعلیٰ سرکاری افسر کے گھر ہونے والی پرتکلف دعوت میں مدعو کیا جاتا رہا۔ ایتھنز کے سب سے بڑے اور نامور تھیٹر ہیلوں کی میزبانی ایک اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور میں نے ان دعوتوں میں کیا کچھ نہیں دیکھا۔ پانی کی طرح بہتی ہوئی شراب، مرغن اور لذیذ کھانوں کے انبار، موسیقی کی تیز اور مدھر دھنیں،

[illegible] تماشا یاں، بے باکیاں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایتھنز کے ہفتہ [illegible] رات، قیاش کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے ہر طرف نفس کا دور دورہ تھا۔

ایتھنز کی شبنم زندگی کا اپنا ایک رنگ روپ تھا اور مجھے متواتر کئی راتوں تک یہ رنگ روپ دیکھنے کا موقع ملا۔ میز و نزیر اور اعلیٰ حکام بدن تمام لوگوں کے لیے اور خاص طور سے عورتوں کے لیے سخت حیرت اور دل چسپی کا باعث بنا ہوا تھا۔ میری بے پناہ قوت کی دھوم پورے شہر میں مچی ہوئی تھی۔ اہل ایتھنز نے آج تک ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے اکھاڑے میں اشرام کے ساتھ میرے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا ہے، بلکہ محض چوہے بلی کا کھیل کھیلا ہے اور جب میرا دل اس کھیل سے بھر گیا تو میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ کثر لوگ مجھ سے یہ دریافت کرتے تھے کہ میں کون سی غذائیں کھاتا ہوں۔ کون کون سی غذائیں استعمال کرتا ہوں۔ بعض لوگوں نے تو میرے سامنے ہی اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ مجھے کسی

خاص ایسی جڑی بوٹی کا علم ہے جو جسم کو بے پناہ توانائی بخشتی ہے اور میں اس کے بارے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ بعض کا خیال تھا کہ کچھ پر کسی دیوی یا دیوتا کی نظر کرم ہے۔ غرضیکہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے جن میں سے زیادہ تر کے بارے میں مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ اہل اتھرنے ابھی تک میری قوت کے بہت ہی معمولی اور بونی سے مظاہرے دیکھے تھے اور ابھی تو انہیں بہت کچھ دیکھنا باقی تھا۔ جس کا اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔

اسی دوران مجھے تارونہ کا پیغام ملا کہ وہ کسی منتظر ہے۔ میں نے جواب میں کہلوا دیا کہ میں جلد ہی اس سے ملوں گا۔

تقریباً ایک ہفتے تک صبح نانوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اب وقت آگیا تھا کہ میں استاد کو اپنے اور تارونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دوں اور اس سے کب چھوٹنے کی اجازت لے لوں۔ میں نے اس کی عزت کو محفوظ کر کے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ تارونہ میری منتظر تھی اور میں بھی اس کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ میں اس رات کو مغربی کوٹھے کی سیڑھیوں سے ملاقات کے لیے استاد کے پاس پہنچا اور اسے طعام خانے میں تارونہ اور تینوں سے ملاقات کے واقعے سے لے کر اب تک کی ساری باتیں پوری تفصیل سے بتا دیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ میں تارونہ کو اپنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ چاہے اس کے لیے مجھے تینوں تریکیا پلو روے اختیار کرنے ہی کیوں نہ پڑیں۔ میں نے اسے اس معاملے میں جاتو کے کردار سے بھی آگاہ کر دیا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب وہ مجھے اپنے طلسم سے چلا جانے کی اجازت دے دے کیونکہ میں تارونہ کے حصول کی جنگ تنہا لڑنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے لیے کوئی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

استاد بڑے غور سے میری باتیں سنتا رہا۔ جب میری باتیں ختم ہو گئیں تو وہ بڑی دیر تک خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ وہ چمک جو کسی بڑے فیصلے کے وقت ہی نظر آتی تھی۔

"تم نے بہت بڑا فیصلہ کیا ہے شہزور۔" استاد نے کہا۔ "تارونہ کے لیے تینوں سے ٹکرانا آسان کام نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ تینوں کی طاقت کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ ان کی طاقت کا سمندر موجزن ہے لیکن شمشیرزنی ایک بالکل الگ فن ہے۔ جسمانی طاقت سے اتنا زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ مہارت اور چابکدستی سے ہر گروہ ضرور جیت جاتا ہے کہ ایک کمزور شمشیرزن ایک طاقتور شمشیرزن کو صرف ایک ذرا سی غلطی کی گرفت میں لا سکتی ہے۔ جو کہ تم نے سمجھ لیا چلائی ہے یا نہیں۔ اس لیے میں نے تمہیں آخری جواب نہیں دیا ہے۔ بہرحال اہم دونوں نے دوستانہ ماحول میں ہونا چاہیے، اور وہ بالکل اندازہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تینوں کا خیال چھوڑ دے۔ بہرحال اہم دونوں نے دوستانہ ماحول میں ہونا چاہیے، اور وہ بالکل اندازہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ

میں نے کسی سے بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا تو ذرا صبر کرو۔ پہلے سے کوئی فساد مت کھڑا کرو۔ میں کل تینوں سے خود اس معاملے کے بارے میں بات کروں گا۔ اگر کوئی حل نہ نکلا تو میں گورنر کے پاس جاؤں گا۔ جو میری بڑی عزت کرتا ہے اور میری بات تو ٹال سے نہ سکے گا۔ اگر گورنر اس معاملے کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق طے کرنے میں ناکام رہا تو پھر میں شہنشاہ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔" استاد نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ استاد۔" میں نے تصنوعیت کے احساس کے ساتھ جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ میں بہتیرے اپنی جنگ تنہا لڑنے کا عادی ہوں اور دوسروں کو اپنی خاطر کسی پریشانی میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ میں اب بھی یہی کہوں گا کہ تم مجھے تنہا اس معاملے سے نمٹ لینے دو۔"

"ہرگز نہیں۔" استاد نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "تم بھی میرے ایک بچے ہو۔ تمہاری عزت سے تو ہمارا وقار بھی ہے۔ بھلا ہم تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ لیکن ایک بات یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ تارونہ تم میں سے ایک کا انتخاب کر لے گی؟ اور اگر اس سے اس بارے میں پوچھا جائے تو اس کا جواب تیرے حسب منشا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے استاد کہ تم خود بھی اس سے مل کر اس کے خیالات اور فیصلے کے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" استاد نے جواب دیا۔ "کل میں پہلے تارونہ سے ملوں گا پھر تینوں سے۔ پھر میں چاہتا ہوں کہ اگر خون خرابے کے بغیر ہی یہ معاملہ طے ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

دوسرے دن استاد نے تارونہ سے ملاقات کر کے اس سے میری تمام باتوں کی تصدیق کر لی۔ اس کے بعد وہ تینوں سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ کئی گھنٹے کے بعد جب استاد واپس آیا تو چہرے سے وہ کچھ زیادہ خوش نہیں لگ رہا تھا۔ میرے تجسس نے مجھے کہا کہ شاید تینوں نے اسے بھی بلیک میل کرنے کی کوشش کی ہے۔ استاد نے مجھے بتایا کہ اس نے تینوں سے انفصالی ملاقات کی تھی۔ تینوں نے بتایا کہ اسے اس بات کا علم ہے کہ تارونہ اور شہزور ایک دوسرے میں دلچسپی لیتے ہیں اور تارونہ اس سے علیحدہ ہو جانا چاہتی ہے۔ تینوں نے تارونہ کے ساتھ اپنے تعلقات کا سارا سلسلہ بتایا ہے۔ اور اس کا کہنا ہے کہ کوا اس سے صرف تین کے جل پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسے تارونہ کی ہوش نہیں ہے۔ تینوں اس بات سے لاعلم ہیں کہ تارونہ نے میرے اوپر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ تارونہ کی منصوبہ بندی تاتوم نے کی تھی اور اس کے عوض تینوں سے جان

تم کچھ نہ کچھ تو اس کے مقابلے میں ضرور کرو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے استاد۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "تم کل ہی اسے اطلاع دے دو کہ میں نے اس کے چیلنج کو قبول کر لیا ہے اور وہ جب چاہے اپنے دل کی حسرت نکال لے۔ میں اب زیادہ عرصے تک تارونہ سے دوستیں نہیں نبھانا چاہتا۔"

استاد نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں جلد بازی سے کام نہ لوں اور اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لوں۔ لیکن میں اپنی بات پر اڑ گیا اور میں نے اسے دوسرے دن زبردستی تینوں کے پاس بھیج دیا۔ استاد نے واپس آ کر بتایا کہ مقابلے کا تاریخ آج سے ٹھیک دس دن بعد کی طے ہوئی ہے۔ اور مقابلہ خفیہ طور پر گورنر کے گھوڑوں کے اصطبل میں ہوگا۔ جس کے بارے میں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ گورنر اور تینوں، دونوں یہ نہیں چاہتے کہ اس معاملے کی تشہیر ہو اور ایک رقاصہ کے سلسلے میں ان کی ذات لوگوں کے درمیان بحث کا موضوع بنے۔ اگر میں نے تینوں کو شکست دے دی تو وہ ایک بہادر اور معزز آدمی کی طرح تارونہ سے دستبردار ہو جائے گا اور کوئی قسم طلب نہیں کرے گا۔ اور اگر اس نے مجھے مقلوب کر دیا تو مجھے بھی ایک بہادر اور قول کے پکے آدمی کی طرح تارونہ کا خیال دل سے نکال دینا پڑے گا۔ اور اگر تارونہ خود بھی میرے پاس آنا چاہے تو مجھے اس کو ایسا کرنے سے روک دینا ہوگا۔ استاد نے مجھے بتایا کہ اس نتیجے پر اس جانب سے ان تینوں کو قبول کر لیا ہے۔

ان دس دنوں کے دوران استاد نے بہت چاہا کہ میں شمشیرزنی کی تربیت حاصل کر لوں۔ لیکن میں نے ایک دن سے زیادہ کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور سارا وقت ادھر ادھر گھومتے ہوئے لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے اور مقابلے کے ساتھ گپیں لگتے ہوئے گزارا۔ استاد نے بتایا کہ شیطان خانہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس مشکل صورت حال سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ لیکن بہرحال ظاہر ہے کہ میرے لیے اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر پریشانی تھی تو صرف اتنی کہ میں متاد کی پریشانی کس طرح دور کروں۔

اس دوران ایک بار تارونہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ اپنے حجرے میں بیٹھ کر غلب میں مجھ سے ملنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ رات دن دعوتوں اور ریاضتوں کرتی رہی ہے۔ مجھے اس تعلق میں فتح حاصل ہوئی تینوں نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک ہی دن میں مجھ جیسے دو بھائی کا سر کاٹ کر پھینک سکتا ہے۔ تارونہ کافی حد تک مطمئن نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر میں مقابلے میں ہار گیا تو پھر وہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ کیونکہ ایک مرتبہ جسے تم کو چھو لینے کے بعد اب اسے حاصل کیے بغیر اس کی زندگی بیکار تھی تارونہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر شہر سے کہیں بھاگ جائیں۔ لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ وہ بیوقوفی اور بزدلی کی باتیں نہ کرے۔ میں مقابلہ جیت جاؤں گا۔ پھر اس نے بڑے پُرعزم اور پُریقین باتوں سے اس کی ڈھارس بندھائی۔

اس دن کی ملاقات دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی۔ اب اسے کلب میں مسلسل

استاد کے لبوں کے علاوہ کسی اور کو اس خفیہ مقابلے کے بارے میں کچھ بھی معلوم تھا گورنر سے استاد کی محبت کی وجہ سے یا پھر کسی سے اس بات کا تذکرہ کیا جائے استاد میری شمشیر زنی سے بالکل مطمئن نہیں تھا اور آخری دن اس نے مجھ سے کہا: "اگر تو اس مقابلے میں جیت گیا تو میں اسے دیوتاؤں کی طرف سے ظاہر ہونے والا ایک معجزہ ہی سمجھوں گا حقیقت یہ ہے کہ ارکینوس جیسے شیخ زمن کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے اگر تو ہار گیا اور تارومہ نے تجھے نہ مل سکی تو تجھے مردوں کی طرح اپنے قول پر قائم رہنا ہوگا اور تارومہ کا خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دینا ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور استاد غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

ملک اور استاد خاموشی سے کلب سے بندھے ہوئے بگلیس ہمارے ساتھ نہیں تھا کیونکہ گورنر کی ہدایت کے مطابق صرف ہم دونوں کو ہی آنا تھا۔ چلتے وقت بگلیس نے تالیا کہ وہ بڑے سفر میں جا رہا ہے جہاں وہ میرے لیے دعائیں کرے گا۔

گورنر کا مکان ایک نہایت عالی شان محل تھا لیکن میں اس قسم کے محل دیکھ چکا تھا اس لیے میں زیادہ متاثر نہ ہوا ہم باہر کی کھلی جگہ میں مسلسل کمروں سے گزرتے رہے۔ نہ جانے کتنے کمروں سے گزر کر ہم ایک اندرونی کمرے میں پہنچے جس کی دیواروں پر بیشمار قسم کی تلواریں اور خنجر سجے ہوئے تھے۔ سلسلہ وار عمدہ اور قیمتی کرسیوں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ارکینوس تھا اور دوسرا یقیناً اس کا بھائی گورنر۔

دونوں آدمیوں نے کھڑے ہو کر استاد کا استقبال کیا ارکینوس نے مجھ سے بھی مسکرا کر ہاتھ ملایا۔ میں نے اس کے ساتھ تمہارا مقابلہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ اس کا لہجہ خاصا دوستانہ تھا۔

"شکریہ معزز ارکینوس۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن ہو سکتا ہے تم نے سریکلب والوں کے شہرۂ آفاق پہلوان انٹرم کو کھاڑے سے کس طرح پھینکا تھا؟" گورنر نے مجھے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا ہے۔" میں نے جواب دیا اور میری طرف دیکھا۔ میں نے جھک کر گورنر کو دیکھا۔

"میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا ہے۔" گورنر نے تحمل سے کہا۔

تب اس کے قریب گیا۔ گورنر نے جو کافی موٹا تھا اور اس کی آنکھیں کمزور تھیں۔ مجھے ٹٹولتے ہوئے دیکھا اور کہنے لگا۔ "تمہاری جلد کی رنگت سنہری ہے اور بال بھی سنہرے ہیں۔ تمہارا جسم بھی کسی عام انسان کا نہیں دکھائی دیتا اور اتنی حیرت انگیز جیتوں کی داستانیں سننے کے بعد تو میں واقعی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تم واقعی کوئی دیوتا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب معزز اسکندر نے مجھے بتایا کہ آپ اس کے محبوب کے خوابوں کو جو اس وقت میرے بھائی معزز ارکینوس کے ساتھ وابستہ ہے تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس معاملے کا تصفیہ بہادروں کی طرح کیا جائے میں اور میرا بھائی دونوں بہادروں کی قدر کرتے ہیں اگر تمہاری جگہ کوئی اور اس قسم کی جسارت کرتا تو مجھے اس شخص کو اپنے بھائی کے تہہ غضب سے بچانا مشکل ہو جاتا کیونکہ یہ براہ راست اس کے وقار پر حملہ ہے۔ معزز اسکندر نے درمیان میں پڑ کر اس معاملے کو سلجھا نے کی بہت کوشش کی ہے اور حالات کو خراب ہونے سے بچایا ہے جس کے لیے میں اس کا شکر گزار ہوں۔ مگر ممکن ہے کہ ایسا ہو کہ ایک اچھے پہلوان سے محروم ہو جاتا۔ میں گورنر کے نرم الفاظ میں چھپے ہوئے غرور اور حاکمیت کو صاف محسوس کر رہا تھا۔ جناب میرے بھائی سے شمشیر زنی کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا۔ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک نہیں کرے گا۔ صرف زخمی کرنے والے کو شکست خوردہ تسلیم کیا جائے گا اور وہ اپنے دوسرے سے خاموشی سے دستبردار ہو جائے گا۔ یہی اس مسئلے کا حل ہے اور اس معاملے کے بارے میں ایک لفظ بھی اس کمرے سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ دیواروں پر لٹکی ہوئی تلواروں میں سے کوئی بھی تم اپنے لیے چن لو تمہیں انتخاب کی پوری آزادی ہے۔ میرے اور معزز اسکندر کے لیے یہ تلواریں ہیں۔"

میں نے ایک درمیانہ درجہ کی تلوار چن لی کافی سبک تھی۔ دیوار پر سے اتاری اور اسے بے نیام سے باہر نکال لیا۔ ارکینوس بھی اپنی تلوار لے اٹھا اور اس نے ایک تلوار سنبھال لی جو میری تلوار سے کچھ زیادہ لمبی تھی۔ ہم دونوں تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ میں نے ارکینوس کو پہل کرنے کا موقع دیا۔ اس کا وار میں نے پھرتی سے اپنی تلوار پر روکا اس نے تابڑ توڑ کئی حملے کیے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی وار نہیں آیا۔ دونوں متصفین شاید یہ بات محسوس بھی نہ کر سکے کہ ارکینوس کی تلوار نے میرے جسم کو چھوا ہے کیونکہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تلوار جسم سے ٹکرائے اور جسم پر کوئی زخم نہ آئے۔ البتہ ارکینوس نے شاید اس بات کو محسوس کیا ہو کیونکہ مجھے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ یقیناً ایک لاجواب شمشیر زن تھا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کے لیے یہ جنگ کی ایک عجیب و غریب صورت تھی کہ اس کا مقابل اس کے ہاتھ کے لوہے کو دیکھ کر یہ سمجھتا تھا کہ وار ابھی شانے پر ہوگا لیکن وار جانگھ پر ہوتا۔ مقابل آگے یہ سمجھتا کہ تلوار اس کے مرکز کی طرف آ رہی ہے تو تلوار سیدھی اس کے پیٹ کی جانب پہنچ جاتی۔ ارکینوس مقابل کو غلط سمت میں ڈالنے کا ماہر تھا۔ بچا تو اس کے وار کو دیکھنے میں مجھے کئی بار غلطیاں ہوئیں اور کئی بار اس کی تلوار میرے جسم سے مس ہو گئی کیونکہ میں اس کی طرح کوئی ماہر شمشیر زن نہیں تھا۔ اور یہی بات اس سے بھلا فرق بھی کیا پڑتا تھا ارکینوس اتنی تیزی سے تلوار گھما رہا تھا کہ میں دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلوانی طور طریقوں میں اس جیسے اعلیٰ پائے کے شمشیر زن کم ہی دیکھے ہوں گے اگر میری طرح کوئی اور اس جگہ ہوتا تو شاید اب تک اس کا جسم کئی ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا میں نے مقابلے کو طول پکڑانے دیا اور جان بوجھ کر ارکینوس پر کوئی وار نہیں کیا۔ مجھے محتاط بھی رہنا تھا کیونکہ میری ذرا سی غلطت سے ارکینوس شدید زخمی ہو سکتا تھا بلکہ مر بھی سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ مقابلے کا فیصلہ کرنے

یہ ہار صرف ایک ہی وار کافی ہوگا۔ اور جب بہت دیر گزر گئی تو میں نے مقابلے کا فیصلہ کیا۔ میں اس لمحے جب ارکینوس کی تلوار میری کمر سے کسی ہوئی زرہ میں سے جان بوجھ کر موقع دیا تھا ویسے ہی میں نے ایک بہت [illegible] بالکل پھول کی طرح ہلکا ہاتھ اس کے دائیں شانے پر مارا اس [illegible] ایک کراہ کی آواز نکلی اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ [illegible] ارکینوس کرسیوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جلدی سے ارکینوس کے [illegible] ارکینوس نے جلدی سے جھک کر دوبارہ تلوار اٹھانی چاہی لیکن [illegible] نے اسے روک دیا۔ بس ارکینوس۔ انصاف کے تقاضوں کے مطابق [illegible] گورنر کے مکان سے رخصت ہوئے میں تارومہ کو جلد از جلد اس [illegible] کی اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ استاد میری [illegible] کوئی خاص خوش نہیں ہے۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری [illegible] نے میری فتح پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اس کے اس بدلتے [illegible] پر سخت حیران تھا اور یہی سوچ رہا تھا کہ آخر ایسی کونسی بات ہوئی ہے جس نے استاد کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ کیا میں نے کوئی غلطی کی ہے؟ کیا وہ ارکینوس کے آخری الفاظ میں چھپی ہوئی دھمکی سے خوفزدہ ہے؟ کیا اسے گورنر کی جانب سے کسی انتقامی کارروائی کا اندیشہ ہے؟ استاد سارے راستے بالکل خاموش رہا۔ جب ہم لوگ کلب کی عمارت [illegible] پہنچے تو بگلیس بے چینی کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہا تھا وہ ہمیں دیکھتے [illegible] ہوا آیا۔ لیکن استاد کے سنجیدہ اور فکرمند چہرے کو دیکھ کر ایک دم ٹھٹک گیا۔ میں خود بھی اس صورت حال سے خاصا پریشان تھا چنانچہ [illegible] اس حالت میں دیکھ کر بگلیس کا منہ لٹک گیا، وہ یہی سمجھا کہ میں مقابلہ ہار گیا ہوں۔

دونوں معززین کے ساتھ استاد کے خاص کمرے میں داخل ہوئے [illegible] بگلیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بگلیس تم تھوڑی دیر کے لیے [illegible] میں شہزور سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

[illegible] صرف اتنا بتا دو کہ مقابلے کا کیا انجام ہوا۔" بگلیس نے سقراطی کے [illegible] سے پوچھا۔

"شہزور یہ مقابلہ جیت گیا ہے۔" استاد نے سنجیدگی کے ساتھ جواب [illegible] چہرے پر خوشی کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن بگلیس استاد کی [illegible] دوبارہ تلوار سے اٹھاؤ۔" ارکینوس کو غم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ [illegible] بڑی عجیب و غریب اور مشتبہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس [illegible] قریب آنے کا اشارہ کیا اور پھر استاد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا [illegible] سنہری نوجوان۔" گورنر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ذرا اپنا بالائی [illegible] اتارو۔"

میں نے گورنر کے حکم کی تعمیل کی اور کمر سے اوپر کا لباس اتار دیا۔ گھنے بھورے بال میرے سینے پر بکھر گئے۔ میں نے سینے بازو اور کمر کو دونوں ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر اچھی طرح دیکھا۔

"تم لباس پہن سکتے ہو نوجوان۔" گورنر نے کہا۔ "میں معافی چاہتا ہوں معزز اسکندر۔ دراصل میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نوجوان نے اپنے بالائی لباس کے نیچے تمہارے علم میں لائے بغیر کوئی زرہ بکتر تو نہیں پہن رکھی ہے کیونکہ میں نے کئی بار محسوس کیا کہ ارکینوس کی تلوار اس کے بدن سے مس ہوئی لیکن اسے کوئی زخم نہیں آیا۔ اب میں مطمئن ہوں۔ مقابلہ بالکل ایمانداری سے ہوا ہے اور ارکینوس مغلوب ہو گیا ہے۔"

"بات یہ ہے جناب عالی کہ تیزی سے چلتی ہوئی تلوار کی جنبش پر نظر رکھنا بعض اوقات بہت دشوار ہوتا ہے۔" استاد نے سنبھل کر جواب دیا۔ "حضور والا کی فہم و فراست اور بصارت و بصیرت ہر قسم کے شک سے بالاتر ہے لیکن ممکن ہے کہ صاحب عالی وقار کی نظر ارکینوس کی تلوار کی بعض برق صفت جنبشوں کو بروقت مناسب طور پر اپنی گرفت میں نہ لے سکی ہو۔" میں حیران تھا کہ استاد اس قدر فصیح و بلیغ زبان بھی بول سکتا ہے۔ یوں لگتا تھا گویا اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو معزز اسکندر۔" گورنر نے جواب دیا۔ "بہرحال، مقابلے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور معاہدے کے مطابق ارکینوس تارومہ سے دست بردار ہوتا ہے۔ شہزور میں تمہیں اس کی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں جناب عالی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ نے میرے حال پر جو کرم فرمایا ہے اس کے لیے اظہار ممنونیت کرنے کی غرض سے میرے پاس الفاظ کی کمی ہو گئی ہے۔" میں استاد کے انداز میں لپٹے دار گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ارکینوس نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا شانہ خون سے تر بتر ہو رہا تھا لیکن اسے شاید اس کی کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ "اس وقت تم نے مجھ سے یہ مقابلہ جیت لیا ہے۔ اور میں خود بھی حیران ہوں کہ کس طرح جیت لیا ہے۔ میں اپنے قول کے مطابق تارومہ سے دست بردار ہوتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان آخری مقابلہ نہیں ہے۔"

زبانی یہ بات سنتے ہی جیسے خوشی سے دیوانہ ہو گیا وہ بے تحاشہ اچھل اچھل کر ناچنے لگا اور ناچتے ناچتے کمرے سے باہر نکل گیا۔

• بگلیس کے کمرے سے باہر نکل جانے کے بعد استاد نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر جیسے لہجے میں بولا۔ "شہزور میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے تحت ہمارے درمیان آئے ہو۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جو تم نظر آتے ہو۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اچھی طرح دیکھا کہ ارکینوس کی تلوار کم از کم تین بار تمہارے جسم سے ٹکرائی کہ اگر تمہاری جگہ کوئی عام انسان ہوتا تو خون کی دھاریں بہنے لگتیں لیکن

تمہارے چہرے پر خلش تک نہیں آئی۔ گورنر نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی، مگر چونکہ اس کی بینائی کمزور ہے اس لیے میں نے اسے اپنی پختہ دلیلوں سے یقین دلایا کہ اس کے دیکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اتینوس کے لیے اس بات کو محسوس کرنا مشکل تھا کیونکہ برق رفتاری کے ساتھ تلوار چلانے والا شخص اس بات کو بآسانی نہیں دیکھ سکتا کہ تلوار کہاں لگی لیکن میں پورے غور کے ساتھ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میری ساری عمر انہیں کاموں میں گزری ہے اور میری آنکھوں نے دھوکا کھانا نہیں سیکھا ہے۔ اس سے پہلے تم نے اشرام کو جس طرح مقابلے میں شکست دی تھی۔ وہ بھی ایک حیرت ناک بات تھی۔ تم نے اشرام جیسے بھاری بھرکم اور تنومند آدمی کو بچوں کی طرح ہلکا کر رکھ دیا۔ اس سے بھی پہلے تم ناتوم کے مقابلے میں پتھر کا ستون بن کر کھڑے ہو گئے اور وہ ہزار کوشش کے باوجود تمہیں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں سکا۔ اس وقت میں نے اپنے حوضِ مسرت میں شاید ان باتوں پر پورے طور سے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب جب میں غور کرتا ہوں تو ہر چیز مجھے واضح نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تم کوئی غیر معمولی انسان ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم کوئی بھٹکی ہوئی آسمانی مدوح ہو جو کرۂ ارض میں داخل ہو گئی ہو۔ ہو سکتا ہے تم کسی دیوتا کا افسانوی روپ ہو جو کسی خاص مصلحت کے سبب یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی دیوی یا دیوتا کی خصوصی اور خفیہ تائید حاصل ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں کسی درویش یا فقیر نے کوئی ایسا نسخہ بتا دیا ہو جس نے تمہیں اس قدر عجیب و غریب قوتیں بخش دی ہیں۔ مجھے اُس وقت تمہاری اس جرأت پر حیرت ہوئی تھی، جب تم تماشائی دنیا سے اینتھز کے اقتدار سے تاروندی تلوار لڑنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ لیکن اب مجھے اس بات پر زیادہ حیرت نہیں ہے۔ شاید تم ایسا کر گزرتے، خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہوتا۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو، ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کچھ کام آ سکوں۔ مجھے اپنی اصلیت بتاؤ۔ میرا ذہن سخت پریشان ہے۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تم جیسا انسان نہیں دیکھا۔"

عین عجیب مشکل میں پڑ گیا تھا۔ یہ رفیدیہ استاد ایک دانا اور بہت شخص تھا اور اس سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو زیادہ دیر تک چھپائے رکھنا بہت مشکل تھا۔ لیکن میں اسے اپنے بارے میں کیا بتاؤں؟ میں کافی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا، پھر میں نے منہ کھول کر اور رک رک کر کہنا شروع کیا۔ "استاد! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نہ کوئی دیوتا ہوں اور نہ کسی دیوی دیوتا سے میرا کوئی تعلق ہے۔ میں تم لوگوں جیسا ایک انسان ہوں لیکن قدرت نے مجھے اپنی غیر معمولی قوتیں عطا کی ہیں جن سے عام انسان محروم ہیں لیکن میں پھر بھی کہوں گا کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، میرے دل میں بھی خوشی اور غم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جیسے سب کے دل میں بھی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں اور محبت اور نفرت کے جذبے جیسے دلوں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ میں آج تمہارے ساتھ ہوں، لیکن ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ مگر اتنا تمہارے دل کو جیتنے کے لیے کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مجھ پر

پورا اعتماد کر سکتے ہو۔ میں تمہیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارا دوست ہوں۔" میں نے حتی الامکان استاد کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسے اپنے اس سوال کا جواب نہیں مل سکا تھا۔

"تمہاری شخصیت پُراسرار اور محیر کن ہے، اور میں شاید اپنے تمام علم اور تجربے کے باوجود اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم خود اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ بہرحال میں تمہیں اس سلسلے میں مجبور نہیں کر سکتا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم نے مجھ سے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اب میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں، اور وہ یہ کہ آئندہ چار ماہ کے بعد مختلف کھیلوں اور فنونِ حرب کے قومی مقابلے منعقد ہوں گے والے ہیں جن میں اینتھز کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے نامی گرامی لوگ بھی حصہ لیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم طوفان کلب کی طرف سے ان مقابلوں میں حصہ لو اور اہلِ اینتھز پر ثابت کر دو کہ طوفان کلب ناقابلِ تسخیر ہے۔ صرف ان مقابلوں کے انعقاد تک میں تمہیں کلب کا پابند رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہاری مرضی ہے۔ اگر تم چاہو تو بڑے شوق سے ساری عمر یہاں گزار سکتے ہو اور اگر نہ رہنا چاہو تو جہاں چاہو، جا سکتے ہو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔"

مجھے استاد کی یہ پیشکش کافی دلچسپ معلوم ہوئی۔ ویسے تو میرا ارادہ تھا کہ تاروند کو لے کر یہاں سے کہیں دور نکل جاؤں، لیکن سوچ میں نے سودا برا ایک ہنگامہ اور سہی۔ تہذیب و تمدن کے اس گہوارے میں ہی نے مقابلوں کا منظر ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور یہ اس قسم کے مقابلوں میں شرکت کی چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ آئندہ چار ماہ اس شہر میں گزاروں گا اور استاد کی خواہش کے مطابق طوفان کلب کی جانب سے مقابلوں میں حصہ لوں گا۔ چنانچہ میں نے استاد سے کہا کہ مجھے اس کی تجویز منظور ہے، البتہ ایک شرط پر۔ وہ یہ کہ مجھے ورزش کرنے اور مشق کرنے کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دے۔ استاد نے کہا کہ اس کے خیال میں مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں، وہ میرے اس فیصلے سے بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد میں اس کے دیے ہوئے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ اتینوس اور ناتوم ننگی تلواریں سونتے ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ ایک آدمی ہمارے دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی ہمارے پیچھے کھڑے تھے۔ اتینوس اور ناتوم کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں لیکن باقی چاروں آدمیوں کے ہاتھوں میں بھاری بھاری گرز تھے جن کی ایک ہی ضرب بڑے سے بڑے سورما کو آناً فاناً ہلاک کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"ناتوم، تم تو اینتھز سے چلے گئے تھے؟" میں نے ناتوم سے پوچھا جو اپنی تلوار کو بیقراری سے ہلا رہا تھا۔

"ناتوم کہیں نہیں گیا تھا۔" ناتوم کے بجائے اتینوس نے جواب دیا۔ "وہ میرے مکان میں چھپا ہوا تھا۔ تو نے یہ کہیں سمجھ لیا تھا کہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد تو زندہ رہے گا؟ اتینوس کے مقابلے میں آنے والے کے لیے زمین تنگ ہو جاتی ہے بدبخت۔"

"لیکن تم مقابلہ ہار چکے ہو اور تمہیں اپنے وعدے کی پابندی کرنی چاہیے۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنے بھائی گورنر کے سامنے تاروند سے اپنی بالادستی ثابت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

جب سورج ڈھلنے لگا اور شام کے سائے لمبے ہونے لگے میں چلنے کی تیاری کرنے لگا تاروند نے نشیلی آنکھوں سے [illegible] دیکھتے ہوئے کہا۔ "شہزور، تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت [illegible] یہ گھر اس کی ساری دولت، اسب کچھ تمہارا ہے کیونکہ میں تمہاری ہوں [illegible] کی پھر آؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

میری اور تاروند کی شادی ہو گئی اور ہم لوگ عیش کی زندگی گزارنے لگے۔ [illegible] وہ میرے ساتھ رہتا۔ استاد رفیدیہ اور فنونِ حرب کے دوسرے لوگوں کے ساتھ [illegible] یہاں میری دلچسپی کی بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ نئے نئے لوگوں سے [illegible] فنونِ حرب کے بارے میں بہت مباحثے ہوتے، دوستانہ [illegible] طرح طرح کے فنون کی نمائشیں ہوتیں اور میں ان ساری سرگرمیوں سے [illegible] رہتا۔ اینتھز کے مردوں کی زندگی کا یہ رُخ بڑا دلچسپ تھا۔ سورج [illegible] ہی میں گھر پہنچ جاتا جہاں تاروند سولہ سنگھار کیے میری منتظر ہوتی [illegible] کے خوبصورت دو گھوڑوں والے رتھ میں بیٹھ کر سیر کو نکل جاتے [illegible] ایک تفریح کرتے رہتے۔ کبھی ہمیں ضیافتوں میں مدعو کیا [illegible] معززین شہر کو اپنے گھر ضیافت میں مدعو کرتے جن میں کلب [illegible] دوست ضرور شریک ہوتے۔ میں اینتھز کی اعلیٰ سوسائٹی [illegible] گیا تھا۔ میں نے ایک خاص سماجی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ [illegible] اور مسرت کے ساتھ گزر رہی تھی۔ تاروند بہت خوش تھی۔ [illegible] زندگی میں پہلی بار یہ معلوم ہوا ہے کہ مرد کی محبت کیا [illegible] نے رقص کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ویسے وہ رقص ضرور [illegible] کی تنہائیوں میں میرے سامنے اس کا رقص اب صرف [illegible] بازار کی جنس نہیں تھا۔

[illegible] مقابلوں کے دن قریب آ رہے تھے اور استاد اور اس کے [illegible] میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ استاد نے مختلف مقابلوں [illegible] کے لیے کئی لوگوں کو چُنا تھا، لیکن کشتی اور شمشیر زنی کے لیے اس [illegible] نے اس سے کہا۔ "استاد، تم جس مقابلے کے لیے چاہو [illegible]

"تم کن قسموں کی دوڑ میں حصہ لینا پسند کرو گے؟" استاد نے پوچھا۔ [illegible] نے جواب دیا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" [illegible] گھوڑ سواری کے مقابلے میں؟" استاد نے پوچھا۔

"میں صرف ایسے مقابلوں میں حصہ لینا پسند کروں گا استاد، جن کا [illegible] انسان کی ذہنی و جسمانی طاقت اور توانائی سے ہو، خواہ ان میں کتنا ہی زیادہ [illegible] کا امکان کیوں نہ موجود ہو۔"

[illegible] مقابلے کے دن میں تمہاری طرف سے سارے پہلوانوں اور [illegible] پیش کروں گا کہ وہ باری باری آئیں اور اپنے دل کی حسرت نکال لیں۔ مقابلہ دیکھنے والوں میں شہنشاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ خود بھی شامل ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے سامنے طوفان کلب کا نام سب سے اونچا ہو۔"

"ایسا ہی ہو گا استاد۔" میں نے جواب دیا۔

تاروند سے میری شادی کو بیس دن ہو گئے تھے اور ہم دونوں بے حد خوشگوار و مسرت زندگی گزار رہے تھے۔ سالانہ قومی مقابلوں کے انعقاد میں صرف ایک ہفتہ کی مدت باقی رہ گئی تھی۔ استاد اس بار مجھے ایک ناقابلِ تسخیر پہلوان اور ایک ناقابلِ شکست شمشیر زن کی حیثیت سے پیش کر کے سارے اینتھز کو حیرت زدہ کر دینا چاہتا تھا۔ میرا اس سے وعدہ تھا کہ میں اس کی خواہش کو ضرور پورا کروں گا۔

وہ ایک بہت خوشگوار اور سہانی سہ پہر تھی۔ میں اور تاروند حسبِ معمول اپنے دو گھوڑوں والے خوبصورت رتھ میں بیٹھ کر سیر کرنے نکل گئے۔ میں خود رتھ ہانک رہا تھا۔ ہم دونوں شہر سے نکل کر میدانات میں آ گئے اور ایک جگہ درختوں کے حسین جھنڈ کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ میں تاروند کو یہ بتا رہا تھا کہ قومی مقابلوں کے بعد ہم لوگ اینتھز کی ہنگامہ خیز زندگی سے دور کسی چھوٹے سے گاؤں میں چلے جائیں گے اور وہاں ایک خوبصورت سا گھر بنا کر رہیں گے۔ تاروند کے پاس اتنی دولت تھی کہ ہم دونوں کو زندگی بھر کچھ کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر ہمارے بچے ہوتے تو بھی اس دولت سے بڑی آسانی سے پوری عمر گزار سکتے تھے۔

ہم دونوں اپنی محبت بھری سرگوشیوں میں اس قدر گم تھے کہ ہم نے ان لوگوں کے قدموں کی آہٹ نہیں سنی جنہوں نے چپکے چپکے آ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ ہمیں ہوش اس وقت آیا جب ہمارے کانوں میں اتینوس کی نفرت بھری آواز گونجی۔ "آج ہم دونوں بچ کر نہیں جا سکتے۔ میں نے بالآخر اپنی ذلت کا انتقام لے ہی لیا۔"

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تاروند خود بخود ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اتینوس اور ناتوم ننگی تلواریں سونتے ہمارے سامنے کھڑے تھے۔ ایک آدمی ہمارے دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دو آدمی ہمارے پیچھے کھڑے تھے۔ اتینوس اور ناتوم کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں لیکن باقی چاروں آدمیوں کے ہاتھوں میں بھاری بھاری گرز تھے جن کی ایک ہی ضرب بڑے سے بڑے سورما کو آناً فاناً ہلاک کر دینے کے لیے کافی تھی۔

"ناتوم، تم تو اینتھز سے چلے گئے تھے؟" میں نے ناتوم سے پوچھا جو اپنی تلوار کو بیقراری سے ہلا رہا تھا۔

"ناتوم کہیں نہیں گیا تھا۔" ناتوم کے بجائے اتینوس نے جواب دیا۔ "وہ میرے مکان میں چھپا ہوا تھا۔ تو نے یہ کہیں سمجھ لیا تھا کہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد تو زندہ رہے گا؟ اتینوس کے مقابلے میں آنے والے کے لیے زمین تنگ ہو جاتی ہے بدبخت۔"

"لیکن تم مقابلہ ہار چکے ہو اور تمہیں اپنے وعدے کی پابندی کرنی چاہیے۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنے بھائی گورنر کے سامنے تاروند سے اپنی بالادستی ثابت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

کا اعلان کیا تھا۔"

"اس کی باتوں میں نہ آنا معزز اتینوس!" ناتوم نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ آج ہم سے دس دن ہو گئے ان لوگوں کے پیچھے لگے ہوئے۔ آج ہی تو انہیں تنہائی اور ویرانے میں گھیرنے کا موقع ملا ہے۔"

"تو اپنی ناپاک زبان بند رکھ مفلدار!" میں نے غصے کے عالم میں ناتوم سے کہا۔ "تو بزدل اور کمینہ ہونے کے ساتھ ساتھ غدار اور احسان فراموش بھی ہے۔ میں نے اور معزز اتینوس نے استاد سے سفارش کر کے تیری جان بچائی تھی ورنہ تو اب تک کا موت کی نیند سو چکا ہوتا۔"

"اور تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے اس احسان کے جواب میں میں اتینوس سے سفارش کر کے تیری جاں بخشی کروا دوں؟" ناتوم نے ایک بھیانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہوگا سنہرے بھیڑیے۔ تو نے مجھے اور معزز اتینوس کو جو صدمات پہنچائے ہیں آج ان کا حساب لیا جائے گا۔ اس وقت کوئی بھی تیری مدد کو نہیں آ سکتا۔ ہار سے آدمیوں کے گروہ دونوں کے جسموں کا قیمہ بنا دیں گے جسے ہم قریبی جھیل میں پھینک کر مچھلیوں کی ضیافت کا اہتمام کریں گے۔"

"شہزور کی جان بخش دو اتینوس!" تارونہ کے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں شہزور کو چھوڑ کر پھر تمہارے پاس واپس آ جاؤں گی۔ میں زندگی بھر شہزور کی صورت نہیں دیکھوں گی، بشرطیکہ تم اس کی زندگی نہ چھینو۔"

"اس کا وقت گزر گیا ہے تارونہ!" اتینوس نے خشک لہجے میں کہا۔ "تو نے خود ہی اپنے لیے اور شہزور کے لیے موت کا راستہ منتخب کیا ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اتینوس کی رفیقہ بننے کے بعد کسی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جرم ہے؟ تو نے میری غیرت کو للکارا۔ اب اس کا انجام تیرے سامنے ہے!"

دراصل پروفیسر سیریکے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ میں کسی طرح تارونہ کی جان بچاؤں۔ وہ پانچ تھے اور اگر وہ پانچ سو یا پانچ ہزار بھی ہوتے تو بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، اور مجھے ان کی کوئی فکر نہ ہوتی، لیکن اصل مسئلہ تارونہ کی جان بچانا تھا۔ وہ لوگ میرے ساتھ تارونہ کے بھی خون کے پیاسے تھے۔

میں نے تارونہ سے کہا کہ وہ مجھے مضبوطی سے پکڑے اور ادھر ادھر ہلے۔ تارونہ کی وجہ سے میں صرف دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور تھا۔

"حملہ کرو اور ان کی کھوپڑیوں کو ریزہ ریزہ کر دو!" اتینوس نے گزربرداروں کو حکم دیا۔

دو گز بر کے بعد دیگرے ایک بھیانک آواز کے ساتھ میرے سر سے ٹکرائے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئے۔ اور اسی اثنا میں دو گز بر میرے سینے سے لپٹی ہوئی تارونہ کے سر پر پہنچ گئے تھے میں نے فوراً اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور چھین کر بہت دور اچھال دیا۔ میرے سر پر گرزوں کے ٹوٹ جانے کے انوکھے حیرت ناک اور ناقابل یقین واقعے نے ان سب لوگوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس اچانک اور عجیب و غریب بات سے وہ کسی صدمے سے بھی زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ دو گز ٹوٹ چکے تھے اور دو دور پھینکے جا چکے تھے۔ آدمی غیر مسلح ہو گئے تھے۔ اب صرف ناتوم اور اتینوس تلواروں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ انہی میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ پہلا قدم کیا ہونا چاہیے کہ اتینوس نے بجلی سی تیزی کے ساتھ اپنا خنجر دور سے پھینک کر تارونہ کی پشت پر مارا۔ یہ کام اس نے اسقدر حیرت انگیز تیزی کے ساتھ انجام دیا کہ میں خنجر کو روک نہ سکا اور میری نظر خنجر پر اسی وقت پڑی جب وہ تارونہ کی پشت میں گھس گیا تھا۔ تارونہ نے ایک چیخ ماری اور سیدھے کے گرداس کی گرفت ایک دم ڈھیلی ہو گئی۔ وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گر پڑی۔

اور پروفیسر سیریکے تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ انہیں لوگوں نے مظلوم کو زخمی کیا تھا اور اب تارونہ کی جان لے لی۔ تارونہ کو اس بات کی سزا دی گئی کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی۔ میں نے تارونہ کے بے جان جسم کو اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ وہ ایک ننھی منی گڑیا کی طرح میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ اور پھر میں نے بجلی کی طرح ایک جست لگائی۔ ناتوم اور اتینوس، دونوں کو ایک وقت ان کی گردنوں سے پکڑ لیا۔ ان کے خون کے مارے پھسل گئیں لیکن اس بار انہیں معاف کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی کھوپڑیوں کو آپس میں اتنے زور سے ٹکرایا کہ ان کے بھیجے پاش پاش ہو گئے۔ میں نے ایک جھٹکے سے ان کے بھرکس بنے جسموں کو مختلف سمتوں میں پھینکا اور پھر ان چار گزبرداروں کی طرف متوجہ ہوا جو بے پناہ حیرت انگیز واقعات نے ان کے حواس گم کر دیئے تھے۔ مجھے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر انہوں نے مقابلے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن میں ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے ایک کو ان میں سے دو کو ٹانگ سے پکڑا اور زور سے ایک قریبی پتھریلی چٹان سے دے مارا۔ باقی دو نے بھاگنے میں مختلف اختیار کیں لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کسی جنگلی گھوڑے کی طرح دوڑ کر پہلے ایک کو اور پھر دوسرے کو پکڑ لیا اور اپنے ایک گھونسے سے ان کا خاتمہ کر دیا۔

میں لاشوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اردگرد پانچ لاشیں تھیں۔ تارونہ کی لاش، ناتوم اور اتینوس کی لاشیں اور دو گزبرداروں کی لاشیں۔ باقی دو گزبردار کی لاشیں کچھ دور پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے تمام جسم کو ٹٹولنا شروع کر دیا تھا۔ مجھے اس کی موت کا بیحد غم تھا۔ اس سے زیادہ مجھے اس بات کا تھا کہ میں ناقابل تسخیر ہونے کے باوجود اس کی جان نہ بچا سکا۔ اتینوس نے غیر معمولی پھرتی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں اتینوس اور ناتوم کے بڑے بڑے اور مسخ شدہ جسموں کو دیکھنے لگا۔ انا، خود غرضی، ہوس، حسد اور جھوٹے وقار کے مارے ہوئے یہ لوگ اس حال میں بے بس بنے محو نظر آ رہے تھے! اور میں سوچنے لگا کہ کتنے حقیر اور

بے وقعت تھے یہ لوگ۔ اپنی اپنی انا کے جھوٹے خولوں میں مقید اور اپنی ہی انا کی خواہشوں نے کس طرح زندگی کی اعلیٰ قدروں کو پامال کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نتیجہ انہیں موت کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ میں نے ان چھ کی چھ لاشوں کو ایک جگہ جمع کیا اور پھر انہیں بڑے بڑے پتھروں سے ڈھانپ دیا۔ میں نے ان لوگوں کا وہیں جہاں وہ گھر والوں میں ڈوب گئیں، ان فانی انسانوں کا تو خیر کیا ذکر بھی مٹ چکا تھا!

ان کے بعد میں نے تارونہ کی لاش کو نہایت احتیاط کے ساتھ رکھا اور واپسی کا پیدل سفر شروع کر دیا۔ میلوں اس شہر سے، جہاں کے دماغ باز لوگوں سے الجھ کر میں یہاں آیا تھا، میں چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد یہاں سے چلا جاؤں اور کسی دوسرے شہر میں جا بسوں۔ لیکن پھر بھی نے سوچا کہ مجھے قوی مقابلوں کے انتقاد تک رکنا چاہیے۔ ویسے بھی استاد سے اس وقت تک رکنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

ان سے سیدھا کلب پہنچا اور میں نے استاد اور عمر رس کو تنہائی میں بلا کر ساری بات بتا دی۔ افسوس، غصے اور صدمے کے مارے بوڑھا عمر رس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ تسلی دینی پڑی۔ استاد نے مجھے تسلی دی کہ اب جبکہ ناتوم اور اتینوس مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو چکے ہیں اس واقعے کا کوئی اور چشم دید گواہ موجود نہیں ہے تو مجھے اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے تارونہ کے قتل کا انتقام لے لیا ہے اور اس لیے اس معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تارونہ کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئی ہے، اور اس کی لاش کو خفیہ طور سے دفن کر دیا گیا۔ کفن دفن کا سارا انتظام استاد نے اپنے خاص آدمیوں سے کروایا۔ اتینوس، ناتوم اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کے بارے میں کچھ نہ ہو سکا۔

تارونہ کی موت کے بعد میں زیادہ تر وقت کلب میں گزارنے لگا۔ رات تارونہ کے گھر ہی میں سوتا۔ اس گھر کی ایک ایک چیز سے تارونہ کی یادیں وابستہ تھیں۔ تو می مقابلوں کی تاریخ قریب آ رہی تھی اور اس علاقے کے سارے شہروں سے سرگرمیوں اور جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مقابلوں میں صرف دو ہفتے باقی رہ گئے تھے کہ میری ملاقات شہزور سے ہوئی۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کی گلوکارہ تھی۔ اتفاق سے فن کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شہزور بمشکل پندرہ سولہ سال کی لڑکی تھی لیکن بلا کی حسین تھی۔ گرمجوشی، حسین وہ خود تھی، اتنی ہی حسین اس کی آواز تھی۔ میری اس سے ملاقات کلب میں ہوئی جو سرسبز کلب کے نگران تارس کے گھر پر ہوئی تھی۔ تارس نے مجھے شہزور سے متعارف کرایا۔ اور شہزور سے ملتے ہی میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔ یہ خیال کچھ ایسا تھا کہ میرے دماغ میں کوند گیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا اور اس سے کہنے لگا۔

"تارس نے اس کے علاوہ اور کیا کیا بتایا ہے تمہیں وہی ہیں؟"

میرے اس اچانک سوال پر وہ بالکل سٹپٹا گئی اور حیرت سے میری شکل دیکھنے لگی۔ "نہیں ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ نہیں کسی نے بتایا ۔۔۔ تمہیں کیسے معلوم ۔۔۔" اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ سخت حیران نظر آ رہی تھی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، شہزور!" میں نے پیار سے کہا۔ "تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ سچ سچ بتا دو۔ ہم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے۔"

"شاید میں تمہارے سوال کے پیچھے چھپی تمہیں سب کچھ بتا دیتی شہزور، اس لیے کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی، تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ تم سے قربت حاصل ہونے کے بعد میری نظروں میں ساری دنیا ہیچ ہے۔ میں مر جاؤں گی مگر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔" شہزور نے مجھے ایک جھٹکے میں وہ سب کچھ بتا دیا جو میں جاننا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس نے کس طرح تارس کے جال میں پھنسایا تھا۔ تارس نے اس کا کام پر لگوا کر کہ اس نے اپنے حسن کے جال کے ذریعے تمہیں مقابلوں میں حصہ لینے سے روکنے کی کوشش کریں اور اصرار کریں کہ تم میرے ساتھ یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ لیکن تارس کو خود بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہ کوشش کامیاب ہو سکے گی۔ چنانچہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ناکامی کی صورت میں وہ مجھے ایک سفوف دے گا جو میں کسی مشروب میں ملا کر تمہیں پلا دوں۔ جبکہ تارس نے بتایا، یہ سفوف انسان کو ہلاک نہیں کرتا۔

دوسری رات کو جب میں شہزور کے گھر پہنچا تو وہ سراپا انتظار تھی۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے لعشیہ یاد آ گئی۔ وہ بھی شہزور کی ہم عمر تھی، اور اسی کی طرح حسین۔ شہزور میرا ہاتھ پکڑ کر سیدھا اپنی خواب گاہ میں لے گئی اور پھر

"شہزور نے" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے یہاں سے لے چلو۔ ہم دونوں اس شہر سے کہیں دور بہت دور نکل جائیں اور ساری عمر ایک دوسرے کے ساتھ گزار دیں۔"

"میں ابھی یہی خیال ہے۔ ہم تھوڑے دن بعد اس شہر سے کہیں اور چلے جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں شہزور، تھوڑے دن بعد نہیں۔ میں چند روز میں کل چاہتی ہوں۔ پاس دولت کی کمی نہیں۔ ہم کہیں بھی چل کر آرام و سکون سے زندگی گزاریں گے۔" اس نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مقابلوں کے بعد ۔۔۔ ابھی تو مجھے اپنے استاد کے احسانات کا بدلہ چکانا ہے۔"

"چھوڑو شہزور!" اس نے میرے رخساروں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم ان مقابلوں میں حصہ لے کر کیا کرو گے؟ تم نے کافی شہرت اور ناموری حاصل کر لی ہے اور وہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ان مقابلوں کا خیال چھوڑو اور میرے ساتھ کہیں اور چلے چلو۔"

مجھے اس کے اصرار پر کافی عجیب سا لگا۔ وہ مجھے مقابلوں میں حصہ لینے سے روک رہی تھی۔ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں کوند گیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا اور اس سے کہنے لگا۔

لیکن اس کے قوی کو بیحد مضمحل کر دیتا ہے اور اس کی توانائی میں بہت کمی آ جاتی ہے تارس کو اگلے مقابلوں میں اپنے کلب کی عزت خاک میں ملتی نظر آ رہی ہے اور وہ اسے بچانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہے۔"

تو یہ بات تھی پروفیسر شرنجانہ کو جان بوجھ کر میرے پیچھے لگایا گیا تھا اور یہ حسین جاسوسہ ایک بار میرے قریب آ جانے کے بعد مجھے دھوکہ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شرنجانہ سے کہا کہ وہ فی الحال تارس سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہ کرے، میں کل اسے بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔

میں نے استاد کو ساری بات بتا دی۔ اس نے تاسف کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا: "مجھے تارس جیسے جھاندیدہ اور ثقہ آدمی سے اس قسم کی حرکت کی امید نہیں تھی، خیر اب تم یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟"

"تارس نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، اور ہم بھی اسے جواباً دھوکہ دیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں شرنجانہ کو ساتھ لے کر جزیرہ اورکل جاؤں گا۔ تم اس اثنا میں یہ مشہور کر دینا کہ شہزور، شرنجانہ کے ساتھ ایتھنز سے رخصت ہو گیا ہے اور وہ مقابلوں میں حصہ نہیں لے گا اور پھر مقابلوں سے صرف ایک دن پہلے میں یہاں موجود ہوں گا۔"

"واہ ولہ۔" استاد کا چہرہ کھل اٹھا۔ "لیکن وہ پھر فوراً ہی ملول ہو گیا۔ "شہزور! میری اور میرے کلب کی عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ کہیں ہیچ میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی استاد مجھ پر بھروسہ رکھو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں آج ہی شرنجانہ سے کہوں گا کہ وہ تارس کو یہ بتا دے کہ میں اس کے ساتھ ایتھنز سے چلے جانے کے لیے تیار ہو گیا ہوں اور مقابلوں میں حصہ نہیں لوں گا۔"

شرنجانہ نے مجھے بتایا کہ تارس نے اس سے بہت ہی خوش ہوا اور اس نے شرنجانہ سے وعدہ کیا کہ وہ مقابلوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے مزید دولت دے گا۔ تارس نے شرنجانہ سے کوئی سوشل کے فاصلے پر ایک خوبصورت گاؤں میں ایک مکان کا بندوبست کر دیا ہے جہاں ہم دونوں رہائش رکھے۔

میں اور شرنجانہ ایتھنز سے روانہ ہو گئے۔ استاد اور مشعل کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ ہم واپس بھی آئیں گے۔

وہ گھنے جنگل اور جزیرے کے درمیان گھرا ہوا ایک خوبصورت اور چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں ہر طرف تمدن کی رعنائیاں بکھری پڑی تھیں۔ واقعی تارس نے ہمارے لیے بہت اچھی جگہ انتخاب کیا تھا۔ قدرتی مناظر سے آراستہ یہ مقام خوبصورت تھا کہ یہاں آ کے انسان کا کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا تھا میں اور شرنجانہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے جس میں ہر طرح کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ہم کبھی سبزہ زاروں اور جنگلوں میں سیر کرتے، حسین اور عجیب و غریب پرندوں کے نغمے سنتے۔ جھیل کے صاف و شفاف نیلگوں پانی میں نہاتے اور رات کو ایک دوسرے میں جذب ہو کر محو خواب ہو جاتے۔ شرنجانہ پر اب مجھے پورا اعتماد تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔ پھر بھی میں نے اسے بتایا کہ مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایتھنز کے لیے روانہ ہو جاؤں گا، ایک دن مجھے ایتھنز پہنچنے کے لیے کافی تھا۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم ایسا کرو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم اپنے استاد کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بہرحال اس بات کا مجھے شدید تارس کو بھی تھا کہ کہیں تم عین موقع پر واپس نہ آ جاؤ، اس کے لیے اس نے مجھے خاص ہدایات دی تھیں۔ اور وہ یہ کہ اگر تم مقابلوں سے پہلے ایتھنز واپس کے ارادے کا اظہار کرو تو میں فوراً ہرجوزن کو مطلع کر دوں۔ تو اسی کا ڈر ہے، میں رہتا ہے اور میرے خیال میں تارس کا کوئی خاص آدمی ہے۔ اس کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔" میں نے ہرجوزن کو دیکھا تھا وہ ایک تنومند اور پہلوان نما آدمی تھا۔ اکثر مجھے اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ماشک کرواتا نظر آتا تھا۔

"پھر؟" میں نے پوچھا۔ "ہرجوزن کیا کرے گا؟"

"اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔" شرنجانہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم اپنا کام کرو اور ہرجوزن کو مشکوک کر دو کہ میں مقابلوں سے ٹھیک دو دن پہلے ایک عبار تار گھوڑے پر سوار ہو کر ایتھنز روانہ ہو جاؤں گا۔ میری روانگی کے بعد تم میری واپسی تک اسی مکان میں رہنا میں مقابلوں سے فارغ ہوتے ہی سیدھا تارس کے پاس آؤں گا۔"

"لیکن ہرجوزن کہیں ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچائے؟" شرنجانہ نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر بے تکلفی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ علی الصباح روانہ ہو گیا۔ میری ہدایت کے مطابق شرنجانہ نے ہرجوزن کو میرے پروگرام کی اطلاع دے دی تھی۔ شرنجانہ گاؤں سے باہر دور تک مجھے رخصت کرنے آئی۔ جدائی کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"شہزور، جانے مجھے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں تمہیں آخری بار دیکھ رہی ہوں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اب دوبارہ کبھی ہماری ملاقات ہو سکے گی۔"

"بے وقوف مت بنو۔" میں نے پیار سے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "میں واپس آؤں گا۔ لیکن پروفیسر مجھے کیا معلوم تھا کہ شرنجانہ جو کچھ کہہ رہی ہے بالکل سچ ہے۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا یہ واقعی میری اس سے آخری ملاقات تھی۔

تین دن تک آرام سے سفر کرتا رہا میرا گھوڑا بہت اعلیٰ نسل کا تھا اور تیز رفتار تھا اور مجھے امید تھی کہ میں رات گئے تک ایتھنز پہنچ جاؤں گا۔ ایک رات اور ایک دن کا وقت میرے پاس ہو گا جسے میں کرام اور تفریح میں گزار سکتا ہوں۔ استاد کو مجھے دیکھ کر انتہائی حیرانی ہو جائے گی۔

اب مجھے ایک تنگ سرنگ نما راستے سے گزرنا تھا۔ ایک طرف اونچی پہاڑی ٹیلے تھے اور دوسری طرف گھنے درخت اور خاردار جھاڑیاں۔ ان کے بیچ میں سے ایک پتلا سا راستہ گیا تھا۔ جس میں ایک وقت میں دو سے زیادہ گھوڑے

نہیں چل سکتے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک گھوڑ سوار نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کمان اور کمر سے ترکش لٹک رہا تھا۔ وہ ہرجوزن تھا۔ اس کے ہاتھ میں کمان اور ترکش دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ ہرجوزن نے مجھے دیکھ لیا

کہ یہ لوگ مقابلوں اور کھیل تماشوں میں ڈوب کر انسانیت اور اخلاق کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ صرف حیوانگی اور حیوانیت باقی رہ جاتی ہے۔

غلاموں کے درمیان کشتی اور شمشیر زنی کے مقابلے ہوتے تھے۔ غلام بہ مقابلہ غلام آتا اپنے اپنے غلاموں کی جیت کے متمنی ہوتے جو غلام ہار جاتا جیتنے والے غلام کے لیے لازمی ہوتا کہ اسے مار دیں۔ اسی کو قتل کہا جاتا تھا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تھا تو فوجی پر موجود سپاہی مفتوح اور فاتح دونوں کو قتل کر دیتے تھے۔ لوہار ان کی زنجیروں کو گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا جاتا تھا۔ غلاموں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حیوانوں کی طرح لڑیں۔ ایک دوسرے کو ایذا پہنچائیں اور جو غلام ایسا کرنے میں ہچکچاتا تھا اسے کوڑے مارے جاتے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا غلاموں کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ان میں بہت سے فاتح غلام بھی تھے جنہوں نے اپنے مفتوح کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور نتیجۃً انہیں سپاہیوں نے ہلاک کر ڈالا تھا۔ لوگ ان غلاموں کو دیکھ کر خوشی سے دیوانہ وار چلاتے اور تالیاں بجاتے۔ یہ لگتا تھا کہ ان کی انسانی روحوں نے ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ بھیڑیے بن گئے ہیں۔ اسٹیڈیم میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ انسانی خون کی ارزانی ہی ارزانی تھی۔

اور پھر ایک عجیب و غریب مقابلہ پیش کیا گیا۔ یہ مقابلہ شیروں اور شہزوروں کے درمیان تھا۔ شہزور نر کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر غصے میں آ جائے تو گھوڑے کی طرح لات مارتا ہے اور اس کی لات ایک اچھے خاصے مضبوط جانور کی کھوپڑی توڑ دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لوہے کے بڑے بڑے اور بھاری پنجروں میں خوفناک شیر بند تھے۔ ایک پنجرے میں ایک بھاری بھرکم شہزور کو چھوڑ دیا گیا۔ شیر غرّایا۔ شہزور بھی کم نہیں تھا۔ وہ بھی غرّایا اور شہزور نے اچھل کر اس کے منہ پر زور سے لات ماری۔ شیر غصّہ میں آ کر پیچھے ہٹا اور اگلے لمحے میں اس نے شہزور کے چیتھڑے کر ڈالے۔ مجمع بے قابو ہو کر چیخ رہا تھا، تالیاں بجا رہا تھا۔ اور پھر میں نے اس سے بھی زیادہ خوفناک اور دلخراش منظر دیکھا۔ ایک غلام کو دونوں ہاتھوں میں تلواریں دے کر شیر کے پنجرے میں چھوڑ دیا گیا۔ المیہ تھا کہ نے اپنی تفریح طبع کے لیے کیا کیا طریقے ایجاد کیے تھے! غلام خوفزدہ سہما پنجرے میں دبکا جانے کے لیے جدوجہد کرتا رہا، لیکن اسے زبردستی اندر دھکیل دیا گیا۔ شیر اس پر حملہ آور ہوا۔ غلام نے تلواروں کی مدد سے اپنی جان بچانے کی کوشش کی لیکن شیر نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ مجمع ایک بار پھر شور مچانے لگا۔

اس قسم کے بیہودہ مناظر دیکھ کر میرا جی متلانے لگا اور بے ساختہ وہاں سے چلے جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن ابھی مجھے اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اس لیے میں خاموشی سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ پھر مقتولوں کی رسم شروع ہوئی جس میں بہت سے رتھ حصہ لے رہے تھے۔ تیز رفتاری کے باعث کئی رتھ راستے میں الٹ گئے۔ ان کے پہیے اڑ گئے۔ گھوڑوں اور انسانوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن فوراً ہی اس "کوڑے کباڑے" کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ دیکھنے والوں کی بینائی پر پل تک نہیں آیا۔ رتھوں کی دوڑ کا راستہ خون میں ڈوب گیا تھا لیکن وحشیانہ دوڑ برابر جاری تھی۔ واہ رے لوگ۔

مختلف قسم کے کھیل تماشوں اور مقابلوں کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔ سخت اکتا گیا تھا کہ اچانک اعلان کے مطابق ایک شمشیر زن میدان میں اتارا گیا۔ جو اپنی مکمل اسلحہ بندی کے ساتھ ایک طلائی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد زرد عمائدین سلطنت کا ہجوم تھا۔ گورنر بھی موجود تھا جس سے میں ایک بار پہلے مل چکا تھا۔ ملکہ اسٹونیہ میرے سنہری بدن کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ منتظمین نے شہنشاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ سخت برہمی کے انداز میں ساری باتیں سنتا رہا۔

"تجھے مفتوح کو قتل کرنا پڑے گا، ورنہ پھر خود بھی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جا۔" اس نے غصے میں کہا۔ "مقابلے کے اصول بدلے نہیں جا سکتے۔"

"کیا ابھی تک کسی اور مقابلے میں بھی حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے؟" ملکہ اسٹونیہ نے اپنی نرم اور شیریں آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"جی ہاں ملکہ عالیہ ——— میں کشتی کے مقابلے میں حصہ لوں گا۔" میں نے رب سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

"شہنشاہ والی مرتبت۔" ملکہ نے شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کنیز کی رائے میں آپ کشتی کے مقابلے کا انجام تک اس قیدی کے فیصلے کو ملتوی کر دیں۔ اس نوجوان کے علاوہ مفتوح شمشیر زن کو بھی حراست میں لے لیا جائے۔ طوفان دونوں کے مقدر کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام کے بعد کیا جائے۔"

"ہمیں اپنی حسین ملکہ کی دانائی پر واقعی فخر ہے۔" شہنشاہ نے مسکرا کر کہا۔ ملکہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس سنہری نوجوان اور مفتوح شمشیر زن کو زیر حراست سمجھا جائے۔"

میں اپنی نشست پر واپس آ گیا اور دو مسلح سپاہی مجھے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ استاد سخت پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

بالآخر کشتی کے مقابلوں کا وقت آیا۔ کئی پہلوانوں میں آپس میں مقابلے ہوتے رہے۔ ہڈیاں چٹختی رہیں، گردنیں ٹوٹتی رہیں، ہاتھ پیر توڑے جاتے رہے بالآخر گوشت کا ایک نہایت بھاری بھرکم اور ہیبت ناک تودہ، جو کسی دوسرے شہر سے آیا تھا، میدان میں نمودار ہوا۔ لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ وار تالیاں بجانے لگے۔ مجمع کے شور و غل نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ گوشت کا تودہ اسٹیج کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے للکار کر مقابلے کی دعوت دی۔ اب تک جتنے پہلوانوں کے درمیان کشتیاں ہوئی تھیں۔ ان میں جیتنے والے بھی شدید طور پر مجروح تھے اور اگر وہ مجروح نہ بھی ہوتے تو بھی ان میں سے کوئی اس لائق نہیں تھا کہ اس پہاڑ سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔ اس کا ایک ہی گھونسہ ان لوگوں کی کھوپڑیاں توڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ کوئی شخص بھی گوشت کے تودے کے مقابلے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر استاد کا اشارہ پا کر میں اسٹیج کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور یوں لگا جیسے گوشت کے تودے میں زلزلہ آ گیا ہو۔ "تو مجھ سے مقابلہ کرے گا!" اس نے تمسخر آمیز انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا زندگی سے تنگ آ گیا ہے؟ ابھی تیرے مرنے کے دن نہیں ہیں۔"

میں نے اس کی لن ترانیوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجمع میری اس جسارت پر دم بخود تھا۔ غالباً استاد، مغوی سادھو اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں گوشت کے اس پہاڑ سے ٹکرا کر زندہ بچوں گا۔ میں نے ایک نظر نائٹس ہیلمٹوں پر ڈالی، ہر شخص ہماری جانب متوجہ تھا۔

پھر گوشت کے تودے میں اچانک زوردار حرکت ہوئی اور اس نے اپنا بھرپور گھونسہ میرے سر پر مارا۔ بڑے زور کے دھماکے کی آواز ہوئی اور گوشت کا تودہ کراہ کر اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ دوسری مرتبہ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اچھل کر ایک زوردار لات میرے سینے پر رسید کی لیکن وہ اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ شدید تکلیف کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔ شاید اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اوپر اٹھانا چاہا تو وہ بری طرح گڑگڑانے لگا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ گردہ کسی ذبیح کیے ہوئے بیل کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ وہ دوبارہ گر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ بے کار ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کے بھاری جسم کا بوجھ نہیں سہا پا رہی تھی۔ میں اپنی کہنی پر دونوں ہاتھ رکھ کر فاتحانہ انداز میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجھے تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ میں نے موٹے پہلوان پر ایک وار بھی نہیں کیا تھا اور وہ بعض میرے جسم سے ٹکرا کر اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھا تھا۔ طوفان جب کے امزادات میں ایک اور خیاں اضافہ ہو چکا تھا۔ پھر کئی لوگ آئے اور بمشکل موٹے پہلوان کو سہارا دے کر لے گئے۔

اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ ایک شیہ کا پنجرہ نہ جانے کس طرح کھلا رہ گیا تھا اور وہ موقع پاتے ہی، دھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ خوفناک منظر میں بھر پور اچھلا تھا۔ پنجرے سے باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس طرف لپکا جہاں شہنشاہ اور ملکہ اپنے معتمدین اور دیگر زعما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ غیر معمولی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جا رہا پانچ محافظ تلواریں سونتے ہوئے شیر کی طرف لپکے لیکن اس نے ایک پنجے میں وہ محافظوں کو ڈھیر کر دیا۔ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ باقی محافظ بھاگ نکلے۔ اچانک شہنشاہ اور ملکہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمائدین شہر بھی کھڑے ہو گئے۔ مجمع پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ بازو کا ایک دستہ تیزی سے پیچھے کی جانب بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ نیزہ بردار بھی تھے۔ لیکن میرا اندازہ تھا کہ جب تک یہ دستہ شیر کے پاس پہنچے گا، اس وقت تک شیر شہنشاہ اور ملکہ کے پاس پہنچ چکا ہو گا۔ میں نے بجلی کی

ذرہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے شہنشاہ کے حضور میں لے چلو۔" میں نے کہا۔

منتظمین مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر شہنشاہ تالاش کے حضور میں لے گئے۔ جو اپنی مکمل اسلحہ پوشی کے ساتھ ایک طلائی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد زرد عمائدین سلطنت کا ہجوم تھا۔ گورنر بھی موجود تھا جس سے میں ایک بار پہلے مل چکا تھا۔ ملکہ اسٹونیہ میرے سنہری بدن کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ منتظمین نے شہنشاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ سخت برہمی کے انداز میں ساری باتیں سنتا رہا۔

"تجھے مفتوح کو قتل کرنا پڑے گا، ورنہ پھر خود بھی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جا۔" اس نے غصے میں کہا۔ "مقابلے کے اصول بدلے نہیں جا سکتے۔"

"کیا ابھی تک کسی اور مقابلے میں بھی حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے؟" ملکہ اسٹونیہ نے اپنی نرم اور شیریں آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"جی ہاں ملکہ عالیہ ——— میں کشتی کے مقابلے میں حصہ لوں گا۔" میں نے رب سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

"شہنشاہ والی مرتبت۔" ملکہ نے شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کنیز کی رائے میں آپ کشتی کے مقابلے کا انجام تک اس قیدی کے فیصلے کو ملتوی کر دیں۔ اس نوجوان کے علاوہ مفتوح شمشیر زن کو بھی حراست میں لے لیا جائے۔ طوفان دونوں کے مقدر کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام کے بعد کیا جائے۔"

"ہمیں اپنی حسین ملکہ کی دانائی پر واقعی فخر ہے۔" شہنشاہ نے مسکرا کر کہا۔ ملکہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس سنہری نوجوان اور مفتوح شمشیر زن کو زیر حراست سمجھا جائے۔"

میں اپنی نشست پر واپس آ گیا اور دو مسلح سپاہی مجھے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ استاد سخت پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

بالآخر کشتی کے مقابلوں کا وقت آیا۔ کئی پہلوانوں میں آپس میں مقابلے ہوتے رہے۔ ہڈیاں چٹختی رہیں، گردنیں ٹوٹتی رہیں، ہاتھ پیر توڑے جاتے رہے بالآخر گوشت کا ایک نہایت بھاری بھرکم اور ہیبت ناک تودہ، جو کسی دوسرے شہر سے آیا تھا، میدان میں نمودار ہوا۔ لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ وار تالیاں بجانے لگے۔ مجمع کے شور و غل نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ گوشت کا تودہ اسٹیج کے وسط میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے للکار کر مقابلے کی دعوت دی۔ اب تک جتنے پہلوانوں کے درمیان کشتیاں ہوئی تھیں۔ ان میں جیتنے والے بھی شدید طور پر مجروح تھے اور اگر وہ مجروح نہ بھی ہوتے تو بھی ان میں سے کوئی اس لائق نہیں تھا کہ اس پہاڑ سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔ اس کا ایک ہی گھونسہ ان لوگوں کی کھوپڑیاں توڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ کوئی شخص بھی گوشت کے تودے کے مقابلے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر استاد کا اشارہ پا کر میں اسٹیج کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور یوں لگا جیسے گوشت کے تودے میں زلزلہ آ گیا ہو۔ "تو مجھ سے مقابلہ کرے گا!" اس نے تمسخر آمیز انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا زندگی سے تنگ آ گیا ہے؟ ابھی تیرے مرنے کے دن نہیں ہیں۔"

میں نے اس کی لن ترانیوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجمع میری اس جسارت پر دم بخود تھا۔ غالباً استاد، مغوی سادھو اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں گوشت کے اس پہاڑ سے ٹکرا کر زندہ بچوں گا۔ میں نے ایک نظر نائٹس ہیلمٹوں پر ڈالی، ہر شخص ہماری جانب متوجہ تھا۔

پھر گوشت کے تودے میں اچانک زوردار حرکت ہوئی اور اس نے اپنا بھرپور گھونسہ میرے سر پر مارا۔ بڑے زور کے دھماکے کی آواز ہوئی اور گوشت کا تودہ کراہ کر اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ دوسری مرتبہ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اچھل کر ایک زوردار لات میرے سینے پر رسید کی لیکن وہ اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ شدید تکلیف کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔ شاید اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اوپر اٹھانا چاہا تو وہ بری طرح گڑگڑانے لگا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ گردہ کسی ذبیح کیے ہوئے بیل کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ وہ دوبارہ گر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ بے کار ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کے بھاری جسم کا بوجھ نہیں سہا پا رہی تھی۔ میں اپنی کہنی پر دونوں ہاتھ رکھ کر فاتحانہ انداز میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجھے تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ میں نے موٹے پہلوان پر ایک وار بھی نہیں کیا تھا اور وہ بعض میرے جسم سے ٹکرا کر اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھا تھا۔ طوفان جب کے امزادات میں ایک اور خیاں اضافہ ہو چکا تھا۔ پھر کئی لوگ آئے اور بمشکل موٹے پہلوان کو سہارا دے کر لے گئے۔

اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ ایک شیہ کا پنجرہ نہ جانے کس طرح کھلا رہ گیا تھا اور وہ موقع پاتے ہی، دھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ خوفناک منظر میں بھر پور اچھلا تھا۔ پنجرے سے باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس طرف لپکا جہاں شہنشاہ اور ملکہ اپنے معتمدین اور دیگر زعما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ غیر معمولی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جا رہا پانچ محافظ تلواریں سونتے ہوئے شیر کی طرف لپکے لیکن اس نے ایک پنجے میں وہ محافظوں کو ڈھیر کر دیا۔ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ باقی محافظ بھاگ نکلے۔ اچانک شہنشاہ اور ملکہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمائدین شہر بھی کھڑے ہو گئے۔ مجمع پر گویا سکتہ طاری ہو گیا۔ بازو کا ایک دستہ تیزی سے پیچھے کی جانب بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ نیزہ بردار بھی تھے۔ لیکن میرا اندازہ تھا کہ جب تک یہ دستہ شیر کے پاس پہنچے گا، اس وقت تک شیر شہنشاہ اور ملکہ کے پاس پہنچ چکا ہو گا۔ میں نے بجلی کی سی

تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور شیر کو راستے میں ہی روک کر اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کے دونوں پنجے پکڑ لیے۔ مجمع میں جیسے غدر برپا ہو گیا۔ لوگ بری طرح چیخ رہے تھے۔ سب کو یقین تھا کہ شیر میری تکا بوٹی کر کے چبا لے گا لیکن دو گز کی حیران نظروں نے دیکھا کہ شیر کی لاش نیچے پڑی ہے اور میں فتح مندانہ انداز میں اس کے جسم پر تیر رکھے کھڑا ہوں۔ مجھے ملکی سی خراش تک نہ آئی تھی۔

اس برسے میں تلوار بازوں اور نیزہ بازوں کا دستہ ہمارے قریب آ چکا تھا۔ وہ لوگ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ "تم نے اسے ہلاک کر دیا!" ایک تلوار باز نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مگر تمہارے جسم پر کوئی زخم تک نہیں آیا!"

"میں نے اسے زخم لگانے کا موقع نہیں دیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

شہنشاہ کے حکم پر مجھے دوبارہ اس کے اور ملکہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ میری جرأت اور بہادری کا یہ واقعہ دیکھنے والوں کے لیے پتا، لیکن سُننے والوں کے لیے ناقابلِ یقین ہے نوجوان۔" شہنشاہ نے کہا۔ "تو نے اس درندے کو جس انداز میں ہلاک کیا ہے، اس کی مثال اعتصر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یقیناً دیوتا تجھ پر مہربان ہیں۔"

"تو حیرت انگیز حد تک بہادر نوجوان ہے ملکہ نے میرے جسم کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کمال تو یہ ہے کہ شیر سے تیرے جسم پر ایک نشان بھی نہ ڈال سکا۔"

میں عزت افزائی کے لیے معزز شہنشاہ اور ان کی لائق تعظیم ملکہ کا شکر گزار ہوں عالی جاہ۔" میں نے اپنے استاد کے انداز میں لفاظی کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں صرف اپنے استاد کی توقیر بڑھانا چاہتا تھا اور نہ جانے ان عالی جاہ والی جاہ قسم کے لوگوں سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

شہنشاہ نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور جب اسے معلوم ہوا کہ میں طوفان کلب سے تعلق رکھتا ہوں جس کا سربراہ استاد شکند ہے، تو اس نے استاد کو بلوا بھیجا۔ استاد جب آیا تو اس کے چہرے سے خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس نے شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور ان دونوں نے استاد کو مبارکباد دی کہ اس کے کلب میں ایسا غیر معمولی بہادر انسان موجود ہے۔ ایک مزے کی بات یہ ہوئی پروفیسر کراس بنگلے میں سب لوگ یہ بات بھول گئے کہ میں سرسبز والوں کے شمشیر زن کے ساتھ زیرِ حراست تھا اور ہمارے درمیان قطعے کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام پر ہونے والا تھا۔ شہنشاہ نے استاد کو حکم دیا کہ وہ دوسرے دن مجھے لے کر دربار میں حاضر ہو جہاں مجھے مناسب انعامات سے نوازا جائے گا۔ میں نے محسوس کیا کہ ملکہ کی نگاہیں برابر میرے جسم کا طواف کر رہی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ شہنشاہ کے گرد موجود لوگوں میں سے ایک شخص مجھے ناپسندیدگی اور شبہے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے جیسا کہ بعد میں استاد نے مجھے بتایا، اس شخص کا نام طالیموس تھا اور وہ شہنشاہ کے خصوصی مقربین میں سے ایک تھا۔

استاد کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ طوفان کلب نے مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں اور پورے ایتھنزیر اسی کا نام گونج رہا تھا۔ میں نے شیر کو ہلاک کر کے جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کی دھوم سارے شہر میں مچ گئی تھی، اور میرے نام کے ساتھ طوفان کلب اور استاد کا نام آنا تو جیسے ضروری تھا ہی۔ استاد کے لیے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ شہنشاہ نے خود ہم لوگوں کو دربار میں طلب کیا تھا جہاں وہ مجھے انعام دینا چاہتا تھا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب میرا کام ختم ہو چکا ہے، اور میں واپس شمر نجانہ کے کیمپ چلا جانا چاہتا ہوں جہاں میں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے درباروں اور انعام واکرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ میری طرف سے یہ انعامات خود حاصل کر سکتا ہے، لیکن استاد بضد رہا کہ میں کچھ روز اور قیام کروں، اور کل دربار میں ضرور حاضری دوں، ورنہ شہنشاہ اسے حکم عدولی پر محمول کرے گا اور استاد کی حیثیت متاثر ہو گی۔

میں ایک بار پھر استاد کے کہنے پر رک گیا اور دوسرے دن استاد کے ساتھ دربار میں پہنچا۔ ایتھنز کے دربار کی شان و شوکت واقعی قابلِ دید تھی، لیکن مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہتا تھا۔ میری اور استاد کی درباری مناسب طور پر پذیرائی کی گئی، لیکن طالیموس کی نظروں میں میرے لیے بدستور ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "حضورِ والا، مجھے یہ شخص کوئی خطرناک قسم کا جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ کل اس نے جس طرح شیر کو ہلاک کیا، وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے جسم اور بالوں کی رنگت سنہری ہے، کیا آپ نے کبھی کوئی سنہرا انسان دیکھا ہے؟ میرے خیال میں یہ شخص کسی خطرناک ارادے سے ایتھنز میں داخل ہوا ہے اور میری ناچیز رائے میں آپ اس کو اس وقت تک قید میں رکھیں جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص کی اصلیت کیا ہے۔"

استاد، طالیموس کی باتیں سُن کر سخت پریشان ہوا، وہ تو مجھے لے کر یہاں انعام کے لیے آیا تھا، اور یہاں میری گرفتاری کے مشورے ہو رہے تھے۔ ابھی استاد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ شہنشاہ نے طالیموس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "اس کی اصلیت کس طرح معلوم کی جا سکتی ہے؟"

"اسے بڑے دیوتا کے مقدس مندر میں دیوتا کے بت کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اگر یہ جادوگر ہے تو خود بخود جل کر بھسم ہو جائے گا کیونکہ دیوتا کے بت کے سامنے کوئی جادوگر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ جادوگر نہیں ہے تو زندہ واپس آ جائے گا۔" طالیموس نے کینہ بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیری تجویز معقول ہے طالیموس۔" شہنشاہ نے جواب دیا۔ "اور یہ ہی تو بھی کرے گا۔ آج رات تو اسے دیوتا کے مندر میں لے جائے گا پجاری کے بیٹے یہ شخص محل کے قید خانے میں رہے گا۔"

استاد کی زبان گنگ ہو گئی، لیکن میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں یقین دلایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ سپاہیوں کے جلو میں ایک قید خانے میں جو محل کے اندر ہی موجود تھا، مجھے نظر بند کر دیا گیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموش رہا۔

رات کو طالیموس اپنی منحوس صورت لیے ہوئے مسلح سپاہیوں کے دستے کے ساتھ قید خانے میں آیا اور مجھے نکال کر لے چلا۔ مسلح سپاہی میرے ساتھ تھے۔ ہم لوگ بڑے دیوتا کے مندر کے قریب پہنچے اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ طالیموس آگے آگے تھا اور میں اس سے پیچھے، اور میرے پیچھے سپاہیوں کی ایک بھاری جمعیت۔ کئی دالانوں اور کمروں سے گزرتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے جس کے ایک کنارے ایک بہت بڑا مجسمہ تھا جس کے قدموں میں ایک زبردست الاؤ روشن تھا۔ اس وقت اس الاؤ کو رسم کا ایک حصہ ہی سمجھا، لیکن اس کی اصل وجہ بعد میں معلوم ہوئی۔ کمرے میں آنے کے بعد طالیموس نے تمام مسلح سپاہیوں کو باہر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور صرف تین چھوٹے افسروں کو جو بڑے معتمد و توتش کے مالک تھے، ساتھ رہنے دیا۔ اس کے مجھے الاؤ کے پاس لے جانے کا حکم دیا۔ میں جیسے ہی الاؤ کے نزدیک پہنچا، اچانک پیچھے سے مجھے پورے زور سے الاؤ میں دھکیل دیا۔ میں چونکہ اس کے لیے تیار نہیں تھا مجھے اس قسم کی کسی بات کی توقع تھی۔ اس لیے میرا توازن برقرار نہ رہ سکا اور الاؤ میں جا گرا۔ "یہ اڑتیسویں کے قتل کا بدلہ ہے بدنصیب!" اس نے مجھ سے کہا۔ "میں اڑتیسویں کا دوست تھا۔ اور جب وہ تجھے اور دینے کے لیے نکلا تھا تو مجھے بتا کر گیا تھا لیکن اس کے بعد سے چلا نہ اس کے ساتھیوں کا۔ سب کو جیسے زمین نگل گئی۔ اور پھر تو خانہ کے مردہ جسم کو یہ کہہ کر دفن کروا دیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے ہو گئی ہے، اور اس بات سے میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ اڑتیسویں ساتھی لڑائی میں تیرے ہاتھ سے مارے گئے اور تلوار بھی ہلاک ہو ہی نکالی میں نوکب سے تیری تاک میں تھا۔ آج میرا موقع لگا ہے اور شاہ کے حضور میں تیری راکھ پیش کروں گا۔"

میں بول رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب میری چیخیں بلند ہوں گی لیکن رک گیا، کیونکہ اس کے کانوں نے ابھی تک کوئی چیخ نہیں جسم کے سارے کپڑے جل گئے اور میں آگ میں ایک نئی زندگی اور نئی توانائی حاصل کر رہا تھا۔ میں الاؤ میں لیٹ گیا تھا پہنچے شعلوں کے سبب طالیموس اور اس کے ساتھیوں کو کچھ نظر نہ آیا۔ شاید وہ چیخنے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا۔ طالیموں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اب تک وہ مر چکا ہو گا۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اب ہمیں چلنا چاہیے ہم شہنشاہ کو بتائیں گے کہ آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

"ابھی نہ لو، ادھر ٹھہرو۔" طالیموس نے کہا۔ "اسے پوری طرح جل جانے دو۔"

اور میں کافی دیر تک مشعل آتش کرنے کے بعد اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ میری نس نس میں ایک نئی زندگی، نئی توانائی دوڑ رہی تھی۔ مجھے الاؤ سے زندہ سلامت باہر نکلتا دیکھ کر وہ چاروں پتھر کے بت بن گئے۔ حیرت کے مارے ان کے منہ سے کوئی آواز ہی نہیں نکلی۔ وہ مجھے فرمزہ ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرا جسم پالش کیے ہوئے سونے کی مانند اس طرح چمک رہا تھا کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

طالیموس نے سب سے پہلے بھاگنے کے لیے قدم اٹھایا، لیکن میں نے ڈانٹ کر اسے روک دیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ گویا اس کے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ اس کے تینوں ساتھی زرد پتیوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ دہشت نے ان کے حواس مختل کر دیے تھے۔ میں نے لپک کر طالیموس کو پکڑ لیا اور ان تینوں چھوٹے افسروں سے کہا کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ میں نے جانگ طالیموس کو الاؤ میں اچھال دیں۔ طالیموس کی چیخیں صرف چند لمحوں کے لیے بلند ہوئیں اور پھر صرف الاؤ میں نکلیاں چٹخنے کی آوازیں آتی رہیں۔ تینوں چھوٹے افسر بے حس و حرکت تصویر حیرت بنے کھڑے تھے۔

"کیا تم لوگ زندہ رہنا چاہتے ہو؟" میں نے ان سے سوال کیا۔

وہ تینوں میرے قدموں میں گر پڑے اور گڑگڑا کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔

"اچھا تو سنو۔" میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگ مجھے شہنشاہ کے پاس لے چلو گے۔ وہاں چل کر یہ کہو گے کہ طالیموس مجھے آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا، لیکن اس کے اپنے جسم کا توازن بگڑ گیا اور وہ خود الاؤ میں گر پڑا۔ اس کے علاوہ تمہیں اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

وہ تینوں خوشی خوشی اس بات کے لیے راضی ہو گئے۔ جان کے خوف نے انہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ان میں سے ایک کا بازو اتروا لیا اور اس سے اپنے جسم کو ڈھانپا۔ ہم لوگ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

دوسرے دن صبح دربار میں استاد بھی موجود تھا۔ تینوں چھوٹے افسروں نے مجھے شہنشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہی بات دہرائی جو میں نے ان کو بتائی تھی۔ شہنشاہ نہ سخت متعجب ہوا۔ تین اسطونیہ، جو اس کے برابر بیٹھی تھی، کہنے لگی۔ "عالی جاہ میرا خیال ہے کہ دیوتاؤں نے طالیموس کو سزا دی ہے اس نے ایک بڑی، بہادر اور حوصلہ مند انسان پر جھوٹا الزام لگایا اس کی توہین کی

تھی۔ دیوتاؤں نے یہ بات سخت ناپسند کی اور اس کو حکم دیا کہ وہ طالیوس کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔" ملکہ میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنی دانش مند ملکہ کی فہم و فراست کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" شہنشاہ نے کہا "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شہزور جادوگر نہیں ہے، بلکہ دیوتاؤں نے اس پر مہربانیاں کی ہیں اور اسے زبردست جسمانی قوت عطا کی ہے۔ وہ ایتھنز کے لیے ایک قابلِ فخر انسان ہے۔ میں اس کو اور اس کے استاد اسکندر کو عزت و انعام کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

اور پھر شہنشاہ کی طرف سے میں بہت سے قیمتی انعامات عطا کیے گئے۔ میرے لیے الگ انعامات تھے استاد کے لیے الگ اور ہمارے کلب کے لیے الگ۔ جب ہم لوگ دربار سے رخصت ہوئے تو انعامات سے لدے پھندے تھے۔ لوگ ہمیں رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ استاد کو وہ ہی خوشی تھی۔ ایک تو اس بات کی خوشی کہ میں طالیوس کے چنگل سے بچ گیا اور دوسرے اس عزت و احترام کی خوشی تھی جو ہمیں دربار میں حاصل ہوا تھا۔

کلب میں پہنچ کر استاد نے مجھ سے طالیوس کے بارے میں حقیقت دریافت کی۔ اور میں نے ایک بار پھر مصلحت کی بنا پر حقیقت کی پردہ پوشی کے لیے مجبور تھا میں نے استاد کو بتایا کہ اصل بات وہی ہے جو ہمیں افسروں نے شہنشاہ کے سامنے بیان کی ہے۔ طالیوس مجھے واقعی الاؤ میں دھکیلنا چاہتا تھا لیکن میں تیزی سے ایک طرف ہو گیا اور وہ اپنی جونک میں آگ میں گر کر جل گیا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ طالیوس کو تم سے کیا دشمنی تھی؟" استاد نے پوچھا۔ "تم دونوں تو ایک دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے۔"

"وہ شہنشاہ کے مقربین میں سے تھا۔" میں نے اصل بات کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ میری حمایت سے خوفزدہ ہو گیا ہو اور اس نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں میں شہنشاہ کے زیادہ قریب نہ آ جاؤں۔ اور آئندہ چل کر اس کی راہ میں دشواریاں نہ پیدا کر دوں۔ اس لیے وہ مجھے شر سے ہی اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" استاد نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے شیطانی ذہن نے پورا منصوبہ سوچ سمجھ کر بنایا تھا۔ اور تم بروقت سنبھل کر الگ نہ ہٹ جاتے تو اس وقت تک تمہاری راکھ کا بھی پتہ نہ چلتا۔ اور شہنشاہ کو یہی یقین دلایا جاتا کہ تم جادو گر تھے اور دیوتاؤں نے تمہیں جلا ڈالا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ استاد کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ طالیوس مجھے الاؤ میں گرانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اپنی دانست میں اس نے مجھے جلا کر بھسم کر ڈالا تھا۔ لیکن میں پھر بھی زندہ سلامت تھا۔ بعد میں استاد کو یہ کیسے بتا سکتا تھا کہ میں تو مثلِ آتش کر کے آیا ہوں۔

اس روز سارا طوفان کلب میں شہر کے معززین و عمائدین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جو مجھے اور استاد کو جاری کامیابیوں کی مبارکباد دینے آ رہے تھے۔ استاد نے آنے والے مہمانوں کی بڑی تکلف خاطر تواضع کا اہتمام کیا تھا۔ استاد کے بعد پورے کلب میں جو شخص سب سے زیادہ خوش تھا وہ عزیز تھا۔ ویسے اس نے بھی نیزہ بازی کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی اور طوفان کلب کے اعزازات میں ایک کا اضافہ کیا تھا۔ سارا دن لوگوں کی مبارک بادیں وصول کرتے گزر گیا اور رات کو استاد نے نہایت پُرتکلف کھانے کا بندوبست کیا۔

اب اس استاد کے سارے قرضے چکا چکا تھا اور اب مجھ پر اس کا کوئی اخلاقی دعویٰ باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میں نے استاد کو بتایا کہ میں ایک دن اور قیام کرنے کے بعد اس سے اگلے دن گاؤں روانہ ہو جاؤں گا۔ جہاں شہزور میرے انتظار میں بے چین ہو گی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا ایک ایک لمحہ بڑی مشکل سے گزر رہا ہو گا۔ خود میں بھی اس کے لیے بے چین تھا اور جلد از جلد اس کے پاس پہنچ کر کچھ دن آرام اور سکون کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

استاد میری بات سُن کر افسردہ ہو گیا لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے کہا کہ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ میں مستقلاً یہاں قیام کرتا اور اس کلب کو ہی اپنا گھر سمجھتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں اس کے کام کو جاری رکھوں اور اس کلب کا نظم و نسق سنبھال لوں۔ لیکن میں نے بڑی نرمی سے استاد کی پیشکش مسترد کر دی اور اس سے کہا میں اس قسم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ میں نے وہ تمام انعامات جو شہنشاہ کی جانب سے مجھے ملے تھے، استاد کے حوالے کرنے چاہے، لیکن اس نے انہیں لینے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

مجھے اب یقین تھا صرف ایک دن اور رکنا تھا، اور اس سے اگلے دن علی الصباح روانہ ہو جانا تھا۔ لیکن روانگی سے پہلے والے دن صبح کو جب میں ناشتہ کرنے کے بعد ایتھنز کی آخری بار سیر کرنے کی غرض سے کلب سے باہر نکلا تو میں نے صدر دروازے کے قریب ایک شخص کو کھڑا دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف بڑھا۔ "آپ کے لیے ایک ضروری پیغام ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"تم کون ہو اور تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ میں باہر ضرور نکلوں گا؟ تم اندر کیوں نہیں آئے؟"

"میں تھوڑی دیر اور انتظار کرتا۔ اس کے بعد اندر آ کر آپ سے تنہائی میں ملاقات کرتا۔ یہی ملکہ کا حکم ہے۔ ان کا پیغام آپ کو بالکل تنہائی میں دیا جائے۔" اس شخص نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہاری ملکہ؟" میں نے پوچھا۔ "کون ہے تمہاری ملکہ اور مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"میری ملکہ کا نام ملکہ اسطوفینہ ہے اور وہ شہنشاہ تالاش کی بیوی ہے۔" اس شخص نے مرعوب لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ "ملکہ نے آپ کے لیے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ آج سورج ڈھلنے کے ایک ساعت کے بعد شاہی محل کے مغربی کنارے والے چھوٹے دروازے پر آ جائیں۔ دروازہ آپ کو کھلا ملے گا۔ اس میں سے گزر کر آپ سیدھے چلے جائیں تو باغ کے پیچھے اونچی سنسان جگہ

پہنچ جائیں گے جہاں ایک کمرے والی ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ ملکہ وہیں آپ کی منتظر ہوں گی۔ ملکہ کا حکم ہے کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتائیے گا۔"

"لیکن ملکہ اسطوفینہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"شہنشاہ ایتھنز کی بیوی مجھ سے تنہائی میں اس قدر رازداری کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتی ہے۔"

"اس کا جواب تو ملکہ عالیہ آپ کو خود ہی دے سکتی ہیں۔" اس شخص نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میرا کام تو آپ کو ملکہ کا پیغام پہنچانا تھا۔ سو میں نے پہنچا دیا ہے۔ ملکہ کا معتمدِ خصوصی ہوں اور میرا نام راسل ہے۔ اچھا، عبادت دیجئے۔" اتنا کہہ کر وہ شخص چل دیا۔

میں اس ملاقات کا مقصد کچھ کچھ سمجھ رہا تھا، لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ جو کچھ میں سوچ رہا ہوں وہ درست ہے۔ ملکہ ایک سادہ سیدھی اور ڈھلی ہوئی عمر کی عورت تھی۔ میں اس سے کسی بھی شکل میں توقع کر سکتا تھا کہ وہ مجھ سے جسمانی سودگی کی طلبگار ہو سکتا ہے وہ کسی اور سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتی ہو۔ میں نے ایتھنز کے عظیم المثال مُنہ زنے پیش کیے تھے اور ایتھنز میں ہر طرف گھوڑوں کی گرم بازاری تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی امیر یا وزیر کو محکمانہ نگوانا چاہتی ہو۔ بہرحال اس ملاقات کے لیے آمادہ نہیں تھا کیونکہ میں اب جلد از جلد اس شہر کو چھوڑ جانا چاہتا تھا۔ نہ معلوم ملکہ میرے منہ سے کیا کام نکالنا چاہتی تھی۔ مجھے کتنے دن اور رُکنا پڑتا۔ میں نے سوچا کہ بہتر یہی ہے کہ ملکہ کے انتظار میں رکنے کے بجائے میں کلب کا رُخ کروں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ شاید ملاقات کے نتیجے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے استاد اور کلب کو آئندہ چل کر کوئی فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ چنانچہ میں نے طوعاً و کرہاً خفیہ ملاقات کرنا قبول کر لیا۔ میں نے کلب میں واپس آ کر عزیز کو الگ لے جا کر ساری بات بتا دی اور اس کو ہدایت کی کہ وہ استاد سے اس کے بارے میں گفتگو کر کے مغرب کے بعد مجھے بھی آ کر ملکہ سے مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محل کے مغربی دروازے پر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرف روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا کیونکہ یہ دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا اور صرف ہنگامی حالت میں کھولا جاتا تھا۔ میں نے کلب سے روانہ ہوتے وقت اپنے آپ کو یاد دلایا تھا کہ میں ملکہ کے حکم کے مطابق اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ میں دروازے پر پہنچا اور میں نے اسے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ باغ میں پھیلے ہوئے کی آخری تاریکیاں تھیں اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے بائیں طرف بہت دور روشنیاں نظر آ رہی تھیں جہاں یقیناً شاہی محل تھا۔ دور دور تک سیدھا چلتا ہوا باغ کے سنسان اور ویران گوشے میں داخل ہو گیا۔ جہاں اندھیرے میں سفید رنگ کی ایک بالکل چھوٹی سی عمارت نظر آ رہی تھی۔ عمارت کے دہانے سے آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑی تھی۔ عمارت کے دہانے دروازہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن اس کی دہلیز میں سے ہلکی ہلکی روشنی چھوٹ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر ہلکا سا دھکا لگایا۔ دروازہ کھل گیا۔ میں محتاط انداز میں اندر داخل ہو گیا۔

"تم آ گئے۔" منہ ہی منہ والے حسین شہزور نے میرے کانوں میں ملکہ اسطوفینہ کی نرم و شیریں آواز گونجی۔ وہ سامنے ایک کرسی پر براجمان تھی۔

"میں آپ کے حکم کے مطابق حاضر ہوں ملکۂ عالیہ۔" میں نے زمین پر نظریں گاڑے ہوئے جواب دیا۔ "دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ مجھے کام بتا کر آپ فوراً رخصت کر دیں کیونکہ اس طرح آپ کی عزت و وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہے۔ اس تنہائی اور ویرانے میں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"ان رسمی باتوں کو چھوڑو شہزور۔" ملکہ نے کہا۔

"ملکۂ عالیہ، آپ ایتھنز کے شاہ ذی وقار کی بیوی ہیں۔ آپ ایتھنز کی آبرو ہیں۔ کوئی ایسا قدم مت اٹھائیے جو آپ کے منصب اور شان کے منافی ہو۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ آپ ایک شاہی مشیر اور معزز ترین خاتون ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔" اور میں وہاں سے چلنے لگا لیکن اسطوفینہ نے میرا راستہ روک لیا۔ "تم اس طرح نہیں جا سکتے شہزور۔" اس کی آواز جھلاہٹ تھی۔ "تمہیں اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیے۔ یونان کی ملکہ تمہیں دعوت دے رہی ہے۔"

"مجھے اس دعوت کے قبول کرنے سے معذور سمجھا جائے ملکہ عالی مرتبت۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ میں شہر کنانہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو نوجوان۔ اور اس سلطنت کی سرزمین پر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا جس نے میری توہین کی ہو۔" ملکہ نے غصے سے کہا۔

"آپ خود اپنی توہین پر آمادہ ہیں ملکۂ عالیہ۔" میں نے کہا۔

"کیا تم نے اس عمارت سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کی اونچی باڑ دیکھی ہے؟" ملکہ نے عجیب و غریب سوال کیا۔

"جی ہاں، میں نے دیکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس دور تک پھیلی ہوئی باڑ کے پیچھے دو جنوں مسلح پہرے دار موجود ہیں جو میری ایک چیخ کے جواب میں چند سیکنڈ کے اندر اندر یہاں آ سکتے ہیں کیا تم پسند کرو گے کہ تم پر ایتھنز کی ملکہ پر تنہائی میں بدنیتانہ حملہ کرنے کا الزام عائد کیا جائے اور تم عبرتناک موت سے ہم کنار ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں موت کو ترجیح دوں گا۔" میں نے اکھڑ کر جواب دیا۔

غصے اور تذلیل کے احساس سے ملکہ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "میں ——— میں تمہیں آخری موقع دیتی ہوں احمق۔ اب بھی سوچ لو۔"

"میں مجبور ہوں ملکۂ عالیہ۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ملکہ کا شاہی غرور اس کے جذبۂ عشق پر غالب آ گیا۔ وہ اچانک ہی

حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی "بچاؤ ـــــ بچاؤ ـــــ دوڑو ـــــ دوڑو ـــــ"
اور اس کے ساتھ ہی دور سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پہرے دار بلا پھاڑ کر اندر آ رہے تھے۔ میں فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ میں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ کیے جانے والے سارے ظلم و بربریت سے بھرے ہوئے اس شہر کے محافظوں اور ان کے حواریوں کو ایسا سبق دوں گا جسے وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔

بھاگتے ہوئے سپاہی پہریدار عمارت کے کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ملکہ سلوفینہ کی تصویر بنی بُری طرح آہ و بکا کر رہی تھی "اسے گرفتار کر لو" ملکہ نے چیخ کر کہا "میں یہاں تنہائی میں سیر کرنے آئی تھی کہ یہ بیسوی خلوت میں زبردستی گھس گیا۔ یہ مجھے بے عزت کرنا چاہتا تھا"

پہرے داروں کی تعداد ایک درجن سے کم نہیں تھی اگر وہ ہزاروں کی تعداد میں بھی ہوتے تو میرا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ لیکن میں نے مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا سو انہوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ دیا۔

میں نے بغیر کسی مزاحمت کے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا اور سپاہیوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ لیا۔

مجھے انتقام کی اس بھیانک اور مکروہ حرکت پر سخت غصہ تھا۔ اس نے میرے ساتھ واقعی بڑا ظلم کیا تھا۔ میری شرافت اور نیکی کے بدلے وہ میری جان کے درپے ہو گئی تھی اور اب اس نے میری زندگی کو ختم کروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مجھے میری حکم عدولی اور گستاخی کی پوری پوری سزا دلوائے بغیر نہ چھوڑے گی اور ٹھیک ہی ہے کہ اس نے جو الزام میرے اوپر لگایا تھا اس کی سنگینت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی۔ کسی شخص میں اتنی جرأت ہو سکتی تھی کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ تا لاش کی ملکہ اسلوفینہ کی جانب بُری نظر سے دیکھے؟ اور ایسی جرأت کرنے والا شخص بھلا کیونکر زندہ رہ سکتا تھا؟ ادھر میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ ملکہ اسلوفینہ کو اس کی مکاری اور دغابازی کی سزا دیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک یاد رکھے گی۔ اور جب تک وہ زندہ رہے گی کبھی کسی بے گناہ مرد پر ایسے گھٹیا اور جھوٹے الزامات لگانے کی جرأت نہیں کرے گی۔ چنانچہ اپنے اس فیصلے کے تحت میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور سپاہیوں کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی۔

"ارے یہ تو شہزور ہے" ایک سپاہی نے مشعل میرے قریب لا کر مجھے دیکھتے ہوئے غور سے کہا۔

"ہاں یہ شہزور ہے" دوسرے نے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے؟ اور یہ محل میں گھسا کیسے؟"

"اسے پہاڑی والے قید خانے میں لے جا کر قید کر دو" ملکہ اسلوفینہ نے چیخ کر سپاہیوں کو حکم دیا۔ "یہ چوروں کی طرح شاہی محل میں گھسا ہے اور اس نے مجھے تنہا پا کر میری عصمت پر حملہ کرنا چاہا"

"تمہاری عزت؟" میں نے تلخی سے کہا۔ "ملکہ اسلوفینہ کیا واقعی تمہاری بھی کوئی عزت ہے؟"

"خاموش گستاخ" ایک سپاہی نے میرے منہ پر زور سے لات مارتے ہوئے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کو کہنے لگا۔ ملکہ اسلوفینہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"تم نے اپنی شجاعت و جرأت کی قوتوں کا بڑا گھٹیا استعمال کی کوشش کی ہے شہزور" دوسرے سپاہی نے میرے جسم کے گرد رسیوں کی گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ نے تمہیں عزت بخشی تھی اور تمہیں گراں قدر انعام و اکرام سے نوازا تھا، لیکن افسوس کہ تم نے ان اعزازات کی قدر نہیں کی۔ اب موت تمہارا مقدر ہے اور تم اسی کے مستحق بھی ہو۔ لیکن مجھے ذاتی طور پر اس کا افسوس ہو گا کہ تم اس طرح اچانک اپنے ایک بہادر سے محروم ہو جائے گا"

"یہ موت کی آرزو کرے گا اور موت اس سے بھاگے گی" ملکہ اسلوفینہ نے لفظ سے دانت پیس کر کہا۔ "میں اسے اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔ اس نے میری بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے میں اس کے جسم کے روئیں روئیں سے اپنا انتقام لوں گی۔ یہ میرا قیدی ہے اور میں ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کروں گی"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے اسلوفینہ" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "میں ہمیشہ اپنے مقدر کا فیصلہ خود ہی کرتا ہوں"

"اسے لی الحال پہاڑی والے قید خانے میں لے جاؤ" ملکہ اسلوفینہ نے میری بات کو سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔ "اور وہاں لے جا کر اسے بند کر دو۔ اور خبردار اس واقعے کی اطلاع اس وقت تک کسی کو نہ ہو جب تک کہ میں خود اس کا حکم نہ دوں۔ خود شہنشاہ کو بھی ابھی اس کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود انہیں مناسب وقت پر اس واقعے سے آگاہ کروں گی۔ فی الحال اسے ارکیداس کی تحویل میں دے دو اور اسے میری طرف سے ہدایت کر دو کہ اس کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے"

سپاہیوں نے ذمہ داری کے ساتھ اپنی گردنیں جھکا دیں اور میرے رسیوں میں بندھے ہوئے جسم کو گھسیٹتے ہوئے ایک راہداری کی طرف چل دیے۔

ہم لوگ محل کے اسی پچھلے دروازے سے باہر نکلے جس دروازے سے میں کچھ دیر پہلے داخل ہوا تھا۔ لیکن اب کی اور اب کی صورتِ حال میں بڑا فرق تھا۔ اس وقت میں آزاد انہ طور پر اور اپنی مرضی سے محل میں داخل ہوا تھا اور اب میں ظاہراً ملکہ اور اس کے سپاہیوں کی رحم و کرم سے اس جگہ سے جا رہا تھا۔ محل کے دروازے کے باہر گھپ اندھیرا اور گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی جاندار کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے تاریکی میں سپاہیوں کے ہیولوں کو گننے کی کوشش کی۔ وہ تعداد میں دس تھے اور انہوں نے چاروں طرف سے مجھے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

ہم لوگوں کا پیدل سفر نہ جانے کتنی دیر تک جاری رہا۔ اندھیرے میں سمت اور مقام کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ تاہم اٹکل اندازہ تو میں لگا ہی سکتا تھا کہ ہم لوگ شہری حدود سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب جس علاقے سے گزر رہے ہیں وہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے اور ادھر ادھر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے ہیں۔

آخر کافی دیر تک چلنے کے بعد ہم تاریکی میں ڈوبی ہوئی پتھروں کی ایک مہیب عمارت کے دھندلے دھندلے نقوش میری نگاہوں کے سامنے ابھرنے لگے۔ یہ عمارت پہاڑیوں کے درمیان میں اس طرح سے بنی گئی تھی کہ باہر سے دیکھنے میں بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی۔ ہم لوگوں کا قافلہ ایک بڑی سی چٹان کے سامنے سے گزر کر مڑا تو اسی چٹان کے پیچھے چھپا ہوا وہاں لکڑی کا ایک بہت بڑا اور بھاری بھرکم صدر دروازہ ہمارے سامنے تھا جس کے آگے دو مسلح محافظ قبل رہے تھے۔ دروازے پر ایک چربی کی مشعل جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی میں محافظوں کی شکلیں بڑی پُراسرار اور خوفناک لگ رہی تھیں۔

"کون ہے؟" دونوں پہریداروں میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی۔ اس نے فوراً نیام میں سے اپنی تلوار باہر نکال لی۔ دوسرے محافظ نے آگے بڑھ کر دیوار میں لگی ہوئی مشعل کو نکال کر ہاتھ میں لہراتے ہوئے ہماری طرف بڑھا۔

"ارکیداس کہاں ہے؟" ہمارے قافلے کے سردار کے محافظ کے سوال کا نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ارکیداس ابھی ذرا دیر پہلے اپنے گھر گیا ہے" محافظ نے جواب دیا۔ "تم کون ہو اور یہ کس قیدی کو یہاں لائے ہو؟"

"ہم شاہی محل کے محافظ ہیں" ہمارے قافلے کے سردار نے جواب دیا۔ "ہم جلدی سے ارکیداس کو بلواؤ۔ ہم ملکہ اسلوفینہ کے قیدی کو لے کر آئے ہیں"

"ملکہ اسلوفینہ کے قیدی کو؟" اس شخص نے کہا اور پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ ارکیداس کو بلا لائے۔

ارکیداس یقیناً گہیں بالکل ہی قریب رہتا تھا کیونکہ ایک منٹ میں وہ اس محافظ کے ساتھ آ گیا۔ میں نے نیم تاریکی میں ارکیداس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بے حد خوبصورت اور صحت مند جسم کا مالک تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جس کی شکل سے کافی رعب ٹپک رہا تھا۔

"اچھا تو یہ تم ہو گرمیر" اس نے ہمارے قافلے کے سردار کو پہچان کر اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا قصہ ہے؟"

قصہ یہ ہے میرے دوست کہ اس وقت انتظار کا نامی گرامی بہلوان شہزور اسلوفینہ کے قیدی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہے۔ ملکہ عالیہ اسلوفینہ نے ہمارے قافلے کو حکم دیا ہے کہ اسے پہاڑی والے قید خانے میں لے جا کر قید کر دیں۔ ملکہ عالیہ کا حکم ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بھی نہ بتایا جائے۔"

"ملکہ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر" ارکیداس نے جواب دیا اور اپنے لباس کی جیب میں سے چابیوں کا ایک بھاری سا گچھا نکالا۔ اس نے ایک چابی تلاش کر کے تالے میں لگائی۔ میں نے غور سے دیکھا وہ لوہے کا ایک بہت بڑا اور وزنی تالا تھا جو لکڑی کے دبیز پیکر دروازوں کے مضبوط آہنی کنڈوں میں لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے چابی لگا کر تالا کھولا اور دروازے کو آگے کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ گورمرا اور ارکیداس نے چار سپاہیوں کو اندر جانے کا حکم دیا اور باقی سے باہر ٹھہرنے کے لیے کہا۔ ایک سپاہی نے جلتی ہوئی مشعل ہاتھ میں لے لی۔ ہم لوگ ایک طویل ڈیوڑھی طے کر کے ایک اور بھاری دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس میں بھی ایک وزنی تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے ایک چابی سے وہ تالا کھولا اور ہم لوگ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہو گئے جس کے ایک کنارے پر سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ میرا جسم ابھی تک بُری طرح رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور دو محافظ میرے دائیں بائیں چل رہے تھے جبکہ ایک پیچھے سے مجھے ٹھوکے دے رہا تھا۔ ہم لوگ طویل سیڑھیاں اتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا لیکن یہاں بھی لکڑی کا ایک بھاری دروازہ تھا۔ جس میں ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے یہ تیسرا تالا بھی چابی کی مدد سے کھولا اور اب ہمارے سامنے ایک اور مختصر سا کمرہ تھا جس کی چھت اندھیرا ہونے کے باوجود بہت اونچی نظر آ رہی تھی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے سخت تعفن کا احساس ہوا۔ کمرے میں جگہ جگہ گھاس پھوس کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور موٹے موٹے چوہے اِدھر سے اُدھر دوڑ لگا رہے تھے۔ یہ تاریکی میں ان کی آنکھیں بڑے خوفناک اور پُراسرار انداز میں چمک رہی تھیں۔ دور ایک گوشے میں گھاس پھوس کے ایک ڈھیر پر ایک انسانی جسم پڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ اور روشنی کے باعث انسانی جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"قیدی" ارکیداس نے انسانی جسم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے تمہاری تنہائی دور کرنے کا سامان کر دیا ہے۔ آج تمہارے ساتھ اس کوٹھڑی میں ایک نئے قیدی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ تم اس کی صحبت سے اس وقت تک لطف اندوز ہو گے جب تک کہ اس کے مقدر کا فیصلہ نہیں ہو جاتا" اور اس کے ساتھ ہی ارکیداس نے حکم دیا کہ میرے جسم کی رسیاں کھول دی جائیں اور جیسے ہی سپاہیوں نے میری رسیاں کھولنی شروع کیں، ویسے ہی ارکیداس نے اپنی کمر سے لگی ہوئی تلوار نیام سے کھینچ کر نکال لی۔ گورمر اور باقی محافظوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں۔ میں نے اس اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ بھلا ان بونوں کے یہ کھلونے میرا کیا بگاڑ سکتے تھے؟ وہ اپنی دانست میں ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور اس خطرے کے پیشِ نظر کہ کہیں میں رسیوں سے آزاد

ہونے کے بعد فرار ہونے کی کوشش نہ کروں۔ انہوں نے اپنی تلواریں سونت لی تھیں لیکن ان بے چاروں کو اس بات کی کیا خبر تھی کہ ساری دنیا کی تلواریں بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔

"دور کونے میں چلے جاؤ۔" میری رسیاں کھل جانے کے بعد ارکید اس نے اپنی تلوار کی نوک کو میرے سینے میں چبھوتے ہوئے کہا۔

میں خاموشی اور فرمانبرداری کے ساتھ دور کونے میں اس طرف چلا گیا جہاں گھاس پھوس کے ڈھیر میں وہ انسانی جسم بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد ارکید اس، گومراد ران کے ساتھی احتیاط کے ساتھ کمرے کے باہر نکلے۔ بھاری دروازہ ایک چرچراہٹ کے ساتھ بند ہو گیا اور باہر سے تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی مشعل بھی باہر چلی گئی اور کمرے میں قبر کی سی تاریکی چھا گئی۔ ایسی دبیز تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ساری دنیا میں کسی نے بھیانک سیاہی انڈیل دی ہے۔ اندھیرا ہوتے ہی کمرے میں موٹے موٹے خوں خوار چوہوں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ وہ آزادی کے ساتھ ادھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ دو ایک چوہے میرے جسم پر بھی چڑھ آئے لیکن میں نے انہیں چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک دیا۔ میرے ہاتھ گندے ہو گئے اور مجھے سخت گھن آنے لگی۔

"میرا نام افلوس ہے۔" گھپ اندھیرے میں میرے قریب سے ایک مردانہ آواز بلند ہوئی۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"ایتھنز کے لوگ مجھے شہر بدر کہتے ہیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اور میں یہاں اس لیے لایا گیا ہوں کہ میں نے اسٹھنز کی بوڑھی اور قیاش ملکہ کی نفسانی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیا تھا بلکہ اسطوفینہ نے غصے اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے یہاں پھنکوا دیا ہے۔ اسطوفینہ کہتی ہے کہ اب وہ میرے مقدر کا فیصلہ خود کرے گی۔"

"وہ تو تم بھی اسطوفینہ کے زیر کے ڈسے ہوئے ہو۔" گھاس پھوس کے ڈھیر میں سے آواز آئی۔ "یہ تم مجھے تفصیل سے بتانا پسند کرو گے کہ اسطوفینہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

میں نے مختصراً اسے اسطوفینہ کے بلاوے، اپنے محل میں جانے اسطوفینہ کی دعوت سے انکار اور پھر گرفتاری کے بارے میں تبادلہ اقلوس خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا اور پھر مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ "اس وقت یہاں گھور اندھیرا ہے اور اس اندھیرے میں میں تمہاری شکل نہیں دیکھ سکتا لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ تم بہت خوبصورت اور صحت مند جوان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسطوفینہ نے تمہیں منتخب کیا تھا۔"

"بہرحال تم اگر اس کی دعوت قبول بھی کر لیتے تو بھی تمہارا انجام اس سے مختلف نہ ہوتا جو اب ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ

ہاں! ہاں میں۔" اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ جب میں پہلے پہل یہاں آیا تھا تو ان چوہوں کے ہاتھوں سخت پریشان ہوا تھا۔ وہ رات کو میرے اوپر چڑھ آتے اور کئی مرتبہ انہوں نے مجھے زخمی بھی کیا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے میں انہیں مار سکتا یا بھگا سکتا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اس کوٹھڑی میں گھاس پھوس کا بنا ذخیرہ لایا گیا جس میں اتفاق سے ایک موٹی اور نمی سے گلی ہوئی لکڑی بھی ساتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ یہ لکڑی مضبوط لکڑی کا تقریباً چار فٹ لمبا ٹکڑا تھا۔ اس لکڑی نے غلیظ رکھنے میں میری بڑی مدد کی۔ میں نے اس کے ذریعے راتوں کو کئی چوہوں کو مار کر ہلاک کیا اور اس کے بعد اپنے لیٹنے کے لیے ایک گوشہ تلاش کر لیا۔ اب چوہے اس گوشے کا رخ نہیں کرتے، کیونکہ وہ لکڑی سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ البتہ باقی سارے کمرے میں وہ دندناتے پھرتے ہیں اور خوب موٹے ہو رہے ہیں۔"

"لیکن ان چوہوں کو یہاں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اور اگر انہیں کھانے کو نہیں ملتا تو پھر وہ یہاں زندہ کس طرح ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اف میرے دوست میں تمہیں کیا بتاؤں کہ اس غلیظ تعفن زدہ مقام پر انسان کو کس کس طرح آزار پہنچایا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "ان چوہوں کو باقاعدہ پرورش کی جاتی ہے اور انہیں بھی روزانہ اسی طرح کھانا دیا جاتا ہے جس طرح قیدی کو دیا جاتا ہے۔ نہ جانے کہاں سے کھانے کی کوئی چیز جمع کی جاتی ہے، جس میں سڑی گلی اشیا بھی شامل ہوتی ہیں۔ غالباً یہ وہ اشیاء ہوتی ہیں جو لوگ اپنے گھروں کے باہر پھینک دیتے ہیں اور پھر اس سارے ملغوبے کو چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی خیانت اور پرورش کی غرض سے اس تہ خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ چوہوں اور دیگر بڑے کیڑوں کو جب پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے، اس لیے انہیں باہر کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی افزائش نسل بھی ہوتی رہتی ہے اور تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تاہم اس لکڑی کے مل جانے سے اتنا ضرور ہے کہ اب میری راتیں ذرا آرام سے گزر جاتی ہیں، ورنہ پہلے تو میں ساری ساری رات جاگ کر ان وحشی چوہوں سے جنگ کرتا رہتا تھا اور میری تمام تر مستعدی کے باوجود وہ مجھے اکثر لہولہان میں کامیاب ہو جاتے تھے۔"

"کس قدر اذیت سوز ماحول ہے اس تہ خانے کا۔" میں نے سرد مہری کے ساتھ کہا۔ "کیا کسی انسان کے لیے اتنی ہی سزا کافی نہیں ہے کہ اسے اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے؟ ہاں فاضل اول اس پر بھی نہیں بھرتا۔"

"اب یہ چوہے تمہیں بھی پریشان کریں گے۔" اقلوس نے کہا۔ "میں تمہیں لکڑی دیے دیتا ہوں۔ میں آج رات لکڑی کے بغیر ہی گزارہ کر لوں گا۔ تم اس کے بارے میں کچھ سوچیں گے؟"

"نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی تک کسی چوہے نے مجھ پر حملہ نہیں کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔"

"کیوں؟" اقلوس نے پوچھا۔ "کیا تم گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں ہو یا کیا تمہارا جسم مٹی اور پتھر سے بنایا گیا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اور فوراً ہی میرے ذہن نے ایک معقول عذر سوچ لیا۔ بات یہ ہے میرے دوست کہ ایک بار میں سخت بیمار پڑ گیا تھا اور کئی نامی گرامی طبیبوں نے میرا علاج کیا تھا۔ ان طبیبوں کی زبانی ہی مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ میرے بدن کے گوشت میں ایک خاص قسم کی مہک ہے جو حشرات الارض کے لیے سخت ناپسندیدہ ہے۔ اسی لیے کوئی چھوٹا موٹا جانور یا کیڑا مکوڑا میرے جسم کو نہیں چھوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے بدن کے گوشت کی یہ خصوصیت آج میرے لیے اس اندھیرے تہ خانے میں ایک بہت بڑا سہارا بن گئی ہے۔"

"حیرت ہے!" اقلوس نے جواب دیا۔ "میں نے آج تک اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی۔"

تھوڑی دیر ہم لوگ اسی طرح ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، اور پھر تھوڑی دیر بعد اقلوس خراٹے لینے لگا۔ میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں ابھی تک فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ میں اندھیرے میں ہی ٹٹول کر گھاس پھوس کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔ میری پشت کا دباؤ پڑتے ہی اچانک بڑے زور سے "پیں" کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جلدی سے اپنی پشت زمین پر سے ہٹالی اور اس جگہ کو ٹٹول کر دیکھا۔ وہاں ایک موٹا تازہ چوہا مرا پڑا تھا۔ اس کا جسم بے حرکت ہو گیا تھا، مگر اس میں گرمی موجود تھی۔ میں نے چوہے کے بھاری جسم کو انگلیوں سے پکڑ کر دور دوسرے کونے میں اچھال دیا اور خود آرام سے لیٹ گیا۔ چاروں طرف گہرا سکوت کا سناٹا طاری تھا اور رستے میں چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی سرسراہٹ ایک اچھے مضبوط دل گردے والے آدمی کو بھی خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی لیکن ظاہر ہے کہ میں ان تمام چیزوں سے لاتعلق تھا۔ میں سوچنے لگا۔ آج شام سے لے کر اب تک حالات میں کتنی زبردست تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ شام تک میں ایتھنز کا ہیرو تھا اور اس وقت ایک ویران اور تنگ و تاریک تہ خانے میں پڑا ہوا ہوں۔ جب میں کلب سے روانہ ہوا تھا تو صرف مغربیس کو معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اب جب میں ساری رات واپس نہیں جاؤں گا تو شاید مغربیس کو اتنی زیادہ تشویش نہ ہو، کیونکہ ممکن ہے وہ یہی سمجھے کہ میں ملکہ اسطوفینہ کی خلوتوں کا مہمان ہوں۔ لیکن جب کل دن میں بھی میں واپس نہیں پہنچوں گا تو استاد کو میری تلاش ہوگی اور مغربیس مجبور ہو گا کہ استاد کو میرے بارے میں بتا دے۔ میری گمشدگی استاد کے لیے واقعی پریشان کن ہوگی۔ ہو سکتا ہے اسے اپنے کسی آدمی کے ذریعے میری گرفتاری کی اطلاع مل جائے، کیونکہ اس کا شمار بھی ایتھنز کے بارسوخ لوگوں میں ہوتا ہے اور

اس کی پہنچ دور دور تک ہے۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ملکہ اسطوفینہ کو اس کے کیے کی سزا دینے کے بعد میں اس غدار اور بے رحم شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا جہاں ہر ہر قدم پر سازشیں اور فتنے میرے انتظار میں تھے۔

انہیں خیالات میں غلطاں و پیماں میری آنکھ لگ گئی اور میں نہ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو اس غار نما تہ خانے میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میری نظر جس چیز پر پڑی وہ ایک بڑا سا چوکور سوراخ تھا جو چھت میں نظر آرہا تھا اور اسی سوراخ سے سورج کی روشنی اندر آرہی تھی۔ تہ خانے کی چھت بہت اونچی تھی اور اس کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ اسے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسے پہاڑوں میں سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کی چھت اس قدر اونچی تھی کہ کم از کم کافی بلند دو منزلہ مکان کے برابر تھی۔ نیچے موجود کوئی شخص کسی طرح بھی چھت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چھت کے عین درمیان میں ایک تقریباً چار فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا بڑا سا شگاف تھا۔ یہ اس تہ خانے کا واحد روشن دان تھا جو مجھے رات میں نظر نہیں آیا تھا۔ اسی روشن دان میں سے ہوا اور روشنی میسر آتی تھی۔ تہ خانے میں اس روزن کے علاوہ اور کوئی دوسرا دروازہ موجود نہیں تھا جس میں سے گزر کر رات کو ہم لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور جسے باہر سے مقفل کردیا گیا تھا۔ اس دروازے میں اندر سے کوئی کنڈی نہیں تھی۔ دن کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ یہ لکڑی کا بہت موٹا اور بھاری بھرکم دروازہ تھا اور بہت اونچا تھا۔ کوئی قیدی اسے توڑنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میرے سامنے گھاس پھوس کے ایک بڑے سے ڈھیر پر ایک انسان پڑا تھا۔ جو غالباً قبل تاریخ کے انسانوں کی طرح وحشی نظر آرہا تھا۔ اس شخص کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا چہرہ ان میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ میل کچیل میں اٹے ہوئے بال درختوں کی خشک جٹاؤں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے ناخن درندوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور سارا جسم میل کی تہوں سے سیاہ ہو رہا تھا۔ اس کے بدن پر کمر کے گرد صرف ایک بوسیدہ سا چیتھڑا لٹک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا پورا بدن ننگا تھا۔ میں اس عجیب الخلقت شے کو جسے انسان کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی تھی، بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک سویا پڑا تھا۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالی۔ جگہ جگہ پتھروں کے درمیان موجود شگافوں میں چوہوں اور چھپکلیوں کے مسکن تھے۔ ایک ادھ چوہا اب بھی ادھر سے ادھر دوڑ لگا رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں غلیظ اور سڑی ہوئی اشیائے خوردنی کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں سے سخت تعفن اٹھ رہا تھا۔ یقیناً یہ چوہوں اور چھپکلیوں کی غذا تھی جسے اوپر روشندان سے پھینکا گیا ہوگا۔ پورے کمرے میں سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی، لیکن میں رات بھر کے قیام کے بعد اس بدبو کا عادی ہوگیا تھا۔ اقلوس کے پاس ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی، اور وہ اسی کوٹھڑی کے ایک گوشے کو بیت الخلاء کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ اس گوشے میں غلاظت کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں کیڑے بلبلا رہے تھے۔ میرا جی متلانے لگا اور میں نے جلدی سے ادھر سے نظریں ہٹالیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا کھلے منہ کا برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس برتن کو ڈھانکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا اور اقلوس کے علاوہ چوہے اور دوسرے حشرات الارض بھی یقیناً اس سے مساوی طور پر مستفید ہوتے ہوں گے۔ یہ عزیز انسانی حالت دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا اور مجھے اس انسان سے جو زمانہ قبل تاریخ کے وحشی کی طرح میرے سامنے گھاس پر پڑا ہوا تھا، سخت ہمدردی محسوس ہوئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص کون ہے، اس کا کیا قصور ہے اور اسے کیوں اس تہ خانے میں ڈالا گیا ہے، لیکن وہ جو کوئی بھی تھا، یقیناً اس سلوک کا مستحق نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے معاملات کو نمٹانے کے بعد میں اسے اس اذیت ناک زندگی سے ضرور نجات دلواؤں گا اور اس زندگی سے موت بدرجہا بہتر تھی۔

میں نے اقلوس کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ جانے وہ کتنے دنوں بعد سویا ہوگا، ہوسکتا ہے اسے تنہائی کی وجہ سے نیند نہ آتی ہو اور آج میری موجودگی کے سبب قدرتاً بہت اطمینان حاصل ہوجانے کے بعد وہ سکون سے سو گیا ہو۔ بہرحال میں اکیلا بیٹھا ہوا بلند اور سیاہ چھت کو تک رہا تھا جس کے نچوں بیچ سفید رنگ کا روشن خلا جگمگا رہا تھا۔ اور بالکل سناٹا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس شگاف سے آسمان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آرہا تھا جو اس وقت بالکل صاف تھا۔ سیاہ پتھروں کے پس منظر میں ہلکے نیلگوں رنگ کے آسمان کا یہ ٹکڑا بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اقلوس بیدار ہوگیا۔ اس اثنا میں قید خانے میں اور زیادہ روشنی پھیل گئی تھی۔ اقلوس نے غور سے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم؟" وہ حیرت سے بولا۔ "تمہاری تخلیق کیا جانسے کی گئی ہے؟ یہ سونے جیسا بدن تمہیں کہاں سے مل گیا؟ تم حیرت انگیز ہو۔ واقعی حیرت انگیز ہیں نے اپنی ساری زندگی میں تمہارے جیسا انسان نہیں دیکھا۔" اور پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "تمہارے حملے میں تو میں ملکہ اسطوفینہ کو معاف کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ تمہیں دیکھ کر بھلا کون ناامیدی کا اظہار کیے بغیر رہ سکتا ہے؟" پھر اس کے سفید بالوں بھرے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی اور وہ خاموش ہوگیا۔

"خاموش کیوں ہوگئے اقلوس؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنا برنام یاد آگیا۔ اپنا حسین اور نوجوان بیٹا برنام۔" اقلوس

راہ سے لہجے میں بولا۔ "وہ یقیناً تمہارے جتنا حسین تو نہیں تھا، لیکن پھر بھی ہزاروں میں ایک تھا۔ وہ میری واحد اولاد تھا۔"

"کیا ہوا تھا اسے برنام کو؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"وہ بھی ان بیسیوں نوجوانوں کی طرح ملکہ اسطوفینہ کی ہوس کا شکار ہوگیا اور میں بھی ملکہ کی بے شقاوت قلبی کے سبب زندگی بھر دردناک عذاب جھیل رہا ہوں۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "میں مرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے موت بھی نہیں آتی۔ اس تہ خانے میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ذریعے میں خودکشی کرسکوں، سوائے اس کے کہ اس کی سخت پتھریلی دیواروں سے اپنا سر ٹکرا کر خود کو ہلاک کرلوں۔ سو اس کی بھی کوشش کرچکا ہوں۔ تین مرتبہ زخمی ہوگیا، سر پھٹ گیا، چوٹیں آئیں، کاٹا اور میں موت سے زیادہ اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ اب تو میں نے خودکشی کی کوشش بھی ترک کردی ہے اور اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے آنے سے مجھے امید بندھی ہے کہ میری مشکل آسان ہوجائے گی۔ تم خود مرنے سے میری مشکل آسان کردو گے؟"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

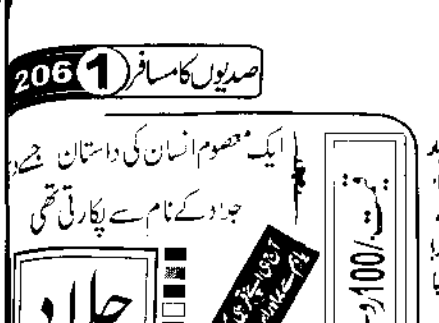
"وہ اس طرح کہ تم کو یقیناً موت کی سزا ہوگی۔ اس کے علاوہ تمہارے مقدر میں اور کچھ نہیں لکھا ہے۔ لیکن تم مرنے سے پہلے اگر مجھے مار دو تو میرے اوپر تمہارا یہ احسان عظیم ہوگا۔ ہوسکتا ہے میری روح ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک تمہاری ممنون منت رہے گی۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"وہ تو بعد کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم نے رات کو وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے؟"

"یہ ایک دردانگیز داستان ہے۔ لیکن اگر تم اس کے سننے پر مُصر ہو تو میں تمہیں مختصراً بتلائے دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "میرا نام اقلوس ہے اور میں شاہی دربار کا خوشنویس ہوں۔ آج بھی شہنشاہ تالاش اور ان کے سارے درباری میرے نام سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ان لوگوں میں ایک گمشدہ شخص ہوں جو آج سے چار سال پہلے اچانک غائب ہوگیا اور کہیں سرکھپ گیا۔

ہاں یہ آج سے تقریباً چار سال پہلے کی بات ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا تھا برنام۔ خوبصورت اور صحت مند۔ اس کی ماں کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا اور میں نے اسے ماں کی محبت بھی دی تھی اور باپ کی شفقت بھی۔ وہ فنون سپہ گری میں بھی طاق تھا۔ پھر ایک دن اس کی بدنصیبی اور ملکہ اسطوفینہ کی نظر اس پر پڑ گئی اور ملکہ نے اسے اپنے لیے پسند فرمالیا۔ اس نے اپنے ایک خصوصی خادم کو بھیج کر چپکے سے اسے بلوایا اور

اسے صبح ہونے سے قبل ہی قتل کروا کے باغ کے ایک ویران گوشے میں دفن کروادیا۔ کسی کو سارے واقعے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور میں برنام کی گمشدگی سے سخت پریشان ہوگیا۔ میں چونکہ شاہی خوشنویس تھا، اور شہنشاہ تالاش میرے کام سے بہت خوش تھا، اس لیے اس نے میرے حال پر خصوصی توجہ کی اور شاہی ہرکاروں کے ذریعے میرے بیٹے کو ہر طرف تلاش کروایا، لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں نے خود بھی اس کی تلاش میں ملک کا کونا کونا چھان مارا، لیکن اس کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ چھ ماہ تک در در کی خاک چھاننے کے بعد میں ناکام اور نامراد واپس آگیا۔ اپنی مایوسی کے ایک ہفتے کے بعد مجھے اپنے بیٹے کے ایک بھتیجے کا پیغام ملا کہ وہ سخت بیمار ہے اور فوری طور پر مجھ سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میرا یہ بھتیجا ملکہ اسطوفینہ کے خصوصی دستے میں ملازم تھا۔ میں اس سے ملنے کے لیے اس کے گھر پہنچا، اس کا نام نوزال تھا۔ نوزال کی حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا اور وہ کوئی دم کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ نوزال صرف میرا بھتیجا ہی نہیں، ملکہ کا راشار گرد بھی تھا اور میں نے اسے خطاطی کی تعلیم دی تھی، لیکن وہ خطاط بننے کے بجائے ملکہ کے خصوصی دستے میں شامل ہوگیا تھا۔ نوزال نے مجھے دیکھ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ وہ مجھے بہت اہم بات بتانا چاہتا ہے۔ پھر اس نے مجھے تفصیل سے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں بتایا اور باغ کے اس گوشے کا محل وقوع بھی سمجھایا جہاں ان بدنصیب نوجوانوں کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے اور نہایت مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے مجھے یہ خبر سنائی کہ میرا چہیتا برنام بھی ملکہ کے اس سکروہ مشغلے کا شکار ہوگیا ہے اور آج سے چھ ماہ پہلے اسے ہلاک کرکے اس کی لاش کو بھی باغ کے اسی مخصوص کونے میں دفن کردیا گیا ہے۔ نوزال نے مجھے ایک انگوٹھی دی جس پر شاہی مہر ثبت تھی۔ اس نے بتایا کہ برنام اور اسطوفینہ نے رات کو اپنی انگوٹھیاں بدلی ہوں گی، اور ملکہ نے اس یقین کے تحت کہ صبح کو برنام کی ہلاکت کے بعد وہ اپنی انگوٹھی واپس لے لے گی، اسے اس کی انگلی میں ہی چھوڑ دیا ہوگا۔ صبح کے وقت ملکہ کو شاید یہ بات یاد نہیں رہی اور دفن کے وقت وہ انگوٹھی برنام کی انگلی میں موجود تھی جسے نوزال نے موقع پاکر اس کی انگلی میں سے نکال لیا اور اپنے پاس چھپا لیا۔ ملکہ کو بعد میں اس انگوٹھی کا خیال آیا ہوگا، لیکن شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بات رفت گزشت ہوگئی۔ ملکہ نے یہی سمجھا ہوگا کہ وہ انگوٹھی برنام کے ساتھ ہی دفن ہوگئی۔ نوزال نے وہ انگوٹھی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ برنام کو دفن کرنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا، لیکن اگر وہ اس وقت مجھے یہ بات بتا دیتا تو اسے زندہ رہنا نصیب نہ ہوتا اور ملکہ اسے فوراً قتل کروا دیتی۔ اپنی جان کے خوف سے اس نے اپنی زبان بند رکھی، لیکن اب جبکہ اس کا آخری وقت قریب آگیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں بچے گا، اس نے ساری باتیں مجھے بتادیں اور ملکہ کی مہر شدہ انگوٹھی بھی میرے سپرد کردی۔



"برنام کی ہلاکت کی خبر سن کر مجھے اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس کا خلد میرے لیے الفاظ میں ناممکن ہے۔ برنام میری زندگی کا واحد سرمایہ تھا، اور صرف اسی کی خاطر میں نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور دنیا کے سارے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اب جبکہ برنام نہیں رہا تھا تو دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے نوراں کا شکریہ ادا کیا اور خون کے آنسو روتا ہوا اپنے گھر واپس آگیا۔

"میں جوں جوں اس اندوہ ناک واقعے کے بارے میں سوچتا جاتا تھا، ویسے ویسے ملکہ اسطوفینہ کے گھناؤنے کردار سے میری نفرت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ شاہ تالاش کی محبوب ملکہ تھی اور میں ایک غریب معمولی خطاط۔ ایک اشارے پر جس کی گردن اڑائی جا سکتی تھی۔ تاہم میں نے بنصد یہ کہ میں ملکہ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ وہ شاہ تالاش کو ساری بات بتا کر ملکہ کی انگوٹھی بطور ثبوت پیش کروں گا، اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کروں گا جہاں نوجوانوں کی نعشیں دفن کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کام میں اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ نوراں زندہ تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی زندگی میں میں یہ راز فاش نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد مجھے آزادی ہوگی۔

"اس واقعے کے چند دن بعد نوراں کا انتقال ہو گیا اور اب میرے لیے عمل کا وقت آگیا تھا لیکن یہاں مجھ سے ایک فاش غلطی ہوئی جس کا اندازہ میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ میں نے شاہ تالاش کو سب کچھ بتانے سے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی غرض سے ملکہ اسطوفینہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ ملکہ کو خوب بے بھر کر برا بھلا کہوں اور اسے لعنت ملامت کروں، وہ رسوائی اور ذلت کے خوف سے میری خوشامد کرے، میرے پاؤں پر جھکے اور اس طرح میری آتش انتقام کسی حد تک سرد ہو سکے، کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شاہ تالاش میری شکایت پر ملکہ کے خلاف تحقیقات کا حکم دے گا یا میری گردن مارنے کا حکم جاری کرے گا۔

"میں نے ایک خصوصی درخواست کے ذریعے زہانے کتے بابڑ پہنچنے کے بعد ملکہ سے تنہائی میں ملاقات کی۔ میں نے اسے بتایا کہ ایک بزرگ کی دعا سے میں نے اپنی روح میں ایک ایسی قوت پیدا کر لی ہے کہ مرنے کے بعد میں کسی بھی شخص کے خواب میں آکر اسے اپنی زندگی میں پیش آنے والے ان واقعات سے آگاہ کر سکتا ہوں جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں نے یہ قوت اپنے بیٹے برنام کو بھی منتقل کر دی تھی۔ جو پچھلے دنوں مجھے خواب میں نظر آیا اور اس نے مجھے اپنے قتل کی پوری تفصیلات بتائیں۔ اس نے اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دی جہاں اسے دفن کیا گیا ہے، اور اس انگوٹھی کا بھی ذکر کیا جو مرتے وقت اس کی انگلی میں موجود تھی۔ میں نے ملکہ کو بتایا کہ برنام کی روح نے وہ انگوٹھی مجھے دے دی ہے اور اب وہ میرے قبضے میں ہے اور میں اسے کل صبح شاہ تالاش کی خدمت میں پیش کر کے منصاف طلب کروں گا۔

"ملکہ ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہے، وہ میری اس کہانی سے سخت پریشان ہو گئی اور اس نے مجھے ایک بہت بڑی رقم کی پیش کرتے ہوئے وہ انگوٹھی مجھ سے واپس طلب کرنی چاہی۔ میں نے اس سے انکار کر دیا۔ ملکہ رقم میں اضافہ کرتی گئی، یہاں تک کہ وہ ایک ناقابل یقین حد تک بھاری رقم دینے کو تیار ہو گئی لیکن میں اس کی پیشکش ٹھکرا کر واپس چلا آیا۔ ممکن ہے کہ ملکہ نے یہ سوچا ہو کہ مجھے یہ ساری دولت نوراں کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی جس کا چند روز پہلے انتقال ہوا تھا، لیکن ایک بات پھر بھی یقینی تھی اور وہ یہ کہ میرے قبضے میں انگوٹھی بہرحال موجود تھی۔ اگر ملکہ میری بات پر یقین نہ بھی کرتی تو بھی اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ ممکن ہے نوراں کے ذریعے اس کی انگوٹھی مجھ تک پہنچ گئی ہو، جو اس کے جرائم کے خلاف ایک ٹھوس ثبوت کی حیثیت رکھتی تھی۔

"میں نے طے کر لیا تھا کہ اگلے دن صبح کو دربار میں جا کر شاہ تالاش کے حضور عرضی گزاروں گا۔ گھر آکر میں نے تمام واقعات ایک عرضی کی صورت میں تحریر کیا اور اسے ایک رومال میں بند کر کے رکھ لیا تاکہ صبح اسے شاہ تالاش کے سامنے پیش کر سکے اس سے درخواست کروں گا کہ تنہائی میں اس کا مطالعہ کرے۔ میں نے

اس میں لکھ دیا تھا کہ انگوٹھی میرے قبضے میں موجود ہے اور جس وقت شہنشاہ حکم فرمائیں گے، ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔

"لیکن میری زندگی میں وہ صبح کبھی نہیں آئی۔ رات کو ملکہ کے خصوصی محافظ دستے کے لوگوں نے میرے گھر پر چھاپا مارا اور مجھے گرفتار کر لے گئے۔ انہوں نے شاہ تالاش کے نام تحریر کردہ میری عرضی بھی اپنے قبضے میں کر لی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انگوٹھی کی تلاش میں گھر کا کونا کونا چھان مارا۔ لیکن انگوٹھی ان کے ہاتھ نہ آئی، اصل بات یہ تھی کہ میں نے پہلے ہی دن انگوٹھی کو ایک ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں سے اُسے میرے علاوہ اور کوئی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ میرے گھر میں ایک بڑا سا پرنالہ لگا ہوا تھا جس کے موٹے تنے میں کئی ایسے سوراخ تھے جو کافی گہرے تھے۔ ان میں سے ایک سوراخ میں جو کافی بلندی پر تھا، چڑیوں کے ایک جوڑے نے اپنا گھونسلا بنایا ہوا تھا۔ میں نے انگوٹھی کو کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں سیا اور پھر چڑیوں کے گھونسلے کو احتیاط سے اٹھا کر تھیلی سوراخ کے اندر ڈال دی اور گھونسلا واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اب کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ گھونسلے کے نیچے انگوٹھی موجود ہو گی۔

"انگوٹھی کی تلاش میں ناکامی کے بعد ملکہ کے سپاہی مجھے پکڑ کر اس تہہ خانے میں لے آئے اور مجھے یہاں بند کر دیا۔ دوسرے دن ملکہ اسطوفینہ خود مجھ سے ملنے کے لیے آئی اور اس نے اپنی پیشکش دہراتے ہوئے کہا کہ اگر میں انگوٹھی واپس کر دوں اور زندگی بھر اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کروں تو مجھے اس قید سے رہائی مل سکتی ہے۔ اس نے مجھے تین دن کی مہلت دیتے ہوئے خبردار کیا کہ چوتھے دن مجھے ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس وقت نہ جانے میرے دماغ میں یہ بات کہاں سے آگئی کہ میں نے ملکہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر اس نے مجھے ہلاک کروا دیا تو میں اپنی مخصوص روحانی قوت کے ذریعے مرنے کے بعد شاہ تالاش کے خواب میں آکر اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دوں گا اور میری روح ہی انگوٹھی بھی شہنشاہ کے حوالے کر دے گی۔ ملکہ نے میری اس بات کا خود یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن وہ خوف زدہ ضرور ہو گئی۔ مجھے اس اللہ کا اندازہ لگاؤں ہوا کہ تین دن گزرنے کے بعد بھی مجھے قتل نہیں کیا گیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا، اور ملکہ دوبارہ میرے پاس آئی اور مجھ سے انگوٹھی طلب کی۔ میرے انکار پر وہ کہنے لگی کہ اگرچہ وہ مجھے ہلاک نہیں کروائے گی لیکن مجھے ایسی اذیت سے دوچار کرے گی کہ میں مرنے کی خواہش کروں گا اور زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ اس نے اپنا کہا کر دکھایا۔ اس قید خانے میں، میں جس طرح زندگی کے دن گزار رہا ہوں وہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ آج اس بات کو تقریباً ساڑھے تین سال ہو چکے ہیں۔ میں نے باہر کی دنیا کی شکل نہیں دیکھی اور میں زندگی حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہا ہوں۔ لیکن میں کسی حد تک خوش ہوں کہ میں نے اس خبیث ملکہ کے غرور کو توڑا ہے اور وہ خود کو میرے سامنے بے بس پاتی ہے۔ وہ سال میں کم از کم تین چار مرتبہ میرے پاس ضرور آتی ہے اور انگوٹھی کا مجھ سے مطالبہ کرتی ہے، میں انگوٹھی کا پتا نہیں بتاؤں گا۔ لیکن ہر بار مایوس ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔ پہلی بار آج سے چند ماہ پہلے وہ یہاں آئی تھی، اور بہت خوش نظر آرہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسکندریہ سے آئے ہوئے ایک بہت بڑے عامل اور روحانیات کے ماہر کے ذریعے اس نے میری روحانی قوت کو سلب کر لیا ہے اور اس عامل نے اسے یقین دلایا ہے کہ اب میں مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر نہیں آسکتا۔ ملکہ نے مجھ سے کہا کہ اب اسے مجھ سے یا انگوٹھی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے اور آئندہ وہ یہاں نہیں آئے گی لیکن میرے قتل کا حکم بھی صادر نہیں کرے گی، تاکہ میں اس طرح عذاب ناک زندگی کی اذیتیں جھیلتے جھیلتے ایک دن خود ہی مر جاؤں۔"

"کیا شاہ تالاش اور دوسرے مرد اجنتر کو ملکہ کے اس خصوصی قید خانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"انہیں یقیناً علم ہے۔ لیکن بالکل دوسرے انداز میں۔ انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ملکہ کی نافرمانی کرنے والے غلاموں اور دیگر ملازموں کے لیے ایک خصوصی قید خانہ ہے، اور اس میں ان لوگوں کو قید کیا جاتا ہے جن کی گستاخیوں پر ملکہ نادم ہوتی ہے۔ اس قید خانے کا پورا انتظام اکیداس کے ہاتھ میں ہے جو ملکہ کا خاص آدمی ہے اور صرف ملکہ کے سامنے ہی جواب دہ ہے۔ اریکیداس کو ملکہ سے بھاری رقم ملتی ہے، وہ یہاں کے معاملات میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ شاہ تالاش بھی ملکہ کی مرضی کے خلاف یہاں کے امور میں مداخلت نہیں کرتا۔ ویسے بھی اس کی مصروفیات کا دائرہ اتنا زیادہ وسیع ہے کہ اسے ملکہ اسطوفینہ کے خصوصی قید خانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہاری داستان بڑی المناک ہے، اقلوس۔" میں نے اس سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ اب تمہاری خواہش کیا ہے؟"

"میری صرف ایک ہی خواہش ہے اور میں اس کا اظہار تم سے کر چکا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی اگر تم مجھے قید حیات سے نجات دلا دو۔"

"قید حیات سے نجات پانا کوئی اتنی مشکل بات نہیں ہے اقلوس۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کیا تم اسطوفینہ کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیے بغیر مرجانا پسند کرو گے؟"

"میرے پاس اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟" اس نے حسرتناک لہجے میں کہا۔ "میری ایک ذرا سی جذباتی غلطی سے سارا کام بگڑ گیا۔ اگر میں سید حاشاہ تالاش کے پاس چلا جاتا تو ممکن ہے کہ آج حالات مختلف ہوتے۔"

"حالات اب بھی مختلف ہو سکتے ہیں اقلوس، مایوس ہونے کی ضرورت

نہیں۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

اقلوس بے یقینی کے عالم میں غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو شہزور؟" اس نے پوچھا۔ "اگر تمہارے ذہن میں یہاں سے فرار ہونے کا کوئی احمقانہ منصوبہ موجود ہے تو اسے بھول جاؤ۔ یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دروازہ صرف اس وقت کھلتا تھا جب ملکہ اسطوفینہ مجھ سے ملنے آتی تھی اور اس سے کافی فاصلے پر اس کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہوئے محافظوں کا ایک دستہ ہوتا تھا۔ اب نہ تو ملکہ اسطوفینہ یہاں آئے گی اور نہ یہ دروازہ کھلے گا۔ ہاں شاید اس وقت یہ دروازہ ضرور کھلے جب وہ لوگ تمہیں موت کی سزا دینے کے لیے اندر آئیں۔"

"مجھے دروازہ کھلنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "اگر اس سے بھی بھاری دروازہ ہو تو میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں اس تہ خانے سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔"

"ہا ہا ہا ہا!" اقلوس بڑے زور سے ہنسا۔ "شاید موت کے قدموں کی چاپ نے تمہارے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے۔ بہرحال، خواب دیکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔"

"تم اسے خواب سمجھ لو یا کچھ اور۔" میں نے کہا۔ "فی الحال میں تم سے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ میں اس کام کو کس طرح انجام دوں گا۔ بس چند دن انتظار کرو اور آئندہ ہم اس موضوع کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔"

اقلوس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ غالباً اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

اب کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اچانک بہت اوپر، جہاں چھت میں ایک بڑا سا شگاف پڑا ہوا تھا، کسی کے زور سے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اور اقلوس نے ایک ساتھ چھت کی طرف دیکھا۔ ایک بڑی سی ٹوکری رسی کے ذریعے نیچے لٹکائی جا رہی تھی جو ہمارے ہی کمرے کی طرف آ رہی تھی۔

"کھانا آ رہا ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "یہاں دن میں دو دفعہ کھانا ملتا ہے۔ ایک بار دوپہر سے پہلے، اور دوسری بار سورج غروب ہونے سے پہلے۔ لیکن یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو اچھے خاصے انسان تو درکنار شاید کتے بھی نہ کھاتے ہوں۔ تم بھی خود دیکھ لینا۔ لیکن کیا کیا جائے، پیٹ بڑی بلا ہے۔"

ذرا دیر میں ٹوکری نیچے آ گئی اور اقلوس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور اس میں رکھا ہوا کھانا باہر نکال لیا۔ کھانا درختوں کے بڑے پتوں پر رکھا ہوا تھا اور واقعی اقلوس نے ٹھیک کہا تھا۔ کتوں کو بھی اس سے بہتر کھانا دیا جاتا ہوگا۔

"آج کھانے کی مقدار زیادہ ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "انہوں نے ہماری موجودگی کو فراموش نہیں کیا۔"

کھانا لینے کے بعد اقلوس نے ٹوکری کو ایک جھٹکا دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ٹوکری اٹھائی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ٹوکری اوپر کی طرف بلند ہونے لگی۔

"آؤ شہزور، کھانے میں شریک ہو جاؤ۔" اقلوس نے مجھ سے کہا۔

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "لیکن اگر تمہیں یہاں چند روز مزید رہنا پڑا تو پھر تم یہی کھانا کھانے پر مجبور ہو گے میرے دوست میں بھی جب پہلے پہل یہاں آیا تھا تو میں نے کئی وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا، لیکن جب بھوک سے میرا بدن بالکل نڈھال ہو گیا تو میں یہ چوہوں کی غذا کھانے پر مجبور ہو گیا۔"

"ممکن ہے کچھ عرصے یہاں رہنے کی صورت میں میں بھی عادی ہو جاؤں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "فی الحال تو مجھے بھوک نہیں ہے۔"

اقلوس خاموشی سے کھانا کھاتا رہا اور میں اسے دیکھتا رہا۔ اس قید خانے کی زندگی نے اس سے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کے آداب بھی چھین لیے تھے۔ وہ بالکل وحشیانہ انداز میں کھانا کھا رہا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔

دو دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے اور ظاہر ہے کہ اس عرصے میں مجھے باہر کی کوئی خبر نہیں ملی۔ قید خانے کے اس کمرے اور باہر کی دنیا سے محض ایک رسی اور ٹوکری ہی محدود تھا۔ اسے قائم مقام مقررہ اوقات پر ٹوکری کے ذریعے کھانا آتا رہا اور اقلوس کے بے حد اصرار پر اس میں سے تھوڑا بہت میں بھی کھانے لگا۔ اس دوران کئی بار گلی سڑی اشیا کا ملبہ، جو ہمل اور دیگر حشرات الارض کے لیے اوپر سے پھینکا گیا۔ انسان کو آزار پہنچانے کا کتنا عجیب و غریب طریقہ تھا!

تیسرے دن صبح کے کچھ دیر بعد ہمیں کمرے کے بھاری بھرکم دروازے کے پیچھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں چوکنے ہو گئے۔

"شاید کوئی آ رہا ہے۔" اقلوس نے مجھ سے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی دروازے پر کھڑ پڑ ہونے لگی اور چند لمحوں کے بعد دو بیکدم ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ دروازے کا صرف ایک ہی پٹ کھولا گیا تھا۔ مجھے، رکیداس کی شکل نظر آئی۔ وہ ننگی تلوار سونتے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازے کے قریب پہنچا اور رکیداس کے پیچھے ملکہ اسطوفینہ کھڑی تھی اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب ننگی تلواریں لیے چھ محافظوں کا ایک پورا دستہ موجود تھا۔ رکیداس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور ملکہ کے اشارے پر دروازے سے ہٹ کر دوسرے کمرے کے دروازے کے پاس مسلح محافظوں کے قریب جا کر کھڑا ہو

گیا۔ ملکہ کمرے میں داخل ہوئی اور ملکہ اسطوفینہ تنہا تھے۔

"مغرور انسان!" ملکہ نے بھرے سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا خیال ہے کہ اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں چوہوں اور چھپکلیوں کے ساتھ دو دن گزارنے کے بعد تیرا دماغ درست ہو گیا ہو گا۔ تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھ کہ مجھے تیرے حال پر ترس آ گیا اور میں نے تجھے اس عقوبت خانے سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ لیکن تیری رہائی اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ تو آج کی رات ہمارے ہاں گزارے گا اور اس کے بعد اس شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔" میں ملکہ کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی مکاری کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے سازشی ذہن میں یہ منصوبہ ہے کہ میں ایک رات محل میں گزاروں اور صبح ہونے پر مجھے قتل کروا کر میری لاش کو ٹھکانے لگوا دے۔

"میں اس عنایت کے لیے ملکۂ عالیہ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے فرمانبرداری سے جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی نشاندہی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ

لیے ملکہ کی ... حفاظت کے بجائے اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں چوہوں اور چھپکلیوں کے ساتھ رہنا قبول ہے۔"

ملکہ کو مجھ سے شاید اس قدر سخت توہین آمیز اور عجیب و غریب جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ یقیناً یہ سوچ کر آئی ہو گی کہ میں اس کے پیروں پر گر پڑوں گا۔ اس سے رحم کی بھیک مانگوں گا، جان بخشی کی التجا کروں گا اور اس کی ہر خواہش کی بے چوں و چرا تعمیل کروں گا۔

مارے غصے کے ملکہ کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"مجھے پتا چل گیا ہے کہ ملکۂ عالیہ اپنے عاشقوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں اور اپنا مطلب نکال لینے کے بعد ان کا کیا حشر کرتی ہیں۔" میں نے مزید کہا۔

"اوہ، میں اس باگی بوڑھے کو تو بھول ہی گئی تھی۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔" ملکہ نے دانت پیس کر کہا۔ "وہ ایک دیوانہ اور غدار تھا اس شخص نے میری انگوٹھی چرائی تھی جسے وہ واپس نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں سناتا ہے۔ بہرحال، تو نے شہزور، کہ تو نے میری توہین کر کے بالآخر اپنی موت کو دعوت کا سامان مہیا کر لیے ہیں۔"

"میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"تو پھر یہ بھی سن لے کہ تیری موت اتنی آسان نہیں ہو گی جیسی تو سمجھ رہا ہے۔ میں آج ہی شہنشاہ کو تیرے بارے میں اطلاع دے دوں گی اور انہیں بتاؤں گی تو نے میری عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں میں نے تجھے گرفتار کروا کے قید کروا دیا ہے اور پھر تیری سزا بھی میں ہی تجویز کروں گی۔ جانتا ہے میں تجھے کس طرح ہلاک کرواؤں گی؟" ملکہ نے نفرت سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔" اسطوفینہ نے میں نے اسے ایک عام عورت کی طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو ایک ظالم اور قاتل نفرت انسان ہے اور میرے دل میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تو کس طرح کی بھی دھمکی یا لالچ سے مجھے قابو میں نہیں کر سکتی۔"

"تیری یہ مجال کہ مجھ سے اس طرح گفتگو کرے ذلیل کیڑے!" ملکہ غیظ و غضب کے عالم میں کانپتے ہوئے کہا۔ "اب اچھی طرح سن لے کہ تیرا انجام کیا ہو گا۔ میں تیرے ہاتھ پیر بندھوا کر تجھے چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے بندھوا دوں گی اور پھر اس رتھ کو پوری تیز رفتاری کے ساتھ سخت اور پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا۔ اس طرح یہ سنہرا بدن، جس پر تو اس قدر فخر اور غرور کرتا ہے، پتھروں کی طرح بکھر کر خاک میں مل جائے گا۔ اس وقت تجھے اپنے کیے ہوئے ان الفاظ کی قیمت کا اندازہ ہو گا۔ مگر تب بہت دیر ہو چکی ہو گی بدنصیب! کوئی تجھے نہیں بچا سکے گا۔ حتیٰ کہ اگر میں خود بھی چاہوں تو تجھے اس عذاب ناک موت سے نہیں بچا سکوں گی جو اس وقت تیرا مقدر بن چکی ہو گی۔"

"تو اپنے دل کی حسرت نکال لے اسطوفینہ۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا ایک انسان کو ہلاک کرنے کے لیے ایک گھوڑے والا رتھ کافی نہیں ہے جو تو مجھے چار گھوڑوں والے رتھ سے باندھنا چاہتی ہے۔ بہرحال تیری مرضی ہے۔ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"

ملکہ کی آنکھوں میں حیرت اور پریشانی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میں اتنی سخت اور عذاب ناک سزا سننے کے بعد بھی مطمئن تھا اور رتی برابر بھی خوفزدہ نہیں تھا۔ ملکہ کی سمجھ میں یقیناً یہ بات نہیں آ رہی ہو گی کہ میں ایک عذاب ناک موت کو اتنی آسانی سے گلے لگانے کے لیے کیوں تیار ہوں۔

"تو پھر اپنے انجام کے لیے تیار رہ سیہ بخت انسان!" ملکہ نے چلتے ہوئے کہا۔ "جلد ہی تجھے موت کا پیغام مل جائے گا۔"

ملکہ دروازے کی طرف بڑھی اور رکیداس ننگی تلوار لیے ہوئے میری طرف بڑھا۔ لیکن میں نے اسے کوئی حکم دینے کا موقع نہیں دیا۔ میں خاموشی سے مڑا اور اپنی کوٹھڑی کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ رکیداس نے میرے پیچھے بھاری دروازہ بند کیا اور میں نے تالا لگانے کی آواز سنی۔

میں دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور تمہاری اور اسطوفینہ کی گفتگو سن رہا تھا۔" اقلوس نے دروازہ بند ہونے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے انسان ہو۔ تم نے اس آسانی سے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر لیا؟"

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں ملکہ کی اس پیشکش کو قبول کر لینا اور اس سنگ وتا ایک

عفونت خانے سے نکل جانا چاہیے تھا۔ ایک بار یہاں سے نکل جانے کے بعد تم ملکہ کے چنگل سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتے تھے اور کون جانے تمہاری یہ کوشش کامیاب بھی ہو سکتی تھی۔" اقلوس نے کہا۔

"میری کوشش ناکام نہیں ہوتی میرے دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ اقلوس خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

ایک دن اور گزر گیا۔ اس سے اگلے دن دروازے کے باہر پھر آہٹیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بھاری بھرکم دروازہ ایک بار پھر زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ ایک بار پھر ارکیداس کی شکل نظر آئی۔ میں نے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلایا۔ میرے کمرے سے باہر آنے کے بعد ارکیداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ ایک عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس بار ارکیداس کے ہاتھ میں حسب معمول خنجر موجود نہیں تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تھا۔ میں ارکیداس کے پاس آیا اور ارکیداس مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے ہم دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آ گئے۔ اس کمرے میں آتے ہی میری نظر دو قاریسوں پر پڑی جنہوں نے چادروں سے اپنے جسموں کو چھپایا ہوا تھا۔ مجھے اور ارکیداس کو دیکھ کر ان دونوں نے اپنے چہرے کھول دیے۔

میرے سامنے استاد اور مغربیس کھڑے تھے۔

مغربیس دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔ میں نے شفقت آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔ استاد خاموش کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ ارکیداس ہم لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ظہرزد! مجھے تم سے اس قدر غلط حرکت کی امید نہیں تھی۔" استاد نے مجھ سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے اس بات پر فخر ہے استاد کہ میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ ملکہ نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب جھوٹ ہے۔"

"مگر ملکہ کے الزامات کی روشنی میں تمہارے خلاف فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ تمہیں چار گھوڑوں والے رتھوں۔۔۔۔" استاد کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے معلوم ہے استاد۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ اور پھر مختصر الفاظ میں اپنی پوری داستان استاد کو سنا دی اور جو کچھ اقلوس اور اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا تھا، وہ بھی اسے بتا دیا۔ میں نے اسے نہ خانہ میں ملکہ کی آمد کے بارے میں بھی بتایا۔

استاد اور مغربیس آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر استاد بولا۔ "ارکیداس میرا شاگرد رہ چکا ہے اور میری بڑی عزت کرتا ہے۔ کل شاہی دربار سے تمہارے بارے میں اعلان کیا گیا کہ تم نے ملکہ پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی اور اسی کے ساتھ تمہاری سزا کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہیں ملکہ کے خصوصی قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ خبریں سن کر میرے ہوش و حواس پر بجلی گر گئی۔ میرا سب کچھ لٹ گیا۔ تم ہماری عزت تھے، ہماری آن بان تھے، ہمارا سب کچھ تھے۔ میں نے سوچا کہ آخری وقت میں تم سے ملاقات کی کوئی سبیل نکالوں۔ مگر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی تھی۔ لیکن تب مغربیس نے مجھے یاد دلایا کہ ملکہ کے خصوصی قید خانے کا نگران ارکیداس ہے۔ ہم دونوں کل رات کو ارکیداس کے گھر آئے۔ پہلے تو وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ لیکن جب ہم نے اسے یقین دلایا کہ اس ملاقات کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہوگا اور یہ کہ تم ہمارے خاص الخاص آدمی ہو اور اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے تو وہ بمشکل راضی ہوا۔ ہماری یہ ملاقات بہت مختصر ہے مغربیس۔ اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتا دو، ہمارے بس میں ہوا تو ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔" استاد پر رقت طاری ہو گئی۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ سچ ہونا چاہیے۔ کیونکہ میں نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ملکہ کے بیان اور اس کے الزامات کی تردید کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔" استاد بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگا۔

میں نے استاد کی ڈھارس بندھائی اور اس سے پوچھا۔ "مجھے قید سے باہر بھیجنے کی سزا کس دن اور کس جگہ دی جائے گی؟"

"آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اسی کھلے ہوئے اسٹیڈیم میں جس میں تم نے کشتی اور گھمسان زنی کے مقابلے جیتے تھے۔" استاد نے جواب دیا۔

"اور تماشا دیکھنے والوں میں کون کون شامل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بادشاہ، ملکہ، ان کے درباری، تمام امراء اور وڈیرے، شہر اور اس کے علاوہ تمام لوگ۔" استاد نے جواب دیا۔ "ایتھنز کے لوگ اس قسم کے موقعوں پر بھاری تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس بار مجمع بہت زیادہ ہوگا کیونکہ اہل ایتھنز کے لیے تم ایک جانی پہچانی شخصیت ہو اور وہ تمہیں ایک ہیرو کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"میری تم سے گزارش یہ ہے استاد کہ تم اس تماشے میں ہرگز نہ آنا اور اپنے کلب کے جتنے زیادہ لوگوں کو ساتھ لا سکتے ہو، لانا۔ اس کے علاوہ تم کوشش کرنا کہ سرسبز والوں کے آدمی بھی اس موقع پر موجود ہوں۔ اور جتنے زیادہ سے زیادہ لوگ موجود ہوں۔ اتنا ہی اچھا ہے۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" استاد نے پوچھا۔

"میں ایتھنز کے امراء و رؤساء اور عام لوگوں کے سامنے ملکہ اسطوفینہ کی انسان دشمن حرکتوں کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" استاد نے افسوس کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بھلا ملکہ کے مقابلے میں تمہاری بات کا کون یقین کرے گا؟"

"مجھے اپنی بات منوانے کا فن آتا ہے استاد۔" میں نے مسکرا کر استاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم اس بات سے بخوبی واقف بھی ہو۔"

استاد چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس عرصے میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ "ہاں، ظہرزد۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں کچھ کچھ جانتا ہوں۔ اور کچھ کچھ نہیں جانتا۔ مگر میری دلی تمنا ہے کہ تم زندہ رہو اور یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

"میرا ایک کام کر دو استاد۔" میں نے استاد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "شہر نہایت گاؤں میں اکیلی پریشان ہو رہی ہوگی۔ میں اس سے ان دنوں میں واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا اور آج تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا ہے۔ کسی کو بھیج کر اسے بلوا لو۔ مگر خیال رہے کہ اسے ابھی میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔"

"میں آج ہی مغربیس کو بھیج دوں گا۔" استاد نے کہا۔

اسی لمحے میں ارکیداس واپس آ گیا اور استاد سے کہنے لگا۔ "اب تمہیں جانا چاہیے معزز استاد۔ یہ جگہ تم جیسے لوگوں کے زیادہ ٹھہرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آ جائے اور ہم سب مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ ارکیداس کہ تم نے میری خاطر اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں ہے استاد۔" ارکیداس نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں کبھی تمہارے کام آ سکا۔"

میں دوبارہ سیڑھیاں اتر کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور ارکیداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ اقلوس بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس بار وہ دروازے سے کان لگا کر باتیں نہیں سن سکا تھا کیونکہ ہم لوگ اوپر والے کمرے میں تھے اور نیچے والے کمرے میں ارکیداس نے تالا لگا دیا تھا اس لیے اقلوس اوپر بھی نہیں آ سکتا تھا۔

"کون آیا تھا؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر پوچھا۔ "کیا ملکہ نے پھر تمہارے لیے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میرے اوپر لگائے گئے الزامات اور ان کی سزا کا اعلان کیا جا چکا ہے اور آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد اس سزا پر عمل ہوگا۔"

"تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟" اقلوس نے پوچھا۔

میں نے مختصراً اپنے استاد اور مغربیس کی آمد اور ان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

"مجھے یہ بری خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔" اقلوس نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "اتنے دنوں کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی تھی اور اب وہ بھی مجھ سے بچھڑنے والا ہے۔ میرے اوپر احسان کر دو شہزادے اور یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دو۔"

"تم نے پہلے بھی مجھ سے یہ بات کہی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں تمہیں یہاں سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خود تمہاری ہلاکت کے سامان کیے جا رہے ہیں میرے دوست۔ تم مجھے کس طرح یہاں سے رہائی دلا سکو گے؟" اس نے کہا۔

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"یقین کرو میری بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ کیا باہر تمہارے کوئی موجود ہیں جو تمہیں اس جگہ سے فرار میں مدد دیں گے؟" اقلوس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے جواب دیا۔ "اس شہر میں اگرچہ میرے دوستوں اور مداحوں کی تعداد کم نہیں، لیکن مجھے یہاں سے فرار کرانے کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو کیا تم اکیلے بغیر کسی باہر کی مدد کے یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" اقلوس نے پوچھا۔

"تم نے شاید میری بات غور سے نہیں سنی اقلوس۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "میں نے تم سے یہ کب کہا ہے کہ میں یہاں سے راہ فرار اختیار کروں گا؟ نہیں میں یہاں سے فرار نہیں ہوں گا بلکہ وہ لوگ خود مجھے یہاں سے آ کر لے جائیں گے۔۔۔ آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد وہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے اور میں دوبارہ یہاں واپس آ کر تمہیں اس قید خانے سے رہائی دلواؤں گا۔"

"تم نہ جانے کیا کہنا چاہتے ہو شہزادے۔" اس نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں یہ پوچھا۔۔۔"

"تم اب کچھ مت پوچھو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور آئندہ ایک ہفتے کے دوران ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ جو کچھ ہوگا تمہارے سامنے آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "مجھے خود بھی اس موضوع سے الجھن ہوتی ہے۔"

اگلے سات دن کے دوران کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ چوہوں اور کیڑوں مکوڑوں کے لیے پھینکی جانے والی غلاظت میں تقریباً دوگنا اضافہ ہو گیا۔ کمرے کے پتھریلے فرش پر جگہ جگہ گلی سڑی اشیاء کے ڈھیر لگ گئے اور تعفن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں دن میں کئی کئی بار گھاس پھوس کی مدد سے فرش کو صاف کرتا تھا اور غلاظت کو ایک کونے میں جمع کر دیتا تھا۔ رات کو جب سے اسے پھر سارے فرش پر پھیلا دیتے تھے۔ ہمارے لیے بھیجا جانے والا کھانا اور بھی زیادہ خراب اور بدمزہ کر دیا گیا تھا۔ اقلوس ان حالات سے سخت پریشان ہو رہا تھا۔ لیکن میں اس کی ڈھارس بندھاتا تھا اور اسے یقین دلاتا تھا کہ مصیبت کے دن زیادہ نہیں ہیں۔

آٹھویں دن سورج نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد دروازے کے باہر آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "وہ آگئے ہیں۔" میں نے اقلوس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اب وہ مجھے مقتل کی طرف لے جائیں گے۔ لیکن تم پریشان مت ہونا میں واپس آؤں گا۔"

یکایک اقلوس مجھ سے بچوں کی طرح لپٹ گیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "شہزور!" اس نے ہچکیوں کے دوران کہا۔ "دیوتاؤں کے لیے میرے ساتھ مذاق مت کرو۔ میرے اوپر رحم کرو جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ کر مجھے ہلاک کر دو۔ تم تو مرنے کے لیے ہی جا رہے ہو۔ تمہیں میرے قتل کی سزا کوئی نہیں دے گا۔ میں دیوتاؤں کو گواہ بنا کر اپنا خون تم پر معاف کرتا ہوں۔ مجھے ہلاک کر دو شہزور۔ مجھے ہلاک کر دو۔"

"پاگل مت بنو۔" میں نے اسے اپنے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا قاتل نہیں بلکہ تمہارا نجات دہندہ بنوں گا۔"

اس اثنا میں دروازہ کھول دیا گیا اور میں نے ارکیداس کی شکل دیکھی۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت ننگی تلوار موجود تھی لیکن اس کے چہرے پر میں حزن و ملال کے آثار صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہے اس کے دل میں میرے لیے اس بنا پر ہمدردی کا کوئی جذبہ پیدا ہو گیا ہو گا۔ میں بھی اسی استاد کا شاگرد تھا جس کا وہ خود شاگرد رہ چکا تھا۔ ارکیداس نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور میں اقلوس پر الوداعی نظر ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، بیرونی کمرے کی سیڑھیوں کو گھیرے ہوئے کھڑا تھا۔

ارکیداس نے میرے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اقلوس دروازے کے پاس کھڑا حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ ارکیداس نے دروازہ بند کر کے اس میں باہر سے تالا لگا دیا اور اس کے ساتھ ہی چند سپاہی آگے بڑھے جن کے ہاتھوں میں موٹی موٹی رسیاں تھیں۔ اتنی موٹی رسیاں جو شاید ہاتھی بھی نہ توڑ سکے۔ انہوں نے جلدی جلدی مجھے ان رسیوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اور اپنے آپ کو خاموشی سے ان کے حوالے کر دیا۔

سپاہیوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت پر لے جا کر خوب اچھی طرح جکڑ دیا۔ میرے پیٹ اور کمر سے بھی ان گنت رسیاں باندھی گئیں جن کے چار سرے اس طرح نکالے گئے کہ ہر سرا ایک ایک سپاہی پکڑ سکے۔ ارکیداس خاموشی کے ساتھ یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے رسیوں سے باندھنے کے بعد یہ قافلہ سیڑھیوں کے راستے اوپر آیا اور ارکیداس نے تہ خانے کو جانے والے دروازے میں تالا لگا دیا۔ اب اقلوس ایک بار پھر اپنی تنہائیوں کے آزار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ہم لوگ قید خانے کی عمارت سے باہر نکل کر صدر دروازے پر پہنچے اور میں نے دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ اس کی عمارت کو دیکھا۔ عجیب ہیبت ناک قسم کی عمارت تھی جو بھاری بھاری چٹانوں اور پہاڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کی طویل چار دیواری کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں بھی بہت سے کمرے ہوں گے، لیکن اس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ عمارت کا پچھلا حصہ زیادہ بلندی پر تھا جبکہ سامنے والا حصہ قدرے نیچے تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مجھے اپنے عقوبت خانے کی چھت اس قدر اونچی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ عمارت کے پچھلے حصے کا فرش یکساں سطح کا تھا اور عقوبت خانہ تہ خانے میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمارت کے سامنے کے رخ پر کئی مکانات بنے ہوئے تھے۔ یہ یقیناً اس قید خانے کے عملے کے مکانات ہوں گے اور انہیں میں سے کسی مکان میں ارکیداس بھی رہتا ہو گا۔

صدر دروازے کے سامنے مسلح گھوڑ سواروں کا ایک پورا دستہ کھڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص اپنے لباس اور وضع قطع سے اس دستے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔

"یہ لو بھائی ساقلوم!" ارکیداس نے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ قیدی صحیح و سالم اور بحفاظت تمہارے حوالے ہے۔ اب تمہارا اور تمہارا کام۔"

"شکریہ ارکیداس۔" ساقلوم نے بھاری آواز میں جواب دیا اور اپنے دستے کے گھوڑ سواروں کو اشارہ کیا۔ دو گھوڑ سوار میرے دائیں اور بائیں طرف آگئے اور انہوں نے سپاہیوں کے ہاتھ سے رسیوں کے سرے لے کر خود تھام لیے۔ دو پیدل سپاہی میرے آگے اور پیچھے آگئے اور ان میں سے ہر ایک نے رسی کا ایک ایک سرا پکڑ لیا۔ اور اسی طرح ہمارا یہ قافلہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہاڑی والے قید خانے سے وسط شہر تک کا راستہ کافی طویل تھا جو میں نے دو سپاہیوں کے ساتھ پیدل، اور باقی محافظوں نے گھوڑوں پر طے کیا۔ راستے بھر مجھے لوگوں کے گروہ وسط شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ راستے میں ملنے والے لوگ بھی اس منظر کو حیرت اور دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جب میں پہاڑی والے قید خانے سے روانہ ہوا تھا تو میرے ساتھ صرف مسلح سپاہی تھے لیکن اب بہت بڑا مجمع ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہا تھا جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے۔ اس جلوس میں اور زیادہ لوگ شامل ہوتے جاتے یہاں تک کہ وسط شہر میں واقع اسٹیڈیم تک پہنچتے پہنچتے ایک بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مسلح گھوڑ سوار لوگوں کو میرے قریب آنے سے روک رہے تھے۔ بہت سے لوگ مجھے بآواز بلند گالیاں دے رہے تھے۔ کئی لوگوں نے مجھ پر پتھر پھینکے اور بعض نے سڑی گلی چیزیں بھی میری جانب اچھالیں۔

"خوب!" اچانک پروفیسر خاور بولا۔ "تو گویا اس نمائندے میں بھی ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے سڑی گلی چیزیں اچھالنے کا رواج تھا۔ ہمارے دور میں اس کام کے لیے زیادہ تر گندے انڈے اور سڑے ہوئے ٹماٹر استعمال ہوتے ہیں۔"

"بات یہ ہے کہ اس زمانے میں انڈوں کی اتنی فراوانی نہیں تھی جتنی کہ تمہارے دور میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "البتہ سڑے ہوئے ٹماٹروں کی کمی نہیں تھی۔"

"بہرحال اپنی داستان جاری رکھو۔" پروفیسر نے کہا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ تم نے ملکہ اسطوفینہ کا کیا حشر کیا۔"

لوگوں کے ہجوم کی معیت میں، میں وسط شہر میں واقع اسٹیڈیم میں پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں پہلے سے خلقت کا زبردست ہجوم تھا۔ لوگ نہ جانے کب سے وہاں آ کر جمع ہو گئے تھے اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اجتماعِ اذیت پسند اور تنوع نواز لوگوں کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ منظر اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے باندھ کر دوڑا دیا جائے۔

محافظ گھوڑ سوار ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے مجھے اسٹیڈیم کے بیچ بنے ہوئے وسیع میدان میں لے آئے، جہاں ایک طرف ایک ہلکا پھلکا رتھ کھڑا ہوا تھا جس میں چار نہایت خوبصورت اور توانا گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ یہ رتھ گویا میرے لیے "آلۂ قتل" تھا۔ رتھ کے قریب ہی دو موٹے تگڑے اور تندرست کوچوان کھڑے ہوئے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چابک تھے۔ وہ دونوں گھوڑوں کو دانہ کھلا رہے تھے۔

جیسے ہی مجھے میدان کے اندر لایا گیا اور ہجوم نے جو گول اسٹیڈیم کے میدان کے چاروں طرف لوہے کے جنگلوں کے اس پار ایک وسیع دائرے کی صورت میں کھڑا ہوا تھا، جیسے ہی مجھے دیکھا ویسے ہی ایک شور برپا ہو گیا۔ طرح طرح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں جن کا مفہوم مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتا تھا، لیکن ایک بات واضح تھی، اور وہ یہ کہ تماشائی دوستانہ اور ہمدردانہ نہیں تھے۔

اسٹیڈیم کے اندر ایک طرف کو سائبان کے نیچے شہنشاہ، ملکہ اور امراء و سردار اور معززینِ شہر کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ شہنشاہ، ملکہ اور ان کے درباریوں کی نشستیں ابھی خالی تھیں۔ پہلی نشستوں پر مجھے استاد اور مغربیں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ مغربیں نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلایا، لیکن استاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے نیچے کر دیا۔ استاد سے کچھ فاصلے پر ہیڈ کلب کا سربراہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اور میں کافی دور سے بھی اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوشی کو محسوس کر سکتا تھا۔

میرے آنے کے بعد رتھ کو معزز مہمانوں کے سائبان کے قریب پہنچنے کے راستے پر موجود محافظوں نے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے میرے خیال کے مطابق رتھ کا سفر شروع ہونا تھا۔ اس جگہ کو واضح طور پر شہنشاہ اور ان کی نشستوں کے قریب رکھا گیا تھا تاکہ وہ اس منظر کو بخوبی دیکھ سکیں اور اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں۔ مسلح گھوڑ سوار مجھے لیے ہوئے رتھ کے پاس پہنچے اور انہوں نے مجھے رتھ کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

فوراً ہی دو چابک نوہے کی بھاری اور لمبی زنجیریں لے کر آگے۔ ان زنجیروں کو میری کمر سے اچھی طرح باندھ کر ان کے کنڈوں کو ان اژدہوں کی مدد سے اس طرح آپس میں پھنسا دیا گیا کہ جھٹکا لگنے یا زور پڑنے کی صورت میں وہ کھل نہ سکیں۔ میرے ہاتھ بازو، شانے اور سینہ پہلے ہی مضبوط رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ صرف میری ٹانگیں آزاد تھیں۔ میری کمر میں زنجیر کو اچھی طرح باندھ دینے کے بعد بھاری اور موٹی زنجیر کے دوسرے سرے کو رتھ کے پچھلے حصے میں لگے ہوئے مضبوط اور ٹھوس لوہے کے ساتھ اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ جیسا ہی اپنا کام ختم کر کے الگ کھڑے ہو گئے تو ساقلوم نے، جو ان مسلح گھوڑ سواروں کا افسر تھا، زنجیر کے بندھنوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اس نے میری کمر کے گرد زنجیروں کو بھی جانچا اور رتھ میں بندھے ہوئے زنجیر کے دوسرے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ لیکن میرے سلسلے میں شاید خصوصی انتظامات کیے گئے تھے کیونکہ چند ہی منٹ میں ایک سپاہی ایک اور بھاری بھرکم زنجیر لے کر آیا جو پہلے والی زنجیر سے زیادہ موٹی تھی اور میرے قریب کھڑے ہوئے ساقلوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "ملکۂ عالیہ کا حکم ہے کہ چونکہ یہ مجرم بہت زیادہ جسمانی قوت کا حامل ہے، اس لیے ایک کے بجائے دو زنجیروں سے رتھ کے ساتھ باندھا جائے۔"

ساقلوم نے اس شخص کے ہاتھ سے وہ زنجیر لے لی اور ہاتھ میں اسے تولنے لگا۔ اس نے تعریفی انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ "ملکۂ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔" پھر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے دوسری زنجیر بھی میری کمر کے گرد باندھ کر اس کا دوسرا سرا رتھ کے مضبوط ڈھانچے کے ساتھ باندھ دیا۔ مجمع میں اس قدر شور و غل ہو رہا تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، اور میں ان لوگوں کے ان تمام کرتبوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ "ملکہ اسطوفینہ آج میں تم سے سارا حساب چکا دوں گا، اپنا حساب بھی، بوڑھے اقلوس کا حساب بھی اور ان تمام بے گناہ نوجوانوں کا حساب بھی جن کی لاشیں تمہارے محل کے باغ کے دریان گوشے میں دفن ہیں۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک "ہٹو بچو" کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مسلح سپاہی ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ شاہ تالماش اور ملکہ اسطوفینہ اپنی نشستوں کی جانب آ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے امراء و رؤسا کی ایک بڑی تعداد تھی۔ شاہ تالماش کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور ملکہ اسطوفینہ اس کے پہلو میں بڑے ناز کے ساتھ نپے تلے قدموں کے ساتھ آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسطوفینہ سے میری آنکھیں چار ہوئیں اور میں نے اس کے چہرے پر طنز و تضحیک سے بھری ہوئی مسکراہٹ دیکھی۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

شہنشاہ اور ملکہ باوقار انداز میں چلتے ہوئے اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد باقی درباری بھی حسبِ مراتب

نی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ صحن ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ سانس روکے بے شہنشاہ کے حکم کے منتظر ہیں۔

میں نے شہنشاہ اور ملکہ کی طرف اشارہ کیا اور بے خودی کے ساتھ باری باری ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ نہ جانے میری آنکھوں میں کیا تاثرات تھے کہ شہنشاہ نے جلدی سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بوڑھے رخسار پر بڑی ہوئی گہری جھریوں اور زیادہ گہری نظر آنے لگیں۔ ملکہ کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی اور پہلی بار مجھے اس کی آنکھوں میں پریشانی اور خوف کی جھلک نظر آئی۔ غالباً میرے پُراطمینان اور بے خوف انداز نے اسے نہ صرف متحیر، بلکہ خوف زدہ بھی کر دیا تھا۔

میں نے ملکہ اور شہنشاہ کے چہروں کی طرف سے نظریں ہٹا کر مجمع کا جائزہ لیا۔ لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ آنے والے منظر کی دل چسپی نے گویا انہیں پہلے سے مسحور کر دیا تھا۔ ایک ساتھ ہزار جانگھیں میرے بدن پر جمی ہوئی تھیں۔ اس وقت وسیع میدان میں رتھ کے پیچھے کھڑا ہوا میں ان تمام لوگوں کی نگاہوں کا واحد مرکز تھا جو اس وقت اسٹیڈیم میں موجود تھے۔

دونوں کو چوانوں نے جھک کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر اپنے اپنے چابک ہاتھوں میں تھامے ہوئے مؤدب کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں درباریوں میں سے ایک شخص نے، جسے میں پہلے بھی دربار میں دیکھ چکا تھا اور جو اعلیٰ عہدہ دار تھا، اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کوچوانوں کو حکم دیا کہ وہ رتھ میں سوار ہو جائیں۔ دونوں کوچوان رتھ پر چڑھ گئے۔ پھر اسی شخص نے تمام سپاہیوں اور مسلح محافظوں کو میدان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔ اب میدان میں رتھ مع اپنے کوچوانوں کے تنہا رہ گیا تھا۔

اب اس شخص نے جسے میرے بیان کے مطابق اس وقت کا ذمہ دار عاطل یا وزیر انصاف ہونا چاہیے، شہنشاہ کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر بولا۔ "اب صرف آپ کے حکم کی دیر ہے شہنشاہ۔"

شاہ تالاش نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا۔ اور جیسے پوری فضا ساکت ہو گئی۔ جیسے سانسیں دھیمی کر دیں۔ سانس بند کر دیا۔ میں نے اپنے پیروں کو مضبوطی کے ساتھ زمین پر جما دیا۔

تقریباً ایک منٹ تک شاہ تالاش اپنے ہاتھ کو اٹھائے رہا۔ میں کوچوانوں کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن یقیناً ان کی نظریں شاہ تالاش کے ہاتھ پر لگی ہوئی ہوں گی۔ میں بھی شاہ تالاش کے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج اہل انجفر کو ایک ایسا تماشا دکھاؤں گا جو ان کی اب تک پسند آنکھوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہ تماشا کبھی دیکھ سکیں گی۔ میں ان کی دل چسپی کے لیے بہت کچھ سامان مہیا کرنا چاہتا تھا۔

اچانک شاہ تالاش نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی چابکوں کی "شاپ شاپ" کی آواز خاموش فضا میں گونج گئی۔ میں نے اپنے جسم کو تان کر سیدھا کر لیا۔ رتھ ادھر اُدھر جھومنے لگا۔ لیکن اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ چل سکا۔ چابکوں کی تیز آواز کے ساتھ گھوڑوں کے زور زور سے ہنہنانے اور زمین پر ٹاپیں مارنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ رتھ اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا ہوا تھا۔ دونوں کوچوان رتھ سے نیچے اترے۔ انہوں نے رتھ کے پہیوں کا غور سے جائزہ لیا۔ اس کے دھروں اور دیگر چیزوں کو بھی طرح طرح دیکھا۔ میرے قریب آ کر میرا اور میری ٹانگوں کا جائزہ لیا۔ ان کے چہروں سے سخت پریشانی ظاہر تھی۔ میں نے شاہ اور ملکہ کی طرف دیکھا تالاش غور سے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا اور ملکہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اب مسکرا کر کی میری باری تھی۔ ملکہ نے جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کوچوان رتھ کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد دوبارہ اپنی جگہ پر چلے گئے۔ فضا میں ایک بار پھر چابک کے شرّاٹے کی آواز گونجی اور پھر اس آواز میں ہیہم اضافہ ہوتا گیا۔ کہ جوان گھوڑوں کو بُری طرح چابک مار رہے تھے۔ گھوڑے بُری طرح ہنہنا رہے تھے۔ اور زمین پر ٹاپیں مار رہے تھے۔ اچانک آگے والے گھوڑے اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے اور بُری طرح ہنہنے لگے۔ رتھ اِدھر اُدھر ڈولنے لگا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے چاول بھر بھی آگے نہیں سرک پایا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" اچانک شاہ تالاش غصّے میں چلایا۔ اس نے کوچوان گھبرا کر اپنی نشستوں سے نیچے اتر آئے اور شہنشاہ کے قدموں میں گر پڑے۔

"حضورِ نامعلوم کیا بات ہے، گھوڑے کسی طرح آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے حکم ہی ان پر کتنے چابک برسائے لیکن وہ آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔" ایک کوچوان نے کہا۔

"شاید تم لوگوں سے اب یہ کام نہیں ہو سکتا۔" شاہ تالاش نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "دمادیس! اس کم بخت کی انگلیاں دیکھ کر کہا کہ دوسرے کوچوانوں کا فوراً بندوبست کرو۔ اور تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے دونوں کوچوانوں سے کہا۔ جو بُری طرح کانپ رہے تھے۔

مجمع میں جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ لوگوں کی سرگوشیاں پہلے تو ایک بھنبھناہٹ میں تبدیل ہوئیں اور پھر ان کی آوازیں تیز ہوتی گئیں۔ اگرچہ ان آوازوں کا مفہوم واضح نہیں تھا تاہم بعض جملے واضح سنے جا سکتے تھے۔ "رتھ نہیں چل رہا ہے۔" کسی نے کہا۔ "دوسرے کوچوان بلوائے گئے ہیں۔" ایک اور آواز آئی۔

چند منٹ کے اندر اندر دوسرے کوچوان آ گئے۔ وہ دونوں بھی سپاہی تھے اور بڑے پُرعزم انداز میں تن کر چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

انہوں نے رتھ کے قریب آ کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر چابک سنبھال کر رتھ میں کود گئے۔

فضا ایک بار پھر چابکوں کے شرّاٹوں سے گونج اٹھی۔ دونوں نئے کوچوان بُری طرح گھوڑوں کو مار رہے تھے اور میں ان کی حماقت پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ گھوڑے پھر غضب ناک ہو کر اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے تھے اور اپنی گردنیں اوپر کر کے زور زور سے ہنہنا رہے تھے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ سارے ماحول پر تحیّر کے ساتھ ساتھ سراسیمگی اور خوف کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک میرا رخ رتھ کی طرف تھا۔ میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور رتھ کی طرف اپنی پشت کر لی۔ اس بخیر کا ایک اور بل میری کمر کے گرد لپٹ گیا۔ میں نے شاہ تالاش، ملکہ فونیہ کے چہروں کو باری باری دیکھا۔ اسطونیہ کا رنگ فق ہو رہا تھا اور تالاش کا منہ کھلا ہوا تھا۔

میں نے ایک قدم آگے بڑھایا، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور مجمع میں ... جیسے بخیر اور ٹوٹ میں ڈوبی ہوئی چیخوں کا طوفان پھٹ پڑا ... چل رہا تھا۔ چاروں گھوڑے پیچھے کی طرف گھوم رہے تھے۔ انہوں نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی اگلی دونوں ٹانگیں فضا میں اٹھا رکھی تھیں اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں ناکام ہو کر پیچھے کو گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ دونوں کوچوان گھبرا کر رتھ سے نیچے کود پڑے اور سراسیمگی اور خوف کے عالم میں اس ناقابلِ یقین منظر کو دیکھنے لگے۔

ملکہ اسطونیہ کے چہرے پر جیسے موت کی زردی کھنڈ گئی۔ شاہ تالاش کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر اوپر چڑھ گئیں۔ معزز مہمانوں کی نشستوں پر ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

میں نے اسی طرح زنجیر سے بندھے ہوئے رتھ کو گھسیٹتے ہوئے ایک موڑ کاٹا اور سیدھا شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ کی طرف بڑھا۔ جو سب سے اگلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رتھ میرے پیچھے آ رہا تھا۔ شور مچاتے ہوئے خوف زدہ گھوڑوں نے چیخ چیخ کر قیامت سر پر اٹھا رکھی تھی۔ مجھے معزز مہمانوں کی صف کی طرف بڑھتے دیکھ کر شاہ کے کئی دیہاتی نے رتھ کو بھگانے کی کوشش کی۔ خود شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ بھی اپنی نشستوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن دل چسپ بات یہ تھی کہ کوئی بھی سپاہی ان کے نزدیک نہیں آیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" میں نے گرج کر حکم دیا۔ میری آواز میں بجلی کا سا کڑکا تھا جو میدان میں دور دور تک سنا گیا۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔ شاہ تالاش بیٹھ جاؤ۔ اور تم بھی بیٹھ جاؤ ملکہ اسطونیہ۔" تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سب نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور خاموشی سے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ کے عین سامنے جا کر اپنی پشت سے منسلک ہونے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا۔ رسّی ٹوٹنے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔ پشت کے پیچھے میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے بازوؤں کو دونوں جانب پھیلایا، اور بازوؤں سے بندھی ہوئی رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر گئیں۔ اب میرے دونوں بازو مکمل طور پر آزاد تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی زنجیر کو ایک جھٹکا دیا۔ زنجیر ٹوٹ گئی۔ رتھ کا میرے جسم سے رابطہ ٹوٹ گیا اور ٹھیک اسی لمحے خوفزدہ گھوڑے دہشت ناک نعرے مارتے ہوئے آگے بھاگتے چلے گئے۔ اب انہیں آگے بڑھنے سے کوئی چیز نہیں روک رہی تھی۔ گھوڑوں نے بہت دور جا کر دم لیا۔ مجمع میں جیسے قیامت برپا تھی۔ جو آگے تھے وہ اور آگے آنے کی کوشش کر رہے تھے جو پیچھے تھے وہ آگے والوں کو دھکیل کر آگے آنا چاہتے تھے۔ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے ایک نظر استاد کی طرف ڈالی۔ وہ اور مغربیں دونوں مسکرا رہے تھے۔

میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ایک شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تو تمہاری ملکہ نے مجھ پر مجرمانہ حملے کا الزام لگایا ہے؟" میں نے گرجدار آواز میں شاہ تالاش سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ملکہ کا یہی کہنا ہے۔"

"کیا تم نے اس الزام کی تحقیق کے لیے کچھ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"لیکن ملکہ..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ملکہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے جھوٹ بھی بول سکتی ہے اور جھوٹ بول رہی ہے۔" میں نے لوگوں کو اتنے زور سے کہا کہ میری آواز سارے میدان میں دور دور تک گونجتی چلی گئی۔ "ملکہ نے میرے اوپر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس نے خود مجھے گناہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن جب میں نے اس کی دعوت کو مسترد کر دیا تو وہ میری جان کی دشمن بن گئی۔ اس نے یہ ڈھونگ رچایا کہ میں نے اس کی عزت پر حملہ کیا ہے اور مجھے قید کروا دیا۔ اور اب وہ مجھے ہلاک کروانا چاہتی تھی۔"

"ٹھہرو۔" شاہ تالاش نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا یہ سچ ہے، کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر تم جھوٹ کیسے بول سکتے ہو۔ تم اس دنیا کے انسان نہیں ہو۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم کوئی غیر معمولی ہستی ہو۔ تم یقیناً کسی دیوتا کا روپ ہو۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے تمہاری توہین کرنے کی کوشش کی۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تالاش اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میری طرف بڑھنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ تالاش۔" میں نے اسے حکم دیا اور وہ فوراً دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ "میں نے تمہیں اسطونیہ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ حرف بحرف سچ ہے۔ لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے۔ ابھی تمہیں اور بھی کئی کڑوے سچ سننے پڑیں گے۔ اپنے کانوں اور دماغ کو اس کے لیے تیار رکھو۔ تم شہنشاہ ہو کر بھی اتنی بات نہیں جان

سکے کہ تمہاری ملکہ تمہارے پیچھے کیا کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ میں تمہیں سب بتاؤں گا لیکن تھوڑی دیر بعد۔ میں ایک جگہ جا رہا ہوں اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ واپس آؤں گا۔ میں جو کچھ بھی ہوں، تمہارے لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، ہر شخص اپنی نشست پر اسی طرح بیٹھا رہے۔ اگر کسی نے میری حکم عدولی کی کوشش کی تو میں اس پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ تمہاری ساری فوجوں کو تہ تیغ کر دوں گا۔" اور تمہاری سلطنت کو ملیامیٹ کر دوں گا۔" میں نے چنگھاڑ کر کہا۔ اور پھر میں نے آگے بڑھ کر دمارلیس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ کسی تنکے کی طرح اڑتا ہوا میری طرف چلا آیا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا دمارلیس۔"

"لیکن کہاں؟" دمارلیس کا جوان اور صحت مند جسم کسی زرد پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"جہاں بھی میں لے چلوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم ڈرو مت۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہم ابھی تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔" میں نے خاموش تماشائیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاص طور پر ملکہ اسطوفینہ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے۔" مجھے یہ کہتا اچھا لگا۔

میں دمارلیس کا ہاتھ پکڑے ہوئے رتھ کی طرف بڑھا جو ہم سے کافی دور کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے رتھ میں سوار کرایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں نے گھوڑوں کو اشارہ کیا اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ دبی گھوڑے جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ اب گویا فضاؤں میں تیرتے چلے جا رہے تھے۔

"تمہارا شاہ تاناش کے دربار میں کیا منصب ہے دمارلیس؟" میں نے پوچھا۔

"میں وزیر داخلہ ہوں معزز شہزور۔" دمارلیس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہم ملکہ کے پہاڑی قید خانے کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "وہاں سے ہمیں ایک قیدی کو لانا ہے۔"

"کون سا قیدی؟" دمارلیس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میری اطلاع کے مطابق اس قید خانے میں تمہارے علاوہ اور کوئی قیدی نہیں تھا۔"

"کیا ارکیداس تمہارا ساتھی ہے؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"وزیر داخلہ ہونے کے لحاظ سے مجھے اس پر مکمل فوقیت حاصل ہے اور میں اسے کوئی بھی حکم دے سکتا ہوں۔ لیکن ضروری ہے کہ یہ حکم ملکہ کے حکم سے متصادم نہ ہو۔" اس نے کہا۔

"اور اگر تمہارا حکم ملکہ کے حکم سے متصادم ہو تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں ارکیداس میرے نہیں، بلکہ ملکہ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔" دمارلیس نے جواب دیا۔

"تم ارکیداس کو یہ بتا دو کہ یہ ملکہ کا ہی حکم ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم پہاڑی والے قید خانے کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر حسب معمول دو سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مزید حیران کن بات یہ تھی کہ وزیر داخلہ دمارلیس میرے ساتھ تھا۔ دمارلیس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ارکیداس کو بلایا جائے۔ ارکیداس فوراً ہی آ گیا۔

"قید خانے کے دروازے کھولو اور اقلوس کو رہا کرو۔ ہم اسے لینے آئے ہیں۔" میں نے ارکیداس سے کہا۔ مجھے کو اس حال میں دیکھ کر اس کی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اقلوس ملکہ عالیہ اسطوفینہ کا قیدی ہے اور صرف ان ہی کے حکم سے اس کی رہائی عمل میں آ سکتی ہے۔" ارکیداس نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"یہ ملکہ عالیہ کا حکم بھی ہے اور شہنشاہ تاناش کا بھی۔" دمارلیس نے پُر رعب لہجے میں ارکیداس سے کہا۔

"میں معزز وزیر داخلہ سے معذرت چاہتا ہوں۔" ارکیداس نے کہا۔ "جب تک معزز دمارلیس ملکہ اور شہنشاہ کے اس حکم کے ثبوت میں کوئی تحریر پیش نہیں کریں گے، میں ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں ملکہ عالیہ کے اس ذاتی قید خانے کا نگراں ہوں اور براہ راست صرف ملکہ کے سامنے جواب دہ ہوں۔"

"ثبوت؟" دمارلیس زور سے چلایا۔ "بے وقوف آدمی! کیا تمہارے لیے اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ مملکت کا وزیر داخلہ خود یہاں موجود ہے اور اپنی زبان سے تمہیں ملکہ اور شہنشاہ کا حکم سنا رہا ہے؟"

"لیکن معزز وزیر داخلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں جو سیدھے سزائے موت کا قیدی تھا اور جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے حضرصی دستے کے سربراہ کا قوم کے حوالے کیا تھا۔ اب میں اس شخص کو آزاد اور زندہ دیکھ کر حیران ہوں کہ ملکہ کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا شخص موت کے منہ سے کس طرح بچ نکلا۔ مجھے اس سارے معاملے میں کسی سازش کی بُو محسوس ہوتی ہے۔ نہیں میں اقلوس کو آپ لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔" ارکیداس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سنو ارکیداس۔" دمارلیس نے کہا۔ "ملکہ عالیہ اسطوفینہ اور تمام امرائے مملکت اس وقت شہر کے وسط میں اسٹیڈیم میں بیٹھے ہوئے میری واپسی کے منتظر ہیں۔ ان سب کی اور خاص طور پر ملکہ کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اقلوس کو جلد از جلد وہاں پہنچا دیا جائے۔ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے اور شہنشاہ اور ملکہ کی جانب سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اقلوس کو قید خانے سے نکال کر ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم واپس جا کر ملکہ عالیہ اور شہنشاہ سے تمہاری حکم عدولی کی شکایت کریں گے اور اس کے بعد اپنے انجام کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔" ارکیداس

نے سخت پریشان ہو کر کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا ایک شرط پر میں اقلوس کو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔" دمارلیس نے کہا۔

"وہ یہ کہ اقلوس کے ساتھ میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا تاکہ اپنے ہاتھوں سے ملکہ عالیہ کے قیدی کو ان کے سامنے پہنچا دوں۔"

دمارلیس نے جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔" ارکیداس نے کہا۔

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔" ارکیداس نے کہا۔ اور اپنی جیب سے باہر لوہے کا گچھا نکال کر دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

تھوڑی سی دیر کے بعد جب ارکیداس واپس آیا، تو اقلوس اس کے ساتھ تھا۔ دمارلیس اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "کون ہے یہ شخص؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔ "اور اس قید خانے میں کب سے بند ہے؟"

"تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا دمارلیس۔" میں نے کہا اور اقلوس کو پہلے سوار کرانے لگا۔ اقلوس نے سورج کی تیز روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے چھپا رکھا تھا۔ وہ آج مالہ کے تین سال کے بعد سورج کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"تم آ گئے شہزور۔" اس نے وفور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "مجھے معاف کر دینا میرے دوست۔ مجھے ہرگز بھی یقین نہیں تھا کہ تم واپس آؤ گے۔ میں نے تمہیں دیوانہ سمجھا تھا۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ موت کے خوف نے تمہاری عقل سلب کر دی ہے اور تم واہی تباہی بکنے لگے ہو۔ لیکن تم واقعی اپنے قول کے سچے نکلے۔ مگر برائے کرم یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ ارکیداس کہتا ہے کہ تمہاری رہائی ملکہ کے حکم سے عمل میں لائی گئی ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟"

"تمہیں بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" میں نے دمارلیس کے ساتھ رتھ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں ارکیداس بھی دروازے کو تالا لگا کر رتھ میں سوار ہو گیا۔

"اقلوس مجھے اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "پہلے ہم تمہارے گھر چلیں گے اور تم وہاں سے وہ انگوٹھی لو گے جسے تم نے بڑی حفاظت سے چھپا کر رکھا ہے۔"

"کس کا گھر اور کیسی انگوٹھی؟" ارکیداس زور سے چلایا۔ "یہ سب کچھ کیا دھندا ہے؟ تم لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟ آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"خاموش بیٹھے رہو ارکیداس۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

پہلے ہم اقلوس کے گھر جائیں گے اور اس کے بعد اسٹیڈیم میں چلیں گے جہاں سب لوگ ہمارے منتظر ہیں۔"

اقلوس نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا لیکن میں نے اس کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ میں اس کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ یقیناً وہ سخت الجھن کا شکار تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے بس پا رہا تھا۔

رتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اب شہر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ سڑکوں پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے جو خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے۔ ہمارا رتھ جن راستوں سے گزرا، ہر طرف مسلح فوجی سپاہیوں کے دونوں طرف کھڑے ہوئے نظر آئے۔ لیکن انہوں نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے جلوے رتھ کو گزرتے دیکھتے رہے۔ وسط شہر سے کچھ پہلے ایک تنگ سی گلی کے کنارے اقلوس نے رتھ رکوایا اور ہم سب لوگ اس میں سے اترے۔ ارکیداس اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے اقلوس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور پیچھے برابر مشتبہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ گلی کے اندر داخل ہو کر اقلوس ایک خستہ حال مکان کے سامنے رک گیا۔ "یہ ہے میرا گھر۔" اس نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جس کی کئی دیواریں گر چکی تھیں۔ دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور دیواروں سے ویرانی برس رہی تھی۔ ہم لوگ ٹوٹے پھوٹے دروازے سے اس کھنڈر نما مکان میں داخل ہوئے جس کے وسیع صحن کے تقریباً وسط میں ایک بڑا سا درخت سایہ کیے کھڑا تھا۔ اقلوس دیوانہ وار درخت کی طرف بڑھا اور اس نے چند لمحے غور کرنے کے بعد اس کے تنے کے ایک سوراخ کو ہاتھ لگایا۔ جس پر بہت سے سوکھے ہوئے تنکے جمع تھے۔ چڑیاں ایک عرصہ ہوا اپنا گھونسلا چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اقلوس نے تنکوں کو نکال کر پھینکا اور سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔

"مل گئی۔" وہ فرط مسرت سے چلایا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی بوسیدہ تھیلی تھی جس جگہ جگہ سے سوراخ ہو گئے تھے۔ اس نے تھیلی کو پھاڑ دیا اور اس میں سے ایک جگمگاتی انگوٹھی نکل آئی۔ اقلوس نے انگوٹھی میرے ہاتھ میں دے دی اور میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

"تمہارے نام پر میری کمر کے گرد ایک چمڑا لپٹا ہوا ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ میں اندر سے کوئی لباس لے لوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں شہنشاہ کے سامنے اسی حلیے میں جانا چاہیے جس طرح تم قید خانے میں تھے۔"

دمارلیس حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ارکیداس کے چہرے سے اب خوف جھلک رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کسی بڑی بھیانک سازش کا نشانہ بن گیا ہے۔ تاہم اب وہ خود کو مجبور محسوس کر رہا تھا۔

ہم سب لوگ دوبارہ رتھ میں بیٹھ گئے اور رتھ تیزی کے ساتھ اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔ دور سے ہی لوگوں کا مجمع نظر آ رہا تھا جو میں پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ غالباً وہ لوگ بھی جو کسی وجہ سے اپنے گھروں میں رہ گئے تھے، ان حیرت ناک واقعات کی اطلاع پا کر اسٹیڈیم میں جمع ہو گئے تھے۔ جگہ جگہ مسلح فوجی نظر آ رہے تھے۔ اسٹیڈیم کے قریب تو ان کا اجتماع بہت بڑا تھا۔ لیکن وہ خاموش کھڑے ہوئے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ رتھ اسٹیڈیم کے دروازے میں داخل ہوا اور تیزی سے چلتا ہوا معزز مہمانوں کی نشستوں کے پاس پہنچ گیا تو رتھ

اپنی اپنی نشستوں پر بدستور بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی اٹھ کر نہیں گیا تھا۔ شاہ تاتالش اور ملکہ اسطوفینہ بھی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔

میں نے رکاوٹ کو اور اس میں سے سہارا دے کر اقلوس کو اتارا۔ ملکہ اسطوفینہ کی نظر جیسے ہی اقلوس پر پڑی، اس کا چہرہ سفید ہوگیا اور بھانک اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے کی کوشش کی، لیکن میری ایک ہی ڈانٹ نے اسے دوبارہ بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ اریکیڈس نے تاتالش کو یقین نظروں سے مجھے دیکھا۔

"کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو شاہ تاتالش؟" میں نے اقلوس کو اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

شہنشاہ ذرا دیر تک اس عجیب الخلقت شخص کو غور سے دیکھتا رہا، پھر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "میں اس شخص کو نہیں جانتا۔"

"کیا تمہیں اقلوس یاد ہے؟" میں نے شہنشاہ سے پوچھا۔ "جو آج سے کئی سال پہلے تمہارے دربار میں خوشنویس تھا؟"

"اقلوس؟" شہنشاہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اقلوس یاد ہے۔ وہ دربار میں خوشنویس تھا، لیکن پھر اس کا بیٹا کہیں غائب ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی بہت تلاش کی لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ اور پھر اس کے چند ماہ بعد اقلوس بھی کہیں غائب ہوگیا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ کہیں چلا گیا یا شاید مر کھپ گیا ہے۔ یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے۔"

"اقلوس مرا نہیں بلکہ زندہ ہے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔" میں نے اقلوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "اور اس کا بیٹا کہیں غائب نہیں ہوا تھا بلکہ تمہاری ملکہ نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اسے ہلاک کر کے شاہی محل کے باغ کے ایک کونے میں دفن کروا دیا ہے۔ اور صرف اسی کو نہیں، نہ جانے کتنے نوجوانوں کو تمہاری یہ جہنمی ملکہ اسی طرح ہلاک کروا چکی ہے۔ اقلوس کو اپنے بیٹے کی ہلاکت کا پتا چل گیا تھا اور اس نے ملکہ کو بتا دیا تھا کہ وہ شہنشاہ سے اس کی شکایت کرنے جا رہا ہے، جس پر ملکہ نے اسے قید کروا دیا اور آج سات آٹھ سال بعد میں نے اسے تمہارے سامنے رہائی دلوائی ہے۔ اقلوس مع ثبوت کے تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان اس کی زبانی سنو اور پھر خود اپنی سیاہ کار ملکہ کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

میں نے اقلوس سے کہا کہ وہ سارے واقعات تفصیل کے ساتھ شہنشاہ کے گوش گزار کرے۔

وحشت زدہ اقلوس نے، جو اس سارے تماشے سے سخت پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، میرے کہنے پر آنکھوں اور ہاتھوں کے ذریعہ اپنی داستان غم شہنشاہ تاتالش کے روبرو بیان کی اور نورال کی باتوں کا بھی حوالہ دیا جس نے مرنے سے پہلے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں مکمل اطلاع اسے دی تھی اور اس کے بیٹے کے قتل کی خبر بھی سنائی تھی۔ اس کے بعد اقلوس نے مجھ سے لے کر ملکہ کی انگوٹھی شہنشاہ کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کی۔

شاہ تاتالش کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے نفرت بھری نظروں سے اسطوفینہ کی طرف دیکھا۔ اسطوفینہ کا جسم بُری طرح کانپ رہا تھا اور اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔

شاہ تاتالش چند لمحوں تک بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ گویا اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی ہو۔ اس کے بعد اس نے بھانک اپنی تلوار کھینچ اور بلک جھپکتے میں اسطوفینہ کا سر اڑا دیا۔ اسطوفینہ کا سر کٹ کر دور جا گرا اور خون کے چھینٹے آس پاس بیٹھے ہوئے امرا کے علاوہ میرے اور اقلوس کے جسموں پر بھی پڑے۔ ملکہ کا بیجان بدن کرسی سے لڑھک کر ایک طرف کو گر گیا۔ مہمانوں کی صفوں میں سناٹا چھا گیا۔

"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں شہزور۔" شاہ تاتالش نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے لیے یہ کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ میری ملکہ اس بے دردی کے ساتھ بے گناہ انسانوں کا خون بہاتی رہی اور مجھے اس کے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے رعایا کی جان کے تحفظ کی ذمہ داری میری ہے اور مجھ سے اس معاملے میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا تلافی ناقابل برداشت بھی ہو سکتا ہے کہ میں اس عورت کو موت کے گھاٹ اتار دوں جس نے اتنے لوگوں کو دکھ پہنچایا ہے۔"

شاہ تاتالش چند لمحوں کے لیے رکا اور اس نے اسطوفینہ کے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے سر کے بدن کو دیکھا جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"لیکن شاید اتنا کافی نہیں ہے شہزور۔" شاہ تاتالش نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور شاید کوئی بھی اس بات کو نہیں جانتا، سوائے تمہارے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم یا تو خود دیوتا ہو جو انسان کا روپ دھار کر ہمیں ہمارے گناہوں کا احساس دلانے اور مزید گناہوں سے ہمیں باز رکھنے کے لیے زمین پر آیا ہے یا کسی دیوتا نے تمہیں اپنی قوتیں بخش کر اس کام پر مامور کیا ہے۔ تم ایک مقدس ہستی ہو۔ تم ان تمام انسانوں سے بلند تر ہو جو روئے زمین پر کہیں بھی موجود ہیں۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ آج سے یہ عنت و تاج تم سنبھالو۔ کیونکہ میری نظر میں تم اس منصب کے اہل ہو۔ تم طاقتوروں کے خلاف کمزوروں کا دفاع کر سکتے ہو اور ناانصافیوں کا ازالہ کر سکتے ہو۔ اسطوفینہ میری جگہ سنبھالو۔ میں اپنی بقیہ عمر عبادت و ریاضت میں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے میں گزار دینا چاہتا ہوں۔ ہاں، البتہ تم سے ایک درخواست ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو ہم لوگوں کو اپنی اصلیت سے آگاہ کر دو۔" اس نے الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تاتالش اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری اصلیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے شاہ تاتالش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اس کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تخت و تاج کی نہ کوئی تمنا ہے اور نہ ان چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں مظلوموں اور بے گناہوں کے کام آتا ہوں۔ اور شاید قدرت نے میری تخلیق اسی غرض سے کی ہے کہ میں ظالم، جابر، مغرور اور متکبر انسانوں کو ان کی اوقات میں رکھوں۔ اسطوفینہ نے جو کچھ کیا، اس میں تمہارا زیادہ قصور نہیں، قصور اسطوفینہ کا ہے اور اسے اپنے قصور کی سزا مل چکی ہے۔ تمہارے لیے محض یہ احساس کر لینا ہی کافی ہے کہ تم سے کوتاہی ہوئی اور تم نے بروقت ان باتوں کا پتا نہیں چلایا، جس کی وجہ سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔"

تمام امرا اور رؤسا اور معززین شہر تعجب و حیرت بنے اس سارے منظر کو دیکھ رہے تھے اور ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"میں تمہیں اپنے محل میں چلنے اور وہیں قیام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔" شاہ تاتالش نے مجھ سے کہا۔ "تم جب تک چاہو وہاں رہو۔ تمہاری میزبانی میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہوگی۔"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے محلوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے شہر میں میرا قیام چند روز سے زیادہ نہیں، اور یہ چند روز میں اپنے استاد اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے دوبارہ اپنے درمیان میں پا کر بہت خوش ہوں گے۔"

دراصل میرا ارادہ یہ تھا کہ اینتھنز میں چند روز قیام کرنے کے بعد شرنجانہ کو ساتھ لے کر گاؤں نکل جاؤں، اور کچھ عرصہ شرنجانہ کے ساتھ گاؤں میں گزاروں۔ میں نے شاہ تاتالش کے سامنے جان بوجھ کر شرنجانہ کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی شہزور۔" شاہ تاتالش نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے اور ہم لوگوں کی دانست میں جن گستاخیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں ان کے ازالے کا موقع دو۔ میں تمہارے اعزاز میں ایک ضیافت دینا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔"

"مجھے تمہاری ضیافت میں شرکت کر کے خوشی ہوگی شاہ تاتالش۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے کہ اقلوس کو اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دو۔ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے، اور خدا ہر ہرجانے کا نقصان کی تلافی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا، لیکن اس کے علاوہ تم جو کچھ بھی اس کے لیے کر سکتے ہو تمہیں کرنا چاہیے۔"

"میں اقلوس کو نہ صرف اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دوں گا بلکہ اسے اتنا مال و دولت دوں گا کہ پھر اسے زندگی میں کسی اور چیز کی خواہش نہیں رہے گی۔ اس نے قید خانے میں جتنی مصیبتیں جھیلی ہیں، میں ان کا ازالہ ضرور کروں گا۔" شاہ تاتالش نے جواب دیا۔ "کل رات شاہی محل میں تمہارے اعزاز میں ضیافت ہوگی جس میں طوفان کلب کے سرپرست استاد اسکندر اور دوسرے لوگوں کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی۔"

شاہ تاتالش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تمام معزز مہمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ استاد اسکندر، مغریس اور دوسرے لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور مغریس کی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر موجزن تھے۔

ہم لوگ کلب میں واپس آ گئے، لیکن یہ واپسی اتنی آسان نہ تھی۔ راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے زبردست ہجوم اکٹھا تھے جو قریب سے میری ایک جھلک دیکھنے کے متمنی تھے۔ اب کوئی بھی شخص مجھ پر پتھر یا کچھ اور پھینک نہیں رہا تھا بلکہ ہر طرف میری غیر معمولی اور حیران کن صلاحیتوں کے چرچے تھے۔ اسٹیڈیم سے کلب تک آدھے گھنٹے کا راستہ ہم لوگ بڑی مشکل سے تین گھنٹے میں طے کر پائے۔ کلب کے دروازے پر خلقت کا ایک ازدحام جمع تھا جو مجھے قریب سے دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ مغریس اور دوسرے لوگوں نے بڑی مشکل سے میرے لیے راستہ بنایا۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد کلب کے صدر دروازے کو اندر سے بند کر دیا گیا اور کئی پہرے دار تعینات کر دیے گئے۔

میں ایک بار پھر خود کو اپنے لوگوں کے درمیان پا کر بے حد مسرت محسوس کر رہا تھا۔ استاد جیسے مجھ پر فدا ہوا جا رہا تھا۔ طوفان کلب میں استاد وہ واحد شخص تھا جو کسی حد تک میرے ناقابل تسخیر ہونے کے راز سے واقف تھا اور اسی وجہ سے اسے میرے اس عجیب و غریب اور ناقابل یقین کارنامے پر اتنی حیرت نہیں تھی کہ میں نے چار گھوڑوں والے رتھ کو کس طرح اپنی طرف گھسیٹ لیا، لیکن مغریس اور دوسرے لوگوں کے لیے یہ ایک نہایت حیران کن واقعہ تھا اور وہ لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

میں نے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد استاد سے سب سے پہلا سوال شرنجانہ کے بارے میں کیا۔ استاد نے شرنجانہ کے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ جواب میں استاد نے کہا۔ "میں نے مغریس کو اسی دن گاؤں روانہ کر دیا تھا لیکن وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"میں ہر بُری خبر سننے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے صاف صاف بتاؤ کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"شرنجانہ کے پرستاروں نے مغریس کو بتایا کہ آج سے چند روز پہلے شرنجانہ اپنے گھر میں مردہ پائی گئی۔ اسے کسی نے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا اور جس دن شرنجانہ کی موت واقع ہوئی، اسی دن ملکہ اسطوفینہ کے سپاہیوں کے چند سپاہیوں کو گاؤں میں دیکھا گیا تھا۔ ان سپاہیوں نے گاؤں والوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ وہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شرنجانہ کے قتل کی ذمہ داری بھی ملکہ اسطوفینہ پر ہے۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "اس عورت نے اپنے ناقابل تلافی جرائم کی خاطر کتنے انسانوں کی جان لی ہے۔ اسے یقیناً اپنے جاسوسوں کے ذریعے میرے اور شرنجانہ کے مراسم کے بارے میں معلوم ہوگیا ہوگا۔"

اور اس نے حسد اور رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنے آدمیوں کے ذریعے شہزنجانہ کو قتل کروا دیا۔ اس کے لیے یقیناً یہ بات ناقابل برداشت ہوگی کہ شہزنجانہ کو میرا قرب حاصل رہے۔"

"بالکل یہی ہوا ہوگا۔" استاد نے میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ شہزنجانہ مر چکی ہے اور اب کوئی اسے زندہ نہیں کر سکتا۔ شہزنجانہ کی اصل قاتل اسطوفینہ بھی اپنے گناہوں کی سزا پا چکی ہے۔"

"ہاں، مجھے صبر ہی کرنا ہوگا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ لیکن درحقیقت مجھے شہزنجانہ کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ وہ ابھی بالکل نوجوان تھی اور اس نے دنیا میں ابھی دیکھا ہی کیا تھا۔ وہ بیچاری میری وجہ سے ماری گئی۔ ایتھنز میں اپنے قیام کے دوران میں اب تک دو نوجوان اور بے گناہ عورتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اب جب تک میں یہاں موجود ہوں، کسی عورت کو اپنے قریب آنے کا موقع نہیں دوں گا۔ میں شہزنجانہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا خواہشمند تھا، لیکن حالوں نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر سارے شہر میں میرے نام کی دھوم مچ گئی۔ ہر طرف میرا ہی چرچا تھا۔ ہر زبان پر میرا ہی ذکر تھا۔ ہر محفل میں میں ہی موضوع گفتگو تھا۔ دوسرے دن شام کو شاہی سواری مجھے لینے آئی اور میں استاد اور مغربیس کے ساتھ شاہ تالاش کی پرتکلف اور شاندار ضیافت میں شریک ہوا۔ جہاں سارے شہر کے امرا اور رؤسا موجود تھے۔ اسی دعوت میں میں نے افلاطوس کو دیکھا۔ میں تو اسے پہچان بھی نہ سکا تھا۔ لیکن جب اس نے قریب آ کر مجھ سے گفتگو کی تب میں نے اسے پہچانا۔ اب میرے سامنے ایک نیم برہنہ، نیم وحشی عجیب الخلقت ہستی کے بجائے ایک مہذب اور شائستہ انسان کھڑا ہوا تھا جس کے جسم پر معقول لباس تھا، جس کے بال اور ناخن قاعدے سے کٹے ہوئے تھے اور جسم صاف ستھرا تھا۔ میں افلاطوس کو اس بدلی ہوئی حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ افلاطوس میرا بہت ممنون تھا۔ میرا شکریہ ادا کرتے کرتے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے اسے نئی زندگی دی ہے، ورنہ کچھ دنوں قید و بند کی صعوبتیں مزید برداشت کرنے کے بعد وہ مر جاتا۔ اس کی لاش کو خاموشی سے کہیں دفنا دیا جاتا اور اس ظلم کے بارے میں کسی کو اطلاع بھی نہ ملتی۔

بہرحال شاہی ضیافت میں بڑا جشن اور ہنگامہ رہا۔ طبقۂ اشرفیہ سے تعلق رکھنے والی بہت سی حسین اور نوجوان خواتین نے مجھ سے بے تکلف ہونے اور میری قربت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے انہیں خوبصورتی سے ٹال دیا۔

شاہ تالاش نے، جو ایک دن پہلے مجھے اپنے تاج و تخت کی پیشکش کر چکا تھا، اب دوبارہ مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس کی مملکت کا وزیر اعظم بننا قبول کر لوں۔ شاہ تالاش کی اس تجویز کی استاد نے بھی حمایت کی، لیکن میں نے ان لوگوں کو صاف منع کر دیا اور یہ کہا کہ مجھے کسی عہدے یا منصب کی کوئی تمنا نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے طوفان کلب میں مزید چند دن گزارے، لیکن اب یہاں کا ماحول بدل گیا تھا۔ میں جو پہلے یہاں کے لوگوں کا بے تکلف ساتھی تھا، اب ان کے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ استاد کی شفقت، ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکیوں کی جگہ ایک محتاط رویے نے لے لی تھی۔ اور استاد کا رویہ میری جانب اب ایسا تھا گویا وہ میرا استاد نہیں، بلکہ میں اس کا استاد ہوں۔ مغربیس اور دوسرے ساتھیوں کی بے تکلفی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی تھی۔ وہ میری جانب عزت و احترام کا انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ اب وہ میرے قریب آنے کے بہانے میری موجودگی میں شاید ایک قسم کی بے چینی محسوس کرتے تھے۔ اس نے مجھے ایسا ویسا ایک انسان سمجھنا چھوڑ دیا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی تھی۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مجھے کوئی دیوتا یا دیوتا کا اوتار سمجھنے لگے تھے۔ استاد نے میرے سپرد کوئی کام بھی نہیں کیا۔ میں دن بھر خالی رہتا، جبکہ دوسرے لوگ اپنے روز مرہ کے معمولات میں مصروف رہتے۔ جلد ہی میں ان سے میرا دل اکتا گیا۔ جب تک میری محفل توتوں کا بھرپور انتظام نہیں ہوا تھا، سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیکن ایک بار ان توتوں کے ہلاک ہو جانے کے بعد اب میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ توتوں کو پالنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے میں بھی ان ہی جیسا ایک انسان ہوں مجھے یاد تھا کہ استاد نے ایک بار مجھ سے ایک بار یہ بات کہی تھی کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے اس کلب کا نگران بنا دے اور اس کے مرنے کے بعد میں اس کلب کو سنبھالوں، لیکن اب ایک بار بھی استاد کی زبان پر یہ الفاظ نہیں آئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے کلب کا نگران کسی انسان کو ہی بنا سکتا تھا، اور میں اب ان لوگوں کی نظر میں انسان کے علاوہ کوئی اور چیز تھا۔

اجنبیت اور بیگانگی کے اس ماحول میں، میں ایک ہفتے سے زیادہ نہیں رہ سکا۔ میں ایک عضوِ معطل کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ صبح سے شام تک کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا اور جس سے اس کے اپنے خوف زدہ رہتے تھے۔ بالکل وہی صورتِ حال تھی جو اس سے پہلے سارہ میں تھی۔

آخر ایک رات کو، جبکہ کلب میں سارے لوگ مجھ خوابِ غفلت میں خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا استاد کے کمرے میں داخل ہوا اور ایک نظر اس کے پرسکون پُرشفقت چہرے پر ڈالی۔ استاد نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، وہ مجھے بہت محبت کرتا تھا، میں چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے اس کی عنایات کے لیے اس کا شکریہ ادا کر دوں۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے اس سے جانے کی اجازت طلب کی تو وہ مجھے کبھی بھی ہرگز اجازت نہیں دے گا اور دوسرے لوگ بھی مجھے روکنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میں

مناسب سمجھا کہ میں رات کے سناٹے میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں۔ میرے اس بزدلانہ اقدام کو ظلم اور ناسپاسی کے خلاف ایک ایسا سبق دے دیا جسے انہوں نے یقیناً ایک طویل عرصے تک یاد رکھا ہوگا۔

رات کی تاریکی میں، میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سڑک پر دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں طرف کچی مٹی کے مکانات کی قطاریں تھیں۔ سڑک پر جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ کھلی جگہ تھی جہاں میں ایک مشتبہ شخص کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، میرا یہ آخری مالیشیے کی حیثیت سے ہوا تھا، اور اب میں اس شہر کے سب سے بڑے ولی کی حیثیت سے اس جگہ سے رخصت ہو رہا تھا۔

رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی جب میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ سارا شہر محوِ خواب تھا۔ کہیں کہیں گلیوں میں چوکیداروں کی جاگتے رہنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں حتی المقدور چوکیداروں کی نظروں سے بچتا ہوا شہر کے باہر جا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں آوارہ کتوں کے غول شور مچاتے پھر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کے شور میں اضافہ ہو جاتا، لیکن انہوں نے میرے قریب آنے یا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ میں خاموشی اور اطمینان سے اپنا سفر طے کرتا ہوا بالآخر اس گاؤں کی طرف تھا جہاں میں نے شہزنجانہ کے ساتھ کچھ گزارے تھے۔ میں اس مکان کو آخری بار دیکھ لینا چاہتا تھا جہاں میری زندگی کی بہت سی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔

چلتے چلتے ساری رات بیت گئی اور دور افق پر سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔ منزل میری اب زیادہ دور نہیں تھی۔

صبح ہوتے ہوتے میں اس گاؤں میں داخل ہو گیا اور سیدھا اس جگہ پہنچا جہاں میں کچھ دن شہزنجانہ کے ساتھ رہا تھا۔

مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس کے اندر داخل ہو گیا۔ صحن میں [illegible] بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس میں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔

میں [illegible] ان ساری چیزوں کو دیکھتا رہا جو اس کمرے میں موجود تھیں۔ بے جان و جامد اشیا جن کی اپنی کوئی اہمیت نہیں تھی، لیکن ان اشیا کے ساتھ اس وقت زندگی کی لہر دوڑتی نظر آتی تھی جب وہ کسی انسان کے استعمال میں آتی تھیں۔

میں زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رک سکا۔ مجھے شہزنجانہ کا لباس یا کوئی اور چیز کسی سے نہیں لینا تھا، کیونکہ اول تو مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کہ کسی شخص کے ہاتھوں نے شہزنجانہ کا لگا کھٹا ہے، اور اگر کوئی یہ سمجھتا تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ شہزنجانہ کی اصل قاتل تو [illegible] وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں تھی۔ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل چکی تھی۔

[illegible] چند منٹ کے بعد اپنی یادوں کے اس حسین گہوارے سے باہر نکل آیا۔ ابھی بہت سویرا تھا اور رات کا دھندلکا باقی تھا۔ کچھ لوگ ادھر اُدھر چل پھر رہے تھے، لیکن زیادہ تر بیل نظر نہیں آ رہی تھی اور اسی لیے شاید مجھے کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ بہرحال میرے لیے اب یہ بات بے معنی تھی کہ کسی نے مجھے دیکھا یا نہیں دیکھا۔ میں نے منزل تک پہنچے بغیر ایک سمت میں قدم بڑھانا شروع کر دیے اور جلد ہی گاؤں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

جس وقت سورج کی روشنی پوری طرح پھیل گئی، اس وقت تک میں گاؤں سے بہت دور نکل چکا تھا۔ شہزنجانہ اس سے کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ صبح کو جب استاد، مغربیس اور دوسرے لوگ بیدار ہوں گے اور انہوں نے مجھے وہاں موجود نہیں پایا ہوگا تو انہیں سخت اچنبھا ہوا ہوگا اور انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی، لیکن اب وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔

آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ناہموار ٹیلوں اور اونچی نیچی زمین اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ سورج اب تیزی سے چمک رہا تھا اور اس میں کافی تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ میں، جو کہ کھانے پینے کی انسانی ضروریات سے بے نیاز تھا۔ اسی طرح چلتا رہا۔ بڑا ویران اور غیر آباد علاقہ تھا جہاں سے میں گزر رہا تھا۔ شام ہونے کو آئی، لیکن خودرو جھاڑیوں اور ناہموار ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ میں چلتا رہا۔ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چار سو پھیل گیا۔ اب میں نے آرام کرنے کی ٹھانی اور ایک جھاڑی کے قریب زمین کو سنگریزوں اور خشک پتوں سے صاف کر کے میں نے وہاں رات بسر کی۔

صبح کو میں نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ اس دفعہ میں ایک طویل سفر کرنا چاہتا تھا اور بالکل نئی دنیاؤں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ جہاں میں نئے تجربات اور نئے حوادث سے دوچار ہونے کا موقع حاصل کر سکوں۔

چنانچہ پروفیسر اس دفعہ میرا سفر مہینوں جاری رہا۔ میں خشکی کے علاوہ کئی آبی راستوں سے بھی گزرا۔ راستے میں کئی جگہ مجھے آبادیاں اور بستیاں ملیں۔ میں نے ان میں سے ایک آدھ میں چند روز قیام بھی کیا، ایک آوارہ گرد مسافر کی حیثیت سے، لیکن میں ایک آدھ روز سے زیادہ کہیں نہیں ٹھہرا۔ کار اور مسلسل حرکت کرتا رہا۔ میں یونان کی زمین سے باہر نکل چکا تھا، لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب میں کس ملک کی سرزمین پر سفر کر رہا ہوں، لیکن اتنا احساس مجھے ضرور تھا کہ میں یورپ کے علاقے سے نکل کر ایشیا کی حدود میں داخل ہو چکا ہوں، شاید میں ترکی میں تھا یا شاید ایران میں یا شاید عراق میں۔ بہرحال اس وقت ان ممالک کی وہ سرحدیں اپنا وجود نہیں رکھتی تھیں جو آج ہیں، اور نہ ہی ان کی وہ شکل تھی جو کہ تمہارے دور میں ہے۔ مجھے ایشیا میں اپنے داخل ہونے کا اندازہ اس طرح ہوا کہ لوگوں کے چہرے بدل گئے تھے۔ مغربی خدوخال کی جگہ مشرقی نقوش نے لے لی تھی۔ لباس بھی بدل گئے تھے۔ زبانیں بھی بدل گئی تھیں۔ مجھے

مسلسل سفر میں رہنے کے عجیب انداز ہ نہیں ہو سکا کہ میں کس کس ملک سے عبور کرتا ہوا کس ملک میں داخل ہو گیا ہوں، کیونکہ میں زیادہ تر ایسے راستوں سے سفر کرتا تھا جہاں انسانی آبادیاں موجود نہ ہوں۔ اور کئی کئی مہینے تک میں کسی انسان کی شکل نہیں دیکھتا تھا۔

وہ ایک خوشگوار اور سہانی صبح تھی جب میں ایک ہرے بھرے اور گھنے جنگل میں داخل ہوا۔ موسم سرما کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بہار کی آمد تھی، درخت کی خشک ٹہنیوں پر نئی کونپلیں تیزی سے پھوٹ رہی تھیں۔ سنگ و خس مسکرانے لگے تھے اور چڑیوں کی چہچہاہٹ میں سرخوشی و سرمستی کا عالم تھا۔ خود مجھ پر بھی ایک بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ میں درختوں کی گھنی شاخوں اور ہر تحاشا پھیلی ہوئی بیلوں میں سے راستہ بناتا ہوا میلوں اندر چلا گیا۔ بے حد گھنا اور وسیع و عریض جنگل تھا۔

میں نے گھنے درختوں اور گہرے سبز رنگ کی بیلوں سے گھرے ہوئے خشک سالی کے ایک چشمے کو دیکھا، اور بے ساختہ اس کے میں کود پڑا۔ کافی دیر تک میں چشمے میں نہاتا رہا اور میں نے مدتوں کے بعد ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیا۔ جب میں چشمے سے پانی پی کر اور نہا کر باہر نکلا تو چشمے کے کنارے ہی ایک طرف اگی ہوئی نرم نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ گھاس سے تھوڑی دور کے فاصلے پر کچی اور نم زمین تھی۔ اچانک میں نے اس نم زمین میں ایک ایسی چیز دیکھی جسے نے مجھے سخت حیرت میں مبتلا کر دیا۔ یہ واضح طور پر انسانی قدموں کے نشانات تھے مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں خود اس نم زمین سے گزر کر چشمے تک نہیں گیا تھا، بلکہ میں گھاس پر چلتا ہوا گیا تھا۔ اس لیے یہ نشانات میرے اپنے قدموں کے نہیں ہو سکتے تھے، اور اس بات کا مطلب یہ تھا کہ اس جنگل کوئی انسان موجود ہے!

اس گھنے جنگل میں میلوں اندر، جہاں دن کے وقت بھی ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا رہتا تھا، انسان کا وجود کہاں سے آ گیا؟ اور اس تنہائی اور ویرانے میں کوئی انسان کیا کر رہا ہے؟ میرے ذہن میں اچانک ہی یہ سوال پیدا ہوا، اور میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی عابد و زاہد ہو، کوئی تارک الدنیا شخص، جو اس ویرانے میں اپنے تزکیۂ نفس کے لیے بیٹھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہاں کسی خفیہ عمل میں مصروف ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مفرور مجرم ہو اور سزا کے خوف سے بھاگ کر جنگل میں چھپ گیا ہو۔ بہر حال، میرے لیے گہری دل چسپی کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور انسانی قدموں کے ان نشانات نے میرے اندر زبردست تجسس پیدا کر دیا تھا۔

میں نے چشمے کے آس پاس اور دور دور تک نظریں دوڑائیں، مجھے انسانی جھلک نہیں دکھائی دی۔ قدموں کے نشانوں کو غور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ تازہ نشانات ہیں۔ میں نے نشانوں کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ یہ کافی بڑے بڑے پیروں کے نشانات تھے، جن سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جس شخص کے قدموں کے یہ نشانات ہیں، وہ کوئی بھاری بھرکم اور تنومند آدمی ہے۔

میں کافی دیر تک گھاس پر لیٹا رہا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکوں اور ماحول کی طراوت نے مجھے نیند کی حسین دنیا میں پہنچا دیا اور جب میری آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ یقیناً سورج کے غروب ہونے میں ابھی کافی دیر باقی تھی، لیکن درختوں کی گھنی چھاؤں تلے غروبِ آفتاب سے پہلے ہی اندھیرا ہو گیا تھا۔ جنگل میں اس وقت دور دور تک ایک عجیب پُراسرار سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس سناٹے کو توڑتی ہوئی کسی وقت کسی پرندے کی تیز آواز فضا میں گونج اٹھتی، جو پھر میں جنگل کے کسی اور دور دراز گوشے سے ایک اور آواز بلند ہوتی۔ چند لمحوں تک آوازوں کا تبادلہ ہوتا رہتا اور اس کے بعد ایک بار پھر سناٹا طاری ہو جاتا۔

میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا اور میں نے قدموں کے نشانات پر دوبارہ نظر ڈالی۔ کسی نئے نشان کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص دوبارہ چشمے کی طرف نہیں آیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ رات ہونے سے قبل وہ شخص دوبارہ اس چشمے کے پاس آئے گا، لیکن درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا پھیل گیا اور وہ نہیں آیا۔ اب غروب آفتاب کا وقت آ گیا تھا۔ چڑیاں بسیرا لینے کی تیاریاں کر رہی تھیں، اور ان کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میرے سر کے اوپر ہزارہا اقسام کے فرغ یہ نوع ساز بج رہے ہوں، جن کی مختلف آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو کر ایک عجیب و غریب موسیقی کی شکل اختیار کر گئی ہوں۔

میں تھوڑی دیر کے بعد چشمے کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میں نے اپنے پاؤں پانی میں لٹکا دیے۔ شام ہونے کے ساتھ ہی پانی بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اب چڑیوں نے چہچہانا بند کر دیا تھا اور وہ اپنے اپنے گھونسلوں میں جا کر دبک گئی تھیں۔ میرے پیروں کو ایک بے حد فرحت بخش خنکی کا احساس ہو رہا تھا اور میں اپنی بے پناہ اور لامتناہی باتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مجھے عجیب سی آواز سنائی دی۔ یہ بات پروفیسر کہہ نے بے شمار جنگلی میں رہتیں اور دن گزارے تھے جو طرح طرح کے جانوروں اور اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرے ہوئے تھے اور میں ان سب کی آوا بخوبی شناخت کر سکتا تھا، لیکن جو آواز میں سن رہا تھا، وہ کسی جا کی آواز نہیں تھی۔ میں نے اپنے کان پوری طرح آواز پر لگا دیے آواز کہیں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دور کہیں ناقوس بج رہا ہو۔ کیا یہاں قریب کوئی بستی ہے اور وہاں کے لوگ اپنی شام کی عبادت میں مصروف ہیں؟ میں نے سوچا۔ میں نے اپنے کانوں کو پوری متوجہ کرتے ہوئے آواز کی سمت کا تعین کیا اور اس کے بعد اس

نے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابھی میں نے دو قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ آواز منقطع ہو گئی۔ وہ جس طرح اچانک ابھری تھی، اسی طرح اچانک غائب ہو گئی۔ میری تشویش کردہ سمت غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ میں نے سوچا کہ میں یہیں رک کر انتظار کروں گا کیونکہ صبح ہو گی تو کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔

مجھے معلوم نہیں پروفیسر کہ تمہیں کبھی گھنے جنگل میں رات گزارنے کا موقع ملا ہے کہ نہیں۔ لیکن میری زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آئے ہیں اور میں پوری طرح ان سے لطف اندوز ہوا ہوں۔ خاص طور پر کسی چشمے یا تالاب کے کنارے رات کے جنگل کا منظر قابلِ دید ہوتا ہے۔ جنگل کے جانوروں کی اصل سرگرمیاں رات کو ہی شروع ہوتی ہیں۔ شکاری درندے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ہر طرح کے جانور اپنی اپنی غذا کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ رات کو مختلف اقسام کے جانور باری باری چشمے یا تالاب کے کنارے پانی پینے آتے ہیں، مجھے معلوم تھا کہ تھوڑی دیر میں یہاں جانوروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں انہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں ایک قریبی درخت پر چڑھ گیا جو کافی بلند تھا، چڑھ گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کی شاخوں میں اچھی طرح چھپا لیا۔ قمری مہینے کی درمیانی تاریخیں تھیں اور آسمان پر روشن چاند سونے کے ایک خوبصورت تھال کی طرح جگمگا رہا تھا۔ مجھے نیچے کا منظر بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ جانوروں کے غول کے غول باری باری پانی پینے آ رہے تھے اور میں انہیں کے ساتھ دیکھتا رہا۔ وہ پُراسرار آواز مجھے دوبارہ نہیں سنائی دی۔ ساری رات گزر گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس گھنے جنگل میں جانوروں کے علاوہ شیر چیتے اور بھیڑیے جیسے درندے بھی موجود ہیں، جانوروں کے کئی غول پانی پینے کے لیے آئے۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اس جنگل میں جو کوئی انسان موجود ہے، اسے اپنے تحفظ کا بہت انتظام کرنا پڑتا ہو گا اور وہ غالباً کسی سخت مجبوری کی بنا پر کسی خفیہ عمل میں مصروف ہے۔

رات دھیرے دھیرے سرکتی رہی۔ صبح کاذب کا وقت ہوا تو میری آنکھ لگ گئی اور میں سورج نکلنے کے بعد کافی دیر تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلنے پر درخت سے نیچے اترا۔ میں نے چشمے کے سرد اور فرحت بخش پانی سے دیر تک غسل کیا، اور جب غسل سے فارغ ہو کر تازہ دم ہو کر باہر نکلا تو وہ پُراسرار آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے فوراً سمت کا تعین کیا اور تیزی سے اس طرف چل پڑا۔ چلنے سے پہلے میں نے چشمے کے کنارے کی زمین کا اچھی طرح جائزہ لیا، لیکن مجھے انسانی قدموں کے نشانات کے علاوہ کوئی نئے نشانات نظر نہیں آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رات سونے کے دوران بھی کوئی شخص ادھر نہیں آیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ شخص پانی کے پاس کیوں نہیں آیا، اور وہ پانی پیے بغیر کیسے رہ رہا ہے۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

ہو سکتا ہے اس نے درسے مجھے یہاں دیکھ لیا ہو اور اب وہ اس طرف آنے سے گریزاں ہو۔ آس پاس کہیں پانی کا کوئی اور چشمہ بھی موجود ہو اور وہ شخص اپنی ضروریات اس سے پوری کر رہا ہو۔

آواز جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی، اسی طرح اچانک بند ہو گئی۔ لیکن میں نے کافی حد تک سمت کا تعین کر لیا تھا، اور میں اس طرف روانہ ہو گیا۔

میں اپنی تشویش کردہ سمت میں بہت دور تک چلا گیا، لیکن مجھے نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ کوئی ایسی نشانی جس سے کسی انسان کے وجود کا ثبوت مل سکے۔

مجھے گھومتے گھومتے دوپہر ہو گئی۔ جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ جھاڑیوں اور بیلوں کی تعداد میں اضافہ معلوم ہوتا تھا اور درختوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ میں چاروں طرف احتیاط سے نظریں دوڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اچانک کسی درخت سے ایک ہلکا سا پھل ٹھیک میرے سر کے اوپر آ کر گرا۔ فطری طور پر میری نظر فوراً اوپر درخت کی طرف اٹھ گئی۔ مجھے ایسا لگا گویا اوپر کافی بلندی پر پتوں کے درمیان کچھ لکڑی کے تختے چھپے ہوئے ہوں۔ اتنے میں ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ ڈالیاں ہلیں اور میں نے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اوپر لکڑی کے تختے ہیں۔ بڑی عجیب سی بات تھی!

میں نے فوراً اس درخت پر چڑھنا شروع کر دیا اور بالآخر میں نے تختوں کا راز پا لیا۔ وہ درخت بالکل پاس پاس تھے اور ان کے بڑے بڑے ٹہنوں پر جو تقریباً سیدھے تھے، ایک لکڑی کی چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی۔ جو ٹہنیوں اور پتوں میں اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ نیچے سے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ غور سے دیکھنے پر صرف فرش کے تختوں کی ایک جھلک دکھائی دیتی تھی۔ مجھے اس جنگل میں یہ معلق جھونپڑی دیکھ کر بے حد حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کسی نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ تختوں کو ترتیب دے کر یہ جھونپڑی تیار کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب پہنچا۔ اس میں باقاعدہ ایک دروازہ لگا ہوا تھا جو اس وقت باہر سے بند تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ جھونپڑی کی چھت کافی بلند تھی اور دروازہ بھی بہت چھوٹا تھا۔ انسان بالکل جھک کر اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ میں تقریباً دوسرا ہو کر جھونپڑی کے چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جھونپڑی اندر سے کافی کشادہ اور نہایت صاف ستھری تھی۔ ایک بار جھونپڑی کے اندر داخل ہو جانے کے بعد یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ جھونپڑی درختوں پر قائم اور فضا میں معلق ہے۔ جھونپڑی کے ایک جانب گھاس بھوس سے بنا ہوا نرم بستر موجود تھا جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے باقاعدہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طرف کونے میں بڑا سا مٹی کا برتن رکھا تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا، اس میں پانی تھا اور ساتھ ہی کسی دھات کا بنا ہوا ایک گلاس بھی موجود تھا۔ ایک طرف دو لمبی لمبی

کلہاڑیں بھی بڑے بڑے خنجر اور چھوٹے سوٹے چاقو بھی رکھے ہوئے تھے جو کوئی بھی شخص یہاں رہ رہا تھا وہ پورے اطمینان اور تیاری کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک طویل عرصے تک یہاں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

میں نے تھوڑی دیر بیک قلم کر جھونپڑی کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ جھونپڑی اندر سے اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم چار آدمی بڑے اطمینان سے رہ سکتے تھے۔ اسے واقعی بڑی محنت اور عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ تاہم یہ بات ظاہر تھی کہ اس میں رہنے والا فی الحال کوئی ایک ہی شخص تھا، کیونکہ بستر ایک ہی تھا۔

میں اندر سے جھونپڑی کا معائنہ کرنے کے بعد اس میں سے باہر آیا اور درخت سے ٹیک لگا کر میں نے جھونپڑی کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ تاہم یہاں کے رہنے والے کو میری آمد کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ باقی خرابیوں نے اس آدمی کا پتا دریافت کر لیا ہے جس کے قدموں کے نشانات میں نے چشمے کے پاس دیکھے تھے لیکن پُراسرار آواز کا راز ابھی باقی تھا۔ ہو سکتا ہے اس آواز کا تعلق اسی انسان سے ہو۔ میں نے سوچا۔ اب اس کا پتا چلانا میرے لیے چنداں دشوار نہ تھا۔

میں درخت سے ٹیک اتر کر آہستہ آہستہ اس کے علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ میں جھونپڑی والے درخت کے محل وقوع کو بھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا۔ جنگل کا یہ حصہ بہت اندر تھا اور یہاں تک پہنچنے کے لیے میلوں تک کے گھنے جنگل کو پار کرنا ضروری تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس علاقے کو جھونپڑی بنانے کے لیے خاص طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کسی انسان کے آنے کا امکان نہیں ہونے کے برابر تھا۔

میں کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا اور جھونپڑی والے درخت سے کافی دور نکل آیا۔ میں گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا کہ اچانک مجھے اپنے سے کچھ فاصلے پر کسی شے کی "آں آں" جانوں جیسی آواز سنائی دی۔ میں نے جھاڑیوں سے جھانک کر آواز کی طرف دیکھا۔ سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا ریچھ کچھ تگ و دو سے کسی پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنے بھاری بھرکم اور بے ڈول بدن کو جھٹکا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے ریچھ کے شکار کو تلاش بھی نہ کر پائی تھیں کہ اچانک وہی پُراسرار آواز سنائی دی۔ اب کی بار یہ آواز بالکل ہی قریب سے آئی تھی اور بڑے زور سے گونج رہی تھی۔ میں نے آواز کی سمت غور سے دیکھا۔ جھاڑیوں کے بیچ ایک انسان کھڑا تھا!

میں اس انسان کے پورے جسم کو نہیں دیکھ پا رہا تھا کیونکہ وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا۔ میں صرف اس کی گردن سے اوپر کے حصے کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا سا شکار پکڑا ہوا تھا جسے وہ اپنے منہ سے لگائے ہوئے پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ بجا رہا تھا۔ اس کوشش میں اس کی گردن کی رگیں بُری طرح تن گئی تھیں، گال پھول کر کپا ہو گئے تھے اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ شنکھ سے مسلسل تیز آواز نکل رہی تھی۔ ریچھ اس کی آواز سے خوف زدہ ہو گیا۔ وہ وہیں رک گیا اور جھنجھلائی ہوئی نظروں سے آدمی کو دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ پلٹا اور بھد بھد کرتا ہوا گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

ریچھ کے بھاگ جانے کے ساتھ ہی اس شخص نے شنکھ کو منہ سے ہٹا لیا اور اس میں سے نکلنے والی آواز بند ہو گئی۔ اس شخص نے وہیں کھڑے کھڑے ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور پھر وہ عین میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

اس شخص کے جسم پر لباس کا تار بھی نہ تھا۔ وہ بالکل ننگا تھا اور سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا اصل چہرہ ہی غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کے ناخن جانوروں کی طرح بہت لمبے لمبے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں کئی برس سے کاٹا نہ گیا ہو۔ اس کا جسم صحت مند اور سڈول تھا۔ چوڑی چوڑی پنڈلیاں، بانس کی داڑھی اور سر کے لمبے لمبے بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اس کے بال سیاہ تھے، جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی نہیں ہے۔ اس کا جسم بھی خوب کسا ہوا اور صحت مند تھا۔ اس کی کمر کے گرد گھاس کی بٹی ہوئی ایک موٹی رسی بندھی ہوئی تھی اور اس نے شنکھ کو ایک پتلی سی رسی کے ذریعے اس موٹی سی رسی سے باندھ رکھا تھا۔ شنکھ کو اس نے دوبارہ کمر سے لٹکا لیا۔ نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ تازہ شکار کیے ہوئے خرگوش تھے۔ بچے اس کی کمر کی رسی سے بندھے ہوئے کئی ایک خنجر بھی نظر آئے۔ اب اس نے اس انسان کو بھی تلاش کر لیا تھا اور پُراسرار آواز کا راز بھی بالآخر منکشف ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے اس شخص کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔ دونوں خرگوشوں کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے وہ ایک سمت میں چلنے لگا۔ جدھر اس کی جھونپڑی واقع تھی۔ میں ایک خاص فاصلے سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ جھونپڑی والے درختوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں آ کر اس نے ایک جھاڑی کے پاس سے بہت سی سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں سوکھی ہوئی لکڑیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور اس کے ساتھ بہت سے پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس نے ان میں سے دو پتھر اٹھا لیے اور اپنی جھونپڑی کے عین نیچے بیٹھ کر انہیں رگڑنے لگا۔ جلد ہی پتھروں سے چنگاریاں پیدا ہوئیں اور خشک لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ اس شخص نے اطمینان سے ایک خنجر کے ذریعے خرگوشوں کی کھال اتاری۔ ان کے پیٹ چاک کر آلائش صاف کی اور پھر انہیں اطمینان سے آگ پر بھوننے لگا۔ اس نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں منہمک تھا۔ میں جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کے کچھ اور قریب آ گیا اور میں نے غور سے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ

پچیس سال کی عمر کا آدمی تھا۔ اس کا جسم صحت مند اور قد کافی لمبا تھا۔ اس کی شخصیت میں کافی کشش تھی۔ اپنے غدود خال سے وہ مشرقی نظر آتا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب میرے لیے زیادہ دیر اپنے آپ کو اس کی نظروں سے چھپائے رکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا جذبۂ تجسس پوری طرح بیدار تھا اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ وہ کون ہے اور اس تاریک جنگل میں تنہا کیا کر رہا ہے۔

میں جھاڑیوں اور بیلوں کی آڑ سے نکل کر اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ جونہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، اس کے منہ سے حیرت اور خوف میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ نکلی اور اس کا ہاتھ بے ساختہ کمر کے گرد بندھی ہوئی رسی سے لٹکے ہوئے خنجروں کی طرف گیا۔ دوسرے لمحے جھٹکا ہوا خنجر اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اس نے خنجروں پر جھپٹنے سے پہلے ہی اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے مسکرا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں تم دیکھ رہے ہو کہ میں بالکل غیر مسلح ہوں اور ابھی تک میں نے نظروں سے چھپا ہوا تھا، جبکہ تم میری نظروں سے چھپے ہوئے تھے۔ اگر میں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تو پہلے ہی پہنچا سکتا تھا۔"

میں نے جو زبان بولی تھی، وہ میرے اندازے کے مطابق مشرقی علاقوں میں بولی جانے والی بہت سی زبانوں میں سے ایک تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اجنبی میری زبان کو سمجھ لے گا، لیکن اس شخص نے میری بات کو بخوبی سمجھ لیا۔ اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ تو نہیں کیا لیکن خنجر چھوڑا بھی نہیں اور کڑے تیوروں سے مجھے گھورتا رہا۔

"بالکل یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم اتنے طویل عرصے سے خوفناک درندوں کے درمیان اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟"

"کتنے عرصے سے؟" اس نے جلدی سے گڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہوں؟" اس نے مشتبہ نظروں سے مجھے گھورا۔

"مجھے قطعی طور سے تو یہ بات نہیں معلوم کہ تم کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہو لیکن میں تمہارے قیام کی مدت کا تعین اس بات سے کر سکتا ہوں کہ تمہارے بدن کا لباس نہ جانے کب کا تار تار ہو چکا ہے اور تم نے خود کو جانوروں کی طرح سے "تکلف" آراستہ کر لیا ہے۔"

میرے ان الفاظ سے اسے اچانک اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور وہ خجالت زدہ سا ہو گیا۔ لیکن اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جسے وہ لباس پوشش کے لیے استعمال کر سکتا۔ میں نے اپنے لباس کا بیرونی حصہ اتارا اور اس نے جلدی سے اسے پکڑ لیا اور اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔

"تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟" اس نے غور سے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یاد نہیں کہ میں نے تمہیں وہاں کبھی دیکھا ہو۔"

"اتفاق کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اتفاق کے بارے میں تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور بغیر کسی ہتھیار کے اس بھیانک جنگل میں اتنی آزادی کے ساتھ کیسے گھوم رہے ہو؟"

"دراصل میں ایک سیلانی آدمی ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے نئی نئی جگہیں دیکھنے اور دور دراز کے دشوار گزار علاقوں کی سیر کرنے کا شوق ہے۔ اس شوق کے سبب مجھے کہیں قرار نہیں ہے اور میں تقریباً ہر دوسرے ہفتے یہ جگہ بدلتا ہوں۔ بھٹکتا بھٹکتا میں اس جنگل میں نکلا۔ اب یہاں سے نکل کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔ وہاں سے کہیں اور پھر کہیں اور۔۔۔"

"عجیب آدمی ہو۔" اس نے کہا۔ "ویسے تمہارا وطن کون سا ہے؟"

"ساری دنیا میرا وطن ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"میرے اس جواب پر وہ جھنجھلا گیا۔ "کہ ساری دنیا کسی کا وطن نہیں ہوتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی وطن ہوتا ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور پلتا بڑھتا ہے، جس کی دھرتی سے اسے خصوصی پیار ہوتا ہے اور جہاں اس کے عزیز و اقارب رہتے ہیں۔"

"جہاں تک عزیز و اقارب کا تعلق ہے تو میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اگر وطن کے بارے میں جاننے کے لیے اتنے ہی بیتاب ہو تو یوں سمجھ لو کہ میں یونان کا رہنے والا ہوں۔"

"تم یونان کے رہنے والے ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "اور تم اتنے دور دراز کا سفر کر کے فارس کے علاقے میں گئے ہو اور وہ بھی بغیر کسی سواری کے۔ یہ کیا تمہارے پاس گھوڑا ہے؟"

"نہیں میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

میں نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا ہے۔"

"یونان ہمارے علاقے سے بہت دور ہے۔ ہم نے اس ملک کے بارے میں بہت سی کہانیاں اور داستانیں سنی ہیں۔ لیکن میرے آباؤ اجداد میں سے کوئی کبھی یونان نہیں گیا۔ ہاں ہمارے علاقے سے کئی تجارتی قافلے یونان جاتے رہتے تھے اور یونان کے تجارتی قافلے بھی ہمارے ہاں آتے تھے، مگر تم نے ہمارے زبان کس طرح سیکھی؟"

"کچھ ایک بار ایک تجارتی قافلے کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا، جس میں ایک شخص اس علاقے کا بھی شامل تھا۔ میں نے اس سے فارس کی زبان سیکھی۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"کیوں نہ ہم پہلے اس تازہ بھنے ہوئے گوشت سے لطف اندوز ہوں۔"

جو رکھے رکھے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اب جبکہ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تمہارا تعلق تاتاق سے نہیں ہے تو مجھے شہیں اپنے بارے میں بتانے سے کوئی عذر نہیں ہو گا۔"

خرگوش کا بھنا ہوا گوشت بہت لذیذ تھا اور مقدار میں بھی کافی تھا کیونکہ دونوں خرگوش کافی بڑے بڑے تھے۔ ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس شخص کا خوف اب بالکل دور ہو چکا تھا اور وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہا، لیکن میرے پاس اسے سمجھانے کے لیے الفاظ نہ تھے۔ میں نے ادھر اُدھر کی باتیں کر کے اسے بہلا دیا۔ جب ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے اپنی داستان کا آغاز کیا۔

"میرا نام گاوت ہے۔" اس نے کہا۔ "اور میں لاناق کا رہنے والا ہوں۔ لاناق اس جنگل کے دوسرے سرے سے کافی آگے پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک نہایت حسین اور زرخیز وادی کا نام ہے اور اس وادی میں جو بستی آباد ہے، وہ بھی لاناق کے نام سے ہی موسوم ہے۔ یہ ایک کافی بڑی بستی ہے اور یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہیں۔ پیداوار خوب ہوتی ہے اور سبزے کی بہتات کی وجہ سے مویشیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس وادی کی بھیڑیں دور دور تک مشہور ہیں اور ان کا اون نہایت عمدہ ہوتا ہے جو عمدہ داموں دور دور تک فروخت ہوتا ہے۔ اون خریدنے والے سوداگر بڑی دور دور سے یہاں آتے ہیں۔

"میرا باپ اس بستی کا سردار تھا۔ وہ ایک بہت نیک دل اور فیاض آدمی تھا اور بستی کے لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ میرے باپ کی دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں آپس میں جڑواں بہنیں تھیں۔ ان کی شکلیں تقریباً ایک جیسی تھیں۔ میری ماں کا نام لویرا تھا اور میری خالہ اور سوتیلی ماں کا نام شاویرا تھا۔ میرا فیملک دل باپ اپنی دونوں بیویوں سے بہت محبت کرتا تھا۔

"میں اپنے باپ کی پہلی اولاد تھا اور جس وقت میں پیدا ہوا تھا میرے باپ نے اس خوشی میں خزانے کے منہ کھول دیے۔ کئی دن تک پوری بستی والوں کو کھانا کھلایا گیا اور بستی کے سامنے گھروں میں چولھے جلانے کی نوبت نہ آئی۔ جو تحفے صرف میرے باپ کی وسیع و عریض حویلی میں مل رہے تھے جہاں درجنوں باورچی رات دن کھانا پکانے میں مصروف رہتے تھے۔ بستی کے لوگوں نے بھی اس موقع پر بے پروست خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور تقریباً ایک ہفتے تک بستی میں جشن کا سا سماں رہا۔ میری ماں بہت خوش تھی۔ اس وقت میں جو باتیں تمہیں بتا رہا ہوں، وہ مجھے اپنی ماں، باپ اور دوسرے لوگوں نے بتائی ہیں۔

"میری پیدائش کے ٹھیک تین ماہ بعد میری خالہ اور سوتیلی ماں شاویرا کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ میرے باپ نے اس موقع پر بھی زبردست مسرت کا اظہار کیا اور خوشی کے شادیانے بجوائے لیکن وہ سب کچھ نہیں ہوا جو میری پیدائش پر ہوا تھا۔ شاویرا کو یہ بات سخت ناپسند آئی۔ دراصل میری ماں ایک نہایت شریف النفس اور خوش مزاج عورت تھی اور اس نے کبھی بھی اپنی بہن کا برا نہیں چاہا بلکہ شاویرا بالکل دوسرے قسم کی عورت تھی۔ حسد اور رقابت کا مادہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے ابتدا سے اس بات کا غم تھا کہ اس کے ماں بننے سے پہلے اس کی بہن ماں بن گئی اور وہ بھی ایک بیٹے کی۔ یہ بیٹا تو لاناق کے گھر بھی پیدا ہوا لیکن بعد میں، جبکہ میں اس دنیا میں آ چکا تھا۔

"چنانچہ شاویرا ابتدا ہی سے مجھے ناپسند کرنے لگی۔ درحقیقت اس نے مجھ سے ہمیشہ نفرت کی۔ اس نفرت کا سب سے بڑا سبب تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باعث اپنے باپ کے بعد بستی کی سرداری میرا حق تھا۔ یہ ایک شدہ اصول تھا جس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا باپ اگر خود بھی یہ چاہتا کہ میرے بجائے میرے چھوٹے بھائی گراٹس کو اپنا جانشین مقرر کر دے تو وہ ایسا کبھی نہ کر سکتا تھا۔ صدیوں کے بنے ہوئے قواعد و ضوابط کو وہ نہیں توڑ سکتا تھا۔

"ایک دن جب بات یہ تھی ہم جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے، یہ صاف نظر آتا گیا کہ ہم دونوں کی شکلیں تقریباً بالکل ایک جیسی ہیں۔ ہماری عادتیں بھی ملتی جلتی ہیں۔ ہم دونوں کی شکلوں میں اتنی یکسانیت تھی کہ لوگوں کو ہمیں پہچاننے میں دشواری پیش آتی تھی۔ تاہم ہم دونوں میں ایک واضح فرق تھا اور وہ یہ کہ میری پشت پر پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان بنا ہوا ہے۔ گاوت نے اپنی پشت مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ جہاں دونوں شانوں کی ہڈیوں کے وسط میں ایک ستارے کا سا نشان بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔

"بستی کے دانشمندوں اور نجومیوں نے اس نشان کو میری خوش بختی کی علامت قرار دیا تھا اور میرے باپ کو یقین دلایا تھا کہ میں بہت اچھی اور کامیاب زندگی گزاروں گا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ ان لوگوں کے اندازے کتنے غلط تھے!

"بہرحال، میری سوتیلی ماں اور سگی خالہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میرے باپ کے بعد سرداری مجھے حاصل ہو۔ وہ اس کا برملا اظہار تو نہیں کرتی تھیں لیکن وہ اپنے بیٹے کو سردار بنانا چاہتی تھی، لیکن میری زندگی میں یہ ممکن نہیں تھا اور وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔

"جیسے جیسے ہم دونوں بھائیوں کی عمریں بڑھتی گئیں، ویسے ویسے شاویرا کی تشویش میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور میری ماں سے اس کے تعلقات خراب ہوتے گئے۔ وہ جان بوجھ کر میری ماں سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کرنے لگی اور طرح طرح سے اسے آزار پہنچانے کی کوشش کرتی، لیکن میری ماں بڑے صبر و تحمل والی سمجھدار عورت تھی۔ اسے بخوبی علم تھا کہ شاویرا حسد اور رقابت کے علاوہ احساس محرومی اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ اس لیے وہ باعموم شاویرا کی باتوں کو نظر انداز کر جاتی تھی۔ شاویرا گراٹس کو بھی ہم دونوں ماں بیٹوں سے دور رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں میری سوتیلی نے دو خوبصورت لڑکیوں کو جنم دیا۔ جن کی پیدائش پر کسی خاص خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لیکن شاویرا کے ہاں اس کے بعد کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ گراٹس اس کی واحد اولاد تھا۔

"انہیں دنوں ہماری بستی میں ایک عجیب و غریب بیماری پھیل گئی جس کی لپیٹ میں آ کر بستی کے بہت سے لوگ مر گئے۔ اس بیماری میں مریض کو زبردست تیز بخار آ جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی قے ہونے لگتی تھی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو جاتا تھا۔ بستی کے حکیم اور سیانے بڑی تیزی سے اس بیماری کا توڑ دریافت کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور انہیں کسی حد تک کافی کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی۔ میری سوتیلی ماں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ممکن ہے کہ وہ کچھ عرصے سے میری ماں کو ہمت ہارے ہی سروا دیتی، لیکن شاید وہ ایسا کرنے کی ہمت اس وجہ سے نہ کر سکی کہ میرے ننھے کے ناشتہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اس صورت میں میرا باپ اسے زندہ نہ چھوڑتا کیونکہ وہ مجھ سے اور میری ماں سے بے حد محبت کرتا تھا اور میری تعلیم اور پرورش کو ریاست کا خاص خیال رکھتا تھا، لیکن اب جبکہ بستی میں بیماری پھیلی ہوئی تھی، اس نے ہم سب لوگوں کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔

"گھر کے اندر میری پرورش و پرداخت ایک معمر خاتون کے پرد تھی جس کا نام شیرانہ تھا۔ میں اسے ادب سے اماں شیرانہ کہتا تھا۔ وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں دستر خوان پر کھانا سارے گھر والے ایک ساتھ کھاتے تھے۔ اس موقع پر میرا باپ بھی موجود ہوتا تھا۔ اس کی دونوں بیویاں اور ان کی اولادیں بھی موجود ہوتی تھیں۔ رات کا کھانا میرا باپ باہر مردانے میں اپنے شریک دوستوں کے ساتھ کھاتا تھا۔ میری ماں، میں اور میری دونوں چھوٹی بہنیں ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے اور شاویرا اور گراٹس تیسرے کے دوسرے حصے میں الگ کھانا کھاتے تھے۔

"اس رات حسب معمول میں، میری ماں اور میری دونوں بہنیں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے۔ موسم بدل رہا تھا۔ گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں اور موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ ابھی میں نے نوالہ اٹھایا بھی نہیں تھا کہ اچانک مجھے بڑے زور کی چھینک آئی اور اس کے بعد مسلسل چھینکیں آنی چلی گئیں۔ مجھ پر نزلے کا حملہ سا اثر ہو گیا تھا۔ میری ناک اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ میری ماں نے کھانا چھوڑ کر مجھے اٹھا لیا، لیکن اماں شیرانہ نے اسے روک لیا اور مجھے ساتھ لے کر غسل خانے چلی گئی اور جلدی سے میرے لیے پانی گرم کر کے لائی جس سے میں نے ہاتھ منہ دھویا۔ اس عرصے میں میری ماں اور چھوٹی بہنیں کھانا کھاتی رہیں۔ میری ماں نے مجھے بھی کھانے کے لیے بلایا، لیکن میں نے کہا کہ میں تھوڑی دیر سو جاؤں گا، کیونکہ اس وقت میرا کچھ کھانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر جا کر خاموشی سے لیٹ گیا، لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی، جس کی اہمیت کا اس وقت مجھے قطعاً احساس نہیں ہوا کہ باورچن نے کئی دفعہ خود مجھ سے اصرار کیا کہ میں کھانا کھالوں میں جھنجھلا بھی گیا کہ وہ میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے، کیونکہ آج تک اس نے مجھ سے کبھی کھانے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔ مجھے کھانا کھانا میری ماں کا یا اماں شیرانہ کا کام تھا۔ مجبور ہو کر باورچن کھانا اٹھا لے گئی۔

"اور اس کے تھوڑی دیر بعد میری ماں اور چھوٹی دونوں بہنوں کو پے در پے قے ہونا شروع ہوئی۔ میرے باپ کو فوراً خبر کر دی گئی اور وہ بھاگتا ہوا آیا۔ فوراً طبیبوں اور سیانوں کو بلوانے کے لیے آدمی دوڑائے گئے، لیکن وہ تینوں جانبر نہ ہو سکیں اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دم توڑ دیا۔ سب نے یہ سمجھا کہ وہ متعدی بیماری کا شکار ہو کر مر گئی ہیں۔ میرے باپ نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے اس نے اپنا سینہ کوٹا اور بچوں کی طرح گریہ و زاری کرنے لگا۔ میری حالت بہت خراب تھی۔ شدت غم سے میرا کلیجا پھٹا جا رہا تھا۔ میرے باپ کو تو اپنے حال کی ہی خبر نہیں تھی، اس موقع پر اماں شیرانہ وہ واحد ہستی تھی جس نے مجھے تسلی اور سہارا دینے کی کوشش کی۔ میری خالہ شاویرا بھی ظاہراً طور پر اس ماتم میں برابر کی شریک تھی۔

"دوسرے دن صبح کو میری ماں اور دونوں چھوٹی بہنوں کی تجہیز و تکفین عمل میں لائی گئی۔ اور اس کے بعد ہماری حویلی ایک گہری اداسی میں ڈوب گئی۔ میرا باپ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ خالہ شاویرا اور گراٹس اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اس موقع پر اماں شیرانہ نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جس نے میرے ننھے سے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔ اماں شیرانہ نے بتایا کہ اس نے چھپ کر خالہ شاویرا اور باورچن کی گفتگو سنی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ خالہ شاویرا نے باورچن کی مدد سے مجھے، میری ماں اور میری بہنوں کو ہلاک کر ڈالنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں نے عین وقت پر کھانا نہیں کھایا اور میری جان بچ گئی، جبکہ میری ماں اور بہنیں ہلاک ہو گئیں۔

اماں شیرانہ نے مجھے سختی کے ساتھ ہدایت دی کہ میں اس کے علاوہ کسی بھی شخص کی دی ہوئی کوئی چیز کو ہرگز نہ کھاؤں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس وقت میرے باپ کو یہ بات بتانا نہیں چاہتی، کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ میرا باپ اس بات پر یقین کرے گا یا نہیں اور اگر میرے باپ نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تو اس کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور شاویرا اس کی بھی جان کی دشمن ہو جائے گی۔

"میں نے اماں شیرانہ کی باتوں کو گرہ میں باندھ لیا۔ میں اس وقت دس سال کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، لیکن میرے اور میری ماں کے خلاف جو گھناؤنی سازش کی گئی تھی، اس کی اطلاع نے میری دنیا بدل ڈالی اور میں چند لمحوں کے اندر اندر ذہنی عمر کے کئی سال پھلانگ جا

گیا۔ تاں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ خالہ شاویرا میری جان کی دشمن کیوں بن گئی ہے۔

"میری ماں کے انتقال کے چند روز بعد جب میرے باپ کی حالت کچھ سنبھلی تو تاں شیرانہ نے میرے باپ سے کہا کہ مجھے مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ پورے طور سے میرا خیال رکھے گی اور مجھے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔ میں نے تاں شیرانہ کی پہلے سے دی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنے باپ سے کہا کہ میں تاں شیرانہ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میرا باپ تاں شیرانہ کی بہت عزت کرتا تھا اور راستہ اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ مجھے کتنا چاہتی ہے چنانچہ اس کی اجازت سے مجھے تاں شیرانہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ میری خالہ شاویرا نے اس کی سخت مخالفت کی اور میرے باپ سے یہ کہا کہ میری پرورش اور پرداخت وہ خود ہی نگرانی میں کرنا چاہتی ہے، لیکن میرا باپ اپنے فیصلے پر قائم رہا اور خالہ شاویرا کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

"میں اور میرا بھائی گراٹس اب تیں سال کے ہو چکے تھے۔ گراٹس مجھ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کی ماں نے اسے تعلیم بھی دی تھی، لیکن میں نے اس سے کبھی نفرت نہیں کی، بلکہ اس کمزور لڑکے کو اس کی غلط تربیت اور حساس کمتری کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کرتا گیا۔ خالہ شاویرا کی مجھ سے نفرت کی کوئی ٹھوس وجہ نہیں تھی، لیکن اب اس کا کوئی داؤ مجھ پر چلنا مشکل تھا، کیونکہ میں جوان ہو چکا تھا اور بستی کے سارے لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ میں ہمیشہ ان کے دکھ درد میں شریک رہتا تھا۔ دوسروں کے کام آتا تھا، جبکہ اس کے برخلاف میرے ہم شکل بھائی گراٹس سے لوگوں کو بہت شکایتیں رہتی تھیں۔ بستی کی لڑکیوں کے ساتھ اس کی چھیڑ چھاڑ کے واقعات عام تھے۔ میرا باپ اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ گراٹس کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتا، لیکن گراٹس اس کی باتوں پر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے باپ نے کئی بار مجھ سے کہا کہ میں گراٹس کو سمجھاؤں لیکن میں نے اسے بتایا کہ وہ مجھ سے سخت نفرت کرتا ہے اور میری کوئی بات نہیں سنے گا۔

"اچانک میرا باپ بہت بیمار پڑ گیا اور یوں لگا جیسے اس کے آخری دن قریب آ گئے ہیں۔ اس نے ایک شام کو مجھے، گراٹس اور خالہ شاویرا کو اپنے پاس بلایا۔ اس وقت میرے باپ کے چند اور عزیز بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں میرے باپ نے کہا کہ اب وہ اپنی بیماری کے سبب تخت وتاج سے دست بردار ہونا چاہتا ہے۔ وہ بستی کی سرداری میرے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی کہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد میری تخت نشینی ہوگی۔ سنا ہے میرے باپ کی رائے سے اتفاق کیا گیا اور مجھے مبارک باد دی۔ خالہ شاویرا نے بھی مجھے مبارک باد دی، لیکن میں اس کی آنکھوں میں بھڑکتی ہوئی نفرت کو دیکھ کر رہ گیا۔ خالہ شاویرا کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ سر ابھار رہا ہے۔ گراٹس نے مجھے مبارکباد دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اس کے چہرے پر سخت بیزاری کے آثار تھے۔ میں نے اپنے بیمار باپ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا اور انہیں بوسہ دیا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی درازیٔ عمر کے لیے دعا کی۔ میرا باپ مجھ سے بہت خوش ہوا۔

"اپنے باپ کے پاس سے واپس آ کر میں سیدھا تاں شیرانہ کے پاس پہنچا اور اسے یہ خبر سنائی۔ وہ اس خبر سے خوش تو بہت ہوئی لیکن اس نے مجھے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ شاویرا اس معاملے کو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونے دے گی اور کوئی نہ کوئی خطرناک حرکت ضرور کرے گی۔ اور جیسا کہ بعد کے حالات سے ثابت ہوا، تاں شیرانہ کا اندازہ بالکل درست تھا۔

"اگلے دن کو میرے باپ نے مجھے دوبارہ بلایا اور بتایا کہ گراٹس اس کے پاس آیا تھا اور وہ اس کے اس فیصلے پر ناخوش ہے۔ وہ خودسری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ کہیں چلا جائے گا۔ میرے باپ نے اس سے کہا کہ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔

"اس واقعے کے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ میرے ہم شکل بھائی گراٹس نے مجھے شام کے وقت جھیل کے کنارے چل کر تیر کی کان کے ذریعے مرغابیوں کے شکار کا مظاہرہ کرنے کی دعوت دی۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ گراٹس مجھے کبھی کبھی اس قسم کے مقابلوں کی دعوت دیا کرتا تھا، کیونکہ اس کی یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی معاملے میں وہ مجھے نیچا دکھا سکے۔ یہ مقابلے کہ زیادہ تر مقابلے میں جیت لیتا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ گراٹس کو مجھ سے زیادہ کامیابی حاصل ہوتی تھی۔ اس موقع پر اس کی خوشی قابل دید ہوتی تھی، لیکن اس کی اس خوشی میں بھی میرے لیے نفرت شامل ہوتا تھا۔

"میں اور گراٹس جب جھیل کے کنارے پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا اور ہر طرف دھندلکا پھیل چکا تھا۔ میں نے گراٹس سے کہا بھی کہ سرخی ہوں کے شکار کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے، لیکن اس نے ایک عجیب سے لہجے میں جواب دیا کہ اس سے زیادہ بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور پھر گراٹس کے منہ سے بڑے الفاظ دانہی نہیں ہوتے تھے کہ اچانک جھیلے کے پیچھے سے کئی مسلح آدمی نکل آئے اور انہوں نے دھاوا بول کر مجھے پکڑ لیا۔ میں سمجھ گیا تھا اور وہ کئی تھے۔ مجھے کے کیا سے بالکل سنسنا تھا اور دور دور تک کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ اب گراٹس کی سازش میری سمجھ میں آ گئی، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ مجھے پکڑ کر ایک بڑے جھیلے کی اوٹ میں لے گئے جہاں انہوں نے میرا لباس

نے بھی اپنا لباس اتارا اور میرا لباس پہن لیا۔ ان لوگوں نے مجھے گراٹس کا لباس پہنا دیا۔ میرا لباس پہن لینے کے بعد گراٹس نے مجھے دیکھ کر بڑی عجیب سی مسکراہٹ سے دیکھنے لگا۔ اب میں گراٹس بنا ہوا تھا۔ کوئی بھی شخص مجھے دیکھنے کے بعد اس بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ میں گراٹس ہوں۔ اس بستی کا ہونے والا سردار۔ اور تم میرے بھائی گراٹس ہو اپنے باپ سے ڈرکٹا کہ کہیں چلا گیا ہے کیونکہ تم نے باپ نے اس کے بجائے اس کے بھائی گاوت کو سرداری عطا کی، جبکہ دونوں کی عمروں میں محض تین ماہ کا فرق ہے۔ یہ ایسا فرق نہیں جس کی بنیاد پر گاوت کو گراٹس پر فوقیت دی جائے۔ بہرحال اب تم کچھ دنوں تک قید خانے میں رہو گے کیونکہ تمہارا یہ کارنامہ مناسب نہ ہوگا، لیکن عنقریب تمہاری زندگی واپس دیا جائے گا۔

"ان لوگوں نے مجھے ایک خیمہ قید خانے میں لا کر بند کر دیا۔ یہ خیمہ دور پہاڑی کے دامن میں لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے کسی زمانے میں اندھی ندر چٹانوں سے بنایا گیا تھا۔ یہ شاید کسی کے رہنے کی جگہ تھی۔ یہ غار اندر سے کمرے کی طرح تھا اور اس میں باقاعدہ لکڑی کا ایک دروازہ بھی لگا ہوا تھا جس کو ان لوگوں نے باہر سے بند کر دیا تھا۔ میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

"میں دو دن تک بھوکا پیاسا اسی طرح غار کے اندر بند رہا۔ کسی نے کر میری خبر بھی نہ لی۔ یہ غار بستی سے اتنی دور تھا کہ میرے چلانے کی گونج کے علاوہ اور کوئی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ تیسرے دن کے تہ زور زور سے غار کے اندر چلایا۔ میں نے دروازہ پیٹ کر اپنے ہاتھ بھی زخمی کر لیے، لیکن کسی نے میری آواز نہیں سنی۔ میری مدد کو نہیں آیا۔

"تیسرا دن گزرنے کے بعد آدھی رات کو مجھے غار کے قریب کچھ پراسرار سی آوازیں سنائی دیں۔ میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ کوئی دروازہ کھول رہا تھا۔ اور پھر دروازہ کھل گیا۔ سب سے آگے ایک مشعل لیے ہوئے تاں شیرانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے اور میں انہیں پہچانتا تھا۔ ایک تاں شیرانہ کا بیٹا تھا۔ دوسرا شخص ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے مجھے دھوکے سے گرفتار کیا تھا۔ تاں شیرانہ نے مجھے زندہ دیکھ کر اطمینان اور مسرت کی سانس لی۔

"تاں شیرانہ نے مجھے بتایا کہ چونکہ اسے شاویرا کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے فارلک کے ایک قابل دست خادم کو ایک سپیرے مجھے منصوبے کے تحت گراٹس کے تخت نشینی کے خصوصی میں شامل کروا دیا تھا اور خادم نے گراٹس کا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ گراٹس کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس بات کا علم تاں شیرانہ، اس کے بیٹے فارلک اور خود خادم کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں۔ خادم کو میری گرفتاری کے منصوبے کا علم محض چند گھنٹے پہلے ہو سکتا تھا، کیونکہ اس دن صبح سے اس کی طبیعت خراب تھی اور وہ گھر سے نہیں نکلا تھا۔ گراٹس خود اس کے گھر آیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس لیے خادم کو اس کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ فارلک یا تاں شیرانہ کو پہلے سے مطلع کر دیتا۔ بعد میں گراٹس کی گرفتاری کے فوراً بعد ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا، لیکن فوری طور پر کوئی کارروائی ممکن نہیں تھی کیونکہ گراٹس کے آدمی برابر چلتر لگا رہے تھے۔ انہیں ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کریں تو جتنے دام میں ملک کر دیں۔ میری بھی جان کو خطرہ تھا۔

"تاں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ گراٹس نے بستی کے بہت سے لوگوں کو بلا کر بھاری تنخواہیں دے کر ایک چھوٹی سی فوج تیار کر لی ہے جس کے بارے میں صرف گراٹس کے وفادار ہیں۔ مجھے بلک کرنے کا کام بھی انہیں سپاہیوں سے لیا جائے گا۔ وہ تخت نشینی کے اعلان کے فوراً بعد گراٹس مجھے قتل کروا دے گا۔ اگر ساری بستی میں یہ بات مشہور کر دی ہے کہ گاوت کی تخت نشینی کی خبر سے گراٹس کو بہت صدمہ پہنچا ہے، وہ بستی کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے اور اس کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑا دیے گئے ہیں۔ اس کی ماں شاویرا اس کی گمشدگی سے بہت پریشان ہے اور اس نے گریہ وزاری کا خوب ناٹک رچایا ہوا ہے۔ ادھر گراٹس، گاوت کا روپ دھار کر اپنی تخت نشینی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

"ہم لوگ اس غار سے باہر نکل آئے۔ وہ بھی محض چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی جو تیزی سے اسی طرف بڑھ رہی تھی۔ تاں شیرانہ نے جلدی سے مشعل بجھا دی اور ہم چاروں بڑی تیزی سے غار سے باہر نکل کر اندھیرے میں ایک طرف کو چل پڑے۔ تاں شیرانہ نے سرگوشیوں میں بتایا کہ وہ اور فارلک ایک ساتھ چھپتے چھپاتے بستی کی طرف نکل جائیں گے اور خادم کو ہدایت دی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے پاس سے نکلتے چلے گئے اور ہم لوگ رات کی گہری تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گئے۔ خادم مجھے ایک بوڑھے لکڑہارے کی جھونپڑی میں لے کر آیا۔ اس نے مجھے لکڑیوں کے ایک بڑے سے ڈھیر کے پیچھے چھپا دیا اور خود وہاں سے چلا گیا۔ لکڑہارے کی یہ جھونپڑی اس وقت خالی تھی کیونکہ خادم کی اطلاع کے مطابق بوڑھا لکڑہارا آج رات اپنی بیٹی کا مہمان تھا۔ میں ساری رات اس جھونپڑی میں چھپا رہا۔ رات ختم ہونے سے ذرا دیر پہلے خادم میرے پاس آیا اور اس نے اطلاع دی کہ کل شام کو میرے والد کا انتقال ہو گیا اور گراٹس نے، جو گاوت بنا ہوا تھا، میری تلاش میں اپنے خونخوار سپاہیوں کو چھوڑ دیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ مجھے

دیکھتے ہی قتل کر دیں۔ اس لیے اتاں شیرانہ نے مشورہ دیا ہے کہ میں اپنی جان بچا کر یہاں سے نکل جاؤں۔ شاید اور گرائس میرے خون کے پیاسے ہیں۔

"خارم اپنے ساتھ میرے لیے دوسرا لباس لایا تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جن میں خاصی تعداد میں ہتھیار شامل تھے۔ خارم نے بتایا کہ اتاں شیرانہ کی ہدایت کے مطابق وہ میرے ساتھ رہے گا اور میری حفاظت کرے گا۔ اتاں شیرانہ کو امید تھی کہ وہ جلد ہی بستی کے دو سے معتمد لوگوں سے مل کر حالات کو ٹھیک کر لے گی لیکن اس وقت سب سے بڑا مسئلہ میری جان بچانے کا تھا۔

میں اور خارم ڈھلتی رات کی سیاہی میں بوڑھے لکڑہارے کے جھونپڑے سے نکلے اور چھپتے چھپاتے بستی سے بہت دور نکل آئے جب صبح کا اجالا پھیلا تو ہم نے اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل کے سامنے پایا۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم گھنے جنگل میں داخل ہو جائیں اور وہاں کچھ عرصے تک روپوش رہیں۔ اس کے بعد خارم کسی مناسب موقع سے بستی میں داخل ہو اور اتاں شیرانہ سے ملاقات کر کے صورت حال معلوم کرے۔ ہم دونوں ابھی جنگل میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دور سے ہمیں بستی کی سمت سے گھوڑ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گئے اور اس کی ٹہنیوں میں چھپ گئے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے نیچے سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے تاکہ اگر ان کا شکار بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے دور سے نیزہ پھینک کر ہلاک کر دیں۔

"پھر ہوا یوں میرے دوست کہ ہم دونوں جنگل میں آگے ہی آگے چلتے گئے اور یہاں تک کہ اس جگہ آ گئے جہاں پر اس وقت ہم دونوں موجود ہیں۔ میں نے اور خارم نے مل کر دو درختوں کی بڑی بڑی شاخوں پر یہ جھونپڑی بنائی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کب تک یہاں رہنا ہوگا۔ اس لیے خارم ضرورت کی بہت ساری چیزیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ انہیں چیزوں میں یہ سنکھ بھی شامل تھا جسے تم اس وقت میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو۔ سنکھ کی تیز آواز سے جنگلی درندے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

"ہمیں جنگل میں اس جگہ رہتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک دن اچانک خارم کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور وہ چل بسا۔ اور میں جنگلی درندوں کے درمیان اس ویرانے میں تنہا رہ گیا۔ بچپن میں ماں اور بہنوں کی اچانک موت، پھر باپ کی وفات، خالہ اور بھائی کی سازشوں اور پھر خارم کی ناوقت اور جست ناک موت نے میرے دل کو اس فانی دنیا سے اُچاٹ کر دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک میری زندگی ہے۔ میں اس ویرانے میں دن گزاروں گا اور ایک دن خاموشی سے ہمیشہ کے لیے سو جاؤں گا۔ میرے دل میں تاج و تخت، سلطنت، سرداری اور دولت کی کوئی طمع باقی نہیں رہی تھی۔ میں ایک تارک الدنیا شخص ہوں اور آج ایک طویل عرصے کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی ہے۔ اگر مجھے ہر سال بدلنے والے موسموں کے حساب سے بھی تو میں اس ویرانے میں ستر، اسی برسوں کے آٹھ سو سال گزار چکا ہوں۔ اور مجھے حیرت ہے کہ میں اب تک کیسے زندہ ہوں؟"

"آٹھ سو سال؟" میں نے گاوت کی تلوین داستان سننے کے بعد حیرت سے کہا۔ "کیا اس طویل عرصے کے دوران کبھی تمہارے دل میں خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ تم ایک بار اپنی بستی میں اپنے لوگوں میں واپس جاؤ؟"

"شروع کے چند سال کے دوران یہ خواہش ایک آدھ بار میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔" گاوت نے جواب دیا۔ "اور ایک بار تو میں بستی کی سمت کا تعین کر کے جنگل میں کافی آگے تک بھی چلا گیا تھا لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور واپس چلا آیا۔ میں نے ہی سوچا کہ اب لاتاق میں میرا کون بیٹھا ہے سوائے اتاں شیرانہ کے اور ممکن نہیں کہ وہ بھی زندہ ہوگی یا کہاں گئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے والد اور خارم کی اچانک گمشدگی کے بعد میرے بھائی گرائس کو شبہ ہو گیا ہو کہ میری جان بچانے میں اتاں شیرانہ کا ہاتھ ہے اور اس نے مروا ڈالا ہو۔ میرا بھائی میرے خون کا پیاسا بیٹھا ہے اور مجھے دیکھتے ہی قتل کروا دے گا۔ اس صورت میں میں لاتاق جا کر کیا کر لوں گا۔ میں نے اس کی آواز شدتِ جذبات سے بھرا گئی۔

"تم لاتاق جاؤ گے۔ ضرور جاؤ گے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک مفرور قیدی کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ بستی کے حکمراں اور سردار کی حیثیت سے۔"

"عجیب خواب ہے۔" گاوت نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا۔ "میں ساری دنیا سچ مچ کہتے ہو میرا کوئی وطن نہیں۔ کبھی کہتے ہو میرا کوئی نام نہیں۔ آخر نام کے بغیر کسی انسان کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟" گاوت نے کہا۔

"چلو تم ہی میری کوئی شناخت مقرر کر لو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم میرا جو بھی نام رکھ دو گے مجھے منظور ہوگا۔"

"میرے دادا کا نام شادل تھا۔" گاوت نے کہا۔ "اور لوگ بتاتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر بہادر اور قوی تھا۔ شاید تمہاری طرح جب میں نوجوان تھا تو اکثر سوچتا تھا کہ جب میری شادی ہوگی اور میرا پہلا بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر شادل رکھوں گا۔ میرا یہ خواب تو پورا نہ ہو سکا۔ لیکن اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہیں شادل کے نام سے پکاروں؟"

"ضرور۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارا دیا ہوا نام پسند ہے۔"

تو پروفیسر اس طرح میں شادل بن گیا۔ شہزور پیچھے رہ گیا۔ اس سے بھی پیچھے رہ گیا۔ اور سیرے ہزاروں ناموں کی طرح یہ نام بھی ماضی کے تہہ خانوں میں دفن ہو گئے اور اب میں ایک نئی شخصیت اختیار کر کے شادل بن چکا تھا۔

"تم اس جنگل میں کب تک قیام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

شادل نے مجھ سے پوچھا۔ "یقیناً یہ تمہاری منزل تو نہیں ہے؟"

"میری کوئی منزل نہیں۔ اور ہر جگہ میری منزل ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب جبکہ تم مجھے مل گئے ہو تو اس وقت تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک کہ تمہیں لاتاق کی سرداری واپس نہ دلوا دوں۔ مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے اور تمہاری مدد کر کے مجھے بے انتہا خوشی ہوگی۔"

"میں یہ مانتا ہوں کہ تم واقعی بہت بہادر ہو۔ اور ابھی ابھی تم نے میرے سامنے یہ بہادری کا ایک عمدہ مظاہرہ بھی کیا ہے۔ لیکن میرے دوست، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اور تم، ہم دونوں آدمی گرائس اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کر لیں گے اور انہیں مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟" گاوت نے پوچھا۔

"میں نے نا ابتدا اور مایوس ہونا نہیں سیکھا میرے دوست۔" میں نے کہا۔ "خیر اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ لاتاق میں یہ بات کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ گاوت کی پشت پر سے پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان موجود ہے؟"

"بستی کی بیشتر آبادی اس بات سے واقف ہے۔ کیونکہ میری پیدائش کے بعد نجومیوں اور سیانوں نے اس نشان کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا اور ساری بستی والوں کو یہ خوش خبری سنائی گئی تھی کہ میرے گھر پیدا ہونے والا بیٹا بڑا خوش نصیب ثابت ہوگا۔ خوش نصیب ہونے کا گاوت نے تلخی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے گاوت۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی چند روز تک تو میں تمہارے ساتھ اسی جگہ قیام کروں گا اور اس عجیب و غریب زندگی سے لطف اندوز ہوں گا جو تم گزار رہے ہو۔ اس کے بعد میں اور تم، دونوں لاتاق چلیں گے اور وہاں چل کر حالات کا جائزہ لیں گے۔ تم اگر اپنے موجودہ حلیے میں لاتاق میں داخل ہو گے تو کوئی شخص بھی تمہیں پہچان نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ اگر تمہاری اتاں شیرانہ بھی ابھی تک زندہ ہوگی تو تمہیں نہیں پہچان سکے گی۔ ایک بار لاتاق میں داخل ہو جانے کے بعد میں اور تم کوئی منصوبہ بنائیں گے۔"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے اب ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اور نہ میں کسی منصب کا خواہاں ہوں البتہ تم اگر لاتاق کی سیر کرنے کے لیے وہاں جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں ضرور لے چلوں گا۔ ویسے داؤدی لاتاق ہے واقعی دیکھنے کی چیز۔ نہیں وہاں کی سیر کرانے کے بعد میں واپس اپنے گوشۂ تنہائی میں لوٹ آؤں گا۔"

چنانچہ پروفیسر، میں تقریباً سات آٹھ دن تک گاوت کے ساتھ اس جنگل میں رہا۔ معلق چھوٹی پہاڑی میں راتیں گزارنے کا میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ اور میں اس تجربے سے بہت لطف اندوز ہوا۔ رات کو جب خوب تیز ہوا چلتی اور درختوں کی موٹی موٹی شاخیں آہستہ آہستہ ہلتیں تو ان کے اوپر خانہ بدوش زندگی

ہونے لگتی اور ایسا معلوم ہوتا گویا ہم لوگ جھولے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ گاوت اور خارش نے پھونس کی ایک جھونپڑی بڑی تندہی سے بنائی تھی کہ ایک بار اس کا دروازہ بند ہو جانے کے بعد کسی سانپ تک کے اندر داخل ہونے کی گنجائش نہیں تھی۔ جھونپڑی میں رات گزارنے والے ہر شخص سے محفوظ تھے۔ تختوں کے بیچ بیچ میں تھوڑی تھوڑی سی باریک جھریاں بنائی گئی تھیں جن سے تازہ ہوا اندر آتی تھی۔ ان دنوں کے دوران ہم شکار کا تازہ گوشت کھاتے رہے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ اس چھوٹی پہاڑی کے قریب ہی ٹھنڈے پانی کا ایک اور چشمہ بھی موجود ہے یہی وجہ تھی کہ گاوت مجھے پہلے والے چشمے پر دو دن تک نظر نہیں آیا تھا۔

بالآخر ایک دن علی الصباح ہم لوگ جنگل سے روانہ ہو گئے۔ گاوت نے بستی لاتاق کی سمت کا تعین کیا اور ہم اس طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارا سفر تقریباً ایک ہفتے تک جاری رہا اور تب کہیں جا کر جنگل کے گھنے پن میں کمی آنی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگل بالکل ختم ہو گیا اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں، ٹیلوں اور کھلے میدان کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گاوت نے مجھے بتایا کہ اگر ہم دن بھر سفر کریں تو اس طویل میدان کو پار کر لیں گے۔ اور اس کے بعد لاتاق کی بستی ہماری نظروں کے سامنے ہو گی۔

وہ تعداد میں تین تھے اور شاید کسی فاتح فوج کے سپاہی تھے یا لٹیرے تھے۔ وہ تینوں سفید براق گھوڑوں پر سوار تھے۔ تمام ہتھیاروں سے لیس۔ ان کے پاس گٹھڑیوں میں بندھا ہوا بہت سا سامان بھی موجود تھا۔ اچانک ہی ہمارے سامنے آ گئے اور انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ تینوں نے تلواریں سونت لی تھیں۔

"تم لوگ کون ہو اور اس ویرانے میں کہاں سے نکل آئے ہو؟" ان میں سے ایک نے کڑک کر پوچھا۔

"ہم آوارہ گرد مسافر ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بستی بستی قریہ قریہ گھومتے پھرتے ہیں۔ یہی ہمارا مشغلہ ہے اور یہی ہماری زندگی ہے۔"

"لیکن ہم ایسی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔" اس شخص نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں سے شقاوت ٹپک رہی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ ضرور کوئی جاسوس اور بہروپیے ہو۔ بہرحال میں نہیں زندہ چھوڑ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔" اور اس نے اچانک اپنی تلوار میرے سر پر مارنی چاہی۔ دوسرے لمحے میں میں نے اپنی تلوار سے اپنے گھوڑے سے گھسیٹ کر اس کے دوسرے ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اسی دوران دونوں کی تلواریں ایک دوسرے کے جسم میں گھس گئیں۔ اسی لمحے میں گاوت نے اپنی تلوار کھینچ لی تھی۔ تیسرا آدمی گھوڑا پیچھے کر کے گاوت پر حملہ آور ہوا لیکن گاوت پھرتی سے وار بچا گیا۔ میں نے اس تیسرے آدمی کو گھوڑے سے گھسیٹ کر اس کا تقصہ کر دیا۔ گاوت تصویر حیرت بنا مجھے دیکھ رہا تھا۔

"چلو جلدی کرو۔" میں نے گاوت کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں کے جسموں پر پورے لباس نہیں ہیں اور قدرت نے ہمیں یہ ایک اچھا موقع فراہم کر دیا ہے۔ ان کے لباس اتار کر پہنو اور ان کے گھوڑوں پر قبضہ کر لو۔"

ہم دونوں نے ان کے لباس پہن لیے اور سامان کی گٹھڑیوں کو کھول کر دیکھا۔ ان میں خشک جو اور سوکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑے تھے۔ ہم یہ سامان سنبھال کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور لاتاق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب ہم گھوڑوں پر سوار ہونے کی وجہ سے جلد ہی لاتاق پہنچنے والے تھے۔

دوپہر کے کچھ دیر بعد دور سے ایک پہاڑی سلسلہ نظر آنے لگا۔ "اسی وادی کا نام وادیٔ لاتاق ہے۔" گاوت نے کہا۔ "اور اسی میں لاتاق کی بستی آباد ہے۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم اس پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچ گئے اور ایک کشادہ درے سے اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک بہت وسیع و عریض وادی تھی۔ چاروں طرف بلند پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے اور بیچ میں بستی تھی۔

"اب ہم وادیٔ لاتاق میں داخل ہو گئے ہیں۔" گاوت نے کہا۔ اس کی آواز فرط جذبات سے کانپ رہی تھی۔ "آٹھ سال... ہاں پورے آٹھ سال کے بعد میری نگاہیں اس جگہ کو دیکھ رہی ہیں۔ اس جگہ نے پہلے مجھے ناکامی دی تھی۔ مگر اگر ہم نہ ملتے تو شاید میں زندگی بھر اس سفر کو دوبارہ نہ دیکھتا۔"

"اور یقین کرو کہ اب تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے کہا۔

ہم لوگ آگے بڑھتے گئے۔ اب ہم بستی کے کافی قریب پہنچ گئے تھے۔ اچانک میری نظر ایک چھوٹے سے پہاڑی ٹیلے پر پڑی۔ اس پر ایک بوڑھا شخص اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس بیٹھا ہوا بھوکوں کی طرح ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی ہم اس کے نزدیک پہنچے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور دونوں کے انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگا۔ "چلے جاؤ، چلے جاؤ، اجنبی مسافرو، یہ جگہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ یہ موت کی وادی ہے۔ یہ موت کی بستی ہے۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ فوراً۔"

میں اور گاوت ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"شاید یہ کوئی مخبوط الحواس شخص ہے۔" میں نے گاوت سے کہا۔

"پاگل ہیں نہیں، پاگل تم لوگ ہو جو جان بوجھ کر موت کے منہ میں گھس رہے ہو۔" بوڑھے نے کہا اور ہمیں گھورنے لگا۔

اس نیم دیوانے بوڑھے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور میں اس بوڑھے کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ نظر آتا تھا اور ہمیں بھی خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس میں ایسی کون سی بات تھی جس کی بنا پر وہ اسے موت کی وادی قرار دے رہا تھا اور ہمیں وہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو تم اندیشک ہو۔" اچانک گاوت بوڑھے سے سوال کیا۔

بوڑھا اچانک شدید حیرانی کے عالم میں اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم... میرا نام کیسے جانتے ہو؟ تم اس بستی میں بالکل اجنبی ہو۔ میں نے اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا تمہاری خالہ زاد بہن شیرانہ ابھی زندہ ہے؟ اگر زندہ ہے تو... وہ خیریت سے ہے؟" گاوت نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کئی نئے سوالات پوچھ ڈالے۔

"مقدس اگ کی قسم۔" بوڑھے نے کانپتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہوتے ہو۔ تمہارا یہ ساتھی سونے کا بنا ہوا ہے۔ اس کے جسم کا رنگ سونے کی طرح چمک دار ہے اور اس کے بال سونے کے تاروں کے چھلوں کی مانند نظر آ رہے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس جیسا انسان نہیں دیکھا اور تم ہو کہ مجھ سے میرے اور میرے خاندان والوں کے بارے میں اس طرح سوالات پوچھ رہے ہو کہ گویا تم ہمارے ہر ایک کو جانتے ہو۔ آخر تم ہو کون؟"

"میں تمہیں بھی جانتا ہوں اور تمہارے خاندان والوں کو بھی۔" گاوت نے کہا۔ "کیا تم مجھے اماں شیرانہ کے بارے میں بتا سکتے ہو؟"

"ہاں شیرانہ؟" بوڑھے نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تم نے اسے کیسے جانا؟ جلدی بتاؤ کیا قصہ ہے اور تم لوگ کون ہو۔"

گاوت نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپنا اطمینان کر لینے کے بعد اس نے اندیشک سے آہستہ سے کہا۔ "میں گاوت ہوں۔"

یہ سنتے ہی بوڑھا بے اختیار خوشی کے ساتھ چلایا۔ "شکر کرو کہ یہاں اس وقت کوئی اور موجود نہیں ہے جو تمہاری یہ بات سن سکتا۔ ورنہ یہ الفاظ تمہارے منہ سے نکلنے کے بعد کوئی تمہاری جان کی ضمانت نہیں دے سکتا تھا۔ نہیں معلوم، گاوت اس بستی کا سردار ہے اور اس وقت اپنے محل میں آرام کر رہا ہو گا۔"

"وہ گاوت نہیں ہے اندیشک۔" گاوت نے جواب دیا۔ "وہ گرداش ہے۔"

"گرداش؟" گاوت کا جڑواں بھائی۔" بوڑھے کے لہجے میں اب حیرت کے ساتھ وہ بے یقینی کا عنصر بھی شامل تھا۔ "مگر گاوت کے ولی عہد نامزد ہونے کے بعد گرداش غائب ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ گاوت نے اس کی بہت تلاش کروائی۔ لیکن اس کا کہیں پتا نہیں چلا۔ شاید وہ کہیں مر کھپ گیا۔"

"موجودہ حکمران گاوت نہیں، گرداش ہے۔" گاوت نے کہا۔ "وہ جھوٹا ہے اور اس نے گاوت کا روپ دھارا ہے۔ اصلی گاوت میں ہوں، اندیشک۔ کیا تمہیں اماں شیرانہ نے میری اسیری اور فرار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا؟"

"نہیں۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "میں ان باتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ گاوت کی تخت نشینی کے بعد سے آج تک میری شیرانہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بلکہ کسی کی بھی شیرانہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"مگر کیوں؟" گاوت نے پوچھا۔ "اماں شیرانہ کہاں ہے؟"

"گاوت نے اسے محل کے ایک دور دراز گوشے میں ایک چھوٹی سی چار دیواری میں مقید کر رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شیرانہ اچانک کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے جس کی بنا پر اس کا دوسرے انسانوں سے الگ رہنا خود اس کے لیے اور دوسرے انسانوں کے لیے ضروری ہے۔ اس دن کے بعد سے آج تک کسی نے شیرانہ کو نہیں دیکھا۔ البتہ محل کے طلازموں سے یہ بات معلوم ہوتی رہتی ہے کہ وہ زندہ ہے اور چار دیواری میں مقید ہے۔ ایک ملازم روزانہ اسے تین وقت کھانا پہنچا دیتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ شیرانہ کو اپنے بیٹے کی موت کے بارے میں بھی علم نہیں ہے۔ شاید آج تک وہ اس بات سے ناواقف ہے کہ اس کا اکلوتا بیٹا مارا جا چکا ہے۔" اندیشک نے کہا۔

"کیا اماں شیرانہ کا بیٹا بھی مارا گیا؟" گاوت نے تاسف آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "گاوت کی تخت نشینی کے چند روز بعد کسی نے اسے ہلاک کر کے اس کی لاش کو پہاڑ کے ایک غار میں ڈال دیا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک چرواہے کو جو اپنی بھیڑیں چراتے ہوئے دور تک نکل گیا تھا، اس کی لاش نظر آئی جس کا بڑا حصہ جنگلی جانور کھا چکے تھے۔ چرواہے نے اس کے لباس کے بچے کھچے ٹکڑوں کی مدد سے اس کی لاش کو پہچانا۔ مگر تم مجھ سے یہ سارے سوالات پوچھے جا رہے ہو؟ اپنی اصلیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے۔ سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اس بستی سے تمہارا کیا تعلق ہے اور تم یہاں کے لوگوں کے بارے میں کس طرح جانتے ہو؟"

"ایک بات بتاؤ اندیشک۔" گاوت نے اس سے پوچھا۔ "تمہیں یقیناً یہ بات معلوم ہو گی کہ گاوت اور گرداش اگرچہ دونوں جڑواں تھے مشکل سے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک بہت بڑا فرق موجود تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے گا۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "وہ دونوں میرے سامنے کے پیدا ہوئے تھے۔ اور صرف مجھے ہی کیا اس وقت موجود بستی کے سارے ہی لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ گاوت کی پشت پر

پیدائشی طور پر ستارے کا ایک نشان موجود ہے جبکہ گرائس کی پشت پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" گاورت نے جواب دیا۔ "تو پھر یہ دیکھو۔" اور اس کے ساتھ ہی گاورت نے اپنے جسم کا بالائی لباس اتار کر اپنی برہنہ پشت اندلشک کے سامنے کر دی۔

اندلشک نے بڑے غور سے اس کی پشت پر موجود ستارے کے نشان کو دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

گاورت نے لباس دوبارہ نیچے کر لیا اور اندلشک کی طرف دیکھا۔ اندلشک کا جسم فرطِ جذبات سے کانپ رہا تھا۔ وہ گاورت کے قدموں میں گر پڑا اور اپنی آنکھوں کو اس کے پیروں سے ملتے ہوئے روتا ہوا انداز میں کہنے لگا۔ "ہاں' تم گاورت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یقیناً گاورت ہو۔ اور تمہارے نام سے جو حکومت کر رہا ہے وہ نقلی گاورت ہے۔ وہ گرائس ہے۔"

گاورت نے اسے اٹھا کر سیدھا کیا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔

"تبھی تو ساری بستی والے اس بات سے حیران و پریشان ہیں کہ آخر گاورت کو کیا ہو گیا ہے۔ جب تک وہ حکمران نہیں بنا تھا' اس وقت وہ ایک نیک، رحم دل، لوگوں سے محبت کرنے والا اور انکی عزت کرنے والا آدمی تھا۔ لیکن اپنے باپ کے مرنے پر تخت نشیں ہو کے ہی اس کے انداز بالکل بدل گئے۔ وہ بالکل تند خو، ظالم اور سفاک بن گیا اور اس نے لوگوں پر بے انتہا مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ وہ سب لوگ جو اس سے محبت کرتے تھے، اس سے نفرت کرنے لگے۔ اب یہ راز کھلا کہ وہ سرے سے گاورت ہے ہی نہیں۔ وہ تو گرائس ہے جسے لوگ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے اور جو سدا کا ظالم اور خونخوار ہے۔"

"اب بستی والوں کو اس کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔" میں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

اندلشک نے مجھے غور سے دیکھا اور گاورت کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ کون شخص ہے' اتنے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"یہ میرا دوست شادل ہے اور بے انتہا بہادر اور جری ہے۔ صرف اسی کے اصرار پر میں نے بستی کا رخ کیا ہے، ورنہ میں تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اب زندگی بھر میرے قدم اس بستی میں داخل نہیں ہوں گے۔" گاورت نے جواب دیا۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہارا یہاں آنا ٹھیک ہے یا نہیں۔" اندلشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "مدتم سے تفصیلی گفتگو بعد میں ہو گی۔ سب سے پہلا مسئلہ تو تمہیں یہاں کے لوگوں اور بالخصوص گرائس کے سپاہیوں کی نظروں سے بچانا ہے۔ تم دونوں جوان اور صحت مند ہو اور یہ ولی تم جیسے جوانوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ مقدر اگر شکرا دے کہ یہاں داخل ہونے کے بعد تمہاری ملاقات سب سے پہلے مجھ سے ہو گئی اور ابھی تک کسی کی تم پر نظر نہیں پڑی، اس یہاں سے فوراً چلو۔"

بوڑھا اندلشک بستی کے اندر جانے کے بجائے ہمیں ساتھ لیے پہاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ اور ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم ایک ایسے غار کے پاس پہنچ گئے جو پہاڑیوں کے کافی اندر واقع تھا۔ یہ ایک کشادہ اور صاف ستھرا غار تھا اور ہم دونوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں باقاعدہ ایک بستر بھی موجود تھا۔

اندلشک ہماری حیرت کو بھانپ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج سے کچھ عرصے سے پہلے یہ غار تاریک راتوں کو میرا مسکن تھا۔ میں نے ایک خاص مقصد کے لیے اسے صاف کیا تھا اور راتوں کو یہاں قیام کرتا تھا۔"

"وہ مقصد کیا تھا اندلشک؟ ہمیں نہیں بتاؤ گے؟" گاورت نے اس سے سوال کیا۔

"بستی کی ایک بوڑھی عورت نے، جس کے بارے میں بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ جادوگرنی ہے' مجھے ایک عمل بتایا تھا۔ یہ عمل رات کی تاریکی میں تنہائی میں کیا جاتا تھا۔ اس ضعیفہ کا کہنا تھا کہ اس عمل سے گرائس کی موت واقع ہو جائے گی یا کم از کم وہ شدید طور پر بیمار ہو جائے گا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے عمل میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو یا سرے سے یہ عمل بے کار ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔"

"تم گرائس کی موت کے کیوں خواہاں ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اب تم دونوں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔" اندلشک نے کہا۔ "میں تمہیں شروع سے ساری بات بتاؤں گا۔"

ہم دونوں اس ٹھنڈے غار میں اطمینان سے بستر پر بیٹھ گئے اور پھر اندلشک نے ہمیں تفصیل سے بستی کے حالات کے بارے میں بتایا۔

"جب سے گرائس نے، جسے سارے لوگ گاورت سمجھتے ہیں، اقتدر سنبھالا ہے' اس دن سے اس بستی پر مصیبتوں کے سائے منڈلا رہے ہیں۔" اندلشک نے کہنا شروع کیا۔ "گرائس نہایت ظالم اور خونخوار حکمران ہے اور اس نے اس بستی کو جہنم بنا دیا ہے۔ اس نے زبردست فوج ظلم کر کے ایک مضبوط اور مسلح فوج تیار کی ہے جس کی طاقت کے آگے بستی کا کوئی باشندہ دم نہیں مار سکتا۔ اس فوج سے سارے لوگ سخت خوفزدہ ہیں۔ گرائس کی اس فوج کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ یہ بستی کے لوگوں کو مستقل لوٹتے رہنے کے علاوہ بستی کے باہر بھی دُور دُور تک سرگرم عمل رہتی ہے۔ مسافروں پر حملہ کر کے ان کے

سے گھاٹ اتارتی ہے اور اس کا مال و متاع چھین لیتی ہے۔ اس کے علاوہ تجارتی قافلے برابر لوٹتی رہتی ہے۔ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے اور گھوڑے اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیتی ہے۔ اس نے ڈاکوؤں کی ایک جمعیت ہے جسے گرائس نے من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور صرف یہی خونخوار فوج اس کے اقتدار کا ستون ہے۔ ورنہ جہاں تک وادی کے لوگوں کا تعلق ہے' بچہ بچہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں اور آبادیوں والے بھی گرائس اور اس کی فوج کے اس طرزِ عمل سے سخت پریشان ہیں۔ آج سے چار سال پہلے شمالیہ کی لسنی والوں نے ایک بڑی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ گرائس کے فوجیوں کے ہاتھوں سخت تنگ تھے جو آئے دن آ کر ان کی بستی کے لوگوں کو لوٹتے رہتے تھے اور شب خون مار کر ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ شمالیہ کے حکمران رابو کم نے پہلے تو اپنی بستی کے دانش مندوں کا ایک وفد گرائس کے پاس بھیجا اور اس سے شریفانہ طور پر درخواست کی کہ وہ اپنے فوجی لٹیروں اور شہر کنوں کا سدباب کرے لیکن گرائس نے وفد میں شامل تمام لوگوں کو قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص کو باقی چھوڑا اور مقتولوں کے سر اس کے حوالے کر کے اسے واپس شمالیہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر یہ بتا سکے کہ وفد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رابو کم نے اپنی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر چڑھائی کر دی۔ لیکن گرائس کی خونخوار اور دہشتی فوج نے شمالیہ سے فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ رابو کم مارا گیا۔ گرائس اور اس کے فوجیوں نے جی بھر کر شمالیہ کو لوٹا ہی نہیں، انھوں نے شمالیہ کے آس پاس کی کئی اور چھوٹی چھوٹی بستیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن گرائس نے اپنی ایک خاص حکمت عملی مقرر کر رکھی ہے۔ اس نے مقبوضہ علاقوں میں سے کسی ایک کو اپنی مکمل عمل داری میں شامل نہیں کیا، بلکہ انھیں اپنا باج گزار بنا کر حکومت کا نظم و نسق ان کے لوگوں کے سپرد کر دیا چنانچہ اس نے رابو کم کے بیٹے قلندو کو شمالیہ کا حکمران بنا دیا۔ قلندو جنگ میں زخمی ہوا تھا لیکن مرا نہیں تھا۔ اب آس پاس کی تمام ریاستیں گرائس کو خراج ادا کرتی ہیں اور وہاں کی حکومتوں کے سربراہ مقامی لوگ ہی ہیں۔ گرائس کے خزانے میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ اس نے اپنی فوج کو زیادہ مستحکم کر لیا۔ آس پاس کی تمام ریاستوں میں گرائس کے فوجی مستعین ہیں اور وہاں کے حاکموں کے سامنے نہیں بلکہ صرف گرائس کے سامنے جوابدہ ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی بغاوت نہ ہونے پائے۔

گرائس نہایت درجہ عیاش اور بدکار ہے اور نہ صرف اس بستی کی، بلکہ آس پاس کی تمام بستیوں کی کوئی نوجوان اور حسین عورت اس کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ وہ ان عورتوں کو باقاعدہ طور پر اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھتا، بلکہ چند روز کے بعد انھیں محل سے نکال دیتا ہے اور وہ بے آبرو ہو کر اِدھر اُدھر دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ کتنی ہی عورتوں نے شرم اور مایوسی کے عالم میں خودکشی کر لی۔ اب حالت یہ ہے کہ بستی کے لوگ اپنی نوجوان بیٹیوں کو گھروں سے باہر نہیں نکلنے دیتے کہ کہیں گرائس کے کسی کارندے کی نظر نہ پڑ جائے۔ گرائس کے جاسوس مرد اور عورتیں گھر گھر نوجوان لڑکیوں کا سراغ لگاتے پھرتے ہیں اور جو لڑکیاں ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچیں ان کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں میں بھی کوئی نوجوان عورت محفوظ نہیں ہے۔"

اندلشک ذرا دیر خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔ "یہ تو تھا تصویر کا ایک رُخ۔ اب میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوفناک بات بتاتا ہوں۔ گرائس کی بیوی شرخونہ اس سے بھی خطرناک عورت ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ چڑیل ہے اور اسے جادو آتا ہے۔ وہ گرائس کی سرگرمیوں میں دخل نہیں ہوتی اور گرائس اس کی سرگرمیوں میں دخل نہیں ہوتا عام خیال یہ ہے کہ گرائس اس سے خوفزدہ ہے۔ شرخونہ ہر مہینے میں ایک نوجوان کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ انتخاب خالصتہً اس کا اپنا ہوتا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی وحشیوں کی طرح ساری بستی نکالو' آس پاس کی بستیوں کا چکر لگاتی ہے' وہ جس گھر میں چاہتی ہے گھس جاتی ہے اور اپنی مرضی اور پسند کے نوجوان کو پکڑ کر لاتی ہے۔ اس کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی ایک جمعیت ہوتی ہے۔ شرخونہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے اور پھر ٹھیک ایک ماہ بعد اس نوجوان کی لاش محل کے پچھواڑے اس عالم میں دستیاب ہوتی ہے کہ اس کا سینہ چیرا ہوا ہوتا ہے اور اس میں سے دل غائب ہوتا ہے۔ پورے ایک ماہ تک وہ شخص شرخونہ کا قیدی ہوتا ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ وہ اس دوران اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ اسے ایک خاص کمرے میں مقید کر دیا جاتا ہے جس میں کوئی کھڑکی موجود نہیں ہے اور دروازے پر بھاری سا تالا لگا رہتا ہے جس کی چابی صرف شرخونہ کے پاس ہوتی ہے۔ محل کے کسی بھی ملازم کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک بار غلطی سے ایک کنیز اِدھر چلی گئی تھی، شرخونہ نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اس لیے کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم کہ شرخونہ ایک ماہ تک اس نوجوان کے ساتھ کیا کرتی ہے اور پھر اسے کیوں ہلاک کر دیتی ہے اور اس کا دل کہاں چلا جاتا ہے۔ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ شرخونہ کوئی ڈائن یا چڑیل ہے اور وہ مردوں کے دل نکال کر کھا جاتی ہے۔ بستی کے بہت سے نوجوان مردوں نے اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن گرائس کے فوجی تعاقب کر کے انھیں دوبارہ پکڑ لائے اور پھر بستی کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ان نوجوانوں کی پشت کو کوڑوں سے اُدھیڑ کر

رکھ دیا گیا تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں۔ سو یہ ہیں اس بستی کے حالات جو میں نے مختصراً تمہیں بتائے۔ بھلا تم دو افراد ظلم و تشدد کی ان شیطانی قوتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکو گے؟ میں اس عذر تک تو تمہیں کامیابی سے لے آیا ہوں اور ابھی تک کسی نے تمہیں نہیں دیکھا۔ لیکن یہاں تمہارا مستقل رہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ لمکن ہے کہ کبھی کوئی بھولا بھٹکا چرواہا اپنی کسی گمشدہ بھیڑ کی تلاش میں ادھر آنکلے اور تم پر اس کی نظر پڑ جائے۔ اس صورت میں تم شرخونہ کے عذاب کا نشانہ بھی بن سکتے ہو۔ کیونکہ بستی کے اندر یا بستی کے باہر سے کسی بھی الزام میں گرفتار ہونے والے شخص کا شرخونہ معزز رہ معاینہ کرتی ہے۔ بستی میں داخل ہونے والے اجنبیوں کے لیے حکم ہے کہ سب سے پہلے انہیں شرخونہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ لیکن مدتیں گزریں کہ اجنبیوں نے اس بستی کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گراش اور شرخونہ کی ترکتوں کی خونیں داستانیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لیے کوئی بھی اجنبی شخص اس بستی کی طرف نہیں آتا۔ دو سال پہلے ایک شامت کا مارا نوجوان اور حسین سوداگر راستہ بھول کر ادھر آنکلا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی تھا اور دونوں کے پاس اچھا خاصا مال تجارت تھا۔ وہ اتفاق سے اپنے قافلے سے بچھڑ گئے تھے اور اس خونیں بستی کی طرف آنکلے۔ سوداگر کا مال و اسباب تو گراش کے فوجیوں کے قبضہ میں گیا اور خود سوداگر شرخونہ کے قبضہ میں۔ اس کے بوڑھے باپ کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے تم دونوں پہلے اجنبی ہو جو اس بستی میں داخل ہوئے ہو۔"

ہم دونوں اس بستی کے عجیب و غریب حالات سن کر سخت حیران ہوئے۔ اور پرویز خصوصاً مجھے خاص طور سے شرخونہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں خوش ہو گیا کہ اب یہاں کچھ وقت ہنگامہ آرائی میں گزرے گا اور دلچسپ واقعات جنم لیں گے۔ میں اگر چاہتا تو چند منٹ کے اندر اندر سارا کھیل ختم کر کے گاوت کو وہاں کا حکمراں بنا سکتا تھا لیکن اس طرح ایک تو میری شخصیت کا راز فوراً ہی کھل جاتا تو دوسرے گاوت خیرات میں ملی ہوئی اس حکومت سے کبھی مطمئن نہ ہوتا۔ میں یہاں عام انسانوں کی طرح کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ بجز یہ باتیں کرنے کے۔ مجھے یہ سرسبز و شاداب اور حسین وادی بہت پسند آئی تھی، اور مجھے یقین تھا کہ یہاں کے لوگ بہت خوب صورت ہوں گے کیونکہ گاوت اور اندریشک دونوں ہی خوب صورت تھے۔ میں یہاں کی خوب صورت عورتوں کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا کیونکہ ایک طویل مدت سے میں نے عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہاں نہ کوئی عورت مزدور میری زندگی میں داخل ہو گی۔

"تمہاری بستی کے حالات خاصے دہشت ناک اور عجیب و غریب ہیں۔" میں نے اندریشک سے کہا۔ "لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آئندہ وہ نہ ہو گا جو اب تک ہوتا آیا ہے۔ گراش اور شرخونہ، دونوں کو ان کے گناہوں اور مظالم کی سزا ملے گی اور یہاں کی حکومت اس کے اصل حق دار یعنی گاوت کے سپرد کی جائے گی۔"

"یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" اندریشک نے کہا۔ "یہ مانا کہ اصلی گاوت کی پہچان سے بستی کے زیادہ تر لوگ واقف ہیں لیکن ہمیں اتنا موقع ہی کون دے گا کہ ہم لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت کر سکیں۔ کہ اصلی گاوت کون ہے اور نقلی گاوت کون۔ اور پھر بالفرض اگر ہم کسی طرح بستی کے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو بستی والے ہماری کیا مدد کر سکیں گے؟ گراش کی خوناک اور خونخوار فوج کے سامنے سر اٹھانے کی ان میں ہمت نہیں ہے۔ وہ سب کے سب بے موت مارے جائیں گے۔"

"ایسا نہیں ہو گا اندریشک۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہم ایک عمدہ حکمت عملی تیار کریں گے اور یقین کرو کہ گراش کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اسے اور اس کی وحشی مملکت کو سزا ضرور ملے گی۔"

اندریشک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے میری باتیں دیوانے کا خواب معلوم ہو رہی تھیں۔

"خیر اس کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ پھر وہ گاوت سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں نے یہاں کے حالات تمہیں بتا دیے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ اب تک تم کہاں رہے اور تمہارے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔"

گاوت نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنی وہی داستان اندریشک کو سنا دی جو اس سے پہلے وہ مجھے سنا چکا تھا۔ البتہ اس میں اس نے مجھ سے ملاقات کے واقعات کا اضافہ کر دیا۔

اندریشک اپنی پوری دل جمعی کے ساتھ داستان گم سنتا رہا۔ اور میں اس عرصے میں کچھ اور ہی سوچتا رہا۔ جب گاوت نے اپنی داستان گم ختم کر لی تو اندریشک نے اس سے کہا۔ "ہر چند کہ حکومت کے حق دار تم ہی ہو اور بستی کے تمام دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں، لیکن میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ ابھی تک تمہارے بارے میں کسی کو یہ بات نہیں معلوم ہے کہ تم زندہ ہو اس لیے مناسب یہی ہو گا کہ تم اپنے اس دوست کے ساتھ یہاں سے کسی اور طرف نکل جاؤ۔ میں جو ہو سکے گا تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تم اس خیال کو دماغ سے نکال دو کہ تم گراش پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو۔ مجھے چونکہ تمہاری جان عزیز ہے اس لیے میں تمہیں یہ مشورہ دے رہا ہوں۔"

گاوت کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی اندریشک سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ شرخونہ اب نئے مرد کی تلاش میں کب نکلنے والی ہے؟ جو مرد اس وقت اس کے قبضے میں ہے اس کی موت میں کتنے روز باقی ہیں؟"

"کتنے بھی روز باقی نہیں ہیں۔" اندریشک نے جواب دیا۔ "کل

[illegible] کی رات شل کل کے کچھ اوپر سے ملے گی۔ اور کل کا دن بستی کے نوجوانوں [illegible] سخت منحوس دن ہے۔ کل صبح ہی سے شرخونہ اپنی تلاش شروع [illegible] گی۔ دو تھوڑی دیر میں اپنی پسند کے آدمی کو ڈھونڈ نکالے گی [illegible] میں کوئی اس کی پسند کا آدمی نہیں مل سکا تو وہ اپنے فوجیوں [illegible] اس پاس کی دوسری بستیوں کا رخ کرے گی۔ اسے کل شام [illegible] میں اپنی مرضی اور پسند کا آدمی تلاش کر لینا ہے۔"

"اب یہ بات بتاؤ اندریشک۔" میں نے پوچھا۔ "کیا تمہارے لیے [illegible] سے کہ تم ایک ماہ تک گاوت کو کسی اور جگہ چھپا کر رکھو جہاں [illegible] کی حفاظ رہے اور کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکے؟ [illegible] ایک ماہ کے لیے ایسا بندوبست کر سکتے ہو؟"

"ایک ماہ کی بات ہی کیا ہے، میں گاوت کو ایک سال تک [illegible] رکھ سکتا ہوں۔" بوڑھے اندریشک نے جواب دیا۔ "میرا مکان [illegible] گاوت کو بھی طرح معلوم ہے۔ بستی سے دور الگ تھلگ ایک [illegible] کی پہاڑی کے دامن میں ہے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا [illegible] بھی شامل ہے جو کسی کمرے کی طرح کشادہ ہے۔ اس غار [illegible] اتنا چھوٹا ہے کہ انسان صرف بیٹھ کر اس میں داخل ہو سکتا [illegible] اس دروازے پر پتھر رکھ دیے جائے ہیں تو دیکھنے والے [illegible] نہیں گزر سکتا کہ ان پتھروں کے پیچھے کوئی غار ہے۔ وہ صاف [illegible] کا ایک حصہ نظر آتے ہیں۔ میرے گھر کے اس پوشیدہ کمرے [illegible] میں کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کمرے میں [illegible] میرے تو کسی کو نہیں پتہ چل سکے گا۔ لیکن تم کہاں جانا چاہتے [illegible] اندریشک نے مشتبہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ گاوت بھی جواب [illegible] سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"میں سب سے پہلے شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس کی [illegible] اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ میں خود شرخونہ کو ایک ماہ کے لیے [illegible] میں دے دوں۔ اور دیکھوں کہ اس دوران اور اس کے بعد [illegible] کیا سلوک کرتی ہے اور اس ایک ماہ کی مدت کے دوران [illegible] خاموشی کے ساتھ کہیں چھپا رہنا چاہیے۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو یا زندگی سے عاجز ہو گئے ہو؟" اندریشک غصے سے بولا۔ "میں نے تمہیں شرخونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے اس کے باوجود تم اس چڑیل سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہیں زندہ چھوڑ دے گی؟"

"میں ہرگز اس سے یہ توقع نہیں رکھتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یقین رکھو کہ وہ اپنی کوششوں کے باوجود مجھے ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اگر وہ کوئی چڑیل ہاڑ ہن ہے تو میں ایسے منتر جانتا [illegible] کے پڑھنے سے مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔

"یاد رکھو؟" بوڑھے اندریشک کی آنکھیں خوشی سے چمکنے [illegible] تمہیں سچ مچ ایسا کوئی منتر آتا ہے جو شرخونہ کو شکست دے دے؟ اگر ایسا ہے تو پھر میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ ویسے بھی تم مجھے کوئی غیر معمولی انسان نظر آتے ہو۔ بہرحال تم بالکل اطمینان رکھو تمہاری غیر حاضری میں گاوت کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔"

"میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا میرے دوست۔" گاوت نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم میری خاطر پہلے ہی اپنا بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے لیے اندریشک کا وہی مشورہ صحیح ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں تمہاری عنایات کے لیے تمہارا بہت شکر گزار ہوں، لیکن اپنی خاطر تمہیں ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔"

"میں ہلاکت کا شکار نہیں ہوں گا پیارے دوست۔" میں نے پُریقین لہجے میں گاوت سے کہا۔ "میں جتنے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ کل صبح سورج نکلے گا، اتنے ہی یقین کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں ایک ماہ بعد زندہ سلامت واپس آ کر تم سے ملاقات کروں گا۔"

اندریشک تو میری بات پہلے ہی مان چکا تھا لیکن گاوت کو راضی کرنے میں مجھے بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ کسی طرح مجھے شرخونہ کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ آخر بڑی مشکل سے میں اسے راضی کرنے میں کامیاب ہوا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم پر نظر پڑتے ہی شرخونہ تمہیں اپنے مقصد کے لیے منتخب کر لے گی۔" اندریشک نے کہا۔ "اس کی آنکھوں نے آج تک تم سے زیادہ حسین اور طرح دار آدمی نہیں دیکھا ہو گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے منتخب کر لے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم لوگ شام تک اس غار میں مقیم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ طے یہ ہوا کہ اندھیرا گہرا ہو جانے کے بعد ہم تینوں غار سے باہر نکل کر اندریشک کے گھر جائیں گے۔ میں اندریشک کا گھر دیکھ کر اور تھوڑی دیر وہاں رک کر واپس چلا جاؤں گا اور رات ہی کو بستی کی حدود سے باہر نکل جاؤں گا۔ گاوت، اندریشک کے گھر میں چھپا رہے گا۔ میں رات بستی کے باہر کہیں گزاروں گا اور علی الصبح بستی میں ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے داخل ہو جاؤں گا۔ میری کوشش ہو گی کہ فوجیوں سے جلد از جلد میرا آمنا سامنا ہو جائے۔ اور صبح سے ٹھیک اکتیس رات کو میں دوبارہ اندریشک کے گھر میں واپس آ جاؤں گا اور پھر ہم آئندہ کا منصوبہ ترتیب دیں گے۔

رات گہری ہو گئی اور چاروں طرف دبیز تاریکی پھیل گئی تو ہم تینوں غار سے باہر نکلے اور اندریشک کی قیادت میں بستی کی طرف بڑھے۔ اندریشک نے بتایا کہ ایک طویل مدت سے بستی میں سرشام ہی سے سناٹا پھیل جاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے

بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ہر طرف خوف و ہراس کی فضا طاری ہے۔ اندلشک کا کہنا بالکل صحیح تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل ہوئے تو مجھے ایسا لگا گویا ہم کسی قبرستان سے گزر رہے ہیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ گلیاں اور کوچے سنسان پڑے تھے۔ صرف کسی کسی مکان کے روشندان یا کھڑکی میں سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی جھلک نظر آرہی تھی اور زیادہ تر مکان مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گلیوں میں آوارہ کتوں کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ بستی سے کافی دور، مغرب کی سمت میں ایک وسیع اور بلند عمارت کا دھندلا دھندلا سا ہیولہ نظر آرہا تھا۔ گاوت نے مجھے بتایا کہ یہ محل ہے۔ وہ محل جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن گزارے تھے اور جہاں اس وقت گراش اور شرخونہ کا راج تھا۔

ہم لوگ بستی کے کنارے کنارے سے گزرتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اب ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں کھڑے تھے۔ یہاں سے محل بہت دور تھا اور بستی بھی کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں ایک واحد مکان نظر آرہا تھا۔ مکان باہر سے دیکھنے میں خاصا بڑا لگتا تھا۔ اندلشک نے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے پر تین بار ایک مخصوص انداز میں دستک دی۔ دروازے کے پیچھے ایک آہٹ ہوئی اور پھر کسی نسوانی آواز نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں ہوں بیٹی، دروازہ کھول دے۔" اندلشک نے سرگوشی میں کہا۔

دروازہ کھل گیا اور ہم تینوں جلدی جلدی اندر داخل ہو گئے۔ اندلشک نے فوراً اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک پندرہ سولہ سال کی لڑکی، جو کسی آسمانی حور کی طرح حسین اور طرح دار نظر آرہی تھی، ایک ہاتھ میں چراغ لیے کھڑی تھی اور ہم لوگوں کے اجنبی چہروں کو حیرت سے تک رہی تھی۔

"یہ میری بیٹی نوگراش ہے۔" اندلشک نے ہم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور بیٹی نوگراش، یہ دونوں ہمارے مہمان ہیں۔ نہایت معزز مہمان۔"

"میں مہمانوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔" نوگراش نے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے فضا میں سردی ایکدم بڑھ گئی ہو۔

"بابا تم آج کہاں چلے گئے تھے؟ سارا دن ہو گیا اور اتنی رات گزر گئی اور تم اب آئے ہو؟ میرا تو ڈر کے مارے برا حال تھا۔ تم نے صبح بتایا بھی نہیں تھا کہ تم دیر سے آؤ گے۔"

"ہاں بیٹی۔" اندلشک نے کہا۔ "مگر میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں لگائی۔ ان معزز مہمانوں سے اچانک اور غیر متوقع طور پر ملاقات ہو گئی اور اس وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔"

"اس تاخیر کے ہم ذمہ دار ہیں نوگراش۔" میں نے اندلشک کی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا، جو پہلی نظر ہی میں مجھے اچھی لگی تھی۔ "تمہارے بابا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

نوگراش نے چراغ کی مدھم روشنی میں مجھے غور سے دیکھا۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور آنکھوں کی اندرونی جذبے کے تحت چمکنے لگیں۔ "تمہیں کیا چاند کی کرنوں سے تراش کر بنایا گیا ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ "میں نے تمہاری جیسی رنگت کا انسان آج تک نہیں دیکھا۔ تم کس دوسری دنیا سے آئے ہو؟"

"میں نہ چاند کی کرنوں کا بنا ہوا ہوں اور نہ کسی دوسری دنیا سے آیا ہوں۔" میں نے نوگراش کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر ہنستے ہوئے کہا۔ "میں بھی تم لوگوں کی طرح کا ایک انسان ہوں، ایک عام اور معمولی سا انسان۔"

اندلشک کی ہدایت پر نوگراش نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور ہم تینوں بیٹھ کر کھانے لگے۔ نوگراش اندر باورچی خانے میں چلی گئی۔

"جب بھی میری نظر نوگراش پر پڑتی ہے، میرا دماغ گھومنے لگتا ہے۔" بوڑھے اندلشک نے سنجیدہ انداز میں کہا۔ "نہ جانے کب گراش کے جاسوسوں کو میری بیٹی کے بارے میں علم ہو جائے اور وہ گراش کو خبر کر دیں اور میری بیٹی اس بھیڑیے کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جائے۔ اس فکر میں مجھے اکثر رات بھر نیند نہیں آتی اور دن بھر میں آوارہ گرد کی طرح ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ میں نوگراش کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ اور میں نے سارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میری بیٹی شدید بیمار ہے اور وہ اپاہج ہو گئی ہے، تاکہ گراش کے جاسوسوں کی توجہ میرے گھر کی جانب نہ ہو۔ لیکن کون جانے کہ کب کیا ہو جائے۔"

"تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اندلشک۔" میں نے اس سے کہا۔ "ایک ماہ صرف ایک ماہ کی بات ہے اور اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہاری بیٹی کی طرف اٹھنے والی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔" اندلشک نے حیرت ناک لہجے میں کہا۔ "کاش میری بوڑھی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے یہ منظر بھی دیکھ سکیں۔"

کھانا کھانے کے بعد اندلشک نے نوگراش کو بلا کر بھی طرح سمجھا دیا کہ گھر میں انجانوں کی آمد کے بارے میں کسی سے ہرگز کچھ نہ بتائے۔ نوگراش کو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایک مہمان تھوڑی دیر بعد چلا جائے گا اور دوسرا غار والے کمرے میں قیام کرے گا اور یہ کہ وہ غار کا دروازہ پتھروں سے بند کرنے کے بعد ان پر کپڑے پھیلا دے تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو کہ اس کی چٹان کے پیچھے کوئی خلا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد بیٹی نے اندلشک اور گاوت سے اور انھیں اس بار بھی یقین دلایا کہ آئندہ رات کو میں بھی ضرور موجود ہوں گا۔ وہ سب مجھے رخصت کرنے کے لیے دروازے

تک آئے۔ ان میں نوگراش بھی شامل تھی۔

"کیا تم پھر واپس آؤ گے سونے کے آدمی؟" اس نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ہاں ضرور واپس آؤں گا۔" میں نے نوگراش کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" اس نے بھولپن کے ساتھ کہا۔ اور پھر باہر آگیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

باہر تاریکی اور خاموشی کچھ اور زیادہ گہری ہو گئی تھی اور دور دور سے آوارہ کتوں کے اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں خاموشی سے سفر طے کرتا رہا۔ میں ابھی بستی کی حدود کے اندر ہی تھا کہ مجھے چند آدمی ایک طرف سے اپنی جانب بڑھتے نظر آئے۔ میں اس وقت کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتا تھا اور نہ میرا منصوبہ خطرے میں پڑ جاتا۔ اس لیے میں جلدی سے ایک بھاری درخت کے تنے کے پیچھے چلا گیا۔ وہ میرے قریب سے گزر گئے۔ وہ چار گھوڑ سوار تھے اور لباس سے فوجی نظر آتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی پشت پر بڑی بڑی گٹھڑیاں لدی نظر آرہی تھیں غالباً وہ کہیں سے لوٹ کا سامان لے کر آرہے تھے۔ وہ میرے پاس سے گزرتے چلے گئے اور انھیں میری موجودگی کی خبر نہیں ہوئی۔ جب وہ کافی آگے نکل گئے تو میں بھی درخت کے پیچھے سے نکل آیا۔ ان لوگوں کا رخ محل کی طرف تھا اور میں بستی کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے بعد کا راستہ اطمینان سے طے ہوا اور بقیہ رات میں نے بستی کے باہر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے کنارے گزاری۔

دوسرے دن صبح کو میں طلوع آفتاب کے وقت بستی میں داخل ہوا اور سیدھا اندر چلتا چلا گیا۔ اب میں بستی کی بڑی سڑک پر چل رہا تھا جس کے دونوں طرف بازار تھا۔ جس میں چہل پہل نظر آرہی تھی۔ لیکن میں نے کسی بھی چہرے پر بشاشت اور مسرت کی کیفیت نہیں دیکھی۔ سب لوگ پریشان اور مصیبت زدہ نظر آرہے تھے۔ بیشتر دکانیں بند تھیں۔ جو کھلی تھیں ان پر گاہکوں کا ہجوم نہیں تھا۔ گویا زیادہ تر دکاندار بیکار بیٹھے تھے۔ میں نے بازار کے سرے سے اس سرے تک بازار کا ایک چکر لگایا۔ میں جس طرف سے بھی گزرتا لوگ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھتے اور دیکھتے رہ جاتے۔ لیکن کسی شخص نے بھی مجھ سے بات کرنے کی یا کوئی سوال پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ مجھے دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگ جاتے تھے۔ میں ان کے لیے ایک عجوبہ تھا لیکن وہ میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ بہت سے مکانوں کی کھلی ہوئی کھڑکیوں اور دروازوں میں سے مردوں اور عورتوں نے مجھے دیکھا۔ لیکن ان کے چہروں پر بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

میں ابھی اس مڈبھیڑ میں مصروف ہی تھا کہ اچانک محل کی طرف سے گرد کا ایک بادل اٹھتا دکھائی دیا۔ تمام لوگوں کی نظریں اس جانب اٹھ گئیں اور ان کے چہروں پر پھیلے ہوئے خوف کے سائے اور زیادہ گہرے ہو گئے۔ مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے جلدی جلدی بند ہونے لگے۔ جو لوگ سڑک پر تھے وہ جلدی جلدی آس پاس کی دکانوں یا مکانوں میں داخل ہو گئے اور چند منٹ بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل اکیلا سڑک پر چل رہا ہوں۔

گرد کا بادل تیزی سے نزدیک آرہا تھا یہاں تک کہ آنے والوں کی شکلیں نظر آنے لگیں۔ سب سے آگے جیت لباس میں ملبوس ایک عورت، ایک بالکل سیاہ گھوڑے پر سوار تھی، اور اس کے پیچھے مسلح سپاہیوں کا ایک پورا جتھا تھا۔ قریب آجانے پر میں نے اس عورت کو غور سے دیکھا۔ وہ مضبوط تن و توش کی عورت تھی اور اس کا بدن قدرے فربہی کی طرف مائل تھا۔ وہ بے حد خوب صورت اور دل کش خدوخال کی مالک تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک وحشیانہ اور سفاکانہ چمک۔ میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

گھوڑ سوار عورت میرے قریب آکر رک گئی اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ وہ بے یقینی کے عالم میں بار بار اپنا چابک ہلا رہی تھی۔ اس کا مسلح جتھا بھی اس کے پیچھے رک گیا۔ سپاہی بھی حیرانی سے مجھے دیکھنے لگے۔

"تو کون ہے؟" عورت نے بھاری آواز میں مجھ سے پوچھا۔ اس کی آواز بھی اس کے جسم کی طرح نزاکت سے عاری تھی۔

"میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے سکینی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہاں اس بستی میں کس سے ملنے آیا ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ یہ کونسی بستی ہے۔ دراصل میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں اپنے قافلے کے ساتھ جا رہا تھا کہ بچھڑ گیا۔ کئی دن تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آج صبح اچانک اس بستی میں آگیا۔ مجھے یہاں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ کیا معزز خاتون اپنا تعارف کرانا پسند کریں گی؟" میں نے کہا۔

"ضرور۔" اس نے جواب دیا۔ "میرا نام شرخونہ ہے اور میں یہاں کے حکمران گاوت کی بیوی ہوں۔ تیرا نام کیا ہے؟"

"میرے دوست مجھے شادل کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس بستی میں داخل ہونے کے بعد تیری کسی سے ملاقات ہوئی؟" شرخونہ نے پوچھا۔

"کسی سے بھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید یہاں کے لوگ اجنبیوں اور مسافروں کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔"

"کس نے تجھے اس بستی کے اور یہاں کے رسم و رواج کے

بارے میں نہیں بتایا؟" شرخونہ نے دوبارہ پوچھا۔ میں اس کا مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کے بارے میں اس کے عزائم اور اس کی خوبیوں خرابیوں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں یا نہیں تاکہ اس کے مطابق وہ میری جانب اپنے رویہ کا تعین کر سکے۔ اگر کسی سختی کے بغیر ہی میں اس کے جھانسے میں آجاؤں تو اس کے لیے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور میں تو جان بوجھ کر اسے یہ بات کا موقع فراہم کر رہا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس بستی میں داخل ہونے کے بعد ابھی تک یہاں کے کسی باشندے سے میری ملاقات یا بات چیت نہیں ہوئی ہے" میں نے معصومیت سے جواب دیا۔

شرخونہ کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں اس کے لیے بالکل نرم چارہ ثابت ہو رہا تھا۔

"اچھا ایسا کرو سفر سے بدن والے اجنبی کہ میرے ساتھ میرے محل میں چلو" شرخونہ نے کہا۔ "اس بستی کے لوگ کوئی خاص مہمان نواز نہیں ہیں اور یہاں تمہیں کوئی ایک وقت کی روٹی بھی بمشکل ہی کھلا سکے گا تو میرے ساتھ چلو اور میرے محل میں قیام کرو۔ میں تیز رفتار گھوڑ سوار دل کو بھیج کر تیرے گمشدہ قافلے کا سراغ لگوانے کی کوشش کروں گی۔ اس اثنا میں تو میرے ذاتی مہمان کی حیثیت سے میرے محل میں قیام کرے گا۔"

"میں معزز شرخونہ کی اس عنایت کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں" میں نے جواب دیا۔ "لیکن کیا مجھے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ ایک اجنبی مسافر کے لیے سردار کے محل میں ٹھہرنا مناسب ہوگا؟"

"تو اپنے آپ کو معمولی کہتا ہے" شرخونہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تجھے اس بات کا احساس ہے کہ تیری شخصیت کتنی دلآویز اور پرکشش ہے؟ تجھے اپنا مہمان بنانا کسی کے لیے بھی خوشی کا باعث ہو سکتا ہے۔"

"میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں محترم شرخونہ" میں نے ادب سے کہا۔

شرخونہ نے ایک فوجی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے آیا تو شرخونہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر جائے۔ فوجی گھوڑے سے اترا تو شرخونہ نے مجھ سے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا۔ میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا اور ہم واپس محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شرخونہ کو میرے ساتھ کوئی سختی کرنے کی ضرورت درپیش نہیں آئی میں خود اس کا قیدی بننے کا متمنی تھا۔ تاہم میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ شرخونہ کے سپاہی ہم دونوں کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ شاید یہ ان کی احتیاط کا تقاضہ تھا۔

محل تک پہنچتے پہنچتے میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ بہت سے دروازوں اور کھڑکیوں میں سے انسانی چہرے جھانک جھانک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی تھی۔ تاسف تھا۔ ان سب کو یقین تھا کہ میری زندگی کا صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل کے بڑے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ پھاٹک پر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔ محافظوں نے جھک جھک کر شرخونہ کو تعظیم دی اور پھاٹک کھول دیا۔ ہمارا چھوٹا سا قافلہ محل کے اندر داخل ہو گیا۔ پرویز میں نے اپنی زندگی میں ہزار ہا اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار محل دیکھے ہیں۔ یہ محل ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا۔ تم ایک بڑی اور کشادہ حویلی کہہ سکتے ہو جس کی تعمیر میں زیادہ تر پہاڑوں کے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ طرز تعمیر میں نفاست اور خوش اسلوبی کی کمی صاف محسوس ہوتی تھی۔ مجھے بہرحال ان چیزوں سے کچھ سروکار نہیں تھا میں تو شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔

ہم لوگ محل کے ایک کشادہ اور دراز حصے میں داخل ہوئے جو کہ چھ دیواری کے دوسرے کونے کے قریب واقع تھا۔ یہاں ایک وسیع باغ تھا جسے جھاڑیوں کی ایک طویل اور اونچی باڑ کے ذریعہ باقی محل سے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا۔ شرخونہ کے ساتھ آنے والے سپاہی باڑ کے قریب رک گئے۔ غالباً اس سے آگے جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ شرخونہ نے میرے ہوتے باغ میں داخل ہوئی، اور ایک چھوٹی سی مگر اونچی عمارت کی طرف بڑھنے لگی جس کی طویل سیڑھیاں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہم ایک وسیع دالان میں پہنچے جس کے اندر ایک کمرہ تھا۔ اب ہم کافی بلندی پر آ گئے تھے۔ کمرے کے مضبوط اور چوڑے دروازے پر ایک بھاری سا تالا لگا ہوا تھا۔

شرخونہ نے اپنی جیب میں سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ ایک چابی لگا کر بھاری دروازے کا تالا کھول دیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جو بالکل خالی تھا اور سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا۔ شرخونہ نے اس تالے کو کھولا اور ہم دونوں ایک اندرونی کمرے میں داخل ہو گئے جو ہر قسم کے ضروری ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ کمرے کے ایک طرف ایک بڑا سا چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جس پر ایک مہمان ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ چھپر کھٹ کے برابر ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی جس کے گرد دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ایک طرف کو ایک بڑی سی الماری تھی جو دیوار کے اندر بنی ہوئی تھی۔ الماری میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا اور الماری کے سامنے فرش پر ایک چھوٹا سا نفیس دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ میں کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ایک کھڑکی تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر اسے کھولا۔ کھڑکی کے نیچے فرش تک کا فاصلہ کم از کم چالیس فٹ ہوگا۔ ہم کو اس کمرے تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کا ایک بے حد طویل سلسلہ طے کرنا پڑا تھا۔ اس لیے مجھے

باغ اور کھڑکی کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ دیکھ کر کوئی عجیب سی بات محسوس نہیں ہوئی۔ کھڑکی کے نیچے دیوار بالکل سیدھی چل گئی تھی اور اس میں کہیں کوئی پیر ٹکانے کی جگہ نہیں تھی۔ نیچے فرش سخت اور کھردرے پتھروں کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھڑکی کے عین نیچے کے فرش کو خاص طور سے چھتر بلا بنایا گیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس کمرے میں کسی مقید کو کوئی شخص اگر کھڑکی کے راستے فرار ہونے کی کوشش کرے تو یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ میں نے ایک بار پھر اس کمرے کا باہر غور سے دیکھا۔ یہ محل کا پچھواڑہ تھا۔ گویا ہلاک کیے جانے والے نوجوانوں کی لاشیں اس کھڑکی کے راستے نیچے پھینکی جاتی ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔

میں کمرے اور کھڑکی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا اور شرخونہ میرا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ اس نے کمرے میں اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا اور تیز نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"آپ نے کمرے کے دروازے میں تالا کیوں لگا دیا ہے۔ خاتون؟" میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تو واقعی اس کی وجہ نہیں جانتا؟" شرخونہ نے اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں تو میں کیسے جانوں گا؟" میں نے بے چارگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو لے میں تجھے وجہ بتاتی ہوں" اور اس کے ساتھ ہی شرخونہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح مجھ پر چھلانگ لگا کر آئی۔

اس کے بدن میں بلا کی طاقت تھی۔ وہ بالکل کسی گھوڑی کی طرح مضبوط تھی۔ اور چند ہی لمحوں میں مجھے یقین ہو گیا کہ طاقت سے طاقتور مرد بھی جسمانی مقابلے میں اس پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی وہ تنہا ان بدنصیب نوجوانوں کو ہلاک کر دیا کرتی تھی۔

میں اپنے دل میں یہ بات پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ ابھی فوری اور شدید صلاحیتوں کا اس پر ہرگز انکشاف نہیں ہونے دوں گا تاوقتیکہ میں اس کا راز نہ معلوم کر لوں۔ چنانچہ میں نے اسے غالب آنے کا اور حاوی ہونے کا پورا موقع دیا۔ اور ایسا ظاہر کیا گویا میں اس کی جسمانی طاقت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔ "شرخونہ تو کیا مجھے اس لیے یہاں لے کر آئی تھی؟ کیا مجھے مہمان بنانے کا یہی مقصد تھا؟"

"اور اگر کسی طرح تیرے شوہر گاوت کو اس کی اطلاع ہو گئی تو کیا وہ مجھے اور تجھے، دونوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارے گا؟"

"اس پورے علاقے میں اتنی ہمت نہیں کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے۔"

شرخونہ نے سینہ تان کر کہا۔ "وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں اس سے سخت نفرت کرتی ہوں اور وہ مجھ سے سخت خوف کھاتا ہے۔"

"ان باتوں کی وجہ؟" میں نے پوچھا

گاوت سمجھتا ہے کہ میں جادوگرنی ہوں، اور اس لیے وہ مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ اور اس کا یہ سمجھنا کچھ غلط بھی نہیں ہے میں بہت سے منتر اور عمل جانتی ہوں اور ان کی مدد سے میں نے اپنے آپ کو مردوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا لیا ہے اور کوئی بڑے سے بڑا پہلوان بھی مجھ سے جیت نہیں سکتا۔ میں سدا جوان رہنے کا عمل بھی جانتی ہوں اور یہ عمل میں برابر کرتی رہتی ہوں۔ جب تک میرا یہ عمل جاری رہے گا، میں کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی۔ لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ میں یہ عمل برابر کرتی رہوں۔ اس لیے، میں تجھے بتا دیتی ہوں کہ میں ایک مرد کو ایک ماہ سے زیادہ اپنا مہمان نہیں رکھتی۔ ایک ماہ بعد میں اسے اپنے پاس سے رخصت کر دیتی ہوں اور پھر اپنے لیے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیتی ہوں۔ وہ یہ بات صاف گول کر گئی کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیتی ہے۔ "تجھے بھی ایک ماہ بعد مجھ سے جدا ہونا پڑے گا"

"جب آدمی کو نور خصت کر دیتی ہے، تو کیا وہ دوبارہ تجھ سے ملنے کی خواہش نہیں کرتا؟" میں نے پوچھا۔ "اگر وہ تیرے پاس سے نہ جانا چاہے تو؟"

"سوال اس کی خواہش کا نہیں بلکہ میری ضرورت کا ہے" اس نے گول مول سا جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تیرے لیے کھانا لینے جا رہی ہوں" اس نے کہا۔ "محل کے اس حصے میں میں نے کسی ملازم کو آنے کی اجازت نہیں دی ہے اور میں اس کمرے میں تالا لگائے رکھتی ہوں۔ اس لیے مجھے ڈرنے یا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا۔ تو کھانا کھا کر آرام کرنا۔ اب تجھ سے ملاقات رات میں ہوگی۔"

شرخونہ چلی گئی اور دروازے میں باہر سے تالا لگا گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے تالا کھلنے کی آواز سنی۔ شرخونہ میرے لیے کھانا لائی تھی۔ کھانا رکھ کر وہ واپس چلی گئی اور دروازہ باہر سے بند کر گئی۔ میں نے اطمینان سے کھانا کھایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

رات کو شرخونہ دوبارہ آئی۔ اس نے کمرے میں چراغ روشن کیا۔ پھر اس نے کمرے میں موجود الماری کا تالا کھولا۔ اور اس میں سے کسی محلول سے بھرا ہوا ایک بڑا سا برتن نکالا۔ جس میں سے ناگوار سی بو آ رہی تھی۔

وہ قالین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی جو الماری کے سامنے فرش پر بچھا ہوا تھا۔ اس نے کمرے کے دروازے میں اندر سے تالا لگا دیا تھا اور چابی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ محلول کے برتن

کرسی میں ایک چمچا بھی پڑا ہوا تھا۔ اپنے سامنے رکھ کر وہ ایک عجیب سی زبان میں کچھ اول فول بکنے لگی۔ جیسا کہ تم جانتے ہو پروفیسر میں تو دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتا ہوں۔ لیکن شرخونہ جو الفاظ ادا کر رہی تھی وہ کسی بھی زبان کے الفاظ نہ تھے۔ وہ حروف اور آوازوں کے مہمل اور بے معنی مجموعے تھے۔ میں اس کی اس حرکت کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چمچے سے تھوڑا تھوڑا محلول پیتی جاتی اور پھر جاپ شروع کر دیتی۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو کھول کر دونوں شانوں پر بکھیر لیا تھا اور بار بار دیوانہ وار اپنے سر کو جھٹک رہی تھی۔ عجیب پُراسرار منظر میری نظروں کے سامنے تھا۔ اس نے کئی زاویوں سے پوزیشن بدلی اور نہ معلوم کیا کیا الاپتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے محلول کا برتن اور چمچا الماری میں رکھا اور الماری بند کرتے ہی مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

اس کے منہ سے محلول کی عجیب سی بو آ رہی تھی۔ کافی کوشش کے باوجود میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چیز تھی۔

انتیس راتیں

اسی عالم میں گزر گئیں۔ شرخونہ دن بھر اور رات بھر مجھے تمبو میں بند رکھتی۔ میں نے کئی بار دبے لفظوں میں اس سے اس بات پر احتجاج کیا، لیکن وہ یہی کہہ کر ٹال گئی کہ میری حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ شرخونہ چوبیس گھنٹے میں تین بار میرے پاس آتی تھی۔ ایک تو صبح کا ناشتا لے کر، پھر دوپہر کا کھانا لے کر اور اس کے بعد رات کا کھانا لے کر۔ ناشتا اور دوپہر کا کھانا دینے کے بعد وہ فوراً چلی جاتی، لیکن رات کو جب آتی تو مجھے کھانا دینے کے بعد حسبِ معمول اپنے بے ہودہ منتر کے جاپ میں مصروف ہو جاتی اور غلیظ مشروب نکال کر پیتی جاتی۔ میں اسے غور سے دیکھتا رہتا۔

انتیس راتوں تک

یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران مجھے شرخونہ کی زبان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کے شوہر اور بستی کے سحر کار اس گاؤں کے علاوہ بستی کے دوسرے لوگ بھی اس سے سخت خوفزدہ رہتے ہیں اور اسے جادوگرنی سمجھتے ہیں۔ اسے خود بھی بستی کے لوگوں سے اور اپنے شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس سدا جوان رہنے کی خواہش مند ہے اور اس کے لیے اسے اپنے منتر کو مستقل جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس عرصے کے دوران مجھے اندیشک یا گاؤت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ خیریت سے ہوں گے کیونکہ شرخونہ مجھے روزانہ کی اہم خبریں ضرور سنایا کرتی تھی جو بستی میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات پر مشتمل ہوتی تھیں۔

آج میری قید کی تیسویں رات تھی اور آج ہی مجھ پر شرخونہ کے راز کا آخری حصہ منکشف ہونے والا تھا۔ آج رات کا کھانا لے کر شرخونہ ذرا جلدی آ گئی۔ آج کھانا کے خوان کے ساتھ ایک پیالہ کسی سرخ رنگ کے مشروب کا بھی تھا۔

"سنہرے بدن والے اجنبی" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات ہماری ملاقات کی آخری رات ہے اور کل صبح میں تمہیں یہاں سے رخصت کر دوں گی۔ میں تمہیں ایک گھوڑا دوں گی اور ایک آدمی تمہارے ہمراہ کر دوں گی جو آس پاس کے سارے علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ تمہیں تمہاری منزل کا پتا بتا دے گا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں ایک ماہ سے زیادہ کسی مرد کو مہمان نہیں رکھتی۔"

"ہاں حسین شرخونہ مجھے یاد ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن سچ پوچھو تو اب یہاں سے جانے کے لیے میرا جی بالکل نہیں چاہتا۔ تم نے مجھے زندگی سے آشنا کیا ہے اس کے بعد اب میں کہیں خوش نہیں رہ سکتا۔ میں ساری عمر تمہارے ساتھ اسی کمرے کے قید خانے میں گزارنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا اجنبی مسافر۔" شرخونہ نے جواب دیا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ تم مجھے بے حد پسند ہو اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارا جیسا آدمی مجھے روئے زمین پر کہیں نہیں مل سکے گا، لیکن اس کے باوجود میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں زندگی بھر اپنے ساتھ رکھتی، لیکن اس صورت میں میرا منتر بے اثر ہو جائے گا اور میری ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ تمہیں صبح کو یہاں سے رخصت ہونا ہی پڑے گا اجنبی۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے خود پر طلا کی کیفیت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "گویا آج ہماری محبتوں کی آخری رات ہے؟"

"ہاں اجنبی۔" اس نے جواب دیا۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ میں اور تم دونوں مل کر اس کو یادگار بنا دیں۔ اس لیے میں تمہارے لیے یہ ایک مشروب لائی ہوں۔ تم کھانا کھا لو اور اس کے بعد یہ مشروب پی لینا۔ میں اس اثنا میں اپنا جاپ مکمل کر لوں گی۔ یہ مشروب تمہارے رگ و پے میں توانائیوں کی ایسی لہریں دوڑا دے گا جن کا تمہیں اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا ہو گا۔" میں سمجھ گیا کہ اس مشروب میں یا تو کوئی دیرپا اثر کرنے والا زہر ہے یا دیر سے اثر کرنے والا بے ہوشی کی دوا ہے۔ بہرحال میرے لیے اس سے کیا فرق پڑتا تھا پروفیسر! میں نے کھانا شروع کر دیا اور شرخونہ اپنے واہیات عمل میں مصروف ہو گئی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے وہ مشروب پی لیا۔ اس کا ذائقہ سخت خراب تھا۔

"اب تم کو بڑی خوشگوار نیند آ جائے گی۔" شرخونہ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُراسرار شیطانی چمک نظر آ رہی تھی۔ "اس مشروب کے پینے کے کچھ دیر بعد یہ انسان خود بخود گہری نیند سلا دیتا ہے۔ تم رات بھر آرام کرو گے۔ اور صبح کو یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی چالاکی اور مکاری کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور یہ ناٹک کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا، چنانچہ جلد ہی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ گویا میں بے خبر سو رہا ہوں۔ شرخونہ تھوڑی دیر تک بستر پر لیٹی رہی، پھر میں نے اس کے آہستہ سے اٹھنے کی آواز سنی۔ میں نے آہستہ سے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے الماری کا پٹ کھول کر اس میں سے ایک چمک دار خنجر نکالا۔ یہ کافی بڑا خنجر تھا اور اس کا ایک ہی وار انسان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد اس نے خنجر کو اس محلول میں اچھی طرح تر کیا جسے وہ منتر کے جاپ کے دوران پیتی تھی۔ خنجر میں سے مشروب کے قطرے ٹپک ٹپک کر قالین پر گر رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے الماری میں سے ایک دوسرا برتن نکالا جو اندر سے خالی تھا۔ اور اب وہ بلی کی طرح دبے پاؤں میری جانب بڑھنے لگی تھی۔

میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے بالکل قریب آ کر رک گئی ہے۔ یکایک اس نے اوٹ پٹانگ اور بے معنی الفاظ کا ورد شروع کر دیا۔ میں خاموشی سے پڑا ہوا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ ذرا دیر بعد وہ خاموش ہو گئی۔ میں دم سادھے پڑا رہا۔

"تیری جان لینے کا مجھے افسوس ہے، اور زندگی بھر رہے گا۔" وہ منہ ہی منہ میں آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی اور میں غور سے اس کے الفاظ کو سننے لگا۔ "میں دنیا میں اپنی ذات کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی، تجھ سے بھی نہیں سنہری بدن والے اجنبی۔ اپنی بقا کے لیے اپنی جوانی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے میں تجھے بھی ٹھکانے لگانے پر مجبور ہوں۔ مجھے تیرے دل کی ضرورت ہے جس کے گوشت کو میں کھاؤں گی۔ اور تیرے سینے سے بہنے والے خون سے محلول تیار کروں گی۔ اب میرے پاس محلول ختم ہو گیا ہے۔ مجھے تیرے خون کی ضرورت ہے، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا سنہری اجنبی۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا خنجر بڑی زور سے میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی نوک کا دباؤ مجھے اپنے پتھریلے جسم پر محسوس ہوا اور ساتھ ہی خنجر پھسل کر گر پڑا۔ میں نے لپک کر شرخونہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ بیٹھا۔ حیرت اور خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ بے ہوش نہیں ہوئے؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اٹک اٹک کر کہا۔

"نہیں شرخونہ۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے بیہوش ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں سنہری نوجوان۔" شرخونہ نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں تمہیں بے ہوش کیے بغیر بھی تم پر قابو پا سکتی ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا اور میں نے ایسا ظاہر کرتے ہوئے کہ یا میں اس سے زیادہ طاقتور نہیں ہوں، اس کی کلائی برائے نام گرفت ڈھیلی کر دی۔ شرخونہ نے لپک کر گرا ہوا خنجر اٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

ایک سفاک اور بے رحم قاتلہ کے روپ میں میری جان کے درپے تھی۔ وہ میرا کلیجا چیر کر میرا دل چبانا چاہتی تھی اور میرے خون سے پیالا بھر لینا چاہتی تھی۔

ایک دلخراش آواز لگاتے ہوئے وہ دوبارہ مجھ پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور اس کا خنجر ایک بار پھر میرے سینے سے ٹکرایا۔ اس بار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑا نہیں۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی، بل کھا رہی تھی۔ اور زور آزمائی کر رہی تھی اپنے جسم کی پوری قوت لگا کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا ہاتھ تو جیسے فولادی حلقے میں جکڑا ہوا تھا۔ تھوڑی جدوجہد کے بعد اس کا سانس پھول گیا۔ وہ حیرت سے مجھے گھورنے لگی۔

میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ظالم اور وحشی عورت۔" میں نے نفرت سے کہا۔ "تو اب تک نہ جانے کتنے نوجوانوں کو اپنی ہوس کی سیخ پر چڑھا چکی ہے اور ان کے دل نکال کر کھا چکی ہے۔ تو واقعی ایک خطرناک ڈائن اور چڑیل ہے اور تیرا زندہ رہنا اس بستی والوں کے لیے ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ جب تک تو زندہ رہے گی، اسی طرح نوجوانوں کو ہلاک کر کے ان کے کلیجے چباتی رہے گی۔ میں اس بستی والوں کا دوست ہوں، اور انھیں اس لعنت سے نجات دلانا میرا فرض ہے۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے اس کا خنجر لے کر دستے تک اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک کراہ نکلی۔ تھوڑی دیر تک اس کا بدن تڑپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ پروفیسر مجھے اس عورت کے قتل کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا۔ وہ ایک بلا تھی، قاتلہ تھی، جب تک وہ زندہ رہتی ہر ماہ ایک نوجوان کی زندگی کا چراغ گل ہوتا رہتا۔ اسے ہلاک کر کے میں نے بہت سے انسانوں کی جانیں بچائی تھیں۔

کمرے میں ہر طرف خون ہی خون پھیل گیا تھا۔ میں نے کمرے کی واحد کھڑکی کھول دی اور شرخونہ کے مردہ جسم کو اٹھا کر اس میں سے نیچے گرا دیا۔ سخت پتھروں پر اس کے بھاری جسم کے گرنے سے ایک دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور پھر چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔

اس کے ذرا دیر بعد میں نے بھی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی

میں شرخونہ کے مُردہ بدن کے قریب ہی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میں محل کی چہار دیواری کے باہر تھا۔ چاروں طرف تاریکی تھی اور سناٹا تھا۔ دور آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے۔ میرے رفیق میرے دیرینہ دوست اور ہمدم۔ میں نے مُسکرا کر انھیں دیکھا۔ انھوں نے میری مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ میں آگے بڑھ گیا۔

اب مجھے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس محل سے اس طرح نکل جاؤں کہ پہرے داروں کی نظر پر نظر نہ پڑے اور کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔ میں اپنے وعدے کے مطابق اندلشک اور گاوت کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اور انھیں یقین دلا دینا چاہتا تھا کہ میں زندہ ہوں اور پھر وہاں کوئی اور بھی تو تھا جو میرا انتظار کر رہا ہوگا چلیے وقت اس نے کہا تھا۔" میں تمھارا انتظار کروں گی۔" تو گراش کا حسین اور معصوم چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا اور دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

جس جگہ میں کودا تھا وہ جگہ محل کا پچھواڑہ تھی۔ محل کے پچھواڑے حسبِ معمول سبزے کے اختتام پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ لیکن یہ لاش کسی نوجوان کی نہیں تھی شرخونہ کی لاش تھی۔ میں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا محل کی چہار دیواری سے دور ہونے لگا اور تھوڑی دیر میں میں نے محل کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اب میں بستی کے قریب آگیا تھا۔ میں بستی کے کنارے کنارے چلتا ہوا اس پہاڑی تک پہنچ جانا چاہتا تھا جس کے دامن میں اندلشک کا گھر تھا۔

ابھی میں بستی سے کچھ ہی دور تھا کہ اچانک نیم تاریکی میں سامنے سے پانچ گھوڑے سوار آنکلے۔ وہ اس طرح سامنے آگئے تھے کہ میں کوشش کے باوجود خود کو ان کی نظروں سے نہ بچا سکا۔

"کون ہے تو؟" ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر پوچھا۔ اور میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ باقی چاروں بھی رک گئے۔ میں اب ان سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں تو کون ہے اور اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس شخص نے مجھے خاموش پا کر دوبارہ ڈانٹا۔

"میں مسافر ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

اس اثنا میں پیچھے کھڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک گھوڑا بڑھا کر میرے بالکل قریب آگیا اور غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"ارے، یہ تو ہے؟ تو یہاں کیسے آگیا؟ تو زندہ کیسے بچ نکلا؟" اس شخص نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" پہلے والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" دوسرے نے مضطرب لہجے میں کہا۔ "میں اس دن شرخونہ کے ساتھ تھا جب یہ صبح ہی صبح شرخونہ کو بستی کے بڑے بازار میں ملا تھا اور اس نے اپنے آپ کو ایک اجنبی مسافر بتایا تھا اس کے بعد شرخونہ اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ آج اس بات کو پورا ایک دن گزر گیا ہے اور مجھے کل صبح شرخونہ کے ساتھ پھر یہیں سے نکلنا ہے۔ اگر کوئی سوال یہ ہے کہ یہ شخص یہاں زندہ کس طرح آگیا؟" اس نے معنی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ شرخونہ کی قید سے کسی طرح فرار ہو کر آگیا ہے۔" پہلے والے آدمی نے کہا۔

"میں اسے بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" دوسرا آدمی جلدی سے بولا۔ "اس کے سنہری جسم اور سنہری بالوں کو تو میں بھول ہی نہیں سکتا ضرور یہ شرخونہ کی قید سے نکل بھاگا ہے۔ اسے گرفتار کر لو۔ شرخونہ ہمارے اس کارنامے سے بہت خوش ہوگی اور ہمیں بڑا انعام ملے گا۔"

"تم لوگ انعام کے لالچ میں پڑ کر اپنی جانیں گنوانے کے بجائے اگر اپنے گھر کا راستہ لو تو اچھا ہے۔" میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ہم لوگ اپنے گھر کا راستہ ضرور لیں گے۔" پہلے والے آدمی نے کہا۔ "لیکن پہلے تجھے قید خانے کا راستہ دکھا دیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا۔ اس کے باقی چاروں ساتھی بھی فوراً اپنے اپنے گھوڑوں پر سے نیچے کود پڑے اور دو آدمی میری طرف آگے بڑھ کر مجھے بازوؤں سے پکڑنا چاہا۔

"ہمیں اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔" پہلے والے آدمی نے ان دونوں سے کہا۔ "خیال رہے اسے ہلاک کرنا ہے۔ یہ کام شرخونہ خود بھی انجام دے گی۔"

میں نے ایک جھٹکے سے ان دونوں آدمیوں کو دور پھینک دیا اور دوڑ پڑا۔ سب کے سب میری اس حرکت پر حیرت زدہ رہ گئے۔

"آدمی جان دار معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ اور پھر وہ پانچوں مختلف سمتوں سے میری طرف بڑھنے لگے۔ یکبارگی وہ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے بے قابو کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ میں ان کو اس سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا اور ان میں سے کسی کو ہلاک کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے انھیں اپنے جسم سے الگ کیا اور پلک جھپکتے میں سے ایک کے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن ایک سپاہی نے اچانک تلوار نکالی۔ اس نے میرے ہاتھ پر وار کرنا چاہا۔ لیکن میں نے اچانک تلوار چھین لی۔ اتنے میں دوسرے نے خنجر نکال لیا اور میرے پاؤں پر مارا۔ اب وہ ہتھیاروں کے استعمال سے مجھے زخمی کر کے اپنے قابو میں لینا چاہتے تھے۔ میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوبارہ ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اتفاق سے میرا ہاتھ ان میں سے ایک کی کھوپڑی پر زور سے پڑ گیا اور وہ ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ اس کے سر کے ٹکڑے ہو گئے۔

وہ چاروں اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گئے۔ ان سب نے اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور چاروں طرف سے مجھ پر یلغار کر دی۔ ان کی تلواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور ان سے کھٹ کھٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لیکن میرے جسم پر زخم کا نشان تک نہ تھا۔ میں نے دو چار

حملوں میں ان میں سے تین کو گھما گھما کے دے مارا اور چوتھے کی طرف بڑھا۔ پانچوں میں سے زندہ بچنے والا وہ واحد شخص تھا۔ لیکن اب وہ بے حد خوف زدہ تھا۔ میرے گھومنے کا شکار ہونے سے پہلے وہ بجلی کی سی تیزی سے ایک گھوڑے پر بیٹھا اور بھاگنے لگا۔ میں فوراً دوسرے گھوڑے کی طرف لپکا اور اس پر سوار ہوا اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ تیزی سے دائیں طرف کو مڑ کر جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اسے تلاش کرتا رہا لیکن وہ نہیں ملا۔ تنگ آ کر میں نے اس کی تلاش چھوڑ دی۔ اور واپس اس جگہ آگیا جہاں ان چاروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ تینوں گھوڑے وہاں سے بھاگ گئے تھے میں نے اس گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا جس پر میں سوار تھا۔ پیدل ہی اپنی منزل کی طرف دوبارہ روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھی رات ہو چکی تھی جب میں اس پہاڑی کے دامن میں پہنچا جہاں اندلشک کا گھر تھا۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر بھی اطمینان کر لیا کہ کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا ہے دور دور تک کسی ذی روح کا پتا نہیں تھا۔ ہر طرف نیم تاریکی تھی اور گہرا سناٹا طاری تھا۔

میں نے بہت ہولے سے اندلشک کے دروازے پر دستک دی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میری اس آہستہ دستک پر بھی دستک پر کسی نے دروازہ کھول دیا۔ اندلشک ایک ہاتھ میں چراغ لیے میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے تو گراش تھی مجھے دیکھتے ہی دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ تو گراش آگیا اور اندلشک نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"تم آگئے شاداں؟" اندلشک نے فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر مجھے لپٹاتے ہوئے کہا۔ "سچ پوچھو تو مجھے ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی کہ تم واپس آسکو گے۔ شرخونہ کے ساتھ جانے والا کوئی بھی نوجوان کبھی زندہ واپس نہیں آیا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم کس طرح بچ نکلے۔"

"میں تمھیں خوش آمدید کہتی ہوں شاداں۔" تو گراش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک رہی تھیں اور معصوم اور حسین چہرہ ماہتاب کی طرح دمک رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسحور ہو گیا۔ کتنے ہی دن کے بعد اس کا حواس کا شکار ہوا تھا۔

اس اثنا میں گاوت بھی آگیا۔ جو غار کے اندر چھپا ہوا تھا جب اسے یہ معلوم ہو گیا کہ آنے والا میں ہوں تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل آیا اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"تمھیں زندہ دیکھ کر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تم کوئی غیر معمولی انسان ہو۔" گاوت نے کہا۔ "تمھاری واپسی کسی معجزے سے کم نہیں۔"

میں جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد تو گراش سونے کے لیے چلی گئی اور میں نے اندلشک اور گاوت کے ساتھ بیٹھ کر انھیں اپنی تفصیلی داستان سنائی۔ جسے سن کر وہ دونوں سخت حیرت زدہ ہوئے اور خوفزدہ بھی۔ میں ابھی شرخونہ کی ہلاکت تک ہی پہنچا تھا کہ اندلشک بیچ میں بول پڑا۔

"اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرنے والے نوجوانوں کا دل کہاں غائب ہو جاتا تھا اور ان کی ہلاکت کا اصل سبب کیا تھا۔" اندلشک نے کہا۔

"وہ پاگل عورت صدا جوان رہنے کے خبط میں مبتلا تھی اور انسانوں کو مار مار کر کھائے جا رہی تھی۔ میں نے اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر اس کے نشہ اور شراب کا تم پر اثر کیوں نہیں ہوا؟" اندلشک نے چونک کر پوچھا۔

"میرا جسم ہر قسم کے زہر کا عادی ہے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر کوئی نشہ اور شراب یا زہر اثر نہیں کرتا۔" اندلشک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں۔

اس کے بعد میں نے اپنی داستان کا وہ حصہ سنایا جس کا تعلق پانچ سپاہیوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ تھا۔ جب اندلشک اور گاوت کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے بغیر کسی ہتھیار کی مدد کے پانچ میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور پانچواں بھاگ نکلا، تو ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ناممکن۔ بالکل ناممکن!" اندلشک آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ "کہاں ایک اور کہاں پانچ۔ تم ضرور کوئی پُراسرار روح ہو۔ تمھیں مقدس آگ کی خوشنودی حاصل ہے۔ تم غیر معمولی ہو۔"

"میں غیر معمولی اس حد تک ہوں کہ میرا جسم بہت مضبوط ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے شروع سے اپنے جسم پر بہت توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

اندلشک نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ میرے بارے میں اس کے دل میں بہت سے سوالات پیدا ہو رہے ہیں اور وہ میری حقیقت کو جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تو یوں کہو کہ تم آج رات پانچ نہیں اپنے پیچھے چھ چھوڑ کر آئے ہو؟" گاوت نے کہا۔

"مجبوری تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟"

"اور اب یہ سمجھ لو کہ کل صبح بستی بستی میں ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔" بوڑھے اندلشک نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ "تو گراش کی بہن شرخونہ کی اپنے محل کے اندر ہلاکت اور گراش کے چار نوجوانوں کا عین بستی کے اندر مارا جانا کوئی معمولی واقعات نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ گراش شرخونہ کی ہلاکت پر دل ہی دل میں خوش ہوگا کہ اسے اس کے عذاب سے نجات مل گئی۔ لیکن وہ قاتل کو تلاش کر کے اسے سزا دینے کی پوری پوری کوشش کرے گا اور پھر اپنے فوجیوں کی ہلاکت پر تو وہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ بستی میں کسی جگہ نہیں ہے کہ گراش کے کسی سپاہی کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ کجا یہ کہ اس کے چار فوجی ایک ساتھ قتل ہو جائیں۔ وہ قاتل کی تلاش میں بستی کی ایک ایک گھر کو کھنگال ڈالے گا غصے کے مارے وہ دیوانہ ہو جائے گا۔ ہمیں ان حالات میں سخت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو ٹھیک کہتے ہو اندلشک۔" گاوت نے جواب دیا۔ "ہمیں حالات کا بغور جائزہ لینا ہوگا اور اس کے بعد ہم آئندہ کی حکمت عملی طے کریں گے۔"

اس کے بعد گاوت اور اندلشک مجھے دیر تک مجھے یہ بتاتے رہے کہ میری عدم موجودگی میں وہ کتنے خوفزدہ رہے اور کس طرح ہر آہٹ پر ان دونوں کے دل دھڑکنے لگتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ایک ایک دن گن کر کاٹ رہے تھے اور آج کے دن کے بے چینی کے منتظر تھے۔ انھیں محض موہوم سی امید تھی کہ میں واپس آؤں گا۔ اور وہ سورج ڈھلنے کے بعد سے ہی میرا انتظار کر رہے تھے۔ کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد ہم لوگ سو گئے۔

علی الصبح تو گراش نے ہم لوگوں کو ناشتا دیا۔ ناشتے کے بعد میں اور گاوت غار میں چھپے اور بوڑھا اندلشک تھوڑی دیر بعد باہر نکل گیا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ بستی میں کیا صورت حال ہے۔ وہ چلتے چلتے تو گراش کو ہدایت کر گیا کہ اس کی مخصوص دستک کے علاوہ کسی اور کی دستک پر ہرگز دروازہ نہ کھولے۔ تو گراش اپنے باپ کی دستک کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔

میں اور گاوت غار میں تنہا بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

گاوت کو شرخونہ کے معاملے سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ بار بار مجھ سے اس کے بارے میں مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کوئی عورت اتنے زیادہ مضبوط تن و توش کی مالک ہو سکتی ہے کہ اچھے اچھے نوجوانوں کو زیر کر لے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں نے شرخونہ کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا اور بالآخر اس کا خاتمہ کر دیا۔ میں نے اسے یقین دلایا میں طرح میں نے ایک بلا یعنی شرخونہ کا خاتمہ کر دیا ہے، اسی طرح میں دوسری بلا یعنی گرینس کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔

کوئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اندلشک واپس آیا۔ اس نے ہم لوگوں کو غار سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ خود غار کے دہانے پر گیا اور تو گراش کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس نے جلدی جلدی ہم لوگوں کو بتایا کہ بستی میں سخت ہنگامہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق گراش اپنی بیوی کے قتل اور چار سپاہیوں کی ہلاکت پر سخت برافروختہ ہے۔ پوری بستی میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ایک نہری بدن والا اجنبی شرخونہ کو قتل کر کے فرار ہو رہا تھا کہ پانچ سپاہیوں نے رات کو اسے روک لیا۔ اس نے ان میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی بھاگ نکلا جس نے علی الصبح گراش کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ گراش کو شرخونہ کی موت کی خبر اس سے پہلے ہی مل چکی تھی، کیونکہ محل کے پہریدار سپاہیوں نے پے گشت کے دوران اس کی لاش دریافت کر لی تھی۔ اس سپاہی کے بیان کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ شرخونہ کا قاتل وہی نہری بدن والا اجنبی تھا جس کی تلاش کو سپاہیوں کے مسلح دستے بھیجے ہوئے تھے اور مارے جانے والے سپاہیوں میں سے ایک نے اسے پہچان کر اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ ایک ماہ پہلے شرخونہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ پوری بستی میں ایک قیامت برپا ہے۔" اندلشک نے کہا۔ "گراش کے حکم پر اس کے فوجی ایک ایک گھر میں گھس کر تلاشی لے رہے ہیں کیونکہ شبہ یہ ہے کہ وہ شخص ابھی بستی سے باہر نہیں گیا ہے اور یہیں چھپا ہوا ہے۔ گراش کا خیال ہے کہ وہ شخص جس گھر سے بھی برآمد ہوا اس گھر کے ہر فرد کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے حضور پیش کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں تلاشی لینے والے ہمارے گھر تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہم دونوں اسی غار کے اندر رہیں گے اور تمھیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اندلشک سے کہا۔ "اگر بالفرض ان لوگوں نے بھے دیکھ بھی لیا تو یقین رکھنا کہ تمھاری اور تمھاری بیٹی کی جان پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ تم دونوں کی سلامتی کا میں ذمہ دار ہوں۔"

"بیٹی تو گراش۔" اندلشک نے اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تو نے کمرے میں جا کر چارپائی پر اس طرح لیٹ جانا جیسے تو بہت بیمار ہے۔ اور خبردار کسی حالت میں اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اور اگر تجھے اٹھانا ہی پڑ جائے تو ایک پیر سے لنگڑاتی ہوئی چلنا تاکہ گراش کے سپاہی سمجھیں کہ اندلشک اپنی بیٹی کو گاوت اور گراش کی داستان مختصر طور پر سنا چکا تھا اور اسے یہ بات بتا چکا تھا کہ موجود جگہ اس اصلی گاوت کے گھر میں موجود ہے۔ تو گراش بہت سمجھدار اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ سارے معاملے کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور غار سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد اندلشک بھی ہم دونوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غار سے باہر نکل گیا۔ اس نے پتھروں سے غار کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور اس پر کچھ جھاڑیاں سی پڑے سوکھے پتے ڈال دیے۔ میں اور گاوت ایک بار پھر غار میں اکیلے رہ گئے۔ اندلشک نے اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک کوئی زور زور سے گھر کا دروازہ پیٹنے لگا۔ میں نے اور گاوت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کون ہے؟" میں نے اندلشک کی خوفزدہ آواز سنی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے بھاری آواز سنائی دی۔ "ہم سرکاری سپاہی ہیں اور تمھارے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

میں نے دروازہ کھلنے اور اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے گھر کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔ ان کے قدموں کی بھاری چاپ جلد ہی طرف پھیل رہی تھی۔

"تمھارے ساتھ اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"اس گھر میں میرے علاوہ میری ایک پانچ سالہ بیٹی رہتی ہے۔" اندلشک نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پورے گھر کی اچھی طرح تلاشی لو۔" ایک آواز نے حکم دیا اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی چاپ گھر کے مختلف حصوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

"تم نے کسی نہری بدن والے اجنبی کو تو نہیں دیکھا؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد قدموں کی چاپ واپس آتی محسوس ہوئی اور کسی شخص نے کہا۔ "ہم نے اچھی طرح سے تلاشی لے لی ہے۔ اس گھر میں اس بوڑھے کے علاوہ صرف ایک لڑکی ہے۔ ایک چھوٹی سی بچی۔ فرح دار اور نوجوان لڑکی۔"

"وہ میری بیٹی ہے۔" اندلشک نے جلدی سے کہا۔ "وہ بیمار اور بستر پر ہے۔"

"چلو تمھاری بیٹی کو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" پہلی آواز نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ اب وہ سب کمرے کے کمرے میں گھس گئے ہوں گے۔ گفتگو بھی جاری تھی لیکن اب ان کی آواز اتنی دور سے ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں قریب آنے لگیں۔

"اس وقت ہم جلدی میں ہیں۔" پہلی آواز نے کہا۔ "اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم نہری بدن والے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم تم سے تمھاری بیٹی کی علالت کے بارے میں اچھی طرح پوچھیں گے۔ اور اگر تم نے ہمارے ساتھ جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو پھر تمھاری خیر نہیں۔"

قدموں کی چاپ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی دی۔ اندلشک نے غار کے پاس آ کر اس کے منہ پر پتھر ہٹا دیے۔ اندلشک باہر نکلنے میں تردد محسوس کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اندلشک واپس آیا۔ اس نے ہم لوگوں کو غار سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ خود غار کے دہانے پر گیا اور تو گراش کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس نے جلدی جلدی ہم لوگوں کو بتایا کہ بستی میں سخت ہنگامہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق گراش اپنی بیوی کے قتل اور چار سپاہیوں کی ہلاکت پر سخت برافروختہ ہے۔ پوری بستی میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ایک نہری بدن والا اجنبی شرخونہ کو قتل کر کے فرار ہو رہا تھا کہ پانچ سپاہیوں نے رات کو اسے روک لیا۔ اس نے ان میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی بھاگ نکلا جس نے علی الصبح گراش کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ گراش کو شرخونہ کی موت کی خبر اس سے پہلے ہی مل چکی تھی، کیونکہ محل کے پہریدار سپاہیوں نے پے گشت کے دوران اس کی لاش دریافت کر لی تھی۔ اس سپاہی کے بیان کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ شرخونہ کا قاتل وہی نہری بدن والا اجنبی تھا جس کی تلاش میں سپاہیوں کے مسلح دستے بھیجے ہوئے تھے اور مارے جانے والے سپاہیوں میں سے ایک نے اسے پہچان کر اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ ایک ماہ پہلے شرخونہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ پوری بستی میں ایک قیامت برپا ہے۔" اندلشک نے کہا۔ "گراش کے حکم پر اس کے فوجی ایک ایک گھر میں گھس کر تلاشی لے رہے ہیں کیونکہ شبہ یہ ہے کہ وہ شخص ابھی بستی سے باہر نہیں گیا ہے اور یہیں چھپا ہوا ہے۔ گراش کا خیال ہے کہ وہ شخص جس گھر سے بھی برآمد ہوا اس گھر کے ہر فرد کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے حضور پیش کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں تلاشی لینے والے ہمارے گھر تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہم دونوں اسی غار کے اندر رہیں گے اور تمھیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اندلشک سے کہا۔ "اگر بالفرض ان لوگوں نے بھے دیکھ بھی لیا تو یقین رکھنا کہ تمھاری اور تمھاری بیٹی کی جان پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ تم دونوں کی سلامتی کا میں ذمہ دار ہوں۔"

"بیٹی تو گراش۔" اندلشک نے اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تو نے کمرے میں جا کر چارپائی پر اس طرح لیٹ جانا جیسے تو بہت بیمار ہے۔ اور خبردار کسی حالت میں اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اور اگر تجھے اٹھانا ہی پڑ جائے تو ایک پیر سے لنگڑاتی ہوئی چلنا تاکہ گراش کے سپاہی سمجھیں کہ اندلشک اپنی بیٹی کو گاوت اور گراش کی داستان مختصر طور پر سنا چکا تھا اور اسے یہ بات بتا چکا تھا کہ موجود جگہ اس اصلی گاوت کے گھر میں موجود ہے۔ تو گراش بہت سمجھدار اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ سارے معاملے کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور غار سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد اندلشک بھی ہم دونوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غار سے باہر نکل گیا۔ اس نے پتھروں سے غار کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور اس پر کچھ جھاڑیاں سی پڑے سوکھے پتے ڈال دیے۔ میں اور گاوت ایک بار پھر غار میں اکیلے رہ گئے۔ اندلشک نے اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک کوئی زور زور سے گھر کا دروازہ پیٹنے لگا۔ میں نے اور گاوت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کون ہے؟" میں نے اندلشک کی خوفزدہ آواز سنی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے بھاری آواز سنائی دی۔ "ہم سرکاری سپاہی ہیں اور تمھارے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

میں نے دروازہ کھلنے اور اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے گھر کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔ ان کے قدموں کی بھاری چاپ جلد ہی طرف پھیل رہی تھی۔

"تمھارے ساتھ اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"اس گھر میں میرے علاوہ میری ایک پانچ سالہ بیٹی رہتی ہے۔" اندلشک نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پورے گھر کی اچھی طرح تلاشی لو۔" ایک آواز نے حکم دیا اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی چاپ گھر کے مختلف حصوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

"تم نے کسی نہری بدن والے اجنبی کو تو نہیں دیکھا؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اندلشک نے جواب دیا۔ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد قدموں کی چاپ واپس آتی محسوس ہوئی اور کسی شخص نے کہا۔ "ہم نے اچھی طرح سے تلاشی لے لی ہے۔ اس گھر میں اس بوڑھے کے علاوہ صرف ایک لڑکی ہے۔ ایک چھوٹی سی بچی۔ فرح دار اور نوجوان لڑکی۔"

"وہ میری بیٹی ہے۔" اندلشک نے جلدی سے کہا۔ "وہ بیمار اور بستر پر ہے۔"

"چلو تمھاری بیٹی کو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" پہلی آواز نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ اب وہ سب کمرے کے کمرے میں گھس گئے ہوں گے۔ گفتگو بھی جاری تھی لیکن اب ان کی آواز اتنی دور سے ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں قریب آنے لگیں۔

"اس وقت ہم جلدی میں ہیں۔" پہلی آواز نے کہا۔ "اور ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم نہری بدن والے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم تم سے تمھاری بیٹی کی علالت کے بارے میں اچھی طرح پوچھیں گے۔ اور اگر تم نے ہمارے ساتھ جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو پھر تمھاری خیر نہیں۔"

قدموں کی چاپ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی دی۔ اندلشک نے غار کے پاس آ کر اس کے منہ پر پتھر ہٹا دیے۔ اندلشک باہر نکلنے میں تردد محسوس کر رہا تھا۔

"لیکن تم نے ایک ماہ کا عرصہ بھی اس کے ساتھ گزارا ہے۔" تو گراش کی آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے ملامت اور سرزنش کی جھلک موجود تھی۔

"مجھے ایسا مجبوراً کرنا پڑا تو گراش۔" میں نے مذمت خواہانہ انداز میں کہا۔ "اس کے ساتھ رہے بغیر تو میں اس کا راز معلوم کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔"

"لیکن اب تم کیا کرو گے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ "اگر انھوں نے تمھیں پکڑ لیا تو؟" اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"تو کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بستی کا سردار تو میرا دوست ہے۔"

"کیا؟" تو گراش نے حیرت سے کہا۔ "گراش تمھارا دوست ہے؟"

"گراش میرا دوست نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا دوست گاوت ہے جو اس وقت میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور جو اس بستی کا اصل سردار ہے اور بہت جلد سرداری اسے سونپنے والا ہے۔"

"تم سچ مچ پاگل ہو گئے ہو۔" تو گراش نے مسکرا کر گاوت سے پوچھا۔ "کیا واقعی تم گراش کی جگہ لے لو گے؟"

"اس کا انحصار حالات پر ہے۔" گاوت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

سہ پہر تک اندلشک واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ گراش کے سپاہیوں نے پوری بستی کے ایک ایک گھر کو چھان مارا۔ بستی کے آس پاس کے تمام غاروں کو بھی کھنگال ڈالا۔ لیکن نہ تو نہری بدن والے قاتل کا کوئی نشان نہیں ملا۔ سپاہیوں نے کئی لوگوں کو سخت اذیتیں دیں اور ان سے مفرور قاتل کے بارے میں پوچھا، لیکن کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ اب عام خیال یہ ہے کہ وہ شخص راتوں رات بستی کی حدود سے باہر نکل گیا ہے۔ تیز رفتار سواریوں کی کئی جماعتیں دور دور تک کے علاقوں میں بھیجی جا چکی ہیں اور اب تلاش کا کام بستی کے باہر جاری ہے۔ بستی کے اندر تلاش کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اندلشک نے یہ بھی بتایا کہ شرخونہ کی لاش کو دفن کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ان چاروں ہلاک شدہ سپاہیوں کی لاشیں بھی دفن کر دی گئی ہیں۔ شرخونہ کی تجہیز و تکفین میں گراش خود شامل تھا اور وہ سخت غصے کے عالم میں تھا۔ اس نے معمول کی باتوں پر کئی آدمیوں کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ بستی کے تمام لوگوں کو حکم دیا دیا گیا ہے کہ اگر اتفاق سے انھیں وہ نہری بدن والا اجنبی کہیں نظر آ جائے تو اسے فوراً پکڑ کر فوجیوں کے حوالے کر دیں اور اگر وہ مزاحمت کرے تو بلا تامل اسے قتل کر ڈالیں۔ اندلشک کی زبانی یہ ساری تفصیلات سن کر میں اور گاوت بے ساختہ مسکرانے لگے۔ میری تلاش ہر طرف جاری تھی اور میں بستی کے ہی ایک مکان میں آرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اندلشک کے چہرے سے کافی پریشانی عیاں تھی۔ وہ خاصا فکرمند نظر آ رہا تھا۔

"اب تمھارا اگلا قدم کیا ہوگا؟" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"میں گاوت کو اس حسین وجمیل اور سرسبز شاداب وادی کا نظارہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اب جبکہ میں اس کی بیوی کے شر سے اس بستی کے لوگوں کو نجات دلا چکا ہوں، تو جلد ہی انھیں گراش کے ظلم سے

پنجے سے بھی آزاد کرا دوں گا۔"

"شرخونہ کو تم نے کیسے مارا، لیکن گراش کی بات اور ہے۔" اندیشک نے مجھ سے کہا۔ "اتنا تو میں جان گیا ہوں کہ تم غیر معمولی طور پر بہادر ہو اور تم نے تنہا پانچ مسلح سپاہیوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن گراش کی خونخوار بھوکی کے سامنے تم کیا کرو گے؟ اس قدمی دل کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بے رحم اور جلد دھوکہ دینے والے ہیں۔"

"اس بستی کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ گاوت کے پردے میں گراش ان پر حکومت کر رہا ہے اور اصل گاوت زندہ ہے اور ان کے درمیان موجود ہے تو یہ سارے گراش کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھ کھڑے نہیں ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تمہارے منصوبے کا سارا دارومدار بستی والوں کے تعاون پر ہے تو بہتر ہے کہ تم اس منصوبے کو ترک کر دو۔ گراش کے نظام نے ان لوگوں کی روحوں تک کو کچل کر رکھ دیا ہے اور ان سے کسی بہادری کے کارنامے کی توقع رکھنا فضول ہے۔" اندیشک نے مایوسی کے ساتھ کہا۔

"لیکن کیا یہ حیران لوگوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث نہیں ہوگا کہ گراش کی ہیبی شرخونہ جسے سب لوگ جادوگرنی اور چڑیل سمجھتے تھے، ماری جا چکی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید۔" اندیشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ بستی کے تمام لوگ دل ہی دل میں شرخونہ کی موت پر مسرت خوش ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خوف نے ان کی زبانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کر سکتے۔ بہرحال، اگر تم لوگ میری مانو تو ابھی بھی وقت ہے۔ تمہیں کسی نے یہاں نہیں دیکھا ہے۔ تم لوگ واپس چلے جاؤ، ورنہ گراش کے عالم سپاہیوں کے ہاتھوں تمہارا جانے کیا حشر ہو۔"

میں اندیشک کے دل کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ چالاک بوڑھا دراصل میری شخصیت کے راز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور بار بار اس قسم کی باتیں اس لیے کہہ رہا تھا کہ میں جوش میں آ کر اس کے سامنے اپنے پورے منصوبے کا انکشاف کر دوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی منصوبہ تیار ہی نہیں ہوا تھا۔ مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہوگا اور میں کس طرح اپنی مہم کا آغاز کروں گا۔ ابھی تک میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ میں نے اندیشک کی بات کے جواب میں کہا۔ "واپسی تو ضرور ہوگی، لیکن ہم دونوں کی نہیں، بلکہ صرف میری۔ میں حق دار کو اس کا حق دلا کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

بوڑھے اندیشک نے ایک بار پھر مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھا اور میں خاموش ہو گیا۔

اور پھر ہوا یوں کہ مجھے خود کو کوئی منصوبہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ حالات نے تحت خود بخود میری مہم کا آغاز ہو گیا۔

شرخونہ کی ہلاکت کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا، اور اندیشک کی اطلاعات کے مطابق اس دوران دُور نزدیک کی تمام بستیوں، سراؤں اور آبادیوں کو اچھی طرح کھنگالا جا چکا تھا۔ لیکن سنہری بدن والا قاتل وہاں ہوتا تو ملتا۔ تنگ آ کر تلاش کا کام ترک کر دیا گیا تھا اور فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ شخص کہیں گھنے جنگلوں میں روپوش ہو گیا ہے۔

شام کا وقت تھا اور میں اور گاوت ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم دونوں دن کا زیادہ تر وقت غار کے اندر ہی گزارتے تھے۔ اس وقت ہم دونوں غار کے دہانے پر تھے اور اندیشک ہمارے ساتھ تھا۔ تو گراش بلور کی خالی میں مصروف تھی۔ اچانک مکان کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ اندیشک کا چہرہ فق ہو گیا۔ شرخونہ کی ہلاکت کے بعد جب میں واپس آیا تھا تو اندیشک نے کئی ہتھیار لا کر غار میں رکھ دیے تھے۔ یہ ان ہتھیاروں کے علاوہ تھے جو گراش اپنے ساتھ لایا تھا۔ گاوت نے پیک سے ایک تلوار اٹھا لی۔ میں نے اپنے کمر کے اشارے سے اسے رکنے کا اور سر کوشی میں کہا۔ "جب تک میں نہ کہوں، کوئی قدم نہ اٹھانا۔" پھر میں نے اندیشک سے کہا۔ "غار کا منہ چھتروں سے بند کر دو اور دروازہ کھول دو۔ میں وہاں بالکل تنہا بیٹھا ہوں۔ اور ہاں تو گراش سے کہو کہ وہ بھاگ جائے۔"

اندیشک نے میری ہدایت پر عمل کیا اور دروازہ کھول دیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"تمہارا بیٹی کہاں ہے؟ اسے ہمارے سامنے لاؤ۔" کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"وہ بیمار اور نڈھال ہے اور بستر پر پڑی ہے۔" اندیشک کی لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو بوڑھے گدھ۔" غصہ بھری آواز بلند ہوئی۔ "تم نے اس کی بیماری کا ڈھونگ رچایا ہے۔ چلو ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو۔ اگر وہ بیمار ہے تو بھی ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیونکہ وہ بے انتہا خوبصورت ہے۔ سردار کے پاس کئی اعلیٰ درجے کے طبیب موجود ہیں۔ وہ اس کا علاج کر ڈالے گا۔"

قدموں کی آوازیں اندر جاتی محسوس ہوئیں اور مکان کے دروازے کے قریب خاموشی چھا گئی۔

"منو۔" میں نے سرگوشی میں گاوت سے کہا۔ "تم باہر نکلنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔" اس کے ساتھ ہی میں غار کے منہ پر سے چھتر ہٹا کر باہر نکل آیا۔ میں نے جلدی سے چھتر کو دوبارہ اسی جگہ لگا دیا۔ میں نے ایک ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی۔ دروازے کے قریب کوئی نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اندر سے دروازے کی کنڈی لگا دی اور پھر دیوار کی آڑ لیتا ہوا آہستہ آہستہ تو گراش کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور سب کے سب ہتھیاروں سے لیس۔ بوڑھا اندیشک خوف سے لرزتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے خنجر کی نوک اس کی پشت سے لگا رکھی تھی۔

وہ لوگ تو گراش کے کمرے میں داخل ہو گئے اور میں دروازے کی آڑ میں سے اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ تو گراش پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور

نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

"بھاگو ہوشیار ہو جاؤ اور شکاری چھوڑ دے۔" آگے والا آدمی زور سے ... کے ساتھ ہی اس نے تو گراش کی ران میں زور سے چٹکی لی تو گراش ... اور پھر کر پلنگ سے نیچے کھڑی ہو گئی وہ یہ بات بھول گئی کہ اسے ... طاہر کرنا تھا۔

"ہا ہا ہا۔" وہ شخص وحشیانہ انداز میں ہنسا۔ "تو کہتا تھا کہ تیری بیٹی ... ہے۔ اب وہ ہمارے سامنے دونوں ٹانگوں پر کس طرح کھڑی ہے؟"

"رحم پر رحم کرو۔" اچانک اندیشک اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ "میری اکلوتی اولاد ہے۔ اسے بخش دو۔ اسے مت چھینو۔"

"... لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ تیری بیٹی سردار کے ... بنے۔ بے وقوف بوڑھے۔" اس شخص نے کہا، اور پھر تو گراش کا ... ہوئے بولا۔ "چل لڑکی۔ گاوت کو تیری ہی جیسی نازک اندام ... تھی۔"

تو گراش کی چیخیں نکل گئیں۔ بوڑھا اندیشک اس فوجی افسر کے قدموں ... لیکن اس نے ٹھوکر مار کر اسے اپنے سے دور کر دیا۔ تو گراش نے ... شروع کر دی اور فوجی سردار نے اس کے منہ پر ایک زوردار ... دیا۔ وہ بلبلا کر رونے لگی۔ فوجی اسے گھسیٹتا ہوا پلٹا اور اس کے ... کے بقیہ ساتھی بھی پلٹ پڑے۔ وہ سب کے سب دروازے ... اور پھر سب کے سب جیسے اپنی اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ ... سے کود کر کھڑا تھا اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار چمک رہی تھی۔

"تو۔ تو۔ کون ہے؟" اچانک فوجی سردار گرجا۔ لیکن دوسرے ... کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"وہ۔ یہ تو ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "میری بدن والا ... تاش میں ہم ایک ہفتے تک مارے مارے پھرتے رہے۔ تو ... ہوا تھا۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوئی۔ اب ہم لوگ سردار سے ... انعام کے مستحق ہوں گے۔" پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر ... رہنے لگے۔ "اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔ ہم نے تو ... کا سر سرانجام دے لیا ہے۔"

"... افسوس ہے کہ اس کارنامے کی اطلاع تم اپنے سردار کو نہیں ... سکو گے۔" اس نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میری تلوار بجلی کی طرح چمکی اور ... فوجی افسر کا سر کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا اور اس کا نیچے گرا ... طرح پھڑک رہا تھا۔

... لگے تو اس ایک ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ میں دروازے کو روکے ... طرح کھڑا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا ... سے بھڑنے سے کترا رہے تھے۔ میں نے کوئی زخم لگائے بغیر ادھر ادھر پھسل ... ظاہر ایسا کیا گویا میں نے یہ سارے وار اپنی تلوار پر روکے ... تو گراش غور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں نہیں ... کے سامنے میری فوق البشر صلاحیتوں کا نشان ہو۔ اس لیے

میں نے ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ان کے افسر کو ختم کرنے کے بعد میں اگلے چند منٹوں میں ایک آدمی کو اور ٹھکانے لگا دیا۔ اب وہ پانچ رہ گئے اور جوش میں بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں ان کے حملوں کو اپنی تلوار پر روکتا رہا اور پھر میں نے ایک مناسب موقع دیکھ کر ان میں سے ایک اور کی گردن اڑا دی۔ سات میں سے تین مارے جا چکے تھے اور صرف چار باقی بچے تھے۔ ایک اور میری تلوار کی زد میں آیا اور مارا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ باقی تین اب خوف اور دہشت کا شکار ہو چکے ہیں۔ میرے ان کے حملوں کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے دروازے سے ہٹا دیں تاکہ انہیں باہر نکل کر بھاگ جانے کا موقع مل جائے۔ لیکن میں نے اس کے کو ان کا قتل بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اب بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں دروازے کے بیچوں بیچ کسی چٹان کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ان کی آرزو پوری نہیں ہونے دی اور نتیجے ہی دیکھے وہ سب ہلاک ہو گئے۔

"تم نے نہایت عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" اندیشک نے بہت سے قریب آ کر میرے شانے پر بازو رکھا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی بے مثال دلیری کے حامل ہو۔ میں نے آج تک تم جیسا لڑنے والا انسان نہیں دیکھا۔" میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے اندیشک سے کہا کہ وہ دروازہ کھول کر دیکھے کہ باہر کوئی اور تو موجود نہیں ہے۔ اندیشک نے دروازے میں سے جھانکنے کے بعد مجھے یہ بتایا کہ وہاں تین گھوڑے اور ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے تین آدمی گھوڑوں پر اور چار آدمی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ تو گراش کو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ میں نے اندیشک سے کہا کہ وہ باہر جا کر دیکھے کہ گاڑی کے اندر کوئی اور آدمی تو موجود نہیں ہے اور اگر اس میں کوئی اور شخص موجود ہو تو اس سے صرف یہ کہہ دے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کرے۔ اندیشک باہر نکل گیا اور چند منٹ کے بعد اس نے واپس آ کر بتایا کہ گاڑی خالی ہے۔

میں نے غار کا دروازہ کھول کر گاوت کو باہر نکالا۔ وہ اندر بیٹھے بیٹھے ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"اب عمل کا وقت آ گیا ہے۔" میں نے گاوت سے کہا۔ "ان ساتوں آدمیوں کے مارے جانے کی خبر زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ ہمیں فوراً کچھ کرنا ہوگا۔" پھر میں نے اندیشک سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا تم مجھے محل کے اس حصے کی نشاندہی کر سکتے ہو جس میں ماں شیرازہ کو قید کیا گیا ہے؟"

"مجھے اس کا کچھ تو اندازہ ہے۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "اور اس نے مجھے محل کے اس حصے کا نقشہ بھی سمجھا دیا۔"

"اندھیرا ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔" میں نے کہا۔ "ابھی کافی دیر ان سپاہیوں کے بارے میں کسی کو تشویش نہیں ہوگی۔ لیکن زیادہ دیر گزرنے پر ان کی تلاش کا سلسلہ جاری ہو جائے گا اور ان کی تلاش میں نکلنے والے

دوسرے سپاہی سب سے پہلے اسی جگہ آئیں گے اس لیے اندھیرا ہونے کے فوراً بعد ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔ ہم سب لوگ اسی پہاڑی غار میں جا کر چھپ جائیں گے جو بستی کے باہر واقع ہے اور جہاں ہم نے بستی میں داخل ہونے سے فوراً بعد پناہ لی تھی۔ تم لوگوں کو اس غار تک حفاظت کے ساتھ پہنچانے کے بعد شہ اماں شیرانہ کو قید سے چھڑا لاؤں گا اور وہ بھی ہمارے ساتھ اسی غار میں آجائے گی۔ اس کے بعد بستی کے لوگوں کو بتائیں گے کہ یہاں گاوت کے بھیس میں گرائش حکومت کر رہا ہے۔ کل صبح ہمارا گرائش کی فوجوں سے مقابلہ ہوگا۔"

"گرائش کی فوجوں سے کون مقابلہ کرے گا؟" اندیشک نے حسب معمول چبھتا ہوا سوال کیا۔

"بستی کے لوگ مقابلہ کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ان کے ساتھ میں ہوں گا، گاوت ہوگا اور تم ہو گے۔"

بوڑھا مجھے بے یقینی کے ساتھ دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "نہ جانے تم کیا کرنا چاہتے ہو، پہلے تمہیں تم کون ہو؟" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

اندھیرے ہوتے ہی ہم چاروں گھر سے باہر نکل آئے۔ سورج کو ڈوبے ہوئے ابھی خاصی دیر ہوگئی تھی اور تاریکی کی دبیز چادر نے ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں نے باہر نکلنے کے بعد مکان کے دروازے کو بند کر دیا۔ باہر کھڑے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر میں بیٹھا اور پھر میں نے گاوت کو بٹھایا اور تیسرے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اندیشک میں نے کہ کر وہ تو گرائش کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائے۔ اس کے بعد وہاں سے ہم لوگ تیزی سے سیدھے نکلے۔ منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کے بعد میں زین سے گھوڑوں کو گاڑی سمیت واپس بستی کی طرف ہانک دیا۔ ہم سب لوگ پہاڑی غار کے اندر چلے گئے۔

"اب میں اماں شیرانہ کی خبر لینے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور وہاں سے رخصت ہوگیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت اس غار کی طرف کسی کے بھی آنے کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

میں گرائش کے محل میں پہاڑ کے کی طرف داخل ہوا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے کچھ دن پہلے میں کود کر باہر آیا تھا۔ اس بار میں نے محل کی اونچی چہار دیواری میں ایک جگہ سے زور سے لات مار کر کچھ پتھر گرائے اور وہاں خلا بن گیا۔ میں اس سوراخ کے ذریعے اندر داخل ہوا اور ٹھیک اس طرف بڑھنے لگا جدھر اماں شیرانہ کو موجود ہونا چاہیے تھا میں کافی محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا لیکن اس کے باوجود نیم تاریکی میں مسلح پہریدار جانے کدھر سے نکل کر میرے سامنے آگیا اور مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔ لیکن میں نے اسے کچھ بولنے کا موقع دینے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا وہ میرے ہی جیسے جسم اور قد و قامت کا آدمی تھا میں نے مزید لاشوں سے بچنے کے لیے جلدی جلدی اس کا لباس اتارا اور خود اپنا لباس اتار کر اس کا لباس پہن لیا اور اس کے ہتھیار اپنے بدن پر سجا لیے۔ اب میں محل کا پہریدار معلوم ہو رہا تھا اور میرے لیے نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ بغیر کسی رکاوٹ کے میں محل کے اس حصے کی طرف جا نکلا جہاں اماں شیرانہ قید تھی۔ یہ چھوٹی سی عمارت تھی جس کے گرد ایک مختصر سا احاطہ تھا جس کے دروازے میں باہر سے ایک بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔ میں نے قفل کو ہاتھ لگایا تو وہ دوسرے لمحے اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے کنڈی کھول کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ احتیاطاً میں نے دروازہ بند کر دیا۔ احاطے میں داخل ہوتے ہی میں موجود واحد کمرے کی طرف بڑھا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا لیکن اس میں باہر سے قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کا قفل بھی توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ گھپ اندھیرا تھا اور میرا ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔

"اس وقت کون آیا ہے؟" ایک بوڑھی عورت کی خوف زدہ آواز سنائی دی۔

"کیا تم شیرانہ ہو؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں میں شیرانہ ہوں۔" لرزتی ہوئی آواز نے کہا۔

"باہر نکل آؤ۔ میں تمہیں آزاد کرانے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

ایک بوڑھا سایہ کمرے سے برآمد ہوا۔ نیم تاریکی میں میں نے اس کی شکل دیکھی۔ وہ ایک دبلی پتلی اور زرد رو بوڑھی عورت تھی اور حیرت مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مگر تم کون ہو نوجوان؟" اس نے پوچھا۔ "کیا سردار نے میری رہائی کا حکم دے دیا ہے؟" وہ میرے لباس کی وجہ سے مجھے محل کا کوئی پہریدار سمجھ رہی تھی۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں گاوت کا دوست ہوں اور تمہیں رہا کرانے آیا ہوں۔ ہمیں یہاں سے چھپ کر نکلنا ہوگا۔"

"تم گاوت کے دوست ہو؟" اس کی آواز حیرانی کے عالم میں بلند ہوگئی۔ "کیا گاوت زندہ ہے؟"

"ہاں وہ زندہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہم اس کے پاس چل رہے ہیں۔"

"چلو چلو، جلدی چلو۔" بوڑھی عورت پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

ہم لوگ چھپتے چھپاتے محل سے باہر نکل آئے۔ ابھی ہمیں بہت دور نکل جانا تھا لیکن شیرانہ اتنی دیر میں تھک گئی تھی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ طویل عرصے تک قید میں رہنے کے باعث اسے چلنے کی عادت نہیں رہی تھی وہ مجھے بہت متبع کرتی رہی، لیکن میں نے اسے اٹھا کر اپنے شانے پر بٹھا لیا اور بستی کے باہر واقع غار کی طرف روانہ ہوگیا۔

شیرانہ گاوت کو دیکھتے ہی چھوٹ چھوٹ کر رونے لگی۔ گاوت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دریا بہ نکلا۔

"تمہارے اور خادم کے فرار ہونے کے بعد گرائش کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اس فرار میں میرا اور میرے بیٹے کا ہاتھ ہے۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے میرے بیٹے کو اس طرح ہلاک کروا دیا کہ آج تک اس کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور مجھے قید میں ڈلوا دیا۔"

"لیکن اگر گرائش چاہتا تو تمہیں بھی ہلاک کروا سکتا تھا۔" گاوت نے کہا۔ "اس نے تمہیں زندہ کیوں رکھا؟"

"شاید تم یہ بات بھول گئے کہ گرائش نے بچپن میں میرا دودھ پیا ہے اور میں اس کی ماں کی طرح ہوں۔ اس وجہ سے اس نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔" شیرانہ کے استفسار پر گاوت نے اپنی داستان مختصر الفاظ میں اس کو بتا دی۔

"میں بستی کے ایک ایک دروازے پر جا کر دستک دوں گی اور لوگوں کو بتاؤں گی کہ گرائش جھوٹا ہے۔ وہ گاوت نہیں ہے۔ اصلی گاوت تخت سے فرود ہے۔" شیرانہ بے حد جوش کے عالم میں کہا۔

"ابھی ہم یہ کام فوراً ہی شروع کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "اندیشک بھی ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں کو آج رات ہی اس حقیقت سے آگاہ کر دیں گے لوگوں کو یہ بھی بتا دیں گے کہ وہ کل صبح جنگ کے لیے تیار رہیں۔ کل ہمیں گرائش سے حساب چکانا ہے۔"

میں، شیرانہ اور اندیشک رات کی گہری تاریکی میں بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ اندیشک نے ان لوگوں کی ایک فہرست مرتب کر لی تھی جن سے ہمیں رابطہ قائم کرنا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ بستی کے بااثر اور قابل اعتماد لوگ تھے اور ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری بات خود بھی سمجھ لیں گے اور دوسروں تک پہنچا دیں گے۔

سب سے پہلے ہم نے جس شخص کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ ایک عالم تھا۔ وہ ایک ضعیف شخص تھا اور اپنے علم و دانش کی وجہ سے دور و نزدیک کی بستیوں میں شہرت رکھتا تھا۔ وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوا اور اس سے بھی زیادہ حیرانی اسے اس وقت ہوئی جب اندیشک اور شیرانہ، دونوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ گاوت کے پردے میں دراصل گرائش حکومت کر رہا ہے اور اصل گاوت بستی میں آچکا ہے اور روپوش ہے۔ عالم نے وعدہ کیا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے خاص لوگوں کے ذریعے ساری بستی میں پھیلا دے گا اور لوگوں سے یہ بھی بتا دے گا کہ ہم مقابلے کے لیے بالکل تیار ہیں اور ہمیں ہتھیاروں کی مدد کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد ہم مختلف لوگوں کے پاس گئے جن میں کئی بڑے بڑے سوداگر، معمر افراد اور اہل دانش شامل تھے۔ ان سب لوگوں نے اندیشک اور شیرانہ کی زبانی اصل بات سننے کے بعد سخت حیرت اور مسرت کا اظہار کیا۔ انھوں نے بیک زبان گرائش سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اگر انھیں کسی طرف سے کوئی اشارہ ملے تو وہ فوراً بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ صبح ہوتے ہی ساری بستی میں اس خبر کی تشہیر کر دیں گے۔

ہم نسبتاً مطمئن اور خوش واپس آئے۔ اندیشک نے اس یقین کا اظہار کیا کہ صبح بستی کے سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان پر گاوت نہیں بلکہ گرائش حکومت کر رہا ہے اور گاوت گرائش سے مقابلہ کرنے اپنا بھیس بدلنے کے لیے بستی میں آچکا ہے۔

وہ رات ہم سب لوگوں نے اس غار میں گزاری۔

صبح ہونے کے تھوڑی دیر بعد جب خاصا دن چڑھ آیا اور ہم لوگوں کو یقین ہوگیا کہ بستی کے بیشتر لوگوں تک یہ بات پہنچ چکی ہوگی، میں گاوت اور اندیشک کے ساتھ بستی کی طرف روانہ ہوا۔ شیرانہ اور تو گرائش کو ہم لوگوں نے غار میں چھوڑا۔ ہم تینوں پوری طرح مسلح تھے۔

جیسے ہی ہم بستی میں داخل ہوئے ہم نے یہاں کے حالات کو پہلے کے مقابلے میں مختلف پایا۔ لوگ جگہ جگہ ٹولیوں میں کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر اب تردد اور پژمردگی کی جگہ رونق اور بشاشت نظر آرہی تھی۔ آنکھوں سے اضمحلال کے بجائے جوش عیاں تھا۔ ہم تینوں کو دیکھ کر لوگوں کے جوش و خروش میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اصلی گاوت لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے بہت سے لوگوں نے میرے بارے میں دریافت کیا اور اندیشک نے انھیں بتایا کہ میں گاوت کا دوست ہوں اور ایک غیر معمولی طور پر بہادر انسان ہوں۔

ہم تینوں محل کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے پیچھے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ بستی کے تقریباً سارے ہی مرد اس زبردست ہجوم میں شامل ہو گئے تھے۔ جو ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ ہم جس طرف سے بھی گزرے، ہمارے ساتھ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا۔ تقریباً ہر شخص مسلح تھا۔ لوگ گرائش کے مظالم سے اس قدر تنگ آچکے تھے کہ اب وہ اس کے اقتدار کو ختم کرنے پر تل گئے تھے۔ انھیں صرف قیادت کی ضرورت تھی اور اب وہ ضرورت پوری ہوگئی تھی۔

گرائش کو غالباً اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل گئی کیونکہ ہم لوگ ابھی محل سے دور تھے کہ محل کے اطراف پھیلے ہوئے فوجی کیمپوں سے مسلح سپاہی نکلنا شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے ہم محل کے سامنے اپنی صفیں قائم کر لیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرائش کی فوج خاصی تربیت یافتہ اور منظم ہے ادھر فوجی اپنی صف بندی کر رہے تھے ادھر ہمارے پیچھے آنے والا ہجوم بے ترتیبی سے انتشار کے عالم میں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس عالم میں فوج نے ہجوم پر حملہ کر دیا تو میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بہت بڑی تعداد کو مرنے سے نہیں بچا سکوں گا اس لیے میں نے ہاتھ کے اشارے سے ہجوم کو محل سے کچھ فاصلے پر روک دیا، اور انھیں ہدایت دی کہ وہ باقاعدہ محاذِ جنگ کی طرح اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کریں۔ میری ہدایت پر ان لوگوں نے بھی اپنی صفیں قائم کر لیں۔

اچانک محل کا بڑا پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک میلہ شاندار گھوڑے پر سوار ایک شخص برآمد ہوا۔ مجھے بالکل ایسا لگا گویا میں گاوت کو گھوڑے پر بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ اس شخص کے آگے پیچھے درجنوں مسلح سپاہی اور بھاری بھرکم آدمی تھے کچھ گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ پیدل تھے لیکن سب کے سب بہت زیادہ توانا اور تندرست تھے گرائش نے اپنے ذاتی محافظوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔

گرائش اور اس کے ساتھیوں کا قافلہ محل کے بڑے پھاٹک کے سامنے رک گیا۔ میں نے اندیشک سے پیچھے رہنے کے لیے کہا اور خود گاوت

کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ گرائس کی نظر جب گاوت پر پڑی تو وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا، غالباً اسے ابھی تک یہ اطلاع نہیں مل سکی تھی کہ گاوت زندہ ہے اور بستی میں موجود ہے۔

"تم کون ہو؟" اس نے گاوت کی طرف انگلی اٹھا کر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے پہچاننے کی کوشش کرو گرائس، میں گاوت ہوں، اصلی گاوت۔ تمہارا بھائی اور اس علاقے کا اصل حکمران۔"

"اس علاقے کا حکمران میں ہوں۔" گرائس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی اور کو حکمرانی کا شوق ہے تو وہ میری لاش پر سے گزر کر ہی اپنا یہ شوق پورا کر سکتا ہے۔"

"سنو گرائس! گاوت نے نرمی سے کہا۔ "میں اور تم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور وہ ہم دونوں کے لیے یکساں طور پر عزت و احترام کا مستحق تھا۔ تمہیں اس کے حکم کی پابندی کو اپنے لیے وسیلۂ خوشنودی سمجھنا چاہیے۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی مجھے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور میرا حق بھی تھا، کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں، اور تم ان ساری باتوں سے بخوبی واقف ہو۔ لیکن تم نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اب میں دوبارہ یہاں آگیا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے باپ کی روح کو سکون پہنچاؤ اور خاموشی سے سرداری کا منصب میرے حوالے کر دو۔ میں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی بستی والوں کا خون بہتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہاری غلطیوں کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔ میں تمہاری جان کی سلامتی کا ذمہ لیتا ہوں۔"

گاوت کی اس تقریر کا گرائس پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور اس نے تند لہجے میں کہا۔ "مجھے اگر اپنی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اس بستی کے ایک ایک نر کو بھی قتل کرنا پڑے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میں دوسری جگہوں سے انسانوں کو لا کر یہاں آباد کروں گا، لیکن کسی حالت میں بھی اپنے اوپر کسی حکمرانی سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ ہاں میں تمہیں اتنی رعایت ضرور دے سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دوں، لیکن تمہارے ساتھ جو یہ سنہری بدن والا قاتل کھڑا ہوا ہے، اس کی موت مقدر ہو چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیوی کو خونخوار کو قتل کرنے والا یہی شخص ہے۔ اور میرے چار سپاہیوں کو اور کل شام میرے سات سپاہیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی یہی اجنبی ہے۔ یہ یہاں سے کسی صورت بچ کر نہیں جا سکتا۔ میرے سات سپاہیوں کو انڈیشک کے مکان پر مارا گیا ہے۔ میں انڈیشک کو بھی سمجھ گیا۔ دونوں گلھ بشر ملکیہ وہ اپنی بیٹی نوگرائس کو میرے حوالے کر دے۔"

"سنو گرائس! میں نرم دل اور باگل انسان ہوں۔ میں انڈیشک اور گاوت سے کافی آگے بڑھ آیا ہوں اور میں نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے گرائس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تمہاری بدکار گناہ گار اور خونخوار بیوی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑی مسرت محسوس کی ہے، کیونکہ وہ انسانوں کے خون کی پیاسی تھی۔ میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تمہاری نابکار فوج کے گیارہ سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ شیرو تو کبھی میں نے تمہاری قید سے آزاد کرایا ہے تمہارے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ میری پیشکش کو قبول کر لے اور اپنی جان بچا کر یہاں سے ذرا ان ہو جاؤ۔"

"سردار۔" اچانک ایک بھاری بھرکم آواز بلند ہوئی۔ "مجھے اجازت دو کہ اس سنہری احمق کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔"

"نہیں شوگلام۔" گرائس نے کہا۔ "یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے تم اس تندرست چھوٹے آدمی کے خون سے اپنے ہاتھ کو آلودہ کرو۔ تم تک پہنچنے کے لیے اسے ابھی کئی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ میرے خیال میں اس کے لیے تو گاوت ہی کافی ہے۔" گرائس نے اپنے مخالفوں میں سے ایک شخص کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گاوت! بڑھو اور اس بدزبان کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دو۔"

"جو حکم سردار۔" گاوت نے کہا۔ وہ ایک مضبوط قد و قامت کا حامل آدمی تھا اور اس کا سینہ بہت چوڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور ہم دونوں زمین پر آ رہے۔ اس دھکے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بہرحال اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ گاوت نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے اپنے گلے کو اس کی گرفت سے چھڑانے کے بجائے اسے طاقت آزمائی کا پورا پورا موقع دیا۔ اس نے پوری طاقت صرف کر دی، اور پھر وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ اسے میرا گلا لوہے کا بنا ہوا لگ رہا تھا۔ سارے لوگ خود اس بدھ جمد کو دیکھ رہے تھے، اور جب میں نے دیکھا کہ گاوت کی حالت غیر ہو رہی ہے تو میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے اوپر سے اتارا اور پھر اس کے بازو کو پکڑے پکڑے اسے زور سے گھما کر گرائس کی مخالفوں کی طرف اچھال دیا۔ گاوت کی چیخوں کے کڑکڑانے کی آواز دور تک سنی گئی۔ اس کا مردہ جسم ایک گھوڑے کے قدموں کے پاس اور گھوڑا ہنہنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ گرائس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس کے خصوصی محافظوں کے ہاتھ اپنی اپنی تلواروں کے دستوں پر پہنچ گئے میں کمر پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"یہ خاصا طاقتور معلوم ہوتا ہے۔" گرائس نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کاوش، جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اصل طاقت کیا ہوتی ہے۔"

گرائس کا اشارہ پاتے ہی ایک لمبا تڑنگا شخص جو وزن اور قد میں مجھ سے ڈیوڑھا ہوگا، گھوڑے سے اتر کر میری طرف لپکا۔ وہ کسی بھینسے کی طرح پھنکاریں مارتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن میں نے اس سے زیادہ تند آزمائی کا موقع نہیں دیا اور اس کے سر پر ایک ہلکا سا مکا رسید کر کے اسے تیدِ حیات سے نجات دلا دی۔ اس کی کھوپڑی ریزہ ریزہ ہو گئی اور اس کا بھاری بھرکم بدن خاک و خون میں لوٹنے لگا۔

"شوگلام!" اچانک گرائس اپنے حلق کی پوری قوت سے دھاڑا۔ "اس کمینے کو بھی ہلاک کر دیا، اس کا خون پی لے شوگلام۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔"

گرائس کے کہنے کی دیر تھی کہ گوشت پوست کا ایک پہاڑ حیرت انگیز پھرتی سے میری جانب بڑھا۔ بلا مبالغہ شوگلام کا جسم مجھ سے ڈیوڑھا تھا، اس کا قد بھی بہت لمبا تھا۔ وہ خوفناک آوازیں نکالتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے ناقابلِ یقین سرعت کے ساتھ میں اچھل کر میرے سینے پر پوری قوت سے اپنی لات کی صورتِ حال کے لیے تیار تھا۔ اس کی لات کے میرے سینے سے ایک بہت ہی زوردار دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ پیچھے کھڑے ہوئے انڈیشک اور گاوت کے منہ سے نہیں نکل سکیں، لیکن دوسرے ہی لمحے وہاں موجود ہزاروں ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ میں کسی سنگی ستون کی طرح اپنی اور شوگلام کی بھاری بھرکم ٹانگ میرے ہاتھ میں تھی۔ اپنے توازن سے محروم ہو کر نیچے لٹک گیا تھا اور وہ کھڑا ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن میرے جھٹکے سے بار بار نیچے گر جاتا تھا۔ شوگلام کے دونوں ہاتھ آزاد اپنے ہاتھوں سے مجھے پکڑنے کی کوشش کی اور میں نے کا موقع دیا۔ اس نے اپنے دونوں موٹے موٹے ہاتھوں پل اور مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ذرا سے تماشا کرنے دیا اور پھر اچانک ہی اس کی گرفت سے آزاد کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں، ہاتھوں و زنی بدن میرے ہاتھوں میں کسی بڑے سے کی طرح گھوم رہا تھا اور پھڑپھڑا رہا تھا۔ شوگلام کی زبان سے نکل رہی تھیں، ہر شخص کو نظر آ رہا تھا کہ شوگلام کی زندگی میں باقی ہیں۔

شوگلام کو ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، بہرحال گرائس کی جانب سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور میرے پیٹ میں پیوست ہو گیا۔ خون کا دریا بہنے لگا اور زمین پر ڈال دیا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا تیر سنسناتا سے اپنے ہوا میں پکڑ لیا۔

سے چاروں طرف سے گھیر کر مار دو۔" گرائس نے ایک کا حکم دیا۔ "اس کی ہلاکت کے بعد ہی باغیوں سے نمٹا جائے گا۔" سے گھوڑ سوار آناً فاناً میں میرے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ ان کی توجہ تیزی سے بستی کے لوگوں کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے روک دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے قریب سے تیر سنسناتے ہوئے نکلے تھے۔ میں نے لپک کر ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور فوراً ہی اس کو گھوڑے سے گرا دیا۔ دراصل پروفیسر میں اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس سپاہی کو، جس کو میں نے ساتھ ہی اس کی ڈھال پر بھی قبضہ کر لیا تھا کہ دیکھنے والوں کو یہ تاثر دے سکوں کہ میں دشمنوں کے وار ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ میں اس سپاہی کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس ساری کارروائی میں مجھے بمشکل چند سیکنڈ کا وقت لگا ہوگا۔ اس اثنا میں باقی سواروں کے حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کی تلواریں بجلی کی طرح لپک رہی تھیں اور میں بظاہر کر رہا تھا گویا ان کے وار میں اپنی ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اسی کے ساتھ ہر لمحے ایک سرکٹ کر نیچے گر رہا تھا۔ میں نے سروں کی یہ کھیتی اتنی تیزی سے کاٹنی شروع کر دی کہ دیکھنے والے چند منٹ کے عرصے میں صرف پانچ سوار زندہ رہ گئے اور پچیس کو میں نے ٹھکانے لگا دیا۔ میری نظر گرائس پر پڑی جو بڑے غور سے اس عجیب و غریب منظر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جس میں صرف ایک آدمی کے ہاتھوں اس کے پچیس سپاہی مارے جا چکے تھے۔ گرائس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ پانچ میں سے ایک سپاہی اور مارا گیا اور اس کے ساتھ ہی گرائس نے اپنے دوسرے فوجی دستے کو اشارہ کیا کہ وہ مجھ پر حملہ کرے لیکن میں نے اس کا موقع نہیں آنے دیا۔ میں نے بجلی کی طرح اپنا گھوڑا گرایا اور ان واحد میں گرائس کے سر پر جا پہنچا۔ پھر میں نے اسے کسی پھر پھرے پتے کی طرح گھوڑے پر سے اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کا پورا جسم کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ گرائس کو میرے قبضے میں دیکھ کر اس کے سپاہیوں کی پیش قدمی رک گئی۔ اب وہ مجھ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے!

"اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گرائس کی لاش خاک و خون میں تڑپتی نظر آئے گی۔" میں نے چلا کر کہا اور اسی کے ساتھ میں نے اپنی تلوار گرائس کی گردن کی پشت پر رکھ دی۔ "گرائس۔" میں نے کہا۔ "تمہیں شکست ہو چکی ہے، اپنے سپاہیوں کو بلاوجہ ہلاک مت کروا۔ تمہارے جان کی ضمانت دی جا چکی ہے۔ حکومت سے دستبرداری کا اعلان کرو اور گاوت کو علاقے کا حکمران تسلیم کرو۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تم نہیں مانتے تو میں تمہیں ختم کر ڈالوں گا۔"

"میں مانتا ہوں! میں مانتا ہوں۔" گرائس نے کسی خوفزدہ بکری کی طرح ممیاتے ہوئے کہا۔ "میری جان بخش دو۔ میں گاوت کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"مناتم نے؟" میں نے گرائس کے لشکریوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تمہارے سردار نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص گاوت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرے جو اس علاقے کا اصل حکمران ہے اور گرائس کا بڑا بھائی ہے۔ اپنے اپنے ہتھیار نیچے رکھ دو اور نئے سردار سے وفاداری کا اعلان کرو۔"

گرائس کے فوجی سخت حیران و پریشان تھے۔ کسی بڑی لڑائی کے

بغیر ہی جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تاہم ان کے پاس میری بات ماننے کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ ان سب نے بے چوں وچرا میرے حکم کی تکمیل کی۔ بستی کے لوگ خوشی کے مارے دیوانہ وار رقص کرنے لگے اور گاوت کے گرد ایک میلہ لگ گیا۔ میں نے گراش کو گھوڑے سے اتارا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اسے ساتھ لیے ہوئے میں گاوت کے پاس پہنچا۔ لوگوں نے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ گاوت اور اندیشک ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اندیشک نے نفرت سے گراش کو دیکھا۔

گاوت کی حکمرانی کا رسمی اعلان ہو جانے کے بعد ہم لوگ محل کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری وفاداریاں بدل گئی تھیں اور وہ گاوت کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ میں نے اندیشک سے پوچھا کہ اب گراش کیساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

"اسے اس کمرے کی طرف لے چلو جہاں اس نے شہزانہ کو قید میں رکھا ہوا تھا۔" اندیشک نے کہا۔ "فی الحال ہم اسے وہیں بند کر دیں گے۔"

ہم دونوں گراش کو ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ راہداریوں کی ایک جمعیت ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑی لیکن اندیشک نے ان سب کو روک دیا۔ اس نے گاوت کو ہمارے ساتھ آنے سے منع کر دیا صرف میں اور وہ گراش کو لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ گراش کی حالت ٹانگوں سے بدتر ہو رہی تھی۔ اسے چلنے میں سہارے کی ضرورت تھی۔

اور پھر اندیشک نے ایک نہایت ناپسندیدہ حرکت کی۔ جیسے ہی ہم اس عمارت میں داخل ہوئے جہاں پہلے شہزانہ قید تھی ویسے ہی اس نے سرعت کے ساتھ اپنا خنجر نکال کر گراش کے پیٹ میں بھونک دیا۔ گراش آہ کر کے زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔ عمارت میں بالکل سناٹا تھا اور ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس واقعے کو دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا اندیشک؟" میں نے ناگواری کیساتھ کہا۔

"اس کے جرائم کے مقابلے میں یہ سزا بھی بہت کم ہے۔" اندیشک نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

لیکن میں اور گاوت، دونوں اسے جان کی امان دے چکے تھے۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن اس کا زندہ رہنا سخت خطرناک تھا۔ کسی وقت بھی ہم لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔"

"تاہم مجھے تمہاری یہ حرکت پسند نہیں آئی۔" میں نے کہا۔ "انسان کو اپنی زبان کا پاس رکھنا چاہیے۔"

تمسخر سے اور بدکلامی سے کیے ہوئے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

میں خاموش ہو گیا لیکن مجھے اس کی یہ حرکت قطعاً پسند نہیں آئی۔ اس نے ایک ایسے انسان پر ہاتھ اٹھایا تھا جسے میں اس کی جان کے تحفظ کا یقین دلا چکا تھا۔ اس نے گراش کے مُردہ جسم کو گھسیٹ کر اس تہہ خانے میں ڈال دیا جس میں کل رات تک شہزانہ قید تھی اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔

"میں تھوڑی دیر بعد اس کے دفنانے کا بندوبست کروں گا۔" بوڑھے اندیشک نے مجھ سے کہا۔ "میں نے اسے تنہائی میں لا کر اس لیے مارا ہے کیونکہ میں سارے لوگوں کے سامنے اسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اس وجہ سے کہ سب لوگوں پر تمہاری بدعہدی آشکار ہو جاتی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم اسے بدعہدی کا نام دے سکتے ہو۔" بوڑھے اندیشک نے کہا۔ "لیکن میں اسے مصلحت سے تعبیر کروں گا۔"

ہم لوگ دوبارہ محل کے وسطی حصے میں واپس آ گئے جہاں بہت سے نوجی سرداروں کے درمیان گھرا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ سب کے سب اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے تھے۔ گاوت کا حلیہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اب اس کے جسم پر شاہی پوشاک تھی۔ وہ بالکل دوسرا آدمی نظر آ رہا تھا اور اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی گاوت ہے۔

میں نے مسکرا کر گاوت کو مبارکباد دی اور اس کے بعد میں ایک گاڑی لے کر اندیشک کے ساتھ اس غار کی طرف روانہ ہوا جہاں شہزانہ اور نوگراش موجود تھے۔ اب ہم لوگوں کو وہاں چھپ کر اور رات کی تاریکی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم کھلم کھلا دن کے اجالے میں بستی سے گزرتے ہوئے ادھر روانہ ہوئے۔ گاڑی میں خود میں رہا تھا اور اندیشک میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم جدھر سے بھی نکلتے کے خوش اور مطمئن لوگ ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلاتے۔ بہت سے لوگ نے راستے میں گاڑی کو کئی جگہ روکا اور میرے ہاتھ چومے۔ انھوں مجھے نجات دہندہ قرار دیا اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔ میں نے اندا کہ اندیشک شاید میری مقبولیت سے زیادہ خوش نہیں ہے۔ بہرحال لیے یہ بات بالکل بے معنی تھی۔

جب ہم لوگ اس غار کے نزدیک پہنچے تو شہزانہ اور نوگراش سے ہمارا منتظر تھیں۔ مجھے زندہ دیکھا تو وہ دونوں خوشی کے مارے ہو گئیں، اور جب میں نے انھیں یہ خبر دی کہ گراش کو شکست ہو اور گاوت بستی کا نیا حکمران بن گیا ہے تو وہ دونوں خوشی کے مارے شہزانہ اور اندیشک کی موجودگی میں ہی نوگراش نے میرے دونوں ہا لیے اور وارفتگی کے عالم میں انھیں اپنی آنکھوں سے لگانے لگی عزت بچائی سنہری بدن والے اجنبی تم نے میرے بابا کی جان بچائی یقیناً تمہاری ہی مدد سے اصلی گاوت کو نقلی گاوت پر فتح حاصل ہوئی تم عظیم ہو۔ تم ہم سب لوگوں کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے ہو۔ تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔"

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تھام لیا۔ شہزانہ نوگراش کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اندیشک زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہم چاروں گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بار نوگراش کے کہنے پر میں گاڑی میں اس کے ساتھ پیچھے بیٹھا اور اندیشک شہزانہ کے پیچھے اس دفعہ گاڑی اندیشک ہانک رہا تھا۔

"سنو شادل!" نوگراش نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "میں نے اماں سے بات کی ہے۔ وہ میرے بابا سے بات کرے گی۔ مگر میں بھی ہوں کہ میں نے تم سے تو کچھ کہا ہی نہیں۔ نہ جانے تم اس کے لیے کیا سوچ رہے ہو گے یا نہیں۔"

میں نوگراش کا مطلب تقریباً سمجھ چکا تھا۔ تاہم میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا بات تم نے شہزانہ سے کیا بات کی ہے؟"

"وہ۔ تم سمجھے کیوں نہیں۔" اس نے ایک انداز دلربائی کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "چاند کی دنیا سے آئے ہوئے انسان دیکھ کر میں اپنا منصب کچھ بھلا بیٹھی ہوں۔ تم میری زندگی میں داخل ہونے والے پہلے مرد ہو اور آخری بھی۔ اب میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں نے اماں شہزانہ سے کہا ہے کہ وہ بابا سے اس بارے میں گفتگو کریں تاکہ ہم زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے کے ساتھی بن جائیں۔"

میں نوگراش کے معصومانہ اور پاکیزہ جذبات کے اظہار پر دل ہی دل میں مسکرایا۔ مجھے شروع سے ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ میں کچھ دن تک سکون اور آرام کے ساتھ زندگی کے دن گزارنا چاہتا تھا۔ تاہم جب شہزانہ مجھے مل گئی تھی تو اس وقت میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ کچھ دن آرام کے ساتھ گزاروں گا اور شہزانہ کے ساتھ گاؤں کے لوگوں سے دور رہوں گا لیکن میرا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ شہزانہ اسطوخیس کی خونیں سازشوں کا شکار ہو گئی۔ اب مجھے نوگراش کی شکل میں شہزانہ ہی کی طرح حسین اور طرحدار ہونے کے علاوہ کسی حد تک مجھ سے محبت کرنے والی ایک اور لڑکی مل گئی تھی۔ میں نے اس کے جذبات کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہیں یہ کہہ کر بے حد خوشی ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل میں پہنچ گئے۔ شہزانہ اور نوگراش دونوں کو دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔ پورا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ گاوت کے سر پر میں تھا اس نے شہزانہ اور نوگراش کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے کہا۔ "سرداری کے حصول میں میری اپنی کوششوں کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ شادل کے طفیل ہے۔ اگر یہ سنہری بدن والا بہادر میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں تو شاید جنگل میں ہی مرکھپ کر ختم ہو جاتا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شادل کو اپنا وزیر اعظم بناؤں گا اور میرے لیے سب سے زیادہ با اختیار شخص یہی ہو گا۔"

"نہیں گاوت۔" میں نے سختی کے ساتھ اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس لیے نہیں دیا تھا کہ مجھے تمہاری حکومت میں کوئی عہدہ درکار ہے۔ ہم دوست بن گئے تھے اور میں نے محض حق دوستی ادا کیا ہے جہاں تک منصب وزارت عظمیٰ کا تعلق ہے تو اس منصب کے لیے تم کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص کا انتخاب کرو۔ اور میرے خیال میں تمہیں اس کی تلاش میں زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اندیشک ایک جہاندیدہ اور زیرک انسان ہے اور اس عہدے کے لئے بالکل ٹھیک رہے گا۔"

غالباً گاوت اور اندیشک، دونوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ میں وزارت عظمیٰ کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر کے ان کے لیے اندیشک کا نام پیش کروں گا۔ وہ دونوں حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"میری دلی خواہش ہے کہ میرے بجائے تم یہ منصب سنبھالو۔" اندیشک نے کہا۔ میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ وہ محض اوپری دل سے یہ بات کہہ رہا ہے۔

"نہیں اندیشک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے اس چیز سے معاف رکھو۔ البتہ میں تم سے ایک اور چیز مانگتا ہوں۔ امید ہے۔ انکار نہیں کرو گے۔"

"وہ کیا؟" ایک وقت اندیشک اور گاوت کی زبان سے نکلا۔

"میں تم سے نوگراش کو مانگتا ہوں۔" میں نے اندیشک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اندیشک اور گاوت، دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ انھیں شاید اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"ظاہر ہے کہ میرے لیے انکار کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔" اندیشک نے کہا۔ "لیکن میں اس بارے میں اپنی بیٹی کی رائے ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"یہ اس کی دلی خواہش ہے۔" شہزانہ فوراً بولی۔ "وہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے۔ وہ اس سنہری بدن والے اجنبی کو اپنا شریک حیات بنانا چاہتی ہے۔"

"اس صورت میں میری طرف سے اجازت ہے۔" اندیشک نے کہا۔ "میں تم دونوں پیشگی مبارکباد دیتا ہوں۔" گاوت نے خوش ہو کر کہا۔

کچھ دنوں بعد میری اور نوگراش کی شادی ہو گئی اور ہم دونوں محل کے ہی ایک حصے میں آرام سے رہنے لگے۔ اندیشک اب وزیر اعظم بن چکا تھا اور پورے علاقے میں گاوت کے بعد وہ سب سے زیادہ با اختیار آدمی تھا۔ گاوت نے جلد ہی علاقے کے نظم و نسق میں دور رس تبدیلیاں کیں۔ فوج کو جرائم پیشہ عناصر سے پاک کیا گیا اور مجرموں کے مقدمات کا مکمل طور سے خاتمہ کر دیا گیا۔ بستی کے لوگوں نے سکون کا سانس لیا اور ان کا اعتماد بحال ہوا۔ چوروں پر سے خوف و دہشت کے سائے دور ہوئے اور ان کی جگہ مسترتوں اور شادمانیوں نے لے لی۔ ہر شخص کو اس بات کی اجازت تھی کہ کسی بھی ناانصافی کی صورت میں وہ شاہی محل میں آ کر انصاف طلب کر سکتا تھا۔

میں، نوگراش کو پا کر بہت خوش تھا اور ہم دونوں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے بالکل ویسی ہی زندگی جیسی کہ میں چاہتا

تھا شیرازہ اب گاوت کے ساتھ رہ رہی تھی اور بہت خوش تھی۔ وہ گاوت کے لیے کوئی بہت خوبصورت دلہن تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت محل کے اندر ہی گزرتا تھا۔ میں نے محل کے اس حصے کو جس میں میرا اور نوگرائش کا قیام تھا، طرح طرح کے پتوں اور پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ گاوت کے الگ منع کرنے کے باوجود میں اس حصے میں باغبانی کا سارا کام خود کرتا تھا اور کسی مالی کو نہیں رکھتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں مجھے روحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔

اور جب کبھی بھار میں محل سے نکل کر باہر آجاتا تو جیسے چاروں طرف ایک تہلکا برپا ہوجاتی۔ لوگ اپنے کام کاج چھوڑ چھوڑ کر میری طرف آجاتے اور مجھے گھیر لیتے۔ وہ میرے ہاتھ چومتے، میرے ساتھ گہری عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے اور یہ مجھ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ میری غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ اور ان کے دل میرے لیے ممنونیت کے گہرے احساس سے لبریز تھے۔ میری شخصیت ان کے لیے جتنی زیادہ پرکشش تھی، اتنی ہی زیادہ پراسرار بھی تھی۔ میں ان کے لیے ایک معجزہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بہت ہی کم باہر نکلتا تھا اور محل کے اندر میرے لیے لوگوں سے ملاقات کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ البتہ روز رات کا کھانا میں اور نوگرائش گاوت اور اندیشک کے ساتھ کھاتے تھے۔

اندیشک نے پرانا مکان چھوڑ دیا اور وہ محل میں منتقل ہوگیا تھا۔ شیرازہ پہلے ہی گاوت کے ساتھ رہ رہی تھی چنانچہ رات کا کھانا ہم سب لوگ مل کر کھاتے اور اسی دوران اندیشک اور گاوت کے ساتھ مختلف موضوعات پر میری گفتگو ہوتی۔ میں نے ایک بار گاوت کو حکمرانی کا فن دلانے کے بعد اب اور مملکت سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کرنی تھی اور کسی معاملے میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

تاہم میں نے محسوس کیا کہ اندیشک، جو کہ اب میرا مشیر بھی تھا دل سے مجھے پسند نہیں کرتا۔ مجھ پر اس کے رویہ میں بظاہر کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو مجھے یہ سوچنے پر مجبور کرتی، لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی آنکھوں کی چمک اکثر اس کے دلی جذبات کی غمازی کرتے محسوس ہوتے تھے۔ جب کبھی میں باہر نکلتا اور اندیشک میرے ساتھ ہوتا تو لوگوں کی دلچسپی اور دیوانگی دیکھ کر اندیشک کچھ کھو سا جاتا۔ وہ دریہ اٹھونی، گاوت کے بعد علاقے کا سب سے زیادہ بااختیار اور اہم شخص، لیکن میرے ساتھ لوگ اسے اس طرح نظرانداز کردیتے گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ خود گاوت کو میری موجودگی میں وہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔ اور شاید یہی بات اندیشک کو کھٹکتی تھی۔ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اب بستی میں میرا زیادہ دن تک گزارا نہیں ہوگا۔ میں سوچتا رہتا تھا کہ نوگرائش کو ساتھ لے کر کہیں اور نکل جاؤں۔ مگر اندیشک اور گاوت میری وجہ سے بس احساس کمتری کا شکار ہوگئے ہیں، اس سے انہیں نجات مل جائے۔

اسی دوران کچھ ایسی باتیں پیدا ہوگئیں جن کی وجہ سے میں زیادہ سے جانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

شام کا وقت تھا اور ہم سب لوگ حسب معمول کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ کھانا کھانے کے دوران ہی اچانک اندیشک نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔ "شادل یہاں سے قریب ایک خوبصورت اور زرخیز علاقہ ہے جس کا نام زارادم ہے۔ یہ دولت علاقہ ہے یہاں کے دستکار اور زمیندار نہایت عمدہ قالین تیار کرتے ہیں جو دور دور تک مشہور ہیں اور ان کی سے اس علاقے کی دولت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں پھل بہت عمدہ اور وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں جو مہنگے داموں بڑے بڑے شہروں میں زارادم کے لوگوں نے گزشتہ کئی سال سے میری بھی کسی اس کی بالادستی تسلیم نہیں کی اور گزشتہ کی فوج نے سب بھی زارادم پر کبھی حملہ کیا انہیں پسپا ہونا پڑا۔ اب میں نے اور گاوت نے فیصلہ کیا کہ ہم زارادم پر حملہ کردیں اور اس زرخیز اور دولت مند علاقے کو اپنی کا ایک حصہ بنالیں اس طرح ہماری سلطنت کے حدود بھی وسیع ہوں گے اور اس کی دولت میں بھی اضافہ ہوگا تمہیں اس سلسلے میں ہماری پوری مدد کرنی ہوگی۔"

میں اندیشک کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ کل تک جن باتوں کے لیے گزائش کو برا بھلا کہا جارہا تھا۔ آج اندیشک اور گاوت مل کر وہی حرکتیں کرنا چاہتے تھے۔ انسان کتنی جلدی بدل جاتا ہے میں نے دل میں سوچا اور ساتھ ہی یہ بھی طے کرلیا کہ اس فضول میں ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔ مجھے زارادم کے لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔

"مجھے افسوس ہے اندیشک کہ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اگر تم زارادم والوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو تو تمہیں صرف اپنے وسائل پر بھروسا کرنا ہوگا۔ زارادم والوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں ان کی آزادی کو غلامی میں بدلنے کے کام میں کوئی حصہ نہیں چاہتا۔"

میرے صاف انکار پر گاوت تو خاموش رہا، لیکن اندیشک پیشانی پر شکنیں پڑگئیں اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "شادل، تم شاید اس بات کو بھول گئے ہو کہ گاوت اس علاقے کا حکمران اور میں یہاں کا وزیر ہوں۔ ہم دونوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور تمہیں اس علاقے کے ایک باشندے کی حیثیت سے یہاں کے ارباب اختیار کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہیے۔ زارادم والوں سے ہماری کوئی ذاتی دشمنی نہیں لیکن ہم اپنے علاقے کی بہتری کی خاطر اسے فتح کرنا چاہتے ہیں۔"

"علاقے کی بہتری کی خاطر نہیں، بلکہ سراسر اپنی خودغرضی کی خاطر۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا۔ "اور یہ بات یاد رکھو اندیشک کہ کسی کی خواہشات یا احکامات کا پابند نہیں ہوں۔ مجھے کیا کرنا ہے اس بات کا فیصلہ میں ہمیشہ خود ہی کرتا ہوں۔ زارادم کے معاملے میں مجھ سے کسی بھی مدد کی امید نہ رکھنا۔" اور ان الفاظ کے ساتھ میں یہ الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی نوگرائش بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ شادل۔" گاوت نے نرمی سے مجھ سے کہا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی جس سے یہ بتا رہا تھا کہ زارادم کے بارے میں یہ فیصلہ ہم لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس علاقے پر قبضہ کرنے سے ہمیں بہت دولت حاصل ہوگی۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس علاقے سے حاصل کردہ دولت کا ایک تہائی حصہ تمہیں اور نوگرائش کو دے دیا جائے گا تاکہ تمہاری آئندہ کئی نسلیں بھی بہت آرام سے زندگی بسر کرسکیں۔ بشرطیکہ تم ہمارا ساتھ دو۔"

میں گاوت کی سادگی پر دل میں مسکرا اٹھا۔ سادہ لوح حکمران کو یہ بات کون سمجھا رہا تھا کہ کتنی مضحکہ خیز بات تھی!

"مجھے دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ میں محنت سے سخت سے سخت کام کرسکتا ہوں اور اپنے اور اپنی بیوی کے لیے روزی کما سکتا ہوں۔ دولت تو میں نے محض اس لیے لی تھی کہ ایک خاصب نے تمہارا حق چھین لیا تھا اور تم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنا حق واپس لے سکو۔ وہ تمہیں دلانے کے بعد میرا کام ختم ہوگیا ہے۔ میں تمہاری کسی جنگ اور توسیع پسندی کی مہم میں شریک نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر کوئی بیرونی طاقت ہمارے علاقے پر حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مجھے سب سے آگے پاؤ گے۔"

گاوت ایک بار پھر خاموش ہوگیا، لیکن اندیشک کی آنکھوں سے غصے کے مارے شعلے نکلنے لگے۔ مجھے اس بدبخت بوڑھے سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ حد درجہ مکار اور احسان فراموش شخص ثابت ہوا تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پروفیسر اس شخص کا رویہ دیکھ کر ہی سے کچھ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ اور شاید اس نے دل سے مجھے کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ میری جانب سے ہمیشہ شبہ میں مبتلا رہا۔ اسے ساتھ تو گزائش کی شادی اسے اس لیے کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ گزائش کا فیصلہ تھا اور اندیشک کے پاس مجھے مسترد کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی۔

میں یہ الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی نوگرائش بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہم دونوں اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ گاوت یا اندیشک میں سے کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان دونوں کی ناراضی صاف محسوس ہوگئی تھی۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ ٹھیس ان لوگوں کے رویے سے پہنچا تھا۔ وہ مجھے اپنی ہوس ملک گیری کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے اور میرے انکار کی بنا پر مجھ سے روٹھ گئے تھے۔ مجھے یہ صاف نظر آرہا تھا پروفیسر کہ میں نے نوگرائش کے ساتھ مل کر پرسکون اور پرمسرت زندگی گزارنے کا جو خواب یہاں دیکھا تھا، اب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوپائے گا۔ حالات جو رخ اختیار کررہے تھے ان کے پیش نظر اب یہاں زیادہ عرصے تک میرا قیام ممکن نہیں نظر آرہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے بہت جلد مجھے یہاں سے رخصت ہونا پڑے گا۔ نوگرائش اس کے لیے تیار ہوگی تو اسے بھی ساتھ لیتا جاؤں گا، ورنہ تنہا ہی روانہ ہوجاؤں گا ——— ہمیشہ کی طرح تنہا ———

میں نے اپنی طویل زندگی میں جن بے شمار لوگوں کو دیکھا اور برتا ہے پروفیسر ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ دوست بھی، دشمن بھی۔ ایسے لوگ بھی جنھوں نے مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا اور کسی دیوتا کی طرح میری پرستش کی اور ایسے لوگ بھی جو مجھے ہلاک کرنے کے درپے رہے اور اس کے نتیجے میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی میں نے خلوص دل سے مدد کی ہو اور اس کے جواب میں انھوں نے میری جانب غداری و دغا کا رویہ اختیار کیا ہو۔ بدقسمتی سے اندیشک اسی قسم کے لوگوں میں شامل تھا، اور اسی لیے اس کی داستان میری طویل داستانِ حیات کا ایک دلچسپ حصہ ہے۔ میں نے ایک طرح سے اندیشک کو زندگی بخشی تھی۔ اس کی پنشن میری ہی وجہ سے گزائش کی چہیتی بیوی سے محظوظ ہوتی رہی، اور میری ہی کاوشوں کے طفیل اندیشک جو اس بستی کا ایک بالکل معمولی سا آدمی تھا، وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچا۔ اور وہی اندیشک اب میری جان کے درپے ہو رہا تھا۔ مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ اندیشک اس حد تک کرسکتا ہے لیکن میں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سن لیا۔ اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ مجھے گاوت کے ساتھ اس کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ یہ اندیشک اور گاوت سے گفتگو کے دوسرے دن کی بات ہے۔ اندیشک اور گاوت دونوں محل کے باغ میں ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے گفتگو کررہے تھے۔ میں عموماً محل کے اس حصے میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن اس دن میں پھولوں کے بعض پودوں کی تلاش میں ادھر جا نکلا تھا جنھیں میں اپنی قیام گاہ کے سامنے کیاریوں میں لگانا چاہتا تھا۔ اندیشک اور گاوت نے مجھے نہیں دیکھا کیونکہ میں ان کے پیچھے تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک پتلی سی باڑھ حائل تھی۔

"شادل کا وجود ہمارے لیے ایک ایسا خطرہ ہے جس سے جلد ترین نجات حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔" اندیشک نے کہا۔ "وہ اس مملکت میں رہتے ہوئے بھی یہاں کے حکمرانوں کی اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کا رویہ سراسر گستاخانہ ہے اور وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ اگر اس کا کوئی علاج نہیں کیا گیا تو کل وہ ہمارے اوپر حکم چلائے گا اور پھر شاید ہم مجبور ہوں گے کہ اس کے حکم کی پابندی کریں۔"

"لیکن شادل ہمارا محسن ہے۔" گاوت نے نیم دلی کے ساتھ کہا۔

"ہمیں شادل کے طفیل ہی حکومت ملی ہے۔ اگر وہ خود حکومت کا خواہاں ہوتا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن اس نے گزائش سے حکومت چھین کر میرے حوالے کی ہے۔ اب گزشتہ مزید کسی معرکے میں ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتا تو ہمیں اس کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ایک بہادر آدمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے ساتھ غداری نہیں کرے گا۔"

"آدمی کی نیت بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔" اندلیشک نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہو کہ شادل غیر معمولی طور پر ذہین انسان ہے اور وہ تنہا ایک اچھی خاصی تعداد کو شکست دے سکتا ہے۔ کل اگر یہ شخص سردار کی دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہو تو تم اسے کیسے روکو گے؟ پھر تم اس بات سے بھی اچھی طرح واقف ہو کہ بستی کے لوگ اسے پوجنے کی حد تک چاہتے ہیں۔ وہ اگر ایک اشارہ کر دے تو پھر ساری بستی کے لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ کیا یہ صورت حال تمہارے لیے تشویش کا باعث نہیں۔ بھلا تم اپنی مملکت میں ایک ایسے شخص کا وجود کس طرح گوارا کر سکتے ہو جو تم سے زیادہ طاقت ور اور ہر دل عزیز ہو؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم نے اپنے آپ کو اس شخص کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور وہ شخص جب چاہے تمہیں حکومت سے بے دخل کر سکتا ہے۔"

اندلیشک کی اس مکارانہ منطق کے آگے گاوت خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر گاوت بولا۔ "لیکن ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ خود تو یہاں سے جائے گا نہیں۔ ہم اسے کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے کہ ہم اسے یہیں جانے کے لیے مجبور کریں؟" بدطینت بوڑھے نے کہا۔ "میرا مقصد تو یہ ہے کہ ہم اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر لیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے ہلاک کروا دیں؟" گاوت نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟" اندلیشک نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"کیا تم یہ بات بھول گئے ہو کہ وہ تمہاری بیٹی کا شوہر بھی ہے؟" گاوت نے پوچھا۔

"نہیں میں یہ بات بھولا نہیں ہوں۔" اندلیشک نے جواب دیا۔ "لیکن میری بیٹی کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شادل کے خاتمے کے بعد ہم اس کی کہیں اور شادی کر دیں گے۔ اس جیسی حسین اور دلکش لڑکی کے لیے اچھے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں سمجھتا ہوں کہ تو گرش جیسی حسین اور دلکش لڑکی کو تو سکتا ہونا چاہیے تھا۔" اندلیشک کے ہونٹوں پر حیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے گہری نظروں سے گاوت کی طرف دیکھا۔

گاوت نے اس کی بات کا فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟" گاوت نے پوچھا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" اندلیشک نے ایک خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ہم تمہاروں کے ذریعے اس پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ یہ شخص رہ جانے کون سی مٹی کا بنا ہوا ہے کہ تیس تیس آدمیوں کے مقابلے میں بھی تنہا جیت جاتا ہے۔ اسے ہلاک کرنے کے لیے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ہو گا کہ اسے خبر ہی نہ ہو اور ہمارا کام بھی ہو جائے۔ میرے ذہن میں ایک پورا منصوبہ موجود ہے۔ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد جشن ہونے والا ہے اور جشن کی رات شادل کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔ میں ایک خصوصی جام کا بندوبست کروں گا جس میں ایک خوفناک اور ہلاکت خیز زہر شامل ہو گا۔ ایک رقاصہ جس کو یہ ساری بات سمجھا دی جائے گی، یہ خصوصی جام شادل کو پیش کرے گی اور اس کے بعد اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے گا۔"

"میرے خیال میں یہ ایک عمدہ منصوبہ ہے۔" گاوت نے کہا۔ میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ اب مجھ میں اور کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اندلیشک کی کمینگی اور گاوت کی خود غرضی اور احسان فراموشی نے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ میں یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ گاوت جیسا شخص اس حد تک بھی گر سکتا ہے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ ان لوگوں کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ اپنے گھٹیا ہتھکنڈوں پر آزمائیں اور جشن سے پہلے ہی یہاں سے نکل جاؤں چنانچہ اپنی قیام گاہ پر واپس آنے کے بعد میں نے تو گرش کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اپنے کانوں سے سنا تھا۔ نیز اسے یہ بتا دیا کہ میں اگر چاہوں تو ان سب لوگوں کو خوفناک سزا دلوا سکتا ہوں۔ لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتا اور میں نے جان سے فوری طور پر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو گرش کو زبان سے یہ ساری باتیں سن کر کوئی خاص تعجب نہیں ہوا۔ اس نے پہلی بار مجھے یہ بات بتائی کہ اندلیشک مسلسل اس کے خلاف اس کے کان بھرتا رہتا ہے اور اندلیشک کی دلی خواہش ہے کہ وہ اسے مجھ سے کسی طرح چھڑا کر گاوت کی دھن جائے۔ تو گرش نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک میرا ساتھ نہیں چھوڑے گی اور جہاں بھی میں جاؤں گا وہ میرا ساتھ جائے گی۔ اس نے کہا کہ وہ میرے لیے ساری دنیا چھوڑ سکتی ہے۔

چنانچہ اسی رات میں اور تو گرش صابر رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر خاموشی سے محل سے نکل گئے۔ اس بار مجھے سفر کا خصوصی اہتمام کرنا پڑا تھا کیونکہ میں تنہا نہیں تھا۔ میرے ساتھ تو گرش تھی جس کی انسانی احتیاجات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے پاس کھانے پینے کی اشیا کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور پینے کے پانی کی مشکیزے بھی ساتھ تھے۔ چاندنی رات اور موسم بے حد دلکش تھا۔ جلد ہی ہم وادی کی حدود سے بہت آگے نکل

آئے۔ تو گرش کے اس سوال کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا تھا کہ ہماری منزل کہاں ہے۔ میں نے اسے میں بتایا کہ فی الحال ہمیں جنگل میں ہی رہنے کا موقع ملے گا، ہم رہ لیں گے۔

تین دن کے سفر کے دوران میں کوئی آبادی نہیں ملی۔ البتہ کھانے پینے کا کچھ ذخیرہ ہمارے پاس موجود تھا اور ویسے بھی بھوک کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ کیونکہ میں نے راستے میں کافی شکار بھی مار لیا تھا۔ تو گرش اس بات پر سخت حیران تھی کہ میں نے تین دن کے دوران صرف ایک وقت تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ اور پانی تو میں نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ تو گرش کے حیرت آمیز استفسار پر میں نے اسے بتایا تھا کہ میں کئی کئی دن تک بغیر کھائے پیئے رہ سکتا ہوں۔

چوتھے دن اچانک دوپہر کے بعد سے کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم کسی آبادی کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ کچھ دور جانے کے بعد مجھے ایک کھیت میں کچھ آدمی کام کرتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ خود ہی ہمارے پاس آ گئے۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا سردار کرشاسا نامی ایک شخص ہے۔ یہ سارے کھیت اور باغات اس کی ملکیت ہیں اور یہ سارے گاؤں کے لوگ اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب فصل اترتی ہے تو وہ ساری کی ساری کرشاسا اور اس کے خاندان والوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ گاؤں کے کام کرنے والے لوگوں کو اس میں سے معمولی سا حصہ دے دیا جاتا ہے جس سے وہ اور ان کے گھر والے اگلی فصل تک گزارہ کر سکیں۔ ان لوگوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اگر میں گاؤں میں یا اس کے آس پاس کہیں بھی قیام کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس کے لیے کرشاسا کی اجازت لینی پڑے گی۔ اور کرشاسا سے اسی وقت یہاں رہنے کی اجازت دے گا جب میں اس کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں گا۔

ظاہر ہے پروفیسر کہ کام میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں اگر کام نہیں کرنا چاہتا تو مجھے اس گاؤں میں ایک منٹ بھی نہ ٹھہرنا اور آگے چلا جاتا۔ لیکن تو گرش کو ساتھ لیے لیے میں ایک غیر معینہ مدت تک ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں فی الحال کچھ دن اس گاؤں میں قیام کروں۔ میں نے تو گرش کی رائے پوچھی تو اس نے بھی اس فیصلے پر چھوڑ دیا۔ میں نے ان آدمیوں سے کرشاسا کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم کیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ مجھے گاؤں میں ہی مل جائے گا۔

میں اور تو گرش اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار آگے بڑھ گئے۔ کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ ایک چھوٹی سی بستی پر جا کر ختم ہو گیا۔ یہ سو ڈیڑھ سو مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کے زیادہ تر مکانات چھوٹے چھوٹے اور کچے یا نیم پختہ تھے۔ لیکن سارے مکانوں کے سامنے وسیع زمین پڑی ہوئی تھی۔ گاؤں کے وسط میں ایک نسبتاً بڑا دو منزلہ پختہ مکان نظر آ رہا تھا جس کا احاطہ بہت دور تک چلا گیا تھا۔ میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ شاسا کا مکان یہی ہو گا۔ گاؤں کے زیادہ تر لوگ اس وقت اپنے اپنے گھروں سے باہر باغوں اور کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ پھر بھی بہت سے لوگ گاؤں کے اندر موجود تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ جن میں عورتوں کی بڑی تعداد تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شاید اس گاؤں میں اجنبی بہت کم آتے ہیں۔

میں نے لوگوں کو بتایا کہ ہم لوگ پردیسی مسافر ہیں اور کرشاسا سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے گاؤں کے وسط میں موجود دو منزلہ پختہ مکان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ کرشاسا وہاں ملے گا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس وسیع مکان کے صدر دروازے پر پہنچ گئے جو اندر سے بند نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اترے اور میں نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر گھستے ہی جو منظر ہم دونوں نے دیکھا وہ بڑا دہشت ناک تھا۔ ایک شخص جس کے بدن پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ ہڈیوں کی مشکی پر بندھا ہوا تھا اور اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ایک بھاری بھرکم جلاد ایک لمبا سا کوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے برابر کھڑا تھا اور اس شخص کی پیٹھ لہولہان ہو رہی تھی۔ نہ جانے سے کتنے کوڑے مارے جا چکے تھے جسے کہ ہر ایک ضربت نہایت زوردار تھی۔ جلاد ایک درازقد آدمی تھا۔ اس کا جسم کسی دیو کی طرح بھاری بھرکم تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی جس نے اس کی شکل کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ اس کے پیچھے کرسیوں پر بہت سے دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میرے اچانک دروازہ کھول کر اندر آ جانے سے ان سب لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ تو گرش میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"میں کرشاسا سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں کرشاسا ہوں۔" ہاتھی جیسے جسم میں سے گھٹا گھٹا سا ایک آواز بلند ہوئی۔ "اندر آ جا۔ اس عورت کو ساتھ لے آ اور بتا کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

میں تو گرش کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تو گرش کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ وہ اس خوفناک ماحول سے سخت ہراساں نظر آ رہی تھی۔ "یہاں سے بھاگ چلو شادل۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ ہم دونوں اس دیو ہیکل انسان کے سامنے پہنچ گئے۔ "یہ نام شادل ہے اور یہ میری بیوی تو گرش ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اس گاؤں میں رہنا اور کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"باقی باتیں تو بعد میں ہوں گی۔" گوشت کے تودے میں سے ایک بار پھر گھڑگھڑاہٹ بلند ہوئی۔ "کام چوری کرنے والے کا یہاں جو حشر ہوتا ہے، پہلے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد بھاگتا ہوا پیچھے گیا، پھر وہاں سے تیزی سے دوڑتا ہوا لوٹا اور واپس آیا۔ ایک کٹہرے کی صدا گونجی اور ساتھ ہی مشکی پر بندھا ہوا شخص بُری طرح تڑپا۔ اس کی پیٹھ میں سے خون کی دھار بہنے لگی۔ تو گراش نے جلدی سے میرا بازو تھام لیا اور دیو پیکر کرشاسا نے اپنی تیز نظریں تو گراش کے چہرے پر گاڑ دیں۔

تو گراش کرشاسا کی کڑی اور بے رحمانہ نظروں کی تاب نہ لا سکی اور اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"بس کر۔" کرشاسا نے اپنی گرج دار آواز میں جلاد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اسے مُردہ نہیں، بلکہ زندہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اسے تڑپانے کا وقت مل سکے اور یہ اس بات کی کوشش کرے کہ آئندہ اسے تڑپانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

کرشاسا کے حکم پر جلاد نے مٹکی سے بندھے ہوئے آدمی کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وہ کسی بے جان جسم کی طرح نیچے گر پڑا۔ لیکن وہ مُردہ نہیں تھا۔

"اسے اندر لے جاؤ۔" کرشاسا نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کرتالا سے کہو کہ اس کے زخموں پر دوا لگائے اس وقت تک فصلیں تیار ہونے والی ہیں اور مجھے کام کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔"

پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "ہاں اب بتا کہ تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اس خوبصورت عورت کو کہاں سے بھگا کر لایا ہے؟"

"میں اس عورت کو کہیں سے بھگا کر نہیں لایا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "یہ میری بیوی ہے اور اس کا نام تو گراش ہے۔ میرا نام شادل ہے۔ اگر تمہیں میرے بیان کی اصلیت میں کوئی شک ہے تو تم خود اس عورت سے پوچھ سکتے ہو۔"

"خیر چھوڑ اس بات کو، یہ بتا کہ تو آیا کہاں سے ہے اور کیوں آیا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"ہم دونوں لاتاق کی بستی سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ایک ہی جگہ رہتے رہتے اکتا گیا تھا اور اب کسی نئی جگہ جانا چاہتا تھا۔"

"تو لاتاق سے آیا ہے۔" کرشاسا نے حیرت سے کہا۔ "تو وہاں کی حکومت کا باغی تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو تم مجھے پناہ نہیں دے سکو گے کیونکہ گاوت کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔"

"میرا کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "میں تو ایک محنت مشقت کرنے والا آدمی ہوں۔ لاتاق میں بھی میں محنت کرتا تھا اور یہاں بھی محنت کروں گا۔"

"کیا کیا کام کر سکتا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"محنت مشقت والے سارے کام کر سکتا ہوں، خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" کرشاسا نے کہا۔ "پھر تو یہاں رہ سکتا ہے۔ فی الحال تو اور تیری عورت کنزال کے مکان میں رہو گے اس کا مکان کافی بڑا ہے اور اس بڈھے کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے۔ ابھی تو چلا جا، کل صبح سے تجھے کام پر لگا دوں گا۔"

کرشاسا نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ مجھے اور میری بیوی کو کنزال کے گھر لے جائے اور کرشاسا کی جانب سے اُسے حکم دے کہ وہ ہم دونوں کو اپنے گھر میں ٹھہرنے دے۔ میں اور تو گراش اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چھوٹے سے گاؤں میں ہماری آمد کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ مجھے اور تو گراش کو دیکھنے کے لیے اِدھر اُدھر کھڑے ہو گئے تھے۔

جو آدمی ہمارے ساتھ جا رہا تھا اس نے راستے میں مجھ سے پوچھا۔ "شادل، تمہارے جسم کی رنگت سنہری کیوں ہے؟ تمہارے بال بھی سونے کے تاروں کی طرح ہیں۔ میں نے آج تک سونے کا آدمی نہیں دیکھا۔ لیکن تم واقعی مجھے سونے کے آدمی نظر آتے ہو۔"

میں اس کے سوال کے جواب میں محض مسکرا کر رہ گیا۔

"مجھے تمہاری شخصیت نے بہت متاثر کیا ہے۔" اس شخص نے دوبارہ کہا۔ "اور اسی لیے میں تم سے دلی ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے کس نے تمہیں اس جگہ آنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ جگہ تمہارے جیسے لوگوں کے لائق نہیں ہے اور پھر تمہاری بیوی بھی اس قدر خوبصورت ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں۔" وہ شخص فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میرا مطلب صرف یہ تھا کہ یہاں کی زندگی بہت سخت ہے۔ زندہ رہنے اور روٹی حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ نہ جانے تم اتنی محنت کر بھی سکو گے یا نہیں۔"

لیکن میں صاف طور پر سمجھ رہا تھا کہ اس کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اس کی زبان پر مصلحت اور خوف نے مہر لگا دی تھی۔ بہرحال مجھے اس بات کی کیا فکر تھی؟ اس شخص نے اپنا نام ٹلا بتایا اور یہ کہا کہ وہ کرشاسا کے خاص آدمیوں میں سے ہے اور میں اگر کبھی اپنے آپ کو کسی مشکل میں پاؤں تو اس سے رجوع کروں۔ وہ حتی المقدور میری مدد کرنے میں کوشش کرے گا۔

ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کنزال کے گھر تک پہنچ گئے۔ کنزال ایک بوڑھا آدمی تھا اور ایک بڑے سے نیم پختہ جھونپڑے میں تنہا رہتا تھا۔ اس جھونپڑے میں کافی جگہ تھی اور میں اور تو گراش اس میں آرام سے رہ سکتے تھے۔ ٹلا کا ہم دونوں کو کنزال کے حوالے کر کے اور اسے کرشاسا کا حکم پہنچا کر چلا گیا۔ کنزال ہم دونوں کو ساتھ لیے جھونپڑے کے اندر چٹائی کے فرش پر بیٹھ گیا۔

"چاند کی کرنوں سے بنے ہوئے انسان تم اس آسمانی حور کو لے کر اس وحشت کدے میں کہاں سے آ گئے؟ آج ہی رات کو چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کرشاسا سے کہہ دوں گا کہ تم رات کو تم اپنی بیوی کے یہاں سے نکل گئے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا اس جگہ انسان نہیں رہتے؟ آخر اور بھی تو بہت سے لوگ یہاں رہ رہے ہیں؟"

"رہ رہے ہیں لیکن جانوروں کی طرح۔" کنزال نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کرشاسا ایک نہایت ظالم اور خونخوار انسان ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں سے جان توڑ مشقت لیتا ہے اور جب سہانی ہوئی فصلیں تیار ہو جاتی ہیں تو وہ سب اس کے قبضے میں چلی جاتی ہیں۔ محنت کرنے والوں کو صرف اس قدر ملتا ہے جو بمشکل ان کے اور ان کے بیوی بچوں کے گزارے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ زرزار اسی غلطیوں پر کرشاسا انسانوں کے جسموں کی کھال ادھڑوا دیتا ہے۔ اسے انسانوں سے ذرا بھی محبت نہیں۔ اور پھر سب سے زیادہ خراب بات یہ ہے کہ گاؤں کی کوئی عورت اس کی نظر سے محفوظ نہیں۔ کتنی ہی عورتوں نے شرم سے خودکشی کر لی۔ لیکن کرشاسا پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تمہاری عزت بھی خطرے میں ہے۔" اس نے تو گراش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ کنزال۔" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کرشاسا تو ایک ہی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دس بارہ یا بیس پچیس لال سے کچھ زیادہ کا رندے ہوں گے لیکن گاؤں میں موجود مردوں کی تعداد کم از کم سو ڈیڑھ سو تو ضرور ہو گی۔ کیا یہ سب کے سب مل کر کرشاسا کے مظالم سے نجات حاصل نہیں کر سکتے؟ اگر سارے لوگ متحد ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔"

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کرشاسا کے خلاف بغاوت کر دینی چاہیے۔" کنزال نے بھنویں سکیڑ کر مجھے گھورا۔

"ہاں، میں بالکل یہی کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"کاش ایسا ہو سکتا!" کنزال نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "تم مجھے یہاں سے بھگانے کی کوشش مت کرو۔ میں اس گاؤں کے لوگوں کے لیے رحمت اور آزادی کا پیغام بن کر آیا ہوں۔"

"تمہارا غیر معمولی رنگ روپ تمہارے اس دعوے کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔" کنزال نے کہا اور پھر وہ ہم لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے جھونپڑے کے ایک کمرے میں جو خالی پڑا تھا، چٹائی کے آرام دہ بستر لگا دیے اور خود دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

تنہائی اور اطمینان کا موقع ملتے ہی تو گراش نے سہمی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔ "شادل، یہاں سے چپکے سے نکل چلو۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ یہ شخص تو ہم لوگوں کے لیے گاوت اور میرے بابا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے ہمارا یہاں کیا حشر ہو۔ میں یہاں بالکل نہیں رہنا چاہتی۔ اف، کرشاسا کی شکل کس قدر خوفناک ہے، کس قدر غلیظ اور مکروہ انسان ہے وہ!"

"تمہیں ذرا برابر بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کرشاسا جیسے غلیظ چہرے کی کیا مجال جو تمہیں ہاتھ بھی لگا سکے۔ تم خود کو بالکل محفوظ سمجھو۔"

"لیکن شادل، جب تم کام پر چلے جاؤ گے اور میں اس گھر میں اکیلی ہوں گی تو اس وقت میں کس طرح خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہوں؟ تمہاری عدم موجودگی میں کرشاسا میرے ساتھ کوئی بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر تم اس کے ٹکڑے بھی کر ڈالو گے تو اس کا کیا فائدہ ہو گا؟"

تو گراش کی بات بالکل صحیح تھی۔ میں نے معاملے کے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن فوراً ہی اس کا حل بھی میری سمجھ میں آ گیا۔

"میں جب کام کرنے جاؤں گا تو تم تنہا گھر میں نہیں رہو گی۔" میں نے کہا۔ "تم میرے ساتھ جاؤ گی اور میرے ساتھ ہی واپس آؤ گی۔"

تو گراش میری اس بات سے وقتی طور پر تو خوش ہو گئی لیکن اس کے دل میں جو دہشت سما گئی تھی، اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تاہم میں نے اسے دلاسا دیا اور ہم دونوں سو گئے۔

رات کو کسی وقت ایک عجیب و غریب شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ تو گراش بھی جاگ گئی تھی۔ کمرے میں مجھ چراغ کب کا بجھ چکا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ نیند سے بیدار ہونے کے فوری بعد تو ہم دونوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ باہر کیا شور ہو رہا ہے۔ چند منٹ بعد ہمیں یہ احساس ہوا کہ باہر ایک زبردست طوفانِ باد و باراں گرج رہا ہے۔ ہواؤں کے جھکڑ طوفانی رفتار سے چل رہے تھے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی۔ لیکن کنزال کا چھپر

اس قدر عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا کہ اس میں کہیں سے پانی کی ایک بوند بھی اندر نہیں آرہی تھی۔

"بہت زور کا طوفان آیا ہوا ہے۔" توگرداش نے مجھ سے کہا۔

"ہاں، بڑی تیز بارش ہو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کرّال بھی ضرور ہوش رہا ہوگا۔"

ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ جھونپڑے کے دروازے کے باہر ایک نہایت ہی خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی جس نے نہ جانے کتنے سننے والوں کے دل دہلا دیے ہوں گے۔

"شادلا، کیا تم جاگ رہے ہو؟" بیرونی کمرے سے کرّال کی آواز سنائی دی۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں کرّال۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ دھماکا کس چیز کا تھا؟"

"اپنے کمرے سے باہر آؤ۔" اس نے کہا۔ "ہم دونوں دروازہ کھول کر دیکھیں گے۔ شاید کوئی مکان گر پڑا ہے۔"

میں اور توگرداش اپنے کمرے سے نکل کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے دروازہ کھول کر بیرونی کمرے میں آگئے جہاں کرّال ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔ ہم تینوں دروازے کے پاس آئے اور کرّال نے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے کو جو اندر سے بند تھا کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی پانی کی تیز بوچھار نے ہم لوگوں کو بھگو دیا۔ ہم گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد شور کی آواز بھی دوگنی ہوگئی۔ چراغ کی مدھم روشنی میں جھونپڑے کے آگے کسی چیز کا دیوہیکل انبار جیسا نظر آرہا تھا۔

اچانک آسمان پر بجلی کی بے قرار لہر تڑپتی ہوئی دکھی۔ ایک لمحے کے لیے ساری فضا تیز روشنی سے منور ہوگئی۔ اس روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت جھونپڑے کے دروازے کے عین سامنے اس طرح گرا ہوا ہے جس سے جھونپڑے کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ جس وقت میں اور توگرداش جھونپڑے میں آئے تھے تو شاید ہم نے جھونپڑے کے باہر لگے ہوئے تناور درخت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب ہماری نظروں کے سامنے وہ درخت زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

"وہ یہ برسوں پرانا رفیق آج مجھ سے جدا ہوگیا۔" کرّال نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولا۔ "یہ درخت میں نے اس وقت لگایا تھا جب میری عمر دس سال کی تھی۔ اب میں ساٹھ برس کا ہوں۔ یہ میرا پچاس سال پرانا رفیق تھا جو آج ساتھ چھوڑ گیا۔"

"اور اگر تمھارا یہ دیرینہ رفیق جھونپڑے کی چھت پر گرتا تو؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تو شاید وہ اپنی زندگی ختم کرنے کے ساتھ میری زندگی کا بھی خاتمہ کر دیتا۔" کرّال نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"تمھارے جھونپڑے میں اندر پانی بالکل نہیں آتا۔" میں نے کہا۔

"میں اس کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دیتا ہوں۔" کرّال نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "دراصل یہ مکان میرے باپ نے تیار کروایا تھا اور اس نے اس کی تعمیر میں بڑی محنت کی تھی۔ وہ ایک ماہر معمار تھا۔ میرے علاوہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے اس مکان میں اتنی گنجائش رکھی تھی کہ جب میں بڑا ہو جاؤں اور میری شادی ہو جائے تو میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس میں رہ سکوں۔"

"تمھارے بیوی بچے کہاں ہیں؟" میں نے محتاط انداز میں کرّال سے سوال کیا۔

"سب مر گئے۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ان دنوں بستی میں اچانک ایک عجیب و غریب بیماری پھوٹ پڑی۔ تقریباً آدھی سے زیادہ آبادی اس کا شکار ہوگئی۔ میری بیوی اور دونوں بچیاں بھی مر گئیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری عمر صرف پینتیس سال کی تھی۔ تب سے میرا دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہوگیا اور میں نے لوگوں کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔ اس گاؤں کے سارے لوگ میری عزت کرتے ہیں اور اپنے نجی معاملات میں مجھ سے مشورہ لیتے ہیں۔ کرشا بھی میرا خیال رکھتا ہے اور تھوڑا بہت میرے بڑھاپے کا خیال رکھتا ہے لیکن میں خود ہی اس سے دُور دُور رہتا ہوں اور اس کے کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میں اسے ظلم اور گناہوں سے نہیں روک سکتا۔ اس معاملے میں میں مجبور ہوں۔"

باہر بارش کی زور دار دستک جاری تھی۔ اس طوفانی شور میں سونا مشکل تھا۔ ہم تینوں باہر والے کمرے میں بچھے ہوئے بستر پر بیٹھ گئے۔ اور کرّال مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے پُرلطف اور دل چسپ واقعات سناتا رہا۔ وہ ایک بڑا باتونی شخص تھا لیکن اس کی باتوں میں خلوص تھا، سچائی تھی اور گہری اپنائیت کا احساس تھا۔

رفتہ رفتہ طوفان کی شدت میں کمی آتی گئی۔ ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا اور بارش بھی کافی ہلکی ہوگئی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی۔ ہم لوگ اپنے اپنے بستروں پر جا کر سو گئے۔

علی الصباح ہماری آنکھ کھلی۔ میں اور توگرداش بیرونی کمرے میں آگئے۔ کرّال بھی بیدار ہو چکا تھا اور جھونپڑے کا دروازہ کھولے حیرت سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں میں نے اور توگرداش نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کئی فٹ چوڑے تنے والا درخت اس طرح زمین پر گرا ہوا تھا کہ اس کے تنے اور بہت موٹی موٹی شاخوں نے جھونپڑے کا دروازہ بالکل روک دیا تھا۔ اب ہم میں سے کوئی بھی اس وقت

جھونپڑے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا جب تک کہ درخت کو وہاں سے ہٹا نہ دیا جائے یا کلہاڑیوں سے اس کی شاخیں کاٹ کے راستہ نہ بنایا جائے۔ اب ہمیں لوگوں کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" کرّال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے اس دیرینہ رفیق نے میرے باہر نکلنے کی راہ روک لی ہے۔ اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میرا مکان بستی کے آخری سرے پر ہے اور باقی مکانوں سے کافی دور ہے۔ تھوڑی دیر بعد ادھر سے گزرنے والے گاؤں والوں کو گرے ہوئے درخت کو دیکھ کر ہی بہت سے افراد کی ضرورت پڑے گی۔ تبھی بہت سے لوگوں کے ذریعے اسے ہٹایا جا سکے گا۔"

"لیکن ہے اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے گرے ہوئے درختوں کی شاخوں کو ادھر اُدھر ہٹانے لگا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" کرّال نے میری کوشش کو احمقانہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "درخت کے ہٹے بغیر راستہ صاف نہیں ہوگا۔"

لیکن میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور شاخوں کو ہٹاتا ہوا تنے کے گرے ہوئے تنے کے پاس پہنچ گیا جس کی اونچائی اس جھونپڑی کمرے کے برابر تھی۔ میں نے اپنے دونوں قدموں کو مضبوطی سے نمدار زمین میں جمایا اور تھوڑا سا جھک کر دونوں ہاتھ تنے پر رکھ دیے۔

"اوہ!" کرّال کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کیا تم اس درخت کو ہلانے جلانے کی کوشش کر رہے ہو؟ یا شاید یہ اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ اسے ہٹانے کے لیے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ تو میں تمھیں بتا دوں کہ کم از کم تیس آدمی مل کر اسے اس کی جگہ سے ہٹا سکتے ہیں۔"

لیکن موٹی شاخوں اور ہزاروں پتوں کے زمین پر گرنے سے جو زبردست قسم کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور وہ دیوہیکل درخت اپنی جگہ سے آگے بھاگنے لگا۔ میرے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ ساتھ ساتھ پورا درخت بھی آگے بھاگ رہا تھا۔

کرّال بھاگتا ہوا آیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر گھٹنے ہوئے درخت پر ڈالا اور دوسری نظر مجھ پر۔ اس کے سامنے اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ میں نے اس کی حالت دیکھ کر مسکرا دیا اور میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اب حیران و ششدر کرّال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور بہزاد سے مجھے اور توگرداش ہم دونوں کے پیچھے توگرداش چلی آرہی تھی۔

میں نے درخت کو جھونپڑے کے دروازے سے کافی آگے ہٹا دیا اور دروازے کا راستہ بالکل صاف ہوگیا۔ میں نے درخت کے تنے سے ہاتھ ہٹائے اور تن کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"تم... تم کون ہو شادلا؟" بوڑھے کرّال کے منہ سے مشکل یہ ادا ہو سکے۔ "تم نے تنہا تیس آدمیوں کا کام کیسے کر لیا؟ تمھارے جسم کے اندر اس قدر بے پناہ قوت کیسے آگئی؟ تم یقیناً کوئی غیر معمولی انسان ہو۔ ایسے نہیں ہو سکتے۔" اس نے گردن ہلائی۔

توگرداش کو اگرچہ میری بہادری کا علم تھا اور وہ میرے ان کارناموں سے بخوبی واقف تھی جو میں نے اتاق کی بستی میں انجام دیے تھے لیکن اس نے بھی اپنی آنکھوں سے میری طاقت کا اس قدر شاندار مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی حیرت کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تمھارے جسم کی رنگت دیکھ کر ہی یہ شبہ ہوا تھا کہ تم کوئی منفرد قسم کے انسان ہو۔ لیکن اب تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ تم انسان ہو بھی یا نہیں۔ مجھے بتاؤ شادلا تم کون ہو؟" اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"میں تمھاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، جیسا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہرگز نہیں۔" کرّال نے جواب دیا۔ "تم ضرور شادلا کا انسانی روپ ہو اور تمھیں آسمانوں سے بھیجا گیا ہے تاکہ تم اس بستی کے لوگوں کو کرشا سالے کے ظلم و تشدد سے نجات دلا سکو۔ تمھارا نام بھی شادلا ہے۔ یقیناً جو شادلا کی ہی ایک شکل معلوم ہوتا ہے۔"

"شادلا کون ہے؟" میں نے حیرت سے کرّال سے پوچھا۔

"شادلا عظیم ہے۔" بوڑھے کرّال نے عقیدت مندانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ نیکی، خیر اور امن کا دیوتا ہے اور کردیلا سے اس کی جنگ جاری رہتی ہے۔ کردیلا ظلم و تشدد، بدی اور فتنہ انگیزی کی قوت ہے۔ یہ قوت بھی مختلف انسانوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے اور چاروں طرف بدی کے بیج بوتی ہے۔ ظلم و ستم کے بازار گرم کرتی ہے اور لوگوں کو شدید ایذائیں پہنچاتی رہتی ہے جب کردیلا کے مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر شادلا نمودار ہوتا ہے۔ وہ بھی کسی انسانی پیکر میں نمودار ہوتا ہے اور زبردست قوتوں کا حامل ہوتا ہے۔ کردیلا کی قوت شادلا کی قوت کے مقابلے میں شکست کھا جاتی ہے اور انسانوں کے درمیان ایک بار پھر نیکی، خیر اور مسرت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کردیلا کبھی خاموش نہیں رہتا۔ وہ چپکے چپکے انسانوں کے دلوں میں اپنا گھر بناتا رہتا ہے اور پھر کسی نہ کسی شخص کی روح کو مکمل طور سے اسیر کر لیتا ہے اور پھر بدی اور ظلم کا پیکر بن کر انسانوں کو آزار پہنچاتا ہے۔ اور پھر جب مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو شادلا ایک بار پھر نمودار ہو جاتا ہے۔ کرشا ہمارے لوگوں کے درمیان کردیلا کی علامت ہے۔ ساری بستی کے لوگ اسے اسیس میں کردیلا ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس کے اور اس کے گرگوں کی موجودگی میں کبھی یہ لفظ نہیں استعمال کرتے۔ سب لوگوں کو ایک عرصے سے انتظار ہے کہ کبھی نہ کبھی شادلا کا ظہور ہوگا اور انھیں کردیلا کے ستم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔" کرّال اپنی بات ختم کر کے مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے عقیدت کی چمک تھی۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے بات کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔ "میں تو خود کو ایک انسان سمجھتا ہوں، اور بس۔"

"تم ٹھیک سمجھتے ہو عظیم شادلا۔ شادلا انسان کی اعلیٰ ترین

خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے جسم میں غیر معمولی توانائی موجود ہوتی ہیں۔ ہماری بستی کا پروہت لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اس بات کا اعلان کرتا تھا کہ کرشاسا کے بڑھتے ہوئے علم و تشدد کے باعث شادیلا کا ظہور اب قریب ہے۔ کرشاسا نے اسے کئی بار تنبیہ کی کہ وہ لوگوں سے اس قسم کی باتیں نہ کرے، لیکن بوڑھا پروہت کرشاسا کے طرزِ عمل سے بہت بیزار تھا اور اس نے اس کی ایک نہ سنی۔ کرشاسا پروہت سے ڈرتا بھی تھا، لیکن وہ اسے اپنی راہ کا پتھر بھی سمجھتا تھا چنانچہ اس نے اسے چپکے سے مروا دیا۔ پروہت کے مرنے کے بعد لوگوں کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ اب شادیلا کے ظہور کا وقت آپہنچا ہے۔" کزال نے سنجیدگی سے کہا۔

تو گراش حیرت آمیز خاموشی کے ساتھ ہم لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کے لیے یقیناً یہ انکشاف بڑا دل خوش کن تھا کہ اس کا شوہر نیکی کے دیوتا کا روپ ہے۔

"تم ہمارے لیے قابلِ تعظیم ہو۔" اچانک کزال میرے قدموں میں جھک گیا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھایا اور کہنے لگا۔ "دیکھو کزال، بچے اس درخت کو گھسیٹتے ہوئے کسی دوسرے شخص نے نہیں دیکھا ہے، تم یہ بات اپنی زبان پر نہ لانا ورنہ ساری بستی میں میرا تماشا بن جائے گا اور میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں۔" کزال نے جلدی سے کہا۔ "عظیم شادیلا کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہوگی۔ وہ جس وقت مناسب سمجھے گا، اپنے آپ کو منکشف کرے گا۔ میری زبان خاموش رہے گی، بالکل خاموش رہے گی۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

تو پروفیسر اس طرح میں بیٹھے بٹھائے کزال کی نظروں میں شادیلا بن گیا، جبکہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ شادیلا ہے کیا بلا ہے؟

کزال نے جلدی جلدی میرے اور تو گراش کے لیے نہایت عمدہ ناشتے کا بندوبست کیا۔ اور ابھی ہم لوگ ناشتا کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ کرشاسا کا ایک کارندہ مجھے بلانے کے لیے آگیا۔ وہ ایک بے حد تنومند اور خزانہ شکل کا آدمی تھا۔ اس نے اپنا نام ژونیت بتایا۔

"چلو شادل، تمہیں کرشاسا نے بلایا ہے۔" اس نے مجھ سے کہا۔

"وہ چاہتا ہے کہ تم آج ہی سے کام شروع کر دو۔"

"بے شک بے شک، میرے کوئی جواب دینے سے پہلے بوڑھے کزال نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "شادیل جتنی جلدی اپنا کام شروع کر دے اتنا اچھا ہے۔" ژونیت بالکل ہی نہ سمجھ سکا کہ کزال کے الفاظ کا اصل مفہوم کیا ہے۔

میں نے تو گراش سے کہا کہ وہ چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔

"لیکن تمہیں تو کام پر جانا ہے۔" ژونیت نے حیرت سے کہا۔ "کرشاسا تمہیں کسی کام پر لگائے گا تم اس عورت کو کہاں ساتھ لیے پھرو گے؟"

"میں جہاں کہیں بھی جاؤں گا میری عورت میرے ساتھ ہی جائے گی۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ژونیت نے مجھ سے الجھنے کے بجائے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ کرشاسا اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔"

"میں کرشاسا کو راضی کر لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ ضرور کرشاسا کو راضی کرے گا۔" اچانک بوڑھا کزال ایک بار پھر بیچ میں بول پڑا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔ "تم نے ان دونوں کو کھانا وغیرہ بھی کھلایا؟" ژونیت نے کزال کی بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"ہم لوگوں نے رات کا کھانا بھی اچھی طرح کھایا تھا اور ابھی ہم لوگ بھی کر چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

کزال اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے کوئی بھاری محنت کا کام نہیں کرتا تھا۔ اس کے پیر وہ ایک قریبی باغ میں درختوں سے نیچے گر جانے والے پھلوں کو چن کر جمع کرنے کا کام تھا۔

"آج میرا کام بھی خاصا بڑھ گیا ہے۔" اس نے ژونیت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رات کی طوفانی ہواؤں نے تو سارے ہی پھل گرا دیے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" ژونیت نے کہا۔ "آج تمہیں ٹوکریاں جلدی بھرنی اور خالی کرنی پڑیں گی۔ لیکن میں بڑی دیر سے ایک بات پر غور کر رہا ہوں اور وہ میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"وہ کیا؟" کزال نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ یہ درخت۔" اس نے گرے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے مکان کے دروازے کے عین سامنے لگا ہوا تھا۔ لیکن یہ گرنے کے بعد یہاں سے اتنی دور کیسے چلا گیا؟ مکان کے سامنے زمین پر ایسے نشانات ہیں گویا اس درخت کو گھسیٹ کر لے جایا گیا ہو۔"

"ہوا، میرے دوست ہوا۔" بوڑھے کزال نے ذرا دیدہ دلیری سے میری طرف دیکھتے ہوئے ژونیت کو جواب دیا۔ "ہوا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تمہاس معمولی درخت کی بات کر رہے ہو، ہوا تو بڑے بڑے بھاری پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔ رات کو جب درخت گرا تو تیز ہوا کے تھپیڑے اسے وہاں تک لڑھکاتے ہوئے لے گئے۔ ہوا بڑی ظالم چیز ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اپنا رُخ بدل لیتی ہے اور پھر سب کچھ بدل جاتا ہے۔"

کزال کے الفاظ میں چھپی ہوئی گہری معنویت کو میرے اور تو گراش کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا جاؤ شادل۔" کزال نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں اور تو گراش ژونیت کے ساتھ چل پڑے۔ کچے راستوں پر پھر کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے موٹے درخت گرے پڑے تھے۔ اور نالوں اور نشیبوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ دو ایک کچے جھونپڑے بھی زمین بوس نظر آئے۔ بارش نے کافی تباہی مچائی تھی۔

کرشاسا حسبِ معمول اپنے حواریوں میں گھرا ہوا بیٹھا تھا لیکن اس وقت وہ لوگ گھر کے صحن کے بجائے اندر ایک وسیع کمرے میں نشست جمائے ہوئے تھے کیونکہ صحن میں ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔

"اسے کیوں ساتھ میں لایا ہے؟" اس نے تو گراش کو میرے ساتھ دیکھتے ہی اپنی ڈراؤنی آواز میں چلا کر کہا۔ تو گراش لرز کر رہ گئی۔

"مجھے اس کو ساتھ رکھنے کی اجازت دو کرشاسا۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میری طرح یہ بھی اس بستی میں بالکل نئی ہے اور میرے بغیر پریشان ہو گی۔ ویسے اس کی وجہ سے میرے کام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ خاموش بیٹھی رہے گی۔"

"تُو ہے تو کیا ہوا؟" کرشاسا نے بھیانک انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔ "چند دنوں میں یہاں کی ساری باتوں سے واقف ہو جائے گی۔" کرشاسا کی نظریں جیسے تو گراش کے سارے جسم کو چھیدے ڈال رہی تھیں۔ اس کی ہنسی میں اس کے دوسرے ساتھی بھی شریک ہو گئے جن میں ژونیت بھی شامل تھا۔

میں اور تو گراش ژونیت کی رہنمائی میں گھر کے اندر داخل ہوئے۔ بہت وسیع اور کشادہ مکان تھا۔ ایک جانب کے حصے میں کمروں کی چھتوں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ ژونیت نے مجھے کام کرنے والوں کے پرد کر کے کرشاسا کا حکم انھیں سنا دیا۔

"تمہارا کام یہ ہو گا کہ تم ستونوں میں بھر بھر کر باہر سے مٹی لے آؤ۔" معماروں کے نگران نے مجھے کہا۔ "اگر تمہاری عورت چاہے تو اس کام میں تمہاری مدد کر سکتی ہے کیونکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اکیلی ہی کافی ہوں۔" میں نے تو گراش کو ایک محفوظ گوشے میں بٹھا دیا اور خود بڑا سا سلاسے کر مٹی لانے باہر چلا گیا۔ میں مٹی لا لا کر دے رہا تھا اور چھتوں پر مٹی کی تہہ بٹھائی جا رہی تھی۔ شاید یہ میرا ساتواں یا آٹھواں چکر تھا جب اچانک ایک معمر عورت ایک کمرے کے دروازے میں سے نکل کر آئی اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے رُکنے کو کہا۔ میں رک گیا اور وہ عورت میرے قریب آگئی۔

"تمہیں گبودہ بلا رہی ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔" عورت نے مجھ سے کہا۔

"گبودہ کون؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"گبودہ کرشاسا کی بیویوں میں سے ایک ہے۔" عورت نے جواب دیا۔ "اس نے اور کرشاسا کی دوسری بیویوں نے تمہیں کھڑکی میں سے دیکھا ہے۔"

"کرشاسا کی کتنی بیویاں ہیں؟" میں نے حیرت سے اس عورت سے پوچھا۔

"وہ ایک وقت میں پانچ سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتا۔" عورت نے جواب دیا۔ "جب وہ ان میں سے کسی سے اکتا جاتا ہے تو اسے گھر میں سے نکال دیتا ہے اور دوسری بیوی لے آتا ہے۔ ویسے اگر تم دل خوش کرنا تو اس بستی کی ہر ہستی کے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"لیکن گبودہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تو وہ خود ہی بتائے گی۔" اس نے کہا۔ "تم میرے ساتھ آؤ۔"

میں نے مٹی سے بھرا ہوا تسلا زمین پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے اور اس عورت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لے آئی جس میں سے وہ خود نکل کر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میرے ساتھ آنے والی عورت ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔

"تم کون سے دیس سے آئے ہو اجنبی مسافر؟" اس عورت نے مجھے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا یہ عجیب و غریب رنگ روپ تمہیں عام انسانوں کی صف سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ کیا تمہارے دیس میں بھی انسان سونے کے ہوتے ہیں؟"

"میں لاتاق کی بستی سے آیا ہوں اور میری بیوی میرے ساتھ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرے رنگ روپ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اسے بنانے میں میرا کوئی حصہ نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے کہا۔ "میں نے ابھی کچھ دیر پہلے تمہیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے مٹی لاتے لے جاتے دیکھا۔ میں تمہاری رنگت دیکھ کر دنگ رہ گئی اور میں نے چاہا کہ تم سے تمہارے بارے میں پوچھوں۔ میرا نام گبودہ ہے اور میں کرشاسا کی بیوی ہوں۔ کیا تمہاری بیوی بھی تمہاری طرح سونے کی بنی ہوئی ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟"

"میری بیوی تمہاری طرح ایک عام عورت ہے۔ اس کا نام تو گراش ہے اور وہ باہر بیٹھی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔"

"کیا وہ بہت حسین ہے؟" اس نے عجیب سا سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور میرے لیے تو بہت حسین ہے۔ اسی وجہ سے تو میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تمہیں کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم بے حد حسین ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور کرشاسا کم از کم اس حد تک تو خوش نصیب ہے کہ اس کی بیویوں میں تم جیسی خوبصورت عورت شامل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی باقی بیویاں کیسی ہیں؟"

"وہ سب کی سب عمر میں مجھ سے بڑی ہیں اور کوئی بھی مجھ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔" گبودہ نے کہا۔ "کرشاسا سب سے زیادہ مجھے ہی چاہتا ہے۔"

"میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں کہ تم کرشاسا جیسے آدمی کو برداشت کر لیتی ہو۔" میں نے کہا۔

وہ میری بات سن کر ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگئی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں لگا جیسے ہر طرف موتی بکھر گئے ہوں۔

"تم حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو۔" اس نے کہا۔ "اچھا اب تم جاؤ ورنہ تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ میں جلد ہی تم سے دوبارہ ملوں گی، لیکن اس گھر میں نہیں کسی اور جگہ۔"

میں نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل آیا۔ میں مشکل دو تین منٹ گبردہ کے پاس ٹھہرا ہوں گا لیکن اس مختصر سے عرصے میں میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے زندہ صحت شوہر کو بالکل پسند نہیں کرتی ہے۔ مگر میں اس وقت شادی شدہ نہ ہوتا اور تو گراش میری بیوی کی صورت میں موجود نہ ہوتی میں ضرور گبردہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتا اور اسے کرشاسا کے پنجے سے نکال لاتا لیکن میرا ایک اصول رہا ہے پروفیسر اور وہ یہ کہ میں نے اپنی کسی بھی بیوی سے کبھی بیوفائی نہیں کی ہے چنانچہ میں نے گبردہ کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

دو دن کے بعد مجھے زمین کا ایک بڑا سا ٹکڑا دے دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی زراعت کے لیے بیل بھی فراہم کر دیے گئے میرا اور تو گراش کا قیام کرال کے گھر میں ہی تھا۔ میں نے کھیت میں کام شروع کر دیا۔ گھر میں اب کھانا پکانے کا کام تو گراش نے سنبھال لیا تھا۔ وہ صبح ہی صبح کھانا تیار کر لیتی۔ ہم تینوں ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرتے اور پھر کرال اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور میں تو گراش کو ساتھ لے کر کھیت کی طرف چل دیتا۔ دوپہر کا کھانا ہم لوگ اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ مجھے اپنے کام میں بڑا لطف محسوس ہونے لگا تھا۔ میں ایک عام محنت کش کسان کی طرح زمین پر کام کرتا۔ ہاتھ زمین کا سینہ چیر کر اس کے خزانوں کو باہر نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا مجھے ہمیشہ پسند رہا ہے۔

کرال نے اس دوران مجھ سے کبھی کوئی خاص بات نہیں کی اس کا رویہ میری جانب بڑا اقتدس آمیز تھا۔ وہ اکثر ایک ہی فقرہ بار بار دہرایا کرتا تھا "شرزنیت شادیلا کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔" میں مطمئن تھا کہ وہ زیادہ فضول باتیں کر کے مجھے پریشان نہیں کرتا ہے۔

جس وقت میں کھیت میں کام کر رہا تھا، اس وقت تو گراش کھیت کے کنارے اُگے ہوئے ایک بڑے سے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی اور مجھے مشقت کرتے دیکھتی رہتی۔ میں نے کئی بار اس سے کہا کہ اتنی دھوپ میں اس کا یوں بیٹھے رہنا مناسب نہیں ہے لیکن وہ ہر بار مسکرا کر ٹال جاتی۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ وہ گھر جا کر آرام کرے۔ میں کھانا لے کر آجاؤں گا۔ اس نے کہا کہ وہ کھانا لے کر آئے گی۔ میں نے اسے منع کر دیا۔ اس کے بعد وہ کھانا لے کر نہیں آئی۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ بیمار ہو گئی ہے۔ میں نے کام روکا اور گھر کی طرف چل دیا۔ گھر پہنچا تو وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ بیمار ہے۔ اس نے کہا کہ وہ بیمار نہیں ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ پھر وہ کھانا لے کر کیوں نہیں آئی

ہاتھ صاف کیے اور اس کھانے کو کھانے سے پہلے دوبارہ بھننے جیسے ہیں پتے میں پھوڑ دینا پڑا تھا۔ گھوڑ سوار سارے کے پاس رک گئے۔ وہ چاروں کرشاسا کے کارندے تھے اور دھواں دھواں کھیتوں کے چکر لگاتے رہتے تھے ان سب کے ہاتھ میں لمبے لمبے کوڑے تھے۔

"ژونیت تو ادھر نہیں آیا۔" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"نہیں، ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ باقی لوگوں کے چہرے اس سوال پر فق ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی بولنے کے قابل نہیں تھا۔

"زخمی جانے کدھر نکل گیا۔" وہ شخص خود ہی خود بڑبڑایا۔ "کرشاسا اسے بلا رہا ہے اور اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔"

"جلدی جلدی کھانا ختم کرو اور اپنے اپنے کام سے لگو۔" ان میں سے ایک نے اپنا کوڑا لہراتے ہوئے کہا۔

"بس ہم اٹھنے ہی والے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ چاروں آگے بڑھ گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگوں نے ژونیت کی قبر پر اور مٹی ڈال کر اسے زمین کی سطح کے برابر کر دیا اور باقی بچی ہوئی مٹی کو دھواں دھواں پھیلا دیا۔ اب اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس جگہ کو کھودا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے کھیتوں سے آئے ہوئے کسان اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔ کاربت بھی چلا گیا چلتے وقت اس نے دوستانہ گرمجوشی کے ساتھ میرا ہاتھ دبایا۔ خوف اور دہشت کے غلبے کے باوجود اس کی آنکھوں میں ممنونیت کی گہری چمک موجود تھی۔

کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد وہی چاروں گھوڑ سوار جو کرشاسا کے کارندوں میں سے تھے ایک بار پھر میرے کھیت کے پاس آئے اور انھوں نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"ژونیت ادھر آیا تو نہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلا کر جواب دیا۔ "میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

دوسرا آدمی توگراش کو بڑی ندیدی نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں نے بے خوفی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور وہ ایک دم سنبھل گیا، نہ جانے اسے میری آنکھوں میں کیا نظر آیا کہ اس نے دوبارہ توگراش کی طرف نہیں دیکھا۔

"اچھا اگر اتفاق سے ژونیت ادھر آ نکلے تو اسے فوراً کرشاسا کے پاس بھیج دینا۔ اس سے کہنا کہ کرشاسا بہت دیر سے اس کی تلاش میں ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ اور وہ چاروں وہاں سے چلے گئے۔

شام کو کام ختم کر کے میں اور توگراش گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"شاید کیا تمھیں یقین ہے کہ اگر کرشاسا کو کسی طرح اس بات کا علم ہو جائے کہ تم نے ژونیت کو قتل کر دیا ہے تو تم اس کے عذاب سے خود کو محفوظ رکھ سکو گے؟"

"میں اس خبر کو پوشیدہ رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ کرشاسا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ میں نے ژونیت کا کیا حشر کیا ہے۔ لیکن وہ دوسرے لوگ بہت خوف زدہ ہیں اور میں محض ان کی وجہ سے خاموش رہا۔ میں کون کرشاسا کے بھتیجے سے الجھتا۔"

"لیکن جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو اب پورے زور و شور کے ساتھ ژونیت کی تلاش شروع کر دی جائے گی۔ کرشاسا کو فوراً ہی اس کی خبر پیش کر دی جائے گی ہے۔ اس کے نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے بعض لوگوں پر شبہ کرے اور انھیں بلاوجہ سزا نہیں دے؟" توگراش نے کہا۔

"ممکن ہے کہ ایسا ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "اس صورت میں ہم بھی بے گناہ کرکر شاسا کے ظلم کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔"

"کرنل ٹھیک ہی کہتا ہے۔" توگراش نے مسکرا کر کہا۔

"کیا ٹھیک کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ تم شادیلا جیسے نیکی اور سچائی کے دیوتا۔" توگراش نے فخریہ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہمارے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کرنال بھی آگیا اور ہم تینوں نے ہاتھ منھ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ہم کھانا ختم کر کے اٹھے ہی تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ کرنال نے دروازہ کھولا۔ باہر کرشاسا کا ایک کارندہ کھڑا تھا۔

"تم لوگوں میں سے کسی نے ژونیت کو تو نہیں دیکھا؟" اس نے یہاں کیا۔ "وہ آج دوپہر کے بعد سے نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ کرشاسا کی شدید ضرورت ہے اور وہ اس کی غیر حاضری سے سخت ناراض ہے۔"

"میں نے آج صبح اسے دیکھا تھا۔" کرنال نے جواب دیا۔ "وہ باہر میں آیا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں رکا۔ اس کے بعد سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

"اور تم نے؟" کارندے نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میری آج اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

کارندہ واپس چلا گیا۔ کرنال نے دروازہ بند کر لیا اور بولا۔ "ژونیت آخر کہاں جا سکتا ہے؟"

"وہاں، جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔" میں نے ملیشان سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" کرنال نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کرنال کہ ژونیت اس وقت میرے کھیت کے ایک دفن ہے۔ میں نے اسے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"واقعی؟" کرنال نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کرنال۔" میں نے کہا اور اسے پورا واقعہ سنا دیا۔ کرنال خاموشی سے میری بات سنتا رہا اور پھر بولا۔ "شادیلا عظیم ہے۔ اور جب عظیم شادیلا حرکت میں آجاتا ہے تو پھر کر دیتا کو روئے زمین پر کہیں پناہ نہیں ملتی۔ کرشاسا کا مقدر ہو چکا ہے۔" میں نے کرنال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا عظیم شادیلا کو یہ بات معلوم ہے کہ کرشاسا کے کسی کارندے

"ٹھیک ہے۔" میں نے مختصر لہجے میں جواب دیا۔ "اب میں چلتا ہوں۔" جب میں کارندے کی معیت میں کرشاسا کے پاس پہنچا تو وہ غصے کے مارے کمرے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ دس بارہ آدمی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے حیرت اور رنج کے آثار ہویدا تھے۔ کرشاسا کا چہرہ فرطِ غیظ سے سیاہ ہو رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تیرے کھیت کی زمین میں سے ژونیت کی لاش برآمد ہوئی ہے۔" کرشاسا نے خوف ناک بادل کی طرح گرج کر مجھ سے کہا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تمھیں کچھ معلوم ہے کہ یہ لاش وہاں کس نے دفن کی تھی؟" کرشاسا نے اسی لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے بھی اسی پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کیا کہا؟" کرشاسا اچھلتے اچھلتے ایک دم ٹھہر گیا اور میرے چہرے پر اس نے اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی تھی۔

"تو یہ کہنا چاہتا ہے۔" کرشاسا نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کہ تجھے معلوم ہے اسے کس نے قتل کیا ہے۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر بتاتا کیوں نہیں؟" وہ غصے میں چیخا۔ "تو جانتا ہے کہ اس کا قاتل کون ہے تو پھر تو اس کا نام کیوں نہیں لیتا؟"

"اس کا قاتل میں ہوں۔" میں نے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔ "میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے ہلاک کیا ہے۔"

"تو نے ژونیت کو قتل کیا ہے؟" کرشاسا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔"

"میری ژونیت سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے بلاوجہ محض یہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کیا تھا۔"

"تو نے ژونیت کو قتل کیا ہے؟" کرشاسا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔"

"میری ژونیت سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے بلاوجہ محض یہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کیا تھا۔"

"تو نے ژونیت کو قتل کیا ہے؟" کرشاسا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔"

"میری ژونیت سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے بلاوجہ محض یہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کیا تھا۔"

"تو نے ژونیت کو قتل کیا ہے؟" کرشاسا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔"

"میری ژونیت سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے بلاوجہ محض یہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کیا تھا۔"

"تو نے ژونیت کو قتل کیا ہے؟" کرشاسا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھ سے پوچھا۔ "لیکن تو نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔"

"میری ژونیت سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے بلاوجہ محض یہ کرنے کے لیے اسے ہلاک کیا تھا۔"

میں اطمینان سے کمرے میں بچھے ہوئے فرش پر لیٹ گیا۔ باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا بلکہ کرشاسا کی وسیع رہائش گاہ کا ہی ایک کمرہ اسی طرف کہیں قریب میں وہ کمرہ بھی واقع تھا جہاں گبودہ سے میری پہلی ہوئی تھی۔ میں فرش پر لیٹ کر یہ سوچنے لگا کہ نہ جانے کرشاسا نے توگراش کو کہاں چھپایا ہوگا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ توگراش بالکل محفوظ ہوگی کیونکہ جیسے خاص اعتماد اور دلجمعی سے اس نے مجھ کو ذمہ لیا تھا۔

میں اپنے خیالوں میں گم ہوگیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب تک گاؤں کے سارے لوگوں کو اس واقعے کی خبر ہوگئی ہوگی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ گاؤں کے اکثریت کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہوں گی لیکن وہ اپنے آپ کو مجبور پاتے ہوں گے۔ گاؤں کے پنچ میں کہیں الاؤ تیار کیا جارہا ہوگا۔ پھر دلیر پنچ پوچھو تو مجھے اس خبر سے خاصی خوشی ہوئی تھی کیوں کہ اس عمل آتش کو بہت دن گزر گئے تھے۔ ایک عرصے کے بعد مجھے پھر موقع مل رہا تھا۔ میں ابھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں ہی، اس گاؤں کے لوگوں کے سامنے اپنی حیرت انگیز قوتوں کا مظاہرہ کرکے انھیں حیران کرنا چاہتا تھا لیکن کیا کیا جائے حالات نے رخ ہی ایسا اختیار کرلیا کہ میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ ژونیت کی جارحیت اتفاقیہ تھی، اور یہ بھی اتفاق تھا کہ رات ہی کو اس کی لاش بھی قبر سے باہر آگئی اور پھر یہ بھی اتفاق کھیت میں میرے پہنچنے سے پہلے ہی کرشاسا کے کارندوں نے وہ لاش دریافت کرلی۔ اور اس بستی میں قتل کی سزا میں انسانوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں خود کو آگ کے حوالے کردوں۔

انھیں خیالات میں غلطاں جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ مجھے اس وقت اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اچانک کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے آہستہ سے ہلایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ہلکا سا اندھیرا تھا۔ میرے سامنے گبودہ کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چراغ تھا جس کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے جگایا تھا۔ میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا کوئی خطرہ ہے؟"

"نہیں، کوئی خطرہ نہیں ہے۔" گبودہ نے جواب دیا۔ "میں تمھارے لیے کھانا لائی ہوں۔ تم نے کل شام سے کچھ نہیں کھایا ہے۔"

"کرشاسا کو پتا چل گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، اسے پتا چل گیا ہے۔" گبودہ نے جواب دیا۔ "اس نے مجھے بلا کر تمھارے لیے کھانا بھیجا ہے۔"

"اور اس نے کیا کہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے کہا ہے کہ تم اس کے مہمان ہو۔ اس نے کہا ہے کہ تم اس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس نے کہا ہے کہ تم اس کے ساتھ سوؤ۔ اس نے کہا ہے کہ تم اس کے ساتھ ناشتا کرو۔ اس نے کہا ہے کہ تم اس کے ساتھ ہی یہاں سے جاؤ۔"

"اور توگراش کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"توگراش یہاں موجود نہیں ہے۔" گبودہ نے جواب دیا۔ "وہ کل شام کو ہی یہاں سے جاچکی ہے۔"

"جاچکی ہے؟" میں نے غضب ناک ہوکر پوچھا۔ "مگر کہاں؟ اور کیسے؟ اور کیوں؟" اس نے سوالات کی بوچھار کردی۔

"توگراش کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی جرأت نہ کرنا، بیوقوف انسان۔" میں نے غضب ناک استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لاشاق کے وزیر اعظم اندیشک کی بیٹی ہے۔ میں ژونیت کے قتل کے بعد اپنے انجام سے واقف تھا اور اس لیے میں نے اسے کل شام ہی اس کے باپ کے پاس روانہ کردیا ہے۔"

"کیا؟" کرشاسا نے غضب ناک ہوکر پوچھا۔ "مگر کیوں؟ کیا وجہ تھی؟"

"کیا بات کو چھوڑو۔" میں نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔ "اور تم نے توگراش کو جانے دیا؟"

"توگراش کے ساتھ گئی ہے؟" کرشاسا نے چلا کر پوچھا۔ "اس کے ساتھ کون گیا ہے؟"

"ایک نوجوان عورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ تمھارے غضب سے ڈر کر اندر چھپ گئی تھی۔ اور اسے راستہ معلوم ہے۔"

"غضب سے ڈر کر۔" کرشاسا نے جواب دیا۔ "لیکن تو مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں تیرے کارناموں کو بھلا دوں گا۔ تیرے ساتھ کوئی رعایت کروں گا۔ میں تجھے ایسی موت دوں گا کہ تو اس کے لیے ترسے

...ستے نہ آئیں۔ لیکن یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مقتول کی روح ...وقت تک چین نہیں ملتا جب تک اس قاتل کو سزا نہ مل جائے۔ ...جب اس قاتل پکڑا جاتا ہے اور اس کے لیے الاؤ تیار کیا جاتا ہے تو مقتول کی روح وہاں آموجود ہوتی ہے اور اس وقت تک وہیں رہتی ہے جب تک کہ قاتل کا جسم جل کر راکھ نہ ہو جائے۔"

"اور اگر مقتول کی روح قاتل کو معاف کر دے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو ___ تو ___" وہ شخص گڑبڑا گیا اور اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تو اس صورت میں اس قاتل کے جسم کو جلانے سے انکار کر دیتی ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہم نہیں۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اس گاؤں میں آج تک کئی قاتلوں کو آگ میں جلایا گیا ہے اور ان سب کے جسم راکھ کا ڈھیر بن گئے۔"

"ان مقتولوں نے انھیں معاف نہیں کیا ہوگا موٹے مینڈک۔" میں نے کہا۔

وہ شخص میرے اس انداز تخاطب پر سخت چراغ پا ہو گیا۔ "اگر الاؤ میں پھینکے جانے والے شخص پر ہاتھ اٹھانا منع نہ ہوتا تو میں تجھے اس بے ہودہ گوئی کا مزا ضرور چکھاتا۔" اس شخص نے میرے بازو کو کس کے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال کہ مجھے موٹا مینڈک کہے۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمھیں مینڈک کہنے کے بجائے موٹا چوہا بھی کہہ سکتا ہوں۔" اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور غصے میں مجھے گھور کر رہ گیا۔ ان چاروں نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا۔ میرے دونوں ہاتھ ملا کر پشت کی طرف لے جائے گئے اور انھیں میری کمر کے ساتھ رکھ کر کس کے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک موٹی سی رسّی شانوں سے ذرا نیچے دونوں بازوؤں کے گرد باندھی گئی اور ایک رسّی کمر سے باندھی گئی جس کا دوسرا سرا موٹے آدمی نے اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اب میرے ہاتھ بالکل ہی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ میری ٹانگیں آزاد تھیں۔

موٹے آدمی نے جس کے ہاتھ میں رسّی کا دوسرا سرا تھا کہنی جگر سے بھینچ دبے دبے کر رسّی کی مضبوطی کو آزمایا اور پھر وہ مجھے باہر لے چلا۔ دو افراد میرے دائیں بائیں چل رہے تھے اور چوتھا آدمی پیچھے تھا۔ اس طرح ہم ایک اسیر اور چار آزاد انسانوں کا چھوٹا سا قافلہ اس کمرے سے برآمد ہوا جہاں کچھ دیر پہلے میں اور گبوہ کیف ونشاط کی ناقابل بیان کیفیتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے اس کمرے پر آخری نظر ڈالی جس کے در و دیوار ہماری مشقتوں کے امین تھے اور اپنے محافظین کے ساتھ باہر نکل آیا۔

مکان میں کئی جگہ لوگ جمع تھے جن میں بہت سی عورتیں بھی شامل تھیں۔ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے ساتھ ہی وہ لوگ ہمارے پیچھے چلنے لگے۔ مکان کے قریب مجھے گبوہ نظر آئی۔ اس کے ...دو عورتیں اور تھیں جو شاید اس کی خدمت گار تھیں۔ ہمارے دروازے سے باہر نکلتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے آنے والے لوگوں میں شامل ہو گئے۔ میں نے ایک بار پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ چند لمحوں میں میری پرتجسس نگاہوں نے گبوہ کو تلاش کر لیا۔ وہ حزن و ملال کی تصویر بنی ہوئی آہستہ آہستہ ...لوگوں کے ساتھ میرے پیچھے آ رہی تھی۔

ہم لوگ مکان کے دروازے سے باہر نکل آئے اور ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ہمارا رخ بستی سے باہر کی طرف کو تھا۔ راستے میں جتنے لوگ بھی ملتے گئے وہ ہمارے پیچھے چلنے والے جلوس میں شامل ہوتے گئے یہاں تک کہ ہمارا یہ قافلہ بستی سے باہر ایک وسیع میدان میں پہنچ گیا۔ ایک طرف لکڑیوں کا ایک بڑا الاؤ دہک رہا تھا۔ اس کے شعلے کافی حد تک بلند تھے۔ الاؤ کے پاس کافی لوگوں کا مجمع تھا۔ ہم لوگ الاؤ کے پاس پہنچے ...کرشاسا۔ اس کے ساتھی اور بہت سے دوسرے لوگ وہاں ہمارے منتظر تھے۔ آگ کی گرمی واضح طور پر محسوس کی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ موجود لوگوں میں بوڑھا کزال بھی شامل تھا۔ ایک لمحے کے لیے میری اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ ہولے سے مسکرا اٹھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ تو گرائش خیریت سے ہے۔ وہاں موجود تمام لوگوں کے چہرے رنج و الم میں ڈوبے ہوئے تھے، سوائے کرشاسا اور اس کے خاص آدمیوں کے۔ وہ لوگ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ عام لوگ پریشان اور افسردہ تھے۔ ثروتیت ایک ظالم اور بدخو انسان تھا۔ کرشاسا کے دوسرے تمام کارندوں کی طرح اور اس کے مارے جانے کا کسی کو ملال نہیں تھا۔ لیکن میں ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ میں نے چند ہی دنوں کے اندر اندر ایک محنت کش کی حیثیت سے ان کے دلوں میں جگہ بنا لی تھی اور میری موت یقیناً ان کے لیے باعث ملال تھی۔ ان لوگوں میں کاربت بھی شامل تھا۔ اس کی آنکھوں سے سخت خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ اسے شاید یہ خدشہ لاحق تھا کہ میں نے قتل کی اس واردات میں اسے بھی ملوث کر دیا ہوگا۔ یا شاید آخر وقت میں میں گھبرا کر اس کا نام لے دوں۔ میں نے دانستہ طور پر اس کی جانب ایک نظر دیکھ کر دوسری طرف منھ پھیر لیا۔ اس سارے مجمعے میں، جو سیکڑوں مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا، صرف ایک شخص ایسا تھا جس کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون نظر آ رہا تھا۔ اور وہ تھا بوڑھا کزال۔ اسے یقین تھا کہ مجھے ہلاک نہیں کیا جا سکے گا۔ میں اس کی نظر میں شاید جو تھا نیکی اور بھلائی کی قوتوں کا دیوتا جو انسانی پیکر میں نمودار ہوا تھا اور مجھے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی تھی۔

"سن شادیلا۔" کرشاسا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو دنیا میں میرے عزیز ترین اور نہایت کارآمد ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ تو نے اسے ہلاک کیا ہے اور اس کی ہلاکت کے جرم کا خود ہی اقرار بھی کر لیا ہے۔ لہٰذا ہمارے آباء اجداد کے قدیم طریقوں کے

...تجھے زندہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر تو مرنے سے پہلے کچھ ...ہے تو کہہ دے۔ اگر تجھے اپنے کسی عزیز کے لیے کسی دوست ...کوئی پیغام دینا ہو تو دے دے۔ وہ اسے پہنچا دیا جائے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔" میں نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔ ...کزال، جو مجھ سے کافی دور تھا، بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب آنے ...لگا۔ اس کے ساتھ بستی کے پانچ چھ آدمی اور تھے جو جوان ...تھے۔ وہ سب کے سب میرے اور کرشاسا کے قریب آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" کرشاشا نے ناگوار انداز میں ان سے پوچھا۔ "تم میرے سر پر کیوں چڑھے آ رہے ہو؟"

"کوئی بات نہیں کرشاسا۔" کزال نے بے خوفی کے ساتھ جواب ...دیا۔ "بہت دنوں کے بعد یہ منظر دیکھنے کو مل رہا ہے اس لیے ہم اس قریب ...رہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ منظر تم جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔" کرشاسا نے مزاحیہ انداز ...میں جواب دیا۔ "تم چاہو تو خود بھی اس کے ہیرو بن سکتے ہو۔"

"نہیں مجھے کوئی ایسی تمنا نہیں ہے۔" کزال نے ہنستے ہوئے ...کہا۔ "بڑھاپے میں میں کسی کو کیا قتل کروں گا جب کہ جوانی میں میں نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

"ہاتھ اٹھانے کا حق صرف سردار کو ہوتا ہے۔" کرشاسا نے گمبھیر ...لہجے میں کہا۔ "سردار کو سب کا خون معاف ہوتا ہے۔ سردار کو یہ حق حاصل ...ہے کہ وہ بغاوت اور فتنہ انگیزی کرنے والوں کو قتل کر دے۔ اچھا ...بوڑھے بہت جاؤ۔ کام شروع ہونے والا ہے۔" اس کے ساتھ ...ہی وہ تھوڑا تھوڑا پیچھے سرک گئے۔

کرشاسا نے ان چار آدمیوں کو جو میری نگرانی پر مامور تھے، حکم ...دیا۔ "میرے قریب لے آؤ۔"

...نے اپنے جسم کو بالکل بے جان اور ڈھیلا چھوڑ دیا۔ انھوں ...نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ دو آدمیوں نے میری ٹانگیں کس کے ...پکڑ لیں۔ ظاہر ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں قسم کی مزاحمت نہیں ...کر رہا تھا۔ میری آنکھیں کرشاسا کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

کرشاسا نے ہاتھ سے کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ چار آدمی ایک لمبا ...سا تختہ لے کر آگے بڑھے۔ تختہ میرے برابر رکھ دیا گیا اور ان لوگوں نے مجھے ...تختے سے باندھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے مجھے سر سے پاؤں تک ...تختے کے ساتھ جکڑ دیا۔ اس طرح کہ میں اپنے جسم کو ذرا بھی ...حرکت نہ دے سکوں۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد وہ پھر کرشاسا کی طرف ...متوجہ ہوئے۔ کرشاسا نے دوسرا اشارہ کیا۔

...لوگوں نے مل کر تختے کو اٹھا لیا جس کے ساتھ میرا جسم بندھا ...ہوا تھا۔ انھوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ تختے کو دہکتے ہوئے الاؤ ...میں پھینک دیا۔ بہت سے لوگوں کے منھ سے چیخیں نکل گئیں۔

میں تختے سمیت الاؤ میں گرا۔ الاؤ میں گرتے ہی آگ کی جاں بخش حرارت میرے جسم سے مس ہوئی۔ لکڑیاں آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئیں اور تختہ میرے جسم سے الگ ہو کر الاؤ میں جلنے والی لکڑیوں کا ایک حصہ بن گیا۔ شعلے میرے جسم کے ایک ایک عضو کو جلا رہے تھے۔ میرے بدن کا ہر ہر مسام آگ کی دل نواز گرمی کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ میں نے لذت و سرور کی عجیب و غریب کیفیت میں ڈوب کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آگ میں لوٹنے لگا۔ میں بیتابانہ انداز میں انگاروں سے اپنے جسم کو مس کر رہا تھا۔ آگ مجھے نئی زندگی بخش رہی تھی۔ مجھ پر نشہ سا طاری تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ باہر مجمع ابھی منتشر نہیں ہوا ہے۔ بلکہ سب لوگ ویسے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ کسی کے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ مجھے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ الاؤ کے اندر لکڑیاں چٹخ رہی تھیں۔ ان کی آواز کے علاوہ باقی ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا جس وقت مجھے تختے سمیت آگ میں پھینکا گیا، اس وقت میں نے ایک نظر مجمعے پر ڈالی تھی۔ وہ نصویر ابھی تک میری ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یقیناً میرے اس دردناک انجام سے اس کو بہت دکھ پہنچا ہوگا۔ جس چاہت اور جوش و خروش کے ساتھ اس نے مجھے اپنایا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میری کمی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرے۔

شاید وہ لوگ گوشت کے جلنے کی خبر سُونگھنے کے منتظر تھے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور الاؤ میں سے جلتے ہوئے گوشت کی چراند نہیں نکلی تو شاید انھیں تشویش لاحق ہونا شروع ہو گئی ہوگی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان کی اس تشویش کو اب ختم کر دوں۔ ویسے بھی اب کافی دیر ہو چکی تھی اور میں حرارت اور توانائی کی بہت بڑی مقدار کو اپنے جسم کے اندر جذب کر چکا تھا۔ مجھے نئی زندگی مل گئی تھی۔ میری نس نس میں نیا خون موجیں مار رہا تھا۔ میں نے اچانک ایک چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے میں الاؤ سے باہر تھا۔

حیرت اور خوف سے سہمی ہوئی چیخوں کا ایک سیلاب تھا جو اچانک میرے چاروں طرف سے امنڈ پڑا۔ سیکڑوں لوگ الاؤ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑے تھے اور اس ناقابل یقین اور انوکھے واقعے نے انھیں اس قدر ششدر کر دیا کہ وہ جیسے اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے اور ان کے منھ سے عجیب و غریب بے ہنگم آوازیں نکلنے لگیں۔ کرشاسا اور اس کے ساتھی جو الاؤ سے سب سے زیادہ قریب تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔ اور پھر ایک عجیب و غریب بات ہوئی۔

بوڑھے اور ناتواں کزال نے اپنے حلق کی پوری قوت سے آواز بلند کی۔ "شادیلا۔" اس کے ساتھ ہی اس کے پاس کھڑے ہوئے ان لوگوں نے جنھیں وہ ساتھ لے کر آگے آیا تھا، نعرہ بلند کیا۔ "شادیلا۔" اور ان لوگوں نے آناً فاناً اپنی تلواریں کھینچ لیں اور کرشاسا اور اس کے ساتھیوں

پر حملہ کر دیا۔ کرشاسا اور اس کے ساتھی، جو اس حیرت ناک واقعے کے سوچنے کے لیے تیار نہیں تھے، اس اچانک اور انتہائی غیر متوقع حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ کئی کے کندھے پہلے ہی وار میں ہلاک ہو گئے اور ان کی گردنیں ان کے جسموں سے الگ ہو کر دور جا گریں۔ دو ایک گردنیں اچھلتی ہوئی الاؤ میں جا گریں۔

اس کے ساتھ مجمع میں جیسے ایک نئی اور انوکھی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، "شادیلا — شادیلا —— شادیلا، کردیلا کو مار دو —— کردیلا کو مار دو ——" اور سارا مجمع جیسے کسی جنون کا شکار ہو گیا۔ لوگ دیوانہ وار اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر کرشاسا اور ان کے خونی ٹولے پر پل پڑے۔ آناً فاناً کرشاسا کے سارے آدمی مار دیے گئے۔ انھیں ٹھیک سے مزاحمت کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ صرف کرشاسا زندہ بچ گیا تھا۔ اس نے اپنی بھاری بھرکم تلوار سنبھال لی تھی اور اپنے قریب آنے والوں پر حملے کرتا رہا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اپنے نہایت وزنی اور بھاری بھرکم جسم کے باوجود کرشاسا میں بہت پھرتی تھی اور وہ بڑی سبک روی کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اس نے ایک آدمی کا شانہ کٹی کر دیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو منع کر دیا کہ اس پر حملہ نہ کریں۔ سارے لوگ ٹھہر گئے۔ ایک شخص نے جلدی سے ایک چادر میری طرف بڑھائی

میں نے چادر اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور پھر تنہ کرشاسا کی طرف بڑھا۔

کرشاسا نہایت بیوقوف آدمی نکلا۔ مجھے آگ سے زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر اسے یہ بات یقیناً سمجھ لینی چاہیے تھی کہ مجھے ہلاک کرنا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ لیکن اس نے وحشیوں کی طرح تلوار سے میرے اوپر حملہ کر دیا اور پے در پے کئی زوردار وار کر ڈالے۔ تلوار میرے جسم سے ٹکرا کر اُچٹ گئی۔ لیکن کرشاسا نہ جانے کس امید پر میرے اوپر برابر وار کرتا رہا۔ میں نے تنگ آ کر اس کا تلوار والا ہاتھ پکڑ لیا اور میں اسے جھٹکا دے کر تلوار اس سے چھیننے ہی والا تھا کہ کسی جانب سے ایک سبک نیزہ حملے کے جھونکے کی طرح سنسناتا ہوا آیا اور کرشاسا کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ کرشاسا ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ اور اس کا نوابانہ جسم بے آب کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ نیزہ بڑی طرح اس کی پشت میں گھسا ہوا تھا۔ کسی بھی شخص نے آگے بڑھ کر نیزہ نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی بھی کرشاسا کی مدد کو نہیں آیا۔ البتہ کرنال نے آگے بڑھ کر اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اس کی گردن پر ایک بھرپور وار کیا اور اس طرح اسے اس اذیت ناک کیفیت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔

کرشاسا اور اس کے خونخوار ٹولے کے تمام افراد کی ہلاکت کے بعد مجمع میں جیسے جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ لوگ خوشی سے ناچ رہے تھے، اپنے حلق سے بے ہنگم آوازیں نکال رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ہر شخص میرے قریب آ کر مجھے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا۔ آگ میں تپ کر نکلنے کے بعد میرا جسم کندن کی طرح چمک رہا تھا اور میری رنگت اس قدر نکھر گئی تھی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ کرنال اور اس کے نوجوان ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا اور لوگوں کے ہجوم کی یورش سے مجھے بچایا۔

میں نے مسرت سے بھرپور مجمع کی طرف ایک نظر ڈالی۔ میری نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی وہ مجھے نظر آ گئی۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے جب مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اس پر پھول کھل اُٹھے ہوں۔

"بستی کے لوگو!" میرے کرنال نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے زور سے آواز لگائی۔ یہ خاموش ہو جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔" مجمع پر اچانک سکوت طاری ہو گیا۔ بے تحاشا بولتی ہوئی زبانیں تھم گئیں۔ ٹھہر کتے ہوئے قدم رُک گئے۔

"سنو دوستو!" کرنال کی آواز بلند ہوئی۔ "جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے، کردیلا کے مسلسل بڑھتے ہوئے مظالم جب اپنی انتہا کو پہنچ گئے اس کا سر کچلنے کے لیے آسمانوں سے شادیلا اترا آیا۔ شادیلا، جو نیکی، انسان دوستی کی قوت ہے۔ انسانی پیکر میں ہمارے سامنے آ چکا ہے اور تم نے دیکھا کہ اس نے کردیلا کو کس طرح اس کے گناہوں کی سزا دی ہے۔ وہ آگ میں سے زندہ سلامت نکل کر آ گیا اور اس نے کردیلا کو انسان دشمن حرکتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ دوستو، مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے شادیلا کو اپنے گھر میں رکھا، اسے اپنا مہمان اور میں نے ہی سب سے پہلے اسے پہچانا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آگ سے پھینکے جانے کے بعد بھی زندہ سلامت نکل آئے گا اور کرشاسا اس کے ساتھیوں کی زندگی آج شام کا سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے میں اپنے ساتھ چند نوجوانوں کو لے آیا تھا۔ کرشاسا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ اور شادیلا کے آگ میں سے زندہ نکلتے ہی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر میرے دوست کرشاسا کے آدمیوں پر حملہ نہ کرتے تو وہ لوگ بچ جاتے۔ نہیں، شادیلا اکیلا ہی اس کے لیے کافی تھا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اور میرے نوجوان دوستوں کو شادیلا کے ساتھ قدم ملا کر حرکت کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ دوستو، آج سے شادیلا اس بستی کا حکمراں ہو گا۔ کردیلا کے وسیع و عریض مکان میں اب شادیلا اور اس کی بیوی نوگراش کا قیام ہو گا۔ میں نے حفاظت سے چھپا رکھا ہے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھارو اور جشن مناؤ۔ شادیلا بھی اب گھر جائے گا۔ کل ساری بستی کے صبح کے وقت شادیلا کے مکان کے سامنے وسیع میدان میں جمع ہو جانا۔ اس وقت شادیلا انھیں ضروری ہدایات دے گا۔ شادیلا عظیم ہے۔"

"شادیلا عظیم ہے، شادیلا عظیم ہے۔" مجمع میں ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر شادیلا کی عظمت کا اعتراف کرنے

لگے۔ ان کے چہروں پر مسرتوں کے چاند سورج رقص کر رہے تھے۔

"میں عظیم شادیلا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اب اپنے مکان میں چلے اور سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر نئے منصوبوں پر غور کرے۔" کرنال نے مؤدب انداز میں مجھ سے کہا۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں کرنال کی ہدایات کا پابند ہوں۔ تاہم، میں نے اس بوڑھے کی باتوں کو بُرا نہیں مانا۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت میرے لیے بڑا عقیدت و احترام بنا ہوا تھا۔ اس کے نوجوان ساتھیوں نے تحسین سے چہرے فرحتہ مسرت سے دمک رہے تھے۔ مجھے اپنے نرغے میں لیے اور ہم لوگوں کا قافلہ اس مکان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کچھ دیر پہلے تک میں مقید تھا۔

مکان کے بہت سے محافظ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھے اور انھوں نے اپنا اپنی عظیم سنبھال لی تھیں۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر انھوں نے ہمیں جھک جھک کر تعظیم دی اور ہمارے لیے مکان کے دروازے کھول دیے۔

"میں اس بستی کا سب سے زیادہ معمر شخص ہوں۔" کرنال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم سب لوگ ایک کمرے میں اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ مجھے سب سے اونچی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔" جب کرشاسا نے آگ سے کئی سال پہلے بوڑھے پروہت کو قتل کروایا تھا تو اس پروہت نے مرنے سے پہلے مجھ سے یہ کہا تھا کہ جب شادیلا کا ظہور ہو گا تو اسے سب سے پہلے پہچاننے والا شخص میں ہی ہوں گا اور شادیلا میرے ہی گھر مہمان بنے گا۔ اس پروہت نے یہ بھی کہا تھا کہ عظیم شادیلا کو ایک مشیر کی ضرورت ہو گی اور ممکن ہے کہ میرے تجربے اور عمر کی بنا پر عظیم شادیلا مجھ کو اپنے خدمت کے لیے منتخب کرے۔ پروہت کی پہلی دو باتیں درست نکلی ہیں۔ اب اگر عظیم شادیلا مناسب سمجھے تو مجھے اپنا مشیر مقرر کرے۔ میرا یہ حکم ہے، میں بستی میں سے کئی دانش مندوں اور دانا ؤں کو لا کر اس کی خدمت میں پیش کروں گا۔ وہ ان میں سے جس کا چاہے، انتخاب کرے۔ عظیم شادیلا اپنے فیصلوں میں آزاد ہے!" اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

"آج سے تم میرے مشیر ہو۔" میں نے کرنال کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ کرنال نے ایک بار پھر میرے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے تشکر کا اظہار کیا۔

کرنال کے حکم پر کرشاسا کی پانچوں بیویوں کو میری خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان میں گبودہ بھی شامل تھی جو فرطِ خوف سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"یہ پانچوں کرشاسا کی بیویاں ہیں۔" کرنال نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ سب کی سب حسین اور دلکش عورتیں تھیں لیکن گبودہ ان سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ "عظیم شادیلا، ان کے مقدر کا فیصلہ کرنا ہے۔ اگر عظیم شادیلا چاہے تو انھیں آزاد کر دینے کی اجازت دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو انھیں اپنی بیویوں کے طور پر رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ مقتول سردار کی بیویاں ہیں اور فاتح سردار کا ان پر حق ہے۔"

"میری طرف سے یہ پانچوں عورتیں آزاد ہیں۔ جب تک ان کا جی چاہے یہ اس مکان میں قیام کریں اور جب چاہیں یہاں سے چلی جائیں۔ میری طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ جب بھی چاہیں دوسری شادی کر سکتی ہیں۔" میں نے ان خوفزدہ عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری اس بات سے ان کے چہرے کھل اُٹھے۔ ان سبھوں نے یہ کہا کہ وہ کچھ دن تک اسی مکان میں قیام کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔

کرنال مجھ سے اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو گیا اور جب وہ واپس آیا تو نوگراش اس کے ساتھ تھی۔ کرنال نے اسے بستی میں برپا ہونے والے انقلاب کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ رات میں جب اسے میرے ساتھ تنہائی کا موقع ملا تو اس نے بے تابانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا، "شادیلا، کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جلتی ہوئی آگ کے الاؤ میں پھینکے جانے کے بعد اس میں سے زندہ بچ آئے تھے؟ کرنال مجھے بتا رہا تھا، لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آیا۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ تمھارے اندر بے اندازہ طاقت ہے اور تم بہت بہادر ہو لیکن کوئی شخص آگ میں گرنے کے بعد جلنے سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟"

"کرنال نے جو کچھ کہا، وہ سچ ہے۔" مجھے نوگراش کے سامنے یہ اعتراف کرنا ہی پڑا، کیونکہ یہ بات اب اس سے چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ ساری بستی کے لوگوں نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ میں کس کس کو جھٹلا سکتا تھا!

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم واقعی دیوتا ہو۔" —— اس نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ "کرنال ٹھیک کہتا ہے، تم عظیم شادیلا ہو۔ نیکی اور مہربانی کے پیکر ہو۔ تم نے اتفاق سے بستی کے لوگوں سے نوگراش جیسے خام اور خونخوار مجرموں اور اس کی فتنہ پرور ملکہ ثمر خونہ کے شر سے نجات دلائی۔ تم ہی گبودہ کو اپنے ساتھ جنگل سے لے کر آئے اور اس کی خاطر تم نے جنگ لڑی۔ یہ گبودہ اور میرے بابا کی بدنصیبی تھی کہ ہوس اور خود غرضی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ تمھیں پہچان نہیں سکے۔ انھوں نے تمھاری قدر نہیں کی اور الٹا تمھاری جان کے درپے آزار ہو گئے۔ تم اگر چاہتے تو ان سب کو چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک سکتے تھے، مگر تم نے عالی ظرفی کا ثبوت دیا اور اس جگہ کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ میں دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہوں کہ میں دیوتا کی بیوی ہوں۔ مجھے اپنے سے کبھی جُدا نہ کرنا میرے دیوتا۔ میرے شادیلا —— عظیم شادیلا ——" نوگراش میرے سینے سے لگ کر بہت لمبی سانسیں لینے لگی۔

"سنو نوگراش۔" میں نے اس کی لمبی لمبی زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "تمھارے لیے میں کوئی دیوتا نہیں ہوں، ایک محبت کرنے والا آدمی ہوں۔ میں ہمیشہ تم سے اسی طرح محبت کرتا رہوں گا۔ تم مجھے دنیا کی ہر چیز سے

زیادہ عزیز ہو۔"

دوسری صبح کرشا ساکے گھر کے سامنے، جو اب میرا اور نوگراش کا گھر تھا، بستی کے سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے۔ یہ لوگ میرے لیے طرح طرح کے تحفے لے کر آئے تھے۔ ان میں بار بھنوں سے لے کر قیمتی زیورات تک شامل تھے۔ میں نے ہار، پھولوں کے علاوہ اور کوئی بھی نذرانہ نہیں کرنے سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ آئندہ کوئی شخص میرے لیے کسی قسم کا بھی نذرانہ نہ لے کر آئے۔

میں نے اپنے جن نئے فیصلوں کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا، انھیں سُن کر وہ ششدر سے رہ گئے۔ میں نے کہا کہ آج سے ہر شخص خود اس کھیت کا مالک ہے جس میں وہ کام کرتا ہے۔ وہ تمام پیداوار کا بھی مالک ہوگا۔ البتہ اس میں سے ایک مقررہ حصہ نکال کر وہ بستی کے یک مشترکہ ذخیرے میں جمع کروے گا۔ اس ذخیرے میں جمع ہونے والے اناج، پھلوں اور میووں کو دوسرے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کیا جائے گا اور اس سے جو رقم حاصل ہوگی وہ ساری بستی والوں کا مشترکہ سرمایہ ہوگی۔ اس سے بیمار لوگوں کی مدد کی جائے گی اور دوسرے فلاحی کام انجام دیے جائیں گے۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ میں حسب سابق ایک عام محنت کش کی حیثیت سے ہی کھیت میں کام کرتا رہوں گا جس میں میں اب تک کام کرتا رہا تھا۔ لوگ ان باتوں کو سُن کر خوشی سے جھوم اُٹھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ دل لگا کر محنت کریں اور اپنی بستی کو جنت کا نمونہ بنا دیں۔ ان کی محنت کا پھل اب خود انھی کو ملے گا۔

کرال کو میری یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ایک عام کسان کی حیثیت میں کام کروں گا۔ اس نے دبے لفظوں میں مجھ سے کہا کہ یہ بات ایک سردار کے لیے اور ایک دیوتا کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کام کرے جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن کرال کھل کر میری مخالفت نہیں کر سکا۔ جب میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تو وہ بھی کم از کم خاموش ہو گیا کہ رعظیم شاہ یلا خود جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

گھوڑا دوست پارسا تمانی میں محبت ملتے آئی اور اس نے میرے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ میں نے اسے اٹھایا۔

"میں سمجھ گیا ہوں، اے عظیم شاہ یلا!" اس نے بہتے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "بھلا مجھے کیا معلوم تھا کہ تو دیوتا ہو؟ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں تو تجھ سے کبھی تخاطب کا حامل نہ سمجھتا۔"

"لیکن اب میں اپنی غلطی پر پشیمان ہوں، اے عظیم شاہ یلا! جو اللہ محمد دو قوتوں کا مالک ہے، جو یکتا و بے مثل ہے، جو یکتا کا بھی یکتا ہے، اس کا میں ایک معمولی سا گنہگار بندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو، عظیم شاہ یلا۔" لیکن مجھے اس کی عبادت و توقیر میں اپنی بقیہ زندگی تھا ہی اور نوگراش کی خدمت کرتے ہوئے گزار دوں۔ میں اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گا۔"

جب تک ہم وہاں رہے، وہ گھوڑا ہمارے ساتھ ہی رہا۔ اس نے نرمی سے اس کی

بقیدت، احترام اور پرستش کے گہرے جذبے کے باعث وہ اس قسم کی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میری اور نوگراش کی خدمت کر کے جو روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے، ویسے وہ زیادہ تر خدمت نوگراش کی ہی ہے، کیونکہ میں تو سارا دن گھر سے باہر رہتا تھا۔ میں عام کسانوں کی طرح زمین پر کام کیا کرتا تھا لیکن اب نوگراش کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ میری حفاظت کی غرض سے میرے قریب رہے۔ اب بھلا کسی خطرے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ نوگراش اطمینان سے گھر میں رہتی۔ البتہ دوپہر کا کھانا میرے لیے لے کر وہ خود آتی تھی اور ہم دونوں دوسرے کسانوں اور ان کی عورتوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔

کھیتوں میں ہل چلا کر ان کی مکمل طور پر صفائی کی جا چکی تھی۔ نئی فصل کی تیاریوں کا وقت آ گیا تھا۔ چند دن کے اندر اندر سارے کھیتوں کی گڑائی، کھاد پڑ گئی اور بیج ڈالنے کا کام شروع ہو گیا۔ سارے لوگوں کو اُمید تھی کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی فصل بہت اچھی ہوگی کیونکہ اس سال پچھلے سال سے زیادہ سخت محنت کی جا رہی تھی۔ فی سردار کام ایک سو چھ کھیت منصوبے کے تحت منظم طور پر کیا جا رہا تھا۔ سارے کھیتوں میں بیج ڈال دیے گئے اور پانی چھوڑ دیا گیا۔ چند روز بعد کھیتوں میں چھوٹے چھوٹے کلے نکل آئے۔ چونکہ بہت عمدہ تھا اور کھیتوں میں کھاد بھی خوب ڈالی گئی تھی، اس لیے کلے لمبے تواتا تھے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ کلوں کو دیکھ کر کسان بہت خوش تھے۔ بہت ہی کم بیج ضائع ہوئے تھے۔ ننھے پودوں کو تھوڑا تھوڑا پانی مل رہا تھا جو زیادہ تر گاؤں میں کھیتوں کے کنارے کھدے ہوئے کنوؤں سے حاصل ہوتا تھا۔ گاؤں کے قریب ایک چھوٹی سی خوبصورت ندی بھی موجود تھی جس کا پانی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور ٹھنڈا تھا۔ ندی کے کنارے عورتوں اور مردوں کے نہانے کے لیے الگ الگ گھاٹ بنے ہوئے تھے۔

کوئی دو ہفتے کی مدت میں کھیتوں میں اُگے ہوئے کلے اچھے خاصے لمبے ہو گئے اور کھیتوں میں دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ اب آئندہ ایک کوہ ہفتے میں بارش شروع ہونے والی تھی اور پھر اس کے بعد یہ ننھے کلے بڑے بڑے پودوں کی شکل اختیار کر لیتے اور ان میں اناج کی بالیاں جھومنے لگتیں۔ کسانوں نے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ صرف کنوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی کھیتوں میں دیا جا رہا تھا۔ اب قدرت کو اپنا کام کرنا تھا۔ بارش ہونے والی تھی۔

تین ہفتے گزر گئے۔ اس مدت کے دوران کسان کھیتوں کو کنوؤں کے ذریعے تھوڑا بہت سیراب کرتے رہے، لیکن بارش کے بغیر فصل نہیں تیار ہو سکتی تھی۔ رات دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ در و دیوار تپ رہے تھے، خشک سالی جگہ جگہ سے چیخ رہی تھی اور بارش کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ کھیتوں میں اُگے ہوئے ننھے پودے کمزور ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کی پتیاں آہستہ آہستہ مُرجھانے لگیں اور بارش کے بغیر ان کا مرجھانا یقینی تھا۔ سورج سارا دن آگ کے شعلے کی طرح دہکتا رہتا۔ لوگوں کے جسموں سے پسینے کی دھاریں پھوٹا کریں۔ آسمان کسی ویران اور بنجر میدان کی طرح صاف اور بے آب و گیاہ نظر آتا۔ بادلوں کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی اپنی جھلک نہ دکھاتا۔

شروع کے دنوں میں تو بستی کے باشندے اسی انتظار میں رہے کہ صبح یا شام بارش ہونے والی ہے، لیکن جب دن پر دن گزرتے رہے اور آسمان سے بارش کے بجائے سورج کی تیز کرنوں کی شکل میں آتشیں برچھیاں برستی رہیں تو لوگوں کو تشویش لاحق ہونی شروع ہوئی۔ اگر اگلے چند روز میں بارش نہ ہوئی تو فصلوں کا تباہ ہو جانا یقینی نظر آ رہا تھا۔ میں خود بھی اس صورت حال سے کافی پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی دو سالہ محنت اور منصوبہ بندی خاک میں ملتی نظر آتی تھی۔

اس دن صبح بھی صبح بستی کے سارے لوگ میرے گھر کے دروازے کے آگے جمع ہو گئے۔ میرے مشیر نوشے نے مجھے اطلاع دی کہ لوگ مجھ سے کوئی درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ میں گھر سے باہر نکلا۔ بستی کے دو بوڑھے آگے آئے اور انھوں نے میرے سامنے جھک کر کہا، "عظیم شاہ یلا کا اقبال بلند ہو، ہم تم سے یہ کہنے کے لیے آئے ہیں کہ تم ہماری جانب سے جوتا کرو کو جو ہار خ کا دیوتا ہے یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر اس نے بارش نہیں بھیجی تو ہماری فصلیں تباہ و برباد ہو جائیں گی، لوگ بھوکے مر جائیں گے۔ جوتا کر ہماری حالت پر رحم کرے اور جلدی سے بارش بھیج دے۔"

ان کی اس عجیب و غریب درخواست نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ تاہم مجھے ان سے یہ وعدہ کرتے ہی بن پڑا کہ میں بتاؤں گا کہ ان کا پیغام پہنچا دوں گا اور خود بھی جوتا کر سے کہوں گا کہ وہ جلدی سے بارش بھیج دے۔

لیکن ایک مہینہ پورا گزر گیا اور جوتا کر نے بارش نہیں بھیجی۔ تیز دھوپ بار بار جھلسا دینے والی گرمی نے سارے ننھے پودوں کو خشک کر دیا۔ کھیتوں میں ان کے سوکھے ہوئے ڈنٹھلوں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں بچا۔ پیاسی زمین کی زبان بالکل سوکھ کر جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ لوگ سارا دن کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھے ہوئے خالی آسمان کو تکا کرتے جہاں بے رحم آتشیں ستاروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میں خود بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔

برسات کا پورا موسم گزر گیا اور آسمان سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں گری۔ کنووں میں پانی کم ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے تالاب خود بخود خشک ہو گئے۔ ندی میں پانی بہت ہی کم رہ گیا۔ وہ آدھی سے زیادہ سوکھ چکی تھی۔ چراگاہیں ویران ہو گئیں۔ بہنے سے خالی زمین پر بھوکے مویشی ٹکریں مارتے پھرتے تھے۔ لوگوں کے چہروں سے خوشی رخصت ہو چکی تھی۔ ابد خضاؤں میں گھنگھرو بجنے اور شام کو رقص و سرود کی رنگین محفلیں برپا ہوتیں جو اس بستی کا طرۂ امتیاز تھیں اور جن میں میں خود بھی بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتا تھا۔

میں نے اور نوشے نے گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ مل کر غلے کے گوداموں کا جائزہ لیا۔ ابھی ہمارے پاس اتنا غلہ موجود تھا جسے احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جاتا تو وہ پوری بستی کے لیے اگلی فصل تک

کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ میں نے نوڑے اور گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ بستی کے سارے گھروں اور ہر گھر کے سارے افراد کی فہرستیں تیار کی گئیں اور ہر گھر کو دیے جانے والے غلے کی مقدار کا تعین کر لیا گیا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ غلہ ہر ہفتے دیا جائے گا۔

میں ان انتظامات سے خاصا مطمئن تھا اور مجھے اُمید تھی کہ غلے کی موجودہ مقدار اگلی فصل تک کے لیے کافی ہو جائے گی۔ لیکن ایک سوال، برابر میرے ذہن کو پریشان کیے جا رہا تھا اور وہ یہ کہ اگر اگلے سال بھی بارشں نہیں ہوتی تو؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بستی کے بزرگ کئی بار میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ بوتاکر کو کسی طرح راضی کروں کہ وہ بارش بھیج دے۔ میں نے انھیں ٹالنے کے لیے یہ کہا کہ بوتاکر میرا پابند نہیں ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ جب اس کی مرضی ہو گی تب وہ بارش بھیجے گا۔

آہستہ آہستہ گرمی کی شدت میں کمی ہونے لگی۔ خشک اور جان لیوا موسم گرما کا اختتام قریب آگیا۔ دن چھوٹے ہونے لگے اور راتیں لمبی ہونے لگیں دیکھتے ہی دیکھتے جاڑے کے موسم نے ہر طرف اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ بستی پر ہر طرف ویرانی برسنے لگی۔ شام ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام گھروں کے دروازے بند ہو جاتے اور ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو جاتا۔ مویشیوں کے بولنے کی آوازیں بھی بہت کم سنائی دیتیں کیونکہ گھاس چارے اور پانی کی کمی کے سبب ان کی بڑی تعداد ہلاک ہو چکی تھی۔ بستی کے غلے کے گودام تیزی سے خالی ہو رہے تھے۔

سردیوں کا موسم بھی بالکل خشک گزرا۔ اس سے پہلے جب موسم سرما میں بھی اچھی خاصی بارش ہو جاتی تھی، لیکن اس بار آسمان سے ایک بوند بھی نہیں گری۔ البتہ رات کو گرنے والی اوس کے سبب زمین میں خاصی نمی پیدا ہو گئی اور اس کی خشکی ختم ہو گئی۔

کسی نہ کسی طرح بستی والوں نے جاڑے کا موسم گزارا اور موسم بہار کی آمد آمد ہوئی۔ کسان اپنے ہل بیل لے کر ایک بار پھر کھیتوں کی طرف چل پڑے۔ سوکھی ہوئی زمین میں مشکل سے جوار کا بیج بویا گیا۔ جھاڑ جھنکاڑ نکال کر باہر پھینکے گئے اور ایک بار پھر بیج بو دیے گئے۔ کنوؤں کا سچا کھچا پانی کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک ہفتے کے بعد کھیتوں میں ہرے ہرے پودے نمودار ہو گئے۔ لیکن پچھلے سال کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی اور وہ زیادہ صحت مند بھی نہیں تھے۔ گاؤں والوں کے دل مایوسی میں ڈوب گئے۔ پچھلی خشک سالی نے زمین کی ساری نمی چوس لی تھی اور اس مرتبہ فصل صرف اسی صورت میں پک سکتی تھی جب بہت زیادہ بارشیں ہوں۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ اس سال موسم کا مزاج کیسا رہے گا؟

برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ اور دن تیزی سے گزرنے لگے۔ آسمان مسلسل قہر برسا رہا تھا۔ دور دور تک کوئی بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آتا تھا۔ مایوسی کے عالم میں لوگوں کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اس سال بھی بارش کا دیوتا ان پر مہربان نہیں ہو گا۔ کھیتوں میں اُگنے والے ننھے پودے پانی کے بغیر ایک بار پھر مرجھانا شروع ہو گئے تھے۔

گاؤں کے بزرگوں کا ایک وفد میرے پاس آیا جس کی قیادت ایک بوڑھا کسان کر رہا تھا۔

"عظیم شادیلا کا اقبال بلند ہو۔" اس نے میرے سامنے پہنچتے ہی کہا۔ "عظیم شادیلا، ہمیں اجازت دو کہ ہم بوتاکر کے حضور خصوصی نذرانہ پیش کریں۔ بوتاکر ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے، اسی لیے اس نے پچھلے سال بھی بارشں نہیں بھیجی اور اس سال بھی وہ بارش بھیجنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس کو منانے کا بس ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ اس کے حضور خصوصی قربانی پیش کی جائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے پندرہ سال پہلے بھی بوتاکر ہم سے اسی طرح ناراض ہو گیا تھا۔ اس نے دو سال تک بارشں نہیں بھیجی۔ بستی والے قحط کا شکار ہو گئے۔ سارے مویشی مر گئے۔ لوگ جنگل کے پتے اور جنگلی پھل بوٹیوں کھا کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے اور تب گاؤں کے بڑے پروہت کے حکم پر بوتاکر کو نذرانہ پیش کیا گیا اور اس کے چند ہی روز کے بعد اس قدر شدید بارش ہوئی کہ ایک ہفتے تک سورج کی شکل ہی نظر نہیں آئی۔"

ہم نے بوتاکر کے حضور کیا نذرانہ پیش کیا تھا؟" میں نے اس بوڑھے سے پوچھا۔

"دو کنواری لڑکیوں کا خون۔" بوڑھے نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بوتاکر کو راضی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے لیے دو ایسی کنواری لڑکیوں کو قربان کر دیا جائے جو ایسے دن پیدا ہوئی ہوں جس دن بارشں ہو رہی ہو۔ بوتاکر اس قربانی کو قبول کر لیتا ہے اور بارش بھیج دیتا ہے۔ اس وقت بھی گاؤں میں ایسی دو کنواری لڑکیاں موجود تھیں جو بارش کے دن پیدا ہوئی تھیں اور خوش خوش ستی سے اس وقت بھی گاؤں میں ایسی دو لڑکیاں موجود ہیں جو ہم نے ان کے والدین سے بات کر لی ہے اور انھوں نے اس بات کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اب ہمیں تمھاری اجازت درکار ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" میری زبان سے اچانک نکل گیا۔ بوڑھا اور اس کے دوسرے ساتھی حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں بوتاکر کو راضی کرنے کی ایک بار پھر کوشش کروں گا۔" میں نے سنبھل کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ میری بات مان جائے اور ان لڑکیوں کی جان لینے کی ضرورت نہ پڑے۔"

"بوتاکر نے پچھلے سال بھی تمھاری بات نہیں مانی تھی۔" بوڑھے نے اخروٹی سے کہا۔ "اس سال بھی کوئی اُمید نہیں ہے کہ وہ تمھاری بات مانے گا۔ وہ ضرور ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے اور اس وقت تک بارش نہیں بھیجے گا جب تک کہ اس کے حضور قربانی پیش نہیں کی جائے گی۔ ہمیں اس کو اجازت دے دو عظیم شادیلا۔"

"میں تمھیں ابھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" میں نے ذرا رک کر کہا۔ "اس گاؤں میں بسنے والے ہر انسان کا خون بہت قیمتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے اس طرح آسانی سے بہا دیا جائے۔"

"لیکن یہ خون بے کار نہیں بہایا جائے گا عظیم شادیلا۔" بوڑھا بولا۔ "یہ ایک نیک مقصد کے لیے بہایا جائے گا۔"

"بہرحال تمھیں میری اجازت کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ "میں تمھیں کنواری لڑکیوں کی قربانی پیش کرنے کی اجازت ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں۔ تمھیں اس کے لیے کم از کم دس دن تک مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ اس عرصے کے دوران میں بوتاکر کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ بارشں بھیج دے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار بوتاکر ضرور راضی ہو جائے گا۔ اگر وہ میرے کہنے سے راضی نہیں ہوا تو پھر تم بے شک قربانی پیش کر کے اسے راضی کر لینا۔ اس وقت میں تمھیں اس کی اجازت دے دوں گا۔"

میری اس بات کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ انھیں اطمینان ہو گیا تھا کہ اگر بوتاکر نے میری بات نہیں مانی تو وہ قربانی کے ذریعے اسے راضی کر لیں گے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں سخت شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے تو محض لوگوں کو ٹالنے کے لیے دس دن کی بات کی تھی۔ اس اُمید میں کہ شاید اس دوران بارش ہو جائے اور بستی کی دو بے گناہ لڑکیاں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ تو اگر اس مجھے فکر مند دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ بارش برسانا میرے تبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ اور میں اس سلسلے میں گاؤں والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ گاؤں والے بلاوجہ دو معصوم انسانی جانوں کا خون کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

میں ابھی تو اگراش سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ گبووہ آگئی۔ اس نے بتایا کہ بستی میں چند لوگ میرے خلاف رات دن سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کا تعلق کرشاسا کے ان کاندوں کے خاندانوں سے ہے جنھیں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ لوگ بستی میں یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ دوسرے دیوتا مجھ سے ناراض ہیں اور اسی لیے انھوں نے بستی کی طرف سے نظریں پھیر لی ہیں اور خود مجھ میں اتنی قوت موجود نہیں ہے کہ میں روٹھے ہوئے دیوتاؤں کو منا سکوں۔ یہ لوگ بستی کے باشندوں کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ وہ مجھ سے یہاں سے چلے جانے کے لیے کہیں، کیونکہ میری وجہ سے ساری بستی عذاب کا شکار ہو رہی ہے۔ گبووہ نے مجھے ان جیسے ہی میں باہر نکل کر ان کے سامنے آیا، وہ چلانے لگے۔ "ہمیں قربانی کی اجازت دو شادیلا۔ ہمیں اجازت دو شادیلا۔ ہم بھوکے نہیں مرنا چاہتے۔ ہمیں پانی چاہیے۔ ہمیں بارش چاہیے۔ ہم بوتاکر کو منائیں گے۔"

میں اگر ان لوگوں سے یہ کہتا کہ بوتاکر کوئی چیز نہیں ہے اور بارش کا ہونا یا نہ ہونا قضا و قدر کی قوتوں کے ہاتھ میں ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں عجیب سی صورت حال میں گھر گیا تھا۔ میں ان دو معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی زندگی بھی بچانا چاہتا تھا اور بستی والوں کو خوفناک بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ بظاہر یک وقت یہ دونوں باتیں ناممکن نظر آتی تھیں۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا۔ میں دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

"سنو لوگو۔" میں نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں کنواری لڑکیوں کی قربانی پیش کرنے کی اجازت ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں۔ تمھیں اس کے لیے کم از کم دس دن تک مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ اس عرصے کے دوران میں بوتاکر کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ بارشں بھیج دے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار بوتاکر ضرور راضی ہو جائے گا۔ اگر وہ میرے کہنے سے راضی نہیں ہوا تو پھر تم بے شک قربانی پیش کر کے اسے راضی کر لینا۔ اس وقت میں تمھیں اس کی اجازت دے دوں گا۔"

میری اس بات کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ انھیں اطمینان ہو گیا تھا کہ اگر بوتاکر نے میری بات نہیں مانی تو وہ قربانی کے ذریعے اسے راضی کر لیں گے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں سخت شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے تو محض لوگوں کو ٹالنے کے لیے دس دن کی بات کی تھی۔ اس اُمید میں کہ شاید اس دوران بارش ہو جائے اور بستی کی دو بے گناہ لڑکیاں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ تو اگراش مجھے فکر مند دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ بارش برسانا میرے تبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ اور میں اس سلسلے میں گاؤں والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ گاؤں والے بلاوجہ دو معصوم انسانی جانوں کا خون کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

میں ابھی تو اگراش سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ گبووہ آگئی۔ اس نے بتایا کہ بستی میں چند لوگ میرے خلاف رات دن سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کا تعلق کرشاسا کے ان کاندوں کے خاندانوں سے ہے جنھیں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ لوگ بستی میں یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ دوسرے دیوتا مجھ سے ناراض ہیں اور اسی لیے انھوں نے بستی کی طرف سے نظریں پھیر لی ہیں اور خود مجھ میں اتنی قوت موجود نہیں ہے کہ میں روٹھے ہوئے دیوتاؤں کو منا سکوں۔ یہ لوگ بستی کے باشندوں کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ وہ مجھ سے یہاں سے چلے جانے کے لیے کہیں، کیونکہ میری وجہ سے ساری بستی عذاب کا شکار ہو رہی ہے۔ گبووہ نے مجھے ان

زندگی عظیم شاہد یا اور اس کی قابل احترام بیوی کی خدمت میں رہی گزارنا
ہوں،" وہ بدبدا رہی تھی۔ میں سخت مشکل میں گرفتار ہو گیا۔ جہاں تک میرا تعلق تھا تو اسے ساتھ لے جانا تو میری مجبوری تھی کیونکہ وہ میری ذمہ داری لیکن اب گبوہ کو بھی ساتھ لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ میری تکلیف دہ سفر میں دگنا اضافہ ہو جائے گا۔ مجھے ان دونوں عورتوں کے قتل کا افسوس تو ضرور تھا لیکن میں اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے گبوہ کو ہدایت دی کہ وہ جلد از جلد کھانا وغیرہ تیار کرے تاکہ اس کے بعد آرام کرے، تاکہ ہم رات کے پچھلے پہر روانہ ہو سکیں۔

گبوہ اپنے کام میں لگ گئی اور میں تو گراش سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے مجھے بتایا کہ قحط سالی کا شکار صرف ہماری ہی بستی نہیں ہے، بلکہ یہاں کے تمام علاقے اس کی زد میں ہیں، کیونکہ کئی دور دراز کے علاقے کے باشندے میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لیے خوراک کی خریداری کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر رقم دینے کے لیے تیار تھے، لیکن میں نے ان کو بتا دیا کہ ہمارے پاس خود اپنی ضروریات کے لیے بھی غلہ کافی نہیں ہے۔ اس لیے بیچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تو گراش کے خیال میں لاتاق کی بستی بھی قحط سالی کا شکار ہو گی اور وہ اپنے بابا اینشک کے بارے میں دیر تک باتیں کرتی رہی۔

اچانک زور زور سے ڈھول پیٹنے اور ایک بے ہنگم سا گیت گانے کی آوازیں دور سے سنائی دینے لگیں۔ گبوہ، جو باورچی خانے میں مصروف تھی، بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے ہمیں بتایا کہ اب قربانی شروع ہونے والی ہے۔ ڈھول کی آواز تیز ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ گیت کی لے بھی اونچی ہوتی گئی۔ اب میں اس کے بول صاف طور پر سن سکتا تھا۔ اس گیت میں لاتاکر کی تعریف کی گئی تھی، اس کی قوتوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا تھا اور اس سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ کنوارے خون کی قربانی قبول کرے اور بارش بھیج دے۔ یکایک گانے کی آواز بند ہو گئی اور ڈھول کے شور کی آواز بہت ناک اضافہ ہو گیا۔ اور پھر ایک ساعت کے بعد ڈھول کی آواز بھی بند ہو گئی اور چاروں طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ اور پھر اس سناٹے میں ایک نہایت دل خراش نسوانی چیخ بلند ہوئی۔ تو گراش نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ گبوہ نے کھانے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں اداس ہو گیا۔ گبوہ ایک بار پھر باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے بتایا کہ ایک لڑکی کی قربانی دی جا چکی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور زوردار چیخ بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ڈھول اور گیت کی آواز سنائے میں گونجنے لگی۔ دوسری قربانی کی رسم مکمل ہو چکی تھی۔

تو گراش اور گبوہ جلد ہی سو گئیں اور ان کے خراٹے سنائی دینے لگے لیکن میں مسلسل جاگتا رہا۔ رات اب آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور ایک گھنٹے کے بعد ہمیں اسٹھ کو اپنے سفر کا آغاز کر دینا تھا۔ تینوں گھوڑے مکان کے صحن میں بندھے ہوئے تھے۔ تو گراش اور گبوہ دونوں ہی اچھی طرح سوار تھیں۔

اچانک ہوا بند ہو گئی اور حبس کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ گرمی کی شدت میں یکایک دم اضافہ ہو گیا اور فضا جیسے ساکت ہو کر رہ گئی۔ موسم کی کیفیت میں یہ اچانک تبدیلی بڑی حیران کن تھی۔ کافی دیر تک فضا کی

یہی کیفیت رہی۔ میں آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ پھر یکایک گہرے اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔ اس کے تقریباً آدھے منٹ کے بعد بہت دور سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اتنی زوردار تھی کہ تو گراش اور گبوہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"یہ کیسی آواز تھی شاول؟" تو گراش نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

ابھی میں کوئی جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ دوبارہ تیز بجلی چمکی اور اس کے بعد بھرزور دار دھماکا ہوا، اور اس کے ساتھ ہی زوردار شور سے بارش شروع ہو گئی۔

"بارش! بارش!" گبوہ اور تو گراش خوشی کے عالم میں چیخنے لگیں۔ گبوہ نے جلدی سے چراغ روشن کر دیا۔ کھڑکی میں اُجالا ہو گیا۔ ہم تینوں کمرے سے نکل کر دالان میں اور پھر صحن میں آ گئے۔ بڑی تیز بارش ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی بستی کے تقریباً سارے ہی گھروں سے شور و غل کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ سارے لوگ نیند سے بیدار ہو گئے تھے اور خوشی کے مارے چیخ رہے تھے۔ میں، تو گراش اور گبوہ اپنے مکان کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ پانی کی دھاریں ہمارے جسموں کو نئی زندگی بخش رہی تھیں۔ اچانک زور سے بجلی چمکی اور چند لمحوں کے لیے سارا منظر روشن ہو گیا۔ مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہوئے بارش میں بھیگ رہے تھے اور ہنس رہے تھے، خوش ہو رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ یکایک کسی نے زور سے نعرہ لگایا "قربانی قبول ہو گئی" اور پھر سیکڑوں زبانوں نے انھیں الفاظ کو دہرایا "قربانی قبول ہو گئی، بوتاگر عظیم اور مہربان ہے۔" کسی طرف سے اندھیرے میں آواز بلند ہوئی، اور اس کی صدائے بازگشت بڑی دیر تک گونجتی رہی۔

بڑی دیر تک لوگ اپنے گھروں سے باہر اندھیرے میں کھڑے شور مچاتے رہے اور ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے رہے۔ بارش کی شدت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر لوگ اپنے اپنے گھروں کے اندر چلے گئے اور بارش کے تیز شور کے علاوہ باقی ساری آوازیں کم ہو گئیں۔ میں، تو گراش اور گبوہ بھی واپس گھر کے اندر آ گئے۔ تو گراش اور گبوہ نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ تو گراش نے مجھے بھی ایک خشک لباس دے کر کہا کہ میں اپنے بدن کو پونچھ لوں۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ بارش بند ہونے سے پہلے شروع ہو جاتی تو وہ معصوم لڑکیوں کی جان بچ جاتی۔

تو گراش اور گبوہ پھر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئیں اور دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں۔

صبح کی ملگجی روشنی نمودار ہوئی۔ سورج کو گہرے بادلوں نے اپنے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ دھواں دھار بارش ہو رہی تھی اور آسمان سے جیسے پانی کی چادریں گر رہی تھیں۔ صبح ہوئے کافی دیر ہو گئی لیکن بارش کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آدھی رات کے بعد سے جو بارش شروع ہوئی تھی تو کسی طرح رُکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اندازے کے مطابق اب دوپہر ہو چکی تھی لیکن بارش برابر جاری تھی۔ تو گراش اور گبوہ کے چہروں سے

خوف جھلکنے لگا۔ مکان کے اندر ہر طرف پانی ہی پانی بھر گیا اور اس کی سطح برابر بلند ہو رہی تھی۔

اسی عالم میں بستی کے لوگوں کا ایک گروہ بُری طرح چیختا ہوا میرے پاس آیا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ بستی کے بہت سے مکان گر چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی گرنے والے ہیں۔ بستی میں کمر کمر تک پانی کھڑا ہو گیا ہے اور دور دور تک مدد نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ اگر یہ طوفانی بارش کچھ دیر تک اور جاری رہی تو ساری بستی بہہ جائے گی۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں لوتا کرسے درخواست کروں کہ وہ بارش روک دے۔ ”کیا کوئی اور قربانی دے کر یوتا کو راضی نہیں کیا جا سکتا؟“ میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا، لیکن ان لوگوں کو میری بات کا جواب دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اچانک یوں محسوس ہوا گویا جیسے پورے مکان کو کسی نے ہلا کر رکھ دیا ہو۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور گرد کے بادل اٹھے گئے جو بارش کے سبب فوراً ہی بیٹھ گئے۔ پورا مکان زمین بوس ہو چکا تھا اور پانی کی تیز موجیں شرّاٹے کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ تو گراش، گبورہ، بستی سے آنے والے لوگ، سب کے سب منوں مٹی کے نیچے دب کر رہ گئے تھے۔ خود میں بھی دھنوں کے ڈھیر کے نیچے دب گیا تھا، لیکن چند ہی لمحوں میں میں باہر نکل آیا۔ میرے اردگرد طغیانی کی وسعت تک منظر تھا۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے تک ایک وسیع و عریض مکان کھڑا ہوا تھا وہاں ملبے کے بڑے بڑے ٹیلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا تھا اور یہ ٹیلے بھی بڑی تیزی کے ساتھ پانی کی طوفانی موجوں میں بہتے جا رہے تھے۔ پانی اب میرے سر سے بھی اونچا ہو گیا تھا اور میں تیرنے لگا۔ تیرتا ہوا میں بستی کی طرف آیا۔ میری آنکھوں نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا کہ جہاں کچھ دیر پہلے ایک شاداب آباد بستی تھی، وہاں اب ایک بپھرے ہوئے، موجیں مارتے ہوئے طوفانی دریا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ جگہ جگہ بہتے ہوئے انسانی جسم، مویشی، عورتیں اور دوسری چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بارش ابھی بھی غضب ناک انداز میں جاری تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس قدر خوفناک بارش کے سبب دور دور تک کی بستیاں اور علاقے تباہ ہو گئے ہوں گے اور یقیناً اس تباہی کی لپیٹ میں میری بستی کے لوگوں نے بارش کی خاطر دو کنواریوں کی قربانی دی تھی اور بارش کے دیوتا نے اب پوری بستی کی قربانی لے لی تھی۔

بہرحال میری زندگی کا اب ایک نیا مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ تو گراش کی محبت آمیز رفاقت میں گزرے ہوئے دن ختم ہو گئے تھے۔ مجھے اس کی نادقت موت کا بہت افسوس تھا۔ پروفیسر، لیکن میں مجبور تھا۔ میں اسے کس طرح بچا سکتا تھا؟ مجھے گبورہ کی موت کا بھی ملال تھا۔ اس بے چاری نے تین سال تک میری اور تو گراش کی بڑی خدمت کی تھی۔

میں نے پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیرنا شروع کر دیا اور اپنے جسم کو دھارے کے ساتھ بہنے دیا۔ پانی کی رفتار میں ابھی شدت تھی، لیکن بارش کی شدت کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی تھی اور بادلوں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان میں سوراخ ہو گئے ہیں اور ان میں سے سمندر ابل رہے ہیں۔

سارا دن گزر گیا اور بارش ہوتی رہی۔ یہ عجیب و غریب طوفانی بارش تھی۔ پروفیسر میں نے اپنی طویل زندگی میں اس نوعیت کی بارشیں زیادہ نہیں دیکھی ہیں۔ یہ اس قسم کی بارشوں میں سے ایک تھی جو پورے پورے شہروں اور آبادیوں کو طوفان میں لپیٹ کر دفن کر دیتی ہیں۔ شام ہو گئی، جو تھوڑی بہت امید اجالے کی تھی وہ بھی رخصت ہو گئی اور ساری دنیا ایک بار پھر گھپ اندھیرے کی لپیٹ میں آ گئی۔ بارش جاری رہی۔ پانی کی تیز رفتاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ نئی نئی موجیں تیز تر ہوتی گئیں۔ میں نے پانی کے ذخیرے میں شامل ہوتی گئیں اور پانی کی سطح بلند ہوتی گئی۔ میں نے پانی کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں ڈوبی ہوئی بستیوں اور تباہ شدہ مکانوں اور عمارتوں کے آثار ملتے گئے۔ پانی کا ریلا آگے بڑھتا گیا۔ کتنی ہی انسانی لاشیں میرے برابر سے تیرتی ہوئی گزر گئیں۔ چاروں طرف بڑی ہی شدید تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ ساری رات بارش ایک ہی رفتار سے جاری رہی اور میں طوفانی ریلے کے ساتھ ساتھ بہتا رہا۔ رات گزر گئی اور ایک بار پھر صبح کی مدھم روشنی نمودار ہوئی۔ میں نے اپنے اطراف میں نظر دوڑائی۔ تاحدِ نظر پانی کا سمندر موجزن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں زمین کا وجود باقی ہی نہیں رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دوپہر کے بعد سے آج صبح تک میں نے پانی کے سینے پر بہتے بہتے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے اور اب میں کہاں اور کون سے علاقے میں ہوں۔ لیکن یہ بات صاف ظاہر تھی کہ جتنا علاقہ بھی میں نے طے کیا تھا وہ سب کا سب طوفانی بارش کی زد میں تھا۔

صبح کا اجالا پھیلنے کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ بارش کی قدرے کمی آ گئی ہے۔ تاہم سرکش موجوں کی بلاخیزی اسی طرح جاری رہی اور میں پانی کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ دوپہر ہوتے ہوتے بارش بہت ہلکی ہو گئی، بادلوں کے چھٹنے کے آثار نظر آنے لگے۔ پروفیسر، کہ دوپہر ہوتے ہوتے میں جس علاقے میں تھا وہاں بارش بہت ہلکی ہو رہی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے جسم کو پانی کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے جو تکہ دور دور تک کہیں خشکی نہیں دکھائی دے رہی تھی اس لیے میں نے فی الحال پانی کو ہی اپنا بستر بنانے کا فیصلہ کیا اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

شام تک بارش بالکل رک گئی۔ اب میں جس علاقے سے گزر رہا تھا اس کے اوپر آسمان پر ستارے کھلے ہوئے تھے اور روشن چاند مسکرا رہا تھا۔ میں پانی میں بہتا رہا اور اپنے پرانے دوستوں، ستاروں سے آنکھوں آنکھوں میں باتیں کرتا رہا۔ میرے ان پرانے اور قابلِ اعتماد دوستوں نے مجھے بتایا کہ اس وقت میں ایک بہت بڑے اور وسیع دریا میں سفر کر رہا ہوں جو شدید سیلاب کے سبب اپنے دونوں کناروں سے سیلوں میل آگے تک پھیل گیا ہے۔ میں دریا کی لمبائی کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اور اگر میرے سفر کی یہی رفتار رہی تو اگلے بارہ دن میں میں اس جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں یہ دریا سمندر میں گرتا ہے۔

تو یہ صورتِ حال تھی پروفیسر بستی۔ کہ قدیم بہنے والی ندی آگے چل کر بڑے دریا سے مل جاتی ہو گی۔ بستی میں جب طوفانی بارش ہوئی تو ندی میں بے پناہ طغیانی آ گئی اور اس نے ساری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس ندی کے پانی کے ساتھ بہتے بہتے میں اس بڑے دریا میں آ گیا ہوں جس میں یہ ندی گرتی ہے، اور اب میرا رُخ اس طرف تھا جہاں یہ بڑا دریا سمندر میں گرتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک سمندروں سے دور، میدانوں اور دریاؤں میں زندگی گزارنے کے بعد اب میں پھر سمندری سفر پر روانہ ہونے جا رہا تھا۔ مجھے اس بات سے یک گونہ مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے طے کیا کہ اس دفعہ میں طویل عرصے تک اپنا سفر جاری رکھوں گا اور سمندر کی گہرائیوں اور گہرائیوں کو کھنگالتا ہوا نئی اور ان جانی دنیاؤں کی طرف جاؤں گا۔

میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ اب موسم بالکل صاف ہو چکا تھا۔ دن کو سورج بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتا اور چمکیلی روپہلی ریت سے مزین دریا کا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح چمچماتے لگتا۔ راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں سفر کرتے ہوئے لوگ ملے اور میں نے فوراً ہی خوفناک طوفان کی خبر ان کی زبان سے سنی۔ پانی تک ڈوب رہا ہوں، میری مدد کرنے کی کوشش کرے۔

مجھے اسی طرح سفر کرتے کرتے تین دن اور تین راتیں گزر گئیں۔ بڑا دریا جب سفر کرتے کرتے دریا کا پاٹ کہیں بہت چوڑا ہو جاتا تھا اور کہیں بالکل پتلا ہو جاتا تھا۔ کہیں کہیں کنارے پر آباد بستیاں نظر آتی تھیں اور کہیں ساحل ویران دکھائی دیتا تھا۔

میرے سفر کو جو تھا دن شروع ہو چکا تھا اور پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ دریا کی روانی میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور اس کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب میں سمندر کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو اٹھا۔ میں اب ایک نئی اور دلچسپ مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔ دریا کی تیز رفتاری میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں تیز طوفانی موجوں میں کسی تارک تیراک کی مانند بہتا چلا جا رہا تھا۔ پھر میرے کانوں میں پانی کی ہلکی ہلکی شور آواز آنے لگی۔ ایسا لگتا تھا گویا بہت دور کہیں پانی بلندی سے گر رہا ہو۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے یہ آواز زیادہ تیز اور واضح ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پانی کی رفتار اس قدر تیز ہو گئی کہ اگر میں چاہتا بھی تو اس کی راہ میں آ جانے تو وہ اسے بھی اپنے ساتھ بہاتا ہوا لے جائے اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے گرنے والے پانی کا شور اس قدر زیادہ ہو گیا کہ جیسے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ اب میں سمندر کے کنارے پہنچنے والا تھا۔ پھر یکایک میں اونچائی سے نیچائی کی طرف بہنے لگا۔ پانی کی طویل اور چوڑی چادر بلندی سے نشیب کی طرف گر رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں دریا کا پانی اونچی چٹانوں پر سے نیچے سمندر میں گر رہا تھا اور نہایت وحشت ناک آواز پیدا ہو رہی تھی۔ میں پانی کی پھوار اور شفاف چادروں میں لپٹا ہوا دریا سے سمندر میں گر پڑا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور میرا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ میرے چاروں طرف ایک بحرِ بے کنار موجیں مار رہا تھا۔ آس کا کنارہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف پانی کے ہی رنگ تھے، طرح طرح کے رنگ، نیلا، ہلکا نیلا، میز، گہرا سبز، سبز کاہی، غرضیکہ ہر طرف پانی ہی پانی کی حکمرانی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سمندر کی دنیا کا جز بنا دیا۔

لہ میں مجھے اپنے ساتھ گھسیٹتے لے گئیں اور میں نے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ دریا کے دھارے سے کافی دور آ جانے کے بعد میں نے تیرنا شروع کر دیا۔ اب میں ایک ماہر اور غیر معمولی سفر کے لیے تیار تھا۔

اور پروفیسر، یہ آبی سفر جانے کتنے برس تک جاری رہا۔ ان برسوں کے دوران میں نے سمندری دنیا کا جی بھر کر لطف اٹھایا۔ میں اکثر خط بنا کر سمندر کی طویل گہرائیوں میں اتر جاتا۔ اور میں نے یہاں عجیب و غریب نباتات، انوکھی مخلوق، سفید و جاندار اور دیگر اشیا کے علاوہ بعض نہایت حیرت انگیز چیزیں بھی دیکھیں جنھیں دور جدید کا انسان بھی شاید اب تک نہیں دیکھ سکا ہے، اور یہ حد سمندر کے آبی قبرستانوں میں دفن پرانی تہذیبوں اور پرانے شہروں اور بستیوں کے آثار۔ جیسا کہ تم بخوبی جانتے ہو پروفیسر، سمندر ہمیشہ ایک ہی جگہ نہیں رہا ہے اور نہ رہتا ہے۔ دنیا کی جغرافیائی حالت ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تمھیں آج خشکی نظر آتی ہے وہ جگہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے سمندر تھی اور جہاں تمھیں آج سمندر دکھائی دیتا ہے وہاں کبھی بھری پُری اور شاداب آباد بستیاں تھیں جنھیں سمندر نے نگل لیا۔ بہرحال، یہ سلسلہ توازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ تو پروفیسر، میں نے سمندر کی تہہ میں مدفون شہروں کے کھنڈرات دیکھے، پرانی بستیوں کے آثار دیکھے اور نہ جانے کیا کیا دیکھا میں دیکھتا رہا اور بتاتا رہا۔ کبھی کبھی میرا جی چاہتا تو میں سمندر کی موجوں پر تیرنا شروع کر دیتا اور کبھی خود کو بہاؤ کے ساتھ موجوں کے حوالے کر دیتا۔ میں نے بے شمار جہازوں اور کشتیوں کو سمندر کے سینے پر سے گزرتے دیکھا۔ اکثر میں ساحلوں کے قریب سے گزرا، میں نے دور سے انسانی زندگی کی گہما گہمی کا مشاہدہ کیا۔ بندرگاہوں کا مخصوص انداز، جہازوں کے لنگر، سامان اتارنے اور چڑھانے والی چھوٹی بڑی کشتیاں، مسافروں کے ہجوم اور نہ جانے کیا کیا۔ لیکن میں کسی بھی بستی کے پاس نہیں گیا اور نہ کسی بندرگاہ میں داخل ہوا، بلکہ تھوڑی دیر دور سے ان کا نظارہ کرنے کے بعد پھر موجوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتا ہوا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

بہت لمبا عرصہ گزر گیا، شاید دو سال، شاید بیس سال، شاید پچاس سال۔ میں بتا نہیں سکتا پروفیسر، لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ سمندر میں بہنے والے جہاز زیادہ بہتر ہو گئے تھے، ان کے رنگ و روغن میں تبدیلی آ گئی تھی، ان کی آرائش و زیبائش میں بھی جدتیں نظر آتی تھیں۔ بندرگاہوں میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ ان کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں یورپ اور ایشیا کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ میں افریقہ کے مشرقی ساحل سے بھی گزر کر غالباً مغربی ساحل کے آس پاس کہیں موجود ہوں۔ انسانوں کے میل جول اور ان کے ساتھ معاملہ آرائی کو ایک لمبی مدت

گزر گئی تھی۔ میں اب ایک بار پھر انسانی دنیا میں واپس جانا چاہتا تھا۔ میں پھر کسی نوگزاش یا گجبوہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دور دور تک ساحل کے کوئی آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔ پھر میں نے یوں ہی ایک طرف رُخ کر کے تیرنا شروع کر دیا۔ کئی دن تک متواتر میں اسی سمت میں تیرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن مجھے بہت دور فضا میں چھوٹے چھوٹے نقطے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں ساحل سے بہت دور نہیں۔ یہاں اور یہ متحرک نقطے آبی پرندے ہیں جو غذا میں پرواز کر رہے ہیں۔ میں اور زیادہ تیز رفتاری سے اسی سمت میں تیرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک تیرتے رہنے کے بعد زمردیں رنگ کی ایک لکیر مجھے نظر آنے لگی۔ میں ایک سرسبز و شاداب ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

واقعی یہ بے حد سرسبز و شاداب ساحل تھا۔ سطح سمندر سے کافی بلندی پر ٹیلوں اور پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو بے حد گھنے اور ہر سبز درختوں اور طرح طرح کی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ چمک رہا تھا اور فضا بے حد گرم تھی۔ میں نے یورپ یا ایشیا کے کسی بھی ملک میں اس قدر شدید گرمی محسوس نہیں کی تھی۔

میں نے پانی سے نکل کر ایک نیچی سی چٹان پر قدم رکھا۔ ایک لمبی مدت کے بعد میرے بدن نے زمین چھوئی تھی اس لیے مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ میں چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میرے جسم پر ظاہر ہے کہ کوئی لباس نہیں تھا اور نہ ہی پہلی تیز دھوپ میں میرا سُنہرا بدن سونے سے تراشے ہوئے کسی ایسے بت کی مانند چمک رہا تھا جسے خوب اچھی طرح دھو کر اس پر پالش کر دی گئی ہو۔ میں نے ایک نظر اپنے جسم پر ڈالی اور پھر اس منظر کے سحر میں کھو گیا جو میرے سامنے موجود تھا۔ درختوں اور سبزے کی ہر طرف اس قدر فراوانی تھی کہ زمین نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ ہزارہا اقسام کے پھول جگہ جگہ کھلے ہوئے تھے جن پر پنکھوں کے برابر جسامت کی رنگا رنگ تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔ عجیب و غریب پرندوں کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ ہر طرف زندگی کا احساس موجود تھا۔ فضا جیسے سانس لیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ اور ہوشیاری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک درخت کی نیچی سی شاخ پر پڑی اور پھر میری نظریں وہیں گڑی کی گڑی رہ گئیں۔ کوئلے کی طرح سیاہ فام ایک عورت اس شاخ پر بیٹھی ہوئی کچھ کھا رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ یہ ایک سیاہ فام انسانی ہاتھ تھا جس کی کہنی تک کا گوشت وہ دھیرے دھیرے کھا چکی تھی اور اب کلائی میں سے بوٹیاں نوچ رہی تھی۔ خون اس عورت کی باچھوں سے ٹپک ٹپک کر گر رہا تھا۔ میں اسی وقت اس عورت نے بھی مجھے دیکھ لیا اور چند لمحوں کے لیے وہ تصویر حیرت بن کر رہ گئی۔ پھر وہ اپنے منہ کی پوری قوت سے چلائی "ڈمبالا" اور درشت سے کو درکھ بھری طرف تیزی سے بھاگی۔ میں آدم خوروں کی بستی میں آ گیا تھا اور سیاہ فام عورت میں سیاہ فام آغاز ہو چکا تھا۔

سیاہ فام

حسینہ کے اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اپنے آپ کو گرنے سے روکا۔ اس نوجوان عورت کا جسم پتھریلی چٹانوں کی طرح سخت تھا۔ خطِ استوا پر چمکنے والے سورج کی تیز و تند شعاعوں نے اس کی جلد کو کوئلے کی طرح سیاہ اور چمکدار بنا دیا تھا۔ میں اس کے جسم کو دل چسپی سے دیکھنے لگا۔ بات یہ تھی کہ پروفیسر کرنل نے اس سے پہلے سیاہ فام عورتیں صرف دیکھے تھے، لیکن غلاموں اور کنیزوں کی شکل میں۔ میں نے یورپ کے بہت سے ملکوں میں سیاہ فام مردوں اور عورتوں کو دیکھا تھا اور ان سے میرا سابقہ بھی پڑا تھا، لیکن برِ اعظم افریقہ میں میرے قدم پہلی بار آئے تھے۔ اس دھوپ سے جھلسے ہوئے برِ اعظم کی سیاہ تاریک بستیوں میں پہلا سفر تھا اور میں پہلی بار یہاں کے آزاد انسانوں سے، ان کی زمین پر، ان کے علاقے میں، آزادی کی فضا میں مل رہا تھا۔ اسرار و عجائبات کی سرزمین میرے قدموں کے نیچے تھی، قدرت کے خزانوں کی فراوانیاں میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور ایک افریقی حسینہ میرے جسم سے لپٹ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے انسانی گوشت مزے لے لے کر کھا رہی تھی۔

اس کی آنکھیں کھلیں اور مجھے دیکھ کر ایک اجنبی اور خطرناک کے ساتھ مسکرائی۔ میں نے پوچھا، "اس نے پوچھا، وہ ایک قدیم افریقی زبان بول رہی تھی جو اس وقت میرے لیے بالکل اجنبی تھی۔ جنگل میں پلے ہوئے ایک مقصد سے قطعی کی زبان تھی۔

"تم چاہو تجھے ڈمبالا کہہ سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ۔" وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی اور اس نے عجیب سی خوشی سے چلا کر کہا۔ "تم بولتے ہو۔" میں نے پوچھا۔

"اور یہ نارد کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نارد ہماری بستی کی سردار اور یہاں کی سب سے بڑی بدھو ہے۔ اس کے پٹھوں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں بھینسوں اور ہاتھیوں کی سی طاقت ہو۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ تم ڈمبالا ہو۔ تم ہم لوگوں کی زبان بول سکتے ہو ڈمبالا — ڈمبالا — ڈمبالا۔" وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ ڈمبالا کون ہے؟"

"کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "تم ڈمبالا ہو اور مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ ڈمبالا کون ہے۔"

"ہاں میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ ڈمبالا کون ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم ڈمبالا کے بارے میں کیا کچھ جانتی ہو۔"

"میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "میں یہ جانتی ہوں کہ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے۔ وہ پانی میں رہتا ہے اور پانی ہی اس کی زندگی ہے۔ ہر سو برس کے بعد وہ نمودار ہوتا ہے۔ اس کا جسم چاندی کی کرنوں کا بنا ہوا ہے اور اس کے بال چاندنی کے لچھے ہیں۔ عظیم نارد نے اس کی یہی پہچان ہم سب لوگوں کو بتائی ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے اور اس کا جسم حسن و جمال کا پیکر ہے۔ آج سے ٹھیک سو سال پہلے ڈمبالا سمندر سے نمودار ہوا تھا۔ ایک گروہ تھا۔ وہ تعداد میں کم از کم پچاس ساٹھ ہوں گی۔ ان سب کے ہاتھوں میں تیر کمان تھے، لیکن انھوں نے تیر کمانوں میں جوڑے ہوئے نہیں تھے، جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کے عزائم جارحانہ نہیں ہیں۔ ان میں کچھ بچے بھی تھے، کم سن لڑکیاں بھی تھیں۔ جوان عورتیں بھی تھیں اور ادھیڑ بھی۔ البتہ بوڑھی عورت ان میں کوئی نظر نہیں آتی تھی دوسری عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس سارے مجمع میں مجھے کوئی مرد نظر نہیں آیا۔ ہر طرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ البتہ دس بارہ سال کے چند ایک لڑکے ضرور نظر آ رہے تھے۔ عورتیں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں اور ان کے کوئلے جیسے سیاہ چہروں پر ان کے کھلے ہوئے سفید سفید دانت ایک عجیب و غریب منظر پیش کر رہے تھے۔ لیکن لڑکوں کے چہروں پر میں نے خوشی اور مسرت کی رمق نہیں دیکھی۔ وہ افسردہ اور گھبرائے گھبرائے نظر آ رہے تھے۔

"ڈمبالا۔" اچانک اس سیاہ فام حسینہ نے جو میرے پہلوؤں میں کھڑی ہوئی تھی، تمام عورتوں کو دیکھ کر ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔

اس کے ساتھ ہی ان ساری عورتوں نے جو تیر کمان سے لیس کھڑی تھیں، ایک آواز ہو کر نعرہ بلند کیا۔ "ڈمبالا۔" یہ دہشت ناک نعرہ اس قدر اونچی آواز میں بلند کیا گیا تھا کہ اس پاس کے سیکڑوں درختوں پر بیٹھے ہوئے ہزارہا پرندے گھبرا کر اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل آئے اور پھڑپھڑا کر اڑنے لگے۔ کئی خرگوش اور ادھر اُدھر کی جھاڑیوں سے نکل کر بھاگے اور بعض دوسرے عجیب الخلقت جانور تیزی سے دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

ان تمام سیاہ فام عورتوں نے میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ سب کی سب میرے بالکل قریب آ گئیں۔ ہر عورت مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس جدوجہد میں ان میں جیسے باقاعدہ مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس دھینگا مشتی میں بہت سی عورتیں میرے بالکل پاس آ گئیں اور انھوں نے اپنے کھردرے اور پتھریلے ہاتھوں سے میرے جسم کو چھو چھو کر دیکھنا شروع کر دیا۔ گویا میرے وجود کے مادّی ہونے کا یقین حاصل کر رہی تھیں۔ وہ میرے جسم کو اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں سے دبا دبا کر دیکھ رہی تھیں، اس پر ہاتھ پھیر رہی تھیں اور کسی کسی وقت کوئی عورت جنگلی بھی لے لیتی تھی۔ میں اس عجیب و غریب صورت حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا، لیکن ظاہر میں اداکاری کر رہا تھا گویا میں اس سے سخت پریشان ہوں۔

"تم سب لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔" یکایک ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے، جو شکل و صورت سے خاصی بڑی دبدبہ اور سنجیدہ نظر آتی تھی، ساری عورتوں کو حکم دیا۔ اور اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ تمام عورتیں مجھ سے الگ ہٹ گئیں وہ بھی جو مجھے چھو چکی تھیں اور وہ جو مجھے چھونے کی تمنا میں آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔

"میں عظیم نارد اس کی نائب ہونے کی حیثیت سے تمھیں سیاہ کباد دیتی ہوں شمبالا۔" ادھیڑ عمر کی عورت نے اس حسینہ سے مخاطب ہو کر کہا جو کچھ دیر پہلے مجھے مسلی ہوئی تھی۔ "عظیم نارد اس کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ ڈمبالا کی نظر سب سے پہلے تم پر پڑی اور تم بستی کی وہ پہلی عورت ہو جسے ڈمبالا کا قرب حاصل ہوا۔ نارد عظیم ہے۔"

"نراس بے شک عظیم ہے۔" شمبالا نے جواب دیا۔ "نراس بے شک عظیم ہے۔" اس نے اپنے الفاظ دہرائے۔

"نراس عظیم ہے۔" عورتوں کے مجمع میں سے آواز بلند ہوئی۔

"اور نراس کی نائب دیسل بھی عظیم ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔

"دیسل بھی عظیم ہے۔" مجمع میں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ گویا اس سیاہ فام حسینہ کا نام شمبالا اور نراس کی نائب اس لاغر اور عمر کی عورت کا نام دیسل تھا۔ بڑے عجیب و غریب نام تھے۔ لیکن ظاہر ہے بدوفیسر میرے لیے اس میں بھلا کیا نئی بات تھی! میرے کان تو ہر طرف سے عجیب و غریب اور نامانوس آوازوں اور ناموں کے عادی تھے۔ ساری دنیا میرا گھر تھی اور ساری زمین میرے قدموں کے نیچے تھی۔

"چلو، ڈمبالا کو لے کر بستی میں چلو۔" دیسل نے کہا۔ "نراس کو اس کی آمد کی خبر مل چکی ہے اور وہ اس کی آمد کی منتظر ہے۔ اسے اپنی پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھ کر بے انتہا خوشی ہے، چلو۔"

اور میں سیاہ فام عورتوں کے جلوس کے درمیان بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ان عورتوں کی میں دلچسپی یا تماشائی سے زیادہ کوئی دخل نہیں ہے۔

تھوڑی دیر تک چلنے کے بعد دیسل کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بستی کیا تھی چھوٹے چھوٹے اور گول جھونپڑوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ان جھونپڑوں کی چھتیں بہت نیچی تھیں اور یہ سارے جھونپڑے لکڑیوں اور گھاس پھوس کے بنے ہوئے تھے۔ کل جھونپڑوں کی تعداد کسی طرح بھی سو سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بستی چند سو نفوس سے زیادہ پر مشتمل نہیں تھی۔

مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ عورتوں کے اس جلوس میں کوئی ایک مرد بھی شامل نہیں تھا سوائے ان چند لڑکوں کے جن کی عمریں دس بارہ سال سے زیادہ کی نہیں تھیں۔ بستی کے قریب پہنچنے پر کئی جھونپڑوں سے بعض مزید عمر رسیدہ عورتیں نکل کر سامنے آئیں۔ ان میں بوڑھی کوئی نہیں تھی، لیکن ان کی تعداد کم تھی۔ زیادہ تر عورتیں تو اسی جگہ پہنچ گئی تھیں جہاں مجھے شمبالا نے دریافت کیا تھا اور وہیں سے جلوس کی شکل میں میرے ساتھ آئی تھیں۔ مجھے اس بات پر ایک بار پھر سخت حیرت ہوئی کہ ان جھونپڑوں میں سے بھی کوئی مرد برآمد نہیں ہوا۔ آنے والی سب کی سب عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ کیا اس بستی میں مرد بالکل ناپید ہیں؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

جلوس ایک ٹیلے سے جھونپڑے کے آگے رک گیا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اس کی اونچائی زیادہ تھی، دوسرے اس کا پھیلاؤ بھی دوسرے جھونپڑوں سے زیادہ تھا۔

جلوس کے جھونپڑے کے دروازے پر رک جانے کے بعد دیسل جھونپڑے کے اندر داخل ہوئی۔ باقی ساری عورتیں مع میرے باہر ہی کھڑی رہیں۔ "نراس عظیم ہے۔" کسی عورت نے نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ اور اس کے ساتھ ساری عورتوں نے نعرہ لگایا "نراس عظیم ہے۔" نعرے کی آواز دور دور تک گونج گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد دیسل نے دوبارہ دروازہ کھولا اور جھونپڑے کے اندر سے برآمد ہوئی۔ لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک عجیب و غریب شے تھی۔ یہ ایک نہایت بوڑھی سیاہ فام عورت تھی جس کے سر اور بھنوؤں کے سارے بال سفید تھے، ہاتھ پیروں میں رعشہ کی لرزش کی وجہ سے جھلک رہی تھی۔ وہ ایک لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ لیکن ایک بات بہت نمایاں تھی، اور وہ یہ کہ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں روشنی کی بتی جلائی ہوئی ہیں اور وہ خوب چمک رہی ہیں۔ اب تک میں بوڑھی عورتوں کو دیکھ چکا تھا، ان میں یہ واحد بوڑھی عورت نظر آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ضعیف عورت مجھے اب تک کہیں نظر نہیں آئی تھی، اور نہ ہی کوئی اور نظر آیا تھا۔ عجیب و غریب بستی تھی!

بوڑھی عورت کو آتا دیکھ کر تمام عورتوں نے ایک بار پھر بلند ایک ہی نعرہ بلند کیا۔ "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے۔" اور اس کے بعد چاروں طرف مکمل سناٹا چھا گیا۔ بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی آئی اور بڑے پُروقار انداز میں عورتوں کے جلوس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

مجھے اس بیہودہ منظر سے اس قدر کراہت محسوس ہوئی کہ میں اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھنا میرے لیے ذہنی عذاب سے کم نہیں تھا۔

"شنتولا قبیلے کی عورتو۔" اچانک بوڑھی نراس کی آواز اور میں حیران رہ گیا۔ اس کی آواز اور اس کے جسم میں کوئی تناسب نہیں تھا۔ اس کا جسم تو بالکل جیسے مردہ تھا اور اس میں بالکل جان نظر نہیں آتی تھی، لیکن اس کی آواز بڑی کرارگی تھی۔ یہ کسی طرح بھی ایک بوڑھی عورت کی لرزتی یا کپکپاتی ہوئی آواز نہیں تھی، بلکہ کسی صحت مند اور توانا عورت کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میری پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔" اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے جیسا کہ تم لوگ جانتی ہو، ڈمبالا ہر سو سال کے بعد نمودار ہوتا ہے اور ایک لمبے عرصے تک بستی میں قیام کرتا ہے۔ اس کا ظہور اور بستی میں اس کا قیام دونوں ہی ہمارے لیے نہایت خوش نصیبی اور خوش بختی کا باعث ہوتے ہیں۔ ڈمبالا اپنے ساتھ بے پناہ وسائل اور خوشیوں کے خزانے لے کر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساری بدروحیں خود بخود بھاگ جاتی ہیں اور بستی پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ جب تک ڈمبالا ہمارے ساتھ رہے گا، اس وقت تک بستی والوں پر کوئی مصیبت، کوئی آفت نازل نہیں ہو گی۔ ڈمبالا امن و سکون کا دیوتا ہے اور باقی سارے دیوتا اس کے دوست ہیں۔ ڈمبالا کے دوست ہونے کے باعث سارے دیوتا ہم پر مہربانی کریں گے۔ جب تک ڈمبالا ہمارے یہاں ہے، اس وقت تک کوئی بیرونی دشمن، کوئی دوسرا قبیلہ ہمارے

علاقے میں نہیں آئے گا۔ آج کی رات جشن کی رات ہو گی۔ تم سب لوگ اس کا اہتمام کرو۔ ڈمبالا کا خیر مقدم کرو اور اس موقع پر ایک بڑی دعوت کا انتظام کرو۔ اور خبردار، تم میں سے کوئی ڈمبالا کو ناراض کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ڈمبالا کو ناراض کرنے کا مطلب تباہی کو دعوت دینا ہو گا۔ اب تم سب لوگ جاؤ، ڈمبالا کو نارد کے پاس لے جاؤ۔ ڈمبالا کا قیام نارد کے جھونپڑے کے ہی قریب میں ہو گا، کیونکہ وہ اس قبیلے کی سردار ہے۔ لیکن ڈمبالا کے لیے اس احکامات کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ خود نارد کو ڈمبالا کے احکامات کی پوری پوری تعمیل کرنی ہو گی۔ اگر ڈمبالا نارد کے جھونپڑے میں نہ رہنا چاہے تو اس کے لیے کسی اور جھونپڑے کا بندوبست کر دیا جائے، یا جب وہ چاہے ایک الگ جھونپڑا بنا دیا جائے، اسے فوراً مہیا کر دیا جائے۔ سمندروں کے دیوتا ڈمبالا، میں یہ واحد بوڑھی عورت ہوں جو تمہارے استقبال کے لیے موجود نہیں ہے۔ یہاں کی ساری عورتیں تمہارے لیے حاضر ہیں۔"

بوڑھی عورت نے جب اپنی طویل اور کم از کم میرے لیے پُراز معلومات گفتگو کی تو جلوس میں شامل تمام عورتوں نے ایک بار پھر "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے" کے فلک شگاف نعرے لگائے اور پھر دیسل کی راہنمائی میں ان میں سے ایک دوسری سمت روانہ ہو گئی۔

دوسرے ہی ایک بڑا سا جھونپڑا نظر آ رہا تھا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اسکی بلندی کافی تھی اور دوسرے اس کا دروازہ دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کئی چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل ایک بڑا جھونپڑا ہے۔ جب ہمارا جلوس اس جھونپڑے کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازے پر سیاہ فام عورتیں تیر کمان لیے ہوئے جھونپڑے کے دروازے پر پہرا دے رہی تھیں۔ عجیب بات تھی! یہاں پہرے دار بھی عورتیں ہی تھیں اور دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

جلوس جھونپڑے کے دروازے پر رک گیا اور دیسل اور شمبالا کی معیت میں مجھے اندر لے جایا گیا۔ جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کافی سجا سجایا اور خوبصورت جھونپڑا تھا۔ اس کی دیواریں اندر سے صاف ستھری ہوئی تھیں اور ان پر "مختلف جانوروں کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ ہم ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی سے گزرے۔ اس کے آگے ایک اور کمرہ تھا۔ کمرے کے دروازے پر جو چہرہ کھڑی ہوئی تھی، اسے دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ قدامت کا اس قدر عجیب و غریب شاہکار میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک عورت تھی، سیاہ فام اور بالکل ننگ دھڑنگ۔ اس کا قد کم از کم چھ فٹ تھا۔ کم از کم دو تین مردوں کے برابر تھا۔ وہ گوشت و پوست کا ایک پہاڑ نظر آتی تھی۔ مجھے یوں لگا گویا میں کسی دیوی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی طویل اور صدیوں پر محیط زندگی میں اس قدر بھاری بھرکم اور ضخیم عورت کبھی نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ایک بات بہت اہم تھی، اور وہ یہ کہ انتہائی فربہ ہونے کے باوجود اس کا جسم بے حد متناسب تھا۔

اس کے چہرے پر کسی قسم کی کرختگی یا درشتی نہ تھی بلکہ ایک طرح کی ملاحت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے چہرے کی ملاحت میری آمد کی مرہون منت ہو۔ اس کی آنکھیں گہری سیاہ اور چمک دار تھیں۔ اور لمبی لمبی سیاہ زلفیں کمر سے نیچے تک لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کا سارا جسم قوت، توانائی اور صحت کا ایک حیرت انگیز مجسمہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے گلے میں کوڑیوں اور ہڈیوں کے بنے ہوئے کئی ہار پہن رکھے تھے۔ کمر کے گرد کسی درخت کی چھال سے بنی ہوئی ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی جس میں کئی بل دیے گئے تھے اور اس میں مختلف پرندوں کے بڑے بڑے اور خوش رنگ پر اڑسے ہوئے تھے۔ اس نے سیاہ فام چہرے پر کوئی چمکدار روغن مل رکھا تھا جس کے باعث اس کا سیاہ چہرہ آبنوس کی پالش کی ہوئی لکڑی کی طرح چمک رہا تھا۔

دیسل اور شمبالا میرے دائیں بائیں تھیں اور میں ان دونوں کے درمیان میں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی اس عورت نے، جس کے لیے عورت کا لفظ استعمال کرنا بھی عجیب سا معلوم ہوتا ہے، رکوع کے بل جھک کر مجھے تعظیم دی۔ اس کے پہاڑ جیسے جسم کے مقابلے میں میرا ہلکا پھلکا اور سبک بدن بالکل بے مایہ اور چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

"میں تو رشن کی بستی میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں عظیم دیوتا ڈمبالا۔" نارد نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس فیل پیکر عورت کی آواز کتنی سریلی اور میٹھی تھی۔ "ہم لوگوں کو برسوں سے تمہارا انتظار تھا، کیونکہ عظیم نراس نے پہلے ہی ہم لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس بستی کی سردار ہوں اور میرا نام نارد ہے۔ میں اس بستی میں سب سے زیادہ طاقت ور ہوں اور جسمانی قوت میں بستی کا کوئی بھی فرد میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ دیوتاؤں کا کرم ہے کہ انھوں نے میرے جسم میں قوت و توانائی کے سرچشمے بند کر دیے ہیں۔ اب تم اس بستی میں جب تک تمہارا جی چاہے، رہو۔ تمہاری آمد ہمارے لئے نیک بختی کا باعث ہے"

"لیکن اس بستی میں کیا میرے علاوہ اور کوئی مرد نہیں ہے؟" مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نارد سے براہ راست یہ سوال پوچھ لیا۔ "میں نے اتنی دیر میں اس بستی میں کسی بھی مرد کی شکل نہیں دیکھی۔"

میرے اس سوال کے جواب میں ذرا دیر کے لیے ناٹا چھا گیا۔ دیسل اور شمبالا تو پہلے ہی خاموش تھیں۔ اب نارد بھی اچانک خاموش ہو گئی۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔ "عظیم ڈمبالا کو اس کے سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہماری بستی مردوں کے وجود سے خالی نہیں ہے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمیں زیادہ مردوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں اس کے اس عجیب و غریب جواب پر چکرا گیا۔ نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں کے طور طریقے مجھے بڑے عجیب اور پُراسرار قسم کے معلوم ہو رہے تھے۔

"عظیم ڈمبالا اب میرے گھر میں قیام کریں گے۔" نارد نے دیسل اور شمبالا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایک کمرے میں اس کی

رہائش کا بندوبست کر لیا ہے۔ تم دونوں جا کر بستی میں آج رات کے جشن کا اعلان کر دو۔ ڈمبالا کی آمد کی خوشی میں آج رات پورے سرور و شور کے ساتھ جشن ہوگا۔"

دیمل اور شمبال نے گردن جھکا کر نارو کو تعظیم دی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آؤ میرے ساتھ عظیم ڈمبالا۔" نارو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کی گرفت میں میں نے غیر معمولی سختی محسوس کی۔ "آؤ میں تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھاؤں۔ تم کو اب سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔"

نارو میرا ہاتھ پکڑے پکڑے مجھے جھونپڑے کے اندر ہی اندر ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ نارو کا جھونپڑا اندر سے کافی وسیع تھا اور یہ کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں فرش پر نرم نرم گھاس پھوس کا دبیز بستر سا بنایا گیا تھا اور کمرہ اندر سے بہت صاف ستھرا تھا۔

"یہ عظیم ڈمبالا کی آرام گاہ ہے۔" نارو نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن جیسا کہ عظیم ڈمبالا نے بتا دیا ہے، ڈمبالا کسی کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو یہاں رہے اور اگر وہ حکم دے تو اس کے لیے ایک الگ جھونپڑا بھی تیار کیا جا سکتا ہے۔"

نارو مجھے خراجِ تحسین پیش کر رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس کی سادہ لوحی پر مسکرا رہا تھا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور میری قوتیں کتنی ہیں۔ وہ تو بس مجھے دیوتا سمجھ رہی تھی جس کا نام ڈمبالا تھا!

تو پروفیسر اس طرح میں ڈمبالا بن گیا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ڈمبالا کیں بلا ہے اور کیا واقعی اس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جہالت، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کے ہزار ہا مظاہرے دیکھے تھے۔ اور یہ بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔ ان عورتوں نے مجھے زبردستی اپنا دیوتا بنا لیا تھا تو بھلا میں کیا کر سکتا تھا۔ رہے باقی دس بیسے رہنے کے بعد اب میں بھی سمجھ آیا تھا کہ ایک انوکھی زندگی میری منتظر تھی۔ ان لوگوں نے مجھے ڈمبالا سمجھا اور میں نے بھی ان کے اس خیال کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ مجھے خالص عورتوں کا ہی جزیرہ معلوم ہوا تھا اور میں نے سوچا کہ برسوں کے بعد کچھ دن یہاں عیش و آرام سے گزر جائیں گے۔

نارو کے جھونپڑے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا سوائے ایک خادمہ کے، جس کا کمرہ الگ تھا۔ میں نے نارو کے پورے جھونپڑے کو اندر سے بھی جھانک دیکھا اور اس میں موجود سارے سامان کا بخوبی جائزہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ اس پورے جھونپڑے میں کہیں کوئی چولھا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا برتن نظر آیا جسے کھانا پکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ جھونپڑے میں ہڈیوں، کوڑیوں اور سیپیوں کے ڈھیر بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سیپیوں، ہڈیوں اور مگرمچھوں کے بنے ہوئے زیورات بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ جانوروں کی کھالوں کی بہت زیادہ افراط تھی۔ ایک طرف لکڑی کے بعض صاف ستھرے ٹکڑوں کو گھاس کی بنی ہوئی موٹی موٹی رسیوں سے باندھ کر ایک تخت قسم کی چیز بنائی گئی تھی جو غالباً اس قبیلے کا 'شاہی تخت' تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ شاید آگ کے استعمال سے واقف نہیں ہیں اور شام ہی کو میرا خیال غلط ثابت ہو گیا۔

سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی زور زور سے ڈھول پیٹے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اب گویا جشن کا وقت آ پہنچا تھا۔ میری موجودگی ہی نارو نے دو سیاہ فام مضبوط بدن والی عورتوں کو بلایا اور انہیں ایک مردہ انسان کی کھوپڑی میں رکھا ہوا کوئی تیل نارو کے جسم پر ملنا شروع کر دیا۔

ان عورتوں نے نارو کے لمبے اور گھنے بالوں میں بھی کوئی روغن ڈالا اور دیر تک اس کے سر کی مالش کرتی رہیں۔ نارو آنکھیں بند کیے ہوئے اس عمل سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ ڈھولوں کی آواز برابر تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس میں عجیب سا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ نارو کے سر کی مالش کرنے کے بعد ان دونوں عورتوں نے نارو کی بڑیوں، کوڑیوں، سیپیوں اور نہ جانے کن کن چیزوں کے بہت سے زیورات پہنا دیے۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر ہی دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ نارو کا سر

نارو کو تیار کرنے کے بعد وہ دونوں عورتیں نارو کے اشارے پر میری طرف متوجہ ہوئیں۔ ان عورتوں نے

سر کے لمبے لمبے بالوں میں ایک دوسرے روغن کی مالش شروع کر دی۔ ہی دیر میں میرے سر کے بال بھی، جیسا کہ ان عورتوں نے بتایا، سوئی کے گچھوں کی طرح چمکنے لگے۔

اس اہتمام کے بعد ہم چاروں، یعنی میں اور نارو اور وہ دو عورتیں جنہوں نے مالش کی تھی، جھونپڑے سے باہر نکلے۔ جھونپڑے کے دروازے پر دو بی پہلے والی دو عورتیں ہاتھوں میں تیر کمان لیے کھڑی پہرہ دے رہی تھیں۔ انہوں نے جھک کر مجھے اور نارو کو تعظیم دی اور اپنے تیر کمان کندھوں پر لٹکا کر ہمارے ساتھ چل پڑیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ لوگوں کو کہاں جانا ہے، لیکن جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھتے جا رہے ویسے ویسے آس پاس کے جھونپڑوں سے نکل نکل کر عورتیں ہمارے میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔ میں ایک بار پھر ان عورتوں کو خوب غور سے رہا تھا۔ ان میں کوئی مرد شامل نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی بوڑھی عورت تھی۔ جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں تھیں اور دس گیارہ سال کے کچھ لڑکے اور بالغ مرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں نارو نے گول انداز اختیار کیا تھا۔ شاید وہ ابھی مجھے اصل بات بتانے سے گریز کر رہی تھی۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ میں مجلسی اصل حالات معلوم کرنے میں کامیاب ہو لوگوں میں سے کوئی بھی میدان کی طرف نہیں آیا۔

ان سب لوگوں کا رخ بستی کے وسط میں ایک کھلے میدان کی تھا۔ یہ میدان جھونپڑوں سے کافی دور تھا۔ اس میدان کو ہر قسم کے درخت اور گھاس پھوس سے صاف کر کے متسطح بنایا گیا تھا۔ اور اس کے آس پاس دور تک پھیلے ہوئے جھونپڑوں کے پیچھے بے حد گھنا اور تاریک جنگل تھا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ سورج تقریباً ڈوب گیا تھا اور اس کی

ہوں کی ہلکی ہلکی نارنجی روشنی اب بھی اوپر نیچے درختوں کی چوٹیوں پر تھی۔ ہم لوگ جب اس میدان میں پہنچے اور میں نے میدان کی زمین کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت صاف ستھری زمین ہے اور مٹی کوڑے اور پتوں سے بالکل پاک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر خوب اچھی طرح جھاڑو کا ذکر کرنے کے بعد ساری دھول مٹی کو جما دیا گیا ہے۔ ایک عورتیں گلے میں بڑے بڑے ڈھول ڈالے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ہتھوڑوں سے انہیں بری طرح پیٹ رہی تھیں۔ نارو کو دیکھتے ہی جیسے جوش و خروش میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ خوب زور زور سے ڈھول پیٹنے لگیں۔ وہ ڈھول پیٹنے کے ساتھ ساتھ بری طرح اچھل کود بھی کر رہی تھیں۔ اب بستی کی تقریباً ساری ہی عورتیں میدان میں جمع ہو چکی تھیں۔

اور پھر اچانک ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ نارو نے میدان کے وسط میں ہی اچھلنا کودنا شروع کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتوں نے بھی اچھل کود کرنی مچانا شروع کر دی۔ وہ بری طرح اچھل کود کر رہی تھیں اور ان کے حلق سے عجیب و غریب وحشیانہ آوازیں نکل رہی تھیں اور ان کی آواز ہر دم تیز ہوتی جا رہی تھی۔

اور پھر میری آنکھوں نے ایک اور عجیب و غریب منظر دیکھا۔ جس کے بعد دیکھنے والا تھا، اس کے مقابلے میں شاید یہ معمولی

نے دیکھا کہ دس بارہ عورتیں مردوں کے ایک گروہ کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ اور سب کے ہتھیار مختصر، توانا اور لحیم شحیم تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی مقابلہ جنگ سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نارو کے مقابلے میں وہ سب کے کانپ رہے تھے۔ ان مردوں کو دیکھ کر جیسے عورتوں کے جوش میں اضافہ ہو گیا۔ وہ بری طرح چیخنے چنگھاڑنے لگیں، گویا ان پر جنوں کا دورہ پڑ گیا ہو۔

ایک طرف ایک بہت بڑا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ یوں سمجھ لیجیے جیسے حیوانوں کے چارے کے لیے نانڈ ہوتی ہے، اسی قسم کا یہ برتن تھا۔ اس پر بہت ہی بہت سے مٹی کے پیالے بھی پڑے ہوئے تھے۔ مردوں کو دیکھتے ہی ساری عورتیں جن میں خود نارو بھی شامل تھی، اس برتن کی طرف لپکیں۔ نارو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے بھی برتن کی طرف لے گئی۔ سب سے پہلے نارو برتن کے قریب پہنچی اور اس نے پیالہ بھر کر میری طرف بڑھایا۔ اب تک ڈمبالا سے پیئے گا۔" نارو نے کہا۔ میں نے اس کے کہنے پر مشروب کا پیالہ تھام لیا۔ اس کا رنگ عجیب تھا۔ اس نے پیالہ خالی کر دیا اور اب نارو نے بھی وہی پیالہ سے کر دوبارہ برتن میں ڈالا اور اسے بھر کر خود پی گئی۔ اس کے بعد اس نے پیالہ زمین پر رکھ دیا اور خود وہاں سے ہٹ گئی۔ نارو کے ہٹتے ہی باقی عورتوں نے برتن کے گرد جمع لگا لیا۔ دیمل نے سب سے آگے بڑھ کر پیالے بھر بھر کر مردوں کو دینے شروع کر دیے۔ میں نے دیکھا کہ دیمل نے ہر مرد کو چار پیالے مشروب کے پلائے۔ دس مردوں نے وہ مشروب پی لیا اور پھر عورتوں کی باری آئی۔ انھوں نے پیالے بھر بھر کر مشروب پینا شروع کر دیا۔ بعض عورتوں نے تو ایک سے زیادہ پیالے پی ڈالے۔ یہاں تک کہ برتن میں تلچھٹ بھی باقی نہ رہی۔

میں نے نارو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ سیاہ چہرے پر خون کی ہلکی ہلکی سرخی دوڑ رہی تھی۔ یہی حال ساری عورتوں اور دس مردوں کا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہروں سے خون چھلکنے لگا تھا۔

ڈھول بجانے والی عورتیں بھی مشروب پینے میں شامل ہو گئی تھیں اس لیے ڈھول کی آواز فی الحال بند ہو گئی تھی۔ سب کے سب مشروب کے پیچھے دیوانے ہو رہے تھے۔

اور پھر اچانک ڈھول دوبارہ بجنا شروع ہو گئے۔ اس بار ان کی دھن مختلف تھی۔ نہایت وحشیانہ

کے ساتھ نارو بھی رقص کر رہے تھے، اگرچہ ان کی تعداد صرف دس تھی جبکہ جس میں شامل عورتوں کی تعداد کم از کم پچاس ساٹھ ہوگی۔

دن کے وقت میں نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید یہ لوگ آگ کے استعمال سے ناواقف ہیں، لیکن جشن کے آغاز کے وقت مجھے اپنی رائے تبدیل کر دینی پڑی تھی۔ یہ لوگ آگ کے استعمال سے واقف تو تھے۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ جشن کے دوران جگہ جگہ پر چربی سے جلنے والی مشعلیں روشن کی گئی تھیں۔ درحقیقت ایک میدان میں اتنی زیادہ مشعلیں موجود تھیں جن سے کافی روشنی ہو گئی تھی۔ آس پاس کے جنگل سے وحشی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن روشنی کی وجہ سے کوئی جانور ادھر کا رخ نہیں کر رہا تھا۔

اب شاید آدھی رات گزر چکی تھی۔ اور تب ایک اور نیا منظر شروع ہوا۔ ایک دل دہلا دینے والا اور انتہائی خوف ناک اور وحشت ناک منظر۔

دور سے جنگل کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ میں آپ لوگوں میں ابھی نہیں ہوں۔" اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ نارو سمیت تمام عورتیں اور مرد، جو زمین پر پڑے ہوئے تھے، فوراً اپنی اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ مجھے یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

اور فوراً ہی مجھے یاد آ گیا۔ یہ آواز عظیم جادوگرنی زراس کی تھی۔

دور اندھیرے میں ایک ہیولا سا لوگوں کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ ساری عورتیں اور مرد جلدی جلدی سنبھلنے لگے۔ زمین پر لیٹی ہوئی عورتیں اٹھ بیٹھنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی اور ہیولا قریب سے قریب تر

آ گیا، اب سارے لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہو جانے والوں میں خود نارو بھی شامل تھی۔ اس کا قد آس پاس کھڑی ہوئی عورتوں میں سب سے بلند دکھائی دیتا تھا اور مشعلوں کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ کسی دیوی کی طرح نظر آ رہی تھی۔

نراس آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مجمع کے قریب پہنچ گئی۔

"تم سب عورتوں کا کام ہو گیا یا کوئی باقی ہے؟" اس نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

تمام عورتیں خاموش رہیں۔ مجمع میں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔

"نارو!" نراس نے زور سے آواز لگائی۔

"نارو خاصبۂ عظیم نراس!" نارو نے آگے بڑھ کر نراس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "حکم دو!"

"یہ لے!" نراس نے ایک تیز دھار والا بڑا سا ہتھیار نکالا جو اس نے نہ جانے کہاں چھپا رکھا تھا۔ میں نارو کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا یہ کسی بہت بڑے جانور کی ہڈی کا بنا ہوا ہتھیار تھا جس کا ایک سرا کسی تیر کی طرح نکیلا تھا اور اسکے ایک جانب تلوار کی طرح دھار بنائی گئی تھی۔ غالباً اس ہڈی کو کافی مدت سے گھسنے کے بعد یہ دھار تیار کی گئی تھی۔ نارو نے بڑے ادب کے ساتھ نراس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار لے لیا۔

"نام بتاؤ عظیم نراس۔" نارو نے ہتھیار کی دھار پر آہستہ سے اپنی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں نام تو بتانا ہی پڑے گا۔" نراس نے دوبارہ اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تعداد تو ہر صورت میں ایک ہی رہے گی۔ ایک بھی زیادہ نہیں ہو سکتا۔ نہ نکسان دیوتا نارض ہو جائے گا، سمندر میں سیلاب آ جائے گا، طوفانی موجیں زمین کے اس چھوٹے سے خطے کو نگل لیں گی جہاں موجود سارے جاندار سمندر کی تیز و تند لہروں میں ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے۔ ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم نکسان دیوتا کو کسی حالت میں بھی ناراض نہیں کر سکتے۔ اس کے حکم کی پابندی کی جائے۔ اسے بھینٹ کی ضرورت ہے۔ تمہاری ضرورت سے جو کچھ فاضل ہے وہ نکسان دیوتا کا ہے اور اسی کی امانت ہے۔ اسے واپس لوٹا دو۔"

"ہم حکم کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہیں عظیم نراس۔" نارو نے ٹھوس، سنجیدہ آواز میں جواب دیا۔ "تم نام بتاؤ مقدس خاتون۔"

"نام ہم؟" نراس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تو سن، اس دفعہ کا نام ہے آہیل۔"

"آہیل۔" نارو نے یہ نام دہرایا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتیں اور سارے مرد بھی گونج میں ایک ہی سمت میں گھوم کر ایک شخص پر گر پڑیں۔ وہ ایک درد ناک حد تک سیاہ فام وحشی تھا اور اس کا جسم کافی صحت مند تھا۔ وہ ان وحشی مردوں میں سے ایک تھا جنہیں عورتوں کے جلوس میں یہاں لایا گیا تھا۔

"آہیل۔" نارو نے زور سے آواز دی اور اس کی آواز سنتے ہی آہیل اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر نارو کے قریب آ گیا۔ نہیں معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے اور میں اس داستان کے اس حصے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تجھے مبارک ہو آہیل۔" بوڑھی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "اس دفعہ نکسان دیوتا نے تیرا انتخاب کیا ہے۔ یہ بڑے بڑے اعزاز اور خوش بختی کی بات ہے۔ اب تو تیار ہو جا۔"

"میں تیار ہوں مقدس نراس۔" آہیل نے نیم مردہ آواز میں جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ہوئے ہوئے کانپ رہا تھا۔ اور کچھ دیر پہلے کیف و نشاط میں ڈوبا ہوا تھا اب ایک پنچھی کی طرح خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کی پتلیاں سکڑتی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

آہیل نارو کے آگے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں سوال کر دیکھنے لگا۔ نارو کا قد آہیل سے کافی بڑا تھا۔ وہ آہیل کے مقابلے میں بڑی بھاری بھرکم نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہنا چاہتا ہے آہیل؟" نارو نے آہیل سے پوچھا۔

"صرف ایک بات۔ اگر عظیم نراس اس کی اجازت دے تو۔" اس نے کہا۔ نراس نے کہا۔ "تجھے اجازت ہے۔"

"میں ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جنہیں ڈوبا کر زیارت کرنے کا موقع ملا ہے۔" آہیل نے میری طرف دیکھتے ہوئے لیکن مجھ سے نہیں کہا۔

"وہاں صرف ایک بار ڈبکیا کو قریب سے، خوب غور سے دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کے سامنے تعظیماً جھک جانا چاہتا ہوں۔"

"تو اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے آہیل۔" بوڑھی نراس کی بلند ہوئی۔

آہیل آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے بالمقابل کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت تھی۔ وہ ذرا دیر تک مجھے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ میں نے سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ان کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد وہ دوزانو ہو کر میرے قدموں میں جھک گیا۔ اس نے میرے قدموں کو بوسہ دیا اور پھر ہونٹ اپنے ہونٹ اس کے۔

"میرے پروردا کو بھی ڈبکیا کو دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔" آہیل نے مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔ یہ بات مجھے

اگرچہ یہ ایک کراہت آمیز منظر تھا، لیکن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اس سے پہلے بھی انسانوں کو انسانوں کا خون پیتے دیکھ چکا تھا۔ مجھے شمونہ بھی یاد تھی جو نوجوانوں کو ہلاک کرکے ان کے خون سے ایک معلول تیار کرتی تھی اور پھر پورے مہینے اسے پیتی تھی۔ لیکن خون پینے کی اس کارروائی کے بعد یہاں جو دوسرا مرحلہ شروع ہوا اسے دیکھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یہ بڑا ہی بھیانک معاملہ تھا۔

نارو نے اس ہتھیار کی مدد سے جس سے اس نے آپیل کو ہلاک کیا تھا، اس کے جسم کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹنا شروع کردیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے دونوں بازو شانوں تک سے الگ کردیے۔ پھر اس کی دونوں ٹانگیں جانگھوں کے پاس سے کاٹ دیں۔ پھر بازوؤں کو کہنیوں سے کاٹ کر الگ کردیا اور اسی طرح ٹانگوں کو گھٹنوں سے الگ کرڈالا۔ پھر وہ تقریباً دو گھنٹے تک اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھوٹی چھوٹی بوٹیوں اور ہڈیوں کی شکل میں کاٹتا رہا۔ میں خاموش بیٹھا اس گھناؤنے منظر کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ آپیل، جو چند گھنٹے پہلے ایک جیتا جاگتا اور زندگی سے بھرپور انسان تھا، اب چھوٹی چھوٹی بوٹیوں کے ایک ڈھیر کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اب صرف آپیل کی کھوپڑی صحیح وسالم حالت میں رہ گئی تھی۔ نارو نے ایک دوسرے وزنی ہتھیار سے جو اسے ایک عورت نے لا کر دیا تھا، آپیل کی کھوپڑی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور اس کا بھیجا اور دوسری چیزیں نکال لیں۔ اور پھر اس نے کھوپڑی کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے کو پیالے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس میں بھیجا رکھ کر بڑے ادب واحترام کے ساتھ نراس کو پیش کیا۔ نراس نے فوراً ہی اپنے ناتواں وکمزور ہاتھوں میں کھوپڑی کو وہ ٹکڑا پکڑ لیا اور جلدی جلدی آپیل کے بھیجے کو کچا کھانے لگا۔ میں اس غلیظ اور ناقابل برداشت منظر کی تاب نہ لا سکا اور میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف کرلیا۔

نراس نے بھیجا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹیں۔ اس کے بعد نارو نے اسے آپیل کا دل پیش کیا۔ نراس نے، جس کے دانت اس ضعیف العمری میں بھی نہ جانے کتنے مضبوط تھے، خوب چبا چبا کر آپیل کا دل بھی کھا لیا۔ تمام عورتیں اور نارو خاموشی سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اور سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ مجھے ہرگز کسی بھیانک خواب کی طرح نظر آرہا تھا۔ رات کا تاریک اور پُرہول ماحول، چاروں طرف پھیلا ہوا وسیع اور سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل جس میں انواع واقسام کے جانوروں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس جنگل کے وسط میں ایک چھوٹا سا کھلا ہوا میدان اور وہاں عجیب الخلقت لوگوں کا اجتماع۔ کالے کالے، ڈراؤنے اور موٹے تازے جسم۔ انسان کی لاش کا قیمہ۔ ایک بوڑھی اور جہاندیدہ جادوگرنی ہونے کے ناتے میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ مگر یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ نراس کے بعد نارو نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا میری طرف بڑھایا، لیکن میں نے گردن ہلا کر انکار کردیا۔

نراس جب اپنے اس گندے کام سے فارغ ہوگیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی: "میں اب یہ اعلان کرتی ہوں۔ تم لوگوں کو اجازت ہے کہ ڈھالما کو آپیل کی جگہ مردوں کے گروہ میں شامل کرلو۔ میں یہ جادوگرنی کے ان الفاظ کا مطلب پورے طور پر نہیں سمجھ سکا، وہ نہ جانے کون سے گروہ میں مجھے شامل کرنے کی بات کررہی تھی۔

اپنی بات ختم کرکے نراس اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو اب تک بیٹھے ہوئے تھے۔ نراس اپنی لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف روانہ ہوگئی جس طرف سے وہ آئی تھی اور دم بھر میں نظروں سے غائب ہوگئی۔

نراس کے جاتے ہی عورتوں نے نارو کے گرد حلقہ بنا لیا۔ اب وہ مردوں کو بھول چکی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ مردانگی سے محروم نظر آرہے تھے۔ وہ سب کے سب میدان میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ان کا سارا جوش رخصت ہوچکا تھا اور ان کی حالت غیر نظر آرہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی تعداد دس تھی، لیکن اب وہ گھٹ کر نو رہ گئے تھے۔ ان کے ایک ساتھی کو ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا گیا تھا۔

نارو نے عورتوں کے مجمع پر ایک نظر ڈالی جو جھجکی اور جھینپی نگاہوں سے آپیل کے کٹے ہوئے گوشت کی بوٹیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ نارو نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں رکنا کہا۔ پہلے اس نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھایا اور اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر ایک طرف الگ رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے گوشت کے ٹکڑوں کو ان عورتوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کردیا۔ عورتیں بڑی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ باری باری نارو کے پاس آتیں اور وہ انھیں تھوڑا تھوڑا گوشت دیتی جاتی تھی۔ وہ بڑے ذوق وشوق اور رغبت کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے کھانا شروع کر دیتیں۔ جب ساری عورتوں میں گوشت تقسیم کیا جاچکا تو نارو نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا: "عظیم ڈھالما نے قربانی کا تو خون چکھا، گوشت۔ اب بھی تھوڑا سا گوشت موجود ہے اگر تم چاہو تو تمھیں پیش کیا جائے۔"

"نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بمشکل

اپنے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میرے الفاظ کے فوراً ہی بعد نارو نے گوشت کا وہ بڑا سا ٹکڑا جسے پہلے ہی بچا کر الگ رکھ دیا تھا، کھانا شروع کردیا۔ اس انداز میں کھا رہی تھی جس طرح میں نے آج صبح اس جگہ پر قدم رکھنے کے بعد شمبال کو انسانی گوشت کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھے سخت گھن آرہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں طے کر لیا کہ میں اس جگہ زیادہ عرصہ قیام نہیں کروں گا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ کچھ دنوں تک یہاں رکوں گا، لیکن ان لوگوں کی مکروہ اور نفرت انگیز حرکتیں دیکھ کر میرا جی بیزار ہوگیا۔ انھوں نے میرے سامنے اپنے ایک ساتھی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھایا تھا۔

خون پینے اور گوشت کھانے کے بعد یہ عجیب وغریب جشن اختتام کو پہنچا اور تمام عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف جانے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلح عورتوں کی ایک جمعیت نے نر مردوں کو گھیرا ڈال دیا اور انھیں ایک طرف لے جایا جانے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان مردوں کو کہاں لے جایا جائے گا اور اب ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

دو عورتیں، جو نارو کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں، مشعلیں جلتی ہوئی شمعیں لیے آگے آگے چلنے لگیں۔ میں اور نارو ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ باقی عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہوچکی تھیں۔

میں اور نارو جب جھونپڑے کے دروازے پر پہنچے تو دونوں محافظ عورتیں وہیں رک گئیں۔ اندر سے ایک اور عورت نکل کر آئی۔ میں اسے پہچانتا تھا۔ یہ ان دو عورتوں میں سے تھی جنھوں نے میرے جسم پر روغن کی مالش کی تھی۔

نارو نے مجھے اس کمرے میں بھیج دیا جس میں میں آج دوپہر کے وقت سویا تھا۔ نارو بہت تھکی ہوئی تھی، لیکن ظاہر ہے اس کے تھکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ نارو دوسرے کمرے میں جاکر سو گئی، لیکن مجھے بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں ان واقعات کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا جو آج رات مجھے تک پیش آئے تھے۔ بہت غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان لوگوں کو ظالم قرار دینا یا ان سے نفرت کرنا بے معنی ہے۔ تہذیب و تمدن کی دنیا سے ہزاروں لاکھوں میل دور یہ لوگ تاریک سیاہ جنگلات میں گھرے ہوئے انتہائی پسماندہ اور وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے۔ انھوں نے وہی طور طریقے اپنا رکھے تھے جو ان کے آباواجداد نے زمانے سے صدیوں سے، قرنوں سے چلے آرہے تھے۔ یہاں علم و روشنی کا دور دور تک کوئی پتا نہ تھا، ہر طرف ظلمت اور جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنے سابقہ فیصلے پر نظرثانی کی۔ میں نے طے کیا کہ کچھ عرصہ میں اس بستی میں گزاروں گا۔ شاید میں یہاں کے لوگوں کو کچھ سکھا سکوں۔ شاید میں انھیں علم و تہذیب کا کچھ حصہ دے سکوں۔

میں انھی خیالات میں غلطاں وپیچاں تھا کہ مجھے کمرے کے دروازے پر ایک تاریک سا سایہ نظر آیا۔ کوئی دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں ہوں پالشا۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ لہجہ بہت دھیما تھا۔

"پالشا؟" میں نے پوچھا۔ "کون پالشا؟ میں تو تمھیں نہیں جانتا۔ اس وقت تم یہاں کیا کررہی ہو؟"

"میں نے عظیم ڈھالما کی مالش کی تھی۔" پالشا نے جواب دیا۔

میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو مجھے یہاں کے حالات کے بارے میں، بوڑھی عورتوں کی عدم موجودگی اور مردوں کی کمیابی کے بارے میں بتائے۔ مجھے یہاں کے طور طریقوں اور رسم ورواج کے بارے میں بتائے۔ نارو میرے سوال کا جواب صاف گول کرگئی تھی اور اس بات کی امید بھی نظر نہیں آتی تھی کہ وہ اصل حالات کے بارے میں مجھے سچ سچ بتادے گی۔ اس لیے میں نے پالشا کی دعوت فوراً قبول کرلی اور اس سے کہا کہ وہ میرے پاس آجائے۔

"تم نارو کی خدمت پر کب سے مامور ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے میں اور میری بڑی بہن مالشا نارو کی خدمت کررہی ہیں۔ نارو بہت اچھی عورت ہے۔ وہ ہم سب پر مہربان ہے۔ اور نراس نارو پر مہربان ہے اور شکان نراس پر مہربان ہے۔"

"مجھے یہ بات ذرا تفصیل سے سمجھاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

"نارو اس بستی کی سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ ہم سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم سب نے مل کر اسے اپنا سردار بنایا ہے۔ ہم لوگ جب چاہیں، سردار کو تبدیل بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں جو عورت بھی سرداری کا دعویٰ کرے گی اسے نارو سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ اس مقابلے میں نارو کو شکست دے دے گی تو نارو کو سرداری سے دست بردار ہونا پڑے گا اور فاتح عورت سردار بن جائے گی۔ ورنہ بصورت دیگر نارو کو حق ہوگا کہ وہ ہارنے والی عورت کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ نارو قبیلے کی سردار ہے اور نراس ہمارا سب سے بڑی جادوگر ہی ہے۔ وہ ہم سب لوگوں کو بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کا علم بہت وسیع ہے۔ نراس نارو پر خاص نظر عنایت کرتی ہے۔ شکان ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے اور ہمارے مویشیوں کی تعداد بڑھاتا ہے۔ انہیں شکار مہیا کرتا ہے۔ ہماری قربانیاں قبول کرتا

ہے اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ نراس، شکان کی زیادہ شخصیت ہے۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتی ہے کہ بستی میں کوئی شخص بھی شکان کی ناراضگی کا کام نہ کرے۔ شکان نراس سے بہت خوش نراس نارو سے بہت خوش ہے اور نارو ہم سب لوگوں سے بہت خوش ہے۔" پالشا نے وضاحت کے ساتھ مجھے ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

"آج رات جو قربانی کی رسم ادا کی گئی تھی اس کا کیا مقصد تھا؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"اس کا مقصد شکان دیوتا کو خوش کرنا تھا۔ شکان دیوتا کو وقتاً فوقتاً قربانی کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر اسے قربانی نہ دی جائے تو وہ ناراض ہو جاتے گا۔ اسے قربانی دینے کے لیے باقاعدہ ایک بڑے جشن کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوا تھا۔ اور اسی جشن میں شکان دیوتا کے حضور میں قربانی پیش کی جاتی ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ شکان دیوتا کے لیے مرد کی ہی قربانی دی جائے؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا وہ عورت کی قربانی قبول نہیں کرتا؟"

"نہیں۔" پالشا نے جواب دیا۔ "شکان دیوتا صرف مرد کی ہی قربانی قبول کرتا ہے۔ عورت کی نہیں۔"

"تمہاری بستی میں مرد اتنی کم تعداد میں کیوں ہیں، جبکہ عورتوں کی تعداد مردوں کے تناسب کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔" میں نے گھما پھرا کر اپنے سوال کو زیادہ سے زیادہ سادہ اور آسان بنا کر پیش کیا۔

"ہماری بستی میں صرف نر اور مرد ہی رہنے کی اجازت ہوتی ہے۔" پالشا نے اپنے لہجے کو مزاحیہ بناتے ہوئے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کی تھی عیاں ظاہر ہو۔ بات تھا کہ وہ اس موضوع پر مجھ سے کھل کر گفتگو کرنے سے احتراز کر رہی ہے۔ میں نے بھی اسے مزید سوالات کر کے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے کوئی ایسی خاص جلدی بھی نہیں تھی۔ میں کچھ دن تک یہاں قیام کرنے کے بعد بھی اصل حالات معلوم کر سکتا تھا۔ میں یہ بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی خاص تجسس ہے۔

پالشا اس رات کافی دیر تک میرے ساتھ رہی۔

جب میں سو کر اٹھا تو اس وقت جھونپڑا مجھے خالی نظر آیا۔ میرے قریب کوئی اور موجود نہیں تھا۔ میں نے جھونپڑے کے دروازے کے کواڑ کو ہٹایا۔ ایک کمرے میں مجھے پالشا نظر آگئی۔ وہ کسی درخت کی چھال سے کوئی رسی جیسی چیز بٹ رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس رسی کی مدد سے وہ لوگ چھوٹے موٹے جانور پکڑنے کے لیے پھندا تیار کرتے ہیں۔

پالشا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ مجھے بھی کچھ کھانے کو دے سکتی ہے اور اگر میری مرضی ہو تو میں پہلے چشمے پر نہا لوں اور اس کے بعد کچھ کھا لوں۔ میں نے پہلے نہانے کا فیصلہ کیا اور پالشا سے کہا کہ وہ مجھے چشمے تک لے چلے۔ پالشا نے میری رہنمائی کی اور ہم دونوں چشمے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ چشمہ کیا تھا ایک اچھی خاصی پہاڑی ندی تھی جس کا پانی شفاف اور پہاڑوں پر سے بہتا ہوا آتا تھا اور کچھ دور نمک بہتے رہنے کے بعد سمندر میں جا ملتا ہے۔ یہ بہت ہی پُرفضا جگہ تھی۔ بے شمار ہرے بھرے درختوں اور سیکڑوں بیلوں کے درمیان انواع و اقسام کے پھولوں سے بھری ہوئی تھیں، پہاڑی ندی گنگنا رہی تھی۔ اس کا پانی کسی شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اوپر سے گرنے والے پانی کی دھار کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اور میری روئیں روئیں میں جیسے لطافت اور فرحت کا احساس رچ گیا۔ اس نے مجھے بتایا یہ جگہ نہانے کے لیے بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ یہاں بڑے بڑے پتھر اوپر سے گرتے ہوئے آتے ہیں اور ان میں جان کا خطرہ رہتا ہے۔ وہ مجھے چشمے کی دوسری طرف لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔

"یہ پانی کافی اونچائی سے یہاں بہتا ہوا آتا ہے۔ میں اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ اوپر پہاڑوں کی چوٹیوں سے آتا ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔ اور وہ بھی اوپر کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک ہی وہ زور سے چیخی

"بچ کر مجھ سے بھاگنے کے لیے کہا۔ لیکن جب تک میں یہ سمجھ سکوں کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے ایک بہت بڑا، منوں وزنی پتھر اوپر سے پانی کے ساتھ لڑھکتا ہوا پوری قوت کے ساتھ میرے سر سے ٹکرایا۔ مجھے اپنے سر کے ایک ہلکی سی دھمک سی محسوس ہوئی۔ لیکن پالشا اس دوران کے مارے موقف ہو چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بھاری پتھر میرے سر کو چکنا چور کر ڈالا ہو گا۔ گو کہ ان لوگوں کی نظروں میں دیوتا تھا، لیکن معلوم نہیں کہ ان لوگوں کے دیوتاؤں کے کی ضرب برداشت کر لیتے تھے یا نہیں۔

میں پانی سے نکل کر آیا اور میں نے بیہوش پالشا کو پانی اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے اور ذرا دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ مجھے اپنے سامنے زندہ و سلامت، درست و صحیح و سالم حالت دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔

"تم... تم زندہ ہو ڈبالا؟" اس نے حیرت بھرے لہجے پوچھا۔ "اتنا بھاری پتھر تمہارے سر پر گرا اور تم بچ گئے؟"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے "کیا تم لوگ مجھے دیوتا نہیں مانتے؟"

"نہیں، نہیں ہے عظیم ڈبالا۔" پالشا نے کچھ سوچتے ہوئے اس نے ہم لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ ڈبالا سمندروں کا دیوتا ہے اور اس کی ساری زندگی پانی میں گزرتی ہے۔ ہر سو سال بعد دیوتا ایک انسان کا روپ دھار کر سمندر سے نکل کر اس بستی ہے۔ یہ ڈبالا دیوتا کا یہ انسانی روپ کئی لحاظ سے بڑا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ڈبالا کا انسانی روپ آگ کی تپش کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور دوسرے یہ کہ وہ کسی بھاری ضرب کی تاب نہیں لا سکتا۔ اگر ڈبالا کے ساتھ ان دونوں میں سے کوئی ایک بات ہو جائے تو وہ فوراً اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں واپس چلا جاتا ہے اور اس کے بعد آئندہ سو برس سے پہلے واپس نہیں آتا۔ تمہارے سر پر بھاری پتھر گرتے دیکھ کر مجھے فوراً ہی یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ تم اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں چلے گئے ہو۔ ہماری بستی پر جو رحمتیں تمہاری وجہ سے نازل ہوتے ہیں، ہم لوگ ان سے محروم رہ جائیں گے۔ لیکن مجھے سخت حیرت اس بات پر ہے کہ تمہارے سر پر اتنا بھاری پتھر گرا، لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میری پرنانی مجھے بتاتی تھیں کہ ایک بار ڈبالا کے سر پر اسی طرح کا پتھر گر گیا تھا اور ڈبالا اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر فوراً ہی رخصت ہو گیا تھا۔ سنا ہے کہ اس کے بعد پھر وہ سو برس کے بعد ہی واپس آیا تھا۔"

"لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہو گا۔"

"اب تمہیں یقیناً کچھ کھانے کی ضرورت ہو گی۔" پالشا نے مجھ سے کہا اور ہم دونوں نارو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں جگہ جگہ ہمیں عورتوں کے گروہ ملے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ میں ان لوگوں کی زندگی کا ہر طرح سے مطالعہ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے میں نے اس بات پر خاص توجہ دی کہ یہ کیا کام کر رہی ہیں۔ بستی میں اس وقت زیادہ عورتیں موجود تھیں۔ کچھ عورتیں ایک طرف بیٹھی ہوئی ایک پرانے انداز کی کشتی کی مرمت کر رہی تھیں۔ کچھ عورتیں مٹی کے برتن بنانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی مچھلی پکڑنے کے ایک پرانے سے جال کی مرمت کر رہی تھیں۔ کچھ دوسری عورتیں ایندھن جمع کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ سب کی سب کسی نہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ میں اور پالشا جدھر سے بھی گزرے۔ عورتوں نے گردنیں جھکا جھکا کر مجھے تعظیم دی۔

"باقی عورتیں کہاں ہیں؟" میں نے پالشا سے سوال کیا۔ "اس وقت ان کی بہت کم تعداد یہاں نظر آ رہی ہے۔"

"وہ سب کی سب شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے لیے گئی ہوئی ہیں۔" پالشا نے جواب دیا۔ "اور نارو بھی انہی میں شامل ہے۔ سب لوگ جب شام کو واپس آئیں گی تو ان کے ساتھ بہت سا شکار ہو گا جسے ہم سب لوگ مل کر کھائیں گے۔"

اس اثنا میں ہم لوگ دوبارہ نارو کے جھونپڑے میں پہنچ گئے تھے۔ پالشا نے میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ اور پروفیسر اس کھانے کو دیکھ کر سیراب ہو گیا۔ یہ ایک خرگوش تھا۔ اچھا خاصا بڑا سا خرگوش، جس کی کھال اتار دی گئی تھی اور بس۔ وہ بالکل کچا تھا۔

"یہ ہمارے علاقے کا سب سے لذیذ خرگوش ہے۔" پالشا نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس کا رنگ سفید و سیاہ ہوتا ہے اور یہ عام خرگوشوں کے مقابلے میں زیادہ تیز اور پھرتیلا ہوتا ہے اسی لیے اس کا شکار بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کا گوشت باقی خرگوشوں سے زیادہ لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔ نارو مجھے صحیح خاص طور پر ہدایت کر کے گیا تھا کہ تمہیں کھانے کے لیے یہی خرگوش دیا جائے۔ اس کا شکار کل دن میں ہی کر لیا گیا تھا۔ تم نے کل رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے اسے اب پیٹ بھر کر کھا لو۔"

ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے یہ گندگی کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم لوگ کچا گوشت ہی کھاتے ہو؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"کچا؟" پالشا نے حیرت سے پوچھا۔ "کچا کیا ہوتا ہے؟ گوشت تو گوشت ہوتا ہے اور بس۔"

"میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم گوشت کو پکا کر کیوں نہیں کھاتے؟" میں نے پوچھا۔

"پکانا کیا ہوتا ہے؟" پالشا نے معصومیت اور حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "ہم لوگ یہ کام کرنا نہیں جانتے۔"

"تم لوگ آگ سے کیا کام لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آگ سے ہم روشنی کا کام لیتے ہیں۔ ہم جانوروں کی چربی سے مشعلیں بناتے ہیں جن کو روشن کر دینے سے اندھیرا اور ہو جاتا ہے۔ سردیوں میں ہم آگ جلا کر اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔" پالشا نے طریقہ بتایا جس سے کہ گرمی لگتی ہے۔ "آگ کے ذریعے ہم جنگلی اور وحشی جانوروں کو بھگاتے ہیں۔"

"بس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بس۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن آگ بڑی ظالم چیز ہے کبھی کبھی یہ ہمارے جھونپڑوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اور پھر کبھی کبھی جنگل میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جنگل میں لگی ہوئی آگ بڑی تیزی سے پھیلتی چلی جاتی ہے اور کبھی کبھی ہماری بستی بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ سب کچھ جل جاتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ہمیں نئے سرے سے اپنے مکانات تعمیر کروانے پڑتے ہیں۔ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ مگر تم

گوشت تو کھالو۔"

"نہیں، میں یہ گوشت اس طرح نہیں کھاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ گوشت کو کس طرح پکایا جاتا ہے۔ میں خود بھی پکا ہوا گوشت کھاؤں گا اور تم لوگوں کو بھی کھلاؤں گا۔ تم دیکھنا وہ کتنا لذیذ ہوتا ہے۔"

"کیا واقعی؟" پالشا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم خود ہی دیکھ کر فیصلہ کرنا۔"

"اچھا تو شام کو جب ساری عورتیں بھی شکار سے واپس آجائیں، تب تم یہ کمال دکھانا۔" پالشا نے کہا۔

شام تک ساری بستی میں یہ خبر پھیل گئی کہ عظیم ڈمبالا کوئی کمال دکھانے والا ہے۔ نارو جس وقت دو تین عورتوں کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ مچھلیوں سے بھرے ہوئے دو ٹوکروں کے علاوہ کئی خرگوش اور ہرن بھی تھے۔ نارو کو جھونپڑے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس بات کی خبر مل گئی تھی کہ میں کوئی کمال دکھانے والا ہوں۔ اس نے آتے ہی ایک موٹی تازی مچھلی ٹوکرے میں سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دی اور کہا کہ میں کمال دکھانے سے پہلے یہ مچھلی کھالوں۔

"جو کمال میں دکھاؤں گا اس کا تعلق اس مچھلی سے بھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کو ابھی رکھو۔"

میں نے نارو کے جھونپڑے کے سامنے آگ جلائی اور ایک بڑے سے مٹی کے برتن میں پانی بھروا کر اس میں مچھلیاں ڈال دیں اور انھیں ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ ساری بستی کی عورتیں وہاں تھیں اور آنکھیں پھاڑے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق میں کوئی معجزہ دکھانے جا رہا تھا۔ مجھے ان سادہ لوح لوگوں سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر میں مچھلی ابل گئی اور میں نے درختوں کے پتوں کی مدد سے گرم گرم برتن کو پکڑ کر نیچے اتار لیا۔ تمام عورتیں قریب آکر برتن کو غور سے دیکھنے لگیں۔ میں نے تھوڑی دیر تک برتن کو ٹھنڈا ہونے دیا اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹا سا برتن منگا کر اس میں ایک مچھلی نکالی اور نارو کو کھانے کے لیے دی۔ نارو نے ڈرتے ڈرتے مچھلی کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور پھر اچھل پڑی۔ مچھلی اس کے منہ میں گھل گئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی مچھلی کھالی۔

"یہ تو بڑی عجیب و غریب چیز بن گئی ہے۔" نارو نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ یہ تو واقعی لاجواب ہے۔"

اور پھر باری باری تمام عورتوں نے ابلی ہوئی مچھلی کھائی اور اس میں انھیں ایک نیا ذائقہ ایک نئی لذت محسوس ہوئی۔ وہ سب کی سب اس کارنامے سے بہت خوش ہوئیں اور میری ذات پر ان کا اعتماد اور بھی بڑھ گیا۔ میں ان کا دیوتا ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے ان لوگوں کو آگ پر گوشت بھوننا سکھایا۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو جب چاروں طرف پھیلی تو یہ اس علاقے کے لیے بالکل نئی خوشبو تھی۔ ان لوگوں کو اس خوشبو کی کوئی تجربہ نہیں تھا۔ جنگل میں رہنے والے ان وحشی اس قوم کی شامہ بہت تیز تھی۔ مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا جب لاٹھی کھٹکھٹانے کی آواز کے ساتھ ہی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز دی۔ "میں آرہی ہوں۔ میں آرہی ہوں۔"

نراس کی آواز سنتے ہی چاروں طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ ہوئی عورتوں کے قہقہے رک گئے۔ ان کی آپس کی چہلیں ختم ہو گئیں وہ سب کی سب سنجیدہ ہو گئیں اور اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر ہو گئیں۔ نراس قریب آگئی اور نارو سمیت تمام عورتوں نے "نراس عظیم ہے۔"

"میں ایک بالکل نئی مہک سونگھ رہی ہوں۔" نراس نے نتھنے پھڑکاتے ہوئے کہا۔ "یہ یہی مہک مجھے اتنی دور سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ یہ مہک ہماری بستی کی نہیں ہے۔ یہ اجنبی مہک ہے۔ کسی اجنبی چیز کو ہماری بستی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" نراس کی آواز میں سختی تھی۔

"عظیم نراس کا اقبال بلند ہو۔" نارو نے احترام سے کہا۔ "انھوں نے ہمیں گوشت اور مچھلی کھانے کے کچھ نئے طریقے بتائے ہیں۔ ان پر عمل کر کے دیکھا ہے۔ ان طریقوں سے گوشت زیادہ لذیذ ہو جاتا ہے اور اسے کھانے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ عظیم ڈمبالا ہم پر بہت مہربان ہے۔"

"ڈمبالا یقیناً عظیم ہے۔" نراس نے خوشنودی بھرے لہجے میں کہا۔ "ڈمبالا ہم پر مہربان ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن ایک بات قبیلے کی عورتو! شکان سب سے عظیم ہے۔ اس کی عظمت کے آگے سب ہیچ ہیں۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے شکان کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو۔ شکان ان نئی نئی باتوں کو پسند نہیں کرتا اور نہ وہ بات کو پسند کرتا ہے کہ تم لوگ اپنے پرانے طور طریقوں کو بدل دو۔ ہمیں کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے پہلے شکان کی اجازت لینی ضروری ہوگی اور یہ بات تم سب لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے۔ تک صرف میرے کانوں تک پہنچے ہے۔ صرف میں ہی ایک ایسی ہستی ہوں جو لوگوں اور شکان کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہوں۔ تم لوگوں نہ تو شکان کو دیکھا ہے اور نہ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ صرف میں دیکھ سکتی ہوں اور میرے ذریعے وہ اپنی ہدایات تم لوگوں تک ہے۔ ڈمبالا کے یہاں آنے کی بشارت مجھے شکان نے ہی دی تھی تم سب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ ڈمبالا

ہے نیکی اور بھلائی کا پیغامبر ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے وہ اپنے آپ کو ان حدود تک مقید رکھے جو شکان دیوتا نے تمام اور انھیں توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس میں ڈمبالا کی بھی بھلائی اور ہم سب لوگوں کی بھی۔ ہمیں اپنی حدود سے تجاوز نہیں چاہیے۔"

بوڑھی عورت کی یہ عجیب و غریب تقریر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔ میں نے ہی ایسی غلط بات کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ اتنی برہم نظر آ رہی تھی۔ اس کی برہمی کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً مچھلی گوشت پکانے والی حرکت پسند نہیں آئی تھی۔ اس بات سے میں اندازہ لگایا کہ نہ معلوم حقیقت میں یا دکھاوے کے طور پر وہ دیوتا قرار دے رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی آمادہ نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر قبیلے کی عورتیں کوئی کام کریں۔

"نراس عظیم ہے۔" میں نے اس کی دلی کیفیت کا اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد کہا۔ "لیکن میں نے بستی کے لوگوں کو گوشت کھانے کا نیا طریقہ نہیں بتایا ہے۔ میں نے بہت دنیا دیکھی ہے اور لوگوں کو جانتا ہوں۔ میں نے گوشت اسی طرح کھایا جاتا ہے جس طرح میں نے لوگوں کو بتایا ہے۔"

"ڈمبالا کا اقبال بلند ہو۔" بوڑھی عورت نے متکبرانہ انداز میں کہا۔ لیکن اس کا مناسب طریقہ یہ تھا کہ قبیلے کی عورتوں کو براہِ راست بات بتانے کے بجائے پہلے مجھے بتائی جاتی تاکہ میں شکان دیوتا کو بتا دیتی۔ اور اگر شکان دیوتا اجازت دے دیتا تو پھر بھلا کسی کو اعتراض ہو سکتا تھا اس طرح شکان دیوتا کے ناراض ہو جانے کا خطرہ ہے اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو اس کا عتاب ہم سب پر نازل ہوگا۔ تم جانتی ہو اور اس کی ناراضگی کا خطرہ تم بھی مول نہیں لے سکتے اس کا خیال رکھنا۔"

میں فی الحال اس فتنہ پرور بڑھیا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے نراس، تم نظیم شکان سے اس بارے میں پوچھ لو۔ اگر وہ اس بات کی اجازت نہ دے تو آئندہ گوشت نہیں پکایا جائے گا۔ لیکن تم یہ جانتی ہو کہ اپنی عدیک ڈمبالا آزما دے۔ اس لیے میں کچا گوشت نہیں کھاؤں گا بلکہ اسے پکا کر کھاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" بڑھیا نے خوش ہو کر کہا۔ "ڈمبالا اپنے طریقے سے آزما دے لیکن بستی کے باقی لوگوں پر صرف شکان کا اختیار ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف کو چلی گئی جدھر سے وہ آئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ ساری عورتیں خاموش بیٹھی رہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں نے البتہ ان کے سامنے بہت سا بھنا ہوا گوشت خوب مزے لے لے کر کھایا اور وہ حسرت سے تکتی رہیں۔ بعض اس کی نمک دیوانہ کہے دے رہی تھی، لیکن چونکہ نراس نے اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اس لیے وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تھیں۔ جب تک کہ نراس کے ذریعے انھیں شکان دیوتا کی اجازت نہ حاصل ہو جائے۔

میں اس بڑھیا کی رمز کو ابھی طرح سمجھ گیا تھا۔ اور مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں ہر ہر قدم پر میرے لیے رکاوٹیں اور پابندیاں قائم کرے گی اور مجھے میری مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارنے دے گی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہے اور اسے اس بات کا خدشہ ہے کہ اس وقت قبیلے میں جو اس کی دھاک جمی ہوئی ہے، کہیں میری وجہ سے وہ ختم نہ ہو جائے۔ بہرحال مجھے کچھ عرصہ تو یہاں گزارنا ہی تھا، خاص طور پر اس وقت تک تو یہاں رہنا ہی تھا جب تک میں ان مردوں کی حقیقت نہ دریافت کر لوں جنھیں نہ جانے کہاں سب سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔

عورتوں نے بچا کھچا کچا گوشت کھایا۔ تھوڑی دیر تک رقص و سرود کی محفل جمی رہی۔ لیکن یہ ویسی محفل نہ تھی جیسی کہ کل تھی۔ آج اس کا مقصد محض تفریح تھا۔ اس میں جنون کا کوئی دخل نہیں تھا۔

رات ہو گئی اور سونے کی تیاریاں ہونے لگیں

اسی وقت میں نے دیکھا کہ ایک سایہ کئی بار جھونپڑے کے اس کمرے کے کھلے دروازے پر لہرایا۔ اندھیرے میں میں نے اندازے سے پہچان لیا کہ وہ پالشا تھی۔

"کیا تم جاگ رہے ہو ڈمبالا؟" پالشا نے نہایت ہلکی سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مجھے اچھی طرح

معلوم ہے کہ تم کیا چاہتی ہو۔ لیکن

پہلے تم مجھ سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو ضرور پوچھو ڈمبالا۔" پالشا نے جواب دیا۔ "تم جو کچھ پوچھو گے، اگر میں بتانے کے قابل ہوئی تو تمھیں ضرور بتاؤں گی۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس بستی میں مرد اتنے کم کیوں ہیں؟" میں نے اس سے براہِ راست سوال کیا۔ "میں نے اب تک اپنے علاوہ صرف دس مرد دیکھے اور ان میں سے بھی ایک کو کل شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس طرح صرف نو مرد رہ گئے۔ کیا اس بستی میں صرف نو مرد رہتے ہیں؟ اور پھر رہتے کہاں ہیں؟ میں نے انھیں کل رات صرف جشن کے وقت دیکھا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ وہ عورتوں کے

مسلح پہرے میں لائے گئے تھے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد میں نے انھیں یہاں نہیں دیکھا۔ تمھارے قبیلے کی مرد ہی ایک عورت ہے۔ مجھے ان ساری باتوں کے بارے میں بتاؤ کہ تمھارے قبیلے میں کوئی بوڑھی عورت کیوں نظر نہیں آتی ہے؟"

"تم نے ایک ساتھ بہت سے سوالات پوچھ لیے ہیں ڈوبالا۔" پالشا نے افسردہ اور تھکن سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "افسوس ہے کہ میں تمھارے ان سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہوں۔ البتہ تمھیں اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ اس قبیلے میں عورتوں کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، مرد ہمیشہ دس ہی رہتے ہیں اور اس وقت بھی ہمارے ہاں مردوں کی تعداد دو نہیں بلکہ دس ہے۔ تم اپنے آپ کو شاید بھول رہے ہو، تم بھی تو مرد ہی ہو۔"

"سنو، تم نے کہا کہ مردوں کی تعداد ہمیشہ دس ہی رہتی ہے۔" میں نے پالشا سے کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے؟ اگر مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کیا کیا جاتا ہے؟"

"مجھ پر رحم کرو ڈوبالا۔" اچانک پالشا میرے قدموں میں گر پڑی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ "میں جتنا کچھ تم کو بتا سکتی تھی، اتنا بتا دیا۔ اب مجھ پر اس کے آگے میں نے زبان کھولی تو مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ نراس عظیم سے اور اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ جو کچھ میں یہاں کہہ رہی ہوں، وہ سب کچھ نراس کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر نراس مجھ سے ناراض ہو گئی تو یقیناً مجھے شکان دیوتا کے عذاب اور عتاب کا شکار ہونا پڑے گا اور پھر یقیناً ایک دردناک موت ہی میرا مقدر بنے گی۔ لیکن سنو عظیم ڈوبالا، تمھارے لیے مرجانا بھی مجھے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز معلوم ہوتا ہے۔ اگر میں تمھارے کسی کام آتے ہوئے مر بھی جاؤں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تمھاری خاطر مجھے یہ موت قبول ہے۔

میں تمھاری موت کا ہرگز خواہاں نہیں ہوں پالشا اور نہ میں تمھارا دشمن ہوں۔ اگر کسی بات کے بتانے میں تمھاری جان کو خطرہ دریش ہے تو میں ہرگز تم سے اس کے لیے اصرار نہیں کروں گا کہ تم مجھے وہ بات بتاؤ۔ اس لیے میں اب اس قصے کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ ہاں البتہ ایک بات، اگر تم بتانا چاہو تو، اور اگر تمھیں اس میں بھی اپنے لیے کوئی نقصان نظر آتا ہے تو میں اس کے جواب کے لیے اصرار نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ بات کیا ہے؟" پالشا نے پوچھا۔

"وہ بات یہ ہے کہ یہ نر مرد بستی میں کہاں رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "میں ان سے مل کر ان کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ان کی رہائش کا پتا نہیں بتا سکتیں تو میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں کل ہی ساری بستی میں گھوم پھر کر ان لوگوں کا پتا نکال لوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہیں کہیں رہتے ہوں گے۔"

"شاید مجھے تم کو یہ بات بتانے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ لوگ کہاں رہتے ہیں۔" پالشا نے کہا۔ "کیونکہ اگر میں نہ بھی بتاؤں تو بھی تمھارے لیے ان کی رہائش گاہ تلاش کر لینا کوئی دشوار کام نہیں ہوگا کیونکہ اس بستی میں تمھاری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے البتہ تم ان نروں تک پہنچ کر کوئی ایسا کام سرانجام نہ دینا جو ان کی طبیعت پر گراں گزرے۔ تم سنو، کل صبح میں تمھیں ان کے پاس لے چلوں گی۔"

یہ کہہ کر پالشا خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بہت زیادہ افسردہ اور غمگین نظر آ رہی تھی۔ میں نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں اس کی افسردگی کی وجہ سمجھ نہیں سکا تھا۔ میں نے سوچا کہ شاید اس کے قبیلے کے مرد اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے ہوں گے۔ اس لیے وہ اداس ہے۔ میں نے اس کی اداسی کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے سوچا کہ اس کا موڈ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہم دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم چشمے کے کنارے پہنچ گئے۔ اس کے بعد پہاڑی پر چڑھنا تھا۔ یہ خاصی اونچی پہاڑی تھی اور چاندنی رات میں بڑا دلکش اور مرعوب منظر پیش کر رہی تھی۔ پہاڑی بنجر نہیں تھی، بلکہ طرح طرح کے درختوں اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور جا بجا مختلف قسم کے جانور گھوم رہے تھے۔ بہت سے جانور چشمے پر پانی پی رہے تھے۔ کچھ پانی پی کر جا رہے تھے اور کچھ پانی پینے کے لیے آ رہے تھے۔ بڑا دلکش اور حسین منظر تھا۔ میں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں سے چشمہ بھی صاف نظر آ رہا تھا اور دور بستی کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بھی روشنی کے سیاہ ڈھیروں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

میں نے پہاڑی کی دوسری طرف نظر ڈالی۔ ادھر چاروں طرف چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ چلا گیا تھا اور درمیان میں ایک وسیع میدان تھا جسے ایک چھوٹی سی وادی کہا جا سکتا تھا۔ یہ وادی ایک ایسے بڑے سے پیالے کی شکل کی تھی جس کے تمام کنارے چھوٹے بڑے اور ناہموار تھے۔ اب میں پہاڑی کی دوسری جانب اتر کر اس وادی میں داخل ہو سکتا تھا۔ میدان کے کنارے مجھے ویسے ہی گول گول اور چھوٹے چھوٹے جھونپڑے نظر آئے تھے۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ میدان کے ایک طرف آگ کا بڑا سا الاؤ روشن تھا، جو شاید جانوروں سے حفاظت کے لیے جلایا گیا تھا۔ مجھے جھونپڑوں کے پاس بھاری جسامت والے جانور ادھر ادھر آزادانہ طور پر گھومتے ہوئے نظر آئے۔ سمجھ گیا کہ یہ وہی کتے ہیں جن کا ذکر مجھ سے پالشا نے کیا تھا اور وادی میں آنے والے ہر اجنبی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ مجھے ان کتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ بھلا مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے تھے۔ میں آہستہ آہستہ پہاڑی کی چوٹی سے دوسری طرف اترنے لگا۔ پہلے میں اس وادی کی طرف جہاں دس کے جھونپڑے تھے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور ہر طرف گہری خاموشی طاری تھی۔ تمام جھونپڑوں میں سناٹا تھا اور باہر ہر اندھیرا پھیلا تھا۔ صرف چاند کی روشنی میں پیڑوں کے دھندلے دھندلے سائے نظر آ رہے تھے۔

میں پہاڑی کی چوٹی سے اتر کر آہستہ آہستہ جھونپڑوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک ایک بہت بڑا کتا، جو جسامت میں کسی طرح بھی ایک دریائی گھوڑے کے بچے سے کم نہ تھا، میرے سامنے آ کر غرایا۔ کتا چند لمحوں تک غرا کر مجھے دیکھتا رہا۔ وہ نہ تو بھونکا اور نہ اس نے آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ بس خاموشی سے مجھے گھورتا رہا۔ اسی اثنا میں چند اور کتے بھی آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا رویہ بھی یہی تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی مجھ پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔

میں نے یکبارگی زور سے ہاتھ ہلایا اور سارے کتے اچانک ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے سامنے نہیں ٹکا۔ اور وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئے۔ مجھے اس بات پر کافی حیرت ہوئی کہ اس قبیلے کے لوگ اور تو کوئی جانور پالتے نہیں تھے، وہ اس قدر پسماندہ تھے کہ انھوں نے اب تک جانور پالنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کے نزدیک جانور کا محض ایک ہی مقصد تھا، اور وہ تھا اس کا گوشت کھا جانا اور اس کی کھال کو جھونپڑی کے فرش پر بچھانے یا چھت میں لگانے کے لیے استعمال کرنا۔ میں نے اب تک یہاں جانوروں کے محض دو ہی استعمال دیکھے تھے۔ لیکن یہ کتے پال رہے تھے ان کے پاس خاصی بڑی تعداد میں اعلیٰ درجے کے کتے موجود تھے جو بہترین محافظ کا کام دیتے تھے۔

بہرحال، پروفیسر ان کتوں سے خوفزدہ ہوئے بغیر میں نے ایک نظر اس وادی میں پھیلے ہوئے جھونپڑوں پر ڈالی۔ میدان میں بھی جگہ جگہ سرسبز و شاداب درخت لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ پھولوں کے پودے اور ہری بھری بیلیں لہلہا رہی تھیں۔

ابھی میں اس منظر کا جائزہ لینے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک مجھے ایک جھونپڑے سے ایک سایہ نکلتا دکھائی دیا۔ میں جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں دبک گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرے میں ہونے کے سبب مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں نے جس درخت کے ساتھ پناہ لی تھی وہ کافی بڑا تھا اور ایک جھونپڑے کے قریب تھا۔ عین اسی وقت اس جھونپڑے سے ایک ہیولہ برآمد ہوا۔ میں نے خود کو اچھی طرح درخت کے پیچھے چھپا لیا۔ دونوں آنے والے میرے بالکل قریب سے گزرے اور میں نے انھیں اچھی طرح پہچان لیا۔ ان میں سے ایک تو جمال تھی جس سے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی، اور دوسری عورت ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی جو دن کے وقت نراس کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں۔ وہ دونوں عورتیں مختلف جھونپڑوں سے برآمد ہوئی تھیں۔ اور پھر اندھیرے میں انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتی ہوئی وادی کی جنوبی سمت کی طرف روانہ ہو گئیں۔ میں انھیں غور سے دیکھتا رہا۔ انھوں نے بندروں کی سی پھرتی کے ساتھ پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اب وہ پہاڑی پر سے اتر کر اپنی بستی کی جانب جا رہی ہوں گی۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے یہ دونوں یہاں کیا کر رہی تھیں۔ لیکن پھر فوراً ہی میرے دماغ میں ایک خیال آیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

ان دونوں عورتوں کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے

بعد میں آہستہ سے درخت کے پیچھے سے نکل آیا اور ایک جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ میں نے کول جھونپڑے کا ایک پورا چکر لگایا اور پھر آہستہ سے دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا تھا، لیکن جھونپڑے کے اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی اس چھوٹی سی مشعل سے پیدا ہو رہی تھی، جو جھونپڑے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی۔ جھونپڑے میں زمین پر گھاس پھوس کا ایک بستر تھا۔

میں چند منٹ تک اس جھونپڑے کے اندر نظر آنے والے منظر کو دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میرا رخ ایک دوسرے جھونپڑے کی طرف تھا۔ اس جھونپڑے کا بھی میں نے پہلے پورا چکر لگایا۔ اس کے بعد میں دروازے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اس قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق غالباً مردوں کو بستی میں عورتوں کے گھروں پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس معاملے میں سارا اختیار و اقتدار عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔

گویا مردوں کی حیثیت یہاں ایک قسم کے قیدیوں کی سی ہے اور انھیں کسی بھی لحاظ سے عورتوں پر برتری حاصل نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک طرح سے عورتوں کے غلام اور محکوم تھے۔

ذرا ہی دیر میں گھوم پھر کر میں نے ساری صورت حال کا اندازہ لگا لیا۔ میں نے اس میدان میں موجود جھونپڑوں کی تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ ان دسوں میں سے صرف ایک جھونپڑا ایسا تھا جو بالکل خالی پڑا ہوا تھا اور جہاں مکمل اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس جھونپڑے میں زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اندازے سے یہ سمجھا کہ یہ آہیل کا جھونپڑا ہو گا۔ جو اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے اور جس کا خون اور گوشت بستی کی عورتوں کے منھ اور پیٹ میں جا کر ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ جھونپڑا بالکل خالی پڑا سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہوا۔

میں یوں ہی بلا کسی خاص تعین کے ایک جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا۔ سیاہ فام اور طاقتور مرد

گھاس پھوس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر جھونپڑے کے دروازے کی طرف تھا اس لیے وہ مجھے فوری طور پر نہیں دیکھ سکا۔ بلکہ وہ مجھے سر سے دیکھ ہی نہیں سکا۔ میری آمد کی اطلاع اس کو اس وقت ہوئی جب میں بالکل اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مجھے وہاں دیکھتے ہی وہ آدمی خوف و دہشت اور حیرت کے عالم میں بستر پر سے اچھل پڑا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "تم... تم..." اس کی زبان سے بمشکل الفاظ ادا ہوئے۔ "تم ڈمبالا ہو نا؟ میں نے کل تمھیں دیکھا تھا۔"

"ہاں تمھاری بستی والوں نے مجھے ڈمبالا کہنا شروع کر دیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بات کا کیا مطلب ہے؟" اس نے پوچھا۔ "کیا تم ڈمبالا نہیں ہو؟"

"اس کا انحصار تم لوگوں کے سمجھنے پر ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "بہر حال تم مجھے ڈمبالا ہی سمجھو۔"

"لیکن تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟" اس نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔ "تمھیں معلوم ہے، اگر نارو کو پتا چل گیا کہ تم میرے جھونپڑے میں آئے تھے، تو میرے جسم کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی اور تمھارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہو گا، یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

"تم اطمینان رکھو۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نارو یا کسی اور کو اس بات کا ہرگز پتا نہیں چلے گا کہ میں تمھارے پاس آیا تھا۔ میں تو تم سے صرف کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم خوفناک اور خون کے پیاسے کتوں سے بچ کر یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمھیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس وادی کی حفاظت اور نگرانی کے لیے نہایت خونخوار کتے موجود رہتے ہیں جو کسی بھی اجنبی کو یہاں داخل نہیں ہونے دیتے اور اسے پھاڑ کھاتے ہیں۔ کیا ان کتوں نے تمھیں نہیں دیکھا؟ یا تم نے ان پر کوئی جادو کر دیا؟"

"میرے دوست شاید تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھے ڈمبالا کہا ہے، اور تم جانتے ہو کہ ڈمبالا دیوتا ہوتا ہے۔ بھلا کتے کسی دیوتا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"

"مجھے یہ بات معلوم ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈمبالا ایک ایسا دیوتا ہے جو شکان دیوتا سے ہرگز بڑا نہیں ہے اور وہ شکان دیوتا کے بنائے ہوئے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ ڈمبالا میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس وادی میں اجنبیوں کا داخلہ شکان کے حکم سے بند ہے اور شکان کسی حالت میں بھی اپنا حکم واپس نہیں لیتا اور نہ اس میں تبدیلی کرتا ہے۔ وہ ڈمبالا کو اس وادی میں آنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا تھا۔"

"خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" میں نے دوستانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمھارے سامنے یہاں موجود ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام امبالو ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "اور میں یہاں کے نر مردوں میں سے ایک ہوں۔"

"اچھا تو میرے دوست امبالو! میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا

ہوں کہ اس قبیلے اور اس بستی میں مردوں کی حالت اتنی مختلف کیوں ہے؟ تمھیں اتنا الگ تھلگ کیوں رکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ تعذیبی رویہ کیوں روا رکھا جاتا ہے؟"

"مجھ سے یہ سب کچھ مت پوچھو ڈمبالا۔" امبالو نے خوفزدہ آواز میں جواب دیا۔ "اگر نارو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"اور اگر میں تمھیں اس بات کا یقین دلا دوں کہ تمھارا بال بھی بیکا نہ ہو گا تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن ہے۔" امبالو نے جواب دیا۔ "نر اس کا تعلق براہ راست [illegible] دیوتا سے ہے اور وہ سب سے بڑا دیوتا ہے اور جس کی نعوتوں [illegible] کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ شکان بہت عظیم ہے اور نر اس [illegible] سے گہری قربت رکھتی ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ایک بات بتاؤ امبالو۔" میں نے ہینترا بدل کر دوسرا وار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہو؟ عورتوں کا قیدی بن کر رہنا پسند کرتے ہو؟ اور اگر میں تمھیں یہاں سے نجات پانے کا راستہ بتا دوں تو کیا تمھارے لیے وہ [illegible] ہو گا؟"

"تم نہ جانے یہ کیا کہہ رہے ہو ڈمبالا۔" امبالو نے کہا۔ "بہر حال [illegible] کسی دن تو میری باری بھی آ ہی جائے گی۔ اس لیے میں تمھیں [illegible] بتانے دیتا ہوں۔ یہ کہنا کہ میں یہ باتیں تمھیں اس لیے [illegible] دے رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی ہے، ایسی کوئی بات [illegible] میں اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں۔ میں [illegible] گفتگو پر صرف اس لیے آمادہ ہو گیا ہوں کہ شاید تمھیں ہم [illegible] زندگی کے حالات سے کوئی دلچسپی ہے اور تم ہمارے بارے [illegible] کی سے کچھ جاننا چاہتے ہو۔" اس نے کچھ دیر سوچ بچار کے [illegible] پھر کہا۔ "سنو امبالو! میں آہستہ آہستہ سرگوشی کے لہجے میں [illegible] اس بارے میں لوگوں کا یہ قبیلہ بہت لمبے زمانے سے سمندر [illegible] دشوار گزار پہاڑی سے سنا ہے کہ کسی زمانے میں اس قبیلے کا سردار [illegible] کرتا تھا۔ اس وقت قبیلے میں مجموعی طور پر مردوں ہی کو [illegible] حاصل تھی اور عورتیں ایک طرح سے ان کی محکوم تھیں۔ اس [illegible] کے زمانے میں یہاں ایک جادوگرنی رہا کرتی تھی جس کا نام [illegible] تھا۔ چیال نہ بروست علم اور بصیرت کی حامل تھی۔ اور اس کی [illegible] کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس جادوگرنی کی [illegible] بیٹی تھی جس کا نام گرشالا تھا۔ چیال اپنی بیٹی کو بہت چاہتی [illegible] اور اس نے اسے بھی اپنی طرح جادوگرنی بنا دیا تھا۔ دونوں ماں [illegible] جادو میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ اور پھر جوالوں کے قبیلے کے سردار نے کسی بات پر ناراض ہو کر چیال کی بیٹی گرشالا کو قبیلے کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چیال نے سردار کو یہ بات سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ اس کی بیٹی بے قصور ہے۔ لیکن چیال کی بات کسی نے نہ سنی۔ سردار کے دوست و احباب میں جتنے بھی مرد شامل تھے، ان سب نے گرشالا کو موردِ الزام ٹھیرایا اور ان سب نے سردار کو یہ رائے دی کہ گرشالا کو کھلے اور تاریک جنگل میں چاروں ہاتھ پیر باندھ کر چھوڑ دیا جائے۔ چیال کے بہت زیادہ اصرار اور خوشامد کے باوجود بھی کسی کا دل نہ پسیجا اور گرشالا کو ہاتھ پیر باندھ کر بالکل بے بس کر کے جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ گرشالا کو جنگلی جانوروں نے اپنا لقمہ بنا لیا ہو گا۔ اس وقت تک نہ تو چیال اتنی بڑی جادوگرنی بنی تھی کہ اپنی بیٹی کو سردار کے قہر سے بچا سکے، اور نہ ہی گرشالا کو اتنا جادو آتا تھا۔ قبیلے کے زیادہ تر مردوں نے سردار کا ساتھ دیا جب کہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد گرشالا کی حمایت میں تھی اور ان کی رائے یہ تھی کہ گرشالا قصوروار نہیں ہے۔ تاہم گرشالا کا خاتمہ ہو گیا اور چیال جیسے غم سے نڈھال ہو گئی، اور اس کے چند ہی روز کے بعد چیال غائب ہو گئی.....

بستی کے سردار نے چیال کی بڑی تلاش کروائی، لیکن اس کے دیگر لوگ بھی مدتوں مارے مارے پھرتے رہے، لیکن اس کا کہیں کوئی پتا نہیں چلا۔ البتہ کبھی کبھی وہ ماہی گیروں کو سمندر کے قریب واقع بڑے بڑے تاریک اور گہرے غاروں میں سے کسی ایک میں نظر آ جاتی تھی، لیکن ایک جھلک دکھا کر فوراً ہی غائب ہو جاتی تھی۔ کئی ماہی گیروں نے غاروں کے اندر گھس کر اسے تلاش کرنا چاہا، لیکن اس کا کوئی پتا نشان نہ ملا۔

"اور پھر ایک سال کے بعد چیال نمودار ہوئی۔ لیکن اس دفعہ اس کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں اور ان سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس کا جسم اگرچہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا لیکن اس میں بے پناہ توانائی بھری ہوئی تھی۔ اس نے بستی میں آتے ہی اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اتنے دنوں تک شکان دیوتا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور بالآخر اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اب شکان دیوتا سے اس کا براہ راست تعلق قائم ہو گیا ہے اور وہ اس قبیلے میں اب شکان دیوتا کے نائب کی حیثیت سے رہے گی۔ شکان دیوتا کی پرستش ہمارے قبیلے میں بڑے عرصے سے چلی آ رہی ہے۔ چیال نے بتایا کہ اس کے حکم میں شکان دیوتا کا پجاری، جو اپنی پیدائش کے بعد ان سب لوگوں سے سخت انتقام لے گا جنھوں نے گرشالا پر مظالم ڈھائے ہیں اور اسے موت کے منھ میں پہنچایا ہے۔

چیال کی یہ باتیں سن کر قبیلے کا سردار سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ چیال یا اس کی اولاد اب اس سے انتقام لے

بغیر نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس نے چپال کو مروانے کی سازش کی لیکن چپال کو اپنی قوتوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سردار اس کے خون کا پیاسا ہے اور وہ ایک رات کو خاموشی سے دوبارہ غائب ہوگئی۔ سردار نے اس بار بھی چپال کو تلاش کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن چپال ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کوئی پتا نشان ہی نہیں ملا۔ اس طرح دو سال کی مدت اور گزر گئی اور اس بار جب چپال دوبارہ نمودار ہوئی تو اس کی گود میں کوئی ڈیڑھ سال کی ایک بچی تھی۔ چپال نے قبیلے کے سردار کو پیغام بھجوا دیا کہ اسے یا اس کی بچی کو اگر نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ کیونکہ اس کی گود میں شکان دیوتا کی اولاد ہے اور شکان دیوتا اپنی اولاد کی نیابی پر خاموش نہیں بیٹھے گا۔ قبیلے کا سردار یہ بات سن کر خاموش ہوگیا اور اس نے چپال یا اس کی بیٹی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ . . .

"اور پھر اس کے بعد عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اچانک وہ سردار ایک ایک کر کے مرنے لگے جنھوں نے گرشالا کو سزا دلوانے میں کوئی حصہ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں میں صرف قبیلے کا سردار باقی بچا۔ اور پھر چند روز کے بعد اچانک سردار بھی فوت ہوگیا۔ اب وہ سب لوگ سر پکڑے بیٹھے جو گرشالا کو سزا دلوانے میں شریک تھے۔ اس موقع پر سردار کے بعض دوستوں نے دوستی نبھانے کی غرض سے چپال اور اس کی بیٹی پر حملے کیے۔ لیکن انھیں منھ کی کھانی پڑی۔ اور وہ سب کے سب دردناک عذاب میں مبتلا کر کے مارے گئے۔

"سردار کی ایک بیٹی تھی جس کا نام نرگل تھا۔ سردار اور اس کے ساتھیوں کی تابڑ توڑ موت نے ساری بستی کے لوگوں کو سخت خوفزدہ کر دیا تھا اور انھیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ یہ سب چپال کا کیا دھرا ہے۔ وہ سب کے سب چپال سے ڈرنے لگے اور اس کے ہر حکم کی بے چوں وچرا تعمیل کی جانے لگی۔ . . .

"چپال نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس قبیلے کی عورتوں پر سے بیوی کی فوقیت کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس نے قبیلے کے مرحوم سردار کی جگہ اس کی بیٹی نرگل کو قبیلے کا نیا سردار بنایا اور خود قبیلے کی روحانی پیشوا بن بیٹھی۔ اس نے نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا اور اس کے بعد اس نے عجیب و غریب قوانین نافذ کرنے شروع کر دیے

"چپال نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سے پورے قبیلے میں بالغ اور صحت مند مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس نے قبیلے کے دس بہترین جوانوں کو چھانٹ لیا اور ان کے علاوہ باقی سارے مردوں کو قتل کروا دیا۔ اب یہی دس مرد قبیلے کی ساری عورتوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رہ گئے ہیں۔ عورتوں کے بارے میں چپال نے حکم دیا کہ جو عورتیں بوڑھی ہو جائیں اور بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں، انھیں بھی قتل کر دیا جائے۔ بچوں کے بارے میں یہ طے پایا کہ لڑکے جب سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب ہوں گے تو ان سے اچھی صحت اور جسم والے لڑکوں کو زندہ رکھا جائے گا اور باقی ہلاک کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا کہ کبھی بھی قبیلے میں بالغ مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو۔ چپال نے بتایا کہ اسے یہ ساری ہدایات شکان دیوتا نے دی ہیں جو آسمان کا سب سے زیادہ طاقتور دیوتا ہے۔ بستی میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ چپال کے حکم سے روگردانی کر سکے. . . .

"اس طرح بستی پر عملاً چپال کی حکمرانی قائم ہوگئی اور اس نے نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا۔ نرگل اس کے حکم کے بغیر ایک سانس بھی نہیں لے سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چپال نے اپنی بیٹی کو بھی شروع سے اپنا علم سکھانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سن بلوغ کو پہنچتے پہنچتے پوری جادوگرنی بن گئی. . . .

"چپال کے مرنے کے بعد اس کی جگہ اس کی بیٹی نے لی اور اسی طرح نرگل کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی قبیلے کی سردار اور یہ سلسلہ اسی طرح آج تک چلا آ رہا ہے۔ نراس جادوگر فی چپال خاندان سے ہے اور نارو نرگل کے خاندان سے۔"

"تو گویا اب اس قبیلے میں کوئی مرد داخل ہو جاتا ہے تو شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا کر ختم کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کی تعداد برقرار رکھی جاتی ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اور گویا اس یہ ہوا کہ میری اس قبیلے میں آمد ایک مرد کی موت کا سبب بنی

"تمھاری پہلی بات تو صحیح ہے۔" امبالو نے جواب دیا۔ دوسری بات اتنی صحیح نہیں ہے۔ اگر تم نہ بھی آتے تو چند مہینوں قبیلے کے دو ایک لڑکے بالغ ہونے والے تھے ان کے بالغ کے بعد یا تو ان میں سے ہی کسی کو قتل کر دیا جاتا۔ دیا پھر موجود دس بالغ مردوں میں سے کسی کو ہلاک کر دیا جاتا۔ زیادہ تعداد موجود رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو میں یوں سمجھوں کہ آئندہ چند مہینوں بعد جب لڑکے بالغ ہو جائیں گے تو ان دونوں میں پھر کسی کو مرنا پڑے گا۔" اب کے کس کی باری آئے گی؟"

"ہاں، کسی نہ کسی کو تو ضرور مرنا پڑے گا۔" امبالو کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی باری آئے گی۔ ہے میری ہی باری آ جائے۔ بہرحال اس بات کا فیصلہ کرنے کا تو صرف نراس کو ہے اور نراس کا کہنا ہے کہ وہ شکان دیوتا کے پر عمل کرتی ہے۔"

"کیا یہاں کے مرد اس صورت حال سے خوش ہیں؟" میں نے پوچھا۔

میرے اس سوال پر امبالو کا چہرہ ایک دم سنجیدہ گیا اور خوفزدہ نظروں سے گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ڈمبالا؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم لوگوں کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی کرنا چاہتے ہو؟ اس وقت یہاں آنا ہی میرے لیے سخت پریشانی کا باعث اگر نراس یا نارو کو اس بات کا علم ہو گیا تو میری خیر نہیں ہے۔ تمہارے لیے بھی یہی سیدھی بات ہے کہ واپس مت کرو اور بہتر ہے کہ یہاں سے جاؤ۔"

"ظاہر ہے کہ میں یہاں سے چلا ہی جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمھارے چھوٹے سے میں رہنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ لیکن میں تو صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگ برضا و رغبت اس صورت حال کو قبول کر چکے ہو؟"

"ہماری اپنی مرضی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" امبالو نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "شکان دیوتا اور اس کی نمائندہ نراس کی مرضی ہی ہماری مرضی ہے۔ اگر شکان دیوتا کا ہمارے بارے میں یہی فیصلہ ہے تو پھر ہم اس فیصلے کو دل سے قبول کرتے ہیں۔"

"کیا تم مردوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں، ہاں ہم اپنی حدود تک محدود رہنے پر مجبور ہیں۔ ہم پہاڑی کی ہی ان نہیں جا سکتے تاوقتیکہ ہمیں خاص طور پر اس کے لیے بلایا جائے۔"

"اچھا دوست تمھارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے اٹھتے ہوئے "اب تمھاری زبانی مجھے یہاں کے حالات کا مکمل علم ہو چکا ہے اور میں کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب، منصوبہ سوچوں گا جس کے باعث تم لوگوں کو نراس کی اس زندگی سے نجات مل جائے۔"

"اس فریب میں مبتلا نہ رہنا۔" امبالو نے مجھ سے کہا۔ "اگر نراس کو ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ اور نراس دونوں تمھارے پیچھے پڑ جائیں گی، اور عین ممکن ہے کہ نراس شکان دیوتا کی مدد حاصل کر کے تمھارے جسم میں سے ڈمبالا کی روح کو نکال دے اور تم ایک معمولی اور کم حیثیت کے آدمی رہ جاؤ۔ اس صورت میں نارو تمھیں باسانی کشتی میں شکست دے کر ہلاک کر سکتی ہے۔"

"کشتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا نارو مردوں سے کشتی بھی لڑتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" امبالو نے جواب دیا۔ "اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہے۔ جب بھی دو ایک نئے لڑکے بالغ ہو جاتے اور قبیلے میں مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو جاتی ہے تو نارو اپنی مرضی سے کسی ایسے مرد کا انتخاب کرتی ہے جو صحت اور طاقت میں لاجواب ہو۔ اس کے بعد وہ اس شخص کو کھلے مقابلے کی دعوت دیتی ہے۔ بستی کے درمیان میں جو میدان ہے وہیں نارو کی اور اس مرد کی کشتی ہوتی ہے۔ اس شخص کے زندہ بچنے کی صورت صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ وہ کسی طرح نارو کو کشتی میں شکست دے دے۔ اگر وہ نارو کو ہرا دے تو اس کی زندگی بچ جاتی ہے۔ لیکن آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نارو سے کشتی لڑنے والا کوئی مرد زندہ نہیں بچ سکا۔ نارو اپنے ہر مدمقابل کو شکست دے دیتی ہے اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کر دیتی ہے۔ حسب روایت اس کے خون اور گوشت کو شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور بستی کی تمام عورتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مردوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بالفرض کوئی مرد ایسا ہو جو کشتی میں نارو کو شکست دے دے تو روایات کے مطابق نارو پھر اس شخص کو نہ تو ہلاک کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ہلاکت کے انتظامات جاری کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اسے اس شخص کی جان بخش دینی ہوگی اور پھر کشتی لڑنے کے لیے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرنا ہوگا۔ اگر وہ اس دوسرے شخص کو شکست دے دیتی ہے تو پھر اسے پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ مردوں کی تعداد ہر حالت میں دس ہی رہے گی۔ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

"تو کیا تمھارے خیال میں نراس میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ میرے جسم سے ڈمبالا کی روح کو نکال کر مجھے ایک معمولی اور عام انسان میں تبدیل کر دے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" امبالو نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نراس عظیم ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اسے شکان دیوتا کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم سے تمھاری ساری طاقتیں چھین سکتی ہے۔"

میں نے ان ساری اطلاعات کے لیے امبالو کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ جب میں امبالو کے جھونپڑے سے نکلا تو رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ساری بستی موت کے سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خونخوار اور درندہ صفت کتے مردوں کے جھونپڑوں کے آس پاس آزادانہ گھوم رہے تھے۔ یہ اس قدر خوفناک کتے تھے کہ اگر کسی انسان پر حملہ کر دیتے تو ان کی آن میں اس کی بوٹیاں نوچ کھاتے۔ لیکن ظاہر ہے وہ ایسا صرف عام انسانوں کے ساتھ کر سکتے تھے۔ میرے ساتھ نہیں۔ میں تو عام انسانوں سے ہر لحاظ سے بہت مختلف تھا۔ چنانچہ وہ خوفناک شکلوں والے آدم خور کتے میرے ادھر ادھر منڈلاتے رہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں پورے سکون و اطمینان کے ساتھ مردوں کی وادی میں سے نکل کر اونچی پہاڑی پر چڑھنے لگا اور اس کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد میں نے دوسری طرف اترنے کا آغاز کر دیا۔ زاویہ میں میں پہاڑی سے نیچے اتر کر بستی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ مردوں

کی وردی کی طرح عام۔ تو رانی بستی میں بھی دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی ملگجی چاندنی میں سفر کرتا ہوا میں نارو کے جھونپڑے تک پہنچ گیا، اور دبے پاؤں بلی کی طرح آہستہ سے جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔

میرا دل معلومات کے وسیع خزانے سے بھرا ہوا تھا اور اب میں ان معلومات سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے مردوں کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے مجھے سوچ بچار اور کسی مناسب حکمت عملی کی ضرورت تھی تاکہ میری شخصیت کا اصل راز ان لوگوں پر کم سے کم منکشف ہو اور میری غیر معمولی صلاحیتوں سے زیادہ واقفیت حاصل نہ کر سکیں۔

دوسری صبح قیامت کی صبح تھی۔ ابھی میں سو کر پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک عجیب و غریب قسم کے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے دگرگوں حالت سی مسلح عورتوں کا ہجوم دیکھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھ گیا۔ نارو میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے وہ سخت غصے اور طیش کے عالم میں نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی عورتیں بھی کھڑی ہوئی تھیں جو سب کی سب تیر کمان اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھیں۔

"ڈبو الا" نارو نے مجھے بھاری آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اس بستی میں آمد ہمارے لیے باعث فخر و امتیاز تھی۔ تم خوش بختی کی علامت بن کر یہاں آئے تھے۔ تمہاری آمد کیلئے سو سال تک انتظار کرنا پڑا ہے اور اس کے بعد جا کر ڈبو مالا دیوتا اپنی روح کو کسی انسانی پیکر میں منتقل کر کے یہاں بھیجتا ہے۔ لیکن تم نے یہاں آنے کے بعد ڈبو مالا کی روح سے بے وفائی کی ہے اور ہم لوگوں سے بھی بیوفائی کی ہے۔ ہم سب کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ تم کل رات چوری چھپے پہاڑی کے اس پار مردوں کی وادی میں چلے گئے، جب کہ تمہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے مردوں کے بارے میں مجھ سے سوال پوچھا تھا اور میں نے اس کا واضح جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا صاف طور پر مطلب یہی تھا کہ ہم تمہیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن تم کل رات ہمارے کھجور کے جھونپڑے میں جا پہنچے۔ ہم سب کو اس بات پر حیرت ہے کہ تو غوغار کتوں نے تمہیں کیونکر چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ ڈبو مالا کی عظیم روح کا کرشمہ ہو۔ تم نہ صرف ابھالو کے کھجور کے جھونپڑے میں گئے بلکہ تم نے اسے مجبور کر کے یہاں کے بارے میں وہ ساری باتیں معلوم کر لیں جن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ احمق اور نادان ابھالو تمہیں ساری تفصیلات بتاتا رہا اور تم اس سے کرید کرید کر یہاں کے بارے میں سوالات پوچھتے رہے۔ تم شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ تم دونوں کی ملاقات اور گفتگو کا کسی کو علم نہیں ہو گا۔ لیکن یہ تمہاری بہت بڑی بھول تھی۔ تمہیں یقیناً اس بات کا علم نہیں تھا کہ برابر کے جھونپڑے میں پالکم رہتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ اندلک موجود تھی۔ پالکم اور اندلک نے وہ ساری باتیں سن لیں جو تمہارے اور ابھالو کے درمیان ہوئی تھیں اور انھوں نے رات ہی کو جا کر عظیم نراس کو اس سارے واقعے سے آگاہ کر دیا۔ نراس سخت برہم ہے اور اس صورت حال نے اسے شدید غضبناک بنا دیا ہے۔ میں اب اگر چاہوں بھی تو تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہارے اندر دیوتا کی روح اس وقت نہ تو موجود ہے۔ لیکن مجھے یہ بات نہیں بھولنی چاہیے تھی کہ شکان دیوتا سب سے عظیم ہے اور نراس اس کی نمائندہ ہے۔ اب تمہیں نراس کے پاس چلنا پڑے گا۔" اس نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔"

"میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے نہ کوئی ندامت ہے اور نہ اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگر عظیم نراس نے مجھے طلب کیا ہے۔ میں اس کے پاس چلنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ میں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تو پھر اٹھو اور چلو۔" نارو نے کہا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا اور ہم نارو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اس بار صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میرے آگے آگے نارو چل رہی تھی جس کے دونوں ہاتھوں میں ہڈیوں کے بنے ہوئے بھاری بھاری ہتھیار تھے، اور میرے پیچھے اور دائیں بائیں بہت بڑی تعداد میں مسلح عورتیں چل رہی تھیں جو سب کی سب اسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھیں اور بڑی چوکس نظر آ رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس وقت میری حیثیت ایک قیدی کی سی تھی جسے مسلح محافظوں کی نگرانی میں لے جایا جا رہا تھا مگر مجھے کسی نے یہ بات نہیں کہی تھی کہ میں قیدی ہوں اور میری حفاظت کی جا رہی ہے، لیکن درحقیقت صورت حال یہی تھی کہ مجھے اس حفاظت سے جایا جا رہا تھا تاکہ میں کوئی فرار کی راہ اختیار نہ کر سکوں۔ میں دل ہی دل میں ان وحشی عورتوں کی حماقت اور سادگی پر ہنس رہا تھا۔ بھلا مجھے راہ فرار اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر میں فرار ہونا بھی چاہتا تو بھلا ان نہتی عورتوں کی کیا مجال تھی کہ مجھے روک سکتیں۔ نہ تو نراس جادوگرنی کی ساحرانہ قوتیں میرے اوپر کوئی اثر کر سکتی تھیں، اور نہ ہی نارو کی بے پناہ جسمانی طاقت میں اس تماشے میں دل چسپی لینے لگا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے آئندہ اقدامات کیا ہوں گے۔ سرزمین افریقہ پر میرا پہلا تجربہ تھا اور مجھے اس تجربے سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہونا چاہیے تھا۔

ہمارا جلوس نراس کے جھونپڑے کے سامنے جا کر رک گیا۔ نارو اور جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ جلوس میں نراس کی نائب دہیل بھی شامل تھی۔ مجھ سمیت سب لوگ باہر ٹھہر گئے اور صرف دہیل اندر چلی گئی۔ نارو بھی باہر ہی کھڑی رہی۔

ذرا دیر کے بعد دہیل اندر سے نکل کر آئی۔ اس نے نارو سے کہا کہ وہ ڈبو مالا کو ساتھ لے کر اندر آ جائے اور باقی لوگ دروازے پر ہی ٹھہریں۔ نارو نے اپنی ساتھی مسلح عورتوں کو اشارہ کیا اور وہ اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر ایک دائرے کی شکل میں وہیں بیٹھ گئیں۔ نارو اور میں اندر داخل ہوئے۔ اندر جاتے ہی جس چیز پر سب سے پہلے میری نگاہ پڑی وہ ابھالو تھا۔ لیکن یہ وہ ابھالو نہیں تھا جسے رات کو میں نے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ تیکھے نقوش گفتگو کی تھی۔ اس وقت کا ابھالو نقوش سے چوڑے چکلے جسم کا تھا جو نراس کی بھٹی بھٹی آنکھوں سے دہکتے ہوئے انگارے کی طرح دہکتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئلوں یا پتھروں سے بڑی طرح مار کھا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر مضبوط رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ تنی سختی کے ساتھ کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جبکہ شاید اس کی کوئی ایسی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ابھالو اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اگر وہ خود بھی حرکت کرنا چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔ معلوم نہیں ان ظالم اور بیدرد عورتوں نے اسے کیا کیا اذیتیں پہنچائی تھیں۔ ابھالو کے فوراً بعد جس دوسری چیز پر میری نظر پڑی، وہ خود نراس تھی۔ میں اس سے پہلے ایک بار اسے نزدیک سے دیکھ چکا تھا، لیکن اس وقت اس کی حالت ہی کچھ اور تھی۔ وہ پتھر سے بنی ہوئی ایک بے ڈھنگی سی چٹانی مورتی جیسی چیز دکھائی دیتی تھی۔ اس کے پیچھے دو بے ڈھنگے بال دونوں شانوں پر بڑی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کے سامنے ہی زمین پر ایک بڑا سا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس برتن کے دونوں طرف دو بہت بڑا سا کھوپڑی کا سر رکھا ہوا تھا۔ ان کھوپڑیوں کے سوا برتن میں کوئی اور چیز نہیں تھی۔ کھلے ہوئے منہ والے برتن میں کوئی سیال مادہ بھرا ہوا تھا۔ اس کی سطح پر خون کی کافی مقدار بھی تیر رہی تھی۔ صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا کہ یہ خون انسانی خون ہی تھا۔ اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ یہ خون ابھالو کا ہی ہو سکتا تھا۔ اس کا سر، جسم، ٹانگوں سے چھلکتا اور جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کی ساری چربی اپنے ساتھ رکھے ہوئے منہ میں کچھ چبا رہی تھی، لیکن وہ مسلسل ہنس رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ایک لفظ بھی کوئی دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔ بس اس نے اپنی آنکھیں ہی مٹکا رکھی تھیں۔

ہم لوگ خاموشی سے جا کر نراس کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ نراس نے ہمیں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی عورتوں کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ عورتیں اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ اب وہاں صرف نارو، دہیل، نراس اور ابھالو تھے۔ نرا

رہتے ہیں۔ تو کسی دور کی دنیا کا باسی ہے اور ہمدردوں کی سیر کرتے کرتے یہاں تک آ گیا ہے۔ عظیم ڈمبالا! سو سال کے بعد جب ضرور ہوتے ہو تو وہ اپنے لیے ایک ایسا ہی جسم تلاش کرتا ہے جیسا کہ تمہارا جسم ہے۔ اور اس جسم میں وہ اپنی روح کو منتقل کرکے ہماری آبادی میں چلا آتا ہے اور ایک طویل عرصے تک قیام کرتا ہے۔ اس کی آمد تو سب لوگوں کے لیے نیکی اور نیک بختی کی علامت ہوتی ہے۔ میری عمر تو دو سو سال سے زیادہ ہے اور میں دو دو ڈمبالا کو دیکھ چکا ہوں۔ ہر بار ڈمبالا نے بستی کے قواعد و قوانین کی پابندی کی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے عظیم دیوتا شرکان کی ناراضگی کا کوئی امکان پیدا ہو۔ لیکن سے گوری لڑکی تو کسی اور ہی مخلوق سے تعلق رکھتی ہے۔ تو نے ڈمبالا کی روح کو زخمی کر دیا ہے۔ ڈمبالا کی روح مجھ سے سخت ناراض ہے۔ تو نے اس بستی میں داخل ہونے کے بعد ان باتوں کا کھوج لگانے کی کوشش کی جن سے ہمارا راست طور پر کوئی تعلق نہیں تھا۔"

لیکن تو نے بوڑھی ساحرہ کی بات میں خود کو الجھا لیا۔

"ہاں، یہ صرف میں نہیں کہتی، اور بھی میری ایسی خواہش ہے، تم جیتے گئے، میں نے ڈمبالا دیوتا کی روح کے سامنے کھڑا احترام کیا، محسوس، شاید تمہارا جسم اس لائق نہیں تھا کہ ڈمبالا کی روح کو اپنے پر قبول کر لیتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمزوری رہ گئی اور تمہارے جسم نے ڈمبالا کی روح کو پورے طور پر قبول نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ تمہارے من، مسرت اور سکون کی اس مقدس سرزمین پر، جہاں شرکان دیوتا کی حکمرانی ہے، سازشوں اور فریب کاریوں کے بیج بونے کی کوشش کی۔ اب یہ شرکان دیوتا کا ہی حکم ہے کہ تمہارے جسم سے ڈمبالا کی روح کو نکال دیا جائے اور تمہیں پھر سے ایک عام انسان میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہی تمہارے جسم سے اب ڈمبالا کی روح نکال لی گئی ہے اور تمہارا اب کوئی دشمن اور ایک سازشی کا تشخص ہوگا جو ایک دشمن اور ایک سازشی کا تشخص ہوتا ہے۔" نرسس نے کہا۔

اب پروفیسر میں ایک دلچسپ صورت حال سے دوچار تھا۔ سے پہلے مجھے بیشمار دنوں سے ہر روز امداد کرنی پڑتی تھی اور انھیں انکی کے غرور کی سرزنش بھی پڑتی تھی۔ اب تک صرف ایک عورت میری زندگی میں آئی تھی جس نے مجھ سے براہ راست تصادم کی راہ اختیار کی تھی، اور وہ تھی شوخ و شنگ جو مجھ سے پہلے نہ جانے کتنے نوجوان انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگ چکی تھی لیکن وہ بھی اس طرح کھل کر میرے مقابلے پر نہیں آئی تھی، اور اس نے دھوکہ بازی سے کام لیتے ہوئے مجھے نشہ آور شراب پلا کر مجھ پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہاں تو جنسی طور پر بھی ایک عورت کی طرف سے مجھے اس کی کیا امید ہو سکتی تھی۔ میں نرسس کی بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مجھے اس قبیلے کی تمام عورتوں کو بدل چپ تماشہ دیکھنے کے لیے کہا گیا تھا، لیکن مجھے اصل فکر مہاپو کی تھی۔ مہاپو بے گناہ تھا۔ اس غریب کا صرف اتنا ہی گناہ تھا کہ اس نے میرے سوالوں کے جوابات دے کر مجھے یہاں کے اصل حالات سے آگاہ کیا تھا۔ اور وہ بھی اس وقت جب میں نے اس کے لیے اس سے بہت اصرار کیا تھا۔ اور نہ ہی وہ میرے کچھ بتانے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اس طرح گرفتار کیا جاتا تو مہاپو کی معصیت کا بوجھ بھی اسے برداشت کرنا پڑتا، اور ایک طرح سے یہ بھی تعلق فرض تھا کہ میں مہاپو کو اس تلخ صورت حال سے نکالوں اور اس دردناک اور عذاب بھرے تعلق سے اس کو نجات دلاؤں جس کا واضح مفہوم نرسس نے کہا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ نرسس کے بیٹھے کے مطابق مہاپو کی بلی مجھ سے پہلے آنے والی تھی۔ آج سے تین ماہ بعد مہاپو کو ہلاک کیا جانا تھا اور اس کے بعد میرا نمبر تھا۔ میں ابھی فوری طور پر اپنی حفاظت تو آسانی سے کر سکتا تھا لیکن مہاپو کا کیا۔ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور مہاپو کی جان بھی بچا لینا چاہتا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ مجھے کچھ کچھ تکمیل

سے کام لینا تھا۔

"نرسس عظیم ہے اور شرکان دیوتا عظیم تر ہے۔" میں نے نرسس کے آگے موذیانہ انداز میں اپنا سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "اب جبکہ عظیم دیوتا شرکان کے حکم کے تحت میرے بدن میں سے ڈمبالا کی روح نکالی جا چکی ہے۔ اور مجھے ایک عام اور معمولی درجے کے انسان میں تبدیل کیا جا چکا ہے تو میں عظیم نرسس کے سامنے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی تمام غلطیوں کا اعتراف ہے اور میں اسی سلسلے میں عظیم نرسس سے ایک ضروری گزارش کرنا چاہتا ہوں۔"

"نرسس تمہاری بات ضرور سنے گی میاپو۔" بوڑھی ساحرہ نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری اپنی ناقص عقل کے مطابق اصابو بے قصور ہے۔ اور سارا قصور میرا اور صرف میرا ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "نرسس اصابو نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی اور نہ ہی میں اس کے بلانے پر وہاں گیا تھا۔ میں خود ہی زبردستی اس کے گھر میں گھس کر داخل ہو گیا تھا اور وہاں جا کر میں نے اسے مجبور کیا کہ وہ میرے سوالات کے جوابات دے۔ وہ تو حتی المقدور میرے سوالوں کے جوابات دینے سے گریز کرتا رہا، لیکن شاید وہ ڈمبالا دیوتا کی بات کو مسترد کر کے اس کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتا تھا، اس لیے اس نے ساری باتیں مجھے صاف صاف بتا دیں۔ اس لیے میں عظیم نرسس سے درخواست کرتا ہوں کہ اصابو کو معاف کیا جائے اور اسے کوئی سزا نہ دی جائے۔ اس بے کس نے فی الحقیقت میرے قابل کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ اور اگر اس قبیلے سے متعلق ان باتوں کا میرے علم میں آنا کوئی جرم تھا تو مجھے اس جرم کی سزا ملنی چاہیے۔ میں عظیم نرسس کے فیصلے کے آگے سر جھکاتا ہوں اور سر جھکانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ عمدہ یہ کہ جب ڈمبالا کی حیثیت سے میرا اس قبیلے میں خیر مقدم کیا گیا اور میری آمد کو بہت خیر و برکت قرار دیا گیا تو پھر اس قبیلے سے متعلق ہم باتوں سے میرا واقف ہونا ایک جرم کیسے بن گیا؟ کیا گزشتہ دنوں تک اس قبیلے میں رہنے کے بعد میں یہاں کی باتوں سے خود بخود واقف نہیں ہو جاتا؟ اس وقت کسے سزاوار ٹھہرایا جائے گا مجھے؟ اصابو کو یا کسی اور کو؟"

"تم نے بہت دلچسپ اور عقلمندانہ باتیں کہنے کی کوشش کی ہے میاپو۔" نرسس نے سمجھ لیے جانے کے انداز میں کہا۔ "اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تم ایک ہوشیار اور ذہین شخص ہو۔ تمہارے اندر باتوں کو سمجھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ میں تمہارے پوچھے ہوئے دونوں سوالوں کا جواب دوں گی جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس قبیلے میں رہنے کے بعد تمہیں یہاں کے طور طریقوں اور رسم و رواج کا خود بخود علم ہو جاتا، تو یہ بات اپنی جگہ پر بالکل درست ہے تمہیں واقعی تھوڑی بہت علم تو خود ہی ہو جاتا، اور باقی باتیں پوری تفصیل کے ساتھ تمہیں یا تو میں خود بتا دیتی یا میری نائب، اور معتمد دہل بتا دیتی۔ یہ میرا منصب تھا کہ میں تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کرتی۔ لیکن تم نے چند دنوں

اس کے زخموں پر لگائے گئی۔ غالباً وہ کافی جلن والی دوا تھی کیونکہ امبالو بُری طرح چیخا۔ وہ تھا اور تڑپ رہا تھا۔ دو عورتوں نے اس کی ٹانگیں اور دو نے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے، لیکن پھر بھی وہ ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے مچل رہا تھا، لیکن انھوں نے اسے چھوڑا نہیں اور دس بیس منٹ بے دردی کے ساتھ اس کے زخموں پر دوا کی مالش کرتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر بعد شاید امبالو بے ہوش ہو گیا اور عورتوں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر اس کے سارے جسم پر دوا لگا چکی تھی۔

عورتیں ہمیں اسی حالت میں چھوڑ کر جھونپڑے کے باہر نکل گئیں۔ امبالو تو بے ہوشی پڑا تھا، میں نے بھی گھاس پھونس کے بستر پر ہاتھ پیر پھیلا دیے اور آرام سے سو گیا۔ فی الوقت میرے ذہن میں کوئی پریشانی نہیں تھا اور مجھے کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ ابھی میرے پاس بہت وقت تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ تھکن ابھی بھی نہیں دور ہو رہا تھا۔ باہر سے خوفناک کتوں کی غراہٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے امبالو کو آواز دی۔ میرے پکارنے کے جواب میں اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "کیا بات ہے نیا لو؟"

"تمھاری طبیعت اب کیسی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "تمھارے زخموں کی حالت کچھ بہتر ہوئی؟"

"یہ نصیب انسان سے مجھ سے سخت نفرت کرتا ہوں۔" امبالو نے کراہ کر لیکن زہر بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو ابھی تک زندہ نہ بیٹھا ہوتا۔ میں تیرا گلا گھونٹ کر تجھے ہلاک کر دیتا اور اب تک تیرے جسم کے گوشت کا بہت سا حصہ میرے پیٹ میں جا چکا ہوتا۔ موت تو تیرا مقدر بن چکی ہے بس میں مجھے تمھارے ہاتھوں مرنے کے بجائے خود مجھے ہلاک کرنا پسند تھا۔ تو نے میرا خون پیا۔ تو ہی میری اس مصیبت کا سبب ہے۔ [illegible] کسی میرے پھوٹے پر تھوکنے کو بھی [illegible] کر مجھے ہوئے پر خصوصی [illegible] میں تیری جلدی موت ہو جاتا۔"

لیکن ایک نہ کیے دیا [illegible] سے جاتے۔ امبالو [illegible] میں نے جی لقمہ [illegible] میں سے غور سے آنکھوں سے دیکھ لے کہ تمھارے قبیلے میں کچھ لوگ کسی سے [illegible] ہوتے ہیں۔ وہ غصے کی حالت میں [illegible] کی طرح پھولنے لگتے ہیں۔ ان کی آنکھیں [illegible] ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک کے ماتھے پر ایک بھوپڑے [illegible] کچھ بچوں کی طرح [illegible] ان کے آنسے سے تو جیسے تمام [illegible] جاتا ہے۔ امبالو نے [illegible] میری طرف دیکھا۔ وہ فرش پر بیٹھا ہوا [illegible] اس کے سامنے [illegible] دانتوں کے بڑے بڑے [illegible] میں پیش کیے [illegible] اس کے سامنے [illegible] یہ دانتوں حس کی [illegible] اس کے سینے [illegible] یہ کیا ہے [illegible] اس وقت اس [illegible] اس کے [illegible] کی [illegible] اس کے [illegible] کس طرح [illegible] اور [illegible] تھا۔

[illegible] کے [illegible] ایک طرف [illegible] میں [illegible] اور [illegible] پیش [illegible] کچھ [illegible] گوشت [illegible] کچھ [illegible] گوشت کا [illegible] بڑا سا ٹکڑا [illegible] امبالو کی طرف بڑھایا [illegible] امبالو نے [illegible] بھوکے [illegible] کی طرح [illegible] لگا۔ پھر [illegible] نے کچھ [illegible] میں [illegible] گوشت [illegible] کی طرف [illegible] میں اس وقت [illegible] بھوک [illegible] گوشت [illegible] تھا، اور پھر [illegible] ہے کہ میرے لیے [illegible] گوشت کھانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں کچھ نہیں کھاؤں گا۔

"کیا تمھیں موت کا ڈر ہے جو تم نے کھانا چھوڑ دیا ہے؟" [illegible]

[illegible] ایک عورت نے جس کا جسم سنگِ اسود کا ٹکڑا معلوم ہوتا [illegible] منکاتے ہوئے عجیب ادا سے مجھ سے کہا۔ "ابھی تو تمھارے [illegible] کافی دن ہیں۔ یا تمھیں اس بات کا افسوس ہے کہ ڈمبالا کی طرح [illegible] جسم سے نکال دیا گیا؟"

"نہ تو میں نے کھانا چھوڑا ہے اور نہ مجھے موت کا خوف ہے۔" [illegible] کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "جہاں [illegible] کی روح کا سوال ہے تو نہ تو میں نے اسے دعوت دی تھی کہ [illegible] جسم میں داخل ہو اور نہ مجھے اس کے چلے جانے کا کوئی افسوس [illegible] ہے ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"تو پھر تم کھانا کیوں نہیں کھاتے؟" اس نے ایک بار پھر [illegible] سے بل کھاتے ہوئے کہا۔

"بتا دوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اب بتا بھی دو۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"میں تمھیں کھانا چاہتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہے، جبکہ موت تمھارے سر پر کھڑی ہے اس [illegible] تمھاری سرمستی کا یہ عالم ہے۔" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"[illegible] میں نے مختصر سا جواب دیا۔

امبالو نہایت نفرت بھری نظروں سے یہ سارے مناظر دیکھ [illegible] رہی تھی۔ مجھے گالیاں بھی دیتا جا رہا تھا۔ ان دونوں عورتوں [illegible] سے روکنے کی بھی کوشش کی لیکن اس نے ان کے بے [illegible] ظر ستیاں کیے اور انھیں بُرا بھلا کہا۔

[illegible] کسی جنگلی بھینسے کی طرح مضبوط اور مسٹنڈی کیوں [illegible] تھے کے عالم میں سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ [illegible] کے عذاب سے مگر نہیں بچ سکے گا بدبخت ہوت [illegible] تھی ہے اور تجھے مستی سوجھ رہی ہے۔" [illegible] میرے نصیب میں لکھی جا چکی ہے تو پوری ہے گی۔ [illegible] پہلے اپنے دل کی ساری حسرتیں پوری کر لو۔" میں نے [illegible] امبالو کو جواب دیا۔ دونوں عورتیں بھی میرے [illegible] جواب

[illegible] ہوئی تو امبالو [illegible] نے کہا

[illegible] لوگ ہمارے [illegible] ہو چکا ہے تب تک تجھے [illegible] کھلائی جائے گی۔" امبالو کو سخت آزمائش پڑ رہی [illegible] کی [illegible] کر رہے ہیں۔"

[illegible] امبالو [illegible] ان دونوں عورتوں [illegible] میں نے کچھ بعد تو تمھیں ہمیشہ کے لیے [illegible] چلتے چلے گئے۔ [illegible] ہو گیا۔ امبالو نے نفرت بھری خونخوار نظروں سے ہم لوگوں کو دیکھا۔

وہ دونوں چلی گئیں۔ لیکن جلتی ہوئی مشعل جھونپڑے میں ہی چھوڑ گئیں۔ امبالو نے ایک بار پھر غصہ بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور دوسری طرف کروٹ کر لی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد ایک اور عورت جھونپڑے میں داخل ہوئی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں مٹکیاں تھے۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ان آٹھ عورتوں میں سے ایک تھی جنھیں میری اور امبالو کی نگرانی کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ اس عورت کے پیچھے پیچھے دو ہیبت ناک شکل والے خونخوار کتے بھی تھے جو مجھے اور امبالو کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس عورت نے دھمکی بھرے لہجے میں مجھے اور امبالو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں صدی رات باہر موجود رہوں گی اور شکاری رہو تا کے وفادار کتے میرے ساتھی ہیں۔ مجھے صرف ایک اشارہ کرنے کی دیر ہو گی اور اس کے بعد تم لوگوں کے جسموں کی بوٹیوں کا بھی پتا نہ چلے گا۔"

میں نے یا امبالو نے اس عورت کی اس دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحوں تک کھڑی ہمیں گھورتی رہی اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل گئی۔ دونوں کتے بھی اس کے پیچھے پیچھے دُمیں ہلاتے ہوئے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے نیند آ گئی۔ امبالو نے بھی اس کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور شاید وہ سو گیا۔

چند روز کے اندر اندر امبالو کے زخم کافی ٹھیک ہو گئے۔ وہ روز اطمینان کے ساتھ چلنے پھرنے کا۔ میری جانب اس کی نفرت اور حقارت سے پُر رویہ میں بھی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ ہی میں نے فی الحال اس سے اپنے تعلقات کو معمول پر لانے کی کوششوں کا سلسلہ ترک کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جب بھی میں چاہوں گا [illegible] دوستانہ ماحول کا کسی نہ کسی بہانے کی فی الحال ضرورت نہیں تھی۔ ہم لوگوں کو مجھ سے [illegible] نکلنے کی تھی۔ [illegible] تھی۔ [illegible] مسلح عورتیں ہمیشہ تھوڑے کے [illegible] ہوئے ہوتی تھی۔ [illegible] کے [illegible] کتے تھوڑے کے چاروں طرف چکر لگاتے [illegible] جب [illegible] سنسان کا وقت ہوتا تھوڑے سے باہر نکلتا تھا۔ [illegible] تھوڑے کے [illegible] کرتی رہتی تھی۔ کھانے [illegible] میں کچا گوشت دیا جاتا تھا۔ [illegible] بھی کچا گوشت [illegible] تھا۔ [illegible] کھانے کا [illegible] ہوتا تھا۔ [illegible] گوشت کو [illegible] کھانے کا کبھی [illegible] تھا۔ امبالو [illegible] ہوئے [illegible] کھاتی تھی۔ [illegible] گوشت بھی [illegible] کھاتا تھا۔ [illegible] گوشت بھی [illegible] رہتا تھا۔

[illegible] ہفتے سے [illegible] ماہ کی [illegible] گزر گئی۔ ایک [illegible] کے وقت، جبکہ امبالو دونوں ہتھیلوں کے درمیان اپنا منہ دبائے [illegible] ہوئے بیٹھا تھا، میں نے اسے گدگدی کی۔ وہ [illegible] ہو کر [illegible] ہو گیا۔ امبالو نے نفرت بھری خونخوار نظروں سے

پڑا اور حسب معمول غیر دوستانہ اور کڑے تیور دل سے لے گھورنے لگا۔

"تمہارے دل میں میرے لیے نفرت کا طوفان اب بھی اسی طرح باقی ہے یا اب اس میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے؟" میں نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر اس سے سوال کیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اسپالو نے تلخے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم سے نفرت کی۔ اب بھی بھرپور نفرت کرتا ہوں۔ لیکن میں نے تمہیں نقصان پہنچانے کا خیال اب دل سے نکال دیا ہے۔ میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ کئی دفعہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سوتے میں تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ہلاک کر ڈالوں، لیکن پھر میں نے سوچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل ڈالا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمہیں ہلاک کرنے والا شخص میں خود ہوں تو نہ جانے عظیم تراس اور نارو مجھے اس کی سزا کے طور پر کتنی اذیت دیں۔ اس لیے میں نے تمہیں چھوڑ دیا، ورنہ پہلے میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں موت کے دروازے تک پہنچا کر آؤں گا۔ بگراب میں تمہارے قربان کیے جانے کا انتظار کروں گا۔"

"عجیب بات ہے دوست۔" میں نے مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری جان کے دشمن بنے بیٹھے ہو، اور یہ اس بات کا فیصلہ کیے بیٹھے ہوں کہ تمہیں یہ خود کو ہرگز ہلاک نہیں ہونے دوں گا۔ ہم دونوں زندہ رہیں گے اور ضرور زندہ رہیں گے۔"

"تم نے کیا کہا؟" اسپالو نے حیرت سے پوچھا۔ "ذرا اپنی بات ایک بار پھر تو دہرانا۔"

"میں تمہیں یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ نہ تو تم مارے جاؤ گے اور نہ میں مارا جاؤں گا۔ ہم دونوں کی قسمت ابھی مرنے کی نہیں ہیں۔ کیا سمجھے؟"

"میں ــــ میں کچھ نہیں سمجھا۔" اسپالو نے گہری الجھن کے عالم جواب دیا۔ "بھلا شکان دیوتا اور اس کی عظیم تراس کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے۔ عظیم ترین دیوتا شکان اور اس کی نائب تراس کے حکم کو تبدیل کر سکے۔"

"سفاک اور بزدل انسان!" میں نے اسپالو سے سخت لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "میں ہمت دنوں سے تمہاری بکواس سنتے سنتے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر تم مجھے ہلاک کرنے کا شوق رکھتے ہو تو تمہیں اس طرح سے پوری اجازت ہے۔ تم یہ شوق پورا کر سکتے ہو۔ میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور اگر تمہیں اس مدد کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی کوئی مدد کرنے کا شوق نہیں۔ تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کر سکتے ہو میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تمہیں میرے سو جانے کا انتظار بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاگتے میں بھی مجھے ہلاک کر سکتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی مزاحمت نہیں کروں گا۔"

میرے ان الفاظ کا اسپالو پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ میری جانب سے اس کے دل میں جو بے پناہ کدورت تھی، اس میں خاصی کمی آ گئی۔ اور وہ مجھ سے یہ پوچھنے لگا۔ "کیا ہم دونوں کی جانیں بچ جانے کا کوئی امکان موجود ہے؟"

"میں تمہیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم دونوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نا ممکن۔" اس نے حیرت اور استعجاب میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ شکان دیوتا یا اس کی نمائندہ تراس ہمارے قصور کو معاف کر دیں گے؟ اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو یہ بات بھول جاؤ۔ ہمارے قبیلے میں معافی دینے کا رواج نہیں ہے اور جو سزا ایک بار دے دی جاتی ہے، اسے واپس لیے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے تم شکان دیوتا یا تراس سے کسی ہمدردی کی امید نہ رکھو۔"

"میں نہ شکان دیوتا یا تراس سے ہمدردی کی امید رکھتا ہوں اور نہ ہی میں ان سے معافی مانگنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میں نے سگون سے جواب دیا۔

"تو پھر تم شاید مجھے بتانے کی کوشش کرو گے کہ تم نے میرے سوئے ہوئے سے نکل بھاگنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ مگر یہی کوئی بات ہے۔ سے ہی بھول جاؤ۔ ایک تو یہ وقت ایک عورت پر سے پردہ اٹھا رہی ہے جو خطرے کی صورت میں اپنے حلق سے ایک خاص طرز کی آواز نکال کر ساری عورتوں کو متوجہ کر سکتی ہے۔ اور دوسرے کی طرف شکان دیوتا کے وفادار کتے اچھل اور پڑ لیوں میں تمیز کرنا خوب جانتے ہیں۔ گر تم نے ایک قدم بھی ان کتوں کی مرضی کے بغیر باہر رکھا تو تمہاری جانوں کی خیر نہیں ہو گی۔"

"میں نہ بھوے دار نی سے ڈرتا ہوں اور نہ کتوں سے۔" میں نے ایک بار پھر پرسکون آمیز لہجے میں کہا۔

"تو پھر شاید تمہارا مطلب یہ ہو گا کہ ان عورتوں میں سے کسی کی مدد تو جو تمہارے ساتھ ہیں۔"

"لہٰذا اگر تم اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہو کہ یہاں کی کوئی عورت یہاں سے نکل بھاگنے میں تمہاری مدد کرے گی یا تمہارا ساتھ دے گی تو ایسا سوچنا بھی مت۔ یہاں کی کوئی عورت عظیم دیوتا شکان یا اس کی نمائندہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"تمہاری ہمت شکر یہ کہ تم نے ہماری باتیں ایک ایک کر کے مجھے بتا دیں۔ لیکن اب میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی کی بھی ذرہ برابر مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں مرجانا چاہوں تو یہاں سے ابھی، اسی وقت باہر نکل جاؤں اور مجھے نہ تو پہ بیدل عورت روک سکے گی، نہ ہی اس کے خونخوار کتے۔ تم پر یوں سمجھ لو کہ مجھے اپنی زندگی کے لیے کسی خطرہ کا سامنا نہیں ہے لیکن میں تمہیں پوری

بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمہارے لیے فکر مند ہوں۔ میں تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں کیونکہ تم میری وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوئے ہو۔"

"لیکن تم نے تراس اور نارو کی موجودگی میں اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ تقریباً پونے تین ماہ بعد تم خود کو قربانی کے لیے پیش کر دو گے۔ اس کے بعد میری باری آئے گی۔" اسپالو نے پوچھا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے یہ بات محض وقت حاصل کرنے کے لیے کہی تھی۔ مجھے پہلے نارو سے کشتی ... اگر اس نے مجھے حسابی طور پر مغلوب کر دیا تو پھر مجھے قتل ... شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔"

"تو اس میں شک کی کون سی بات ہے؟" اسپالو نے کہا۔ "ظاہر ... کی ہڈی پسلی ایک کر کے پھینک دے گی اور پھر تمہارے پاس ... مرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہے گا؟"

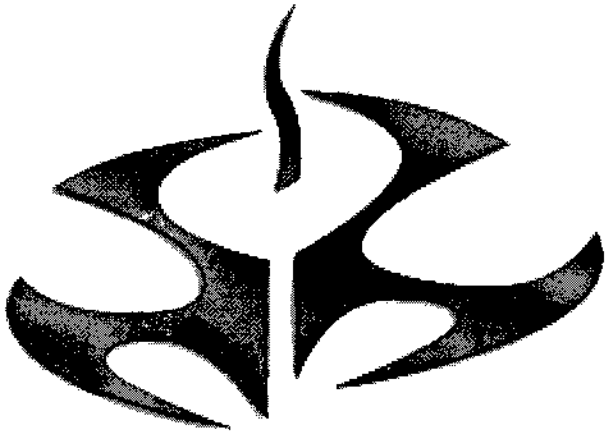
"لیکن فرض کرو کہ نارو مجھے شکست نہ دے سکی تو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ موت کی قہرمت نے تمہارے دماغ کو اس متاثر کر ڈالا ہے۔" اسپالو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بھلا کہاں تم اور کہاں نارو۔ تم تو اس کا ایک زوردار گھونسہ بھی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی ان بے سروپا باتوں کا سلسلہ ختم کر دو اور خاموش ہو جاؤ۔"

"بس میری آخری بات اور سن لو اسپالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمہارے دل میں زندہ رہنے کی واقعی کوئی امنگ موجود ہے تو پھر تو ہی کہ تاج میں کہوں۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ باقی آگے تمہاری قسمت ہے۔ جو مناسب سمجھو سو کرو۔"

اسپالو نہیں جانتا تھا کہ میری اہمیت کیا ہے اور نارو پر کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے یہ ایک دلچسپ کھیل تھا جس کا آغاز نہ جانے کیسی کیسی دلچسپیوں کا حامل تھا۔

اس ہشت ناک سفر کے لقہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ کریں!



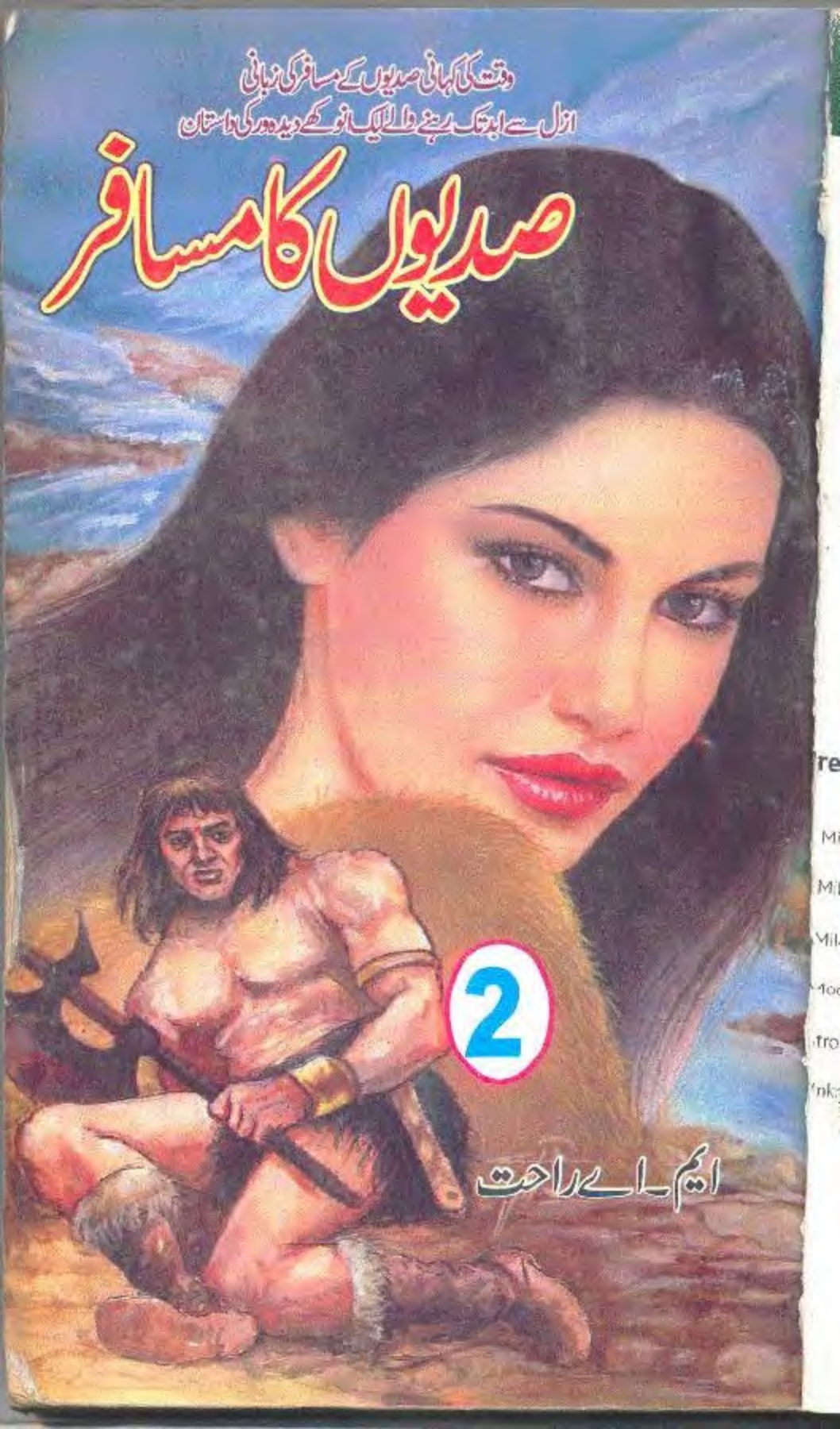
Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی
ازل سے ابد تک رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر



2

ایم۔اے راحت

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

ازل سے ابد تک زندہ رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر



2

ایم۔اے راحت

گلوبل پبلی کیشنز لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر دائمی محفوظ ہیں

۲۰۰۱

ناشر: مبین خٹک

ناول
صدیوں کا مسافر 2

مصنف
ایم-اے راحت

کمپوزنگ
طیبہ کمپیوٹر گرافکس سنٹر

تعداد
600

قیمت -/80 روپے

سٹاکسٹ

طیبہ بکسٹال
پبلشرز اینڈ بک سیلرز
خالد ایجوکیشنل سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
7248285
7120090

بہر حال پروفیسر میرے دن رات بڑے عیش و آرام سے گزر رہے تھے۔ لیکن اصبا کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سخت ذہنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ اور جیسے جیسے میری اور نارد کی کشتی کا دن قریب آتا جا رہا تھا، ویسے ویسے اس کی وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس دن کے بعد سے میں نے اس سے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ اور اسے یقین دلا کہ شاید اس کے سامنے محض مذاق کیا تھا۔

جب میرے اور نارد کے درمیان مقابلے میں صرف دو دن کی مدت باقی رہ گئی تو میں نے اصبا سے اس موضوع پر ایک بار پھر گفتگو کی۔ اسے اپنی فتح کی یقین دہانی کرائی۔ اور یہ کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی مارا نہیں جائے گا۔ اصبا نے شاید مجھے پھر دیوانہ سمجھا اور میری بات کا جواب دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔

اس کے دوسرے روز بوڑھی ساحرہ نراس اور قبیلے کی سردار نارد میرے پاس آئیں۔ بوڑھی ساحرہ نراس میری اسیری کے بعد پہلی مرتبہ میرے پاس آئی تھی۔ اپنی گرفتاری کے بعد سے میں نے اسے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ابلاغ مکمل ہو چکا ہے۔" نراس نے سرد آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لیے تیار ہو جائیں۔ کل تمہاری زندگی کا آخری دن ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔ عظیم نراس اپنا وعدہ جھوٹا نہیں ہونے دیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاں، میں اپنا وعدہ جھوٹا نہیں ہونے دوں گی۔" نراس نے جواب دیا۔ "تمہاری ہی قربانی دی جائے گی اور اصبا کی ساری امیدیں اس کے بعد ٹوٹیں گی۔ مجھے یقین ہے، عظیم نراس اپنے وعدے پر قائم رہے گی۔ لیکن میں اس وعدے کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ میری مراد دوسرے وعدے سے ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی کہ مجھے برادر راست قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ قبیلے کی سردار

معزز نارد مجھ سے کشتی لڑے گی۔ بستی کے وسط میں واقع میدان میں ہم دونوں کا مقابلہ ہوگا اور ہم دونوں زور آزمائی کریں گے۔ اگر معزز نارد مجھ پر غلبہ حاصل کر لے تو اسے اختیار ہوگا کہ مجھے قتل کر دے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" بوڑھی جادوگرنی نے جواب دیا۔ "نارد تمہیں ہرا کر شکست دے گی اور پھر تمہیں ہلاک کیا جائے گا۔"

"مجھے یہ شرط بالکل منظور ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "لیکن میں ایک بات کی اور وضاحت چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" نراس نے پوچھا۔

"اگر اس کشتی میں نراس مجھے شکست دینے کی بجائے خود میرے ہاتھوں شکست کھا گئی تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"کیا؟" بوڑھی ساحرہ نے دریافت کیا۔ میں غور سے سن رہے تھے۔ کہنے لگے۔ "تمہارا مطلب یہ ہے کہ نارد نراس سے شکست کھا سکتی ہے؟"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "معزز نارد بھی انسان ہے اور میں بھی انسان ہوں۔ عین ممکن ہے کہ کسی نہ کسی طرح میں نارد پر غلبہ حاصل کر لوں اور اسے میرے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑے۔ اس صورت میں تم لوگ کیا کرو گی؟"

"احمق و کم فہم انسان!" نراس کے کوئی جواب دینے سے پہلے نارد خود بول پڑی۔ "مجھے یہ خیال کس طرح آیا کہ تو مجھ کو شکست دے سکتا ہے؟ بہر حال، اگر تیرے دل میں یہ خواہش موجود ہے تو سن لے، میں تجھے اس کا جواب دیتی ہوں۔ اگر تو نے کشتی میں مجھے ہرا دیا تو تجھے فوراً ہلاک کر دے۔ میں تجھ جیسے سنہری گیڑے کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اگر مجھے کشتی میں شکست دے سکتا ہے تو دے دے۔ میں تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ تیرے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں مرنے کے لیے بالکل تیار ہوں گی۔ تو اگر چاہے تو مجھے ہلاک کر سکتا ہے۔"

"عظیم نراس!" میں نے بوڑھی ساحرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو یقیناً اس بات کی گواہ ہے گی کہ نارد نے مجھے اس بات کا حق دیا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہے اگر وہ میرے ہاتھوں شکست کھا گئی تو مجھے اسے ہلاک کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہوگا۔ یہ خود مجھے اپنا خون معاف کر رہی ہے۔"

یہ بات سن کر نراس نے ایک نہایت خوفناک قسم کا قہقہہ لگایا۔ میں نے اس سے پہلے اسے کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ہنسی بڑی بھیانک اور غیر انسانی طرز کی تھی۔ اگر میری جگہ کوئی ایسا شخص ہوتا جس نے بوڑھی ساحرہ کی معجزوں سے واقفیت نہ ہوتا تو یقیناً وہ اس خوفناک ہنسی سے ڈر جاتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجھے اس کی اس بیہودگی کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔

"اے احمق شیاہو۔" بوڑھی ساحرہ نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا جو پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوفناک محسوس ہو رہی تھی۔ "تو سمجھتا ہے کہ تو نارو کو شکست دے سکے گا۔ شاید مجھے یہ بات نہیں معلوم کہ دنیا میں کسی عورت نے آج تک اس مرد کو جنم نہیں دیا ہے جو نارو کو شکست دے سکے۔ نارو کے بدن کی کثیف ہتھیار اور بوجھ سے کئی گنا ہے۔ یہ گوشت و پوست کی انسان نہیں ہے۔ ارشاد اس لفظ کی شکایت سے کچھ نکلوہ ظلموں میں تیری ساتھی رہ چکی ہے اس لیے تو اس کے اوپر غلبہ حاصل کر لے گا۔ بہرحال تیری یہ خام خیالی بھی بہت جلد دور ہو جائے گی۔ جب تیرا پسینے کیڑے جیسا جسم نارو کے بھاری بھرکم بدن کی پکڑ میں پس کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا تب تجھے معلوم ہوگا کہ نارو کیا چیز ہے۔"

"ٹھیک ہے عظیم نراس۔" نارو نے کہا۔ "اس احمق کو اپنی خام خیالی کی حسرت نکال لینے دو۔" نارو نے کہا۔ "تجھے اجازت ہے۔ مجھے شکست دینے کے بعد تو مجھے قتل کر سکتا ہے۔" اتنا کہنے کے بعد وہ دونوں دہاں سے چل نکلے۔

یہ ساری گفتگو سبا کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ وہ اس صورت حال سے سخت حیرت اور پریشان نظر آتا تھا۔

"تو شاید بالکل پاگل ہو چکا ہے۔" ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تیسرے دماغ میں یہ خیال کہاں سے آ گیا کہ تو نارو کو شکست دے سکتا ہے۔ حورت کی قدرت نے شاید تیرے حواس کو بالکل ہی ختم کر دیا ہے۔"

"تم چپ ہو کر نہیں سمجھو گے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔ میں دراصل اس کے ساتھ بحث میں الجھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ میری باتوں کا یقین نہیں کرے گا۔ اب تو محض قبیلے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ان عورتوں کو بھی حقیقت سے روشناس کرنا تھا۔

صبح کو میرے اور سبا کے لیے کھانا لایا گیا۔ یہ گوشت کے لذیذ ٹکڑے میری زندگی کا آخری کھانا تھا۔ اس دن اس نے ہمارے قید ہونے کا جشن منایا تھا۔ اس دن سے میں نے سوائے پھلوں کے اور کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ البتہ اصیا پھلوں کے علاوہ کچا گوشت بھی بڑی رغبت سے کھا لیتا تھا۔ میں نے اس وقت بھی صرف پھلوں پر گزارہ کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مسلح عورتوں کی ایک جمعیت جھونپڑے میں داخل ہو گئی۔ انھوں نے مجھے اور سبا کو اپنے نرغے میں لے کر جھونپڑے سے باہر نکالا۔ خوفناک کتوں کا غول عورتوں کے پیچھے پیچھے تھا۔ مردوں کی رو میں جو موجود باقی آٹھ مردوں کو بھی ساتھ لے لیا گیا۔ کشتی کا منظر دیکھنے کے لیے سب کا موجود ہونا ضروری تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ مردوں کے چہروں پر رنج و غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ شاید سب کے سب میری فتح کے فیصلے سے پہلے ہی واقف تھے۔ میں لیکن تھا کہ نارو مجھے جہنم رسید کی طرح مسل کر رکھ دے گی جس طرح مجھ سے پہلے وہ بہت سے مردوں کا کچومر نکال چکی تھی۔ اپنے ایک ہم جنس کا ہونے والا حشر یقیناً انھیں خوفزدہ کیے دے رہا تھا۔

مسلح عورتوں کے نرغے میں ہمارا جلوس مردوں کی وادی سے روانہ ہوا۔ کتے ہمارے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ہم لوگ پہاڑی پر چڑھنے کے بعد پھر دوسری طرف نیچے اترنے لگے۔ کتے پہاڑی پر ہی کھڑے رہ گئے۔ غالباً اب ان کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ پہاڑی کی چوٹی سے سبز کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ تقریباً ساری کی ساری عورتیں اگر تو نے خدانخواستہ کی ہوتی تو تجھے زندہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی۔ لیکن عظیم دیوتا عظیم نراس کا حکم ہی ہے، اور میں ان کے حکم کی دل و جان سے تعمیل کروں گا۔ لہٰذا اب تو مرنے کے لیے تیار ہو جا۔"

میں نے دیکھا کہ ایک طرف قربانی کا باقاعدہ ویسا ہی انتظام موجود تھا جیسا میں اپنی جاں آمد کے موقع پر پہلی بار دیکھ چکا تھا۔ ایک دھار والا ہتھیار نراس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ ایک طرف بکرے سے بڑی میں مخروطی بھی موجود تھا۔ اس کے قریب چھوٹے چھوٹے پیالے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"اگر تو جیت گیا تو نارو کو ہلاک کر سکتا ہے۔" بوڑھی نراس نے تخریب آمیز انداز میں ایک بار پھر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں اور نارو اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ اور ہاں بالکل نظر سے بھی دیکھ لے بوڑھی ساحرہ نے ایک نوجوان لڑکے کو، جو اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا، پکڑ کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی بالغ ہوا ہے۔ اب یہ بالغ ہو چکا ہے

بستی کے وسط میں بنے ہوئے میدان میں پہنچ گئے۔

جو لوگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میدان تک پہنچے۔ ہمیں دیکھتے ہی عورتیں بلند و بانگ نعرے لگانے لگیں۔ وہ عظیم دیوتا عظیم نراس اور معزز نارو کے نام کے نعرے لگا رہی تھیں۔

میدان کے وسط میں زمین کو ہموار کر کے زم کر دیا گیا تھا۔ یہ گویا ایک قسم کا اکھاڑا تھا جس میں میری اور نارو کی کشتی ہونے والی تھی۔ اکھاڑے کے قریب سب سے آگے بوڑھی ساحرہ نراس کھڑی ہوئی تھی کیونکہ تو نظروں سے بچے ہوئے تھی۔ نراس کے پیچھے نارد کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ فام جسم پر اس قدر تیل ملا ہوا تھا کہ اس کا جسم سورج کی روشنی میں باقاعدہ سیاہ شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ عظیم نراس اور معزز نارو کو اپنے وعدے یاد ہوں گے۔" میں نے ان دونوں کی کڑوی نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں نارو کو شکست دے سکا تو پھر قبیلے کی اس عورت کی موت میرے ہاتھوں واقع ہوگی۔"

"ہر ہو ہو ہو۔" نراس کی بھیانک اور غیر انسانی ہنسی کی آواز ایک بار پھر گونجی اور اس مرتبہ اس کی اس ہنسی میں قبیلے کی دوسری عورتیں بھی شریک ہو گئیں۔ البتہ مجھے یہ محسوس کیا کہ خود نارو اس ہنسی میں شریک نہیں تھی۔

"مجھے اس بات کا افسوس ہے شیاہو کہ تجھے موت کے گھاٹ اتارا جائے گا۔" نارو نے غیر جذباتی لہجے میں کہا۔

"تیرے مرنے کے بعد اب سے تیری جگہ لینی ہوگی۔ ہمیں دس مرد چاہئیں، صرف دس مرد۔"

بولتے بولتے اور میں نے ایک دوسرے کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ وہ ایک بالکل کم سن لڑکا تھا لیکن اس کا جسم بڑا گٹھا ہوا اور مضبوط نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بالکل لاتعلقی کے جذبات پائے۔ تعاون اسے میری زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے جوانی کی دہلیز میں پہلا پہلا قدم رکھا تھا، وہ نیا نیا مرد بنا تھا۔ اور ابھی اس کے پاس یہ بات سوچنے کا شاید وقت بھی نہیں تھا کہ ایک دن اس کا انجام بھی ان ہی سیکڑوں مردوں کی طرح ہوگا جو اس سے پہلے شکار دیوتا کی بھینٹ چڑھائے جا چکے ہیں۔

"چل میدان میں آ جا۔" بوڑھی ساحرہ نے مجھے للکار کر کہا۔ اس کے انداز سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زیادہ خود ہی مجھ سے کشتی لڑنا چاہتی ہے۔ "آج اس قبیلے کی عورتوں اور مردوں کو ایک بہت لمبی مدت کے بعد ایک دلچسپ کھیل دیکھنے کا موقع ملے گا۔ عرصہ ہوا کہ نارو کی کسی مرد سے کشتی نہیں ہوئی، کیونکہ نارو نے مدت سے کسی کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اسے مقابلے کی دعوت دے۔ اب دیکھنا ہے کہ اس پہاڑ سے ٹکرا کر تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔"

نراس کی ہدایت پر میں میدان کے وسط میں گئی۔ وہاں بھری زمین کے پنجے میں اگر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھ لیے۔ میں نے ایک نظر اپنے جسم پر ڈالی۔ سورج کی چمکدار روشنی میں میرا سفید جسم کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ قبیلے کے سارے مرد ایک طرف کھڑے ہوئے تھے اور انھی میں سبا بھی شامل تھا۔ تمام مرد ہتھیار بند تھے۔ عورتوں کے نرغے میں آیا۔ وہ سب کے سب بالکل خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

جیسے ہی میدان میں اترنے کے بعد نراس نے نارو کو اشارہ کیا اور وہ "دھپ دھپ" بھاری رفتار سے آہستہ آہستہ قدم رکھتی ہوئی میدان میں اتر آئی۔ وہ مجھ سے کوئی دس بارہ فٹ کے فاصلے پر رک کر کھڑی ہو گئی اور کڑی نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔ میں نے اپنے قدموں کو خود بخود زمین کے اندر جماتا محسوس کیا۔

یکایک نارو نے ایک وحشیانہ اور حیوانی نعرہ بلند کیا اور اس کا پہاڑ جیسا جسم غیر معمولی تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے ہلا اور مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں نے اپنی جگہ ہی سے ایک انچ بھی جنبش نہیں کی۔ لیکن میرے بدن کے ساتھ تصادم کے نتیجے میں نارو کے جسم کی ہڈیاں تک ہل گئیں۔ وہ ایک بھاری سی کراہ کے ساتھ مجھ سے الگ ہو گئی اور پیچھے ہٹ گئی۔ پیچھے ہٹتے ہی اس نے دوبارہ حملہ کیا اور اپنے ٹنڈوں جیسے موٹے موٹے بازو میری کمر کے گرد حائل کر کے مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں زمین میں گڑے ہوئے کسی ستون کی طرح اپنی جگہ پر ساکت صامت کھڑا رہا۔ نارو نے اپنے بدن کا پورا زور صرف کر دیا لیکن وہ مجھے جنبش نہ دے سکی۔ اس کی سانس تیز ہو گئی اور وہ ہانپنے لگی۔ نارو تو اپنی جدوجہد میں مصروف تھی اور میں لاتعلقی کے انداز میں اپنے برابر گرد و کھڑے ہوئے انسانوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ نراس کا چہرہ وحشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں سراسیمگی کی جھلک دیکھی۔ باقی عورتیں بھی حیرت سے منہ پھاڑے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابل یقین تھا۔ پھر میں نے سبا کو دیکھا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں پھٹی تھیں، گویا وہ کسی نظے کی سی کیفیت میں ہو۔ باقی مردوں کے چہروں پر بھی حیرت بھری مسکراہٹیں نظر آ رہی تھیں۔

کافی دیر تک زور آزمائی کرنے کے بعد نارو ایک بار پھر پیچھے ہٹ گئی۔ اب اس کی آنکھوں میں مجھے صاف طور پر بے یقینی، حیرت اور خوف کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس نے ابھی ہار نہیں مانی تھی۔ اور وہ ہار مان بھی کیسے سکتی تھی؟ اسے تو اپنے خیال کے مطابق عظیم دیوتا شکان اور اس کی نمائندہ نراس کی تائید حاصل تھی اور پھر قبیلے کی ساری عورتوں اور مردوں کے سامنے وہ کس طرح خود کو کم تر تسلیم کر سکتی تھی؟ نارو مجھ سے ہٹ کر پھر کافی پیچھے چلی گئی، اور پھر وہاں سے تیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی میری طرف آئی اور اس نے اچھل کر پوری طاقت سے میرے منہ پر اپنی مگدر جیسی ران رسید کی۔ یقین کرو پروفیسر، اگر تو اسے تو اتنا مرد بھی ہوتا تو اس کے دونوں جبڑوں کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں اور شاید پوری بتیسی باہر نکل آتی۔ لیکن میرے جسم نے اس بار بھی جنبش نہیں کی۔ میں نے نارو کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور وہ اپنے زور میں خود ہی زمین پر گر پڑی۔

اور پھر پروفیسر، میں نے اس کشتی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کافی دیر ہو گئی تھی اور [illegible] سے منہ سے حیرت بھری چیخیں نکل رہی تھیں۔ اب میں ان کی حیرت کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس بار جیسے ہی نارو نیچے گری، میں نے اپنا بایاں پیر اٹھا کر اس کی پشت پر رکھ دیا۔ کچھ دیر کے بعد نارو کے بل گری تھی۔ نارو نے اپنے جسم کو زور سے جھٹکے دیے، وہ بڑی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

طرح ہاتھ پاؤں پٹک رہی تھی اس کا چھوٹا سا جسم میرے مقابلے ایک پہیر کے بوجھ تلے بری طرح کچلا جا رہا تھا، لیکن وہ خود کو آزاد نہیں کروا پا رہی تھی۔ پھر اس نے نیچے ہی سے دونوں ہاتھ بڑھا کر میرا ہیلمٹ پکڑ لیا اور اسے بڑی فرض شناسی کے ساتھ نوچنے لگی۔ اس کے نیچے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ بے سود تھا۔ ہیلمٹ میں سے صرف اس کی ہلکی آواز آ رہی تھی، اور وہ بھی کانوں کے ساتھ چپکی دہشت کے مارے چیخ رہی تھی۔

آخر میں نے تھوڑی دیر کے بعد خود ہی نارد کی پشت پر سے اپنا وزن ہٹا لیا۔ یہ کام کچھ جتنے سے ہی نارد اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پھر سے دوڑ ہو گئی۔ لیکن میں بار بار نے ایک کو پکڑ لیا اور پھر دوسری کے لیے اس کا باقی جیسا جسم میرے دونوں ہاتھوں میں تھا جسے میں نے اپنے سر سے اونچا اٹھا رکھا تھا۔ ملح میں سے چیخیں نکلنے لگیں۔ بڑی مزاحمت جو اب تک کھڑی ہوئی تھی، وہ اچانک بیٹھ گئی۔ نارد کے جسم نے اب ہر قسم کی حرکت بند کر دی تھی۔ اس نے گویا اپنی شکست قبول کر کے خود کو میرے حوالے کر دیا تھا۔ کسی بھاری بھرکم اور بے ڈول رنگ کے درخت کے تنے کی طرح اس کا جسم میرے دونوں ہاتھوں پر لٹکا تھا۔ میں نے سر پر سے میدان میں کئی چکر دیے۔ جس طرف سے میں گزرتا، عورتوں اور مردوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ ہر طرف ایک بے جان دہشت کی لہر سے دوڑ گئی تھی۔

بالآخر میں نے نارد کے نیم مردہ جسم کو بڑی آہستگی کے ساتھ زمین کے قدموں میں ڈال دیا۔ جو میدان کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی نارد نے ہوش پکڑ لیا تھا، اور اس کی آنکھیں جیسے پھٹ گئی تھیں۔

"عظیم زاس!" نارد نے بہت دھیمی آواز میں زاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھ پر بڑا ہی کرم کیا ہے۔ اب مجھے قتل کر دے۔ ہم اپنی کو اپنا دیوتا دیکھنا چاہیے۔"

"شیطان!" زاس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "زاس جھوٹ نہیں بول سکتا اور وہ وعدہ خلافی کر سکتی ہے۔ تو نے واقعی نارد کو شکست دے دی ہے۔ تو اسے قتل کر سکتا ہے۔ مگر شمان دیوتا کی یہی مرضی ہے کہ زاس میں ہمدردی داخل نہیں۔ دیوتا شاید ہی یہ چاہتا ہے۔"

"وہ تو میں چاہتا ہوں عظیم زاس۔ جیسے نے زاس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دیوتا کا چاہنا کیا ہے کہ نارد زندہ رہے۔ اس لیے میں اسے قتل نہیں کروں گا۔"

"اچھا اس کو تو قتل نہیں کرے گا!" نارد ایک دم ناراض ہو گئی۔ اسے گویا میری بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں، میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں نے تم سے اور عظیم زاس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی حفاظت اس سے زیادہ کچھ نہیں تھی کہ میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔"

بار دیوتا سے میری طرف دیکھ رہی تھی، زاس بھی بے یقینی کے عالم میں کھڑی تھی۔ چاروں طرف سناٹا طاری تھا۔ لوگوں کی آوازیں رک گئی تھیں۔ وہ سب کے سب دم بخود رہ گئے تھے۔

اچانک ایک ہنہناہٹ کر بہت بھونڈی سی آواز سنائی دی اور سارے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ آواز قریبی جنگل کی طرف سے آ رہی تھی۔

"ہاتھی!" ہاتھی دوست ہاتھی!" کسی نے کہا، اور تالیاں بجنے لگیں۔ اپنے چھوٹے بچوں کی طرف بھاگتی ہوئی ان عورتوں کے جو صلیح تھیں۔ ہر وہ ان کو اس کو سیع عورتوں نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ خاص طور پر وہی جنگلی ہتھنی، جو سونڈ دی، لیکن اس بار وہ زیادہ تیز تھی۔ اس کا مطلب ہوتا کہ ہاتھی اچھی کچھ اور قریب آ گیا تھا۔ اس نے اپنی سونڈ کو ادھر ادھر ہلایا تھا اور اسے میری گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں خاہر ہے کہ دوسری گرفت تھی! بھلا وہ کس طرح خود کو اس سے چھڑا سکتا تھا!

میں نے ایک نظر اس لوگوں کے اس ہجوم پر ڈالی، جو دور کھڑا یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ساری عورتیں اور مرد وہ سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان اس قدر فاصلہ ہو گیا تھا کہ وہ اب بھی بھاگ سکتے تھے۔

ہاتھی کافی دیر تک اپنی سونڈ کو دھر سے ادھر گھماتا رہا، اور پھر اچانک اس نے اس کی سونڈ کو اپنی پوری طاقت کے ساتھ روندنا شروع کر دیا۔ اس کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آوازیں بہت صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ شدید درد کے عالم میں چیخ رہا تھا اور اس کی سونڈ سے مسلسل خون بہے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہاتھی درد سے بے حال ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ گرنے لگا۔ میں نے اس کی سونڈ کو مروڑنے کا عمل برابر جاری رکھا اور کسی برش کی طرح سے بل کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ ہاتھی زمین پر بیٹھ گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی اس کی سونڈ کو نہ تھامے ہوئے ہو تو وہ زمین پر گر جائے گا۔ میں نے اس کی سونڈ کو چھوڑ دیا۔ ہاتھی بڑی حسرت بھری نظروں سے اپنی سونڈ کو دیکھنے لگا۔ اس کے دونوں بڑے بڑے دانتوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور زور لگا کر انھیں توڑ دیا۔ ہاتھی بڑی حسرت بھری نظروں سے یہ حال ہو گیا۔ اب اس میں لڑنے کی قوت باقی نہیں رہی تھی۔

اس نے بہت سی ہتھیار بند عورتیں میرے قریب آ گئیں جن میں سے ان میں سے ایک عورت کے ہاتھ سے بڑی کا بنا ہوا ایک دراز ہتھیار لے لیا۔ یہ بھالے کی شکل کا ایک ہتھیار تھا اور اس کی لمبائی تقریباً میں نے اس ہتھیار کی مدد سے ایک جھرجھری لی اور اس سونڈ کٹ کر الگ ہو گئی۔ ہاتھی کی سونڈ چیخ ڈال دینے والی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ٹوٹ توڑ کر دم توڑ دیا۔

اس دوران ساری عورتیں اور بچے مرد بھاگ کے قریب آ چکے تھے۔ وہ سب کے سب شدید حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میری طرف دیکھ رہے تھے۔ حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے دیکھنے والوں میں نارد بھی شامل تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت اور آنکھوں میں تجارت تھی۔ وہ پھٹے پھٹے پنا ہاری بھر کم جسم

Optimized by www.ImageOptimizer.net

مجھے نارد سے یا کسی سے بھی کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"تم نے جانے بے کانی مشکل پیدا کر دی ہے سفید نوجوان۔" دیمل نے کہا۔ "اگر تم نارد کے ہاتھوں شکست کھا جاتے تو ہم شیطیں شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیتے۔ لیکن نراس اور نارد دونوں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جیت گئے تو نارد کو قتل کر سکو گے۔ اب تم جیت گئے ہو، لیکن عظیم نراس کو عظیم شکان سے جو ہدایت ملی تھی، اس کے مطابق تمہاری قربانی کی جانی تھی۔ اب اس نئی صورتِ حال میں مجھے خود شکان دیوتا سے پوچھنا پڑے گا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے۔ ویسے تم اتنے بہادر اور جرأت مند اور وسیع القلب انسان ہو کہ مجھے یقین ہے کہ شکان دیوتا تمہیں معاف کر دے گا اور تمہاری ہلاکت کا حکم واپس لے لے گا۔ میں خود بھی یہ نہیں چاہتی کہ تم جیسا غیر معمولی بہادر انسان مارا جائے۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" میں نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ "اگر تم لوگ مجھے مار سکتے ہو تو ضرور مار ڈالو۔"

میرے اس جملے پر دیمل چونک گئی۔ میں نے بات ہی ایسی کہی تھی۔

"تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے چچا؟" دیمل نے سوال کیا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر ہم تمہیں ہلاک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں مار نہیں جا سکتا؟"

بات یہ تھی پردیس کہ میں نے جس انداز میں باغی کو ہلاک کیا تھا اسے یہ لوگ سمجھ ہی نہیں سکے۔ یہ پتھر کے زمانے کے انتہائی پسماندہ وحشی لوگ تھے اور ان کی سمجھ میں بہت سی باتیں نہیں آتی تھیں۔ میرے ہاتھوں باغی کی ہلاکت کو انھوں نے میرے کسی خصوصی داؤ پیچ یا صلاحیت پر محمول کیا اور یہ میری غیر معمولی قوت کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ ویسے بھی یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی انسان اپنے خالی ہاتھوں سے باغی کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ میری اصل طاقت کے راز سے لاعلم رہے۔ اور اسی لیے دیمل نے مجھ سے یہ پوچھنا ضروری بھی سمجھا کہ میں کس بات پر مارا جا سکتا ہوں۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں دیمل۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اگر تم لوگوں کو میری ضرورت نہیں ہے تو مجھے ضرور ہلاک کر دو۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"کسی کو کسی مرد کو ہلاک کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اب قبیلے میں مردوں کی تعداد گیارہ ہو چکی ہے۔" دیمل نے کہا۔ "اور یہ بات ناقابلِ قبول ہے۔ شکان دیوتا اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں اور قاعدوں کی خلاف ورزی کی جائے۔ مردوں کی تعداد دس ہی رہے گی۔ اب اس کا فیصلہ خود شکان دیوتا کرے گا کہ کس مرد کو مرنا ہے تمہیں یا کسی اور کو۔"

قبیلے کی تمام عورتیں اور مرد جن میں اجالو بھی شامل تھا، خاموشی سے دیمل کی باتیں سن رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ نارد بھی خاموش

میں چاہتا تو طاقت کے ذریعے یہ کام کر سکتا تھا۔ میں اسی قبیلے میں مقیم رہتا اور کسی بھی مرد کو ہلاک ہونے نہ دیتا۔ ظاہر ہے کہ میری طاقت کے آگے ساری عورتیں مجبور ہو جاتیں اور کوئی بھی مرد قتل نہ ہو سکتا۔ لیکن یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب تک میں ان لوگوں کے پاس رہتا، اور ظاہر ہے کہ میں ہمیشہ وہاں موجود نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے جانے ہی وہی بربادی، وحشت پھر واپس آ جاتی اور مردوں کی ہلاکت کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو جاتا۔ میں تو اس مسئلے کا کوئی ایسا حل دریافت کرنا چاہتا تھا جس سے یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ مردوں کو عورتوں کے برابر تعداد میں میسر آ جائے اور مردوں کی ہلاکت کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی نہ کسی حکمت عملی سے کام لینا تھا۔ ان لوگوں کو اس بات پر قائل کرنا تھا کہ شکان دیوتا کی یہ مرضی ہے کہ مردوں کی ہلاکت کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ اور اس سلسلے میں میرے لیے ضروری تھا کہ دیمل کا تعاون اور اس کی حمایت حاصل کروں۔ چنانچہ میں نے طے کر لیا کہ جب تک میں اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی صورت نہیں نکال لیتا، اس وقت تک ان لوگوں کے درمیان قیام کروں گا۔

نراس کا گوشت چٹ کر جانے کے بعد اب قبیلے کی عورتیں اپنے ہتھیار لے کر باغی کے پہاڑ جیسے جسم پر پل پڑیں۔ ان کے پاس شاید کسی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی اس مردار خوری میں شریک تھے۔ وہ اب کے محتلف جتھوں کی مدد سے باغی کی ٹانگوں کا گوشت کاٹ رہے تھے اور جانوروں کی طرح اسے کچا کھا رہے تھے۔ "ایک خاص بات" نے یہ تو نہ کی کہ وہ باغی کی صرف ٹانگوں کا گوشت کاٹ رہے تھے۔ باقی جسم کو انھوں نے نہیں چھیڑا تھا۔ دیمل اور نارد ان لوگوں میں شریک نہیں تھے۔ باغی کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ان کی جھلسی ہوئی لاش پر ہی ڈال کر دے دیے گئے اور وہ انھیں کھانے لگے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں وہ لوگ اجالو کو بالکل ہی بھول گئے تھے۔ اس کی مدد خود اس کے اپنے باغی کا گوشت نوچنے میں لگی ہوئی تھیں اور اجالو خود بھی بھوکے کتے کی طرح باغی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں باغی کی تقریباً چاروں ٹانگوں کا گوشت وحشیوں نے بھون کر کھا لیا گیا۔ اب اس کا جسم ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گیا تھا۔ بھاسوم ہوتا تھا گویا کسی نے گوشت کی ایک بے حد بھاری بھرکم گٹھڑی زمین پر پڑی ہوئی ہے۔ سب لوگ بھی طرح طرح کے منہ بنا چکے تھے۔

باغی کے باقی گوشت کو جنگلی جانوروں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کی خاطر اس کے گرد دور دور تک بہت سی سوکھی ہوئی ٹہنیاں اور گھاس پھونس کا گھیرا سا بنا کر اس میں آگ لگا دی گئی۔ اب یہ گوشت کافی دیر تک محفوظ تھا اور ان لوگوں کے لیے کئی دنوں تک کافی تھا۔

سب بھی کئی روز تک شکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے چچا۔" شالمن نے دیمل سے مخاطب ہو کر کہا۔ شالمن کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور غراک کے اس زبردست ذخیرے کے لیے ہم ٹیابو کے احسانمند ہیں۔" اس نے نفرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"باغی کو اس طرح ہلاک کرنے کا فن تم نے کہاں سے سیکھا ٹیابو چچا؟" دیمل نے مجھ سے سوال کیا۔ "یہ واقعی ایک غیر معمولی فن ہے کیا تم اس کے بارے میں ہم لوگوں کو کچھ نہیں بتاؤ گے؟" میں دیکھ رہا تھا کہ نفرت اس کی سونڈ پر حملہ کیا۔ لیکن خود کو اس کی سونڈ سے بچانے دکھنا واقعی ایک غیر معمولی بات ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ غیر معمولی بات اس کی سونڈ کو بول دینا ہے۔ باغی کی سونڈ تو انسان کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں بھی نہیں آ سکتی، تمہارے ہاتھ کسی خاص طریقے سے اسے پکڑا ہوگا۔ کیا ہمیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرو گے سنہرے ٹیابو؟"

"میرا کوئی راز نہیں ہے۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "مجھے باغی کو ہلاک کرنا تھا اور میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ اگر میں اسے ہلاک نہ کرتا تو اس وقت تم لوگوں میں سے آدھے سے زیادہ انسان مر چکے ہوتے۔"

"بے شک۔" دیمل نے کہا۔ "ہمیں اس کا احساس ہے اور ہم سب اس کے لیے تمہارے احسان مند ہیں، لیکن ہے تو تمہاری اس نیکی کی وجہ سے شکان دیوتا تم پر پھر مہربان ہو جائے۔" اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ڈبا لاکی روح کو تمہارے جسم میں دوبارہ داخل ہونے کا حکم دے دے۔"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اجالو کا کیا ہوگا؟" میں نے دیمل کی تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی نہیں، بلکہ اس کی جان بخشی چاہتا ہوں۔ تم لوگ اگر میری جان لے کر اجالو کی جان بخش سکتے ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"اجالو مجرم ہے اور عظیم نراس نے عظیم شکان کے حکم پر اس کے لیے سزا تجویز کر دی تھی۔ اب اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں صرف اس صورت میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے جب شکان دیوتا خود دیا کرنا چاہے۔" دیمل نے جواب دیا۔

"اور اس ساری گفتگو کے دوران بالکل خاموش تھی، وہ سر جھکائے چپ چاپ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔

"سب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔" دیمل نے کہا۔ اب دھوپ بے حد تیز ہو گئی تھی اور سورج کی حدت سے لوگوں کے جسم جیسے جلنے لگے تھے۔ میں عظیم نراس کی جانشین کی حیثیت سے شکان دیوتا سے رابطہ قائم کروں گی۔ اور پھر جو کچھ اس کا حکم ہوگا، اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس وقت تک اجالو کو اسی طرح قید رکھی جائے۔ البتہ ٹیابو کو کافی رعایت مل سکتی ہے کیونکہ وہ ہمیں پیارے ہے اور عورتوں کی نگرانی میں بستی میں کسی گھر میں قید کر سکتا ہے۔"

میں نے نارد کی طرف دیکھا۔ وہ اس طرح سر جھکائے ایک طرف کھڑا تھا۔ مجھے یہ جان کر بڑی تسکین ہوئی تھی کہ اس نے اپنے دل میں مجھ سے بے رحم کے علاوہ چاہت کا جذبہ بھی محسوس کیا۔ گوشت پوست کا یہ نسوانی پیکر اس وقت مظلومیت اور بے چارگی کی تصویر لگ رہا تھا۔ قبیلے کی عورتوں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے باوجود اس کا سانولا رنگ شرم سے سرخ ہو گیا تھا اور وہ بولی۔ "عابا کے ساتھ اس کی سنت تو میں ہوئی تھی۔"

میں نے آگے بڑھ کر نارو کے بھاری بھرکم شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور دوستانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "نارو، تمہیں پتا کی طرح اب بھی تمہارے ساتھ تمہارے گھر تک رہنا چاہتا ہوں کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گی؟ میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا، اسے بھول جاؤ۔"

میرا یہ انداز غالباً نارو کے لیے بالکل نیا تھا کیونکہ وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔ اور پھر میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی کے جذبات محسوس کیے۔ اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولی۔ "اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر فیصم اور بیل اس کی اجازت دیتی ہے تو تم خوشی سے ساتھ رہ سکتے ہو اور اس وقت تک۔ رہ سکتے ہو جب تک کہ شکاری دیوتا تمہارے مقدر کے بارے میں اپنا آخری فیصلہ نہ سنا دے۔"

"ٹھیک ہے۔" بیلا یو بیل نے نارو کی باتیں سن کر کہا۔ "تم نارو کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ایک آدھ روز کے اندر ہی اندر تمہارے بارے میں نئی ہدایات ہو جائیں گی اور وہ تمہارے بارے میں مجھے اپنے فیصلے آگاہ کر دے گا۔"

اس کے ساتھ ہی سب لوگ منتشر ہونے لگے۔ اجالوے کی دوسری عورتوں نے گھیرا ڈال دیا اور اس کے علاوہ باقی بچ رہ جانے والے لوگ بھی اب تو ہو گئی تھی۔ سیج عورتوں کے گھیرے میں بہادر کی طرف بڑھا جانے لگا جہاں سے انہیں وادی میں اترکر اپنے گھروں میں چلے جانا تھا۔

میں اور نارو ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ماشی محل کی طرف روانہ ہوئے۔ ماشالا اور باقی لوگ ہمارے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ نارو کے جھونپڑے پر پہنچ کر وہ دونوں ہمدردی کے لیے میں رک گئے تھے اور نارو اندر کی طرف چلی گئی۔

"سفید عالم میت انگیز الان۔" نارو نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں سچ مچ ڈر گئی تھی اور تمہاری طاقت کا راز نہ پا سکا۔ شاید دوسرے لوگ اس بات کو پوری طرح محسوس نہ کر سکے ہوں۔ لیکن میں نے۔ کوئی بڑی نگاہیں ہے کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ میرے اپنے قبیلے کے شکاری دیوتا میں کوئی مرد یا کوئی دوسری ایسی نہیں ہے جس نے مجھے شکست دینے کا کبھی خواب بھی دیکھا ہو۔ میں خود کو ناقابل تسخیر سمجھتی تھی اور میں ہی نہیں شکاری کے تمام لوگ مجھے ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی ایک معمولی سی لڑکی کے ہاتھوں مجھے اس انداز میں شکست سے دوچار ہونا پڑے گا لیکن تمہارے یہ غیر معمولی کارکردگی۔ تمہاری عمل طاقت کا انداز مجھے تمہارے ساتھ اصل مقابلے میں ہی ہوا۔

اور پھر تم نے جس طرح پاگل اور دست باغی کو ہلاک کیا ہے۔ وہ بھی نہ تو نے والی بات ہے۔ مجھے اپنے بارے میں سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو۔ تم وہ برگزیدہ نہیں ہو جو نظر آتے ہو۔ تمہارے چہرے سے نہ تو موت کا خوف جھلکتا ہے نہ ہی کسی بھی دوسرے قسم کی پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں۔ یعنی تم نہیں ہو تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ تم یقیناً کوئی دیوتا ہو یا شریر کسی خاص دیوتا کا سایہ ہے۔ تبھی تو تم اتنے نڈر، بہادر اور بے باک ہو۔"

اور پروفیسر ایزاڈین مسلسل اسی دوہراہٹ میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح ان وحشی عورتوں کو مردوں کے مرکزی قاتل سے باز رکھنے کوئی تدبیر اور بہانہ کریں کیونکہ یہ بے چارے امن میں آئے تھے لیکن یہاں ان میں سے کوئی بھی قابل عمل نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ قبیلے پر شکاری دیوتا کا راج تھا۔ اور یوں اس کی منظم نظر اور ترجمان تھی۔ گویا جو کچھ سب تھا وہ دیوتا کی مرضی سے ہوتا تھا اور دیوتائی مرضی کا اظہار وہیل کی زبان سے ہوتا تھا۔ ان سب لوگوں کے ذہن انتہائی پسماندہ اور طرح طرح کے توہمات سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں وہیل کو کسی طرح اس بات پر راضی کرنے میں کامیاب ہو جاؤں کہ وہ قبیلے میں مردوں کے قتل کا سلسلہ بند کرا دے اور مردوں کی تعداد کو بھی اسی طرح بڑھنے کا حق دے جس طرح عورتوں کو حق حاصل ہوا ہے لیکن مجھے اس بات کا پورا یقین نہیں تھا کہ وہیل میری اس بات کو مان لے گی۔ اسے تو بقول خود ہدایات براہ راست شکاری دیوتا سے حاصل ہوتی تھیں۔ تو پھر وہ میری بات کیسے مان لیتی۔

نارو نے کہا کہ تم اپنی زبان کھولو تا کہ ماشالا نے واپر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن اتنا سمجھ لو کہ موت کا کوئی ایک طریقہ نہیں ہوتا۔ سیکڑوں طریقے ہوتے ہیں اور ایک سے ایک ہٹ کر عذاب ناک ہوتا ہے۔ اگر تم نے اپنی زبان نہیں کھولی تو تمہیں اپنے آپ کو بدترین اذیتیں برداشت کرنے کے لیے تیار کر لینا چاہیے۔ یہ سمجھ لو کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے معاف کر کے آسان موت مرنے دوں گا۔"

واپر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ ماشالا کی بات میں اتنا تھا واپر نے دل ہی دل میں سمجھ لیا ہو گا کہ ماشالا اسے سانسی سے بخشنے والا نہیں، اور یہ معلوم واقعی اسے کن کن اذیتوں سے گزارنا پڑے چنانچہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "اگر میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دوں تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"عنایت دندانہ۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "تمہارے صرف ایک ہی وار سے تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔ کسی تکلیف کا احساس ہونے سے پہلے ہی تم ہر احساس سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ دوسری صورت میں ہم تمہیں تمہارے ہی قبیلے کے حوالے کر دیں گے۔ تمہارے اوپر شکاری کتے چھوڑ دیے جائیں گے۔ تمہیں کھوجتے ہوئے تمہارے الاؤ میں پہنچ سکتے ہیں۔ تم آپ ایک ایک عضو کو باری باری الگ الگ کٹتا ہوا دیکھو گے۔ تمہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے تمہاری ہتھیلیوں اور گھٹنوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی۔ میرے پاس موت کے مزید ناک طریقوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن اگر تم مجھ سے تعاون کرو گے تو میرا وعدہ ہے کہ تمہیں آسان ترین موت دی جائے گی۔ تمہارے اوپر دو سنگین الزامات ہیں، ایک الزام آریہ کو

مارنے کا ہے اور دوسرا الزام غداری کا ہے۔ تم خود جانتے ہو کہ دونوں جرمات کی سزا موت ہے۔ اس لیے تمہارے زندہ رہنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اپنی موت کے طریقے کو آسان بنانا تمہارے اپنے اختیار کی بات ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہوں۔" واپر نے بڑھ کر آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "فی الحال تو تمہارا تعاون کامل نظر آ رہا ہے اور سب کچھ اگلی دو چار گھڑیوں میں ہی ظاہر ہو جائے گا۔ اس کے بعد تم میرے اور اس قبیلے کے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں جانتے ہو۔"

"میں اور تمر کالا شاجو کے خاص دوستوں میں سے تھے۔" واپر نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ "ہمیں شروع ہی سے شاجو کے بعد اور ماؤں کی رحم دلی اور کم زور طبیعت پسند نہیں تھی۔ وہ ہر جنوں آکر شکار کرنا مضبوط جانور شکار کرتے تھے۔ جب بد ماؤں مر جائے گا اور سردار شاجو کو ملے گا تو ہم خوب خوب مزے کریں گے اور ہی پھر عیش کریں گے۔ وہ سب کچھ کریں گے جو ہم اور ماؤں کی موجودگی میں نہیں کر سکتے تھے پھر اور ماؤں مر گیا اور شاجو کو سردار بنا دیا گیا لیکن جیسا کہ تمہیں ساری تفصیلات معلوم ہیں۔ شاجو کی سرداری زیادہ عرصے تک نہیں چل سکی اور قوم کی مداخلت سے بچ جانے کیسے کیسے خفیہ اور غیر انسانی قوتوں کا مالک ہے۔ شاجو کی سرداری کا خاتمہ ہو گیا اور تم سردار بن گئے۔ اسی دن سے ہم تینوں نے طے کر لیا تھا کہ اس ذات کا تم سے انتقام ضرور لیں گے اور اس بستی کی سرداری پر ایک بار پھر شاجو کا قبضہ کرائیں گے۔ ہم درحقیقت تم سے خوفزدہ نہیں تھے ماشالا۔ ہمیں یقین تھا کہ تم پر قابو پانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہو گا۔ ہمیں تو اصل خطرہ فروس کی طرف سے تھا جس نے نئی گرفتاری کے وقت عجیب و غریب اور ناقابل یقین جارحانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا۔

"پھر ہم لوگوں نے خفیہ طور پر کشور کی بستی کے سردار عبا پا سے رابطہ قائم کیا اور اس سے یہ کہا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ مل کر بستی پر حملہ کر دے اور شاجو کی سرداری بحال کرنے میں ہماری مدد کرے تو ہم ہر سال اسے باقاعدہ خراج ادا کیا کریں گے۔ عبا پا اس کے لیے تیار ہو گیا۔ ہم نے فروس اور اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کے بارے میں جب اسے بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس نے ہمسے کہا کہ اس کے خیال میں جب تک فروس کا وجود اس بستی میں ہے، وہ اس پر حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ اس نے کہا کہ اس کے خیال کے مطابق فروس خود کسی نہ کسی غیر معمولی قوت کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ پہلے کسی نہ کسی طرح فروس کو ہلاک کر دیا جائے اور اس کے بعد ایک بھاری فوج کے ساتھ بستی پر حملہ کر کے تمہیں قتل کر دیا جائے اور شاجو کو سردار بنا دیا جائے۔ شاجو نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ کشور کی بستی کے سردار کو باقاعدہ سالانہ خراج ادا کرے گا۔"

لیکن اب سوال یہ تھا کہ فروس کو کس طرح ہلاک کیا جائے۔ ہم لوگ مہینوں سوچتے رہے اس دوران شاجو نے کشور کی بستی کے کئی چکر لگائے۔ اس نے ہماری بستی کے لوگوں میں یہ بات مشہور کر کے، تمہیں فروس سے بدظن کرنا چاہا کہ فروس ایک خبیث جادوگر ہے اور رات بستی میں رہنے کی اجازت نہیں ہونا چاہیے لیکن بستی میں چند لوگوں کے علاوہ کسی نے شاجو کی باتوں پر دھیان نہیں دیا کیونکہ وہ پہلے ہی بہت بدنام ہو چکا تھا اور فروس کی جنگ دل سے عزت کرتے تھے۔ آخر شاجو اور عبا پا کی سمجھ میں ایک منصوبہ آ گیا۔ انھوں نے کشور کی بستی کے ایک شخص واکری کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ واکری پیسوں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور ہر قسم کے زہر کے بارے میں وسیع معلومات رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے پاس طرح طرح کے زہروں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ طے یہ کیا گیا کہ فروس کو کسی نہ کسی طرح زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ کیونکہ کسی اور صورت میں جسمانی طور پر اسے مغلوب کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ واکری کو تمام تر تعاون پر آمادہ کر لیا گیا اور اسے ساری باتیں تفصیل کے ساتھ سمجھا دی گئیں۔ واکری نے یہاں کہ جو کچھ تم نے کہا، اسے دہرانے کی مجھے ضرورت نہیں۔ تاہم، وہ تمہیں اس بات پر آمادہ نہیں کر سکا کہ تم فروس کو بستی سے نکل جانے کا حکم دو لیکن تم نے واکری کی اس بات کی اجازت دیدی تھی کہ اگر وہ چاہے اور اس کے امکان میں ہو تو وہ فروس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ واکری نے دو مرتبہ فروس کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بالآخر ہم چاروں نے ایک مشترکہ طور پر فیصلہ کیا۔" اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ نہایت زہریلا سانپ واکری ہی پکڑ کر لایا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ اگر اس سانپ نے فروس کو ایک بار بھی ڈس لیا تو فروس کے زندہ بچ جانے کا کوئی امکان موجود نہیں ہے، کیونکہ یہ شدید ترین زہریلا سانپ تھا۔

"ہم لوگ اس قوی ہیکل وحشی عورت میں انسانوں کو مارنے میں کس طرح کامیاب ہوئے اس کی تفصیل تو تم آریہ کی زبانی اور بقیہ واقعات کی تفصیل فروس کی زبانی سن چکے ہو۔ مجھے ان باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

ہم سب لوگ واپر کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد ماشالا نے اس سے سوال کیا۔ "اس بستی میں تمہارے علاوہ کون کون تمہارے موجود ہیں؟"

"کوئی بھی نہیں۔" واپر نے مایوسی سے گردن ہلائی۔ "ہم تین ہی دوست تھے، میں، تمر کالا اور شاجو۔ ہم لوگوں نے بستی کے لوگوں کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی لیکن انھوں نے ہماری بات رد کر دی۔ اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کی تو انھوں نے ہماری بات رد کر دی۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بالآخر کافی سوچ بچار کے بعد میرے ذہن میں ایک منصوبہ آ ہی گیا اور میں نے اسے آزمانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جو منصوبہ میرے ذہن میں آیا تھا اس پر مکمل طور پر ادکا یابی کے ساتھ عمل درآمد کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت درکار تھا، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ مجھے اب صرف اس بات کا انتظار تھا کہ دیمل مجھے میرے اور اسبالو کے بارے میں سے سر بسر کوا جس میں زانی کے بھونپلے میں تھا

مجھے دیمل کا پیغام ملا، اس نے مجھے فوراً بلایا تھا۔

میں دیمل کے جھونپڑے میں پہنچا، وہ اس وقت بھی گہری سوچ کے زیر اثر اور آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی

اس نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور مجھے اپنے پاس بستر پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور میں نے نہایت ہی غیر اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر اسے اپنا منصوبہ بتایا۔ میری اس حرکت پر دیمل کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اسکے موتیوں جیسے سفید دانت چمکنے لگے۔

"میرے پاس تمہارے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے بہادر ٹیالو۔" دیمل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں محو خفتہ دیوتا سے اپنے حق میں بھروسہ لینے اور شکران دیوتا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آخر شکران دیوتا نے مجھے اپنی زیارت سے نوازا۔ شکران عظیم ہے اور وہ سب کو جانتا ہے۔ وہ ہمیں معلوم ہے جو ہم سوچتے ہیں اور وہ بھی معلوم ہے جو ہمارے دلوں میں پوشیدہ ہے۔ اسے ہمارے دل کی ساری باتیں بھی پہلے سے معلوم تھیں، لہٰذا مجھے اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

میرے دل میں دیمل کی اس سادہ لوحی پر ہنسی آ رہا تھا، زمانے و مکس عالم میں یہ سمجھتی تھی کہ شکران دیوتا اس سے ہمکلام ہو رہا ہے۔ ویسے حقیقت یہ ہے، یہ دیکھ کر آج مجھے بھی انسان کے دل و دماغ میں بڑھتی بڑی قسم کی عقیدت کو محسوس کر لیتے ہیں اور انسان انھیں حقیقت سمجھ رہا ہے۔ خیر تو دیمل نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"شکران دیوتا نے تمہیں ناراض نہیں پایا۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم اپنا ارادہ ترک کر دو اور اسے اپنے ساتھ گزارو۔ اس لیے اب تمہیں ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرے خوشی میں رہو گے۔ میں تمہارے لیے ایک نئے گھر کا بندوبست کر دوں گی۔ شکران دیوتا نے تمہاری اور میری محبت اور خواہش کے مطابق اسبالو کی سزا کو معاف کر دیا ہے۔"

"تو کیا اب اسبالو کو رہا نہیں کیا جائے گا؟" میں نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ اب شکران دیوتا نے اس کی سزا معاف کر دی ہے تو ہم کسی کی مجال کہ اسبالو کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" یہ دیمل نے جواب دیا۔

"لیکن اس طرح تو اس وقت قبیلے میں مردوں کی تعداد دس کے بجائے گیارہ ہو جائے گی اور جب اسبالو کی منحوس شامت سزا کا وقت آئے گا تو اس وقت تک یہ تعداد بارہ ہو چکی ہوگی کیونکہ ہر سو گوں کا کیلنڈر کے مطابق اس وقت تک قبیلے کا ایک اور مرد بالغ ہو چکا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔" دیمل نے کہا۔ "شکران دیوتا نے اس کی خصوصی اجازت دے دی ہے کہ اگلے تین سال تک قبیلے میں مردوں کی تعداد بیسویں گیارہ رہ سکتی ہے۔ کیونکہ تمہارے لوگ کسی دوسرے کی جان لینا اور نہ سکتے۔ مگر بعض بیماریوں کو قوموں کے قوانین آپس میں کے نہیں ہے۔ لیکن جب اسبالو کی منحوس شامت سزا کا وقت آئے گا اور اس تک قبیلے میں ایک لڑکا اور بالغ ہو چکا ہوگا تو پھر اس وقت دو مردوں کو قربانی دے کر مردوں کی تعداد کو دوبارہ دس کر دیا جائے گا۔ تعداد بہرحال دس ہی رہے گی۔ اس میں اضافہ نہیں ہوگا۔ لیکن قربان کیے جانے والے دو مردوں میں تمہارا اور اسبالو شامل نہیں ہوں گے۔ کسی بھی دوسرے دو مردوں کو قربانی کر دی جائے گی۔ ان کے ناموں کا فیصلہ عظیم شکران دیوتا خود کرے گا۔ وہ چند دنوں تک مجھے بتا دے گا۔ بھری نظروں سے دیکھتی رہی) اور پھر ہولی ہوئی، یہ میں آج شام کو بستی کے سارے لوگوں کو میدان میں جمع کروں گی اور وہاں سب کے سامنے شکران دیوتا کے اس فیصلے کا اعلان کروں گی۔ پھر کسی کو کسی قسم کی شکایت نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ یہ فیصلہ خود شکران دیوتا نے کیا ہے۔ اس کا ذمہ دار نہ میں ہوں گی اور نہ ہی تم۔ تمہارے اور میرے بارے میں بھی کسی کو کوئی شک نہیں ہوگا، جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اس کے باوجود تمہاری بہت گرویدہ ہے۔" دیمل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی سے اس بات کا اقرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر تک دیمل کے ساتھ مزید وقت گزارنے کے بعد میں واپس نارو کے جھونپڑے میں آ گیا۔ نارو جب تھوڑی دیر میں ہی جھونپڑے سے نکل کر میدان میں پہنچ گیا۔ وہاں وہ شکران دیوتا کی طرف سے جاری کیا جانے والا کوئی نیا حکم سنانے والی ہے۔ اس لیے بستی کے سارے لوگ وہیں جمع ہو رہے تھے۔ میں نے بھی نظر میدان کے اس حصے کی طرف ڈالی جہاں میں بھی ان سے تین دن قبل میں نے آگ جلائی تھی۔ وہاں اب بھی باقی کے گوشت کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا اور اس کے چاروں طرف آگ جل رہی تھی۔ قبیلے کی ساری عورتیں اور مرد گوشت بھون رہے تھے۔ میں نے بھی کچا گوشت کھایا تھا لیکن ابھی تک وہ مجھے مکمل طور پر ہضم نہیں کر پائے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بستی میں بسنے والوں کی تعداد بہت محدود تھی اور باقی بہت بڑا تھا۔ اس لیے اس کا گوشت بہت تک چل رہا تھا۔ گوشت گرم اور مصالحہ لگ پڑنے کے باعث یہ گوشت یقیناً مزیدار ہو گیا تھا۔ اور میں میدان میں بسی ہوئی بدبو کو بھی صاف طور پر محسوس کر رہا تھا لیکن ان وحشی انسانوں کے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ برابر مزے سے گوشت بھی کھاتے چلے جا رہے تھے۔ دو عورتوں کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ فضا میں سے اڑنے والے گوشت خور پرندوں کی یورش سے اس گوشت کو محفوظ رکھیں۔ چنانچہ دو عورتیں جنوب و مغرب سمت کے متعین

کیے ہوئے تھیں۔ جو پرندے ان کی طرف آتے، وہ ان کی طرف پتھر پھینکتی تھیں۔ ان کے پاس ایک گوپھن بھی تھا جسے وہ دور تک پتھر پھینکنے کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ میں نے بھی ایک گوپھن بنا لیا تھا۔ میرا نشانہ بہت اچھا تھا۔ میں نے بھی کئی پرندوں کو اپنے پتھر سے زخمی کیا تھا۔ لیکن میرے کوئی پرندہ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ وہ زخمی ہو کر اڑ جاتے تھے۔ میں نے بھی ایک بڑے سے درخت کی شاخوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے

تھی تھا اور گروہ نادر کو قتل کرنا چاہتا تو یہ کام کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا لیکن سفید فام کے دل میں کوئی انتقامی جذبہ نہیں تھا۔ اس نے نیلگوں وحشی کو اپنے ہی رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور زندہ رہنے کا حق دیا۔ یہ بات اس شخص کی عالی ظرفی کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ اسی دن اور اسی وقت اس شخص نے ایک پاگل اور مست ہاتھی کو جس طرح ہلاک کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نے ہماری پوری بستی کو نہ صرف تباہ ہونے سے بچایا بلکہ کئی دن تک بستی والوں کے لیے خوراک کا بھاری ذخیرہ بھی فراہم کر دیا۔ ہاتھی کی اس انداز سے ہلاکت ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔ اس شخص کی بے مثال بہادری اور جواں مردی کا ہمتا ہونا ثابت ہے۔ شکاری عظیم ہے اور سب کچھ جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس نے اس سفید فام انسان کے ان دونوں کارناموں کو استعجاب اور تعریف کی نظروں سے دیکھا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔"

ابھی دیمل کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ "شکاری عظیم ہے" "شکاری عظیم ہے" کے نعرے بلند ہونے لگے۔ اس غیر معمولی شور کو سن کر دیوتاؤں پر بیٹھے ہوئے گدھ اپنی لمبی لمبی اور پتلی گردنیں نکال نکال کر غور سے دیکھنے لگے۔ عقیل بردہ عورتوں کو اپنی طرف متوجہ پا کر انھوں نے دوبارہ اپنی گردنیں اندر کر لیں۔

"ٹیٹا بو کی خواہش تھی کہ چاہے اسے ہلاک کر دیا جائے لیکن سیالو کو رہا کیا جائے۔" دیمل نے دوبارہ اپنی تقریر کا سلسلہ وہیں سے شروع کیا جہاں سے وہ ٹوٹ گیا تھا۔ "اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار برملا مجھ سے کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ سیالو بے قصور ہے۔ کیونکہ خود اس نے ہی اسے برچھے پر مجبور کیا تھا حالانکہ سیالو نے کوئی بات بتلانے پر تیار نہیں تھا۔ شکاری عظیم سفید فام کی اس خواہش سے بھی بخوبی واقف تھا۔ اپنا فیصلہ اس نے حکم دیا ہے کہ سیالو کا قصور بھی معاف کر دیا جائے اور اسے رہا کر دیا جائے۔"

مجمع میں سے ایک بار پھر "شکاری عظیم ہے" "شکاری عظیم ہے" کے نعرے بلند ہونے لگے۔

"لیکن اس کے باوجود عظیم شکاری اس بات پر تیار نہیں ہے کہ شتونگ قبیلے میں مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اس نے تین روایت دی ہے کہ صرف اگلے تین ماہ تک یعنی سیالو کی مقرر شدہ میعاد کے وقت آنے تک تو مردوں کی موجودہ تعداد کو برقرار رکھا جا سکتا ہے لیکن جیسے ہی تین ماہ گزر جائیں اور قبیلے کا ایک اور لڑکا بالغ ہو جائے تو ایسے ہی مردوں کی تعداد دوبارہ دس کر دی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ قرعہ ان ایک کے بجائے دو مردوں کو قربان کیا جائے۔ لیکن قربانی کیے جانے والے مردوں میں ٹیٹا بو اور سیالو شامل نہیں ہوں گے۔ چنانچہ آج اور اس وقت سے ٹیٹا بو اور سیالو آزاد ہیں۔ یہ بستی کے پیچھے مردوں کی وادی میں دوسرے دس مردوں کے ساتھ رہیں گے۔

دیمل نے اپنی تقریر ختم کی اور "شکاری عظیم ہے" "شکاری عظیم ہے" کے فلک شگاف نعروں سے ایک بار پھر گونج اٹھی۔

زیر طبع
معصوم لڑکیوں کا رس چوسنے والے
ایک بھنورے کی داستان
حرام خور
سیفٹی منصر
شائع ہو گیا ہے
ناشر
کی آرڈر بالا نقطہ ہیں پتہ پر ارسال کر
اشاعت
طیبہ بکسٹال
پبلشرز اینڈ بک سیلرز

اجلاس ختم ہو گیا۔ سب عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف جانے لگیں۔

"ٹیٹا بو! تم کہاں جا رہے ہو؟" دیمل نے سامنے سے آتے ہوئے ٹیٹا بو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے

لیکن میرا ذہن بہت سی دوسری باتوں کے سوچنے میں مصروف تھا۔ مجھے اپنے اس منصوبے پر عمل کرنا تھا جو میں نے شتونگ قبیلے کے مردوں کو عورتوں کے بے جا ظلم و تشدد سے نجات دلانے کے لیے بنایا تھا۔ یہ منصوبہ بے حد تھا ہی پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا اور اس میں بڑی حکمت عملی اور تدبر سے کام لینا تھا۔ میں یہاں موجود لوگوں میں سے کسی کو بھی اپنے اعتماد میں نہیں لے سکتا تھا کیونکہ وہ سب کے سب ذہنی طور پر عورتوں کے مارے ہوئے پسماندہ ذہنوں کے مالک تھے، اور میں ان کے لیے ایک اجنبی اور غیر شخص تھا۔ میں ان کے سامنے آیا تو فی الحال روپ میں تھا لیکن جلد ہی ان کے شکاری دیوتا نے ٹیٹا بو کی روح کو جسم سے نکال کر مجھے ایک "عام انسان" میں تبدیل کر دیا تھا۔ اب ان لوگوں کے نزدیک میری کوئی حیثیت نہیں تھی تو صرف اتنی کہ میں ایک عام انسان ہوں اور بہادری کے ساتھ ہاتھوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔

اور کوئی اہمیت شاید ان کی نظروں میں نہیں تھی۔ ایک دو بار میرے یہ خیال پیدا ہوا کہ میں سیالو کو اپنے اعتماد میں لوں، لیکن پھر خود ہی اپنے اس خیال کو مسترد کر دیا۔ میں بہادر ہونے کے باوجود یہاں کے کسی شخص سے فیس کر سکتا تھا۔ سیالو نے مجھ سے شدید نفرت کا اظہار کیا تھا اور یقین تھا کہ میرے طرز عمل کے بعد اس نے لازماً میرے بارے میں اپنی رائے بدل دی ہوگی لیکن یہ کہنا میرے لیے مشکل تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا ہے۔ اگرچہ اسے میری وجہ سے معافی مل گئی تھی لیکن ضروری نہیں

میری بات کر مان لے۔

وہ ساری رات میں نے دیمل کے ہمراہ گزاری۔

میں خاموشی سے اٹھا اور دیمل کے جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔

باہر ہر طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور جنگل کی طرف سے طرح طرح کے جانوروں کی ڈراؤنی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں خاموشی سے تمام مرد و عورتوں کی بستی سے باہر نکل آیا۔ میرا رخ شمال کی طرف تھا اور میں صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس بستی سے کافی دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ مجھے دوبارہ تلاش نہ کر پائیں۔ مجھے معلوم تھا کہ عجوبے کے زمانے کے یہ وحشی انسان بہت سی ایسی مخصوص حیاتیاتی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں، یہ انسان کی بو پہچانتے ہیں اور یہ ہلکی سی ہلکی اور دور دراز سے آنے والی آوازوں کو سن سکتے ہیں جنہیں ہم لوگ سیکنڈ ڈی ایکٹیو آلات کی مدد سے سن سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی جستجو حیوانوں سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہو تبھی میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ خود بھی نیم حیوانی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

میرا مقصد یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلا جانا نہیں تھا، بلکہ مجھے دوبارہ واپس آنا تھا، لیکن تین ماہ کی مدت گزرنے سے صرف چند روز پہلے۔ یہاں کے لوگوں کے ذہنوں سے تو میں کو محو کرنے کے لیے ہی میں نے یہ تدبیر سوچی تھی۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے ذہن میں پورا پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔

میں ساحل ہی ساحل چلتا رہا اور میں نے راستے کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا کیونکہ مجھے ایک بار پھر یہاں واپس آنا تھا۔ ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ سمندر کی سرکش لہریں، جو اندھیرے میں کسی سیاہ دیوہیکل مادے کی طرح نظر آ رہی تھیں، ساحل سے ٹکرا کر شور پیدا کر رہی تھیں اور گہرے سناٹے میں ان کی آواز بڑی بھیانک معلوم ہوتی تھی۔ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے میں کئی میل کا سفر طے کر چکا تھا اور انتہائی گھنے اور خوفناک جنگل میں داخل ہو گیا تھا۔ جنگل ساحل سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اندر میں اس لیے داخل ہو گیا۔ جنگل کے اندر جا کر بھی میں نے راستے کی سمت کو پیش نظر رکھا تاکہ واپسی میں دقت نہ ہو۔

اب صبح ہونے کافی دیر ہو چکی تھی اور میں شتونگ قبیلے کی بستی سے بہت میل پیچھے چلا آیا تھا۔ گھنے جنگل کا انتہائی حسین منظر میرے سامنے تھا۔ درختوں پر طرح طرح کے عجیب و غریب پھل لگے ہوئے تھے اور بڑے بڑے پرندے چہچہا رہے تھے۔ بھاری جسم اور لمبے لمبے بالوں والے سیاہ اور بھورے رنگ کے بندر درختوں کی ڈالیاں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ادھر جھول رہے تھے۔ خرگوش، لومڑیاں اور گیدڑ ادھر سے ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ فطرت کی ساری رعنائیاں میرے سامنے بکھری پڑی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ شاید میں پہلا انسان ہوں جس نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے، کیونکہ دور دور تک کسی انسان کا وجود نظر نہیں آتا تھا۔ اور جلد ہی اس قدر گھنے تاریک اور خوفناک جنگل میں انسان کا گزر ہو بھی کہاں سکتا تھا۔

اچانک مجھے پانی کے بہتے ہوئے بہنے کی آواز سنائی دی۔ شاید سامنے گھنے درختوں کے پیچھے کوئی پہاڑی چشمہ یا پہاڑی نالہ تھا۔ میں نے آواز کی سمت اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ گھنے درختوں کے بہت سے جھنڈوں سے گزرنے میں واقعی ایک ندی کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ندی تھی جس کا پانی شیشے کی طرح صاف و شفاف اور شیشے جیسا رنگ تھا۔ پانی کا اس قدر حسین اور شفاف رنگ میں نے بہت ہی کم دیکھا ہوگا۔ اس پانی کو دیکھ کر بے ساختہ میری طبیعت مچل گئی اور میں نے اس میں چھلانگ لگا دی۔ پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا اور ندی شاید بڑی چٹانوں سے ہوتی ہوئی آگے جا کر سمندر سے مل جاتی تھی۔ میں بڑی دیر تک اٹھکیلیاں اور فرحت بخش پانی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کبھی میں بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیرنے لگتا اور کبھی اپنے طاقتور بازوؤں کے سہارے بہاؤ کے خلاف تیرتا۔ عشرتِ کئی گھنٹوں تک میں پانی کی موجوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا رہا۔ جسم کو آرام و سکون پہنچاتا رہا۔ پانی میں رنگ برنگی مچھلیاں بھی تھیں جو کبھی میرے ساتھ ساتھ تیرتی تھیں اور پھر ادھر ادھر چھپ جاتیں۔ پانی کے بہاؤ کی سمت کے علاوہ اس کی گہرائی بھی بہت زیادہ تھی۔ میں نے کئی بار پانی کے اندر غوطے لگائے اور کافی دیر تک خود کو پانی کے اندر رکھا۔ ایک بار میں اکبل پانی کی تہہ تک چلا گیا۔ یہاں پہاڑوں سے ٹوٹ کر آنے والے عجیب و غریب شکلوں کے پتھر جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ عہد بہ زمانہ اور پانی کی روانی نے ان پتھروں کو طرح طرح کے رنگ اور طرح طرح کی شکلیں عطا کی تھیں۔ میں انھیں غور سے دیکھنے لگا۔ اگر میرے جسم پر کوئی لباس ہوتا تو میں ان میں سے کچھ بیش قیمت پتھر ضرور اپنے پاس رکھتا اور اٹھا لیتا۔ لیکن افسوس کہ میرے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا تاہم میں نے چند خوش وضع اور خوش رنگ پتھر اٹھا کر اپنی مٹھی میں بند کر لیے۔

میں پتھروں کو دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ مجھے اس بات کا پتا ہی نہیں چلا کہ اب سورج ڈوب رہا ہے اور اندھیرا کے کنارے کون سے نئے اور حیرت انگیز واقعات میرے منتظر ہیں۔ میں نے جیسے ہی اپنا جسم اوپر اٹھایا اور سر کو بلند ہونے کی کوشش کی۔ مجھے محسوس ہوا کہ کچھ چاروں طرف سے جکڑ لیا گیا ہے۔ میں نے اپنے جسم کے اطراف نظر ڈالی۔ درختوں کی چھال کی بنی ہوئی رسیوں کا بنا ہوا جال میرے جسم کے گرد کسا جا چکا تھا۔ یہ بہت ہی چھوٹے چھوٹے خانوں والا جال تھا اور شاید سمندر سے بڑی بڑی اور بھاری بھاری مچھلیوں کو پکڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اس وقت اس جال میں میرا جسم پھنسا ہوا تھا۔ میں نے جیسے ہی ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی، جال کے پھندے میرے جسم کے گرد اور زیادہ مضبوطی سے کس گئے۔ میں اگر چاہتا تو ظاہر ہے کہ چند منٹ میں یہ سارا تماشا ختم ہو سکتا تھا اور میں خود کو آزاد کر سکتا تھا لیکن میں نے فی الحال اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ مجھے زیر دام لانے والے کون لوگ ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس گھنے تاریک اور خوفناک جنگل میں دور دور تک انسان کا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ناممکن ہے۔ لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ انسان وہاں بھی سو جاتے اور انھوں نے اپنی زندگی کا ثبوت بھی پیش کر دیا تھا۔

جال کے میرے جسم کے گرد کسے ہی باہر سے جال کو کھینچنے لگے تھے۔ میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میں بہت زیادہ گہرائی میں تھا۔ اس لیے مجھے یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ کھینچنے والے کون لوگ ہیں۔ تاہم میں تیزی اوپر آ رہا تھا۔

مانوس عرب میرے جسم سے بے نیاز ہو کر اور میں گھسٹتے گھسٹتے کنارے تک پہنچا تو میں نے ان لوگوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں جال کا سرا تھا اور جو مجھے تیزی سے باہر کھینچ رہے تھے۔ وہ پانچ سیاہ فام پست قد لیکن انتہائی گٹھیلے اور مضبوط جسموں والے مرد تھے۔

لیکن وہ صرف پانچ نہیں تھے۔ پانچ تو وہ تھے جو کنارے کے باغوں میں رسہ تھا اور مجھے کھینچ رہے تھے۔ ان کے پیچھے سیاہ فام پست قد عورتوں اور بچوں کی ایک بھاری تعداد کھڑی ہوئی تھی۔

مجھے اس صورت حال کو سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ان میں سے کوئی آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا اور اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا اور پھر باقی لوگوں کو اس کے بارے میں خبر جو دی ہوگی۔ لیکن میں نے سوچا کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ یقیناً مجھے زندہ ہی پانی کے سطح پر لینے کی کوشش کرتے اور مجھے پانی میں جانے کا موقع نہ ملتا۔ غالباً صورت حال یہ ہوئی ہوگی کہ ان میں سے کسی نے مجھے پانی میں تیرتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا اور پھر اس نے باقی لوگوں کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی ہوگی۔ پھر وہ لوگ بڑا سا جال لے کر آ گئے اور انھوں نے مجھے غافل پا کر جال میرے اوپر پھینک دیا اور مجھے گرفتار کر لیا۔ میری مزاحمت کی خبر یا تو غالباً ان لوگوں کے سامنے نہیں آئی ہوگی یا وہ اسے ہی ندی کے کھارے پانی کا نتیجہ سمجھ گئے ہوں گے۔

کھینچنے والوں نے طاقت لگا کر رسہ بالآخر مجھے کھینچ لیا اور میں جال سمیت ندی کے کنارے آ کر ٹھنڈی اور گیلی زمین پر گر پڑا۔ میں اگر چاہتا تو اسی وقت اپنے اعضاء پر اللہ کا شکر ادا کرتا اور ان کے اس تحفظ سے جال کی ڈوریاں توڑ کر اپنے آپ کو ایک تازہ انسان کی حیثیت سے ان کے سامنے پیش کر دیتا۔ لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس لیے میں خاموشی سے زمین پر پڑا رہا۔ اور میں نے خود کو زندہ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اس ٹولی میں ان سیاہ فام پست قد مردوں اور عورتوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ میں نے دیکھا ان میں بہت سوں کے پاس پرانی وضع کے تیر کمان اور بلمیں اور پتھروں کے بھالے تھے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ غالباً جو جیسی ایک ضرورت تھی اس کے لیے اتنی زیادہ ہتھیاروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان لوگوں کے ہتھیار بھی نہتے قبیلے کے لوگوں کے ہتھیاروں کی طرح کڑے اور بدوضع تھے اور ان کی ساخت میں صفائی نہیں تھی۔ یہ بھی پتھر کے زمانے کے لوگ تھے۔ میں غور سے ان کے جسموں کو دیکھ رہا تھا۔ استوائی گرمی کے جھلسے ہوئے سیاہ پڑتے ہوئے جسم ہر آنے کی طرح چمک رہے تھے گہرے سیاہ اور گھونگریالے بال جو سیپوں کی طرح ان کے شانوں پر لٹک رہے تھے اور گٹھیلے مضبوط بدن، جنھیں لوہوں کی سختی نے فولاد کی طرح مضبوط بنا دیا تھا۔

وہ انتہائی حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میرے جسم کو اس کی رنگت کو اور میرے سنہرے گچھے دار بالوں کو دیکھ رہے تھے۔

"جہاں تک لوگوں کے تریہ کی زبان ہی معلوم ہوتا ہے" ایک معمر شخص نے ایک دوسرے شخص سے مخاطب ہو کر ایک قدیم افریقی زبان میں کہا۔ یہ زبان گشتا قبیلے کی زبان سے مختلف تھی۔ لیکن تھا وہ بھی بہت سے ایسے الفاظ کا فرق ہو سکتا تھا جن کو گردش پر بدلتی جانے پر بھی ٹوٹی اور بڑی زبان کو سمجھنے اور بولنے کی قدرت رکھتا تھا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا جسم اس کی شکل و صورت بالکل انسانوں کی سی ہے" دوسرے شخص نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے جسم کا رنگ بڑا عجیب و غریب ہے۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کا انسان ہے۔ شاید جنگل کے کسی اور دوسرے حصے میں ایسے انسان پائے جاتے ہوں۔ لیکن میں نے اپنے باپ دادا سے کبھی ایسے کسی انسان کو نہیں دیکھا۔ نہ ہی میرے بزرگوں میں سے کسی نے ایسے انسان کا ذکر کیا۔"

وہ ان کے پاس ہی طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق وہ دنیا صرف اس جنگل تک محدود تھی جس کے بیچ پھوٹتے سے تھے وہ آباد تھے۔ سمندر ان کے خیال میں ایک دوسری دنیا تھا جس کا کوئی اور سرا نہیں تھا اور لامتناہی تھا۔ ان میں سے بعض اس خیال کا اظہار کر رہے تھے کہ شاید میں کوئی سمندری مخلوق ہوں۔ سمندر کی دنیا کا باشندہ۔ وہیں سے تیرتے تیرتے سمندر کے راستے ندی میں آ پہنچا ہوں۔ غالباً ان لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ یہ ندی آگے جا کر سمندر میں گر جاتی ہے اس لیے وہ اس ندی کو بھی سمندر کا ہی ایک حصہ سمجھتے تھے۔

میں کافی دیر تک ان لوگوں کی بے سود پاپائیں سنتا رہا۔ ان کی آپس میں بات چیت بھی بحث ہو رہی تھی کہ میرے کیا حشر کیا جائے۔ انھیں اپنے سردار کی آمد کا انتظار تھا جو اس وقت کہیں شکار پر گیا ہوا تھا اور جس کی خواہش میں انھوں نے کئی آدمیوں کو دوڑا دیا تھا۔

آخر تقریباً آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد سردار کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ اس تمام عرصے کے دوران بہت سے لوگ میرے گرد گھیرا ڈالے رہے تھے۔ یہ لوگ اپنی جگہیں بدلتے رہے لیکن انھوں نے مجھے ایک منٹ کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ سردار کی آمد پر لوگ جلدی جلدی اس کے لیے راستہ چھوڑنے لگے۔ سردار نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا مجھ تک آ پہنچا۔

اپنے قبیلے کے باقی لوگوں کی طرح وہ بھی ایک پست قد سیاہ فام وحشی تھا اور سر سے پیر تک بالکل ننگا تھا لیکن اس نے اپنے گلے میں سمندری سیپیوں اور کوڑیوں کی بنی ہوئی کئی مالائیں پہن رکھی تھیں اور سر پر ایک تاج نما ٹوپی پہن رکھی تھی جو مختلف پرندوں کے حسین و جمیل رنگین پروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی پیشانی پر کوئی رنگ بھی

ملا ہوا تھا۔ یہ تھی اس سردار کی شان۔

لیکن اس شخص کے چہرے سے بہت نرمی، بردباری اور فہمائش کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میں کختی اور کرختگی نہیں تھی۔ وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور غور سے مجھے دیکھنے لگا۔

سب سے پہلے اس نے مجھے بولتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک شخص نے سردار سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ شخص ندی میں تیر رہا تھا۔ پہلے تو ہم سمجھے کہ یہ کوئی بڑی سی سنہری رنگ کی مچھلی ہے جو شاید سمندر سے تیرتے تیرتے ندی میں آ گئی ہے۔ لیکن غور کرنے پر اس نے ہمیں انسان کی طرح ہاتھ پیر چلاتے ہوئے دیکھا۔ ڈبکیاں لگاتے ہوئے دیکھا۔ پھر ہم لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے بستی میں آ گیا۔ ہم لوگوں نے جلدی سے جال سنبھالا اور سیدھے ندی پر پہنچ گئے۔ اس وقت یہ غوطہ لگاتے ہوئے ندی کے اندر تھا۔ ہم نے چپکے سے اس کے اوپر جال پھینک دیا اور اس طرح اسے گرفتار کر لیا۔"

یہی تھیں اس کے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ سردار نے اس شخص سے پوچھا جس نے مجھے یہ ساری داستان سنائی تھی۔

"تمہیں سردار" عالبیا نے جواب دیا۔ "بھلا اس کے علاوہ میں اس کے بارے میں اور کیا معلوم کر سکتا تھا؟ اور کس طرح معلوم کر سکتا تھا؟ معلوم تو بہت کچھ کر سکتے تھے۔ بشرطیکہ تم نے معلوم کرنے کی کوشش کی ہوتی۔" میں نے دیکھا عالبیا لوگوں کی زبان میں سردار کو جواب دے رہا تھا۔

وہ لوگ حیرت کے مارے بے تحاشہ چیخنے لگے۔ "وہ بول سکتا ہے۔ وہ بول سکتا ہے۔ وہ ہماری زبان بول سکتا ہے۔" ہر طرف یک شور برپا ہو گیا۔ سردار بھی حیران و پریشان نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ سے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں ان لوگوں کی زبان بول سکتا ہوں۔

"کیا تم" قبیلی بھدی طرح کے انسان ہو؟ کیا تم واقعی ہماری زبان بول سکتے ہو؟" سردار نے بڑی نرمی اور شفقت کے ساتھ مجھ سے سوال پوچھا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب اسی طرح جال کے اندر ہی بیٹھا ہوا رہ کر دوں؟" میں نے سردار سے کہا۔

"نہیں نہیں۔" سردار جلدی سے بولا۔ "اگر تم ہماری بولی بول سکتے ہو پھر یقیناً تم ہم سے باہر نہیں ہو۔ لیکن پہلے عرض تمنا تاکہ تم کہاں تھے؟ کیسے آ کر گرفتار نہیں رکھتے؟"

"مگر نہیں" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں کا دوست ہوں۔ ساتھی ہوں۔ مجھے اپنا دوست سمجھو، دشمن نہیں۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

سردار کے حکم پر میرے جسم کے گرد کسے ہوئے جال کی رسیاں کھول دی گئیں اور میں آزاد ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک میں اسی طرح زمین پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ارد گرد تمام کے سامنے ان لوگوں کے قد سے چھوٹے تھے نظر آ رہے تھے۔ میں مسکرا کر سردار کی طرف بڑھا اور میں نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ سردار نے جھجکتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا اور گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا۔

"میرا نام ڈیگان ہے اور میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔" سردار نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ میرے قبیلے کا نام ہے۔ ہم لوگ ایک لمبی مدت سے اس سرسبز شاداب جنگل کے اس گوشے میں رہ رہے ہیں۔ یہ جنگل بہت بڑا ہے۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے اور سمندر کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ جہاں سے سمندر شروع ہوتا ہے وہاں سے دنیا ختم ہو جاتی ہے۔ اب تم ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تمہارا نام کیا ہے؟ تم کون سی دنیا سے آئے ہو؟ کیا تم چاند کے باشندے ہو؟ تمہارا رنگ بالکل چاند کے رنگ کی طرح ہے۔ اگر تم چاند کے باشندے ہو تو یہاں کس طرح پہنچے؟ چاند یہاں سے بہت دور ہے۔"

"میرا نام سیٹا ہے۔" میں نے انھیں اپنا وہ نام بتانے میں کوئی ہرج محسوس نہیں کیا جو شمشا و قبیلے کی عورتوں نے مجھے دیا تھا۔ "اور جہاں تک تمہارے باقی سوالوں کا تعلق ہے تو ان کے جواب میں میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ بہت ہی دور سے۔ میں سمندر میں ڈوبتی کشتی میں آیا تھا کہ میری کشتی طوفانی موجوں کی زد میں آ گئی اور میں تیرتا تیرتا تمہارے علاقے میں داخل ہو گیا۔ ندی کا صاف پانی دیکھ کر میرا بھی نہانے کو جی چاہا۔ اور میں نہانے کے لیے پانی میں اتر گیا۔ مجھے علم نہیں ہوسکا اور تمہارے لوگوں نے جال ڈال کر مجھے پکڑ لیا۔"

"اچھا تو آپ اپنی بستی میں چلتے ہیں؟" ڈیگان نے کہا۔ "اس کے بعد باقی باتیں وہیں ہوں گی اور میں تم سے تمہاری دنیا کے حالات پوچھوں گا۔"

قبیلے کے جو تمام لوگ وہاں جمع تھے وہ میری اور ڈیگان کی گفتگو کو بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ میری بات سے بہت خوش نظر آ رہے تھے کہ میں ان کی زبان سمجھ سکتا ہوں اور یہ کہ میں ان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔

ڈیگان نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم لوگ ایک چھوٹے سے جلوس کی صورت میں بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ سب سے آگے میں اور ڈیگان تھے اور ہمارے پیچھے عورتوں، مردوں اور بچوں کا ایک جم غفیر تھا۔ ہم لوگ ندی کے پاس سے مڑ کر پگڈنڈی پر چلنے لگے۔

بستی تک پہنچنے کے لیے ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ ندی سے تھوڑے سے ہی فاصلے پر جھونپڑوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ سرسبز کے سارے جھونپڑے بھی شمشا و قبیلے کے لوگوں کے جھونپڑوں کی طرح گول تھے لیکن ان کے مقابلے میں زیادہ گندہ کاری گری کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ جھونپڑوں کی قطاروں میں بھی ایک خاص نظم و ضبط اور ترتیب موجود تھی۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ شمشا و قبیلے کے لوگوں کے مقابلے میں کچھ تھوڑا سا آگے ہیں۔

انھوں نے جھونپڑیوں کے وسط میں ایک وسیع میدان میں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ایک خوبصورت سا ہموار زمین بچھایا ہوا تھا۔ یہاں ہری ہری گھاس اُگی ہوئی تھی اور گھاس کے کنارے کنارے مختلف اقسام کے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ ڈیگان مجھے لیے ہوئے اسی سبزہ زار پر آگیا اور ہم دونوں بیٹھ گئے۔ ہمارے ساتھ ہی قبیلے کے دوسرے مرد عورتیں اور بچے بھی بیٹھ گئے۔ بہت سے لوگ جو پہلے سے ہی اپنے چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں موجود تھے، باہر نکل کر آگئے اور اس اجتماع میں شامل ہو گئے۔

"ہاں تو بیٹا!" ڈیگان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب تفصیل سے ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہاری دنیا کیسی ہے؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں محض اتفاقاً اِدھر آنکلا ہوں۔" میں نے کہا۔ "میرا ملک یہاں سے دور بہت دور ہے۔ ماتنی دور کی قسم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں سمندر کے اس پار کی دنیا سے آیا ہوں جہاں کے بارے میں تم لوگ کچھ نہیں جانتے۔"

"کیا کہا؟" سردار ڈیگان نے منہ پھاڑ کر کہا۔ "کیا تم سمندر کی دوسری طرف سے آئے ہو؟ کیا سمندر کے دوسری طرف بھی کوئی دنیا بستی ہے؟"

تمام لوگ حیرت میں غرق میری دل چسپ داستان سن رہے تھے۔ اور پروفیسر ان سے کوئی جھوٹ بھی نہیں بول رہا تھا۔ حقیقتاً تو یہ تھی کہ میں واقعی بہت دور سے آیا تھا اور بقول ان کے سمندر کے دوسرے کنارے کی طرف سے۔

"ہاں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "سمندر کے دوسری طرف بھی ایک دنیا آباد ہے۔ جو تمہاری دنیا سے بہت مختلف ہے۔ اس دنیا کے لوگوں کے پاس سمندر کو عبور کرنے کے لیے بڑی بڑی اور اعلیٰ قسم کی کشتیاں ہیں جن کے ذریعے یہ لوگ دور دراز کے علاقوں تک چلے جاتے ہیں۔ میں بھی ایسی ہی ایک کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں نکلا تھا لیکن تمہاری دنیا کے قریب آکر میری کشتی ٹوٹ گئی اور تیز موجیں مجھے بہا کر مجھ سے بہت دور لے گئیں۔ میں بغیر کشتی کے تیرتا ہوا تم لوگوں کے علاقے میں آ نکلا۔"

مجھے نہیں معلوم پروفیسر کہ ان لوگوں کو میری بات کا یقین آیا یا نہیں، لیکن وہ تصویر بنے حیرت سے میری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا اور پروفیسر کی اس وقت کی مہذب دنیا کے بارے میں صرف اتنی ہی باتیں بتا سکتا تھا جتنی ان کے فہم میں آسانی سے سما سکتی تھیں۔ یہ لوگ کشتی کے استعمال سے واقف تھے۔ کیونکہ میں نے کھڑکی کے کنارے لکڑی کی ایک آدمی تر بھی بنا کر دیکھی تھی۔ اور پھر جب یہ لوگ سمندر میں جال پھینک کر مچھلیاں پکڑتے جاتے تھے تو کشتی کا استعمال بھی ضرور جانتے ہوں گے۔ لیکن بحری جہاز ان کی سمجھ سے نہ تھے والی چیز تھا۔ اس لیے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں میرے لیے کھانا آگیا۔ ڈیگان کی ہدایت پر میرے لیے کھانا لایا گیا تھا۔ یہ بھی شتولا قبیلے کے لوگوں کے کھانے کی طرح پھلوں اور پکے گوشت پر مشتمل تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان میں اور شتولا قبیلے کے لوگوں میں ذہنی سطح کے تفاوت سے کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، سوائے اس کے کہ شتولا قبیلے میں مرد مفلوم اور تشدد کا شکار تھے اور قبیلے پر عورتوں کا راج تھا جبکہ یہاں مجھے مردوں اور عورتوں کے مرتبے برابر نظر آرہے تھے اور قبیلے کا سردار ایک مرد تھا۔

قبیلے کے تمام مردوں اور عورتوں نے میری آمد پر بہت خوشی کا اظہار کیا، یا البتہ عورتیں تو میری آمد پر بہت خوش نظر آرہی تھیں لیکن شخص ایسا تھا جس کی آنکھوں میں میں نے اپنے لیے ناپسندیدگی کی جھلک دیکھی۔ اس شخص کا نام اگنت تھا اور یہ قبیلے کا جادوگر تھا۔ قبیلے میں ایک خاص حیثیت حاصل تھی اور سردار ڈیگان سمیت تمام لوگ اس کا بہت احترام کرتے تھے۔ بلکہ میرے اندازے کے مطابق وہ سردار سے زیادہ طرف کا شکار تھے۔ اگنت میں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور تھی جو دوسروں سے نہ صرف اس کی بات ماننے پر مجبور رکھتے بلکہ اس سے ڈرتے بھی رہتے تھے۔ جس وقت میں سردار کے ساتھ بیٹھا ہوا اسے اپنی داستان سنا رہا تھا تو اگنت اپنی خاموش اور سرد نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ سردار ڈیگان نے اس سے میرا تعارف کروایا تھا لیکن اگنت نے میری اور کسی خوشی دلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اگنت کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ میری باتوں کا یا تو یقین نہیں کر رہا ہے اور یا پھر میری باتیں سخت ناپسند کر رہا ہے۔

جب میرے اور سردار کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو سردار بڑے احترام کے ساتھ اگنت کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی، لیکن اس نے بڑی رعونت کے ساتھ کھانے سے انکار کر دیا۔ سردار سے زیادہ اصرار نہیں کر سکا۔ اس نے سردار ڈیگان کے کہنے پر صرف تھوڑی سی جنگلی پھل کھانے پر اکتفا کیا اور پکے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس نے مجھے گوشت کھانے کو کہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ لوگ آگ کے استعمال سے واقف ہیں یا نہیں۔

لیکن سورج ڈوبتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ قبیلہ بھی شتولا کی طرح آگ سے واقف ہے لیکن اس کے بے جا استعمال سے واقف نہیں۔ شام ہوتے ہی انہوں نے جگہ جگہ الاؤ روشن کر دیے تھے طرح کہ جنگلی جانوروں سے تحفظ کا بندوبست کر لیا تھا۔

شام تک ان لوگوں کے ساتھ گفتگو کے دوران مجھے ان کے میں بہت سی باتوں کا علم ہو گیا۔ شتولا قبیلے کی طرح اس قبیلے میں بیاہ کا رواج نہیں تھا اور یہ آبادی کا حامل ایک معاشرہ تھا یہاں ماں کا احترام بہت زیادہ کیا جاتا تھا اور اولاد کی شناخت ماں کے حوالے سے ہوتی تھی۔ وہ لوگ شادی کے تصور سے بالکل آشنا تھا۔ پروفیسر بہت ہی ذہین۔ یہ وہ دور تھا جب سفید فام کے قدم اس سرزمین پر نہیں پہنچے تھے اور یہ لوگ اپنی صدیوں پرانی روایات کے مطابق زندگی بسر کر رہے تھے۔

ڈیگان نے ایک سیاہ فام حسینہ کو میرے پاس بھیج دیا جو بظاہر پندرہ یا سولہ سال کی ہو گی۔ وہ حسینہ مجھے اپنے ہمجولی لڑکے

یاد ہے گزرا کل ہی یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ وہ ایک آدمی تھا، ہم ہی لوگوں جیسا ایک آدمی، بالکل ہمارے جیسا۔ وہ نہ جانے جنگل کے کون سے حصے سے راستہ بھٹک کر ہمارے علاقے میں آ گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا تعلق کسی دوسرے قبیلے سے ہے اور وہ شکار کے دوران اپنے قبیلے سے بچھڑ کر راستہ بھول کر اِدھر آنکلا ہے۔ وہ ہماری زبان پوری طرح نہیں بول سکتا تھا، اور نہ ہی ہم اس کی زبان پوری طرح سمجھ سکتے تھے تاہم وہ ہمیں اپنا معصوم سمجھنے میں کامیاب ہو گیا اور ڈیگان نے اس کی بات سمجھ لی۔ ڈیگان نے اسے پناہ دینے پر آمادہ تھا، لیکن اگنت نے اسے الگ لے جا کر سمجھایا کہ یہ شخص بد حقیقت یک بدروح ہے اور انسانی بھیس میں ہم لوگوں کو تباہ کرنے کی غرض سے آیا ہے اور اس لیے اس کا فوری طور پر ہلاک کیا جانا ضروری ہے۔ ڈیگان اگنت کی اس بات سے خوفزدہ ہو گیا اور اس نے اس اجنبی کی ہلاکت کا حکم دے دیا۔ اس اجنبی نے سردار کی بہت خوشامد کی، اور اسے ہر طرح سے یقین دلانے کی کوشش کی، وہ صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جائے گا، اسے صرف رات کے وقت قیام کرنے کی اجازت دے دی جائے، لیکن سردار ڈیگان، اگنت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس اجنبی نے یہاں تک کہا کہ وہ اسی وقت یہاں سے جانے کے لیے تیار ہے، لیکن اگنت نے ڈیگان سے کہا کہ اس بستی سے نکلتے ہی یہ اجنبی اس ساری بستی کو آگ لگا دے گا، کیونکہ وہ ایک بدروح ہے اور ہمیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس لیے سردار نے اسے ہلاک کر دینے اور اس کا گوشت سارے لوگوں میں تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔

دوسرا واقعہ آج سے کچھ دن پہلے پیش آیا تھا۔ بالکوم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ وہ بھی ہماری ہی طرح کا کوئی انسان تھا۔ اس کا بھی رنگ اور جسم بالکل ہم لوگوں کی طرح تھا۔ اسے جنگلی لٹیروں کے ایک غول نے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس کے پاس ایک کمان موجود تھی لیکن وہ تیر ختم ہو چکے تھے۔ وہ صرف کمان کی مدد سے لٹیروں کو اپنے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمارے قبیلے کے لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور سب نے مل کر لٹیروں کو مار بھگایا یا بستی کے لوگ اسے بستی میں لے آئے۔ لیکن اگنت نے اسے دیکھتے ہی فیصلہ سنا دیا کہ وہ خود یک خونخوار بھیڑیا ہے جس نے انسانی شکل اختیار کر رکھی ہے اور رات ہوتے ہی وہ اپنی اصلی شکل میں آجائے گا اور بستی والوں کو چیر پھاڑ کر کھا جائے گا۔ ڈیگان نے اس سے کہا بھی کہ اگر وہ پیچ میں بھیڑیا ہے تو پھر کتوں سے کیوں خوفزدہ ہے؟ اس کے جواب میں اگنت نے اسے بتایا کہ یہ سارے کتے بھی دراصل بدروحیں ہیں۔ اس نے اس بستی میں داخل ہونے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہے۔ اگنت نے حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً ہلاک کر دیا جائے ورنہ وہ ساری بستی کے لوگوں کا خون پی جائے گا۔ چنانچہ اس طرح اس شخص کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ اب تم تیسرے اجنبی ہو جو اس بستی میں داخل ہوئے ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ اگنت نے تمہارے بارے میں کیا سوچا ہے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس نے یہاں تمہاری آمد کو پسند نہیں کیا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہے اور معلوم نہیں اس نے ڈیگان کو تمہارے بارے میں کیا بتایا ہے۔"

لاکوم کی باتیں سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھنا چاہتا تھا، لیکن لاکوم نے گنت کے بارے میں جو کچھ مجھے بتایا تھا، اس کے پیش نظر اس بات کے امکانات کم ہی نظر آتے تھے کہ گنت مجھے چین کا سانس لینے دے گا اور میں یہاں کسی قسم کی من مانی میں خود کو الجھانا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے تو جیسے تیسے کر کے تین ماہ کی مدت کہیں نہ کہیں گزارنی تھی تاکہ اس کے بعد میں شمالی قبیلے میں واپس جا کر وہاں کے مردوں کو عورتوں کے ظلم و تشدد سے آزاد کرا سکوں۔

علی الصباح جب میں بیدار ہوا تو پوری بستی میں جیسے کہرام مچا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ رات کو کوئی درندہ ایک جھونپڑے میں گھس کے داخل ہوا اور ایک سوتے ہوئے بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ درندے کے قدموں کے نشانات اور جھونپڑے کے ٹوٹے ہوئے حصے پر اس کے جسم کے لگے ہوئے بالوں سے ان لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ کوئی قد آور سنہری رنگ والا شیر تھا۔ سنہری رنگ والا شیر!

آناً فاناً ساری بستی میں یہ خبر گشت کر گئی کہ کوئی سنہری رنگ والا شیر بستی کو ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ بوڑھے قبیلے کے لوگ اپنے اپنے ہتھیار سنبھالے شیر کی تلاش میں دور دور تک جنگل کی خاک چھان آئے۔ اور انھیں نہ تو شیر ملا اور نہ بچے کی لاش۔ عجیب بات یہ تھی کہ قدموں کے نشانات سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ شیر اس طرف سے آیا تھا جدھر لاکوم اور اس کی ماں کا جھونپڑا تھا۔ اور اس کی واپسی بھی اسی طرف سے ہوئی تھی۔ لاکوم کے جھونپڑے سے آگے گھنی جھاڑیاں اور لمبی لمبی گھاس تھی۔ لہٰذا اس سے آگے شیر کے قدموں کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

شیر کی تلاش میں جانے والے لوگوں میں گنت شامل نہیں تھا۔ جب کچھ لوگ ناکام واپس لوٹ آئے تو میں نے دیکھا کہ گنت نے جن لوگوں کے انتظار میں بستی کے قریب ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اور جسے اس بات کی خبر نہیں تھی کہ اس درخت کی گھنی شاخوں کے اوپر میں بیٹھا ہوا ہوں، ڈیگان کو اسی درخت کے پاس روک لیا۔ ڈیگان اور گنت دونوں اس بات سے لاعلم تھے کہ میں درخت کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں دراصل درخت کے اوپر چڑھ کے دور دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسی اثنا میں گنت اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس کی یہ حرکت کچھ پراسرار سی لگی۔ اس لیے میں بھی درخت سے نیچے نہیں اترا اور خاموشی سے شاخوں میں چھپا بیٹھا رہا۔ اب میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو صاف طور پر سن سکتا تھا۔

"کیا شیر کا کوئی سراغ ملا؟" گنت نے کشمکش نکلوں سے ڈیگان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ڈیگان نے فرو گی سے جواب دیا۔ "ہم نے اس پاس کا سارا جنگل چھان مارا۔ شیر کا کوئی سراغ نہیں ملا۔" اس اثنا میں بستی کے دوسرے لوگ بھی گنت اور ڈیگان کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے تھے اور ان کی باتیں سننا چاہتے تھے۔

"تم لوگ جاؤ۔" گنت نے انھیں حکم دیا۔ "اور صرف ڈیگان کو یہاں چھوڑ دو۔ مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

لوگ سر جھکا کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ گنت اور ڈیگان "تمہارا کیا خیال ہے۔" گنت نے پوچھا۔ "کیا وہ شیر اسی بستی کے اندر موجود ہے؟" گنت نے ڈیگان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"بستی کے اندر؟ لیکن کہاں؟" ڈیگان نے بے تابی کے ساتھ کہا۔

"علامی بتاؤ گنت تاکہ ہم سب مل کر اسے ہلاک کر دیں۔"

"اسے ہلاک کرنے کے لیے اتنے بہت سے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف کوئی ایک آدمی ہی کافی ہے۔" گنت نے اوپر والی سے جواب دیا۔

"لیکن وہ ہے کہاں؟" ڈیگان نے بے صبری سے پوچھا۔ "کیا تم نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"نہ صرف یہ کہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بلکہ قریب سے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور ابھی دوبارہ دیکھو گے۔" گنت نے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو گنت؟" ڈیگان نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا تمہیں اس بات پر غصہ نہیں کیا کہ بچے کو اٹھا کر لے جانے والے شیر کی رنگت سنہری تھی، جبکہ کل جھونپڑے میں اس کے جسم کے لگے ہوئے بالوں سے ظاہر ہوتا ہے؟" گنت نے پوچھا۔

"ہاں گنت۔" ڈیگان نے جواب دیا۔ "سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اس شیر کی رنگت سنہری ہے۔"

"کیا تم نے اس سے پہلے اس جنگل میں کبھی سنہری شیر دیکھا ہے؟" گنت نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اس قدر سنہرے رنگ کا شیر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔" ڈیگان نے جواب دیا۔ "بالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بدن چاندی کی کرنوں کی طرح روشن اور چمکیلا ہے۔"

"کیا اب بھی مجھے بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ سنہری رنگ کا شیر اس شیر کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔" گنت نے ڈیگان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"گنت!" ڈیگان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ..... ہ باقی الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہو سکے اور گنت نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بالکل وہی کہنا چاہتا ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔" گنت نے کہا۔ "تمہاری بات کو بالکل ٹھیک طور پر سمجھ رہے ہو۔ تم نے جس انسانی کو اٹھا لانے والی بستی میں پناہ دی ہے۔ وہ دراصل دنیا سے آئی ہوئی ایک بدروح ہے۔ یہ بدروح دراصل ایک سنہری شیر کی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعض اوقات

مرنے والے انسانوں کی روحیں کسی مردہ جانور کے جسم میں چلی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ انسان زندہ ہو جاتا ہے۔ پھر ان بدروحوں کو یہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ جب چاہیں، انسانی بھیس میں آ جائیں اور جب چاہیں جانور کی شکل اختیار کر لیں۔ سنہری بدن والا یہ جنبی جو اپنے آپ کو کسی "معلوم دنیا کا باشندہ بتاتا ہے، دراصل یہ ایک بدروح ہے۔ یہ جب چاہتا ہے انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے شیر بن جاتا ہے۔ یہ لوگوں کو اسی طرح شیر کا روپ دھار کر پھاڑتے اور میوں کو کھاتا ہے گا۔ یہ بڑا سخت دشمن ہے۔ اسے جتنی جلدی ہو سکے ہلاک کر دو۔"

"لیکن گنت، وہ شخص تو اپنی بات چیت سے اور اپنے طور طریقوں سے بڑا سیدھا سادا سا نظر آتا ہے۔ مجھے تو اس میں بدروح ہونے کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔" ڈیگان نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ ڈیگان۔" گنت نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تم نے کبھی یہ یا کسی اور بزرگ نے کبھی سنہری رنگ والا انسان دیکھا ہے؟ یا اس کے بارے میں سنا ہے؟ یہ انسان کا صرف کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ ہم سب کالے رنگ کے ہیں۔ اس سے پہلے بستی میں جو بھی شخص کبھی باہر سے آیا، وہ بھی کالے رنگ کا تھا۔ سنہرے رنگ کے ہوتے ہیں جانور۔ انسان سنہرے یا بھورے رنگ کا نہیں ہوتا ہے۔ بھلا سنہرا جانور کا بھی کہاں ہوتا ہے؟ اور پھر تم اس بات پر غور کرو کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسری دنیا کا باشندہ بتاتا ہے۔ لیکن ہمارے قبیلے کی زبان وہ بالکل ہماری طرح بولتا ہے، جبکہ اس سے پہلے ہمارے علاقے میں آنے والا کوئی بھی جنبی ہماری زبان ٹھیک طریقے سے نہ بول سکتا تھا۔ سمجھ سکتا تھا۔ ان ساری باتوں کا کیا مطلب ہے؟"

گنت کی اس منطق کے آگے ڈیگان لاجواب ہو گیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ڈیگان ایک نرم دل انسان تھا اور اس کی فطرت میں نیکی تھی۔ لیکن وہ قبیلے کے عظیم جادوگر کے سامنے خود کو بے بس پا رہا تھا۔

"مجھے ایک دن کا موقع اور دو عظیم گنت۔" ڈیگان نے گڑگڑا کر کہا۔ "قسم ہے اس بات کی بھی تو غور کرو کہ وہ خود سے یہاں نہیں آیا، بلکہ ہم ہی اسے اٹھا کر لائے تھے۔ ممکن ہے کہ اگر ہم اسے جال پھینک کر گرفتار نہ کرتے تو وہ ندی میں نہانے کے بعد کسی دوسری طرف نکل جاتا۔ شاید کسی اور بستی کی طرف، کسی اور قبیلے کی طرف۔"

"وہ جہاں بھی جاتا، وہاں کے لوگوں کے لیے عذاب بن کر جاتا۔" گنت نے جواب دیا۔ "بولے تم کہتے ہو تو میں تمہیں ایک دن کا موقع اور دے دیتا ہوں۔ آج کی رات اور کل کی رات تم اسے مزید مہمان بنا کر رکھ سکتے ہو۔ لیکن اگر کل طلوع شمس تک میں نے کوئی واردات کی تو پھر کسی بھی اسے برداشت میں ہلاک کر دوں گا۔" گنت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری یہ بات منظور ہے۔" ڈیگان نے جلدی سے خوش ہو کر جواب دیا اور وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سورج کے ڈوبنے تک شیر اور بچے کی تلاش جاری رہی۔ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ کر اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اسے ڈھونڈتے رہے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کا بھی کوئی نشان نہیں ملا۔

گنت کا پارہ بہت چڑھا ہوا تھا۔ اور لوگ اس سے سخت خوفزدہ تھے۔ کوئی بھی اس کے قریب جانے یا اس سے بات کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ پھٹکار لعنت برس رہا تھا۔ لوگوں میں آپس میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ گنت نے ڈیگان جیسے قبیلے کی بستی میں سنہری بدن والے جنبی کی آمد کو سخت ناپسند کیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جنبی کو ڈھونڈ کر ہلاک کر دیا جائے۔ نہ جانے لوگوں تک یہ بات کس طرح پہنچ گئی تھی۔

لاکوم کی ماں نے مجھے یہ بات بتا دی۔ اسے معلوم تھا کہ رات کو لاکوم مجھے گفت سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے چکی ہے۔

"میری بیٹی کو تم بہت اچھے لگے ہو اور اس نے تمہاری بڑی تعریف کی۔" لاکوم کی ماں عاشو نے مجھ سے کہا۔ "اور میری بیٹی کا خیال ہے کہ تمہیں انسان کو زندہ رہنا چاہیے۔ وہ تمہیں گنت کے بارے میں بتا چکی ہے کہ وہ تمہیں سخت ناپسند کرتا ہے۔ اب ہم لوگوں کے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ گنت نے ڈیگان کو تمہاری ہلاکت کا حکم دے دیا ہے۔ لیکن ڈیگان نے اس سے ایک دو دن کی مہلت مانگی ہے۔ میں اور میری بیٹی تم کو مردہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس لیے تم فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ جنگل بہت وسیع ہے اور تمہیں آگے کہیں نہ کہیں انسانوں کی کوئی دوسری بستی ضرور مل جائے گی۔ لیکن ہے وہ لوگ تمہیں پناہ دے سکیں۔ تم چپ چاپ، اندھیرا ہوتے ہی خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"تمہارا اور تمہاری بیٹی کا بہت بہت شکریہ عاشو۔ تم نے میری جان بچانے کی کوشش کی۔" میں نے عاشو سے کہا۔ "لیکن میں یہ بات نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ معزز گنت مجھ سے کیوں ناراض ہے اور وہ مجھے کیوں ناپسند کرتے لگا ہے؟"

"اس سوال کا جواب تو تمہیں گنت ہی دے سکے گا۔" عاشو نے کہا۔ "گنت کی باتیں گنت ہی جانے۔ اس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ مجھے یہ کچھ معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اب آگے فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

"میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں فی الحال یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگر معزز گنت مجھے ناپسند کرتا ہے تو اس کی یقیناً کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔ میں اس سے مل کر اس کی وجہ معلوم کروں گا اور اگر اس کے دل میں میری طرف سے کوئی غلط فہمی ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ گنت میری بات ضرور سنے گا۔"

"تمہاری مرضی۔" عاشو نے کہا۔ "لیکن بہتر یہی ہوتا کہ تم یہاں سے چلے جاتے۔ بہرحال گنت نے ایک بار اگر تمہاری جان بخشی سے انکار کر دیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتی۔"

"مجھے موت کی پروا نہیں۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ جواب دیا۔ "اور میں آج کی رات بھی لاکوم کے ساتھ ہی گزارنا چاہوں گا۔ آج کی رات تو مجھے زندہ رہنے کی اجازت ہے نا؟" میرے اس سوال کے جواب میں عاشو

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔ اسے واقعی مجھ سے ہمدردی تھی، لیکن وہ میری مدد کے لئے مجبور تھی۔ اس شیطان لاکوم کی وجہ سے اگلی اور جب میں نے اسے یہ مژدہ سنایا کہ میں آج کی رات بھی اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں تو اسے ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی۔

"سنہری دن ملکہ ہنی!" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

میں دل و جان سے تمہاری دوست ہوں اور اسی لیے تمہیں نصیحت کرنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہاری زندگی سخت خطرے میں ہے۔ میں اپنی ایک بہت ہی قریبی دوست کی خاطر تمہاری موت قبول نہیں کر سکتی۔ میں اپنے کانوں سے سن کر آئی ہوں کہ اگسٹ نے تمہاری زندگی کے لیے ڈیگان کو صرف آج رات کی مہلت دی ہے۔ کل دن میں کسی بھی وقت تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم فوراً چپکے سے یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اگر تم مجھ سے دور رہ کر زندہ رہو گے تو یہ بات میرے لیے زیادہ خوشی کا باعث ہوگی۔"

"تمہاری یہاں سے مجھے بھی یہی مشورہ دیا تھا۔" میں نے الیشیا سے جواب دیا۔ "لیکن میں نے اسے بھی بتا دیا ہے اور تمہیں بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اگر اگسٹ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے تو میں اس سے بات کر کے اس کی شکایت کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ وہ لوگ مجھے کیوں ہلاک کریں گے۔"

"اوہ ... تم نہیں سمجھتے ٹیا! تم کچھ بھی نہیں سمجھتے۔" الیشیا نے جھلا کر کہا۔ "تم اگسٹ کو نہیں جانتے۔ وہ کسی بھی اجنبی کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ بات میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ وہ قیمیں انسان نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں اس پر یہ بات ثابت کروں گا کہ میں انسان ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری طرف سے بالکل بے فکر رہو۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اگسٹ میری بات مان جائے گا۔ مجھے اپنی بات منوانے کا اچھا خاصا آتا ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہو سکتا!" الیشیا نے اداس لہجے میں کہا۔

صبح ہوتے ہی بستی میں ایک بار پھر چیخ و پکار مچ گئی۔ میں الیشیا کے جھونپڑے میں ہی تھا کہ بستی کے بہت سے لوگوں نے جھونپڑے کے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں الیشیا کے ساتھ جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ لوگوں کے مجمع کے آگے اگسٹ کھڑا ہوا تھا اور اس کے پیچھے ڈیگان تھا۔ ڈیگان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور گہری اداسی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

"سن اے سنہری بدن والی بدروح!" اگسٹ نے نفرت، حقارت اور غصے کے ساتھ مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے جادو کے زور سے یہ حقیقت تو پہلی ہی طرح سمجھ چکا ہوں، پر یوں بات کرنے ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اپنا گناہ بتا دو۔ تو اسے کھا جاؤں۔ میں نے ڈیگان کے کہنے پر تجھے ایک بہت کی مہلت دی اور تو نے کل رات ایک لڑکی کو کھا لیا۔ تو اس کے جھونپڑے میں پیچھے کی طرف سے گھس کی دیوار توڑ کر داخل ہوا اور تو نے اس طرح اس کی گردن دبوچی کہ اس کے منہ سے ایک آواز بھی نہیں نکل سکی۔ تو جب تک وہ تڑپ

ہے اور اب تو میرے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جا۔ مجھے بدروحوں کو ہلاک کرنے کا طریقہ بھی طرح سے آتا ہے۔ ہم بدروحوں کو جلتے ہوئے لوہے میں جھونک دیتے ہیں اور اس طرح ان کا چھٹکارہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تیرے ساتھ بھی یہی عمل کیا جائے گا۔"

"تم غلط کہتے ہو۔" میں نے کہا۔ "میں کل اور پرسوں بستی میں جرمات کے وقت دو وارداتیں ہوئیں ہیں، وہ کسی جنگلی درندے نے نہیں بلکہ میں نے کی ہیں۔ میں نے اگسٹ کی آنکھوں میں تکھیدہ ڈال کر یہ جھوٹ بولا تھا۔ اگسٹ نے میری یہ بات سن کر میرا دل رکھ لیا تھا کہ وہ مجھے جلتے ہوئے لوہے میں نہیں پھینکے گا۔ وہ مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ مجھے حرمت اور قوت ثانی حاصل کرنے کے لیے اور بڑھانا چاہتا ہو۔ اگسٹ نے ڈیگان کو صرف آج رات کی مہلت دی ہے۔ کل دن میں کسی بھی وقت تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم فوراً چپکے سے یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اگر تم مجھ سے دور رہ کر زندہ رہو گے تو یہ بات میرے لیے زیادہ خوشی کا باعث ہوگی۔"

"تمہاری یہاں نے مجھے بھی یہی مشورہ دیا تھا۔" میں نے الیشیا سے جواب دیا۔ "لیکن میں نے اسے بھی بتا دیا ہے اور تمہیں بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اگر اگسٹ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے تو میں اس سے بات کر کے اس کی شکایت کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ وہ لوگ مجھے کیوں ہلاک کریں گے۔"

"اوہ ... تم نہیں سمجھتے ٹیا! تم کچھ بھی نہیں سمجھتے۔" الیشیا نے جھلا کر کہا۔ "تم اگسٹ کو نہیں جانتے۔ وہ کسی بھی اجنبی کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ بات میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ وہ قیمیں انسان نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں اس پر یہ بات ثابت کروں گا کہ میں انسان ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری طرف سے بالکل بے فکر رہو۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اگسٹ میری بات مان جائے گا۔ مجھے اپنی بات منوانے کا اچھا خاصا آتا ہے۔"

"کاش ایسا ہی ہو سکتا!" الیشیا نے اداس لہجے میں کہا۔

صبح ہوتے ہی بستی میں ایک بار پھر چیخ و پکار مچ گئی۔ میں الیشیا کے جھونپڑے میں ہی تھا کہ بستی کے بہت سے لوگوں نے جھونپڑے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میں الیشیا کے ساتھ جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔ لوگوں کے مجمع کے آگے اگسٹ کھڑا ہوا تھا اور اس کے پیچھے ڈیگان تھا۔ ڈیگان کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور گہری اداسی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

"سن اے سنہری بدن والی بدروح!" اگسٹ نے نفرت، حقارت اور غصے کے ساتھ مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے جادو کے زور سے یہ حقیقت تو پہلی ہی طرح سمجھ چکا ہوں، پر یوں بات کرنے ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اپنا گناہ بتا دو۔ تو اسے کھا جاؤں۔ میں نے ڈیگان کے کہنے پر تجھے ایک بہت کی مہلت دی اور تو نے کل رات ایک لڑکی کو کھا لیا۔ تو اس کے جھونپڑے میں پیچھے کی طرف سے گھس کی دیوار توڑ کر داخل ہوا اور تو نے اس طرح اس کی گردن دبوچی کہ اس کے منہ سے ایک آواز بھی نہیں نکل سکی۔ تو جب تک وہ تڑپ

اس نے میری زبان بند کرنے اور ڈیگان کو مجبور کرنے کی غرض سے یہ شرط پیش کی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس شرط کی تکمیل نہیں کی جا سکے گی۔ لیکن اب وہ سخت مشکل میں پھنس گیا تھا۔ اس کی پیش کردہ شرط منظور کر لی گئی تھی اور اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ مجھے دوراتوں کی مہلت مزید دے دے۔ لیکن پھر بھی اس نے ایک آخری حربہ استعمال کرنے کی کوشش کی۔

"ماشور!" اس نے لاکوم کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تو دیکھ اور سن نہیں رہی ہے کہ تیری بیٹی کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تو اسے سمجھا نہیں سکتی جو اسے اس غلط اور خطرناک کام سے روک نہیں سکتی؟ ایک ماں کی حیثیت سے تو یہ فرض ہے کہ تو اس کی زندگی کی حفاظت کرے۔"

"میرے خیال میں لاکوم کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے عزیز اگسٹ۔" ماشور نے اگسٹ کی توقع کے بالکل خلاف جواب دیا۔ "ٹیا بوصیا آدمی نہیں ہے جو کسی کو دھوکہ دے۔ مجھے امید ہے کہ معزز اگسٹ کو اس بارے میں جو غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے وہ جلد ہی دور ہو جائے گی۔"

ماشور کی اس بات سے اگسٹ اور بھی زیادہ پریشان ہو گیا۔ اور اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہا تھا کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لاکوم کو میرے جھونپڑے میں قید کر دیا جائے گا اور اسے دو راتوں تک وہیں رکھا جائے گا۔ میرے شاگرد اس کی حفاظت کریں گے۔ اس عرصے کے دوران ٹیا پر کراس بات کا موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرے۔ لیکن اگر وہ اپنے وعدے کے مطابق اس درندے کو ہلاک یا گرفتار نہیں کر پایا جو اس کے کہنے کے مطابق کوئی جنگلی درندہ ہے۔ تو یہی سمجھا جائے گا کہ ٹیا بوحزدی درندہ ہے اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اگر میں شام میں ٹیا بوجھ گیا تو میں کامیاب ہو گیا اور لاکوم کو رہا کر دیا جائے گا۔ لاکوم کیا تو نے میری بات پوری غور سے سن لی ہے؟ تو کیا تو اس سزا کے لیے تیار ہے؟"

"میں تیار ہوں معزز اگسٹ۔" لاکوم نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں تجھے سوچنے کے لیے ایک صبح اور دیتا ہوں لاکوم۔ تو چاہے تو اپنے فیصلے پر نظرثانی کر سکتی ہے۔ بہانہ ہو کر تجھے پچھتانے کا وقت بھی نہ ملے۔" اگسٹ نے کہا۔

"میں اچھی طرح سوچ چکی ہوں محترم اگسٹ۔ اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" لاکوم نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" اگسٹ نے غور نظروں سے باری باری مجھے اور لاکوم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے دو گیسوں کو اشارہ کیا اور ان سے کہا۔ "لاکوم کو لے جاؤ اور اسے میرے جھونپڑے میں بند کر دو۔ اس کے دونوں ہاتھ اچھی طرح باندھ دینا۔ صرف اس وقت کھولے جائیں گے جب اسے کھانا دیا جائے گا اور رفع حاجت کے لیے باہر لے جایا جائے گا۔"

اگسٹ کے سامنے پیش کر دہ تجویز بہت ہی پیچیدہ تھی۔ مجھے دنوں سے ہلاک کرنے اور قیمیں تلاش میں کرنے کا فن بخوبی آتا ہے۔ میں تم سے بہتر دو ... کی صلاحیت کو ختم کر دوں گا۔ اگر یہ اس درندے کو پکڑ کر ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بےقصور ہے۔"

"تمہاری فرمدلی اور سادہ لوحی ہم سب کے لیے تباہ کن ثابت ہو گی۔" اگسٹ نے ڈیگان کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تاہم میں اس شرط پر تمہاری درخواست کی مہلت دے سکتا ہوں کہ قبیلے کے لوگوں میں سے کوئی بھی تمہارے علاوہ خود کو اس درندے کے ساتھ یکجا نہ کرے۔ اگر وہ مجھے آگ میں جھونک دینے اور میں دوبارہ سے زندہ ہو کر نکل آنے کا راز جان گیا تو پھر ان میں سے کسی کو بھی زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہو گا۔ اور میرے خلاف پوری بستی میں خوف اور نفرت کی لہر دوڑ جائے گی۔ میں اس صورت حال سے بچنا چاہتا تھا۔"

"وہ جنگلی درندہ تیرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" اگسٹ نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "تو ان میں انسانی بھیس میں رہتا ہے اور آدھی رات گزرنے کے بعد سنہری رنگ کے بوم پرشکار کرنے نکلتا ہے اور لوگوں کے شکار کو نقل کر جاتا ہے۔ تو اس بستی کے لیے تباہی اور عذاب ہی لایا ہے۔ لیکن ہم تجھے اس طرح تباہی پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تجھے ہم جہاں سے نکل کر آئے ہیں، وہیں واپس بھیج دیں گے۔ تو ہمارے ساتھ چل۔"

"معزز اگسٹ!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ تم میں قبیلے کے سب سے زیادہ معزز شخص ہو۔ تم جادوگر ہو۔ لیکن کیا تمہارا جادو تمہیں یہ بتانے سے قاصر ہے کہ انسان کون ہے اور حیوان کون ہے؟ تم نے جو الزامات میرے اوپر لگائے ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ میں نہ کوئی درندہ ہوں نہ بدروح، اور نہ میں اپنی شکل بدل سکتا ہوں۔ میں تو ایک سیدھا سادا عام انسان ہوں جسے تم لوگ زبردستی گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آئے ہو۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ میرے آنے کے فوراً ہی بعد کسی جنگلی درندے نے تمہاری بستی میں قیامتیں شروع کر دیں۔"

"تیسری ہلاکت کے بعد دو راتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔" اگسٹ نے الیشیا سے جواب دیا۔

"اور اگر تیسری ہلاکت سے پہلے ہی دو راتوں کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ تو نے واقعی طور پر اپنی سرگرمیاں روک دی ہیں اور موقع ملتے ہی تو انسانیں دوبارہ شروع کر دے گا۔" اگسٹ نے قوت کے ساتھ کہا۔

"معزز اگسٹ!" میں نے کہا۔ "اپنی بدگمانی ٹھیک نہیں ہے۔ تم مجھے موقع دو۔ میں اس طرح سے اپنے بےقصور ہونے کا ثبوت دوں گا۔ اگر میں خاطر خواہ طریقے سے اپنی جان کی حفاظت فراہم کرنے سے قاصر رہا۔

یے تھا اور کل کی بات آزمودی کی بات ہے۔ اگر تو اکوم کی زندگی چاہتا ہے تو اس سے نرم ہونے کی کوشش مت کرنا۔ اور یہ یاد رکھ کہ تو اگر زرد ہو گیا تو مجھے مذید بددعائیں دینا پڑیں گی اور دوبارہ اپنے قبیلے میں کرنے کا طریقہ بھی تجھ سے تو مجھ سے نہ کر کہیں نہیں جانے گا، ہاں البتہ اگر تو مفت میں ماری جائے گی۔" اتنا کہہ کر گرگت وہاں سے روانہ ہو گیا۔ وہ آدمیوں نے رہا کر کے گرگت کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اگر مرنے کی ہمت نہیں کی اور مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی ان لوگوں کے ساتھ چلنے لگی۔ ذرا دیر میں سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔ صرف میں، ماشو اور ڈیگان رہ گئے۔ ہم تینوں جھونپڑے کے مذہ تھے۔ ڈیگان کو ہی پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خود گرگت کی بات پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے مدروح سمجھے یا میرے اپنے دعوے کے مطابق مجھے انسان گردانے۔

وشیار!" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر تم نے تمہارے لیے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا ہے اور اب اس کی زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس لڑکی کی جرأت اور بہادری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا جس نے ایک اجنبی کی خاطر اتنا بڑا قدم اٹھایا اور اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔" ڈیگان گول مول مذاق میں بات کر رہا تھا۔

"مجھے اس بات کا بڑا احساس ہے ڈیگان۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم کہاں بھی دیکھ نہیں ہو گا۔ وہ جس حالت میں گئی ہے اس حالت میں زندہ و سلامت واپس آئے گی۔ تمہیں اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ کیا تمہاری بستی میں اس سے پہلے بھی اس قسم کے واقعات ہوئے ہیں؟ کیا پہلے بھی کسی درندے نے رات کے وقت مجھ پنجرے میں گھس کر انسانوں کو ہلاک کیا ہے؟

اس قسم کے واقعات اگرچہ عام نہیں ہیں، لیکن ناپید بھی نہیں ہیں۔" ڈیگان نے جواب دیا۔ "بہت عرصے پہلے، جبکہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا اس قسم کے کئی واقعات پیش آئے تھے۔ ہماری بستی سے کئی بچے رات کے وقت غائب ہو گئے تھے۔ لوگ اپنے مجھ پنجروں کے دروازوں کو بہت اچھی طرح بند کر کے سوتے تھے۔ لیکن کوئی جانور کسی جانب سے گھاس پھوس کی دیواروں میں سوراخ بنا کر اندر آ جاتا تھا اور چھوٹے بچوں کو اٹھا لے جاتا تھا۔ آخر ایک رات اس جانور کا پتا لگا لیا گیا۔ وہ ایک گھڑیال تھا جسے انسانی خون کی چاٹ پڑ گئی تھی۔ ورنہ عام طور پر جنگلی درندے بستی کا رخ نہیں کرتے۔ وہ انسانوں سے ڈرتے ہیں اور انسانوں کے قریب نہیں آتے۔ اس واقعے کے کچھ عرصے کے بعد ایک رات کو ایک بھیڑیے نے ایک مجھ پنجرے میں گھسنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھ پنجرے میں سونے والوں کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے بھیڑیے کو مار بھگایا۔ اس کے بعد سے اب تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس اب اگر فتنہ دو دن سے کوئی سفری ہاروں والا جانور انسانوں کی جان کا دشمن ہو گیا ہے۔"

"میں تم لوگوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں جلد ہی اس جانور کا پتا لگا کر تم لوگوں کو اس مذہب سے نجات دلا دوں گا۔" میں نے ڈیگان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر بعد ڈیگان وہاں سے چلا گیا۔ میں نے ماشو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ماشو! کیا تم نے میرے لیے ایک مجھوٹے قد کے بارہ سنگھے کا بندوبست کر دیا؟"

ہاں میں نے جال کی بنی ہوئی رسی کا ایک لمبا اور مضبوط ٹکڑا لیا اور بارہ سنگھے کے بچے کو گرفت کے کئی ٹکڑے اور جنگلی پھل کھانے کو دیے۔ میں نے حسب معمول صرف پھلوں پر اکتفا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد ماشو آرام کی غرض سے مجھ پنجرے کے پچھلے حصے میں چلا گیا۔ میں نے بارہ سنگھے کو اس کے ساتھ رسی کے ذریعے باندھ دیا۔

اس کے بعد میں نے مجھ پنجرے کی پچھلی دیوار کے کچھ حصے کو توڑ کر اس میں سے باہر جھانکا۔ آسمان پر آگ برس رہی تھی، لیکن گھاس پھوس کے بنے ہوئے اس مجھ پنجرے میں خنکی تھی۔ ماشو کو اس وقت کوئی اور کام نہیں تھا اس لیے میں نے اسے بھی لیٹ کر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ میں ایک طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا اور اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں۔ ماشو کو اس وقت بھی میرے ان سارے انتظامات کو بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے اور آپس میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ہمیں سارا دن بھاگنے کے لیے مجھے اپنے علاوہ کتنے اور آدمیوں کی ضرورت ہو گی۔ اور کتنے لوگوں کی زندگیوں کو سرگرمیاں کرنے لگے۔ بتدریج ہی ان میں سے بہت سے لوگ مجھے مدروح اور درندہ سمجھ رہے ہوں۔ اور دل ہی دل میں مجھ سے خوفزدہ ہوں گے۔

میں ماشو کے مجھ پنجرے سے نکل کر سیدھا ڈیگان کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے ان دونوں مجھ پنجروں میں لے چلے جہاں کل اور پرسوں رات کو درندے نے وار کیے تھے۔ ڈیگان اس کے لیے بخوشی راضی ہو گیا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر وہ دونوں مجھ پنجرے بستی کے شمال مغرب پر واقع تھے اور شمال کی طرف جنگل بہت دور تھا اور تقریباً بالکل ویران تھا۔ درندہ شمال کی طرف سے آیا ہے اور اگر رات بھی وہ آیا تو اسی جانب سے آئے گا۔ دونوں مجھ پنجرے ایک دوسرے کے قریب قریب واقع تھے اور درندے نے پیچھے سے ان کی گھاس پھوس کی دیواروں کو توڑا تھا۔ ان دونوں مجھ پنجروں کے کچھ فاصلے پر میرا مجھ پنجرا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ آج رات درندہ دوبارہ آیا تو اس کا رخ اسی جانب ہو گا۔

میں نے ڈیگان سے کہا کہ وہ اس میرے مجھ پنجرے کے پیچھے سے کٹی کر دے تاکہ آج رات کے لیے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ ڈیگان نے فوراً میرے لیے اس کا بندوبست کر دیا اور مجھ پنجرے کے عین دوسری جگہ منتقل ہو گئے۔ میں نے ڈیگان سے کہا کہ اگر وہ میرے لیے کسی ہرن یا بکرے کا چھوٹے جانور کا بندوبست کر دے تو بہت اچھا ہو گا۔ ابھی شام ہونے

مجھ پنجرے کے ایک کمرے میں بند کسی کل میں مصروف ہے۔ میں دل ہی دل میں اس کی اس حرکت پر مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہو گیا اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ مجھ پنجروں میں جگہ جگہ چربی کی مشعلیں روشن ہو گئیں۔ لوگ کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک زندگی کے آثار نظر آتے رہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ ہر طرف مکمل تاریکی کا راج ہونے لگا۔ مشعلیں ایک ایک کر کے بجھنے لگیں۔ مجھ پنجروں کے دروازے اندر سے بند کیے جانے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے گھپ اندھیرا چھا گیا اور ایک پُراسرار تاریکی نے ساری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

میں نے حسب معمول صرف تھوڑے سے جنگلی پھل کھانے پر اکتفا کیا اور اس کے بعد میں اس مجھ پنجرے میں گرگت کیا جسے میں نے اس مقصد کے لیے خاص طور پر چنا تھا۔ بارہ سنگھا، جو جنگل کی آزاد فضاؤں میں قلانچیں بھرنے کا عادی تھا، باندھ دیے جانے کی وجہ سے سخت بے چین ہو رہا تھا اور بار بار زمین پر سر پٹک رہا تھا اور رسی تڑا کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے اتنی سختی اور مضبوطی کے ساتھ باندھا تھا کہ اس کے بھاگنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ بے چینی کے عالم میں عجیب عجیب آوازیں بھی نکال رہا تھا۔ میں نے اسے کھانے کے لیے کچھ ہری ہری گھاس اور درختوں کے پتے بھی لا کر دیے۔ لیکن اس نے انھیں صرف سونگھ کر چھوڑ دیا۔ اپنی آزادی سے محروم ہو جانے کے غم میں وہ کچھ کھانے کو تیار نہیں تھا۔

رات گئے مجھے مجھ پنجرے کے دروازے کے باہر انسانی قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی مجھ پنجرے کی طرف آ رہا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے اندر سے پوچھا۔

"میں ہوں ڈیگان۔" باہر سے آواز آئی۔

"اندر آ جاؤ، دروازہ کھلا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تمہاری وجہ سے سخت پریشان ہوں۔" ڈیگان نے اندر داخل ہو کر کہا۔ "میرا دل گرگت کی اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ تم کوئی غیر انسانی چیز ہو۔ میں نے سوچا چل کر دیکھوں کہ تم اس مجھ پنجرے میں کیا کر رہے ہو۔ تمہیں میرا آنا ناگوار تو نہیں گزرا؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بلکہ تمہارے آنے سے مجھے خوشی حاصل ہوئی۔ تم چاہو تو تھوڑی دیر تک یہاں رکنے کے بعد واپس جا سکتے ہو۔ مجھے تو آج ساری رات جاگ کر اس درندے کا انتظار کرنا ہے اور اگر آج اس نے اس مجھ پنجرے میں قدم رکھا تو یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔"

"میں تیک دلوں سے تمہاری کامیابی کی دعا کروں گا۔" ڈیگان نے جواب دیا۔ "مجھے امید ہے کہ تم گرگت پر اپنی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ معزز گرگت ڈیگان جیسے کا دوست اور ہمدرد ہے۔" ہم میں سے ہی ایک ہے لیکن اس کی رہنمائی تو ہمیں بہت بلند ہے۔ اس لیے

وہ ہم سب لوگوں میں سب سے زیادہ اعلیٰ حیثیت کا مالک ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ہماری بھلائی کے لیے ہی کہتا ہے اور ہمیں ہر قسم کے مشکل حالات سے نمٹنا سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ایک انسان ہے اور اس سے سمجھنے میں کوئی کوتاہی بھی ہو سکتی ہے۔"

میں ڈیگان کے دل جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ اگر چہ اگنت کی بات سے اختلاف رکھتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اگنت کا ادب فراغ کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا تاکہ میرے دل میں اگنت کے خلاف کوئی غلط سوچ نہ اٹھنے پائے۔ لیکن غلط ہے کہ میں ان کی ہر بات چیز وں سے بہت بلند تھا۔ مجھے بھلا اگنت یا اس جیسے کسی دوسرے شخص کی مانے کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔

ڈیگان تھوڑی دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا اور اگنت کے برا بھلا کہتا رہا۔ میں بھی اس کے ساتھ اس پھوس کے بنے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔ ظاہر ہے کہ میں سونے کے لیے نہیں لیٹا تھا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

وقت بہت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ مجھے زندگی کے بہت کم واقعات پر انتظار کے دلیسے کرب کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسا اس دن کرنا پڑا۔ پہاڑوں کی طرف گہری تاریکی اور گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ جھونپڑے کے اندر تاریکی کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ صرف بارہ سنگھے کی اضطراری حرکتیں ہی جھونپڑے میں زندگی کا احساس دلا رہی تھیں۔ وہ جنگل کی طرف سے وحشی جانوروں کے بولنے کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ یہ خوفناک نظارہ ہے پر وقیلیسک دن میں انسان جاگتے ہیں اور جنگلی ہوتے ہیں اور رات کو جنگلی جاگتے ہیں اور انسان سوتے ہیں۔ سولہ پرندوں کے جنگل کی ساری مخلوق رات کو بیدار اور مصروف عمل ہوتی ہے۔ وحشی درندے رات کو ہی اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں، چھوٹے چھوٹے جانور بھی رات کو ہی خوراک کی تلاش میں اپنی جدوجہد شروع کرتے ہیں۔ جانب اندھیرے کے کنارے رہائی پینے کے لیے بھی رات کو ہی آغاز

ہوئے جالروں پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے اور ان کو شکار کر سکے تو وہ اپنے مالک کا اختیار کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسے پیٹ تو بہر حال بھرنا ہی ہوتا ہے اس قسم کا شیر طویل عرصہ خوار ہو جاتا ہے۔ پہلے تو وہ کسی تگڑی کو آدمی کرتا پھر اسے دبوچ لیتا ہے، اس لیے کہ انسان جرأت، بہادری، سنگھوں اور حیلوں کو بروئے کار لانے میں دوسرے جانوروں سے بہت آگے ہے۔ ایک بار جب اسے انسانی خون کی چاٹ پڑ جاتی ہے تو وہ گھات لگا کر انسانوں کا شکار کرتا ہے اور بعض اوقات رات کی تنہائیوں میں انسانی بستیوں میں چوروں کی طرح گھس کر انسانوں کو اٹھا لے جاتا ہے۔ یہ ہر شیر جو میرے ہاتھوں ہلاک ہوا، اس کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہوگا۔ اپنی غضبناکی اور کمزوری کے باعث بھوک سے تنگ آ کر اس نے جنگل میں کسی انسان کا شکار کیا ہوگا۔ ضروری نہیں کہ اس کا تعلق اڈچالا قبیلے سے ہی ہو۔ اور اس کے بعد یہ اڈچالا قبیلے کے علاقے میں نکل آیا ہو اور یہاں اس کے وار دیں شروع کر دی ہوں۔ مجھے اب اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ یہ سارا جنگل انسانوں سے خالی نہیں ہے۔ اس میں جگہ جگہ مختلف قبیلے آباد ہیں اور وہ زیادہ تر اپنے اپنے علاقوں میں ہی محدود رہتے ہیں۔ وہ قبیلے ایک دوسرے کے وجود سے بھی بے خبر ہیں اور ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ شمتوال قبیلے اور اڈچالا قبیلے کے علاوہ جانے کتنے اور مختلف قبیلے اس گھنے اور ناقابل گزر جنگل کی وسعتوں میں گم ہوں گے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ بڑا اللہ رحیم و کریم زندگی تھا پر تم نے تو اس دور کے انسان کے بارے میں صرف کتابوں میں ہی پڑھا ہوگا لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ کتنی عجیب و غریب زندگی تھی، لیکن کتنی سادہ اور بے تکلف۔

تو بات پر وفیسر میں دوسری طرف نکل گیا تھا۔ بات شیر کی ہو رہی تھی۔ وہ کسی اور قبیلے کے انسان کو کھانے کے بعد اڈچالا قبیلے کے علاقے کی طرف نکل آیا تھا اور اس نے یہاں اب تک دو واردا تیں کر ڈالی تھیں تیسری واردات وہ کرنے والا تھا کہ میں نے اسے ختم کر دیا۔ بڑھتے بڑھتے بات میں نے شیر کا دوبارہ غور سے جائزہ لیا۔ اس کا منہ کھول کر دیکھا اس کے دو دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ وہ واقعی بھاری اور پھرتیلے جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں نے اس کی جلد کی رنگت دیکھی، وہ سنہری تھی، اور ساری گردن گھنے سنہری بالوں سے بھری ہوئی تھی۔ اگلی ٹانگوں کے پٹھے ڈھلے ہو چکے تھے اور جبڑوں کے ٹوٹے ہوئے حصوں میں مکڑیاں دیکھ کر آگنت نے میرے بارے میں اعلان کر دیا تھا کہ دراصل میں ہی ہوں جو رات کو ایک سنہری شیر کا روپ دھار لیتا ہوں اور دن کو انسان بن جاتا ہوں۔ اس نے میرے مجروح ہونے کا فسوں صادر کر دیا تھا۔ میں بہت خوش اور مطمئن تھا کہ اب آگنت کا دل میری طرف سے صاف ہو جائے گا۔

ابھی صبح کا اجالا پوری طرح پھیلنے بھی نہیں پایا تھا کہ مجھے سامنے سے دو افراد آتے ہوئے دکھائی دیے۔ ابھی تک سارے جھونپڑوں میں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ لوگ بیدار ہونا شروع نہیں ہوئے تھے، لیکن پھر تھا کہ بس اب چند منٹ کے بعد ہی پوری بستی میں زندگی کی گی۔ لوگ بیدار ہو کر جھونپڑوں سے نکلنا شروع کر دیں گے و نہیں دیکھا، ماشو نے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں سے زبردست شروع ہو جائے گا۔

دونوں افراد بہت زیادہ قریب آ گئے تو میں نے انہیں یہاں جھونپڑے میں داخل ہونے کے بعد ہی یہاں کسی انسان کا یا۔ ان میں ایک مرد تھا اور ایک عورت، مرد ڈیگان تھا اور عورت ان دونوں کو یقیناً میری بہت فکر تھی اور اسی لیے وہ عمل ا روانہ ہو گئے تھے۔

میں نے سکڑ کر ان دونوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں جب بری آنکھیں نظر آئیں۔ میں نے اس کے چہرے پر میں نے گیارہ نمبر والا بارہ سنگھا زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں ابھی کچھ تیر پیوست تھا۔ جیسے ہی شیر نے بارہ سنگھے باقی تھی اور وہ مرا نہیں تھا۔ اس کے بعد بر بھاری بھرکم شیر پر میں نے وہ ہتھیار پوری قوت کے ساتھ اس کے ...دیا۔ اس کے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ غوطہ ور ہو کر ...ہو گیا۔

"تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو میرے دوستو! بے وہ بارہ سنگھا ابھی تک زندہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔" نے گرفتہ دونوں میں بستی کے اندر دوڑ دیکھ۔" میں نے کہا۔

ڈیگان اور ماشو خوشی سے چلا اٹھے۔ ان دونوں نے ...معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمہارے ہتھیار کی ضرب ...یں سر کے پٹھوں پر ہی لگی۔ ایسی ضرب بہت کاری ہوتی ہے ...اچھی طرح جائزہ لیا۔

"مجھے حیرت اس بات پر ہے تیا ہو کر تم نے رات کے ...ن ہو یا جانور، پھر اسے دوسری سانس لینے کی مہلت مشکل میں تم تنہا اس شیر کو کس طرح زیر کیا ہے یہ کوئی معمولی شیر نہیں ہے۔ تم نے اس شیر کا خاتمہ کر کے صرف یہ کارنامہ ...ہی جان یہ ہر شیر ہے اور وہ بھی بڑی نسل کا جس کے بال سنہری ہوتے ...بلکہ بستی کے بہت سے لوگوں کو بھی دور تک موت کے مذہب اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان دلائی ہے۔ اگر یہ شیر زندہ رہتا تو زخم جانے ابھی گئے اور نہیں ہے۔" ڈیگان نے شیر کے جسم کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ہم اسے بغیر کسی بھی طرح کا بھی کر شمہ اسے کس طرح ہلاک کر دیا؟"

"تم اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھو۔" میں نے سکرا ڈیگان سے کہا۔

ڈیگان نے شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے سر کی ٹوٹی ہوئی تھیں۔

"تو تم نے گویا اس کے سر پر پتھر والا ہتھیار مار کر کیا ہے؟" ڈیگان نے پوچھا۔ "لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے موقع کس طرح دے دیا تم اس کے سر پر وار کر سکو؟ اس نے تمہ کر کیوں نہیں کر دیا؟ میں تو ساری رات اسی فکر میں بے چین اگر یہ سکا تو وہ تمہیں کافی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"تمہارے جسم پر تو شیر کے پنجے کی ایک خراش بھی عاشو نے غصے میں میرے جسم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج تک کوئی شیر کو کوئی آدمی آمنے سامنے شیر سے لڑا ہو اور اس کو کوئی زخم مور اصل میں ان باتوں کا ماجرا ہوں۔" میں نے ان کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی اس بات کا تھا کہ پچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ میں نے بارہ سنگھے کا بندوبست کو شیر کی ساری توجہ اس کی طرف ہے اور مجھے اپنا کام

اس طرح ہلاک کیا کہ میرے جسم پر ایک خراش تک نہ آئی۔ ان کے اس سوال کا میرے پاس کیا جواب تھا اگر میں انہیں جواب دیتا بھی تو سمجھ نہیں سکتے تھے کہ بات کرنے کے لیے تیار ہوتا ہوں۔ میں نے جو داستان سنانی تھی سالبا اس میں خوب مرچ لگا کر لوگوں کو سنا رہا تھا گویا وہ میرا تر جمان بنا ہوا تھا، وہ بڑا باتونی شخص تھا۔ اس کی زبان کینچی کی طرح چل رہی تھی۔ وہ لوگوں کو میری عدیم المثال بہادری کی داستان سنا سنا کر اس طرح خوش ہو رہا تھا گویا بہادری کا یہ کارنامہ خود اسی نے سرانجام دیا ہو۔ ڈیگان اور ماشو اس کی باتیں سن سن کر مسکرا رہے تھے۔

سب سے آخر میں آگنت آیا۔ اس کے ساتھ اس کے دو تابعین کے علاوہ وہ لاکر بھی تھی۔ آگنت کو طاہر ہے جنرل پکی تھی اور ڈیگان کی ہدایت کے مطابق ماشو نے سب سے پہلے اسی کو اطلاع دی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ سب سے آخر میں آیا۔ لاکو ہم کی نظر بندی جواز نہیں تھا لہٰذا وہ لاکو ہم کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔

آگنت کے آتے ہی مجمع کھلکی طرح چھٹ گیا اور لوگوں نے دور سے آگے آنے کا راستہ دے دیا۔ آگنت نے ایک نظر مجھے گھور کر دیکھا اور میں نے اس کی نظروں سے ہی اندازہ لگا لیا کہ اس کے دل میں میری طرف سے جو غلط قسم کینہ بھرا ہوا ہے، اس میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ تاہم مجھے دیکھنا تھا کہ اب یہ خاتون کیا کہنے لگی کھاتا ہے۔

"تیا! نے شیر کو ہلاک کر دیا ہے۔" معزز آگنت!" ڈیگان نے خوش ہو کر آگنت سے کہا۔ "یہ ایک بہت بڑا شیر تھا، ایک ہر شیر۔"

"اور بقول تمہارے تیا! نے اسے تن تنہا ہلاک کر دیا اور اس کے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی ہے؟" آگنت نے زہر بھرے لہجے میں جو اب دیا اور سیدھا جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا۔ میں اور ماشو باہر ہی بیٹھے رہے۔ باقی سارے لوگ بھی باہر کھڑے رہے۔ صرف ڈیگان آگنت کے ساتھ اندر گیا۔

"لاکو ہم میرے برابر بیٹھ گئی!

"تم بہت بہادر ہو تیا! تم واقعی بہت بہادر ہو۔ تم نے گال کر دکھایا، تم نے اس شیر کو جس طرح ہلاک کیا ہے اس کی تو شاید کوئی مثال ہی نہ ملے۔ میری ماں نے صحیح ہی کہا تھا کہ تم لوگوں کو اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی، لیکن معزز آگنت نے کسی علی میں ضرور تھا، اس لیے ہم لوگوں کو آنے میں دیر ہوئی۔ بہر حال میں تمہاری توصیف کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

لاکو ہم جیسے میرے اوپر پروانہ وار نثار ہوئی جا رہی تھی اور اس کی حال جیسے خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔

اس اثنا میں ڈیگان اور آگنت جھونپڑے سے باہر نکل آئے۔

"بارہ سنگھے کو یہاں سے منگوا دو۔" آگنت نے ڈیگان کو حکم دیا۔ "اس کا گوشت کھانے کے لیے استعمال کر لیا جائے۔ اور تم تیا! اور تیمور ساتھ آؤ۔" ڈیگان تم بھی آؤ۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

گئت مجھے اور ڈیگان کو لے کر ایک طرف آ گیا۔ باقی لوگ جھرمٹ کے اس پاس ہی رہے۔

"تم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تم کوئی بددماغ نہیں ہو۔" گئت نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے اس شیر کو بھی ہلاک کر دیا ہے جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بستی کے لوگوں کو ہلاک کرتا ہوگا۔ لیکن میں ابھی تم سے مطمئن نہیں ہوں اور کئی باتیں ایسی ہیں جو ویسے دماغ میں شبہات پیدا کرتی ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ ڈیگان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا ہے۔ گئت کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

"میں معزز گئت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اب اس کے ذہن میں میرے خلاف کیا شبہات موجود ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے جس انداز میں شیر کو ہلاک کیا ہے وہ قطعی بے غیر فسانی انداز نہ ہے۔" گئت نے اطمینان سے کہا۔ "کوئی بھی شیر خواہ وہ کتنا ہی بوڑھا اور کمزور کیوں نہ ہو، اس طرح کسی انسان کے قابو میں نہیں آ سکتا کہ انسان کے جسم پر زخم کا معمولی سا نشان تک نہ آئے اور شیر ہلاک ہو جائے۔ مجھے اس کی تہ میں کسی اور ہی بات کا خطرہ نظر آتا ہے۔"

"وہ کیا معزز گئت؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ایک مردہ شیر تھا۔" گئت نے کہا۔ "اور تم اس کے مردہ جسم کو برق رفتاری اپنا عصیں ہلانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جب میں نے اپنے علم کے ذریعے تمہاری حقیقت کا پتہ چلا لیا تو تم نے شیر کا مردہ جسم ہمارے سامنے ڈال دیا۔ شیر کے جسم پر کوئی زخم نہیں ہے کوئی گھاؤ نہیں ہے، اس کا سارا جسم صحیح و سالم ہے اور خود تمہارا بھی سارا جسم صحیح و سالم ہے۔ یہ ساری باتیں غیر معمول ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خالی جھونپڑے میں تم بھی موجود تھے اور بارہ سنگھا بھی۔ لیکن شیر نے تمہارے بجائے بارہ سنگھے پر حملہ کیا، جبکہ یہ بات سب لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس شیر کو انسان کا گوشت کھانے کی عادت پڑ جائے وہ پھر انسان ہی کے گوشت کو ترجیح دیتا ہے اور اگر اس کے سامنے جانور اور انسان دونوں موجود ہوں، تو وہ انسان کا ہی شکار کرنا پسند کرتا ہے۔"

مجھے گئت کی اس کج بحثی پر سخت غصہ آ رہا تھا، لیکن میں نے حتی المقدور اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "گئت میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اور تمہارا اصل مقصد ہے کیا؟ صاف صاف طرح علم تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔ اسے ابھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ میں ایک انسان ہوں اور وہ میرے خون کا پیاسا ہو تھا اور مجھے بددماغ ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ جب میں نے شیر کو ہلاک کر کے اس کی پہلی شرط پوری کر دی تو وہ نئی نئی باتیں نکالنے لگا۔ وہ نہایت فتنہ پرور اور کینہ جو آدمی تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ بوجھ سے کچھ خوفزدہ ہے۔ شاید مجھ سے پہلے آنے والے اجنبیوں سے بھی وہ خوفزدہ تھا۔ اسے

اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں کوئی اجنبی اس قبیلے میں اس کی ساکھ کو نہ پہنچا دے۔ کہیں اس بھرم نہ ٹوٹ جائے۔ قبیلے کے اندر تو وہ کسی طرح پر جما ہوا تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس حیثیت سے کسی دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے آسان ترین طریقہ کار یہ اختیار کیا تھا کہ ہر اس بھولے بھٹکے اجنبی کو جو کسی طرح اس قبیلے کی سرحد میں داخل ہو جائے، اپنے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اب وہ میری ہلاکت کے درپے تھا۔ موت کے گھاٹ اتر جانا تھا۔ اب وہ میری ہلاکت کے

"ضد کرنے کی ضرورت نہیں ہے اجنبی۔" گئت نے

میں مجھ سے کہا۔ "مجھے اپنے قبیلے کا اور اس کے لوگوں کا مفاد بھی یہ سب لوگ بڑے اچھے لوگ ہیں۔ میں نہیں کر سکتا کہ کوئی نقصان پہنچتا نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی کسی کو اس بات کی اجازت دے سکتا لوگوں کو کوئی نقصان پہنچائے۔ تم محض ایک اجنبی ہو، اور ہم کوئی بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہیں اپنے آپ پڑے گا۔ تمہیں اپنی شناخت کروانا ہوگی۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ایک عام قسم کے آدمی ہو اور تمہارا بدروحوں سے کوئی تعلق

"لیکن میرا خیال ہے کہ اس شیر کو ہلاک کرنے کے بعد بات کو ثابت کر چکا ہوں کہ میں کون ہوں۔" میں نے اطمینان بھرے میں جواب دیا۔

"نہیں ابھی نہیں اجنبی۔" گئت نے کہا۔ "میں تمہارے سے مطمئن نہیں ہوں۔ اور اس بات کو یاد رکھنا کہ اس قبیلے میں گا جو میں چاہوں گا۔" اس نے ڈیگان کی طرف دیکھتے ہوئے میں کہا۔ "میں اس قبیلے کا روحانی پیشوا ہوں اور اس کی سلامتی میرے اوپر منحصر ہوتی ہے۔ جب تک میں تمہارے بے قصور نہیں کر دوں گا، تم بے قصور نہیں سمجھے جاؤ گے۔"

"مجھے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے کیا کرنا میں نے سوال کیا۔ "میرا تو یہ خیال ہے کہ تمہاری عائد کردہ شرط کے بعد میرے بارے میں موجود غلط فہمی دور ہو گئی ہوگی اور تم دوست سمجھ گے۔"

"ہمارا دوست بننے کے لیے اور ہمیں دوست بنانے مشروب دوستی پینا پڑے گا۔" گئت نے کہا۔

"مشروب دوستی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ اور کہاں ملے گا؟"

"وہ صرف میرے پاس ملتا ہے بیٹا۔" گئت نے کہا۔ "میرا نام گئت ہے۔ گئت نے بھی خواہ وہ دنیا کے پردے پر کہیں بھی موجود ہو، دھوکہ کر سکتا۔ میں وہ دھوکہ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا جانتا ہوں۔ تمہیں ایک موقع فراہم کیا تھا، اور تم نے اس موقع سے فائدہ وہ بدبخت شیر، جو کہ بھی کسی کی اصلیت تھی، ہمارے سامنے ہے، لیکن تمہاری کامیابی نہیں ہے۔ تمہیں ساری بستی کے لوگوں

ایک مشروب پینا پڑے گا۔ یہ مشروب میرے بزرگوں نے تیار کروایا تھا اور یہ ہمارا مشروب ہے۔ ہم لوگ سے بوقت ضرورت "دوستی کا مشروب" بھی کہتے ہیں۔ یہ مشروب ہم کسی ایسے شخص کو پلاتے ہیں جو ہمارے ساتھ دائمی دوستی استوار کرنے کی نیت سے پہل کر آتا ہے۔ اگر وہ شخص نیک نیت ہوتا ہے۔ تو یہ مشروب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، لیکن اگر وہ شخص کوئی بددماغ ہوتا ہے، اور ہمیں نقصان پہنچانے کی طرض سے ہمارے درمیان گھسنا چاہتا ہے تو یہ مشروب اسے چند لمحوں کے اندر اندر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ میرے بزرگوں کے وقت کا نسخہ ہے اور اسی کے ہاتھ کا تیار کردہ یہ مشروب بھی ہے۔ میں تم پر اس مشروب کی آزمائش کروں گا۔ اگر تم نیک ہو اور نیک نیتی کے ساتھ ہمارے درمیان آئے ہو تو یہ مشروب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہارے دل میں کوئی بدی ہے یا تم کوئی بددماغ ہو تو یہ مشروب خود بخود تمہیں ہلاک کر دے گا۔"

"حیرت ہے۔" میرے کوئی جواب دینے سے پہلے ڈیگان بول اٹھا۔ "معزز گئت تم نے اس سے پہلے کسی ایسے مشروب کے وجود کا ذکر نہیں کیا؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں پڑی۔" گئت نے کٹے ہوئے تنوں سے ڈیگان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں بھی معلوم ہو۔ جو کچھ تم جانتے ہو میں سب کچھ جانتا ہوں، لیکن جو کچھ میں جانتا ہوں تم وہ سب کچھ نہیں جانتے۔ مشروب دوستی کے تجربے کی اس سے پہلے کبھی ضرورت نہیں پڑی اس لیے تم اس سے ناواقف ہو اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن سے تم ناواقف ہو۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم ان معاملات میں دخل مت دو۔"

گئت کی بات سن کر ڈیگان کے چہرے کا رنگ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا، لیکن اس نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کی ہدایت کے مطابق خاموشی اختیار کر لی اور گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

میرے لیے اب یہ سمجھنا بالکل مشکل نہیں تھا کہ یہ سارا ڈرامہ کیا ہے۔ گئت ہر صورت میں مجھے ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔ وہ اس قبیلے میں مجھ سے زیادہ خطرناک اور پُرکشش انسان کے وجود کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی اور میری بدقسمتی تھی کہ اس قبیلے میں میری آمد کے ساتھ ہی شیر کے ہاتھوں انسانی ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ مجھ پر منحوس، بددماغ ہونے کا الزام لگا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یا تو میں شیر کو گرفتار کر کے ہلاک کر ہی نہیں پاؤں گا اور اگر شیر کے ساتھ میرے مقابلے کی نوبت آ بھی گئی تو شیر مجھے چیر پھاڑ کر برباد کر دے گا جو بہ قدرتی امر تھا۔

لیکن تمام تر ذہانت کے باوجود اس کی توقعات کے برعکس نکل رہے تھے۔ اتفاق کی بات تھی کہ شیر میرے پھانے ہوئے جال میں پھنس گیا اور مارا گیا۔ اس سے پہلے اس نے مجھ کو سم کوئیر کی جگہ اپنی قید میں ڈال دیا تھا۔ اب اسلام کو بھی ہلاک کر دیا، کیونکہ اس کی قید کا اب کوئی جواز موجود نہیں تھا۔ وہ مجھے کھلم کھلا مجاہد قرار دے کر مجھ کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ میں نے اس کے برعکس بات ثابت کی تھی۔ لہٰذا اس کے شیطانی ذہن نے ایک اور زیر زمین منصوبہ تیار کر لیا۔

وہ مجھے زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتا تھا!

میں یہ بات بھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ نام نہاد "مشروب دوستی" کسی جنگلی زہر ہلاہل سے کم نہیں ہے۔ گئت بستی کے سارے لوگوں کے سامنے مجھے یہ زہر پینے پر مجبور کرے گا، اور پھر ظاہر ہے کہ اس کے خیال کے مطابق زہر پینے کے بعد میں لازماً مر جاؤں گا۔ اس وقت وہ تمام لوگوں کو آسانی سے یہ بات باور کرا سکے گا کہ میں واقعی ایک بددماغ تھا۔ میں نے مشروب دوستی پیا اور اس مشروب نے مجھے ہلاک کر ڈالا۔ قبیلے کے بیشتر سارے لوگ یقیناً اس کی اس بات پر بھروسہ کرتے اور کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی کہ یہ زہر خود گئت کی واردات ہوئی ہے۔ مجھے اس شخص سے سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی، جو محض اپنی انا کی تسکین کی خاطر بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا رہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اسے بآسانی نہیں چھوڑوں گا، بلکہ اس کی نامعقول حرکتوں کی تھوڑی بہت سزا اسے ضرور دلاؤں گا۔ چند لمحوں کے اندر اندر میں نے اپنے ذہن میں اپنا منصوبہ مرتب کر لیا۔ اب میرا ہر قدم اور ہر ردعمل سوچا سمجھا تھا۔ اب میں اس شخص کے ہاتھوں بیوقوف نہیں بننا چاہتا تھا بلکہ خود اسے اپنے دام میں پھنسانا چاہتا تھا۔

"سنو معزز گئت۔" میں نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "میں پہلے بھی تم سے یہ بات کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی مرضی سے تمہارے قبیلے کی سرزمین پر نہیں آیا ہوں۔ بلکہ سچ پوچھو تو میں نے تمہاری بستی میں قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ میں نے تو اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ یہ تمہارے قبیلے کے لوگ تھے جو مجھے زبردستی گرفتار کر کے یہاں بستی کے اندر لے آئے اور نہ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ دیر تک ندی میں تیرنے کے بعد کسی اور طرف نکل جاتا۔ اب تم مجھ پر اس مزید زیادتیوں کا سلسلہ شروع کیے ہوئے ہو اور ایک کے بعد دوسرا الزام لگاتے چلے جا رہے ہو۔ میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا، خود کو موت کے منہ میں ڈال کر میں نے شیر پر قابو پایا اور اسے ہلاک کر دیا۔ مجھے یہ فن اچھی طرح آتا ہے اور میں اس سے پہلے بھی کئی وحشی جانوروں کو اسی طرح ہلاک کر چکا ہوں، میرے لیے اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ لیکن میرے اس عمل سے بھی تمہاری تشفی نہیں ہوئی اور اب نہ جانے کیا چاہتے ہو۔ تم مجھے پلانے پر مصر ہو۔ اگر تم کو میرے اوپر اعتماد نہیں ہے تو بہتر ہوگا کہ مجھے جانے کی اجازت دے دو۔ میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ میں کسی اور طرف نکل جاؤں گا اور کسی نہ کسی دن کسی نہ کسی طرح اپنی دنیا میں واپس پہنچ جاؤں گا۔"

میری بات سن کر گئت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا ہوئی جس تمام عرصے کے دوران میں نے پہلی مرتبہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

سمجھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا ہے اور یہ سمجھ رہا ہے کہ اس نے میری ہلاکت کو بڑا سامان مہیا کر لیا ہے اور اب میں اس کے ہاتھوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

"نہیں اجنبی!" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک کہ تم دوستی کا مشروب نہ پی لو۔ تم اس مشروب سے خوفزدہ کیوں ہو؟ اگر تم کوئی بدروح نہیں ہو یا کسی بری نیت سے ہمارے علاقے میں داخل نہیں ہوئے ہو تو تمہیں اس کے پینے میں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ بیشک لوگوں کے لیے یہ ایک ہلکا سے زہر مشروب ہے۔ البتہ بدروحوں اور دشمنوں کے لیے یہ زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم تو ایسے ایک میٹھے شربت کی طرح پی جاؤ گے، اس طرح مجھے تمہاری نیک نیتی کا پورا یقین آ جائے گا اور تم اس قبیلے میں اطمینان سے رہ سکو گے۔ اب بیٹھ جاؤ اجنبی! چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اگر چاہو تو اپنی پوری زندگی اسی علاقے میں گزار سکتے ہو۔ تمہیں میری طرف سے اس بات کی پوری پوری اجازت حاصل ہوگی۔"

"اس عنایت کے لیے تمہارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے صرف مسکرا دینے پر ہی اکتفا کیا۔ "لیکن اب میں اپنے تئیں تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ میں ایک آزاد انسان ہوں اور اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، میں نے تمہارے گروہ کی نقصان نہیں پہنچایا ہے اور نہ پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن اب تم یہاں سے آسانی سے نہیں جا سکتے۔" اگنت نے ایک خوفناک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم پینے سے انکار کرتے ہو تو تمہیں اپنی سچائی کا ثبوت دینا ہوگا۔ تمہارا انکار اس بات کی علامت ہے کہ تم ضرور کچھ نہ کچھ گڑبڑ کرنے کے لیے اس قبیلے میں وارد ہوئے ہو۔"

ڈیگان فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اگنت کی باتوں نے اسے بھی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ شاید وہ مجھے اس آزمائش سے بچانا چاہتا ہو۔ لیکن وہ کھل کر میرا ساتھ دینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"معزز اگنت! جو کچھ سوچ سمجھ کر تم سب لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچتا ہے، ڈیگان نے میری طرف دیکھ کر ایک گول مول سی بات کہی۔ "دراصل مجھے اس مشروب کے بارے میں کوئی علم نہیں کیونکہ محترم اگنت نے اس سے پہلے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ تاہم اگر اگنت یہ سمجھتا ہے کہ اس مشروب کے پینے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تو تمہیں اس میں کیا اعتراض ہے؟ ویسے یہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تم یہاں سے جانا چاہتے ہو تو میری طرف سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"لیکن میری طرف سے ہے۔" اگنت نے سخت لہجے میں ڈیگان کو ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔ "اس شخص کے انکار سے میرے شبہات کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ اسے مشروب دوستی پینا پڑے گا اور ضرور پینا پڑے گا۔ اگر اس نے اسے پینے سے انکار کیا تو میں اسے بے دریغ



ہلاک کر دوں گا۔"

"اگر تم اس مشروب کے نہ پینے کے جرم میں مجھے ہلاک کر دو گے تو پھر بھی میں یہ مشروب نہیں پیوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید اس طرح معزز اگنت کی تشفی ہو سکے۔ لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اس مشروب کے پی کر زندہ رہنے کے بعد بھی معزز اگنت کی تشفی ہو جائے گی۔ وہ اس کے بعد پھر کوئی نہ کوئی نئی شرط لگا کے مجھے کسی طرح معاملے کو طول دینے پر تیار ہو گا۔"

"نہیں۔" اگنت نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "میں تمہیں ہر قیمت کی موجودگی میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اس کے بعد تمہیں اپنی اور آزمائش سے نہیں گزرنا ہوگا۔ یہ آخری آزمائش ہوگی اور اس کے بعد ہماری تمہاری دوستی ہو جائے گی۔ جیسا کہ میں نے کہا، پھر اگر تم چاہو تو ہمیشہ کے لیے اس قبیلے میں رہ سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے معزز اگنت۔" میں نے جواب دیا۔ "میں یہ مشروب ضرور پیوں گا۔ اگر اس طرح تمہاری تشفی ہو سکتی ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہے؟ مجھے یہ مشروب کس وقت پینا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"آج شام کو سورج غروب ہونے سے ایک گھڑی پہلے۔" اگنت نے جواب دیا۔ میں اس کی آنکھوں سے جھلکنے والی مسرت کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ دل ہی دل میں میری موت پر کتنا خوش ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس نے کامیاب ہو شیاری کے ساتھ مجھے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا ہے۔

"اب میں تمام لوگوں کے سامنے اس کا اعلان کر دوں گا۔" اگنت نے کہا۔ اور ہم دونوں کے ساتھ اگر گنہ تنہائی سے واپس جھونپڑے کی طرف آ گیا۔ جہاں قبیلے کے تقریباً تمام ہی افراد جمع تھے۔

"میں اس ہر شیر کی کھال کو اپنے دوست اور قبیلے کے مہمان ڈیگان کی نذر کرتا ہوں۔" میں نے لوگوں کے پاس پہنچ کر بآواز بلند کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ آئندہ چند گھنٹوں میں ڈیگان کو اتنی صاف اور بے داغ کھالیں کہیں سے بھی کبھی بھی نہیں ملیں گی۔ یہ کھال کہیں سے بھی کٹی پھٹی نہیں ہے اور بڑا سلیقہ سے اتاری گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا دوست ڈیگان میرا یہ تحفہ ضرور قبول کرے گا۔"

ڈیگان نے برملا شکریہ ادا کرتے ہوئے میرا تحفہ قبول کر لیا۔ لوگوں کے دل ہی دل میں اس بات پر مجھ سے سخت ناراض ہوا ہوگا کہ میں نے اتنے عمدہ شیر کی کھال اس کو بخشنے میں دینے کے بجائے ڈیگان کو کیوں دے دی۔ تاہم اس نے کچھ کہا نہیں۔

میں نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ اب اس پورے قبیلے کے لوگوں کے سامنے میں اگنت کو رسوا کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اگنت نے تمام قبیلے کے لوگوں کو جھونپڑے کے سامنے جمع کر لیا تھا۔ لوگ زور زور سے باتیں کر رہے تھے اور مختلف انداز میں قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ اگنت نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو خاموش ہونے کا حکم دیا۔ اس کے اشارے سے سب لوگ خاموش ہو گئے۔

"اے چالاک قبیلے کے لوگو۔" اگنت نے کہنا شروع کیا۔ "یقیناً تم نے اپنی آنکھوں سے یہ بات دیکھ لی کہ باہر کی دنیا سے آنے والے اجنبی نے، جو اپنا نام ٹیابو بتاتا ہے، ایک شیر کو ہلاک کر دیا ہے اور اس شیر کی کھال اور جھونپڑے میں پڑی ہے۔ ٹیابو نے اس شیر کی عمدہ اور بے داغ کھال ڈیگان کو تحفے میں دے دی ہے۔" مجھے اندازہ ہوا کہ اگنت کو میری یہ بات کس قدر بری لگی ہے کہ اس نے بطور خاص اس کا تذکرہ کیا ہے۔ "چونکہ اب لاکوم گرفتار کیے رکھنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے، اس لیے میں لاکوم کو رہا کرتا ہوں۔ وہ آزاد ہے اور اپنے گھر جا سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک اجنبی شخص ٹیابو کا تعلق ہے، تو میں تم لوگوں سے صاف صاف یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں ابھی تک اس کی جانب سے پورے طور پر مطمئن نہیں ہوں۔ میں نے اس کے بارے میں جس شبہ کا اظہار کیا تھا، وہ شبہ بھی میرے دل میں موجود ہے۔ اور اس کی کئی وجوہات ہیں جن کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا، کیونکہ میں ڈیگان سے مزید دوستانہ تعلقات بھی اس بارے میں بات کر چکا ہوں۔ ٹیابو کو اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے ابھی ایک آزمائش سے گزرنا ہوگا، اور مجھے خوشی ہے کہ ٹیابو اس آزمائش سے گزرنے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ مگر وہ اس آزمائش پر بھی پورا اترتا ہے تو پھر تمام شبہات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر وہ ہم میں سے ایک ہوگا اور اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ جب تک چاہے، اس قبیلے میں رہے اور گروہ چاہے تو اس کے بعد اپنی ساری زندگی اسی قبیلے میں گزار سکتا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے۔"

اگنت چند لمحوں کے لیے رکا۔ اس نے لوگوں کے چہروں کے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔ سب لوگ خاموشی سے اس کی گفتگو سننے میں مصروف تھے۔ ڈیگان کو شش کے باوجود اپنے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات کو چھپا نہیں پا رہا تھا لیکن ظاہر ہے کہ اس کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ قبیلے کے روحانی پیشوا کے آگے کوئی بات کہہ سکتا یا اس کی مخالفت کر سکتا۔

"ٹیابو نامی شخص کو ایک مشروب پینا پڑے گا۔" اگنت نے اپنی بات دوبارہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔ وہ بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے بولا۔ "تم سب لوگ اس مشروب کے نام اور اس کی تاثیر سے بخوبی واقف ہو۔ کیونکہ تم نے اس کا استعمال کا موقع کبھی نہیں گنوایا۔ میں تمہیں اس مشروب کے بارے میں بتاتا ہوں۔ یہ مشروب میرے لوگوں کا تیار کردہ ہے اور اس کا نام دوستی کا مشروب ہے۔ اس مشروب کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص اسے پیے گا جو درحقیقت بدروح ہے یا کسی بدارادے سے ہمارے علاقے میں آیا ہے تو وہ اسے پیتے ہی ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے حق میں یہ مشروب زہر ہلاہل کا کام دے گا۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص پیے گا جو اپنے دل میں ہمارے لیے دوستی کا جذبہ رکھتا ہے اور نیک نیتی کے ساتھ ہمارے علاقے میں آیا ہے تو اسے یہ مشروب کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

اگنت نے ایک بار پھر لوگوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ لوگ رضامندی کے انداز میں اپنی گردن ہلا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کسی میں بھی جرأت نہیں تھی کہ قبیلے کے جادوگر کے آگے زبان کھول سکتا یا اس کی مخالفت میں ایک لفظ کہہ سکتا۔

"شام کو سورج غروب ہونے سے ایک گھڑی پہلے میں بستی کے درمیان میں تم سب لوگوں کے سامنے ٹیابو کو یہ مشروب پیش کروں گا اور اس طرح اس کی آخری آزمائش بھی ہو جائے گی۔ اگر وہ اس آزمائش پر پورا اترتا ہے تو ہمارا دوست ہے اور ہم میں سے ہی ایک ہے۔ اس وقت تک کے لیے ٹیابو میری تحویل میں رہے گا۔ اسے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔" اس کے ساتھ اگنت نے اپنے شاگردوں کو شانہ کیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر دونوں طرف سے میرے دونوں بازو تھام لیے۔ میں نے تماشا اور لاکوم کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انھیں اگنت کی یہ حرکت بالکل پسند نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ عاجز تھیں اور کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ میں اگر چاہتا تو اگنت اور اس کے شاگردوں کا وہیں قلع قمع کر دیتا، لیکن مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اگنت کا اس کے سارے قبیلے والوں کے سامنے تماشا بنوانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اگنت مجھے اپنے شاگردوں کے ساتھ لیے ہوئے اپنے جھونپڑے میں آ گیا اور اس نے مجھے وہیں نظر بند کر دیا۔

شام کو مجھے دوبارہ باہر نکالا گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس عرصے کے دوران اگنت کیا کرتا رہا، کیونکہ میں سارا وقت اطمینان سے سوتا رہا تھا۔ میں تو اس وقت اٹھا جب اگنت کے آدمیوں نے آ کر مجھے بیدار کیا۔ دوپہر کو انھوں نے مجھے کھانے کی پیش کش کی تھی، لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔

مجھے بستی کے درمیان میں میدان میں لایا گیا۔ سارے قبیلے کے لوگ وہاں جمع تھے۔ ڈیگان سب سے آگے کھڑا ہوا تھا۔ لوگوں کے ہجوم میں ماشوا اور لاکوم مجھے صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ دونوں بڑی بیتابی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کافی پریشان نظر آرہی تھیں۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ لوگ مجھ سے گفت کو پسند نہیں کرتی تھیں لیکن حیرانی تھی کہ وہ گرگٹ بھی سے پیر ہی نہیں رکھ سکتی تھیں، اس لیے خاموش تھیں۔

اگنت نے مجھے اپنے برابر کھڑا کر دیا اور اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا جس نے مجھے سرخ رنگ کے مشروب سے بھرا ہوا ایک پیالہ پیش کیا۔

"اس مشروب کو پی جاؤ شیابو۔" اگنت نے مجھے حکم دیا۔ "وہی تمہاری حقیقت ہم پر آشکارا ہو جائے گی۔"

"مجھے اس کے پینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن مہربانی کر کے ایک خالی پیالہ اور منگوا دو۔" میں نے اگنت کے شاگرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک خالی پیالہ اور؟" اگنت نے حیرت سے پوچھا۔ "تمہاری پیالے کا کیا کرو گے؟"

"یہ ایک بہت معمولی سی بات ہے معزز اگنت۔" میں نے سخت کٹیلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم میری اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے؟"

اگنت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ میری بات مان لے۔ چنانچہ اس نے ایک شخص کو ایک خالی پیالہ لانے کا حکم دیا۔ چند منٹ بعد میرے ہاتھ میں ایک خالی پیالہ موجود تھا۔

میں نے بھرے ہوئے پیالے میں سے آدھا مشروب خالی پیالے میں انڈیلا اور اپنے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اڑچالا قبیلے کے لوگو! اگنت عظیم ہے، وہ معزز حکیم ہے، وہ قبیلے کا روحانی پیشوا ہے اور اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے کہ میں کوئی روح یا بدنیت انسان نہیں ہوں۔ اس لیے وہ مجھے مشروب دوستی پیش کر رہا ہے تاکہ میری حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ مجھے اپنی حقیقت کا علم ہے، اس لیے میں اس مشروب سے ذرہ برابر بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ اور ابھی تم سب لوگوں کے سامنے اسے پی جاؤں گا اور پھر دیکھنا کہ معزز اگنت نے کہا ہے، ہماری دوستی پکی ہو جائے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ دوستی کے اس مشروب میں اگنت بھی میرا ساتھی ہو اور ہم دونوں یہ مشروب آدھا آدھا پئیں۔ خاص طور سے کہ معزز اگنت کو اس مشروب سے کوئی نقصان پہنچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے میں یہ پیالہ بڑے ادب سے اس کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" اور میں نے دوسرا پیالہ اگنت کی طرف بڑھا دیا۔

اگنت کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس کی رنگت ایک دم بدل گئی۔ "نہیں نہیں، میں یہ مشروب نہیں پی سکتا۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں معزز اگنت؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تم تو روح ہو اور نہ ہی بدروح ہو، میں تمہارے سامنے اس مشروب کو پینے کے لیے تیار ہوں۔ پھر تمہیں جلاکیا اعتراض ہے؟ یہ تو ہماری دوستی کی علامت ہے۔ اس سے ہمارے درمیان مضبوط ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ شیابو ٹھیک کہہ رہا ہے معزز اگنت۔" ڈیگان نے کہا۔ "جب وہ خود یہ مشروب پینے کے لیے تیار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے اوپر پورا بھروسہ ہے اور اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا ہے وہ درست ہے۔ تعلیٰ بھی اس کے ساتھ اس مشروب کے پینے میں شریک ہونا چاہیے۔"

"تم خاموش رہو ڈیگان۔" اگنت نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "میں یہ مشروب کسی حالت میں بھی نہیں پی سکتا، یہ میرے لیے نہیں ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو بھی دوسروں کی اجنبیوں کی آزمائش کرنے کا بہت شوق ہے تو بسم اللہ پیئے۔ لیکن اپنے دونوں اور دوسرا پیالہ وہ مجھے آزمائش کے کسی مرحلے سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے میں یہ مشروب نہیں پیوں گا۔"

"معزز اگنت کو یہ مشروب پینے سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اپنے لہجے میں تھوڑی سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مشروب نیک لوگوں کے لیے ہے اور بھلا اگنت کی نیکی میں کسے شک ہو سکتا ہے۔ اگنت کو سخت پریشانی اور افراتفری کے عالم میں دیکھ کر میں بہت مشکل سے دوچار کر دیا تھا جس سے بچ نکلنا اسے خاصا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنی گھناؤنی سازش کے جال میں خود ہی پھنس رہا تھا۔ اسے پھنسیں معنوں میں میری ہلاکی کا اب اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ مجھے نفرت بھری اس سے گھور رہا تھا۔ وہ ایک زہین اور چالاک آدمی تھا اور اسے اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اس نام نہاد دوستی کے مشروب کی اصلیت سے کوئی واقف ہو گیا ہوں۔

میرا اصرار بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ اگنت کا انکار بڑھتا گیا۔ ہم دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ ظاہر ہے کہ اگنت جان بوجھ کر زہر پینے پر کیسے تیار ہو سکتا تھا سامنے کھڑے ہوئے لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ اگنت کا رویہ ان کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"اڑچالا قبیلے کے لوگو۔" میں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اپنے عظیم روحانی پیشوا میری جانب سے اس بات کی درخواست نہیں کر سکتے کہ وہ میری میں تو اسے دوستی میں شریک کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ برابر انکار کیے جا رہا ہے۔ آخر اس انکار کی کیا وجہ ہے؟"

سب لوگ خاموش ہو گئے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد کی آواز سنائی دی۔ "معزز اگنت کو شیابو کا ساتھ دینا چاہیے۔"

"ہاں، اسے ضرور شیابو کا ساتھ دینا چاہیے۔" کئی لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس میں کوئی ہرج نظر نہیں آتا۔ اگر معزز اگنت بھی کی میں شریک ہو جائے۔" ماٹو بولی۔

"تم سب لوگ خاموش ہو جاؤ۔" اچانک "سخت غصے میں

غضب ناک ہو گیا تھا۔ اسے فضا اپنے موافق نہیں نظر آ رہی تھی۔ عجیب و غریب صورت حال میں پھنس گیا تھا۔

"میں یہ مشروب کسی حالت میں نہیں پیوں گا۔" اس نے غصے سے دھاڑ کر کہا۔ "یہ مشروب تمہیں شیابو کو پینا پڑے گا۔ آزمائش سے گزرنا ہے، مجھے نہیں۔"

"اچھا تو یوں کہو معزز اگنت۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم خود اس مشروب کو نہیں پینا چاہتے تو مت پیو۔ لیکن اپنے دونوں اجنبیوں کی آزمائش کرنے کے لیے، میں یہاں کوئی اجنبی نہیں ہوں اور دوسرا پیالہ وہ مجھے آزمائش کے کسی مرحلے سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اس لیے میں یہ مشروب نہیں پیوں گا۔"

"معزز اگنت کو یہ مشروب پینے سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے اپنے لہجے میں تھوڑی سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مشروب نیک لوگوں کے لیے ہے اور بھلا اگنت کی نیکی میں کسے شک ہو سکتا ہے۔ اگنت کو سخت پریشانی اور افراتفری کے عالم میں دیکھ کر میں بہت مشکل سے دوچار کر دیا تھا جس سے بچ نکلنا اسے خاصا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنی گھناؤنی سازش کے جال میں خود ہی پھنس رہا تھا۔ اسے پھنسیں معنوں میں میری ہلاکی کا اب اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ مجھے نفرت بھری اس سے گھور رہا تھا۔ وہ ایک زہین اور چالاک آدمی تھا اور اسے اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اس نام نہاد دوستی کے مشروب کی اصلیت سے کوئی واقف ہو گیا ہوں۔

میرا اصرار بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ اگنت کا انکار بڑھتا گیا۔ ہم دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ ظاہر ہے کہ اگنت جان بوجھ کر زہر پینے پر کیسے تیار ہو سکتا تھا سامنے کھڑے ہوئے لوگوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ اگنت کا رویہ ان کے لیے ناقابل فہم تھا۔

"اڑچالا قبیلے کے لوگو۔" میں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اپنے عظیم روحانی پیشوا میری جانب سے اس بات کی درخواست نہیں کر سکتے کہ وہ میری میں تو اسے دوستی میں شریک کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ برابر انکار کیے جا رہا ہے۔ آخر اس انکار کی کیا وجہ ہے؟"

سب لوگ خاموش ہو گئے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد کی آواز سنائی دی۔ "معزز اگنت کو شیابو کا ساتھ دینا چاہیے۔"

"ہاں، اسے ضرور شیابو کا ساتھ دینا چاہیے۔" کئی لوگوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس میں کوئی ہرج نظر نہیں آتا۔ اگر معزز اگنت بھی کی میں شریک ہو جائے۔" ماٹو بولی۔

"تم سب لوگ خاموش ہو جاؤ۔" اچانک "سخت غصے میں

اسے پی جاؤ۔ ہم دونوں اس سارے قبیلے کے سامنے ساتھ ساتھ یہ مشروب پئیں گے ہمت کرو۔" میں نے زبردستی پیالہ اس کے منہ سے لگا دیا، لیکن اس نے زور کا ایک ہاتھ مارا اور پیالہ زمین پر گر کر ٹوٹ گیا۔ مٹی کے پیالے میں موجود مشروب زمین پر گر پڑا اور اس جگہ جہاں وہ گرا تھا، زمین میں چھید سے بننے لگے۔

"تم ایک جھوٹے اور فریبی شخص ہو اگنت۔" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تمہیں اس طرح آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ میں اڑچالا قبیلے کے سارے لوگوں کو تمہارے بارے میں بتاؤں گا اور ان کے سامنے تمہاری اس سازش کو بے نقاب کروں گا جو تم نے میرے خلاف کی تھی۔ میں اس مشروب کو کسی انسان پر نہیں آزماؤں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ مشروب کسی انسان کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔ تم نے ظلم کا حکم دیا ہے اور ظلم کو فروغ دینے والے ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ تمہارے بھی برے میں جو میں چلا ہوں، اسے بے نقاب کروں گا۔"

لاکوم میری آواز سن کر جاگ گئی تھی اور دوسٹ کے اندر ہونے کر جاگ گئی۔ اگنت کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ میں نے سارے قبیلے کے لوگوں کے سامنے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔ وہ خوف اور حیرت کے ساتھ یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی ساری زبان جواب دے گئی تھی۔ غالباً اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کو کیا کہنا چاہیے یا کیا نہیں کہنا چاہیے۔

میں نے لاکوم سے کہا کہ وہ ہرن کا منہ کھولے۔ لاکوم نے ہرن کو اپنے قابو میں کر کے زبردستی اس کا منہ چیرا اور میں نے اس مشروب کے بقیہ پیالے کو زبردستی اس کے حلق میں انڈیل دیا۔ باقی مشروب پیالے میں ویسے ہی موجود تھا۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے ہرن زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے منہ سے سفید جھاگ نکلنے لگے۔ چند لمحوں کے اندر اس نے دم توڑ دیا۔ لاکوم نے ہرن کو ہر طرح سے ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ مر چکا تھا!

"اڑچالا قبیلے کے لوگو۔" میں نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمہارے روحانی پیشوا نے میرے ساتھ کتنا بڑا ظلم کرنے کی کوشش کی۔ اگر میں بروقت اس کی نیت کا اندازہ نہ لگا پاتا تو یہ مجھے زہر پلا دیتا۔ میں نے اپنی سچائی کا ثبوت تم لوگوں کے سامنے کل ہی پیش کر دیا تھا جب میں نے آدم خور شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اگنت کے دل میں پھر بھی میری طرف سے کینہ بھرا ہوا تھا۔ اور وہ مجھے کسی دکھی طرح ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔"

"سنو اگنت۔" میں نے اگنت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، جو اپنا سر جھکائے ہوئے کھڑا تھا۔ صورت حال اس کے قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ وہ بالکل بوکھلائے ہوئے کھڑا تھا۔ "میں نہ تو کوئی بھوت ہوں اور نہ کسی دوسری دنیا کا انسان۔ میری بات غور سے سنو ڈیگان تم بھی میرے پاس آؤ۔" میں نے حکم دیا۔ ڈیگان نے کسی فرمانبردار بچے کی طرح میرے حکم کی تعمیل کی۔

"اگنت، تم اڑچالا قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بھلائی کر رہے ہو۔ تم اس سے پہلے بھی دو افراد کو ہلاک کر چکے ہو اور تم نے ان پر بھی بددعا ہونے کا الزام لگایا تھا۔ دیوتا تم سے ناخوش ہیں اور انھوں نے ہی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بھلے یہاں بھیجا تھا۔ میں خود سے نہیں آیا۔ میں دیوتاؤں کا بھیجا ہوا آدمی ہوں اور [illegible] بھلے یہاں اسی لیے بھیجا تھا کہ اس قبیلے کے لوگوں کو یہ بتا دوں کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور دھوکا دیتے ہو۔ خود قبیلے کے لوگوں کے ساتھ بھی تم زیادتی کرتے ہو اور لوگ تم سے خوش نہیں ہیں۔ اس لیے دیوتاؤں کی جانب سے تمہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اپنے رویّے کو درست کرلو، ورنہ میں دوبارہ آؤں گا اور پھر اس بار تمہارا منصب تم سے چھین لیا جائے گا۔ اور قبیلے کے کسی اور شخص کو تمہاری جگہ دیوتاؤں کا پیشوا بنا دیا جائے گا۔"

"کیا کہا؟" اگنت نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم دیوتاؤں کی جانب سے بھیجے گئے ہو؟ تم خود یہاں نہیں آئے؟ کیا تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟" اگنت کا سارا غصہ، اس کا سارا جوش و خروش، سب کچھ نخوت سمو چکا تھا اور وہ کسی شکست خوردہ انسان کی طرح دھیما پڑ گیا تھا۔

"ہاں میں دیوتاؤں کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔" میں نے کہا۔ "محض اس لیے کہ تمہیں سبق سکھا سکوں اور تنبیہ کر سکوں۔ دیوتا چاہتے ہیں کہ تم انسانوں کے ساتھ نیکی کرو اور ان کو لاوجہ نقصان پہنچانے کی کوشش مت کرو۔"

"لیکن تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم دیوتاؤں کے بھیجے ہوئے ہو؟" اگنت نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"تمہیں ثبوت بھی فراہم کر دیا جائے گا۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "پہلے تم اس بات کا سچ سچ اقرار کرو اور سب لوگوں کے سامنے اقرار کرو۔ کہ تم نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ مشروب جو زہر تھا۔"

اگنت کے لیے یہ بڑا سخت مرحلہ تھا۔ اس کی ساری ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ جن حالات کا شکار تھا، ان کے پیش نظر اس کے پاس سچ بولنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ وہ سچ کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ زہر ہلاہل تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تم پر بالکل بھی اعتماد نہیں کرتا تھا اور مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ تم ہمیں کوئی نقصان پہنچا دو گے اس لیے میں تمہیں ہلاک کر دینا ضروری سمجھتا تھا۔ میں نے تمہیں قبیلے کے مفاد کی خاطر ہی ختم کرنا چاہا تھا۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے پیش نظر اپنے قبیلے والوں کے مفاد کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے اگر دیوتاؤں کو اس سے پہلے ہلاک کیا تو اس کی وجہ بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ میں اپنے قبیلے والوں کو باہر کے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔"

"تم اب بھی جھوٹ بول رہے ہو اگنت۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پیش نظر اپنے قبیلے والوں کا مفاد نہیں تھا، بلکہ درحقیقت تم خود اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے تھے۔ تمہیں ہمیشہ اس بات کا اندیشہ لاحق رہا تھا کہ کہیں باہر سے اگر کوئی شخص تم پر حاوی نہ ہو جائے۔ کیوں؟ ہے نا؟"

اگنت نے میرے اس سوال کے جواب میں گردن جھکا دی۔ وہ آنکھوں کے پیچھے ہونے والوں کے سامنے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ میں نے اگنت سے کہا۔ "تمہیں یہ حال میں سچ بولنا پڑے گا۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ تم نے اس سے پہلے بھی انسانوں کو ہلاک کیا وہ سیدھے سادھے سے عام انسان تھے، ریوان کا بدروح وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

اگنت نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

"تو اب بولو۔" میں نے کہا۔ "اٹھ چالا قبیلے کے تمام لوگ میری بات سنو۔ تم سب کے سامنے اگنت نے مجھ سے یہ سوال پوچھا کہ میرے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ہوں۔ تو اگنت نے اس امر کا بھی اعتراف کر لیا ہے کہ دوستی کے مشروب کے نام سے جو زہر وہ مجھے پلانا چاہتا تھا، وہ صرف خالص زہر تھا۔ اس زہر کو پی کر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ کیوں اگنت، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" میں نے اگنت کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "ذرا اس زہر کے بارے میں سب لوگوں کے سامنے خود اعتراف کر لو تو اچھا ہے۔"

"میں اعتراف کر چکا ہوں۔" اگنت نے کہا۔ "زہر ہے، خالص زہر۔ اسے پینے کے بعد کوئی بھی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"اور تم یہ زہر پینے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔" کاکوم نے خونی نظروں سے اگنت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے کاکوم کو مزید بولنے سے روکا اور ایک بار پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "لوگو، تم سب پر اور خاص طور پر اگنت پر یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ میں دیوتاؤں کا بھیجا ہوا انسان ہوں، میں تم سب کے سامنے زہر کا بھرا ہوا یہ پیالہ پیتا ہوں اور تم دیکھو گے کہ اگنت کا تیار کردہ خونی زہر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے زہر کا پیالہ منہ سے لگایا اور ایک ہی سانس میں میں نے اسے خالی کر دیا۔ ڈیگان چیختا ہوا میری طرف بڑھا۔ "یہ کیا کر رہے ہو ٹیا بو؟ بارک جاؤ۔" دوسری طرف سے لاکوم اور کاکوم دوڑتی ہوئی میری طرف آئیں اور انھوں نے میرے ہاتھ سے پیالہ چھیننے کی کوشش کی، لیکن ان کی کوشش سے پہلے ہی میں پیالے میں موجود سارا مشروب کر چکا تھا اور اب میرے ہاتھ میں خالی پیالہ موجود تھا۔

سارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ میں نے سب کے سامنے پیالہ اٹھا کر لوگوں کو دکھا دیا کہ وہ خالی ہے اور میں اس میں موجود سارا مشروب پی کر ختم کر چکا ہوں۔ اگنت کی آنکھیں حیرت کے مارے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"تم نے..... تم نے..... وہ مشروب پی لیا؟" اس نے حیرت کے ساتھ کہا۔ "تم نے تو واقعی وہ سارا مشروب پی لیا۔ اب تمہارا کیا حشر ہوگا، یہ تو بڑا ہی خوفناک قسم کا زہر تھا۔"

"میرا حشر وہ نہیں ہوگا جو تم چاہتے تھے اگنت۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے [illegible]

کے باوجود کچھ نہیں ہوگا۔ تم پر جاننا چاہتے تھے کہ میرے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں دیوتاؤں کا بھیجا ہوا ہوں۔ جواب ثبوت تمہارے [illegible] سامنے حاضر ہے۔ میں نے تمہارا دیا ہوا سارا زہر پی لیا ہے، لیکن اس کے باوجود میں زندہ سلامت تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم اپنی آنکھوں سے مجھے زندہ دیکھ رہے ہو۔ کیا اب بھی تمہیں کسی مزید ثبوت کی ضرورت ہے؟"

اگنت کوئی جواب دینے کے بجائے میرے سامنے سجدے میں گر گیا اور اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ اس کے ساتھ ہی قبیلے کے سارے لوگ، جن میں خود ڈیگان بھی شامل تھا، میرے سامنے سجدے میں گر گئے۔ [illegible] اس عجیب و غریب صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے دائیں بائیں کھڑے لوگوں سے اگنت کے شانے پکڑ کر اسے اٹھایا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔ باقی لوگ، سارے مرد، عورتیں اور بچے ابھی تک اسی طرح سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔

"ان کو اٹھ جانے کا حکم دو اگنت۔" میں نے کہا۔

"دیوتاؤں کے بھیجے ہوئے دیوتا کے سامنے میری یہ مجال کہاں [illegible] حکم دے سکوں۔ حکم تو تمہیں دینا ہے۔ اب یہ تمہارے ہی حکم سے [illegible] گے۔" اگنت نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"تمام لوگ اٹھ کر پہلے کی طرح کھڑے ہو جائیں۔" میں نے حکم [illegible] اور اس کے ساتھ ہی وہ لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"سنو او چالا قبیلے کے لوگو۔" میں نے کہا۔ "میں نے اپنی حقیقت [illegible] تم کر لی ہے اور تمہارے روحانی پیشوا اگنت کو بھی سخت تنبیہ [illegible] دی ہے۔ مجھے امید ہے اب وہ آئندہ ایسی غلطیاں نہیں کرے گا جس سے تمہارے ہاتھوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے گا۔ میں تم لوگوں کے درمیان ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا تھا۔ میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ میں نے اگنت کو جتنی سزا دے دی ہے، وہ فی الحال اس کے لیے کافی ہے۔ اب اگر آئندہ اس نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کو سزا دینے کے لیے میں پھر آ موجود ہوں گا۔ میں صرف آج کی رات تمہاری بستی میں اور گزاروں گا اور کل صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں محترم ٹیا بو۔" ڈیگان نے دوڑ کر میرے پاؤں پکڑ لیے۔ "ہم سب لوگوں کی خواہش ہے کہ تم کچھ دن مزید ہماری بستی میں قیام کرو۔ ہمارے لیے یہ پہلا موقع ہے کہ دیوتاؤں کا بھیجا ہوا کوئی انسان ہماری بستی میں آیا ہے۔ ہماری اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہوگی کہ تم فوراً ہی یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیں کچھ دن تو اپنی خدمت کا موقع دو۔ میری تم سے یہی التجا ہے عظیم ٹیا بو۔" اگنت نے میرے [illegible] ہاتھ کو تھامتے ہوئے کہا۔ "اگر دیوتا تمہیں اس بات کی اجازت دیں تو تم کچھ دن مزید ہماری بستی میں قیام کرو۔ تمہارا وجود یقیناً ہمارے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔"

ان دونوں کی باتیں سنتے ہی باقی تمام لوگوں کا بھی اصرار ایک دم بڑھ گیا۔ سب مرد اور عورتیں آ آ کر میرے پیروں سے لپٹنے لگے اور میری خوشامد کرنے لگے کہ میں ان کی بستی میں کچھ دن مزید قیام کروں۔ میں عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ اگنت کی سازش کو بے نقاب کرنے کے بعد میں چپکے سے رات کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی کہ میں کہاں چلا گیا۔ لیکن اب یہ سب کے سامنے لوگ اس بات کے لیے مصر تھے کہ میں ان کی بستی میں مزید قیام کروں۔ بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ شنتولا قبیلے میں واپسی سے پہلے کا عرصہ گزارنے کے لیے اٹھ چالا قبیلے کے لوگوں کے ساتھ رہ کر ہی گزاروں تو اس میں چنداں ہرج نہیں ہے۔ بھلے ہر حال شنتولا قبیلے میں واپسی سے پہلے کا عرصہ کہیں نہ کہیں تو گزارنا ہی تھا۔

"ٹھیک ہے دوستو۔" میں نے ان لوگوں کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے دیوتاؤں نے اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ میں اگر چاہوں تو کچھ عرصہ تک تمہاری بستی میں قیام کر سکتا ہوں۔ لیکن میں اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ عرصہ زیادہ نہیں ہو گا۔ بھلے ہر صورت میں کچھ دنوں بعد یہاں سے چلا جانا ہوگا۔ یہی دیوتاؤں کا حکم ہے۔"

میری زبان سے یہ بات سن کر کہ میں بستی میں کچھ عرصہ مزید قیام کے لیے تیار ہوں، لوگوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بڑی طرح اچھلنے کودنے اور ہلّے گلّے سے عجیب و غریب آوازیں نکالنے میں مصروف ہو گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا ان میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے۔

رات کو زبردست جشن کا اہتمام کیا گیا۔ بستی کے وسط کے میدان میں، جہاں شام کو میری قتل گاہ بنایا جا رہا تھا، سارے قبیلے کی عورتیں اور مرد اکٹھے تھے۔

ایک خاص طریقے سے تیار کیا ہوا مشروب ایک بڑے سے تاڑ جیسے برتن میں رکھا ہوا تھا۔ ڈھول بجانے والے زور زور سے ڈھول پیٹ رہے تھے اور مرد اور عورتیں دلربا اور اشتعال دلانے والے انداز میں رقص کر رہے تھے۔ یہ ان کے لیے فارغ وقت گزارنے کا طریقہ تھا۔ بیچ بیچ میں وہ تاڑ جیسے برتن میں سے نکال نکال کر مشروب بھی پیتے جا رہے تھے۔

کچھ رات باقی تھی جب یہ دلچسپ جشن اختتام کو پہنچا اور لوگ زمین پر گر گر کر ڈھیر ہونے لگے۔ جس کو جہاں جگہ ملی، وہ وہیں لیٹ کر نیند میں ڈوب گیا۔ آہستہ آہستہ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ ڈھولوں کی آواز موقوف ہو چکی تھی۔ تمام لوگ نیند میں ڈوبے ہوئے آڑے ترچھے زمین پر پڑے ہوئے تھے اور اس وقت یہ حال تھا کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ ہر طرف بے خبری کا عالم تھا۔

میری آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ میں اس نئی صورت حال پر غور کرنا چاہتا تھا جس کے تحت اس قبیلے میں رہائش سے پہلے جانے کے لیے میں نے اپنے آپ کو بالکل تیار کر لیا تھا۔ اچانک مجھے اس قدر عزت و توقیر حاصل ہو گئی تھی۔ قبیلے کا جادو تو سر پر چڑھ کر میرے پاؤں پڑ رہا تھا۔ قبیلے کا سردار میری خوشامد میں لگا ہوا تھا۔ طریقہ اچانک میں یہاں کی بہت اہم شخصیت

بن گیا تھا۔ میں نے خود کو دلاسوں کا تماشہ فراہم کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ سو فیصدی کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ اور ان لوگوں نے مجھے واقعی دیوتا کے نمائندے کی حیثیت سے ہی قبول کر لیا تھا۔ میں ذہنی حالت میں فرق تھا کہ اچانک مجھے درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے دو سائے حرکت کرتے نظر آئے۔ وہ اس طرح حرکت کر رہے تھے کہ درختوں کی نظر میں نہ آسکیں۔ ان کی یہ پُراسرار حرکتیں مجھے کچھ عجیب سی لگیں اور میں ایکدم چوکنا ہو گیا۔

فوراً ہی وہ دونوں سائے آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہوئے انسانوں کے قریب آ گئے۔ اب وہ جھک جھک کر ایک ایک آدمی کی شکل کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں ہی سیاہ فام حبشی تھے لیکن ان کا تعلق ظاہر ہے کہ اڈچالا قبیلے کے لوگوں میں سے نہیں تھا۔ یہ لوگ کسی اور قبیلے کے افراد معلوم ہوتے تھے، لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ یہاں کس مقصد سے آئے ہیں۔ ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خاص شخص کو تلاش کر رہے ہیں۔

کمر سے بندھی ہوئی رسیوں میں بہت سے ہتھیار اٹکے ہوئے تھے۔

اگنت بھی مجھ سے تھوڑے سے فاصلے پر نیند اور نشے میں دھت پڑا ہوا تھا۔ وہ اتنا غافل تھا کہ اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ دونوں اجنبی آہستہ آہستہ ایک ایک آدمی کی شکل کا جائزہ لیتے ہوئے اگنت کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے اگنت کا چہرہ دیکھا اور چند لمحوں تک غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ سے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔ "یہی ہے ـــــ یہی ہے ہمارے دیوتاؤں کا قاتل ـــــ اب اسے چھوڑنا نہیں ہے۔"

دوسرا آدمی بھی جلدی سے اس کے قریب آ گیا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ اب وہ دونوں بیک وقت اگنت پر وار کرنے ہی والے تھے۔

"ٹھہرو جاؤ دوستو۔" اچانک میں نے نرم اور شیریں لہجے میں ان سے انہی کی زبان بولتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں جو زبان بول رہے تھے وہ شمنولا قبیلے اور اڈچالا قبیلے، دونوں کی زبانوں سے مختلف تھی۔ لیکن ان دونوں سے کافی ملتی جلتی تھی۔

وہ دونوں آدمی ایک دم اچھل پڑے اور تب ان کی نظر خاص طور سے میرے اوپر پڑی۔ مجھے دیکھ کر ان کے منہ حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ "تم ـــــ تم کون ہو؟ تم کیسے انسان ہو جو ہمارے جسم کا رنگ کیسا ہے؟" دوسرا بار کی تیزی سے متضاد سوالات کر رہا تھا۔

"میں تمہارے تمام سوالات کے جوابات دے دوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تم اگنت کے ساتھ کیا کرنے والے تھے؟"

"تم اگنت کے دوست ہو یا دشمن؟" ان میں سے ایک نے اپنے ماتھے پر بل ڈال کر مجھ سے دریافت کیا۔

"اس سے تمہارے لیے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس سے ہمارے لیے بہت فرق پڑتا ہے۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "اگر تم اگنت کے دوست ہو تو قبل اس کے کہ تم کسی شخص کو آواز دے کر بیدار کر سکو، ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے۔"

"سنو تو سہی۔" میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں اگنت کا دوست ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں تمہارا بھی دوست ہوں۔ اپنے سے ملتے جلتے رنگ مت سمجھو۔ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں لیکن تم لوگ پہلے مجھ سے یہ تو دریافت کرو کہ میں تم جیسا کہ یہاں اگنت سے لینے آئے تھے۔"

"ہم اگنت کو ہلاک کرنے آئے تھے۔" ان میں سے ایک نے صاف گوئی کے ساتھ کہا۔

"لیکن کیوں؟" میں نے پوچھا۔ "اگنت سے تمہاری کیا دشمنی اور تم اسے کیوں ہلاک کرنا چاہتے ہو؟"

"ہمارے قبیلے کے دو آدمی بھنک کر غلطی سے اس علاقے میں آ گئے تھے۔ یہ بہت دنوں پہلے کی بات ہے۔ ان میں سے ایک آدمی اگنت اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے پکڑ لیا، جبکہ دوسرا آدمی وہاں سے لوگوں کو آتا دیکھ کر جلدی سے گھنی جھاڑیوں میں چھپ گیا تھا۔ اگنت اور اس کے ساتھیوں نے اس آدمی کو جو باہر رہ گیا تھا، پکڑ لیا اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ اس آدمی نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ بھول کر ادھر آ نکلا ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے دوسرے ساتھی کو نہیں دیا جو جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا، ورنہ یہ لوگ اسے بھی پکڑ لیتے۔ اگنت نے اس آدمی پر بدروح ہونے کا الزام لگایا۔ اگرچہ اگنت کے دوسرے ساتھیوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ شاید وہ شخص واقعی راستہ بھول کر ادھر آ نکلا ہو، لیکن اگنت نے ان کی ایک نہ سنی اور اس شخص کو ہلاک کر دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی جو جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا، کچھ دیر بعد وہاں سے فرار ہو کر اپنا راستہ تلاش کرتا ہوا اپنے قبیلے میں پہنچ گیا اور اس نے وہاں لوگوں کو اگنت کے ظلم کی داستان سنائی۔ اس کے بعد ہم دونوں نے طے کر لیا تھا کہ ہم اس ظلم کا بدلہ ضرور لیں گے۔ اگنت کو ہلاک کر دیں گے۔ ہمارے جاسوسوں نے اس قبیلے کی خبر لی تھی اور ہم لوگ عرصے سے موقع کی تلاش میں تھے۔ آج وہ خبر ہمیں ملی تھی کہ اگنت کسی مہم پر جا رہا ہے۔ اور اسی وقت ہم آدمی روانہ ہو گئے تھے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اس قسم کے جشن رات کے بعد ساری عورتیں اور مرد مدہوش ہو کر سو جاتے ہیں۔ بے جان ہو جاتے ہیں اور پھر ان میں سے کسی کو بھی آسانی سے مار سکتا ہے۔ ہم ٹھیک وقت پر یہاں پہنچ گئے تھے۔ میرا یہ ساتھی اگنت کو نیند کی حالت میں مارنے والے شخص کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ مگر تم نے آواز دے کر روک نہ دیا ہوتا تو اب تک ہم اگنت کو ہلاک کر چکے ہوتے۔"

"اس طرف آؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔" میں نے ان کو اپنے قریب ہی بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "واقعات دراصل اسی طرح پیش آئے تھے جس طرح تم لوگوں نے بیان کیے ہیں۔ میں خود اس موقع پر موجود تھا اور میں نے اگنت کو روکنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن اگنت نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس شخص کو ہلاک کر دیا۔"

"مجھے اس کی ہلاکت کا اعتراف ہے۔" اگنت نے صرف اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

"اور دیوتاؤں کی طرف سے اگنت کو اپنے کیے کی کافی سزا بھی مل چکی ہے۔" میں نے کہا۔ "اب تم دونوں اپنی ساتھی کا خون معاف کر دو اور اپنے قبیلے والوں کو اگنت کی طرف سے اور پورے اڈچالا قبیلے کی طرف سے دوستی اور محبت کا پیغام دو۔"

"میں ٹیا بو کی بات کی تائید کرتا ہوں۔" ڈیگان نے کہا اور اگنت نے بھی اپنی گردن ہلائی۔ دونوں اجنبی اپنی بات پر زیادہ عصر نہیں نظر آ رہے تھے۔ میں نے انہیں انتقام کی آگ میں جلتا ہوا نہیں پایا۔ انہوں نے اڈچالا قبیلے کی طرف سے دوستی کی دعوت قبول کر لی تھی۔

ان اجنبیوں کے قبیلے کا نام ماٹرو تھا اور یہ اسی جنگل کے ایک حصے میں ندی کے کنارے آباد تھا۔ ڈیگان اور اگنت نے ماٹرو قبیلے کے دونوں آدمیوں کو دوستی کی علامت کے طور پر بہت سے تحفے تحائف دے کر رخصت کیا۔ ان تحفوں میں سیپیوں اور کوڑیوں کے ہار، ہڈیوں کے زیورات، مٹی کے برتن اور اسی قسم کی اشیا شامل تھیں دونوں سفیر خوشی خوشی روانہ ہوئے اور اس کے تین دن بعد وہ پھر موجود ہوئے۔

ماٹرو قبیلے کے لوگوں نے اڈچالا قبیلے کے لوگوں کی طرف سے معافی کو قبول کر لیا تھا اور ان کے تحائف پر بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ دونوں سفیر ماٹرو قبیلے کے سردار کا یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ ماٹرو قبیلے والے اڈچالا قبیلے کے تمام لوگوں کو ایک رات کے لیے اپنا مہمان بنانا چاہتے ہیں اور ان کے ساتھ جشن منانا چاہتے ہیں۔ کھانے اور مشروبات وغیرہ کا سارا انتظام ماٹرو قبیلے والوں کی طرف سے ہوگا۔ اور وہ اڈچالا قبیلے والوں کی ضیافت کریں گے۔ ڈیگان اور اگنت کی جانب سے یہ دعوت قبول کر لی گئی اور دوسرے ہی دن اڈچالا قبیلے کے سارے لوگ ماٹرو قبیلے کے سفیروں کی راہنمائی میں سفر پر روانہ ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ دونوں سفیروں نے میرے بارے میں بے شمار سوالات پوچھے لیکن میں نے ان کو محض وہی کہانی سنا کر ٹال دیا جو کہانی میں نے اڈچالا قبیلے کے لوگوں کو اپنے بارے میں سنائی تھی۔ اڈچالا قبیلے کے تمام لوگوں کو، بشمول اگنت اور ڈیگان، میں نے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی تھی کہ "دیوتاؤں سے میرے تعلق" کے بارے میں انہیں کچھ نہ بتایا جائے۔ لہٰذا اس معاملے میں تمام لوگ بہت محتاط تھے۔

ہم لوگ علی الصباح روانہ ہوئے تھے اور سورج ڈھلنے سے کافی دیر پہلے ماٹرو قبیلے کے علاقے میں پہنچ گئے۔ ڈھول بجا کر اور

Optimized by www.ImageOptimizer.net

شور مچا کر جمارا خیر مقدم کیا گیا۔ ماٹرو قبیلے کی ساری لڑکیاں اور عورتیں ڈچالا اور شمنتولا قبیلے کے لوگوں کی طرح سیاہ تھے۔ دونوں قبیلوں کے لوگ پستہ قد، بڑے پیمانے کے اور چاق و چوبند تھے۔ دونوں کی زبانیں اگرچہ الگ الگ تھیں، تاہم ان میں کافی ذخیرۂ الفاظ مشترک تھا، اس لیے وہ ایک دوسرے کے مافی الضمیر کو کسی نہ کسی حد تک سمجھ لیتے تھے۔

تھوڑی دیر میں ضیافت کا اہتمام شروع ہو گیا اور شکار کیے ہوئے گوشت، پھلی اور جنگلی درختوں کے پھلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ماٹرو قبیلے کے لوگ بھی کچا ہی گوشت کھاتے تھے۔ اس وقت ماٹرو قبیلے اور ڈچالا قبیلے کی تقریباً ساری آبادی میرے سامنے موجود تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان کو گوشت بھون کر کھانے کا طریقہ سکھاؤں۔ شمنتولا قبیلے میں تو زاس نے مجھے ایسا کرنے سے سختی سے منع کر دیا تھا، لیکن میرا خیال تھا کہ یہاں کوئی مجھے منع نہیں کرے گا۔

"شمنتولا اور ماٹرو قبیلے کے دوستو!" میں نے کہنا شروع کیا۔ "جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے، میں تمہاری لیسٹیوں کی بالشدہ نہیں ہوں۔ میری دنیا دوسری ہے اور میری دنیا میں گوشت کھانے کا بالکل مختلف طریقہ رائج ہے۔ میں آج تم سب لوگوں کے سامنے اس طریقے کا ظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں یہ طریقہ پسند آجائے تو تم اسے اپنا سکتے ہو، اور اگر پسند نہ آئے تو تم اپنے ہی طریقے کے مطابق عمل کرتے رہنا۔"

اس کے بعد میں نے ایک الاؤ روشن کیا اور گوشت کے کچھ ٹکڑے اس میں بھوننے شروع کر دیے۔ گوشت کے بھننے کی مہک ساری بستی میں پھیل گئی۔ ان دونوں قبیلوں کے افراد کے لیے یہ بالکل نئی چیز تھی۔ وہ حیرت سے مجھے یہ "جادو کا عمل" کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں نے گوشت کے ٹکڑوں کو جلنے دیا اور پھر انہیں باہر نکال کر ذرا ٹھنڈا کیا۔ سب سے پہلے میں نے گلت، ٹوریگان اور ماٹرو قبیلے کے سردار کو کچھ ٹکڑے کھانے کے لیے دیے۔ وہ بھنا ہوا گوشت کھاتے ہی چیخ اٹھے۔ پھر ان کے ہاتھوں نے اسقدر تیز رفتار سے گوشت اس سے پہلے کبھی نہیں کھایا تھا۔

پھر تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف الاؤ روشن ہو گئے اور گوشت بھون بھون کر کھایا جانے لگا۔ کئی گھنٹے کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد ڈھول پر تھاپ پڑی اور آہستہ آہستہ سیاہ فام جسم حرکت میں آنے لگے۔ مشروب کی تاند کا معلم کھول دیا گیا اور دونوں قبیلوں کے مردوں اور عورتوں نے بے تحاشا آتش سیال اپنے اپنے حلق میں انڈیلنا شروع کر دی۔

اور پھر زور و شور کے ساتھ ڈھول پیٹے جانے لگے۔ رقصوں میں دھما چوکڑی شروع ہو گئی۔ دونوں قبیلوں کے افراد اس میں برابر کے شریک تھے۔ وہ بڑی طرح اچھل کود کر رہے تھے اور اپنے حلق سے طرح طرح کی جنگلی آوازیں نکال رہے تھے۔ ان کے جوش و خروش میں دم بدم اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور ہی پر دیوتا ش کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

دوسرے دن ڈچالا قبیلے کے لوگ اپنے گھر واپس آگئے۔ جواباً انھوں نے بھی ماٹرو قبیلے کے لوگوں کو ایک رات اپنے یہاں گزارنے کی دعوت دی جو قبول کر لی گئی اور اس کے ایک ہفتہ بعد ماٹرو قبیلے کے لوگ ڈچالا قبیلے کے لوگوں کے مہمان بنے اور وہی سب کچھ جو اس سے پہلے رات کو ہوا تھا۔ اس کے بعد دونوں قبیلوں کے درمیان اسی طرح کی دعوتوں کے متعدد تبادلے ہوئے۔

دونوں قبیلوں کے لوگ میرے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق اب گوشت کو بھون کر کھاتے تھے۔ انھوں نے کچا گوشت کھانا تقریباً ختم کر دیا تھا اور اس "کمال" کے لیے میرے بڑے شکر گزار تھے۔ غرضیکہ پروفیسر ابھی ہنگاموں میں کوئی پونے تین ماہ گزر گیا۔ اب مجھے اپنے اصل مشن کی طرف روانہ ہونا تھا۔ شمنتولا اور ماٹرو قبیلے کے دو سو مردوں کی قربانی دیے جانے کا وقت قریب آ رہا تھا اور میں صرف اس قربانی کو روکنا تھا، مگر اس سلسلے میں بھی میں نے بڑے محتاط انداز سے کام کرنا تھا، چنانچہ میں نے ڈچالا قبیلے کے لوگوں کو مطلع کر دیا کہ تین دن بعد میں ان کی بستی سے روانہ ہو جاؤں گا۔

میری روانگی سے ایک روز قبل ماٹرو قبیلے والوں کی بار پھر دعوت کی گئی۔ میں جو کچھ ڈچالا قبیلے والوں کو سکھا چکا تھا، وہی سلاد علم ماٹرو قبیلے والوں کو منتقل کرتے رہتے تھے اور اس دوسرے کے تجربات و مشاہدات میں برابر کے شریک تھے۔ میری اس جشن کی وہ آخری رات بڑی ہنگامہ خیز رات تھی۔

کاذب میں ابھی خاصا وقت باقی تھا۔ میں نے سارے لوگوں کو سوتا ہوا چھوڑا اور خاموشی سے اندھیرے میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ میرے ذہن میں ایک پورا منصوبہ موجود تھا جسے میں نے آج سے ماہ پہلے ترتیب دے لیا تھا۔ یہ ایک شاندار اور مکمل منصوبہ تھا، اس کی ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ شمنتولا قبیلے کی عورتیں راہِ راست پر آجائیں گی۔

میں شمنتولا قبیلے کے علاقے میں اس طرف سے داخل ہوا جہاں مردوں کی وادی تھی۔ حسب معمول خوفناک اور بھاری بھرکم ادھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ انھوں نے مجھے گھور کر دیکھا، لیکن

مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ میں مردوں کی وادی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس بار بھی میرا رُخ مہالو کے جھونپڑے کی طرف تھا۔ میں سب سے پہلے مہالو سے ہی ملنا چاہتا تھا۔

مہالو کے جھونپڑے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے اندر داخل ہو گیا۔ دوسری طرف پشت کیے ہوئے بیٹھا غالباً درخت کی چھال سے کچھ بُن رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ پا کر وہ چونکا اور ایک دم مجھے دیکھنے لگا۔ اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں ہی ہوں۔

"تم!" تم پھر آگئے، تم تو یہاں سے غائب ہو گئے تھے ٹیا لو!" وہ ہکلایا۔

"ہاں میں پھر آگیا ہوں۔ اور اس بار میں تم سارے مردوں کے نجات کا پیغام بن کر آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تمہاری حرکتوں کی وجہ سے ایک بار تو ہمیں موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔" مہالو نے کہا۔ "اب مجھ پر رحم کرو اور کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ باہر چلو۔"

میں نے مہالو کو ساتھ لیا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے اس کے جھونپڑے سے باہر نکالتے گئے۔ میدان میں اکٹھا کیا۔ سارے مرد حیران تھے کہ میں جو اچانک غائب ہو گیا تھا اب دوبارہ کہاں سے نمودار ہو گیا ہوں اور کیا چاہتا ہوں۔ وہ غصے اور غرور بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کو خیال تھا کہ میں کسی نئی مصیبت سے دوچار کرنا چاہتا ہوں۔ مہالو مجھے سخت ناراض نظر آ رہا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق میں یہاں سے ایک بار بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا تو مجھے دوبارہ دھوکہ نہیں اختیار کرنا چاہیے تھا اور اس کو لوگوں کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ لیکن میں نے مہالو کو زبردستی اس کے جھونپڑے سے نکالا اور اس کو ساتھ لے کر ایک ایک کے تمام مردوں کو باہر بلایا۔

جنوبی شمنتولا قبیلے کے مردو! میں نے ان لوگوں سے خطاب کر کے کہا۔ "میں تمہارے لیے اس عذاب سے نجات کا پیغام لے کر آیا ہوں جس کے تحت تم جانے کے خوف سے سہمتے چلے آ رہے ہو اور جس کی قربانی دیتے رہے ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔ آئندہ تم میں سے کسی کو بھی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ تم زندہ رہو گے کیونکہ زندہ رہنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔"

"لیکن تم شمنتولا دیوتا کی مرضی کو کس طرح تبدیل کر سکتے ہو؟" ایک بوڑھے نے مردوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"شمنتولا دیوتا کی بھی مرضی یہی ہے کہ تم لوگ زندہ رہو اور آئندہ تم میں سے کسی کو بھی بلی نہ دیا جائے۔"

میری زبان سے یہ بات سن کر وہ حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہیں۔

"تم شمنتولا دیوتا کی مرضی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" مہالو نے جھنجھلا کر مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم تو خود شمنتولا دیوتا کے عذاب کا شکار ہو۔ اس نے تمہیں اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا تھا۔"

"تمہارے جسم سے ٹیا لو کی روح شمنتولا دیوتا کے حکم پر کھینچ لی گئی تھی۔ تم ایک بار پھر اپنے ساتھ ہم سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کرنے کے لیے یہاں آگئے ہو۔"

"اتنا بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں مہالو۔" میں نے جواب دیا۔ "شمنتولا دیوتا مجھ سے ناخوش نہیں ہے۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں، شمنتولا دیوتا کے حکم اور اس کی ہدایت کے مطابق کر رہا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ ہم لوگوں کو عورتوں کی بستی میں چلنا ہے۔"

پروفیسر ہیں بدقت تمام ان لوگوں کو اس بات پر راضی کر سکا کہ وہ میرے ساتھ عورتوں کی بستی میں چلیں۔ مہالو سمیت وہ سب کے سب سخت دہشت زدہ اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ میں شمنتولا دیوتا کی مرضی کا راز دوں کس طرح جان گیا ہوں جو شمنتولا دیوتا کے عتاب کا شکار تھا۔ اب یہ ایک اس کا کرشمہ ہی ہو سکتا ہوں۔ لیکن میری خود اعتمادی اور سخت رویے نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ میری بات میں کوئی نہ کوئی وزن ضرور ہے۔ اور وہ سب کے سب میرے ساتھ ہو لیے۔ غالباً نہیں بلکہ یقیناً ان لوگوں کی زندگی میں یہ پہلا موقع ہوگا کہ وہ عورتوں کی مرضی، اجازت اور ان کے علم کے بغیر ان کی بستی میں اس انداز میں قدم رکھ رہے تھے۔

میں ہی چھوٹے سے قافلے کی رہبری کر رہا تھا۔ خوفناک کئے جو اجنبیوں کو اس سرزمین پر قدم رکھنے سے روکنے کے لیے موجود تھے، ہمارے پیچھے پیچھے غرتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہم لوگوں کا باقی قافلہ پہاڑی پر چڑھ کر نیچے اترنے لگا۔ سامنے عورتوں کی بستی کے گول گول جھونپڑے نظر آ رہے تھے جن کا سلسلہ خاصی دور تک پھیلا ہوا تھا۔

سب سے پہلے دو عورتوں کی نظر ہم پر پڑی جو سامنے کھڑی ہوئی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ انھوں نے حیرت زدہ نظروں سے یہ منظر دیکھا۔ چند لمحوں کے لیے جیسے ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ چیخ چیخ کر اپنی جگہ سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ وہ باقی تمام عورتوں کو ہماری آمد کی اطلاع دینا چاہ رہی ہوں گی۔

میں نے مردوں کے قافلے کو بستی کے کنارے پر ہی رک جانے کا حکم دیا اور عورتوں کے اگلے قدم کا انتظار کرنے لگا۔ زیادہ بڑی گروہ در گروہ عورتیں ہمارے سامنے آکر جمع ہونے لگیں اور مسلح عورتوں کی ایک جمعیت نے آگے بڑھ کر مجھ سمیت سارے مردوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ مردوں نے سوالیہ نظروں سے میری جانب

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دیکھا۔ میں نے انھیں خاموش اور پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔

"سنو شنتو! قبیلے کی عورتو! میں نے اپنے سامنے جمع عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تمھاری بستی میں ایک بار پھر واپس آیا ہوں لیکن اس بار میں ایک بدلی ہوئی حیثیت میں آیا ہوں۔ میں اپنی اس حیثیت کا اظہار سب لوگوں کے سامنے اس وقت کروں گا جب نارد اور دہیل بھی موجود ہوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ نارد اور دہیل اس وقت کہاں ہیں؟"

نارد اور دہیل دونوں اس وقت جنگل میں پھل جمع کرنے گئی ہوئی ہیں۔" ایک عورت نے جواب دیا۔

"کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ۔ میں ان کے سامنے ایک بہت اہم مسئلہ اٹھانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"پہلے انھیں بلانے کے لیے جا چکی ہے۔" اسی عورت نے جواب دیا۔ "لیکن ان کی آمد میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ یہ مشکل سے کوئی ورگ اس وقت جنگل کے کون سے حصے میں ہوں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم ان کی آمد کا انتظار کریں گے۔ اس وقت تک بالکل پُرسکون رہنا۔ میں یہاں موجود رہوں گا۔ وہ تم لوگ۔" میں نے ہتھیار بند عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ چاہو تو اپنا ہتھیار اسی طرح تھامے رکھ سکتی ہو۔ ہم میں سے کوئی بھی تمھارے ساتھ تعرض کرنے کا ہرگز نہیں کہتا۔"

"ہم مزاحمت کرنے والوں سے نمٹنا خوب جانتے ہیں۔" ایک ہتھیار بند عورت نے گرانی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔ میں اس کے یہ تیور دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا اور پھر یہ مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی۔

میرے لبوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ نے ان کے غصے کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا اور وہ بھی ٹکٹکی باندھے میری طرف دیکھنے لگی۔

کافی دیر گزر گئی۔ اس دوران متعدد عورتیں آ کر مجمع میں شامل ہوتی گئیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ دس بارہ سال کی عمر کے کئی لڑکے بھی مجمع میں شامل ہو چکے تھے۔ ان کے چہروں پر تجسس کے ساتھ ساتھ خوف کے تاثرات بھی نمایاں تھے۔ وہ سب کے سب لڑکے تھے۔ ان میں کوئی لڑکی نہیں تھی۔

بالآخر کافی دیر گزر جانے کے بعد دور سے کئی عورتوں کا ایک چھوٹا سا گروہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ ان میں سے ایک عورت کافی فاصلے سے ہی چلائی۔ "نارد اور دہیل قریب ہی تھے۔ ہم انھیں لے آئے ہیں۔"

نارد اور دہیل عورتوں کا وہ گروہ سامنے آ گیا۔ اس میں دہیل اور نارد کے علاوہ نمہاں بھی شامل تھی۔ وہی عورت جس سے پہلی ملاقات اس سرزمین پر سب سے پہلے ہوئی تھی اور جسے ڈمبالا سے سب سے پہلے ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔

دہیل اور نارد قدم بڑھاتی ہوئی بالکل میرے سامنے مقابل پر کھڑی ہو گئیں، جبکہ شہال اور دوسری عورتیں اس مجمع میں شامل ہو گئیں جو میرے کچھ فاصلے پر اس انداز میں کھڑا ہوا تھا گویا تماشہ کی فریق مقابلے میں صف آرا ہوں۔ دہیل اور نارد حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں جبکہ ان عورتوں کی نظروں کے سامنے تھا۔ نمہاں نے انھیں پُرسکون رہنے کا اشارہ کر دیا تھا اس لیے وہ خاموش اور پُرسکون تھیں۔ وہاں موجود مردوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جبکہ کنکھیوں سے مجھے گھورنے لگیں۔

"نمہاں!" دہیل نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شکون دیوتا نے تمھاری جان بخشی کر دی تھی اور تمھیں جانے دیا تھا۔ زندہ رہنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ میری ہی سفارش پر شکون دیوتا نے تمھیں معاف کر دیا تھا۔ یہ ساری باتیں تمھیں بتا دی گئی تھیں۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید تم کسی حفظ و امان کا تقرر ہو گئے ہو اور ہم لوگ تو تمھیں بھول بھی چکے تھے۔ لیکن آج تم پھر نمودار ہو گئے ہو اور وہ بھی تنہا نہیں۔ بلکہ قبیلے کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تم تمام مردوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آ گئے ہو۔ آخر تمھاری اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟ کیا دل سے شکون دیوتا کے عذاب کا خوف بالکل نکل گیا ہے؟ کیا یہ بات تمھیں معلوم نہیں کہ شکون دیوتا ان لوگوں کو کیسی کڑی سزا دیتا ہے جو اس کے بنائے ہوئے اصولوں کو توڑتے ہیں؟ یہ تمھیں اس بات کا جواب دینا ہوگا اور نہ بھی تمھارے جسم کے ٹکڑے کر ڈالے جائیں گے۔"

"میرے جسم کے ٹکڑے کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکراہٹ سے جواب دیا۔ "میری بات غور سے سنو۔ میں دہیل ہوں۔ شکون دیوتا کی منظورِ نظر بھی۔ میں اس بات کو دل سے مانتا ہوں۔ لیکن میں نے بھی یہ وقت ضائع نہیں کیا ہے۔ جتنا عرصہ میں تمھاری نظروں سے غائب رہا ہوں، وہ عرصہ میں نے شکون دیوتا کی عبادت میں گزارا ہے۔"

"شکون دیوتا کی عبادت میں؟" دہیل نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں دہیل!" میں نے جواب دیا۔ "شکون دیوتا کی عبادت میں۔ تم لوگوں سے بہت زیادہ دور نہیں گیا تھا میں۔ گھنے جنگل کے ایک پہاڑ کے اندر۔ وہاں پر خود شکون دیوتا نے مجھے بھیجا تھا۔ میں نے پورے نو دن شکون دیوتا کے لیے دعا کی تھی۔ اس کی عبادت کی تھی۔ دن شکون دیوتا کے لیے مخصوص

سلگ رہا ہاتھ پیر مارتے ہوئے۔ یوں لگتا تھا کہ میں آگ کا لمس بھوں چکا ہوں۔ مجھے ایک عرصے سے مثل آتش کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ آگ میں کودنے کے بعد جیسے میرا رواں رواں کھلا جا رہا تھا۔ میرا سارا جسم آگ کی توانائی اور حرارت کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ جیسے ایک ایک مسام میں آگ کی تپش سرایت کر رہی تھی۔ مجھ پر ایک نشے کی سی بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ شعلے ایک ایک کر کے میرے جسم کو چاٹ رہے تھے اور میرا جسم شعلوں سے لپٹ رہا تھا۔

میرے کانوں میں ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ باہر کے باہر بہت سے لوگ ایک ساتھ بول رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بولنے والوں میں عورتیں بھی تھیں۔ مرد بچوں سے تو مسلح نوجوانوں کی نگرانی میں دور کھڑے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان کی آوازیں میرے کانوں میں نہیں آ رہی تھیں۔ لیکن عورتوں نے بہت شور مچا رکھا تھا۔ چند وہ سب ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ کیونکہ ان کی گفتگو کے اشارے ہی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ نے غالباً اونچی چیخنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن مجھے ان کے ہونٹوں سے نکلتے تو دیکھا، لیکن تپش کی وجہ سے ان میں سے کسی نے بھی آگ کے قریب آنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ دور ہٹ گئیں۔

کافی دیر تک میں اس بے خود سرشاری کی اس کیفیت سے دوچار رہا۔ میں نے خود کو ایک عالم بے خودی میں گم کر دیا تھا۔ بہت دیر جیسے وقت کا احساس مٹ گیا تھا اور تب میں نے سوچا پروفیسر کو شاید باہر کھڑی ہوئی عورتوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہوگا۔ جبھی وہ رنگ میں آگ میں بہا۔ اتنی دیر میں ایک انسانی جسم کو راکھ کا ڈھیر بنا دینے کے لیے کافی تھی۔ بالآخر میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ میرا جسم حرارت اور توانائی کے وافر ذخیرے کو اپنے اندر جذب کر چکا تھا۔

پھر میں ایک فاتحانہ شان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ مجھے باہر نکلتے دیکھ کر عورتوں میں زبردست شور برپا ہو گیا۔ مرد مسلح عورتوں کی نگرانی میں گویا گرمیری جانب لپکے۔ مسلح عورتیں بھی اپنے ذمہ نصب کی گئی فرائض کو بھول کر تیزی سے میری طرف دوڑیں۔ ہر طرف ایک حشر کا سماں برپا تھا۔ سب سے پہلے وہ عورت میرے قریب آنے والی جو میرے ذہنی عقیدت سے ہاتھ ملانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے پوری طرح اپنی گرفت میں لینا چاہا لیکن وہ ایک چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ میرا ہاتھ چھو لینے سے اس کا ہاتھ بری طرح جل گیا تھا۔ یہی حال ہر اس عورت کا ہوا تھا، جو آگ میں سے نکلتا ہوا میرا جسم چھو لیتی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی ہر عورت کا ہاتھ بری طرح جل گیا تھا۔ یہی حال ہر اس عورت کا ہوا تھا، جو آگ میں سے نکلتا ہوا میرا جسم چھو لیتی تھی۔ میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی ہر عورت کا ہاتھ بری طرح جل گیا تھا۔ یہی حال ہر اس عورت کا ہوا تھا، جو آگ میں سے نکلتا ہوا میرا جسم چھو لیتی تھی۔

سب کی سب مجھے اچھی طرح دیکھ سکیں۔ ان کی آنکھوں میں حیرت اور عقیدت کی جھلک نظر آ رہی تھی۔

"تم نے جو بیڑا اٹھایا تھا، وہ پورا کر دیا ہے۔" شکان دیوتا نے کہا۔ "اب تم آگ کو ہمیشہ کے لیے بجھا سکتے ہو۔ تم نے آگ کو ہمیشہ کے لیے بجھا دیا ہے۔ اب تم آگ کے دیوتا ہو۔ آگ نے تم سے ہار مان لی ہے۔ اب تم آگ کے حکمران ہو۔ اب تم آگ کے دیوتا ہو۔ اب تم آگ کے دیوتا ہو۔ اب تم آگ کے دیوتا

حیثیت و برتری کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا تو وہ دونوں خوش ہوگئیں۔

دیمل اور ہارو دونوں میرے پاس آئیں اور دیمل کہنے لگی۔

"عظیم شیلا، اگرچہ میں اس قبیلے کی روحانی پیشوا ہوں لیکن میں اپنے ہر کام میں تمہیں شریک رکھنا اپنے لیے باعث فخر سمجھوں گی۔ تم میرے فیصلوں میں برابر کے حصہ دار ہوگے کیونکہ تمہیں بھی شکان دیوتا کی قربت حاصل ہے۔"

"نہیں دیمل۔" میں نے سختی کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ شکان دیوتا نے مجھے تم لوگوں تک اپنے احکامات کی ترسیل کا ذریعہ بنایا تھا۔ میں نے وہ احکامات پہنچا دیے۔ اور تم نے ان کی تعمیل کر لی۔ میرا کام ختم ہو گیا۔ اب قبیلے کی روحانی پیشوا کی حیثیت سے تم جو بھی فیصلے کرو گی وہ دوسروں کی طرح میرے لیے بھی قابل قبول ہوں گے۔ میں تمہارے حق میں تمہارا حصہ دار نہیں بننا چاہتا۔"

بات دراصل یہ تھی پروفیسر کہ میں نفسیاتی حربے کے استعمال کے ذریعے دیمل کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا مجھے یقین تھا کہ میرے اظہار لاتعلقی کی بدولت ایک طرف تو اس کی نظروں میں میری وقعت بڑھے گی اور دوسرے یہ کہ اگر وہ کسی وقت کوئی غلط قدم اٹھائے گی تو میں اسے اپنا اخلاقی فرض متصور کر کے روک سکوں گا۔

"میں ہارو سے بھی یہی بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اس قبیلے کی سردار ہے اور اس کی یہ حیثیت اسی طرح برقرار رہنی چاہیے جس طرح اس وقت ہے۔ ہاں، یہ ٹھیک بات ہے کہ قبیلے کی ساری عورتیں اور مرد اس کے بھائی کسی اور کو سردار بننا چاہیں تو چن سکتے ہیں لیکن میں ہرگز وہ شخص نہیں ہوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ قبیلے کے کسی شخص کی ذات سے کوئی شکایت نہیں ہے اور وہ سب کے سب اسے دل سے پسند کرتے ہیں کیوں لوگو کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟" میں نے مجمعے کی طرف مخاطب کر کے کہا۔

"نیا پو ٹھیک کہہ رہا ہے، وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" سیکڑوں عورتوں کی ملی جلی آوازیں بلند ہوئیں۔ "ہمیں ہارو سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" ہارو بہت جذباتی ہے۔ یہ جملے سنتے ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگی۔ یہ دیکھ کر دیمل سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور وہ بھی رونے لگی۔ ہارو کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

"شکان قبیلے کے لوگو۔" میں نے دوبارہ کن اکھیوں سے مجمعے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم سب نے سن لیا ہے کہ ہماری عورتوں کی طرف سے ہارو اور دیمل کو منتخب کیا گیا ہے۔ اب ہم سب آپس میں مل جل کر رہیں گے، ہماری بستیاں ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوں گی، کسی کے گرد مستقل پہرہ نہیں ہوگا۔ اب کسی مرد کو بلاک نہیں کیا جائے گا۔ شکان دیوتا کے حکم کے مطابق اب ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے جو ہماری پرانی زندگی کے مقابلے میں زیادہ خوشگوار اور پُرمسرت ہو گی۔ بچے، اپنے سے الگ بستی بسانا یہ ٹھیک ہے کہ ہر انسان ایک دوسری دنیا ہے، تمہاری جلد کی رنگت تمہاری جلد کی رنگت سے مختلف ہے دیکھو ہاں کا رنگ تمہارے ماں کے رنگ سے الگ ہے لیکن میں بھی تمہاری طرح

ایک انسان ہوں اور تمہیں اس بات کا اب اسی طرح یقین ہو چکا ہے گا جس طرح اس بات کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ جب ہماری اس قبیلے کے لوگوں پر مصیبت آئے گی تو اس سے نبرد آزما ہونے میں تم لوگ مجھے اپنے سے پہلے پاؤ گے۔"

"نیا پو عظیم ہے، نیا پو عظیم ہے۔" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔

"آج جبکہ ہم نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں، میں رات کے وقت جشن کا اعلان کرتی ہوں۔" دیمل نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہم شکان دیوتا کے لیے تشکر کے طور پر آج رات زبردست جشن منائیں گے جس میں تم سب شریک ہو گے۔"

جشن کا نام سنتے ہی جیسے سارے لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور عجیب ہیجانی انداز میں چیخ چلا کر حق سے آذریں کا نعرہ لگانے لگے۔ دیمل نے جی بھر کے بولنے کا موقع فراہم کر دیا۔

مردوں نے اب پہاڑوں کے پار اپنی بستی میں واپس جانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ خود عورتوں نے اپنے جھونپڑوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔

شام ڈھل گئی اور رات کی سیاہی نے اپنی چادر پھیلا کر چاروں طرف پھیلانا شروع کر دیا۔ بستی کے وسطی میدان میں جگہ جگہ مشعلیں روشن کی گئیں۔ ہڑپہ کے مانند جیسے ہی رات کا پہلا پہر شروع ہوا تو ہر طرف ناچ گانے کا سماں بندھ گیا۔ ہر طرف ہر قسم کے پکے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے رکھے گئے تھے۔ ہر قسم کے پھل اور شراب کی فراوانی تھی۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ناچ رہے تھے۔ ہر طرف ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر طرف خوشیوں کا سماں تھا۔ گویا یہ بھی خوشیوں کا تہوار تھا۔

پھر پروفیسر رات بھیگنے لگی اور لوگوں کی تھکاوٹ پر حاوی ہونے لگی۔ شراب کے دور چلنے لگے۔ مشعلوں کی روشنی دھندلی پڑنے لگی۔ ایک عجیب پُراسرار منظر پیش کر رہے تھے۔ بے خودی کی کیفیت کا غلبہ طاری ہو گیا۔ شراب کی تشنہ سیال سیلنوں میں جسم کے رگ و پے میں تک اتر گئی اور۔

اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ سورج کی کرنوں کی چمک نے دیکھتے ہی دیکھتے سارے میدان میں چاندی بکھیر دی اور اس کے ساتھ ہی احساس بڑھنے لگا۔ رات بھر کے وہ ہنگامہ خیز جشن میں زندگی کی لہر دوڑنے لگیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر بیٹھنے لگے اور پھر اپنے اپنے جھونپڑوں کی سمت روانہ ہو گئے۔ مجھے بھی مرد مسکرا کی تھکی ہوئی چاندی کی سیاہی تھا۔ افق پر کنارے پر بیٹھا ہوا سورج اپنی ساری خشر سامانیوں کے ساتھ ریز تھا۔ بستی میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ لوگ اپنے جھونپڑوں میں جھونپڑے سکاٹ دسامات کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے خاموشی کی آغوش میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سوائے ان چند لوگوں کے جو رات دیوں کی بستی کے بعد گھر کر اس طرف آ گئے تھے اور رات کو کھائے جانے والے کی بچی کھچی ہڈیوں کو بھنبھوڑ رہے تھے۔

طرف موت کا سناٹا چھا رہا تھا۔ کسی کسی وقت وہ چیخیں سے [illegible] اور [illegible] کے چاہنے والوں کی [illegible] اور [illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے



بتاتا تھا۔ میں اب تک ڈرائنگ میں قبیلوں کو قریب سے دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے ایک تو شمنوری قبیلہ تھا جس میں سب سے پہلے ہاتھ اس کے بعد میں آیا اور وہ قبیلوں کے لوگوں کے درمیان میں ہو۔ ان تمام قبیلوں کی زندگی تقریباً ایک جیسی تھی۔ کوئی بہت بڑی فرق نہیں تھا۔ یوں ان تمام قبیلوں کی حیثیت ظاہر ہو۔ ظاہر ڈیفنڈ کی وجہ سے وہ بڑی بہادر قومیں تھیں۔ لیکن اب حقیقت یہ تھی زیادہ نہیں تھی۔ مجھے تو ابھی بہت کچھ دیکھنا تھا میں نے فیصلہ کر لیا تھا قبیلے کے لوگوں کو کچھ نئی چیزیں سکھاؤں۔ ان کی زندگی کو آسان بنا دوں۔

پہلی بچہ میں نے قبیلے والوں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے میں نے آگ کے متعلق استعمالات سکھائے۔ وہ انہیں گوشت پکا کر یا بھون کر کھانے کے لیے سکھائے قبیلے والے گوشت بھونتے اور پھر کھاتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ گوشت کو ابال کر بھی کھایا جا سکتا ہے۔ اس سے گوشت زیادہ لذیذ ہو جاتا ہے۔ اس طریقے سے گوشت کھانے کی تجویز پیش کی تھی تو عمر نے کتنا ناپسند کیا تھا اور اس نے کتنی خفگی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس وقت حالات یہ نہیں تھے۔ وہ اپنی بات کی اہمیت کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے جب گوشت پکا کر اور جوں کر کھانے کی تجویز پیش کی تھی تو عمر نے کہا تھا کہ جس چیز سے میں نے یا ہوں، وہ میں گوشت کبھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر یہ کہ اگر کچا ہے تو وہ میں کی قوت سے تو انہیں کو اس بات کی عادت ہو گئی تھی کہ اگر وہ گوشت پکا کر کھایا جائے تو کھا سکتے ہیں۔

رفتہ رفتہ میں نے انہیں یہ سمجھایا کہ انسان کے لیے گوشت کھانا ایک مکروہ فعل ہے۔ اب تک قبیلے میں یہ رسم بھی آ چکی تھی کہ اگر کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کی ساری لوگ مل کر اس کا گوشت بھون کر کھاتے تھے۔ مجھے ان لوگوں کو یہ بات سمجھانے میں بڑی مشکل درپیش تھی کہ انسان کے لیے انسان کا گوشت کھانا کیوں ایک مکروہ فعل ہے۔ کئی مہینوں کی جدوجہد کے بعد مجھے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہونی اور میں اس وقت بہت خوش ہوا جب شمنوری قبیلے کی رہنما پیشوا دیل نی جانب سے باقاعدہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سے قبیلے میں انسان کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔

جب ان لوگوں کی ہم خوری کی مکروہ عادت ختم ہو گئی تو پھر میں نے انہیں موسمی باتی کی طرف لگانے کی کوشش کی۔ میری یہ بات میں شروع شروع میں نہایت حیرت انگیز اور ناقابل یقین لگتی رہی لوگوں کو کھانے کے علاوہ بھی ان سے کچھ فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ ماں لوگوں نے سوائے کتوں کے اور کسی جانور سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ جانوروں سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

میں نے سب سے پہلے کچھ جنگلی گایوں اور بھینسوں کو قابو کیا اور انہیں مضبوط رسیوں کے ذریعے درختوں کے ساتھ باندھ دیا پھر میں نے قبیلے کی عورتوں کو ہدایت دی کہ وہ ان جانوروں کو ایک ایک دو دو روز تک بھوکا رکھنے کے بعد انہیں کھانے کو دیں۔ انھوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ اس طرح ہفتہ بھر میں قبیلے والوں نے جانوروں کو [illegible]

کوئی سال بھر کی محنت کے بعد میں نے شمنوری قبیلے کو [illegible] ... اب قبیلے میں دودھ کی بھی کافی مقدار ہو جاتی تھی۔ گوشت کے دودھ کی وجہ سے لوگوں کی صحت بہت اچھی ہو گئی تھی۔ ان میں [illegible] بیماریوں کا نام و نشان تک نہیں رہا تھا۔ ان کی عمریں بھی بڑھ گئی تھیں۔ ہر بات کی خبریں دیتے تھے۔ اب قبیلے کی عورتیں بڑے آرام سے [illegible] بھینسوں اور گایوں کا دودھ دوہ لیتی تھیں۔ وہ قبیلے میں [illegible] تھیں۔ تدریج ان لوگوں کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی۔ وہ پہلے سے [illegible] کی کوششوں میں مصروف تھا۔

چھ ماہ کی مدت مزید گزر گئی۔ اب قبیلہ بڑے مزے سے [illegible] بسر ہو رہی تھی۔ کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کوئی جنگ نہیں تھی۔ قبیلے کے [illegible] قریبی علاقوں میں چھاپے مارتے تھے۔ اپنے قریبی علاقوں [illegible] شکار کرتے تھے۔ جنگلی پھل جمع کرتے تھے اور سب مل کر کھاتے تھے۔ کوئی بڑے کا خطرہ نہیں تھا۔ بندوق کی کوئی گولی نہیں تھی۔ سوائے اس [illegible] تین افراد کو قبیلے میں کسی مدتک معلومی حیثیت حاصل تھی۔ [illegible] تھے میں خود، ویل اور نارمن۔ تو قبیلے کی حمایت حاصل تھی۔ [illegible] بڑا فائدہ لگے جاتے تھے کیونکہ میں شکار اور مویشی کی قدر [illegible] لیکن کھانے پینے میں ہمارا حصہ بھی باقی لوگوں کے مساوی ہی [illegible] ہمارے ساتھ کوئی خاص امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔

[illegible] نے انہیں [illegible] کہ ان لوگوں کی زندگی کس قدر سادہ [illegible] بات کی تھی۔ محدود وقعتیں۔ بنے بنائے طور طریقے گھڑی چوکھٹے [illegible] پھوٹے گول لوٹے کے چھوٹے بنائے تھے۔ تو انہیں بھی [illegible] بس ہوتی تھی لہٰذا وہ پندرہ بیس بیلتے تھے۔ ... خواہشات کی [illegible] کوئی۔ کائنات حائل نہیں تھی اور رہن کے سامنے میں تو یہ لوگ [illegible] سے بھی بڑے نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وقعیہ کو تقدیم کرنے کا [illegible] اسی اور ہر چیز مطمئن تھا۔ آج کی دنیا والے اس کا اندازہ نہیں [illegible] تھے۔ وہ گمان میں بھی یہ بات نہیں لا سکتے تھے کہ انسان [illegible] کائنات سے کٹا ہوا بھی [illegible] ہے پرو وقعیہ کر اس عمدہ کے انسان [illegible] کوئی بھی مسائل درپیش نہیں تھے۔ مسائل تھے۔ لیکن ان کی نوعیت [illegible] تھی۔ اس زمانے میں بھی زندگی بڑی مشکل تھی۔ جنگلی جانوروں، [illegible] سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ پھر خوراک [illegible] کا بھی [illegible] کوئی نہ کوئی سئر اس عمدہ کے انسان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن وہ اپنے [illegible] ہوئے سارے مصائب کو دیوتاؤں کی مرضی سمجھ کر قبول کر [illegible] تھا اور اپنی قسمت پر شاکر ہو کر زندگی گزار جاتا تھا۔ اب میں اس سلسلے کے [illegible] قریب واقعے کا تذکرہ کرتا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے شمنوری [illegible] میرے وقار میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

جاڑوں میں اور اس پاس کے دنوں میں جنگل میں ہر طرف [illegible] سے بھرے ہوتے تھے۔ بڑے بڑے اور طرح طرح کے پھلوں کے [illegible] جھنڈوں کے اندر گھستے پھرتے تھے۔ وہ کھانے پینے کی بڑی [illegible] سمجھتے تھے۔ [illegible] بہت کرتے تھے۔ اب چونکہ قبیلے میں مویشیوں کی بھی [illegible] ہو گئی تھی لہٰذا قبیلے والوں نے دودھ کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا۔ [illegible] دودھ کے برتنوں کے اس پاس بھی منڈلاتے رہتے تھے۔ تقریباً ہر [illegible] برتنوں کے بل موجود تھے اور رات کی تاریکی میں چوروں [illegible] کے بل لگا کر کئے پیتے تھے۔ [illegible] کی کوشش میں ادھر [illegible] اور دودھ گرا دیتے تھے۔

سردیوں کا موسم شروع ہونے میں ابھی کافی دیر تھی۔ [illegible] کے سامنے لوگ میدان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دن بھر کا کام [illegible] تھا اور اب فراغت کا وقت تھا۔ میں اکثر ان لوگوں کو جمع کر کے میں [illegible] کہتے رہتا تھا کہ میرا تعلق عام لوگوں سے نہیں ہے۔ میں [illegible] سمندر پار سے آیا ہوں۔ میرے ملک میں بڑی بڑی باتیں [illegible] ہیں۔ میں وہاں کی باتیں سنا کر انہیں [illegible] کرتا رہتا تھا۔ اس وقت میں انہیں [illegible] سنا رہا تھا۔ [illegible] کے بارے میں بتا رہا تھا کہ [illegible] ہیں۔ [illegible] ہیں۔ [illegible] ہیں۔

ہوتے تھے۔ انسانوں کے پاس دیوتاؤں سے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ وہ خود کو قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔

"یہ ہمارا جرم ابھی مر جائے گا۔" میں نے دیسل سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اور اس کے مرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ساری بستی پر زبردست تباہی نازل ہونے والی ہے۔ اگر یہ چور ابھی ہماری نظروں کے سامنے مر جائے تو کچھ نہ کچھ تباہی بستی میں داخل ہو رہی ہے اور ہمیں فوراً یہ علاقہ چھوڑنا ہوگا۔"

"علاقہ چھوڑنا ہوگا؟" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ "مگر کیوں؟"

ظاہر ہے پروفیسر کہ میں ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے وہی طریقہ استعمال کر سکتا تھا جو ان کے لیے قابل قبول ہوتا۔ چنانچہ میں نے اسی طریقے سے انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ چور جسے کامرتا اس بات کی علامت ہوگا کہ اس بستی پر بڑی خوفناک قسم کی بدروحوں کا حملہ ہونے والا ہے اور وہ بدروحیں ہم سب لوگوں کو چاٹ کر ڈکار جائیں گی۔ شنکان دیوتا ہم سب پر مہربان ہے، اس لیے اس نے ہمیں پہلے ہی اس آفت سے خبردار کر دیا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس کے اشارے کو سمجھیں اور اس کی ہدایت پر عمل کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک آدھ شخص بدروحوں کے حملے کا شکار ہو کر ہمارے یہاں سے نکلنے سے پہلے ہی مر جائے۔ لیکن پھر بھی زیادہ تر لوگوں کی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔ تم سب لوگ اس بات پر تیار ہو جاؤ کہ ہمیں یہ بستی چھوڑنی ہوگی۔"

میری اس بات کے جواب میں چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا۔ دیسل یا نارو نے میری اس تجویز پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ وہ دونوں خاموش تھیں۔ اگر انھیں میری تجویز سے اختلاف تھا، یا اس میں انھیں کسی قسم کا شک و شبہ تھا تو بھی ان کے اندر اتنی جرأت نہیں تھی کہ میرے سامنے کھل کر اس بات کا اظہار کر سکیں۔

اور پھر ان سب لوگوں کی نظروں کے سامنے ہی چور نے دم توڑ دیا۔ وہ سانولا سیاہ رنگ کا چور بالکل بے حرکت پڑا تھا۔

"یہ تو شاید مر چکا ہے۔" زالی نے کہا اور اٹھ کر اس کے قریب جانے لگی۔

"رک جاؤ زالی۔" میں نے چلا کر اسے حکم دیا۔ زالی وہیں رک گئی۔ "اس کے قریب مت جانا۔ اسے بدروحوں نے ہلاک کیا ہے۔ اگر تم اس کے قریب گئیں تو تمھارا بھی وہی حشر ہوگا جو اس کا ہوا ہے۔ اپنی جگہ پر واپس آ جاؤ۔"

زالی نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور واپس آ گئی۔

"مسٹر لوگو۔" میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے کبھی اس شخص کا جسم بہت گرم ہو جانے، آگ کی طرح تپنے لگے اور اس کے جسم کے کسی حصے پر کوئی نقطی نمودار ہو جائے، تو اس شخص کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بدروحوں کے حملے کا شکار ہو گیا ہے۔ اس کی بچت کوئی نہیں ہو سکے گا اور وہ شخص ہمارے ساتھ آگے نہیں جائے گا۔ ہم اسے چھوڑ جائیں گے کیونکہ موت اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ اور شنکان دیوتا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں۔"

اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور چور کسی دوسری جانب سے نمودار ہوا اور ہماری نظروں کے سامنے میدان میں گر کر ڈھیر ہو گیا۔ لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ ان کے چہروں سے وحشت ٹپکنے لگی۔ انھوں نے یہ منظر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مگر کچھ یہاں تو چور ہے، اسے اسی طرح چھوڑ دو۔" میں نے لوگوں سے کہا۔ "اب کوئی شخص اپنے چھوٹے پیٹ میں نہیں جائے گا۔ چور کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور ہم یہاں سے ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جائیں گے۔"

"لیکن ہمیں اپنے ہتھیار، یعنے کے لیے تو چھوٹے پیٹ درکار ہوں گے۔" نارو نے پریشان ہو کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں پریشان ہونے کی بات نہیں۔ تم سب لوگ یہیں چھوٹے پیٹ میں ہر ایک کے چھوٹے پیٹ میں جائیں گا اور ہتھیاروں کے علاوہ برتن وغیرہ بھی اٹھا لاؤں گا۔ ہمیں مشعلوں کی بھی ضرورت ہوگی کیونکہ ہمیں رات کو سفر کرنا ہے۔ ہم کہیں نہیں رکیں گے۔ راتوں رات ہمیں اس علاقے سے بہت دور نکل جانا ہے تاکہ بدروحیں ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ اب سب لوگ یہیں ٹھہریں اور تم میں سے کوئی بھی مردہ چوہوں کے پیٹ میں گھسنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"لیکن تم تنہا سارے چھوٹے پیٹوں سے سامان اکٹھا کرو گے۔" دیسل نے کہا۔ "کیا میں بھی تمھارے ساتھ چلوں؟"

"نہیں دیسل، اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن ٹیالو۔" دیسل نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "تم طریقے سے شنکان دیوتا کی قربت حاصل ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمھاری طرح میری بھی حفاظت کرے گا۔ میں تمھارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔"

میں دیسل کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ پندار کو خروج ہوتا ہوا دیکھ رہی ہے۔ وہ قبیلے کی روحانی پیشوا اور اس بات کے لیے قبیلے کے سارے لوگوں کے سامنے وہ اس بات میں بے عزتی اور بے توقیری محسوس کر رہی تھی کہ بدروحوں کے حملے، خوف سے وہ چھوٹے پیٹوں میں داخل نہ ہو، اور تنہا میں ہی چھوٹے پیٹ سے سامان نکال لاؤں۔ میں اسے روکنا چاہتا تھا، کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ چھوٹے پیٹوں کے اندر، جہاں چوہوں کی کثرت تھی، کافی تعداد میں بدروحیں موجود ہوں گی جو دیسل کے جسم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ میں نے کہا۔ "دیسل، یقیناً تم قبیلے کی روحانی پیشوا ہو اور تمھیں شنکان دیوتا کا قرب حاصل ہے۔ لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم یہ کام منتا یا

یا ہاتھ بار کی اور تم سارے چھوٹے پیٹوں کا سامان نکال لاؤ گی۔ تمھیں کوئی تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں ٹیالو۔" دیسل نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ جاؤں گی۔ جب ہم دونوں کو شنکان دیوتا کا قرب حاصل ہے تو وہ ہم دونوں کی مدد کرے گا اور ہمیں محفوظ رکھے گا۔ مجھے اپنے ساتھ جانے سے مت روکو۔"

"تمھاری مرضی ہے۔" میں نے پسپائی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ چاہتا تھا کہ یہ کام تو ہی تنہا انجام دے لوں لیکن اگر تم ضد کرتی ہو تو مجھے تمھیں روکنے کا کوئی حق نہیں۔"

"بات ضد کی نہیں ہے ٹیالو۔" دیسل نے نرمی سے کہا۔ "میرا اور تمھارا ساتھ ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ شنکان دیوتا اس بات سے اعلم نہ رہے کہ ہم دونوں اس کی ہر ہدایت پر عمل کرنے میں برابر کے شریک ہیں اور اس کے احکامات کی مل کر پیروی کرتے ہیں۔"

میں خوب سمجھ رہا تھا کہ اصل بات یہ نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ تھی کہ وہ قبیلے میں اپنی حیثیت کو میرے مقابلے میں گرنے نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ اب کھڑی ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ ہمیں سارے ہتھیاروں، برتنوں، مچھلی پکڑنے کے جال وغیرہ کے علاوہ مشعلیں بھی جمع کرنی ہیں کیونکہ ہمارا سفر رات میں جاری رہے گا۔ چلو، جلدی کرو۔"

میں اور دیسل سب سے پہلے نارو کے چھوٹے پیٹ میں داخل ہوئے کیونکہ سب سے زیادہ ہتھیار اور دیگر سامان اسی چھوٹے پیٹ میں تھا۔ اور جوں ہی دیسل نے چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹایا، لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر ایک چھلانگ لگا کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے تو سے دیکھا۔ دروازے کے عین سامنے دو موٹے تازے سیاہ رنگ کے چوہے دم پٹخ رہے تھے۔ دیسل ان مردہ چوہوں کو چھلانگ لگا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ میں نے اپنے ہیرے کی ٹھوکر سے ان دو چوہوں کو ایک طرف کر دیا۔

ہم نے جلدی جلدی نارو کے چھوٹے پیٹ سے ہتھیار، برتن اور مشعلیں اکٹھی کیں۔ پھر بھی ہمیں اس میں کچھ وقت لگ گیا۔ باقی چھوٹے پیٹوں سے سامان اکٹھا کرنے میں ہم نے زیادہ دیر نہیں لگائی اور جلدی جلدی ساری چیزیں جمع کر لیں۔ بہت سے غیر ضروری ہتھیاروں کو ہم نے وہیں چھوڑ دیا۔ میں نے زیادہ تر سامان کو مچھلی پکڑنے کے ایک جال میں باندھ لیا تھا اور اسے آسانی سے اپنے کندھے پر لاد لیا تھا۔ دیسل نے میرے چوہے میں منتقل ہونا چاہا لیکن میں نے اسے فضل نظر دیا۔ بہت سا سامان اٹھا لیا اور باقی سارا بھاری سامان میں خود اپنے کندھے پر لاد کر لایا۔

میں نے اور دیسل نے متعدد چھوٹے پیٹوں میں مردہ چوہے دیکھے۔ ایک چھوٹے پیٹ میں ایک بچہ ہمارے نظروں کے سامنے اسی طرح چیخ رہا تھا اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بہت سے چھوٹے پیٹوں میں نیم مردہ چوہے سسک رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ پروفیسر کہ طاعون کی وبا نے اچانک بڑی شدت کے ساتھ حملہ کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اب تک یہ جراثیم بہت سے لوگوں کے جسموں تک پہنچ چکے ہوں گے اور بستی والوں میں سے نہ جانے کون کون طاعون کا شکار ہو جائے گا۔

دیسل چھوٹے پیٹوں کے اندر مردہ اور نیم مردہ چوہوں کی تعداد دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے سے سخت دہشت ٹپک رہی تھی۔ میں نے اسے کبھی بھی اتنا زیادہ خوفزدہ نہیں پایا تھا۔

"ٹیالو۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "بدروحوں کا یہ حملہ تو بہت شدید معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ایک بات تو میری سمجھ میں یہ نہیں آئی کہ بدروحوں نے چوہوں کو ہی پہلا نشانہ کیوں بنایا ہے؟ شاید میں شنکان دیوتا سے یا لوگوں تو مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل جائے۔"

"شنکان دیوتا کو سب کچھ معلوم ہے دیسل۔" میں نے اسے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اور اصل بدروحوں کے اس حملے کا اصل رخ انسانوں کی طرف تھا، لیکن شنکان دیوتا نے ہم لوگوں کو خبردار کرنے کی غرض سے پہلے چوہوں کو ان بدروحوں کا نشانہ بننے کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ بدروحیں بڑی طاقت ور اور بہت ناپاک ہیں۔ یہ انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ شنکان دیوتا نے ہمیں ان بدروحوں سے محفوظ رکھنے کا بھی انتظام کیا ہے۔ اس لیے اس نے اشارے دیے کہ ہم اس کی بات سمجھ لیں اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے، اس علاقے سے نکل جائیں۔ تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چھوٹے چوہوں میں کتنے بہت سے چوہے مرے پڑے ہیں۔ اگر شنکان دیوتا ہم پر مہربان نہ ہوتا تو ان چوہوں کی جگہ انسان مرے پڑے ہوتے۔"

میں سامان کی بہت بڑی گٹھڑی اپنے کاندھے پر لادے ہوئے تھا اور بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں دیسل نے سنبھال رکھی تھیں۔ خاصی دیر میں ہم لوگ قبیلے والوں کے پاس پہنچ گئے جو اسی طرح اپنی جھونپڑیوں پر بیٹھے ہوئے تھے جس طرح ہم انھیں چھوڑ کر گئے تھے۔ میں نے سامنے مویشیوں کی رسیاں کھول کر انھیں بھی آزاد کر دیا تھا۔

"سامان جمع کر لیا گیا ہے۔ سب لوگ فوراً یہاں سے چل پڑیں۔" میں نے کھڑے کھڑے کہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ یہاں مزید ایک منٹ بھی قیام کریں۔

"لیکن ہم کس طرف اور کہاں جائیں گے؟" نارو نے سوال کیا۔

"سب سے پہلے ہمیں سمندر کے کنارے پہنچنا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح سمندر میں نہانا ہوگا اور خاص طور سے اپنی آنکھیں اچھی طرح دھونی ہوں گی۔ ہمیں ان سارے ہتھیاروں اور مچھلی پکڑنے کے جالوں اور برتنوں کو بھی سمندر کے پانی سے اچھی طرح دھونا پڑے گا۔ سمندر کا پانی بدروحوں کو ناپسند ہوتا ہے اور سمندر کے پانی کے استعمال سے بدروحوں کے اثر میں کافی کمی ہو جاتی ہے۔ ہم سب لوگوں کو سمندر کے پانی میں اچھی طرح غسل کرنے کی ضرورت ہے۔"

کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اور میری ہدایات میں پورا قبیلہ، جس

Optimized by www.ImageOptimizer.net

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہیں نظے منظے پیڑ بھی شمال سے، سمندر کی جانب روانہ ہو گئی۔ قبیلے کے کئی مردوں نے میرے اوپر لدے ہوئے سامان کا کچھ حصہ خود لینا چاہا، لیکن میں نے انھیں منع کر دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس سامان میں طاعون کے جراثیم ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ اس کو چھونے والا کوئی شخص ان جراثیم کی زد میں آ جائے جہاں تک دیبل کا تعلق تھا، تو وہ سامان کا محض اسا حصہ تھا جسے میں نے اور میرے ساتھ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے والے قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے کندھے پر سامان سے بھرا ہوا جھولا لٹکا رکھا تھا۔ کئی لوگوں نے ایک ایک بار پھر پیش کش کی کہ میں کچھ سامان ان کے حوالے کر دوں، لیکن میں نے اس کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی اور خود پر ہی سارا سامان لادے رہا۔

اس طرح ہمارا یہ قافلہ جو قریباً سوا سو افراد پر مشتمل تھا، ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب شام ہو چلی تھی۔ سورج مغرب ہو رہا تھا اور زاویہ میں ہر طرف گہرا اندھیرا پھیل جانے والا تھا۔ میں نے دیبل، نارو اور اسپاہو کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد یہی طے کیا کہ ہم رات کے وقت جنگل میں داخل ہونے کے بجائے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھیں گے تاکہ ہمارے راستہ بھٹکنے کا اور کسی شخص کے قافلے سے بچھڑ جانے کا امکان نہ رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم ساری رات اپنا سفر جاری رکھیں گے اور اس طرح کافی مسافت طے کر لیں گے۔ صبح کو جب دن کا اجالا پھیلے گا تو ہم پھر جنگل میں داخل ہو جائیں گے اور اپنے رہنے کے لیے کوئی اچھی سی جگہ تلاش کر لیں گے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد ہم لوگ آگے بڑھتے گئے۔

تھوڑی دیر بعد جب سورج ڈوب گیا اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا، ہمارے دائیں ہاتھ کو موجیں مارتا ہوا طوفانی سمندر تھا اور بائیں جانب گھنا سیاہ اور تاریک جنگل تھا۔ ہم ساحل کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے لیکن یہ کام بھی اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ ساحل پر جگہ جگہ درختوں کی اونچی اونچی جڑیں اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے ٹکڑے حائل تھے۔

میں نے قافلے والوں کو روک کر مشعلیں جلانے کا حکم دیا۔ ہر قطار میں تین تین مشعلیں روشن کر دی گئیں، اور مشعلوں کی روشنی میں ہم لوگ ایک بار پھر آگے بڑھنے لگے۔ میں نے اپنی زندگی میں ہزارہا حالات سفر دیکھے ہیں پروفیسر! لیکن یہ سفر میری زندگی کے چند یادگار سفروں میں سے ایک تھا۔ سیاہ ڈراؤنی رات، سیاہ گھنا جنگل، سیاہ موجیں مارتا ہوا نیلا سمندر، بدروحوں سے خوف زدہ لوگ، سہمے ہوئے سیاہ فام ہبشی ساتھیوں کا ایک لشکر، چند لالٹینوں کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی لمبی لمبی مشعلیں جن کی زرد روشنی اور مدھم روشنی میں اندھیری رات کے یہ مسافر عجوبوں کی طرح نظر آتے تھے۔

میں چونکہ ساحل کے ساتھ ساتھ اس سے پہلے بھی سفر کر چکا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ کافی آگے جا کر، ڈیجالا قبیلے کا علاقہ آ جاتا ہے اس لیے میں نے اس دفعہ جہاں پر جو کہ "خاف حمت" کہلاتا تھا، ہمارا سفر اس طرف جاری تھا جدھر میں اس سے پہلے نہیں گیا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں ایک بار پھر ڈیجالا قبیلے کے لوگوں سے ملوں۔ میں نے وہاں خود کو ایونتاؤں کا فاتحانہ دورہ فرستادہ ظاہر کر کے ڈیجالا گنگت اور سارے لوگوں کی موجودگی میں ہبرکا جیسا طاقتور انھیں تہہ تیغ کر دیا تھا۔ اس کے بعد میں ان سے یہ کہہ کر واپس چلا آیا تھا کہ میرا کام اکیلے کو تسخیر کرنا تھا اور میں وہ کام سر کر چکا ہوں اور اب میری ضرورت باقی نہیں ہے۔ میں دوبارہ اس قبیلے کے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک ہیرو بنا کر پیش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے اس دفعہ ساحل کے ساتھ ساتھ مخالف سمت اختیار کی تھی۔

اگرچہ آسمان پر ستارے روشن تھے تاہم زمین پر گھری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس تاریکی کو دور کرنے والی بس وہ مشعلیں تھیں جو قافلے والوں کے ہاتھ میں تھیں۔ بحر بیکراں، سمندر، سیاہ آسمان کے ساتھ گھتے ہوئے جنگل سے آتی ہوئی وحشی جانوروں کی عجیب و غریب آوازیں، یہ سب چیزیں مل جل کر ایک عجیب و غریب سفر کا ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ ہمارے یہ ساتھی جو کہ ہبش تھے، تاہم یہ میرے گہرے دوست بن چکے تھے۔ ان کا ہبش ہونا ہمارے سفر میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ ان کی وجہ سے ہمارے سفر میں ایک عجیب سی رومانویت پیدا ہو گئی تھی۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہنستے بولتے، گاتے گنگناتے اور لطیفے سناتے ہوئے سفر کر رہے تھے۔

ہم لوگ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو غروب آفتاب میں زیادہ وقت باقی نہیں تھا۔ میں نے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ خوب اچھی طرح سمندر میں نہائیں۔ قبیلے کے سارے لوگوں کو جتنی گہرا پھیلے بچوں کو بھی، خوب تیرنا آتا تھا۔ سب لوگ سمندر میں کود گئے اور اچھی طرح نہانے لگے۔ میں نے انھیں ہدایت دی کہ وہ اپنی مونچھوں کو گھنٹوں تک خوب اچھی طرح پانی سے ملیں۔ مجھے امید تھی کہ سمندر کا نمکین اور کھاری پانی طاعون کے جراثیم کے لیے بڑی حد تک مہلک ثابت ہوگا۔ وہ لوگ سمندر سے نہا نہا کر باہر آتے رہے اور میں نے ان کے تمام کپڑوں کو مٹی کے بنے ہوئے برتنوں کو اور چھپلیاں پکڑنے کے جالوں وغیرہ کو خوب اچھی طرح سمندر کے پانی میں دھو ڈالا۔ ان سب چیزوں کو سامان ہی کی ذیل میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ نہایت مختصر سا سامان تھا جو کہ زیادہ تر میں نے اور دیبل نے اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ فارغ ہو کر میں نے ایک ایک چیز کو سمندر کے پانی سے دھو ڈالا۔ مجھے یقین تھا کہ اس طرح میں جراثیم کی کافی بڑی تعداد کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

تھوڑی دیر میں سارے لوگ نہا دھو کر فارغ ہو گئے اور میں نے ان سب کو ساحل پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دوستو! قبیلے کے لوگو، ہم ایک مجبوری کے تحت اپنا علاقہ چھوڑ رہے ہیں، لیکن اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا بہت وسیع ہے اور یہ جنگل بہت بڑا ہے۔ اتنا بڑا کہ تم اس کے تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ ہم کسی دوسری جگہ اپنے قیام کا بندوبست کر لیں گے۔ ہمیں تھوڑے تھوڑے تمہیر کرنے ہوں گے اور بس، اس کے علاوہ ہمیں کیا چاہیے؟ ہمارے ساتھ بھتیار ہیں، ورد و گیر سازوسامان ہمارے پاس موجود ہے، ہم لوگ مل جل کر محنت کریں گے اور جلد از جلد نئے چھوٹے چھوٹے تمہیر کر لیں گے۔ جہاں تک مویشیوں کا تعلق ہے، اس بارے میں بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہر جنگل میں چند نہ چند جانور چھوڑ دیں گے اور انھیں سدھا کر اپنے مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو پریشان ہونے یا پنپنا دل چھوڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے دنیا بہت بڑی ہے اور ہم لوگوں کی تعداد تو محض مٹھی بھر ہے۔ ہمیں شکران دینا کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں آنے والی مصیبت سے پہلے ہی آگاہ کر دیا اور ہمیں اشارہ دے دیا کہ ہم بروقت فوری طور پر چھوڑ دیں۔"

میں بولتے بولتے رک گیا اور اپنے ساتھیوں کے ردعمل کا جائزہ لینے لگا۔ تمام لوگ بڑے غور سے میری باتیں سن رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے اعتماد اور احترام کی جھلک موجود تھی۔

"اب میں تم سے ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے ان کے ہجوم پر ہاری ہاری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ ہم نے یہ علاقہ چھوڑ دیا ہے اور ہم یہاں سے جا رہے ہیں، لیکن ابھی تک لگین کے ساتھ ہماری بات نہیں بنی جا سکتی کہ ہم لوگوں میں کس کس پر بدروحوں کا اثر ہو گیا ہے۔ اگر ہم میں سے کسی پر بھی بدروح کا اثر ہو گیا تو ہمیں اسے وہیں چھوڑ دینا پڑے گا اور اپنا سفر آگے کی طرف جاری رکھنا ہوگا اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر چہ یہ بڑے رنج والم اور افسوس کی بات ہوگی کہ ہم اپنے کسی ساتھی کو تنہا چھوڑ کر خود آگے روانہ ہو جائیں، لیکن ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر ہم نے بدروح کے شکار شخص کو اپنے ساتھ رکھا تو وہ بدروح دوسرے لوگوں کو بھی پریشان کرے گی اور انھیں ہلاکت میں ڈالے گی۔ میں تمھیں پہلے ہی بتا دیتا ہوں کہ جو شخص بدروح کا شکار ہوگا اس میں کیا علامتیں ہی ہوں گی۔ اس کا جسم بے حد گرم ہو جائے گا، اس کا چہرہ تمتمانے لگے گا، آنکھیں سرخ ہو جائیں گی اور اس کی بغل یا پھر حصہ میں گردن پر گلٹیاں نمودار ہونا شروع ہو جائیں گی۔ بس اسی وقت یہ سمجھ لینا چاہیے کہ شخص اب ہمارے ساتھ آگے نہیں جا سکے گا۔ ہمارے پاس پینے کے پانی کا کافی ذخیرہ ہے، ہم کچھ پانی ایک برتن میں اس کے پاس چھوڑ دیں گے اور کوئی جانور شکار کر کے اس کے پاس رکھ دیں گے۔ اگر بدروح نے کسی طرح اس کا پیچھا چھوڑ دیا اور وہ بچ گیا تو بعد میں ہمارے قدموں کے نشانات تلاش کرتا ہوا ہم تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر بدروح نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تو ہم اس کی موت پر صرف افسوس کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسے موت کے منھ سے بچا نہیں سکتے۔ کیا تم لوگوں نے میری باتیں اچھی طرح سن اور سمجھ لی ہیں؟"

"ہاں، ہم نے سب کچھ سن اور سمجھ لیا ہے۔" مختلف گوشوں سے آوازیں بلند ہوئیں۔

"میں اس بات کا پورا یقین ہے کہ عظیم شیا جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں شکران دیوتا کی مرضی کو دخل ہے۔" نارو نے کہا۔

"بے شک۔" دیبل بولا۔ "شکران دیوتا عظیم ہے اور اس نے اس سلسلے میں ٹیلو کو ہماری راہنمائی مقرر کیا ہے۔ ٹیلو جو کچھ کہہ رہا ہے، شکران دیوتا کی مرضی سے کہہ رہا ہے۔ میں نے خود ٹیلو کے ساتھ مجسمہ پر سجدہ شکر ادا کیا تھا۔"

ہر جگہ ہر چہرے مرے پڑے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی بدروحوں نے ایک ساتھ ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ ہمیں اب جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

ہم نے دیکھا پروفیسر کہ لوگ لاشوں پر شدید خوف و دہشت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ بدروحوں کے حملے کی خبر نے ان کے وجود کو لرز کر رکھ دیا تھا۔ وہ جلدی جلدی چلنے کے لیے تیار ہونے لگے۔ ہاں دیبل اور میں نے کسی نے جانوں کو پکڑ لیا تھا اور میں ایک کلہاڑی کو اپنی کمر سے باندھ کر اپنے کاندھے سے لٹکا لیا تھا۔

گینڈے کی ہے اور پیروں کی دھمک بھی اسی کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں دیکھ کر وہ بھاگ جائے گا۔"

"لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی قطار کے درمیان میں گھسنے کی کوشش کرے۔" نارو نے کہا۔ "وہ بڑا خطرناک اور موذی جانور ہے۔ اگر وہ کسی انسان پر حملہ کر دے تو پھر اس کا زندہ بچنا ناممکن ہوتا ہے۔"

ابھی یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ مجھے اپنے سامنے ایک زبردست جھاڑی بھر کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ کالا بڑا سا بھوت یا کوئی اور خوفناک مخلوق۔ جھاڑی کی شاخیں ہل رہی تھیں۔ وہ واقعی ایک قوی الجثہ گینڈا تھا۔ جو ہم سے کچھ دور کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھ لیا تھا کہ ہمیں دیکھ رہا تھا، سب لوگ سہم گئے تھے۔

"ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔" ویمل نے کہا۔ "یہ گینڈا سامنے سے حملہ نہیں کرے گا کیونکہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں ہیں۔ لیکن قطاروں کے درمیان کسی ایسی جگہ سے لوگوں پر حملہ کر سکتا ہے جہاں مشعلیں موجود نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ان لوگوں کی باتیں سن کر کہا۔ "قبل اس کے یہ گینڈا ہم میں سے کسی پر حملہ آور ہو، ہم خود ہی کیوں نہ اسے ہلاک کر ڈالیں؟"

گینڈے کو مارنا آسان کام نہیں ہے ٹیابو۔" نارو نے کہا۔ "وہ بہت مضبوط جسم کا مالک ہوتا ہے اور چھوٹے موٹے ہتھیار تو اس پر اثر بھی نہیں کرتے۔"

"میں خطرناک جانوروں کو ہلاک کرنے کا ماہر ہوں۔" میں نے اپنے کاندھے پر لدا ہوا بوجھ اتار کر زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا نارو، کہ پہلے میں نے کس طرح تم لوگوں کے سامنے ہاتھی کو ہلاک کیا تھا۔ آج گینڈے کی باری ہے۔"

میں سان کی گٹھڑی زمین پر پھینک کر گینڈے کی طرف بڑھا جو اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔

"تمہیں کوئی ہتھیار لے لینا چاہیے ٹیابو۔" ویمل خوفزدہ آواز میں بولی۔ "تم جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو، واپس آجاؤ۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ آرہا ہوں ٹیابو۔" اسالو نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھایا۔

"نہیں اسالو۔" میں نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔ "خاموشی سے اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ تم میں سے کسی کو بھی اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا حکم ہے۔" میں نے ان الفاظ کے ساتھ ہی قدم آگے بڑھائے اور دوسرے ہی لمحے میں گینڈے کے سر پر پہنچ گیا۔ میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔

گینڈا مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر تیزی سے بھپرے کر پھر چلایا۔ ہوا اس نے اپنے دیو جیسے بدن کی پوری قوت سے اپنی تھوتھنی زمین پر پٹخ پر ماری۔ اس کی تھوتھنی کے اوپر ایک بڑا سا سینگ نکلا ہوا تھا۔

یقین کریں پروفیسر، اگر میری جگہ کوئی اور انسان ہوتا خواہ وہ کتنا ہی طاقت اور قوت میں کتنا ہی بے مثال کیوں نہ ہوتا، اس کی تینوں بوٹیاں باہر آجاتیں اور جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ لیکن میں تو میں تھا۔ ظاہر ہے کہ گینڈے کی یہ ٹکر میرے لیے کیا حیثیت رکھتی تھی۔ میں کسی چیتے کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک ہاتھ سے گینڈے کا وہ سینگ پکڑ لیا جو اس کے سر کے بیچ میں لگا ہوا تھا۔ میں نے اسے سینگ سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ وہ اٹھتا چلا گیا۔ پھر میں نے ایک جھٹکے سے اس کے منہ و فربہ بدن کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور پوری قوت سے ایک زبردست پٹخنی اسے ماری۔ ایک نہایت خوفناک دھماکے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی گینڈے کی دل دہلا دینے والی چیخ فضا میں گونج گئی۔ جو لوگ یہ دیکھ رہے تھے انہیں صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن جو سامنے تھے، انہیں گویا اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ویمل، نارو اور اسالو کے علاوہ درجنوں دوسرے لوگوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب ڈوب گئے۔ گینڈے کا جسم پہاڑ سے ٹکرا کر ہوا میں اچھلا تھا۔ اس کے بدن کی ساری ہڈیاں چکنا چور ہو چکی تھیں اور جسم سے بری طرح خون بہہ رہا تھا، وہ مر چکا تھا۔

"ٹیابو۔" نارو نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے اندر طاقت اور قوت کا یہ خزانہ کہاں سے آگیا ہے؟ اس سے پہلے تم نے تنہا ہاتھی کو ہلاک کر کے ایک عجیب و غریب کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ آج اس گینڈے کو اس طرح ختم کر کے تم نے واقعی ثابت کر دیا ہے کہ تم پر شکان دیوتا کی خصوصی مہربانی ہے۔ کوئی بھی انسان گینڈے کو اس طرح ہلاک نہیں کر سکتا جس طرح تم نے کیا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیابو پر شکان دیوتا کی زبردست مہربانی ہے۔" ویمل نے اپنی علمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "شکان دیوتا نے ٹیابو کے ذریعے ہی ہم سب لوگوں کو بدروحوں سے بچانے کا سامان کیا اور اب ٹیابو کے ذریعے ہی اس گینڈے کو ہلاک کر دیا جو لگتا ہے ہم میں سے بعض لوگوں کو نقصان پہنچاتا۔"

اس واقعے کے بعد قطاروں میں بری طرح بھگدڑ مچ گئی تھی۔ سارے لوگ بھاگ کر آگے آسے تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ ویمل نے مختصراً ان لوگوں کو بتایا کہ ٹیابو نے کس طرح گینڈے کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ لوگ حیرت سے ہمیں شکل دیکھنے لگے۔

"میں ٹیابو ہوں۔" میں نے گینڈے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا۔ وہ میں نے اپنے سر کے اوپر سے گھما کر پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا۔ "میں ٹیابو ہوں۔" میں نے گینڈے کو اٹھا کر پھ

کے گلے سے دبیل کے پاس۔ کہہ دیئے جواب ہمیں پیریٹ چلی تھی۔ نیچے سمندر تک گرنے سب کچھ دیکھ رہے ہے۔ اور اب دبیل کو بھی کھا لیں گے۔ دبیل زیادہ سے زیادہ کل صبح یا کل دوپہر تک رہ جائے گی۔ لیکن قبیلے والے کریا نارو دینے کی عرضی لے کر دیبل کو لشکر بن بھرکا پیاسا نہیں بھیجے گیا۔ ہمیں نے کھانے پینے کی چیزیں اس کے پاس رکھ دیں۔

"کیا دبیل پر بدروحوں کا اثر ہو گیا ہے۔" نارو نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں نارو۔" میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "اب ہمارا دبیل کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا ہے۔ دبیل کو ہمیں چھوڑ کر آگے بڑھ جانا ہے۔ اگر ہم نے دیر لگائی تو بدروحیں ہم میں سے کسی ایک کو بھی چٹا کیے بنا نہیں رہیں گی۔ ہم جتنی زیادہ دیر یہاں رکے رہیں گے اتنا ہی زیادہ اس بات کے امکانات بڑھتے جائیں گے کہ دوسرے لوگ بھی بدروحوں کا نشانہ ہو جائیں۔ اس لیے اب ہمیں یہاں سے فوراً روانہ ہو جانا ہے۔"

اجالو، نارو، میں اور سارے لوگ بہت دیر تک وہاں کھڑے دبیل کو دیکھتے رہے۔ کچھ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے سب لوگوں کو دبیل سے دور رہنے کی ہدایت دی۔ دبیل نے خود بھی اپنی کمزور آواز میں لوگوں سے کہا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اپنے راستے پر چلے جائیں۔ بہت سے لوگ رونے لگے۔ خود میرے دل کو بھی شدید صدمہ تھا۔ لیکن میں نے ان لوگوں کو تسلی دی اور نارو نے جن سے یہ کہا کہ کے بعد دبیل کی روح تک روحوں میں شامل ہو جائے گی اور پھر بدروحیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ بہرحال دبیل کو اسی حالت میں چھوڑ کر ہمارا کارواں آگے بڑھ گیا۔ اب کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ قافلے میں مکمل خاموشی تھی۔ ہر شکل اپنی اپنی جگہ پر سہمی ہوئی دکھائی دیتا تھا۔

پر دھلیسر وہ ساری رات ہم لوگوں نے سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے گزاری۔ جب سپیدۂ سحری نمودار ہوا تو اس وقت تک ہم لوگ اس علاقے سے بھی کافی دور نکل آئے تھے جہاں ہمیں دبیل کو چھوڑنا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے نارو اور اجالو کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب یہیں رک کر کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔ ذرا دیر میں سورج پوری طرح نکل آئے گا اور اس کے بعد ہم لوگ اس علاقے کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا یہاں قیام کرنا مناسب ہو گا یا ہمیں آگے سفر جاری رکھنا چاہیے۔

قافلے والوں کو ہدایت دے دی گئی کہ وہ رک جائیں اور تھوڑی دیر آرام کریں۔ تمام لوگ غنیمت جانتے ہوئے فوراً ہی نڈھال ہو گئے۔ کچھ لوگ لیٹ گئے۔ سب کے سب کافی تھک چکے تھے اور انہیں آرام اور غذا کی ضرورت تھی۔ فی الحال ہم لوگوں کی توجہ غذا کی جانب نہیں تھی۔ اصل مسئلہ تھی ہوئی تکان کو آرام دینے کا تھا۔

ہم لوگ ابھی پوری طرح نہیں آرام کر پائے ہوں گے کہ ایک طرف سے بھاگتی ہوئی ہمارے پاس آئی اور اس نے مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ میں نے گھبرا کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہمارے قبیلے کی ایک عورت تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور اس کی گردن کے جوڑ پر کیچڑ کی طرح کی کوئی خوفناک چیز لگی ہوئی تھی۔

"مقتیں اب اپنے بیٹے کو بھول جانا ہو گا۔" میں نے اس عورت سے کہا۔ "تمہارے بیٹے پر بھی بدروح کا اثر ہو گیا ہے۔ اور جس طرح ہم لوگ دبیل کو چھوڑ کر آگے نکل آئے ہیں، اسی طرح تمہارے کو چھوڑ کر بھی ہمیں آگے بڑھ جانا پڑے گا۔ ورنہ قبیلے کے دوسرے لوگ بھی اس سے متاثر ہو جائیں گے۔"

وہ عورت زار و قطار رونے لگی۔ لیکن نارو اور دوسری عورتوں نے اسے سمجھایا کہ اسے اپنے بیٹے کو چھوڑنا ہی ہو گا۔ جب قبیلے کے روحانی پیشوا دبیل کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں تو اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ جانا ہے اور اسے اپنے آپ کو اس قربانی کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

ان لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے وہ عورت مان گئی۔ لیکن ہر وقت میرے لیے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا تھا کہ میں کیا کروں۔ قافلے والے طاعون کا ایک اور کیس ہو گیا تھا اور اس کو طلب تھا کہ طاعون کے جراثیم ابھی قافلے والوں کے اندر موجود ہیں۔ پھر ہمیں نے پڑاؤ بھی ڈال دیا تھا اور سارے لوگ آرام کر رہے تھے۔

میں نے اس عورت کی اجازت سے اس کے بیٹے کو اپنے کندھے پر لادا اور پڑاؤ سے کافی دور لے جا کر ایک جھاڑی کی اوٹ میں رکھ دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کے پاس بھی پانی سے بھرا ہوا ایک برتن اور کھانے کی کچھ چیزیں رکھ دیں۔

"اگر بدروحوں نے اسے چھوڑ دیا تو وہ ہمارے قدموں کے نشانات کو دیکھتا ہوا ہمارے پیچھے آ جائے گا۔" میں نے اس کی ماں کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔ جبکہ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ اس کے بچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کی ماں کے سامنے یہ بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ ابھی ہم لوگوں کو مزید آگے جانا چاہیے۔ اب صبح کا اجالا پوری طرح پھیل چکا تھا اور دور دور تک روشنی کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہم لوگ اس وقت جس علاقے میں ہیں وہ ایک بے حد سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ بائیں طرف گھنے جنگل کا سلسلہ کافی دور تک چلا گیا ہے اور نکاریگی وافر مقدار میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں اس علاقے میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ہم لوگ سفر کرتے رہیں تاکہ اگر قافلے والوں میں کوئی اور طاعون کا شکار ہو گیا ہے تو اس کا بھی پتا چل جائے۔

ہم لوگوں نے تیز کی سے چند میل کا ایک طویل فاصلہ طے کیا۔ ذرا سی دیر میں بلند چمن بن کر کے سامنے روشن کی گئی اور جانوروں

کی کھالیں تار کر ان کا گوشت بھونا جانے لگا۔ تھوڑی دیر میں گوشت بھن کر تیار ہو گیا اور قبیلے کے سارے لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ تمام لوگ ساری رات کے جاگے ہوئے تھے۔ اب جو پیٹ میں غذا پہنچی تو سب پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ بائیں طرف کو پھیلے ہوئے جنگل کے درختوں کے نیچے چار چار پانچ پانچ کی ٹکڑیوں میں بٹ کر لیٹ گئے اور دیر میں سب کے سب سو گئے۔ لیکن میں جاگ رہا تھا اور جنگل کے اس گھنے حصے میں ادھر سے اُدھر گھوم رہا تھا۔ اس اثنا میں میں کئی بار اس طاعون زدہ لڑکے کے پاس بھی گیا اور اس کی حالت کا اندازہ لیا۔ اس پر لمبے ہوشی طاری تھی اور اس کا بدن آگ کی طرح بھبک رہا تھا۔ مجھے اس نوعمر لڑکے کا یہ حشر دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

لوگ تقریباً دو گھنٹے تک آرام کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ بیدار ہونا شروع ہو گئے اور میں نے حکم دیا کہ اب وہ کوچ کی تیاری کریں۔ ہم آگے روانہ ہونے والے تھے۔ طاعون زدہ لڑکے کی ماں نے اپنے بیٹے کے پاس جانا چاہا، لیکن میں نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔

ہمارا قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔ ہمارے پاس پینے کے پانی کا جو ذخیرہ تھا اب اس میں کمی آنا شروع ہو گئی تھی اور ضروری تھا کہ ہم جلد گھنٹوں کے اندر اندر ہم کسی ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں کوئی ندی یا پہاڑی چشمہ موجود ہو تاکہ پینے کے لیے پانی دستیاب ہو سکے۔ مجھے دل ہی دل میں اس بات کا خوف بھی لاحق تھا کہ اب کوئی نیا اولی طاعون کا شکار نہ ہو۔

دوپہر ہو چکی تھی اور ہمارا سفر جاری تھا جب اچانک نارو اور اجالو رک گئے۔

"سامنے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"یہاں قریب ہی کہیں پانی موجود ہے۔" نارو نے کہا۔ "میں پانی کے بہنے کی آواز سن رہا ہوں۔"

"اور میں بھی پانی کے بہنے کی آواز سن رہا ہوں اور ہوا میں پانی کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔" اجالو نے کہا۔

میں سخت حیرت زدہ ہو گیا۔ پر دھلیسر، حقیقت یہ ہے کہ میرے فرشتوں کو بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ قریب کہیں پانی موجود ہے۔ لیکن ان دونوں غیر معذب وحشی اور ناخواندہ انسانوں نے نہ صرف پانی کے بہنے کی آواز سن لی تھی، بلکہ اس فضا میں اس کی خوشبو بھی سونگھ لی تھی۔

"پانی کدھر ہے؟" میں نے نارو سے پوچھا۔

"میرے ساتھ ساتھ آؤ۔" نارو نے جواب دیا اور میرے آگے آگے چلنے لگا۔ اب ہم لوگ ساحل کی پٹی چھوڑ کر ایک بار پھر جنگل میں داخل ہو رہے تھے۔ جنگل کا یہ حصہ باہر سے دیکھنے میں جتنا گھنا نظر آتا تھا، اندر سے اتنا گھنا نہیں تھا۔ یہاں درخت ایک دوسرے سے کافی دور دور تھے اور ایک جگہ پر کافی خالی جگہ بھی موجود تھی۔ جگہ جگہ پر چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ قریب ہی ایک شفاف پانی کی ایک باریک سی ندی بہہ رہی تھی۔ یہ ندی پہاڑی ندی تھی جو پہاڑوں کے اندر سے کہیں سے بہتی ہوئی یہاں تک آتی تھی اور نیچے گر کر ایک پتلی سی نہر کی شکل میں شاید سمندر تک چلی جاتی تھی۔

بلا کی گرمی تھی اور تیز دھوپ میں مسلسل سفر کرتے کرتے لوگوں کا حال تباہ ہو گیا تھا۔ پانی دیکھتے ہی جیسے ان کے نیم مردہ جسموں میں جان آ گئی وہ سب کے سب بے تابانہ ندی میں پانی کی طرف لپکے اور نہر کی سی شکل والی ندی میں کود پڑے۔ خود میں نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ پانی کافی ٹھنڈا تھا اور اس نے دوسروں کی طرح میرے جسم کو بھی بہت فرحت اور تازگی بخشی۔

کافی دیر تک لوگ پانی میں اٹکھیلیاں کرتے رہے پھر میں نے نارو سے کہا کہ ان سب کو ایک طرح ہو جانے کا حکم دے دے۔ تیز خیال تھا کہ یہ جگہ ہم لوگوں کی رہائش کے لیے بہت موزوں رہے گی کیونکہ یہاں پانی بھی قریب تھا اور دوسرے جھاڑیاں اور بیلیں صاف کر کے مسطح زمین کا بہت بڑا ٹکڑا حاصل کیا جا سکتا تھا جہاں جھونپڑے تعمیر کیے جا سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس علاقے میں شکار کی بھی فراوانی ہو گی۔ سمندر بھی زیادہ دور نہیں تھا اور مچھلیاں پکڑی جا سکتی تھیں۔ میری ہدایت کے مطابق نارو نے تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر لیا۔

"سب سے پہلے میری ایک بات غور سے سن لو شنتو۔" قبیلے کے لوگ۔ نارو نے چالاک سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ میں خود بھی برہمن گوتر ہوں۔ کیا تم لوگ مجھے معلوم نہیں تھا کہ نارو کیا کہنا چاہتا ہے۔

"جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے۔" نارو نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اب تک دبیل ہمارے قبیلے کی روحانی پیشوا تھی۔ لیکن جیسا کہ تم سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، دبیل بدروحوں کے زیر اثر شکار ہو کر ہم سے بچھڑ چکی ہے اور اب تک اس دنیا سے رخصت بھی ہو چکی ہو گی۔ اس وقت ہمارے قبیلے کا کوئی روحانی پیشوا موجود نہیں ہے۔ اس لیے میں تم سب لوگوں کی جانب سے بیٹا بسے درخواست کرتی ہوں کہ وہ شنتو قبیلے کے روحانی پیشوا کا منصب قبول کرے۔

وہ نشان دیتا سے "صوبی قدرت کھتا ہے اور دیوتا نے اسے غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے۔ اس کی قوتوں کے کرشمے تم ایک سے زائد بار دیکھ چکے ہو۔ ہمارے پورے قبیلے میں اس وقت کسی اور شخص کو نشان دیوتا سے اتنی قربت حاصل نہیں ہے جتنی کہ بیٹا بو کو ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ بیٹا بو کو باقاعدہ طور پر قبیلے کا روحانی پیشوا تسلیم کر لیا جائے۔" وہ اسے قبیلے میں وہی حیثیت حاصل ہو جو اس سے پہلے دبیل کو تھی۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نارو کی تجویز کے جواب میں لوگوں نے بے ساختہ نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ "شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے۔ شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے۔"

میں یہ سن کر ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو گیا تھا۔ نارو نے مجھ سے پوچھے بغیر مجھے قبیلے کا روحانی پیشوا مقرر کر دیا تھا۔ وہ بھی اس اعزاز میں کہ میرے لیے اس منصب کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

"لیکن اگر دیمل کو بد روحوں سے نجات مل گئی اور وہ ہمارے قدموں کے نشانات پر مٹی ہوئی دوبارہ ہمارے پاس آ گئی تو اس صورت میں قبیلے کا روحانی پیشوا کون ہو گا؟" شالن نے نارو سے سوال کیا۔

نارو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے شالن کے سوال کا جواب دے دیا۔ "اگر ایسی صورت حال پیش آئے گی تو میں فوراً ہی دیمل کے حق میں دستبردار ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا۔ "ویسے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو دیمل کے شاگرد ہیں، انھیں میں سے کسی کو قبیلے کا روحانی پیشوا بنا دیا جائے۔ مجھے اس ذمہ داری سے الگ ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔" ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ "شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے، شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے؟"

"تو گویا اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آج سے شیابو شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا ہو گا۔" یہ شیابو ہی تھا جس نے چہرے کو چھپتے ہوئے دیکھ کر شکان ہونا کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔ ہم سب لوگوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دلانے پر شیابو ہی تھا جس نے یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی تھی کہ بد روح جس شخص پر حملہ آور ہو گی اس شخص کو کیا حاصل ہو گا۔ شیابو کے بیان کے عین مطابق وہ حال ہم میں سے دو انسانوں کا ہو چکا ہے اس لیے شیابو کی روحانی قوتوں پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

"بیشک، بیشک۔" مجمع میں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ "شیابو عظیم ہے، شیابو عظیم ہے، وہ ہمارا روحانی پیشوا ہے۔"

اس طرح پر وفیسر میں شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا بن گیا۔ جہاں تک دیمل کا تعلق تھا، تو مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ اس بے چارے کی اب واپس آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ میرے اندازے کے مطابق تو اسے اب تک ختم ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ میرے لیے شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا بننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو اصل فکر یہ دامن گیر تھی کہ کہیں طاعون کا کوئی اور کیس نہ ہو۔ اب تک دو افراد طاعون کا لقمہ بن چکے تھے اور یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی تھی کہ بھی کتنے لوگ اس کا شکار ہو چکے ہوں گے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا۔ اب کوئی اور شخص بیمار نہیں پڑ جائے۔

لوگ چونکہ کافی تھک چکے تھے، لہٰذا میں نے مناسب یہی سمجھا کہ انھیں کچھ دیر مزید آرام کرنے کا موقع دیا جائے اور اس کے بعد سفر کا آغاز کیا جائے۔ میں نے اور نارو نے گھوم پھر کر سارے علاقے کا جائزہ لیا۔ یہ بے حد سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ تھا۔ گھنا استوائی جنگل دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جو ہر جا تمام کے درختوں، بیلوں، جھاڑیوں اور پرندوں سے بھرا ہوا تھا۔ درختوں پر مختلف اقسام کے پرندے چہچہا رہے تھے۔ ادھر ادھر گھومتے ہوئے مختلف جانور بھی نظر آ رہے تھے۔ جس جگہ ہم لوگ رکے ہوئے تھے، وہاں پانی، خوراک کی سی محنت کے بعد خاصی خالی زمین تیار کر کے بھوٹے بغیر کے بھی کاشت کی جا سکتی تھی۔

"یہ جگہ ہماری۔ رہائش کے لیے بڑی موزوں ہے گی۔" نارو نے مجھ سے کہا۔ "بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ شاید یہ ہماری پرانی والی جگہ سے بھی زیادہ بہتر ثابت ہو۔ بس لوگوں کو تھوڑی سی محنت کر لینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"ابھی بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا۔ "جملہ تک محنت کا سوال ہے تو ہمارے لوگ بڑے تنومند، مضبوط اور محنتی ہیں۔ وہ محنت سے بالکل نہیں گھبراتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں ایک نئی بستی تعمیر کر لیں گے۔"

میں اور نارو چلتے چلتے درختوں کے نیچے کافی دور تک چلے گئے تھے۔

اچانک نارو اپنے متعجب ہو کر کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگی اور اس کے ساتھ ہی اپنے سر کو ادھر ادھر ہلانے لگی گویا کانوں کی مدد سے کوئی خاص آواز سننا چاہتی ہو۔ میں اس کی اس کیفیت پر اگر یہ تعجب کر رہا تھا، لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی فطرتی قسم کی بات ضرور ہے۔

"کیا بات ہے۔" نارو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "ان کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں جلد از جلد اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

"کن کی تعداد کی بات کر رہی ہو نارو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

نارو نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد اپنے قبیلے والوں میں پہنچ جانا چاہتی تھی۔

"کوئی دو سے لوگ ہمارے چاروں طرف سے آ رہے ہیں۔" نارو نے چلتے چلتے کہا۔ "میرے اندازے کے مطابق ان کی تعداد بہت ہے۔ وہ ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں جلد از جلد اپنے لوگوں میں پہنچ کر انھیں اس بارے میں خبردار کر دینا چاہیے۔"

اور پھر میں ہم لوگ قبیلے کے باقی لوگوں سے جا ملے۔ یہاں میں لوگوں کے درمیان اضطراب کی لہر کو صاف محسوس کیا۔ ان کی کیفیت بھی ان کی کیفیت سے چنداں مختلف نہیں تھی۔ وہ خاصے خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ ان سب نے اپنے اپنے ہتھیار پہلے ہی سنبھال لیے تھے۔ نارو نے ان کو

لوگوں نے انھیں آنے والوں کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ ان کی سماعتوں نے وہ آوازیں سن لی تھیں جو نارو کے کان نہیں سن سکتے تھے۔ ان کی قوت شامہ نے اس بو کو محسوس کر لیا تھا جسے میری ناک نہیں سونگھ سکتی تھی۔ ان جنگلیوں کی قوتیں ہی بڑی عجیب و غریب تھیں پروفیسر!

میں اور نارو بھی قافلے میں شامل ہو گئے اور ہم سب لوگ یک جگہ جمع ہو گئے۔ مرد اور عورتیں سبھی نے اپنے اپنے ہتھیار اور تیر کمان وغیرہ سنبھالے ہوئے تھے۔ نارو نے مجھے بھی کمان میں کوئی ہتھیار لے لوں، لیکن میں نے سر ہلا دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اچانک بڑے زور سے ڈھول بجنے کی آواز سنائی دی اور پھر چاروں طرف سے جیسے وحشت الارض کی طرح انسان ابلنے لگے۔ وہ جنگل کی گھنی جھاڑیوں سے نکل کر آ رہے تھے۔ اور اپنے برہنہ جسموں کو مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے وحشی جو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ وہ خوف ناک وحشی قافلے کی طرف بڑھے ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں وہ سب کے سب لکڑیوں، ہڈیوں اور پتھروں کے بنے ہوئے تھے۔ گویا یہ لوگ بھی ان دیگر قبائل سے زیادہ ترقی یافتہ کسی صورت میں نہیں تھے جن سے اب تک میرا سابقہ پڑ چکا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد ہمارے قبیلے سے کئی گنا زیادہ تھی۔ ظاہر ہو گی اور وہ سب کے سب مسلح تھے۔ ایک چیز میں نے یہ محسوس کی کہ پرو فیسر ان میں عورتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ تر مرد تھے اس کے علاوہ بہت سے بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔

ان لوگوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور ہم ان کے بیچ میں گھر گئے۔ ان کے تیوروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ہم پر فوری طور پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور شاید ان سے بات چیت کے بعد روشنی کا کوئی امکان بھی نہ رہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب کے سب مجھے اور نارو کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میرے جسم کی رنگت اور نارو کا حسن و توش ان کے لیے گہری دل چسپی کا باعث تھے۔ ان تمام لوگوں میں کوئی ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے تن و توش کے لحاظ سے نارو کا مقابلہ کر سکے۔ نارو سب پر بھاری نظر آ رہی تھی اور میرے جیسے رنگ و روپ کے انسان کا تو ان کے درمیان موجود ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ان میں سے ایک شخص جو دوسروں سے اس لحاظ سے ممتاز نظر آتا تھا، اس کی کمر کے گرد ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی، اور اس میں بہت سے سیپ پروئے ہوئے لٹک رہے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "تم لوگوں کا سردار کون ہے؟ سامنے آئے؟"

نارو دو قدم آگے بڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس شخص نے نارو کو بڑے غور سے اور حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا۔ "تم عورت ہو اور اس قبیلے کی سردار ہو، لیکن تمھارا جسم تو کئی مردوں کے برابر ہے تمھارا کیا نام ہے؟"

نارو نے اپنا نام بتایا۔ اس شخص نے اپنا نام کمبا ڈی بتایا اور یہ کہا کہ وہ دور کا قبیلے کا سردار ہے اور اس کا قبیلہ اسی جنگل میں تھوڑی دور آباد ہے۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تم ہمارے قبیلے کے علاقے میں کس طرح داخل ہو گئے؟" کمبا ڈی نے پوچھا۔

کمبا ڈی اور نارو کو آپس میں بات چیت کرتے ہوئے وقت پیش آ رہی تھی کیونکہ ان کی زبانیں الگ الگ تھیں۔ تاہم ان کی زبانوں میں مشترکہ الفاظ کا تناسب خاصہ ضرور موجود تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ سکتے تھے۔ بہر حال، اس موقع پر میں نے ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا۔

میں وہ قدم آگے بڑھا اور نارو کے برابر کھڑا ہو گیا۔ "میں شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا شیابو ہوں۔" میں نے درکا قبیلے کی زبان میں کہا۔ کمبا ڈی مجھے اپنے قبیلے کی زبان بولتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم ہمارے قبیلے کی زبان اس قدر روانی کے ساتھ کیوں کر بول سکتے ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو تمھیں اپنے قبیلے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے کبھی کوئی علی نہیں رہا۔ کیا تمھارے باپ دادا یا نانی دادی میں سے کسی کا تعلق ہمارے قبیلے سے تھا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کے سوال کی اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بتاؤ کہ تم ہم لوگوں سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہی سوال میں تم لوگوں سے کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ ہمارا علاقہ ہے اور ہم ایک زمانے سے یہاں رہتے چلے آئے ہیں۔ ہمارے علاقے میں تم سب لوگوں کی آمد کا کیا مقصد ہے۔ کیا تم ہم سے ہمارا علاقہ چھیننا چاہتے ہو؟"

"نہیں رسمی کوئی بات نہیں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں سے کافی دور رہتے ہیں۔ ہمارے قبیلے کا نام شنتو لا ہے اور ہماری سردار نارو نامی یہ عورت ہے۔ جس جگہ ہمارا قبیلہ آباد تھا وہاں بد روحوں کا حملہ ہو گیا ہے اور ان بد روحوں نے جبلی وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ہم لوگ کسی نئی جگہ کی تلاش میں یہاں جہاں قریب ہی پانی بھی موجود ہو اور ہم لوگ امن و سکون سے زندگی گزار سکیں۔ ہمارا کسی سے لڑنے بھڑنے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تو بس رہنے کے لیے جگہ چاہیے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ علاقہ تم لوگوں کا ہے ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کر لیں گے۔"

"تمھارے علاقے پر بد روحوں نے قبضہ کر لیا ہے۔" کمبا ڈی نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات میں پوچھا۔ اور اس کی نگاہیں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص پر جم کر رہ گئیں جو اپنے گلے میں ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے کئی ہار ڈالے ہوئے تھا اور اس نے اپنے چہرے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کو قبیلے والوں سے روک رکھا تھا۔

"اور تمہارے قبیلے میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان بد دماغوں کو جھاڑ کے؟" اس شخص نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔ میں غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نرمس ہے۔" کباڈ نے کہا۔ "اس کا ہم سے تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ ہمارے قبیلے کا سب سے بڑا بہادر اور لڑاکا ہے اور اس کے سامنے کوئی پہلوان نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ہمارے دیوتاؤں نے ہمیں پہلے ہی اشارہ دے دیا تھا اور ہم نے اس کے حکم کے مطابق وہ علاقہ چھوڑ دیا۔" میں نے تفصیلاً جواب دیا۔

اس اثنا میں نرمس کباڈ کے قریب چلا گیا اور وہ دونوں آپس میں سرگوشیوں میں کچھ باتیں کرنے لگے۔ مجھے نرمس کی آنکھوں میں خونخواری اور شقاوت کی جھلک نظر آئی تھی۔ وہ شخص شکل و صورت سے ہی خطرناک نظر آ رہا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ نرمس و کباڈ کی نظریں ہمارے قبیلے کی عورتوں پر۔

جتنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے قبیلے میں تو نے فیصد تعداد عورتوں کی تھی، مرد تو بہت ہی تھوڑے تھے۔ جبکہ وہ کا قبیلے میں مردوں کی بھاری اکثریت تھی اور عورتیں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔

"اچھا سنو۔" کباڈ نے میرے بجائے نارو کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "تم چونکہ اس قبیلے کی سربراہ ہو، اس لیے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں نے ہمارے حلیفوں میں دخل اندازی کی ہے۔ اور اس جرم کی سزا میں ہم تم سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ تمہارا گوشت ہمارے لیے کئی دنوں تک کافی ہوگا۔ ویسے بھی ہمیں انسانی گوشت کبھی کبھی ہی ملتا ہے۔ اب ہمارے قبیلے میں کسی کی موت واقع ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمہیں ایک رعایت دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمہارے قبیلے کے جتنی عمر کے مرد ہیں، وہ سب ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے میں رہیں گے۔ ہم انھیں اپنا بنا کر رکھیں گے، جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو ہم سارے مردوں کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دیں گے۔ وہ اپنے لیے کوئی اور علاقہ تلاش کر سکتے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انھیں ہلاک نہیں کریں گے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نارو کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے؟" نرمس نے تند لہجے میں مجھ سے کہا۔ "قبیلے کی سردار کو بات کرنے دو۔"

"میں اپنے قبیلے کا دفاعی پیشوا ہوں اور میرا نام ٹیا لو ہے۔" میں نے تنک کر جواب دیا۔ "قبیلے میں جتنے بھی فیصلے ہوتے ہیں وہ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملے میں بھی نارو کی رائے میری رائے سے مختلف نہیں ہوگی۔"

"میری بات سن کر نارو کا بھی حوصلہ بڑھا، ورنہ کباڈ کی تجویز کردہ سخت پریشان کن تھا۔ "ٹیا لو ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمارے لیے یہ تجویز ناقابل قبول ہے۔"

"کیوں ناقابل قبول ہے؟" اس نے غصے سے کہا۔ "ان مردوں کو جانے دو۔ ہمارے قبیلے میں مردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تمہارے قبیلے میں عورتوں کی بہتات ہے۔ ہم لوگ مل جل کر رہیں گے۔ ہم تمہیں پناہ دیں گے اور تم ہمارے قبیلے کی تعداد میں اضافے کے لیے بچے پیدا کرنا۔"

"اگر تم ان عورتوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہمارے سارے مرد بھی یہیں رہیں۔" نارو نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم لوگ مل جل کر رہ سکتے ہیں۔ ہماری بستیاں الگ الگ ہوں گی، لیکن ہم آپس میں تعلقات رکھیں گے۔"

"نارو ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ مل جل کر بھی تو رہ سکتے ہیں۔"

"تمہیں اس میں کیا اعتراض ہے؟ ہم لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی، ہماری طاقت میں بھی اضافہ ہوگا اور کوئی دشمن ہمارے علاقے پر نہیں آ سکے گا۔"

"طاقت کی بات مت کرو ٹیا لو۔" نرمس نے غرا کر مجھ سے کہا۔ "ہمارے پاس کافی طاقت موجود ہے اور ہم چاہیں تو تمہیں ابھی اور اسی جگہ ختم کر سکتے ہیں۔ ہمیں عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے قبیلے میں عورتیں بہت کم ہیں۔ اگر تم نے ہماری تجویز نہیں مانی تو ہم تمام مردوں کو ختم کر دیں گے اور ان عورتوں کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

"اور کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ عورتیں مٹی کی بنی ہوئی ہیں جو ان کو زبردستی اپنا بنا لو گے۔" نارو نے کہا۔ "اگر تم نے ہمارے سارے مردوں کو ہلاک کرنا چاہا تو تمہیں ہم سے اس کے لیے باقاعدہ جنگ کرنا ہوگی اور ہم تمہارا مقابلہ کریں گے خواہ ہم سب کے سب مارے جائیں۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ تم لوگوں کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔"

"جب تم خود اس بات کو محسوس کرتی ہو کہ ہماری تعداد تمہارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور تم لوگ جنگ میں ہم سے نہیں جیت سکتے تو بہتری اسی میں ہے کہ ہماری بات مان لو۔" کباڈ نے نرمی سے کہا۔ "تم لوگوں کو مردوں کی ضرورت ہے اور ہمیں عورتوں کی۔"

"تمہاری یہ بات اسی صورت میں مانی جا سکتی ہے جب ہمارے مردوں کو بھی ہمارے ساتھ رہنے اور تمہاری عورتوں کے ساتھ سیل [illegible] رکھنے کا حق حاصل ہو۔" نارو نے کہا۔

"اور تم اپنی تعداد پر زیادہ گھمنڈ نہ کرنا۔" میں نے ہاری ہوئی کباڈ اور نرمس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے تعداد کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"اوہو ہو... ہو..." نرمس نے مسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو کوئی بڑے سورما معلوم ہوتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم نے ابھی ہمارے قبیلے کے کسی مرد کی طاقت کو آزمایا نہیں ہے۔ ہم تو زندہ انسان کو اٹھا کے بھبھوڑ کر کھا جاتے ہیں، اور پھر تمہارے جسم کی تو رنگت بھی بڑی اچھی ہے۔ تمہارا گوشت بھی یقیناً بڑا لذیذ ہوگا۔ میری تو زبان ابھی سے چٹخارے لے رہی ہے۔"

"تم پھر آؤ اور اپنے دل کی حسرت نکالو۔" میں نے نرمس کو چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ نرمس کا جسم ہمارے مقابلے میں کم از کم دوگنا جاری تھا۔

اس کے جواب میں نرمس نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور بولا: "احمق انسان، بھلا تو سمجھتا ہے کہ تیرے مقابلے پر میں آؤں گا؟ تیرے لیے تو ہمارے قبیلے کا کوئی معمولی سا نوجوان بھی کافی ہے۔ ابھی میری بڈی پسلی ایک کر کے رکھ دے گا لیکن بہتر یہی ہے کہ تو اپنی جان بچالے اور اپنے ساتھی مردوں کو لے کر یہاں سے بھاگ جا۔ عورتیں یہیں رہیں گی۔ یہ فرمس کا آخری فیصلہ ہے اور نرمس اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔"

"میں نرمس کو بھی دیکھ لوں گا اور اس کے فیصلوں کو بھی۔" میں نے کڑوے تیوروں کے ساتھ جواب دیا۔ "میں تمہارے فیصلے کو مسترد کرتا ہوں اور تمہیں اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے طاقت کا استعمال کرنا چاہا تو میں سب سے پہلے تمہیں ہلاک کر کے تمہارا گوشت تمہارے قبیلے والوں کو کھلا دوں گا۔"

"خاموش ہو جاؤ کمبخت۔" قبیلے کے سردار کباڈ کو بھانپ بڑا غصہ آگیا۔ "تو نے ہمارے قبیلے کے روحانی پیشوا کی توہین کی ہے۔ اب اس کے بدلے میں تجھے مرنا پڑے گا۔ تو نے خود اپنے لیے موت کا سامان پیدا کیا ہے۔"

"موت بھول جاؤ کباڈ کہ میں ہی اپنے قبیلے کا روحانی پیشوا ہوں۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "نرمس نے بھی میری توہین کی ہے۔ میں نے تو اس کی بات کا محض جواب دیا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔" کباڈ نے کہا۔ "تیرا آخری وقت آگیا ہے۔ ٹیا لو۔" اس نے اونچی اور ایک مقتدر نوجوان نکال کر سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی بڈی کا ہتھیار تھا جس پر دھار کی ہوئی تھی اور جو بہت بھاری نظر آتا تھا۔

"میں یہاں موجود ہوں سردار۔" نوجوان نے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس کے گوشت میں سے سب سے زیادہ حصہ ملے گا۔" اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے نوجوان سے کہا۔ "بس ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دو۔ اگر اس کی حمایت میں کوئی بھی آگے آنے کی کوشش کرے تو اس کو بھی ختم کر دینا۔"

کباڈ کا حکم سنتے ہی ٹیا لو میری طرف بڑھا۔ اس اثنا میں تقریباً قبیلے کی بہت سی عورتیں جن میں نارو بھی شامل تھی، اور تقریباً سارے ہی مرد میری جانب لپکے، لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں منع کر دیا۔ نارو بالکل میرے قریب آگئی تھی اور اس کے دیوانہ وار جسم کے آگے میں پر معلوم ہو رہا تھا۔

"تم پیچھے ہٹ جاؤ نارو۔" میں نے اس سے سرگوشی کی۔ "تمہیں میری طاقت کا کچھ نہ کچھ اندازہ تو ضرور ہے۔ بالکل نہ ڈرو اور کسی کو بھی میرے قریب مت آنے دینا۔"

میری ہدایت پر نارو پیچھے ہٹ گئی اور اس اثنا میں ٹیا لو اپنا ہتھیار لہراتا ہوا میری طرف تیزی سے بڑھا۔ جب وہ میرے بالکل قریب آگیا تو اس نے پوری قوت سے وہ ہتھیار گھما کر میری کھوپڑی پر بہانے کی کوشش کی۔ بڈی کا ہتھیار چٹخ کر ٹوٹ گیا۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منتشر ہو گیا۔ ٹیا لو بھی میری طرح نہتا ہو گیا تھا۔ ہتھیار ٹوٹ جانے کے باعث وہ کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا لیکن اسے اپنے فن و کرتب اور جسمانی طاقت پر یقیناً ناز ہوگا کیونکہ اس کا جسم میرے مقابلے میں کافی جاری تھا۔ اس نے ٹوٹا ہوا ہتھیار ایک طرف پھینک دیا اور مجھ سے لپٹ پڑا۔ وہ مجھے نیچے گرا کر میرے سینے پر سوار ہو کر مجھے ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔

میں اس وحشی اور معصوم نوجوان کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لیے میں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی، سوائے اس کے کہ اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ جما کھڑا رہا۔ اس نے مجھے ہلانے جلانے کی بڑی کوشش کی، لیکن میں تو جیسے کسی پتھر کے ستون کی طرح زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ اس کی ساری کوششیں رائگاں گئیں اور اس کا سیاہ فام جسم پسینے میں تر بتر ہو گیا۔ سانس تیز چلنے لگا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ اچانک وہ مجھ سے الگ ہو گیا اور تیزی سے پیچھے ہٹا ہوا پیچھے کی طرف چلا گیا۔ میں اس کی اس حرکت کا مقصد فوری طور پر نہیں سمجھ سکا، لیکن نرمس کے لبوں پر نظر آنے والی طنزیہ مسکراہٹ نے مجھے بتا دیا کہ وہ نوجوان کوئی نہایت ہی اقدامی حرکت کرنے والا ہے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ وہ پیچھے جانے کے بعد بجلی کی سی تیزی سے پلٹا ہوا میری طرف دوڑا اور اس نے پوری قوت سے اپنا سر میرے پیٹ پر دے مارنا چاہا۔ میں ذرا سا پیچھے جھک گیا۔ اس لیے کہ اب میں نرمس کو اس استہزائیہ مسکراہٹ کا مزہ چکھانا چاہتا تھا۔ میرے ذرا سے نیچے جھکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیا لو کا سر میرے پیٹ سے ٹکرانے کے بجائے میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی کھوپڑی کھیل کھیل ہو گئی۔ میرا سینہ اس کے خون سے تر ہو گیا اور وہ میرے قدموں میں گر کر ڈھیر ہو گیا۔

نرمس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ اسے ہرگز توقع نہ تھی کہ اس طاقتور نوجوان کا میرے ہاتھوں یہ حشر ہوگا۔

"تو نے اسے مار کے اچھا نہیں کیا۔" ٹیا لو نے نرمس گرجا۔ "اب تیرے گوشت میں سے زیادہ [illegible]

Optimized by www.ImageOptimizer.net

شخص ہو گا۔"

"میں نے اسے ہلاک نہیں کیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میں نے اس کے اوپر ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اس نے خود میرے مکے کی مار کی تھی اور اس ٹکر کا ہی تاب نہ لاتے ہوئے اسے جھٹکا پڑا۔ میں نے خود اس کا سر نہیں توڑا۔"

"پھپھل۔" نرمس زور سے گرجا۔ "ایک جوان آدمی، جو چنگے بھلے بھی اور صحت مند نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی صفوں سے نکل کر سامنے آگیا اور نرمس سے مکے کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔"

"پھپھل۔" نرمس نے گرجدار آواز میں کہا۔ "اس اجنبی نے تمہارا کو ہلاک کیا ہے۔ تم اس کا خون پی جاؤ۔ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں کہ تم اس کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر پی جاؤ۔"

پھپھل اپنے روحانی پیشوا کا حکم سن کر تیر کی طرح میری جانب لپکا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا اس وقت ہوا کہ وہ واقعی میرا خون پی جانا چاہتا ہے جب اس نے مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے کر اپنے دانت میرے نرخرے میں گاڑ دینے چاہے۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی، وہ میرے نرخرے کو اپنے تیز اور نکیلے دانتوں سے جھنجھوڑ کر اسے چبا دینا چاہتا تھا اور میرا خون پی جانا چاہتا تھا۔ میرے مزاحمت نہ کرنے کے باعث وہ یہ سمجھا کہ میں اس کے مضبوط اور توانا بازوؤں کی گرفت میں بے بس ہو گیا ہوں، وہ بار بار میرے نرخرے پر منہ مار رہا تھا، لیکن اس کے دانت پھسل پھسل جاتے تھے۔ آخر اس نے اپنی گرفت اور زیادہ مضبوط کی اور اپنے دانت شاید اپنے جبڑوں کی پوری قوت سے میرے نرخرے میں پیوست کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس بار بھی اس کے دانت میرے نرخرے کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔ آخر تنگ آ کر اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے ایک زوردار مکا میرے جبڑے پر رسید کیا۔ چٹاخے کی آواز آئی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور وہ سخت تکلیف میں تھا، لیکن وہ واقعی ایک بہادر اور جنونی انسان تھا۔ اس نے اب بھی اپنی شکست نہیں مانی اور اپنے زخمی ہاتھ کے باوجود ایک بار پھر مجھ پر پل پڑا اور میری گردن کو اپنے دانتوں سے جھنجھوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

اب بہت ہو چکا تھا پروفیسر میں اس احمق سے تنگ آ گیا تھا جس کے منہ کا بہت سا خون میرے چہرے اور گردن پر لگ گیا تھا۔ میں نے اسے زور سے ایک دھکا دیا اور وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا اور ٹھیک نرمس کے قدموں میں جا گرا۔ وہ نرمس کے قدموں سے اٹھنے زور سے چلایا کہ نرمس خود بھی ہل گیا اور گرتے گرتے بچا۔ لیکن اس نے پھپھل سے کوئی ہمدردی کرنے کے بجائے ایک زوردار لات اس کی پشت پر رسید کی اور پھپھل بے چارہ دوبارہ دوسری طرف لڑھک گیا۔

"بزدل، بھوتوں!" نرمس نے دانت پیس کر کہا۔ "آخر تم کیا ہو گیا ہے؟ اس شخص میں رکھا ہی کیا ہے؟ کیا یہ تم سے زیادہ طاقتور ہے جو تم اس پر قابو نہیں پا سکتے؟ آخر ہات کیا ہے؟ تم نے اتنے معرکے سر کیے ہیں، اب تم پر کیا افتاد آ پڑی ہے؟"

"اس پر کوئی افتاد نہیں آ پڑی ہے نرمس۔" میں نے نرمس کو ڈانٹتے ہوئے کہا: "اپنے قبیلے کے جوانوں کا خون کروانے کے بجائے بہتر ہو گا کہ تم خود میرے مقابلے میں آ جاؤ۔ دیکھو بھی قاعدے سے میرے ساتھ تمہاری ہی ٹکر ہونی چاہیے۔ کیونکہ ہم دونوں اپنے اپنے قبیلوں کے روحانی پیشوا ہیں۔ یہ فیصلہ کر کے میرے مقابلے میں آ جاؤ کہ ہم میں سے جو بھی شکست کھا جائے گا اسے اس دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا۔ پھپھل کو تو میں نے اس لیے چھوڑ دیا کہ اس کے ساتھ میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ فساد کی اصل جڑ تو تم ہو۔ تم کو میرے ساتھ ٹکرانا چاہیے اور اگر تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے تو اپنے سردار کباڈ کو میرے مقابلے پر بھیجو۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جو ہارے گا وہ مارا جائے گا۔"

"کیا بکتا ہے یہ وحشی انسان۔" نرمس نے کہا۔ "میں اور تجھ سے ڈروں؟ تو بھی کوئی ڈرنے کی چیز ہے؟ تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ میری نرمس جسمانی طاقت تجھ سے زیادہ ہے بلکہ میں تجھ سے کہیں زیادہ جادو کی قوتوں کا بھی مالک ہوں۔ تو مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ سردار کباڈ کو تجھ سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھے بھی فنا کیے دیتا ہوں۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی نرمس اپنے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہتھیار لے کر میری طرف بجلی کی سی تیزی سے لپکا۔ اس کے ہاتھ میں جو ہتھیار تھا وہ تانبا دین میں بلا کی چمکتی تھی۔ اس نے کوندے کی طرح لپک کر پتھر کے ہتھیار سے میری گردن پر وار کیا، لیکن خاصے کی مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا تھا، میں نے اصل نرمس کو پہچان لیا تھا۔ کباڈ کو جھڑکانے والا اور اسے یہ مشورہ دینے والا نرمس ہی تھا۔ مردوں کو جگا دیا جائے اور ان کی عورتوں کو رکھ لیا جائے۔ وہ ایک اور کینہ پرور انسان نظر آتا تھا اور میں اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ بہانہ تھا کہ اگر نرمس درمیان میں موجود نہیں ہو گا تو پھر سردار کباڈ اس کا مان لے گا کہ ہم سب مل جل کر رہیں۔ اس لیے میں نرمس کو سرے سے ختم کر دینا چاہتا تھا۔

میں نے نرمس کا ہتھیار رکھ کر اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسی ہتھیار سے جو اس کی گردن پر وار کیا۔ نرمس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے قبیلے والوں کی چیخ اور تاسف بھری چیخیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ لوگ چیخ چیخ کر زور زور سے رونے لگے۔ خود سردار کباڈ ابھی کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔

"خاموش ہو جاؤ۔" کباڈ نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" اپنے سردار کا حکم سن کر سارے کے سارے قبیلے والے خاموش ہو گئے۔

"سنو بھائیو۔" کباڈ نے کہنا شروع کیا۔ "اگر تمہاری جسمانی اور روحانی قوتیں نرمس سے زیادہ بلند نہ ہوتیں تو تم اسے ہرگز شکست نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن تم نے اسے بند لمحوں کے اندر اندر ختم کر کے اپنی برتری حاصل کر لی ہے۔ نرمس ہمارے قبیلے کا روحانی پیشوا تھا اور اسے زبردست قوتیں حاصل تھیں۔ کوئی طاقت اسے زیر نہیں کر سکتی تھی۔ ہم سب لوگوں نے بارہا اس کی قوت کے عجیب و غریب کرشمے دیکھے ہیں، لیکن تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم اس سے زیادہ طاقت ور ہو۔ اس لیے میں تمہاری برتری کو تسلیم کرتا ہوں۔ اگر چہ ہم لوگ چاہیں تو اب بھی تم لوگوں سے جنگ کر سکتے ہیں اور شاید کچھ عرصہ تک بھی دے سکیں، کیونکہ ہمارے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہ زیادہ تر مرد ہیں، جبکہ تم لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور وہ بھی عورتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن میں بلاوجہ خون خرابے سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی برج نظر نہیں آتا۔ ہم لوگ مل جل کر رہیں۔"

"یہی تجویز تو میں نے پہلی کی تھی۔" لیکن نرمس نے اسے ٹھکرا دیا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری کہی ہوئی ساری باتیں معقول ہیں لیکن اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو اور صرف اس وقت کے لیے نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لیے نکال دو کہ اگر تمہارے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے تو وہ لڑائی میں ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اپنی قوتوں کا محض معمولی سا اظہار کیا ہے۔ اگر تم اب بھی یہ سمجھتے ہو کہ لڑائی کے ذریعے ہی بات بنو سکتی ہے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ جلد ہی تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ شنتولا قبیلے کے روحانی پیشوا کی کیا توقیر ہیں۔"

میرے اس دبنگ اور بارعب لہجے سے کباڈ ڈر گیا۔ اصل میں تو اس کی ہمت اسی وقت ٹوٹ چکی تھی جب اس کے قبیلے کا روحانی پیشوا میرے ہاتھوں سے بند لمحوں کے اندر اندر مارا گیا۔ وہ صرف ہم لوگوں پر رعب گانٹھنے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔

"نہیں بلیں۔" میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میں لڑائی نہیں چاہتا اور تم لوگوں کی طرف دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے علاقے میں بسنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

چند لمحے پروفیسر کباڈ سے تفصیلی گفت و شنید کے بعد ہمیں پتا چلا کہ ہم لوگ ایک قطعہ ارض کو ضمان کر کے اپنے لیے الگ الگ چھپر بنانے لگے۔ دونوں قبیلوں کے سردار حسب معمول الگ الگ ہوں گے اور قبیلے کا ہر شخص اپنے سردار کے حکم کا پابند ہو گا۔

یہ ایک قسم کا معاہدہ تھا جو دونوں قبیلوں کے درمیان طے پایا گیا۔

اس کے بعد شنتولا قبیلے کی عورتیں اور مرد رسمیں صاف کرنے میں لگ گئے۔ وہ یہ دیکھ کر بیحد حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ہمارے قبیلے کے لوگ دل و جان سے ان کی مدد کے لیے آ گئے۔ اور پھر پروفیسر جہاں سیکڑوں انسانی ہاتھ ایک کام میں مصروف ہو جائیں وہاں بھلا کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑا زمین کا ٹکڑا بالکل صاف کر دیا گیا۔ یہ ٹکڑا ایسا تھا کہ اس میں بیچ بیچ میں بڑے بڑے سایہ دار درخت بھی موجود تھے۔ اور اس کے بعد گھاس پھوس کے جھونپڑوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو کئی روز تک جاری رہا۔ کیونکہ کافی جھونپڑے تعمیر کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی دوران میں دونوں قبیلے والوں نے شنتولا قبیلے والوں کے لیے میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ لوگ ایک دوسرے میں گھل مل گئے تھے۔ خاص طور پر دونوں قبیلے کے مرد تو جیسے شنتولا قبیلے کی عورتوں پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔

عجیب و غریب معاشرتی مہم جوئی

پروفیسر دراصل پورا اب تک تاریخ کے اس حصہ میں رہ رہے تھے جب کہ ابھی خاندان کا تصور ایک واضح اور مستحکم شکل نہیں اختیار کر پایا تھا اور قبیلہ ہی اصل چیز تھا جس میں ازدواجی جنسی معاشرت کا رواج تھا۔ اور اسے وہ لوگ فطرت کے اصولوں کے عین مطابق سمجھتے تھے۔ دنیا کے دوسرے بہت سے ممالک میں جس میں ایشیا اور یورپ کے بیشتر براعظم شامل تھے یہ نظام ختم ہو چکا تھا اپنی شکل تبدیل کر چکا تھا، خاندان کی مستحکم اکائیوں وجود میں آ چکی تھیں، شادی کا رواج ایک مستقل سماجی حیثیت اختیار کر چکا تھا، لیکن افریقہ کے ان گھنے اور تاریک جنگلوں میں رہنے والے بعید قدیم کے ان سیاہ فام انسانوں کے لیے زندگی میں بہت کم تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ یہ لوگ حیوانی زندگی سے کچھ ہی زیادہ پیش قدمی کر پائے تھے۔

میں ان چیزوں پر غور کرتا تھا۔ پروفیسر اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ انسانوں کی اس وسیع و عریض دنیا میں ایک ہی وقت میں کتنی مختلف دنیائیں آباد ہیں۔ مجھے ایک طرف تو یونان، روم اور مصر کی قدیم تہذیبیں یاد آتی تھیں جن سے میں گزر تا ہوا چلا آیا تھا، ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے ڈگمگاتے ہوئے محل، پرشور شہر اور لوگوں سے بھرے ہوئے کوچہ و بازار یاد آتے تھے اور دوسری طرف میں ان سیاہ فام انسانوں کو دیکھتا تھا جو ابھی لباس تک کے استعمال سے ناواقف تھے، جن کی دنیا ان کے جنگل کے ایک چھوٹے سے قطعے تک محدود تھی اور جنہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گوشت کو پکا کر بھی کھایا جا سکتا ہے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دو قبیلے کے سردار کباڈا کی مجھ سے بڑی دوستی ہوگئی تھی۔ میں نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ وہی بتایا تھا جو میں اس سے پہلے شنتولا قبیلے کے لوگوں کو بتا چکا تھا۔ کباڈا کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ سمندر کے اس پار بھی کوئی دنیا آباد ہے۔ اس کے خیال میں سمندر کے اس پار روحوں اور دیوتاؤں کی سرزمین تھی۔ اور وہاں کوئی انسان نہیں رہتا تھا۔ میں اسے مثال یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو سکا تھا کہ سمندر کے اس پار بھی لوگ بستے ہیں۔ ان کے جسموں کی رنگت سیاہ نہیں، بلکہ سفید ہوتی ہے۔ وہ لوگ بھی باتیں کرتے ہیں، وہیں رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہ بڑی دل چسپی کے ساتھ بڑی حیرت انگیز اور ناقابل یقین باتیں سنا کرتا اور آنکھیں پھاڑے مجھے گھورا کرتا۔

پندرہ دن آرام و سکون کے ساتھ گزر گئے۔ اس دوران دونوں میں کوئی لڑائی نہیں ہوا۔ چنانچہ مجھے یقین ہوگیا کہ اب شنتولا قبیلے کے کسی شخص کے جسم میں طاعون کے جراثیم موجود نہیں تھے۔ مجھے نہ شبہ تھا کہ اگر شنتولا قبیلے کے کسی ایک شخص پر طاعون کا حملہ ہوا تو پھر مجھے کچھ عرصہ تک دونوں قبیلوں کے لوگوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ اور دور رہنے کا حکم دینا پڑے گا۔ بارہ کا قبیلے کے کسی شخص تک یہ بیماری نہ پہنچنے پائے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ شنتولا قبیلے میں پھر کوئی شخص طاعون کا شکار نہیں ہوا۔ مجھے اطمینان ہوگیا کہ بیماری ختم ہو چکی ہے۔

دریں اثنا شنتولا قبیلے والوں کے جھونپڑے بن کر تیار ہو گئے تھے۔ دو کا قبیلے والوں نے ان جھونپڑوں کی تعمیر پر بڑی محنت کی تھی اور عورتوں کا دل جیتنے کی غرض سے انہیں بہت خوبصورت طریقے سے بنایا تھا۔ دونوں قبیلوں کے افراد اب آپس میں پر یک دوسرے کے ساتھ میل جول رکھتے تھے۔ رسمی طور پر دونوں قبیلوں کے سردار الگ الگ تھے، لیکن ابھی تک کوئی ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوئی تھی جس میں کوئی باقاعدہ اجلاس اور فیصلہ کرنے میں کوئی دقت ہوئی ہو۔ سیدھی سادی سی زندگی تھی جس میں باہمی تنازعات کی گنجائش کم سے کم تھی۔

دو قبیلے میں کرسمس کے بعد کوئی روحانی پیشوا نہیں تھا۔ کرسمس کے شادکردوں میں سے کباڈا کسی کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ اسے اس منصب پر فائز کر سکے۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ لوگ زیادہ طاقتور اور بااثر نہیں تھے۔ کباڈا نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے قبیلے کی روحانی پیشوائی بھی قبول کر لوں۔ لیکن میں نے یہ پیشکش مجھے اس وقت کی جب ایک خاص واقعہ پیش آیا جو مجھے اپنی فوقیت کا مجبوراً مظاہرہ کرنا پڑا۔

ہوا یوں کہ پروفیسر کرمیلسا کر میں نے بتایا کہ ہمارے یہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ندی تھی۔ یہ ندی اوپر پہاڑوں میں سے بہتی ہوئی آتی تھی اور نیچے اس کا پانی ایک پتلی سی نہر کی شکل میں بہتا چلا جاتا تھا اور پھر یہ کہیں دور جا کر سمندر میں مل جاتی تھی۔

ایک رات جبکہ سارے لوگ سو رہے تھے، ایک دل دہلا دینے والے خوف ناک دھماکے نے ساری بستی کو جگا کر رکھ دیا۔ لوگ جاگ کر اپنے اپنے جھونپڑوں میں سے نکل آئے۔ جلدی جلدی مشعلیں روشن کی گئیں۔ آس پاس کے حالات کا جائزہ لیا گیا لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ دھماکا کس چیز کا تھا۔ البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ یہ دھماکا پہاڑی کی جانب ہوا ہے جہاں سے ندی بہہ کر نیچے آتی ہے۔ لوگوں نے اس وقت وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا اور یہی طے پایا کہ صبح کو چل کر دیکھا جائے گا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔

علی الصباح دونوں قبیلوں کے سارے مرد اور عورتیں اکٹھے ہو گئے۔ بچوں کو جھونپڑوں میں چھوڑ دیا گیا۔ سب لوگ پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں جو منظر لوگوں نے دیکھا اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

پہاڑی کے اوپر سے گر کر آنے والی ندی غائب ہو گئی تھی۔ سب لوگوں نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ منظر دیکھا کہ اوپر سے پانی کی چادر بہتے نہیں نظر آ رہی تھی۔ پہاڑی کی وہ چٹان گیلی اور خاموش کھڑی تھی اور اس میں سے مثل ایک آدھ بوند ٹپک رہی تھی۔

سارے لوگ پیچھے کے راستے سے پہاڑی کے اوپر چڑھنے لگے۔ میں ان کے آگے آگے تھا۔ جب ہم لوگ اوپر پہنچے تو ہماری آنکھوں نے دوسرا حیرت ناک منظر دیکھا۔

پہاڑ کے اوپر سے ایک بہت بڑی اور وزنی چٹان لڑھک کر اس طرح پہنچ آئی تھی کہ اس نے ندی کا اس طرف کا دہانہ بند کر دیا تھا جہاں سے پانی گزر کر نیچے گرتا تھا۔ دہانے کا اس طرف کا حصہ بند ہو جانے کی وجہ سے پانی کا رخ تبدیل ہو چکا تھا۔ اب پانی پہاڑی کے پچھلے طرف ایک گہرے غار میں جا کر گر رہا تھا اور وہاں سے اندر ہی اندر بہہ کر نہ جانے کس طرف جا رہا تھا۔ ہم لوگ کو صرف غار کے اندر گرتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ اس سے آگے اس کی گزرگاہ ہمیں نظر نہیں آتی تھی۔

ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا! نیچے ندی میں تھوڑا بہت پانی موجود تو ضرور تھا لیکن وہ چند دن کے اندر اندر خشک ہو جاتا اور اوپر سے مزید پانی نہ ملنے کے باعث ندی صرف ایک سوکھی گزرگاہ بن کر رہ جاتی۔ پانی کے محلول کے لیے قبیلے والوں کو نیچے کی طرف سے چڑھ کر پہاڑ کے اوپر آنا پڑتا تھا۔ یہاں انہیں اتنا ہی پانی حاصل ہو سکتا تھا جتنا پانی بھرنے کے لیے ان کے ہاں برتن تھے۔ لیکن نیچے سے پہاڑ پر چڑھ کر آنا ایک دشوار عمل تھا اور اس کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ کیونکہ پہاڑ کی چڑھائی عمودی حالت میں تھی۔ سامنے سے تو وہ اتنی زیادہ [illegible]

میں تھی کہ اس پر چڑھنا، لگ بھگ ناممکن تھا۔ اب کیا کیا جائے، کباڈا، نارو اور دونوں قبیلوں کے سارے لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ پانی کا محلول اب ایک مسئلہ بن گیا تھا۔

"تم بتاؤ ڈیا بار، ہم اب کیا کریں؟" کباڈا نے پریشان ہو کر مجھ سے پوچھا۔

"اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ ڈیا بار، جلدی بتاؤ۔" نارو نے بے چینی سے کہا۔

"وہ یہ کہ اس چٹان کو، جو ندی کے دہانے کی راہ میں حائل ہو گئی ہے، یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ اسی چٹان نے ندی کا رُخ دوسری طرف بدل دیا ہے۔"

"لیکن اس چٹان کو کون ہٹا سکتا ہے؟" نارو نے میری طرف اس انداز میں دیکھا گویا اسے میری ذہنی صحت میں کوئی شبہ ہو گیا ہو۔ "اتنی بھاری بھرکم اور وزنی چٹان ہی اپنی جگہ سے ہلائی جا سکتی ہے؟"

"کیوں نہیں ہلائی جا سکتی؟" میں نے جواب دیا۔ "سارے لوگ مل کر کوشش کریں تو ضرور کامیابی حاصل ہو گی۔"

"کیا تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ سب لوگ مل کر چٹان کو اس کی جگہ سے ہٹا دیں گے؟" کباڈا نے بے یقینی کے ساتھ پوچھا۔

"کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے؟" میں نے جواب دیا۔

کباڈا اور نارو کے حکم سے زادِ سفر میں دونوں قبیلوں کے سارے لوگ وہاں جمع ہو گئے اور پھر سب کے سب لوگ اس چٹان کی طرف بڑھے جس نے اوپر سے گر کر ندی کا دہانہ بند کر دیا تھا اور اس کا رُخ تبدیل کر دیا تھا۔

ان سب لوگوں نے مل کر زور لگانا شروع کیا۔ میں سے کافی دور بیٹھا ہوا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ دونوں قبیلوں کے سارے مردوں اور ساری عورتوں نے اپنی ساری اجتماعی قوتیں صرف کر ڈالیں، لیکن مزدوں کی وزنی چٹان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بڑی دیر تک وہ لوگ زور آزمائی کرتے رہے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

بالآخر وہ لوگ مایوس ہو کر وہاں سے ہٹ آئے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آ گیا۔

"ہم نے بڑی کوشش کی ڈیا بار۔" کباڈا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس چٹان کو اس کی جگہ سے نہ تو ہلایا جا سکا ہے اور نہ ہی ہلایا جا سکتا ہے۔" میں نے کباڈا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"اب ہم کیا کریں گے؟" نارو نے پریشان ہو کر کہا۔ "اتنی دور سے اتنی مشکل حالات میں اوپر سے پانی لانا ناممکن ہے۔ پانی ہم سے بہت دور چلا گیا ہے۔ بہت دور۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" کباڈا نے کہا۔ "پانی واقعی ہم سے بہت دور چلا گیا ہے۔ اتنی زیادہ دور چلا گیا ہے کہ ہمارے لیے اس کی موجودگی یا عدم موجودگی برابر ہے۔ ہمیں تو اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے علاقے میں پانی نہیں ہے۔"

"تو پھر تم نے اس مسئلے کا کیا حل سوچا ہے؟" میں نے کباڈا سے پوچھا۔

"ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں ڈیا بار کہ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ ہمیں کوئی نئی جگہ تلاش کرنی ہوگی، کوئی ایسی جگہ جہاں پانی موجود ہو۔ ہمارا پانی تو اوپر پہاڑی میں قید ہو گیا۔ اب ہم اسے آزاد نہیں کرا سکتے۔" کباڈا نے کہا۔

"لیکن ہم لوگوں نے ان بستیوں پر محنت کی ہے، جگہیں صاف کر کے جھونپڑے تعمیر کیے ہیں۔ دونوں قبیلوں کے مردوں اور عورتوں نے مل جل کر رہنا شروع کر دیا ہے۔ ہمنے بڑی محنت سے یہ جگہ تیار کی ہے۔ اور تم لوگ ایک طویل زمانے سے یہاں رہتے چلے آئے ہو کیا ہم یہ سب کچھ اسی طرح چھوڑ جائیں گے؟"

"ہم اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟" کباڈا نے تحمل بھرے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے سے سخت مایوسی جھلک رہی تھی۔ "تو تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ اس چٹان کو یہاں سے ہٹایا نہیں جا سکتا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم کوشش کر کے دیکھ چکے ہیں ڈیا بار اور تم سمجھ کی بات کر رہے ہو۔" کباڈا نے جھلا کر جواب دیا۔

میں نے اس کی جھنجلاہٹ کا برا نہیں مانا۔ ظاہر ہے کہ اسے جھنجلانا ہی چاہیے تھا۔ میرے کہنے کے مطابق وہ سارے کے سارے لوگ اپنی ساری کوشش کر چکے تھے۔ لیکن چٹان اپنی جگہ سے ہلی بھر بھی نہیں ہلی تھی۔

میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور تنہا چٹان کی طرف چل پڑا۔ کسی نے اس بات کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ان کا خیال تھا کہ میں چٹان کا جائزہ لینے جا رہا ہوں۔

میں نے چٹان کے قریب پہنچ کر اس کا جائزہ لیا۔ چٹان نے گر کر ندی کا چھوٹا سا راستہ بند کر دیا تھا اور پانی کا رخ دوسری طرف کر دیا تھا۔ اب اگر اس چٹان کو راستے کی طرف ڈھکیل دیا جاتا تو یہ سیدھی نیچے جا کر گرتی اور پتلے سے جو ندی کی بنی ہوئی گزرگاہ موجود تھی، اس میں گرتی اور عین ممکن تھا کہ پھر ندی میں پانی کے بہاؤ میں خلل واقع ہو جاتا۔ اس لیے مناسب یہ تھا کہ اس چٹان کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا جاتا تاکہ ندی کے دہانے کا پرانا راستہ بالکل صاف ہو جائے اور اس میں کوئی رکاوٹ موجود نہ رہے۔

میں گھوم کر سامنے کی طرف آ گیا تاکہ چٹان کو پیچھے کی طرف ڈھکیل سکوں۔ میں نے دونوں ہاتھ چٹان پر رکھ دیے اور آہستہ آہستہ اپنے جسم کا دباؤ بڑھانا شروع کیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب نارو کی نظر پڑی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نظر پڑی وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ نارو کو ہنستے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی میری طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ لوگ نارو کی ہنسی میں ہی شریک ہو گئے۔ وہ بھی یہ کہہ رہے تھے کہ میں محض مسخرہ پن کر رہا ہوں۔

لیکن اس وقت ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انھوں نے محسوس کیا کہ چٹان اپنی جگہ سے ہل رہی ہے۔

"چٹان ہل رہی ہے۔۔۔۔ چٹان ہل رہی ہے۔" نارو اگلا پھلانگ کر چیخی۔

"واقعی چٹان ہل رہی ہے۔۔۔۔ وہ اپنی جگہ سے سرک رہی ہے۔" کیا ڈا حیران ہو کر چلایا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر تیزی سے میری طرف آنے لگے تاکہ میری مدد کر سکیں۔ لیکن میں دانستہ طور پر یہ چاہتا تھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام دکھا دوں۔ چنانچہ میں نے زور لگایا اور زور لگایا اور بیکاری ہزاروں من وزنی چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ ہلی، لرزی، لڑھکی اور پھر لڑھکتی ہوئی پہاڑی کی دوسری طرف گرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی پانی کا زوردار شور اتھاہ بلند ہوا اور اگر میں خود کو پہلے سے اس صورتحال کے لیے تیار کیے ہوئے نہ ہوتا تو پانی کی تیز دھار مجھے نیچے ندی میں پھینک دیتی۔ میں نے اپنے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ جمائے ہوئے تھے، اسی لیے میں نیچے نہیں گرا، البتہ سر سے پاؤں تک پانی میں ڈوب گیا۔ اسی کے ساتھ ایک نہایت بھیانک اور زوردار دھماکا ہوا جس کے شور میں چند لمحوں کے لیے ساری آوازیں ڈوب کر رہ گئیں۔

جاری ہو کر چٹان پہاڑی کے دوسری طرف پتھروں پر جا گری تھی اور قیامت کا شور برپا ہوا تھا۔

اس اثنا میں پانی کی دھار سے ہٹ کر لوگ برگیا تھا۔ رکے ہوئے پانی کو راستہ مل گیا تھا اور وہ ایک غضب ناک طوفانی دھار کی شکل میں نیچے گر رہا تھا۔

تمام لوگ دوڑ کر میرے قریب آ گئے۔ میں سیکڑوں انسانوں کے مجمعے کے درمیان کھڑا گیا۔ کئی سو آنکھیں بیک وقت میرے چہرے اور جسم کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"ٹیا بو، یہ تم نے۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا؟ کیسے کیا؟" کیا ڈا نے گھبراتی ہوئی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

اس کے سوال کے جواب میں میں صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔

"ٹیا بو کو شکان دیوتا کی خصوصی قوت حاصل ہے۔" میرے بجائے نارو نے جواب دیا۔ "شکان دیوتا نے اسے زبردست قوتوں سے نوازا ہے۔"

"کیا تمھارا شکان دیوتا کسی انسان کو اتنا طاقتور بھی بنا سکتا ہے؟" کیا ڈا نے حیرت سے پوچھا۔

"شکان دیوتا ہمارے دیوتاؤں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "اسے سارے دیوتاؤں پر فوقیت حاصل ہے اور جو شخص اس سے قربت حاصل کر لیتا ہے، شکان دیوتا اسے غیر معمولی قوت کے خزانوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔ ٹیا بو پر شکان دیوتا بہت مہربان ہے، اس لیے اس نے ٹیا بو کو بہت سی قوتیں بخش دیں۔ اب یہ دوسرے انسان سے زیادہ طاقتور ہے۔"

کیا ڈا اور اس کے قبیلے کے سارے لوگ حیرت کے ساتھ یہ باتیں سن رہے تھے۔ ان کی آنکھوں نے اگر خود یہ منظر نہ دیکھا ہوتا تو شاید انھیں کبھی اس بات کا یقین نہ آتا۔ لیکن اب ظاہر ہے کہ یقین کرنے کے علاوہ چارہ نہیں تھا۔

بات یہ ہے پروفیسر کہ میں نے ایک خاص وجہ سے ان لوگوں کے سامنے اپنی اس غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ورکا قبیلے کے لوگ باگرنا کی کسی دیوتا کے پجاری تھے اور اسے سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ جبکہ شنتوا قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کو پوجتے تھے۔ اس وجہ سے دونوں قبیلوں کے درمیان اکثر چپقلش بھی ہو جاتی تھی اور دو ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن بات آگے بڑھ جائے اور دونوں قبیلوں میں اس مسئلے پر کوئی خونریز معرکہ کھڑا ہو جائے۔ اس لیے میں نے ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ شکان دیوتا کے ایک پجاری کی حیثیت سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ نارو اور شنتوا قبیلے کے دوسرے لوگ میری قوت کے ذریعے انجام پانے والے کسی بھی غیر معمولی کارنامے کو شکان دیوتا کی کرامات سے منسوب کریں گے۔ اور اس طرح شکان دیوتا کو برتری حاصل ہو جائے گی۔ میں چاہتا تھا کہ دونوں قبیلوں کے لوگ ایک ہی دیوتا کے پرستار بن جائیں تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ قدرت نے ایک موقع فراہم کیا اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اب مجھے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ نارو بڑی عمدگی سے میری وکالت کر رہی تھی اور شکان دیوتا کی طاقت کے گن گا رہی تھی۔

"شکان دیوتا واقعی عظیم ہے۔" کیا ڈا نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "جس چٹان کو ہم سیکڑوں انسان مل کر بھی اس کی جگہ نہیں ہلا سکے اسے ٹیا بو نے تنہا دھکیل کر نیچے پھینک دیا۔ اس کارنامہ واقعی غیر معمولی ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔"

"شکان دیوتا کی دی ہوئی قوت کی ہی بدولت ٹیا بو نے پہلے دنوں ایک بھاری بدن والے گینڈے کو جن تنہا، بغیر کسی ہتھیار کے ہلاک کر کے پھینک دیا تھا۔" نارو نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس نے گینڈے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر نیچے پٹخ دے مارا تھا۔"

"یہ کارنامہ بھی اپنی جگہ پر حیرت انگیز ہے۔" کیا ڈا نے

چٹان کو دھکیل کر گرا دینے کے واقعے سے زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ جادو، تمھارا کیا خیال ہے، اگر ہم لوگ بھی شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں تو کیا وہ ہم میں سے کسی کو اتنی قوت بخش دے گا؟ مثال کے طور پر کیا وہ مجھے بھی تمھارے جتنا طاقتور بنا سکتا ہے؟"

"یہ دیوتا کی مرضی ہے، اور اس میں کسی کو دخل نہیں حاصل ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کسی سے خوش ہو جائے تو اسے طاقت بخش سکتا ہے۔"

"شکان دیوتا کو کس طرح خوش کیا جا سکتا ہے؟" کیا ڈا نے لالچ کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کوئی آسان کام نہیں ہے میرے دوست۔" میں نے اس موضوع میں دلچسپی کرتے ہوئے کہا۔ "نارو اور شنتوا قبیلے کے دوسرے لوگ تو صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے تقریباً تین ماہ کا عرصہ جنگل غاروں میں گمنام یا عزلت گزیں کے گزارا تھا۔ لیکن اس دوران میں کیا کیا مصیبتیں جھیلی تھیں، ان کا ان لوگوں کو کوئی علم نہیں ہے۔ کسی وقت الہیان سے تفصیل بتاؤں گا کہ اس طاقت کا حصول کتنا مشکل کام ثابت ہوا تھا۔"

"جو کچھ تم نے کیا تھا میں وہ سب کرنے کے لیے تیار ہوں۔" کیا ڈا نے شدید اشتیاق کے عالم میں کہا۔ "میں اپنے قبیلے والوں کو حکم دوں گا کہ وہ بھی سب کے سب شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں، کیونکہ شکان دیوتا بہت طاقتور ہے۔ اور اب جبکہ دونوں قبیلوں کا دیوتا ایک ہی ہو جائے گا تو میں چاہوں گا کہ دونوں کا روحانی پیشوا بھی ایک ہی ہو اور وہ صرف تم ہو سکتے ہو۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم ورکا قبیلے کی روحانی پیشوائی بھی قبول کرو۔ اس طرح دونوں قبیلوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں ٹیا بو۔" نارو نے کہا۔ "اور اس کے جواب میں میں یہ تجویز پیش کرتی ہوں کہ اگر ورکا قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں اور تم دونوں قبیلوں کے مشترکہ روحانی پیشوا بن جاؤ تو پھر دونوں قبیلوں کو الگ الگ قبیلوں کی حیثیت سے رہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس صورت میں دونوں قبیلوں کا سردار بھی ایک ہی ہو جائے گا۔ ایک ہی قبیلہ ہو گا اور اس کا ایک ہی سردار ہو گا۔ وہ سردار گا کیا کی۔ میں اپنے سرداری کے حق سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"اگر تم یہ قربانی میری وجہ سے دینا چاہتی ہو تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تم شوق سے اپنے قبیلے کی سردار رہو۔ میں دونوں قبیلوں کی روحانی پیشوائی کے فرائض انجام دے لوں گا۔"

"اس میں قربانی دینے کا کوئی سوال نہیں ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "دراصل میں خود یہ محسوس کرتی ہوں کہ جب ہم سب لوگ آپس میں اس طرح مل جل کر رہ رہے ہیں، ہمارے درمیان کوئی خلیج موجود نہیں ہے، تو اب ہمارا دیوتا بھی ایک ہونے والا ہے تو پھر دو سردار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہی سردار کافی ہے، اور اس منصب کے لیے کیا ڈا سے بہتر سردار کون ہو سکتا ہے؟"

"میں اس بات پر اصرار نہیں کروں گا۔" کیا ڈا نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "نارو اگر چاہے تو وہ دونوں قبیلوں کی مشترکہ سردار بن سکتی ہے۔"

"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔" نارو نے جواب دیا۔ "قبیلے کے سردار تم ہی رہو گے۔ ٹیا بو روحانی پیشوا ہو گا اور تم قبیلے کے سردار رہو گے، اور ہمارا ایک ہی قبیلہ ہو گا۔"

"ہمیں شکان دیوتا کا پجاری بننے کے لیے کیا کرنا ہو گا؟" کیا ڈا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس کے لیے ہمیں ایک خصوصی جشن کا اہتمام کرنا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "ظاہر ہے پروفیسر، مجھے کوئی نہ کوئی ڈھونگ تو رچانا ہی تھا تاکہ کیا ڈا اور اس کے قبیلے والوں کو یہ باور کرایا جا سکے کہ وہ شکان دیوتا کے پجاری بن گئے ہیں اور شکان دیوتا نے انھیں اپنے پجاریوں کی حیثیت سے قبول بھی کر لیا ہے۔

"اس جشن کے دوران ایک نہایت دلچسپ الاؤ تیار کیا جائے گا۔" میں نے کیا ڈا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ورکا قبیلے کے لوگ ڈھولوں کی تھاپ پر اپنا رقص پیش کریں گے۔ اس رقص میں شنتوا قبیلے کے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ پانچ بڑے بڑے جانوروں کو کاٹ کر ان کی قربانی شکان دیوتا کے حضور میں پیش کی جائے گی۔ ان جانوروں کے گوشت کو آگ پر بھون کر سارے لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا۔۔۔ کا قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کی شان میں گیت گائیں گے۔ اس کے بعد میں شکان دیوتا سے پوچھوں گا کہ آیا اس نے ورکا قبیلے کے لوگوں کو اپنے پجاریوں کی صفوں میں شامل کر لیا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد مجھے شکان دیوتا کا اشارہ مل جائے گا اور میں تم لوگوں کو مطلع کر دوں گا۔"

"لیکن ہم لوگوں کو اس بات کا یقین کس طرح آئے گا کہ شکان دیوتا نے ہمیں اپنے پجاریوں کی صفوں میں شامل کر لیا ہے؟" کیا ڈا نے پوچھتا ہوا سوال کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس سوال کا جواب اتنا ہولناک ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم اسے سننے کی تاب بھی لا سکو گے یا نہیں۔"

"تمھارا کیا مطلب ہے؟" کیا ڈا نے پریشانی سے کہا۔ "صاف بتاؤ۔ ہمیں کس طرح معلوم ہو سکے گا؟"

"شکان دیوتا تمھیں خود بتائے گا۔" میں نے تم لوگوں کو قبول کر لیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا۔ "اور اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ وہ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تمھیں قبول کرے گا تو مجھے حکم دے گا کہ میں تم سب لوگوں کی ہوا میں آگ کے جلتے ہوئے الاؤ میں پھلانگ لگادوں۔ شکان دیوتا کے حکم پر میں الاؤ میں کود پڑوں گا اور تھوڑی دیر تک الاؤ میں رہنے کے بعد زندہ واپس نکل آؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شکان دیوتا نے تم لوگوں کو اپنے پجاریوں کے حلقے میں شامل کر لیا ہے۔ اس کے بعد تم اپنے پرانے دیوتا کو بھول جانا اور شکان دیوتا کے ہی پجاری بنے رہنا۔ اگر تم نے پھر شکان دیوتا کو چھوڑ دیا تو وہ سخت ناراض ہو جائے گا اور تمھیں کڑی سزا دے گا۔"

کمبا ڈاحیرت اور خوف کے عالم میں منہ کھولے ہوئے میری باتیں سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"تم نے کیا کہا؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم جلتی ہوئی آگ کے الاؤ میں کود پڑو گے اور اس میں سے زندہ واپس نکل آؤ گے؟ یہ ناممکن ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ آگ کا کام تو جلانا ہے۔ وہ تو تمھیں جلا کر خاک کر دے گی۔"

"بیشک آگ کا کام جلانا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اگر شکان دیوتا آگ کو یہ حکم دے کہ وہ میرے جسم کو نہ جلائے تو آگ میرے جسم کو نہیں جلائے گی۔ آگ بھی شکان دیوتا کے حکم کی پابند ہے۔ اور اس میں اتنی طاقت نہیں کہ شکان دیوتا کے حکم کو ٹال سکے لیکن شکان دیوتا مجھے آگ میں کودنے کا حکم صرف اسی صورت میں دے گا جب وہ دور کا قبیلے والوں کو اپنے پجاریوں میں شامل کرے گا۔ اس کے حکم کے بعد ہی میں آگ میں کودوں گا۔ اگر میں اس کے حکم کے بغیر آگ میں کود گیا تو میرے جسم کی راکھ کا بھی پتا نہیں چلے گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔" کمبا ڈا نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "شکان دیوتا کی قوتوں کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تم اس کے پجاری ہو اور اس نے تمھیں اتنی طاقت دے دی ہے کہ تم نے تنہا اس چٹان کو اپنی جگہ سے گرا دیا ہے سیکڑوں انسان مل کر بھی ہلا نہیں سکتے تھے۔ اب تم کہتے ہو کہ شکان دیوتا کے حکم پر تم آگ میں کود جاؤ گے اور آگ تمھیں نہیں جلائے گی۔ یہ ساری باتیں واقعی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہیں۔"

"وقت آنے پر تمھیں اس کا پتا چل جائے گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن اگر شکان دیوتا نے ہم لوگوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو؟" کمبا ڈا نے کہا۔

"تو پھر ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن مجھے امید ہے کہ شکان دیوتا تم لوگوں کو قبول کرے گا کیونکہ وہ اپنے پجاریوں کی تعداد میں اضافے سے خوش ہوتا ہے۔"

میری ہدایت پر اگلے ہفتے ایک خصوصی جشن کا اہتمام کیا گیا۔

میں اس سارے ڈرامے کو زیادہ سے زیادہ تحیر خیز دل چسپ بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے دونوں قبیلوں کے مردوں اور عورتوں کو جمع کر کے انھیں یہ ہدایت دی کہ جشن کے دن شکان دیوتا کی عبادت کے بعد تمام مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ صرف رقص کریں گے۔ یہ ایک خصوصی جشن ہے اور اس کا مقصد دونوں قبیلوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ہاں، اگر شکان دیوتا دور کا قبیلے کو اپنے پجاری کو یوں میں شامل کرنے پر آمادہ ہو جائے اور وہ علی الظہور اظہار بھی کر دے تو پھر اس کے بعد مردوں اور عورتوں کو آزادی حاصل ہوگی کہ وہ جو چاہیں کریں۔

یہاں تک شنتوا قبیلے کے لوگوں کا تعلق ہے، وہ لوگ پہلے بھی تین بار میری غیر معمولی قوتوں کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ ایک تو اس وقت جب میں نے سب کے سامنے ایک کو ہلاک کیا تھا، پھر ایک بار اس وقت جب اپنی اس حیثیت کے لیے کہ میں شکان دیوتا کا ترجمان ہوں کہ ان کے قبیلے میں ان کی موجودگی میں جلتے ہوئے الاؤ میں کود پڑا تھا اور اس کے زندہ واپس نکل آیا تھا۔ اور تیسرے اس وقت جب دور میں نے ایک گینڈے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر پٹخ مارا تھا۔ لیکن دور کا قبیلے والوں کے سامنے میری طاقت کا ایک ہی مظاہرہ ہوا تھا اور وہ تھا چٹان کو گرا دینے والا واقعہ۔ دور کا قبیلے والوں کو یہ ہدایت کر دیا تھا کہ دیوتا سمجھ کر میری پوجا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ میں نے ان سے کہا: "میں خود دیوتا نہیں ہوں لیکن مجھے شکان دیوتا نے اپنی قوتیں عطا کی ہیں۔ اور کسی ایک شخص نے بھی مزاحمت نہیں کی سوائے لیوما کے بخشی ہیں تو وہ سب کے سب شکان دیوتا کے گرویدہ ہو جائیں گے۔ اب تمھیں یہ بات بتائی گئی کہ ان کا سردار کمبا ڈا بھی اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرح شکان دیوتا کے پجاریوں میں شامل کرنا چاہتا ہے تو ان کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ سب کے سب دل و جان سے تیار ہو گئے اور بڑی بے چینی کے ساتھ جشن کی رات کرنے لگے۔ خود شنتوا قبیلے کے لوگ بھی بہت خوش اب دونوں قبیلوں کے درمیان تمام امتیازات ہمیشہ ختم ہو جائیں گے۔

البتہ دور کا قبیلے میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو خوش نہیں تھا۔ اس کا نام ٹیوما تھا اور وہ ورمس کا خاص میں نے اس کے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگایا تھا حسد و عداوت میں وہ اپنے استاد سے بھی دو قدم آگے تھا۔

جشن کی رات سے کئی روز پہلے کمبا ڈا نے مجھے بتایا کا مسلسل اصرار ہے کہ ہم لوگ اپنے پرانے دیوتا کو چھوڑ دیں۔ وہ ناراض ہو کر ہمیں کسی نہ کسی بھاری مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ لیوما کا یہ بھی کہنا تھا کہ۔ اگر شکان دیوتا نے ہم لوگوں کو قبول کر لیا تو ہم دونوں طرف سے مارے جائیں گے۔ شکان دیوتا بھی غضب ناک ہو کر ہماری تباہی کے ہاتھ اٹھا دے گا۔ اس لیے میں نے کمبا ڈا سے کہا کہ وہ لیوما کو سمجھائے کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے۔ شکان دیوتا ہی ہمیں پناہ عطا کرے گا۔ لیوما اس بات کے بھی خلاف ہے کہ میں ان کے قبیلے کے روحانی پیشوا کا منصب دے دیا جائے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس منصب کا مستحق وہ خود ہے اور موجودگی میں کسی دوسرے کو یہ منصب نہیں سونپا جا سکتا۔ اس کا سب سے ناپسندیدہ عمل یہ اور قابل شاگرد ہے اور جو کچھ سکھانا چاہتے ہیں، وہ سب اسے سخت ناپسند ہے اور وہ اس سے نفرت کرتا ہے۔"

"پھر تم نے لیوما سے کیا کہا؟" میں نے کمبا ڈا سے پوچھا۔

"میں نے اس سے کہا کہ میں دور کا قبیلے کا سردار ہوں اور قبیلے کے فیصلے کرنا میرا کام ہے۔ میں نے شکان دیوتا کے پجاری کی قوت کے بارے میں جس دیوتا کا پجاری طاقتور ہو، وہ دیوتا خود کتنا طاقتور ہوگا، ہم مجھے یقین ہے لیوما اپنی مخالفت بالآخر ترک کر دے گا۔ اگر شکان دیوتا کے حکم پر تم آگ میں کود کر زندہ نکل آئے تو لیوما کو شکان دیوتا کی طاقت کا کوئی شبہ نہیں رہے گا۔"

"میکوئی زبردستی کا سودا نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اب بھی وقت ہے۔ تم چاہو تو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتے ہو۔ اگر تم مجھے یہ کہو کہ لیوما کی بات میں کوئی وزن ہے تو تمھیں پتا بدلنے کی پوری اجازت ہے۔"

"مجھے پیار اور وہ بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" کمبا ڈا نے کہا۔ "میرے قبیلے کے لوگوں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا ہے اور کسی ایک شخص نے بھی مزاحمت نہیں کی سوائے لیوما کے۔

وہ تاعظیم ہے؟" کے الفاظ خود بخود ادا ہونے لگے۔ اب حالت یہ تھی کہ قبیلے والے شکاری قبیلے کے سارے مرد اور عورتیں جنوں کے عذاب میں قید کر رہے تھے اور شکان دیوتا کی توصیف کر رہے تھے۔

اچانک مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے چلا کر جو دیکھا ایک چمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ سارے لوگ موجود تھے لیکن کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ جشن میں شریک نہیں تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ شکان دیوتا کا پجاری بننے کے لیے تیار نہیں ہے۔

جب قص اپنے عروج پر پہنچ گیا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو رک جانے کا حکم دیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ لوگ تھوڑی دیر سستا لیں کیونکہ ان کے جسموں سے پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں اور ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

لوگوں کی اس کارکردگی سے میں نے الاؤ میں آگ لگا دی۔ اب پورے الاؤ کو بھڑکا کر تیار ہونے کے لیے کافی دیر درکار تھی۔ اس اثنا میں میں نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ بانچوں بھینسوں کو ہلاک کر دیں اور ان کے جسموں کا گوشت بڑے بڑے ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ لیں۔ ادھر الاؤ جلانا شروع ہوا ادھر لوگ بھینسوں پر پل پڑے اور انھوں نے انھیں کاٹ پیٹ کر برابر کر دیا۔ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے الگ کر لیے گئے۔ اس سارے کام میں تقریباً دو گھنٹے لگ گئے۔ اب الاؤ بھی بھڑک کر خوب تیار ہو چکا تھا۔ لوگوں کو آرام بھی کافی مل گیا تھا۔ رات بھیگ رہی تھی، جنگلی جانوروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیاہ آسمان پر چمکیلے ستارے ٹنکے ہوئے تھے، اور ہوا میں رات کی ہوا جیسی خنکی تھی مزید برآں قسم قسم کے پھولوں، پھلوں اور درختوں کی خوشبو جو جنگل سے ہو کر وادی پر سفر کرتی ہوئی بستی کے میدان تک آ رہی تھی۔

"رقص دوبارہ شروع کیا جائے۔" میں نے حکم دیا۔ لیکن اس بار لوگوں نے رقص میں حصہ نہیں لیا۔ وہ گوشت کاٹنے کے کام میں مصروف رہے۔ کیونکہ انھیں سستانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ شکان دیوتا سارے انسانوں کو برابر سمجھتا ہے۔

رقص اور موسیقی کا پروگرام ایک بار پھر پورے زور و شور کے ساتھ شروع ہو گیا۔ لوگوں پر ایک دیوانگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ فضا "شکان دیوتا عظیم ہے" کے نعروں نے جیسے آسمان کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ کباڑا الاؤ کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے جلتا ہوا آگ اور قریب تھا کہ وہ اپنی دیوانگی کے عالم میں مجھ سے پوچھ گچھ کر لیتا۔ میں نے چلا کر اسے رک جانے کو کہا۔ وہ ایک دم ڈر کر رک گیا۔

"میں آگ میں سے نکل کر آ رہا ہوں کباڑا۔" اور میرا چہرہ ہیبت ناک ہو رہا ہے۔ اگر تم بھی مجھے چھو لو گے تو تمھارے جسم پر آبلے پڑ جائیں گے اور تم جھلس جاؤ گے۔ اس لیے اس وقت کا انتظار کرو کہ میں آگ سے باہر نکل آؤں۔"

کباڑا میرے حکم کے مطابق وہیں کھڑا رہا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مجھ سے دور نہیں ہوا تھا اور اس سارے عرصے میں رقص میں برابر کا شریک رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔

"سنو لوگو، سنو دور کے قبیلے کے لوگو! مجھے شاہ ہلل کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔" میں نے زور زور سے چلا کر کہا۔ "شکان دیوتا نے دور کے قبیلے والوں کو اپنے پجاریوں کی صف میں شامل کر لیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب لوگوں کے اس جلتے ہوئے الاؤ میں سے گزار دوں۔ شکان دیوتا نے آگ کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے جسم کو نہ جلائے۔ میں آگ میں کود کر اب زندہ نکل آؤں گا تو تم لوگ اس بات کا یقین کر لینا کہ شکان دیوتا نے میری درخواست قبول کر لی ہے اور تمھیں اپنے پجاریوں میں شامل کر لیا ہے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ شکان دیوتا کتنا عظیم اور طاقت ور ہے۔ آگ میں سے حکم کی تعمیل کون کون کرتا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی میں نے "شکان دیوتا عظیم ہے" کا نعرہ بلند کر کے الاؤ میں چھلانگ لگا دی۔ لوگوں پر چند لمحوں کے لیے مکمل سکوت طاری ہو گیا۔ یوں لگتا تھا گویا ان کے ہوش و حواس گم ہو گئے ہوں۔ چند ثانیوں تک وہ سکتے کے عالم میں کھڑے رہے پھر جیسے وہ ایک خواب سے بیدار ہو گئے۔ "شکان دیوتا عظیم ہے" کے نعرے بلند کیا اور ساتھ ہی سیکڑوں آوازوں نے اس کا جواب دیا ایک ہا۔ پھر بجنے لگے۔ اور موسیقی کی تان پر شور و شور سے رقص شروع ہو گیا۔

میں الاؤ میں اتر کر جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کو اپنے میں جذب کر رہا تھا۔ مجھ پر ایک وارفتگی کی کیفیت طاری تھی جسم میں لذت و سرور کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس مرتبہ مجھے جلنے میں آگ کو اپنے جسم کے اندر جذب کرتا رہا اور شدید حرارت اور تپش حاصل کرتا رہا۔ باہر سے "شکان دیوتا عظیم ہے" کی دھن کی میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔

بالآخر کافی دیر گزر گئی تو میں الاؤ میں سے باہر نکل آیا۔ زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر لوگ جیسے خوشی کے مارے پاگل ان کے رقص نے دیوانگی کی ساری حدود کو پھلانگ ڈالا تھا۔ گویا ان کے جسم نہیں ہیں بلکہ سیاہ رنگ کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔ "شکان دیوتا عظیم ہے" کے نعروں نے جیسے آسمان کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ کباڑا الاؤ کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور قریب تھا کہ وہ اپنی دیوانگی کے عالم میں مجھ سے لپٹ جاتا میں نے چلا کر اسے رک جانے کو کہا۔ وہ ایک دم ڈر کر رک گیا۔

"میں آگ میں سے نکل کر آ رہا ہوں کباڑا۔" اور میرا چہرہ ہیبت ناک ہو رہا ہے۔ اگر تم بھی مجھے چھو لو گے تو تمھارے جسم پر آبلے پڑ جائیں گے اور تم جھلس جاؤ گے۔ اس لیے اس وقت کا انتظار کرو کہ میں آگ سے باہر نکل آؤں۔"

کباڑا میرے حکم کے مطابق وہیں کھڑا رہا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مجھ سے دور نہیں ہوا تھا اور اس سارے عرصے میں رقص میں برابر کا شریک رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔

"سنو لوگو، سنو دور کے قبیلے کے لوگو! مجھے شاہ ہلل کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔" میں نے زور زور سے چلا کر کہا۔ "شکان دیوتا نے دور کے قبیلے والوں کو اپنے پجاریوں کی صف میں شامل کر لیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب لوگوں کے اس جلتے ہوئے الاؤ میں سے گزار دوں۔ شکان دیوتا نے آگ کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے جسم کو نہ جلائے۔ میں آگ میں کود کر اب زندہ نکل آؤں گا تو تم لوگ اس بات کا یقین کر لینا کہ شکان دیوتا نے میری درخواست قبول کر لی ہے اور تمھیں اپنے پجاریوں میں شامل کر لیا ہے۔ میں بھی دیکھوں گا کہ شکان دیوتا کتنا عظیم اور طاقت ور ہے۔ آگ میں سے حکم کی تعمیل کون کون کرتا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی میں نے "شکان دیوتا عظیم ہے" کا نعرہ بلند کر کے الاؤ میں چھلانگ لگا دی۔ لوگوں پر چند لمحوں کے لیے مکمل سکوت طاری ہو گیا۔ یوں لگتا تھا گویا ان کے ہوش و حواس گم ہو گئے ہوں۔ چند ثانیوں تک وہ سکتے کے عالم میں کھڑے رہے پھر جیسے وہ ایک خواب سے بیدار ہو گئے۔ "شکان دیوتا عظیم ہے" کے نعرے بلند کیا اور ساتھ ہی سیکڑوں آوازوں نے اس کا جواب دیا ایک ہا۔ پھر بجنے لگے۔ اور موسیقی کی تان پر شور و شور سے رقص شروع ہو گیا۔

میں الاؤ میں اتر کر جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کو اپنے میں جذب کر رہا تھا۔ مجھ پر ایک وارفتگی کی کیفیت طاری تھی جسم میں لذت و سرور کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس مرتبہ مجھے جلنے میں آگ کو اپنے جسم کے اندر جذب کرتا رہا اور شدید حرارت اور تپش حاصل کرتا رہا۔ باہر سے "شکان دیوتا عظیم ہے" کی دھن کی میرے کانوں میں آ رہی تھیں۔

بالآخر کافی دیر گزر گئی تو میں الاؤ میں سے باہر نکل آیا۔ زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر لوگ جیسے خوشی کے مارے پاگل ان کے رقص نے دیوانگی کی ساری حدود کو پھلانگ ڈالا تھا۔ گویا ان کے جسم نہیں ہیں بلکہ سیاہ رنگ کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔ "شکان دیوتا عظیم ہے" کے نعروں نے جیسے آسمان کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ کباڑا الاؤ کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور قریب تھا کہ وہ اپنی دیوانگی کے عالم میں مجھ سے لپٹ جاتا میں نے چلا کر اسے رک جانے کو کہا۔ وہ ایک دم ڈر کر رک گیا۔

"میں آگ میں سے نکل کر آ رہا ہوں کباڑا۔" اور میرا چہرہ ہیبت ناک ہو رہا ہے۔ اگر تم بھی مجھے چھو لو گے تو تمھارے جسم پر آبلے پڑ جائیں گے اور تم جھلس جاؤ گے۔ اس لیے اس وقت کا انتظار کرو کہ میں آگ سے باہر نکل آؤں۔"

کباڑا میرے حکم کے مطابق وہیں کھڑا رہا۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی مجھ سے دور نہیں ہوا تھا اور اس سارے عرصے میں رقص میں برابر کا شریک رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔

شعلہ ہو جائے۔"

کباڑا کی سمجھ میں میری بات آ گئی اور وہ وہیں بیٹھ گیا۔

"دور کے قبیلے کے لوگو! میں نے کہا۔ "رقص و موسیقی کا سلسلہ پھر شروع کرو اور میدان میں ایک جگہ جمع ہو جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔"

سب لوگ میدان کے وسط میں ایک جگہ پر جمع ہو گئے۔ میں نے تھوڑی دیر تک کرا اپنے جسم کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔ کباڑا برابر میرے ساتھ لگا ہوا تھا۔

میں نے مبارک ہو دوستو! میں نے دور کے قبیلے والوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس طرح شکان دیوتا نے میری درخواست قبول کر لی ہے اور تمھیں اپنے پجاریوں میں شامل کر لیا ہے۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شکان دیوتا کتنا عظیم اور طاقت ور ہے۔ آگ تک اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہے۔"

میں نے کہ کر لوگوں کے ہاتھوں کا جائزہ لیا، وہ سب کے سب خوشی کے مارے جیسے کھلے جا رہے تھے۔ "سنو، میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔" شکان دیوتا نے تم سب کو یہ پیغام دیا ہے کہ اب تمھارے قبیلے میں ایک بے تاج بادشاہ کی بھی ضرورت ہے۔ اس قبیلے کا نام کاشی قبیلہ ہو گا۔ کاشی میں اور کاشی قبیلے کے لوگوں کے لیے یہ بھی فیصلہ ہے کہ آج سے کاشی قبیلے کا ایک ہی سردار ہو گا اور اس وقت وہ سردار کباڑا ہے۔"

یہ سنتے ہی کباڑا بے تحاشہ اچھلنے کودنے لگا۔ لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پھر سکون رہنے کی تلقین کی۔ قبیلے کا باقی سامان تقسیم کیا جائے گا اور اس کے علاوہ شکان دیوتا کے حکم کے مطابق قبیلے کے سردار کا ایک نائب بھی ہو گا جو سردار کو ضروری مشورے دے گا وہ نائب زاروموی ہو گا۔"

کباڑا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس کی نظروں نے زاروموی کو تلاش کر لیا جو اس سے زیادہ دور نہیں تھی۔ کباڑا نے شاہانہ انداز سے ہاتھ کے اشارے سے زاروموی کو اپنے قریب بلایا۔ زاروموی اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"شکان دیوتا نے ایک بات اور بھی کہی ہے۔" میں نے لہجہ کو بدلتے ہوئے کہا۔ جو مجھے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ "وہ یہ کہ اگر سابقہ دور کے قبیلے کا کوئی شخص اپنے قبیلے والوں کو ہمارے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرے یا ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو شکان دیوتا اس کی ذات کا بھی ذمہ دار ہو گا۔ ایسے شخص کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ اپنی حرکتوں کی خود ذمہ دار ہو گا۔"

یہ بات میں نے جان بوجھ کر کہی تھی۔ پروفیسر مجھے معصوم لگتا تھا۔ اس نے جشن میں شرکت نہیں کی ہے۔ وہ کہیں آس پاس ہی موجود تھا اور صرف اس وقت وہ وہاں آیا جب اس نے مجھے آگ میں سے زندہ نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس بات پر مجھے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ شکان دیوتا کا پجاری بن جائے بلکہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا ردعمل کیا ہو گا۔

اس کے بعد میں نے چند لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گوشت بھونیں اور لوگوں میں تقسیم کریں۔ کوئی ایک گھنٹے کے اندر اندر سارا گوشت بھونا جا چکا تھا، لوگوں نے کھا، بیان تقسیم ہو گیا اور وہ سے مقامی کے ساتھ جھومنے لگے۔

میں نے دیکھا کہ یہ جشن گاہ سے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے تھے۔ میں خوش تھا کہ میری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور دونوں قبیلوں کے افراد کے درمیان کسی بھی قسم کے تنازعے کے تمام امکانات ختم ہو گئے تھے۔ اب وہ ایک ہی قبیلے کے افراد تھے۔ ان کا ایک ہی سردار تھا اور ایک ہی روحانی پیشوا تھا۔

دوسرے دن سے قبیلے کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اگرچہ قبیلے کا سردار تو میں تھا۔ پر کہلاتا ہی تھا، لیکن صحیح معنوں میں مجھے اس قبیلے میں ایک بے تاج بادشاہ کی سی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ میری فتح کے دو مظاہروں نے سابق در کا قبیلے کے لوگوں کو میرا اس قدر گرویدہ بنا دیا تھا کہ اب شاید وہ میرے لیے اپنی زندگی کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔

میں نے اب کاشی قبیلے کو اپنے طور پر یہ سکھانا شروع کیا کہ زندگی کی سہولتوں سے فیضیاب ہونے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ سابق شمشو قبیلے والوں کو تو میں نے طاعون کی وبا پھیلنے سے پہلے بہت کچھ سکھایا تھا اب وہی ساری باتیں میں سابقہ در کا قبیلے والوں کو سکھا رہا تھا اور سابقہ شمشو قبیلے والے اس کام میں برابر میری مدد کر رہے تھے۔

مویشی پالنے کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ دودھ کا استعمال کیا جانے لگا اور گوشت کو بھوننے، مچھلیوں کو پکانے اور پکانے کا کام ایک بار پھر شروع ہو گیا۔

کباڑا ہر وقت میرے قریب رہنے کی کوشش کرتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اس کو زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارے۔ اس کا پسندیدہ موضوع ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ وہ شکان دیوتا کی قربت حاصل کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے کہ شکان دیوتا اسے اتنی طاقت عطا کر دے جتنی اس نے مجھ کو عطا کی ہے۔ وہ میری خوشامد میں لگا۔ بتا بھی طرح طرح سے تاکہ میں پھسل جاؤں کوشش کرتا رہا۔ اصرار کرتا رہا میں اسے شکان دیوتا سے قربت حاصل کرنے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کا حلیہ بتا دوں۔ شروع شروع میں تو میں اسے یہ کہہ کر ٹالتا رہا کہ ابھی وہ نیا نیا شکان دیوتا کے پجاریوں کے حلقے میں داخل ہوا ہے اس لیے اس بات کی توقع نہ رکھے کہ اسے فوری طور پر اتنی طاقت حاصل ہو جائے گی۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ کباڑا طاقت اور اقتدار کا بھوکا ہے اور اس نے شکان دیوتا کا پجاری بنا صرف اور صرف اس لیے قبول کیا ہے کہ اسے زبردست قوتیں حاصل ہو جائیں اور وہ دوسروں سے ممتاز ہے۔ میں دل ہی دل میں اس کی اس احمقانہ خواہش پر محظوظ ہوا بھلا میں اسے ایسی قوت حاصل کرنے کا کیا طریقہ بتا سکتا تھا؟ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ شکان دیوتا کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے ہر پجاری کو زبردست قوتوں سے نوازے۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کسی شخص کو کتنی طاقت عطا کرتا ہے۔ لیکن کباڑا بضد تھا کہ میں شکان دیوتا سے اس کی سفارش کر دوں۔

میں بے حد الجھن میں گرفتار تھا کہ کباڑا کو اپنی طاقت کے اصل راز سے کس طرح آگاہ کروں۔ ادھر کباڑا کا اصرار روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ میں اسے یہی کہہ کر تسلی دیتا تھا کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے جب وہ اپنی کوئی قیمتی شروع کرے اور اس کے بدلے شکان دیوتا سے غیر معمولی طاقت سے نوازے۔

اس سارے عرصے کے دوران سیوما مجھ سے سخت متنفر اور بیزار نظر آیا۔ اس نے نہ تو میرے قریب آنے کی کوشش کی اور نہ کبھی میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ دونوں قبیلوں کے افراد کو کبھی کبھار کا سامنا گزرتا تھا۔ اور اس عرصے میں وہ دو تین بار کو جشن ہوا تھا جس میں شکان دیوتا کے حضور جانوروں کی قربانی پیش کی گئی تھی۔

لیکن سیوما ان دونوں میں سے کسی ایک جشن میں بھی شریک نہیں ہوا تھا۔

ایک دن میں ایک درخت کے اوپر چڑھا ہوا اس کے لیے پھل توڑ توڑ کر گرا رہا تھا۔ ایک بچہ گھٹنا سخت خائف تھا اور میں اس کی شاخوں میں اس طرح چھپا بیٹھا تھا کہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اچانک میں نے سامنے سے دو آدمیوں کو آتے دیکھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ کباڑا اور سیوما تھے۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر مجھے قدرے تعجب ہوا۔ اتفاق کی بات کہ وہ دونوں اسی درخت کے نیچے آ کر رک گئے۔ جس کی شاخوں میں میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔

"میں اپنے پرانے دیوتا کو غداری پر۔" سیوما کہہ رہا تھا۔ "اور دیوتا نے مجھے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے جب مجھے زبردست طاقت سے نوازے گا جو میری طاقت سے زیادہ ہوگی کہ شیابو مجھ سے مقابلہ نہیں کر سکے گا۔"

"تیابو میرے ساتھ بھی وفاداری کرے۔" کباڑا نے کہا۔ "وہ بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی ہے اور اس نے اب تک مجھے دو طریقے نہیں

اس شخص کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے جب تک یہ شخص ہمارے درمیان موجود ہے، اس وقت تک اس کے آگے ہماری کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور یہ ہم ہے جو ملوک چاہے گا کرے گا۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے درخت کے نیچے سے دور نکل گئے یہاں تک کہ ان کی آواز مجھے سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میں کباڑا کی باتیں سن کر بے حد دل برداشتہ ہوا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں صرف قوت کے حصول کی آرزو مچل رہی تھی اور اس آرزو کی تکمیل کے لیے وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔ حتیٰ کہ مجھے ہلاک کرنے کو بھی تیار تھا۔ جب کہ میں نے اس کے پورے قبیلے پر اتنا بڑا احسان کیا تھا کہ پانی کا راستہ روکنے والی چٹان کو ہٹا دیا تھا۔ اگر میں یہ کام انجام نہ دیتا تو ان لوگوں کو پینے کا پانی کہیں اور مستقل ہونا پڑتا۔

جہاں تک سیوما کا تعلق ہے تو مجھے اس کی باتوں پر کوئی خاص تعجب نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ شروع دن سے ہی مجھے ناپسند کرتا ہے اور اس نے مجھے کبھی بھی دل سے قبیلے کا رہنما یا پیشوا تسلیم نہیں کیا لیکن مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اپنی نفرت کے جوش میں وہ اتنا آگے بڑھ جائے گا کہ کباڑا کو میری ہلاکت کا مشورہ دے گا۔

بہرحال اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ لوگ میری جان کے درپے ہیں اور عنقریب مجھے ہلاک کرنے کی کوئی نہ کوئی سازش کی جائے گی۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ میں اپنی طویل اور لامتناہی زندگی میں ایسی بہت سی سازشوں سے دوچار ہو چکا ہوں۔

اس کے چند روز بعد کی بات ہے کہ کباڑا نے مجھ سے کہا۔

"تیابو اب تو ہمیں شکان دیوتا کے پجاریوں کی صف میں شامل ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا جب شکان دیوتا مجھے غیر معمولی قوتوں سے نوازے؟"

"تم جس چیز کو اتنا آسان سمجھ رہے ہو وہ اتنی آسان نہیں کباڑا۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "شکان دیوتا کا پجاری بن جانا تو آسان ہے لیکن اس سے قوت حاصل کرنا ایک بے حد مشکل کام ہے۔ ابھی تمہیں کچھ دنوں اور صبر سے کام لینا پڑے گا۔"

"لیکن میں اب مزید صبر نہیں کر سکتا۔" کباڑا نے جھنجلا کر کہا۔ "مجھے کب تک اسی طرح انتظار کرنا پڑے گا؟ وہ وقت کب آئے گا جب مجھے بھی کوئی طاقت حاصل کر لوں گا جو تمہیں حاصل ہے؟"

"اس کے لیے تمہیں ابھی اور انتظار کرنا ہوگا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"تیابو۔" اچانک کباڑا کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم یہاں جو کچھ مجھے شکان دیوتا سے دور رکھنا چاہتے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم یہ نہیں چاہتے کہ میں تمہارا حقیقی حریف بن جاؤں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ کائنس قبیلے میں ہر ایک پر صرف تمہیں برتری حاصل رہے؟"

"کیسی کوئی بات نہیں ہے۔" باڈا۔" میں نے اس کی بات کا برا مانے بغیر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری طرف سے اپنے دل میں غلط قسم کے شبہات مت پیدا کرو۔ میں تمہارا دوست اور بہی خواہ ہوں اور تمہیں کوئی غلط راستہ نہیں دکھاؤں گا۔"

"تمہاری باتیں میری کچھ میں نہیں آتیں تیابو۔" کباڑا نے غصے سے کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ سخت ناراض ہو گیا ہے اور میں اس کو منانے کے لیے کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ایک دو دن کے بعد میں اسے کوئی اشد سیدھا منتر بتا دوں گا اور اس سے کہوں گا کہ جنگل کے کسی ویران گوشے میں جا کر اس کا جاپ کرے۔ اس طرح کباڑا کو دنوں کے لیے اس کے تقاضوں سے میری جان تو چھوٹ جائے گی۔

لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی۔ اسی دن شام کی بات ہے کہ سیوما اور کباڑا دونوں میرے پاس آئے۔ سیوما کے ہاتھ میں ایک مٹی کا برتن تھا جس کا منہ مٹی کے ہی ایک ڈھکن سے بند تھا۔ وہ دونوں اس وقت خوشگوار موڈ میں نظر آنے کی اداکاری کر رہے تھے۔ لیکن مجھے پھر بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ نیک ارادوں سے میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ شک کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی "خوش اخلاقی" اس بات کی نمایاں کرتی ہے کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

"میں تمہارے لیے ایک نادر تحفہ لایا ہوں۔" سیوما نے ہنس کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک نہایت شیریں اور لذت انگیز مشروب ہے جو میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے لیے تیار کیا ہے۔ اگر تم اس کو پیو گے تو تمہیں سارا دن پیاس نہیں لگے گی۔ لو، اسے پکڑ کر دیکھو۔" اس نے برتن میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

میں نے یہ جانتے کے باوجود کہ اس برتن میں ضرور کوئی زہریلا مشروب ہوگا، اسے پینے کا فیصلہ کر لیا۔ ہمارے لوگوں کی اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے کہ زہر دے کر بھی مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔ اور پھر یہ میری ہلاکت کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں۔

میں نے برتن سیوما کے ہاتھ سے لیا اور اسے میں اپنے منہ کے قریب لے آیا۔ پھر میں نے اس پر رکھا ہوا مٹی کا ڈھکن اٹھایا۔ ڈھکن کا اٹھانا تھا کہ کوئی لمبی سی چیز تڑپ کر باہر نکلی اور سیدھی میرے منہ پر حملہ آور ہوئی۔ یہ ایک نہایت زہریلا سانپ تھا جس کا رنگ توے کی طرح سیاہ تھا اور جس کا کاٹا آدمی چند لمحوں میں دم توڑ دیتا ہے۔ اس سانپ کے دو منہ تھے۔ میرا خیال تھا کہ برتن میں مشروب ہوگا۔ لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا اور اس میں سے سانپ نکلا، جس نے میرے منہ پر حملہ کیا۔ لیکن سانپ نے مجھے ڈسا نہیں۔ وہ میرے منہ پر لپٹنے لگا۔ سیوما اور کباڑا کا خیال تھا کہ سانپ مجھ پر حملہ کر کے مجھے ڈس لے گا اور اس کے چند لمحوں کے اندر اندر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ لیکن

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ان کا یہ تو اب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ اس وقت ان دونوں کے علاوہ میرے پاس کوئی اور شخص موجود نہیں تھا۔ وہ دونوں ان کو چھوڑ کر اپنے وقت میں اور اپنی جگہ پر میرے پاس آئے تھے جبکہ میں بالکل اکیلا تھا۔ منظر دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ سانپ نے مجھے سر سے کاٹا تھا نہیں، بلکہ وہ میرے چہرے پر دو ہتھڑ اگر کر اس کو زخمی کرنے لگا۔ وہ میری فوری موت کے متوقع تھے۔ لیکن حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس جا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

"جزاؤ الفقہ دار مشروب تیار کیا ہے تم نے لیوما۔" میں نے سانپ کو ہاتھ سے پکڑ کر لیوما کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ سانپ نے اپنے ایک مخمصے فوراً لیوما کے بدن پر کاٹ کھایا۔ لیوما نے ایک چیخ مار کر سانپ کو ہاتھ سے جھٹکنے کی کوشش کی اور سانپ سیدھا جا کر بڑا کے شانے پر جا گرا۔ اس نے کمباڈا کو بھی ڈس لیا۔ کمباڈا کی چیخ بڑی بہت تک تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر سانپ کو پکڑ لیا اور چٹکی سے اس کا سر مسل دیا۔ یہ ایک چھوٹا اور نازک سا سانپ تھا، لیکن بے انتہا زہریلا تھا۔

لیوما اور کمباڈا کی چیخیں اتنی دل دہلا دینے والی تھیں کہ اس پاس کے بہت سے لوگ بھاگتے ہوئے آ گئے۔ میں نے انھیں بتا کر لیوما اور کمباڈا کو ایک سانپ نے کاٹ کھایا ہے اور وہ بڑا زہریلا سانپ ہے۔ میں نے ان لوگوں کو وہ مردہ سانپ دکھایا اور بتایا کہ شانے اس سانپ کو ہلاک کر دیا ہے۔

"اس سانپ کو جلیپا کہتے ہیں۔" قبیلے کے ایک معمر آدمی نے کہا۔ "اس کے کاٹے کا علاج بہت مشکل ہوتا ہے۔ تاہم زہر کو بڑا ہو۔ شاید وہ بچ کر سکے۔ کوئی جائے اور جلدی سے زریب کو بلا کر لائے۔"

کئی آدمی زریب کو بلانے کے لیے دوڑ پڑے۔ میں زریب کے نام سے واقف تھا۔ وہ ساحلی دیہات کا قبیلے میں سانپ پکڑنے، سانپ پالنے اور سانپوں کے کاٹے کا علاج کرنے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

ذرا دیر میں زریب آ گیا۔ وہ ایک نحیف و لاغر شخص تھا اور اپنے ہاتھوں میں مختلف کے کئی چھوٹے چھوٹے برتن اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے مرا ہوا سانپ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ اس سانپ نے ان دونوں کو کاٹ لیا ہے۔ میں نے سانپ کو ہلاک کر ڈالا ہے۔"

زریب نے سانپ کو دیکھتے ہی مایوسی سے گردن ہلائی۔ "یہ جلیپا سانپ ہے اور اس کے دو منھ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں منھ سے ڈستا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس کے کاٹے کا کوئی علاج نہیں ہے اور میرے جلیپا کیا، کسی کے پاس بھی اس سانپ کے کاٹے کا کوئی علاج موجود نہیں ہے۔ میں ان دونوں کی جان نہیں بچا سکتا۔ مجھے اس کا یقین ہے، تاہم میں کچھ کوشش ضرور کروں گا۔"

اس نے اپنے برتنوں میں سے کئی اقسام کے مرہم نکالے اور لیوما اور کمباڈا کے زخموں پر لگانے لگا۔ لیوما اور کمباڈا، دونوں پر نیم بیہوشی

کی سی کیفیت طاری تھی۔ ان کے جسم بری طرح نیلے پڑتے جا رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے نتھنے جھاگ نکلنے لگا اور وہ دونوں چند منٹ کے اندر اندر ختم ہو گئے۔

قبیلے میں تقریباً ایک ہفتے تک کمباڈا اور لیوما کی موت کا سوگ منایا گیا۔ کسی کو اس بات کا شبہ تک نہیں تھا کہ کمباڈا اور لیوما کی موت کا سبب یہ ہے کہ وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے اور خود ہی اپنی سازش کا شکار ہو گئے۔ تمام لوگوں کی نظروں میں یہ سانپ کے کاٹے کا ایک عام سا واقعہ تھا۔ قبیلوں میں اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے تھے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کمباڈا اور لیوما کی لاشوں کو جلا دیا گیا اور یہ دونوں ہمیشہ کے لیے محترم ہو گئے۔ کاشن قبیلے کے لوگوں نے اتفاقِ رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ نارو کو قبیلے کا نیا سردار بنایا جائے۔ چنانچہ نارو قبیلے کی سردار بن گئی اور میری حیثیت روحانی پیشوا کی رہی۔

کافی طویل عرصہ گزر گیا پر وفیسر اس عرصے کے دوران میں کاشن قبیلے کے لوگوں کو بہت سی نئی باتیں ایسی سکھا چکا تھا جن سے دوسرے قبیلوں والے ناواقف تھے۔ میں نے انھیں مکھوڑے پالنا اور مکھوڑوں کی پشت پر سواری کرنا سکھایا، مویشی پالنا اور ان کے دودھ کا استعمال میں انھیں کافی عرصہ پہلے ہی سکھا چکا تھا۔ اب میں انھیں بہتر زراعت کی طرف لا رہا تھا۔ میں نے یہاں اس سرزمین پر چکی کی ناک چھ کے دوران بعض ترکاریوں اور اناجوں کی بیلیں اور پودے اور جھاڑیاں دیکھی تھیں اور میں نے ان میں سے بعض کے بیج بھی جمع کر لیے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ زمین کے ایک حصے کو صاف کرا کے اسے ایک کھیت کی شکل دے دوں اور لوگوں کو کھیتی باڑی کے فن سے باقاعدہ روشناس کرا دوں۔ میں نے جگہ کا انتخاب کر لیا تھا اور قبیلے کے لوگوں کو اس کام پر مامور کر دیا تھا۔ وہ اس جگہ کی صفائی ستھرائی کی کا آغاز کر دیں۔ ندی سے کھیت تک پانی لانے کا بندوبست بھی کیا

دو تین ہفتوں کی ایک چہل پہل تھی اور میں مطمئن ہوا اس سمندر کی طرف نکل گیا۔ گو کہ ساحل ہماری بستی سے خاصے فاصلے پر تھا لیکن بستی کے لوگ برابر ساحل پر آتے جاتے رہتے تھے۔ میں نے درخت کے کئی سوکھے ہوئے تنوں کو ندی سے کھینچ کھینچ کر لوگوں کے بیٹھنے اور سمندر میں شکار کرنے اور مچھلیاں پکڑنے کے لیے کشتیاں بنا دی تھیں اور چپوؤں کے ذریعے کشتیاں چلانا بھی سکھا دیا تھا۔ اب کئی لوگ ہمت کر کے سمندر میں کشتی میں بیٹھ کر نکل جاتے، اگرچہ نسبتاً زیادہ پسند نہیں تھے وہ کشتی میں نہیں بیٹھتے تھے اور سمندر میں صرف تیرنے اور نہانے پر اکتفا کرتے تھے۔ بہرحال لوگوں کو ایک دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا تھا اور وہ اس نئے کام سے بہت خوش تھے۔

میں مطمئن ہو کر ساحل کی طرف چلا گیا اور میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ تیرتے تیرتے میں کافی دور نکل گیا۔ اچانک میں نے کسی چیز کے دھندلے دھندلے نقوش نظر آئے۔ میں نے غور سے دیکھا۔ تھی دیکھتے ان کے نتھنے جھاگ نکلنے لگا اور وہ دونوں چند منٹ کے اندر اندر ختم ہو گئے۔

قبیلے میں تقریباً ایک ہفتے تک کمباڈا اور لیوما کی موت کا سوگ منایا گیا۔ کسی کو اس بات کا شبہ تک نہیں تھا کہ کمباڈا اور لیوما کی موت کا سبب یہ ہے کہ وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے اور خود ہی اپنی سازش کا شکار ہو گئے۔ تمام لوگوں کی نظروں میں یہ سانپ کے کاٹے کا ایک عام سا واقعہ تھا۔ قبیلوں میں اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے تھے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کمباڈا اور لیوما کی لاشوں کو جلا دیا گیا اور یہ دونوں ہمیشہ کے لیے محترم ہو گئے۔ کاشن قبیلے کے لوگوں نے اتفاقِ رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ نارو کو قبیلے کا نیا سردار بنایا جائے۔ چنانچہ نارو قبیلے کی سردار بن گئی اور میری حیثیت روحانی پیشوا کی رہی۔

کافی طویل عرصہ گزر گیا پرو

اس نقشے پر ٹوٹی ہوئی لوگوں کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔ "میں اپنے محسنوں سے کچھ نہیں مانگنے آیا ہوں لیکن میں اس کا اظہار اتنا آسان نہیں سمجھتا چاہیے۔ ایک تو یہ ساحل بہت طویل ہے۔ دشمن کہاں سے کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور پھر یہاں جنگلی درندوں کے علاوہ جنگلی انسانوں کا مسلسل بھی دھڑکا ہے۔ نہ جانے ان گھنے جنگلوں میں کیسے کیسے خونخوار وحشی آباد ہوں گے اور وہ اگر جہاں دیکھ پائیں گے تو ہمارا کیا حشر کریں گے۔"

"اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" مارکوس نے کہا۔ "اگر ان علاقوں میں کوئی آبادی موجود بھی ہے تو ہمیں اس کے لوگوں سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں لوگوں کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ البتہ ہمارے ان کی طرف سے پہل نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس یقیناً ان کے مقابلے میں زیادہ بہتر سازوسامان ہے۔ تعداد زیادہ ہو گی تو ہم بھی تربیت یافتہ ہیں۔ ہم سے جیتنا نہیں سکیں گے۔"

"لیکن یہ بات بھی طے ہے ناکہ..." اچانک لارگو نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر ضرورت پڑی تو کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوا تو ہم اس پر مکالمے کی پوری ذمہ داری قبول کریں گے۔ جو بھی جواری ہیں۔ بات بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے اسپین سے اس فرقہ تک یہ پرابلم پیدا ہی صرف اس لیے نہیں کیا ہے کہ ہم خالی ہاتھ جائیں۔ تم سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں نے اپنے دوست لارگو کے والد کے ہاتھ کے بنائے ہوئے نقشے کو حاصل کرنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلے ہیں۔ لارگو اس نقشے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور کسی کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دیتا تھا۔ اس کے دوستوں میں سے کسی کو بھی اس نقشے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں وہ واحد شخص تھا جس پر لارگو بھروسا کرتا تھا اور اس نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ اس کا دادا آج سے پچاس سال پہلے اپنے چند ساتھیوں کے ایک جہاز میں بیٹھ کر اس طرف آیا تھا اور اس نے یہاں کے ساحل پر چٹانوں کے درمیان سونے کے ذخیرے دیکھے تھے۔ ان لوگوں نے اپنا جہاز سونے سے بھر لیا تھا اور جلد ہی واپس ہو گئے تھے۔ لیکن جب یہ لوگ اسپین کے ساحل سے کافی دور تھے تو انھیں ایک سمندری طوفان نے گھیر لیا اور ان کا جہاز ڈوبنے لگا۔ اتفاق سے ایک جہاز ان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اس جہاز کے لوگوں نے ان لوگوں کو بچا لیا۔ لیکن وہ ان کے جہاز کو نہ بچا سکے۔ بیچارہ لارگو کے دادا اور اس کے ساتھیوں نے بہت سا سونا اپنی جیبوں میں چھپا رکھا تھا جسے وہ حفاظت سے اپنے گھر لے کے تاہم سونے کی بھاری مقدار سے انھیں محروم ہونا پڑا۔ لارگو کا دادا دوبارہ یہاں آنا چاہتا تھا اور اسی غرض سے اس نے یہ نقشہ تیار کیا تھا۔ وہ اپنے وقت کا ایک ماہر جہازراں تھا، لیکن زندگی نے اسے اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ اختیار کرتا۔ تاہم مرنے سے پہلے اس نے اپنے بیٹے اور لارگو کے باپ کو اس بارے میں ساری تفصیلات بتا دی تھیں۔ لیکن لارگو کے باپ کو اس سے زیادہ دل چسپی نہیں تھی۔ وہ ایک عام سا شخص نہیں تھا اور قناعت پسندی کی گھریلو زندگی پسند کرتا تھا۔ اسی لیے اس نے اس نقشے کو حفاظت کے ساتھ ایک الماری میں بند کر دیا اور پھر شاید وہ اسے بھول بھی گیا۔ ایک دن لارگو الماری کی صفائی کے دوران یہ نقشہ مل گیا اور اس نے اپنے ماں باپ سے اس کے بارے میں پوچھا جس نے اسے ساری تفصیلات بتا دیں۔ لارگو کا ارادہ تھا کہ وہ یہ سفر کرے گا اور سونا حاصل کرے گا۔ اسی لیے وہ اس نقشے کو بہت احتیاط سے رکھتا تھا اور میرے علاوہ کسی سے بھی اس نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے وہ اپنا عزیز ترین دوست جو سمجھتا تھا۔" اور البرٹو قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔

"لیکن کیا لارگو نے تمھیں یہ بھی بتایا کہ اس کے دادا کی مڈبھیڑ یہاں انسانوں سے ہوئی تھی یا نہیں؟" شانتونے سوال کیا۔

"اس بارے میں لارگو کے دادا کا کہنا یہ تھا کہ ان لوگوں کا جھگڑا جہاز شام کے دھندلکے میں ساحل کے قریب پہنچا تھا اور انھوں نے سے چٹانوں کی آڑ میں اس طرح چھپا کر کھڑا کیا تھا کہ گرمیاں کوئی آدمی بھی تو لوگوں کی نظر اس پر نہ پڑے اور پھر صبح کو جب ان لوگوں کی پتھریلی چٹانوں پر پڑی تو انھیں جابجا سونے کے ڈلے بکھرے ہوئے نظر آئے۔ ساحل دور دور تک ویران پڑا ہوا تھا اور کسی انسان کو یہاں تھا۔ وہ لوگ سارا دن محتاط سے سونا جمع کرتے رہے اور اسے جہاز لادتے رہے۔ دو آدمی نگرانی کے کام پر مامور رہے، لیکن شام تک کے اس حصے میں کوئی ذی روح نظر نہیں آیا یا تو یہ علاقہ انسانوں سے خالی تھا۔ اور اگر یہاں انسانوں کی کوئی بستی بھی تھی تو کم از کم اس کا کوئی شخص اس طرف نہیں آیا۔ شام ہوتے ہوتے ان لوگوں نے سونا جمع کر لیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے فوراً لنگر اٹھا دیا اور وہ روانہ ہو گئے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ اس علاقے میں انسان موجود ہیں یا نہیں۔" ڈوسر نے کہا۔ "آج سے پچاس سال پہلے لارگو کا دادا جب یہاں آیا تھا تو یہ کوئی انسان نظر نہیں آیا لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس وقت بھی یہ علاقہ انسانوں سے خالی ہو۔ اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ آج سے پچاس پہلے یہاں انسان موجود نہیں تھے تو یقین نہیں ہے کہ اس طویل عرصے کے دوران انھوں نے یہاں کوئی بستی بسا لی ہو۔ اب یہ علاقہ انسانوں سے خالی نہ ہو۔"

"تمھاری بات میں وزن ہے روسیو۔" مارکوس نے کہا۔ "ہمیں اس طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ نکلی لوگ اچانک ہم پر حملہ کر دیں۔"

"اگر انھوں نے ہم پر حملہ کرنے کی حماقت کی تو ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔" البرٹو نے فخریہ کے ساتھ کہا۔

"لیکن میں نے سنا ہے کہ فرقہ کے وحشیوں کے پاس زہر

میں بجھے ہوئے تیر ہوتے ہیں جو انسان کو فوراً ہلاک کر ڈالتے ہیں۔" شانتو نے کہا۔ "اگر انھوں نے اچانک تیروں کی بارش کر دی تو ہم کیا کر سکیں گے؟"

"ہم میں سے ہر شخص کے پاس ڈھال اور زرہ بکتر موجود ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "ساحل کے قریب پہنچنے سے پہلے ہم سب لوگ اچھی طرح مسلح ہو جائیں گے۔ اگر یہاں انسان موجود ہوئے اور ان لوگوں نے بزدلی کے عالم میں ہم پر قطار کے پار تیروں کی بارش کرنے کی کوشش کی تو ان کے تیروں کا ہم سے اور کوئی اثر نہیں ہو گا اور پھر ہم ان سب کو قتل کر کے رکھ دیں گے۔"

"اور ہمارا خیال ہے کہ یہ لوگ ہمارے ہاتھوں آسانی سے قتل ہو جائیں گے؟" روسیو نے کہا۔

"ان بے چاروں کے پاس اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہو گا؟" البرٹو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "علاوہ ہمارے تیر، تفنگ اور دھماکا خیز مادے کے آگے کہاں ٹک سکیں گے؟ اور پھر ان لوگوں کو تو شاید ہوئے کا استعمال بھی نہ آتا ہو۔ ویسے ایک بات ہے۔ میں نے اکثر میں بعض عجوبے پر سیاہ فام کنیزوں کو دیکھا ہے۔ ان کے حسن کا بھی اپنا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے۔ بڑا کٹیلا حسن ہوتا ہے ان کا۔ بائے، کاش یہاں سیاہ فام اسپینائیں ہمارے ہاتھ لگ جائیں۔"

"سنو البرٹو میری بات غور سے سنو۔" مارکوس نے کہا۔ "ہمیں یہ چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جس مخاصم سے یہاں ٹکرانے جا رہے ہیں اس کا نام و نشان ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔ اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں الجھنے سے ہر..." مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ یہ بات مت بھولو کہ ہم جہاز پر سوار محض سو لوگ ہیں اور یہاں لڑنے والی بستی ہوئی تو نہ جانے اس میں کتنے لوگ موجود ہوں گے۔ ہم یہاں غلام پکڑنے یا پکڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں، بلکہ سونا جمع کرنے کے لیے آئے ہیں۔ ہمارا جہاز کسی مخاصم نے برباد کر دیا تو ہم یہاں سے سونا لے کر بھی واپس نہیں جا سکیں گے۔ ہم سب لوگ یہاں مر کھپ جائیں گے۔ اس لیے ہمیں اپنی ساری توجہ اسی پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں الجھنے سے ہر..."

"تم تو بہت ڈرتے ہو مارکوس۔" البرٹو نے کہا۔ "بھلا ان میں کون سی ایسی بات ہے..." وحشی ہونے کے علاوہ ہے کہ ہم یہاں عیاشی کرنے کو نہیں آئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مناسب موقع مل گیا تو اس سے بالکل بھی نہیں جانے دیں گے۔"

"میرے خیال میں ہم لوگ فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔" روسیو نے کہا۔ "اس کے بجائے ہمیں نقشے کو سامنے رکھتے ہوئے اس جگہ کا تعین کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کی نشان دہی لارگو کے دادا نے کی تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" مارکوس نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ لوگ نقشے پر جھک گئے۔

میرے لیے اب اس جہاز پر رکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے جو اصل بات معلوم کرنی تھی وہ میں معلوم کر چکا تھا۔ یہ لوگ نہ تو عراق کی طرح تھے اور نہ غلاموں کے تاجر۔ بلکہ یہ سونے کی تلاش میں اسپین جیسے دور دراز ملک سے یہاں پہنچے تھے۔

میں خاموشی سے اس کاٹھ کباڑ کے پیچھے سے نکلا اور میں نے چپکے سے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد میں زیر آب تیرتا ہوا تیزی سے واپس بستی کے ساحل کی طرف چلا آیا اور ایک بلند چٹان کی آڑ میں چھپ کر یہ دیکھنے لگا کہ جہاز کا رخ کس طرف ہے؟ آیا وہ ساحل کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف جا رہا ہے یا ہماری بستی کے ساحل کی طرف آ رہا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ جہاز کا رخ ہماری بستی کے ساحل کی طرف ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ البرٹو، مارکوس اور ان کے ساتھیوں نے اس جگہ کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا جہاں سونا موجود تھا یا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ خود لارگو کے دادا اس جگہ کی صحیح اور واضح طور پر نشان دہی نہ کر سکا ہو۔ بہرحال جو بھی صورت حال ہو، یہ بات طے تھی کہ وہ لوگ غلط جگہ آ رہے تھے۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے جلد از جلد سوچ کر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میں سیدھا ہانرد کے پاس پہنچا۔ اب وہی دونوں قبیلوں کی مشترکہ سردار تھی اور دونوں قبیلے ایک دوسرے میں ضم ہو چکے تھے۔ میں نے ہانرد کو الگ لے جا کر بتایا۔ "سنو ہانرد، کچھ اجنبی لوگ ہماری بستی کی طرف آ رہے ہیں۔ مجھے اپنے علم کے ذریعے ان کی آمد کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے اور میں ان کے مقاصد سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ تم چونکہ قبیلے کی سردار ہو اس لیے میں سب سے پہلے تمھیں یہ بات بتا رہا ہوں۔"

"یہ اجنبی لوگ کون ہیں؟ ان کے عزائم کیا ہیں؟" ہانرد نے گھبرا کر ایک ساتھ بہت سے سوالات پوچھ ڈالے۔

"یہ سارے کے سارے خراب لوگ نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ان لوگوں کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں سفید فام انسان بستے ہیں اور یہ لوگ ہزاروں میل کا سمندری سفر طے کر کے ایک بحری جہاز کے ذریعے ہمارے ساحل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اچھے لوگ بھی ہیں اور بعض خراب لوگ بھی ہیں۔ لیکن ابھی یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان میں اچھے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے یا برے لوگوں کی۔ تاہم ہمیں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ لوگ آ کر ہمارے ساحل پر کیا کریں گے؟ ان کے عزائم کیا ہیں؟ ان کی آمد کا کوئی نہ کوئی خاص مقصد ہے؟"

"ہاں، ان کی آمد کا ایک خاص مقصد ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ لوگ سونے کی تلاش میں آ رہے ہیں۔"

"سونا؟" ہانرد نے حیرت سے پوچھا۔ "سونا کیا ہوتا ہے؟"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

سوا کس چیز کو کہتے ہیں اور یہ کس کام آتی ہے؟"

یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ پروفیسر ہیں اس جنگلی عورت کو جو ساری دنیا سے کٹی ہوئی تھی کس طرح سمجھاتا کہ سونا کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قدر و قیمت ہے اس کی کیا افادیت ہے اور بیرونی دنیا میں لوگ اس کے لئے کس حد تک کی وحشت کے کس طرح دیوانے ہیں۔ تاہم میں نے کوشش کر کے اسے سمجھایا کہ سونا ایک خاص قسم کا پتھر ہوتا ہے جس کا رنگ پیلا ہوتا ہے اور یہ جگہ جگہ پایا جاتا ہے مگر ہے کم دستیاب اور اسی لئے اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ میں نے نارد کو یہ بھی بتایا کہ ہمارے دور و رنگ کی یہ صفت اس دھات میں موجود نہیں ہے جو ہمارے یہاں پائی جاتی ہے لیکن اس علاقے میں یہ صفت پائی جاتی ہے جہاں پہنچ کر پالا قبیلہ آباد تھا۔ بعد میں وہاں سے حملہ آوروں کے حملے کے بعد پولسے قبیلے نے ہجرت کی تھی۔

"تو پھر یہ لوگ ایسی طرح کیوں نہیں جاتے؟" نارد نے پوچھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس بات کا صحیح علم نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ اصل جگہ جہاں سونا موجود ہے، وہ یہ نہیں ہے بلکہ اس کے کافی آگے جا کر اس علاقے میں ہے جہاں پہلے آباد پالا قبیلہ آباد تھا۔"

"لیکن ان لوگوں کو اپنی سرزمین پر بیٹھے بیٹھے اس بات کا علم کس طرح ہو گیا کہ اس علاقے میں کہیں وہ زرد پتھر موجود ہیں جنہیں تم لوگ سونا کہتے ہو؟" نارد نے سوال کیا۔

شکان دیو تا کا بخشا ہوا ہیرا علم جسے یہ بتاتا ہے کہ ان لوگوں کے کچھ نومی آج سے تقریباً پچاس سال پہلے یہاں آئے تھے اور یہاں سے راتوں رات دو درجن رنگ کے پتھر بڑی تعداد میں اپنے ساتھ لے کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ اب جو لوگ یہاں آئے ہیں وہ انہی کی اولاد میں سے ہیں اور انہیں اپنے بزرگوں سے اس بارے میں پتا چلا تھا۔"

"پھر اب ہم کیا کریں شیلو؟" نارد نے کہا۔ "تم ہمارے رہنما ہو، ہمیں مشورہ دو۔"

"سب سے پہلے تو تم یہ کرو کہ میرے سامنے تم سب رنگ دو۔" میں نے نارد سے کہا۔ "اگر وہ لوگ یہاں آئیں تو ہمیں چاہئے کہ وہ ہمیں میرے رنگ کے سبب یہاں کے دوسرے باشندوں سے علیحدہ سمجھیں۔ میرے جسم کا رنگ بھی تم لوگوں کے جسموں کے رنگ جیسا ہونا چاہئے۔"

نارد نے جلد ہی اس کا بندوبست کر دیا۔ اس نے دو لڑکیوں کو اس پر مامور کر دیا کہ وہ میرے جسم کو طرح طرح کے رنگوں سے رنگ دیں۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے میرے پاؤں تک مجھے رنگوں میں ڈبو کر رکھ دیا۔ میری ہدایت کے مطابق میرے پورے جسم کو بالکل سیاہ کر دیا گیا اور میں بالکل ان ہی لوگوں کے رنگ کا ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے میرے چہرے پر دوسرے رنگوں سے طرح طرح کے نقش و نگار بنا دیے۔ جب میری پوری شکل عجیب و غریب قسم کی ہو کر رہ گئی۔ خاصے بہروپیے پروفیسر کو آئینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا جس میں میں اپنی شکل دیکھ سکتا۔ میں نے ندی کے کنارے جا کر پانی میں اپنا عکس دیکھا۔ اپنی شکل دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا۔ میں بالکل بدل گیا تھا میرا رنگ میری ہیئت، بالکل ان جنگلیوں کی سی ہو گئی تھی۔

بستی والے جو یہ تھے کہ لے کیا ہو گیا ہے اور میں نے کیوں اپنے آپ کو سیاہ رنگ میں رنگوا لیا ہے۔ میں نے ہر ایک کو تسلی دلایا تھا کہ وہ بستی کے لوگوں کو اس بارے میں کچھ نہ بتائے، کیونکہ کسی طرح ان میں خوف و ہراس پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ نارد تو ہماری کافی پریشانی کی وجہ سے اس تجویز کے حق میں تھے ہی لیکن میں نے انھیں سمجھایا تھا کہ وہ دل میں کسی قسم کا خوف لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ شکان دیوتا نے مجھے جتنی قوت عطا کی ہے کہ گمراہ لوگوں نے کوئی جبر و تشدد کرنے کی کوشش کی تو میں ان کے دماغ کھٹکے لگا دوں گا۔ میرے کافی سمجھانے بجھانے سے نارد کو خوف کسی حد تک کم ہو گیا۔

اس کے بعد میں اور نارد دونوں بستی سے باہر ساحل کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ نارد پورے ہتھیاروں سے لیس تھی اور اس کے کندھے پر میں نے کمان رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ترکش میں تیر بھی موجود تھے، لیکن چونکہ وہ ہم سے بہت دور تھے اس لیے ہم ان کی آوازیں نہیں سن سکتے تھے۔ وہ چاروں اس وقت ہمارے لئے پاؤں لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی کمروں سے تلواریں اور خنجر لٹک رہے تھے۔ اور وہ ہر متوقع حملے کے لیے پورے طور سے نظر آ رہے تھے۔

وہ چاروں ساحل پر دور دور تک نظر بس دوڑا رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے اور پھر اس کے بعد انھوں نے غور سے کھڑے ہو گئے۔ انھیں کا جہاز بڑی تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت تک وہ پوری طرح دھوپ میں نہا رہے تھے اور گرمی میں کافی کی تگ و دو کی تھی۔ ٹھیک اسی چٹان کی سمت بڑھ رہا تھا جس کے پیچھے میں اور نارد چھپے کھڑے تھے۔

"اوہ، یہ کتنی بڑی اور عجیب و غریب قسم کی کشتی ہے۔" نارد نے چٹان کے پیچھے سے جھانک کر جہاز کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اس نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں کبھی کوئی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ اس عجیب الخلقت شے کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کی یہ حیرانی فطری تھی۔

"یہ کشتی نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کہتے ہیں، اس دنیا میں جس سے میرا تعلق ہے اسی قسم کے جہاز چلتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے جہاز ہوتے ہیں اور ان میں ہزروں میل کا سفر طے کرنے کی قوت ہوتی ہے۔"

"کیا یہ جہاز بھی جادو کے زور سے چلتے ہیں یا کوئی دیوتا ان پر سوار ہے؟" نارد نے معصومانہ انداز میں سوال کیا۔ شاید سمندر کا دیوتا ان پر مہربان رہتا ہو گا اور وہی ان کو اتنے لمبے سفر کرنے میں مدد دیتا ہو گا۔"

"دیوتاؤں کی مدد تو شامل حال رہتی ہی ہے۔" میں نے نارد کو مطمئن کرنے کے انداز میں کہا۔ "لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ جہاز انسانی قوت سے چلتے ہیں۔"

اس اثنا میں جہاز ساحل کے بالکل قریب آ گیا تھا اور آہستہ آہستہ

کی رفتار کم کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ساحل سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان کے ساتھ رک گیا اور اس نے لنگر ڈال دیے۔ میں اور نارد چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے جہاز والوں کی ساری کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔ جہاز پر سے سب سے پہلے اترنے والا شخص مارکوس تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر پانی میں اترا۔ جہاز کے اندر عملے کے بارہ افراد موجود تھے، ان میں سے شاید کسی کو ساحل پر اترنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ جہاز کے اندر دوسرے انسانوں کی نقل و حرکت نظر آ رہی تھی لیکن انسانوں کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔

چاروں اونی گھنگھنوں پانی میں سے گزرتے ہوئے خشکی پر آ گئے اور حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ وہ آپس میں کچھ باتیں بھی کر رہے تھے، لیکن چونکہ وہ ہم سے بہت دور تھے اس لیے ہم ان کی باتیں نہیں سن سکتے تھے۔ وہ چاروں اس وقت ہمارے لئے پاؤں لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی کمروں سے تلواریں اور خنجر لٹک رہے تھے۔ اور وہ ہر متوقع حملے کے لیے پورے طور سے نظر آ رہے تھے۔

وہ چاروں ساحل پر دور دور تک نظر بس دوڑا رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے اور پھر اس کے بعد انھوں نے غور سے کھڑے ہو گئے۔ انھیں کا جہاز بڑی تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس وقت تک وہ پوری طرح دھوپ میں نہا رہے تھے اور گرمی میں کافی کی تگ و دو کی تھی۔ ٹھیک اسی چٹان کی سمت بڑھ رہا تھا جس کے پیچھے میں اور نارد چھپے کھڑے تھے۔

"اوہ، یہ کتنی بڑی اور عجیب و غریب قسم کی کشتی ہے۔" نارد نے چٹان کے پیچھے سے جھانک کر جہاز کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اس نے اس سے پہلے اپنی زندگی میں کبھی کوئی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ اس عجیب الخلقت شے کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ اس کی یہ حیرانی فطری تھی۔

"یہ کشتی نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کہتے ہیں، اس دنیا میں جس سے میرا تعلق ہے اسی قسم کے جہاز چلتے ہیں۔ یہ بڑے بڑے جہاز ہوتے ہیں اور ان میں ہزروں میل کا سفر طے کرنے کی قوت ہوتی ہے۔"

"کیا یہ جہاز بھی جادو کے زور سے چلتے ہیں یا کوئی دیوتا ان پر سوار ہے؟" نارد نے معصومانہ انداز میں سوال کیا۔ شاید سمندر کا دیوتا ان پر مہربان رہتا ہو گا اور وہی ان کو اتنے لمبے سفر کرنے میں مدد دیتا ہو گا۔"

"دیوتاؤں کی مدد تو شامل حال رہتی ہی ہے۔" میں نے نارد کو مطمئن کرنے کے انداز میں کہا۔ "لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ جہاز انسانی قوت سے چلتے ہیں۔"

اس اثنا میں جہاز ساحل کے بالکل قریب آ گیا تھا اور آہستہ آہستہ

"اف، اس علاقے میں کس قدر گرمی ہے۔" مارکوس نے کہا۔

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نے جسم کے دروازے کھول دیے ہیں۔ معلوم نہیں یہاں کہیں پاس پانی بھی مل سکے گا یا نہیں۔"

"پانی کا مسئلہ ایک بے حد اہم مسئلہ ہے۔" روسیر بولے کہا۔ "ہمارے جہاز میں پانی کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ بہت زیادہ نہیں ہے اور ہمیں اسے بڑی احتیاط کے ساتھ خرچ کرنا ہو گا۔ نہ جانے کتنے دن تک ہمیں کسی ساحل پر ٹھہرنا پڑے اور اس دوران کہیں پانی مل بھی پائے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں سامنے گھنے جنگل میں چل کر پانی کی تلاش کرنی چاہیے۔" مارکوس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اندر جنگل میں کوئی نہ کوئی چشمہ یا ندی ضرور موجود ہو گی۔"

"چلو۔" اڈرو نے کہا۔ "لیکن بہت احتیاط کے ساتھ۔ ہمیں اس بات کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی بے خبری کے عالم میں اچانک ہم پر حملہ نہ کر دے، ورنہ ہم لوگ بے موت مارے جائیں گے۔"

وہ چاروں ہوشیاری کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اور جانوروں کے سے انداز میں چوکنا ہو کر ساحل سے اگر کر اندر جنگل میں داخل ہو گئے۔ میری طرح نارد بھی ان کی ساری باتیں سن رہی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہی تھی، کیونکہ وہ ان لوگوں کی زبان سے نابلد واقف تھی۔ ان لوگوں کو جنگل کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا۔

"یہ لوگ پانی کی تلاش میں جنگل کے اندر جا رہے ہیں۔" میں نے آہستہ سے اس سے کہا۔ "انھیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے کہ اس جنگل کے اندر کوئی آبادی موجود ہے یا نہیں۔"

"یہ ہمارے لوگوں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچائیں گے؟" نارد نے سوال کیا۔

"فی الحال تو اس کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔" میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ اس وقت یہ صرف چار ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ کوئی ایسی ویسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ویسے بھی ان لوگوں کا ارادہ فی الحال کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے کا نہیں ہے۔"

نارد میری باتیں سن کر مطمئن ہو گئی۔

اس اثنا میں وہ لوگ جنگل میں آگے بڑھ گئے تھے۔ اتفاق سے ان کا رخ ندی کی طرف ہی تھا۔ میں اور نارد ایک خاص فاصلے سے اس طرح ان کا پیچھا کر رہے تھے کہ انھیں اس بات کا علم نہ ہو سکے۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ نارد اپنے غیر معمولی بھاری جسم کے باوجود کسقدر سبک رفتاری سے چل سکتی ہے۔ وہ بالکل کسی چیتے کی طرح اس طرح دبے پاؤں چل رہی تھی کہ ذرا سی بھی آہٹ نہیں پیدا ہو رہی تھی میرے قدموں کے نیچے تو کئی بار سوکھے ہوئے پتے آ کر چرمرائے بھی، لیکن کیا مجال نارد کے پیر کے نیچے کوئی ایک پتہ بھی چرمرایا ہو۔ میرے پیروں کے نیچے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

چڑھ کر آنے والے پتوں کی آواز ان لوگوں تک مشکل ہی پہنچ سکی ہوگی۔ کیوں کہ ہمارے درمیان اچھا خاصا فاصلہ تھا اور پھر دوسری اہم بات یہ تھی کہ یہ لوگ جنگل کے باشندے نہیں تھے، بلکہ مہذب دنیا سے آئے تھے۔ جہاں کانوں کے حواس اور خاص طور سے سونگھنے اور سننے کی قوتیں اتنی تیز نہیں تھیں جتنی کہ جنگل میں رہنے والے ان وحشیوں کی تھیں۔

میں اور نارد ان چاروں کو نظر میں رکھے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ دور سے پانی کے بہنے کی مچلی مچلی اور مترنم گنگناہٹ سنائی دینے لگی۔ جنگل میں ان جنگلیوں کے ساتھ کچھ عرصہ رہتے رہتے میری بھی سننے اور سونگھنے کی قوتوں میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ میں پانی کے بہنے کی آواز کو صاف طور پر سن رہا تھا، لیکن مجھے حیرت تھی کہ ان چاروں میں سے کسی نے بھی ابھی تک یہ آواز نہیں سنی تھی۔

جب وہ لوگ پانی کے بالکل قریب پہنچ گئے تو سب سے پہلے شانتو نے پانی کے بہنے کی آواز سنی۔ ابھی ان لوگوں کے اور پانی کے درمیان گھنے درختوں کی ایک بہت بڑی دیوار حائل تھی۔

"میں پانی بہنے کی آواز سن رہا ہوں۔" شانتو نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" رومیر نے جواب دیا۔ "مجھے بھی پانی کے بہنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔"

وہ لوگ پانی کی طرف بڑھتے گئے۔ میں اور نارد سائے کی طرح ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ لیکن جب وہ لوگ ندی کے قریب پہنچے تو ایک حیرت ناک منظر ان کی آنکھوں کا منتظر تھا۔ درختوں کی اوٹ سے میں اور نارد بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ندی میں تین عورتیں غسل کر رہی تھیں۔

ان عورتوں نے شاید اجنبیوں کے آنے یا ان کے ہونے کی بہت پانی تھی کیونکہ وہ خوفزدہ ہرنیوں کی طرح چوکنی ہوگئی تھیں، اور انھوں نے اسی سمت میں اپنی نظریں گاڑ دی تھیں جدھر سے یہ اجنبی آرہے تھے۔

اجنبیوں کو دیکھ کر عورتیں جیسے چند لمحے کے لیے بالکل بت بن گئیں، اور اسی طرح اجنبی بھی انھیں دیکھ کر سکتے میں آگئے۔ اجنبیوں کے سامنے سیاہ پتھر سے تراشا ہوا حسن تھا جس کی چمک دمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کیے دے رہی تھی۔ عورتوں کے سامنے بالکل مختلف اشیا موجود تھیں۔ ان کے جسم کے بیشتر حصے ڈھکے ہوئے تھے جبکہ ان کے کہیں کہیں سے جسم ڈھکے ہوئے تھے۔ لگتا ہے کہ ان عورتوں نے اپنی ساری زندگی میں اس قسم کے انسان نہیں دیکھے تھے، لہٰذا وہ منھ سے کوئی آواز نکالے بغیر انھیں تکے جارہی تھیں۔ چند لمحے سی گومگو کی کیفیت میں گزرے، اور اس کے بعد اچانک عورتیں جیسے اپنے خواب سے چونک پڑیں۔ انھوں نے منھ سے عجیب سی آوازیں نکالیں اور ایک طرف کو بھاگنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ان کا رخ بستی کی طرف تھا۔

لیکن البرٹو نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک دیا۔

"کدھر جارہی ہو سیاہ فام حسینائو۔" اس نے اپنی زبان میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

مخمور البرٹو۔" مارکوس نے البرٹو کو سرزنش کرتے ہوئے

"تمھارے ہاتھ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھنا۔ اس وقت ہم چاہیے اور معلوم نہیں یہاں ان کی بستی میں کتنے لوگ موجود ہوں گے

"اور ان کی بستی بھی یہاں کہیں قریب ہوگی۔" رومیر نے کہا۔ "ان عورتوں کی یہاں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ آس پاس ہی ان کی آبادی موجود ہوگی۔"

"مجھے اپنے پیدا کرنے والے کی۔" البرٹو نے چیختا ہوا لہجہ کہا۔ "میں کہتا ہوں تم سب لوگ میرا راستہ چھوڑ دو۔ ہم یہاں حسن اور جوانی کا کھیل کھیلنے کے لیے آئے ہیں۔ ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اصل مقصد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔"

مارکوس کی تنبیہ نے جیسے البرٹو کو اچانک کچھ یاد دلا دیا ہو۔ اس نے عورتوں کا راستہ چھوڑ دیا اور تینوں عورتیں دوڑتی ہوئی کی طرح بستی کی جانب بھاگ گئیں۔

"اب یہاں کے لوگوں سے ہماری مڈبھیڑ ہونی لازمی ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "تم سب لوگ میری بات کو غور سے سنو اور اس نے اپنے تینوں ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ہمیں بڑے اور کامیابی کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے صحیح و سلامت واپس لوٹنا ہے تو ہمیں اس آبادی کے لوگوں کو دوستی کا یقین دلانا ہوگا۔ یہ خطرناک قبائلی آبادی ہے اور ہمیں کا یقین کوئی نہ کوئی رکاوٹ بھی ہوگی۔ ہم اشاروں کی زبان میں ان لوگوں کو یہ سمجھائیں گے کہ ہم ان کے دوست ہیں۔ اس کے بعد ہم ان لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنے کی دعوت دیں گے اور سردار کو جہاز کے تحفے دیں گے۔ پھر ہم سردار کو وہ چھوٹے موٹے تحفے دیں گے جو ہم بڑی مقدار میں اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں، اور اس طرح اس کو اور اس کے قبیلے کو قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمیں سونے کی ان لوگوں کی مدد حاصل کرنی پڑے۔"

البرٹو سمیت سب لوگوں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ اس کے اتفاق کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے باری باری میں ہاتھ منھ دھویا۔ پانی پیا، ایک ایک چھاگل پانی کے اور باقی لوگ چھوٹے حصے بوکر پی لیتے تھے۔

اس کے بعد وہ لوگ بستی کی طرف سے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ رہے تھے۔ بستی کی طرف سے مردوں اور عورتوں کا ایک ندی کی جانب دوڑتا چلا آرہا تھا۔ چاروں آدمی چوکنے ہو کر اور ان کے ہاتھ خود بخود اپنے ہتھیاروں کی جانب بڑھنے

جانب سے آنے والے تمام لوگوں کے پاس ہتھیار نہیں تھے لیکن ان میں سے بہت سے ایسے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھیار موجود تھے۔

وہ سب کے سب لوگ اجنبیوں سے کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے اور کوئی دو سو گز کے فاصلے پر کھڑے ہوئے اجنبیوں کے جسم کے ہر حصے کو حیرت سے تک رہے تھے۔ ان کی آنکھیں اجنبیوں کے پاؤں تک لمبے لمبے بالوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

بستی کے باشندے ایک دوسرے کے مقابل اس طرح کھڑے ہوگئے تھے گویا ان کے درمیان کوئی جنگ ہونے والی ہو اور وہ ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے صف آرا ہوں لیکن دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کیا۔ تقریباً ایک منٹ تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ چاروں اجنبی اپنے سامنے سیاہ فام کا شکوہ دیکھ کر سخت حیران نظر آتے تھے۔ ساتھی ساتھ وہ کچھ پریشان بھی لگتے تھے۔

"تمھارا سردار کون ہے؟" مارکوس نے اسپینی زبان میں ان سے سوال کیا۔

مارکوس کی بات کا مطلب ظاہر ہے کسی نے نہیں سمجھا اور نہ ہی اس کے کوئی جواب دیا۔ اس کے بجائے وہ لوگ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ یہ اجنبی کیا کہہ رہے ہیں۔

"سفید نارد۔" میں نے سرگوشی میں نارد سے کہا۔ "اب مجھے اور تمھیں ان لوگوں کے سامنے جانا ہے۔ گو کہ میں شرکان دیوتا کے عطا کیے ہوئے علم کی بدولت ان لوگوں کی زبان اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن یہ بات صرف تمھیں معلوم رہے گی کسی اور کو نہیں۔ دیوتا کا حکم یہی ہے۔ میں ان لوگوں کے سامنے اور باقی تمام لوگوں کے سامنے بھی اس طرح ظاہر کروں گا جس طرح ان کی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ رہا ہوں۔ تمھیں اپنے آپ کو ان لوگوں کے سامنے قبیلے کی سردار کی حیثیت سے پیش کرنا ہے اور اس انداز سے پیش کرنا ہے جو اس بڑے قبیلے کے شایان شان ہے۔ تمھیں ڈرنے، گھبرانے یا ان لوگوں سے مرعوب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شرکان دیوتا ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہر ہر قدم پر ہمارے قدم بہ قدم رہے گا اور سب لوگوں کی راہنمائی کرے گا۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے نارد کو اشارہ کیا اور چند منٹ میں ہم نے جھاڑیوں میں سے نکل کر باہر آگئے جس میں ہم اب تک چھپے ہوئے تھے۔ سیاہ فام لوگ ہمیں اور نارد کو دیکھ کر جیسے خوش ہوگئے۔ انھیں ہمارا ہی انتظار تھا شاید ہماری تلاش میں انھوں نے کچھ لوگوں کو ادھر ادھر بھیجا بھی ہو۔ ہمیں دیکھتے ہی ان کے چہرے میں انتہا درجے کی خوشی

شانتو نے نارد کا ہاتھ پکڑا اور میں اور نارد ان چاروں اجنبیوں کے سامنے پہنچ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہوگئے۔

نارد کے ذہن میں بھاری بھرکم جسم نے چاروں اجنبیوں کو حیرانی میں مبتلا کر دیا۔ اس پہلوان نما عورت کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مجھ میں کوئی ایسی نمایاں بات نہیں تھی جو انھیں حیرت زدہ کرتا۔ میرا جسم عام انسانوں کی طرح سبک اور ہلکا پھلکا تھا اور رنگ بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔

عین اس موقع پر مارکوس آگے بڑھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم دونوں میں سے ہی کوئی سردار ہے۔ یقیناً اس کا خیال میرے بارے میں ہوگا کیونکہ اس کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہوگا کہ قبیلے کی سردار کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ مارکوس نے آگے بڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھا، گردن تھوڑا سا خم کیا اور ذرا سا جھکتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ اسپینی زبان میں کہا۔ "کیا تم اس قبیلے کے سردار ہو؟"

میں اگرچہ مارکوس کی بات کو پوری طرح سمجھ رہا تھا لیکن ظاہر ہے کہ بھلے اس بات کا اظہار نہیں کرنا تھا۔ میں خاموش رہا اور میں نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لیے گویا میں اس کی بات کو بالکل نہیں سمجھ پایا ہوں۔ پھر میں نے ہاتھ سے نارد کی طرف اشارہ کر دیا تاکہ ان لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہو جائے کہ قبیلے کی سردار نارد ہے۔ جب اشارہ کرنے سے وہ لوگ یہ سمجھ گئے کہ نارد کو کچھ پر فوقیت حاصل ہے اور شاید وہی قبیلے کی سردار ہے۔

مارکوس اب نارد کی جانب متوجہ ہوا اور اس نے ایک بار پھر جھک کر رسمی تعظیم دی جو اپنی ہدایت کے مطابق نارد نے بھی ویسا ہی رویہ اختیار کیا۔

مارکوس نے سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ ہلا ہلا کر ہم لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ لوگ بہت دور سے آئے ہیں اور ان کے ارادے جارحانہ نہیں ہیں۔ مارکوس بڑی مشکل سے دنیا کی قدیم ترین زبان یعنی اشاروں کی زبان میں ہمیں اپنا مافی الضمیر سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور نارد سمیت تمام لوگ غور سے اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں نے نارد سے کہا کہ وہ اجنبیوں کو بستی میں آنے کی دعوت دے۔ نارد نے میری ہدایت کے مطابق ہاتھ کے اشارے سے اجنبیوں کو بستی کی سمت چلنے کے لیے کہا۔ اجنبی نارد کے اشارے پر ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ بستی کے باقی لوگ بھی ہمارے ساتھ چلنے لگے۔ ذرا دیر میں ہم لوگ بستی کے اندر داخل ہوگئے۔ بستی میں موجود جن لوگوں نے ابھی تک اجنبیوں کو نہیں دیکھا تھا، وہ انھیں دیکھنے کے لیے اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل آئے۔ بستی کا ایک ایک شخص اپنی اپنی جھونپڑی سے باہر تھا اور حیرت بھری نظروں سے ان انسانوں کو دیکھ رہا تھا جنھیں اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

نارد نے میری ہدایت پر اجنبیوں کو ساری بستی دکھائی۔ اس کے بعد انھیں نارد کے جھونپڑے میں لاکر زمین پر بچھی ہوئی گھاس پر بٹھا دیا گیا اور جنگلی پھلوں سے ان کی خاطر تواضع کی گئی۔ چاروں اجنبی بہت خوش تھے یہ تین میں محسوس کر رہا تھا کہ البرٹو کی نگاہیں بار بار ساری عورتوں کے گداز و سڈول جسموں پر گردش کر رہی تھیں۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اس کے بعد اجنبی اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے مجھے اور نارو کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ میں اور نارو ان کے ساتھ چل پڑے۔ وہ ہمیں لیے ہوئے ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"اب ہم انھیں اپنے جہاز پر لے جائیں گے۔" مارکوس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اور انھیں وہ چھوٹے موٹے تحائف دیں گے جو ہم اپنے ساتھ لیکر آئے ہیں۔ اس طرح ہم ان لوگوں کو جلد ہی اپنا دوست بنا لیں گے۔"

"لیکن اصل دقت زبان کی ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "سمجھ میں یہ بات کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کی زبان نہیں سمجھتا۔"

"جہاز پر ہمارے ساتھیوں میں فرانسس ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "وہ اس سے پہلے بھی مختلف قبیلے آپکا ہے اور یہاں کے کسی قبیلے کے ساتھ کچھ دن گزار چکا ہے۔ ممکن ہے وہ ان لوگوں کی زبان تھوڑی بہت سمجھ سکے اور ہم انھیں اپنا مافی الضمیر سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں۔"

وہ چاروں اجنبی چلتے اور نارو کو لیے ہوئے اپنے جہاز کے قریب جا پہنچے اور پھر کشتوں کشتیوں پانی کو روندتے ہوئے ہم سب لوگ جہاز کے اندر داخل ہو گئے۔

جہاز میں داخل ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہاں اور بھی لوگ موجود تھے اور وہ بھی سب کے سب ان لوگوں کی طرح سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ مجھے اور نارو کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ خاص طور سے نارو کا ڈیل ڈول ان کے لیے زبردست دلچسپی کا باعث تھا۔ نارو جہاز کی ایک ایک چیز کو حیرت اور تعجب کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات یہ بتا رہے تھے کہ وہ خود کو کسی طلسم خانے میں محسوس کر رہی تھی۔

مارکوس نے فرانسس کو آواز دی اور ایک ایسا شخص سامنے آگیا جس کے چہرے کی سانولی رنگت یہ بتا رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گرم ممالک میں گزارا ہے۔ فرانسس فریقہ کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی کئی زبانوں سے واقف تھا۔ اس نے مجھ سے اور نارو سے گفتگو کرنے کے لیے کچھ دیر تک مختلف زبانوں میں آزمائش کی۔ ظاہر ہے کہ میں تو اس کی ہر بات سمجھ گیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ نارو اس کی بات کس حد تک سمجھ سکتی ہے۔ بالآخر کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے ذریعے فرانسس جو لوگوں کو یہ بتانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ لوگ اپنا جہاز لے کر فریقہ کے اس ساحل پر ہونے کی توقع میں آئے ہیں۔

"سونا کہاں ہوتا ہے؟" میں نے انجان بن کر بڑی معصومیت سے فرانسس سے مقامی زبان میں سوال کیا۔

جب فرانسس نے میرے سوال کا اسپینی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے باقی ساتھیوں کو بتایا تو وہ ہنسنے لگے۔

"یہ لوگ تو بالکل ہی احمق ہیں۔" البرٹو نے حقارت آمیز لہجے میں اسپینی زبان میں کہا۔

"دراصل یہ پرتگالی دنیا اور اس کے لوازمات سے یکسر لاتعلق ہیں۔ یہ تو تجھے کے زمانے کے لوگ ہیں۔ انھیں تو لوہے اور دیگر دھاتوں کا استعمال بھی نہیں آتا۔ بھلا یہ سونے کے بارے میں کیا جانیں گے۔"

فرانسس نے رک رک کر اور اٹک اٹک کر مشکل سے یہ کہا تھا۔ اس کی بات سن کر میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ نارو ہماری گفتگو غور سے سن رہی تھی۔ اسے یقیناً اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ جو کچھ میں نے کہا تھا وہ سونے صدر درست نکلا تھا۔ یہ لوگ سونے کی تلاش میں ہی آئے تھے۔ میں نارو کو یہ بات پہلے ہی بتا چکا تھا کہ میں ان لوگوں کی زبان روانی اور سمجھ سکتا ہوں لیکن ان کے سامنے میں یہ بات کا اظہار نہیں کروں گا۔ اس لیے وہ خاموش تھی اور اسے اس بات پر حیرانی نہیں تھی کہ میں ان لوگوں کے ساتھ خود ان کی اپنی زبان میں گفتگو کرنے سے کیوں گریز کر رہا ہوں۔

فرانسس تو جہازی کے فرائض انجام دیتا ہوا یہ بتا رہا تھا کہ وہ لوگ سونے کی تلاش میں بڑی دور دراز کا سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اور یہ کہ ان کے رنگ کا تعلق ان کے لیے بڑا اہمیت رکھتا ہے۔ وہ لوگ فرانسس کے ذریعے یہ معلوم کر چکے تھے کہ قبیلے کی سردار نارو ہے اور میں، شیاہو، اس قبیلے کا روحانی پیشوا ہوں۔ وہ لوگ اس بات سے بہت خوش تھے کہ انھیں قبیلے کے تقدس اور بااثر نمائندوں کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

ادھر جہاز میں سفر میں تھا، ادھر میرے کہ ان لوگوں کی جانب سے رویہ کیا ہونا چاہیے۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ ساحل کے اس حصے میں سونے کے قریب ہماری بستی آباد تھی۔ سونا موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ گزشتہ مقدار میں سونا ساحل کے اس حصے میں موجود ہے جہاں کبھی شیاہو قبیلے کے لوگ رہتے تھے۔ میرے سامنے سوال یہ تھا کہ میں ان لوگوں کو سونے کے اصل مقام سے آگاہ کر دوں یا نہ کروں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر ایک بار ان لوگوں نے یہاں سے سونا حاصل کر لیا تو پھر اس کے بعد یہاں سونے کی تلاش میں آنے والے لوگوں کا ایک تانتا بندھ جائے گا اور نہ جانے کس کس قسم کے لوگوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ ان میں سے بہت سے اپنی فطرت ہی کے ہاتھوں مجبور ہو کر بستی کو تباہ و برباد کرنے کے علاوہ کچھ نہ کرتے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے کوئی بھی شخص یہاں زخمی ہو۔ لوگ چند قوں اپنی جسمانی طاقت کی محنت سے ساحل کی ریت کو چھان کر جہاں سونے کی ذرا سی بھی مقدار ہوتی، اس کے بعد ان لوگوں کو اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کو، روکنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کشمکش میں کتنا خون بہتا اور کتنی لاشیں گرتیں، اس کا اندازہ کرنا میرے لیے مشکل تھا۔ فیصلہ کرنا اس اعتبار سے دشوار تھا کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہی کوئی راہ عمل تجویز کروں گا۔

ان لوگوں کے استفسار کے جواب میں میں نے اور نارو نے انھیں یہ بتایا کہ ہم لوگ نارو رنگ کے ان پتھروں کے بارے میں جنھیں یہ سونا کہتے ہیں، کچھ نہیں جانتے۔ اور نہ ہی ہم نے اپنی بستی کے ساحل پر زرد رنگ کے کسی پتھر کو کبھی دیکھا ہے۔ ہمارے جواب سے ان لوگوں کو خاصی مایوسی ہوئی۔ انھوں نے ہم سے کہا کہ اس وقت ہم جہاں کہہ سکتے تھے، انہوں نے ہمیں وہیں پہنچا دیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہم نے انھیں سونا دکھا دیا تو وہ ہمیں آزاد کر دیں گے۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی سونے کی شکل نہیں دیکھی تھی اور اسے کیونکر پہچان سکتا ہوں۔ میرا کہنا تھا کہ سونا کیا ہوتا ہے اور کہاں پایا جاتا ہے۔

ان لوگوں نے پہلے اور نارو کو بہت سے تحفے تحائف دیے۔ تحائف میں موتی وغیرہ کی بنی ہوئی انگوٹھیاں، ہار، بالے وغیرہ تھے۔ گلے میں اور سر پر باندھنے والے پٹی کپڑوں کے ٹکڑے تھے۔ ان میں ایسے ہار بھی تھے جن میں چھوٹی چھوٹی مشینوں کے پیکٹ اور اسی قسم کی دیگر خرافات شامل تھیں۔ ان لوگوں نے ہمیں یہ تحائف بڑی خوشی سے پیش کیے تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کے لیے ہماری چیزیں عجائبات سے کم نہیں تھیں۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر ہر چیز کو بار بار دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے ان کے چہرے پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی۔ نارو کی تخلیق میں میں نے ان لوگوں کے لیے کچھ ایسی حیرت انگیز شے رکھ دی تھی جس نے انھیں عام حالات میں ہی ہمارا گرویدہ بنا لینا تھا۔ پھر نارو کے حسن کی داد تو وہ دینا ہی تھی۔ البرٹو، مارکوس اور ان کے دوسرے ساتھی اس بات سے بہت متاثر نظر آتے تھے کہ ہم نے ان تحائف میں دل چسپی کا سامان کیا ہے۔

تحائف کا جمع ایک بار پھر ان لوگوں کے پسندیدہ موضوع کی طرف پلٹ آیا اور البرٹو نے فرانسس کی وساطت سے ہم سے دریافت کیا کہ ہم اس تلاش میں ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ نارو کے بجائے میں نے جواب دیا کہ ہم ان کی طرف اتنی مدد کر سکتے ہیں کہ ان کے ساحل پر پہنچ جائیں۔ اس کے بعد ہم انھیں ساحل کے مختلف علاقوں سے اور بستیوں سے واقف کرا دیں گے۔ اس کے بعد ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ میرا کہنا تھا کہ اس وقت تک میں اس قبیلے پر سب سے زیادہ اثر و رسوخ رکھنے والا شخص ہو گا اور میرے کہنے پر ہی لوگ ان لوگوں کو سونا تلاش کرنے دیا جائے۔ انھیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ ساحل کے کون سے مخصوص حصے میں سونا موجود ہے۔ اگر یہ لوگ سونا تلاش کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یہ ان کی خوش قسمتی ہو گی اور اس کے بعد ہر بھی واقعات پیش آئیں گے۔ ان سے نمٹنا بڑے سے اور گرفتار لوگوں کو ناکامی ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں کچھ عرصہ تک ساحل پر وقت گزارنے کے بعد یہ لوگ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے۔ ہم انھیں یہ سوچ لیا تھا کہ اس سے زیادہ ان کی اور کوئی مدد نہیں کریں گے۔

نارو نے قبیلے کی سردار ہونے کی حیثیت سے فرانسس کی معرفت ان لوگوں کو یہ بتایا کہ ان جیسوں کا سردار کون ہے۔ کہ وہ اس سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ فرانسس نے سے بتایا کہ جہاز ان کا سردار مارکوس ہے۔

"سردار مارکوس۔" نارو نے مارکوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ ایک دوسرے کو کیا کہہ کر بلاتے ہو۔ اور ہمارے لیے یہ کیا کہنا چاہتے ہو تم نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اور ہم نے بھی جواباً تمھاری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا ہے۔ ہم جس چیز کی تلاش میں آئے ہیں، اس میں ہم تمھاری مدد حاصل کریں گے۔ بھلا کر تمھارا بھی پہلے کہہ چکا ہے۔ لیکن ایک بات

اچھی طرح یاد رکھنا اور وہ یہ کہ ہم دوسری دنیاؤں سے آنے والے مخلوق کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہماری عورتوں میں سے کسی کو ہاتھ لگائیں۔ میں یہ بات تمھیں اپنے قبیلے کی سردار کی حیثیت سے بتا رہی ہوں۔ اگر تمھارے کسی آدمی نے ہمارے قبیلے کی کسی عورت کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو اس کا انجام اچھا نہ ہو گا اور ہم تمھیں اپنے علاقے سے نکال باہر کریں گے۔ نیز اس شخص کو سخت سزا دیں گے جو ایسی حرکت کا مرتکب ہو گا۔ ہم اپنی نسلوں کے خون کو صاف اور پاک رکھنا چاہتے ہیں اور اس میں اجنبیوں کے خون کی آمیزش کو برداشت نہیں کریں گے۔"

فرانسس نے نارو کی باتوں کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ لیا تھا۔ اس نے اسپینی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ نارو کیا کہہ رہی ہے۔

"اوہ۔ ان کالی بھوتنی عورتوں کے نخرے تو دیکھو۔" البرٹو نے کہا۔ "یہ تو ہم سے لاکھ درجہ زیادہ خوبصورت اور شکیل ہیں۔"

"بات خوبصورتی کی نہیں ہے البرٹو۔" مارکوس نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "حقارت سے نفرت تک کا معیار کچھ اور ہے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک کچھ اور۔ ممکن ہے کہ ہماری سفید چمڑی دیکھ کر انھیں گن آتی ہو اور یہ ہماری شکلوں سے کراہت محسوس کر رہے ہوں۔ لیکن اصل مسئلہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے دوستی کرنا ہو گی۔ کرم ان کی عورتوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیں گے اور نہ صرف وعدہ کرنا ہو گا بلکہ اس پر عمل بھی کرنا ہو گا۔"

"وعدہ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔" البرٹو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "البتہ جہاں تک اس پر عمل کرنے کا تعلق ہے، تو اس کا انحصار حالات کے تقاضوں پر ہو گا۔"

مارکوس نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے البرٹو کی بات کو بالکل نظر انداز کر دیا اور فرانسس کی وساطت سے کہا۔ "ہم قبیلے کی سردار سے اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی ساتھی قبیلے کی کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔"

"ایک بات اور۔" نارو نے کہا۔ "اگر کسی شخص نے یہ حرکت کی تو ہم لوگوں کو اسے ہمارے حوالے کر دینا ہو گا اور ہم جو سزا مناسب سمجھیں گے اس کے ساتھ کریں گے۔ تمھیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہو گا۔"

فرانسس نے ترجمہ کر کے نارو کا مدعا اپنے ساتھیوں کو سمجھایا۔ البرٹو کے چہرے پر طنطنے کی سی دوڑ گئی۔ "یہ سیاہ بھنگی اپنی حد سے بڑھتی جا رہی ہے۔" اس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اگر اس کریں نے انتظام بندی تو کوئی کام ہی نہیں کیا۔ ایک بار سونے کا پتا چل جائے پھر میں اس سے اپنی طرح نمٹ لوں گا۔"

"نارو سے کہہ دو کہ ہمیں اس کی یہ شرط بھی منظور ہے۔" مارکوس نے فرانسس سے کہا۔ "لیکن ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دو کہ جب تک ہم لوگ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اس علاقے میں موجود ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ بھی اپنا مہمان سمجھے اور ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرے۔ لیکن اس بات میں کسی زبردستی کو دخل نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی تو ہم اسے اس کے لیے مجبور نہیں کریں گے۔ ہم سمندر سے مچھلیاں پکڑ کر بھی اپنا کام چلا سکتے ہیں کیونکہ ہمارے جہاز میں موجود مہمان خورد و نوش موجود ہے، اس لیے ہم اپنی واپسی کے سفر کے لیے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔"

فرانسس نے ترجمہ کرکے مارکوس کی بات نارو کو بتائی۔

نارو نے جواباً سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم لوگ ہماری سرزمین پر آئے ہو اور اس لیے ہم تمھیں اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ جب تک تم یہاں موجود رہو گے تمھارے کھانے پینے کا بندوبست ہماری جانب سے کیا جائے گا۔ کچھ ہم خود کھائیں گے۔ رہی تم لوگوں کی بھی کھائیں گے۔ لیکن گرم یہاں سے ایک دو منزل آگے چلے جاؤ گے تاکہ اس چیز کو حاصل کر سکو جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

نارو بڑے سنجیدہ اور پُروقار لہجے میں کسی منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح گفتگو کر رہی تھی، اور فرانسس یہ دیکھ کر متعجب ہو رہا تھا کہ وہ فرنچ کو جس روانی سے بول اور سمجھ رہی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس زبان کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ فرانسس کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس بستی میں ایسا کون ہے جو فرنچ زبان سے واقف ہے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا، اور وہ تھا ڈیوڈ کا۔ لیکن ڈیوڈ کو تو یہاں سے گئے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ کیا وہ اتنے سال یہاں رہا تھا؟ کیا اس نے یہاں کسی سے شادی کر لی تھی؟ کیا اس کے بچے بھی تھے؟ فرانسس کے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔

مارکوس نے فرانسس کی بات سن کر کہا: "ہم تمھارے مشورے پر عمل کریں گے۔ ہم یہاں سے آگے جائیں گے۔ لیکن ہم تمھارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

نارو نے فرانسس کی وساطت سے جہاز کے تمام لوگوں کو دعوت دی کہ وہ بستی میں چلیں۔ لوگ تو گویا اس دعوت کے منتظر ہی تھے۔ وہ سب کے سب چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان چار آدمیوں کے علاوہ جو سب سے پہلے بستی میں داخل ہوئے تھے، باقی لوگوں نے بھی کی تعداد کوئی چالیس کے قریب ہوگی۔ بستی کی عورتوں میں سے صرف چار کو اور مردوں میں سے صرف پانچ کو دیکھا تھا، اور ان کی آنکھوں کی چمک یہ بتا رہی تھی کہ وہ سیاہ فام عورتوں کو دیکھنے کے لیے خاصی بے تاب تھے۔

نارو سب سے آگے آگے چل رہی تھی، اور اس کے پیچھے پیچھے فرانسس اور مارکوس تھے۔ ان کے پیچھے باقی لوگ تھے۔ بستی میں داخل ہوتے ہی سامنے ایک بڑا سا میدان تھا، جس کے چاروں طرف گھاس پھونس کی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان جھونپڑیوں کی تعداد بیس کے قریب تھی۔ ہر جھونپڑی کے سامنے ایک یا دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے ساتھ کچھ بچے بھی تھے۔ ان کے علاوہ بستی میں اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ نارو کے ساتھ آنے والے مرد بھی ان عورتوں کو دیکھ کر بے چین ہو گئے تھے۔ ان کی نظریں بار بار ان عورتوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ نارو نے ان کی بے چینی کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے فرانسس سے کہا: "ان سے کہو کہ یہ عورتیں ان کی ہیں۔ ان کے ساتھ جو چاہیں کریں۔ لیکن ان کے ساتھ زبردستی نہ کریں۔ ان کی رضامندی سے جو کچھ کرنا چاہیں، کریں۔"

فرانسس نے نارو کی بات مارکوس کو بتائی۔ مارکوس نے کہا: "ہم ان عورتوں کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے۔ ہم ان کی رضامندی سے ہی کچھ کریں گے۔ ہم ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔"

فرانسس نے مارکوس کی بات نارو کو بتائی۔

نارو نے جواباً سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم لوگ ہماری سرزمین پر آئے ہو اور اس لیے ہم تمھیں اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ جب تک تم یہاں موجود رہو گے تمھارے کھانے پینے کا بندوبست ہماری جانب سے کیا جائے گا۔ کچھ ہم خود کھائیں گے۔ رہی تم لوگوں کی بھی کھائیں گے۔ لیکن گرم یہاں سے ایک دو منزل آگے چلے جاؤ گے تاکہ اس چیز کو حاصل کر سکو جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

نارو بڑے سنجیدہ اور پُروقار لہجے میں کسی منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح گفتگو کر رہی تھی، اور فرانسس یہ دیکھ کر متعجب ہو رہا تھا کہ وہ فرنچ کو جس روانی سے بول اور سمجھ رہی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس زبان کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ فرانسس کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس بستی میں ایسا کون ہے جو فرنچ زبان سے واقف ہے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا، اور وہ تھا ڈیوڈ کا۔ لیکن ڈیوڈ کو تو یہاں سے گئے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ کیا وہ اتنے سال یہاں رہا تھا؟ کیا اس نے یہاں کسی سے شادی کر لی تھی؟ کیا اس کے بچے بھی تھے؟ فرانسس کے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔

مارکوس نے فرانسس کی بات سن کر کہا: "ہم تمھارے مشورے پر عمل کریں گے۔ ہم یہاں سے آگے جائیں گے۔ لیکن ہم تمھارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

فرانسس نے مارکوس کی بات نارو کو بتائی۔

نارو نے جواباً سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم لوگ ہماری سرزمین پر آئے ہو اور اس لیے ہم تمھیں اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ جب تک تم یہاں موجود رہو گے تمھارے کھانے پینے کا بندوبست ہماری جانب سے کیا جائے گا۔ کچھ ہم خود کھائیں گے۔ رہی تم لوگوں کی بھی کھائیں گے۔ لیکن گرم یہاں سے ایک دو منزل آگے چلے جاؤ گے تاکہ اس چیز کو حاصل کر سکو جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

نارو بڑے سنجیدہ اور پُروقار لہجے میں کسی منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح گفتگو کر رہی تھی، اور فرانسس یہ دیکھ کر متعجب ہو رہا تھا کہ وہ فرنچ کو جس روانی سے بول اور سمجھ رہی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس زبان کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ فرانسس کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس بستی میں ایسا کون ہے جو فرنچ زبان سے واقف ہے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا، اور وہ تھا ڈیوڈ کا۔ لیکن ڈیوڈ کو تو یہاں سے گئے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ کیا وہ اتنے سال یہاں رہا تھا؟ کیا اس نے یہاں کسی سے شادی کر لی تھی؟ کیا اس کے بچے بھی تھے؟ فرانسس کے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔

مارکوس نے فرانسس کی بات سن کر کہا: "ہم تمھارے مشورے پر عمل کریں گے۔ ہم یہاں سے آگے جائیں گے۔ لیکن ہم تمھارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

فرانسس نے مارکوس کی بات نارو کو بتائی۔

نارو نے جواباً سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم لوگ ہماری سرزمین پر آئے ہو اور اس لیے ہم تمھیں اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ جب تک تم یہاں موجود رہو گے تمھارے کھانے پینے کا بندوبست ہماری جانب سے کیا جائے گا۔ کچھ ہم خود کھائیں گے۔ رہی تم لوگوں کی بھی کھائیں گے۔ لیکن گرم یہاں سے ایک دو منزل آگے چلے جاؤ گے تاکہ اس چیز کو حاصل کر سکو جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

نارو بڑے سنجیدہ اور پُروقار لہجے میں کسی منجھے ہوئے سیاستدان کی طرح گفتگو کر رہی تھی، اور فرانسس یہ دیکھ کر متعجب ہو رہا تھا کہ وہ فرنچ کو جس روانی سے بول اور سمجھ رہی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس زبان کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ فرانسس کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس بستی میں ایسا کون ہے جو فرنچ زبان سے واقف ہے۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نام آیا تھا، اور وہ تھا ڈیوڈ کا۔ لیکن ڈیوڈ کو تو یہاں سے گئے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ کیا وہ اتنے سال یہاں رہا تھا؟ کیا اس نے یہاں کسی سے شادی کر لی تھی؟ کیا اس کے بچے بھی تھے؟ فرانسس کے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان امڈ آیا تھا۔

مارکوس نے فرانسس کی بات سن کر کہا: "ہم تمھارے مشورے پر عمل کریں گے۔ ہم یہاں سے آگے جائیں گے۔ لیکن ہم تمھارے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہم تمھارے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

فرانسس نے مارکوس کی بات نارو کو بتائی۔

نارو نے جواباً سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم لوگ ہماری سرزمین پر آئے ہو اور اس لیے ہم تمھیں اپنا مہمان سمجھتے ہیں۔ جب تک تم یہاں موجود رہو گے تمھارے کھانے پینے کا بندوبست ہماری جانب سے کیا جائے گا۔ کچھ ہم خود کھائیں گے۔ رہی تم لوگوں کی بھی کھائیں گے۔ لیکن گرم یہاں سے ایک دو منزل آگے چلے جاؤ گے تاکہ اس چیز کو حاصل کر سکو جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، تو پھر ہماری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہے کہ دوران سفر گوشت ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا نیا دور کرنا اس بات پر تھا کہ ان کے ساتھ جہاز میں ہوگا، اور جنگلیوں پر ہوتا ہوگا ایک ہفتے کے بعد انھیں گوشت کی طلب دیکھنے کو مل رہی تھی اور یہ اس خیال سے نارمر شار نظر آرہے تھے کہ انھیں اب کھانے کے لیے گوشت میسر ہوگا۔

دو دن میں گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بھون کر تیار ہو گئے اور وحشیوں کے پتوں میں رکھ کر وحشیوں کو پیش کیے جانے لگے۔ وحشی بھوکے گدھوں کی طرح گوشت پر ٹوٹ پڑے اور جلدی جلدی دانتوں سے اور اپنے گوشت کو بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر کھانے لگے۔

وحشیوں نے خوب سیر ہو کر گوشت کھایا اور مندی کا مشغلہ شروع ہو گیا۔ ایک عرصے کے بعد لذیز غذا جب ان کے جسموں میں پہنچی تو ان پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ ان میں سے کئی تو وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگے۔ کچھ لیٹ کر سو گئے اور کچھ بستی میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ اب شام ہو چلی تھی اور کچھ دیر میں آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ مارکوس نے اپنے ساتھیوں کو واپس جہاز پر چلنے کا حکم دیا۔ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے، تب مارکوس نے ہمدرد اور نارو سے مخاطب ہو کر کہا: "کل سے ہم ان زرد پتھروں کی تلاش کی آغاز کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ تم لوگ اس کام میں ہماری مدد کرو گے۔"

"ہم تمھاری مدد ضرور کریں گے۔" ہمدرد کوئی جواب دینے سے پہلے ہی نے کہا۔ "یہاں اس پاس کے ساحل پر تلاش کے لیے ہم تمھیں اپنے دو آدمی دیں گے جو تمھاری راہنمائی کریں گے۔ تم ہفتہ دو ہفتہ تک اس پاس کے ساحلی علاقے میں ان زرد پتھروں کی تلاش کرو۔ اور اگر اس کے بعد بھی تمھیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو پھر ہم لوگ سمجھیں گے کہ تمھارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔"

فرانسس نے میری تجویز کا مفہوم اسپینی زبان میں مارکوس کو سمجھایا۔ مارکوس میری اس بات سے بہت خوش ہوا اور اس نے میرا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ رخصت ہونے سے پہلے نارو نے مارکوس سے اس بات کی اجازت حاصل کر لی کہ وہ بستی کے سامنے لوگوں کو ان کا جہاز دکھا دے۔ مارکوس نے بڑی خوشی سے اجازت دی اور یہ طے کیا کہ وہ کل علی الصباح سارے بستی کے لوگوں کو ہمارے انتظار کرے گا اور انھیں کئی گروپوں کی صورت میں جہاز کی سیر کرائے گا۔

دوسرے دن بستی کے سارے لوگ صبح ہی صبح ساحل پر پہنچ گئے۔ میں اور نارو ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ دو درجن وحشیوں کی صورت میں انھیں کا جہاز کھڑا ہوا تھا۔ بستی والے حیرت اور اشتیاق کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

مارکوس، البرٹو اور ان کے دیگر ساتھیوں نے جہاز سے باہر آکر ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور مجھے اور ہمدرد کو ہدایت دی کہ ہم بستی کے سارے لوگوں کو تین گروہوں میں منقسم کر دیں اور ہر گروہ کو باری باری جہاز کی سیر کرائے گا۔ مارکوس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سارے لوگوں کو تین گروپوں میں بانٹ دیا گیا اور اس نے یکے بعد دیگرے گروپوں کو باری باری جہاز کی سیر کرانی شروع کی۔ میں اور نارو ہر گروپ کے ساتھ موجود تھے۔

اس کے بعد ہم لوگ واپس ہوئے۔ ہم لے دو آدمی وحشیوں کے ساتھ کر دیے اور انھیں بتایا کہ یہ لوگ مقامی راستوں سے بخوبی واقف ہیں اور راہنمائی کا فریضہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد لوگ واپس لوٹ آئے۔

جب میں اور نارو تنہا ہوئے تو نارو نے مجھ سے کہا کہ بستی کے سارے لوگ اس بات پر سخت حیران ہیں کہ ٹیا ہونے اپنے جسم کو سیاہ رنگ میں کیوں رنگ لیا ہے اور اپنا چاند کی روشنی جیسا رنگ کیوں چھپا لیا ہے۔

"تم نے انھیں کیا جواب دیا؟" میں نے نارو سے پوچھا۔

"میں نے کہا کہ ٹیا ہمدرد ہمارا روحانی پیشوا ہے۔" نارو نے کہا۔ "شمشان (روحانی کی تربیت حاصل ہے۔ اس لیے وہ جو بھی وہ کرے، اس کی کوئی نہ کوئی اچھی وجہ ہوگی۔ اگر اس نے اپنے جسم کو سیاہ کیا ہے تو اس میں ضرور کوئی شمشان (روحانی) مصلحت ہوگی۔"

"تم نے بالکل ٹھیک جواب دیا نارو۔" میں نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"اور میں نے ان لوگوں سے یہ بھی کہہ دیا کہ وحشیوں کے کوئی اس بات کا ذکر نہ کرے کہ ٹیا نے جسم کی اصل رنگت کیا ہے۔ تم نے وحشیوں سے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے ہی اپنی رنگت تبدیل کی ہے۔ پھر بھلا وحشیوں کو یہ بات کس طرح بتلائی جا سکتی ہے؟"

"تم بہت دانش مند ہو نارو۔"

"میں نے دو آدمیوں کو وحشیوں کے ساتھ ساحل پر تلاش کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ تلاش رائیگاں جائے گی اور انھیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس علاقے میں سونا موجود نہیں ہے۔"

"اگر تم اس بات سے واقف ہو کہ اس علاقے میں سونا موجود نہیں ہے، اور جیسا کہ تم نے مجھے بتایا ہے، تم یہ بھی جانتے ہو کہ سونا اس جزیرے میں موجود ہے جہاں کبھی تم نے قیام کیا تھا، تو پھر تم نے ان لوگوں کو یہ بات کیوں نہ بتا دی؟"

اس سوال کے جواب میں میں نے نارو کو تفصیل کے ساتھ کریسٹوفر کولمبس کے سفر کے بارے میں بتایا۔ میں نے اسے بتایا کہ کولمبس کو امریکہ کی دریافت کا سہرا اس لیے حاصل ہوا تھا کہ اس نے اپنے سفر کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اگر کولمبس نے اپنے سفر کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوتا تو یورپ کے بہت سے لوگ امریکہ کی دریافت کا سہرا اپنے سر باندھ لیتے۔ اس لیے میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔

"میں نہ جانے اپنے ساتھ کیسی کیسی مصیبتیں لے کر آئیں گے۔ اسی لیے میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر اجنبی خود سے وہ جگہ تلاش کر لیں تو مجبوری ہے اور یہ ہی قرین قسمت ہوگا۔ اور ہم لوگوں کی بدقسمتی ہوگی۔ لیکن میں خود انھیں اس مقام کی نشان دہی نہیں کروں گا۔"

"شیابر، ان زرد پتھروں میں ایسا کون سا جادو ہے جس کے لیے ہم کی دنیا والے اس قدر دیوانے ہیں کہ اتنی دور دور کا سفر کر کے اتنے خطرات مول لے کر اس کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں؟" نارو نے سوال کیا۔

اور واقعی میرے لیے اس کے اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل تھا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ ان زرد پتھروں کے پیچھے مہذب دنیا کے انسان کس طرح ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں، ایک دوسرے کو دغا دیتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بے دردی کے ساتھ بہاتے ہیں۔

شام ہو گئی۔ کھانے کی تیاریاں پہلے ہی سے کر لی گئی تھیں۔ سورج ڈھلے ڈھلے سارے اجنبی اور قبیلے کے دونوں آدمی واپس آگئے۔ انھیں بھنے ہوئے چوہوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ مجھے ظاہر ہے کہ اس کی وجہ اچھی طرح معلوم تھی۔ تاہم میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے فرانسس کی وساطت سے مارکوس سے پوچھا: "کہو دوست، کچھ کام بنا یا کیا تمھارے مطلوبہ پتھر تمھیں کہیں ملے؟"

"نہیں۔" فرانسس نے عمومی جواب دیا۔ "ہماری آج کی تلاش ناکام ثابت ہوئی ہے۔ سارے دن کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی ہم زرد رنگ کے پتھر کا ایک ٹکڑا بھی حاصل نہیں کر سکے۔"

"پریشان ہونے کی بات نہیں۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے چند روز کی تلاش کے بعد تمھیں یہ پتھر مل ہی جائیں۔"

اس دوران البرٹو نے فرانسس سے اسپینی زبان میں کہا: "اس منحوس وحشی سے کہو کہ ان وحشیوں کو اس نے ہمارے ساتھ بھیج دیا ہے۔ یہ تو بالکل ہی گدھے ہیں۔ انھیں تو زرد بھی اس بات کا علم نہیں کہ سونا کہاں ملے گا۔ یہ کم بخت کہتے ہیں کہ انھوں نے کبھی اس بات پر غور ہی نہیں کیا کہ کون سے پتھر کا رنگ کیسا ہے۔ ان کے نزدیک تو پتھر پتھر ہے اور بس۔ کس قدر احمق اور نادان لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔"

میں دل ہی دل میں البرٹو کی جھلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔ جب وہ اسپینی زبان میں ہم لوگوں کو گالیاں دے رہا تھا تو میں مسکرا مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور یوں ظاہر کر رہا تھا گویا میں اس کی گالیوں کو تحسین و آفریں کے کلمات سمجھ رہا ہوں۔ میری مسکراہٹ سے وہ اور بھی جل گیا۔

فرانسس نے خجالت زدہ انداز میں مجھے یہ بتایا کہ جو دو آدمی میں نے ان کے ساتھ کیے تھے وہ اس لحاظ سے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکے کہ انھیں خود سنہری پتھروں کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے اور ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کبھی پتھروں کے رنگ پر غور نہیں کیا۔ اس کے بعد فرانسس نے مجھ سے درخواست کی کہ اگر میرے قبیلے میں کچھ ایسے لوگ موجود ہوں جو زرد پتھروں کے بارے میں کچھ جانتے ہوں اور یہ بتا سکیں کہ یہ پتھر کہاں مل سکیں گے، تو ایسے لوگوں کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے غمگین لہجے میں جواب دیا۔ "میرے قبیلے میں ایسے کوئی آدمی موجود نہیں ہیں جو یہ بتا سکیں کہ یہ زرد پتھر کہاں دستیاب ہو سکیں گے۔ ہم لوگ تمھارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے جتنا کہ ہم اس وقت کر رہے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو تمھارے ساتھ بھیجا تھا وہ اس لحاظ سے بڑے قابل قدر لوگ ہیں کہ اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ اگر تم ان لوگوں کے کام سے مطمئن نہیں ہو تو پھر مجبوری ہے۔ تم ہمارے بغیر ہی اپنا کام چلانے کی کوشش کرو۔"

"نہیں نہیں، یہ بات نہیں ہے۔" فرانسس نے میرے بگڑے ہوئے تیور بھانپتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "ہمارا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے تھے کہ اگر تمھارے پاس ان سے بہتر لوگ موجود ہوں تو ہماری مدد کرو۔ لیکن اگر ان سے بہتر لوگ موجود نہیں ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہم انھی کی مدد سے اپنی تلاش کا کام جاری رکھیں گے۔"

میں نے فرانسس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ان لوگوں کی تلاش کا کام کئی دن تک جاری رہا۔ ان دنوں کے دوران کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ سوائے اس کے کہ ہر شام کو یہ لوگ بھوکے، پیاسے، منھ لٹکائے ہوئے واپس چلے آتے۔

بالآخر مارکوس نے مجھ سے کہا کہ اب وہ اور اس کے ساتھی جہاز میں بیٹھ کر ساحل کے اگلے حصے کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ شاید وہاں قسمت ان کا ساتھ دے دے، کیونکہ ساحل کے ان علاقوں میں تو تلاش بسیار کے باوجود انھیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ مارکس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اپنے کچھ آدمی اس کے ساتھ کر دوں تاکہ وہ راہنمائی کے فرائض سرانجام دے سکیں۔ لیکن بات یہ تھی پر وفیسر کہ میں اپنے لوگوں کو ان اجنبیوں کے ساتھ دور دراز کے علاقے میں بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھا، کیونکہ مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہ لوگ ہمارے آدمیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کریں گے۔ مارکوس اپنے ساتھیوں کے ساتھ اب جس طرف جانے کا مقصد رکھتا تھا وہ پچھلا قبیلے کی سابقہ رہائش والا علاقہ تھا، اور مجھے یہ بات معلوم تھی کہ وہاں سونا موجود ہے۔ اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد یہ لوگ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اتنا بہت سا سونا دیکھ کر نہ جانے ان کا کیا حال ہو، اور یہ میرے آدمیوں کی جانب نہ جانے کس قسم کا رویہ اختیار کریں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ کسی اور کو ان کے ساتھ بھیجنے کے بجائے میں تنہا خود ان کے ساتھ جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ یہ لوگ سونا پانے کے بعد کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ میں نے مارکوس کو بتایا کہ اس بار اس کے ساتھ کوئی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دوسرے ڈوبی نہیں جائیں گے۔ بلکہ ہم خود ہواؤں کا رویہ دیکھ کر ساتھ کوئی دوسرا جزیرہ نہیں ہوگا۔ مارکوس اور اس کے تمام ساتھی میری یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ ان کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کہ قبیلے کا روحانی پیشوا خود ان کی مدد کے لیے ان کے ساتھ جا رہا تھا۔

طے یہ پایا کہ اگلی صبح ایک دن آرام کریں گے اور اس سے اگلے دن ساحل کے دوسرے علاقوں کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ میں جہاز پر ان کے ساتھ ہوں گا۔

چنانچہ اس منصوبے کے مطابق عمل کیا گیا۔ جنگلیوں نے ایک دن آرام میں گزارا۔ اس دوران وہ بار بار اپنے جہاز پر بھی دیکھنے جاتے رہے یا ان میں سے کچھ، جن میں البرٹو بھی شامل تھا بستی میں آ کر ادھر ادھر گھومتے رہے۔ البرٹو بستی کی ایک ایک عورت کو جیسے اپنی آنکھوں میں اتارتا رہا تھا۔ مجھے اس وقت نہیں معلوم تھا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ بعد کے حالات سے ظاہر ہوا، اس کا ایک خاص مقصد تھا جس کے تحت وہ تمام عورتوں کو نظروں ہی نظروں میں پرکھ رہا تھا اور آئندہ کے لیے منصوبے بنا رہا تھا۔ میں البرٹو کی سرگرمیوں پر سختی کے ساتھ نظر رکھے ہوئے تھا اور میں نے بستی کے کئی آدمی اس کام پر لگا دیے تھے کہ وہ برابر البرٹو کی نگرانی کرتے رہیں۔ لیکن البرٹو ایک نہایت چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے اس دوران ہم میں سے کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا۔ وہ عورتوں کو صرف گھورتا رہا اور بس۔ اس سے آگے جانے کی اس نے ذرہ برابر بھی کوشش نہیں کی۔

دوسرے دن ہم لوگ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ جہاز کا رخ اب اس طرف تھا جدھر ڈوبتا ہوا قبیلے کی قدیمی رہائش گاہ تھی اور جہاں منتوں جگہ مُنوں سونا ساحل پر بکھرا پڑا تھا۔ مجھے وہ گڑھا ابھی تک اچھی طرح یاد تھا جس میں میں نے سونے کے بیسکڑوں بڑے بڑے ٹکڑے ڈال کر اسے بھر دیا تھا۔ جہاز اس جگہ سے کچھ پہلے ہی لنگر انداز ہو گیا جہاں سونا موجود تھا۔ جنگلیوں کا رویہ میرے ساتھ دوستانہ تھا۔ وہ پہلے میں بڑے اطمینان سے میرے بارے میں گفتگو کرتے۔ انھیں یقین تھا کہ میں ان کی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتا ہوں کیونکہ میں نے انھیں تاثر بھی دیا تھا۔ جبکہ حقیقت یہ تھی کہ میں ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

جہاز کے لنگر انداز ہونے کے بعد سب لوگ ساحل پر اتر آئے۔ میں بھی دوسروں کے ساتھ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چلتا ہوا ساحل تک آ گیا۔ یہاں کے سارے مناظر میرے جانے پہچانے تھے۔ جب میں نے اڈوچالا قبیلے والوں کو ان کی رہائش گاہ سے نکالا تھا تو ہم لوگ بھی راستوں سے گزر کر گئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں نے ان میں سے کوئی بات جنگلیوں کو نہیں بتائی تھی اور نہ ہی بتانے کا ارادہ تھا۔

سب لوگ ساحل پر اتر کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور مختلف جگہوں پر پڑے ہوئے پتھروں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس جگہ سونا موجود ہو گیا ہے یا نہیں۔ کیونکہ جہاں سونا تھا میں نے دیکھا تھا کہ اس پر کافی مٹی جم گئی تھی اور ابھی ہم چوبیس گھنٹے بھی وہاں تک نہیں پہنچے تھے۔ تاہم اب ہم میں میری دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ میں خود بھی یہ جاننا چاہتا تھا کہ ساحل کے اس حصے میں سونا موجود ہے یا نہیں۔ اس لیے میں ان لوگوں کے ساتھ خود بھی تلاش میں شریک ہو گیا۔

ہمیں پتھروں سے سر مارتے ہوئے شام ہو گئی، لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مارکوس، البرٹو اور ان کے باقی ساتھی سخت دل گرفتہ نظر آ رہے تھے۔

"کیا معلوم ہوتا ہے کہ ظالم ہم پر مہربان نہیں ہے۔" مارکوس نے کہا۔

"تم ابھی سے ناامیدی کی باتیں کیوں کرنے لگے ہو؟" البرٹو نے کہا۔ "ابھی تو ہمارے سامنے ساحل کا بہت بڑا علاقہ پڑا ہے۔ ہم اس سے ملا ملا کے کو چھانے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے، اور کہہ کر تم مجھے اس بات کا یقین ہے کہ ہم لوگ سونا تلاش کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"تم یہ بات اتنے وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو؟" مارکوس نے کہا۔

"اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ارلوگ کا دیوتا ایک نہایت منصف مزاج اور جنفر فیہ دیوتا تھا۔ اس سے غلطی ہونے کا بہت کم امکان ہے۔"

"لیکن ہم سے تو غلطی ہونے کا امکان ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم غلط جگہ پر آ گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے ہم نے نقشے کو سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ ہو سکتا ہے ہم سے نقشے کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو۔"

"ہمارا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "ہم نے نقشے کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی ہے تو فرانسس کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ ہم لوگ صحیح مقام پر پہنچے ہیں۔ اور تم جانتے ہو کہ فرانسس نے کتنا عرصہ اوفو کے ساحلی علاقوں کی سیر میں گزارا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" مارکوس نے پژمردہ آواز میں کہا۔ "مجھے تو یہ ساری مہم اب کچھ بیکار سی معلوم ہوتی ہے۔ اتنے دنوں کی تلاش و جستجو کا اب تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

میں ان لوگوں کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا اور ان کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ لیکن وہ دونوں ظاہر ہے کہ اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ میں ان کی گفتگو سمجھ بھی سکتا ہوں۔ اس لیے وہ میری طرف سے لاپروا تھے۔

"ان کم بخت کالے وحشیوں کو تو کسی بات کا کوئی علم ہی نہیں۔" البرٹو نے میری طرف دیکھتے ہوئے مارکوس سے کہا۔ "اب اسی شخص کو لو جو اپنے قبیلے کا روحانی پیشوا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس نام نہاد پیشوا کو یہ بھی علم نہیں کہ ساحل کے کون سے علاقے میں سونا موجود ہے۔"

"ان جنگلیوں کی کیا بات کرتے ہو۔" مارکوس نے جواب دیا۔ "انھیں تو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں۔ ان بدھیبوں کو اگر کسی بات کی خبر ہوتی تو بھلا یہ اس طرح ننگے گھومتے؟ اب اسی روحانی پیشوا کو دیکھ لو۔

یہ ہمارے سب لوگوں کے سامنے کس شان سے ٹکڑا ہوا ہے اور اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔"

"اور مزے کی بات یہ کہ ان کی عورتوں کو اٹھتے بیٹھتے لگاؤ۔" البرٹو نے نفرت سے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔ "کہتے ہیں ہماری نسل خراب ہو جائے گی۔ تم دیکھنا، ہمیں ذرا سونے کا سراغ مل جائے، اس کے بعد ہم انہیں بتائیں گے کہ ان کی عورتوں کے ساتھ ہم کیا سلوک کریں گے۔"

"تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" مارکوس نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" البرٹو نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے چند عورتوں کو نظروں ہی نظروں میں تاڑ لیا ہے۔ ہم انھیں کسی ترکیب سے اپنے ساتھ لے جائیں گے اور کنیزیں بنا کر رکھیں گے۔ سرزمین افریقہ سے تعلق رکھنے والی ہو، دو شاب کنیزیں!"

"مہربانی کر کے ایسی کوئی حماقت مت کرنا۔" مارکوس نے کہا۔ "مگران لوگوں کو تمھارے اس بیہودہ ارادے کی ہوا بھی لگ گئی تو وہ تمھاری بوٹی نوچ کر ڈالیں گے۔"

"ہم یہ کام ایسی صفائی سے کریں گے کہ انھیں اس کا علم ہی نہیں ہو سکے گا۔" البرٹو نے خوشامدی سے کہا۔ "اگر ہمیں سونا مل گیا تو پھر ہم اپنے جہاز کو سونے سے بھر لیں گے۔ اس کے بعد اس شخص کو چھوڑنے کے لیے ان لوگوں کی بستی کے ساحل کی طرف جائیں گے اور لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے بہانے ان کی بستی میں چلے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان دوستانہ تعلقات موجود ہیں، اس لیے کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود نہیں ہو گی۔ ہمارے پاس جہاز میں بے ہوشی کی دوا ملا کر ان لوگوں کے چند پیالے ہم کر لیں گے۔ ہم شراب میں بے ہوشی کی دوا ملا کر ان لوگوں کے درمیان ایک ایک جام تقسیم کر دیں گے۔ اتنا کافی ہو گا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی پسند کی عورتوں کو اٹھا کر جہاز میں ڈال دیں گے اور لنگر اٹھا دیں گے۔ یہ ہے میرا منصوبہ۔ کیوں، ہے نا جواب؟"

مارکوس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحوں تک منہ کھولے البرٹو کی طرف دیکھتا رہا، پھر بولا۔ "مجھے تمھارے اس بیہودہ پروگرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا بات اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمھاری طرح عورتوں کا رسیا نہیں ہوں۔ میری ایک بیوی ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں نے آج تک اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کی تمنا نہیں کی۔ تم عورتوں کے بارے میں سوچ رہے ہو، اور میں سونے اور صرف سونے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ گرمی نہیں ملا تو پھر سب کچھ بیکار ہے ـــــ سب بے کار ہے۔"

"مگر یہ کیا نہیں ہے مارکوس ـــــ" البرٹو نے جواب دیا۔ "سونا ہے اور بہت سا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ہم یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے۔"

"کاش ایسا ہی ہو۔" مارکوس نے ایک لمبی سانس کھینچ کر کہا۔ "رات کے کھانے کے لیے ہمارے پاس کافی سامان موجود تھا۔ گوشت کے علاوہ پھل بھی بڑی مقدار میں موجود تھے۔ کھانا سب لوگوں نے جہاز کے اندر ہی کھایا اور اس کے بعد سب کے سب لیٹ کر سو گئے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے تھے، اس لیے جلد ہی نیند آ گئی۔

میں البتہ جاگ رہا تھا اور دل ہی دل میں البرٹو کے منصوبے کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ اب یہ لوگ سونے سے زیادہ دور نہیں تھے اور ایک آدھ دن میں ہی سونا ان کی دسترس میں آنے والا تھا۔ البرٹو واقعی ایک عملی منصوبہ ساز تھا۔ اس نے ہمارے قبیلے کی عورتیں اڑا لے جانے کی ایک نہایت عمدہ ترکیب سوچی تھی۔ لیکن میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر مسکرا رہا تھا۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ اس کی ترکیب عملی جامہ پہننے سے پہلے ہی میرے علم میں آ چکی ہے اور میں اس کے دل کی بات سے واقف ہو چکا ہوں۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ البرٹو کی من مانی کارروائی کرنے کی اجازت دوں گا اور عین وقت پر اس کو ایسی سزا دوں گا جسے وہ زندگی بھر فراموش نہ کر سکے۔

میں نے غصے کی تُرش تھکی ہنسی پر قابو پا کر اور اپنے لوگوں کی اس غصے سے بچانے کی خاطر جو اس وقت ان پر سوار تھا، میں انھیں اپنے ہی لوگ کہوں گا کیونکہ وہ اب واقعی میرے اپنے لوگ تھے۔ میں ان میں سے ہی ایک بن گیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے اپنا روحانی پیشوا تسلیم کر لیا تھا اور اس طرح عملاً وہ میری ان تمام لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری میرے اوپر عائد ہوتی تھی اور میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا تھا اور میں ان کے اعتماد پر پورا اترنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سیدھے سادے اور بھولے بھالے لوگ ہیں اور انھیں دھوکا دینا بہت آسان ہے۔ اور "مہذب" دنیا سے آئے ہوئے البرٹو اور اس کے ساتھی بے حد چالاک اور مکار لوگ ہیں۔ ان لوگوں کی چالاکیوں اور مکاریوں کا سدباب میں ہی کر سکتا تھا اور میں نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا تھا جس کے مطابق مجھے عمل کرنا تھا۔

دوسرے دن علی الصباح ہاتھ منھ دھونے کے بعد کچھ تھوڑا بہت کھانا کھایا گیا اور جہاز کو تھوڑا سا آگے لے جایا گیا۔ اب ہم ٹھیک اس جگہ پر تھے جہاں سونے کے ذخائر یقینی طور پر موجود تھے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت سونے کو ان لوگوں کی دسترس میں آنے سے نہیں روک سکتی تھی۔

تلاش کا کام شروع کر دیا گیا۔ میں اور فرانسس ایک ساتھ تھے۔ باقی لوگ دو دو تین تین کے متفرق ہو گئے تھے۔ البرٹو اور مارکوس ہم سے کچھ فاصلے پر ساتھ ساتھ تھے۔ اچانک میری نظر ایک درخت کے بڑے سے پتھر پر پڑی جس پر اگرچہ بہت زیادہ خشک کائی اور مٹی جمی ہوئی تھی لیکن پھر بھی نیچے سے اس کا خاص سنہری رنگ جھانک رہا تھا۔ میں نے اس پتھر کو اٹھا لیا اور ایک مٹھی بھر مٹی نے کر اس سے اس پتھر کو رگڑا تو کان

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کرنے لگا۔ مٹی کی گرفت ختم ہوتے ہی اوپر کا حصہ صاف ہو گیا اور اندر سے زرد رنگ کا پتھر جو اسے جنوار ہونے لگا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ان لوگوں کے لیے سونے کی قدر و قیمت تھی، سونا ہی قدرت نے میرے لیے سب سے بڑھ کر بنایا تھا۔

میں اس پتھر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس اثنا میں مارکوس اور ابرٹو میرے نزدیک آ گئے۔ میرے ہاتھ میں زرد رنگ کا پتھر دیکھ کر وہ چونک پڑے۔ میں نے وہ پتھر بغیر کچھ کہے سنے ان کی طرف بڑھا دیا۔ مطمئن کہ بٹتا ہوا زرد سفید سا مٹی تھا۔ ان دونوں کی بیک وقت چیخیں نکل گئیں اور مارکوس نے وہ پتھر میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ ابرٹو اور مارکوس کی چیخ سن کر فرانسس بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور تینوں مل کر اس پتھر کا جائزہ لینے لگے جو بالکل سونے کا ایک بڑا سا ڈلا تھا۔

"مل گیا، مل گیا" بالآخر ہمیں سونا مل گیا۔" ابرٹو نے ہانپتے ہوئے کہا۔ اس کے اس انداز میں مارکوس اور فرانسس بھی شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کی دھما چوکڑی سن اور دیکھ کر اس پاس کے لوگ بھی دوڑتے ہوئے آ گئے۔ ان سب کے سامنے سونے کا وہ ڈلا موجود تھا جس نے "حیران" کیا تھا۔

مارکوس نے دوستانہ انداز میں میرا شانہ تھپتھپایا اور فرانسس کی وساطت سے سوال کیا کہ مجھے یہ پتھر کس جگہ سے ملا ہے۔ میں نے اس جگہ کی بالکل صحیح طور پر نشان دہی کر دی جہاں سے میں نے وہ پتھر اٹھایا تھا۔ اب ان لوگوں نے اس جگہ سے اور پتھر اٹھائے اور انھیں رگڑ کر صاف کرنا شروع کیا۔ وہ سارے کا سارا سونا تھا!

ان لوگوں کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انھوں نے دونوں ہاتھوں سے پتھر رگڑنا شروع کر دیے۔ کئی آدھیوں کو دوڑا دیا گیا کہ وہ جہاز پر سے جا کر خالی بوریاں لے آئیں۔ پتھر صاف کر کر کے دیکھا جانے لگا کہ کون سا پتھر سونا تھا اور کون سا خالی پتھر۔ لیکن تقریباً تمام کے تمام پتھر سونا ہی نکلے۔ انھوں نے سونے کے ڈھیر لگانا شروع کر دیے۔ مارکوس، ابرٹو اور ان کے تمام ساتھیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ وہ ان بے جان پتھروں کو اٹھا اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے، انھیں چومتے، اپنے رخساروں سے مس کرتے۔ ان کا بس نہیں تھا کہ وہ ان پتھروں کو کھا جائیں۔ بڑی دیر تک یہی تماشا ہوتا رہا۔ اس اثنا میں سونے کے پتھروں کے کئی بڑے بڑے ڈھیر جمع ہو گئے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق کئی من سونا اکٹھا کیا جا چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ واپس آ گئے جو جہاز پر بوریاں لینے گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں خالی بوریاں تھیں۔ سونا خالی بوریوں میں بھرا جانے لگا اور پھر بوریاں جہاز پر پہنچانے کا کام شروع ہو گیا۔

مارکوس نے اپنے ساتھ آدمیوں کو بھی جگہ بتلا دیا تھا اور اب ان کے درمیان کام کی تقسیم کر دی گئی تھی۔ کچھ لوگ سونے کے پتھر جمع کر رہے تھے، کچھ انھیں بوریوں میں بھر رہے تھے اور کچھ بوریوں کو جہاز پر پہنچا رہے تھے۔ بھری ہوئی بوریاں جہاز تک لے جائی جاتیں اور خالی

دیر کے بعد خالی ہو کر وہ بوریاں لائی جاتیں۔ اس طرح یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ میں بس خاموشی سے بیٹھا ہوا ان لوگوں کے کام کو دیکھتا رہا۔ اب ان میں سے کسی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ میری طرف توجہ دیتا۔ اور نظام بھی یہ کہ اب مجھ کسی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انھیں ان کا مقصد حاصل ہو چکا تھا اور اب میرے وجود کو جیسے (خوش قسمتی کہہ لیں) فراموش کر دیا تھا۔ میں ان لوگوں کی خود غرضی پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ کہتے ہیں نا کہ "مطلب نکل گیا تو پہچانتا نہیں"۔ یہ لوگ بھی کچھ کے کچھ ہو گئے تھے۔ بہت سے لوگ ہمارے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے!" اس وقت ہو گا ہمارے ساتھ موجود ہیں ان میں سے تو کسی کو دوبارہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر ایک کے حصے میں اتنا سونا آ جائے گا جو آئندہ کئی نسلوں کے لیے کافی ہو گا۔ البتہ ہماری کامیابی کے نتیجے میں دوسروں کو ضرور تحریص ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کسی کے ذریعے جو اس وقت ہمارے ساتھ موجود ہیں اس علاقے کا پتا اور راستہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور شاید یہاں تک پہنچ بھی جائیں۔ اس صورت میں اگر یہ شخص زندہ ہوا تو انھیں سونے کے صحیح مقام کی نشان دہی کر سکتا ہے۔ دوم یقیناً یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے بعد کسی کو اس مہم میں کامیابی حاصل ہو۔ اس لیے اس کا خاتمہ کر دینا ہی ضروری ہے۔"

"تمھاری یہ ساری باتیں بالکل فضول ہیں۔" مارکوس نے نارمل سے لہجے میں کہا۔ "تمھاری دلسیریں بے وزن اور بے جان ہیں۔ اگر کوئی ہمارے بعد اس طرف آنا چاہے گا تو ہم اسے کس طرح روک لیں گے؟ اور جو یہاں آ گیا وہ کسی نہ کسی طرح سونے کے صحیح مقام کا پتا بھی چلا لے گا۔ جو لوگ اس وقت ہمارے ساتھ موجود ہیں انھی میں سے کوئی نہ کوئی دوسروں کو خبر دے گا اور انھیں اس بڑی مہم صحیح نشان دہی بھی کرے گا۔ تم یہ کیوں سمجھے ہو کہ جو کام ہم نے کر لیا ہے دوسرے نہیں کر سکیں گے؟ اس لیے میرے خیال میں اس بے کار شخص کی جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے ہماری مدد کی ہے۔ ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے۔ ہمیں زندگی کی نعمت سے کیوں محروم کریں؟"

"اسے تو زندگی کی نعمت سے محروم ہونا ہی پڑے گا مارکوس۔" ابرٹو نے جیسے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اسے زندہ چھوڑنا سراسر حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ اسے سونے کے صحیح مقام کا پتا چل گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے قبیلے والوں کے ساتھ مل کر سارا سونا یا سونے کی دستیاب مقدار کو یہاں سے منتقل کر کے اپنے علاقے میں لے جائے اور وہاں اس کا ذخیرہ کر لے۔ اس صورت میں اگر ہم کبھی یہاں دوبارہ واپس آئے تو ہمیں کچھ نہیں ملے گا۔"

"تم نے ابھی بھی کہا تھا کہ ہمارے یہاں دوبارہ واپس آنے کے احتمال ہی فضول ہیں۔" مارکوس نے کہا۔ "اور اب تم دوبارہ واپس آنے کی بات کر رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے ذہن میں کیا ہے اور آخر کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ابرٹو نے جواب دیا۔ "میں اس شخص کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے مارکوس سے کہا۔ "اس بے چارے کو کیا ایک خبر مذہب سیاہ فام جھاڑی کے مارے جانے تھیں کہ یہ کلیئر ہو گئی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھیں اس سے اچانک کیا ہمدردی پیدا ہو گئی ہے اور تم کیوں اس کی زندگی بچانے پر اس قدر مصر ہو؟"

"سوال بھروسی یا اصرار کا نہیں ہے۔" مارکوس نے جواب دیا۔ "جرم کسی انسان کی جان لینا ایک گناہ ہے، اور میں اس گناہ میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔"

"تم سے کس نے کہا ہے کہ تم اس میں شریک ہو۔" ابرٹو نے کہا۔ "سارا کام میں خود کروں گا۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ میں اسے اشارے سے بلا کر اوپر پہاڑی پر لے جاؤں گا اور پھر وہاں سے اچانک اسے نیچے دھکا دے دوں گا۔ اتنی اونچائی سے نیچے گرنے کے بعد [illegible] بچنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مارا دیے بھی کوئی جاندار پھر کر جسم کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ معمولی تن و توش کا انسان ہے۔ پتھروں پر گرتے ہی اس کی ہڈیاں پسلیاں چکنا چور ہو جائیں گی اور وہ فوراً ہی ختم ہو جائے گا۔"

"جو تمھارا جی چاہے کرو۔" مارکوس نے زچ ہو کر کہا۔ "لیکن خدا کے لیے مجھے اس معاملے میں مت گھسیٹو۔ اور یہ تو بتاؤ کہ جب تک ہم یہاں ہیں اس کی بستی میں واپس جانے کے تو لوگوں کو اس کے بارے میں کیا جواب دو گے؟"

"ہم ان سے یہ کہیں گے کہ شیر یا جو چند آدمیوں کے ساتھ پیچھے آ رہا ہے۔ وہ جس جس دریا پر پہنچنے کے بعد زیادہ انتظار نہیں کر سکے وہ ہم جاتے ہی بہت سی مچھلی کی دوا بنانی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام ہم اکیلے تو کر نہیں سکتے۔ اس لیے وہ لوگ اس شراب پر ہے ہی ٹوٹ پڑیں گے۔ ایک بار شراب کے پیپے کھل جانے کے بعد ہر ایک کے حلق سے نیچے اترے گی، اس لیے کافی ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ خود بخود بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر ہم اپنی مطلوبہ چیزوں کو اٹھا کر جہاز میں ڈالیں گے اور چل دیں گے۔"

مارکوس نے ابرٹو کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

میں بڑے غور سے ان لوگوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن اور سمجھ رہا تھا اور ابرٹو کے کردار پر حیرت ہو رہی تھی۔ یہ شخص اس قدر کمینہ اور بے رحم بھی ہو سکتا ہے، یہ تو میں نے سوچا تک نہیں تھا۔ میں نے اس شخص کا کیا بگاڑا تھا جو یہ میری جان کے درپے ہو گیا تھا؟ ایک طرف ابرٹو سے سخت نفرت محسوس ہوئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی ان گندی حرکتوں کی سزا اچھی طرح دوں گا تاکہ وہ ہمیشہ یاد رکھے۔ سونے کو دیکھ کر اس کا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں ایک منصوبہ تیار کر لیا اور اس پر عمل کرنے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد کھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں چونکہ ایک "معزز مہمان" کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے مجھے ابرٹو اور مارکوس کے ساتھ ہی کھانا کھانا پڑا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس "معزز مہمان" کو کھانے کے فیصلہ کن لقمے کا چکھنا تھا۔

"یہ شخص چند گھنٹوں کی آخری بات کہہ رہا ہے۔" ابرٹو نے میری طرف دیکھتے ہوئے مارکوس سے کہا۔ "اس بے چارے کو کیا

معلوم کہ کل شام کا خوب آفتاب کا منظر دیکھنے کے لیے وہ زندہ نہیں رہے گا۔"

"میرے خیال میں تم اس کے ساتھ ظلم کر رہے ہو۔" مارکوس نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے میری بات مان جاؤ۔ اس کی جلاکت سے اٹھا لو۔ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ جو کچھ ہمیں چاہیے تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ اب بلاوجہ انسانی خون بہانے کی کیا ضرورت ہے اور اس کا فائدہ بھی کیا ہے!"

"تم اپنی زبان واپس اپنے پاس ہی رکھو میرے دوست۔" البرٹو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو کچھ میں کر رہا ہوں، سمجھ کر کر رہا ہوں۔ اس شخص کی جلاکت اب میرے مشن کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ مجھے افسوس ہے، مگر اسے مرنا ہی ہوگا۔ مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے البرٹو۔" مارکوس نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ "تم اپنے خون آشام عزائم کو مجبوری کا نام کیوں دیتے ہو؟"

"میرے عزائم خون آشام نہیں ہیں۔" البرٹو نے مارکوس کی بات کا برا مانے بغیر کہا۔ "اگر میرے عزائم خون آشام ہوتے تو میں بہ روئے کار میں سامنے قبیلے کے لوگوں کو جلاک کر دیتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جہاز میں زہر کتنی مقدار میں موجود ہے لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، اور نہ ہی میں ایسا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اس شخص کو جلاک کرنا میں اس لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ مقامی آبادی میں یہ واحد شخص ہے جو سونے کی موجودگی کے صحیح مقام سے واقف ہے، اور یہی اس کی بدنصیبی ہے۔ اس کی بدنصیبی کے باعث اسے مرنا ہوگا۔ جہاں تک عورتوں کو ساتھ لے جانے کا سوال ہے تو تم یہ دیکھو کہ میں نے اس کے لیے کتنی قربانی دے دی ہے۔ ان چار عورتوں کی جگہ میں ان کے وزن کا سونا جہاز میں لاد سکتا تھا، لیکن میں نے عورتوں کو ترجیح دی، جبکہ واپسی کا سفر طویل ہے۔ اور پھر یہ صرف میرے لیے ہی نہیں ہوں گی۔ تم اور چند دوسرے ساتھی ان میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔"

"میری تو مخالفت ہی قبول کرو۔" مارکوس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" البرٹو نے مسکرا کر جواب دیا اور اٹھ کر جو کی ناشتہ ہو چکا تھا اور اب سونے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

"فرانسس۔" مارکوس نے کہا۔ "تیاریوں پر توجہ کرو۔ کھلے سامل پر سونا پسند کرے گا یا جہاز کے اندر سونا چاہے گا۔ اس کی مرضی ہے، وہ جہاں چاہے ہو سکتا ہے۔"

ابھی فرانسس مارکوس کی بات اچھی طرح سمجھا بھی نہیں سکا تھا کہ البرٹو تیزی سے بول اٹھا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو مارکوس۔ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے اور اس لیے اسے اس بات کی آزادی ہونی چاہیے کہ اسے جس طرح چاہے گزارے۔"

فرانسس نے غیر جذباتی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے تھوڑے توقف کے بعد مارکوس کی بات مجھ تک پہنچائی۔ میں نے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو کے دوران اپنا چہرہ بالکل سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری رکھا تھا اور یہی صورت دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ جن لوگوں کی ساری باتیں میں سن اور سمجھ رہا ہوں۔ میں ہونٹوں کی حرکت بند کی طرح ان کی شکلیں دیکھتا تھا۔

"میں ــــ میں ــــ باہر ساحل پر سونا پسند کروں گا۔" میں نے فرانسس کے سوال کے جواب میں کہا۔

فرانسس نے میرا جواب مارکوس تک پہنچا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "اس سے کہو کہ اب سو جائے۔ اس وقت ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے، البتہ صبح کو اسے سونا تلاش کرنے میں ہماری مدد کرنی ہوگی۔"

فرانسس نے مارکوس کی بات مجھ تک پہنچائی، اور میں نے سر ہلا کر ہامی میں گردن ہلا دی۔

مارکوس اور البرٹو چند دوسرے لوگوں کے ساتھ سونے کے لیے جہاز کے اندر جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ انھوں نے اندر ہی جا کر سونے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن لوگوں کی زیادہ تر تعداد نے رات جہاز کے باہر ساحل پر ہی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ساحے لوگوں نے درمیان خوری قسم کی شراب تقسیم کی گئی، جو سب لوگوں نے پی۔ مجھے بھی اس میں سے حصہ دیا گیا، مگر میں نے ہاتھ میں جام لیا مگر کو نہیں پیا۔

"اے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری مہذب دنیا کی شراب پی لینے دو۔" البرٹو نے مارکوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ اور مانگے تو دے دینا۔ بے چارے کو جی بھر کے پی لینے دو۔"

"تمہاری سفارش کی ضرورت نہیں۔" مارکوس نے تلخ اور سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ اور مانگے گا تو میں اسے دوسرا شراب دوں گا۔"

لیکن مجھے اور مانگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لگ بھگ ہر پندرہ لوگوں کے پاس جو شراب تھی، وہ مقدار تھوڑی اور معمولی درجے کی تھی۔ پینے کے لیے بھرے ہوئے جام کے لیے بہت زیادہ مقدار میں تھی۔ پینے کے لیے بھرے ہوئے جام کے رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑی اور اعلیٰ درجے کی شراب جلد ہی ختم ہو گئی، مگر بڑی مقدار میں لوگوں کو کہاں میسر آ سکتی تھی، اور میں ــــ میں تو نہ جانے کس کس قسم کے درجے کی شرابیں پی چکا تھا، اور کن کن بادشاہوں، شہنشاہوں اور فاتحوں کے دربارداں میں اور ان کی رقص و سرور کی محفلوں میں شریک ہو چکا تھا۔ دنیا کی نفیس ترین شرابیں پانی کی طرح پی جاتی تھیں۔ مجھے اس شراب کی شراب کی کیا طلب ہو سکتی تھی، اور پھر میں تو ویسے بھی ہر طلب سے عاری تھا، اور ہر طلب کے بغیر زندہ رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ کر سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ میں بھی ایک طرف کریٹ کے ٹیلے کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ میں نے اپنے "بالوں" کو اپنے منہ کے پیچھے رکھ لیا اور چہرہ و صورت حال پر نظر کرنے لگا۔ مجھے معلوم تھا، ساحل والے سب لوگوں کو جلاس بات کی کیا خبر تھی کہ ہوں اور ہر لمحہ روحانی و پیشوا کی زندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

پادریوں کے اغوا کا بھی فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہاں سے کوئی دو، ڈھائی سو لوگ سب کے سب اس وقت خواب خرگوش میں ہوں گے۔ ہر شخص سو چکا ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جو سرشاری کے جذبات میں ڈوبے ہوئے ایک دوسرے میں گم پڑے ہوئے ہوں۔ ساری بستی میں گہرا سناٹا چھا ہوگا، اور دور تک جنگل سے طرح طرح کے پرندوں اور جانوروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔

یہاں بھی جنگل کی جانب سے طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں، جو سمندر کی موجوں کے ہلکے ہلکے شور کے ساتھ مل کر ایک عجیب و غریب فضا پیدا کر رہی تھیں۔ مجھے کچھ فاصلے پر کئی انسانی جسم ٹیڑھے ترچھے زمین پر پڑے ہوئے تھے اور زور زور سے خراٹے لے رہے تھے۔ لیکن یہ ہی آواز سمندر کی لہروں کی تھی۔ میں نے ابھی خود کو نیند کے حوالے نہیں کیا تھا۔ کافی دیر تک میں جاگتا رہا۔ بالآخر میں نے سو جانے کا فیصلہ کیا اور سو گیا۔

نیند کی اصباح پرندوں کے چہچہانے سے میری آنکھ کھل گئی۔ دور افق پر سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس جگہ پر جہاں سمندر اور آسمان ایک ہوتے نظر آ رہے تھے، گہرے نارنجی رنگ کی روشنی جگمگا رہی تھی اور سورج کسی آتشیں گولے کی طرح بڑے شاندار وقار کے ساتھ گویا سمندر کے اندر سے ابھر رہا تھا۔ اور سمندر میں اس جگہ گویا پانی کے بجائے پگھلی ہوئی آگ بھری ہوئی عجیب سوگوار سا منظر تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں یہ منظر نہ جانے کتنی بار دیکھا تھا، مگر ہر بار دیکھ کر مجھے گہری فرحت اور تازگی کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت بھی میں اس منظر کے سحر میں ڈوب گیا۔

مجھے نہیں معلوم کہ کب میرے پیچھے مارکوس اور البرٹو آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ فرانسس بھی تھا۔ میں اس قدرتی منظر کے سحر میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ میں اس وقت چونکا جب مجھے اپنے پیچھے البرٹو کی آواز سنائی دی۔

"فرانسس، اس سے کہو کہ چل کر کچھ کھا لے اور پھر سونا تلاش کرنے میں ہماری مدد کے لیے تیار ہو جائے۔" البرٹو نے کہا۔

میں یہ جملہ سنتے ہی ان لوگوں کی طرف گھوم گیا۔ وہ تینوں میری پشت پر کھڑے ہوئے تھے اور میں ان کی آنکھیں بھی طلوع آفتاب کے اس حسین و جمیل منظر میں گم تھیں۔ میں انھیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس اثنا میں فرانسس نے البرٹو کی بات کا ترجمہ کر کے مجھ تک پہنچائی اور میں نے رضامندی میں گردن ہلا دی۔

"مگر، یہ ضروری ہے کہ یہ اپنی زندگی کا آخری کھانا کھائے۔" البرٹو نے کہا۔ کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

فرانسس مجھے لے کر اس جگہ پہنچا جہاں لوگوں میں کھانا تقسیم کیا جا رہا تھا۔ مجھے بھنا ہوا گوشت اور کچھ پھل کھانے کو دیے گئے۔ میں نے وہیں بیٹھ کر کھانا شروع کیا۔ اس اثنا میں باقی لوگ بھی کھانا ختم کر چکے تھے اور اب "ہم" مجھ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

البرٹو میرے قریب آیا اور اس نے فرانسس کی وساطت سے مجھ سے کہنا چاہا کہ میں کام کے دوران اس کے ساتھ ہی رہوں۔ اور دوپہر کو مجھے ساتھ لے کر سامنے والی پہاڑی پر چڑھے گا، کیونکہ اس کے خیال میں اس پہاڑی پر سونے کے بھاری ذخائر موجود ہونے کی توقع ہے۔ یہ ایک کافی بلند پہاڑی تھی جو سامنے کی طرف سے تو پھر بھی لیکن پیچھے کی طرف کافی حد تک عمودی حالت میں تھی۔ البرٹو نے صبح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس پہاڑی پر سے اگر کسی کو پیچھے کی طرف دھکا دیا جاتا تو وہ سیدھا سیکڑوں فٹ نیچے پتھروں اور چٹانوں پر جا گرتا اور اس کے جسم کی ہڈیاں سرمہ ہو جاتیں۔ البرٹو نے اپنی دانست میں میرے لیے بہترین قتل گاہ منتخب کی تھی۔ لیکن اس فریب کو کیا معلوم تھا کہ میں کیسی کیسی خوفناک اور خطرناک قتل گاہوں سے زندہ سلامت نکل کر آیا ہوں۔

بہرحال، البرٹو نے مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا۔ میں، فرانسس اور البرٹو ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مارکوس میرے پاس نہ آنے سے دانستہ طور پر گریز کر رہا ہے۔ صبح کے وقت کے علاوہ وہ ایک بار بھی ہم لوگوں کے پاس نہیں آیا اور ہم لوگوں سے بہت دور، ایک دوسرے گروپ کے ساتھ مل کر کام کرتا رہا۔ وہ میری ہلاکت کا مخالف تھا۔ اور میری زندگی چاہتا تھا، لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ البرٹو کی راہ میں مزاحم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے میرے قتل کی طرف زبانی مخالفت کی تھی اور جب البرٹو نے زیادہ زور دیا تھا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور بادل نخواستہ ہی سہی، لیکن البرٹو کو میری مانی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ کھل کر البرٹو کے ساتھ محاذ آرائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو مجھے ایسا بھی محسوس ہوتا تھا گویا وہ البرٹو سے خوف زدہ ہے، اور اسے زیادہ ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال، یہ بات طے تھی کہ وہ البرٹو سے کھلم کھلا مخالفت مول نہیں لینا چاہتا تھا، بلکہ وہ اس پوری مہم کا لیڈر تھا اور لیڈر ہونے کی حیثیت سے سب لوگوں کو حکم بھی دے سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ البرٹو کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ بھی محسوس کرتا ہو، اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ زیادہ مخالفت کی صورت میں البرٹو اسے ہلاک کروا دے گا۔

دوپہر تک میں، البرٹو اور فرانسس ایک گروپ کی شکل میں کام کرتے رہے۔ مارکوس ہم لوگوں سے بہت دور رہا، اور اس اثنا میں ایک بار بھی میرے پاس نہیں آیا۔ البرٹو خود دو دفعہ مارکوس کے پاس گیا اور اس سے بات کر کے واپس آ گیا۔ مارکوس ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔

دوپہر سے ذرا دیر بعد کام ختم ہو گیا۔ مجھے توقع بات پہلے سے معلوم تھی کہ اپنے عمل کے پروگرام کے مطابق یہ لوگ سونا ڈھونے کا کام بس آج دوپہر تک ختم کر لیں گے اور اس کے بعد مزید سونا نہیں لادا جائے گا۔ بلکہ یہ لوگ جہاز کو لے کر تیزی کے ساتھ ہماری بستی کے ساحل کے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہاں میرے بارے میں اطلاع دینے کے بعد کہ میں مر چکا ہوں، سب لوگوں کے درمیان بیہودگی ملی ہوئی شراب تقسیم کریں گے، اور جب لوگ بیہوش ہو جائیں گے تو ان کی چاند جیسی گردنوں کو اتار کر یہ لوگ یہاں سے راہ فرار اختیار کریں گے۔ اس سے پہلے مجھے پہاڑی پر سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا جائے گا اور ہلاک کر دیا جائے گا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کام ختم ہونے کے بعد البرٹو نے فرانسس کی وساطت سے بارو سے کہا: "آؤ ذرا سامنے والی پہاڑی کے اوپر چڑھ کر وہاں کا جائزہ لیتے ہیں۔ میرے خیال کے مطابق اس پہاڑی کے اوپر بھی سونے کے ذخائر ہونے چاہئیں۔"

"چلو۔" میں نے بخوشی اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ البرٹو کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں اس مسکراہٹ کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ البرٹو کا خیال تھا کہ میں اس کے جال میں آگیا ہوں اور اب اسے مجھ کو اوپر لے جا کر نیچے دھکا دے دینے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

میں، البرٹو اور فرانسس تینوں سامنے والی بلند پہاڑی کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ مارکوس ہمیں دور سے دیکھ رہا تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ گویا وہ مجھے آنکھیں ملانے سے گریزاں ہو۔ میں اس کی اس حرکت پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اگر مجھے قتل کرنے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ مجھے اس طرح لے جا کر ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن اس کے اندر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ ان لوگوں کو روک سکے۔ البرٹو کو تحریص دینے کا حوصلہ اس کے اندر موجود نہیں تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ البرٹو کو رشوت دے دے۔

ہم تینوں نے پہاڑی کے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ بے حد مشکل چڑھائی تھی۔ مگر یہ پہاڑی سامنے کے رخ پر زیادہ سیدھی تھی۔ لیکن بعض بعض جگہ بالکل عمودی بھی ہو گئی تھی اور جہاں ایک ایک قدم بہت احتیاط کے ساتھ اٹھانا پڑ رہا تھا۔ البرٹو آگے آگے تھا۔ اس کے پیچھے میں تھا اور میرے پیچھے فرانسس۔ یہ ترتیب خود البرٹو نے قائم کی تھی اور اس کا مقصد غالباً یہ تھا کہ میں ان دونوں کے درمیان میں رہوں اور ادھر ادھر نہ جا سکوں۔

بالآخر کوئی ایک گھنٹے کی محنت شاقہ کے بعد ہم لوگ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ البرٹو اور فرانسس کے جسم پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور ان کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میرے اوپر فی الحقیقت اس قسم کی کوئی کیفیت طاری نہیں تھی۔ البتہ میں نے ان دونوں کو دکھانے کی غرض سے زور زور سے سانس لینا شروع کر دیا تھا کہ وہ یہ سمجھیں کہ میں بھی ان کی طرح بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔

پہاڑی کی چوٹی پر زمین کا ایک بڑا سا خطہ مستوی تھا۔ البرٹو اور فرانسس اتنا زیادہ تھک گئے تھے کہ وہ دونوں زمین پر بیٹھ گئے اور لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے ستانے لگے۔ میں بھی ان کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ پہاڑی کی اس بلند چوٹی سے اس پاس کا منظر بہت خوشنما نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف تا حد نظر وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا جس کا رنگ برنگا پانی دھوپ میں رنگین شیشے کی طرح چمک رہا تھا اور بکھیرے لے رہا تھا۔ موجیں تیزی سے بھاگتی ہوئی آئیں اور ساحل سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتیں۔ سفید سفید جھاگ نمودار ہوتے اور پھر یکایک غائب ہو جاتے۔

نہ جانے موجوں کا یہ کھیل کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ پہاڑی کی دوسری طرف گھنے تاریک جنگل اور تا حد نظر سرسبز ہی سبزہ نظر آتا تھا۔ درختوں کی بلند و بالا سرسبز و شاداب چوٹیوں پر سے نظر پھسلتی ہوئی چلتی چلی جاتی تھی۔ ہر سو ہریالی ہی ہریالی دکھائی دیتی تھی۔ چند منٹ کے لیے البرٹو اور فرانسس بھی اس حسین منظر کی دل کشی میں گم ہو کر رہ گئے۔

"یہاں تو کہیں سونے کے آثار نہیں نظر آتے۔" بالآخر البرٹو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نیچے دیکھ کر کہا اور فرانسس نے اس کی بات کا میرے لیے ترجمہ کیا۔

"ہاں مجھے بھی یہاں سونے کے آثار نظر نہیں آتے۔" میں نے اپنی زبان میں جواب دیا۔ "کیا یہ مناسب ہو گا کہ ہم واپس چلیں؟" فرانسس نے ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔

"یقیناً ہم واپس جائیں گے۔" البرٹو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن ہمارے راستے مختلف ہوں گے۔ ہم دونوں سامنے کے سی راستے واپس نیچے جائیں گے جبکہ تم پیچھے کے راستے سے نیچے جاؤ گے اور نیچے پہنچ کر سیدھی دوسری دنیا کو سدھار جاؤ گے۔"

فرانسس نے البرٹو کے ان الفاظ کا میرے لیے ترجمہ نہیں کیا۔

"آؤ ذرا دیکھیں پہاڑی کے پچھلے حصے کی طرف کیا ہے۔" البرٹو نے کہا اور مجھے اشارے سے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ میں البرٹو کے منصوبے کی میں ہم نہیں ہونا چاہتا تھا اور اسے اس بات کا پورا پورا موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے کی اپنی خواہش پوری کرے۔ چنانچہ میں اس کے اشارے پر مسکرا دیا اور آگے بڑھ گیا اور ایک ابھری ہوئی چٹان کے کنارے پر کھڑا ہو کر نیچے جھانک کر دیکھنے لگا۔ میں نے خود ہی البرٹو کو موقع فراہم کر دیا کہ وہ پیچھے سے آ کر مجھے دھکا دے دے اور البرٹو نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اچانک میرے پیچھے آیا اور اس نے مجھے پوری طاقت سے نیچے دھکیل دیا۔ فرانسس اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے خود کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور میرا جسم چکراتا ہوا تیزی سے نیچے کی طرف جانے لگا جہاں بھیانک چٹانیں اپنا منہ کھولے کھڑی ہوئی تھیں۔ میں سیدھا چٹانوں پر گرا اور میں نے خود کو اسی حالت میں پڑا رہنے دیا۔ اور پہاڑی کے اوپر البرٹو اور فرانسس کے ہنسنے کی آوازیں سنیں۔ جو نیچے جھانک کر میرا انجام دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ دونوں اوپر سے جھانک کر مجھے دیکھتے رہے۔ میرے بدن نے کوئی جنبش نہیں کی۔ بالآخر انہوں نے لوگوں کو یقین آ گیا کہ میں مر چکا ہوں اور میرے جسم کی ساری ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہیں۔ تب وہ وہاں سے ہٹ گئے۔

ان کے ہٹنے کے بعد بھی میں تھوڑی دیر تک اسی حالت میں پڑا رہا۔ جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ وہ لوگ پہاڑی پر سے نیچے اتر چکے گئے ہیں تو میں ایک جست لگا کر اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا۔ میں نے

ریک تروانی لی اور اپنے اعضا کی کسل مندی کو دور کیا۔ اس کے بعد ایک مختصر راستے سے جو چٹانوں کے اندر اندر سے گزرتا تھا اور جس کا علم صرف مجھے تھا، تیزی سے ساحل کی طرف بڑھنے لگا۔

میں چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا اور ہی اندر ہی اندر چلتا ہوا ساحل کے اس حصے کے قریب پہنچ گیا جہاں اجنبیوں کا جہاز لنگر انداز تھا۔ تمام سونا جہاز پر لادا جا چکا تھا اور اب بچے کھچے لوگ جہاز پر سوار ہو رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں جہاز یہاں سے روانہ ہونے والا تھا۔

میں نے ایک چٹان کی آڑ میں سے سمندر کے اندر چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا تیز تیز آب چلا گیا۔ زیر آب جانے کے بعد میں نے پنارٹ اپنی بستی کے ساحل کی طرف مستقیمین کیا اور تیز تیز تیرنا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں جہاز بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ میں جہاز کے زیر آب حصے کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جو میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز کے آگے آگے تیرتا ہوا میں اس کے بعد شفاف جہاز کو لے کر نکل جانے کا موقع دیا اور خود پیچھے ہو گیا۔ اب جہاز آگے آگے جا رہا تھا اور میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جہاز کی رفتار بہت تیز تھی وہ لوگ چاہتے تھے کہ وہ وہاں جلد از جلد اپنا کام انجام دے کر وہاں سے آگے نکل جائیں۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ جہاز کے اندر کیا سامان لدا ہوا ہے۔ البتہ اتنا اندازہ میں ضرور لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں نے شراب اور خوشی کی دوا ڈھونے کا کام پورا کر لیا ہو گا تاکہ ساحل پر پہنچنے کے ساتھ ہی بستی والوں میں خوب اور شراب کی تقسیم شروع کر سکیں۔

بالآخر جہاز بستی کے ساحل پر پہنچ گیا اور رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ شراب تیرتا ہوا تیزی سے جہاز سے کچھ دور نکل گیا اور پھر ساحل پر آ کر خوشی سے بستی میں داخل ہو گیا۔ بستی کے دھلوان جو میدان تھا وہ اجتماع گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہ اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے ایک درخت کو منتخب کیا اور تیزی سے اس پر چڑھ کر اس کے پتوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ مجھے کسی نے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

ذرا دیر بعد میں نے دیکھا کہ ساحل کی جانب سے اجنبی بستی کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے سائے ہر طرف بڑھنے لگے تھے۔ اجنبیوں کی شکلیں دور سے بھوتوں کی مانند نظر آ رہی تھیں۔ اجنبی بستی کے اندر داخل ہوتے ہی تو ان کی تعداد آہستہ آہستہ سب کو مل گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر باہر آنے لگے۔ لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اجنبیوں کے ہاتھ میں بڑے بڑے پیپے رکھے ہوئے تھے۔ انہیں نے میدان کے وسط میں پہنچ کر وہ پیپے نیچے زمین پر رکھ دیے۔ اور تب میں نے البرٹو، فرانسس اور دوسرے لوگوں کو صاف پہچان لیا جو سب کے سب ایک ہی جہاز پر سوار تھے۔

پھر میں نے تارو کو دیکھا جو بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ اپنے جھونپڑے سے نکلا۔ اندھیرے میں اس کا جسم اور قد اور بھی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ تارو کو دیکھتے ہی البرٹو، مارکوس اور فرانسس اس کی طرف بڑھے اور انھوں نے جھک کر اسے تعظیم دی۔ وہ لوگ ابھی اس درخت کے نیچے تھے جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا حال ہے، اجنبی لوگو؟" تارو نے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔ "تمہیں دوبارہ یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

"ہم لوگ بالکل ٹھیک ہیں تارو۔" فرانسس نے جواب دیا۔ "کیا تم لوگوں کو دو مذر دوستگ کے چھٹکارا گئے جن کی تلاش تمہیں تھی؟" تارو نے پوچھا۔

"ہاں تارو۔" فرانسس نے جواب دیا۔ "ہمیں وہ جتھا مل گئے ہیں اور ہم لوگ تمہارے اور خاص طور سے ٹیا بو کے بہت زیادہ شکر گزار ہیں کہ اس کی مدد سے ہمیں ان چھڑوں تک رسائی حاصل ہو سکی۔ اب اس خوشی کے موقع پر ہم بستی کے سارے لوگوں کو اپنا مخصوص اور تیز مشروب پلانا چاہتے ہیں جو ہماری دنیا کا خاص تحفہ ہے اور جسے پی کر انسان جوانی پرواز کرنے لگتا ہے۔"

"لیکن ٹیا بو کہاں ہے؟" تارو نے فرانسس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ٹیا بو مجھے پیچھے چھوڑ آیا ہے۔" فرانسس نے جواب دیا۔ "ہم لوگ جہاز پر آتے ہیں، لیکن ٹیا بو نے کہا کہ وہ تیر کر ساحل کے زیادہ نزدیک جائے گا۔ ہمارے کہنے کے باوجود اس نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ وہ ایک نہایت عمدہ تیراک ہے اور مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دیر میں وہ یہاں پہنچ جائے گا۔ اس شام میں ہم بستی کے سارے لوگوں کو یہاں جمع کر لیں ان سے کہو کہ وہ ہٹنے کے برتن ساتھ لائیں تاکہ ہم ان کے درمیان مشروب کی تقسیم شروع کر سکیں۔" فرانسس نے ایک پیپے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" تارو نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "جب تک ٹیا بو نہیں آ جاتا اس وقت تک ہم یہ مشروب قبول نہیں کریں گے۔ ٹیا بو کے آنے کے بعد ہی اس بارے میں کچھ طے کیا جائے گا۔"

تارو کے اس جواب نے فرانسس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیے۔ اس نے گھبرا کر البرٹو اور مارکوس کی طرف دیکھا اور انھیں ہسپانوی زبان میں اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ مارکوس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی، لیکن البرٹو کا چہرہ غصے اور ناکامی کے سبب سیاہ پڑ گیا۔ خود میں بھی تارو کی اس صاف گوئی سے بے حد متاثر ہوا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تارو کے دل میں فی الحقیقت میرے لیے کتنی جگہ موجود ہے اور وہ مجھے کس درجہ عزیز رکھتی ہے۔ میری موجودگی اور شرکت کے نہیں اس نے شراب قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کا بھی خود یہ مشروب قبول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن مشکل یہ تھی پردہ فاش کر تارو کے اس طرز عمل نے خود میرے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

منصوبے کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ میں شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ خیر اب ہر حال میں کہ رو نے مشروب قبول کرنے کی جو شرط عائد کی تھی، وہ کم از کم جنیبیوں کے نقطۂ نظر سے تو قابلِ عمل تھی، کیوں کہ وہ مجھے اپنی دانست میں ہلاک کر چکے تھے۔ اب وہ بستی والوں کو مشروب پینے پر کسی طرح مجبور کریں اور انھیں یہ موقع کسی طرح حاصل ہو کہ وہ عورتوں کو اغوا کر سکیں۔

"اس سیاہ چڑیل کو بھی ذکر اس کو ختم ہی کیا جائے گا۔ کسی طرح اسے اطلاع کر دو کہ یہ لوگوں کو مشروب پینے کی اجازت دے دے۔" ابرٹو نے غصے سے دانت پیستے ہوئے فرانسس سے کہا۔

فرانسس نے نارو کو اپنل کرنے کی بہت کوشش کی کہ وہ ثیابو کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ بہر حال ثیابو تھوڑی دیر میں پہنچے گا، اور لوگوں کو مشروب پینے کی اجازت دے دے، لیکن نارو جیسے کسی نیم وحشی انسان کی طرح اپنے فیصلے پر قائم رہی اور اس نے ان لوگوں کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ یہی نہیں، بلکہ وہ وہاں سے ہٹ گئی اور دور جا کر اپنے جھونپڑے کے دروازے کے سامنے بیٹھ گئی۔ نارو کے ہٹتے ہی بستی کے سارے لوگ وہاں سے ہٹ گئے، سوائے کچھ دوستوں کے، اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ادھر اُدھر بیٹھ گئے۔ رنجیدہ کھلے رہ گئے۔

"میری مانو تو اب اس پروگرام کو بھول جاؤ۔" مارکوس نے ابرٹو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "نہ ہم ثیابو کو زندہ واپس لا سکتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کو مشروب پینے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اور جب تک مشروب نہیں پئیں گے، اس وقت تک ان کے بے ہوش ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور ان کی بے ہوشی کے بغیر تم ان کے کسی انسان کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اگر ایسی حماقت کی تو یہ لوگ مار مار کر ہمارا بھرکس نکال دیں گے۔ اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ عورتوں کا خیال چھوڑو اور یہاں سے سیدھے جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہو جاؤ۔ جو کچھ ہم چاہتے تھے وہ ہمیں مل چکا ہے اور مہم ان کے روحانی پیشوا کو قتل بھی کر چکے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا یہاں زیادہ قیام خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"تم خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔" ابرٹو نے مارکوس کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ "بھاگنے اس کے کہ تم کوئی دوسرا قابلِ عمل راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرو، الٹا تم لوگوں کی حوصلہ شکنی کر رہے ہو۔ ابھی سوچنے دو، ابھی کوئی دوسرا راستہ سوچنے دو۔"

"دوسرا کوئی راستہ موجود نہیں ہے ابرٹو۔" اس مرتبہ فرانسس نے پہلی بار اس معاملے میں اپنی زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے شوق کی خاطر سب کو خطرے میں مت ڈالو۔ اگر ان کو ذرا بھی بھنک پڑ گئی کہ ثیابو زندہ نہیں ہے تو یہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور ہمیں جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے خاموشی کے ساتھ راہِ فرار اختیار کرو اور جہاز میں بیٹھ کر واپس نکل چلو۔"

"تم نے بھی اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیے؟" ابرٹو نے فرانسس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا ادھر چلو، اس درخت کے نیچے بیٹھ کر اطمینان سے اس ممکنہ صورتِ حال پر غور کرتے ہیں۔" ابرٹو نے دور ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "در اصل مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے، وہاں اس درخت کے نیچے بڑی مٹکی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے پاس چل کر پانی منگوائیں گے، اور پھر ٹھنڈے دل سے سوچیں گے کہ اب کیا کرنا ہے۔"

وہ سب کے سب وہاں سے ہٹ گئے اور دور ایک درخت کی سمت قدم بڑھانے لگے جہاں قبیلے کے کچھ لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ جس درخت پر میں بیٹھا ہوا تھا اب اس کے نیچے کوئی نہیں تھا۔ اس پاس بھی کوئی نہیں تھا۔ سب لوگ دور دور تھے۔ چاروں طرف کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور قبیلے والوں نے جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی تھیں۔

اس وقت اچانک میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا اور اس خیال کے آتے ہی میں خود بخود مسکرا اٹھا۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے کی جانب سے نیچے اتر آیا۔ اندھیرے میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے بعد میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا جھونپڑے کے پاس گیا۔ اب اگر کسی نے مجھے دیکھ بھی لیا تو مجھے اس پر کوئی شک نہیں تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ جنیبیوں کو میری آمد کی خبر نہ ہونے پائے۔ اپنے لوگوں کو یہ بات معلوم بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

قریب ترین جھونپڑے کے آگے ایک شخص تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ اس کا نام اکا تھا۔ اکا نے اندھیرے میں میری طرف دیکھا اور پھر گھبرا کر اپنا چہرہ گھما لیا اور پھر کوئی توجہ نہ دے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور یہی سمجھ کر اکا نظر انداز کر دیا تھا کہ میں قبیلے کا کوئی عام آدمی ہوں۔

میں اکا کے بالکل پاس پہنچ گیا۔ تب اس نے چونک کر میری طرف دیکھا، اور پھر اس نے مجھے پہچان لیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ثیابو تم زندہ!" اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سرگوشی میں اس سے کہا۔ "میں تمھارے جھونپڑے کے اندر ہوں۔ آمد کی کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ تم جاؤ اور جلدی سے نارو کو یہاں بلا لاؤ۔ خیال رہے کہ کسی اور اس بات کا علم نہ ہو۔"

اثبات میں سر ہلا کر اس کے جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا اور کسی پھلاوے کی طرح میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

ذرا دیر بعد نارو ہانپتی کانپتی جھونپڑے میں داخل ہوئی۔

"او تم زندہ ہو ثیابو ــــــ میں تو سمجھ رہی تھی کہ ان لوگوں نے تمھیں ہلاک کر دیا، یا تم کسی اور طرح ہلاک ہو گئے۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ تم ان کا مقابلہ کرتے اور وہ لوگ تمھارا بال بھی بیکا کر پاتے۔ واہ جادو سے بتاؤ ثیابو کہ یہ سب کیا ہے اور تم یہاں پیچھے ہوئے کیوں ہو؟"

"میں تمھیں سب کچھ بتاتا ہوں نارو۔" میں نے اسے اپنے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تھوڑی دیر کے بعد ہی اصل میری آمد ہو گی۔

ضروری ہے اور جو کچھ تک کوں، اس پر خاموشی کے ساتھ عمل کرتی جاؤ۔"

"مجھے بتاؤ کہ کرنا کیا ہے ثیابو۔" نارو نے نیازمندانہ انداز میں کہا۔

"جو کچھ کہوں گا، میں بے چون و چرا اس پر عمل کرو گی، بولو تو دو۔"

"پوچھنا کیا تھا۔ تم جنیبیوں کے پاس جاؤ۔ خبردار، اگر کسی نے تمھارے آنے میں کوئی رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو میں اس کا بھیجا نکال دوں گی۔ قبیلے کے لوگوں کو مشروب پینے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہو۔"

"مگر ــــــ یہ نہیں تمھیں کیسے معلوم؟" نارو نے حیرت سے پوچھا۔

"ان سوالوں کا وقت نہیں ہے نارو۔" میں نے جواب دیا۔ "جو میں کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔ تم جلدی سے جنیبیوں کے پاس جاؤ اور ان سے ڈرا کر ان کی بات ماننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہاں، اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ تم خود بھی مشروب ہرگز نہ پینا۔ تم یا تو جو کچھ پر تمھیں مشروب دے کر ٹرخا دینا، یا پھر کہنا کہ تم نے پی لیا ہے۔ اگر تم نے مشروب پی لیا تو پھر تم بھی ہمارے کام کی نہیں رہو گی۔ سمجھ گئیں؟"

"سمجھ گئی۔" نارو نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مگر تم ان جنیبیوں کو کیا کہو گے؟ تم نے تو ان کے دیوتا کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ تمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ان کی فکر نہ کرو۔ میں ان سے خود نمٹ لوں گا۔ تم بس جاؤ اور جلدی سے واپس آؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "اکا کو بھیجو دینا کہ میری آمد کا کسی سے ذکر نہ کرے۔"

نارو چلی گئی اور میں جھونپڑے میں اکیلا رہ گیا۔ میں یہ سوچنے لگا کہ نارو کے فیصلے کی اچانک تبدیلی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کیا لوگ کسی بات کا نتیجہ نکالیں گے؟ ممکن ہے انھیں لگے کہ نارو نے جب اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہو گا تو انھوں نے سے مشورہ دیا ہو گا کہ وہ جنیبیوں کی طاقت کو کم کر کے اور انھیں سرد کر کے مشروب سے محروم نہ رکھے۔ یا ممکن ہے کہ نارو نے خود ہی اپنے قبیلے کو جذبات میں آ کر سرد کر کے مشروب پینے کی اجازت دی ہو۔ بہر حال ان لوگوں کے لیے نارو کے فیصلے میں تبدیلی بڑی حیرت انگیز ہو گی اور اس کے ساتھ ہی ابرٹو کا منصوبہ بھی ناکام ہو جائے گا۔ اس کا منصوبہ جو اس سارے مہم کا اہم ترین مقصد تھا، ایک بار پھر کامیابی کی طرف قدم بڑھاتا ہوا نظر آنے لگے گا۔

ابھی یہی خیالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے کہ باہر سے شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا لگتا تھا کہ سارے لوگ ایک ساتھ بول رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بھاگنے اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ ساری آوازیں جھونپڑوں کے عقب سے ایک ہی سمت میں سفر کر رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ نارو کے ایما پر مشروب کی تقسیم شروع ہو چکی ہے اور قبیلے کے لوگ اپنے اپنے گھر پڑوں سے اپنے برتن لے کر دیوانہ وار ایک ہی سمت میں بھاگ رہے ہیں، اس سمت میں جہاں جنیبی جہازراں مفت مشروب کے پیپے لیے بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر اور گزری ہو گی کہ نارو واپس آ گئی۔ اس نے بتایا کہ اس نے جب جنیبیوں کو اپنے فیصلے میں تبدیلی کی اطلاع دی تو وہ بہت ہی زیادہ خوش ہوئے، اور انھوں نے فوراً ہی پیپوں میں سے مشروب نکال کر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اب سارے لوگ مشروب پینے کے لیے بے چین ہیں، یہاں تک کہ خود نارو، اس کے سب اپنے اپنے برتن لے کر جنیبیوں کے پاس پہنچ گئے ہیں اور بڑی دھما چوکڑی مچی ہوئی ہے۔

"تم نے خود کو مشروب نہیں پیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ثیابو۔" نارو نے سختی سے جواب دیا۔ "بھلا تھا سے منہ کر دینے کے بعد میں ایسا کیسے کر سکتی تھی؟ انھوں نے سب سے پہلے تو مجھے ہی مشروب پیش کیا تھا، اور وہ بھی خود اپنے برتن میں۔ لیکن میں نے اسے پیا نہیں، بلکہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی آئی کہ میں اس مشروب کو اپنے ساتھ لیے جا رہی ہوں اور اپنے جھونپڑے میں بیٹھ کر آرام سے پیوں گی۔ وہاں سے لا کر میں نے مشروب کو زمین پر بہا دیا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا۔" میں نے نارو کی چوڑی پیٹھ پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت ہوشیار اور ذہین عورت ہو۔ مجھے تم سے اسی بات کی امید تھی۔"

جواب میں نارو مسکرا دی۔

مجھے معلوم تھا کہ سارے لوگوں کے بے ہوش ہونے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ نارو اگر جھوٹ بھی بولتی، براہِ راست کوئی سوال نہیں کر رہی تھی لیکن تجسس اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ مجھے اس کا یہ تجسس دور کرنا تھا چنانچہ میں نے اسے، جنیبیوں کے منصوبے سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کر دیا۔ نارو حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری بات سنتی رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے گویا اسے میری بات کا یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

"ان لوگوں نے تمھیں پہاڑی سے نیچے دھکا دے دیا، تم نیچے گر گئے اور اس کے باوجود تمھیں خراش تک نہیں آئی؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں نارو۔" میں نے جواب دیا۔ "تمھیں معلوم ہے کہ شیطان بھی مجھ پر کتنا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ میں تم لوگوں کے سامنے آگ میں سے زندہ نکل کر آیا۔ یہ بھی اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے کہ میں نے ہزاروں من وزنی چٹان، جس نے ندی کے بہاؤ کا راستہ روک دیا تھا، تنہا اپنے بازوؤں کی قوت سے ہٹا کر نیچے پھینک دی۔ اور یہ بھی شیطان دیوتا کی مہربانی تھی کہ ان لوگوں نے مجھے بلندی سے نیچے دھکا دے دیا، لیکن مجھے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کچھ نہیں ہوا، اور میں زندہ سلامت اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ بڑی حد تک میری شکرانہ دعا کی وجہ سے ہوا۔ اور میں اس کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔"

"لیکن اب کیا ہوگا شیاپو؟" بارو نے سوال کیا۔ "تم نے ہمارا خدا دیر میں دو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے جنہوں نے دھیمے دھیمے بہتا ہوا مشروب پیا ہے۔ اس کے بعد اجنبی اپنی پسند کی چار عورتوں کو اغوا کر جہاز میں ڈال لیں گے اور انہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیا تم انہیں اغوا کرنے سے روکو گے؟ قبیلے کے سب لوگ تو بے ہوش ہوں گے۔ تمہاری مدد کو کون آئے گا؟"

"مجھے لوگوں کی مدد کی ضرورت نہیں بارو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے صرف شکرانہ دعا کی مدد چاہیے۔ اور وہ مجھے حاصل ہے۔ تم دیکھنا کہ میں ان لوگوں کو کیا عبرتناک سبق سکھاتا ہوں۔ جو کوئی مجھے بگھونے کی کوشش کرے گا، ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔"

ہم دونوں اندر باتیں کر رہے تھے اور باہر پراسرار خاموشی طاری تھی اور پھر دفعتہً طوفان کی سی آئی۔ میں اور بارو دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ باہر سے آنے والا شور تقریباً بالکل ہی بند ہو گیا اور ہر طرف ایک معنی خیز سناٹا چھا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مشروب پینے والے تمام لوگ جن میں مرد اور عورتیں بھی شامل تھے، بے ہوش ہو چکے تھے!

میں نے بارو سے کہا کہ وہ اپنا مسلح میرے پیچھے آئے۔ میں نے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی تھی کہ ڈھال کی صورت میں وہ تنہا ہم لوگوں سے دور رہے، اور کسی حالت میں بھی میری مدد کرنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ مجھے اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ صرف اپنی جان بچانے کی فکر کرے، اور مجھے بالکل بھول جائے۔ میں نے اسے ہدایت دی کہ وہ کوشش کر کے اژدہا کی جگہ سے دور رہے۔ اور کسی درخت (یا بیل) کے تنے کے پیچھے اس طرح چھپ جائے کہ اس کی اس پر نظر نہ پڑے۔

بارو کو اچھی طرح ہدایت دے دینے کے بعد ہم دونوں باہر نکلے۔ اپنی کمین گاہ سے نکل کر ہم نے دیکھا کہ ہر طرف گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور کچھ لوگ ہاتھوں میں مشعلیں تھامے ہوئے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ یہ لوگ البرٹو اور اس کے ساتھی تھے جو اپنی پسند کی عورتیں تلاش کر رہے تھے۔ مشعل برداروں کی تعداد چھ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ زیادہ تر لوگ مدہوش کر لئے گئے حامی تھے اور عورتوں کو اغوا کرنے کے جانے کے خلاف تھے۔

میں اور بارو تیزی سے مشعلوں کی سمت میں بڑھے۔ گہرے اندھیرے کی وجہ سے ہمارا دیکھا جانا ممکن تھا۔ جب ہم قریب پہنچ گئے تو ہم نے دیکھا کہ قبیلے کے لوگ جگہ جگہ زمین پر بے سدھ پڑے ہوئے تھے اور ان کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ کچھ دور آگے ہمارا جہازی عملہ البرٹو کو گھیرے کھڑا تھا۔ البرٹو کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی اور باقی دونوں ہاتھوں میں اس نے زمین پر پڑی ہوئی عورتوں کے جسموں اور چہروں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ قریب ہی ایک گھنا درخت تھا۔

اور جہاز اس درخت کے تنے کی آڑ میں ہو گئے۔ البرٹو کے ساتھ چار آدمی تھے، لیکن وہ مشعلیں پکڑے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ عورتوں کے انتخاب کا حق البرٹو نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

بالآخر البرٹو نے ایک پندرہ سولہ سال کی نوجوان لڑکی کے جسم کو اپنے ٹھوکر سے ہلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے اغوا کر لیا جائے۔ مگر یہ ایک عورت کا انتخاب ہو چکا تھا۔ اب تین عورتوں کا انتخاب باقی تھا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مرحلہ بھی پورا ہو گیا اور اب چاروں عورتیں ایک جگہ جمع کر دی گئیں۔ البرٹو نے اپنے ساتھیوں کو ایک طرف رکھ دیا۔

"تم میں سے ہر شخص ایک ایک عورت کو اغوا کر اپنے کاندھے پر ڈال لے اور جہاز تک لے چلے۔" البرٹو نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "دو لوگ مشعلیں پکڑے رہیں۔ صرف دو مشعلیں کافی ہوں گی۔ وہ میں اپنے ہاتھ میں رکھوں گا۔ اور ہاں، یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ان سب عورتوں میں آگ لگا دو۔"

"نہیں نہیں البرٹو، ایسا مت کرو۔" ان چاروں آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔ "یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ ان لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ جہاں کے گھر کیوں جلائیں، یہ کیا معلوم تقدیر میں پھر کبھی اس ساحل پر آنے"

"ہرگز نہیں کہہ رہا ہے۔" دوسرے آدمی نے پہلے آدمی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ زیادتی ایک خطرناک فعل ہوگا، جگہ خطرناک ثابت بھی ہوگا۔ ہم نے ان کے روحانی پیشوا کو مار دیا، ان کی عورتوں کو ہم اغوا کر کے لے جا رہے ہیں، جبکہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ کوئی برائی کی۔ اس پر تم چاہتے ہو کہ ہم ان کے گھاس پھونس کے جھونپڑوں کو آگ لگا دیں۔ نہیں البرٹو، یہ کہیں ہوگا۔ جو کچھ ہو گیا وہ بہت کافی ہے۔ اب ہمیں اور زیادہ ذلیل مت کرو البرٹو۔"

البرٹو نے جب دیکھا کہ اس کی اس تجویز کی سب ہی مخالفت کر رہے ہیں تو کہنے لگا۔ "چلو تمہاری مرضی۔ میں اپنی بات پر اصرار نہیں کروں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے البرٹو۔" برگنڈ نے کہا اور اس کے دوسرے ساتھی نے رضامندی میں گردن ہلائی۔

"اچھا اب تم لوگ ایک ایک عورت کو اپنے کندھے پر ڈالو اور جہاز کی طرف چلو۔ چوتھی عورت کو ان کے حوالے چھوڑ دو۔" البرٹو نے ساتھیوں سے کہا۔ "بہت دیر ہو گئی ہے اور مدہوش دل ہی دل میں کھل رہا ہوگا۔ اٹھاؤ اب فوراً اس جگہ سے روانہ ہو جاتے ہیں۔"

"چلو۔" ان لوگوں نے کہا۔ ان میں سے ہر ایک نے جھک کر ایک ایک عورت کو اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ مشعلیں البرٹو کو دے دی گئیں۔ البرٹو نے دو مشعلیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لیں اور باقی مشعلیں بجھا دیں۔ سب لوگ آگے بڑھنے لگے۔

"بارو۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ "تم درخت کے تنے کے پیچھے ہی طرح کھڑے رہنا۔ کسی حال میں بھی باہر نکل کر نہ آنا۔ جس چیز سے حالات کا تقاضا دیکھنا۔ میں اب ان کو ذرا مزہ چکھاؤں گا۔"

آہستہ آہستہ درخت کے تنے کے پیچھے سے نکلا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ان لوگوں کے پیچھے پہنچا جو البرٹو کی ہدایت کے مطابق آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔

"ٹھہرو۔" اپنے منہ میں نے گرج کر ہسپانوی زبان میں کہا۔

ان سب کے ہوش میں جیسے بریک لگ گئی۔ وہ لوگ یکدم رک گئے اور پیچھے گھوم کر دیکھنے لگے۔ پہلے تو انہیں جیسے میں نظر ہی نہیں آیا۔ پھر انہیں میری شکل صاف نظر نہیں آئی۔ لیکن جب میں ان کے بالکل قریب پہنچ گیا تو حیرت اور خوف کے مارے ان کی چیخیں نکل گئیں۔

میں نے البرٹو کے بالکل قریب پہنچ کر اس کے بازو شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ البرٹو چند لمحوں کے لیے بالکل بت بنا رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے مجھے پوری طرح پہچان لیا تھا اور حیرت کے شدید ترین عالم خوف کے عالم میں اس کا منہ کھل گیا تھا۔

"تم ــــ تم ــــ تم!" اس نے گھگھیاتے ہوئے عالم میں ہسپانوی زبان میں کہا۔ اس وقت ظاہر ہے وہاں موجود دیگر لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آنا تھا۔ وہ تو صرف البرٹو کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"ہاں میں ــــ" میں نے بھی ہسپانوی زبان میں جواب دیا۔ "میں ہوں البرٹو۔ سمجھے تم اپنی دانست میں ہلاک کر چکے تھے۔"

"تم ــــ تم ــــ" البرٹو حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ "تم ہسپانوی زبان بول سکتے ہو؟ بالکل ہم لوگوں کی طرح؟"

"تم اپنے کانوں سے میری آواز سن رہے ہو۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن تم نے اس سے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ تم ہسپانوی زبان بھی جانتے ہو، تم نے اس سے پہلے کبھی ہسپانوی زبان نہیں بولی!"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے تڑپتے لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن تم ــــ تم زندہ کس طرح بچ گئے؟" البرٹو نے خفت کے عالم میں ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں بتانے گیا ہوں کی سزا دینے کے لیے۔" میں نے سختی سے جواب دیا۔ "اور تمہارے گندے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے۔"

وہ پھر چلا گیا۔ جیسے البرٹو کو ہوش آ گیا۔ اور اس کے ساتھی بھی سمجھ گئے ہوں اس سے پہلے کہ وہ لوگ کچھ کرتے میں نے کہا۔ "ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا۔" میں نے اپنے ہاتھ میں موجود بندوق کی نالی ان کی طرف کر دی۔ میرے ہاتھ میں بندوق دیکھ کر ان لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ان کے ہاتھ بے اختیار اوپر اٹھ گئے۔ البرٹو نے بھی ایسا ہی کیا۔ مشعلیں اس نے زمین پر گرا دی تھیں۔ میں نے دو مشعلیں اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیں۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح میرا چہرہ روشن ہو جائے گا اور وہ لوگ مجھے اچھی طرح دیکھ کر فوراً پہچان لیں گے۔

دوسرے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ جلتی ہوئی مشعلیں میرے چہرے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ میں نہ چونکا، نہ چلایا، نہ میں نے گھبراہٹ کی اور نہ اپنی جگہ سے جنبش کی۔ البرٹو کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔

"تم ــــ تم کون ہو؟" اس نے خون سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم شیاپو کے بھوت ہو؟ یقیناً تم شیاپو کے بھوت ہو۔ کیونکہ انسانی جتھہ ہی سے کرنے کے بعد کوئی انسان زندہ سلامت نہیں رہ سکتا۔ اور پھر تم پر آگ بھی اثر نہیں کرتی۔ اے میرے خدا، مجھ پر رحم کر۔" اور اس کے ساتھی بھی وہ زور زور سے انجیل مقدس کی آیات اور دعائیں پڑھنے لگے کہ اگر میں بھوت یا بدروح ہوں تو ان دعاؤں کی تاثیر بھاگ جاؤں۔

"میں جو کچھ بھی ہوں۔ اب آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے البرٹو سے کہا۔ اور آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ بس یہ غلطی ہو گئی پروفیسر میرا ہاتھ اندازے سے ذرا بھاری پڑ گیا اور البرٹو کی گردن لٹک گئی۔ اس کا چہرہ ایک طرف کو ڈھلک گیا اور وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس اثنا میں اس کے چاروں ساتھیوں نے ان بے ہوش عورتوں کو اپنے اپنے کاندھوں پر سے اتار پھینکا تھا۔ انہوں نے اٹھائے ہوئے تھے۔ البرٹو کا حشر دیکھ کر وہ اس قدر دہشت زدہ ہوئے کہ انہوں نے بے تحاشا ساحل کی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ میں نے انہیں رکنے کے لیے آواز نہیں دی، لیکن وہ اس قدر خوف زدہ تھے کہ رکنے کے بجائے اور زیادہ تیزی کے ساتھ بھاگنے لگے۔

میں نے چند لمحے تک اس صورت حال پر غور کیا کہ میں ان لوگوں کا پیچھا کروں یا نہ کروں۔ میں اگر چاہتا تو دوڑ کر ان لوگوں کو پکڑ سکتا تھا اور انہیں سزا بھی دے سکتا تھا۔ لیکن پھر میں نے یہی سوچا کہ یہ چاروں زیادہ قصوروار نہیں ہیں۔ یہ تو البرٹو کے اشاروں پر کام کر رہے تھے، جبکہ ساری منصوبہ بندی اس پروگرام ساز کی البرٹو خود کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان چاروں کو معاف کر دینے کا فیصلہ کیا۔ ان کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ اندھیرے میں گرتے پڑتے بری طرح بھاگ رہے تھے۔ ان کا رخ ساحل کی اس سمت کی طرف تھا جہاں ان کا جہاز لنگر انداز تھا۔

اور پھر وہ جہری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ بھاگنے کی شدید بے چینی اس لیے وہ مجھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ البتہ ان کے جہاز کا ہیولا مجھے نظر آ رہا تھا۔

میں نے زمین پر گری ہوئی ایک مشعل اٹھائی اور بارو کو آواز دی۔ بارو درخت کے تنے کے پیچھے سے نکل کر فوراً ہی میرے پاس آ گیا۔

"کیا ہوا شیاپو؟" بارو نے پوچھا۔ "کیا وہ لوگ بھاگ گئے؟ تم نے انہیں بھاگ جانے دیا؟"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"ہاں نارو۔" میں نے جواب دیا۔ "ان میں جو اصل شخص تھا یعنی البرٹو۔ وہ سامنے مرا پڑا ہے اور اس کے چاروں ساتھی جاگ گئے ہیں میں نے خود انھیں جاگ نکلنے کا موقع دیا، کیونکہ میں انھیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کا کوئی خاص قصور نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ مکار البرٹو کے شکاروں پر ہنس رہے تھے۔"

"وہ لوگ اپنے جہاز کی طرف بھاگ گئے ہوں گے۔" نارو نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ جہاز کے باقی لوگ اب کوئی دم میں مسئلے ہو کر یہاں آجائیں گے۔ انھیں اتنا تو معلوم ہی ہے کہ تمھارے علاوہ قبیلے کے باقی سارے لوگ بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ان کے حملے بہت بلند ہوں گے اور وہ تمھیں سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ وہ تمھیں ہلاک کر دینا چاہیں گے۔ کیا تمھیں اس صورت حال کا اندازہ ہے شیابو؟"

"لیکن میرا خیال اس سے بالکل مختلف ہے۔" میں نے کہا۔

"تم کیا سمجھ رہے ہو؟" نارو نے پوچھا۔

"میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ ان چاروں خوفزدہ انسانوں کے جہاز پر پہنچ جانے کے بعد وہ لوگ سنگر اٹھائیں گے اور سیدھے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ اس نتیجے کہ یہاں زندہ موجود ہوں، ان کی صفوں میں خوف و دہشت اور سراسیمگی پھیل جائے گی۔ البرٹو سمجھ رہا تھا کہ میں زندہ شیابو نہیں ہوں، بلکہ شیابو کا بھوت ہوں۔ اس کے بقیہ چاروں ساتھی بھی یہی سمجھ رہے ہوں گے کیوں کہ البرٹو نے جلتی ہوئی مشعلیں میرے چہرے میں ٹھونس دیں لیکن مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تب ہی اس نے مجھ سے یہ پوچھا کہ میں زندہ شیابو ہوں یا شیابو کا بھوت ہوں۔ دیکھو نا، ان لوگوں نے جتنی بلندی سے مجھے گرایا تھا، اس کے بعد کسی جاندار کے زندہ رہ جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جہاں میں گرا تھا، وہاں پتھریلی سخت چٹانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ان چٹانوں سے ٹکرانے کے بعد کوئی جاندار شے زندہ نہیں بچ سکتی تھی۔ اس لیے میرے زندہ ہو جانے کا یقین ان لوگوں کو کس طرح آسکتا ہے؟ وہ یہی سمجھیں گے کہ شیابو تو مر گیا، لیکن اس کا بھوت ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بھلا یہ بات ان کی سمجھ میں کس طرح آسکتی ہے کہ میں روانی کے ساتھ ان کی زبان بول سکتا ہوں۔ شیابو نہیں، البتہ شیابو کا بھوت ہسپانوی زبان بول سکتا ہے۔ وہ لوگ یہی سمجھیں گے اور اس پُراسرار اور آفت زدہ علاقے سے جلد از جلد جہاں بچا کر بھاگ جانے کی کوشش کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے تمھارا خیال صحیح ہو۔" نارو نے کہا۔

"اچھا میں ان کے جہاز کی طرف جا رہا ہوں۔ تم یہیں ٹھیرنا۔" میں نے نارو سے کہا۔

"میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی شیابو۔" نارو نے کہا۔

"نہیں نارو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس صورت میں ہمیں اپنے ہاتھوں میں مشعلیں لے کر چلنا ہوگا، اور مشعل کی روشنی پر تیر کا نشانہ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر تمھیں کوئی تیر لگ گیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گی، اور میرے لیے سب سے زیادہ دکھ کی بات ہوگی۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو شیابو۔" نارو نے جواب دیا۔ "روشنی کے نشانے پر بالکل صحیح تیر پھینکا جا سکتا ہے۔ تم اکیلے ہی جاؤ۔ میں یہاں ٹھہر کر تمھارا انتظار کروں گی۔ اور ہاں، کیا دے اپنے ساتھی البرٹو کو یہیں چھوڑ جاؤ گے؟"

"ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ ان کے پاس اور چارہ ہی کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور آگے روانہ ہو گیا۔

میں اندھیرے میں اندازے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ بہت دور، جہاز کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ میں اطمینان سے جہاز کی طرف بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ اب جہاز تک پہنچنے کے لیے مجھے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں تیرنا تھا۔ میں پانی میں اترنے والا تھا کہ میرے دیکھتے دیکھتے جہاز نے حرکت کی، ایک ہچکولا لیا اور آگے کی طرف بڑھ گیا۔

تو میرا خیال بالکل صحیح تھا! چاروں خوف زدہ اجنبی جہاز پر پہنچ چکے تھے اور انھوں نے میرے زندہ ہونے اور البرٹو کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے جہاز والوں سے کہا ہوگا کہ وہ فوراً لنگر اٹھا دیں کیونکہ شیابو کا بھوت ہسپانوی زبان بولتا ہوا ملاحوں میں موجود ہے اور اس نے البرٹو کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ مارکوس کے پہلے ہی البرٹو کی مگر مچھ والی کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ اس کی ہلاکت سے اسے یقیناً خوشی ہوئی ہوگی اور چاروں آدمیوں کی بات سنتے ہی اس نے لنگر اٹھانے کا حکم دیا ہوگا۔

میں ساحل کے قریب کھڑا رہا اور میں نے پانی میں اترنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میری نظروں کے سامنے جہاز نے حرکت کی اور آہستہ آہستہ شمال کی طرف بڑھنے لگا۔

"الوداع اجنبی دوستو۔" میں نے اندھیرے میں اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے آہستہ سے گویا اپنے آپ سے کہا۔ "تم سونے کی کشتی تلاش کرنے کی غرض سے یہاں آئے تھے، سونا تو تمھیں نہیں ملا، مگر تم یہاں موجود ہو۔ جو کچھ تمھارے ساتھ ہوا ہے، اس کے بعد تم یہاں سے زندہ واپس جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تمھارے ساتھی البرٹو کی لاش یہاں پھوڑے جا رہے ہو۔ اگر میں یہاں موجود ہوتا تو یہ لاش پھوٹی پھوٹی ہڈیوں کی شکل میں سیاہ فام انسانی پیٹ میں اتر جاتی۔ لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ان لوگوں سے تو خوش ہوں اور مروت خوری کی عادت چھڑوا دی ہے۔ اس لاش کو ایک گہرے میں دفن کر دیا جائے گا۔"

میں کافی دیر تک ساحل پر کھڑا جہاز کو دور جاتے دیکھتا رہا اور انسانی زندگی کی بے بضاعتی پر غور کرتا رہا۔ البرٹو، جو سب سے زیادہ دیوانہ تھا، جس نے سونے کی خاطر اپنے عزیز دوست کو دھوکا دے کر اس کے دفاع کا نقشہ چرایا، جس نے

خطرناک مہم سر کی، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور، پُرخطر راستے طے کر کے پہنچا، جس نے محض سونے کے لالچ میں بے شمار انسانی جانوں سے کھیلنے کی کوشش کی، جس کے دل میں انسانیت اور رحم جیسی کوئی چیز نہیں تھی، وہ آج مٹی کے ڈھیر کی شکل میں اپنے دل سے ہزاروں میل دور بے گور و کفن پڑا ہوا تھا۔ اس کے دوستوں اور ساتھیوں نے اتنی بھی ضرورت محسوس نہ کی کہ اس کی لاش کو ہی اپنے ساتھ لے جاتے۔ وہ اس کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انھیں البرٹو کے مردہ بدن کی کوئی ضرورت نہیں تھی، انھیں صرف سونے کی ضرورت تھی، اور سونا انھیں اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ مل گیا تھا۔ اس کے سوا انھیں اور کیا چاہیے تھا؟

میں کافی دیر تک انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں ساحل پر کھڑا ہوا اپنی نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے جہاز کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ جہاز رات کی تاریکی میں سمندر کی لامحدود وسعتوں میں دور کہیں گم ہو گیا اور اب میری نظروں کے سامنے پانی کی سیاہ، ہچکولے لیتی ہوئی چادر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

میں نے واپسی کے لیے قدم اٹھائے اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا واپس ہونے لگا۔ کافی دیر کے بعد میں اس جگہ پہنچا جہاں نارو ہاتھ میں مشعل لیے میرے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتے تھے شیابو۔" نارو نے میرے قریب آنے پر دھیمے لہجے میں کہا۔ "تم بالکل ٹھیک کہتے تھے۔ وہ لوگ واقعی چلے گئے۔ میں نے اتنی دور سے ان کے جہاز کے ہیولے کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش چھوڑ کر یہاں سے فرار ہو گئے۔"

"ہاں نارو۔" میں نے کہا۔ "جعلسازوں سے کسے دلچسپی ہوتی ہے؟ ان لوگوں کو تو سونا چاہیے تھا اور وہ انھوں نے بخیریت سمیٹ لیا ہے۔ ایک مردہ البرٹو کی تجارت کون خریدے گا؟ ان چاروں کو اپنے جہاز پر سب کو بچا کر لیا ہوگا، البرٹو مارا جا چکا ہے۔ بس اس کے بعد کسی کو اور کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"لیکن انھیں اپنے ساتھی کی لاش کے لیے تو آنا چاہیے تھا۔" نارو نے کہا۔

"انھیں خوف تھا کہ اس صورت میں کہیں ان کے اپنے ساتھی شامل نہ ہو جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

نارو میری بات کے جواب میں کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کے سفید سفید دانت چمکنے لگے۔ مجھے ہنستی ہوئی دیکھ کر نارو بہت اچھی لگی۔

دور سمندر میں پھیلا ہوا تھا، جا بجا سیاہ فام ہم لمبے لمبے ڈھیروں کی صورت میں زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب بیہوش تھے کہ لمبے سفر طے کر کے ہوش میں آنے میں ابھی کچھ مزید وقت لگے گا۔

اس کیفیت میں کافی وقت گزر گیا۔ طویل وقت گزرنے کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب ہمارے قریب پڑے ہوئے ایک انسانی جسم نے آہستہ آہستہ اپنے بدن کو ہلانا جلانا شروع کیا۔ ہم دونوں حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئے اور تھوڑے ہی اس شخص کو دیکھنے لگے۔ اس وقت چاند نکل آیا تھا اور ساری بستی میں چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا اور کہیں کہیں روشنی تھی اور رات کا منحوس سناٹا تھا اور مشعل کی مدھم روشنی میں ہر طرف کی خوفناک چیزیں آپس میں مل جل کر ایک خوفناک شکل اختیار کر گئی تھیں جسے کوئی نام دینا ناممکن تھا۔ ایک بے نام سی انجانی سی خوفناک اداسی کو دماغ کو مست و مسحور کر دینے والی خوشبو!

بیدار ہونے والے شخص کے چہرے پر سخت الجھن و پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور حیران حیران نظروں سے اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اپنے عین سامنے اسے میری اور نارو کی شکلیں نظر آئیں۔

"اوہ شیابو۔۔۔ او نارو۔۔۔" اس نے ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں کہا اور ایک بار پھر اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی۔

"مجھے کیا ہو گیا تھا شیابو۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "اور ان سب لوگوں کو کیا ہو گیا جو اس طرح رستے سیدھے لیٹے ہوئے ہیں؟ یہ زندہ تو ہیں، شاید میری طرح یہ لوگ بھی گہری نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔"

"تم نے انجیروں کا دیا ہوا مشروب پیا تھا۔" نارو نے اس سے سوال کیا۔

"ہاں نارو، لیکن صرف اسی وقت جب تم نے اس کی اجازت دی تھی۔ تمھاری اجازت کے بغیر بھلا میں اس مشروب کو کیسے ہاتھ لگا سکتے تھے؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "تم اس مشروب کے اثر سے بیہوش ہو گئے تھے۔ اور یہ سارے لوگ جو لیٹے ہوئے ہیں یہ بھی اسی مشروب کے زیر اثر بیہوش ہوئے ہیں۔ جس طرح تمھیں ہوش آیا ہے اسی طرح آہستہ آہستہ ان لوگوں کو بھی ہوش آ جائے گا۔ اطمینان رکھو یہ سب لوگ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ ان میں سے کوئی مرے گا نہیں۔"

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ شیابو واپس آ گیا ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "جب اپنی لوگ شیابو کے بغیر واپس آئے تو مجھے ان کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ اگر شیابو واپس نہ آتا تو ہم ان اجنبیوں سے سختی کے ساتھ باز پرس کرتے۔"

"تمھارا شکریہ دوست۔" میں نے اس شخص سے کہا۔ "اب میں چاکوں اور تمھارے سامنے موجود ہوں۔"

رفتہ رفتہ دوسرے لوگوں کو بھی ہوش آنا شروع ہو گیا اور وہ یکے بعد دیگرے کچھ دیر میں سارے لوگ ہوش میں آ گئے۔ وہ سب کے سب ہوش میں آنے کے بعد پہلی پہلی نظروں سے ادھر ادھر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے، اور ایک دوسرے سے سوال کرتے کہ انھیں کیا ہو گیا تھا۔

اسی اثنا میں سب کی نظر البرٹو کے سفید فام مردہ جسم پر پڑی، جو بے جان انداز میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "یہ تو

Optimized by www.ImageOptimizer.net

جہاز ڈالے سفید فام اجنبیوں میں سے کوئی معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ گر گیا ہے
اسے کسی نے مارا ہے؟ یا شاید یہ بھی ہم لوگوں کی طرح بے ہوش ہے اور
تھوڑی دیر میں ہوش میں آجائے گا۔"

"تمہیں ابھی اس کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا جائے گا۔"
میں نے امکا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "فی الحال سب لوگوں کو مکمل طور
پر اپنے ہوش و حواس میں آجانے دو۔ اس کے بعد میں تم لوگوں کے
سامنے ان واقعات کی ساری تفصیلات پیش کر دوں گا۔"

"بہتر ہے ٹیابو۔" امکا نے جواب دیا اور تجسس کے عالم میں
البرٹو کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔ وہ جگہ جگہ سے اسے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ
کسی اور ہی دنیا کا بنا ہوا ہو۔ میں اس کی ان حرکتوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ
رہا تھا۔

اب سارے لوگ مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں آچکے تھے۔
ان میں سے ہر ایک کی زبان پر ایک ہی سوال تھا: ہمیں کیا ہو گیا تھا؟

میں نے ان سب لوگوں سے کہا کہ وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

سارے لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ ان میں امکا بھی شامل تھا
جو البرٹو کے جسم کو اچھی طرح ٹٹول لینے کے بعد تیزی سے میدان کی طرف بڑھ
گیا تھا جہاں سب جمع ہو رہے تھے۔ چاند کی رات کی سنہری روشنی میں
سیاہ فام لوگوں کا یہ اجتماع ایک عجیب و غریب نظارہ پیش کر رہا تھا۔

جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو میں نے انھیں حتی الامکان مختصر
طور پر یہ بات بتائی کہ کس طرح اجنبیوں نے انھیں دھوکہ دے کر ہلاک کرنا
چاہا، کس طرح وہ ہمارے قبیلے کی چار عورتوں کو اغوا کرنا چاہتے تھے اور
کس طرح میں نے ان کے منصوبوں کو ناکام بنایا۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ
شکان دیوتا نے مجھے ان لوگوں کی زبان بولنے کا حکم دیا اور میں ان کی زبان اپنی
طرح بولنے اور سمجھنے لگا لیکن یہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ میں نے
لوگوں کو بتایا کہ شکان دیوتا نے ہی ہدایت دی تھی کہ وہ اپنا فیصلہ جلد سے
جلد اجنبیوں کو مشروب تقسیم کرنے کی اجازت دے دے تاکہ میں یہ
دیکھ سکوں کہ لوگوں کے بیہوش ہو جانے کے بعد اجنبی لوگ کیا کرتے ہیں،
اور انھیں قرار واقعی سزا دے سکوں۔

میں بولتا رہا اور لوگ پوری توجہ سے کان لگائے میری بات
سنتے رہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ پتھروں پر گرنے کے بعد میں اسی لیے
نہیں مرا کیونکہ شکان دیوتا نے مجھے خصوصی طاقت سے نوازا تھا۔ اور البرٹو
کے جسمی ہوئی مشعلوں کے حملے سے بھی میں اسی لیے محفوظ رہا کیونکہ شکان
دیوتا نے مجھے وقت عطا کی تھی اور میں اجنبیوں کی زبان بھی مجھے شکان دیوتا
ہی نے سکھائی تھی۔

"اجنبی سزا جمع کر کے بھاگ چکے ہیں۔ میں چاہتا تو ان سب کو
روک کر سزا دے سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت محسوس
نہیں کی۔" میں نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے لوگوں سے کہا۔ "اس کی وجہ
یہ ہے کہ اجنبیوں میں جو شخص سب سے زیادہ شر پسند اور فتنہ پرداز تھا،

وہ میرے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ مجھے اجنبیوں میں سے کسی
سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

اچانک امکا اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر مجھ سے
اجازت طلب کرنے لگا۔ چاند کی مدھم روشنی میں اس کا سیاہ فام جسم
پراسرار سایے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ امکا کیا کہنا چاہتا
ہے۔ اس نے آج تک کبھی مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہو امکا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں ٹیابو کہ وہ اجنبی ہمیں کافی البرٹو
ہے اور جو وہاں زمین پر پڑا ہوا ہے، وہ مردہ نہیں ہے بلکہ زندہ ہے۔
اسے خوفناک چوٹ لگی ہے اور اس کی وجہ سے وہ بیہوش ہو گیا ہے۔ پر
اس کی سانس چل رہی ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے امکا؟" میں نے حیرت اور
خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ پوچھا۔ "مجھے تو یہ ہے کہ مجھے البرٹو
موت سے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی، اور نہ ہی میں اسے قصداً ہلاک کرنا
چاہتا تھا۔ میں نے تو اس کے مختصر پر ہاتھ اس وقت اٹھائے تھے جب اس نے
دیوتا جب اس نے دونوں مشعلوں کو میرے چہرے میں گھسیڑنے کی
کی تھی۔ اس کی زبانی یہ بات سن کر کہ البرٹو مرا نہیں، بلکہ زندہ ہے، مجھے
واقعی خوشی ہوئی۔ میرے نزدیک البرٹو کا زندہ رہ جانا ایک دل خوش کن
تھی، جب وہ اور محسوس کر سکے گا کہ اس سودے میں اس نے کیا کھویا
کیا پایا ہے۔

"میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں ٹیابو۔" ا
نے جواب دیا۔ "تم اگر چاہو تو خود تصدیق کر کے دیکھ لو۔ بھلا تمہارے
سامنے کس کی مجال ہے جو انکار کر سکے!"

"کیا تمہارے ہوش میں لائے جا سکتے ہو؟" میں نے امکا سے پوچھا
"چند گھنٹوں کے بعد یہ خود ہی ہوش میں آجائے گا۔" امکا
جواب دیا۔ "اس کے بعد اگر میں اسے کچھ دوائیں دوں تو اسے تکلیف
احساس کم ہو جائے گا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عظیم ٹیا
یہ بات یقیناً معلوم ہو گی کہ میں جڑی بوٹیوں اور دواؤں کا علم رکھتا
ہوں۔"

"ہاں امکا، یہ بات مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں
جانتا ہوں کہ تم دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے ماہر ہو، اور اسی لیے میں
ہوں کہ اس شخص کا تم علاج کرو۔ وہ بہت جلد از جلد صحت مند اور
ہو جائے۔"

"لیکن عظیم ٹیابو، یہ شخص تو ہمارا دشمن ہے۔ اس نے ہمیں
کے اوپر سے اغوا کیا۔ یہ ہماری عورتوں کو اغوا کرنے کے لیے جا رہا تھا
نے ہمیں مشعلوں سے جلانے کی کوشش کی۔ ایسا شخص اس قابل نہیں
کہ اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ تم مجھے حکم دو
میں اس کا خاتمہ کر دوں۔ تمہارے حکم پر اسے ہلاک کرنے سے مجھے
خوشی ہو گی۔"

"اس کے برخلاف، امکا، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اگر یہ شخص
زندہ ہے تو تم اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرو۔ اس کی ہلاکت سے
ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ زندہ بچ گیا تو کم از کم ہمارے
قبیلے کو اس بات پر پچھتانے کے لیے زندہ رہے گا کہ اس نے جو کچھ کیا
غلط کیا۔ یہ احساس ہی انسان کے لیے سب سے زیادہ ہلاکت خیز ہے
کسی کے لیے پچھتانے کا موقع بہت دیر سے ملا۔"

"جیسا حکم ٹیابو۔" امکا نے جواب دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر البرٹو
کے پاس چلا گیا۔ چاند کی مدھم روشنی میں اس کی حرکات و سکنات ایک
عجیب و غریب پراسرار انداز لیے معلوم ہوتی تھیں۔

امکا نے اپنی مدد کے لیے ایک اور آدمی کو بلایا۔

امکا نے اس کی گردن کو بالکل سیدھا
کیا اور آہستہ آہستہ اس پر مالش کرنے لگا۔ تمام لوگ غور اور دل چسپی
کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر گزر گئی، لیکن البرٹو کے
جسم میں زندگی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔

"کیا بات ہے امکا؟" بہت دیر گزر جانے کے بعد میں نے
سوال کیا۔ "کیا معاملہ پیچیدہ ہے؟ مریض اچھا نہیں ہو رہا؟"

"مجھے تو یہ کہنا پڑے گا ٹیابو۔" امکا نے جواب دیا۔ "اس
میں اس پر خاصی محنت کی ضرورت ہے۔ اگر اسے ابھی ہوش نہیں آیا
تو صبح تک ضرور آجائے گا۔"

"اچھا تو تم ایسا کرو۔ کہ اسے اٹھا کر اپنے جھونپڑے میں لے
جاؤ۔" میں نے کہا۔ "رات بہت زیادہ گزر چکی ہے اور تمام لوگوں کو آرام
کی ضرورت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے جھونپڑوں کو جائیں
اور نیند پوری کر کے جاگ سو جائیں۔ اب انھیں مجھ سے یا پیر شناسی ہونے
کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔"

میری بات سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تھکے تھکے قدموں
سے اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ امکا نے ایک اور آدمی
کی مدد سے البرٹو کے بھاری بھرکم جسم کو کاندھے پر ڈالا اور اسے لے کر
اپنے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک ایک کر کے تمام لوگ میدان سے رخصت ہو گئے، اور میں
اور نند ایک بار پھر تنہا رہ گئے۔

"اس وقت ہم دونوں کے جسموں کا رنگ بالکل ایک جیسا
ہے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میرے خیال میں اب اس
سوانگ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ اجنبیوں کا جہاز اب یہاں
سے جا چکا ہے۔ میں کل صبح ہی اپنے بدن پر سے سارے رنگ
صاف کر دوں گا۔"

"لیکن ایک اجنبی تو ابھی یہاں موجود ہے۔" نارو نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

"اب اسے اجنبی مت سمجھو۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر وہ
کے دعوے کے مطابق وہ زندہ بچ گیا تو اس کے اپنے وطن واپس جانے
کے امکانات مسدود ہیں۔ یہ علاقہ ساری دنیا سے کٹا ہوا ہے اور ادھر
کوئی جہاز نہیں آتا۔ اجنبیوں کا یہ جہاز ایک خاص مقصد سے اس
طرف آیا تھا، جو سکتا ہے کوئی دوسرے مہم جو سونے کی بو پا کر ادھر ان
کا رخ کریں۔ لیکن اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ یہ معلوم
دوسرا جہاز کب آئے، اور البرٹو کی زندگی میں آئے بھی یا نہیں۔ اس لیے
البرٹو کو اب اس قبیلے والوں کے ساتھ انھی کے انداز میں زندگی گزارنی
ہو گی۔ اگر اسے زندہ رہنا ہے تو اس قبیلے کا ایک فرد بن کر زندہ رہنا
ہو گا۔"

"اور اسی لیے تم اس بات میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ
اس کے سامنے اپنی اصلی حالت میں آجاؤ۔" نارو نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جب اسے یہ معلوم ہو گیا
کہ میں اس کی زبان بخوبی بول اور سمجھ سکتا ہوں تو پھر مجھے اپنے جسم کی رنگت
اس سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات در اصل یہ ہے کہ میں اجنبیوں
کو جو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا اور ان کے سامنے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ
میں تم لوگوں سے مختلف ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنے جسم کو رنگوانے کا
بندوبست کیا۔ ہو سکتا ہے اگر اجنبیوں کو قبیلے میں زیادہ عرصے
کے لیے رہنا پڑتا تو میں اپنی جلد کی اصل رنگت دکھانے اور انھیں یہ ان
کر دینے پر مجبور ہو جاتا۔ لیکن اب ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البرٹو کو اب
جیسی سمجھنا غلط ہو گا، اس لیے میں کل صبح اپنے جسم سے یہ رنگت صاف
کروا دوں گا۔"

بہت دیر ہو گئی۔ رات آدھی سے کہیں زیادہ گزر چکی تھی اور
صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی جب میں اور نارو اپنے اپنے جھونپڑے
کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن میں کچھ دور جا کر پھر پلٹ آیا، اور آہستہ
آہستہ دبے پاؤں چلتا ہوا امکا کے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس
کے جھونپڑے کے دروازے پر پہنچ کر میں نے چپکے سے اندر جھانک
کر دیکھا۔ امکا ایک طرف لیٹا ہوا اپنے خبر خور بابا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر البرٹو پڑا ہوا تھا۔ اس کی گردن پر
کسی گہرے کتھئی رنگ کی دوا کا لیپ کیا گیا تھا اور ساری گردن پر دوا
لگی ہوئی تھی۔ البرٹو کو دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا
ہے۔ ایک بات البتہ صاف ظاہر تھی، اور وہ یہ کہ وہ اپنے ہوش میں
نہیں تھا۔

میں چند لمحے تک خاموشی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اس کا طلب
ہو گیا تھا کہ امکا البرٹو کی جان بچانے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ کتنی
عجیب بات تھی! البرٹو ان لوگوں کو صرف نقصان پہنچانا چاہتا تھا، اور یہ
لوگ اس کو زندگی عطا کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے!

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تھوڑی دیر تک یہ منظر دیکھتے رہنے کے بعد میں وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنے مخصوص جھونپڑے میں واپس آکر سو گیا۔

صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ چاروں طرف سورج کی تیز و تند روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور چیزیں روشنی میں نئی نئی رنگ میں ڈوبی ہوئی۔ نہائی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

میں بیدار ہوتے ہی سیدھا امکا کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نارو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ امکا اور نارو واپس میں چیلیوں کی حرکتوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ البرٹو اسی طرح بے سدھ، بیہوش پڑا ہوا تھا۔

"تمہارے مریض کا کیا حال ہے۔" میں نے امکا سے پوچھا۔

"وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے؟"

"وہ مرا نہیں، زندہ ہے۔" امکا نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ بس اب تھوڑی ہی دیر میں اسے ہوش آجائے گا۔ رات کو میں نے اس کی گردن پر دوا لگا دی تھی اور اس دوا سے یقیناً کافی فائدہ پہنچا ہوگا۔ یہ بہت پُرتاثیر دوا تھی۔ اس کی گردن کی چوٹ میں اس سے کافی افاقہ ہو جانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اب اسے ہوش میں آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

میں اور نارو امکا کی خود اعتمادی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ لیکن جلد ہی ہمیں اس کی خود اعتمادی کو قائل ہونا پڑا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ البرٹو کے نیم مردہ جسم میں آہستہ آہستہ حرکت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اس کے بدن میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ امکا نے فتح مندانہ نظروں سے پہلے میری طرف اور پھر نارو کی طرف دیکھا۔ ہم دونوں نے خوش ہو کر گردن ہلا دی۔

"اب یہ جلد ہی ہوش میں آجائے گا۔" امکا نے خوشی سے کہا۔

"میری لگائی ہوئی دوا نے اس پر اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔"

"میں تمہاری مہارت کی داد دیتا ہوں۔" میں نے امکا کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی ایک ہوشیار طبیب ہو۔"

امکا نے انکسار کے طور پر اپنی گردن خم کی اور ایک بار پھر البرٹو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آہستہ آہستہ البرٹو کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے پوری طرح اپنی آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر تک وہ اسی عالم میں پڑا رہا۔ اس عرصے کے دوران وہ اپنے ہوش و حواس کو مجتمع کر رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ رات بھر کی بیہوشی کے بعد اس کا ہوش میں آنا بھی کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ البرٹو کی آنکھیں جھونپڑے میں ادھر سے ادھر گھومتی رہیں اور پھر وہ دوبارہ بند ہو گئیں۔ اس پر ایک بار پھر غنودگی کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ اب یہ بچ جائے گا۔" امکا نے کہا۔ "ایک بار ہوش میں آکر وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ لیکن یہ پہلے کی طرح نہیں ہوگا اور اس بار جب وہ ہوش میں آئے گا تو میں اسے کچھ پینے کو دوں گا۔ اس سے اس کے بدن میں توانائی آجائے گی۔ وہ اٹھنے کے قابل ہو سکے گا۔"

البرٹو کی دوبارہ بیہوشی کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی۔ وہ جلد ہی ہوش میں آگیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر حیران حیران نظروں سے ادھر دیکھنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر امکا پر پڑی جو اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ امکا نے آہستہ آہستہ اس کی گردن ہلانا شروع کر دیا، اور پھر وہاں سے ہٹ کر جھونپڑی کے ایک کونے میں گیا جہاں مختلف برتنوں میں کچھ اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ وہ البرٹو کے لیے کوئی مشروب تیار کرنے لگا۔

امکا کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد البرٹو کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں بیک وقت خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات پیدا ہوئے۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی، لیکن آواز اس کے حلق سے نہیں نکلی۔ اس اثنا میں امکا ایک پیالہ ہاتھ میں لیے اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ امکا نے البرٹو کی گردن کو ایک ہاتھ سے سہارا دے کر بلند کیا اور پھر پیالہ اس کے منہ سے لگا دیا۔ البرٹو کسی بچے کی طرح مشروب پینے لگا۔ امکا نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے پورا پیالہ خالی نہیں کر دیا۔ تب امکا نے اسے دوبارہ زمین پر اور سامنے سے ہٹ گیا۔

البرٹو ایک بار پھر خالی خالی اور وحشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں بار بار میرے اور نارو کے چہروں پر آ جا رہی تھیں۔ گویا ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں، لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ہمیں پہچان چکا تھا مگر اس کا ذہن پورے طور پر اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی کیفیت تبدیل ہو رہی تھی۔

بالآخر تھوڑی دیر تک اسی طرح پڑے رہنے کے بعد البرٹو نے آہستہ سے کہا۔ "میں کہاں ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟" اس نے ہسپانوی زبان میں دریافت کیا تھا جسے یہاں ظاہر ہے کہ امکا اور نارو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"تم اس وقت ہمارے قبیلے میں موجود ہو۔" میں نے اس کی زبان میں جواب دیا۔ "اپنے آپ کو محفوظ سمجھو۔"

البرٹو تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ کہا۔ "مگر میں یہاں کس طرح پہنچا؟"

"اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے اپنے دماغ پر زور دو البرٹو۔۔۔۔ ذرا سوچو، تم کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے؟ اپنے ماضی کے عالم میں تم نے آخری کام کون سا کیا تھا؟"

البرٹو ذرا دیر کے لیے پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تاثرات بدلتے رہے تھے گویا وہ کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور پھر اچانک وہ تھوڑا سا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں ہاں، مجھے یاد آگیا۔" اس نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوف کے گہرے تاثرات نمودار ہو گئے۔ "مجھے یاد آ گیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز میں خوف کی لرزش شامل تھی۔ "تمہیں کیا یاد آگیا البرٹو؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے یاد آگیا کہ میں تمہاری بستی میں تھا۔ ہم لوگ عورتوں کو لے جا رہے تھے کہ اچانک تم نمودار ہو گئے جبکہ ہم تمہیں ہلاک کر چکے تھے۔ تم نے ہماری راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی۔ میں نے جلتی ہوئی مشعلیں تمہارے چہرے میں گھسیڑنی چاہیں۔ لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر تم نے میرے منہ پر ایک ہاتھ سے تھپڑ مارا اور اس کے بعد ..... اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا....."

"اس کے بعد یہ ہوا کہ میرے ایک ہی تھپڑ نے تمہارا منہ پھیر دیا اور تم زمین پر گر پڑے۔ میں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ تم مر چکے ہو اور تمہیں دفنا دیا جانا چاہیے، لیکن اس شخص امکا نے تمہارے جسم کو ٹٹولنے کے بعد یہ دعویٰ قائم کیا کہ تم زندہ ہو اور وہ اپنی دواؤں کے ذریعے تمہیں ہوش میں لا سکتا ہے۔ میں نے امکا کو اس بات کی اجازت دے دی اور یہ اس کی محنتوں کا طفیل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندگی ملی۔"

"میرا سر بہت چکرا رہا ہے۔" البرٹو نے آہستہ سے کہا۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ واقعات کی کڑیوں کو کہاں سے ملاؤں۔ تم لوگوں نے پہاڑی پر سے دھکا دے دیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ تم میری اور میرے ساتھیوں کی نظروں کے سامنے نیچے پتھریلی چٹانوں پر جا گرے تھے۔ ہم لوگوں نے پورے بھاگ کر تمہیں دیکھا تھا اور جہاں تمہارا مردہ جسم پتھروں پر پڑا ہوا نظر آیا تھا۔ تمہارا جسم بے جان تھا اس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ پھر ہم لوگ یہاں آگئے..... اور..... اور پھر تم ہی یہاں آموجود ہوئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ پہلے تو تم ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہ بولتے تھے اور نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب تم روانی کے ساتھ ہم لوگوں کی زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔ میں اسے کیا سمجھوں؟ تم یقیناً انسان نہیں ہو۔ تم کوئی بھوت کہ..... میں..... میں شاید مر چکا ہوں..... یہ دوسری دنیا ہے جہاں ہماری ملاقات ہو رہی ہے..... یا شاید میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں..... شاید..... شاید....."

اور اس کی آواز آہستہ ہو کر ڈوبتی چلی گئی۔ البرٹو نے جو کچھ کہا تھا اس کا ترجمہ کر کے میں نے نارو اور امکا کو بتایا۔ دونوں اس کی باتیں سن کر مسکرانے لگے۔

"اسے مکمل طور پر ہوش میں آنے میں کچھ مزید وقت لگے گا۔" امکا نے کہا۔ "میری دی ہوئی دوا سے اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اس کے جسم نے حرکت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے امکا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب تم سے سنبھالو۔ جب اسے مکمل طور پر ہوش آجائے اور یہ اچھی طرح بولنے چلنے لگے تو مجھے اگر بتا دینا۔ میں اگر اس سے ملاقات کروں گا اور اسے ساری باتیں سمجھا دوں گا۔"

"جو حکم شاہو۔" امکا نے تیز مدبرانہ انداز میں جواب دیا۔

میں وہاں سے چلا آیا۔ نارو بھی میرے ساتھ چلی آئی اور ہم لوگ بستی میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر مسکراتے، سر جھکا کر تعظیم دے دیتے۔ کئی لوگوں نے ہمیں روک کر ہم سے البرٹو کے بارے میں پوچھا۔ اس سے پہلے تمام لوگوں کو یہ ہدایت دی جا چکی تھی کہ کوئی شخص امکا کی اجازت کے بغیر اس کے جھونپڑے میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس طرح بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

البرٹو کو پورے طور سے صحت یاب ہونے میں تین دن لگے۔ ان تین دنوں کے دوران اس پر کبھی یہ بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور کسی وقت وہ اپنے ہوش میں آجاتا تھا۔ ایک آنکھ مچولی کی سی کیفیت جاری تھی۔ میں اس دن کے بعد سے پھر امکا کے جھونپڑے میں نہیں گیا۔ البتہ امکا روزانہ شام کو میرے پاس آکر مجھے البرٹو کی صحت کے بارے میں اطلاع دے جاتا تھا۔

تیسری شام کو امکا نے بتایا کہ البرٹو اب تقریباً بالکل ٹھیک ہو چکا ہے۔ اس نے آج کھانا بھی اچھی طرح کھایا اور جھونپڑے کے باہر ذرا سی دیر کے لیے چہل قدمی بھی کی۔ وہ اپنی زبان میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہا ہے۔ میری طرف دیکھ دیکھ کر نہ جانے کیا کیا بولتا رہا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کی زبان نہیں سمجھتا، اس لیے نہ اس کے سوالات کا جواب دے سکتا ہوں اور نہ اسے جواب دے سکتا ہوں۔ البرٹو ابھی بہت کمزور ہے اور اس کی کمزوری دور ہونے میں کم از کم ایک ہفتہ لگے گا۔ ابھی وہ زیادہ چل پھر بھی نہیں سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے امکا کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "اس وقت اسے آرام کرنے دو۔ میں کل صبح تمہارے جھونپڑے میں آؤں گا اور پھر اس سے ملاقات کروں گا۔"

دوسرے دن صبح جب میں امکا کے جھونپڑے میں پہنچا تو تینوں پہلے سے موجود تھے۔ امکا اور نارو آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور البرٹو گھاس پھوس کے بستر پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اندر آتا دیکھ کر نارو اور امکا خاموش ہو گئے۔ دونوں نے مجھے جھک کر تعظیم دی۔ میں نے مسکرا کر ان کی تعظیم قبول کی اور البرٹو کی جانب متوجہ ہو کر ہسپانوی زبان میں کہا۔ "صبح بخیر البرٹو۔"

"صبح بخیر شاہو۔" البرٹو نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے دیکھ کر جیسے اس کا خون خشک ہو گیا تھا اور وہ سخت وحشت زدہ نظر آرہا تھا۔ اب اس کا ذہن پورے طور پر کام کر رہا تھا اور سارے واقعات اسے اچھی طرح یاد تھے۔ اس کے لیے ایک اور اچنبھے کی بات یہ تھی کہ میری

Optimized by www.ImageOptimizer.net

شکل و صورت تو وہ تھی، لیکن میرے بدلے کا رنگ تبدیل ہو چکا تھا۔ اب میں ایک سیاہ فام ہوشی کے بجائے عجیب و غریب سنہری رنگت والا ایک مرد تھا۔ وہ اپنی پھٹی آنکھوں سے میری بدلی ہوئی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" میں نے نرم اور دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

"میری طبیعت اب پہلے کے مقابلے میں بہت حد تک ٹھیک ہے۔" البرٹو نے جواب دیا۔

"چلو یہ بات سن کر خوشی ہوئی۔" میں نے کہا۔

"ٹیابو ....." البرٹو نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں صرف ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ خدارا میرے دماغ کو پھٹنے سے بچا لو۔ میرا سوال یہ ہے کہ آپ ایک بار مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے ہو گئے اور تم ہسپانوی زبان کس طرح بولنے لگے ہو؟"

"تمہارے سوال کے پہلے حصے کا جواب یہ ہے کہ میں مرا نہیں تھا میں نے جان بوجھ کر تم لوگوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ میں مر چکا ہوں، لیکن درحقیقت مجھے خراش تک نہیں آئی تھی۔ اور نہ ہی کمزوری لگی۔ تمہارے سوال کے دوسرے حصے کا جواب یہ ہے کہ میں ہسپانوی زبان اچانک نہیں بولنے لگا، مجھے یہ زبان پہلے سے آتی ہے۔ اور تمہارے دونوں سوالوں کے جواب میں میں ایک بات اور بتا دوں، تم ہسپانیہ سے آئے ہو، مشتاب خیالے اور یہاں سیاہ فام مشتاب حملہ آوروں کی سرزمین پر سونا تلاش کر رہے ہو تمہیں سونے کے علاوہ کسی اور شے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے دوست، افسوس اس بات کی ہے۔ یہاں تمہیں قدم قدم پر برہنہ لاش نظر آئیں گے اور تم بھوکے رہ جاؤ گے۔ میری خیر خواہی تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا، لیکن میرے مشورے پر عمل کرو گے تو تمہارا فائدہ ہی ہوگا۔"

"وہ کون ہے؟" البرٹو نے ہراساں ہوئی آواز میں پوچھا۔

"وہ دیوتاؤں میں سب سے بڑا، ہر جگہ طاقت ور اور ہر شے پر قادر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور جس انسان کو شکان دیوتا کا قرب حاصل ہو جائے، وہ انسان ناقابلِ تسخیر بن جاتا ہے۔ کوئی بھی دوسرا انسان اسے اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ شکان دیوتا خود ایسا نہ چاہے۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کا علم شکان دیوتا کو پسند ہو اور انسان کو نہ دے سکے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو شکان دیوتا کا منظورِ نظر انسان انجام نہ دے سکے۔ تم لوگ، کہ جو محض جنگلی وحشی، ناشائستہ اور ناتراشیدہ سمجھا، لیکن تم پر نہ جانے کیسے تم ہمارے لیے کیسے لوگ ثابت ہوئے ہیں۔ جس دن سے تم لوگوں نے اس جزیرے پر قدم رکھا ہے، اس دن سے تمہارے سامنے متعدد بے، تمہاری ساری سرگرمیاں میری نظروں میں رہیں۔ کیونکہ میں تم لوگوں کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ کو سمجھ رہا تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ میں نے اس بات کا کسی موقع پر نہیں کیا، اور وہ یہ تھی کہ میں اپنی فطرت سلطانہ زبان میں تبدیلی کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔"

البرٹو نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا سارا جسم ہو جاتی تھی؟ کیا تمہیں یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ تم نہیں جانتے تھے اور وہ مجھ سے کیا اور کیا تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ہم تم لوگوں کی عورتوں کو اغوا کر کے والے ہیں؟ کیا تمہیں عذاب آور مشتراب کے بارے میں بھی معلوم تھا؟" نارو اور امکا نے سوالیہ نظروں سے میری نے کانپتے ہوئے سر ہلا دیا۔

میں نے البرٹو کے رونے کی وجہ بتائی تو نارو کہنے لگی۔ "اسے اپنے "ہمیں سب کچھ معلوم تھا البرٹو۔ کہ تم مجھے سب کچھ معلوم تھا اور میں اپنے قبیلے والوں کو جتنا مناسب سمجھتا تھا، اتنا بتا رہتا تھا۔ میں نے اپنے قبیلے کی ان عورتوں کے بارے میں اس انداز سے کبھی نہیں سوچا تھا۔ میں یہ اغوا کر کے ان کے ساتھیوں اور ان کے وطن سے انہیں ہمیشہ کے لئے دور کرنے کے لئے جارہا تھا۔ کس قدر خود غرض انسان ہے یہ۔"

"حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین۔" البرٹو نے کہا۔ "میں ایک ایسے ملک کا رہنے والا ہوں، لیکن میں نے اپنی زندگی میں تم جیسا خالص خیر الخلق انسان نہیں دیکھا۔ تم اتنی پابندی سے گرنے کے باوجود نہ صرف زندہ رہے، تم ہسپانوی زبان ہماری طرح بولتے ہو۔ مشعلوں نے تمہارا روپ دیکھا تھا اور مجھے انسانی کمزوریوں کا بخوبی علم تھا۔ میں نے البرٹو کو جلانے سے انکار کر دیا، جب میں نے تمہیں آخری بار دیکھا تھا تو معاف کر دیا تھا اور اب میرے دل میں اس کے خلاف کوئی انتقامی جذبہ موجود نہیں تھا۔

"سنو البرٹو۔" میں نے شفقت سے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا۔ تمہارے ساتھی تم لوگوں سے اپنے جسم کی رنگت ہی بدلی گئی ہے، تم مشرب سے نظر آرہے ہو۔ نہ جانے اس میں کیا راز ہے۔ کیا یہی تمہارے دیوتا کا شکر ہے؟"

"میرے جسم کی اصل رنگت یہی ہے جو تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ جس وقت تم لوگ جاگ کھڑے ہوئے تھے جب میں نے تمہارے چہرے میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم لوگوں سے اپنے جسم کی رنگت چھپانے کی کوشش کرو۔ ان چاروں کے جہاز پر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد جہاز یہاں اپنے آپ کو سیاہ رنگ میں رنگوا لیا تھا۔ لیکن اب میں اس کی مزید ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"اچھا دوست۔" البرٹو نے آہستہ سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم لوگوں نے میری جان بچانے کی کوشش کی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ موجود ہو، شکر کرو کہ تم زندہ سلامت ہو۔ اس شخص امکا کا شکریہ ادا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیا۔ اب تمہیں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اسی ساحلی خطے میں گزارنے ہوں گے۔ اگر تمہاری قسمت سے کوئی اور جہاز اس طرف آنکلا ہے۔ وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، اب مجھے یہاں سے جانے کی کوئی صورت نہیں، ممکن ہے کہ اس جزیرے پر ہی میری موت واقع ہو جائے۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"کوئی کسی کا انتظار نہیں کر رہا ہے اور کوئی کسی کے لیے نہیں ٹھہرے گا البرٹو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارا جہاز پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔"

"کیا کہا؟" البرٹو ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پہلے سے پھیلی ہوئی دہشت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اس کی پیشانی کی پھیلی رگیں ابھر آئیں۔ اس کا جسم ایک دم کپکپانے لگا۔ "تم نے جہاز جانے کا کہا؟ وہ لوگ مجھے ساتھ لیے بغیر یہاں سے چلے گئے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے البرٹو۔ ایسا ہو چکا ہے۔ وہ لوگ ہیں اور آج ان کی روانگی کو بھی کئی دن ہو گئے ہیں۔ اسی علاقے میں گزارنا ہیں تو مجھے لیا تھا کہ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے؟"

علاج میرے وطن پہنچانے کا بندوبست کر دو۔"

"میرے لیے یہ ناممکن ہے۔" میں نے متانت سے جواب دیا۔ "میرے قبیلے کے لوگ درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے ان سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں تو بنا لیتے ہیں جنہیں دو ماہی گیری کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن وہ مشتاق جہازوں نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کے پاس جہاز موجود ہیں۔ ان کی دنیا بہت محدود ہے۔ وہ جہاز بنانا اور اسے چلانا نہیں جانتے۔ لہٰذا اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

میری بات سن کر البرٹو ایک بار پھر رونے لگا۔ اس نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگا۔ میں اور امکا اور نارو خاموش رہے۔ اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے تھے؟

میں نے امکا کو حکم دیا کہ وہ البرٹو کے کھانے پینے کا اور دیگر ضروریات کا خیال رکھے، اور خود نارو کے ساتھ امکا کے جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔

"نارو۔" میں نے کہا۔ "اب جبکہ البرٹو کو ہمارے قبیلے میں ہی رہنا ہے تو ہمیں کئی باتیں سوچنی پڑیں گی۔"

"رہنا تو اسے اب اسی قبیلے کے ساتھ ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "کیونکہ اس کے پاس اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ باہر کی دنیا کا کوئی جہاز ادھر نہیں آنے والا جو اسے لے جائے۔ اور جہاز کے بغیر وہ یہاں سے جا نہیں سکتا۔ تو اب کون سا اہم مسئلہ پیدا ہو گیا ہے؟"

"مسئلہ یہ ہے نارو کہ تم نے اپنے قبیلے کی عورتوں پر یہ پابندی لگا دی تھی کہ وہ کسی اجنبی کے قریب نہیں جائیں گی۔ کیونکہ اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ دوریاں پیدا ہو گی اور تمہارے قبیلے کا خون گندا ہو جائے گا۔ لیکن اب غلطی ہو گئی ہے۔ اب تمہارے قبیلے کا خون گندا ہو چکا ہے۔ اور اس غلطی پر تمہیں سزا ملنی چاہیے۔" نارو نے مجھ سے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "لیکن اب اس تنہا شخص کے بارے میں تمہیں کچھ سوچنا پڑے گا۔ ہمیں ایک طویل عرصے تک، شاید ہمیشہ ہی یہاں رہنا پڑے۔ اس صورت میں کیا یہ علم نہ ہو گا کہ جو اس شخص کو کسی بھی صورت کے قریب نہ پھٹکنے دیں؟"

میری بات سن کر نارو سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے مسئلہ ہی ایسا پیش کر دیا تھا۔

"تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے ٹیابو؟" اس نے کچھ سوال کیا۔

"میری رائے کو چھوڑو ....." میں نے کہا۔ "قبیلے کی سردار تم ہو اور اس مسئلے کا حل تمہیں دریافت کرنا ہے۔ اس طرح کا کام بھی ہو جائے اور قبیلے کے خون میں کوئی آمیزش بھی شامل نہ ہونے پائے۔"

کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ نارو کے چہرے پر فکر و تفکر کی گہری لکیریں ابھر رہی تھیں۔ بالآخر اس نے یہ خاموشی توڑی۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"میری سمجھ میں تو ایک ہی راستہ آتا ہے جس سے البرٹو کو بھی آزادی حاصل ہو گی اور ہمارے قبیلے کا نقصان بھی کم سے کم ہو گا۔"

"وہ کیا؟" میں نے دل چسپی سے پوچھا۔

عورت کے بطن سے البرٹو کا سفید فام بچہ ہمارے لیے تو اس بچے کو اسی وقت ہلاک کر دیا جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس میں معصوم انسانی جان کا زیاں ہو گا، لیکن اس کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت بھی موجود نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

تو اس طرح پروفیسر، البرٹو ہمارے قبیلے کا ایک رکن بن گیا۔ شروع شروع میں وہ سخت وحشت زدہ تھا۔ ہر روز غلوں کے نقاب کے وقت وہ جا کر ساحل پر بیٹھ جاتا اور اپنی خالی خالی آنکھوں سے سمندر کو تکتا رہتا۔ اس امید میں کہ شاید کوئی جہاز اس طرف آ جائے۔ وہ غروب آفتاب کے وقت تک وہیں اسی طرح بیٹھا رہتا۔ میں نے اسکا کو اس کی "میز بانی" پر مامور کر رکھا تھا۔ چنانچہ اسکا اس کی دیکھ بھال کرتا۔ دوپہر کو وہ ساحل پر ہی کھانا پہنچا دیتی جسے وہ بیدلی کے ساتھ کھا لیتا کئی ماہ تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس عرصے کے دوران اس نے خود سے کسی گفتگو کی ترغیب تحریک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے تو اس ایک جہاز کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ وہ یہ کہ کوئی جہاز اس طرف آ جائے اور وہ اس میں بیٹھ کر یہاں سے چلا جائے۔

لیکن کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی کوئی جہاز ادھر نہیں آیا تو البرٹو مایوس ہونے لگا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اب وہ اسی جگہ کو اپنا وطن سمجھ لے۔ قبیلے کے لوگوں کو اپنا ہم وطن سمجھے۔ رفتہ رفتہ البرٹو کی مایوسی دور ہونے لگی ہوئی تو ایک سال کی مدت گزرتے گزرتے وہ اس قبیلے کا ایک باقاعدہ فرد بن گیا۔ اس نے قبیلے کی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ وہ سیر و تفریح اور شکار وغیرہ میں بھی حصہ لینے لگا تھا۔ اس نے قبیلے کے مخصوص رقص اور گیت بھی سیکھ لیے تھے۔ اسے عورتوں کی خاصت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

مجھے اپنے کاموں میں البرٹو سے بہت مدد ملی۔ میں نے اور البرٹو نے مل کر اپنی جھونپڑی میں بڑے بڑے قطعات اراضی صاف کروائے تھے۔ وہاں تک پانی پہنچانے کا بندوبست کیا اور جنگل سے دھنوک کی کاشت کی اور ترکاریوں کے پودے اور بیج تیار کیے۔ وہ لوگوں کو باغبانی کی بھی تربیت دینے لگا تھا۔ البرٹو بڑی خوشی خوشی ان کاموں میں میرا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اب قبیلے کے لوگوں نے باغبانی کا شغل بھی شروع کر دیا تھا۔ سب سے پہلے پھلوں اور ترکاریوں کے باغات لگائے گئے۔ وہ پھر آہستہ آہستہ اناج کے کھیت بھی لگنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے پروفیسر دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ ان دس برسوں کے دوران دیسیوں موافق رہے تھے جب مجھے اپنی قریبی سمندر کا وہ حصہ جہاں سے جہاز گزرتے تھے، بہت اچھی طرح یاد تھا۔ ایک بار بھی ان قبیلوں کا ایک پرانا رکن کہیں سے گم ہو گیا تھا۔ میں نے البرٹو کی نظروں کے سامنے ہی وہ انگلیوں کو ہلاک کر دیا۔ باقی وحشی جاگ گئے۔ اسی طرح ایک بار جنگلی سوروں کے ایک جتھے

نے آبادی پر حملہ کر دیا۔ میں نے کئی کنعان کا مقابلہ کرتے ہوئے سوروں کو ہلاک کر دیا۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں واقعات نے البرٹو کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ شکاری دنیا، جس کا نظریوں، واقعی کوئی زبردست طاقت والا دیوتا ہے جس نے صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ خود بھی اپنا اصل مذہب ترک کر دیوتا کے پجاریوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ وہ میرا دست و بازو معتقد ہو گیا۔ ان دس برسوں کے دوران البرٹو نے ایک بار بھی کے اس حصے کی طرف جانے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا جہاں وہ ذخائر بکھرے پڑے تھے۔ وہ سونے کو جیسے بالکل ہی بھول

دس سال کی مدت کے دوران قبیلے میں بڑی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ بہت سے لوگ، جن میں خود نا وہی شامل بوڑھے ہو چکے تھے۔ نا وہ کے بیٹے بیٹیوں کی تعداد دوسو تک

بات کسی حد تک طے ہو گئی کہ نا وہ کے بعد اس کا سب سے بڑا قبیلے کا سردار بنے گا۔ پالیش کی عمر اس وقت کوئی پچیس برس ہو گی اور قبیلے کے تمام لوگوں کی طرح وہ بھی میرا بے حد احترام کرتا تھا۔

البرٹو بھی بوڑھا ہو رہا تھا۔ اس نے اس جنگلی سماج میں اپنی زندگی کے دس بیش قیمت سال گزار دیے تھے، لیکن کبھی کبھی اگر اپنے وطن کو یاد کر کے رنجیدہ ہو جاتا اور گھنٹوں اپنے خیالوں میں کیا کرتا تھا۔ اسے آج تک اس بات کا افسوس تھا کہ اس کے اغوا کا منصوبہ کیوں بنایا۔ اگر وہ یہ منصوبہ نہ بناتا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے وطن کی سرزمین پر بیٹھا ہوا عیش کر رہا ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ اب اس کا یہ سوچنا بیکار تھا۔

قبیلے کے وہ لوگ، جو کبھی میری آنکھوں کے سامنے اب بوڑھے ہو چلے تھے۔ بوڑھے مر چکے تھے اور بچے جوان چہروں کے چہرے پر وقت نے گہری تبدیلیوں کے نشان دیے تھے، لیکن ایک بات میں تھا کہ دیسے کا دیسا ہی تھا۔ البرٹو سب لوگ اس بات پر تعجب کرتے کہ مجھ پر گزشتہ دس سال کیوں نہیں ہو رہا، لیکن میرے پاس ان کو مطمئن کرنے کے جواب موجود تھا۔ اور وہ یہ کہ یہ شکاری دنیا کی "مہ لوگ میرے اس جواب سے مطمئن ہو جاتے۔

اور پھر پروفیسر، جیسے تاریخ نے ایک بار پھر دیا، وہ گرمیوں کی ایک چمکیلی صبح تھی۔ میں، البرٹو اور ساحل پر کھڑے ہوئے تھے۔ اب ہم لوگوں نے شروع کر دی تھیں جن میں بیٹھ کر لوگ مچھلی پکڑنے جاتے تھے۔ مچھلیاں بکثرت تھیں اور ان سے اپنی آبادی نہال ہی تھی۔ پالیش بھی میں اور البرٹو اس کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اچانک

کہ ہاتھ اوہ، میں اپنی سوچوں میں گم
جواب میں کہا "ہاں البرٹو تم ٹھیک کہتے
مدت ہوتی ہے اور اس عرصے میں انسان کی نظر کو
بڑی دور۔ اس تجربہ طیلہ سید ہو جاتی ہیں اب تم اپنے ہی
لو۔ آج سے دس سال پہلے تمہارے نزدیک سونے کے ایک ٹکڑے
کی قیمت کتنی زیادہ تھی۔ اسی سونے کے پیچھے میں تمہارے اپنے ساتھیوں
کے ہمراہ اتنی دور دراز کا سفر کیا۔ اس قدر صعوبتیں جھیلیں۔ لیکن
گزشتہ دس سالوں سے تمہاری نظروں کے سامنے سونوں بلکہ سونے
کے ڈھیر پڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی طرف تم نے نظر اٹھا کر بھی نہیں
دیکھتے ہو۔"

"ہاں۔" البرٹو نے جیسے کسی خواب سے چونکتے ہوئے کہا "سونا
ہاں سونا، بیشک، میں سونے کا دیوانہ تھا۔ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ سونے
کے بغیر انسانی زندگی زیادہ محفوظ و مامون ہے۔ ارے ہاں ٹیابو، کہیں یہ
لوگ بھی سونے کی تلاش میں ادھر نہ آ رہے ہوں۔ ورنہ اس طرف آ گزشتہ
دس سالوں کے عرصے میں کسی بھی جہاز نے رخ نہیں کیا؟"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ممکن ہے تمہارے سابقہ
ساتھیوں میں سے کوئی اس جہاز میں سوار ہو اور اس مہم کی سربراہی کر
رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے سابقہ ساتھیوں میں سے کسی کی اولاد
اس مہم میں شامل ہو اور اسے اپنے باپ سے اس علاقے کے بارے
میں معلومات حاصل ہوئی ہوں، اور وہ سونے کے لالچ میں ایک جہاز
لے کر ادھر چل پڑا ہو۔"

"اگر وہ سونے کی تلاش میں نہیں آ رہے ہیں اور انھیں اس
بات کا کوئی علم نہیں کہ اس علاقے میں سونا موجود ہے تو ہم انھیں سونے
کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔" البرٹو نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ
راستہ بھول کر ادھر آ رہے ہوں، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا کوئی خاص
مقصد ہو۔ بہرحال اگر وہ سونے کی تلاش میں آ رہے ہیں تو تم انھیں صرف
ایک شرط پر "عطیۂ ابت سونا لے جانے دینا۔"

"وہ کیا شرط ہو گی؟" میں نے البرٹو سے پوچھا۔

"وہ یہ کہ وہ مجھے حفاظت کے ساتھ اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیں۔" البرٹو نے کہا۔ "اور اگر تم یہاں سے کہیں اور جانا چاہو تو تمہیں بھی تمہاری منزل پر پہنچا دیں۔"

"میری منزل کی فکر مت کرو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے تو خود بھی نہیں معلوم کہ میری منزل کون سی ہے اور کہاں ہے۔ تم صرف اپنی بات کرو۔ اگر تمہاری یہی شرط ہے تو یقین کرو کہ اس شرط کی تکمیل کے بغیر وہ لوگ یہاں سے سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہیں لے جا سکیں گے۔ لیکن تم نے شرط عاید کرتے وقت اس بات پر غور نہیں کیا کہ اس شرط کی تکمیل سے پہلے ہی ان لوگوں کا کام ہو جائے گا۔ وہ لوگ سونا حاصل کر چکیں گے اور پھر اس کے بعد ان کی مرضی ہو گی کہ

پر ایک جہاز کا ہیولہ نظر آیا۔ میری اور البرٹو کی نظر بیک وقت جہاز پڑی اور البرٹو کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "ٹیابو! دیکھو وہ کوئی جہاز ہے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور شاید اسی طرف آ رہا ہے۔"

میرا دل اس دُور سے آتے ہوئے جہاز کو دیکھ کر زور سے دھڑکنے لگا۔ اچانک گزرے ہوئے زمانے کی پرچھائیاں فلم کے مناظر کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگیں۔ دس سال پہلے بھی اسی طرح ایک جہاز آیا تھا اور اس میں سوار لوگوں میں سے ایک شخص البرٹو ابھی تک یہاں اس علاقے میں موجود تھا۔ اس روز کا منظر نے البرٹو کے چہرے کے نقوش بدل دیے تھے۔ اس کے سر کے بھورے بال سرخ و سفید تھی جب وہ یہاں آیا تھا۔ اب افریقہ کے سورج کے سبب سانولی ہو گئی تھی۔ لیکن اب بھی اس کا رنگ دوسرے باشندوں سے بالکل مختلف تھا۔ میں اور البرٹو صرف دو ہی افراد تھے جن پر ایسے تھے جن کے جسم کی رنگت باقی زیادہ فاصلوں کے سبب ماند نہیں پڑی تھی۔ البرٹو کے رنگ پر تو موسم اور آب و ہوا کے کچھ اثرات ظاہر ہوئے تھے، لیکن میری رنگت تو اب بھی بالکل ویسی ہی تھی جیسی اس قبیلے میں پہلے دن تھی۔

البرٹو، جو اس وقت میرے ساتھ تھا، جہاز کو دیکھتے ہی بُری طرح چیخنے لگا۔ وہ بچوں کی طرح چیخ کر اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگا۔

"وہ ٹیابو، یہ جہاز ہے، ہمارے ملک کا جہاز۔ اور یہ ہماری طرف آ رہا ہے۔" وہ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ "ٹیابو، کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟"

"نہیں میرے دوست، میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہو۔ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، وہ ایک حقیقت ہے۔"

"اے میرے خدا!" البرٹو نے کہا۔ "دس سال کی طویل مدت گزرنے کے دوران میں نے باہر کی دنیا کے کسی آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ سب کچھ کتنا عجیب سا لگ رہا ہے۔ اب میں باہر کی دنیا کے لوگوں کو دیکھوں گا۔ شاید میں اپنے وطن بھی واپس جا سکوں۔ لیکن اب میرے وہ تمام دوست جو آج سے دس سال پہلے میرے ساتھ شریک تھے مجھے کب کا مردہ سمجھ کر میری یاد بھلا چکے ہوں گے۔ اور معلوم نہیں ان میں سے کتنے ملک عدم کا سفر اختیار کر چکے ہوں گے۔ دس سال کی مدت ایک بڑی لمبی مدت ہوتی ہے۔ کیوں ٹیابو، ہوتی ہے کہ نہیں؟"

البرٹو کے جذبات سے البرٹو کی آواز کپکپا رہی تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا

تمہیں ساتھ لے جائیں یا نہ لے جائیں۔ وہ تمہارے بغیر بھی یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔ کیا چیز انہیں بھاگ نکلنے سے روک سکے گی؟ علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ راستے میں تمہیں ہلاک کر دیں یا کسی ویران ساحل پر تمہیں اتار پھینکیں۔ اس صورت میں تم ان کا کیا بگاڑ لو گے یا کیا تم تنہا ان سب سے لڑ سکو گے؟"

"ظاہر ہے کہ نہیں۔" البرٹو نے مایوسی سے جواب دیا۔ "لیکن تمہارے پاس اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ میں نے تو اس بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ لیکن جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل موجود نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ان پر شرط عاید کرنے کے بجائے ان کے ساتھ دوستانہ اور انعام و تعمیر کا رویہ اختیار کریں تو شاید ہمارے لیے یہ بہتر ہو۔ اس صورت میں تمہاری جان کو خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ٹیابو۔" البرٹو نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ تمہارے ذہن میں اتنی سوجھ بوجھ کہاں سے آگئی؟ تمہاری باتیں تو اتنی معقولانہ اور دانشمندانہ ہوتی ہیں کہ اگر میں اپنے وطن واپس جا کر وہاں لوگوں کو یہ بتاؤں کہ دور دراز سیاہ افریقہ کے ایک چھوٹے سے بے نام ساحلی مقام پر ایک ایسا شخص موجود ہے جس کے ذہن پر یہ صلاحیتیں موجود ہیں تو لوگ شاید مجھے پاگل سمجھیں گے۔ کوئی بھی میری بات کا یقین نہیں کرے گا۔"

میں نے البرٹو کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دراصل میں اس وقت اپنے خیالوں میں زیادہ گم تھا اور محض نکلا البرٹو سے مخاطب گفتگو تھا۔ اس آتے ہوئے جہاز کو دیکھ کر میں یہ سوچ رہا تھا کہ وسیع و عریض براعظم افریقہ کے اس حصے سے ساحل مقدم پر میں نے جنگلی اور غیر وحشی قبائل کے درمیان خاصی لمبی مدت گزار دی ہے۔ اس عرصے میں میں نے ان وحشیوں کو زندگی کی بہت سی نعمتوں سے روشناس کرا کے ان کے شب و روز کو زیادہ آسان اور سہل بنا دیا تھا۔ میں نے ان کو مویشی پالنا سکھا دیا تھا۔ اب قبیلے کی بستی میں جگہ جگہ گایوں، گھوڑوں، بھیڑوں اور بکریوں وغیرہ کے باڑے موجود تھے۔ میں نے انہیں اناج اور ترکاریاں اگانا سکھا دیا تھا اور اب ان کی غذا روز بروز محض گوشت اور جنگلی پھلوں پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ ان کے اپنے اگائے ہوئے اناج اور سبزیاں وغیرہ بھی ان کی غذا میں شامل ہو چکی تھیں۔ ان لوگوں نے کچا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور وہ گوشت کو بھوننا اور پکانا سیکھ گئے تھے۔ فرشتہ کن کی زندگیوں میں ایک غیر معمولی برپا ہو چکا تھا اور اب میں محسوس کرتا تھا کہ ان لوگوں کو میری ضرورت نہیں رہی ہے۔ میں خود بھی اب یہاں رہتے رہتے شب و روز کی یکسانیت سے اکتا گیا تھا اور کسی نئے جہاں کی طرف، کسی نئی دنیا کی تلاش میں اب میں اور نکل جانا چاہتا تھا۔ جہاز کو اپنے علاقے کی طرف آتا دیکھ کر میں نے یہی سوچا کہ جہاز والوں سے رابطہ قائم کر کے البرٹو کو ان کے حوالے کر دوں گا کہ وہ اسے اس کے وطن پہنچا دیں یا مہذب دنیا کے کسی ایسے شہر میں پہنچا دیں جہاں سے وہ اپنے وطن واپس جا سکے۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ البرٹو اپنے وطن سے دور رہ کر کتنا دل گرفتہ اور غمزدہ ہے۔ میں اس کی دل سے مدد کرنا چاہتا تھا۔

"سنو البرٹو۔" میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس جہاز کے ہمارے ساحل تک پہنچنے میں میرے اندازے کے مطابق کئی گھنٹے لگیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لوگ کس ارادے سے ہماری طرف آ رہے ہو سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمارا کوئی معاملہ بن جائے اور یہ تمہیں ہمارے ساتھ دیکھ کر ہمارے پر راضی ہو جائیں۔ ممکن ہے یہ لوگ تمہیں تمہارے کے بدلے مہذب دنیا کے کسی اور شہر میں پہنچا دیں جہاں سے بعد میں اپنے وطن جا سکو۔ لیکن اس کے لیے تمہیں رقم کی ضرورت ہوگی جو اس وقت تمہارے پاس بالکل موجود نہیں ہے۔ اس لیے تم ابھی سے کوشش کرو کہ فوراً آنسو والے علاقے کی طرف نکل جاؤ۔ اور وہاں سے سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے کسی اور قبیلے والوں نے تیار کی تھیں اور جنہیں چپوؤں کے ذریعہ کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اکٹھا کر لو۔ تاکہ آئندہ زندگی میں وقت بھی یہ کشتی کام آ سکیں۔"

"میرے پاس کافی سونا پہلے ہی سے موجود ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "آج سے کئی سال پہلے، میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ہونے ملاقاتے میں جا کر سونے کے کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اکٹھا کر لیے جن کو وزن کئی سیر ہے۔ یہ سونا میری بقیہ زندگی کے لیے ضرورت بہت زیادہ ہے اور میری جھونپڑی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے مزید درکار نہیں ہے۔"

"اوہ۔ تم تو میری توقع سے زیادہ چالاک نکلے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس میں چالاکی کی کوئی بات نہیں ہے ٹیابو۔" البرٹو نے بھی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ کب مجھے سے نکلنے کا اچانک موقع مل جائے گا۔ کب کوئی جہاز یا غیبی امداد حاصل ہو جائے اور میں وہاں سے نکل سکوں۔ اس وقت نہ جانے میرے پاس اتنی مہلت ہوگی یا نہ ہوگی کہ میں اپنی گزر اوقات کے لیے کچھ سونا جمع کر سکوں۔ اس لیے میں نے پہلے ہی یہ کام کر لیا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "آؤ اب اونچی چٹان پر جا کر کھڑے ہو جائیں اور وہاں سے اس جہاز کی رفتار کا نظارہ کریں۔"

"یہ تجویز اچھی ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "اس طرح قریب آتے لوگ بھی ہمیں دیکھ سکیں گے۔"

میں اور البرٹو ایک اونچی سی چٹان پر جا کر کھڑے ہو دور سے اپنی طرف آتے ہوئے جہاز کو دیکھنے لگے۔ یہاں پر پروفیسر کو دس سال کی اس مدت میں جو میں نے البرٹو کے ساتھ خطہ ارض پر گزاری تھی، میں نے یہاں کے لوگوں کو جہاں اور بہت سی سکھائی تھیں، وہیں ان کو تن ڈھانپنا بھی سکھا دیا تھا۔ چنانچہ قبیلے کا کوئی فرد بالکل ننگا نہیں رہتا تھا بلکہ جانوروں کی کھالوں اور درخت کے بڑے پتوں کے ذریعہ ستر پوشی کی جاتی تھی۔ میں نے جس وقت پہلے پہل ان کو ستر پوشی کی خاطر لباس پہنایا تھا، تو بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کمر کے گرد کھالیں لپیٹ رکھی تھیں۔

جہاز بڑی سست روی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا لیکن اتنی دور سے بھی یہ بات صاف طور پر محسوس کی جا سکتی تھی کہ وہ یہ کہ جہاز ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔

"ٹیابو۔" البرٹو نے کہا۔ "نہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جہاز ہمارا پتا لگا کر کسی اور طرف کو نکل جائے اور ہم اس امید میں ہی بیٹھے رہیں کہ یہ ہماری طرف آ رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہماری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی۔"

"وہ سامنے دیکھ رہے ہو۔" میں نے ایک سمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جو کشتیوں میں سے ایک تگی جو میری اور البرٹو کو فوراً آنسو والے علاقے کی طرف نکل جاؤ۔ اور وہاں سے سمندر کے کنارے کنارے چلتے ہوئے کسی اور قبیلے والوں نے تیار کی تھیں اور جنہیں چپوؤں کے ذریعہ کچھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اکٹھا کر لو۔ تاکہ آئندہ زندگی میں وقت بھی یہ کشتی کام آ سکیں۔"

"ہاں دیکھ رہا ہوں۔" البرٹو نے جواب دیا۔ "یہ کشتی ہے، لیکن کیا یہ ہمیں دور تک لے جا سکے گی؟"

"ضرور جا سکے گی۔" میں نے طمینان سے جواب دیا۔ "بشرطیکہ میں سے کسی کو ساتھ لے جانا چاہو۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ اگر ہم جہاز نے اپنا رخ تبدیل کر کے کشتی میں بیٹھ کر جہاز کے قریب جانے کی کوشش کریں تو تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟" البرٹو نے پوچھا۔

"قطعاً۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا قطعاً بھی ارادہ نہیں ہے۔ اور میں تمہارے خاطر ایسا ہی کروں گا۔"

"لیکن کسی تیز موج کی پیٹ میں آ کر کشتی الٹ بھی سکتی ہے۔ اس میں بادبان نہیں ہے۔ تو پھر ہم لوگ کیا کریں گے؟"

"تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سمندر میرا دوست ہے اور وہ مجھے خاک نہیں ہونے دے گا۔"

واقعی ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز انسان ہو البرٹو نے دل میں سوچا۔ گزشتہ دس سال سے تمہارے ساتھ رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہاری اصل طاقتوں کو اب بھی پورے طور پر نہیں جان سکا ہوں۔ نہ جانے تمہارے اندر قوتوں کے کون کون سے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ ہر بار تمہاری کسی نئی خصوصیت کا انکشاف ہوتا ہے تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جب میں تم سے بڑا ہو جاؤں گا، اس وقت تک تمہاری ساری خصوصیات مجھ پر منکشف نہیں ہوں گی۔"

میں نے البرٹو کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور میں جواب دیتا بھی کیا؟ میں بھلا اسے اپنے بارے میں کیا بتا سکتا تھا؟

ہم دونوں خاموشی سے جہاز کو دیکھتے رہے جو اب واضح طور پر اپنا رخ تبدیل کر کے ہماری ہی طرف آ رہا تھا۔ اس کے مستول اور اس کے عرشے پر کھڑے ہوئے لوگ ہمیں واضح طور پر نظر آنے لگے تھے۔ یہ ایک اچھا خاصا بڑا سا جہاز لگ رہا تھا۔ اور اس کا رخ سیدھا ہمارے ساحل کی طرف تھا۔

"ہمارے اپنا رخ تبدیل نہیں کیا ہے۔" وہ ہماری سمت میں ہی پیشقدمی کر رہا ہے۔" کوئی دیر کے بعد البرٹو نے کہا۔ اس کے لہجے میں گہری طمانیت پائی جاتی تھی۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا سیدھا اس طرف آئے گا۔ میرے خیال میں اب اسے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں ہمارے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

"معلوم نہیں کون لوگ ہیں۔ ان کا تعلق کس ملک سے ہے اور یہ یہاں کس ارادے سے آ رہے ہیں۔" البرٹو نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب اس سلسلے میں زیادہ سوچ بچار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" میں نے کہا۔ "جو کچھ ہوگا سامنے آ جائے گا۔"

ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ میں اور البرٹو اپنے اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جہاز آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس وقت ساحل پر سوائے میں اور البرٹو کے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہیں تھا۔ جہاز دور طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ اور اس سناٹے میں سمندری موجوں کے ساحل سے سر ٹکرانے کی آواز میں سنائی دے رہی تھیں۔ ہم دونوں کی نظریں سامنے آنے والے جہاز پر گڑی ہوئی تھیں۔ جہاز اب اتنا قریب آ چکا تھا کہ ہم اس کے عرشے پر کھڑے ہوئے انسانوں کی شکلیں دیکھ سکتے تھے۔ بہت سے لوگ عرشے پر کھڑے نظر آ رہے تھے۔ لیکن ان کی شکلیں اور ان کے لباس ابھی تک واضح طور پر نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

میں اور البرٹو دونوں اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور دور سے ہاتھ ہلا ہلا کر جہاز والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے لوگوں نے شاید ہم کو دیکھ لیا تھا۔ کیونکہ اب جہاز کا رخ سیدھا ہماری جانب تھا۔ اس کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی اور وہ ہم سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم سے کچھ فاصلے پر آ کر وہ بالکل رک گیا۔

اور اس کے ساتھ ہی میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیا۔ یقیناً البرٹو نے بھی انہیں دیکھ لیا ہوگا لیکن البرٹو نے انہیں پہچانا نہیں اور یا پھر وہ فرط جذبات سے اتنا زیادہ مغلوب ہو گیا تھا کہ اس نے انہیں پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔ تاہم میں انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔ اب میں ایک آنے والے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ تاروسخ اور وقت نے مجھے ایک بار پھر آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

یہ جہاز جو اب ساحل سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہو رہا تھا، بہت بڑا جہاز تھا۔ لیکن اس کے ساتھ جو ہلکا پھلکا اور چھوٹا سا جہاز رکتا رہا تھا میں اس جہاز کی ساخت کو اوزاروں میں تو پہچان چکا تھا۔ وہ لوگ بحری قزاق تھے اور وہ جہاز بھی قزاقوں کا جہاز تھا۔

البرٹو نے بے چینی کے عالم میں چٹان سے نیچے اتر کر پانی میں سے گزر کر جہاز تک پہنچنے کی کوشش کی تاکہ ان لوگوں سے جہاز جلدی لے اور یہ معلوم کرے کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کا تعلق کس ملک سے ہے، وہ کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن میں نے سختی کے ساتھ اس کا بازو پکڑ کر اسے روک دیا۔ وہ حیران ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔

"اس طرح حیران ہو کر مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے عزیز من" میں نے آہستہ سے البرٹو سے کہا۔ "کیا تم پہچان سکتے ہو کہ یہ کس ملک کا جہاز ہے اور یہ لوگ کون ہیں؟"

"ان سے ملے بغیر بھلا میں یہ کس طرح جان سکتا ہوں؟" البرٹو نے مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو سنو!" میں نے کہا۔ "یہ لوگ بحری قزاق ہیں۔ ان کے جہاز کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ بحری قزاقی کے علاوہ غلاموں کی تجارت بھی کرتے ہیں اور مختلف ملکوں سے لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا کے یہ اور انھیں فروخت کر دیتے ہیں۔"

"وہ؟" البرٹو کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا۔ اس کا سارا جوش و جذبہ فوراً ہی رخصت ہو گیا اور وہ سخت خوفزدہ نظر آنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے میاں تو ہمیں فوراً بستی کی طرف بھاگ نکلنا چاہیے تاکہ وہاں پہنچ کر ہم لوگوں کو جگا سکیں کہ ہمارے اوپر کیا بلا نازل ہونے والی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہی ہم ان لوگوں کو لڑائی کے لیے تیار بھی کر سکیں۔ بہتری تو اسی میں ہے کہ یہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں، اس سے پہلے یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ہم پھنسے ہوئے چھوٹے راستے سے نکل سکیں گے جس کا فی الحال ہر ہے کہ ان لوگوں کو علم نہیں ہے۔ آؤ جلدی کرو۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی۔

"ٹھیرو البرٹو!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہماری بستی کے لوگ ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہمشہ کے زمانے کا انسان اس انسان سے کہیں جیت سکتا جو لوہے کے ہتھیار بنانا اور ان کو استعمال کرنا جانتا ہو۔ اگر میں بستی کے آدمیوں کو ان قزاقوں سے بھڑوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ان سارے کے سارے معصوم اور بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتر جانے دوں۔ نہیں البرٹو، ہمیں انھیں یہیں پر روکنا ہوگا۔ ہم انھیں بستی میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

"لیکن کیا یہ ہے ہو سکتا ہے؟" البرٹو نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے میاں۔ یہاں پر ہم صرف دو ہیں اور وہ بھی مکمل طور پر غیر مسلح۔ جب کہ ان کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ ہوگی اور ان کی بات ہے کہ وہ سب کے سب مسلح ہوں گے۔ اپنی طاقت پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنا اور جلدی سے یہاں سے بھاگ نکلنے کی تدبیر نہ دیکھنا وہ لوگ ایک کشتی کو جہاز سے نیچے اتار رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا ہے اور شاید اپنے کچھ لوگ ہمارے پاس یہ بات پتہ کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ بھاگ چلو، میاں بھاگ چلو۔ اگر تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ بحری قزاق ہیں تو ان سے کسی بھلائی کی توقع مت رکھو۔"

"مجھے ان سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ان کے کچھ لوگ اگر ہمارے پاس گفت و شنید کے لیے آ رہے ہیں تو زیادہ سے زیادہ کہ ہم اس سے ہیں ان کے عزائم کا کچھ اندازہ تو ہو جائے گا۔ چند لوگ کشتی میں بیٹھ کر آ رہے ہیں تو تمھیں گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم واقعی بہت زیادہ پریشانی محسوس کر رہے ہو تو میری طرف سے اجازت ہے، تم فوراً بستی کی طرف جا سکتے ہو اور بالکل اطمینان رکھنا کہ میں ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے تنہا کافی ہوں۔"

"کمال کرتے ہو میاں!" البرٹو نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ مجھے اتنا گرا ہوا اور نیچ اور بزدل انسان سمجھتے ہو کہ تمھیں اس حالت میں تنہا چھوڑ کر میں اپنی جان بچانے کی غرض سے بستی کی طرف بھاگ جاؤں گا؟ یہ نہیں میاں ہرگز نہیں۔ اگر بحری قزاقوں کے ہاتھوں مرنا ہی قسمت میں ہے تو پھر دونوں ایک ساتھ مریں گے۔ میں بھلا تم کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟"

"اچھا تو پھر میری بات غور سے سنو!" میں نے البرٹو سے کہا۔ "تمھیں ہر حالت میں میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا اور جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا تعلق کس ملک سے ہے اور یہ کون سی زبان بولتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شاید ان میں سے کوئی بھی ہمارے قبیلے کی زبان جاننے والا نہیں ہوگا۔ اس لیے ہر صورتِ حال میں ہمیں ہسپانوی زبان کے بجائے اپنے قبیلے کی زبان میں ہدایات دینا ہوں گی۔ اس لیے تم پوری قدرت رکھتے ہو اور تم پر چون و چرا میری ہدایات پر عمل کرنا اور ان سے سرِ مو انحراف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ سمجھ گئے؟"

"ٹھیک ہے میاں!" البرٹو نے کہا۔ "میں تمھاری ہدایات پر ہر طرح عمل کروں گا۔"

ہم دونوں کی نظروں کے سامنے ہی ان میں سے لوگ تیزی کے ساتھ کشتی میں بیٹھنے لگے۔ میں نے انھیں گنا۔ وہ دس افراد تھے۔ وہ سب کے سب لمبے تڑنگے اور تندرست انسان تھے اور ان کے کمر سے اوپر کے جسم سرخی مائل لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ وہ زرہ بکتر کے علاوہ اپنے سروں پر خود بھی پہنے ہوئے تھے۔ ان کی کمروں سے تلواریں، خنجر اور ڈھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ شانوں پر کمانیں اور ترکش تھے۔ غرضیکہ وہ لوگ دور کے مروجہ تمام ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھے۔ وہ سب کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی آگے روانہ ہو گئی۔ وہ جہاز سے نکلی تھی۔ میں نے ایک نظر جہاز پر ڈالی۔

کشتی تیزی سے ہم لوگوں کی طرف آ رہی تھی۔ ہم دونوں چٹان سے نیچے اتر کر پتھریلے ساحل پر کھڑے ہو گئے اور آنے والے ناخواندہ مہمانوں کا انتظار کرنے لگے۔ کشتی کی پتواریں چلانے والے بڑے مضبوط اور جفاکار لوگ معلوم ہوتے تھے۔

"اگر ان میں سے کوئی ہسپانوی زبان جانتا ہوا اور اس زبان میں کلام کا آغاز کرے تو تم مت بولنا۔" میں نے البرٹو سے کہا۔ "میں خود ہی اس سے مناسب سوال و جواب کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" البرٹو نے کہا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔ اس لیے تمھیں اس بات کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ میں کوئی اتنا احمق نہیں ہوں کہ حالت کی نزاکت کو نہ سمجھ سکوں۔"

اس اثنا میں کشتی ساحل پر آ کر رک گئی تھی اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک ایک کر کے خشکی پر اترنا شروع ہو گئے تھے۔ انھوں نے ساحے لوگوں کے اتر آنے کا انتظار کیا اور اس کے بعد وہ لوگ گروپ کی شکل میں ہماری طرف بڑھے۔ سب سے آگے ایک شخص تھا جو گویا اس گروپ کی قیادت کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے چلنے سے ان کے جسم پر سجے ہوئے لوہے کے ہتھیاروں کی زرہ بکتروں سے ٹکرا کر عجیب دلخوب آواز پیدا کر رہے تھے۔ وہ لوگ خاصی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور بار بار چوکنا ہو کر اپنے چاروں طرف نظریں دوڑاتے جاتے تھے۔

میں اور البرٹو بالکل ساکت و صامت بے حس و حرکت کھڑے ان کو دیکھ رہے تھے۔ میرے اور البرٹو کے جسم پر کمر کے گرد ایک ایک مختصر سی کھال کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

وہ سب لوگ ہمارے بالکل قریب آ کر رک گئے۔

جو شخص سب سے آگے تھا اور جو گویا اس گروپ کی قیادت کر رہا تھا اس نے مجھے اور البرٹو کو باری باری لالچی تیز نظروں سے گھورا۔ اس کے چہرے سے گہری سختی اور کرختگی کے آثار نمایاں تھے اس کی آنکھوں سے شقاوت اور سفاکی جھلک رہی تھی۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس شخص نے ہسپانوی زبان میں ہم سے سوال کیا۔ میں نے اس کی بات پورے طور پر سن اور سمجھ لی۔ لیکن دانستہ طور پر خاموش رہا۔ البرٹو تو ویسے بھی ہسپانوی زبان سے واقف نہ تھا اس لیے وہ بھی خاموش رہا۔ ہم دونوں کو خاموش دیکھ کر اس شخص نے اپنا سوال دہرایا۔ جیسے وہ اس کی زبان سے ہسپانوی کے الفاظ ادا ہوتے البرٹو کی آنکھوں میں جیسے زندگی کی چمک آ گئی۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ ان لوگوں میں کم از کم ایک شخص ایسا ضرور موجود ہے جس کے ساتھ وہ اپنی زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" انٹونیو نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں گھماتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر ہسپانوی زبان میں سوال کیا۔ البرٹو نے میری طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"یہی سوال میں تم لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے ہسپانوی زبان میں جواب دیا۔ "تم لوگ کون ہو اور یہاں کس مقصد کے لیے آئے ہو؟"

انٹونیو اور اس کے تمام ساتھی حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

یقیناً ایک وحشی کو افریقہ کی سرزمین پر ہسپانوی زبان بولتے دیکھ کر ان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انٹونیو نے میری بات پرتگیزی زبان میں ترجمہ کر کے اسے اپنے ساتھیوں تک پہنچایا۔ ریڈ رنے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر پرتگیزی زبان میں انٹونیو سے کہا۔ "ہمیں فی الحال مناسب رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے اس پاس کہیں ان جنگلیوں کے ساتھی چھپے ہوئے ہوں اور اچانک ہم پر حملہ کر دیں۔ ویسے بھی ان میں سے ایک تو بوڑھا ہے اور ہمارے مقصد کے لیے بیکار ہے۔ لیکن یہ دوسرا جس کے جسم کی رنگت عجیب و غریب ہے، جوان اور مضبوط ہے۔ مجھے سیدھے کہ اس عوض ہمیں اچھے خاصے پیسے مل جائیں گے۔ بہرحال فی الحال ہمیں ان کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گفتگو کر کے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس علاقے میں اگر کوئی بستی ہے تو اس میں کتنے لوگ آباد ہیں اور وہ کیا کرتے ہیں۔ ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی ہم آگے کی جانب کوئی قدم بڑھا سکیں گے۔ تم اس شخص کو یہ بتاؤ کہ ہمارا جہاز راستہ بھٹک کر اس طرف آ گیا ہے اور ہم لوگ چند روز کے لیے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کو راضی کرو کہ یہ ہمیں چند روز یہاں ٹھیرنے کی اجازت دے دیں۔ اس کے بعد موقع ملتے ہی ہم اپنا کام دکھا دیں گے۔ اور یہاں ان لوگوں کو میرے بارے میں بتاؤ کہ میں اس جہاز کا کپتان اور جہاز میں موجود سارے لوگوں کا سردار ہوں اور میرا نام ٹراگو ہے۔"

انٹونیو خاموشی سے ٹراگو کی باتیں سنتا رہا اور جب ٹراگو بول چکا تو اس نے بڑی نرم اور ملائم آواز میں ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم لوگ بحری مسافر ہیں اور جہاز دراصل اپنے راستے سے بھٹک کر ادھر آ گیا ہے۔ اپنی منزل کی صحیح سمت کا تعین کرنے میں ہمیں چند روز کا عرصہ لگے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تب تک کے لیے ہمیں یہاں قیام اور آرام کرنے کی اجازت دی جائے۔ تم لوگ یقین کرو کہ ہمارا رویہ دوستانہ ہے۔ ہم تم لوگوں کے دشمن نہیں ہیں۔ اگر تم لوگ ہمیں چند روز کے لیے یہاں رہنے کی اجازت دو گے تو ہم نہ صرف تمہارے شکر گزار ہوں گے بلکہ تمہیں تحفے میں ایسی بہت سی چیزیں بھی دیں گے جو تم نے اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوں گی۔ صرف چند روز کی بات ہے اس کے بعد ہم لوگ اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ اس کا نام انٹونیو ہے اور سردار کا نام ٹراگو ہے۔ اس نے ہم لوگوں سے بھی ہمارے نام دریافت کیے اور یہ بھی پوچھا کہ ہماری بستی یہاں سے کتنی دور ہے۔

"میرا نام ٹیابو ہے۔" میں نے کہا۔ "اور میرے ساتھ یہ میرا دوست البرٹو ہے۔ ہماری بستی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں اپنے ساتھیوں اور میرا حکم پورے قبیلے کے لیے ایک مشترکہ فیصلے کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن اس معاملے میں مجھے اپنے قبیلے کے لوگوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔ ہم لوگ اجنبیوں سے دوستی کرنے میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں اور جب تک پورے قبیلے کی رائے شامل نہ ہو اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔ تم لوگوں کو اپنی درخواست کے جواب کا انتظار کرنا ہوگا۔ میں اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس جاؤں گا اور ان کی رائے معلوم کروں گا۔ ویسے مجھے پوری امید ہے کہ وہ لوگ تمہیں یہاں ٹھیرنے کی اجازت دے دیں گے۔ لیکن پھر بھی میں ان سے مشورہ کیے بغیر تم لوگوں کو کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ اپنے قبیلے میں واپس جا رہا ہوں۔ تم لوگ ہمیں یہیں ٹھیرو اور میری واپسی کا انتظار کرو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد واپس آؤں گا اور تمہیں اپنے قبیلے کے فیصلے سے آگاہ کروں گا۔ میرے پیچھے آنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

اتنا کہہ کر میں نے البرٹو کا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں بستی کی جانب روانہ ہو گئے۔ میں نے ان لوگوں کے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا۔ انٹونیو میری باتوں کا پرتگیزی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا اور ٹراگو اپنی تیز نظروں سے ہم دونوں کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

ہم دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے اور ان میں سے کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان سب لوگوں نے ٹراگو کی طرف دیکھا لیکن ٹراگو نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انھیں پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموش کھڑے رہے۔

ان سب لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر میں اور البرٹو تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"اب تمہارا کیا منصوبہ ہے؟" البرٹو نے مجھ سے دریافت کیا۔

"یہ لوگ بڑے مکار ہیں۔ ورن کے عزائم نہایت خطرناک ہیں۔" میں نے البرٹو سے کہا۔ "دراصل ان لوگوں کا منصوبہ یہ ہے کہ یہاں پر وہ زنگ قیام کرنے کے بعد حالات کا اچھی طرح جائزہ لے لیں اور پھر عمل جنگ کر لیں۔ اس کے بعد جو بھی ان کا پروگرام ہوا اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے بستی کے کچھ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیں اور پھر ان میں سے جتنے لوگ سمجھ میں آئیں، انھیں یہاں سے لے جائیں۔ بعد میں انھیں کہیں اچھے داموں فروخت کر دیں گے۔"

"کیا انھوں نے آپس میں اپنی زبان میں یہی بات کی ہے؟" البرٹو نے پوچھا۔

میں نے البرٹو کو تفصیل کے ساتھ بتا دیا کہ ٹراگو نے انٹونیو سے کیا بات کی ہے۔

"تم نے ان کا مطلب ٹھیک سمجھا ہے ٹیابو۔" البرٹو نے کہا۔

"واقعی بڑے خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں اور ان کا اس بستی میں آنا ایک بری خبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مجھے ان کے جہاز کو دیکھ کر پہلے جتنی خوشی ہوئی تھی اب ان لوگوں کو دیکھ کر اتنا ہی افسوس ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بڑا خوف بھی محسوس ہو رہا ہے کہ نہ جانے یہ لوگ ہماری بستی کے ان بیدھے سادے لوگوں کے ساتھ کیا مکر و فریب کریں اور انھیں کس طرح اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنائیں۔"

"اس بارے میں پریشان فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے البرٹو کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ بستی والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر انھوں نے ایسی کوئی حرکت کی تو اس کی انھیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"میں کافی حد تک تمہاری مخفی صلاحیتوں سے واقف ہوں۔" البرٹو نے کہا۔ "لیکن ایک بات تو بتاؤ۔ اگر ان لوگوں نے مل کر بستی پر حملہ کر دیا تو بستی کے لوگ جو صرف پتھر اور لکڑی کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں، ان لوگوں کا کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔ بستی والوں کی شکست یقینی ہے۔ تو ان کو اس شکست سے کس طرح بچاؤ گے؟"

میں البرٹو کے اس سوال کے جواب میں مسکرا دیا اور میں نے کہا۔ "تمہارے اس سوال کا عملی جواب تو تمہیں اس وقت ملے گا جب ان لوگوں کی طرف سے حملے کی کوشش کی جائے۔ فی الحال صبر کرو اور دیکھتے جاؤ کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔"

اس اثنا میں ہم لوگ بستی کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ بستی میں پہلے تو میں نے نارو کے بیٹے پائیش کو حکم جاری کیا اور اس سے کہا کہ وہ جا کر قبیلے کی دو ٹکڑیاں بستی کے سارے لوگوں کو میدان میں اکٹھا کر لے۔ مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔ پائیش میرا حکم پاتے ہی ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔

نارو اگرچہ اب بھی قبیلے کی سردار تھی، لیکن اب وہ کافی بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھی۔ اس کا سب سے بڑا بیٹا پائیش ایک خوبرو اور صحت مند نوجوان تھا اور سارے قبیلے میں اسے بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ سب کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ بعد جب نارو کام کاج کے بالکل قابل نہیں رہے گی تو اس کی جگہ پائیش کو ہی قبیلے کا سردار بنا دیا جائے گا اور میری حیثیت پیشوا کی حیثیت اپنی جگہ برقرار رہے گی۔

میں اور البرٹو بستی کے وسط میں واقع میدان میں جا کر بیٹھ گئے۔ جلد ہی نارو بھی ہمارے پاس آ گئی۔ اسے اس کے بیٹے نے اطلاع دی تھی کہ میں نے ساری بستی کے لوگوں کو طلب کیا ہے۔ نارو کے استفسار پر میں نے اسے بتایا کہ بستی کو ایک بار پھر اجنبیوں سے خطرہ درپیش ہے اور اس خطرے کے تدارک کی تدبیر کرنے کے لیے میں نے سارے لوگوں کو یہاں بلانے کی ہدایت دی ہے۔ میں نے نارو سے درخواست کی کہ وہ قبیلے کی سردار ہونے کی حیثیت سے میرے ساتھ پورا پورا تعاون کرے اور قبیلے کے لوگوں کو یہ ہدایت دے کہ وہ اس معاملے میں بلا چون و چرا میرے احکامات کی پابندی کریں۔ اور وہ خود بھی میرے احکامات کی پابندی کرے۔ نارو کو اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا، وہ تو مجھے اپنا اور اپنے قبیلے والوں کا نجات دہندہ سمجھتی تھی، کیونکہ میں نے ہی اسے بتایا تھا کہ نارو کو وہ وقت بھی اچھی طرح یاد تھا جب اس قبیلے پر چوروں کی صورت میں بدروحوں نے حملہ کر دیا تھا اور میرے حکم کے مطابق سارے قبیلے کے لوگوں نے وہاں سے ہجرت کی تھی۔ پھر نارو کو وہ وقت بھی یاد تھا جب چٹان گرنے سے ندی کا دہانہ بند ہو گیا تھا اور قبیلے والوں کے لیے پانی کا سنگین مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت میں ہی تھا جس نے تین تندرست چٹانوں کو اس کی جگہ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ آج سے دس سال پہلے سونے کی تلاش میں آنے والے اجنبیوں کے ساتھ میں نے جو کچھ کیا تھا، وہ بھی نارو کو یاد تھا۔ چنانچہ اسے اس سرکردہ یقین تھا کہ میں جو کچھ بھی کروں گا اس میں قبیلے والوں کے لیے بھلائی اور صرف بھلائی کا پہلو موجود ہو گا۔ چنانچہ اس نے کہا۔ "ٹیابو تو ہم سب کے محسن اور دوست ہو۔ بھلا تمہارا حکم ماننے سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

میں نے نارو کا شکریہ ادا کیا۔ اس اثنا میں لوگ اپنا اپنا کام چھوڑ کر تیزی سے میدان کی طرف آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان لوگوں سے بھر گیا۔ ان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان سبھی شامل تھے۔ وہ سب کے سب بڑے غضب ناک نظر آ رہے تھے۔ ایک طویل عرصے سے ان کی زندگی ایک ہی ڈھنگ پر چل رہی تھی اور گزشتہ دس سال کے دوران کوئی بھی نیا نکتہ دیکھنے والا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ اب ایک طویل مدت کے بعد کوئی ایسی بات درپیش آئی تھی کہ میں نے ان سب کو طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے سارے کام کاج چھوڑ کر تیزی سے میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ ان سب کے چہرے تفکر سے بوجھل ہو رہے تھے۔

جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ بستی کے نظر آنے سارے ہی لوگ میدان میں جمع ہو گئے ہیں تو میں نے نارو سے کہا کہ پہلے وہ ان سے خطاب کرے۔ نارو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے گزشتہ قبیلے والوں سے مدت اتنا کہا کہ قبیلے کو ایک بڑی خوشخبری دینا ہے جس کے بارے میں تفصیلات ٹیابو بتائے گا اور یہ کہ اس معاملے میں سارے لوگ ٹیابو کے احکامات کی بے چون و چرا پابندی کریں۔

نارو کے بیٹھ جانے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بستی والوں کو ایک اجنبی جہاز کی آمد اور اجنبیوں کے خطرناک عزائم کے بارے میں بتلایا۔ مجھے بستی والوں کو یہ سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی کہ یہ لوگ بستی کے لیے کتنے بڑے خطرے کا باعث ہو سکتے ہیں اور ان کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انھیں یہ بھی سمجھانا بڑا دشوار ثابت ہوا کہ غلام کیا ہوتا ہے اور غلاموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور کسی انسان کو غلام کس طرح بنایا جاتا ہے۔ میں نے انھیں اچھی طرح سمجھایا کہ اس کام کرنے والے اجنبی بڑے خطرناک لوگ ہیں اور ان کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو سکے، ہمیں ٹکراؤ سے گریز کرنا چاہیے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نہیں ہیں اور یہ صرف انسانوں کو پکڑنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ میں نے ان کو یہ بھی بتادیا کہ یہ اجنبی چند روز کے لیے قیام کرنا چاہتے ہیں اور ہم انھیں اس کی اجازت دے دیں گے۔ وہاں کی مہمان نوازی بھی کریں گے انھیں کھانا اور خوراک وغیرہ فراہم کریں گے۔ لیکن ظالموں کے خلاف کسی کارروائی کا نہ کریں گے تو پھر ہمارا جواب کیا شروع ہوگا اور بستی کے ایک ایک فرد کے لیے لازم ہوگا کہ وہ میری ہدایات پر پوری طرح عمل کرے۔ اگر کوئی بھی شخص میرے حکم سے سرتابی کرے گا تو اس کا نتیجہ نہ صرف اس کے حق میں بلکہ بستی کے تمام لوگوں کے حق میں بہت خراب ثابت ہوگا۔

بستی والوں نے یک زبان اس بات کا عہد کیا کہ وہ سب کے سب میرے گفتے کے مطابق عمل کریں گے اور یہ کہ وہ میرے حکم سے سرتابی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس کے بعد میں اور "ہیرو" وہاں سے دوبارہ ساحل کی طرف روانہ ہوگئے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم ان لوگوں کو بستی کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے رہے ہو؟" ہیرو نے راستے میں مجھ سے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "اگر اس معاملے پر میں انھیں بستی میں داخل ہونے سے روکوں گا تو خاموشی سے وہ زبردستی بستی میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور اس طرح اچانک ایک ایسی جنگ چھڑ جائے گی جس کے لیے بستی کے معصوم اور سیدھے سادے لوگ ابھی پوری طرح تیار بھی نہیں ہیں۔ میری حکمت عملی یہ ہوئی کہ ان لوگوں کو بستی کے اندر داخل ہونے دیا جائے اور ان کی حرکت و سکنات پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس دوران میں بستی کے تمام لوگوں کو یہ ہدایت کردوں گا کہ ہر شخص ہر وقت مسلح رہے اور اپنی حفاظت کی طرف سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہو۔ میں خود ہر وقت چوکنا رہوں گا اور صورت حال پر کڑی نظر رکھوں گا۔ جیسے ہی ان لوگوں کی طرف سے کوئی مخالفانہ قدم اٹھایا جائے گا ویسے ہی میں سب سے پہلے ان کے سردار کی گردن توڑوں گا۔ ٹرگو کی ساری بہادری اور بدمعاشی میرے سامنے دھری رہ جائے گی۔"

ہم دونوں اسی طرح باتیں کرتے ہوئے واپس ساحل پر آگئے جہاں ٹرگو، انٹونیو اور ان کے دوسرے ساتھی بڑی بے چینی کے ساتھ ہم لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دور سے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ لوگ فوراً ہماری طرف متوجہ ہوگئے۔ لیکن انھیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ ہم لوگ پہلے کی طرح نہتے تھے اور اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آئے تھے۔ نیز یہ کہ ہم دونوں تنہا ہی واپس آرہے تھے اور ہمارے ساتھ کوئی اور لوگ نہیں تھے۔

"میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے اس معاملے پر بات کی ہے۔" میں نے انٹونیو سے مخاطب ہوکر ہسپانوی زبان میں کہا۔ "اور میرے قبیلے کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر بیرونی دنیا سے آنے والے اجنبی نیک ارادے کے ساتھ یہاں چند روز کے لیے قیام کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن اگر اجنبیوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کرنے کی یا ہمیں نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کی تو اس کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا اور اس صورت میں اجنبیوں کا ایک بھی آدمی اس خطے سے زندہ واپس نہیں جاسکے گا۔ میرے قبیلے کے لوگ اس بات کی ضمانت چاہتے ہیں کہ اجنبی ایسا نہیں کریں گے۔"

انٹونیو نے میری باتوں کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا اور میری بات سن لینے کے بعد جب انٹونیو نے اپنی بات ختم کرلی تو ٹرگو نے ساتھ ہی ہسپانوی زبان میں انٹونیو سے کہا۔ "یہ وحشی کافی چالاک اور ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اتنے سیدھے اور احمق نہیں ہیں جتنا کہ ہم نے پہلی نظر میں سمجھا تھا۔ تم ان سے یہ پوچھو کہ یہ ہم سے کس قسم کی ضمانت چاہتے ہیں؟"

انٹونیو نے ٹرگو کے سوال کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا۔ میں نے جواب میں سنایا۔

"تم لوگ جس دن کو بھی ساتھ ہوا جہاز چھوڑ کر بستی کے اندر تمھیں اس بات کی قسم کھانا پڑے گی کہ تم ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے ہو۔" میں نے انٹونیو سے کہا جس نے میری بات کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کردیا۔

"ٹرگو کے بجائے یہ ایک بہادر عورت ہوتی۔" یہ تو بہت بعد میں پتا چلا کہ میں نے انٹونیو سے کہا۔ "اگر یہ لوگ محض اتنی سی بات سے مطمئن ہوجاتے ہیں تو ان کو مطمئن کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ہم کسی بھی اجنبی کو دیوتا کی قسم کھانے پر مجبور کردیں گے۔ اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔ تم ان لوگوں کو یہ بتادو کہ ہمیں ان کی یہ شرط منظور ہے۔"

انٹونیو نے ہمیں ہسپانوی زبان میں بتایا کہ ٹرگو کو ہماری شرط منظور ہے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہسپانوی زبان میں کہا۔ "اب تم لوگ ہمارے ساتھ بستی میں داخل ہوسکتے ہو۔ لیکن بستی میں داخل ہونے کے بعد جو سب سے پہلا کام کرنا ہوگا وہ یہ ہوگا کہ تمھیں اپنے دیوتا کی قسم کھانی پڑے گی۔"

انٹونیو کی زبان سے میری بات کا پرتگیزی زبان میں ترجمہ سن کر ٹرگو نے انٹونیو سے کہا۔ "ان لوگوں سے کہہ دو کہ ہمارے جہاز میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جہاز ہی میں رہنا پسند کریں گے اور باہر نہیں جائیں گے۔ ان کے لیے خوراک ہمارے ہی ہم جہاز بھائی ہوں گی۔ البتہ باقی لوگ بستی میں چلیں گے۔"

انٹونیو نے ٹرگو کی بات کا ترجمہ کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں نے اس کی بات سن اور سمجھ چکا تھا اور اب اسے سنانے کی شبہ نہیں رہا تھا کہ بحری قزاقوں کے اس جہاز میں غلاموں کی اچھی خاصی

تعداد موجود ہے جو سب کے سب پابہ زنجیر ہیں اور جنھیں اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں اور یہ کہ یہی غلام جہاز کے چپو چلانے پر بھی مامور ہوں گے۔ لوگوں کو جہاز سے باہر نہیں آنے دیا جائے گا اور ان کے لیے کھانا وہیں فراہم کیا جائے گا جہاں وہ لوگ بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد ٹرگو نے انٹونیو کو چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ کشتی میں سوار کرکے جہاز پر بھیجا اور انھیں ہدایت دی کہ وہ باقی لوگوں کو ساحل پر لے آئیں۔ تھوڑی دیر بعد ساحل پر اسلحہ بند قزاقوں کا جو گروہ جہاز سے لے کر کمر تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے اور جن کی آنکھوں سے سفاکی جھلک رہی تھی، میں نے ان کے جہاز کی طرف نظر اٹھائی تو کشتی میں بھرے ہوئے چند لوگ کھڑے ہوئے نظر آئے۔ وہ بھی اپنے باقی ساتھیوں کی طرح پوری طرح مسلح تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی مشکل نہیں آئی کہ ان لوگوں کو غلاموں کی حفاظت اور نگرانی کے لیے جہاز میں چھوڑا گیا ہے۔

میری اور ہیرو کی رہنمائی میں بحری قزاقوں کا قافلہ بستی کی طرف روانہ ہوا۔ جنگلی درختوں کے علاقے سے نکل کر ہم لوگ کھلے ہوئے میدان میں آگئے جہاں تاحد نظر کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ٹرگو اور انٹونیو ہم لوگوں کے ساتھ تھے۔ کھیتوں پر نظر پڑتے ہی ٹرگو کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کھیتوں کے علاوہ جگہ جگہ مویشی بھی چرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ٹرگو کو یہ سب کچھ عجیب اور ناقابل یقین سا لگا اور اس نے ہسپانوی زبان میں مخاطب ہوکر کہا۔ "میرا تو یہ خیال تھا کہ یہ آدم خور وحشی انتہائی پسماندہ ہوں گے اور ان کی گزر اوقات جانوروں کے کچے گوشت پر ہوتی ہوگی۔ لیکن میری توقعات کے برعکس یہ لوگ تو کھیتی باڑی اور مویشی پالنی کو بھی جانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس علاقے سے پکڑے جانے والے غلاموں کی ہم زیادہ قیمت وصول کرسکیں گے کیونکہ انھیں وہ سارے کام آتے ہیں جو ان کے مالکان ان سے لینا چاہیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ٹرگو۔" انٹونیو نے جواب دیا۔ "ہمیں ان غلاموں کی وجہ سے خاصی رقم مل جائے گی۔ لیکن ابھی ہم یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ ان پر قابو پانے کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا۔ اگر یہ لوگ کھیتی باڑی اور مویشی پالنی جانتے ہیں تو ممکن ہے انھیں دھات کا استعمال بھی آتا ہو اور ان کے پاس لوہے کے بنے ہوئے ہتھیار موجود ہوں۔ اس صورت میں ہمیں ان کے ساتھ سخت معرکہ کرنا پڑے گا۔"

"اس بات کا علم تو ہمیں ان کی بستی میں داخل ہونے کے بعد ہی ہوسکے گا۔" ٹرگو نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اتنے تربیت یافتہ اور جنگجو نہیں ہیں جتنا کہ ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ ہتھیاروں کے استعمال سے واقف ہوں۔ یہ لوگ یقیناً آگ کے ہتھیار استعمال کرتے ہوں گے۔"

اسی گفتگو میں ہم لوگ بستی کے اندر داخل ہوگئے۔ بستی کے سارے لوگ بستی کے وسط میں میدان میں جمع تھے اور اجنبیوں کی آمد کا تماشا کر رہے تھے۔

میں اور ہیرو آگے آگے تھے اور ٹرگو اور انٹونیو اسلحہ بند جہازیوں کے ساتھ ہمارے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ہمارے پیچھے تقریباً سو سوا سو آدمیوں کا گروہ تھا جو سب کے سب مسلح تھے۔ بستی کے لوگوں پر نظر پڑتے ہی انٹونیو نے ٹرگو سے پرتگیزی زبان میں کہا۔ "ایک بات محسوس کررہے ہو تم یہ کہ ہمارے سامنے جو لوگ موجود ہیں ان میں سے زیادہ تر بہت اچھی صحت کے مالک ہیں اور خوب موٹے تازے ہیں۔ ویسے ان لوگوں میں جوانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سے بہت کم مسلح نظر آرہے ہیں۔ زیادہ تر لوگ نہتے ہیں۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں یقین ہے کہ ہم ان پر حملہ نہیں کریں گے۔ یہ ہمیں اپنا دوست سمجھ رہے ہیں۔" اس لیے یہ مسلح نہیں ہیں۔" ہیرو نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا خیال ہے؟" انٹونیو نے کہا۔ "ہم اپنا وقت کیوں ضائع کریں اور انتظار کی لمبی زحمت کیوں گوارا کریں، ابھی سے ہم اپنی کارروائی کا آغاز کیوں نہ کردیں، ان میں سے جتنے مرد اور عورتیں، جوان لڑکیاں اور نوعمر ہیں انھیں چھوڑ کر ہم باقی تمام لوگوں کو قتل کیے دیتے ہیں۔ اور زندہ رہ جانے والوں کو رسیوں سے باندھ کر اپنے ساتھ جہاز پر لے چلتے ہیں۔"

میں انٹونیو کی یہ بات سن کر پریشان ہوگیا۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ معاملات فوراً ہی دوسرا رخ اختیار کرلیں گے۔ اگر یہ لوگ اچانک بستی والوں پر ٹوٹ پڑیں تو واقعی بڑی سہولت ہوجائے گی۔ یہ تو ٹھیک ہے ہیرو نے کہا تھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی زندہ واپس نہیں جانے دیا جائے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرے اپنے قبیلے کے بہت سارے لوگ مارے جاتے۔ مجھے ان لوگوں کو مرنے سے بچانا تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی حکمت عملی تیار کرنا تھی، تاکہ اگر ٹرگو اور انٹونیو کی رائے سے اتفاق کرکے اپنے ہمسایوں کو حملے کا حکم دے دیں تو میں اس کا تدارک کرسکوں اور چند ہی لمحوں میں میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں اب صورت حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہوگیا تھا میں نے اپنے تئیں مستعد کرلیا اور اس طرح میرے اور ٹرگو کے درمیان فاصلہ کم ہوگیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو ٹرگو۔" انٹونیو کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت فضا اس لحاظ سے ہمارے لیے سازگار ہے کہ ان کے قبیلے کے سارے لوگ یہاں ایک ہی جگہ اکٹھے ہیں۔ ان میں سے اور ان کی اکثریت غیر مسلح ہے۔ اگر اس وقت ہم انھیں چاروں طرف سے گھیر کر ان پر ٹوٹ پڑیں تو یہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کرسکیں گے۔ لیکن کیا اس وقت ہمارے پاس کافی تعداد میں پستول موجود ہیں؟"

"میں نے پہلے ہی اس کا بندوبست کرلیا تھا۔" انٹونیو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندازہ تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ہمیں فوراً ہی اپنی کارروائی کا آغاز کرنا پڑے۔ اس لیے میں نے میگاس، والیوس اور لاسٹرا وغیرہ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ رسیاں اپنے ساتھ لے لیں۔ اس وقت ہمارے پاس اتنی رسیاں موجود تھیں کہ ہم ان سے ان سب لوگوں کے ہاتھ باندھ سکتے ہیں جنھیں ہیں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے جانا ہے۔"

"بھائی پھر ٹھیک ہے۔ کھدر دائی کا انتظام کر دینا چاہیے۔ جتنی جلدی ہم یہ کام انجام دے لیں، اتنا ہی اچھا ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی ژاگو نے پیچھے ہٹ کر اپنے ساتھ آنے والے مسلح لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ میدان کے دونوں موجود لوگوں کے گرد آہستہ آہستہ اس طرح گھیرا ڈالا جائے کہ وہ بیک وقت فوری طور پر محسوس نہ کر سکیں کہ انھیں دو سمتوں میں لیا جا رہا ہے۔ اور اس کے بعد جب وہ حکم دے تو تمام لوگ اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور فوراً ہو شیار ہو جائیں اور عمر رسیدہ لوگوں کو قتل عام شروع کر دیں لیکن نوعمروں، نوجوانوں اور جوانوں کو ہلاک نہیں کیا جائے، بلکہ انھیں زندہ گرفتار کر کے ان کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیے جائیں۔

ژاگو جب اپنے لوگوں کو پرتگیزی زبان میں یہ ہدایت دے رہا تھا، تو البرٹو الجھی الجھی نظروں سے کبھی پیچھے اور کبھی اسے دیکھ رہا تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ژاگو اپنے آدمیوں سے کیا کہہ رہا ہے۔ ان لوگوں کو کیا مقصد ہے۔ بالآخر البرٹو سے صبر نہ ہو سکا اور اس نے مجمع سے قبیلے کی زبان میں پوچھ ہی لیا کہ ژاگو اپنے آدمیوں کو کیا ہدایات دے رہا ہے۔

"یہ نہیں ہم لوگوں کی ہلاکت کا حکم دے رہا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ مجھ سے ایک غلطی ہو گئی البرٹو، میں یہی تھوڑی دیر پہلے جب پہلی آیا تھا تو مجھے چاہیے تھا کہ میں سارے لوگوں کو مسلح ہونے کا حکم دے دیتا۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا، اور اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اجنبی ہمارے لوگوں کو نہتا دیکھ کر ان پر فوری طور پر حملہ کر دینے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔"

"پھر تو البرٹو نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔ اب کیا ہو گا؟ تم انھیں کس طرح روکو گے؟"

"میں نے انھیں روکنے کا طریقہ سوچ لیا ہے۔ تم اطمینان رکھو۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے کسی آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

اس اثنا میں میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ژاگو اور انتونیو کے پیچھے آنے والے لوگوں کی رفتار سست پڑ گئی ہے اور وہ آہستہ آہستہ چاروں طرف پھیلتے جا رہے ہیں۔ لیکن ان کا انداز ایسا ہے کہ دیکھنے والا یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ وہ لوگ دانستہ ایسا کر رہے ہیں، بلکہ صرف یہی لگتا ہے کہ وہ لوگ اپنے آس پاس کے مناظر کے حسن اور دل کشی سے متاثر ہو کر ادھر اُدھر دیکھ رہے ہیں اور آہستہ آہستہ چاروں طرف بکھرتے جا رہے ہیں۔ قبیلے کے بیدھے سادے اور معصوم لوگوں کو ان کی اس چال کا اندازہ بھی نہیں ہوا اور وہ چاروں طرف سے مسلح اجنبیوں کے نرغے میں گھر گئے۔ میں نے اپنے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ ہر مسلح

شخص تلوار لیے ہوئے تھا۔ ان کے ہاتھوں کو پوری طرح مسلح اور چاق و چوبند قزاقوں نے ایک بہت بڑے دائرے کی شکل میں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ہیں ژاگو کے اشارہ کرتے ہی ہوئیں۔ انتونیو ژاگو کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور وہ دونوں مجھ سے محض قدم کے فاصلے پر تھے۔

اچانک ژاگو نے پرتگیزی زبان میں اپنے لوگوں کو حکم دیا، اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لو۔ تلوار اور ڈھال سنبھال کر تیار ہو جاؤ۔"

اس حکم کے ساتھ ہی سارے قزاقوں نے اچانک اپنی تلواریں سونت لیں۔ چاروں طرف ایک لمحے کے لیے بجلیاں سی کوند گئیں۔ یہ قبیلے کے لوگ منتظر تھے کہ اس اچانک تبدیلی پر سخت حیران ہو گئے اور گھبرا کر میری طرف دیکھنے لگے۔ تقریباً سارے لوگوں کی نظروں میں میرے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ غصے کے مارے میرا خون کھولنے لگا۔ میں البرٹو سے آہستہ سے کہا کہ وہ ہم لوگوں سے دُور چلا جائے۔ البرٹو نے میری ہدایت پر عمل کیا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بلند آواز میں اپنے قبیلے والوں سے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹ کر ژاگو کے دونوں شانوں سے پکڑ لیا۔ میں نے دانستہ اپنی گرفت ہلکی رکھی تھی، ورنہ میرے صرف ذرا سا جھٹکا دینے سے ہی اس کے شانوں کی ہڈیاں چٹخ کر ٹوٹ جاتیں اور وہ بے سدھ ہو کر گر جاتا۔

ژاگو، انتونیو اور ان کا کوئی بھی ساتھی میری جانب سے اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اپنے قبیلے کے بیشتر لوگوں کی طرح میں بھی نہتا تھا اور میرے ساتھ البرٹو بھی نہتا تھا۔ جبکہ ژاگو اور انتونیو دونوں کے ہاتھ میں تلواریں چمک رہی تھیں۔

میں ان لوگوں پر ابھی حیرت کے پہاڑ نہیں گرانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ میں صرف ہسپانوی زبان میں گفتگو کروں گا اور پرتگیزی زبان میں بولوں گا تاکہ ان لوگوں پر یہ راز منکشف نہ ہونے پائے کہ میں پرتگیزی زبان بھی بول سکتا ہوں۔ جو کچھ میں کرنا چاہ رہا تھا، ان لوگوں کو حواس باختہ کرنے کے لیے وہی بہت کافی ہے۔

ہاں تو پروفیسر، میں نے ژاگو کے دونوں شانوں سے پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلند آواز میں ہسپانوی زبان میں کہا۔ "تم نے میرے ساتھ دھوکہ بازی کی ہے۔ تمھارے آدمیوں نے اور خود تم نے بھی اپنی اپنی تلواریں سونت لی ہیں کہ تم ہم لوگوں کا قتل عام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے عزائم ایسے نہیں ہیں؟"

انتونیو نے جلدی سے بیچ کر میری بات کا پرتگیزی میں ترجمہ کر دیا۔ پھر چند لمحوں میں ہو گیا، اور انتونیو کی زبان سے یہ ترجمہ سن کر ژاگو نے نفرت بھری نظروں سے مجھے گھورا اور اپنے داہنے ہاتھ سے مجھ پر تلوار کا وار کرنا چاہا۔ میں نے چشم زدن میں اس کی تلوار والے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پھینک کر دور پھینک دیا جسے نوراً نادو کے بیٹے پائیش نے لپک کر اٹھا لیا۔

ژاگو کو غصے سے پاگل انتونیو میری طرف بڑھا، اس نے بھی ہاتھ سے اس کی تلوار بھی چھین لی اور دور فضا میں اچھال دی۔ انتونیو کی تلوار پر بھی فوراً ہی قبیلے کے ایک آدمی نے قبضہ کر لیا۔

"بہتر تو ہے مت بنو" انتونیو نے پرتگیزی زبان میں ہسپانوی زبان کہا۔ "ان سادے مغلیشوں کے درمیان تم ایک وہ واحد آدمی ہو جو میری بات سمجھ سکتے ہو۔ اس لیے میں تمھیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم نے ان لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنا ہے تو میں تمھیں ہلاک کر دوں گا۔ اپنے اس احمقانہ طرز عمل سے کہہ دو کہ اگر اس کے کسی آدمی نے میرے قبیلے کے کسی شخص کو اس بھی تکلیف پہنچائی تو میں اس ذلیل سردار کی گردن مروڑ دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی میں نے ژاگو کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ اپنی اس ذلت پر ژاگو تڑپنے لگا۔ وہ اپنے دونوں شانوں کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی بڑی طرح جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے میرے فولادی شکنجے سے وہ خود کو کس طرح آزاد کرا سکتا تھا۔ انتونیو نے جلدی سے میری باتوں کا ترجمہ کر کے اسے سنا دیا۔

"اس گیدڑ سے کہہ دو کہ اپنے تمام آدمیوں کو اپنی تلواریں واپس نیام میں رکھنے کا حکم دے، اور تم سب لوگ ساحل کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔" میں نے انتونیو سے کہا۔ انتونیو نے جلدی جلدی میری بات کا ترجمہ کر دیا۔

"بلوم اور فلپ کو آواز دے کر بلاؤ۔" ژاگو نے میری گرفت میں بری طرح مچلتے ہوئے انتونیو سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں دونوں پہلوانوں سے کہو کہ وہ یہاں آ جائیں اور ہر اپنی اپنی تلوار سے اس موذی کو ختم کر دیں۔ اس کی ہلاکت بہت ضروری ہے۔"

ژاگو کی ہدایت پر انتونیو نے آواز دے کر بلوم اور فلپ کو بلایا۔ دونوں پہلوان جب سن کر دوڑتے ہوئے آئے۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ قبیلے اور طاقتور جسموں کے مالک تھے۔ ان کے چہروں سے خشونت اور آنکھوں سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔ دونوں کے ہاتھ میں بلند اور جسم نہایت زہریلے تھے۔

"اس شخص کو ہلاک کر دو۔ سردار کا یہی حکم ہے۔" انتونیو نے ان دونوں کو پرتگیزی زبان میں کہا۔

"مسے نورا ہلاک کر دو بہادر جوانو۔" میری گرفت میں محصور ژاگو نے چیخ کر کہا۔

دونوں نوجوان بجلی کی سی تیزی سے میری جانب لپکے۔ اس اثنا میں قبیلے کے کئی لوگ اچانک تیزی سے میری طرف بڑھے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔ لیکن مجھے خطرے میں دیکھ کر وہ نتائج کی پروا کیے بغیر مجھے بچانے کے لیے دوڑ پڑے تھے۔

میں نے چیخ کر انھیں رک جانے کا حکم دیا۔ اور یہ کہا کہ میرے قریب آنے کی کوشش نہ کریں۔ اور جب تک میں یہ نہ کہوں کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔

میرے قبیلے کے لوگ تیزی کی طرف بلک سے تھے میرا حکم پاتے ہی اچانک رک گئے۔ اس اثنا میں بلوم اور فلپ کی تلواریں بجلی کی طرح چمکیں اور میں نے بھی بجلی کی طرح سے ایک ہاتھ سے ژاگو کو سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے بیک وقت ان دونوں کی تلواریں لپک کر اپنے دائیں کی طرف اچھال دیں قبیلے کے دو نوجوانوں نے لپک کر تلواریں اٹھا لیں۔ اس طرح قبیلے کے چار آدمیوں کے پاس تلواریں آ گئیں۔ اس کے ساتھ میں نے ایک ہاتھ بلوم کے منہ پر اور پھر دوسرا ہاتھ فلپ کے منہ پر مارا۔ وہ دونوں جیسے نشے میں ڈوبتے ہوئے گرنے اور جا کر گرے ان کی پشتیاں باہر تانگی تھیں اور ہر جھٹکے کے ساتھ وہ مزید منکسر ہوتے گئے۔

اُنھوں نے اپنے بدمعاشوں کا حشر دیکھ جا ذلیل اور غدار ژاگو نے میں نے دھاڑتے ہوئے ہسپانوی زبان میں کہا۔ "یاد رکھو تمھاری زندگی صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ میرے قبیلے کے کسی شخص پر آنچ نہیں آتی۔ ادھر میرے قبیلے کے کسی شخص پر آنچ آئی اور اُدھر تمھاری زندگی کا چراغ گل ہوا۔"

انتونیو نے جو اس غیر متوقع صورت حال سے سخت سراسیمہ نظر آ رہا تھا، جلدی جلدی میری باتوں کا پرتگیزی میں ترجمہ کر دیا۔ ژاگو غور طلب ان عجیب و غریب حالات سے بڑا پریشان ہو رہا تھا۔ اس کے دو نہایت بہادر نوجوان، جو اس کے لشکر کا سرمایۂ افتخار تھے میرے ہاتھوں چند سیکنڈ میں مارے جا چکے تھے۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ ان کو ہلاک کر دینے کے باوجود ژاگو پر میری گرفت کمزور نہیں ہوئی تھی۔

ژاگو نے چلا کر چار پانچ نام لیے اور انتونیو سے کہا کہ ان لوگوں کو بلائے اور میری ہلاکت کا حکم دے۔ میں نے اب اپنے ہاتھ ژاگو کے شانوں سے ہٹا کر اس کی گردن پکڑ لی۔ میں اگر ذرا بھی اپنی گرفت کو سخت کرتا تو اس کا گلا گھٹ جاتا اور وہ مر کر ٹوٹ جاتا۔ لیکن میں ابھی اس کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ زندہ رہے اور اپنی آنکھوں سے اپنی تباہی کا تماشہ دیکھے۔ وہ بڑی طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ کئی مرتبہ اس نے میرے جانگھیے میں دانت گھونسنے کی بھی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کہ اس کی یہ ساری کوششیں رائگاں ثابت ہوئیں۔ اس کی گردن میری گرفت سے کسی بھی طرح آزاد نہیں ہو سکی۔

اس اثنا میں پانچ نہایت طاقتور اور موٹے تازے سنٹے اپنی تلواریں لہراتے ہوئے میری طرف لپکے۔ بھاری بھرکم ہونے کے باوجود ان کے جسموں میں بلا کی پھرتی اور لچک تھی۔ چشم زدن میں وہ میرے سر پر پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک تلوار پوری قوت سے میرے سر کے نشانی اور کئی تلواریں مختلف سمتوں سے میرے جسم پر گر چکی تھیں۔ وہ شخص سخت حیرت زدہ ہو گیا اور اس کے منہ سے اچانک چیخ نکل گئی۔ میں نے ایک ہاتھ سے ژاگو کی گردن پکڑے پکڑے دوسرے ہاتھ سے اس شخص کی گردن پر ایک مکہ رسید کیا۔ اس کی تلوار میرے سر سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی تھی۔ اس شخص کا جسم لٹھا بازیاں کھاتا ہوا دور جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چاروں آدمی بڑی طرح جھپٹ پڑے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ان میں سے ایک میرے ہاتھ پر مسلسل وار کر رہا تھا جس سے میں زنجیر گرنے پر چوٹ کھائے ہوئے تھا۔ میں نے ایک جھٹکے میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد تین دن باقی رہے۔ میں نے تین گھونسوں میں ان تینوں کو بھی جہنم واصل کیا۔ اور یہ سارے کام میں نے صرف ایک ہاتھ سے انجام دیے۔ کیونکہ میرا ایک ہاتھ تو ژاگو کی گردن تھامے ہوئے تھا۔ شاید کچھ سخت پریشانی میں مبتلا تھا اور اب اس پر صحیح معنوں میں دہشت طاری ہو گئی تھی۔ اس کے سات ہمقوم جنگجو اور بہادر ساتھی اس کی آنکھوں کے سامنے مارے جا چکے تھے اور ان کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ خود اس کی اپنی گردن موت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی اور میری انگلیوں کا ذرا سا دباؤ کسی بھی لمحے اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتا تھا۔ اچانک ژاگو کا جسم بری طرح خوف میں مبتلا ہو کر لرزنے لگا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں انتونیو سے کہا کہ وہ مرد یوگوں کو بلوائے اور کسی طرح اسے میرے عذاب سے نجات دلائے۔ ظاہر ہے کہ میں نے اس کی بات سمجھ لی اس کے ساتھ ہی میں نے انتونیو سے ہسپانوی زبان میں کہا۔ "میں تمہارے اس احمق اور بزدل سردار کی جان بخشی صرف اسی صورت میں کر سکتا ہوں جب کہ یہ اپنے تمام آدمیوں کو واپس بلائے اور انھیں ساتھ لے کر سیدھا جہاز میں چلا جائے اور یہاں سے فوراً روانہ ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو میں اس کے تمام آدمیوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ہلاک کر دوں گا۔"

انتونیو نے میری بات کا ترجمہ کر کے ژاگو تک پہنچانے سے پہلے ژاگو کی ہدایت پر عمل کیا اور بہت سے لوگوں کو آوازیں دے کر بلایا۔ ژاگو کی مدد کریں۔ تقریباً دو منٹ کے اندر اندر آدمی مختلف سمتوں سے دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے ہم تک پہنچنے سے پہلے انتونیو نے میری بات پر تگیزی زبان میں ژاگو تک پہنچائی۔ ژاگو نے پرتگیزی زبان میں مجھے نہایت غصے کی حالت میں جواب دیتے ہوئے انتونیو سے کہا کہ اسی وقت میں زندہ نہیں بچ سکتا کیونکہ ایک ساتھ اتنے بہت سے لوگ مجھ پر حملہ آور ہو چکے ہیں۔ میں ژاگو کی اس خوش فہمی پر دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس نے میری بات کو رد کر کے ایک بار پھر اپنے آدمیوں پر بھروسہ کیا تھا۔

آنے والوں نے اس بار پہلے والوں کے مقابلے میں ذرا زیادہ محتاط ہو کر حملہ کیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ کس طرح میں نے پہلے دو آدمیوں کو اور بعد میں پانچ آدمیوں کو اس طرح ہلاک کر دیا تھا کہ میرا صرف ایک ہاتھ آزاد تھا۔ اس لیے وہ اس مرتبہ کافی سنبھلے ہوئے تھے۔ انھوں نے اچانک اور اندھا دھند اپنے حملوں کا آغاز نہیں کیا بلکہ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر رہ کر اتنے فاصلے پر کہ میں ہاتھ بڑھا کر انھیں پکڑ نہ سکوں اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی لمبی لمبی تلواروں سے مجھ پر وار شروع کر دیے۔ وہ اپنے حملوں میں اس بات کی خاص احتیاط کر رہے تھے کہ ژاگو کے کوئی زخم نہ لگنے پائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ کر بھی لیتے اگر ان کو ژاگو کی شکنجہ زنی کی داد دینی چاہیے۔ وہ بڑا واقعی اس قدر مضبوط اور پھرتیلے اندام میں مہارت رکھتا ہے تھے ژاگو کا جسم ان کی ضربات سے بالکل محفوظ تھا۔ ان کی تلواریں میرے جسم سے مس ہو رہی تھیں اور وہ حیران تھے کہ مجھ زخم کیوں نہیں آ رہے ہیں۔ اچانک میں نے ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ میری اس حرکت کے سبب ژاگو گرنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر میں عین وقت پر اسے سنبھالا نہ دیتا تو ایک آدمی کی تلوار اس کے پیٹ میں اتر جاتی۔ بہر حال ژاگو کی جان بچا کر اور میں نے ایک اتفاق کی ہاتھ سے تلوار چھین کر سب سے پہلے اس قزاق کو اپنا نشانہ بنایا اور دوسرے لمحے خاک و خون میں لتھڑی ہوئی اس کی لاش زمین پر تڑپ رہی تھی۔

اپنے ایک ساتھی کا یہ حشر دیکھ کر باقی لوگ غصے سے بے قابو ہو گئے اور اس احتیاط کو فراموش کر بیٹھے جس کا اب تک وہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ اپنے حملوں کے جوش میں مجھ سے قریب آ گئے اور یہی چیز ان کی ہلاکت کی باعث بن گئی۔ چند منٹ سے بھی کم عرصے میں میں نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور یہ سب ژاگو کے سامنے ہی ہوا تھا۔ ژاگو کی گردن ابھی تک میری گرفت میں تھی۔ اور اب اس نے مجھ سے ہر قسم کی جد و جہد ختم کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ میری غیر معمولی قوت کو دیکھ کر بری طرح متوحش اور حواس باختہ ہو گیا تھا۔

انتونیو نے ژاگو سے کانپتی ہوئی آواز میں پرتگیزی زبان میں کہا "یہ شخص تو مجھے کوئی بد روح یا شیطانی قوت کا حامل معلوم ہوتا ہے۔ ہم ہتھیار ڈالنے سے انکار کر کے اس سے نہیں جیت سکتے۔ اس سے کہو کہ میں اپنے آدمیوں کو واپس بلا رہا ہوں اور جہاز پر جا رہا ہوں۔ اس سے یہ بھی کہو کہ میں دو ایک دن یہاں لنگر انداز رہنے کی اجازت دے۔ ہم اسے یا اس کے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

انتونیو نے ژاگو کی باتوں کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا اور میری طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "معزز مسافر! ہماری درخواست مان لو۔ ہم سے واقعی غلطی ہو گئی۔ اب ہم تمہیں یا تمہارے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ویسے ایک دو دن بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"میں ایک بار پھر تم پر اعتبار کرنے کی غلطی کو دہرا رہا ہوں۔" میں نے ژاگو کی گردن کو اپنے ہاتھ کی فولادی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھنا اور وہ یہ کہ میں نے ایک بار تم سے دھوکا کھایا ہے۔ دوبارہ دھوکہ کھانے سے پہلے میں تمہاری زندگی کا خاتمہ کر دوں گا۔" انتونیو نے جلدی سے میری بات کا ترجمہ ژاگو تک پہنچایا جو بے یقینی کے عالم میں اپنی گردن کو اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں سے مسل رہا تھا۔

"اگر اس بدروح، شیطان کو کتے کی موت نہ مارا تو میرا نام ژاگو نہیں۔" ژاگو نے انتونیو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے صرف تھوڑی سی مہلت کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں اس کا ایسا حشر کروں گا کہ اس کے قبیلے والے بھی پہچان نہ پائیں گے۔"

خوب! تو گویا ایک مرتبہ اس قدر ذلیل و رسوا ہو جانے کے باوجود اپنے ناپاک ارادوں سے باز نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا شیطانی ذہن دوسرا منصوبہ بنانے میں مصروف تھا۔ تاہم میں نے اس کی گردن دوبارہ پکڑی اور یہی جملہ ہر کیا کہ میں اس کی باتوں کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا کیونکہ وہ پرتگیزی زبان بول رہا ہے۔

"فی الحال تو یہاں سے صحیح سلامت اپنے جہاز تک پہنچنے کی تدبیر کرو۔" انتونیو نے ژاگو کی ان تراکی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے ہسپانوی زبان میں کہا۔ "تم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو اس وقت محفوظ نہ سمجھو جب تک کہ سب لوگ جہاز پر واپس نہیں پہنچ جاتے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی ہم کسی نئے منصوبے پر غور کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ژاگو نے جواب دیا۔ اس سے کہو کہ میں اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دے رہا ہوں اور انہیں صرف دو دن یہاں پر جہاز بنانے کی اجازت دیدے۔ اسے بتاؤ کہ ہم لوگوں نے بہت طویل سفر طے کیا ہے اور ہم تھک چکے ہیں۔ جہاز کو ہی صرف دو دن کا آرام چاہتے ہیں۔ بدلے میں یہ بھی کہو کہ اب ہم خلوص دل سے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اور دو دن بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

انتونیو نے ژاگو کی باتوں کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا اور میں سمجھتے ہوئے کہا۔ "اپنے سردار سے کہہ دو کہ وہ دو دن تک اس علاقے میں لنگر انداز رہ سکتا ہے۔ لیکن تیسرے دن اس کے جہاز کو ہر صورت یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ اس سے یہ بھی کہہ دو کہ ہمیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ دوستی کی۔ ہم اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔"

میری باتوں کا ترجمہ سن کر ژاگو نے انتونیو سے کہا۔ "اس سے کہو کہ جہاز پر واپس جا کر اپنے آدمیوں کو یہ بتائے کہ ہم لوگوں کے پاس جہاز میں اعلیٰ درجے کی شراب موجود ہے۔ ہدایت دو کہ اپنے ساتھیوں کے کل شام کو کسی وقت ہمارے جہاز پر آ جائے۔ ایک بار یہ جہاز کے اندر آ جائے، ان کی لاش کو بھی مزاحمت نہیں ملے گا اور اس کے قبیلے کے باقی لوگوں کو بھی طرح دیکھ لیں گے۔"

انتونیو نے ژاگو کی پیشکش مجھ تک پہنچائی میں تو خود بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے قبیلے کے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔ لہٰذا اب خود بخود ایسی صورت حال پیدا ہو رہی تھی جس میں مجھے تنہا ان لوگوں سے نمٹنا پڑتا۔ میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ انتونیو نے مجھے شراب کی دعوت دی تو میں جسرانی سے بولا۔ "کیا تم لوگ بھی شراب سے واقف ہو؟ کیا تمہاری شراب بہت اچھی ہوتی ہے؟ یہ کس چیز کی بنی ہوتی ہے؟" میں نے ایک سانس میں کئی سوالات کر ڈالے۔

میری اشتیاق بھری باتیں سن کر انتونیو کے چہرے پر ایک مسکراہٹ اور چمکدار سکسیٹ دوڑ گئی۔ اس نے میری باتوں کا پرتگیزی میں ترجمہ کر کے انھیں ژاگو تک پہنچایا اور ژاگو کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"یہاں ہم لوگ نہ صرف شراب سے واقف ہیں بلکہ شراب کے بڑے شوقین بھی ہیں۔" انتونیو نے ہسپانوی زبان میں مجھ سے کہا۔ "ہم لوگ نہایت اعلیٰ درجے کی شراب تیار کرنے کا فن جانتے ہیں۔ اس وقت ہمارے جہاز میں جو شراب موجود ہے اس کا شمار دنیا کی اعلیٰ ترین شرابوں میں ہوتا ہے۔ یہ خاص پھلوں کے رس کا خمیر بنا کر اس سے تیار کی جاتی ہے اور لذت اور ذائقے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی اس شراب کو پی کر بے حد خوش ہوں گے اور انھیں ایسا سرور آئے گا جس کا وہ اس وقت تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"میں شراب کا بڑا رسیا ہوں۔" میں نے مسکرا دیتے ہوئے کہا۔ "میں تم لوگوں کے ملک کی شراب ضرور چکھوں گا۔ چکھنے کے بعد ہی اس امر کا پتا چل سکے گا کہ تم اپنی شراب کی اس قدر تعریف و توصیف میں کس حد تک حق بجانب ہو۔"

انتونیو نے ترجمانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے پرتگیزی زبان میں ساری باتیں ژاگو کو بتا دیں۔

"اچھا یہ بتاؤ میرے دوست انتونیو! کل میں کس وقت تمہارے جہاز پر آؤں؟"

انتونیو نے یہی سوال پرتگیزی زبان میں ژاگو سے پوچھا۔ ژاگو نے جواب میں کہا۔ "اس بدنصیب کو شام کے وقت بلاؤ، جب تاریکی پھیل رہی ہو۔ ہمیں کام کرنا ہے اس کے بعد میرے ساز گار رہیں گے اور ہاں! اس سے یہ بھی پوچھ لو کہ وہ کتنے آدمیوں کو اپنے ساتھ لائے گا؟ تاکہ اسی کے مطابق ہم اپنا بندوبست کریں۔"

انتونیو کے استفسار پر میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے قبیلے کے کسی دوسرے شخص کو اپنے ہمراہ نہیں لاؤں گا۔ تنہا آؤں گا۔ انتونیو اور ژاگو میرے اس جواب سے بہت حیران ہوئے۔ انھیں یقین نہ تھا کہ آج کے معرکے کے بعد میں اپنے ساتھ آدمیوں کی ایک بڑی تعداد کو لے کر ہی ان کے جہاز پر جاؤں گا۔ لیکن جب انھوں نے میری زبان سے یہ سنا کہ میں تنہا آؤں گا تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ تاہم ایسا خیال ہے کہ انھوں نے میرے اس اقدام کو میری خود اعتمادی پر محمول کیا ہو گا۔

ژاگو نے جواب آ کر ہو چکا تھا اور ابھی ہر قسم کی لیکن وہ حقیقت زہر ہی بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اپنے آدمیوں کو بلوا چکا تھا کہ حکم دیا کہ سب لوگ جہاز کی طرف واپس چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا حکم ملتے ہی جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ انتونیو اور ژاگو ابھی تک میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے اور اپنے آدمیوں کو جہاز کی طرف جاتے

ہوئے دیکھ رہے تھے۔

اچانک ژاگو کو کچھ خیال آیا۔ اس نے انٹونیو سے کہا: "اس منحوس سے پوچھو کہ ان کے ہاں جب کوئی مر جاتا ہے تو یہ اس کی لاش کا کیا کرتے ہیں۔ اور کیا ہمیں اپنے مرے ہوئے لوگوں کی لاشیں لے جانے کی اجازت ہے؟"

انٹونیو کے استفسار پر میں نے اسے بتایا کہ ہم لوگ اپنے مُردوں کو جلا دیتے ہیں۔ لاشوں کے بارے میں میں نے کہا کہ اگر وہ لوگ لاشیں اپنے ساتھ جہاز پر لے جانا چاہتے ہیں یا لاشوں کو سمندر میں بہا دینا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہماری طرف سے اس کی اجازت ہے۔ اور اگر وہ لوگ اس بات کو پسند کریں تو ہم خود ان لاشوں کو جلا دیں گے۔

میری بات سن کر ژاگو نے اپنے چند سرکردہ آدمیوں کو بلایا اور انٹونیو صحیت ان سے صلاح مشورہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر آپس میں بات چیت کرنے کے بعد وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان لاشوں کو ساتھ لے جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اور یہ کہ انھیں یہیں جلا دینا چاہیے۔ ژاگو نے بھی اپنے ساتھیوں کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔

انٹونیو نے مجھے باقاعدہ طور پر اس بات سے مطلع کر دیا کہ میں ان لاشوں کو جلوانے کا بندوبست کروں۔ انٹونیو، ژاگو اور ان کے چند سرکردہ ساتھی وہاں رک گئے اور باقی تمام لوگ ساحل کی طرف واپس چلے گئے۔ انھوں نے بستی کے لوگوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ وہ خاصے خوفزدہ اور سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

میں نے پائیش کو بلایا اور اسے ہدایت دی کہ کچھ اور لوگوں کی مدد سے ان لاشوں کو بستی کے میدان کے آخری سرے پر پہنچا دے اور وہاں لکڑیوں کا ایک بڑا سا الاؤ تیار کر کے ان ساری لاشوں کو اس میں جلا دے۔

پائیش اور قبیلے کے دوسرے لوگوں نے مل کر دیکھتے ہی دیکھتے بستی کے آخری سرے پر لکڑیوں کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر دیا اور تمام لاشوں کو الاؤ کے اندر رکھ کر اس میں آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اور فضا میں گوشت جلنے کی ناگوار بدبو پھیل گئی۔ کسی قدر عبرت کا مقام تھا۔ پر وہ منظر کہ جو بھی جسم ہوا تھا، کچھ دیر پہلے طاقت و توانائی کا پیکر بنے ہوئے تھے اور جن کی رگوں میں سے زندگی کی چھوٹی بڑی ندیاں بہہ رہی تھیں اب وہ مردہ جسم جلے ہوئے گوشت کی شکل میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ ان جسموں سے روح خلع ہو چکی تھی اور بے جان گوشت کے لوتھڑے بن گئے تھے۔ ژاگو، انٹونیو اور ان کے دوسرے ساتھی بھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

میں ان سے لڑنے والوں کی روحوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس بات سے ان لوگوں کے تئیں کا انتہائی مخلص تھا۔ ژاگو نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: "میرے بہادر ساتھیو! ہم لوگ اس کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ہیں۔ یہی ان کا قاتل ہے اور اسے اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔ میں کسی قیمت پر اسے نہیں چھوڑوں گا چاہے اس کے لیے مجھے خود اپنی جان کیوں نہ دینا پڑے۔" فرطِ جوش میں ژاگو کی آواز بلند ہو گئی تھی اور انٹونیو کے کہنے پر اسے اس بات کا احساس ہوا اور اپنی آواز کو مدھم کر لیا۔

"اب یہاں سے چلو۔" ژاگو نے انٹونیو سے مخاطب ہو کر کہا۔ "چلتے چلتے اس شخص کو ایک بار پھر یاد دلا دو کہ اسے کل شام ہمارے جہاز پر آنا ہے۔ کہیں واپس نہ آنے کے لیے۔"

انٹونیو نے ہسپانوی زبان میں مجھے جب یاد دلایا کہ میں کل شام کے جہاز پر پہنچ جاؤں تو میں نے جلدی سے پُرشوق لہجے میں کہا: "ہاں ہاں، یاد ہے۔ میں غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے جہاز پر پہنچ جاؤں گا۔" اور میں نے یہ اس لیے کہا کہ اب مجھے تم لوگوں کی جانب سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہم آپس میں دوست بن گئے ہیں۔ کیوں، ہے نا انٹونیو؟"

"یقیناً یقیناً۔" انٹونیو نے جلدی سے کہا۔ "ہمارے معزز مہمان ژاگو نے اس بات کا حکم جاری کر دیا ہے کہ وہ تم لوگوں سے دوستی کے رشتوں کو استحکام بخشے گا اور ہماری یہ دوستی اب کبھی نہ ختم ہو گی۔ گو کہ ہم لوگ تمھارے علاقے میں صرف دو دن کے مہمان ہیں لیکن ہم یہاں سے پرانے دوستوں کی طرح رخصت ہوں گے۔"

"ضرور ضرور۔" میں نے جواب دیا۔ میں ان بے وقوف لوگوں کی نظر قبائلی، وہ سب کے سب بستی کے وسط میں میدان میں جمع تھے۔ درمیان نارد بھی موجود تھی۔ میں اجنبیوں کو رخصت کر کے اپنے کے پاس چلا گیا۔

ان سب کی نظروں میں میرے لیے زبردست تحسین و تقدیر جذبات تھے۔ میں نے انھیں ایک بہت بڑی بلا سے نجات دلا کر گویا زبردست احسان کیا تھا اور ان کا رواں رواں احساسِ ممنونیت کے بوجھ دبا جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے بڑا اپنے جذبات کا اظہار کیا اور میں نے انھیں کہ قبیلے کا روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے یہ میری ذمہ داری ہے کہ لوگوں کی جانوں کا تحفظ کروں۔

"کیا اب یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں گے یا اپنے جہاز میں بیٹھ سے رخصت ہو جائیں گے؟" نارد نے مجھ سے سوال کیا۔

"ان لوگوں نے مجھ سے صرف دو دن مزید قیام کی مہلت مانگی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ان کے سردار کا کہنا ہے کہ اس کے آدمی بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں اور انھیں ایک آدھ دن کے آرام کی ضرورت ہے لیکن ان کا وہ دو دن اس عرصے میں ان کا کوئی آدمی جہاز سے باہر نہیں آئے گا۔ وہ لوگ اندر ہی رہیں گے۔"

"کہیں یہ لوگ پھر کوئی شرارت نہ کریں۔" ابرٹو نے تشویش میں کہا۔

"وہ شرارت ضرور کریں گے۔" میں نے ابرٹو کو جواب دیا۔ "وہ

لیے منصوبہ بنا رہے ہیں اور اس منصوبے کی تکمیل کے لیے انھوں نے کل مجھے اپنے جہاز پر مشاورت کے لیے بلایا ہے۔ میں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا ہے اور میں جاؤں گا۔"

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟" ابرٹو نے پریشان ہو کر کہا۔ "نارد بھی میری اس حرکت پر پریشان ہو گئی۔ وہ خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟ وہ لوگ تو اتنے بہت سارے ہیں۔ تم تنہا ان کا مقابلہ کس طرح کر سکو گے؟"

"مجھے شکان دیوتا نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شکان دیوتا کے ایما پر میں وہاں تنہا جانے کی جرأت کر رہا ہوں۔ تم سب لوگوں کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ وہاں سے میں صحیح و سلامت ہی واپس آؤں گا۔ شکست اور فتح تو گراوا اس کے ساتھیوں کا مقدر ہے۔ وہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"پھر بھی ٹیابو۔ اگر تم کچھ لوگوں کو اپنی حفاظت کے لیے ساتھ لے لو تو کیا یہ بہتر نہ ہو گا؟" ابرٹو نے کہا۔

"میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔ "شکان دیوتا کی عنایت حاصل ہے اور میں اپنے لیے اسے بہت کافی سمجھتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔"

ابرٹو میری بات سن کر خاموش ہو گیا۔ میں نے تمام لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں اور کسی قسم کے ترددِ پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ میں نے انھیں یقین دلایا کہ جب تک میں زندہ ہوں اور ان کے درمیان موجود ہوں اس وقت تک انھیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ سارا دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔ شام کے وقت میں نے دیکھا کہ پائیش کو ساتھ لے کر ساحل پر گیا۔ ساحل سے کوئی فاصلے پر قزاقوں کا جہاز کھڑا ہوا تھا اور عرشے پر کوئی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ کچھ لوگوں نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ میں نے بھی جواب میں ہاتھ ہلا دیا۔ قزاق یہ خبر سنا کر گئے تھے کہ وہ میرے دوست ہیں اور ہم سے بالکل خوفزدہ نہیں ہیں۔ ابرٹو نارد اور اس کے بیٹے پائیش کو اس تمام گفتگو سے آگاہ کیا گیا تھا۔ ژاگو نے انٹونیو اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے کی تھی اور جس میں وہ لوگ شکان دیوتا کی عبادت اور پرارتھنا میں ایک طویل عرصہ گزارتے رہے تھے۔ وہ سب کے سب اس صورتحال سے پریشان نظر آ رہے تھے۔ لیکن میں نے انھیں پُرزور طریقے پر یہ یقین دلایا کہ وہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

ابرٹو کی پریشانی دوسری نوعیت کی تھی۔ ایک تو وہ اس بات سے پریشان تھا کہ جانے میرے ساتھ کیا واقعات پیش آئیں۔ دوسرے اسے اس بات کا بھی قلق تھا کہ دس سال کی طویل عمر آسانی سے ٹھکرا دینے والی مدت کے بعد ایک انسان کی طرف آیا بھی تو وہ قزاقوں اور لٹیروں کا جہاز تھا جو انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگتے تھے اور ساری بستی کے بوڑھے لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ ابرٹو غریب جن نہیں جانتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ قزاقوں کا وہ ٹولا

اور وہ بوڑھے لوگوں کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ اسے بھی ہلاک کر دیں گے۔ جہاز کو دیکھ کر ابرٹو کو جو امید بندھی تھی کہ شاید وہ اپنے وطن پہنچنے میں کامیاب حاصل کر سکے گا وہ ساری کی ساری مٹی میں مل گئی۔

"مجھے یوں لگتا ہے کہ میں اس اجنبی سرزمین پر اپنے وطن کے خواب دیکھتے دیکھتے ایک دن مر جاؤں گا۔" ابرٹو نے بڑے دکھ کے ساتھ مجھ سے کہا۔ "کاش ہی ان قزاقوں کے ساتھ کر تمہیں جانا چاہیے۔ اور نہ ہی ان پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ وہ لوگ خود بھی مجھ پر بھروسہ کرنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ کاش اس جہاز میں قزاقوں کے علاوہ کوئی اور لوگ سوار ہوتے تو میں بھی اپنے وطن کو واپسی کی قطعی صورت ہو جاتی۔"

"انجی مالوی کا اظہار ہے کہ ابرٹو یہ میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ بستی کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے۔ تم اتنے دل گرفتہ کیوں ہوتے ہو؟ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کل کیا واقعات پیش آتے ہیں۔ میں مستقبل تمھارے ہی بارے میں سوچ رہا ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ کوئی ایسی تدبیر نکل آئے تم اس جہاز کے ذریعے اپنے وطن یا کم از کم متمدن دنیا کے کسی شہر میں پہنچ جاؤ جہاں سے پھر اپنے وطن واپس جا سکو۔"

"لیکن تمیں کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟" ابرٹو نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایسے حالات میں ایسی کوئی تدبیر ممکن نہیں ہے۔ میں نے تو غیب کی مدد کی امید کو اپنا عقیدہ سمجھ لیا ہے۔"

تقریباً دس برسوں میں ابرٹو نے ایسے حالات میں مجھ سے سیکڑوں بار طرح طرح کے سوالات پوچھے تھے۔ ہر بار جب بھی اس کی آنکھ میں نگاہ کے پیش نظر اس بات کا یقین تھا کہ میرا تعلق وحشیوں کی اس سیاہ سرزمین سے نہیں ہے۔ میری زبان دانی بھی اس بات کی دلالت کرتی تھی کہ میں دوسری دنیا کا باشندہ ہوں۔ ابرٹو کے پہلے بتائے اصرار پر میں نے اپنے بارے میں صرف اتنا بتایا تھا کہ میرا تعلق یونان سے ہے اور آج سے برسوں پہلے میں ایک جہاز میں سفر کر رہا تھا جسے سمندری طوفان نے ڈبو دیا۔ میں ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختوں کے سہارے تیرتا تیرتا کسی طرح اس علاقے کے ساحل پر آ نکلا اور ان وحشیوں نے میرے رنگ کو دیکھ کر مجھے کوئی دیوتا سمجھا اور میرے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔ یہ لوگ شکان دیوتا کے پجاری تھے۔ میں نے شکان دیوتا کی عبادت اور پرارتھنا میں ایک طویل عرصہ گزارا۔ یہاں تک کہ دیوتا مجھ سے راضی ہو گیا اور اس نے مجھے بے پناہ طاقتوں سے نوازا۔ یہ شکان دیوتا کا ہی کرم تھا کہ میں ہمیشہ اپنے دشمنوں پر غالب آتا تھا اور میرے دشمنوں کو زوال و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔

میرے خاندان سے متعلق سن کر ابرٹو نے بار بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی شکان دیوتا کی عبادت کر کے اس سے غیر معمولی قوتیں حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن میں نے ابرٹو کو یہ بتایا کہ شکان دیوتا ایک وقت میں صرف ایک ہی انسان کو اتنی بہت سی قوتوں سے نواز سکتا ہے۔ اگر وہ شکان دیوتا کی قوتیں حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو اسے میری موت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن ابرٹو نے اس بات کو سُنی سے رد کرتے ہوئے یہ کہا تھا: "تمیں ٹیابو!

Optimized by www.ImageOptimizer.net

مجھے تمہاری موت کی نہیں، تمہاری زندگی کی خواہش ہے۔ تم ایک ایسے انسان ہو کہ تمہارے احسانوں کا بدلہ میں کبھی بھی نہیں چکا سکتا۔ تم اگر چاہتے تو آج سے بہت عرصے پہلے مجھے ہلاک کر سکتے تھے۔ اس وقت میں بے بس تھا اور بالکل تم لوگوں کے رحم و کرم پر تھا۔ اور پھر میں نے جو سلوک تم لوگوں کے ساتھ کیا تھا اس کے پیش نظر میں کسی معافی کا مستحق نہیں تھا لیکن تم نے میری ساری زیادتیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے میری جان بخشی کی اور میرا علاج کروایا جس سے میں دوبارہ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکا۔ اب میں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ تمہاری موت کی تمنا کروں۔ اس بات کو بھول جاؤ۔ مجھے ایسی کسی غیر معمولی طاقت کی ضرورت نہیں ہے جو تمہاری موت سے مشروط ہو۔"

گزشتہ دس برسوں کے دوران البرٹو نے میری غیر معمولی طاقت کے بے شمار مظاہرے دیکھے تھے۔ ان میں سے بعض مظاہرے نہایت حیرت انگیز اور عجیب معقول بھی تھے۔ حالات کے تحت سے میں ان کو یہاں تذکرہ نہیں کروں گا۔ بس یہ سمجھ لو پروفیسر کہ البرٹو میری غیر معمولی قوتوں کا شاہد بھی تھا اور معترف بھی۔ چنانچہ اس نے مجھ سے ایک پوچھا ہوا سوال کیا۔ "میاں! تم یقیناً ایک حیرت انگیز انسان ہو۔ لیکن کیا تم اپنی ساری زندگی اسی چھوٹے سے علاقے میں ان سیاہ فام حبشیوں کے درمیان گزار دو گے؟"

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو البرٹو! کہ انہی سیاہ فام حبشیوں کے درمیان رہتے ہوئے اور انہی کے دیوتا کی عنایت سے مجھے یہ قوتیں حاصل ہوئی ہیں۔ ویسے تمہارا یہ سوال بہت اہم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے کسی مرحلے پر اس علاقے سے چلے جانے کے بارے میں سوچوں۔"

میری بات سن کر البرٹو جیسے خوشی سے اچھل پڑا۔ "تو پھر چلو کہ تم میرا اور اپنی قوتوں سے کام لیتے ہوئے کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ میں اور تم دونوں ہی خزانوں کے اس جہاز کے ذریعے اس جگہ سے نکل چلیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ گزشتہ دس سال کے عرصے میں تم نے ان وحشیوں کے لیے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟ میرے خیال میں تو اب مناسب یہی ہوگا کہ تم اب یہاں سے نکل چلو۔"

"میں ابھی اس سلسلے میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں جہاں سے بھیجنے کی میں پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔" البرٹو نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اپنے وطن اسپین لے چلوں گا۔ تمہیں اپنے چھوٹے سے شہر میں علیحدہ گاؤں جس کا نام سنہ یال ہے اور جو میرے ملک کے میلوں پھیلے ہوئے ساحل کے ایک چھوٹے سے علاقے میں واقع ہے۔ میرے قبیلے کے لوگوں کے دو ہی شوق ہیں ماہی گیری اور جہاز رانی۔ قبیلے کے سارے بچے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی ان دونوں چیزوں سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں اور جلد ہی ان میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر تم میرے ساتھ چلو تو تمہیں ہمارا سمر لینڈ شاداب اور پھولوں سے مہکتا ہوا علاقہ دیکھ کر بہت خوشی ہوگی۔"

"مجھے واقعی تمہارا آبائی شہر دیکھ کر بڑی خوشی ہوگی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ابھی خود نہیں جانتا کہ میں اس کا وقت کب نکال پاؤں گا یا نہیں۔"

ہمارے دونوں یہ ساری باتیں ہسپانوی زبان میں کر رہے تھے اور جہاز کے ساتھ موجود ناروے اور پالیش ہماری باتوں کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ساحل پر چہل قدمی کرنے کے بعد ہم جہاز کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ اب سورج ڈوب چکا تھا اور شام کے سائے پھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ خزانوں کے جہاز کے اوپر پرسرگرمیاں کم ہو گئی تھیں۔ شاید وہ لوگ کھانے پینے کے لیے نیچے چلے گئے تھے۔ غیر معمولی تیز روشنی میں جہاز کا میسولا بڑا عجیب و غریب نظر آ رہا تھا۔

دوسرے دن شام کو سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے میں حسب وعدہ خزانوں کے جہاز کی طرف روانہ ہوا۔ البرٹو، ناروے اور اس کا پیشیا پالیش ساحل تک میرے ساتھ آئے۔ خزانوں کے جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے بہت سے لوگ میرے منتظر تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلائے۔ میں نے بھی جواباً ہاتھ ہلائے۔

البرٹو اور پیشیا ساحل پر کھڑے رہ گئے اور میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ تھوڑی دیر تک تیرنے کے بعد میں ان کے جہاز تک پہنچ گیا۔ رسی کی سیڑھی نیچے لٹکا دی گئی اور میں اس کے سہارے اوپر پہنچ گیا۔

سب سے پہلے میرا خیر مقدم کرنے والا شخص انٹونیو تھا جس نے ہسپانوی زبان میں خیر مقدمی کلمات کہے۔ مجھ سے معانقہ کیا۔ اس کے پیچھے ژاگو کھڑا تھا جس نے انٹونیو کی وساطت سے میرا شکریہ ادا کیا۔ میں نے اس کی دعوت کو شرف قبولیت بخشا۔ ژاگو کے آس پاس اس کے دوسرے معتمد لوگ کھڑے ہوئے تھے۔

ژاگو کی معیت میں ہم لوگ عرشے سے نیچے اتر کر ایک کشادہ کمرے میں چلے گئے جہاں میز پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ میز پر شراب کی بوتلیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی بہت سے گلاس بھی رکھے ہوئے تھے۔ چند طاقوں میں کئی ہوئی مچھلی اور جھینگے بھی موجود تھے جن کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ ژاگو نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ ژاگو اور انٹونیو کے علاوہ وہاں آدمی اور کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ سب کے سب میرے ساتھ ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"جہاز کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے معزز سردار کہ تم ہماری دعوت قبول کر کے ہمارے جہاز پر آئے ہو۔" انٹونیو نے کہا۔ اس کی آنکھیں اور اس کے لہجے سے مخالفت صاف جھلک رہی تھی۔ "امید ہے کہ تم نے کل کے خونگوار واقعات کو بھلا دیا ہوگا۔ ہم نے بھی اپنے ان ساتھیوں کی المناک موت کے واقعے کو فراموش کر دیا ہے جو کل تمہارے ہاتھوں مارے گئے۔ تم ایک بہادر اور باہمت انسان ہو اور ہم لوگ بہادروں کی قدر کرنے میں۔ کم از کم ہمیں اپنا دوست پاؤ گے؟"

"تمہارا شکریہ انٹونیو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے کل کے واقعے کو فراموش کر دینے کی پوری پوری کوشش کی اور مجھے امید ہے کہ اب ہمارے

درمیان ایسے ناخوشگوار واقعات کا اعادہ نہیں ہوگا؟"

"ہرگز نہیں۔" انٹونیو نے جواب دیا۔ دوسرے الفاظ کا پرتگیزی زبان میں ترجمہ کر کے ژاگو تک پہنچایا۔ ژاگو نے رسمانہ انداز میں گردن ہلائی۔

انٹونیو نے جو میرے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا، ایک بوتل اٹھائی میں نے محسوس کیا کہ یہ بوتل دوسری بوتلوں سے اس طرح الگ رکھی ہوئی تھی گویا اسے خاص طور پر الگ رکھا گیا ہو۔ اس نے اس بوتل کو کھولا اور اس میں سے ایک گلاس میں مشروب انڈیلتے ہوئے بولا۔ "یہ ہمارے جہاز میں اس وقت موجود اعلیٰ ترین شراب کی سب سے پرانی بوتل ہے۔ اور یہ پوری بوتل معزز مہمان کے لیے وقف ہے۔ اس میں سے سوار شیابو کے علاوہ اور کوئی نہیں پیئے گا۔ یہ ساری شراب صرف معزز شیابو کے لیے ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے پورا گلاس بھر کر میرے سامنے رکھ دیا۔

ژاگو نے اپنے سامنے رکھی ہوئی دوسری بوتل اٹھائی اور اسے کھول کر اپنے اور اپنے ساتھیوں کے گلاس بھرنے لگا۔ انٹونیو نے بھی ایک دوسری بوتل کھولی اور اپنا جام بھرا اور پھر اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے دو آدمیوں کے جام بھرنے لگا۔

دو تین منٹ کے اندر میں موجود سارے لوگوں کے سامنے بھرے ہوئے گلاس رکھے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے ژاگو نے اپنا جام اٹھایا اور پرتگیزی زبان میں کہا۔ "معزز شیابو کی عمر بے حد خوشی میں۔" اور انٹونیو کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

ژاگو کہہ رہا ہے کہ ہم معزز شیابو کی صحت اور درازی عمر کے جام پر جام پی رہے ہیں۔" انٹونیو نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے مسکرا کر جام اٹھایا اور اسے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

یہ رم سے تیز اور ہلاکت انگیز زہر کی مخصوص بو اٹھ رہی تھی جس سے میری ناک اچھی طرح واقف تھی۔ نہ جانے کتنے لوگوں نے مجھے زہر دینے کی کوشش کی تھی اور ہر بار میں نے زہر ہلاہل کے گھونٹوں کو اپنے حلق سے اتار کر اور زندہ سلامت رہ کر اپنے دشمنوں کو مایوس کیا تھا۔

جیسے ہی میں نے جام اپنے ہونٹوں سے لگایا، کمرے میں موجود تمام لوگوں نے اپنے گلاس ہونٹوں سے لگا لیے۔ میں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر سب کے سب گلاس خالی کرنے لگے۔ میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ شراب نہایت لذیذ اور ذائقہ دار تھی۔ زہر نے اس کے ذائقے میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ میں نے خالی گلاس میز پر واپس رکھ دیا۔ اس دوران باقی سب نے اپنے اپنے گلاسوں سے ایک ایک دو دو گھونٹ کر کے پی رہے تھے۔

سب نے جب اپنا گلاس خالی کر کے میز پر رکھا تو ان سب لوگوں کے چہروں پر یکبارگی طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سب کے سب بڑے خوش دکھائی دینے لگے۔ خاص طور سے ژاگو کے چہرے پر تو جیسے بہار آ گئی تھی۔

"تمہیں یہ شراب کیسی لگی سردار؟" انٹونیو نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"نہایت عمدہ۔ بہت لذیذ۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر اور لو۔" اور اس نے اسی بوتل سے میرا گلاس ایک بار پھر بھر دیا۔

"میرے خیال میں یہ زیادتی کی بات ہوگی کہ محفل میں شریک دوسرے لوگوں کو اس اعلیٰ درجے کی شراب سے محروم رکھا جائے۔" میں نے انٹونیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری خواہش ہے کہ اس شراب سے سب لوگوں کو بھی حصہ دیا جائے۔"

"نہیں نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" انٹونیو نے جلدی سے جواب دیا۔ "یہ لوگ اپنے وطن میں اس شراب کو پیتے رہتے ہیں اور ابھی کچھ دن پہلے جہاز پر بھی ان لوگوں نے یہ شراب پی ہے۔ ان کے لیے یہ کوئی نئی یا انوکھی چیز نہیں ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ سارے کا سارا تمہارے مصرف ہے۔ اسے بلاتکلف پی جاؤ۔"

"یہ تو سب الف عفریت کیا کہہ رہا ہے؟" ژاگو نے انٹونیو سے پوچھا۔

انٹونیو نے اسے پرتگیزی زبان میں بتایا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

"اسے دوسرا گلاس بھی پلا دو۔" انٹونیو نے پرتگیزی زبان میں کہا۔ "تاکہ اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہ رہے کہ اس کی جان بچ جائے۔ ویسے ایک گلاس تو کیا، زہر ملی ہوئی اس شراب کا ایک گھونٹ بھی اسے ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اسے سب تک یہ موت آ جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ کم بخت خاصا سخت جان واقع ہوا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، چند لمحوں کی دیر ہے اور اس کے بعد اس کا قصہ پاک ہو جائے گا۔"

"ہمارا سردار ژاگو کہہ رہا ہے کہ معزز شیابو اپنا گلاس کی شراب بھی پی لے۔ یہ پوری بوتل تمہارے لیے ہی ہے۔ اس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہے۔ سردار ژاگو کو اس بات کی خوشی ہے کہ تمہیں یہ شراب پسند آئی۔ اس کی درخواست ہے کہ تم پوری بوتل پی جاؤ۔" انٹونیو نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

میں نے دوسرا گلاس بھی چند گھونٹوں میں خالی کر دیا۔ خالی گلاس میز پر رکھ کر میں نے تلی ہوئی مچھلی کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھایا اور اسے کھانے لگا۔ پھر میں نے تھوڑے سے جھینگے کھائے۔

ژاگو، انٹونیو اور ان کے تمام ساتھی حیرت کے ساتھ مجھے دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہوگا کہ میں ابھی تک زندہ کیسے ہوں۔ جو زہر انھوں نے میرے ہلاک کرنے کے لیے استعمال کیا تھا اس سے اب تک مجھے مر جانا چاہیے تھا، لیکن میں بالکل سکون و اطمینان کے ساتھ زندہ سلامت ان لوگوں کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بار بار ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور آپس میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ کر رہے تھے۔

انٹونیو نے میرے خالی گلاس کو ایک بار پھر بھر دیا۔ اور میں نے بلا نوشی کو مظاہرہ کرتے ہوئے تیسرا گلاس بھی خالی کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد غنودگی سی مجھ پر طاری ہونے لگی۔ میں نے اپنا سر جھٹکا۔ میں سمجھ گیا کہ زہر اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ کی انگلی کو دانتوں سے کاٹ کر لہولہان کر لیا۔ اس تکلیف دہ عمل سے میرا ذہن بیدار ہو گیا۔ غنودگی کا احساس جاتا رہا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہاری باری آپس میں ٹکراؤں کا تبادلہ کیا۔ ان کے چہروں پر سخت الجھن نظر آ رہی تھی۔

اب کمرے کے اندر کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اور اس میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ بھانک ٹراگو اپنی جگہ سے اٹھا اور یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا کہ وہ ابھی چند منٹ میں واپس آتا ہے۔ میں نے یہ سمجھنے کے انداز میں انٹونیو کی طرف دیکھا جس نے مجھے بتایا کہ ٹراگو ابھی واپس آ جائیگا۔

ذرا سی دیر کے بعد ٹراگو واپس آیا۔ لیکن اس بار وہ تن تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے۔ ان پانچوں افراد کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی لمبی لمبی مشعلیں تھیں جن کی روشنی نے کمرے کو منور کر دیا۔ میں نے بدلیات خاص طور پر محسوس کی کہ یہ پانچوں مشعلچی زمرد یہ کو پوری طرح مسلح تھے بلکہ ان کے جسموں پر فالتو ہتھیار بھی بہت سے لگے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ ٹراگو جس وقت کمرے سے باہر نکل کر گیا تھا اس وقت وہ غیر مسلح تھا لیکن جب وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو پوری طرح مسلح تھا۔

میرے لیے اس ساری صورت حال کو سمجھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ زہریلی شراب پی کر میں ضرور مر جاؤں گا۔ اس لیے انھوں نے میری ہلاکت کا کوئی دوسرا انتظام نہیں سوچا تھا اور اسی لیے وہ لوگ مجھ سے بغیر مسلح حالت میں ملے تھے۔ لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ میں زہریلی شراب کے تین گلاس پینے کے باوجود زندہ سلامت بیٹھا ہوں تو انھوں نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے فوری طور پر کوئی دوسرا منصوبہ تیار کر لیا اور وہ لوگ اسی لیے کمرے سے باہر گیا تھا۔ وہ نہ وہ مشعلچیوں کو بلانے کے لیے کمرے میں موجود کسی دوسرے آدمی کو بھی بھیج سکتا تھا۔

اس بار ٹراگو جب کمرے میں دوبارہ داخل ہوا تو مجھے اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔ اس کے چہرے کی ساری مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"ابھی تک مرا نہیں۔" ٹراگو نے انٹونیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کس قدر حیرت کی بات ہے کہ زہر کے تین گلاس پی لینے کے باوجود یہ بھی زندہ ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت جسمانی جھٹکے کوئی ایسی چیز برابر کھاتے رہتے ہیں کہ زہر ان کے جسم پر اثر نہیں کرتا۔ شاید کوئی بات نہیں۔ زہر کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو اس کا توڑ ہو سکتا ہے لیکن کیا آگ سے جل کر جسم ہو جانے کا بھی کوئی توڑ ہو سکتا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معزز ٹراگو کیا کہہ رہا ہے میں نے ان جان بنتے ہوئے انٹونیو سے پوچھا۔

"ٹراگو یہ کہہ رہا ہے کہ اب اندھیرا ہو گیا ہے اور وہ اپنے ساتھ مشعلیں لے آیا ہے تاکہ ہم لوگ اطمینان سے اپنا قتل جاری رکھ سکیں۔ ٹراگو چاہتا ہے کہ کم از کم شراب پینے کے بعد کیا میں تمہارا گلاس دوبارہ بھر دوں؟" انٹونیو نے جواب دیا۔

"تمہاری مرضی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے اشارے کی دیر تھی انٹونیو نے ایک بار پھر میرا گلاس بھر دیا۔

"یہ پوری بوتل پی جانے کے باوجود نہیں مرے گا۔" ٹراگو نے اپنے لہجے کی نخوت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے یہ زہر اس پر اثر نہیں کر رہا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی جسمانی تراکیب ہی ایسی ہو۔ بہرحال اس کے لیے ناکافی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہم اسے گھر تو نہیں بلا سکتے۔ بہرحال اسے پوری طرح ختم کر لینے دو۔ شاید کچھ اثر ہو اور ہم لوگ اسے چوڑے چھٹکارے سے بچ جائیں۔"

مگر اگر یہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں یہ پوری بوتل ختم کر دینی چاہیے۔" میں نے مجھے کہا۔ "اسے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ تمہیں ہماری یہ پسند آئی ہے اب وہ چاہتا ہے کہ تم پوری بوتل خالی کر کے ہی یہاں سے اٹھو۔"

"میں اپنے ہر وعدوں کو پورا کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور چوتھا گلاس بھی اٹھا کر منہ سے لگا لیا اور ذرا دیر میں اسے خالی کر دیا۔

میرے سامنے رکھی ہوئی بوتل میں اب زیادہ شراب باقی نہیں تھی شاید مشکل سے ایک گلاس رہ گیا ہوگا۔ کمرے میں داخل ہونے والے مشعل برداروں میں سے تین میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور دو ادھر کھڑے تھے۔ میں نے یہ بات محسوس کی کہ انھیں دانستہ طور پر اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ میں ہر وقت ان کے حملوں کی زد میں رہوں۔

میرے علاوہ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے گلاسوں سے پی رہے تھے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ابھی تک پورا ایک گلاس ختم نہیں کیا تھا جب کہ میں اس اثنا میں چار گلاس خالی کر چکا تھا۔

"اس سے کہو کہ یہ بانکی بھی شراب بھی اپنے قہر ناپید ہے۔" چار یہ اللہ ختم ہو۔" ٹراگو نے کہا۔ "اس کے بعد میں دوسری کارروائی کروں یہ بات ٹوٹ ہے کہ اسے یہاں سے کسی حالت میں بھی زندہ واپس نہیں دینا ہے۔"

"ٹراگو کہہ رہا ہے کہ تمہاری شراب بھی پی کر اس بوتل کو خالی کر دو۔" نے مجھ سے کہا۔ "وہ چاہتا ہے کہ جب تم ہمارے پاس سے جاؤ تو تمہیں کی کوئی شکایت نہ ہو۔ تم عملی طور سے سیر ہو کر جاؤ۔" اور اس کے ساتھ ہی نے بھی بھی شراب بھی میرے گلاس میں انڈیل دی میں خود بھی اس طرح سے تنگ آ گیا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد از جلد اس کا اختتام ہو جائے۔ میں نے فوراً ہی گلاس اٹھا کر اس کو بھی ایک سانس میں چڑھا لیا۔ کے ساتھ ہی میں نے پھلی کا ایک اور بڑا سا ٹکڑا اٹھایا اور اسے کے تو حاضرین پر وفیسر کر میں نے زہریلا ہل ملی ہوئی شراب بوتل خالی کر کے اپنے "میز بانوں" کو نہ صرف حیرت میں ڈال دیا تھا بلکہ ان منصوبے پر بھی پانی پھیر دیا۔ اور انھیں میری ہلاکت کا دوسرا راستہ تلاش پڑا۔ میں نے ٹراگو کی گفتگو سے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ زہر کے کرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد یہ لوگ مجھے زندہ جلا کر ہی کی کوشش کریں گے۔ اور بالکل یہی ہوا۔

جب تھوڑی دیر زمرد گزر گئی اور میرے جسم پر زہر خورانی کے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہا تھا۔ مرتے ہوئے قزاقوں کی چیخیں بڑی بھیانک تھیں اور سننے والوں کا دل دہلا رہی تھیں۔ لیکن ان چیخوں کو سننے والوں کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔

آخر دیکھتے ہی دیکھتے تمام قزاق جہنم رسید ہو گئے۔ ہر طرف لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ قزاقوں کے خون سے جہاز کا فرش سرخ ہو گیا اور جگہ جگہ پھسلن ہو گئی۔ میں نے مرنے سے پہلے ہوئے قزاقوں کو نکالا اور انھیں جہنم رسید کیا۔

انٹونیو ابھی تک زندہ تھا۔ میں نے دانستہ اسے ہلاک نہیں کیا تھا۔ اور میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا عبرت ناک انجام دیکھنے کے لیے زندہ رہے۔ انٹونیو کی عجیب حالت تھی۔ اس کا سارا جسم کسی سوکھے ہوئے خس رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور خوف و دہشت کے مارے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ وہ ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی یہ کوشش لاحاصل ثابت ہو گی اور وہ جہاں کہیں بھی چھپے گا میں اسے بآسانی ڈھونڈ نکالوں گا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ خود بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا کیونکہ کتنی ہی مرتبہ وہ میرے سامنے آیا، میرے ہاتھ میں خنجر تھا، میں چاہتا تو ایک لمحے میں اس کا قصہ پاک کر سکتا تھا، لیکن میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ اس بات کا اسے بھی شاید احساس تھا۔

بالآخر جب میں نے سارے قزاقوں کو ٹھکانے لگا دیا تو میں انٹونیو کی جانب متوجہ ہوا جو ایک کونے میں کھڑا ہوا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہی خوف اور سراسیمگی کی ملی جلی نگاہوں سے رحم کی اپیل کی اور دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ دہشت کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

بوڑھا آخر انٹونیو! میں نے اچانک پرتگیزی زبان میں کہا۔ اگر تو نے مت میں تمھیں ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

انتہائی خوف و دہشت کے باوجود انٹونیو پر اس قدر حیرت طاری ہوئی کہ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ پتنگوں کی طرح مجھے گھورنے لگا۔

"تم... تم... تم... تم پرتگیزی زبان بول رہے ہو؟" اس نے ہکلاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ اس نے یہ سوال ہسپانوی زبان میں پوچھا تھا۔

"ہاں میں پرتگیزی زبان بول رہا ہوں۔" میں نے پرتگیزی میں جواب دیا۔ "اور مجھے جتنی بھی پرتگیزی آتی ہے، جتنی تم تھیں اور تمھارے دوسرے ساتھیوں کو آتی ہے جن کا تعلق پرتگال سے ہے۔"

"لیکن... لیکن... لیکن اس سے پہلے تو تم نے کبھی نہیں بتایا کہ تمھیں پرتگیزی زبان آتی ہے۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لفظوں میں مجھ سے پوچھا۔

"میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اور میرے ساتھی پرتگیزی زبان میں گفتگو کرتے تھے، وہ سب کی سب تم سمجھ لیتے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے؟"

"تو پھر اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ تم اپنے بارے میں جو باتیں منصوبوں سے اچھی طرح واقف تھے۔" انٹونیو کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

"میں تمھارے ہر اس منصوبے سے مکمل طور پر واقف تھا جو میرے بارے میں تم لوگ پرتگیزی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ تم نے خطاب میں نہایت ہلاکت انگیز اور سریع الاثر زہر گھول دیا تھا، مجھے معلوم ہے۔ میں نے پوری قوتِ ارادی اور تم دیکھ رہے ہو کہ میں اب تمھارے سامنے زندہ و سلامت کھڑا ہوں، جبکہ مجھے زہر پلانے والے سب کے سب ہلاک ہو چکے ہیں، صرف تمھارے علاوہ۔" اور تمھیں میں نے جان بوجھ کر زندہ رکھا ہے کیونکہ میں تم سے بہت سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"اف میرے معبود!" انٹونیو کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور اچانک میرے قریب آکر میرے سامنے جھک گیا۔

"تم کون ہو جیا بوبو؟" اس نے میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔ "تم عام انسان ہرگز نہیں ہو۔ تم یقیناً کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو۔ اور ہم لوگوں نے تم سے ٹکر لے کر بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس کی ہمیں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے لیکن اس میں ہمارا قصور بھی نہیں ہے بیٹا! ہم لوگ تمھاری حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ تم سے الجھ بیٹھے۔ اور اس طرح تباہ و برباد ہو گئے۔"

"تم اس وقت میری اصلیت سے واقف تھے اور اب ہو۔" میں نے طیشناک سے جواب دیا۔ "لیکن میں تم لوگوں کی اصلیت سے اس وقت سے واقف ہوں جب تمھارا جہاز ہمارے ساحل پر لنگر انداز ہوا تھا۔ میں تمھارے قزاقوں کی شکل و صورت اور ان کے جہازوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تمھیں پہچان لینے کے بعد مجھے تمھارے عزائم کے بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ تم لوگ یہ بستی کے لوگوں کو اپنا غلام بنانے کی ناپاک کوشش کرو گے۔ مجھے ہمدردی تمھاری کوشش کو ناکام بنانا تھا۔"

"تم کتنے عجیب ہو جیا بوبو۔ تم ہمارے بارے میں سب کچھ جانتے تھے ہماری اصلیت سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور اس کے باوجود تم نے ہمیں ساحل پر لنگر انداز ہونے کی اور یہاں چند دن قیام کرنے کی اجازت دی۔" انٹونیو نے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے زہر دینے کی کوشش کی۔ میں نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا، یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ کر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم لوگ مجھے یا میرے قبیلے کے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے اور میں نے تمھارے تمام کے تمام لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ غداری کی، میرے قبیلے کے سیدھے سادے بے گناہ لوگوں نے تمھیں پناہ دی اور تم نے غداری اور مجرمانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

پاک منصوبہ بنایا۔ تم نے بستی کے تمام بڑوں کو قتل کر دو گے اور سارے جوان اور نوعمر لوگوں کو اپنا غلام بنا کر جہازوں میں بھر کے لے جاؤ گے اور انھیں اچھے داموں فروخت کر دو گے۔ یقین کرو کہ مجھے تمھارے ساتھیوں کی ہلاکت کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ دراصل وہ مجھے ہی اس قابل لگے تھے کہ دوست بن کر مکر و فریب سے کام لیا جائے۔"

انٹونیو نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خاموشی کے ساتھ میری صورت کو تکتا رہا۔ اس کے بعد اچانک وہ میرے قدموں میں کسی پالتو کتے کی طرح لوٹ گیا اور اپنے چہرے کو میرے قدموں سے رگڑ رگڑ کر کہنے لگا۔ "مجھے اپنی اصلیت بتاؤ جیا بوبو! مجھے بتاؤ تم کون ہو؟ نہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ معبود کے واسطے بتا دو کہ تم کون ہو۔ تم یقیناً کوئی دیوتا ہو، انسانی شکل میں دیوتا۔ تم ایک عام انسان ہرگز نہیں ہو۔"

"اس بات کو بھول جاؤ کہ میں کون ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے اور اس لیے اس کی کوشش بھی مت کرو۔" میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ تمھارے جہاز کے نچلے حصے میں کتنے غلام یا زنجیر میں بندھے ہیں؟"

"اوہ۔" انٹونیو نے ایک بار پھر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تو گویا تم اس بات سے بھی واقف ہو؟"

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم خود چل کر دیکھ لو۔" انٹونیو نے جواب دیا۔ "ہم گزشتہ ایک سال سے سمندر میں ہیں اور اس عرصے کے دوران ہم نے کافی غلام جمع کیے ہیں جو سب کے سب جہاز کے نچلے حصے میں موجود ہیں اور جہاز کی پتواریں چلانے کا کام ان کے ذمے ہے۔"

"چلو۔" میں نے کہا۔

میں اور انٹونیو لاشوں کو پھلانگتے ہوئے اور خون کے چھوٹے چھوٹے تالابوں سے بچتے ہوئے جہاز کے زیریں حصے میں پہنچ گئے جہاں دور رویہ پتواریں لگی ہوئی تھیں۔ ان پتواروں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی قطاریں تھیں۔ ان سب کے پاؤں میں بھاری بھاری زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور ان کے ہم قطار بیڑیاں تھیں۔ یہ سب کے سب مرد تھے اور اپنی اپنی جگہوں پر خاموش اور ساکت و صامت بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے ساری دنیا کا حزن و ملال ٹپک رہا تھا۔ ان سب کے جسم سیاہ تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ تمام کے تمام افریقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سروں کے بال دھنکی ہوئی میل مٹی بھری جٹاؤں کی طرح بڑھ کر گندے ہو گئے تھے۔ ان کے سیاہ جسموں پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ وہ سخت تکلیف اٹھا رہا تھا۔ وہ لوگ اپنی ویران اور خالی خالی نظروں سے ہر طرف دیکھ رہے تھے۔

اچانک کسی طرف سے ایک بھاری بھرکم نیزہ فضا میں سنسناتا ہوا بڑے زور سے میرے سینے سے ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا۔ میں فوراً ادھر متوجہ ہو گیا جس سمت سے نیزہ پھینکا گیا تھا۔ وہاں ایک کونے میں چار قزاق مجھے پیچھے ہوئے نظر آئے۔ یہ وہ قزاق تھے جو اپنی جان بچانے کی خاطر اوپر سے نیچے بھاگ آئے تھے اور انھوں نے یہاں پناہ لی تھی۔ شاید ان کا خیال تھا کہ میں نیچے نہیں آؤں گا اور اوپر سے واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن جب میں نیچے آنے کے بعد ان لوگوں کو دیکھ پلٹنے کے باوجود انھیں چھوڑ دیتا اور ان کی جان نہ لیتا، لیکن انھوں نے جب خود ہی اپنی موت کو دعوت دی تھی تو اس صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ انھیں بھی ٹھکانے لگا دوں۔ میرے سینے سے ٹکرا کر ٹوٹنے والے نیزے کو دیکھ کر پابزنجیر غلاموں میں سے کئی کی تو بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں ایسا حیرت انگیز منظر پہلی بار دیکھا ہو گا۔ وہ سب کے سب غوطہ حیرت و تجسس اور توصیف بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میں نے اس سمت قدم بڑھا دیا جہاں چاروں بھگوڑے قزاق چھپے ہوئے تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ان میں سے ایک نے اپنا کٹار جیسا خنجر ہاتھ میں لیا اور پھر اس کا نشانہ بھی اپنے پہلے ساتھی کی طرح بے خطا ہو گیا۔ خنجر سیدھا اس کے سینے پر پیوست ہو گیا اور وہ زمین پر گر گیا۔

"بیوقوفی کی حرکتیں مت کرو۔" انٹونیو ان لوگوں کو دیکھ کر زور سے چلایا۔ "تمھیں ہلاک نہیں کر سکتے۔ کوئی اسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ سب نے کوشش کر کے دیکھ لیا اور ناکام ہو گئے۔"

لیکن میں نے ان لوگوں کو مزید بیوقوفی کرنے کی مہلت ہی نہ دی میں جیسے ہی ان کے قریب پہنچا میں نے ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی جو میری طرف پھینک کر مارنے ہی والا تھا۔ اس کی تلوار سے سب سے پہلے میں نے اس کا ہی قصہ پاک کیا۔ اس کے بعد یقیناً دوسروں کو بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اب چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ جہاز کے نچلے حصے میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں اور ان کی وجہ سے اندھیرے میں کافی کمی ہو گئی تھی۔ تاہم اس نیم سرد و روشنی میں غلاموں کی سیاہ رنگ آنکھیں بھیڑیوں کی مانند نظر آ رہی تھیں جو بے پناہ سراسیمگی سے منتظر تھا۔

میں کے چاروں طرف ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد زور سے آواز لگائی۔ "اگر کوئی شخص کہیں ادھر ادھر چھپا ہوا ہو تو سامنے آ جائے میں اس کی جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔ مگر اس کے بعد مجھے کوئی بھی شخص اپنے جہاز میں کہیں نظر آیا تو میں اسے بے دریغ ہلاک کر دوں گا۔"

مجھے اپنی آواز کی گونج دیر تک سنائی دیتی رہی، لیکن میرے اچنبھے کے جواب میں نہ تو کوئی شخص سامنے آیا اور نہ ہی کسی کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے مجھ پر حملہ کرنے کی بھی دوبارہ کوشش نہیں کی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب کہیں کوئی شخص چھپا ہوا موجود نہیں ہے۔

اس کے بعد میں ان غلاموں کی طرف متوجہ ہوا جو بے حد رحم طلب

Optimized by www.ImageOptimizer.net

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نشانوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم لوگ ان غلاموں کو ان کی ضرورت کے مطابق غذا نہیں فراہم کرتے ہو؟" میں نے انتوخیو سے پوچھا۔

"نہیں۔" انتوخیو نے محبوب نداز میں جواب دیا۔ "ان غلاموں کو چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا ہے اور وہ بھی اتنی مقدار میں کہ یہ لوگ مرنے سے بچے رہیں اور ان کا وجود برقرار رہے تاکہ یہ کام کر سکیں۔"

"اور یقیناً انھیں نہانے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" انتوخیو نے جواب دیا۔ "ان میں سے ہر شخص جب سے اس جہاز میں آیا ہے جب سے اسے نہانے کا موقع نہیں دیا گیا اور وہ اس طرح زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔"

"کس قدر حقارت بھری نظر ہوتم لوگ۔" میں نے انتوخیو کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ اور انتوخیو ڈر کے مارے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"میرے نجات دہندہ!" میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "اگر میں تمھیں بلاک کرنے کا ارادہ رکھتا تو نہ جانے کب کا تمھیں جہنم واصل کر چکا ہوتا۔ بتاؤ کہ تمھارے جہاز میں کھانے پینے کی اشیا کی کیا صورت حال ہے؟"

"جہاز کے گودام میں بہت غلہ موجود ہے۔" انتوخیو نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔

"اور اس کے باوجود تم غلاموں کو غلے کے ایک ایک دانے کے لیے ترسائے رہے ہو۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔ "اچھا اب غلاموں کی زنجیریں ایک ایک کر کے کھولنا شروع کرو۔ میں اس کام میں تمھاری مدد کروں گا۔"

انتوخیو کے پاس میرے حکم کی تعمیل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا۔ ایک طرف سے میں نے اور دوسری طرف سے انتوخیو نے غلاموں کی زنجیریں کھولنی شروع کر دیں۔ غلام سخت حیرت زدہ تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور کس غرض سے انھیں آزاد کر رہا ہوں۔ لیکن ان کے چہروں پر دوڑتی ہوئی خوشی دیکھ کر یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ مجھے اپنا ہمدرد اور دوست سمجھ رہے ہیں۔

سارے غلاموں کی زنجیریں کھولنے میں کافی وقت لگا۔ لیکن بالآخر وہ سب کے سب آزاد ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے گہری ممنونیت تھی۔

"تم لوگوں نے کب سے کھانا نہیں کھایا؟" میں نے ان میں سے ایک نوجوان سے پوچھا۔

"ہمیں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا ہے اور وہ بھی صبح کے وقت۔" اس نے جواب دیا۔ "آج صبح کھانا کھایا تھا۔ لیکن ایک وقت دیا جانے والا کھانا بھی اتنا کم ہوتا ہے کہ ہم ہمیشہ بھوکے ہی رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اب تم بھوکے نہیں رہو گے۔" میں نے کہا۔ "تم میں سے کوئی بھی بھوکا نہیں رہے گا۔" میں نے انتوخیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے نجات دہندہ! تم کون ہو اور تم نے ہماری زنجیریں کیوں کھلوا دیں؟ کیا تم نے ہمیں خرید لیا ہے؟" اس نوجوان نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے جواب دیا۔ "میں فسانوں کی خرید و فروخت کا گھناؤنا کاروبار نہیں کرتا۔ میں نے تم سب کی زنجیریں کھول کر تمھیں آزاد کر دیا ہے۔ تمھیں آئندہ کیا کرنا ہوگا اس کے بارے میں ہم کل صبح کھلی فضا میں، سورج کی روشنی میں گفتگو کریں گے۔ فی الحال میرا مسئلہ تمھاری بھوک کا ہے۔"

وہ شخص خاموش ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام سیاپلجو ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "ان لوگوں نے مجھے میرے قبیلے سے جدا کر دیا ہے۔ میں اپنے علاقے میں ساحل پر مچھلیاں پکڑ رہا تھا کہ ان لوگوں نے اچانک حملہ کر کے مجھے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ جہاز پر لے آئے جہاں انھوں نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی زنجیروں سے باندھ دیا۔ اور تب لوگوں کی زبانی مجھے پتا چلا کہ ہم لوگوں کو غلام بنایا گیا ہے۔ اس سے پہلے میں غلام کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ غلام کیا ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے سیاپلجو، تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے مصیبت کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ کل صبح کا سورج تم سب لوگوں کے لیے آزادی و مسرت کا سورج ہوگا۔"

اس کے بعد میں نے انتوخیو کو حکم دیا کہ وہ قیدی غلاموں کے کھانے کا بندوبست کرے۔

"کھانے کا بندوبست تو انھیں خود ہی کرنا پڑے گا۔" انتوخیو نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "بات یہ ہے کہ ہمارے جہاز پر موجود تمام آدمی ملاح ہیں ان میں کوئی بھی شامل نہیں ہے جو سب کے لیے کھانا تیار کرتے ہوں۔ ہم لوگ کرتے تھے۔ میں خود کھانا تیار کرنا نہیں جانتا ہوں۔ اگر تمھاری اجازت ہو تو میں کچھ لوگوں کی مدد سے کھانے کی تیاری کا بندوبست کر دوں۔ میں فوراً حکم کروں گا جو کہ سامنے کا سامان جہاز میں موجود ہے۔ باقی کا کام یہ اپنے طور پر اپنے ہاتھ سے کریں۔"

"میں معلوم کرتا ہوں کہ یہاں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کھانا تیار کرنے کا کام جانتے ہوں۔" میں نے کہا اور ساتھ ہی ان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "تم میں سے کون کون سے لوگ ایسے ہیں جو کھانا تیار کرنے کے بارے میں معلوم ہو؟" تقریباً سب ہی لوگ ایسے تھے جو غلامی کے ساتھ کھانا تیار کر سکتے تھے۔

میں نے ان میں سے کچھ لوگوں کا انتخاب کیا اور انھیں انتوخیو کے حوالے کر دیا تاکہ وہ انھیں، ان کے فرائض سمجھا دے اور وہ لوگ کھانا تیار کر دیں۔

اس کے بعد میں خود جہاز کے عرشے پر چلا گیا۔ کافی دیر تک چاروں طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ تاریکی میں سمندر کے

[illegible] تک جہاز کی روانگی ملتوی کر سکتا ہے جب تک کہ مطلوبہ پانی [illegible] جب مطلوبہ پانی زنجیریں توڑ دیتے ہیں تو غلاموں کا کلیجہ کانپنے لگتا ہے۔ [illegible] کے سامنے ان کا حال خراب ہو جاتا ہے۔"

انتوخیو نے فوری طور پر اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "اگر تم مجھے اپنے ساتھ لے چلو تو تمھاری بڑی مہربانی ہوگی۔ میں تمھاری بستی میں سکون سے رات گزار سکوں گا۔ جبکہ یہاں میں ساری رات موت کے خوف سے لرزتا رہوں گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں سچ مچ ہی موت کا شکار ہو جاؤں۔"

"ٹھیک ہے انتوخیو!" میں نے کہا۔ "مجھے تمھاری درخواست منظور ہے اور تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔"

اس کے بعد میں نے سیاپلجو سے کہا کہ وہ سارے لوگوں کو چند منٹ کے لیے ایک جگہ جمع کر لے۔ سیاپلجو نے فوراً میری ہدایت پر عمل کیا اور سارے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا۔

"دوستو!" میں نے ان تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب تم غلام نہیں ہو۔ تم آزاد انسان ہو اور تمھیں اپنی مرضی کے مطابق اپنی زندگی کی تعمیر کرنے کا حق حاصل ہے۔ جن لوگوں نے تمھیں غلام بنایا تھا میں نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ان کی لاشیں تم لوگوں کی نظروں کے سامنے سمندر میں پھینکی جا رہی ہیں۔ اس وقت تم سے صرف یہ بات نہیں کرنا چاہتا۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ رات سکون و آرام سے گزارو۔ کل صبح تمھارے لیے کھانا تیار ہو رہا ہے۔ کھا کر آرام سے سو جاؤ۔ میں اب اپنی بستی میں رات گزارنے کے لیے جا رہا ہوں۔ کل صبح کو میں دوبارہ تمھارے پاس آؤں گا اور اس وقت ہم آئندہ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ اب میں تم سے اجازت چاہتا ہوں۔ تم لوگ یہاں اس جہاز کے اندر ہی گزارو۔"

"ہمارے عظیم محسن! تمھارا نام کیا ہے؟" بیک وقت بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔

"میرا نام ٹیاپو ہے۔" میں نے کہا۔ "اچھا اب رخصت؟"

میں انتوخیو کو لیے ہوئے نیچے پانی میں اتر گیا۔ ہم دونوں نے خشکی کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ اب چاند نکل آیا تھا اور ہلکی ہلکی روشنی کے باعث منظر اتنا بھیانک نہیں رہا تھا جتنا کہ کچھ دیر پہلے تک تھا۔ انتوخیو نے بھی ایک لمبا چوڑا تیراک ہونے کا ثبوت دیا تھا اور جلد ہی ہم دونوں پانی میں سے نکل کر خشک ساحل پر آ گئے۔ اور کے قدم بڑھانے لگے۔

اچانک میں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے دور درختوں کے پار، جہاں سے گزر کر پگڈنڈی بستی کی طرف جاتی تھی، روشنیوں کے دو نقطے نظر آئے۔ یہاں اس غیر آباد ساحل سے کچھ دور درختوں کے پار، رات کے اس سناٹے اور ویرانی میں بھلا کون ہو سکتا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ہو سکتا ہے یہ ان قزاقوں میں سے کوئی ہوں جنھوں نے تختی جام کے وقت خود کو [illegible]

کر بہانے چھپ گئے تھے۔ اور صحن میں کودنے لگے تھے لیکن گریہ قزاق ہی تو ان کے پاس بادشاہیاں کس سے گئیں خاطر ہے کہ فراغتی نے وہ میں جماعت جائے وقت وہ اپنے ساتھ شیطانیں تو نہیں لائے ہوں گے۔

انٹونیو بھی ان وشیطانیوں کے دونوں نقصوں کو دیکھ چکا تھا اور وہ کافی دیر تک ان کے خوفزدہ نقوش سے میری طرف دیکھتا رہا پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ دشمنی کیسی ہے بتایا جو جانے یہ کون ہے اور ویرانی بات کے اس سناٹے میں یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے ہولے سے جواب دیا۔ "اتنی رات گئے بھلا یہاں کون آ سکتا ہے؟ بہرحال کچھ اپنے کی کوئی بات نہیں ہم اسی طرف چل رہے ہیں، جو کوئی بھی ہوگا، ہمیں معلوم ہو جائیگا۔"

اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ لیکن میں واقعی طور پر بہت کمزور ہو رہا تھا کہ انٹونیو بہت خوفزدہ ہے مجھے دل ہی دل میں اس بات پر ہنسی آ رہی تھی کہ ایک ایسا شخص جو دن کے اجالوں میں اور رات کی تاریکیوں میں جہازوں کو لوٹتا رہا ہے انسانوں کو بے رحمی کے ساتھ ہلاک کرتا رہا ہے، زندہ و توانا آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر غلام بناتا رہا ہے اس وقت روشنی کے دو نقطوں سے اتنا زیادہ خائف اور پریشان نظر آ رہا ہے بہرحال، وقت وقت کی بات ہے۔

بہرحال ہم اور میں ہم مرگ روشنیوں کے پاس پہنچ گئے ہمارے قدموں کی آہٹ سن کر روشنیوں نے ہماری طرف پیشقدمی شروع کر دی تھی اور انٹونیو کا ڈر کے مارے میرا بڑا حال تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اپنے تمام ساتھیوں کی اچانک اور غیر متوقع ہلاکت نے انٹونیو کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی اس کا سارا حوصلہ اور دم خم ختم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کی حالت ایک خوفزدہ بچے کی سی ہو رہی تھی۔

اچانک روشنیوں کے ہالے کے پیچھے سے چار سائے نمودار ہوئے۔ یہ نارو اس کے چیلے پائیش اور البرٹو کے چہرے تھے۔

"ارے تم لوگ یہاں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم لوگ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہے ہو؟"

کتنا عجیب سوال ہے نا؟ ایسا ہو تا نارو نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "جلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ تم عیش کا خواب ہو اور جو لوگ سکون کے ساتھ بیٹھے رہیں یہ خدا سوچو تو تم طلوع آفتاب سے کافی پہلے بستی سے نہ ہو لے تھے۔ اور اب ایک پہر سے زیادہ رات ڈھل چکی ہے۔ نہیں معلوم تمہاری انہی حرکتوں نے خلاف سازش کر رہے ہیں اور تمہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے بہرحال ہم تینوں شام سے ہی تمہارے منتظر میں یہاں کھڑے ہیں بستی کے لوگ بھی ہمارے ساتھ آئے تھے، لیکن جب ان کو واپس بھیج دیا گیا خود یہاں رک گئے، تاکہ جب تم آؤ تو تمہیں اندھیرے میں روشنی دکھا سکیں۔"

پتہ نہیں کتنا جھوٹ اور کتنا سچ اپنی اس طول طویل اور لاحاصل ہی زندگی میں

نارو نے اپنے چیلے پائیش سے کہا کہ وہ انٹونیو کو اپنے ساتھ لے جائے وہ اپنے چھوٹے سے سلامے پائیش اپنی ماں کے حکم کے مطابق انٹونیو کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا اور اب میرے جھونپڑے میں میرے علاوہ صرف نارو اور البرٹو تھے لیکن یہ صرف میرا خیال تھا۔

معلوم یہ ہوا کہ تقریباً ساری بستی کے لوگ میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔ بستی کے سارے لوگوں کو کسی طرح یہ خبر ہو گئی تھی کہ میں انگلستان کے جہاز پر گیا ہوں۔ اور وہ سب کے سب میری واپسی کے منتظر تھے۔ میرا جھونپڑا چونکہ بستی کے شروع میں ہی واقع تھا اس لیے میری آمد کی لوگوں کو خبر نہ ہو سکی لیکن جب پائیش انٹونیو کو ساتھ لے کر گیا تو ساری بستی کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں واپس آ گیا ہوں۔ چنانچہ بہت سے لوگ آ نے والے تھے انھوں نے میرے جھونپڑے میں جھانک کر مجھے زندہ سلامت دیکھا۔ اور مسکراتے ہوئے گردن ہلا کر چلے گئے۔ میری صحت دیکھ کر انھیں اطمینان ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس دوران میں پائیش بھی انٹونیو کو اپنے جھونپڑے میں سلا کر واپس آ گیا تو میں نے ان چیلوں کو تفصیل سے بتایا کہ میرے ساتھ کیا کیا حیران کن واقعات پیش آئے تھے۔ وہ لوگ یہ ساری باتیں سن کر ششدر رہ گئے تھے۔ خاص طور پر البرٹو کو اس بات پر تعجب ہوا کہ میں زہریلی ہوئی شراب کی ایک پوری بوتل چڑھا جانے کے باوجود زندہ رہا۔ میں نے اسے ہنس کر ٹال دیا۔

"اب تمہارا ان غلاموں کے ساتھ کیا سلوک کرنے کا ارادہ ہے؟" نارو نے مجھ سے سوال کیا۔

"میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے نارو سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اب اپنے اپنے گھروں کو تو واپس نہیں جا سکتے کیونکہ نہ تو وہاں کسی کے گھر معلوم ہیں اور نہ ہی یہ اپنے علاقے کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ گزشتہ ایک سال سے یہ ہمارے معلوم کن کن راستوں سے گزرتا رہا ہے اور کن کن ساحلوں کو چھوتا رہا ہے۔ ان لوگوں کی قسمت اب اس کے ساتھ ہی وابستہ ہو چکی ہے اور ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ اپنے ساحل وطن کو بھول جائیں اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "کیا تمہارے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان لوگوں کو اپنے قبیلے میں شامل ہونے اور یہیں رہنے کی کوشش کریں؟"

میں نے دیکھا کہ البرٹو کا چہرہ یکایک تاریک ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں اداسی پھیل گئی۔ میں اس کا سبب فوراً سمجھ گیا۔ البرٹو کو امید تھی کہ شاید میں اسے غلاموں سمیت جہاز کو لے جانے کی اجازت دے دوں گا اور وہ اپنے وطن پہنچ جائے، لیکن اب نارو ایک ایسی گنجائش پیش کر رہا تھا جس کی رو سے سارے سابقہ غلاموں کو یہیں آباد کیا جاتا تھا اس صورت میں البرٹو کے یہاں سے چلے جانے کے امکانات مسدود ہو جاتے کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اکیلا یہ جہاز لے کر نہیں جا سکتا تھا اسے جہاز چلانے کے لیے تو دسیوں کی ضرورت تھی میں البرٹو کے دکھ کو سمجھ رہا تھا لیکن ذاتی طور پر خود میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں بات خود بخود طے ہو گئی تھی۔ لیکن البرٹو نے اس الجھن کو حل خود ہی ڈھونڈ لیا تھا۔

"مسٹر نارو۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "نہیں معلوم کہ مجھے کن حالات کے تحت یہاں رکنا پڑا تھا۔ میں گزشتہ دس سال سے اپنے ہموطنوں اور اپنے عزیز و اقارب سے بچھڑا ہوا ہوں۔ اب قدرت نے اتفاق سے دوبارہ ایک جہاز بھیج دیا ہے یہ میری بدقسمتی ہے کہ یہ جہاز قزاقوں کا نکلا۔ وہ مجھے ان سے کوئی فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح اس جہاز کے ذریعے اپنے وطن واپس چلا جاؤں۔ اگر تم، ٹیا ہو مجھے اس کی اجازت دے دو کہ میں صرف اتنے آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے جاؤں جتنے آدمی جہاز چلانے کے لیے ضروری ہیں تو میں بڑے آرام سے اپنے وطن واپس پہنچ سکتا ہوں۔ تم لوگ اس بات کا یقین کر سکتے ہو کہ میں ان لوگوں کو غلام نہیں بناؤں گا بلکہ وہ سب کے سب اپنے بہت سے ہوں گے۔ انھیں اپنے وطن میں لے جا کر میں انھیں آزاد انہ اور آبرومندانہ زندگی گزارنے کی اجازت دوں گا بلکہ اس کے لیے موقع فراہم کروں گا۔ تم لوگ اگر چاہو تو اس بات کی اجازت بھی دے سکتے ہو کہ ان میں سے ہر شخص اپنے ساتھ تھوڑا تھوڑا سونا بھی لے جائے تاکہ میرے وطن میں پہنچنے کے بعد وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور اپنے آپ کو بہتر سیٹ پائے۔ سونے کی موجودگی میں وہ ایک شاندار زندگی کا آغاز کر سکتا ہے۔"

نارو کو ہیرو فی دنیا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا اس لیے وہ یہ ساری باتیں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں البرٹو کی تجویز سے ایک بنیادی سوال پیدا ہوا اور وہ میں نے فوراً البرٹو کے سامنے رکھ دیا۔

"تمہاری تجویز تو بہت معقول ہے البرٹو۔" اور ظاہر ہے کہ تمہاری یہ خواہش بالکل فطری ہے کہ تم اپنے وطن میں اپنے ہموطنوں کے درمیان زندگی گزارو۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمہارے وطن کے لوگ ان سیاہ فام انسانوں کو اپنے معاشرے میں قبول کر لیں گے؟ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، تمہارے وطن میں اگر کچھ تھوڑے بہت سیاہ فام موجود ہیں تو ان کی حیثیت صرف زر خرید غلاموں کی سی ہے۔ وہاں انھیں آزادانہ زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ٹیا ہو۔" البرٹو نے کہا۔ "لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے وطن میں جو سیاہ فام موجود ہیں وہ زبردستی پکڑ کر لائے گئے ہیں اور انھیں غلام بنا کر رکھا گیا ہے۔ وہ غلاموں کی حیثیت میں ہی میرے وطن پہنچے تھے۔ جبکہ ان لوگوں کے ساتھ صورت حال دوسری ہوگی۔ یہ لوگ غلاموں کی حیثیت میں نہیں، بلکہ آزاد انسانوں کی حیثیت میں وہاں پہنچیں گے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری دست نہیں ہوں گے۔ ان کے پاس سونا ہوگا، کثیر مقدار میں سونا، اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ دنیا دولت کی پجارن ہے۔ چنانچہ ایسے کیسے غلاموں کو

Optimized by www.ImageOptimizer.net

حقارت کی نظر سے دیکھنے کی کس میں ہمت ہوگی؟"

میں خاموش ہوگیا۔ مجھے البرٹو کے دلائل میں خاصا وزن محسوس ہو رہا تھا۔ تاہم میں تنہا یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں ہمیشہ اس بات کو برا خیال رکھتا تھا کہ نارو کبھی یہ محسوس نہ کرے کہ میں اس پر کوئی فیصلہ زبردستی مسلط کر رہا ہوں۔ بلکہ وہ خود ہر فیصلے میں شامل رہے۔ اس لیے میں نے نارو سے کہا۔ "نارو! البرٹو نے جو کچھ کہا ہے، میں اس کے بارے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے بیرونی دنیا کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔" نارو نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "باہر کی دنیا کے بارے میں میں جس قدر بھی جانتا ہوں، وہ البرٹو نے مجھے بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلی خواہش اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ سیاہ فام جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، غلامی کے بندھن سے آزاد ہوں۔ ایک اچھی اور خوشحال زندگی گزاریں۔ اگر البرٹو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے وطن کی سرزمین پر یہ لوگ پُرسکون اور آرام دہ زندگی گزار سکتے ہیں، تو مجھے اس میں کوئی اختراض نہیں ہے۔ میری طرف سے اسے اس بات کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ ٹھیک ہو بھی ایسا ہی چاہے۔"

نارو کی بات سن کر بے ساختہ البرٹو کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے خوشی کے عالم میں نارو کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بچوں کی سی حرکتیں مت کرو۔" اس نے البرٹو کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اس بات کا بہت افسوس ہوگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔ کیا تمہیں ہم لوگوں کی چھوٹے سے ظالم نہیں ہوگا؟ تم نے ہمارے ساتھ زندگی کے دس سال گزارے ہیں۔"

"افسوس تو مجھے یقیناً ہوگا اور بہت ہوگا۔" البرٹو نے کہا۔ "لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات کی بے پایاں خوشی بھی ہوگی کہ مجھے اپنے وطن کی سرزمین کو اور اپنے لوگوں کو ایک بار پھر دیکھنے کا موقع ملے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنی زندگی کے بہترین حصے اس جگہ گزارے ہیں، جہاں کی یادوں کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ تم لوگوں کی عنایات اور مہربانیوں کو میں ساری زندگی یاد رکھوں گا؟"

"نیز تمہاری مرضی ہے۔" نارو نے کہا۔ "جب تم جانا ہی چاہتے ہو تو پھر بھلا تمہیں روکنے سے کیا فائدہ؟"

اب آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ نارو اور بعد بات چیت کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور نارو، البرٹو اور پالیش سونے کے لیے اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ صبح میں دوبارہ ملنا تھا۔ اور دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی طے کرنا تھا کہ انٹونیو کا کیا کیا جائے جو اس وقت ہمارے پاس ایک طرح سے قیدی کی حیثیت رکھتا تھا۔

دوسرے دن علی الصباح نارو اور البرٹو میرے جھونپڑے میں آگئے۔ نارو کے ساتھ اس کا بیٹا پالیش بھی موجود تھا۔ میں نے نارو کو مشورہ دیا تھا کہ اہم امور کے بارے میں گفتگو اور فیصلے کرتے وقت وہ پالیش کو اپنے ساتھ رکھا کرے تاکہ وہ ابھی سے تمام معاملات کے بارے میں جان جانے کے عمل میں شریک ہو سکے۔ البرٹو کے دلائل نے نارو کو قائل کر لیا تھا۔

صبح ہی صبح پالیش انٹونیو کو لے کر میرے پاس آگیا۔ اس نے ہم تینوں کو وفیرہ کھلایا تھا۔ مجھے نارو اور البرٹو وغیرہ کا انتظار تھا۔ کہ وہ لوگ کھا لیں اور پھر ان کے شوشے سے میں انٹونیو کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔

نارو اور میں، نارو اور البرٹو وغیرہ آگئے۔ ہم سب لوگ آپس کے قبیلے کی زبان میں گفتگو کرنے لگے۔ ہاں انٹونیو ہماری گفتگو کو نہ سمجھ سکے

"اب تم لوگ یہ بتاؤ کہ اس شخص کا کیا کرنا ہے؟" میں نے انٹونیو کی طرف دیکھتے ہوئے ان لوگوں سے پوچھا۔ اس سے ایک دن پہلے میں اور پالیش کو تفصیل کے ساتھ بتا چکا تھا کہ بحری قزاق کون ہوتے ہیں اور ان کا کام کیا ہوتا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ انٹونیو بھی ایک بحری قزاق ہے۔

میرے خیال میں مناسب یہی ہوتا کہ اسے بھی دوسرے قزاقوں کے ساتھ قتل کر دیا جاتا۔" البرٹو نے کہا۔ "لیکن چونکہ تم نے اس کی جان بخشی کر دی ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لیے بہترین سزا یہ ہوگی کہ اسے یہیں اسی قبیلے میں رہنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ اپنی ساری زندگی اکیلا رہ کر گزارے گا۔ اسے کوئی بیوی نہیں ملے گی۔ کوئی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرے گا۔ اس کے لیے اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" نارو نے جلدی سے کہا۔ "البرٹو تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔ انٹونیو بھی دل سے یہی چاہے گا کہ اسے جہاز پر جانے دیا جائے۔ نکارو یہ بیرونی دنیا میں پہنچ سکے۔ لیکن اس کا یہ خواب پورا نہیں ہونا چاہیے۔ اسے اب ہم لوگوں کے درمیان رہ کر سخت کوشش اور محنت کی زندگی کا عادی ہو جانا چاہیے۔"

"ویسے بھی اس کا میرے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔" البرٹو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک جرائم پیشہ شخص ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے خلاف کسی قسم کی سازش کرے۔ بعض سیاہ فاموں کو ورغلا کر انھیں اپنے ساتھ ملانے اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

انٹونیو ہماری ساری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں ہماری گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں آرہا تھا۔ لیکن اتنی بات وہ ضرور سمجھ سکتا تھا کہ یہ گفتگو اس کے بارے میں ہو رہی ہے۔ وہ خاصا پریشان نظر آرہا تھا۔

"مجھے تم لوگوں کی رائے سے اتفاق ہے۔" میں نے کہا۔ "انٹونیو کو ہمارے ساتھ رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جان چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ رکھا جائے۔ لیکن اسے ہمارے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ نارو نے ٹھیک کہا ہے۔ اسے اس بات کا احساس رہے کہ اس نے کتنے خطرناک لوگوں کی زندگی گزاری ہے۔"

"تم ہم لوگوں کا فیصلہ اسے سنا دو۔" نارو نے کہا۔

"مگر جلدی مت کرو۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اسے وقت سے پہلے ہوشیار مت کرو۔ چند دن بعد البرٹو ہمیں

جہاز کے روانہ ہو جانے کا۔ تو اس وقت ہم اس کو اس فیصلے سے مطلع کر دیں گے۔ ابھی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اگر یہ بات اسے ابھی معلوم ہو جائے تو یہ کوئی منصوبہ بنانے کی کوشش کرے۔ ہمارے روانگی کے بعد یہ بالکل بے بس ہوگا اور پھر اسے یہیں رہ کر، محنت کر کے، روٹی کمانی ہوگی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔"

"تم کتنے دانشمند ہو چاچو! اور میں تمہارے مقابلے میں کتنی احمق اور نادان ہوں۔" نارو نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا اب ہم سب لوگوں کو جہاز پر چلنا چاہیے۔ جہاز کے سیاہ فام ملاح فرار ہونے کے منتظر ہوں گے۔" میں نے کہا۔ "اور ہم سب لوگ انٹونیو سمیت کشتی کی جانب روانہ ہوگئے۔

جب ہم ساحل پر پہنچے تو جہاز ہمیں دور سے ہی کھڑا نظر آگیا۔ قریب پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ سیاہ فام سابق غلاموں کی بہت بڑی تعداد عرشے پر جمع تھی۔ وہ سب کے سب یقیناً ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انھوں نے دور ہی سے ہم لوگوں کو ساحل پر دیکھ کر عرشے پر سے ہاتھ ہلانا شروع کر دیے۔

ہم سب لوگوں نے ایک ساتھ ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیرتے ہوئے جہاز کے پاس پہنچ گئے۔ سیاہ فاموں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس وقت جہاز پر سیاہ فام موجود تھے یعنی نارو اور اس کا بیٹا پالیش اور البرٹو بھی۔ اس تپتے ہوئے خطے میں دس سال تک رہتے رہتے سانولا ہو گیا تھا، لیکن پھر بھی اسے سیاہ فام نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جہاز پر موجود سیاہ فاموں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نارو اور پالیش پلٹ فارم کے اندر اندر ان لوگوں کے درمیان گھل مل گئے۔ اور ان سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ زیادہ تر باتیں وہ لوگ میرے بارے میں اور میری بہادری کے بارے میں کر رہے تھے۔ کیونکہ انھیں یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ کل رات کو سوئے ہوئے قزاقوں کو ہلاک کرنے والا میں ہی ہوں۔ دل چسپ بات یہ تھی کہ سیاہ فاموں نے تمام قزاقوں کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا تھا اور جہاز کی اچھی طرح صفائی کر دی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے سارے سیاہ فاموں کو عرشے پر جمع کیا۔ سب سے کہا کہ وہ غور سے میری بات سنیں۔ سارے لوگ جمع ہو کر گوش ہو گئے۔ میں نے ان کے سامنے ایک طویل تقریر کی، جس میں میں نے انھیں بتایا کہ اب وہ بالکل آزاد ہیں، اور جس طرح چاہیں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے لیے اب اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا ممکن نہیں ہے، اس لیے بہتری یہ ہوگا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے زندگی گزارنے کے بارے میں میں نے انھیں بتایا کہ یہ جہاز چند دنوں میں ایک نئی دنیا کے ساحل پر پہنچ جائے گا اور ان لوگوں سے البرٹو کا تعارف کرتے ہوئے میں نے کہا کہ البرٹو میرا دوست ہے اور ایک قابل اعتماد انسان ہے۔ وہ ان لوگوں کو وہاں لے جائے گا جو وہاں جانے کے خواہشمند ہوں گے اور وہاں سے وہ نئے سرے سے زندگی شروع کر سکیں گے۔ میں نے انھیں دولت اور سونے کے بارے میں تفصیل سے سمجھایا اور یہ بتایا کہ بیرونی دنیا میں سونے کی کیا اہمیت ہے اور یہ کہ جو لوگ البرٹو کے ساتھ جائیں گے انھیں بہت سا سونا دیا جائے گا جس سے وہ بیرونی دنیا میں ساری عمر بہت آسانی سے گزار سکیں گے۔ میں نے انھیں بتایا کہ البرٹو کے ساتھ کچھ آدمیوں کے جانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ جہاز چلا سکیں۔

"جو لوگ جہاز پر نہیں جائیں گے، وہ یہاں جاری بستی میں قیام کر سکیں گے۔" میں نے کہا۔ "انھیں ہم اپنے قبیلے میں شامل کر لیں گے جس کی سرحدیں عظیم نارو سے ہیں۔" میں نے نارو کو سب لوگوں سے متعارف کراتے ہوئے کہا۔ "نارو تم لوگوں کو اپنے قبیلے میں شامل کر کے بہت خوش ہوگی اور نارو کا بیٹا پالیش بھی۔ جو اس قبیلے کا آئندہ سردار ہونے والا ہے۔ تم لوگوں کو مجھ سے لگائے گا تم لوگ اس قبیلے میں اسی طرح رہنا جس طرح پہلے اپنے قبیلوں میں رہا کرتے تھے۔"

میری باتیں سن کر سیاہ فام سابق غلاموں میں آپس میں کھسر پھسر شروع ہوگئی۔ اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے میں مصروف ہوگئے۔

میں نے سیاہ فام لوگوں کے سامنے جو باتیں کہی تھیں انٹونیو ان کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا تھا کیونکہ میں نے وہ ساری باتیں قبائلی زبان میں کہی تھیں جس سے انٹونیو بالکل ناواقف تھا۔ میرے خاموش ہو جانے پر اس نے میرے قریب آکر مجھ سے پوچھا کہ میں نے ان لوگوں سے کیا کہا ہے۔ میں نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ میں نے ان لوگوں کو نئی زندگی کی نوید دی ہے۔

اس کے بعد میں نے تمام سیاہ فاموں کو اس بات کی ہدایت دی کہ وہ سمندر میں نہائیں اور اپنے جسموں پر سے مہینوں کے جمے ہوئے میل کی تہیں اتار دیں۔ میری ہدایت ملتے ہی وہ پلٹا نما ڈیک میں عرشے سے چھلانگیں لگا لگا کر سمندر میں کودنے لگے۔ وہ سب کے سب بوکھلائے ہوئے لوگ تھے۔ اس لیے ان میں سے ہر شخص کو تیرنا بخوبی آتا تھا۔ ذرا دیر میں جہاز میں سوائے ہم پانچ افراد کے اور کوئی موجود نہیں تھا۔ جہاز کے سارے سیاہ فام سمندر میں کود گئے تھے اور پانی میں اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ ان لوگوں کی مسرت دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہوا جا رہا تھا۔ مجھے اس بات کی دلی خوشی تھی کہ میں نے انھیں ایک عذاب ناک زندگی سے نجات دلائی ہے۔

"مجھے اب کیا کرنا ہوگا؟" انٹونیو نے ڈرتے ڈرتے مجھ سے سوال کیا۔ "میرے مستقبل کے بارے میں تمہارا کیا حکم ہے؟"

"ابھی ہم اس مسئلے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔" میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔ "جیسے ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچیں گے، تمہیں مطلع کر دیں گے۔ بہرحال، میں تمہیں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ ہم لوگوں نے تمہیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہاری جان نہیں لی جائے گی۔"

"میرے لیے یہی بہت بڑا انعام ہے۔" انٹونیو نے میرے سامنے جھکتے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دے سکتا ہوں۔ اس کے لیے میں تم لوگوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔"

لوگوں کا کوئی دریا تک سمندر کے بالکل کنارے کھیتے رہے اور جب ان کے جہاز پر تربیت ہوئی سیل کا ذرہ ذرہ تیز ہو گیا تو انھوں نے دوبارہ جہاز کو خشکی پر اوپر تک لے گئے۔ اب سارے لوگ اوپر تھے تو میں نے دوبارہ ان سب کو پکڑ کے جہاز پر جانے کا حکم دیا۔ البرٹو کے ساتھ جہاز پر جانے کے خواہشمند ہوں وہ دائیں ہاتھ کی طرف کھڑے ہو جائیں اور جو لوگ فیصلے میں رہ کر زندگی گزارنا چاہتے ہوں وہ بائیں طرف کھڑے ہو جائیں۔

اس کام میں کافی دیر لگی کیونکہ بہت سے لوگ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ وہ کیا کریں؟ سمندری سفر پر روانہ ہوں یا قبیلے میں قیام کریں۔ بالآخر بہت سے لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ کبھی وہ دائیں طرف چلے جاتے تھے اور پھر جلدی سے بائیں طرف آ جاتے تھے۔ اسی طرح بائیں طرف کے لوگ کبھی دائیں طرف چلے جاتے تھے اور پھر ان میں سے کچھ بائیں طرف آ جاتے تھے۔ غرضیکہ کوئی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم لوگوں نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی اور انھیں اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق دیا۔ بالآخر فیصلہ کر کے دونوں گروہ اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے۔

میں نے اور البرٹو نے ان لوگوں کی گنتی کی جنھوں نے سمندری سفر پر جانے کے لیے خود کو پیش کیا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد مطلوبہ تعداد سے ذرا سی زیادہ نکلی۔ لیکن میں نے اور البرٹو نے بھی طے کیا کہ اگر دورانِ سفر کوئی آدمی زیادہ ہوں تو نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ بہتر ہی رہے گا۔ چنانچہ ان لوگوں کو مطلع کر دیا گیا کہ ان سب کو سمندری سفر پر روانہ کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ناروفا نے سارے سیاہ فاموں کو بستی میں چلنے کی دعوت دی۔ ایک مدت بعد ان لوگوں کو کھلی فضا میں آزادانہ سانس لینے کا موقع ملا تھا اور ان کی مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بستی میں سارے لوگوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ ناروفا کی ہدایات کے تحت دوپہر کا کھانا تیار کیا گیا اور ان لوگوں نے بستی میں ہی کھانا کھایا۔

چند روز تیاریوں میں گزر گئے۔ انٹونیو بڑا پریشان تھا۔ پوری بستی میں صرف دو آدمی ایسے تھے جن سے وہ گفتگو کر سکتا تھا۔ ایک میں اور دوسرا البرٹو۔ ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور اس کی زبان سمجھنے والا نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے اور البرٹو سے کئی بار پوچھا کہ اس کے بارے میں ہم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے اور یہ کہ ان سیاہ فام ساتھیوں کا کیا ہوگا؟ لیکن ہم لوگوں نے اسے یہی جواب دیا کہ یہ ساری باتیں بھی زیرِ غور ہیں۔ ابھی ان معاملات کو طے کرنے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔

دراصل جہاز میں کس کے حساب سے سونے کی ایک معقول مقدار پہلے ہی فراہم کی گئی۔ جہاز میں کھانے پینے کی شے بھی پہلے ہی سے کافی موجود تھی۔ تاہم احتیاط کے طور پر تھوڑے تھوڑے بسکٹوں کا مزید ذخیرہ جہاز پر لاد لیا گیا۔ سارے جہاز کی صفائی کرائی گئی اور اس کے سارے نقائص کو اچھی طرح جانچ پڑتال کی گئی۔ سمندری سفر پر روانہ ہونے والے سیاہ فام بہت خوش تھے۔ وہ البرٹو کی سنت کا تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

بالآخر وہ دن آ گیا جب جہاز کو اپنے مختصر سفر پر روانہ ہونا تھا۔ جہاز پر جو سامان لادنے والی جہازوں کے پیشِ نظر انٹونیو سے یہ بات نہیں چھپ سکتی تھی کہ جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ میں نے اسے بتا دیا کہ البرٹو اپنے کو ساتھ لے کر امیسن کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔

"مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ جانے دو۔" انٹونیو نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "میں یہاں ان جنگلی سیاہ فاموں کے ساتھ رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے اجازت دو کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نکل جاؤں۔ باہر کی دنیا میں پہنچ کر میں تمھارے لیے کوئی نہ کوئی روزگار تلاش کر لوں گا۔"

میں نے انٹونیو سے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "تمھیں باہر جانے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ نہیں بھیجا جا سکتا۔ ہم لوگ تمھارے ایسے خیالات سے صاف ظاہر ہے کہ تم ہمارے ساتھ کوئی چال چلنا چاہتے ہو۔ ہم تمھیں یہیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمھیں اسی بستی میں رہنا ہوگا۔ انھی جنگلی سیاہ فاموں کے ساتھ اپنی بقیہ زندگی گزارنی ہوگی۔ شاید اس طرح تم اپنے سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کر سکو۔"

انٹونیو نے میری بہت خوشامد کی لیکن میں نے اس کی بات مانی۔ صاف ظاہر کر دیا۔ مجھ سے مایوس ہو جانے کے بعد اس نے البرٹو کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی لیکن البرٹو نے بھی اسے صاف طور پر منع کر دیا۔ اب اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم لوگوں کے فیصلے کو خوشدلانہ تقدیر سمجھ کر قبول کر لے۔ لیکن انٹونیو نظر تایک کینہ توز انسان تھا۔ وہ جس آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ اس کا سینہ انتقام کی آگ سے جل رہا تھا۔ اسے بھی طرح اندازہ تھا کہ اس فیصلے کے پیچھے اصل قوت البرٹو ہے۔ ناروفا، ایلیش یا البرٹو وغیرہ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں کتنا طاقتور ہوں۔ گزشتہ کی پوری فوج کے نہیں کر سکی تھی، زہر جاباں سے بھری ہوئی شراب کی پوری بوتل میرے کچھ بگاڑ سکی تھی۔ ان ساری باتوں سے وہ پوری طرح واقف تھا۔ اس نے مجھے شکاری سے بلیک کرنے کا ایک عجیب و غریب طریقہ سوچا۔

یہ ہماری روانگی سے صرف ایک دن پہلے کی بات ہے۔ میں، بڑھئی معروف تھا۔ البرٹو، ناروفا وغیرہ بھی سب کے سب ہم لوگ نے لیے ہم میں سے کسی نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ انٹونیو کب سے غائب کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ کسی نے اس کے بارے میں سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات تو سب ہی کو معلوم تھی کہ انٹونیو کہیں کر نہیں جا سکتا۔ یہاں سے جا کے بھی اس کا صرف نقصان ہی نقصان کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ گھنے اور تاریک جنگلوں میں جنگلی درندے دیگر مخلوقات کے درمیان زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اس لیے سب کو اطمینان تھا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

سورج ڈھلنے سے کچھ دیر پہلے انٹونیو میرے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے ایک چیز دکھانا چاہتا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ باتیں بھی کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے میں خود اور کے لیے اس کے ساتھ باہر چلوں۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ باہر چل کر مجھے کیا چیز دکھانا چاہتا ہے، لیکن اس نے یہی کہا کہ وہ باہر چل کر مجھے بتائے گا۔ میں نے اس کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔

ہم دونوں بستی کی حدود سے باہر نکل آئے۔ اب جنگل شروع ہو گیا تھا۔ راستے میں انٹونیو نے مجھے بتایا کہ اس نے ایک ایسا جانور دیکھا ہے جو بالکل انسان کی شکل کا ہے۔ وہ بہت بڑی جسامت کا ہے اور جو شاید بھی ہے۔ اس نے بتایا کہ اس جانور کو گرفتار کر کے ایک درخت کے ساتھ باندھ رکھا ہے اور اسے کھانے کے لیے مجھے لے جانا چاہتا ہے۔

مجھے انٹونیو کی اس بات پر سخت تعجب ہوا۔ میں برسہا برس سے اس جزیرے میں رہ رہا تھا لیکن میں نے آج تک ایسا کوئی جانور نہیں دیکھا تھا۔ انٹونیو نہ جانے کس جانور کی بات کر رہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ میں اس وقت تک اس کے عزائم سے بالکل بے خبر تھا اور میرے ہم وطنوں میں بھی کسی

نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر انھیں پتھروں کی گرفت سے آزاد کیا اور گرفت کی دو دیواروں میں اپنی انگلیوں سے چھوٹے چھوٹے گڑھے بنائے اور ان میں دونوں ہاتھ پھنسا کر اپنے جسم کو اوپر اٹھایا۔ ہاتھوں کی زبردست کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ میرا جسم پھسلتا گرتا اور سنبھلتا گیا۔ دو ایک جھٹکوں کے بعد میں گڑھے سے باہر تھا۔ میں نے دیکھا کہ انٹونیو نے گڑھے کو پتھروں سے بند کرنے کے بعد اس پر بہت سی سوکھی ہوئی گھاس اور لکڑیاں ڈال دی تھیں۔ میں نے باہر نکل کر گڑھے کو دوبارہ پتھروں سے بھر دیا تاکہ کوئی اور شخص اس میں نہ گر سکے۔ اس کے بعد میں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔

میں نے اپنے جسم سے گرد اور مٹی کو جھاڑ کر صاف کیا اور پھر اطمینان سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا بستی کی طرف چل دیا۔ لیکن بستی کے قریب پہنچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور بستی میں داخل ہونے کے بجائے میں نے ایک ریتلا ساحل کی طرف کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ انٹونیو مجھے دن کے سید حا بستی میں ہی گیا ہوگا تاکہ وہاں موجود وہ کروہ اس بات کا اندازہ لگا سکے کہ میری عدم موجودگی کو دوسرے لوگ کس طرح محسوس کرتے ہیں۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا لیکن شام کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے اور اجالے میں کافی کمی آگئی تھی۔ چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا اور انٹونیو کا کہیں دور تک پتا نہیں تھا۔

ساحل پر مجھے بالکل پہلی پہل نظر آئی۔ مجھے اس کی توقع بھی نہیں تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ نارو نے آج کی رات عمدہ کے سفر پر روانہ ہونے والوں کے اعزاز میں ایک زبردست جشن کا اہتمام کیا تھا اور اس پُرمسرت موقع کے لیے کئی جنگلی بھینسے اور ہرن مار کر شکار کیے گئے ہیں اور ان کا گوشت بھونا جا رہا ہے۔ سارے کے سارے لوگ بستی میں جمع ہوں گے۔

جہاز کا عرشہ بھی سونا سونا نظر آرہا تھا۔

اچانک مجھے عرشے پر ایک آدمی کی شبیہ نظر آئی۔ وہ شخص ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعل لیے ہوئے بڑی تیزی سے جہاز کے پچھلے حصے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ غیر تاریکی اور فاصلے کی وجہ سے میں اس شخص کی صورت تو صاف طور پر نہیں دیکھ سکا لیکن مجھے نہ جانے کیوں یہ احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے دور تر سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیزی سے زیر آب تیرتا ہوا چند منٹ کے اندر جہاز تک پہنچ گیا جہاں سے میں سیدھا جہاز کے عرشے تک جا پہنچا۔

عرشے پر اب کوئی نہیں تھا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ میں تیزی سے نیچے اترا، لیکن اس قدر آہستگی کے ساتھ کہ کوئی آواز نہ پیدا ہو۔ تب مجھے وہ شخص دوبارہ نظر آگیا۔

وہ انٹونیو تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی کئی مشعلیں تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ انٹونیو کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بھیانک منصوبے کو سمجھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ اپنے ہاتھوں میں کئی کئی جلتی ہوئی مشعلیں لیے ہوئے وہ دراصل جہاز کو آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ لکڑی کے بنے ہوئے اس جہاز کو جلا ڈالے۔ کہنا کہ وہ جہاز کے اتنے حصے کو تو جلا ہی سکتا تھا جو پانی کے اوپر تھا۔ اس نے اس کام کے لیے وقت بھی بڑا مناسب تلاش کیا تھا۔ جہاز کے سارے سیاہ فام اس وقت بستی میں تھے اور جشن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ساحل ویران تھا اور انٹونیو کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا بھی نہیں موجود تھا۔ مجھے وہ اپنی دانست میں پہلے ہی ختم کر چکا تھا اور اس کے نزدیک اس بات کا کوئی امکان موجود نہیں تھا کہ میں اپنی تنگ و تاریک قید سے باہر نکل سکوں جس کو اس نے منوں بھاری بھاری پتھروں سے پاٹ دیا تھا۔

میں بالکل دبے پاؤں انٹونیو کی طرف بڑھا۔ اس وقت وہ جہاز کی مکمئی کی دیوار کے ساتھ مکمئی کا فرنیچر جمع کر رہا تھا۔ اس میں آگ لگا کر اور پھر یہ آگ بڑھ کر جہاز کی دیواروں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ جہاز پر پھیل جائے۔ اس وقت ہوا بھی کافی تیز تھی اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ جہاز میں کئی جگہوں پر آگ لگا دی جائے تو تیز ہوا کے جھونکوں سے تھوڑی دیر میں وہ آگ سارے جہاز میں پھیل جائے گی۔

اور پروفیسر اس لمحے مجھے انٹونیو سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ میں نے اس شخص پر اتنا بڑا احسان کیا تھا کہ اس کی جان بخش دی تھی، اگر میں چاہتا تو اس کے باقی ساتھیوں کے ساتھ اسے بھی اسی وقت موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن میں نے اسے زندہ رکھا اور آئندہ زندہ رہنے کا حق بھی دیا۔ لیکن اس نے مجھے میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا کہ ایک تو میرے دانست میں مجھے ہلاک کرنے اور دوسرے وہ جہاز کو آگ لگا کر البرٹو اور سیاہ فاموں کے سمندری سفر کے منصوبے کو ناکام بنا ڈالنا چاہتا تھا اور مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ انٹونیو کے شیطانی ذہن میں اس کے اور کیا کیا منصوبے موجود ہیں۔

میں بڑی آہستگی اور خاموشی سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر انٹونیو کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ دو کرسیوں کو تو ڑ کر ان کی لکڑیاں دیوار کے سہارے کھڑی کر چکا تھا اور ان میں آگ لگانے ہی والا تھا۔ اس نے جہاز میں سے بہت سے کپڑے بھی تلاش کر لیے تھے اور تھوڑے سے کپڑے اس ڈھیر میں ڈال دیے تھے جس میں وہ آگ لگانے جا رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے جلتی ہوئی مشعل کو کپڑوں کی طرف بڑھایا میں نے آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انٹونیو اس طرح اچھل پڑا گویا اسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ کی گرفت اس کے شانے پر مضبوط کر لی تھی اور انٹونیو نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ خوف، دہشت، بے یقینی اور حیرت کے مارے انٹونیو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں۔

"تم... تم... تم زندہ ہو؟" اس نے بمشکل تمام میرا نام ادا کیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کا سارا جسم بری طرح کانپنے لگا۔

"ہاں میں زندہ ہوں۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "تم نے سوچا تھا کہ تم مجھے ہلاک کر دو گے اور میں تمہارے ان گناہوں اور جرائم کی سزا دے سکوں؟"

میں نے ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھوں سے ساری جلتی ہوئی مشعلیں چھین لیں اور انھیں اپنے پیروں سے مسل کر بجھا دیا۔ میں ایک ہاتھ سے انٹونیو کا شانہ دبائے ہوئے تھا اور انٹونیو کا جسم جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مشعلوں کو بجھا دینے کے بعد میں نے انٹونیو کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیے اور ہلکا سا ہمت ہی معمولی سا دباؤ ڈالا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ میں نے فوراً اپنے دباؤ میں کمی کر دی۔

"تم یہ سمجھ رہے تھے کہ تم نے مجھے ہلاک کر دیا ہے۔ اور اب تم اس پورے جہاز کو آگ لگا دینا چاہتے تھے تاکہ البرٹو اور اس کے ساتھی کبھی یہاں سے نہ جا سکیں۔ تم انتہائی گھٹیا اور کمینے انسان ہو انٹونیو۔ میں نے تمہارے لیے وہ سب کچھ کیا جو ان حالات میں کیا جا سکتا تھا۔ میں اگر چاہتا تو تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک دیتا۔ یا تمہیں ان سیاہ فاموں کے حوالے کر سکتا تھا جنھیں تم نے غلام بنا کر ان پر بے پناہ مظالم توڑے تھے۔ وہ لوگ تمہاری بوٹی بوٹی کر کے پھینک دیتے۔ لیکن میں نے تم سے نیکی اور بھلائی کا سلوک کیا جس کا بدلہ تم نے اس طرح دیا۔ مجھے افسوس ہے انٹونیو میں نے تمہیں زندہ رکھنے چاہا، لیکن تم نے خود زندگی کو ٹھکرا کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اب تمہیں مرنا ہوگا۔"

"مجھے معاف کر دو ٹیا!" انٹونیو نے کانپتے ہوئے کہا۔ موت کو اتنے قریب دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے تھے، لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں انٹونیو کو کوئی موقع نہیں دوں گا۔ جو کچھ ہو چکا تھا وہ بہت کافی تھا۔ میں اب مزید تجربات کے لیے تیار نہیں تھا۔

"میں تمہیں آزما چکا ہوں انٹونیو اور دوبارہ آزمانا نہیں چاہتا۔ اگر تم واقعی میرے دشمن ہوتے تو یقین کرو میں تمہیں کبھی ہلاک نہیں کرتا بلکہ تمہیں زندہ رہنے کی اجازت دیتا، لیکن تم میرے ہی نہیں بلکہ اس علاقے میں موجود تمام لوگوں کے بدترین دشمن ہو اور نہ جانے کب کسی کو کیا نقصان پہنچا دو۔ اس لیے تمہارا مرنا ہی بہتر ہے۔"

اس کے بعد میں نے انٹونیو کو بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبا لی۔ اس کے حلق سے غرغراہٹ کی آوازیں نکلیں۔ اس کی آنکھیں ابل پڑیں اور زبان باہر نکل آئی۔ اس کا بدن تھوڑی دیر تک پھڑکتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں نے اس کے مردہ جسم کو کاندھے پر ڈال کر عرشے تک لے گیا جہاں سے میں نے اسے سمندر میں اچھال دیا۔ مجھے انٹونیو کے انجام کا خود بھی افسوس تھا لیکن اس کے لاوہ میرے پاس اور چارہ کار بھی کیا تھا!

کسی نے مجھے انٹونیو کو ہلاک کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، اس لیے میں نے سوچا کہ میں اس کی ہلاکت کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اگر میں لوگوں کو یہ بتاتا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی بتانا پڑتا کہ انٹونیو نے کیا کیا سرگرمیاں کی تھیں اور ایک لمبی داستان سنانی پڑتی۔ اس لیے میں نے طے کیا کہ میں کسی سے بھی اس واقعے کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ انٹونیو یا تو سمندر میں ڈوب گیا یا پھر کسی جنگلی جانور نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں بستی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں جشن کی تیاریاں بڑے زور شور سے جاری تھیں۔

کسی نے بھی اس بات پر توجہ نہیں دی کہ انٹونیو موجود نہیں ہے۔ سب لوگ منگارہ عیش و نشاط میں مصروف تھے۔ خود البرٹو بھی دل و جان سے اس جشن کی دھوم دھام میں شامل تھا۔ البرٹو نے بھوت کہا کہ وہ آج کی اس جشن سے بھی بھرپور لطف اندوز ہونا چاہتا ہے، کیونکہ یہ اس کی زندگی میں اپنی نوعیت کا آخری جشن ہوگا اور آج کے بعد شاید یہ زندگی میں ایسا موقع پھر فراہم نہ کرے گی۔

رات دیر تک منگارہ میں جشن جاری رہا۔ میں ان لوگوں کو خوش دیکھ کر خوش تھا۔

دوسرے دن صبح کو البرٹو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جہاز پر سوار ہو کر سمندری سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔ البرٹو نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک تجربہ کار اور منجھا ہوا ملاح ہے اور اس نے اپنی زندگی میں کئی بحری مہمات سر کی ہیں اس لیے اسے یقین ہے کہ وہ بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچ جائے گا۔ جہاز کی روانگی میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی کہ اچانک البرٹو کو انٹونیو کا خیال آیا جسے اس نے گزشتہ رات سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت سے انٹونیو کے بارے میں معلوم کیا لیکن ہم دونوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے کئی آدمیوں کو انٹونیو کی تلاش میں بھیجا لیکن ظاہر ہے کہ انٹونیو کہاں مل سکتا تھا!

بالآخر البرٹو کے جہاز نے لنگر اٹھائے اور وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ سیاہ فاموں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ بھاری مقدار میں سونا لیے ہوئے البرٹو کے ہمراہ تھی اور میں نے سارے سیاہ فاموں کو بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جو کچھ البرٹو جانتا ہے، وہ وہ نہیں جانتے، اس لیے ان کے لیے لازم ہے کہ البرٹو کے ہر حکم کی بلاچون و چرا تعمیل کریں۔ تمام سیاہ فاموں نے برضا و رغبت اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ البرٹو کے وفادار رہیں گے اور اس کے احکام کی پابندی کریں گے۔

البرٹو کو گئے ہوئے کوئی ایک ہفتہ گزر چکا تھا کہ نئے آنے والے سیاہ فاموں کو باقاعدہ طور پر قبیلے میں شامل کر لیا گیا تھا اور انھیں وہ سارے حقوق دے دیے گئے تھے جو قبیلے کے دوسرے لوگوں کو حاصل تھے۔ اب وہ آہستہ آہستہ اسی قبیلے کا ایک جزو بنتے جا رہے تھے۔

مجھے اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے دس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میرے سامنے کے بوڑھے مر چکے تھے، جو نوجوان ہو چکے تھے اور جو بچے جوان ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ میں اس ماحول کی یکسانیت سے اکتا چکا تھا اور میرا جی چاہنے لگا کہ اب میں کہیں اور کا رخ کروں۔ کوئی نئی دنیا، کوئی نیا جہاں تلاش کروں کیونکہ میری زندگی کا مقصد بھی یہی تھا۔ میں کسی ایک جگہ پر ہمیشہ کے لیے نہیں رہ سکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ پردیس کر یہ لوگ اتنے سیدھے سادے اور معصوم اور

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بے پایا تھے کہ میں ان لوگوں کو چالاک اور جھوٹا کہلانے سے کر خائف نہیں ہونا چاہتا تھا۔ یہ لوگ مجھ سے زیادہ نجات کے مستحق تھے اور مجھے اس بات کا پورا اندازہ تھا کہ میری چالاک منشا کی ان کے لیے گہرے جذباتی صدمے کا باعث بنے گی۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کروں کہ میں ان لوگوں سے جدا بھی ہو جاؤں اور یہ لوگ میری جدائی کو ہنسی خوشی گوارا بھی کر لیں۔ کچھ دن تک میں اسی ادھیڑ بن میں لگا رہا۔

بالآخر ایک نہایت عمدہ تدبیر میرے ذہن میں آگئی۔

میں نے نارو پالیش اور قبیلے کے بعض سرکردہ لوگوں کو ایک شام اپنے پاس بلایا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا "سنو لوگو! میں تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ خوش خبری ہے کہ شکان دیوتا نے جس نے پہلے ہی مجھے اتنی بہت سی قوتیں دے رکھی ہیں اور میرے درجات کو بلند کیا ہے، میرے حال پر ایک بار پھر نظر عنایت کی ہے۔ مجھے شکان دیوتا کا حکم ملا ہے کہ میں بستی سے دور کہیں گھنے جنگلوں یا پہاڑوں کے غاروں میں بیٹھ کر پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ اس کی عبادت کروں اور اس سے لو لگاؤں۔ شکان دیوتا اس کڑی عبادت و ریاضت کے عوض مجھے کچھ اور عنایتیں عطا کرے گا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہوگی کہ میں بالکل تن تنہا اس وقت تک اس کی عبادت کرتا رہوں جب تک کہ وہ مجھے ترک عبادت کا حکم نہ دے دے۔ شکان دیوتا نے عبادت کے عرصے کا تعین نہیں کیا ہے، چنانچہ یہ عرصہ ایک ماہ کا بھی ہو سکتا ہے اور ایک سال کا بھی۔ میں خود اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے اے میرے لوگو! شکان دیوتا کی خوشنودی کی خاطر میں کل یہ بستی چھوڑ دوں گا اور دور گھنے جنگلوں میں نکل جاؤں گا۔ میں کب واپس آؤں گا اس کے بارے میں میں خود نہیں جانتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ جب شکان دیوتا کا حکم ہو گا تب میں آجاؤں گا۔ جب تک اس کا حکم نہیں ہو گا، اس وقت تک میں نہیں آسکتا۔ مجھے بھیجنا نہیں بلکہ یقین ہے کہ میری عدم موجودگی میں نارو قبیلے کے معاملات کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کرے گی اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دے گی۔"

اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا۔ وہ سب کے سب بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ نارو کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ بوڑھا واکم جیسے ایک عجیب ہونے کی وجہ سے قبیلے میں ایک خاص مقام حاصل تھا، خاموش بیٹھا اپنی کالی آنکھوں سے مجھے بغور دیکھ رہا تھا۔ قبیلے کے دوسرے بزرگ اور لوگ بھی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

بالآخر نارو نے ہی خاموشی کو توڑا۔ "اس کا مطلب یہ ہے ٹیارو کہ تم ایک نامعلوم مدت کے لیے ہم لوگوں سے جدا ہونے والے ہو۔ شکان دیوتا ہی جانتا ہے کہ وہ مدت کتنی لمبی ہو گی، لیکن تمہاری عدم موجودگی کا ہم سب کو گہرا صدمہ ہو گا۔ تمہارے ہم تمام لوگوں پر بہت احسانات ہیں۔ تم نے ہماری زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ تمہاری جدائی

ہمیں بہت شاق گزرے گی۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ تم بستی میں رہتے ہوئے کسی ملگ تھلگ جھونپڑے میں بیٹھ کر شکان دیوتا کی عبادت کرو۔ شاید قربت کا احساس ہی ہماری جانوں کو بلند کرنے کے لیے کافی ہو گا۔"

"مگر ایسا ہو سکتا نارو، تو ظاہر ہے کہ میں کبھی قبیلے اور بستی سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ شکان دیوتا کا حکم ہے کہ میں بستی کے باہر رہوں۔ تنہائی میں کہیں جا کر یہ عبادت کا فریضہ بجا لاؤں۔ میں نے کہا نا، اور ظاہر ہے کہ میں شکان دیوتا کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ٹیارو۔" نارو نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "جو شے دیوتا کی مرضی ہو گی وہی ہم سب لوگوں کی مرضی ہو گی۔ اس میں کسی کو سرتابی کی ہمت نہیں۔ باقی تمام لوگوں نے بھی نارو کے خیالات کی تائید کی اور اس کے بعد مجھے بستی سے جانے کی پروا دے دی گئی۔

میں کل صبح یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا۔ "بستی کے تمام لوگوں کو میرے جانے کے بعد بھی بتا دینا کہ میں ایک طویل ریاضت کے لیے جنگلوں میں چلا گیا ہوں اور نامعلوم عرصے کے بعد لوٹ کر آؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس جواب سے مطمئن ہو جائیں گے اور کسی کو اس بات کی اجازت نہ دینا کہ میرا پیچھا کرنے کی کوشش کرے ورنہ شکان دیوتا سخت ناراض ہو گا۔"

"تم اطمینان رکھو ٹیارو۔" نارو نے کہا۔ "کوئی تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔"

دوسرے دن نارو، پالیش اور وہ تمام لوگ جو کل شام کو میرے پاس موجود تھے اور جن کے سامنے میں نے اپنے جانے کی بات کی تھی، صبح سویرے میرے پاس آگئے۔ نارو میرے لیے کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے کر آئی تھی اور اس کا اصرار تھا کہ میں راستے کے لیے ان چیزوں کو ساتھ لے جاؤں۔ میں نے اس کا دل رکھنے کی خاطر ان ساری چیزوں کو رکھ لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان لوگوں سے اجازت لی۔ وہ سب کے سب بستی کی آخری حد تک میرے ساتھ آئے اور پھر میں نے انہیں مزید آگے آنے سے منع کر دیا اور ان سے کہا کہ اب وہ واپس لوٹ جائیں۔ میں سے ہر شخص باری باری مجھ سے بغل گیر ہوا اور اس کے بعد وہ بستی کی طرف واپس لوٹ گئے اور میں آگے بڑھ گیا۔

میں دو دن، اٹھتیس راتیں اور تیسرے دن کے گھنے جنگلوں میں سے تیسرا دن کا سفر کرتا رہا۔ اس طویل اور دل چسپ سفر کے دوران میں نے ایسی چیزیں دیکھ لیں جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ طرح طرح کے نوع قسام کے جانور، عجیب و غریب قسم کے پرندے، رنگ برنگے

مناظر، غرضیکہ یہ ایک بالکل نئی دنیا تھی جس کے وسیع افق میری نظروں کے سامنے کھلے پڑے تھے۔ ایسی دنیا جس کے بارے میں، میں نے کبھی سوچا تک نہیں تھا

بوجھل ہوتی گئی۔ میں عقل طور پر دلدل میں ڈوب چکا تھا اور پھر مجھے گہری
طمانیت بخش سکون اور طویل نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میں ہمیشہ کی
لمبی مدت کے لیے سو چکا تھا۔

اور پھر پھر پتہ نہیں کتنے زمانہ بیت گیا نہ جانے کتنے
گذر گئے کتنی صدیاں گذر گئیں۔ میں گہری ماہ وسال سے بے خبر
دماغ سے غافل، اپنی گہری اور پرسکون نیند میں ڈوبا رہا۔ دلدل
نے مجھے نگل لیا تھا اور میرا جسم میں۔ چاند جیسا چمکدار اور سونے جیسا
آب دار جسم کیچڑ کی دبیز اور گہری تہوں میں مدفون ہو گیا تھا۔ مجھے
نہیں معلوم کہ مجھے دلدل میں ڈاکر پھینکنے والوں پر کیا بیتی میں تو سب سے
سے غافل اور مدہوش ہو کر سو گیا تھا۔

میں نیند کے عالم میں مست تھا۔ اور کرۂ ارض پر تبدیلیوں
کا عمل جاری تھا۔ تغیرات ظہور پذیر ہو رہے تھے۔ جو کائنا
کی ایک زندہ حقیقت ہیں اور جن کے بغیر زندگی ارتقاء اور ترقی کے
عمل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس دلدل میں میں دفن تھا۔ وہ زمین
کے تغیرات کا شکار ہو رہی تھی لیکن میں ان سارے تغیرات سے بے
خبر تھا۔ تجھے تو اس کا علم اس وقت ہوا جب میری آنکھ کھلی اور میرے
کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے آنکھ کھو
ہی ایک نظر اپنے گرد و پیش پر ڈالی اب وہاں نہ دلدل تھی نہ کیچڑ
اندھیرا تھا۔ مٹی کا دباؤ تھا میرا جسم ایک چٹان سے ٹکرا رہا تھا اور
کی بھیری ہوئی طوفانی موجیں اس چٹان سے ٹکرا کر شائیں شائیں
آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔ یہ چٹان پانی کے اندر تھی اور میرا جسم
ڈوبا ہوا تھا۔

میں نے آنکھ کھول کر اپنے آپ کو جب ایک مختلف فضا
پایا تو میرے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آ گئی۔ گویا میں جس جگہ
دلدل تھی جس میں مجھے پھینکا گیا تھا۔ اب وہاں کوئی پرشور دریا
مار رہا تھا۔ میں نے پانی کے اندر ہی اپنے جسم کو ہلایا ایک طویل
ل اور پھر آہستہ آہستہ پانی کے اوپر آنا شروع کیا۔ چند منٹ
بعد میں سطح آب پر آ گیا۔ میری نظروں کے سامنے ایک دلچسپ
اور عجیب و غریب منظر تھا۔

جس جگہ آج سے برسوں، یا شاید صدیوں پہلے وسیع
عریض بدبودار اور ہلاکت آفریں دلدل تھی جس میں سے گرم بھا
نکلتی تھی اور بلبلے اٹھتے تھے۔ وہاں اب ایک سرکش اور طو
موجیں مار رہا تھا۔ دلدل کا اب وہاں نام و نشان بھی باقی نہ تھا

نہ جانے کب اور کس زمانے میں وہ دلدل ختم ہو گئی تھی تضاد قو
قوتوں نے زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کے اوپر سے دلد
کر دیا تھا اور اس کی جگہ دریا بنا دیا تھا نہ جانے یہ دریا کہاں
بہتا ہوا آیا تھا اور کہاں تک جا رہا تھا۔ یقیناً یہ دریا پہلے سے

ہو گیا اور استاد زمانہ سے اس نے اپنی گذرگاہ کو تبدیل کیا ہو گا۔
وہ دلدل جو کچھ عرصہ پہلے میرے جسم کو نگلے ہوئے تھی اور شفاف
پانی کے اندر موجود تھا۔ میرے جسم پر سیمل یا مٹی کا ایک
ذرہ بھی نہیں تھا اور ایک طویل اور آرام دہ نیند کے بعد میں نے اپنے آپ
کو بہت ہلکا پھلکا اور تازہ دم محسوس کیا۔ میں نے پرسکون انداز میں دریا
کے کنارے دونوں طرف دور دور تک نہایت گھنا اور سرسبز جنگل
دیکھی نظر آیا تھا جس میں سے طرح طرح کے پرندوں کے بولنے کی
آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جنگل کی طرف سے سرد اور تازہ ہوا
کے جھونکے آ رہے تھے جو جسم و جان پر ایک نشہ سا طاری کر رہے تھے۔
میں نے دونوں کناروں پر دور دور تک نظر دوڑائی۔ لیکن مجھے کوئی
انسان نظر نہیں آیا۔ ذہن دیا میں چلتی ہوئی کوئی گفتگو رکھائی دی میری
انسان کو اپنے پر جنس کی تلاش کر رہی تھیں۔ ایک طویل مدت گزر گئی
میرے فیہ کہ میں نے انسان کی شکل نہیں دیکھی تھی اور اب مجھے کسی انسان
کی تلاش تھی جس سے میں بات چیت کر سکوں اور یہ جان سکوں کہ دنیا اب
کون سے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

نہ جانے کب سے میری زبان بند تھی میرے ہونٹوں سے ایک لفظ
نہیں ادا ہوا تھا۔ میں بولنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے موج میں آ کر
اپنی ہی قبائلی زبان میں جس میں میں نے آخری مرتبہ نارو اور اس کے
ساتھیوں سے گفتگو کی تھی ایک گیت گانا شروع کر دیا میں گیت گا رہا تھا اور
میرے کانوں کو خود میری اپنی ہی آواز بہت بھلی معلوم ہو رہی
تھی۔ میں اسی طرح گاتا رہا اور تیرتا رہا۔ آگے جا کر دریا کا پاٹ بہت زیادہ
چوڑا ہو گیا تھا اور دوسرے کنارے کی طرف صرف ہلکی سی دھند نظر آ
رہی تھی۔ دریا کا بہاؤ برابر تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک مجھے دور سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی۔ کئی
لمحے بعد ایک کشتی کو دیکھ کر میرے رنگ و پوشے میں مسرت کی لہریں دوڑنے
لگیں۔ کشتی یقیناً انسان ہوں گے۔ میں نے سوچا ایک طویل مدت
کے بعد انسانوں کو دیکھنے اور ان سے ہمکلام ہونے کا موقع ملے گا۔

میں نے دریا کے بیچ کشتی کی طرف کر دیا۔ اور آہستہ آہستہ اس طرف
بڑھنے لگا۔ ایک مشکل یہ تھی کہ پروفیسر کے میرے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا
میں پیٹ کر مجھے دلدل میں پھینکا گیا تھا وہ نہ جانے کہ
کا تھا اور اس کی کوئی نشانی تک باقی نہیں تھی۔ نہ جانے
کون لوگ ہوں گے اور ان کا کیا ردعمل ہو گا۔ میں نے سوچا
اپنے آپ کی عریانی کو کس طرح چھپاؤں گا؟

لیکن مجھے اپنے آپ کی عریانی کے سلسلے میں کسی خاص پریشانی
نہیں ہوئی۔ کشتی میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے غالباً دور ہی سے
مجھے دیکھ لیا تھا اور اپنی کشتی کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ اب کشتی میری
طرف آ رہی تھی۔ میں خود بھی تیزی کے ساتھ کشتی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

یہاں تک کہ میں کشتی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ کئی سیاہ فام ہاتھ کشتی
سے باہر نکلے اور انھوں نے مجھے پکڑنے اور سہارا دینے کی کوشش کی
لیکن مجھے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ میں نے کشتی کا ایک کنارے
کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور کشتی کے اندر چھلانگ لگا دی۔ دوسرے لمحے
میں کشتی کے اندر تھا۔

کشتی میں پانچ مرد تھے۔ ان میں سے تین مرد سفید اور دو عورتیں
تھیں۔ وہ پانچوں کے پانچوں سیاہ فام تھے۔ لیکن ایک خاص بات جو میں
نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ وہ ماضی کے لوگوں کی طرح مادر زاد برہنہ نہیں
تھے بلکہ انھوں نے درختوں کے پتوں کے ذریعے معمولی سی سرپوشی
کر رکھی تھی۔ لیکن یہ سرپوشی اس قدر معمولی تھی کہ اس کے ہونے یا
نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے میری عریانی پر
کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن وہ میرے جسم کی سنہری رنگت کو بڑے
شوق، حیرت اور دلچسپی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟" ان میں سے ایک نے
جو سب سے زیادہ معمر معلوم ہوتا تھا، مجھ سے سوال کیا۔

"میں سمندر کا دیوتا ہوں۔" میں نے بڑی ترنگ میں آ کر کہہ دیا
"میرا نام ملاتو ہے، اور میں تمھارے قبیلے کے لیے روشنی اور زندگی کا
پیغام لے کر آیا ہوں۔"

بات دراصل یہ تھی پروفیسر کہ میں ایک طویل عرصے کی خاموشی
اور نیند کے بعد اپنی زندگی کا دوبارہ آغاز پُرسکون اور راست بخش لہجے
میں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو، جن کا ظاہر
ہے کسی نہ کسی قبیلے سے تعلق ضرور ہو گا، اس بات پر آمادہ کروں کہ وہ
کچھ عرصے تک مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں۔ میں یہ بھی
معلوم کرنا چاہتا تھا کہ افریقہ کے اس خطے میں زندگی نے ترقی کے کتنے
مدارج طے کر لیے ہیں اور اب یہاں کی صورت حال کیا ہے۔ چنانچہ ابتدائی
باتوں کے پیش نظر میں نے سمندر کے دیوتا کی حیثیت سے اپنا تعارف
کرا دیا۔

"سمندر؟ سمندر کیا ہوتا ہے؟" اس شخص نے حیران ہو کر پوچھا
"تم سمندر نہیں جانتے؟" میں نے دریافت کیا۔
"نہیں! ہم نہیں جانتے کہ سمندر کیا ہوتا ہے؟" اس نے کہا۔
بات یہ تھی پروفیسر کہ میں نے سمندر کے لیے اس قدیم افریقی
زبان کا لفظ استعمال کیا تھا جو نارو اور اس کے ساتھیوں کے قبیلے میں
بولی جاتی تھی لیکن کشتی میں سوار یہ لوگ اس لفظ سے ناواقف تھے۔ مجھے
صورت حال کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ یہ لوگ جس علاقے میں رہتے
تھے، وہ یقیناً سمندر سے بہت دور تھا اور ان لوگوں نے سمندر کبھی نہیں
دیکھا تھا۔ یہ لوگ مچھلی خود دنیا سے باہر نہیں نکلے تھے اور اس لیے انھوں
نے سمندر نہیں دیکھا تھا اور اسی لیے ان کی بولی زبان میں سمندر کے
لیے کوئی لفظ موجود نہیں تھا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"تم دریا جانتے ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"ہاں ہاں، سمندر یا جانتے ہیں۔" ایک کے بعد دوسرا دریا بانچوں یک ساتھ بولے۔ "دریا تو سے جس میں ہم لوگ اس وقت کشتی میں بیٹھے ہوئے چل رہے ہیں۔ دریا میں پانی ہوتا ہے اور دریا میں کشتیاں چلتی ہیں اور دریا میں مچھلیاں ہوتی ہیں۔"

میں ان کی معصومیت سے لبریز باتیں سن کر مسکرا دیا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ اس دریا کا آخری سرا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں، ہم جانتے ہیں۔" ایک نے جواب دیا۔ "وہ جہاں پر دریا ختم ہوتا ہے نا، وہیں پر سمندر شروع ہوتا ہے۔"

میرے اس سوال پر سب لوگ خاموش ہو گئے اور مرید سیاہ شخص کے چہرے کا رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا۔

"نہیں، ہمیں یہ بات تو نہیں معلوم۔" اس نے دبے لفظوں میں کہا۔ "دریا تو بہت لمبا ہے، بہت لمبا۔ ہم لوگوں نے کبھی پورا دریا نہیں دیکھا ہے۔ ہم لوگ تو بس ان درختوں کی جھنگ جاتے ہیں۔" اس نے سامنے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں سنا ہے کہ اس سے آگے بدروحوں کی بستی ہے اور جو کوئی بھی درختوں کے جھنڈ کی اس حد کو پار کرتا ہے، اسے بدروحیں کھا جاتی ہیں۔ پچھلے برسات کے موسم میں قبیلے کے تین نوجوانوں نے ہم سب کے منع کرنے کے باوجود اس حد کو پار کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آ سکا۔ بلکہ ان کی کوئی خبر بھی نہیں ملی۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور بدروحوں کی بستی والی بات کو صاف نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو کہ یہ دریا بہت لمبا ہے۔ درحقیقت یہ بہت ہی لمبا ہے۔ اتنا لمبا کہ تم اس کے آگے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور جہاں جا کر اس کی لمبائی ختم ہو جاتی ہے، وہاں ایک بہت بڑا، بہت ہی بڑا، اس دریا سے لاکھوں گنا بڑا ایک دریا ہے۔ تمہارا یہ دریا اسی بڑے دریا میں جا کر گرتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تمہارے دریا کی آخری حد وہی ہے۔ اور اس بڑے دریا کو سمندر کہتے ہیں۔ اس کا کوئی کنارہ نہیں، جس طرح تمہارے اس دریا میں کشتیاں چلتی ہیں، اسی طرح سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں اور میں اسی سمندر کا دیوتا ہوں اور تم لوگوں کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کے لیے آیا ہوں تاکہ تمہیں خوشیاں دے سکوں۔"

"اے سمندر کے دیوتا، یہ ہمارے کیا ہوتا ہے؟" سرخ شخص نے سوال کیا۔

میں انہیں کافی دیر تک جہاز، سمندر اور دوسری دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔ اور وہ آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے اور میری شکل دیکھتے رہے۔ نہ معلوم انہیں میری باتوں کا یقین آ رہا تھا کہ نہیں۔ بہرحال ان کی دلچسپی حد سے زیادہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری جان سے اس کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ لوگ میری گفتگو کے سحر میں گرفتار تھے۔ اور میں ان سے دنیا جہان کی باتیں کر رہا تھا۔ آخر تھوڑی دیر بعد میں خاموش ہو گیا تاکہ انہیں بھی بولنے کا موقع دوں۔

"اچھا تو یہ تم ہو تمہارے سمندر؟" سرخ آدمی نے جس کو وہ ان گنگشر ہم ناکمہ بتایا تھا کہا۔ "اور تم اس سمندر کے دیوتا ہو؟ کیا تم طاقتور ہو؟"

"میں سمندر کا دیوتا ہوں۔ سمندر میں سے نکل کر آیا ہوں اور بہت طاقتور ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا تم زیباٹ والوں سے بہت زیادہ طاقتور ہو؟" ناکمہ نے پوچھا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ زیباٹ والوں کے علم و تدبر سے سنجات دلا سکتے ہو؟"

"زیباٹ والے کون ہیں اور تم لوگوں کو ان سے کیا شکایت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارے قبیلے کا نام تانک ہے۔" ناکمہ نے جواب دیا۔ "ہمارا قبیلہ بڑا نہیں ہے اور یہ دریا کے کنارے گھنے جنگل کے اندر آباد ہے۔ ہمارے قبیلے میں تقریباً ایک سو لوگ ہیں اور ہم لوگ اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے سے نہیں ملتے۔ ہم لوگ تو بس ان درختوں کی جھنگ تک جاتے ہیں۔ اس سے آگے بدروحوں کی بستی ہے۔ ہمارے قبیلے کے بڑوں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں گیا ہے۔ ہمارے قبیلے کا نام تانک ہے۔ ناکمہ نے جواب دیا۔ "ہمارا قبیلہ بڑا نہیں ہے اور یہ دریا کے کنارے گھنے جنگل کے اندر آباد ہے۔ ہمارے قبیلے میں تقریباً ایک سو لوگ ہیں اور ہم لوگ اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے سے نہیں ملتے۔ ہم لوگ تو بس ان درختوں کی جھنگ تک جاتے ہیں۔ اس سے آگے بدروحوں کی بستی ہے اور جو کوئی بھی درختوں کے جھنڈ کی اس حد کو پار کرتا ہے، اسے بدروحیں کھا جاتی ہیں۔ پچھلے برسات کے موسم میں قبیلے کے تین نوجوانوں نے ہم سب کے منع کرنے کے باوجود اس حد کو پار کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آ سکا۔ بلکہ ان کی کوئی خبر بھی نہیں ملی۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور بدروحوں کی بستی والی بات کو صاف نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو کہ یہ دریا بہت لمبا ہے۔ درحقیقت یہ بہت ہی لمبا ہے۔ اتنا لمبا کہ تم اس کے آگے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور جہاں جا کر اس کی لمبائی ختم ہو جاتی ہے، وہاں ایک بہت بڑا، بہت ہی بڑا، اس دریا سے لاکھوں گنا بڑا ایک دریا ہے۔ تمہارا یہ دریا اسی بڑے دریا میں جا کر گرتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تمہارے دریا کی آخری حد وہی ہے۔ اور اس بڑے دریا کو سمندر کہتے ہیں۔ اس کا کوئی کنارہ نہیں، جس طرح تمہارے اس دریا میں کشتیاں چلتی ہیں، اسی طرح سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں اور میں اسی سمندر کا دیوتا ہوں اور تم لوگوں کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کے لیے آیا ہوں تاکہ تمہیں خوشیاں دے سکوں۔"

"اے سمندر کے دیوتا، یہ ہمارے کیا ہوتا ہے؟" سرخ شخص نے سوال کیا۔

میں انہیں کافی دیر تک جہاز، سمندر اور دوسری دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔ اور وہ آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے اور میری شکل دیکھتے رہے۔ نہ معلوم انہیں میری باتوں کا یقین آ رہا تھا کہ نہیں۔ بہرحال ان کی دلچسپی حد سے زیادہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری جان سے اس کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ لوگ میری گفتگو کے سحر میں گرفتار تھے۔ اور میں ان سے دنیا جہان کی باتیں کر رہا تھا۔ آخر تھوڑی دیر بعد میں خاموش

ہو گیا تاکہ انہیں بھی بولنے کا موقع دوں۔

"اچھا تو یہ تم ہو تمہارے سمندر؟" سرخ آدمی نے جس کو وہ ان گنگشر ہم ناکمہ بتایا تھا کہا۔ "اور تم اس سمندر کے دیوتا ہو؟ کیا تم طاقتور ہو؟"

"میں سمندر کا دیوتا ہوں۔ سمندر میں سے نکل کر آیا ہوں اور بہت طاقتور ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"کیا تم زیباٹ والوں سے بہت زیادہ طاقتور ہو؟" ناکمہ نے پوچھا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ زیباٹ والوں کے علم و تدبر سے سنجات دلا سکتے ہو؟"

"زیباٹ والے کون ہیں اور تم لوگوں کو ان سے کیا شکایت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارے قبیلے کا نام تانک ہے۔" ناکمہ نے جواب دیا۔ "ہمارا قبیلہ بڑا نہیں ہے اور یہ دریا کے کنارے گھنے جنگل کے اندر آباد ہے۔ ہمارے قبیلے میں تقریباً ایک سو لوگ ہیں اور ہم لوگ اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے سے نہیں ملتے۔ ہم لوگ تو بس ان درختوں کی جھنگ تک جاتے ہیں۔ اس سے آگے بدروحوں کی بستی ہے اور جو کوئی بھی درختوں کے جھنڈ کی اس حد کو پار کرتا ہے، اسے بدروحیں کھا جاتی ہیں۔ پچھلے برسات کے موسم میں قبیلے کے تین نوجوانوں نے ہم سب کے منع کرنے کے باوجود اس حد کو پار کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آ سکا۔ بلکہ ان کی کوئی خبر بھی نہیں ملی۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور بدروحوں کی بستی والی بات کو صاف نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو کہ یہ دریا بہت لمبا ہے۔ درحقیقت یہ بہت ہی لمبا ہے۔ اتنا لمبا کہ تم اس کے آگے کی سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور جہاں جا کر اس کی لمبائی ختم ہو جاتی ہے، وہاں ایک بہت بڑا، بہت ہی بڑا، اس دریا سے لاکھوں گنا بڑا ایک دریا ہے۔ تمہارا یہ دریا اسی بڑے دریا میں جا کر گرتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تمہارے دریا کی آخری حد وہی ہے۔ اور اس بڑے دریا کو سمندر کہتے ہیں۔ اس کا کوئی کنارہ نہیں، جس طرح تمہارے اس دریا میں کشتیاں چلتی ہیں، اسی طرح سمندر میں بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں اور میں اسی سمندر کا دیوتا ہوں اور تم لوگوں کے ساتھ کچھ عرصے رہنے کے لیے آیا ہوں تاکہ تمہیں خوشیاں دے سکوں۔"

"اے سمندر کے دیوتا، یہ ہمارے کیا ہوتا ہے؟" سرخ شخص نے سوال کیا۔

میں انہیں کافی دیر تک جہاز، سمندر اور دوسری دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔ اور وہ آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے اور میری شکل دیکھتے رہے۔ نہ معلوم انہیں میری باتوں کا یقین آ رہا تھا کہ نہیں۔ بہرحال ان کی دلچسپی حد سے زیادہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میری جان سے اس کی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور وہ لوگ میری گفتگو کے سحر میں گرفتار تھے۔ اور میں ان سے دنیا جہان کی باتیں کر رہا تھا۔ آخر تھوڑی دیر بعد میں خاموش

Optimized by www.ImageOptimizer.net

مجھے اشارہ کیا کہ میں نیچے اتروں۔ میں ٹانگر کا اشارہ پاتے ہی نیچے اتر آیا اور میرے بعد باقی لوگ بھی نیچے اتر آئے۔ اس وقت ساحل کو چھوڑ بالکل خالی تھا اور کوئی انسان یہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ چند کوس اور پیچھے بائیں ایک طرف کھڑی دریا سے پانی پی رہی تھیں۔ باقی چاروں طرف سناٹا تھا۔

ٹانگر ہم لوگوں سے آگے آگے چلنے لگا۔ ٹانگہ کے پیچھے میں تھا اور میرے پیچھے باقی لوگ تھے۔ ہم لوگ ریتلے ساحل سے ہٹ کر گھنے درختوں کے جھنڈوں کے نیچے سے گزر رہے تھے۔ اچانک مجھ کو کوئی خیال آیا۔ میں نے ایک جگہ رک کر ایک نیچے سے درخت سے بڑے بڑے پتے توڑ لیے۔ ٹانگر مجھے پتے توڑتے دیکھ کر رک گیا۔ میرے پیچھے آنے والے بھی رک گئے۔ ٹانگر میرا مطلب سمجھ چکا تھا۔ اس نے پتے میرے ہاتھ سے لیے اور اپنی کمر سے لپٹی ہوئی تھوڑی سی ڈوری کھول کر اسی درختوں کی چھال کی بنی ہوئی تھی، میرے لیے دیکھتے ہی دیکھتے ایک قسم کا سایہ تیار کر دیا جس سے میں نے اپنا سر چھپا لیا۔ اب میں بھی ان لوگوں کی طرح "ملبوس" ہو گیا تھا۔

ٹانگر ایک شان تفاخر اور احساس فتح مندی کے ساتھ میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ درختوں کے طویل سلسلے سے گزر کر ہم لوگ ایک نہایت وسیع کھلے میدان میں داخل ہو گئے۔ جہاں درخت بہت کم تھے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جگہ کو خاص طور سے رہائش کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس وسیع اور ہرے بھرے میدان میں جگہ جگہ گول گول جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ یہ جھونپڑے ان جھونپڑوں سے قطعاً مختلف نہیں تھے جو برسوں یا شاید صدیوں پہلے اڈچالا اور دوسرے جنگلوں کی رہائش گاہ تھے۔ ابھی تک مجھ پر ان جھونپڑوں کا وہی انداز ہی برقرار تھا۔

بستی کے اندر داخل ہوتے ہی بہت سے لوگوں کی نظر ایک ساتھ ہم پر پڑی۔ ہمیں دیکھنے والوں کے منہ سے حیرت بھری چیخیں نکل گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری بستی میں جیسے غدر مچ گیا۔

چاروں طرف سے لوگ تیز تیز دوڑتے دوڑتے آ رہے تھے اور میرے گرد جمع ہونا چاہتے تھے۔ لیکن ٹانگر اس وقت گویا امیر لشکر یا بنا ہوا تھا۔ وہ سب لوگوں کو راستے سے ہٹاتا چلا تھا اور اس کام کو ایک خاص ہمت میں تھا۔ میرے پیچھے آنے والے چاروں افراد بھی برابر اسی انداز سے ساتھ ساتھ چلتے رہے تھے۔

"ٹانگر یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟" ٹانگر یہ چاند جیسی رنگت والا آدمی کون ہے؟" ٹانگر ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ۔" اس قسم کے ملتے جلتے ہر طرف سے سوالی دے رہے تھے۔ لیکن ٹانگر کا دماغ فلاہرے کہ اس وقت سائیں آسمان پر تھا۔ وہ لوگوں کے ہجوم کو ہٹاتا جاتا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا "یہ جو کوئی بھی ہے، قبیلے والوں کو بہت جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سب سے پہلے ہمیں سردار کے پاس جانے دو۔ ہمارا راستہ مت



روکو۔"

"یہ... یہ کون ہے؟" اس نے ٹانگر سے پوچھا جو بڑے فخر انداز میں میرے برابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ٹانگر میرے بارے میں شاید زیادہ صحیح حلیہ پیش نہ کر سکے۔ اس نے سردار ڈاچوک سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس سے بہتر یہی ہے کہ میں تم کو اپنے بارے میں بتا دوں۔"

"وہ... تم ہمارے قبیلے کی زبان کیسے... بولنے کے ساتھ بول رہے تھے۔" ڈاچوک نے مزید حیران ہوتے ہوئے کہا۔ "مگر تم ہم میں سے... ہو۔"

"ہاں۔" میں نے سکون سے کہا۔ "میں تم میں سے نہیں ہوں لیکن تمہارے اور تمہارے قبیلے کی زبان بڑی روانی سے بول سکتا ہوں۔ تم لوگ اس زبان کے علاوہ کوئی اور زبان بول رہے ہوتے تو میں اس زبان میں ہی گفتگو کرتا۔"

"عجیب بات ہے۔" ڈاچوک نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اے روشنی اور رنگت والے انسان، تم اپنے بارے میں مجھے بتاؤ۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تم لوگوں سے اس قدر مختلف... ہو؟"

"سنو سردار ڈاچوک۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہارے سوالوں کا جواب ضرور دوں گا۔ میرا نام طالوت ہے۔ لیکن تم لوگ نہیں جانتے کہ سمندر کیا ہوتا ہے؟" ٹانگر کو بتایا ہے کہ سمندر کسے کہتے ہیں۔ اور وہ تم لوگوں کے بارے میں بتا دے گا۔ فی الحال اپنی آسانی کے لیے مجھ کو میں پہاڑوں کا دیوتا ہوں۔" طالوت دیوتا اور ٹانگ قبیلے کے لوگوں کے... دشمنوں اور مصیبت اور امن کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ تمہیں برید... ڈاچوک کے متعلق اور تمہارے قبیلے کی مصیبت کے دن ختم... ہو گئے ہیں۔" ٹانگر نے مجھے تمہاری پریشانیوں کے بارے میں سب کچھ... بتا دیا ہے۔ اور میں نے ٹانگر اور اس کے ساتھیوں دوسرے لوگوں کو جو... میرے ساتھ تھے، بتا دیا ہے کہ میں انھیں زبھاٹ قبیلے لے کر جا رہا ہوں۔"

جیسے ہی میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، سردار ڈاچوک فوراً... اٹھ کر پرے ہٹ گیا اور اس نے تیزی سے جھکتے ہوئے مجھے... جلدی سے بازو سے پکڑ کر اوپر اٹھا دیا۔ اس نے... میرے ہاتھ پکڑ کر چومنا شروع کر دیے۔ میں نے... نہیں روکا۔ بہرحال اسے اپنی عقیدت کا کسی نہ کسی طور پر... تھا۔

ہم لوگ بڑے خوش نصیب ہیں۔" ڈاچوک نے زور زور سے... کہا۔ "ہمارا بچوا قبیلہ نہایت خوش نصیب ہے کہ ہمارے... کا مدد ہوئی ہے۔ ہم اپنی اس خوش نصیبی پر ہمیشہ... ہیں۔ اے طالوت دیوتا، تم ہمارے قبیلے کے مالک... تمہارا حکم ہمارے لیے سر آنکھوں پر ہے۔ میں تجھے اس قبیلے کا سردار مقرر کرتا ہوں۔"

ڈاچوک نے بہت اصرار کے ساتھ مجھے اس تخت پر بٹھا دیا جس پر وہ خود تک بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاچوک اور میرے ساتھ آنے والے چاروں افراد ایک قسم کے جلوس کی شکل میں میرے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنی زبان میں زور زور سے ایک گیت گانے لگے۔ جس میں پانی، بارش اور دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ وہ لوگ کورس کی شکل میں یہ گیت گا رہے تھے اور اپنے اپنے حلق کی پوری قوت سے گا رہے تھے۔ گیت کی آواز ہر لحہ بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور پھر اچانک ایک دل ہی بات ہوئی۔ اللہ کے اس کورس میں اچانک ہی سیکڑوں آوازیں مزید شامل ہو گئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو مجھے دیکھتے ہوئے میرے اور ٹانگر کے پیچھے پیچھے چلے آتے تھے اور ڈاچوک کے جھونپڑے کے دروازے پر رک گئے تھے۔ انھوں نے جب اندر سے اس گیت کی آوازیں سنیں تو خود بھی وہی گیت گانے لگے۔ اور ان کی آوازیں بھی ان چھ آوازوں میں شامل ہو گئیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ چھ آوازیں ان کی بہت ساری آوازوں میں گم ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی کسی گھڑے سے نکل کر ایک لڑکی نکلی۔ وہ حسن و شباب کا ایک ایسا جھلکتا جھلملاتا خنجر تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا قدرت کے مناظ ہاتھوں نے اسے آبنوس کی سیاہ لڑکی سے تراشا ہو۔ اس کے خدوخال نہایت جاذب نظر تھے اور چہرے پر بھولپن کے آثار تھے۔ اس نے بھی قبیلے کے باقی لوگوں کی طرح چند بڑے بڑے پتوں سے اپنے سر کو ڈھانپا ہوا تھا۔

کمرے میں آنے والی یہ نوجوان لڑکی بے حد عجیب و غریب منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ کبھی مجھے دیکھتی اور کبھی میرے سامنے کھڑے ہوئے چھ آدمیوں کو۔ دیکھتی مجھ دیوتاؤں کی شان میں گیت گا رہے تھے اور جن میں خود قبیلے کا سردار بھی شامل تھا۔ اور کبھی وہ تنہا تخت پر بیٹھے ہوئے میرے سر کے اوپر سے جھونپڑے کے دروازے کی طرف دیکھتی جہاں سے گزر گزر کر سیکڑوں آوازیں اندر آ رہی تھیں جو اس کی سب ایک ہی گیت گا رہی تھیں۔ بارش، پانی، دریا کے دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کا گیت۔ اور پھر اس لڑکی کے چہرے پر حیرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ مسلسل ایک بے خودی کے عالم میں مجھے تکے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں گیت ختم ہو گیا اور سب لوگ خاموش ہو گئے۔ گیت ختم ہوتے ہی سردار نے نوجوان سیاہ فام حسینہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "قبیل (دھرتو)، قبیل سردار کے حکم کے مطابق اس کے پاس آ گئی۔ آج ہمارے قبیلے اور ہماری بستی کا ایک یادگار دن ہے۔" سردار ڈاچوک نے اس لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دریاؤں کا دیوتا طالوت ہمارے قبیلے میں آیا ہے اور ہمارے لیے امن، مسرت اور شادمانی کا پیغام لایا ہے۔ ہم لوگ خوش نصیب ہیں کہ ایک دیوتا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

سردار کی زبانی یہ الفاظ سنتے ہی وہ لڑکی بھی دوسرے لوگوں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کی طرح فوراً جمدے میں گر گئی۔ میں نے اسے فوراً اٹھا کر سیدھا کر دیا۔ میرے ہاتھ جب اس کے جسم سے مس ہوئے تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میں نے کسی گوشت پوست کی نہیں بلکہ سنگ مرمر کی چھوٹی سی مورتی کو چھو لیا ہو۔ اس کا جسم بے حد ٹھوس و مضبوط تھا۔

"عظیم دیوتا مادھو!" سردار دا چھک نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر میرے آگے جھکتے ہوئے کہا۔ "یہ شہل ہے میری بیٹی۔ اس کی ماں مر چکی ہے اور اسے میری دوسری بیویوں نے پالا ہے۔ یہ آج سے تمہاری خدمت پر مامور رہے گی۔"

اتنے میں باہر سے آوازیں آنے لگیں۔ "سردار دا چھک! ہمیں بتاؤ کہ اجنبی کون ہے۔ ہم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ہم تمہارے منتظر کھڑے ہیں۔"

"تم لوگ ذرا ٹھہرو۔" سردار دا چھک نے کہا۔ اور پھر وہ مجھ سے بولا۔ "عظیم دیوتا! تاک قبیلے کے لوگ تم سے دا فعیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تمہاری طرف سے اجازت ہو تو انہیں تمہارے بارے میں بتلایا جائے۔"

"میری طرف سے اس بات کی اجازت ہے۔" میں نے کہا۔ "اور تم ان لوگوں کو میری طرف سے یہ بھی بتا سکتے ہو کہ میں ان کے لیے خوشی اور خوش قسمتی کا پیغام لے کر آیا ہوں اور یہ سمجھ لیں اور اس بات کا اطمینان رکھیں کہ زیہارٹ قبیلے والے اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔"

"دیوتا مادھو کا حکم سر آنکھوں پر۔" دا چھک نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ایک قدم بڑھا کر وہ رک گیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "دیوتا ان سب لوگوں کو اپنے درشن دے دو تو بہت اچھا ہے۔"

"میں یہیں ہوں۔" میں نے کہا اور تخت سے اتر کر دا چھک کے پاس آگیا۔ لیکن دا چھک مجھ سے ایک قدم پیچھے ہو گیا اور اس نے مجھے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں اس کے اشارے کے رواج تو آگے آگیا۔ اب آگے آگے میں چل رہا تھا، میرے پیچھے دا چھک تھا، دا چھک کے پیچھے اس کی بیٹی شہل تھی اور شہل کے پیچھے خادمہ اور بقیہ لوگ تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کا یہ چھوٹا سا جلوس پھونپڑے کے دروازے تک پہنچا۔ جو نہی دروازے سے باہر نکلے ہوئے کھڑے تھے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس طرح ہم لوگوں کو کھڑے ہونے کی جگہ مل گئی۔

"اے زیہارٹ قبیلے کے لوگو! سنو۔" دا چھک نے میرے بارے کچھ بلند کر کہنا شروع کیا۔ "آج کا دن تمہاری زندگیوں کا سب سے زیادہ یادگار اور روشن ترین دن ہے۔ تم لوگ اپنی گستاخیوں پر جتنا بھی ماتم کرو کم ہے، جانتے ہو یہ چاند کی کرنوں کا بنا ہوا کون تمہارے سامنے کھڑا ہے؟ یہ وہ ہاتھ ہے جو پانی کا دیوتا ملاوٹ ہے، جو ہماری بستی میں ہماری مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ عظیم دیوتا ہمارے لیے امن، مسرت اور شادمانی کا پیغام لایا ہے۔ دیوتا ملاوٹ کا کہنا ہے کہ اب اس کی آمد کے بعد زیہارٹ قبیلے والے ہمیں پریشان نہیں کر سکیں گے اور جہاں وہاں بھٹکتے رہیں گے۔ اسے تاک قبیلے والو! خشکسالی کے دن ختم ہو گئے اور اب ہم ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

جیسے ہی دا چھک کی زبان سے یہ الفاظ ختم ہوئے، وہاں موجود تمام لوگ چھک سے میرے قدموں میں گر پڑے۔ میں نے فوراً حکم دیا کہ وہ سیدھے کھڑے ہو جائیں۔ میرے حکم کی فوری طور پر تعمیل کی گئی اور وہ سب کے سب سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"سوائے تاک قبیلے کے لوگو!" میں نے انہیں مخاطب ہو کر کہا۔ "تم مجھ کو اپنے ہی سیس سے ایک سمجھو۔ میں تمہارا بھائی، دوست اور شیر خواہ ہوں۔ اور تمہاری بھلائی کے لیے آیا ہوں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ہمیشہ تمہارے قبیلے میں رہنے کو نہیں آیا ہوں۔ میرا قیام یہاں پر بہت تھوڑے عرصے کا ہوگا اور اس کے بعد میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ رخصت ہونے سے پہلے میں تمہیں بہت سے فائدے پہنچا جاؤں گا۔ ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہیں زیہارٹ قبیلے کے ظلم و ستم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات دلا دوں گا۔"

اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا اور میرے خاموش ہوتے ہی لوگوں کی زبان سے خود بخود وہ گیت چھوٹ پڑا جو وہ گا رہے تھے۔ لیکن اب ان کی آواز کے جوش و خروش کا عالم تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویان پر مستی چھا گئی ہے اور وہ وجد کے عالم میں گا رہے ہوں۔

تھوڑی دیر میں جب ان کا گیت ختم ہو گیا تو میں نے انہیں منتشر ہونے کا حکم دیا۔ وہ سب کے سب وہاں سے چلے گئے۔

"اے عظیم دیوتا!" سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد دا چھک نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگرچہ اس بستی میں کوئی بھی جگہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن جانے پاس جو کچھ ہے وہی ساری بستی سے جو بھی جھونپڑا چاہو اپنے لیے منتخب کر لو۔ اسی میں اپنے قیام کا بندوبست کر دیا جائے گا۔ اور شہل کو تمہاری خدمت کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ اگر تم میرے جھونپڑے میں قیام کرو تو میرے لیے یہ خوش نصیبی کی بات ہوگی۔ میرے جھونپڑے میں میرے اور شہل کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا اور وہاں بہت جگہ ہے۔ تمہاری مرضی ہے تم جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔"

"میں تمہیں ابھی کچھ عرصے تک اس بستی میں تمہارے ساتھ رہنا ہے۔" اس لیے میں اپنے لیے ایک علیحدہ جھونپڑا کروں گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن سردست جب تک میرا جھونپڑا نہیں بنا لیتا، اس وقت تک تمہارے جھونپڑے میں قیام کروں گا۔"

"یہ میرے لیے خوش نصیبی کی بات ہے۔" دا چھک نے کہا۔

اس کے بعد دا چھک نے اپنی بیٹی شہل کو حکم دیا کہ وہ میرے لیے جھونپڑے کے خالی کرنے کو ٹھیک کر دے۔

شہل نے تھوڑی دیر بعد آکر اطلاع دی کہ میرے لیے کمرہ تیار کر دیا گیا ہے اور اگر میں چاہوں تو اس میں آرام کر سکتا ہوں۔ میں نے پیش کش قبول کر لی۔ اور آرام کرنے چلا گیا۔ شہل ہی میرے کھانے کا لے کر آئی۔ نہ جانے کتنے طویل عرصے کے بعد میں نے کھانے کی چیز دیکھی تھی۔ پرفیس رہنا چند میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کر مجھے اس حقیقت کا اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ آگ کا استعمال جانتے ہیں۔

کوئی دس پندرہ دن میں نے تاک قبیلے کے لوگوں کے ساتھ ہنسی خوشی گزارے۔ قبیلے کے سارے لوگ مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ گھنٹوں ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا۔ انہیں عمدہ عمدہ باتیں بتاتا۔ پہاڑوں کے، دوسری دنیا کے اور سفید فام انسانوں کے قصے سناتا۔ وہ لوگ حیرت سے منہ کھولے میری یہ باتیں غور سے سنتے رہتے۔

پھر ایک دن تاک قبیلے کے لوگوں میں اچانک پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ تاک قبیلے کے کچھ لوگ جو زیہارٹ قبیلے کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، تاکہ وہاں کی خبریں معلوم کر سکیں۔ یہ خبر لے کر آئے کہ زیہارٹ قبیلے والے ایک بار پھر بڑا حملہ کرنے والے ہیں اور اس بار ان کا آغاز تاج سے دوسرے دن یعنی اصباح ہو گا۔ دا چھک نے یہ خبر سنی تو گھبرا گیا اور میں خود دا چھک کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دا چھک کو یقین دلایا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے اور یہ کہ زیہارٹ قبیلے والے ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

جمعہ دن سورج نکلنے سے کوئی پہلے میں بستی کی طرف آنے والے راستے کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ بستی کے دو اطراف میں بے حد گھنا اور ناقابل گزر جنگل تھا۔ ایک طرف دریا تھا اور صرف ایک طرف سے آنے کا راستہ تھا۔ زیہارٹ والے بھی اسی طرف سے حملے کرتے تھے۔ یہ بات میں نے پہلے ہی معلوم کر لی تھی۔ میں نے بستی کے تمام لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ میدان میں جمع ہو جائیں اور جب تک میں ان کو اجازت نہ دوں وہ کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

دوپہر تک پر سکون خاموشی طاری رہی۔ اور تھوڑی دیر میں سورج نے اپنا سر اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی ڈھول بجنے کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی۔ ڈھول کے ساتھ ہی کچھ نعرے بھی لگ رہے تھے لیکن ان کی آواز واضح نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ ڈھول اور نعروں کی آوازیں قریب آتی گئیں۔ زیہارٹ قبیلے والے حملے کے لیے چلے آرہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ میری نظروں کے سامنے آگئے۔ ان میں دو آدمی سب سے آگے تھے۔ ایک بہت بنا کٹا اور جوان مرد آدمی تھا۔ جس نے کسی جانور کی کھال سے ستر پوشی کی ہوئی تھی اور وہ سر پر دھاتی ہوئی ٹوپی سی پہنے ہوئے تھا۔ دوسرا آدمی تھا لیکن تھا وہ بھی بہت طاقتور اور مضبوط جسم کا مالک۔ میں اندازے سے سمجھ گیا کہ یہ دونوں اعلیٰ قبیلے کے سردار ہیں اور اس کے ساتھ جادوگر ہوں گے۔ میں ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ میں بالکل خالی ہاتھ تھا۔ جبکہ ان کے ہاتھوں میں لکڑیوں، پتھروں اور ہڈیوں کے بنے ہوئے ہتھیار تھے۔ کہ اور بولام کے پیچھے بے شمار انسانوں کا ایک لشکر تھا جو سب کے سب مسلح تھے۔

کہا اور بولام مجھے دیکھ کر رک گئے اور حیرت میں ڈوب کر میری شکل دیکھنے لگے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں میرے سنہری جسم پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے رکنے کے ساتھ ہی ان کے پیچھے کھڑے ہوئے تمام لوگ بھی رک گئے۔

"اے چاند جیسے انسان تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" بولام مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "ہم نے تمہیں اس سے پہلے یہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"یقیناً تم نے نہیں دیکھا ہوگا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ میں پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔ میری آمد کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔"

"لیکن تم کون ہو؟" اس بار سردار کہا نے زبان کھولی۔

"سنو زیہارٹ قبیلے کے سردار کہا اور جادوگر بولام!" میں نے کہا۔ اور وہ دونوں حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ "میں تاک قبیلے کی جانب سے تم لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کہا ان کے اعلیٰ ہونے پر بولام نے نفرت سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ "کیا اب وہ لوگ اتنے زبردست ہو گئے ہیں کہ ان میں خود سامنے آنے کی جرأت بھی نہیں رہی ہے۔ بہرحال تم جو کچھ بھی ہو، یہ اچھی طرح جان لو کہ اس بار ہم تاک قبیلے کو تہاہ و برباد کر دینے کا مصمم بنا کر آئے ہیں۔ اگر تم ہمیں روک سکتے ہو تو روک لو۔"

"میں تمہیں روک سکتا ہوں اور ضرور روکوں گا۔" میں نے بولام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "لیکن میں دل سے یہ چاہتا ہوں کہ کوئی خون خرابہ نہ ہو اور تم لوگ خاموشی سے اپنے قبیلے کو واپس لوٹ جاؤ۔ ساتھ ہی مجھ سے یہ وعدہ بھی کرو کہ آئندہ تاک قبیلے والوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہو گے۔ اور ان پر کبھی حملہ آور نہیں ہو گے۔"

"ہا ہا ہا!" بولام خوفناک آواز میں ہنسا۔ "معلوم ہوتا ہے تم نے ہم لوگوں کو دھوکہ دینے اور ہمیں مرعوب کرنے کی غرض سے اپنے جسم اور بالوں پر کوئی خاص قسم کا رنگ یا روغن لگا رکھا ہے جس کے استعمال سے ہم لوگ ابھی تک واقف نہیں ہیں اور تمہارا تعلق تاک قبیلے سے ہی ہے تو نے ہم لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ سوانگ رچایا ہے اور تاک قبیلے والوں نے تمہارا روپ بھر کر تجھے یہاں بھیجا ہے۔ لیکن یاد رکھ او نادان،

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تھے میں ایک بار پھر اجنبی دنیاؤں کی طرف واپس چلا جانا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک رات خاموشی سے میں نے بستی کو الوداع کہا بستی کے بچے کھچے لوگ اس وقت محوِ خواب تھے اور ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ مجھے اب اس مرگ آفریں سناٹے سے وحشت ہونے لگی تھی اور میں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ میرا رخ دریا کی سمت تھا اور میں چاہتا تو دریا کے کنارے کھڑی ہوئی کشتیوں میں سے ایک کشتی بھی لے سکتا تھا لیکن میں نے اوّل تو اس کی ضرورت نہیں محسوس کی اور دوم یہ کہ میں تاحال قبیلے والوں کو ان کی ایک اہم اور قیمتی شے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں جب دریا کے کنارے پہنچا تو ہر طرف گہرا سناٹا اور گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میرے سامنے پانی کی ایک وسیع و عریض اور لامتناہی پہلار تھی جو اس اندھیرے میں سیاہ رنگ کی نظر آ رہی تھی۔ میں نے ایک اور گہری نظر اپنے پیچھے ڈالی۔ سامنے گھپ اندھیرے کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چھوٹی سی بستی گھنے درختوں کے جھنڈوں میں گم تھی اور دبیز سیاہی کی چادر اوڑھے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے آخری بار تہلیل کی، اس کی وفاؤں کو اور اس کے حسین آبنوسی جسم کو یاد کیا اور اس کے بعد پانی میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا کر کے دریا کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا۔

دریا کے بہاؤ میں تیزی نہیں تھی بلکہ وہ نرم روی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ میں نے الیغنان سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور نیند میں غرق ہو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں سوتا رہا۔ جب میری بیدار ہوا تو دور افق پر سپیدۂ سحری نمودار ہو رہا تھا۔ بڑا ہی حسین و دل کش منظر تھا۔ آبی پرندے دریا کے اوپر چکر لگا رہے تھے اور ان میں سے کچھ دریا کی سطح پر تیر بھی رہے تھے۔ دریا کے دونوں کنارے دور دور تک ہرا بھرا اور گھنا جنگل نظر آ رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پوری کائنات ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہے۔ گویا ساری خامیدہ دنیا ایک نئی زندگی کے جوش اور ولولے سے بھرپور ارتقا کی جانب ایک اور قدم بڑھا رہی ہے۔ میں قدرت کے اس حسن سے بالکل مسحور ہو کر رہ گیا اور میرے ہونٹوں پر خود بخود ایک دلنواز مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

ایک بات میں نے محسوس کی پروفیسر اور وہ یہ کہ اب دریا کی روانی میں آہستہ روی باقی نہیں رہی تھی بلکہ اس کا بہاؤ اچھا خاصا تیز ہو گیا تھا۔ رات بھر چلنے نے نہ جانے کتنا سفر طے کر لیا تھا اور اب میں کہاں سے اور کس علاقے سے گزر رہا تھا، مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ گو کہ میں جانتا تھا کہ اس دریا کا منبع کہاں ہے اور وہ کہاں پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور ساری کائنات سنہرے نور میں نہا گئی۔ نرم نرم دھوپ میں دریا کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اور بہت حد صاف و شفاف نظر آ رہا تھا۔ ابھی انسانی دنیا پر صنعتی ترقی نے کرۂ ارض کے دریاؤں کے پانی کو آلودہ کرنا نہیں شروع کیا تھا۔

میں اسی طرح الیغنان و سکون کے ساتھ بہتا رہا۔ دریا کا بہاؤ تیز تھا، دوپہر گزری، شام آئی اور پھر رات ہو گئی۔ رات ہوتے ہی میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کو میٹھی اور پرسکون نیند کے حوالے کر دیا اور بے خبری سے غافل ہو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو صبح ہو رہی تھی۔

اسی طرح پانچ دن اور پانچ راتوں تک میں دریا کے تیز بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتا رہا۔ چھٹے دن کی صبح کو میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ دریا کے بہاؤ میں بہت زیادہ تیزی آ گئی ہے اور پانی کا شور بھی بہت زیادہ ہے۔ پانی کے بہاؤ اور تیزی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر پانی کے شور کی آواز میرے کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی پروفیسر کہ اب میں اس جگہ کے قریب آ گیا ہوں جہاں یہ وسیع و عریض اور پرشور دریا سمندر میں جا گرتا ہے۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا پروفیسر، تھوڑی ہی دیر میں میں نے جس جگہ آ گیا جہاں دریا اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دیتا ہے۔ پانی کے گرنے کی آواز نہایت پرشور تھی۔ پانی کی دبیز چادر کے ساتھ میں بھی سمندر کے اندر داخل ہو گیا۔ کتنی دل چسپ بات تھی یہ جس طریقے سے براعظم افریقہ میں داخل ہوا تھا، اسی طریقے اب اس براعظم سے رخصت ہو رہا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ جب میں آ رہا تھا تو اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور یہ ایک اتفاق تھا کہ میں بے پناہ پھیلے ہوئے سمندر میں بہتے بہتے افریقہ میں آ نکلا۔ لیکن اب جبکہ میں یہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو کم از کم اتنی بات ضرور معلوم تھی کہ میں افریقہ کی سیاہ زمین سے رخصت ہو رہا ہوں اور ایک بار پھر سفید اور گندمی براعظموں کی طرف رواں دواں ہوں۔

ایک بہت ہی لمبی مدت کے بعد میں نے سمندر کو دیکھا تھا۔ میرے رواں رواں مسرت سے جھوم رہا تھا۔ یوں لگا گویا مجھے نئی زندگی مل گئی ہو۔ جب سے مجھے حبشیوں کے ایک گروہ نے بدو دریا میں پھینکا تھا، اس کے بعد سے پہلی مرتبہ میری آنکھیں سمندر کو دیکھ رہی تھیں اور جسم پانی کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔

اس جگہ سمندر بہت زیادہ پُرشور اور متلاطم تھا کیونکہ یہاں پر دریا اس میں گر رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم کو بالکل ڈھیلا اور تیرنے سے گریز کرتے ہوئے لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ موجیں مجھے زور زور سے بلند و پست کر رہی تھیں، کبھی ادھر سے اُدھر لڑھکا رہی تھیں۔ کبھی میں ایک لہر کے نیچے چلا جاتا اور کبھی پھر سطحِ آب پر ابھر آتا۔ بڑی دیر تک یہ کیفیت

جاری رہا۔ یہاں تک کہ میں اس علاقے سے خاصا دور نکل آیا جہاں دریا سمندر میں گرتا تھا۔ اب سمندر نسبتاً پُرسکون تھا۔

اس طرح پروفیسر میں نے ایک اور لامتناہی سفر کا آغاز کر دیا۔ خود مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ میں نے پہلے کی طرح اس بار بھی خود کو سمندر کی موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا لیکن میں نے اپنے سفر کے لیے ایسی سمت کا تعین کیا تھا جو مجھے بتدریج افریقہ سے دور لے جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو رہا ہوں اور میرا رخ افریقہ کی مخالف سمت میں ہے۔

دن بنتے اور بیتے گزرتے چلے گئے اور میں نے اپنے سفر کو جاری رکھا۔ اس مدت کے دوران مجھے بیسیوں کشتیاں اور کئی ایک جہاز بھی نظر آئے۔ لیکن میں نے خود کو ان سے دور رکھا۔ ابھی میں کسی کشتی یا جہاز میں سوار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اور کچھ عرصے تک مزید اپنا جسمانی سمندری سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔

ایک بہت لمبی مدت گزر گئی مجھے یقین تھا کہ میں نے براعظم افریقہ کو بہت دور چھوڑ دیا ہے۔ اب میرا ارادہ تھا کہ کہیں ساحل نظر آئے تو اس طرف اپنا رخ کر دوں، لیکن فی الحال دُور دُور تک کہیں ساحل کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی علامتیں نظر آتی تھیں جن سے ساحل کے قریب ہونے کا کوئی سراغ ملتا۔ مجھے بھی کسی بات کی جلدی نہیں تھی اس لیے میں نے بھی خود کو حالات کے تیز و تند دھارے کے حوالے کر دیا اور الیغنان سے بہتا چلا جا رہا تھا۔

اور پھر اچانک مجھے ایک جہاز نظر آیا۔ یہ جہاز مجھ سے بہت ہی دور تھا اور ایک موہوم نقطے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ میں نے فوراً اپنا رخ تبدیل کر کے جہاز کی سمت میں تیرنا شروع کر دیا۔ میری رفتار کافی تیز تھی اور مجھے یقین تھا کہ زیادہ دیر نہیں گزرے گی، میں جہاز کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میں برابر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور میرے اور جہاز کے درمیان فاصلہ برابر کم ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں جہاز کے کافی قریب پہنچ گیا۔ لیکن اب میرے لیے سوال یہ تھا کہ میں جہاز والوں کو کس طرح اپنی جانب متوجہ کروں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو کوئی ساحل علاقہ تھا نہ ہی ساحل یہاں سے قریب تھا تو جہاز والے فوراً پہچان سکتے کہ میں سمندر کا دوست تھا اور جہاز والوں میں سے کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جگہ کھلے سمندر میں کسی انسانی وجود کا ہونا بھی ممکن ہے۔ لہٰذا جہاز والے اپنی دنیا میں مست اور مگن چلے جا رہے تھے۔

اتفاق سے اس جگہ سمندر میں کئی مقامات پر چھوٹی چھوٹی چٹانیں بھری ہوئی تھیں۔ میں جلدی سے ان میں سے ایک چٹان پر چڑھ گیا جو دوسری چٹانوں کے مقابلے میں زیادہ بلند تھی اور میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر لہرانا شروع کر دیے۔ مجھے امید تھی کہ شاید جہاز والوں میں سے مجھے کوئی دیکھ لے۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ ویسے تو مجھے جہاز کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور میں خود تیرتا ہوا کہیں بھی جا سکتا تھا، لیکن سمت اور رسول کے صحیح تعین کے لیے مجھے جہاز والوں کی مدد درکار تھی۔ میں اس امر کا یقین حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ میں کس جگہ کی طرف رواں دواں ہوں۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ جہاز کی رفتار میں کمی ہو رہی ہے۔ شاید ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں سے ایک چھوٹی سی کشتی پانی پر اتاری جانے لگی۔ اس کشتی میں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اتنی دور سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں گندمی رنگ کے تھے۔

وہ دونوں کشتی کو کھیتے ہوئے تیزی سے میری طرف آ رہے تھے، اور میں ان کے خیر مقدم کے لیے تیار تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد میں نے ایسے انسانوں کے چہرے دیکھے تھے جن کے رنگ سیاہ فام نہیں تھے۔

کشتی میرے قریب آ کر رکی تو ان لوگوں کے اشارے پر میں نے آہستگی اور احتیاط کے ساتھ کشتی میں چھلانگ لگا دی۔ کشتی فوراً ہی جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ ان دونوں آدمیوں نے، جو کشتی چلا رہے تھے، نہایت غور سے میری شکل و صورت کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا۔ بڑی ہی عجیب و غریب رنگت ہے اس کے جسم اور بالوں کی۔ نہ جانے کون سے ملک کا باشندہ ہے یہ؟

"اور یہ بھی کس قدر حیرت کی بات ہے کہ سمندر کے بیچوں بیچ کہاں سے آ گیا یہ دوسرا آدمی بولا۔

"نہ جانے کم بخت آسمان سے ٹپکا ہے یا سمندر میں سے اگا ہے" پہلے نے کہا۔

میں ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھ رہا تھا۔ یہ لوگ قدیم مصری زبان بول رہے تھے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس جہاز کا تعلق مصر سے ہے۔ نہ جانے یہ کہاں جا رہا ہے؟ میں نے سوچا، کہیں یہ واپس افریقہ کی طرف تو نہیں جا رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں کسی وقت بھی چپکے سے اس جہاز سے چھلانگ لگا دوں گا اور کسی اور جہاز کا انتظار کروں گا۔ فوری طور پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں ان لوگوں کی زبان نہیں سمجھ رہا ہوں۔

کشتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جہاز کے قریب پہنچ گئی اور پھر اسے ہم جنوں آدمیوں سمیت رسیوں کی مدد سے اوپر کھینچ لیا گیا۔ جہاز کے کئی درجن سارے ہی مسافر عرشے پر جمع تھے۔ میں جب اوپر پہنچا تو بیسیوں نگاہیں کھر کر میری طرف گھوم گئیں۔ ہر شخص مجھے تک رہا تھا اور حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا گویا میں کوئی عجوبہ ہوں۔ اور یہی بات تو یہ تھی کہ میں تھا ہی عجوبہ۔ یہ سارے کے سارے گندمی رنگت کے لوگ تھے اور ان کے درمیان میرا جسم چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ میں بالکل بے لباس تھا۔ کسی نے ایک چادر میری طرف اچھال دی اور میں نے جلدی سے اپنے تن کی عریانی کو ڈھانپ لیا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اور تب ایک دراز قد آدمی، جس کے چہرے پر گھنی داڑھی اور مونچھیں تھیں، بادبانی زینے میں چلتا ہوا میرے قریب آگیا۔ میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ یہ اس جہاز کا کپتان ہے۔

وہ حسین اور عجیب و غریب نوجوان، تم کہاں کے رہنے والے ہو اور بیچ سمندر میں کیا کر رہے تھے؟" اس شخص نے قدیم مصری زبان میں مجھ سے سوال کیا، لیکن میں نے جان بوجھ کر اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس انداز میں اس کی شکل دیکھتا رہا گویا میں اس کی بات بالکل نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔

"یہ ہماری زبان نہیں سمجھتا نہ جانے یہ کون سی زبان سمجھتا ہے۔" کپتان نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"شاید یہ آرمینی زبان سمجھ لے۔" کپتان کے قریب کھڑے ہوئے ایک اور شخص نے، جو اپنے لباس اور حلیے کے اعتبار سے کپتان کا نائب معلوم ہوتا تھا، کپتان سے کہا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جلدی سے بول اٹھا "آرمینی، آرمینی" گویا اس کے جملے میں میں نے صرف آرمینی کا لفظ سمجھ لیا ہو۔

کپتان کے نائب کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ کپتان بھی خوش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیا تم آرمینی زبان بول اور سمجھ سکتے ہو؟" کپتان کے نائب نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ میری مادری زبان ہے۔" میں نے رواں آرمینی زبان میں جواب دیا۔ "مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم بھی یہ زبان جانتے ہو۔ کیا یہ تمہاری بھی مادری زبان ہے؟"

"نہیں!" اس نے جواب دیا۔ "یہ میری مادری زبان نہیں ہے لیکن میں اسے بخوبی بول سکتا ہوں۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم کون ہو اور بیچ سمندر میں کیا کر رہے تھے؟" اس شخص نے پوچھا۔

میرے ذہن میں ایک دلچسپ کہانی پہلے سے تیار تھی۔

"میں آرمینیا کا باشندہ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "تلاشِ معاش میں ملکوں ملکوں بھٹکتا ہوا بالآخر یونان پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایک جہاز میں ملازمت مل گئی اور اس جہاز کے ساتھ میں سفر پر تھا کہ راستے میں اچانک طوفان نے مجھے آگھیرا۔ بڑا شدید طوفان تھا اور جہاز جہاز کسی حقیر تنکے کی طرح ڈول رہا تھا۔ بالآخر جہاز طوفان کی مدافعت نہ کر سکا اور وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جہاز کا تمام ساز و سامان تباہ ہو گیا اور تمام لوگ ڈوب گئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کسی کے کسی کی خبر نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے میری طرح کوئی اور شخص بھی کبھی زندہ ہو، لیکن میں اس وقت لاعلم ہوں۔ میں ٹوٹے ہوئے ایک تختے کے سہارے تیرتا تیرتا اس چٹان تک آ پہنچا اور گزشتہ تین دن سے اسی چٹان پر مقیم ہوں۔ میں تو اس بات سے بالکل مایوس ہو گیا تھا کہ میں بچ بھی سکتا ہوں۔ مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی کوئی جہاز یہاں سے گزرے گا۔ میرے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان موجود نہیں تھا اور یہاں اس چٹان پر میں موت کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ تم لوگوں کے اس جہاز پر میری نظر پڑی اور شکر ہے تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر اپنے جہاز میں بلا لیا۔ میں اس عنایت کے لیے تم لوگوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے نئے سرے سے زندگی دینے والے تم ہی لوگ ہو۔"

اس شخص نے میری بیان کردہ دل چسپ حکایت کا ترجمہ کر کے اپنے کپتان کو اس سے آگاہ کیا۔ کپتان شدید حیرت کے عالم میں مجھے دیکھتے ہوئے اس شخص سے کہنے لگا۔ "کمال ہے یہ شخص تو کسی طرف سے بھی تین دن کا بھوکا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی جسمانی قوت بھی پوری طرح برقرار معلوم ہوتی ہے اور یہ تھکا ہوا بھی نہیں معلوم ہوتا۔ میرے خیال میں یہ کوئی بہت باہمت اور بہادر شخص ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "یہ ایک غیر معمولی آدمی دکھائی دیتا ہے۔ میں نے بہت سے آرمینیائی دیکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی رنگ روپ اس جیسا نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس رنگ روپ کا حامل شخص کہیں نہیں دیکھا۔"

"اس سے اس کا نام تو پوچھو۔" کپتان نے کہا۔

"او۔ ہاں۔" اس شخص نے کہا اور پھر آرمینی زبان میں مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "او دوست! تمہارا نام کیا ہے؟"

میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر میری مجھ پر مہربان تھا۔ میں اس کا نام کیسے لے سکتا تھا۔ میں ان لوگوں کو اپنا کیا نام بتاؤں۔ میں انہیں اپنی شخصیت کے بارے میں یہ تاثر بھی نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں کوئی غیر معمولی انسان ہوں اور نہ ہی انہیں یہ پتا سکتا تھا کہ اب تک میرے سکیڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نام رکھے گئے ہیں اور ہر نام کے ساتھ میری ایک جداگانہ تاریخ وابستہ ہے۔ مجھے بہرحال اس بار خود ہی اپنا کوئی نام تجویز کر کے ان لوگوں کو بتانا تھا۔ چنانچہ میں نے ذرا سی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میرا نام ارفن ہے اور میرے دوست احباب مجھے اسی نام سے پکارتے رہتے ہیں۔"

اس شخص نے کپتان کے لیے میری بات کا ترجمہ کیا۔

"جواب میں تم لوگوں سے بھی باضابطہ طور پر متعارف ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں۔ میرے دوست! میں نے اس شخص سے مخاطب ہو کر نہایت ملائمتی سے کہا۔

"کیوں نہیں دوست!" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ نہ صرف ہے۔" اس نے کپتان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا صرف آقا ہے دوست میرا افسر اور اس جہاز کا کپتان ہے۔ یہ ایک بہت ہمدرد

جہاز راں ہے اور اس کی زندگی کا بیشتر حصہ سمندر کے سینے پر گزرا ہے اور میرا نام ارقند ہے۔ میں نظر خان کا دوست اور اس جہاز کا نائب کپتان ہوں۔ ہم لوگوں کا تعلق مصر سے ہے اور اس وقت ہم سکندریہ سے چل کر ہند کی طرف رواں ہیں۔ ہمارا جہاز طرح طرح کے تجارتی سامان اور اسباب سے بھرا ہوا ہے۔ ہم یہ سامان لے کر ہند کے مغربی ساحل پر جائیں گے اور وہاں اس سارے سامان کو فروخت کر کے بہت سا سونا حاصل کریں گے۔ پھر اس سے ہم ہند کی بنی ہوئی قیمتی ادویات، الٹیا اور مصالحے خریدیں گے اور انہیں لے کر مصر آئیں گے۔ اس طرح ایک پھیرے میں ہم بہت سی دولت کما لیں گے۔ دعا کرو کہ ہم لوگ بخیریت ہند کے ساحل پر پہنچ جائیں۔"

"میری تمام تر دعائیں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "کم از کم اب مجھے اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ جہاز فریقہ نہیں جا رہا ہے، بلکہ ہندوستان کے ساحل کی طرف جا رہا ہے۔"

میرے اور ارقند کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی اور نظر خان بڑی دلچسپی سے ہم لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہماری باتیں تو نہیں سمجھ رہا تھا۔

"تم اس شخص سے کیا گفتگو کر رہے ہو ارقند؟" نظر خان نے قدیم مصری زبان میں پوچھا۔

ارقند نے مختصراً بتایا کہ میرے اور اس کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے۔

"میرا خیال ہے اس شخص کو کھانے اور پانی کی شدید ضرورت ہے۔" نظر خان نے ارقند سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ اتنی دیر تک کھانا پینا طلب کرنے کے بجائے حیرت انگیز طور پر خاموش ہے۔ واقعی یہ حیرت انگیز انسان ہے۔"

"تمہارا ٹھیک کہنا ہے کپتان نظر خان۔" ارقند بولا۔ "مجھے اس شخص کو کچھ کھانے پینے کو دینا چاہیے۔"

"او دوست ارفن!" ارقند نے دوستانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔ "تم بہت بھوکے اور پیاسے ہو، لیکن شاید تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم سے کچھ طلب کروں۔ میں تمہارے پندار کی داد دیتا ہوں، لیکن دوست پندار کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر مت لگاؤ۔" اس نے کہتے ہوئے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ چلو۔"

میں ارقند کے ایک طرف چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ جہاز اندر سے بڑا تھا اور طرح طرح کے قیمتی ساز و سامان سے بھرا ہوا تھا۔ جہاز میں کئی لوگ تھے۔ یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جو کچھ دیر پہلے عرشے پر جمع ہو گئے تھے جب مجھے کشتی کے ذریعے اوپر لایا گیا تھا۔ میری جان کن شکل و صورت دیکھنے کے بعد یہ لوگ پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔

ارقند مجھے ساتھ لیے ہوئے جہاز کے باورچی خانے میں آیا۔ یہاں طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار کیے جا رہے تھے اور ان کی خوشبو نے واقعی میری بھوک کو چمکا دیا تھا۔

"ارفن!" ارقند نے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے قدیم عربی زبان میں کہا۔ "تمہارے اس نئے مہمان کے لیے کچھ کھانے کو دو۔"

"ضرور معزز ارقند!" زوداس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ شخص آسمان کا چاند زمین پر کیسے اتر گیا؟"

"کیا تمہیں واقعی یہ چاند جیسا نظر آتا ہے؟" ارقند نے مسکرا کر پوچھا۔

"جس کی چاہو قسم لے لو معزز ارقند!" زوداس نے کہا۔ "میں نے بھی اپنی زندگی کا بڑا حصہ مختلف ملکوں ملکوں کی سیر کرتے ہوئے گزارا ہے لیکن اس رنگ و روپ کا انسان میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا۔ یہ ایک حیرت انگیز انسان ہے۔ نہ صرف اس کے جسم کی رنگت سونے جیسی ہے، بلکہ اس کے بال بھی ایسے ہیں جیسے سونے کے تار۔ یہ اپنے بارے میں کیا بتاتا ہے معزز ارقند؟"

"اس کا کہنا ہے کہ یہ آرمینی ہے۔" ارقند نے جواب دیا۔ "اور یہ آرمینی زبان ہی بول سکتا ہے۔ ہماری زبان یہ نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ ہے بہت کچھ اور۔ زبانیں بھی تو کئی ہوں گی۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ یہ ملکوں ملکوں تلاشِ معاش میں پھرتا رہا ہے اور کچھ دن پہلے ایک یونانی جہاز پر کام کر رہا تھا جو ایک طوفان میں گھر کر تباہ ہو گیا اور ایک چٹان سے ٹکرا گیا۔ یہ کسی طرح بچ نکلا اور باقی تمام جہاز اس کی جان بچانے میں شاید یہ یونانی زبان جانتا ہو۔ دیکھو اس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں۔ پھر تو کیوں نہ اس سے یونانی میں بات کر کے دیکھوں؟"

"تم ضرور اس سے یونانی زبان میں بات کرو۔" ارقند نے کہا۔ "لیکن پہلے اس کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ بیچارہ سخت بھوکا ہے، لیکن تکلف کے مارے اپنی بھوک کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔"

زوداس نے ایک بڑی سی پلیٹ میں میرے لیے بہت سی قتلی ہوئی مچھلی اور بلے بھونے، آلو کے قتلے نکالے اور غلہ شراب کا ایک جام بھر کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے قدیم عربی زبان میں اس کا شکریہ ادا کیا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"مجھے یقین ہے معزز ارقند کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔" زوداس نے آہستگی سے کہا۔ "اس شخص کا چہرہ، اس کے بال، اس کا جسم اور اس کی رنگت ساری کی ساری چیزیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ یہ کوئی غیر معمولی شخصیت ہے۔ لگتا ہے یہ کسی دیوتا کا اوتار ہے اور کسی خاص کام کے لیے زمین پر بھیجا گیا ہے۔"

زوداس کی باتیں سن کر ارقند پہلے تو مسکرایا۔ لیکن پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ کہنے لگا۔ "میں تمہاری بات کی مکمل طور پر نفی تو نہیں کر سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ کسی دیوتا کا اوتار ہے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تو اسے جہاز پر آنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی؟ یہاں یہ کون سا کام انجام دے گا؟"

"یونانی مصلحتیں دیوتا ہی سمجھتے ہیں۔" زوراس نے صدر جہاز کی طرف گردن گھماتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد وہ دونوں خاموش ہو گئے اور میں چپ چاپ کھانا کھاتا رہا۔ وہ مجھے کھاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ میں نے کھانا ختم کیا اور شراب کا پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا۔ اس کے بعد میں نے پانی مانگا اور ارقند نے زوراس کو بتایا کہ میں پانی مانگ رہا ہوں۔ زوراس نے ایک پورا جگ پانی کا بھر کر میرے سامنے رکھ دیا اور میں نے اس میں سے تین گلاس پانی پیا۔

"کیا تم یونانی زبان بول سکتے ہو؟" زوراس نے مجھ سے سوال کیا۔

میں اس کے اس سوال پر مسکرا اٹھا۔ میں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ میں زوراس کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا تاکہ وہ مجھ سے یونانی زبان میں گفتگو کرے۔

"کیوں نہیں میرے دوست۔" میں نے شستہ یونانی لہجے میں جواب دیا۔ "میں یونانی زبان بہت اچھی طرح بول اور سمجھ سکتا ہوں۔"

میری زبان سے یہ الفاظ سن کر زوراس بے حد خوش ہوا۔ اس نے داد طلب نظروں سے ارقند کی طرف دیکھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ارقند کو بھی یونانی زبان تھوڑی بہت آتی ہے۔ ارقند نے مجھے خود ہی یہ بات بتائی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جہاز پر کم از کم دو آدمی ایسے ضرور موجود ہیں جن سے میں اطمینان سے گفتگو کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تمہاری شخصیت میرے لیے ایک معمہ ہے میرے دوست۔" ارقند نے کہا۔ "جب ارقند نے میرا نام پہلے ہی معلوم کر لیا تھا میں نے دنیا کے بہت سے ممالک کی سیر کی ہے لیکن تمہارے جیسے تنگ روپ اور شکل کا انسان کہیں نہیں دیکھا۔ کیا تم ہم لوگوں کو اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟ ہم نے تمہاری جان بچائی ہے اور ہم لوگ تمہارے دوست ہیں۔ تمہارے دشمن نہیں ہیں۔"

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ تم لوگوں نے میری جان بچائی ہے اور اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم مجھ سے میرے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو۔ میں معزز ارقند اور معزز نظر تیان کو پہلے ہی اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ کیا جاننا چاہتے ہو؟ میں تمہیں اس کے علاوہ اور کیا بتا سکتا ہوں کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ جہاں تک میرے رنگ روپ اور شکل و صورت کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ ہر انسان کی تخلیق و شکل قدرت کے ہاتھوں عمل میں آتی ہے اور مجھے بھی قدرت نے تمہارا بنایا ہے۔"

"لیکن تمہیں بنانے میں قدرت نے شاید کچھ زیادہ ہی زیادتی سے کام لیا ہے۔" زوراس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب اتنی گفتگو تمام کرنے کے بعد ہمیں جلد از جلد ارقند کو یہ بتا دینا چاہیے کہ ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے جا رہے ہیں۔" زوراس نے مخاطب ہو کر ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان میں کہا۔ "وہ بہت زیادہ تھکا ہوا ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

"لیکن مجھے تو ارقن کہیں سے بھی تھکا ہوا نظر نہیں آتا۔" زوراس نے کہا۔ "وہ اس وقت بھی مجھ سے اور تم سے، دونوں سے زیادہ چاق و چوبند اور تر و تازہ نظر آ رہا ہے۔ کیوں ارقن، میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

میں زوراس کی بات کے جواب میں صرف مسکرا دیا اور ارقند مجھے ساتھ لیے ہوئے ایک خالی کیبن میں آ گیا اور اس نے مجھے بتایا کہ آتی سے یہ کیبن میرا ہے اور اس میں میں آرام کروں گا۔ ارقند چلا گیا اور میں آرام سے لیٹ کر سو گیا۔ دن ڈھلے تک میں سوتا رہا۔

شام کو جب میں بیدار ہوا تو آفتاب دن بھر کا سفر طے کرنے کے بعد تیزی سے مغرب میں ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میں کیبن سے باہر نکل آیا اور عرشے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف موجیں مار تا سمندر تھا۔ سوائے سبز کائی اور نیلگوں رنگ کے پانی کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میں خاموشی اور دلچسپی کے ساتھ سمندر کا نظارہ کرنے لگا۔ عرشے پر میرے علاوہ چند لوگ اور بھی تھے۔ اس اثنا میں ارقند بھی وہاں آ گیا۔

"اب تو تمہیں ہمارے ساتھ ہند چلنا پڑے گا۔" اس نے کہا۔ "وہاں پہنچنے کے بعد پھر تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو اب وہیں جا سکتا ہوں جہاں یہ جہاز جائے گا۔"

"کیا تم کبھی ہند گئے ہو؟" ارقند نے مجھ سے پوچھا۔

"اور پرویز تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں ایک زمانے میں کافی عرصے تک ہند میں رہا تھا۔ لیکن میں نے ارقند کو یہ بات نہیں بتائی اور اس سے کہا کہ میں کبھی ہند نہیں گیا ہوں۔"

"ہند عجائبات کی دنیا ہے۔" ارقند نے کہا۔ "ہم لوگ اس سے پہلے بھی کئی بار ہند جا چکے ہیں۔ وہ بہت خوبصورت علاقہ ہے۔" اس کے بعد ارقند کافی دیر تک مجھ سے ہند کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ دوران نظر تیان بھی وہاں آ گیا اور ارقند کے ساتھ دوسری باتیں کرنے لگا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ارقند۔" نظر تیان نے میری طرف دیکھتے ہوئے ارقند سے قدیم مصری زبان میں کہا۔ "ارقن کے ذہنے ہم کیا لگائیں یا اسے یوں ہی چھوڑ دیں اور اپنا مہمان سمجھ کر اسے ہند پہنچا دیں؟"

"میرا خیال ہے تمہارے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔"

نے کہا۔ "ارقن ہمارا مہمان ہے اور ہمیں اس کے ساتھ مہمانوں جیسا سلوک ہی کرنا چاہیے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" نظر تیان نے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے۔" چند ہی دنوں کے اندر میں جہاز کے تمام لوگوں سے گھل مل گیا۔ جہاز میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو ٹوٹی پھوٹی یونانی بول سکتے تھے۔ ارقند کے علاوہ دو مزید افراد ایسے تھے جو آرمینی بھی بول سکتے تھے۔ ظاہر ہے پروفیسر کے ویسے تو میرے لیے زبان کا مسئلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن میں ان لوگوں کے سامنے اپنی اس پوشیدہ اور غیر معمولی صلاحیت کا اظہار و انکشاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جہاز کے تمام ہی لوگ جلد مجھے پسند کرنے لگے لیکن ایک شخص ایسا تھا جسے نہ جانے کیوں مجھ سے ملمی نفس تھا۔ اس شخص کا نام وادر کا تھا اور جہاز میں اس کی حیثیت مسلح محافظوں کے سردار کی تھی۔ وہ ایک بلند رتبہ شخص تھا اور قد میں ارقند کے برابر تھا۔ استر یونانی بولنی آتی تھی۔ وہ ایک بھاری بھر کم اور بے حد توانا آدمی تھا۔ اور ہر وقت تمام ہتھیاروں سے مسلح رہتا تھا۔ جہاز کے دوسرے لوگ وادر کا سے خائف و مرعوب نظر آتے تھے۔ اس شخص کا رویہ شروع ہی سے میری جانب غیر دوستانہ اور غیر مہمانانہ تھا۔ اسے میری آمد بالکل پسند نہیں آئی تھی اور اس نے میری موجودگی میں قدیم مصری زبان میں نظر تیان سے کہا۔ "اس شخص کا وجود مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ نہ جانے یہ کون ہے اور کھلے سمندر کے بیچوں بیچ کیا کر رہا تھا۔ تمہیں اسے جہاز میں بلا کر غلطی کی ہے۔ مجھے تو یہ کوئی بدروح معلوم ہوتا ہے۔ اسے واپس سمندر میں پھینک دو۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو وادر کا۔" نظر تیان نے حیرت سے کہا۔ "وہ ایک انسان ہے۔ ایک مہمان ہے۔ ہم لوگوں کا ہم پیشہ۔ جس کا جہاز سمندر میں ڈوب کر تباہ ہو گیا تھا۔ ہم نے اسے پناہ دی ہے۔ اس کی جان بچائی ہے۔ اب ہم اسے دوبارہ سمندر میں کیسے پھینک سکتے ہیں؟"

"مجھے تو یہ کوئی بدروح معلوم ہوتا ہے جو ہم لوگوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے جہاز پر آ گیا ہے۔" وادر کا نے نفرت سے کہا۔ "لیکن خیر مجھے تو کوئی بدروح نقصان پہنچا سکتی ہی نہیں۔ کیونکہ میرے پاس میری خاندانی شمشیر کی شکل میں موجود ہے جو میرے جد امجد کو دیوتاؤں سے حاصل ہوئی تھی اور جو ہر قسم کی سلامتی کی ضامن ہے۔ یہ تلوار ہی ہمارے خاندان کی سلامتی و نسلاً چلی آ رہی ہے اور اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ اگر اس بدروح نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی تو یہ خود ہی جل کر بھسم ہو جائے گی لیکن کم بخت اپنی خیر مناؤ۔"

"مجھے حیرت ہے وادر کا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" نظر تیان نے کہا۔ "ایک اچھا بھلا آدمی تمہیں بدروح کیوں نظر آ رہا ہے؟ اس سے تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچایا اور نہ ہی اس کے ایسے ارادے ہیں۔ جیسے تم ہو۔ تم اس جہاز میں بطور برائے نشان ہو نا چھوڑ دو اور دوسرے لوگوں کی طرح اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔ وہ ایک مہربان اور اچھا دوست ثابت ہو گا۔"

"ہونہہ!" اس کی جانب اور دوستی کا ہاتھ؟" وادر کا نے حقارت سے کہا۔ "مجھے تو معاف ہی رکھو۔" اور وہ پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ وادر کا اور نظر تیان دونوں ہی کو اس بات کا اطمینان تھا کہ میں نے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھا ہو گا۔ لیکن ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ میں ان کی ساری باتیں بڑے اطمینان سے سن اور سمجھ رہا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ میں نے اپنے بشرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

میں دل ہی دل میں اس صورت حال پر ہنس رہا تھا۔ ایک طرف زوراس تھا جو مجھے کسی دیوتا کا اوتار سمجھ رہا تھا اور دوسری طرف وادر کا تھا جو مجھے کوئی بدروح سمجھ کر مجھ سے نفرت کر رہا تھا۔

بحے جہاز میں رہتے ہوئے اور سفر کرتے ہوئے تقریباً دو ماہ ہو چکے تھے۔ اس دوران جہاز کے سارے ہی لوگوں سے میری گفتگو ہو چکی تھی۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو یونانی یا آرمینی نہیں جانتے تھے اور ان کے ساتھ میری گفتگو کسی ترجمان کے ذریعے ہوتی تھی۔ لیکن وادر کا نے کبھی مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس جب بھی میرا اور اس کا سامنا ہوتا، وہ نفرت سے اپنے ہونٹ سکیڑ لیتا اور میرے سامنے سے چلا جاتا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ وادر کا شراب سے بھرا ہوا بڑا سا جام اپنے ہاتھ میں لیے عرشے پر کھڑا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر نظر تیان اور ارقند کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ زوراس بھی اس وقت اپنے کام سے فارغ ہو کر عرشے پر آ گیا تھا۔ وہ چند دوسرے لوگوں کے ساتھ کھڑا سمندر کا نظارہ کر رہا تھا۔ میں وادر کا کے پیچھے سے آ رہا تھا اچانک ایک تیز موج کے سبب جہاز نے زبردست ہچکولا کھایا اور میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ میں وادر کا سے ٹکرا گیا۔ میرے ٹکرا جانے کی وجہ سے شراب کا بڑا سا جام جو اس کے ہاتھ میں تھا، اس کے کپڑوں کے اوپر الٹ گیا اور گرتے گرتے بچا۔

وادر کا نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھ کر نہیں چلتا؟ اندھا کہیں کا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔

میں نے اپنا گریبان چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور بناوٹی غصے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تمہیں مہمانوں سے گفتگو کے آداب سیکھنے چاہییں احمق انسان۔"

"کیا کہا تم نے؟" وادر کا طیش سے دھاڑا۔ "تیری یہ مجال کہ اپنی ناپاک زبان سے مجھے احمق کہے۔ میں تو تیرے جسم کی بوٹیاں کاٹ کر مچھلیوں کو کھلا دوں گا۔"

"بکواس بند کر بے وقوف انسان۔" میں نے غصے کے عالم میں کہا۔ "تو مجھے کسی کو جان دینے کا کوئی حق نہیں رکھتا!"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

شور سن کر نفرتیان اور قند فرواس اور دوسرے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور تیزی سے ہم دونوں کے قریب آ گئے۔ دادر کا اس وقت بھی مضبوطی سے میرا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔

دادر کا نے میرا گریبان چھوڑے بغیر ان لوگوں سے قدیم مصری زبان میں کہا۔ "اس نے خراب کا جام گرا کر میرے کپڑے خراب کر دیے اور اوپر سے یہ مجھ سے زبان بھی چلا رہا ہے۔ آج اس زرد کیڑے کی خیر نہیں۔ اس کا خون میرے ہاتھوں لکھا جا چکا ہے۔"

"بات صرف اتنی سی ہے کہ اتفاق سے جماد نے مجھ کو ٹوکا لیا اور میں دادر کا سے ٹکرا گیا۔" میں نے یونانی زبان میں ارقند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ زرواس بھی میری بات کو غور سے سن اور سمجھ رہا تھا۔ "مرد... اتنی سی بات پر یہ شخص اس قدر گرم ہو رہا ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ یہ مجھے گالیاں دے رہا ہے اور برا بھلا کہہ رہا ہے۔ لیکن میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کی گالیاں نہیں سنوں گا۔"

"پھر کہ آدار مکتہ؟" دادر کا نے میرے گریبان کو اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ میرا سانس چوٹ گیا۔ "آج میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے غرا کر کہا۔

دادر کا اور ارقند لڑنے میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہرگز کوئی اچھی بڑی بات نہیں ہے۔ جس کی خاطر تم اتنا فساد مچا رہے ہو۔ اس نے قصداً جان بوجھ کر دھکا نہیں دیا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اس سے تمہاری ٹکر ہو گئی۔"

"نہیں، یہ اتفاق نہیں تھا۔" دادر کا نے چیخ کر کہا۔ اب وہ مسلسل یونانی بول رہا تھا تاکہ میں بھی اس کی زبان کو سمجھ سکوں۔ "اس نے جان بوجھ کر مجھے دھکا دیا ہے۔ اس نے دانستہ طور پر میرے کپڑے خراب کیے ہیں۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ یہ بدبخت میری توہین کرنا چاہتا ہے کیونکہ میں اسے زندہ نہیں بچتا۔ لیکن آج میں اسے اس کا وہ چکھا کر رہوں گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

قبل اس کے کہ میں کوئی قدم اٹھاتا، اچانک زرواس بجلی کی سی تیزی کی ساتھ سامنے آیا اور اس نے دادر کا کا اٹھا ہوا ہاتھ تیزی کے ساتھ پکڑ لیا۔ "ایسا کرو دادر کا۔" زرواس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اس پر ہاتھ مت اٹھاؤ۔ نہ جانے تمہاری اس حرکت کا کیا انجام ہو؟"

"تو لگ جا جانیں بھائی کی دلاور۔" دادر کا نے زرواس کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ فرش پر گر پڑا۔ زرواس ایک دبلا پتلا آدمی تھا جبکہ اس کے مقابلے میں دادر کا بے حد تنومند تھا۔

زرواس کو دھکا دے کر گرا دینے کے بعد دادر کا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے گھورا اور مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ میں نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔

شاید میری جانب سے اس ردِعمل کے لیے تیار نہیں تھا وہ دو قدم تک لڑکھتا چلا گیا۔ وہاں موجود سارے لوگ حیرت سے منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھوں میں دہشت نظر آنے لگی۔ دادر کا گرنے کے فوراً بعد، بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی کمر سے نیام سے باہر نکال لی تھی۔ اب اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی ایک برہنہ شمشیر تھی اور جس کا رخ میری طرف تھا۔

"یا کمی مت بنو دادر کا۔" نفرتیان نے دادر سے قدیم مصری زبان میں چلاتے ہوئے خونِ ناحق کا ارتکاب مت کرو۔ ورنہ دیوتا تمہیں اس کی سزا دیں گے۔"

"دیوتا میرے اس نیک اقدام کو سراہیں گے کہ میں نے دنیا کو ایک لٹھیت بدمعاش سے نجات دلا دی۔" دادر کا نے غیب دیا اور جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھا۔

"ہوش میں آؤ دادر کا۔" ارقند گلا پھاڑ کر چلایا۔ "تم سراسر حماقت کا ثبوت دے رہے ہو۔ ایک بے گناہ انسان کو ہلاک کر کے تمہیں عذاب کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہو گا۔ اپنی اس خالمانہ حرکت سے باز رہو۔"

لیکن دادر کا پر ان تمام باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے سر پر جیسے خون سوار تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے اور اس کے دل میں میری طرف سے اس قدر زہر کیوں بھرا ہوا ہے۔ میں نے اسے قطعی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن اس کے باوجود وہ میرا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔ "مجھے ہلاک کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔" مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ دادر کا کو ان سب لوگوں کے سامنے ایسا ذلیل و خوار کروں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔

دادر کا تلوار لہراتا ہوا، بجلی کی تیزی سے میری جانب لپکا۔ یہ دیکھنے والوں کے لیے ایک سنسنی خیز منظر تھا۔ مہتہار میرے جسم پر گرنے کرتے، اس لیے میں تیزی سے ایک طرف کو ہٹ گیا اور دادر کا کا وار خالی گیا۔

"بھاگتا ہے؟" دادر کا نے دانت پیس کر کہا۔ "بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اب یہ سمندر ہی تیری قبر بنے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے دوسرا وار کیا۔ میں نے جھک کر اس کا وار بچا لیا۔ دادر کا غصے کے بے قابو ہو گیا اور اس نے تیسری مرتبہ تلوار سنبھال کر مجھ پر وار کیا۔

لیکن اس بار میں پہلے ہی سے کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ جیسے ہی دادر کا نے حرکت کی اور لپکے ہی میں بجلی کی طرح تڑپ کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور دوسرے لمحے میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آہستہ سے ایک ہاتھ اس کے دائیں شانے پر مارا اور وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

میں نے نیچے جھک کر دادر کا کو شانے سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں آزاد تھیں اور وہ مجھے بُری طرح

اور گھونسوں سے مار رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجھ پر اس کی ان حرکتوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ پھر میں نے اسے اسی طرح پکڑے پکڑے اپنے سر سے اونچا کر دیا اور اسے ادھر اُدھر جھلانے لگا۔ سارے لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑے، خوف ناک منظر دیکھ رہے تھے۔ دادر کا کا جابجا بھرکم جسم، جو میرے جسم سے دوگنا ضرور ہو گا۔ میرے بازوؤں پر اٹھا ہوا تھا اور میں اسے ہوا میں گھما رہا تھا۔ دادر کا بُری طرح چیخ رہا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اس کو ذرا اچھی طرح سزا دینی ہے۔

"اسے اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔" زرواس زور سے چلایا اور ہر شخص نے اس کی آواز میں چھپی ہوئی مسرت کو محسوس کیا۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟" نفرتیان نے ارقند کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ آواز میں قدیم مصری زبان میں کہا۔

"میرے خیال میں وہی ہو رہا ہے جو زرواس نے کہا ہے۔" ارقند کا کو اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔" ارقند نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ہم سب نے اس احمقانہ حرکت سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اپنی طاقت کے نشے میں چور تھا اور شاید اس بات کو بھول گیا تھا کہ کوئی اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو سکتا ہے۔ اس نے خود کو ناقابلِ شکست سمجھ لیا تھا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ارفن جیسے معمولی جسم کے آدمی نے دادر کا جیسے بھاری بھرکم اور قوی الجثہ آدمی کو کیونکر اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے سر سے بھی بلند کر دیا ہے۔ یہ واقعی انتہائی حیرت ناک بات ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔"

"دادر کا؟" میں نے اسے ایک اور چکر دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا ہاتھ درست ہو گیا ہے یا ابھی میں تمہیں دو چار چکر اور دوں؟"

"مجھے چھوڑ دو، ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔" دادر کا خوفزدہ لہجے میں بولا۔

میں نے اسے نیچے زمین پر کھڑا کر دیا۔ اسے واقعی سخت چکر آ رہے تھے۔ وہ چند لمحوں تک کھڑا ہوا یوں جھومتا رہا گویا نشے کی حالت میں ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے سر کو دو تین مرتبہ زور زور سے جھٹکا اور ایک بار پھر مجھے اس کی نگاہوں میں اپنے لیے شدید نفرت کی جھلک نظر آئی۔ مجھے اس کے تیوروں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ اب پھر حملہ کرنے والا ہے اور اس کا دماغ ابھی پورے طور پر درست نہیں ہوا ہے۔

میں نے جب دادر کا کو چھوڑا تو وہ تیزی سے بھاگتا ہوا دور جا گرا تھا اور پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی جو وہاں کے لوگوں کو ناپسند تھی۔ دادر کا نے کچھ دور جا کر تیزی سے اپنی کمر سے بندھا ہوا خنجر نکالا اور اس واحد میں میرے سینے کا نشانہ لے کر خنجر پھینک دیا۔ مجھے پہلے سے اس قسم کی کسی بچکانہ حرکت کی توقع تھی اور میں اس کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ میں نے کمال مہارت سے اس کے خنجر کو اس قدر چابکدستی کے ساتھ کیچ کر لیا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ دراصل میں نہیں چاہتا تھا پروفیسر کہ ہمارے کپتان نفرتیان اس کا نائب ارقند یا وہاں موجود خانے کا لوگوں میں سے کوئی اس بات سے واقف ہو جائے کہ میں خنجر اور دوسرے ہتھیار میرے جسم پر اثر نہیں کرتے۔ اسی لیے میں نے خنجر کو اپنے سینے پر لگنے سے پہلے ہی ہوا میں پکڑ لیا۔ دادر کا کی آنکھیں اچانک خوف سے پھیل گئیں میں اب تک بالکل نہتا تھا لیکن اب میرے ہاتھ میں ایک خنجر آ گیا تھا اور یہ خنجر خود دادر کا کی ملکیت سے آیا تھا۔

نفرتیان، ارقند اور زرواس نے طاعت بھری نظروں سے دادر کا کی طرف دیکھا اور زرواس نے کہا۔ "دادر کا! معزز دوست کو اس قسم کی دھمکی بازی زیب نہیں دیتی۔" زرواس نے یہ الفاظ قدیم مصری زبان میں کہے تھے تاکہ میں نہ سمجھ سکوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں یہ سب کچھ سمجھ رہا تھا۔

"تم اپنا کام جاری رکھو اور اپنے کام سے کام رکھو۔" دادر کا نے غصہ سے کہا۔

"زرواس ٹھیک کہہ رہا ہے۔" نفرتیان نے غصے سے کہا۔ "آخر تم اپنے ساتھ ہم سب کو ذلیل کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ ہم دونوں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو تمہیں فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ لیکن اس نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہاری بیہودگی کو معاف کر کے تمہاری جان بخش دی لیکن تم ہو کہ بیہودگی پر بیہودگی کیے جا رہے ہو۔"

لیکن دادر کا کپتان کی بات سننے کے بجائے اپنی خوری مضمونہ بندی میں لگا ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں خنجر سے اس وجہ سے زخمی نہیں ہو سکا کیونکہ خنجر میرے جسم میں لگا ہی نہیں تھا اور میں نے اسے راستے میں ہی دستے سے پکڑ لیا تھا۔ اچانک اس نے ایک دوسرا خنجر اپنی کمر سے کھینچا جو پہلے خنجر کے مقابلے میں زیادہ لمبا تھا اور اس بار اس نے تاک کر میرے سینے کا نشانہ لیا۔ اس نے اتنی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں فوری طور پر اس خنجر کو پکڑ تو نہ سکا لیکن بائیں ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر گیا اور میرے سینے سے مس نہیں ہو سکا۔

اب دادر کا کو سبق دینا ضروری تھا۔ میں نفرتیان، ارقند اور دوسرے لوگوں کی طرف جو وہاں موجود تھے، دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم سب لوگ اس بات کے گواہ ہو کہ پہل دادر کا کی طرف سے ہوئی ہے اور اب تک مجھ پر کئی تابڑ توڑ حملے کر چکا ہے۔ میں نے فوخلی سے کام لیتے ہوئے اسے معاف کر دیا تھا۔ لیکن اس کا دل انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے ہے۔ اس لیے میں اپنی جان بچانے کا پورا پورا حق رکھتے ہوئے اسے ذرا سخت سی سزا دینا چاہتا ہوں۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کوئی کچھ نہیں بولا۔ سب لوگ خاموشی سے میری مشکل دیکھتے رہے اور میں بڑے باوقار انداز میں داور کاکا کی طرف بڑھا۔ داور کاکا کو میری جسمانی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا اس نے یہ سمجھا کہ وہ جان کی امان کو سامنے پاتے ہوئے بے خبری کے عالم میں مجھ پر ہتھیاروں کے ذریعے زخمی یا ہلاک کر دے گا، لیکن اپنے اس احمقانہ اور مکارانہ منصوبے کو بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گیا اور میں نے اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ واقعی خوفزدہ ہو رہا ہے۔ لیکن بہرحال اسے سزا دینی ضروری تھی، اس لیے میں نے اس کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ اچانک داور کا سخت خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا لیکن میں نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"تم ذلیل بھی ہو، غدار بھی اور عدد جہ بزدل بھی۔" میں نے اس کو دونوں شانوں سے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنی حرکتوں کی کچھ نہ کچھ سزا تو ضرور بھگتنی ہوگی تاکہ تم آئندہ لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں محتاط رہو اور ہر انسان کو اپنے سے کمزور اور گرا ہوا نہ سمجھو۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے داور کاکا کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ میں نے کوشش کر کے اسے بہت ہلکا پھلکا مارا تھا۔ تاہم اس کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ اور منہ سے خون بہنے لگا۔ وہ تکلیف اور سراسیمہ اور خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اس نے کسی جوابی کارروائی کی طاقت نہیں کی اور خاموشی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے صرف ایک تھپڑ مار نے پر اکتفا کیا اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہاں کھڑے ہوئے تمام لوگوں میں سے کوئی بھی داور کاکا کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا، کیونکہ اس کے رویے کو ان لوگوں میں سے کسی نے بھی پسند نہیں کیا تھا۔

میں داور کاکا کے منہ کو زخمی کر کے اس کے پاس سے چلا آیا۔ داور کاکا شکست اور شدید ذلت کے احساس سے دوچار تھا، اسے سب سے زیادہ غم تو اس بات کا ہو رہا ہوگا کہ میں نے اس کے ساتھیوں کے سامنے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار کر اس کی بے عزتی کی تھی۔

بہرحال، داور کاکا سر جھکائے ہوئے وہاں سے چلا گیا اور میں واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ تمام لوگ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میری شکل دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو بڑا عجیب انسان معلوم ہوتا ہے۔" نفرتیان نے ارقند سے مخاطب ہو کر قدیم مصری زبان میں کہا۔ "دیکھنے میں تو اس کا جسم بالکل پتھر یلا اور معمولی سا نظر آتا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بے پناہ قوت کے خزانے موجود ہیں۔ کمال ہے کہ داور کاکا جیسا تو دیکھنے میں اس سے دوگنا نظر آتا ہے اور درحقیقت سے بہت مضبوط اور طاقتور ہے، اس نے نہ صرف شکست کھا گیا بلکہ اس نے اس کا مقابلہ کرنے کی سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔"

"میں پہلے ہی یہ بات جانتا تھا معزز نفرتیان وزورا س نے بڑے مدبرانہ انداز میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے پہلے دن سے ہی اس شخص کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی شخص ہے۔ یقین کرو معزز نفرتیان، یہ ہم لوگوں میں سے نہیں ہے میں دل چسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ شخص مجھے کسی دیوتا کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ میں یہ بات پہلے بھی معزز ارقند سے کہہ چکا ہوں۔ لیکن انہوں نے شاید میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ یہ یا تو خود انسانی بھیس میں کوئی دیوتا ہے یا اس پر کسی دیوتا کا سایہ ہے۔"

نفرتیان زوراس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔ "تم بھی کمال کے آدمی ہو زوراس۔" اس نے کہا۔ "بھلا بھی ایک عام آدمی کو دیوتا سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ وہ ایک بے حد طاقتور انسان ہے۔ اس کا جسم چھریرا ہونے کے باوجود طاقت کے خزانے سے بھرا ہوا ہے اور وہ بے حد پھرتیلا بھی ہے۔ اسی لیے اس نے داور کاکا کے بھینکے ہوئے خنجروں کو راستے میں ہی پکڑ لیا۔ اور وہ اتنی صفائی سے کہ اس کے ہاتھ پر خراش تک نہیں آئی۔ یہ سارے کے سارا معاملہ اور چابکدستی کا کھیل ہے اور یہ شخص بلاکا ذہین ہے۔ جبھی اس نے غیبوں اور صلاحیتوں کو دیوتاؤں سے منسوب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی ہے۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" زوراس نے بجھے دل کے ساتھ کہا دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ اسے نفرتیان کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"تمہارے اندر یہ قوت و طاقت کا اس قدر خزانہ کہاں سے ہے برفن؟" ارقند نے میرے قریب آ کر مجھ سے پوچھا۔

"میں بھلا تمہارے اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوائے اس کے کہ میں بس ایسا ہوں۔"

"کیا تم ہمیشہ سے ایسے ہی ہو؟" اس نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا تم بچپن اور لڑکپن سے ہی اتنے توانا اور مضبوط ہو کہ تم دو گنی جسامت والے انسان کو بھی اس قدر آسانی سے شکست دے سکتے ہو؟"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں بچپن سے ہی ایسا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"حیرت ہے۔" ارقند نے کہا۔ "یقین کرو میرے دوست آج جس طاقت اور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال میں زندگی میں نہیں دیکھی۔ اس کے ساتھ ہی میں تمہاری بلند ہمتی فراخدلی کی بھی داد دیتا ہوں۔ تم چاہتے تو والد کا کو بآسانی قتل کر سکتے تھے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔"

"مجھے کشت وخون سے نفرت ہے۔" میں نے جواب

دیا۔ "اور جب کسی انسان کا خون بہانا سخت ناپسند کرتا ہوں۔ داور کاکا ایک طرح سے احمق انسان ہے۔ میں نے حتی الوسع اس بات کی کوشش کی کہ میں اس سے نا لڑوں لیکن وہ بلاوجہ ہی میرے گلے پڑ گیا۔ مجھے مجبوراً اسے سزا دینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ ویسے مجھے یہ چاہتا تو بآسانی اسے مار بھی سکتا تھا لیکن جو لطف عفو و درگزر میں ہے وہ انتقام میں نہیں۔"

"بہت خوب۔" ارقند نے جواب دیا۔ "تمہارے خیالات واقعی بہت بالغ نظرانہ ہیں۔"

"تم لوگوں میں کیا گفتگو ہو رہی ہے؟" نفرتیان نے ارقند سے مصری زبان میں کہا۔ "کچھ مجھے بھی بتاؤ۔"

ارقند نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ نفرتیان کو بتا دیا۔ نفرتیان نے مسکرا کر میرے خیالات کی داد دی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ارقند پھر مجھ سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔

مجھے اور ارقند کو باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اچانک ایک طرف سے داور کا پھر نمودار ہوا۔ لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ نہایت تندرست اور طاقتور دس اور بھی تھے جو سب کے سب مسلح تھے۔ داور کا بھی پہلے سے زیادہ مسلح تھا اور اس کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپک رہا تھا۔ داور کا اور اس کے ساتھیوں کے جبور بڑے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ ان کے تیور دیکھ کر ارقند بھی گھبرا گیا، اس وقت ہتھیار بے صرف میں اور ارقند ہی رہ گئے تھے۔ باقی سب لوگ ادھر ادھر چلے گئے تھے، ہمارے کپتان نفرتیان بھی موجود نہیں تھا۔

"یہی ہے وہ زرد چہرہ بزدل جس نے مجھے مارا ہے اور میری توہین کی ہے۔" داور کاکا نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "خیال رہے کہ یہ بچ کر نہ جانے پائے اور اس کے جسم کی ایک بوٹی بھی سلامت نہ رہے۔"

"داور کاکا!" ارقند نے بڑے زور سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تم جہاز کے حفاظتی دستے کے سربراہ ضرور ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم حفاظتی دستے کو اپنی ذاتی انتقامی کارروائیوں کے لیے استعمال کرو۔ یہ سراسر قواعد و ضوابط کے خلاف ہے اور تم سخت بے اصولی کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو ارقند۔" داور کاکا نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ میرے مہمان ہیں اور انہیں میرے حکم پر عمل کرنا ہوگا۔ یہ حفاظتی دستے کے لوگ ہیں جس کا میں سربراہ ہوں یہ میرے حکم کے پابند ہیں اور میرے حکم کے پابند ہیں۔"

"لیکن تم کپتان نفرتیان کے حکم کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ نفرتیان ہر حال اس جہاز کا کپتان ہے۔" ارقند نے بھی سخت لہجے میں جواب دیا۔

"تم مجھے یہ مت بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔" داور کاکا نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ اس کے دونوں جوشٹ ایک طرف سے بری طرح سوجے ہوئے تھے اور اس طرف کا رخسار بھی کافی پھول گیا تھا۔ ارقند داور کاکا سے مصری زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور میں اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھنے کے باوجود بالکل انجان بنا کھڑا تھا۔

"سنو لوگو۔" داور نے اپنے محافظ دستے کے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اس شخص کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے کیونکہ یہ کپتان نفرتیان کا مہمان ہے اور اس لیے ہم سب کا مہمان ہے۔ ہم اپنی مہمان نوازی کی روایات کو اس طرح تباہ و غارت نہیں کر سکتے۔ تمہیں اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے کپتان نفرتیان کی اجازت لینی ہوگی ورنہ تم لوگ سزا کے مستوجب قرار پاؤ گے۔"

سپاہی پریشان ہو کر داور کاکا کی شکل دیکھنے لگے۔ داور کا پر اچانک غیظ و غضب کی حالت طاری ہو گئی۔ "تم لوگ میرے ماتحت ہو اور تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا پڑے گا۔" اس نے پیر پٹختے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس زرد چہرے کی نکا بوٹی کر ڈالو۔"

"یہ لوگ شاید مذاق کر رہے ہیں۔" میں نے اطمینان سے ارقند سے یونانی زبان میں کہا۔ داور کاکا بھی یونانی زبان سمجھتا تھا۔ اس نے بھی میری بات سن لی اور چیخ کر بولا۔ "دیوتاؤں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے بدنصیب، اب تیرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔"

"احمق ہو تم۔" میں نے داور کاکا سے کہا۔ "ان لوگوں کی جان کے پیچھے کیوں پڑ رہے ہو؟ اگر ہمت ہے تو تنہا مجھ سے مقابلہ کر۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ کس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ میں جیتا جاگتا ہوں کے خون سے میرے ہاتھوں کو کیوں رنگین کرنا چاہتا ہے؟"

"حکم دو۔" داور کاکا نے میری باتوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ اس کے آدمی تلواریں سونت کر بے دلی سے میری طرف بڑھے۔ ان کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن وہ اپنے افسر علی کے حکم سے مجبور تھے۔

"ٹھہرو۔" اچانک ایک گرج دار آواز سنائی دی اور سپاہیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

سامنے نفرتیان کھڑا تھا۔ انہیں شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ غالباً کسی شخص نے یہ منظر دیکھ لیا ہوگا اور اس نے جلدی سے جا کر نفرتیان کو اس کی اطلاع دے دی ہوگی اور وہ یہ خبر سنتے ہی بھاگا بھاگا آیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے گرجتی آواز میں داور کاکا سے پوچھا۔ داور کاکا شاید کپتان کے اس طرح اچانک آ جانے کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے چند لمحوں کے لیے تو وہ گھبرا گیا۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا۔ "مجھے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا حق ہے کپتان۔"

"میں تمہارے اس حق کو تسلیم کرتا ہوں داور کاکا۔" کپتان نے سخت لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اگر تم تنہا جا کر اس شخص کو ہلاک کر ڈالو جس نے تمہاری بے عزتی کی ہے۔ لیکن میں تمہیں تنہا

بات کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا کہ تم ایک پورے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو۔ یہ سراسر زیادتی اور بزدلی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہادری اور جرأت سے کام لینے کے بجائے مکاری اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہے ہو اور اس وقت بھی بزدلوں کی سی حرکت کر رہے ہو۔ تم بالکل غدار اور سزا کے قابل ہو۔"

وادر کا دانت پیس کر بولا۔ "تم جہاز کے کپتان ہو نفرتیان! اور میرا علاقہ تائب کپتان کے مساوی ہے۔ تمہاری اور ارتقند وغیرہ کی موجودگی میں اس نے میری بے عزتی کی ہے، لیکن تم خاموش تماشائی بنے رہے۔ اب جو میں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے سزا دلوانا چاہتا ہوں تو تم اس کے گلا دبانے کو آگئے ہو۔ آخر یہ کون سا رویہ ہے اور یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

وادر کا کی آواز غصے کے عالم میں کانپ رہی تھی۔

"میں بالکل انصاف سے کام لے رہا ہوں وادر کا۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہیں ارفن کو سزا دینی ہی ہے یا اس سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا ہے تو یہ کام تمہیں تنہا کرنا ہوگا۔ ارفن نے جو کچھ کیا، تنہا کیا اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔" وادر کا نے جذبے سے زور سے چیخ کر کہا۔ "میں اس سے تنہا مقابلہ کروں گا۔ لیکن مقابلہ میری پسند کے مطابق ہوگا۔ میں اس سے شمشیر زنی سے مقابلہ کروں گا اور تم دیکھ لینا کہ یہ پندرہ بیس گھنٹے کے اندر اندر اس کے جسم کے کتنے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر جاتے ہیں۔"

وہیں وادر کا اچانک ارتقند پر پریشان ہو کر بولا۔ "ہم لوگ تو اس بات سے بھی واقف نہیں کہ یہ سکندریہ میں تمہارے جانے کا کوئی شیڈول موجود نہیں ہے اور تم اس فن میں کامل رکھتے ہو۔ لیکن ارفن کو یہ بات نہیں معلوم ہے۔ وادر اسی لیے یہ بات انصاف کے تقاضوں کے منافی ہوگی کہ وہ تم سے شمشیر زنی کا مقابلہ کرنے کے لیے کہا جائے۔ وہ تمہاری اس قوت سے ناواقف ہے۔"

"میں بھی اس کی جسمانی قوت سے ناواقف تھا۔" وادر کا نے جواب دیا۔ "اسی لیے میں اس سے بھڑ گیا اور اسے میری بے عزتی کرنے کا موقع مل گیا۔ اب اس بے عزتی کا بدلہ لینا میرا حق ہے۔ خود کپتان نفرتیان میرے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ تم مجھے اس حق کے استعمال سے روکنے والے کون ہوتے ہو؟"

"میں تمہیں اس حق کے استعمال سے نہیں روک رہا ہوں۔" ارتقند سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا کہنا صرف یہ ہے کہ تم غلط طریقہ کار اختیار کر رہے ہو۔"

"طریقہ کار کا انتخاب کرنے کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔" وادر کا نے غرا کر کہا۔ "اس نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں اس سے تنہا مقابلہ کر کے اپنی بے عزتی کا انتقام لوں گا اور پھر وہ بھی تنہا نہیں ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں بھی تلوار ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ ارفن سے پوچھ لیا جائے۔" نفرتیان نے کہا۔

بوادر کا کی اس تجویز کا اتنا زیادہ مخالف نظر نہیں آتا تھا مگر وہ اس مقابلے کے لیے تیار ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوا تو؟" ارتقند نے سوال کیا۔

"اسے تیار ہونا پڑے گا۔" وادر کا نے کڑک کر کہا۔ "اب یہ جہاز ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ میں اسے مقابلے سے بھاگنے نہیں دوں گا۔ پہلا مقابلہ اس کی مرضی کا تھا۔ دوسرا مقابلہ میری مرضی کا ہوگا۔ تم اس سے بات کرو اور اسے بتا دو کہ اسے ہر حال میں یہ مقابلہ کرنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس سے بات کرو۔" نفرتیان نے ارتقند سے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ارتقند نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ارتقند میرا دوست تھا اور اسے مجھ سے ہمدردی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ یہ شمشیر زنی کے مقابلے میں وادر کا پر غالب نہیں آسکوں گا اور بے موت مارا جاؤں گا۔ مگر وادر کا اس میدان کا ماہر تھا اور میرے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ شمشیر زنی میں کن کن مہارت رکھتا بھی ہوں یا نہیں۔

"معاف کرنا۔" ارتقند نے مجھ سے مخاطب ہو کر، یعنی زبان میں کہا۔ "اگر ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو کوئی تیسرا شخص نہ سمجھ سکے۔ وادر کا تمہیں شمشیر زنی کے مقابلے کی دعوت دے رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم شمشیر زنی میں کتنی مہارت رکھتے ہو، لیکن مجھے یہ ضرور معلوم ہے کہ وادر پورے سکندریہ میں شمشیر زنی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کی تلوار کا کاٹ سے بچنا بہت مشکل ہے۔ وادر کا کا اصرار ہے کہ وہ تم سے شمشیر زنی کا ہی مقابلہ کرے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس بار مقابلہ اس کی پسند سے ہوگا۔ تم بھی اس بات پر غور کرو۔ یعنی معلوم ہوتا ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟ تم اس سے مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"میں تیار ہوں۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ لیکن سیدھا تیار ہونے کی اطلاع دینے کے ساتھ تم وادر کا کو اس بات سے بھی مطلع کر دو کہ اگر وہ ہمارے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہوگی۔ یہ بات تم نفرتیان کو بھی بتا دو۔"

ارتقند میری گفتگو سن کر حیران ہو گیا۔ اسے شاید مجھ سے اس جرأت کی توقع نہیں تھی۔ تعجب اس بات کا تھا کہ اس نے کہ تم کیا کر رہے ہو۔ ارفن نے مجھے کھانے کے نداء میں کہا۔ "تمہیں یقیناً وادر کا کی بے مثال شمشیر زنی کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے تم اس مقابلے سے انکار کر دو۔ میں کوئی اور صورت نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"تمہاری اس عنایت کا بہت بہت شکریہ میرے عزیز دوست۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں انکار کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ میں نے صرف شمشیر زنی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جس کی اسے خواہش ہے۔ میدان جھوٹ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

بات کو ختم ہوتے ساری باتیں سن رہے تھے۔ اس وقت "ندہ" کے لاؤ اور بھی کئی لوگ وہاں پہنچ گئے تھے۔

"مقابلہ اب سے ایک گھنٹے کے بعد ہوگا۔" نفرتیان نے بلند آواز میں کہا۔ "ارفن کو حق ہوگا کہ جہاز کے اسلحہ خانے سے جو تلوار چاہے اپنے لیے منتخب کر لے۔ اسی طرح وادر کا بھی اپنی مرضی کی تلوار منتخب کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ اسی جگہ پر دوبارہ ملیں گے۔ اس عرصے کے دوران دونوں فریق اپنی اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔" اور اس کے ساتھ ہی نفرتیان وہاں سے روانہ ہو گیا۔ نفرتیان کے ساتھ ہی وادر کا بھی مجھے خونی نظروں سے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے سپاہی بھی رخصت ہو گئے۔

"تم اس کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ کرو گے۔" ان لوگوں کے جانے کے بعد زوراس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وہ خود شمشیر زنی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم شاید اس فن میں اس کی مہارت سے واقف نہیں ہو۔" زوراس نے کہا۔

"میں اسے اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔" ارتقند نے بتایا۔ "زوراس مجھ سے برفانی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور ارتقند کو بھی تھوڑی بہت بولنا آتی تھی۔ لیکن اس کے اصرار سے کہ وادر کا سے مقابلہ کرے گا اور اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ وادر کا کو ہلاک کر دے گا، میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ ارفن کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔" ارتقند کے لہجے میں اداسی جھلک رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہو میرے دوست۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس کا چیلنج قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔"

"ارفن جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح کہتا ہے۔" زوراس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ارتقند سے کہا۔ "مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس جنگلی بھینسے کو ہلاک کر دے گا۔"

"اچھا میرے ساتھ چلو۔" ارتقند نے کہا۔ "میں تمہیں جہاز کے اسلحہ خانے میں لیے چلتا ہوں۔ وہاں سے تم ایک اچھی سی تلوار منتخب کر لینا۔"

ارتقند، زوراس کے ساتھ جہاز کے اسلحہ خانے میں گیا۔ میں نے ایک بھاری سی تلوار منتخب کر لی۔

"یہ بہت بھاری ہے۔" ارتقند نے کہا۔ "تم شاید اسے سنبھال نہیں پاؤ گے۔ سے تیزی کے ساتھ گھمانا مشکل ہوگا۔ شمشیر زنی کے مقابلے کے لیے ہلکی اور پتلی تلواریں زیادہ مناسب ہوتی ہیں۔"

"میرا فلسفہ بالکل مختلف ہے۔" میں نے کہا۔ "میں ایسی بھاری اور مضبوط تلوار پسند کرتا ہوں جو دوسری تلوار سے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نہ گر ٹوٹ نہ جائے۔ جہاں تک اس کے گھمانے کا تعلق ہے تو میں بڑی آسانی سے اسے گھما سکتا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔"

"تمہاری مرضی۔" ارقند نے آہستگی سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

"اے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے دو۔" زوراس نے کہا۔ جو ہم دونوں کے ساتھ ہونے والے تھے آپ آپ ہیں اس کی قوتوں پر بھروسہ کرنا چاہیے وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں کرے گا۔"

ارقند نے خاموشی سے زوراس کو دیکھا اور کچھ نہیں بولا۔

"چلو مقابلے سے پہلے میں تم لوگوں کو بہت قسم قسم کی شراب پلاؤں۔" زوراس نے کہا۔

زوراس مجھے اور ارقند کو لے کر باورچی خانے میں آیا۔ اس نے بہترین شراب کے دو جام ہم لوگوں کے سامنے رکھ دیے۔

اس کے ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ دوبارہ اسی جگہ پہنچ گئے جہاں مقابلہ ہونا طے پایا تھا۔ ہم لوگوں کے پہنچتے ہی پندرہ بیس وادر کا بھی آ گیا۔ اس کے ساتھ محافظ دستے کے سارے سپاہی موجود تھے۔ انھیں وہ غالباً اپنی شجاعت کا مظاہرہ دکھانے کی غرض سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وادر کا نے اس وقت اپنا لباس تبدیل کر لیا تھا اور ایک نہایت خوبصورت لباس میں ملبوس تھا۔ میرے جسم پر وہی معمولی سا لباس تھا جو جہاز والوں نے مجھے فراہم کیا تھا۔ وادر کو کے ہاتھ میں ایک لمبی اور پتلی تلوار تھی جس کی نوک اس نے فرش پر رکھ کر دبا رکھی تھی۔ میری طرف دیکھ کر مخصوص تمسخرانہ انداز میں وہ مسکرایا۔ اور پھر اس کی نظر اس تلوار پر پڑی جو میں نے اپنے پسند کی تھی اسے دیکھ کر وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا اور ارقند سے مخاطب ہو کر قدیم مصری زبان میں کچھ کہنے لگا۔ ارقند نے اس کا جواب دیا کہ یہ نہیں بتایا کہ تلوار کے لیے کس قسم کی تلوار کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ مجھے اس قدر احمق شخص سے مقابلہ کرنے کا افسوس ہو گا۔ اسے ابھی نہیں معلوم کہ کس قسم کی لڑائی کے لیے کس قسم کی تلوار منتخب کی جاتی ہے۔"

"یہ اس کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے اور میرا اس میں کوئی دخل نہیں۔" ارقند نے آہستگی سے جواب دیا۔

"اس سے اسی قسم کے انتخاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔" وادر کا نے حقارت سے کہا۔

اس اثنا میں نفرتیان بھی آ گیا۔ اس نے ہم دونوں پر ایک نظر ڈالی اور پھر اس کی نگاہیں میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار پر جم گئیں۔

"تم اس تلوار سے مدافعہ کرو گے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ ارقند نے اس کا جواب مصری زبان میں ترجمہ کیا۔

"معزز نفرتیان کو ہماری وکیل اسی تلوار کو مقابلے کے دوران استعمال کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا اور ارقند نے ترجمہ کیا۔

"مت بھولیے گا یہ بیوقوف نفرتیان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "اس سے کہو کہ اب بھی وقت ہے تلوار تبدیل کر لو۔"

"ہرگز نہیں۔" ارقند کے ترجمہ کرنے سے پہلے ہی وادر کا میں بول پڑا۔ "اب اس قسم کے مشوروں کا وقت گزر گیا ہے کپتان اگر اس سے واقعی کوئی ہمدردی تھی تو بات سے پہلے بنائی ہوتی۔ اب نہیں ہو سکتا۔"

نفرتیان خاموش ہو گیا۔ وادر کا نے اپنی تلوار لہرائی اور مجھے مقابلے کی دعوت دی۔

"آؤ۔" نفرتیان نے کہا۔ "تم نے ارقند کو ساری باتیں بتا دی ہیں؟ کیا تم نے اسے اس امر سے مطلع کر دیا ہے کہ یہ خونی مقابلہ ان دو میں سے کسی ایک کی موت پر منتج ہو گا؟"

"ہاں۔" نفرتیان۔" ارقند نے جواب دیا۔ "میں ارقند کو مسیحا سمجھتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ مقابلہ شروع کیا جائے۔" نفرتیان نے اشارہ کیا۔ اور میں بھاری بھرکم تلوار کے ساتھ چند قدم آگے بڑھ کر وادر کا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وادر کا بھی میرے سامنے قدم کر چکا تھا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنے لگا۔ چند لمحے وہ مجھے گھورتا رہا اور پھر اس نے یکایک نہایت پھرتی سے اپنی تلوار ہاتھ میں بلا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے یوں لگا گویا بجلی سی چمک اس کے ساتھ ہی میرا ہاتھ بھی گردش میں آ گیا اور میں نے وادر کا کے حملوں کو اپنی بھاری بھرکم تلوار پر روکنا شروع کر دیا۔ میں دفاعی جنگ لڑ رہا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ شروع میں اپنی طرف سے حملہ نہ کروں اور وادر کا کو مسلسل حملے کرنے دوں تاکہ وہ تھک جائے اور اس کے بعد اس پر حملہ کر دوں۔ میں چاہتا تو یہ مقابلہ یک بیک ہی بھی ختم ہو سکتا تھا۔ لیکن میں دیکھنے والوں کے لیے اسے زیادہ دلچسپ بنانا چاہتا تھا تاکہ انھیں یہ محسوس نہ ہو اور وہ دوسرے میں اپنی خوبیوں کا مظاہرہ ہرگز ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے نے اس مقابلے کو طول دیا۔

وادر کا واقعی ان بہترین شمشیر زنوں میں سے ایک تھا جن سے اپنی عملی زندگی میں سابقہ پڑا تھا۔ اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکتی اور بجلی کی طرح جھپٹتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک اس کا جسم نہ جانے کتنے ٹکڑوں سے چھ چکا ہوتا۔ کیونکہ اس مقابلے میں وادر کا کی تلوار کئی بار میرے جسم کے مختلف حصوں سے مس ہوئی۔ لیکن وادر کا کو خود بھی اس بات کا احساس نہیں تھا کیونکہ ظاہر ہے یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ انسان کے جسم پر تلوار لگے اور اسے زخم نہ آئے۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کی تلوار میرے جسم سے نہیں ٹکرا رہی ہے اور میں اس کے وار

بھری جرگ تلوار پر روک لیا ہے۔ میرا تلوار والا ہاتھ بھی بڑی تیزی سے چلنے لگا تھا لیکن وہ صرف وادر کا کے وار روک رہا تھا۔ اس پاس کھڑے ہوئے تمام لوگ جن کی تعداد اچھی خاصی تھی دم سادھے ہوئے یہ مقابلہ دیکھ رہے تھے۔

یکایک وادر کا کی تلوار میری تلوار سے بہت زور سے ٹکرائی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ وادر کا یک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر سخت خوف و دہشت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لیکن وادر کا کی تلوار ٹوٹنے ہی میں نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

"روک کیوں گئے؟" زوراس نے چیخ کر کہا۔ "وار کرو۔"

"تمہیں وار کرنے کا حق حاصل ہے۔" ارقند جلدی سے آہنی زبان میں بولا۔ "حملہ کرو اور اس بے وقوف کو ختم کر دو۔"

"نہیں میرے معزز دوست۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اپنے آدمی پر حملہ نہیں کرتا۔ اس سے کہو کہ یہ اپنے لیے دوسری تلوار کا بندوبست کرنے میں اتنی دیر انتظار کر سکتا ہوں۔"

ارقند نے میری بات ترجمہ کر کے نفرتیان تک پہنچائی۔ وہ سخت حیران ہوا۔

"قاعدے کے مطابق ارقن یہ مقابلہ جیت چکا ہے اور چاہے تو وادر کا پر وار کر کے اسے ہلاک کر سکتا ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "تم اسے جانے دو گے؟"

"میں نے اسے جانے دیا تھا۔" ارقند نے کہا۔ "لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ نہتے آدمی پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔"

اس لمحے میں وادر کا نے اپنے ایک سپاہی کی تلوار حاصل کر لی تھی اور وہ دوبارہ آمادہ پیکار تھا۔ اس نے تلوار ہلاتے ہوئے مجھے دوبارہ مقابلے کی دعوت دی۔ مجمع میں خاصی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ سب لوگ مقابلے کے انجام کے منتظر تھے۔

"یہ اصول کے خلاف بات ہے۔" زوراس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "قاعدے کے مطابق وادر کا کو شکست ہو گئی ہے۔"

"لیکن اس کو کیا کیا جائے۔" ارقن نے خوفزدہ بڑھ کر اس پر وار کرنے سے گریز کیا ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "میں نے تو اسی وقت یہ بات کہہ دی تھی۔"

تلواریں ایک بار پھر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں اور شعلے سے بھڑکنے لگے۔ میں بھلی محسوس کر رہا تھا کہ وادر کا کی تلوار متعدد بار میرے جسم سے مس ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ مجھے کوئی زخم نہیں آیا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ وادر کا اب تک گیا تھا۔ اور اس کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب اس کھیل کو ختم کر دینا چاہیے۔ ابھی تک میں نے وادر کا پر ایک بھی وار نہیں کیا تھا۔ اس کے وادوں کو سہتا رہا تھا۔ اب میں نے اپنی بھاری بھرکم تلوار کا ایک پرتلا ہاتھ وادر کا کی گردن پر رسید کر دیا۔ وادر کا میرے اس وار کو روک نہیں سکا۔ وار اس کی گردن دور تک کاٹتی ہوئی چلی گئی۔ اس کا نیم گردن کے جسم کسی درخت کی ٹوٹی ہوئی بڑی سی شاخ کی طرح لٹک کر گر گیا اور خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ مجھے اس منظر سے سخت کراہت ہوئی حقیقت یہ تھی کہ میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ خود اس کی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث مقابلے کے شروع میں ہی یہ بات طے ہو گئی تھی کہ ہارنے والے فریق کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ میں اگر اسے قتل نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟ حقیقت میں تو اس کی شکست اسی وقت ہو گئی تھی جب اس کی تلوار ٹوٹ گئی تھی لیکن میں نے اسے مقررہ وقت تک اپنے جوہر آزمانے کا سعید موقع دیا۔

وادر کا کے گرتے ہی فضا کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ چند لمحوں کے لیے ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ نفرتیان حیرت سے کبھی مجھے دیکھتا اور کبھی وادر کا کی بے سر لاش کو۔ آخر اس گھمبیر اور بوجھل سکوت کو زوراس نے توڑا۔ "میں اس کامیابی پر تمہیں مبارک باد دیتا ہوں ارقن۔" اس نے یونانی زبان میں کہا۔

اور پھر جیسے سب لوگوں کو ہوش آ گیا۔ جیسے وہ اس سحر سے آزاد ہو گئے جس میں وہ اب تک گرفتار تھے۔ ارقند جلدی سے میرے پاس آ گیا اور اس نے مجھے گلے لگا لیا۔ میں نے اپنی خون آلود بھاری بھرکم تلوار ایک طرف پھینک دی تھی۔ ارقند نے مسکل گیر ہو کر مجھے مبارک باد دی۔

اور اس کے بعد نفرتیان آگے بڑھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی اور وقار کے ساتھ مجھے گلے لگایا اور قدیم مصری زبان میں کہا۔ "تم واقعی ایک بہادر اور عالی ظرف انسان ہو۔ میں تمہارے حوصلے کی داد دیتا ہوں۔" ارقند نے اس کی بات کا آہستگی میں ترجمہ کیا۔

میں نے نفرتیان اور ارقند اور زوراس کا باری باری شکریہ ادا کیا۔ محافظ دستے کے سپاہی بت بنے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔ ان کے افسر کی لاش ان کے سامنے پڑی ہوئی تھی۔

"وادر کا کی لاش کو پورے اعزاز کے ساتھ کفن میں لپیٹ کر سمندر میں بہا دیا جائے۔" نفرتیان نے حکم دیا۔ اور محافظ دستے کے سپاہیوں میں سے ایک نے وادر کا کی کٹی ہوئی گردن اٹھا کر لاش کے قریب رکھ دی۔ اس کے بعد لاش کو وہاں سے لے جایا گیا اور فرش کو پانی سے دھو کر صاف کر دیا گیا۔ یہ سارا کام نفرتیان نے اپنی نگرانی میں کروایا۔ اس کے بعد وہ مجھے اور ارقند کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ کپتان نفرتیان مجھے اپنے کیبن میں لے کر کیوں آیا ہے۔

اس نے اشارے سے مجھے اور ارقند کو کرسیوں پر بیٹھنے کی ہدایت دی اور اس کے بعد وہ ارقند سے قدیم مصری زبان میں گفتگو کرنے لگا۔

"محافظ دستے کا سردار وادر کو سمجھ رہا ہے۔" اس نے ارقند سے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھا اور کئی جنگوں میں اس نے شمشیر زنی کے نہایت اعلیٰ جوہر دکھائے تھے۔ لیکن بہرحال ارقن کے ہاتھوں شکست و موت اس کا مقدر تھی۔ جسے ہر بندے سے کوئی نہیں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

مگتا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ارفن نے سخت کوشی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اب ہمارے پاس محافظ دستے کا کوئی سردار موجود نہیں ہے۔ میری نظر میں ارفن کو محافظ دستے کا سردار مقرر کیا جائے۔ میری نظر میں اس عہدے کے لیے اس سے بہتر آدمی موجود نہیں ہے۔"

"کتنی عجیب بات ہے پکتان نظر تیان!" ارقند نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے دماغ میں بھی بالکل یہی خیال آیا تھا۔ اگر تم یہ بات اپنی زبان سے نہ کہتے تو دو ایک روز میں میں خود تم سے یہ بات کہنے والا تھا۔ میری رائے میں اس سے بہتر تجویز کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن اس کے لیے ارفن کا رضامند ہونا بنیادی شرط ہے۔" نظر تیان نے کہا۔ "تم اس سے پوچھو، دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں پوچھتا ہوں۔" ارقند نے کہا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پہلے تو ایک لمبی چوڑی تمہید بیان کی اور اس کے بعد حرف مطلب زبان پر لایا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو نظر تیان مجھے عطا کرنا چاہتا ہے۔

"میں اس عنایت اور عزت افزائی کے لیے نظر تیان کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اس جہاز پر صرف اس وقت تک ہوں جب تک کہ یہ ہند کے ساحل تک نہیں پہنچ جاتا۔ ہند کے ساحل پر پہنچنے کے بعد میرے اور تم لوگوں کے راستے جدا ہو جائیں گے۔ میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ جا نے کدھر نکل جاؤں۔ اس وقت تم لوگوں کو محافظ دستے کے سردار کے لیے پھر کسی آدمی کو تلاش کرنا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لو تاکہ بعد میں زحمت نہ ہو۔"

ارقند نے میری بات تر جمہ کر کے نظر تیان تک پہنچا دی۔ نظر تیان چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ ارقند سے مسکرا کر بولا۔ اس نے کہا کہ فی الحال یہ اس عہدے کو قبول کر لے۔ جب ہم ہندوستان کے ساحل پر خیر و عافیت کے ساتھ پہنچ جائیں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اگر یہ ہندوستان کے ساحل پر قیام کرنا چاہے گا تو ہماری طرف سے اسے اس کی پوری اجازت ہوگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتے۔ یہ جب اور جس وقت چاہے اس عہدے کو چھوڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیں گے۔"

ارقند نے نظر تیان کی باتوں کا ترجمہ مجھے بتایا۔ میں نے اس کی باتیں سن کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "گو کہ میں ایک اجنبی ہوں، لیکن اس کے باوجود تم لوگوں نے جو ذمہ داری منصب میرے سپرد کیا ہے، اس کے لیے میں تم لوگوں کا ایک بار پھر تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس منصب کو قبول کرتا ہوں۔"

تو اس طرح پروفیسر میں مدعوں کے اس جہاز میں حفاظتی عملے کا سردار مقرر ہو گیا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، یہ عہدہ نائب

پکتان کے عہدے کے مساوی تھا اور اس طرح میں اور ارقند اب ایک ہی سرخیے کے عہدوں پر فائز تھے۔ گو کہ میں ہمیشہ عہدوں اور مناصب سے دور بھاگتا رہا تھا اور میں نے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی عہدہ قبول کیا تھا، لیکن یہ عہدہ میں نے اس لیے قبول کر لیا تھا کہ ایک تو میں اپنے دوست ارقند کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا، کیونکہ اس سے پہلے بھی میں اس کی کئی باتوں کو مسترد کر چکا تھا اور دوسرے میں نے پہلے ہی وضاحت کر دی تھی کہ ہند پہنچنے کے بعد میں یہ عہدہ چھوڑ دوں گا اور اب ہمارے ہند پہنچنے میں، جیسا کہ ارقند نے مجھے ایک دن بتایا تھا، بہت زیادہ باقی نہیں تھا۔

میں نے اسی دن حفاظتی عملے کے سربراہ کا عہدہ سنبھال لیا۔ کتنی دل چسپ صورت حال تھی۔ وہی سپاہی جو دو روز پہلے میرے حکم پر مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے اب میرے ماتحت تھے۔ ان سپاہیوں کا رویہ میرے ساتھ بہت دوستانہ تھا اور وہ مجھ سے کافی مرعوب بھی نظر آ رہے تھے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ چکا تھا کہ میں نے دو ریچھوں کا کیا حشر کیا تھا۔

لیکن میں چند ہی روز میں ان لوگوں میں گھل مل گیا اور ان کا اعتماد اور محبت جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں ہر گز بھی کوئی انتقام پسند یا کینہ پرور انسان نہیں ہوں اور یہ کہ پچھلی ساری باتوں کو بھول چکا ہوں۔

دن ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ گزرنے لگے۔ اور ہمارا جہاز منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ زور اس اس بات سے بہت خوش نظر آتے تھے اور کاکی جگہ پر حفاظتی عملے کا سردار بنا دیا گیا۔ اس نے ذاتی طور پر نظر تیان کا اس دانشمندانہ اور عاقلانہ فیصلے پر مبارک باد دی۔ نظر تیان نے ازراہ مزاح اس سے کہا۔ "میں نے تمہارے دیوتا کو جہاز کا کپتان مقرر کیا ہے۔ امید ہے کہ تم اس صورت حال سے بہت خوش ہو گے۔"

"ہاں میں بہت زیادہ خوش ہوں معزز نظر تیان!" زور اس نے واقعی خوش ہو کر جواب دیا تھا۔ فی الحال حفاظتی دستے کے لوگوں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ پورے جہاز کی نگرانی کرتے اور جہاز کے آس پاس کے سمندری علاقے پر نظر رکھیں۔ تمام لوگ ہمہ وقت چوکس رہتے تھے اور اپنی اپنی ڈیوٹی مناسب طور پر ادا کرتے تھے۔ ان کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی تھیں اور ہر سپاہی کو آرام کرنے کا وقت مل جاتا تھا۔ میں نے سارے سپاہیوں کا نظام الاوقات بڑی خوبی سے اور عمدگی کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ ان سب کو آرام کے یکساں مواقع مل سکیں۔ سپاہی اس نئے طریق کار سے بہت مطمئن اور خوش تھے۔

مجھے اس عہدے پر کام کرتے ہوئے تقریباً تین ہفتے کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس دوران کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن ایک دن ایک بہت ہی ہولناک واقعہ پیش آیا۔

سورج کو نکلے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور سمندر صاف و شفاف پانی میں خوب چمک رہا تھا۔ دور دور تک کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بڑا فرحت بخش ماحول تھا۔ اچانک دور بہت دور ایک جہاز کا ہیولا سا نظر آیا۔ جب سے میں نے اس جہاز پر قدم رکھا تھا اس کے بعد یہ پہلا جہاز تھا جو ہمیں نظر آیا۔ ذرا دیر میں سارے جہاز میں یہ خبر پھیل گئی کہ ایک دوسرے جہاز کا ہیولا نظر آ رہا ہے۔ جہاز کے زیادہ تر لوگ عرشے پر آ گئے اور دور سے آتے ہوئے جہاز کے ہیولے کو دیکھنے لگے۔ مجھے اس آج کے دور میں یہ بات ضرور بہت عجیب معلوم ہوئی۔ پروفیسر کہ اگر ایک جہاز آ رہا تھا تو یہ کون سا اہم واقعہ تھا۔ اور اس جہاز کو دیکھنے کے لیے سارے لوگوں کو عرشے پر جانے کی کیا ضرورت تھی لیکن پروفیسر وہ زمانہ ہی کچھ اور تھا۔ اس زمانے میں کھلے سمندر میں کسی جہاز کا نظر آنا بہت بڑی خبر تھی اور سارے لوگ اس خبر کو سنتے ہی عرشے پر جمع ہو گئے اور آنے والے جہاز کو دور سے دیکھ رہے تھے۔

جہاز کا رخ ہمارے جہاز کی جانب تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس نے ہمارے جہاز کو عرشے سے ہی ہمارے جہاز کی جانب آتا دیکھا تھا یا اس نے ہمارے جہاز کو دیکھ کر اپنا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہمیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ حقیقت چاہے کچھ بھی ہو، بہر حال صورت حال یہ تھی کہ جہاز ہمارے اب ہمارے جہاز کی طرف تھا۔ لوگوں میں آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ وہ سب کے سب، بڑے خوش اور مضطرب نظر آ رہے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آنے والے جہاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ ہوا نے بھی تھوڑا سا رخ بدل کر آنے والے جہاز کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ دونوں جہاز تیزی سے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ برابر کم ہو رہا تھا۔

اور جب یہ فاصلہ کچھ اور کم ہوا اور میں نے غور سے آنے والے جہاز کی طرف دیکھا تو اچانک میں ایک بار پھر پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ آنے والے جہاز کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ کوئی معمولی جہاز نہیں ہے وہ کسی قزاقوں کا جہاز تھا اور میں نے اسے دور سے ہی پہچان لیا تھا۔

تبھی سیدھا نظر تیان کے پاس پہنچا اور ایک ترجمان کے ذریعے اسے بتایا کہ ہماری طرف بڑھنے والا جہاز کسی قزاق کا جہاز ہے۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں نہ لوٹیں، بلکہ یقینی بات ہے کہ وہ لوگ ہم پر حملہ کریں گے۔"

"اس سے پوچھو کہ اسے کس طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ آنے والا جہاز بحری قزاقوں کا ہے۔ آخر وہ اس نتیجے پر کس طرح پہنچا ہے؟" نظر تیان نے کہا۔

میں نے نظر تیان کی بات مجھ تک پہنچائی اور میں نے جواب میں کہا کہ میں اس قسم کے جہازوں کو بہت دور سے پہچان لیتا ہوں اور مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آنے والا جہاز بحری قزاقوں کا ہے۔

نظر تیان میری بات سن کر پریشان سا ہو گیا تھا اس نے ذرا سوچا اور ارقند اور ہمارے دوسرے افسروں کو طلب کیا اور انھیں یہ بات بتائی۔

"ہمارے پاس جہاز میں کوئی قیمتی ساز و سامان موجود ہے؟" وہ فکر مند لہجے میں کہا۔ "ہمیں اس کی حفاظت کے لیے خاص انتظامات کرنے پڑیں گے۔"

"ویسے تو ہمارے محافظ دستے میں بڑے بہادر لوگ موجود ہیں اور جہاز پر موجود ہر شخص دشمنوں کے بے جگری سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہے گا۔ لیکن فتح و شکست کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ قزاقوں کی تعداد کتنی ہے۔" نظر تیان نے کہا۔ "ارقند نے اس کی بات کا میرے لیے ترجمہ کیا۔

"جہاں تک میرے اندازے کا تعلق ہے۔ یہ ایک کافی بڑا جہاز نظر آ رہا ہے۔ اور قوی امید ہے کہ اس میں موجود آدمیوں کی تعداد کافی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "ہم جیسے ہوا سا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ان پر قابو پا لیں گے۔"

"ان پر قابو پانا اتنا آسان نہ ہوگا میرے دوست!" ارقند نے مجھ سے کہا۔ "مجھے اپنی زندگی میں دو تین بحری قزاقوں سے سابقہ پڑا ہے اور ہر مرتبہ انھوں نے جہاز پر موجود لوگوں کا بری طرح قتل عام کیا اور سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہ محض میری خوش قسمتی تھی کہ میں دونوں مرتبہ کسی نہ کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک بار تو بحری قزاق مجھے قیدی بنا کر لے گئے تھے لیکن ایک دن موقع پا کر میں ان کی ایک کشتی لے کر نکل بھاگا تھا۔ بہر حال یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بار ہمارا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو ہم بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"میں تم سے پھر کہہ رہا ہوں میرے دوست کہ تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، یہ یاد رہے کہ شکست ان کا مقدر ہے۔"

"کمال ہے!" ارقند نے کہا۔ "تم اس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

ایسا کہ مجھے احساس ہوا کہ واقعی میں ضرورت سے زیادہ یقین کا اظہار کر کے ان لوگوں کو شک میں مبتلا کر رہا ہوں۔ چنانچہ میں فوراً ہی سنبھل گیا اور میں نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جہاز پر موجود ہر شخص بھی اور ہی طرح مسلح ہے اور سب لوگ بہادر اور اچھے لڑاکا ہیں۔ اس لیے وہ یقیناً قزاقوں کو شکست دے دیں گے۔"

"تم میں اور ارفن میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" نظر تیان نے ارقند سے پوچھا۔

ارقند نے ترجمہ کر کے اسے تمام باتیں بتا دیں۔ نظر تیان مسکرایا اور بولا۔ "میں ارفن کے حوصلوں کی داد دیتا ہوں۔ واقعی یہ شخص بڑا بہا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ے بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی یہ پریشان نہیں ہوتا اور نہ گھبراتا ہے۔"

جہاز پر فوراً ہی تمام لوگوں کو حکم دے دیا گیا کہ ہر شخص فوری طور پر مسلح ہو جائے کیونکہ بحری قزاقوں کے حملے کا خطرہ ہے۔ محافظ دستے کے سپاہیوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ پوری طرح مسلح ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

انتظامات اور ہدایات کے ساتھ ہی سارے جہاز پر دوڑ دھوپ شروع ہو گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہوئے اِدھر سے اُدھر بھاگنے لگے اور جلدی جلدی اپنے جسموں پر ہتھیار سجانے لگے۔ محافظ دستے کے سپاہیوں نے عرشے پر صف بندی سنبھال لی اور باقی تمام لوگوں کو عرشے پر سے ہٹا دیا گیا۔ زور اس زبردست عرشے پر کھڑا رہا اور منع کرنے کے باوجود وہاں سے نہیں ہٹا۔ اسکندر اور نفرتیان بھی عرشے پر موجود تھے۔ محافظ دستے کے سپاہی کانوں کے پیچھے کھینچ کر تیار کھڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مسلح تھے مگر وہ عرشے کے بجائے جہاز کے دوسرے حصوں میں تھے اور ان کی حیثیت ایک طرح سے ریزرو فورس کی سی تھی۔

آنے والا جہاز اب اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے پر کھڑے ہوئے انسانوں کے ہیولے صاف نظر آ رہے تھے۔ گو کہ ان کی شکلیں صاف نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن ان کی موجودگی اور حرکات و سکنات کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

اب پھر اچانک تیروں کی پہلی باڑھ گری۔ قزاقوں کی طرف سے حملے کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس پہلی باڑھ میں جہاز کا کوئی تیر نہ تو لگا نہیں ہوا۔ زیادہ تر پانی میں گرے اور جو جہاز کے اوپر تک انھیں ہمارے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اپنی مضبوط ڈھالوں پر روک لیا۔

"حملے کا آغاز ہو چکا ہے۔" نفرتیان نے چلا کر جہاز میں موجود تمام لوگوں کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔ "سب لوگ اپنی اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیں۔ قزاق تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔"

اور واقعی قزاقوں کا جہاز بڑی تیزی سے ہماری طرف آ رہا تھا۔ مجھے ایک چیز سب سے زیادہ خدشہ تھا اور وہ یہ کہ اگر قزاقوں نے آگ کے گولے پھینکنے شروع کر دیے تو ان سے بچاؤ بہت مشکل ہو گا۔ خود ہمارے پاس آگ کے گولے پھینکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ جہاں تک قزاقوں کو شکست دینے کا تعلق تھا تو یہ واضح تھا ہی کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ میں تنہا سارے قزاقوں کو تنِ تنہا کے لیے شکست فاش دے سکتا تھا۔ لیکن میں اپنے جہاز پر موجود کچھ لوگوں کی جان کو نہیں بچا سکتا تھا اور نہ ہی قزاقوں کی جانب سے جہاز کو آگ لگانے کی کوششوں کو کامیاب ہونے سے روک سکتا تھا۔ تاہم میں نے اسکندر سے مشورہ کے بعد کچھ لوگوں کی یہ ڈیوٹی لگا دی کہ وہ بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر تیار رکھیں اور جیسے ہی قزاقوں کی طرف سے آگ کے گولے پھینکے جائیں، وہ بالٹیوں کے ذریعے پانی پھینک کر آگ بجھانے کی کوشش کریں۔

اس اثنا میں تیروں کی دوسری باڑھ گری اور اس بار بھی محافظ دستے کے دو تین تیر کھا کر سخت گھائل ہو گئے اور اسی کے ساتھ ہی قزاقوں کے جہاز کے عرشے پر ہلچل مچ گئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تین قزاقوں کو نیچے لڑھکتے ہوئے دیکھا۔ اس کے جواب میں قزاقوں کی جانب سے تیروں کی ایک اور باڑھ آئی جو پہلی دو باڑھوں کے مقابلے میں زیادہ شدید تھی۔ کیونکہ ان کا جہاز اب ہمارے جہاز کے زیادہ قریب آ گیا تھا اور وہ ٹھیک ٹھیک نشانے لگا سکتا تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا تھا۔

میں، نفرتیان، اسکندر اور زندار اس عرشے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن ہم تیروں کی زد سے باہر تھے اب میرے عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا اور تحدیٰ میں نے اسکندر سے مخاطب ہو کر آرمینی زبان میں کہا وہ محافظ دستے کے سپاہیوں کی نگرانی کرو اور سب سے زیادہ اس بات پر دو کہ قزاقوں کی طرف سے آگ لگانے والے گولے پھینکے جانے کی صورت میں زیادہ نقصان نہ ہونے پائے۔ میں چلا۔"

"تم کہاں چلے؟" اسکندر نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

"قزاقوں کے جہاز میں۔" میں نے جواب دیا اور جہاز کے عرشے سے چھلانگ لگا دی۔ ابھی میں نے چھلانگ لگائی ہی تھی کہ میرے کانوں نے نفرتیان کو کہتے سنا۔ "تو بھائی زرد اس اتھارے دیوتا نے تمہارا انتخاب کر لیا۔ اور اب ہم لوگوں کو تنہا اور اس کے بغیر ہی ان قزاقوں سے نمٹنا ہو گا۔"

میں چھلانگ لگا چکا تھا اور ظاہر ہے کہ اب میں رک نہیں سکتا تھا اور رک کر نفرتیان کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کر نہیں جا رہا ہوں بلکہ خود ان لوگوں کی جانیں بچانے کا بندوبست کر رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا بڑا دکھ ہوا کہ نفرتیان میرے بارے میں اس قدر احمقانہ باتیں کیسے سوچ سکتا ہے کہ میں ان لوگوں کی رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اپنی جان بچانے کے لیے راہِ فرار اختیار کر رہا ہوں۔ تاہم مجھے یقین تھا کچھ دیر بعد جب ساری صورتِ حال لوگوں کے سامنے آ جائے گی تو نفرتیان کو اپنے اس رویے پر شرمندگی ہو گی۔

میں نے اپنے جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ جس اس تیروں کی ایک اور زیادہ اور خطرناک باڑھ ہمارے جہاز کی طرف آئی۔ اس باڑھ میں دو تین تیر میرے پیچھے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ جہاز پر موجود دوستوں نے یہ منظر دیکھ لیا ہو گا اور وہ یہ سمجھ لیا ہو گا کہ میں مارا گیا۔ کیونکہ ایک بار تیروں کا شکار ہونے کے بعد پھر بھلا زندہ بچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ میں زندہ تھا اور پانی کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا قزاقوں کے جہاز کی طرف خاموشی سے بڑھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں میں ان کے جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ میں چونکہ محافظ دستے کا سالار تھا اس لیے میرے جسم پر ہر طرح کے ہتھیار موجود تھے اور میں نے ان ہتھیاروں سمیت ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ میں قزاقوں کے جہاز کے پیندے کے عین نیچوں نیچ پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنی کمر سے بندھا ہوا ایک تیز دھار والا مضبوط خنجر نکالا اور اس سے پیندے میں سوراخ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جہاز کے پیندے کی لکڑی بہت مضبوط اور موٹی تھی لہٰذا اس میں سوراخ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں نے بڑی طاقت اور محنت کے ساتھ خنجر کے ذریعے پیندے پر ضربات لگانی شروع کر دیں۔ شروع میں یہ ضربات ہلکی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی قوت اور کارکردگی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اب یہ نہیں معلوم تھا کہ اوپر کیا صورتِ حال ہے۔ کیونکہ میں پانی کے اندر کافی نیچے موجود تھا اور برابر اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ بالآخر کڑی محنت اور پیہم ضربات کے بعد لکڑی کے پیندے میں ایک چھوٹا سا سوراخ نمودار ہو گیا۔ اب مجھے اس سوراخ کو بڑا کرنا تھا۔ میں نے اس میں خنجر بھونک بھونک کر اسے بڑا کرنا شروع کر دیا۔ خاصا مشکل اور صبر آزما کام تھا اور کوئی بھی انسان اسے بآسانی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ خود مجھے بھی اس کام میں کافی مشکل درپیش آئی۔ بہرحال اب یہ سوراخ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس میں سے کافی پانی اندر جا سکتا تھا اور عملی طور پر جہاز کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف ایک سوراخ کافی نہیں تھا۔ قزاقی لکڑی کے تختے ٹھونک کر بآسانی اسے بند کر سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مزید سوراخ کیے جائیں۔ لیکن فی الحال مجھے ایک پر ہی اکتفا کرنا تھا۔ کیونکہ زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ میں اپنے جہاز کے لوگوں کو ہلاکت اور تباہی سے بچاؤں۔

پھر میں جہاز کے نیچے سے نکل کر اس کے پچھلے حصے کی طرف آ گیا۔ یہاں سے جہاز کی دیوار کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر آنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں بالکل کنارے پر آ گیا اور پھر میں نے جہاز کے نگر پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیک کر اپنے جسم کو اوپر اٹھایا۔ اب میں جہاز کے اندر کا پورا منظر دیکھ سکتا تھا۔ سارے کے سارے قزاق کارروائی عرشے کی طرف تھا کیونکہ ہمارا جہاز سامنے کی طرف تھا اور سارے قزاق اسی طرف متوجہ تھے۔

میں آہستہ سے اندر کود گیا۔ اور کسی کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور مجھے وہ جگہ نظر آ گئی جہاں سے آگ کے گولے پھینکے جانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیدھا اس طرف پہنچا۔ وہ دو آدمی تھے اور دونوں یقیناً مذہبی شناخت کے حامل ہوں گے جنھیں آگ سے متعلق اہم کام پر مامور کیا گیا تھا۔ وہ دونوں چمڑے کی بڑی بڑی بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر انھیں آگ کے گولوں پر پھینک رہے تھے۔ میں انتہائی خاموشی سے ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ لوگ اس طرح سے کھڑے ہوئے تھے کہ دوسرے لوگوں کی نظروں کے سامنے نہیں تھے۔ مجھے اس بات سے بہت آسانی ہوئی۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر ان دونوں کے سروں پر ایک ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ دونوں حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ان کے ناک کان اور منہ سے خون جاری تھا۔

میں نے سامنے کے رخ پر نظر دوڑائی۔ ہمارا جہاز سامنے کھڑا ہوا تھا اور قزاقوں کا جہاز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دونوں جہازوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہو گیا تھا اور کوئی دو یا تین منٹ کے وقفے میں دونوں آپس میں مل جانے والے تھے۔

میں نے ان دونوں آدمیوں کو ہلاک کرنے کے بجائے وہ گولے اور ان کا سارا ساز و سامان ٹھاٹھیں سمندر میں پھینک دیا۔ ابھی تک کسی نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے جہاز کی طرف نظر دوڑائی۔ وہاں عرشے پر کھڑے ہوئے تیر انداز حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ انتہائی دور سے بھی میں نے ان کے چہرے پر سرست کے سائے نقش کیے ہوئے دیکھ لیے۔

پھر عین اسی وقت ایک قزاق کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ وہ بے تحاشہ غصے سے چلاتا ہوا دوسری طرف دوڑ پڑا۔ لیکن اپنی جلد بازی میں اپنے دیگر ساتھیوں کو جنھوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا میرے بارے میں بتانا بھول گیا اور تنہا میری طرف دوڑتا ہوا آیا۔ جیسے ہی وہ اپنی کلہاڑا لہراتا ہوا میرے پاس پہنچا، میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور قبل اس کے کہ وہ کچھ نقصان پہنچا سکے، میں اسے اٹھا کر سمندر میں اچھال چکا تھا۔

اب میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دوں کیونکہ قزاقوں کی طرف سے تیروں کی بارش میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میرے جہاز کے لوگ اس سے برابر متاثر ہو رہے تھے۔ پہلے ہی ایک چھلانگ مار کر ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا جو تیر چلا رہے تھے۔ وہ سب کے سب مجھے دیکھ کر سخت حیران اور بڑی حد تک خوفزدہ بھی ہو گئے۔ ان کے لیے یہ سمجھنا واقعی مشکل تھا کہ میں کہاں سے نازل ہو گیا۔ آسمان سے گرا ہوں یا جہاز کے اندر سے اگا ہوں۔ میں نے اس قزاق کی تلوار اس کے ہاتھ میں ہی تھی چھین لی اور سمندر میں پھینک دی۔ اب میرے ہاتھ میں ایک مختصر سا خنجر تھا۔ میں نے قزاقوں کا ایک جتھا میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور مجھ پر چاروں طرف سے وار کیے جانے لگے۔ میں تیزی سے اپنی تلوار کو گھما گھما کر یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں ان کے واروں کو اپنی تلوار پر روک رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میں محافظوں کا صفایا کرنے میں بھی مصروف تھا۔

اسی اثنا میں دو قزاق نیچے سے شور مچاتے ہوئے اوپر آئے۔ انھوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ جہاز میں نیچے پانی بھر رہا ہے۔ بہت پانی بھر چکا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جہاز میں نیچے شاید کوئی سوراخ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہوگیا ہے جس سے پانی اندر آ رہا ہے۔ میں ان کی چیخ و پکار سن کر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

اس بڑے قزاقوں میں کھلبلی مچ گئی، بہت سے قزاق، جن میں قزاقوں کا سردار بھی شامل تھا جو اپنے لباس اور وضع قطع سے الگ پہچانا جاتا تھا، پنجے کی طرف دوڑ پڑے۔ میرے اردگرد بھی قزاقوں کا مجمع ذرا کم ہو گیا اور تیر اندازوں کے دو باڈی گارڈ بھی ذرا کھسک گئے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عرشے پر موجود قزاقوں کا قتل عام شروع کر دیا اور انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک نظر سامنے اپنے جہاز کی طرف ڈالی، نفرتیان اور قند، زوذ اس اور متعدد دوسرے لوگ عرشے پر کھڑے ہوئے اس ناقابل یقین منظر کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے انھیں دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور جواباً انھوں نے بھی ہاتھ ہلایا۔ قزاقوں کے جہاز کی تیز رفتاری میں کمی آ گئی تھی اور وہ اب آہستگی کے ساتھ جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عرشے پر موجود قزاقوں میں ذرا دیر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ وہ اب مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے وہ جو پہلے بڑھ بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے، اب میری زد سے دور رہنا چاہتے تھے۔ میں نے کئی قزاقوں کو کہتے سنا وہ کوئی شیطانی روح ہے۔ یہ انسان نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ یہ انسانی جسم میں کوئی سماوی بلا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ میں ان کی ان احمقانہ باتوں پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

لیکن اچانک جیسے عرشے پر قزاقوں کو کچھ ہوش آ گیا۔ انھوں نے غالباً یہ سمجھا کہ اگر وہ اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو زوذ اور میرے ان کو نامزد دشمن سنبھالنے گا۔ پتا نہیں انھوں نے اب یہ ترکیب اختیار کی کہ میرے قریب آنے کے بجائے دور ہی سے متعدد پھینک پھینک کر مجھے مارنے لگے۔ انھیں امید تھی کہ اس طرح وہ خود کو محفوظ رکھتے ہوئے مجھ کو زیادہ شدید طور پر زخمی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان کی یہ امید بھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ ان کے کسی ہتھیار نے میرے جسم پر کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ یہ دیکھ کر سخت حیران تھے کہ ان کے کوئی ہتھیار بھی تیر سے کم نہیں ہوئے لیکن مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر نیچے گر پڑے۔ اب انھیں واقعی اس بات کا یقین آ گیا ہوگا کہ میں کوئی مافوق الفطرت شے ہوں۔

اس اثنا میں کئی قزاق نیچے سے اوپر تنے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بالکل حواس باختہ نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اور مجھ پر کوئی توجہ دیے بغیر اپنے ساتھیوں کو یہ اطلاع دینے کے لیے جہاز میں تیزی سے پانی بھر رہا ہے اور جہاز ڈوبنے والا ہے۔ اس لیے سارے جہاز میں سخت سراسیمگی اور دہشت پھیل گئی۔ اس اثنا میں قزاقوں کا ۔۔۔ نیچے سے اوپر آ گیا اور اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاز پر موجود چھوٹی کشتیاں پانی میں اتاری جائیں۔ لیکن اس کے حکم دینے سے پہلے ہی بہت سے قزاق کشتیوں کی طرف دوڑ پڑے تھے اور انھیں پانی میں اتار رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاز تیزی کے ساتھ نیچے کو بیٹھ رہا ہے۔ قزاقوں نے اب جنگ بالکل بند کر دی تھی اور وہ سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ میں نے بھی ان پر حملے بند کر دیے تھے کیونکہ میں اب ان کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر وہ سب کے سب موت کا شکار ہو جائیں گے۔

اس اثنا میں قزاقوں کا سردار میرے قریب آیا اس نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور پھر حیرت بھری آواز میں بولا۔ "تو لوگوں نے اور اس جہاز میں کس طرح آ گیا؟ تو نے تنہا ہمارے اتنے بہت سے آدمیوں کو کس طرح ہلاک کر دیا؟"

"میں تم لوگوں کی موت ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے ہی تمھارے جہاز کے پیندے میں سوراخ کیا ہے۔"

"تو نے سوراخ کیا ہے؟" سردار نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "مگر کس طرح؟ تو وہاں کیسے پہنچا؟"

"مجھے وہاں پہنچنے کی ضرورت بھی کیا تھی؟" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں سمندر میں تمھارے جہاز کے نیچے موجود تھا اور وہاں سے میں نے اس کے پیندے میں سوراخ کر دیا۔"

"ناقابل یقین۔" سردار نے کہا۔ "لیکن تو بیچ سمندر میں آیا کہاں سے آیا؟"

"میں اس جہاز میں سے آیا ہوں جس پر تم لوگ حملہ کر کے اسے لوٹنا چاہتے تھے۔" میں نے سامنے اپنے جہاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

مگر تو وہاں سے نہ بھی آیا ہوتا تو بھی اتنے بہت سے جہازوں کے ہوتے ہوئے جہاز پر قبضہ کر سکے ہیں، تیر انداز بھی اتنے بہت سے جو ہر وقت تیر کمان سے موت کے لیے تیار رہتے ہیں۔" سردار نے کہا اور اس کے ساتھ وہ اپنی تلوار سونت کر جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھا غالباً اسے اپنی شمشیر زنی اور بہادری پر بڑا ناز تھا۔

"اس کھلونے کو مجھ سے دور ہی رکھو تو بہتر ہے۔" میں نے اس کی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت تم سب لوگوں کا مقدر ہو چکی ہے اور تمھیں اس سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں خود تمھارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ بہتر ہے کہ سمندر تمھیں نگل لے۔"

لیکن سردار کچھ زیادہ ہی جوش میں تھا۔ اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ایک دہشتناک چیخ کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس کا تلوار والا ہاتھ بڑی تیزی کے ساتھ گھوما اور اتنی ہی تیزی کے ساتھ میرا ہاتھ بھی گھوما اور دوسرے لمحے اس کی تلوار نیچے فرش پر پڑی تھی اس کی کلائی میرے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو اوپر کھینچنے کی کوشش کی لیکن یہ دیکھ کر وہ سخت حیران ہو گیا کہ اس کا ہاتھ سر مو جنبش نہیں کر رہا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں میری شکل دیکھنے لگا۔

میں نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ کر ہلانے کی کوشش کی، لیکن اسے ہلا نہ سکا۔ پانی کسی لوہے کے شکنجے میں کسا ہوا ہو کیونکہ یہ ہلنے جلنے کا نام ہی نہیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے اچھل کر میرے پیٹ پر لات مارنے کی کوشش کی، لیکن میں نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹانگ پکڑ لی اب وہ بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ اس نے میں یک بارگی جہاز نے ایک جھکولا لیا اور وہ تیزی سے پانی کے اندر دھنسنے لگا۔ شاید قزاقوں کے سردار کے ہاتھ پاؤں پھولے اور وہ مجھ سے دور بھاگنا چاہا گیا۔ لیکن اس کا جذبۂ انتقام [illegible] بھاگا تھا۔ اس نے دور پہنچ کر اپنی کمر سے اڑسا ہوا خنجر نکالا اور ٹھیک نشانے کے پوری قوت سے میری سینے پر پھینک مارا۔ خنجر میرے سینے سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا اور سردار کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔

اس دوران ایک بڑا عجیب تماشہ ہوا۔ سردار تو ادھر میرے ساتھ مصروف تھا ادھر قزاقوں نے کشتیاں پانی میں اتار کر بھاگنا شروع کر دیا۔ ان کے جہاز پر نفسا نفسی اور افراتفری کا عالم تھا۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں تھی۔ ایک ایک کشتی میں اس کی گنجائش سے کہیں زیادہ لوگ بھر گئے تھے۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کشتی میں اسے جگہ مل جائے۔ اس ہنگامے میں کشتیاں الٹ گئیں اور ان میں بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے ہوئے لوگ سمندر میں گر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ سمندر سخت سفاک اور خوفناک تھا۔ ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ اور اگر بچ جاتا تو جانوروں کے لیے خوراک بن جاتا۔ اس کو کہیں دور دور تک پناہ نہیں تھی۔ سمندر میں کود نے والے کے لیے موجوں کی ہلاکت آفرینی آغوش کے علاوہ اور کوئی پناہ نہیں تھی۔

قزاقوں کی ایک بڑی تعداد سمندر کی موجوں کی نذر ہو گئی۔ جہاز کے عرشے پر جہاز کے جہاز کی جانب سے مسلسل تیر اندازی جاری تھی۔ اس کثرت سے قزاق جہاز سے تیر اندازوں کے تیروں کا نشانہ بنے۔ زیادہ تر قزاق تیروں کی زد سے دور رہنے کی کوشش میں ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ جہاز تیزی کے ساتھ نیچے بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک جہاز کی [illegible] سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور قزاقوں کے سردار کے بازو میں [illegible] گیا۔ وہ ایک آہ کے ساتھ فرش پر گر پڑا، لیکن پھر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے بڑی غیر معمولی ہمت اور جوانمردی سے کام لیتے ہوئے اس تیر کو اپنے بازو سے نکال پھینکا۔ اس کے بازو میں سے خون [illegible] بہہ رہا تھا لیکن وہ خون کی پروا کیے بغیر تیزی سے اس طرف [illegible] جہاں سے کشتیاں سمندر میں اتاری جا رہی تھیں۔ اس کی حیرت [illegible] انتہا نہ رہی، جب اس نے یہ دیکھا کہ ساری کی ساری کشتیاں وہاں [illegible] جا چکی ہیں۔ جہاز کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہا ہے۔ کچھ [illegible] صرف ایک کشتی جا رہی تھی جس میں کچھ قزاق سوار تھے باقی [illegible] ڈوب کے غائب ہو چکی تھیں۔ سردار نے انتہائی غم و غصے کے [illegible] دیکھا۔ ظاہر ہے کہ جہاز پر اتنی کشتیاں موجود نہیں تھیں جو [illegible]

جہاز پر موجود سارے لوگوں کے لیے کافی ہو سکتیں۔ اس لیے بہت سے لوگ بچ گئے تھے اور وہ سب کے سب حسرت اور مایوسی کے عالم میں کھڑے ہوئے تھے۔ انھی میں سردار خود بھی شامل تھا۔ لیکن ان کی حسرت اور مایوسی کا عالم زیادہ طویل نہیں رہا۔ جلد ہی جہاز نے ایک اور جھکولا لیا اور اس کا بیشتر حصہ پانی میں غرق ہو گیا۔

میں نے سوچا کہ اب اس جہاز پر میرا مزید قیام فضول ہے۔ میں نے اپنا کام کر دیا تھا۔ قزاقوں کی بڑی تعداد سمندر کی نذر ہو کر ہلاک ہو گئی تھی اور بچے کھچے قزاق زوذ اور میں ڈوب کر ہلاک ہو جانے والے تھے۔ ان کو اس تباہی سے اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ ان کی قسمتوں کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اب اپنے جہاز پر نظر ڈالی۔ نمایاں طور پر نظر آنے والوں میں نفرتیان، اقند اور چند دوسرے لوگ شامل تھے۔ مجھے زوذ اس نہیں نظر آیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ صاف نظر آیا تھا۔ اب مجھے دیکھ کر جوش سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ پھر میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ان لوگوں میں سے کئی کے منہ سے حیرت اور خوف بھری چیخیں نکل گئیں۔ میں مسکراتا ہوا سمندر میں کود پڑا۔

میرے سمندر میں کودنے کے ساتھ ہی قزاقوں کے جہاز نے ایک غوطہ کھا لیا اور پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ زیر آب چلا گیا۔ میں سطح آب پر رک کر اس کی غرقابی کا منظر دیکھنے لگا۔ پورا جہاز مع ان انسانوں کے جو اس پر موجود تھے اور جن میں قزاقوں کا سردار بھی شامل تھا پانی کے اندر چلا گیا تھا اور اب صرف اس کے مستول کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کسی انسان کی شکل نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سب کے سب قزاق ہو چکے تھے۔

میں تیرتا ہوا اپنے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عرشے پر جیسے ہلچل مچ گئی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک کشتی جہاز کے عرشے پر سے کھلے سمندر میں اتار دی گئی تھی۔ میں سطح آب پر ابھرا اور میں نے عرشے کی طرف لشکر ڈالی۔ کئی ہاتھوں نے مجھے اشارہ کیا کہ میں کشتی میں سوار ہو جاؤں۔ یہ کشتی اس طرح اتاری گئی تھی کہ یہ بڑی برق رفتار اور مضبوط رسیوں کے ذریعے جہاز سے بندھی ہوئی تھی اور اسے اوپر کھینچا جا سکتا تھا۔ زیر جلد مجھے اس کشتی کی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم میں نے ان لوگوں کا دل رکھنے کے لیے کشتی کو پکڑ لیا اور اس میں سوار ہو گیا۔ میرے کشتی میں سوار ہوتے ہی ان لوگوں نے کشتی کو اوپر کھینچنا شروع کر دیا اور زیر دیر میں ہی میں اوپر پہنچ گیا۔

جہاز کے اوپر پہنچتے ہی میرا خلوص والہانہ انداز میں میرا استقبال کیا گیا۔ نفرتیان نے جوش مسرت سے بے قابو ہو کر مجھے سینے سے لگایا اس کے بعد اقند مجھ سے بغل گیر ہوا۔ اور اس کے بعد کئی دوسرے لوگ بھی مجھ سے گلے ملے۔

"اقند۔" نفرتیان نے کہا۔ "ارغن سے پوچھو کہ اس کے جسم میں آخر کس کی روح ہے؟ کیا اس کی جرأت اور بہادری کی کوئی انتہا ہے ہوتی تھا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

لوگوں کے جہاز میں جا گھسا اور اس نے اتنے بہت سے قزاقوں کو ہلاک کر دیا جبکہ اس کے اپنے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ اس سے کہو کہ ہماری حیرتوں کو دور کرنے کے لیے ہمیں کچھ بتائے۔"

ارقند نے میرے لیے نفرتیان کی باتوں کا ارمینی زبان میں ترجمہ کیا۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا: "مجھے چونکہ جہاز کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا، لہٰذا اس فریضہ کو نبھانے کی خاطر مجھے جو کچھ کرنا پڑا، میں نے کیا ہے۔" میں نے گول سول سا جواب دیا اور ارقند نے اس کا ترجمہ کر دیا۔

"لیکن یہ سب کچھ کہنا ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم لوگ کوئی خوفناک خواب دیکھ رہے ہوں۔" نفرتیان نے کہا۔

"زوداس کہاں ہے؟" میں نے ارقند سے پوچھا کیونکہ وہ مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

"زوداس کے شانے پر زخم آ گیا ہے۔" ارقند نے آہستہ سے جواب دیا۔ "قزاقوں کی طرف سے تلے والے ایک تیر نے اس کا بازو چھلنی کر دیا ہے۔"

"وہ یہ تو بڑی تشویش کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا اس جہاز پر کوئی طبیب موجود ہے جو ہماروں اور زخموں کا علاج کر سکے؟"

"کیوں نہیں۔" ارقند نے جواب دیا۔ "ویرلوا ایک نامی گرامی طبیب ہے جو اس جہاز میں سفر کر رہا ہے۔ اس کے پاس بہت سی دوائیں بھی موجود ہیں اس نے زوداس کے زخموں کو اچھی طرح دھو کر ان پر پٹی باندھ دی ہے۔ اس وقت وہ اس آرام کر رہا ہے۔"

"مجھے زوداس کے پاس لے چلو۔" میں نے ارقند سے کہا۔

ابھی میں نے اور ارقند نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ نفرتیان نے ہمیں روک لیا۔

"ارقند!" اس نے کہا۔ "ارفن سے یہ تو پوچھو کہ قزاقوں کا جہاز ڈوبا کس طرح؟ یہ اچانک اس میں کیا ہو گیا تھا؟" ارقند نے رک کر ترجمہ کیا۔

میں انھیں اصل بات نہیں بتانا چاہتا تھا، بروفیسر ورنہ شاید لوگ حیرت کے مارے حواس باختہ ہو جاتے۔

"جہاز کے پیندے میں کسی طرح کوئی سوراخ ہو گیا تھا۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "تاکہ ان لوگوں کو اس بات کا علم اس وقت ہو سکا جب اس سوراخ کے ذریعے کافی پانی جہاز کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اب کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی اور سوراخ کو بند کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ پانی کے بھاؤ کے ساتھ ساتھ سوراخ کا سائز بھی بڑا ہوتا گیا اور باقی خود جہاز میں خالی بھر گیا کہ وہ ڈوب گیا۔" ارقند نے میری باتوں کا ترجمہ کیا۔

"کتنی عجیب بات ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "جہاز میں سوراخ بھی بن اسی وقت ہونا تھا جب یہ لوگ ہم پر حملہ کر رہے تھے۔ ایسا لگتا ہے

کہ قدرت کو ہماری بہتری اور زندگی منظور تھی۔ ورنہ ان لوگوں نے تو ہر حال تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔" ارقند نے نفرتیان کی بات کا ترجمہ کیا۔

میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ارقند میرے پیچھے تھا۔ عرشے پر جہاز کے تقریباً سارے ہی لوگ موجود تھے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا کام جہاز چلانا تھا اور جو اپنی جگہ چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ تمام کے تمام لوگ حیرت، تحسین اور تفکر کے ملے جلے احساسات کے ساتھ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے اُن بہت سے لوگوں نے جو آرمینی زبان سے واقف تھے، آگے بڑھ کر مجھے میری کامیابی پر مبارکباد پیش کی اور میری بے پایاں بہادری اور قوت کو سراہا۔ اکثر لوگوں نے میرے ہاتھ چومے۔ کئی ایک نے عقیدت میں مجھے گلے لگا لیا۔ نفرتیان بھی جو آرمینی یا ایسانی زبان نہیں جانتے تھے، اشاروں اشاروں میں مجھے خراجِ تحسین پیش کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ میں مسکراتا ہوا لوگوں کے سلاموں کا جواب دیتا ہوا اور ان کی جانب سے بدیہ بانے شکر کو قبول کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور ارقند کی رہنمائی میں ایک کیبن تک پہنچا جو باورچی خانے کے قریب تھا۔ میں اور ارقند اس کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ایک کوچ پر زوداس لیٹا ہوا تھا۔ اس کی بائیں بازو پر ایک پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ کافی نڈھال نظر آ رہا تھا۔ مجھے اور ارقند کو دیکھتے ہی وہ کوچ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"لیٹے رہو میرے دوست۔" میں نے نرمی سے اس سے کہا۔ "میں تمہاری طبیعت پوچھنے کے لیے آیا ہوں۔"

"میں اب بہت ٹھیک ہوں عظیم ارفن۔" اس نے جوش دکھا سنبھل کر کوچ پر بیٹھ گیا اور ہم دونوں سے بھی۔ بیٹھنے کی درخواست کی۔ ہم دونوں بھی کوچ پر ہی بیٹھ گئے۔

"مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تم قزاقوں کے تیروں سے محفوظ ہو گئے ہو زوداس۔" میں نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ تمہارے زخم بہت زیادہ گہرے نہیں ہوں گے اور تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"میں تمہاری اس عنایت کے لیے حد ممنون ہوں ارفن۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے دلی مسرت ہے کہ تم نے میرا اتنا خیال کیا ہے کہ تم مجھے دیکھنے کے لیے آئے۔ مجھے واقعی اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ تم نے یاد رکھا اور میری کمی کو محسوس کیا۔"

"اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے زوداس۔" میں نے اسے جواب دیا۔ "تم میرے دوست ہو اور دوستوں کو ایسا ہی کیا جاتا ہے۔"

"ارفن!" زوداس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "تم نے ہو کیا، نفرتیان اور ارقند سمیت سارے لوگ سخت حیران ہیں۔ کیا تم مجھے اس بات پر کوئی حیرانی نہیں؟"

"اس کی کوئی وجہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"ہاں۔" زوداس نے سکون سے کہا۔ جواب دیا: "اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ... بہت سے دانا ہیں۔ جبکہ میں تمہاری اصلیت کو سمجھ ... ہوں۔"

"تم میری اصلیت کو سمجھ گئے ہو میرے دوست ہمدم؟ میں خود بھی اپنی اصلیت کو نہیں سمجھتا ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم چاہے جو کچھ کہو عظیم ارفن۔" زوداس نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن حقیقت یہی ہے کہ تم وہ نہیں ہو جو تم نظر آتے ہو۔ تم اصل میں دوسرے نظر نہیں آتے ہو۔"

"زوداس نہ جانے کیا پہیلیاں بجھوا رہا ہے۔" ارقند نے کہا۔ "اس کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔"

"اچھا دوست۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ میں اب اس قسم کی گفتگو کو طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ "اب چلتا ہوں اور تمہارے لیے دعا کروں گا کہ تم جلد صحت یاب ہو جاؤ۔"

"مجھے حکیم ویرلوا کی معالجانہ مہارت پر پورا بھروسہ ہے۔" زوداس نے جواب دیا۔ "وہ بڑی تندہی اور لگن سے میرا علاج کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے جلد ہی اچھا کر دے گا۔ وہ تو شکر ہے میرے بازو کی ہڈی میں گولی اور نہاس کے جوڑنے میں کافی دن لگ جاتے۔ اب تو صرف گوشت میں زخم ہے اور وہ بھی زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ میں جلد ہی بھاگ دوڑ کے قابل ہو جاؤں گا۔"

میں اور ارقند وہاں سے چلے آئے۔

وہاں سے آنے کے بعد میں نے محافظ دستے کے تمام لوگوں کو اکٹھا ہو کر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میرے حکم کے مطابق دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرشے پر تمام لوگ جمع ہو گئے۔ وہ مسکراتی ہوئی مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے چہروں کے ساتھ مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی دلی خوشی کا ہر چہرے سے عیاں تھی۔

"ہم جانتے ہیں کہ کیسے مجھے یہ بتاؤ کہ قزاقوں کے تیر انداز دستے کا نائب دستے کے کتنے آدمی ہلاک اور کتنے زخمی ہوئے ہیں۔" میں نے اپنے نائب کو حکم دیا۔

نائب دستہ کے پانچ افراد جاں بحق اور چھ زخمی ہوئے ہیں۔" میرے پوچھنے پر اس نے فوراً جواب دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پہلے ہی سارا حساب کتاب کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ زخمی ہونے والوں میں چار افراد ایسے ہیں جن کی حالت محافظ دستے نہیں تھا۔ ان چار میں سے ایک زوداس بھی ہے۔"

اس اثنا میں نفرتیان بھی وہاں آ گیا تھا۔ اور ارقند پہلے سے موجود تھا۔

"محافظ دستے کے پانچ ہمدمی ہلاک اور چھ زخمی ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی چار مزید زخمی ہوئے ہیں۔" میں نے ارقند کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جو زخمی ہوئے ہیں، ان کا مطلب ہے کہ

کیا خیال ہے دوست، ہم بہت سستے میں چھوٹ گئے۔"

"ہم واقعی بہت سستے چھوٹ گئے۔" ارقند نے جواب دیا۔ "اگر قزاقوں کے ساتھ ہم کو لڑائی ہونی تو ہم نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس لڑائی کا کیا انجام ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہم تو لڑتے لڑتے مارے جاتے اور ہمارے تمام آدمیوں کو ہلاک کر کے سارا مال و اسباب لوٹ لیا جاتا۔"

"کیا باتیں ہو رہی ہیں دوستو؟" نفرتیان نے بڑے غور سے ہم دونوں کی گفتگو سنتے ہوئے پوچھا۔ وہ قزاقوں کے ہاتھوں جہاز کے بچ جانے پر بہت ہی خوش تھا۔

ارقند نے اسے بتایا کہ ہم لوگوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

"ارفن ٹھیک کہتا ہے۔" نفرتیان نے قدیم مصری زبان میں کہا۔ "بلاشبہ قزاقوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اگر ارفن کی غیر معمولی بہادری اور قدرت کی غیبی طاقت ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو خدا جانے ہم لوگوں کا کیا حشر ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔"

ارقند نے میرے لیے نفرتیان کی باتوں کا ترجمہ کر دیا۔

"میں نے آج رات جہاز پر ایک خصوصی جشن کا اہتمام کیا ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "پہلے تو ان لوگوں کی بہادری کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا جو قزاقوں کے تیروں سے ہلاک ہوئے اور جن کی روحیں عالمِ بالا کو پرواز کر گئیں۔ اس کے بعد زندہ بچ جانے والے لوگ دیوتاؤں کی عنایت میں اظہارِ شکر کے طور پر جشن منائیں گے۔"

ارقند یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور اس نے جلدی جلدی نفرتیان کی باتوں کو میرے لیے ترجمہ کر دیا۔ میں نے بھی اس کی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

اور اس رات واقعی بڑی دھوم کا جشن منایا گیا۔ جہاز میں خوب طور سے چراغاں کیا گیا اور گوشے گوشے میں قمقمے روشن کی گئی تھیں۔ زوداس نے زخمی ہونے کے باوجود باورچی خانے میں خود کھانے تیار کروائے اور تمام لوگوں کو طرح طرح کے لذیذ کھانے کھانے کو موقع ملا۔ کھانے کے بعد تیز و تند اور اعلیٰ درجے کی مشروبوں کا دور چلا۔ لیکن نفرتیان نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا کہ کوئی بھی شخص ضرورت سے زیادہ شراب پی کر آپے سے باہر نہ ہو جائے۔ وہ تمام لوگوں کی سختی کے ساتھ نگرانی کر رہا تھا۔

اس کے بعد رقص و سرود کی محفل جمی۔ میں ان سارے ہنگاموں سے دل و جان سے شریک تھا۔ لوگوں نے قدیم مصری زبان میں ملاحوں کے حسین و دلفریب گیت گائے۔ ایک شمس نے ہی گیتوں کا ایک مشہور و مقبول نغمہ گا کر سنایا۔ بعض لوگوں نے میری خوشنودی کی خاطر ارمینی زبان کے کئی گیت گائے۔ کچھ لوگوں نے ایسانی زبان کے گیت بھی گائے۔ گیت کے ساتھ ساتھ رقص کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ فرشتہ تقدیر آدھی رات تک خوب دھما چوکڑی مچی رہی۔ زوداس نے اپنی علالت کے باوجود اس

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہنگامے میں حصہ لیا اور اس نے یونانی زبان کے دو جملے بھی گائے۔

موسم نہایت خوشگوار تھا۔ خنکی، ٹھنڈی سمندری ہوا کے جھونکوں نے سب پر ہلکے نشے کا سا طاری کر دیا تھا۔ سارے لوگ بہت خوش تھے۔ اور میں نے محسوس کیا کہ پروفیسر کی اس خوشی کے عالم میں لوگوں نے ان پابندیوں کو بالکل فراموش کر دیا تھا جو قزاقوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے جشن کے شروع میں ان لوگوں کی یاد میں کچھ گھات لگے گئے تھے اور ان کی روحوں کے لیے سکون و مسرت کی دعائی گئی تھی اور بس۔ اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے ہنگاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ پھر کسی نے مجھ سے نہ انھیں یاد بھی نہیں کیا۔

رات بھیگ رہی تھی اور تھکے ہارے لوگ اب عرشے پر ہی گر کر سو رہے تھے۔ دماغوں پر شراب اور رقص و موسیقی کا نشہ طاری تھا اور آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسی عالم میں لوگوں نے عرشے پر ہی لیٹ لیٹ کر سونا شروع کر دیا۔ وہ سب کے سب نہایت مطمئن اور خوش و خرم تھے اور بہت تھکے ہوئے بھی تھے اس لیے لیٹتے ہی انھیں نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ میں بھی عرشے پر ہی ایک طرف لیٹ گیا۔ خود اوپر میں سارے جہاز پر سناٹا چھا گیا اور صرف وہ لوگ جاگ رہے تھے جو ڈیوٹی پر تھے۔ جہاز میانہ روی کے ساتھ شمال کی طرف رواں تھا۔ میں اس سناٹے کے عالم میں یہ سوچ رہا تھا کہ سمندر میں پہنچ کر جانے اب کون سے نئے ہنگامے میرے منتظر ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے تو یہی کہا تھا کہ میں کبھی ہند نہیں گیا ہوں، لیکن جیسا کہ مجھے معلوم ہے پروفیسر ہندوستان کو میرے لیے اجنبی ملک نہیں تھا لیکن ساتھ ہی مجھے اس کا علم بھی تھا کہ ہندوستان بذات خود ایک بڑا اور وسیع و عریض ملک ہے۔ اس سے پہلے میں ہندوستان کے شمالی حصے کے ایک چھوٹے سے علاقے میں گیا تھا۔ لیکن اس بار تھا یہ کہ مجھے جنوب یا مغرب کی طرف جانا تھا۔ کیونکہ میں بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان جا رہا تھا اور میرا جہاز فریقے سے ہندوستان کی طرف رواں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ جہاز یا تو ہندوستان کے مغربی علاقے کی کسی بندرگاہ پر جائے گا یا جنوبی علاقے کی کسی بندرگاہ پر۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ہند مختلف زبانوں، تہذیبوں، اور قدیموں کا گھر ہے اور میں خوش تھا کہ مجھے ایک بار پھر اس حسین و جمیل زمین کو دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ کئی خوف ناک حوادث میرے منتظر ہیں اور ہندوستان کے سفر کا شاندار خواب ابھی دور رہا ہوگا۔ میں ہندوستان کے خواب دیکھتا ہوا سو گیا۔ اور قسمت میرے حال پر مسکرا رہی تھی۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ یہ صبح گزشتہ تمام صبحوں سے مختلف تھی۔ میں نے پہلے تو اس کا سبب سمجھ نہیں پایا۔ پھر میں نے دیکھا کہ عرشے پر سوئے ہوئے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ بیشتر لوگ جاگ چکے تھے اور ان کی تعداد بھی بہت کم تھی جو ابھی تک سو رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی بہت کم تھی جو ابھی تک سو رہے تھے۔ ان کی تعداد بھی بہت کم تھی جو ابھی تک سو رہے تھے۔

آسمان پر دور دور تک نہایت گہرے اور سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ کالی گھٹاؤں کی کثرت نے سارے آسمان کو جیسے ڈھانپ لیا تھا ہر طرف بلکہ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور دن ہو جانے کے باوجود رات کا سا سماں تھا۔ سورج کا کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بادلوں کی سیاہ چادر نے سورج کو اپنے اندر چھپا رکھا تھا۔

"بڑے خوف ناک آثار ہیں۔" ارقند نے مجھ سے کہا جو ہمارے کمرے میں قریب ہی پڑ کر سو گیا تھا اور اب میرے ساتھ ہی بیدار ہوا تھا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔"

"آثار تو یہی بتا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اگر یہ گھٹا برس گئی تو قیامت بپا کر دے گی۔" ارقند نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیز ہوائیں ان بادلوں کو اڑا کر یہاں سے کہیں دور لے جائیں۔" میں نے کہا۔

"کاش ایسا ہی ہو۔" ارقند نے کہا۔ "لیکن آثار ایسے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ فضا میں گرمی کی کیفیت ہے اور یہ حالت کی علامت ہے کہ بارش ہوگی اور زور دار ہوگی۔ گھٹائیں جس انداز سے گھر کر آئی ہیں ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔"

اسی اثنا میں نفرتیان بھی وہاں آ گیا۔ وہ بھی خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔

"ارقند!" اس نے کہا۔ "میں نے کسی بڑے سمندری طوفان کے آثار دیکھ رکھے ہیں۔ ہوا کی تیزی اور ٹھنڈک میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تمہیں سے بچاؤ کے ضروری انتظامات کے لیے ملاحوں کو ہدایات دے دینی چاہئیں۔ ہنگامی صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے نفرتیان۔" ارقند نے کہا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ چلا آیا۔ ارقند ادھر ادھر گھوم پھر کر لوگوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں سارے ہی لوگ خود بخود آ گئے تھے۔ آسمان پر جمع ہونے والے بادلوں میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہوا کی تیزی آتی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سمندر کی موجوں کے متلاطم ہونے میں بھی نمایاں اضافہ محسوس ہو رہا تھا۔

"مورخ!" ارقند نے مجھ سے کہا۔ "اگر ہمارا یہ جہاز طوفان کی لپیٹ میں آ جائے تو تم میرے قریب رہنے کی کوشش کرنا۔ ویسے تو سمندر میں سفر کرنے والوں کے لیے سمندری طوفان کوئی نئی چیز نہیں ہوتے ان کے عادی ہوتے ہیں۔ میں خود بھی بارہا سمندری طوفانوں سے دوچار ہو چکا ہوں اور دیوتاؤں کی مہربانی سے ان سے صحیح سالم نکل آیا ہوں، لیکن آج جس طوفان کے آثار میں محسوس کر رہا ہوں طوفان میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا جتنے سیاہ اور گھنے میں اس وقت دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ میری دلی دعا ہے کہ ہوا ان بادلوں کو اڑا کر لے جائے اور جا رہیں۔ لیکن میری اور تمہاری دعاؤں سے کیا ہوتا ہے۔ ہوا

بروئے کاروں کی مرضی ہوگی۔ بہر حال میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ تم میرے پاس ہی رہنا۔"

"تم فکر مت کرو ارقند!" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہارے پاس ہی رہوں گا۔ تم سے جدا ہو کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

اس کے بعد ایک بار پھر ارقند نے ہنگامی حالات کی تیاری کے سلسلے میں ضروری ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ لوگ کشتیوں کو ٹھیک ٹھاک کس رہے تھے۔ بادبانوں کی رسیاں ڈھیلی کی جا رہی تھیں۔ پتواروں کے رخ تعین کیے جا رہے تھے۔ غرضیکہ طوفانی حالات سے نمٹنے کی ساری ضروری تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

اچانک آسمان پر بڑے زور سے بجلی چمکی اور بلاشبہ گویا بجلیوں کے بٹن کی ایک چڑچڑاتی ہوئی کھیپ چمکتی چلی گئی جس میں سے بیسیوں شاخیں نکلی ہوئی تھیں۔ بجلی کے چمکنے کے چند لمحوں بعد کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور آہستہ آہستہ بارش شروع ہو گئی۔ ہوا میں تیزی آ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی سمندر کی لہروں کا شور بڑھتا گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے بارش میں تیزی آتی گئی۔ شروع شروع میں یہ بوندیں چپ اور خوبصورت منظر تھا۔ دور دور تک فضا دھواں دھواں سی ہو رہی تھی۔ ہر طرف بارش کے دھویں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سمندر میں پانی تھا اور اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا۔ سمندر کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سیاہ بادلوں کی پھلجھڑیوں سے پانی کے فوارے ابل رہے تھے۔ زیادہ تر لوگ جہاز کے عرشے پر جمع تھے اور بارش کا منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن دم بدم بڑھتی ہوئی تاریکی اور تیز ہوتی ہوئی بارش کی وجہ سے ان کے چہروں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

یک بارگی بجلی بہت زور سے چمکی اور آسمان پر دور دور تک بجلی کے سانپوں جیسے سانپ بل کھانے لگے۔ اس کے فوراً بعد ایک خوف ناک دھماکا ہوا۔ اس کے بعد تو جیسے بجلی چمکنے اور دھماکے ہونے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا بجلیاں آج اپنے سارے ستیں نکال لیں گی۔

یک بیک بارش بہت تیز ہو گئی اور اس کے ساتھ ہواؤں میں تیزی و تندی آ گئی۔ ہواؤں میں تیزی کے آنے کے ساتھ ساتھ سمندر کی لہروں کی طوفانی کیفیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ جہاز کے بادبانوں کو بہت کچا جا رہا تھا۔ لیکن تیز ہوا پھر بھی بے ترتیب کر رہی تھی۔

کافی دیر گزر گئی۔ بارش یکساں رفتار سے ہوتے جا رہی تھی۔ ہوا کی تیزی بھی یکساں رفتار سے چل رہی تھی۔ اسی طرح سمندر کی لہریں بھی یکساں انداز میں تلاطم خیز ہو رہی تھیں۔

اگر ہوا اور بارش کا یہی انداز برقرار رہتے تو ہمیں کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ نفرتیان نے کہا۔ ارقند سے کہا۔ میں ان دونوں کے درمیان ایک ہی گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے سوالیہ انداز سے ارقند کی طرف دیکھا۔ ارقند نے نفرتیان کی بات کا یہ معنی لگایا کہ یہ طوفان ٹھنڈا ہو جائے گا۔

"نہیں۔" نفرتیان کی کوئی اضافت نہیں ہے کہ بارش اور ہواؤں میں کمی نہیں ہوگی۔" ارقند نے کہا۔

"تو پھر یہ طوفان تم کیا سمجھتے ہو؟" نفرتیان نے کہا۔ "ہم قضا و قدر کی قوتوں کے معاملات میں بھلا کیا دخل دے سکتے ہیں؟"

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش میں بڑی شدت پیدا ہو گئی یوں لگتا تھا کہ جیسے آسمان پھٹ پڑا ہے اور اس میں سے ایک سمندر ابل کر نیچے گر رہا ہے۔ بے پناہ زور و شور کے ساتھ بارش ہونے لگی۔ ہوائیں پاگل ہاتھیوں کے ہزار ہا غولوں کی طرح چنگھاڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسم کے تیور بے حد خطرناک ہو گئے۔ جہاز والوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

موجیں اب بہت زیادہ بپھر گئی تھیں۔ ان کی چنگھاڑ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہر طرف ایک قیامت کا شور بپا تھا۔ ہواؤں کی رفتار اور موجوں کی یلغار میں برابر اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور جہاز بڑی تیزی سے ہچکولے کھانے لگا تھا۔ موسلا دھار اور طوفانی بارش کے نتیجے میں جہاز کے اندر بہت سا پانی بھر گیا تھا اور کچھ لوگ پانی نکال کر پھینکنے کا کام کر رہے تھے۔ کچھ لوگ جہاز پر چڑھ کر ایک دوسرے کو ہدایتیں دے رہے تھے۔ لیکن اس شور میں آوازوں کا سننا سخت مشکل تھا۔

اچانک بارش اور زیادہ تیز ہو گئی۔ حلیموں کے دل دہلا دینے والے کڑاکوں کی شدت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ہواؤں کے جھکڑ اور زیادہ طوفانی ہو گئے اور موجیں نہایت خطرناک انداز میں بلند ہو ہو کر چنگھاڑنے لگیں، یوں معلوم ہوتا تھا گویا سمندر شدید غیظ و غضب کے عالم میں ہر چیز کو تہس نہس کر دینے پر تلا ہوا ہے اور بادل، بجلیاں بارش اور ہوائیں سب کی سب اس کی ہم نوا بن گئی ہیں۔ ہر طرف ایک قیامت کا سماں تھا۔ اس ہنگامے میں ہمارا جہاز جو اس بے تحاشہ بپھرے ہوئے سمندر کی ناقابل دہم پنہائیوں میں ایک حقیر اور بے مایہ تنکے کی طرح نظر آ رہا تھا، بری طرح ڈول رہا تھا۔ ہواؤں کے طوفانی جھکڑ اور غضب ناک موجیں ہمارے جہاز کو ادھر سے ادھر پھینک رہی تھیں۔ نفرتیان، ارقند اور دیگر تمام اہم لوگ عرشے پر جمع تھے۔ ان کے کپڑوں سے پانی کی دھاریں ٹپک رہی تھیں۔ بعض کے تو سر کی کے ماتھے دانت بج رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ لوگ بڑی ہمت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ جہاز کو بچانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔ انھوں نے ہار نہیں دیے تھے بلکہ جہاز کو ڈوبنے سے بچانے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ میں حسب معمول ارقند کے ساتھ موجود تھا اور جدھر جدھر وہ جاتا، ادھر ادھر میں اس کے ساتھ موجود ہوتا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

موجوں کے تھپیڑوں میں اب قدرے اضافہ ہو گیا تھا کہ بعض موجیں جہاز کے اوپر سے گزر جاتیں اور ہم سب کو اور پورے جہاز کو شرابور کرنے کے علاوہ پانی کی بہت بڑی مقدار جہاز کے اندر چھوڑ جاتیں۔ بہرصورت حال سمت خطرناک تھی اور اس طرح جہاز کسی بھی لمحے ڈوب سکتا تھا۔

موجوں کو یہ ہلاکت انگیز کھیل برابر جاری تھا اور جہاز والوں نے تمام احتیاطی تدابیر کو ترک کر کے خود کو قضا و قدر کی قوتوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اب ان کے بس میں کچھ نہیں رہا تھا۔ اور وہ طوفان کے ہاتھوں کو کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

طوفان کی شدت اور موجوں کے غیظ و غضب میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا گویا یہ چھوٹا سا طوفان ساری کائنات کو نگلنے کے لئے اپنی راہ میں آنے والی ہر چیز کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔ جہاز کی اب کوئی منزل نہیں تھی۔ اس کا اب کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ موجوں کے بے رحم تھپیڑوں سے کبھی ادھر اور کبھی ادھر ڈول رہا تھا۔ سمت اور راستے کا اب کوئی تصور باقی نہیں رہا تھا۔ جہاز ڈوبتا ڈوبتا نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گیا تھا۔

کئی گھنٹے گزر گئے اور یوں لگتا تھا گویا صدیاں گزر گئیں۔

طوفان اپنے پورے شباب پر تھا اور اس کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا تھا۔ جہاز پر موجود تمام لوگ اپنی اپنی زندگیوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب جہاز کے ڈوبنے میں زیادہ دیر باقی نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اب کوئی بھی وقت اپنے ایک تھپیڑے میں جہاز کو ڈبو کر ختم کر سکتی تھی۔

میں اور عرشہ پانی میں شرابور۔ جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے گرجتے برستے وہ موجیں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے طوفان کو دیکھ رہے تھے۔ بھلا کیا بساط بڑی چٹان نما وہ جو سمندر کے بیچ میں ابھری ہوئی تھی یہ خیال کہ کوئی بھی سایہ نما جزیرہ تھا ایک تیز و تند موج نے جہاز کو ڈھکیلا اور جہاز تیزی سے رڑھکتا ہوا اس ہیبت ناک چٹان سے ٹکرایا ایک بے حد خوف ناک دھماکے کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے عرشہ کو باہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چٹان سے ٹکراتے ہی جہاز پاش پاش ہو گیا اور اس کے ٹکڑوں کو سمندر کے جھاگ پھینکتے ہوئے پانی میں تیزی سے ادھر ادھر بہہ گئے۔ طوفان کے زبردست شور میں انسانی چیخوں کا شور دب کر رہ گیا۔ عرشہ کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور اس اٹھا پٹخ میں اس کے بازوؤں میں سنبھال کر چٹان پر پڑھ گیا تھا۔ اس وقت یہ چٹان ہی کسی انسان کے لیے سمندر پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح گھسٹتا گھسٹتا ان کر عرشہ کو اس چٹان پر لے آیا۔ چٹان پانی کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر بیٹھ کر اس پانی کے منظر کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ ہر طرف ایک ہلاکت آفرین سنسنہ چھایا تھا۔ جہاز کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے تیزی سے پانی میں بہتے چلے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی انسانی جسم بھی بہہ رہے تھے۔ کسی کو ایک گھنٹے سے پٹ کر بہتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک لمحہ دیر نے ڈوبتے اور تیرتے دونوں کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ کسی کا جسم چند لمحوں کے لیے سطح آب پر ابھرتا ہوا دکھائی دیا اور اس کے بعد بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب ہر طرف موت اور بربادی کا راج تھا۔ سیکڑوں میل کے دائرے میں میرے اور عرشہ کے علاوہ اور کوئی متنفس نہیں تھا۔

لیکن طوفان نے ارقند کو بھی نہیں بخشا اچانک موجیں اس کی زیادہ بلند ہونے لگیں اور اب وہ اس چھوٹے سے جزیرے پر چاروں طرف سے یلغار کر رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا گویا وہ اس کا بھی نام و نشان مٹا دینا چاہتی ہوں۔ ارقند سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے مایوس سہمی ہوئی نگاہ سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "لگتا ہے اب دونوں کی زندگی کا یہی آخری وقت ہے پہنچا ہے"

ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ پوری طرح ادا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک ہنگامہ خیز موج بلند ہوئی اور اس نے ہم دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں نے ارقند کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ تیز موج نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔ چند لمحوں بعد ارقند کا نام و نشان غائب ہو گیا اور میں موجوں کے بیچ بے یار و مددگار رہ گیا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور خود کو تیز و تند موجوں کے حوالے کر دیا۔ میرے کانوں میں طوفان کی پُرشور آوازیں برابر آ رہی تھیں اور میرا جسم پانی میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ مجھے نہ مرنے کی خوشی تھی اور نہ ہی کچھ کا پتا سلامت تھا۔ اور پھر مجھے بھلا ان چیزوں کی ضرورت ہی کیا تھی میں تو ان ساری پابندیوں سے بے پروا ہو چکا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے اوپر نیند طاری کرنے کی کوشش کی اور رفتہ رفتہ اعصاب پر سکتہ طاری ہوتا گیا اور میں سو گیا۔

جب دوبارہ میری آنکھ کھلی تو سمندر بے پناہ پرسکون تھا۔ نیلا آسمان روشن تھا اور چاروں طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر دور دور تک بادلوں کا کوئی نشان نہ تھا۔ ہوا کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ طوفان کے قطعی کوئی آثار نہیں تھے اور یہاں تک کہ سمندر میں کبھی طوفان آیا ہی نہ ہو۔

میں نے اپنی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ تین طرف گہرا نیلگوں اور پُرسکون سمندر تھا جو سفید سفید ریت پر تک پھیلا ہوا تھا اور جیسے چوتھی طرف ایک گہری سبز رنگ کی پٹی کوئی جزیرہ تھا۔ بہت بڑا بھرا بھرا جزیرہ جس کی سبزے سے ڈھکی ہوئی زمین مجھے نظر آ رہی تھی۔

میں نے جزیرے کی سمت میں تیرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر تیرنے کے بعد میں نے بالآخر زمین پر قدم رکھا۔ کافی دنوں کے بعد جسم نے زمین کے لمس کو محسوس کیا تھا۔

جزیرے کی زمین سمندر کی سطح سے کافی بلند تھی۔ میں نے پہلے اوپر پہنچنے کے لیے چڑھائی چڑھنا شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں اوپر پہنچ گیا۔ ہر طرف درخت ہی درخت تھے اور سبزہ ہی سبزہ تھا۔ نہایت پُرفضا منظر تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھتا گیا لیکن دور دور تک کسی انسانی آبادی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ ایک غیر آباد جزیرہ ہے۔

اچانک درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے مجھے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بغور اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹی چشمہ نما جگہ سے پانی اوپر سے نیچے گر رہا تھا اور اس پانی میں ایک نہایت حسین و جمیل عورت کھڑی تھی۔ اس پُراسرار ماحول میں کسی حسین پری کی مانند نظر آ رہی تھی۔

وہ عورت نہایت حسین و جمیل ہونے کے علاوہ بڑی دراز قد اور صحت مند تھی۔ وہ عام عورتوں کے مقابلے میں بڑی حد تک فالتو اور توانا تھی۔ اس کا قد مردوں کی طرح لمبا اور جسم کافی بھاری بھرکم تھا۔ لیکن اس بھاری پن کے باوجود وہ بے حد حسین تھی۔ اس کے خدوخال نہایت دلکش تھے۔ لمبے لمبے ریشمی سیاہ بال کمر تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کے بدن کا رنگ گندم کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ بھاری چشمے کے نیچے کھڑی تھی اور پانی اوپر سے نیچے گر رہا تھا اور چھینٹیں اڑ اڑ کر اس کے بدن پر گر رہی تھیں۔ اس طرح پانی گرنے کی وجہ سے فضا میں ہلکی ہلکی دھند سی پھیلی ہوئی تھی۔ اس دھند میں وہ عورت کسی طلسماتی کہانی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس ماحول میں بالکل مگن اور اطمینان کے ساتھ نہا رہی تھی۔ پانی کے اس بلند بلند دھموں میں نہاتی ہوئی

جگہ منتخب کی تھی۔ یہ جگہ گویا ایک پیالے کے اندر بند تھی اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں گویا دیوار کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔

میں نے آہستہ آہستہ ایک چٹان پر چڑھنا شروع کر دیا۔ عام سی اور کسی قدر پرشکستہ چٹان تھی۔ بہرحال میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔ میں اطمینان سے چٹان پر چڑھتا رہا کیونکہ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ جب میں اس چٹان کی چوٹی پر پہنچ گیا تو میرے سامنے جزیرے کا وہ حصہ تھا جو اس پیالہ نما پناہ گاہ سے باہر تھا۔ ہر طرف گھنے درختوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا اور بدنظر تک ہریالی ہی ہریالی نظر آتا تھا۔ میں نے چٹان سے نیچے اترنا شروع کیا۔ جیسے ہی میں نے چٹان سے نیچے اترنا شروع کیا میرے کانوں میں ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی اور میرا جسم ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ میں نے بے اختیار اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ ٹانگ کے نچلے حصے سے خون کا فوارہ بلند ہو رہا تھا۔ میں نے بے اختیار اپنی ٹانگ کو پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے کانوں میں ایک اور دھماکے کی آواز گونجی اور میرا بایاں بازو ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہوا اور پھر میرا جسم چٹان سے نیچے گرتا چلا گیا۔

میرا سر زمین سے ٹکرایا اور میرے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا اور پھر میرے ذہن میں اندھیرا چھا گیا۔

میرے ذہن میں روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ میرا سر شدید درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ میرا بایاں بازو اور بائیں ٹانگ بھی درد کر رہی تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا سر گھمایا۔ میں ایک چھوٹے سے غار میں موجود تھا۔ غار کا دہانہ بند تھا۔ اس میں سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا بایاں بازو اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ میرا بایاں بازو کہنی کے نیچے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ ہڈی کا ٹوٹا ہوا سرا میری کلائی کی جانب لٹک رہا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ ٹانگ کے نچلے حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی ٹانگ کو ہلانے کی کوشش کی۔ ٹانگ میں شدید درد ہوا۔ میں نے اپنی ٹانگ کو ہلانے کی کوشش ترک کر دی۔ میں نے اپنی ٹانگ کو دیکھا۔ ٹانگ کے نچلے حصے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ ایک زاویے کے ساتھ نیچے کی جانب جھکی ہوئی تھی۔ میں نے اس کی گردن کو دو جگہ سے جھکے ہوئے دیکھا۔ میں نے اپنی ٹانگ کو ہلانے کی کوشش ترک کر دی۔ میں نے اپنی ٹانگ

آخر آپ میں سے پہلے جاؤ۔ بعد میں کسی جگہ جا کر چھپ جانا۔ کل صبح جب وہ یہاں سے چلا جائے تو ہم کے بعد تم پھر آ جانا۔ اس وقت میں تمہیں علیحدہ سے بتا دوں گی۔"

"وہ کس وقت آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت آتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تم میری باتوں اور باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ جلدی کرو۔ اس گھنے اور بڑے جنگل میں تمہارے چھپنے کے لیے بہت سی جگہیں موجود ہیں۔ لیکن تم چٹانوں کے اس پار نہ جانا۔ ادھر جنگلی درندوں کا راج ہے۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس کی اس بات پر میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم کہ یہاں اس کے پاس آنے سے پہلے میں اس سارے خطرے کو بھگتا چکا ہوں اور بہت سے جنگلی درندوں سے میری مڈبھیڑ بھی ہو چکی ہے اور ایک خونخوار اور وحشی جنگلی چیتے کی لاش چٹانوں کے اس پار اب تک پڑی ہوگی جس پر جنگل کتے اور گدھ منڈلا رہے ہیں۔

"اگر تم اتنی ہی ضد کرتی ہو تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ ویسے میں تمہیں ایک بار پھر بتا دوں کہ میں کسی گریلے درندے سے نہیں ڈرتا ہوں۔"

میری بات سن کر وہ ہنسنے لگی۔ "یہ بات تم اس چیتے سے کہو جسے تم نے ابھی دیکھا نہیں ہے۔ وہ خوفناک و پرہیبت کا ایک پہاڑ ہے جو تمہارے جیسے معمولی تن و توش کے آدمی کے لیے اس سے مقابلہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں تو وہ ایک ہی وار میں ختم کر کے تمہارا گوشت کھا جائے گا۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم اس طرح اس کے ہاتھوں مارے جاؤ۔ اس لیے اب جلدی سے چلے جاؤ۔ صبح اس کے جانے کے بعد میں تم سے ملوں گی۔"

میں نے اس کی بات مان لی اور کیبن سے باہر نکل کر چٹانوں کی درمیانی کے درمیان سے آگے بڑھا۔ وہ کیبن میں سے جھانک کر مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے کچھ آگے نکلنے کے بعد قریب ہی ایک گھنے اور بلند درخت کا انتخاب کر لیا۔ اس درخت کے تنوں اور شاخوں میں چھپ کر میں آنے والے کی نقل و حرکت کا بخوبی جائزہ لے سکتا تھا اور اپنے آپ کو اس کی نظروں سے روپوش بھی رکھ سکتا تھا۔

میں نے منتخب کردہ درخت پر چڑھ گیا اور جلد ہی میں نے پتوں اور ٹہنیوں کی آڑ میں خود کو چھپا لیا۔ ظاہر ہے پردہ فہیم تھے اس گورے یا بن مانس کا، یا جو کوئی بھی وہ تھا۔ کوئی ڈر تو تھا نہیں لیکن محض اس عورت کا دل رکھنے کی خاطر اور اسے مطمئن کرنے کی غرض سے میں نے اس کی بات مان لی تھی۔ اب میں پتوں میں اس طرح روپوش ہو گیا تھا کہ نیچے سے کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

میرے درخت پر چڑھ جانے اور پتوں میں اچھی طرح چھپ جانے کے بعد وہ عورت بھی ٹہنیوں کی رسیوں کے سہارے کیبن سے نیچے اتر آئی اور اس درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا گویا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے ایک نظر اس درخت کی طرف غور سے دیکھا جس پر میں چڑھا تھا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ اس کے بعد وہ درخت کے نیچے اطمینان سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔

اب شام کا ہلکا ہلکا دھندلکا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ سورج مغرب کی جانب تیزی سے اپنا سفر طے کر رہا تھا۔

اچانک دور چٹانوں کی بلندی پر کوئی بھاری بھرکم اور سیاہ سی شے نمودار ہوئی۔ بیچ میں کبھی کبھی درختوں کی شاخوں کی آڑ ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے میں اس چیز کو صاف طور سے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ عورت جو کیبن والے درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی، ایک دم متوجہ ہو کر اس طرف دیکھنے لگی۔

دوسرے پہاڑوں کو پھلانگتی ہوئی نیچے اترنی شروع ہوئی۔ اب میں اسے ذرا صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ گورکھ دھاب بھی مجھ سے کافی دور تھی۔ وہ ایک سیاہ رنگ کا بھاری بھرکم جسم تھا جس کے ندود خال ابھی صاف طور پر نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی چال میں بھی بن مانس تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ قریب آتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کے خدوخال زیادہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اب میں اس کے پورے جسم کو بھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ یہ ایک بہت بھاری قد و قامت کا بن مانس تھا۔ اس کا جسم سیاہ اور گھنے بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ بن مانسوں کے مخصوص انداز میں کمر جھکا کر چل رہا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے پہلو میں لٹک رہا تھا اور دوسرے ہاتھ کو وہ سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ شاید اس نے کوئی چیز سنبھال رکھی تھی۔

بن مانس چٹانوں کو پھلانگ کر نیچے اتر چکا تھا اور اب بڑی تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں عورت درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اور میں وہ بے لمبے بے ڈنگ بھرتا ہوا عورت کے قریب آ گیا۔ اب اس نے اسے دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک ہاتھ سے بہت سے جنگلی جامن کھا رکھے تھے جنہیں وہ بیچنے لے جا رہا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بڑی تیزی سے ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں اور وہ چاروں طرف محتاط نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس سے مرعوب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی خطرناک ہتھیار موجود نہیں ہے۔

عورت کے قریب پہنچ کر اس نے خلاف سے عجیب و غریب آواز نکالی اور عورت کو وہ کھا کر وہ پھل بھی جو اس نے ایک ہاتھ سے سنبھال رکھے تھے اس کے سامنے ڈال دیے۔ عورت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بن مانس اپنی دونوں ٹانگوں پر زور دے کر اچھلنے اور خلاف سے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگا۔ شاید وہ عورت سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ فوراً ہی جنسی تعلق قائم کرنا چاہتا ہے۔

عورت بن مانس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔ بن مانس بھی

اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور سیاہ کھردرے اور بالوں بھرا ہاتھ اس کے سر پر پھیرنے لگا اور اس کے بالوں سے کھیلنے لگا۔ میں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی بن مانس کو کسی عورت سے اتنا مرعوب کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میری آنکھیں بڑی دلچسپی اور تعجب کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ عورت کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے بن مانس نے اپنا سیاہ بالوں بھرا بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور اسے اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ عورت فی الحال ساری باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے اس کے قریب بیٹھی رہی۔ بن مانس دوسرا ہاتھ بھی اس کی گردن میں ڈال کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ عورت نے بھی اپنے دونوں ہاتھ اس کے گرد حمائل کر دیے۔ بن مانس نے اس کے بعد اس کے چہرے کو اپنے چہرے کے قریب کیا اور اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیے۔ عورت نے بھی اس کا بوسہ لینا شروع کر دیا۔ بن مانس نے عورت کو اپنے سینے سے لگائے لگائے ہی زمین پر لٹا لیا۔ عورت نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بن مانس اس کے اوپر چڑھ گیا۔ عورت نے اپنی ٹانگیں اس کی کمر کے گرد لپیٹ لیں۔ بن مانس نے اپنے دونوں ہاتھ عورت کے سر کے نیچے رکھ لیے اور اس کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں میں لے کر چوسنے لگا۔ عورت نے بھی اس کے ہونٹوں کو چوسنا شروع کر دیا۔ بن مانس کے ہونٹ عورت کے ہونٹوں سے ہٹ کر اس کے گالوں، کانوں اور گردن پر پھرنے لگے۔ عورت کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکاریاں نکلنے لگیں۔ بن مانس کے ہونٹ عورت کے سینے پر پہنچ گئے۔ اس نے عورت کی قمیض کے بٹن کھولنے شروع کر دیے۔ عورت نے بھی اس کی مدد کی۔ بن مانس نے عورت کی قمیض اتار کر پھینک دی۔ عورت کے سینے پر دو بڑے بڑے سڈول پستان نمودار ہوئے۔ بن مانس نے ان پستانوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبانا شروع کر دیا۔ عورت کے منہ سے سسکاریاں نکلنے لگیں۔ بن مانس نے اس کے پستانوں کو اپنے منہ میں لے کر چوسنا شروع کر دیا۔ عورت کی سسکاریاں تیز ہو گئیں۔ بن مانس نے عورت کی شلوار کھینچ کر اتار دی۔ عورت نے بھی اس کی مدد کی۔ بن مانس نے اپنا بھی ازار بند کھول کر اپنا ازار اتار دیا۔ اس کا جسم بالکل ننگا ہو گیا۔ عورت بھی بالکل ننگی ہو گئی۔ بن مانس عورت کے اوپر چڑھ گیا۔ عورت نے اپنی ٹانگیں اس کی کمر کے گرد لپیٹ لیں۔ بن مانس نے اپنا ہاتھ نیچے لے جا کر اپنے عضو تناسل کو پکڑا اور اسے عورت کی ٹانگوں کے درمیان داخل کر دیا۔ عورت کی سسکاریاں بلند ہو گئیں۔ بن مانس نے اپنے کولہے ہلانے شروع کر دیے۔ عورت کی سسکاریاں اور بلند ہو گئیں۔ بن مانس کے کولہے تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ عورت کی سسکاریاں چیخوں میں تبدیل ہو گئیں۔ بن مانس کے کولہے اور تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ عورت کی چیخیں بلند

میرے سامنے وسیع و عریض سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان بھی بالکل تاریک تھا۔ چاند کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ البتہ ستارے ٹمٹما رہے تھے لیکن ان کی روشنی بھی زمین پر پہنچنے سے پہلے دم توڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ گہری خاموشی میں سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں سمندر میں ساحل کے قریب ابھری ہوئی ایک چٹان پر جا بیٹھا۔ موجیں تیزی سے اور جارحانہ انداز میں بھاگتی ہوئی آتی تھیں اور چٹان سے ٹکرا کر لوٹ جاتی تھیں۔ میں کئی گھنٹے تک یوں ہی بیٹھا ہوا موجوں کے اس کھیل کو دیکھتا رہا اور میرا دماغ نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتا رہا۔ میرے ذہن میں ماضی کے ہزارہا قصے اپنی یادیں تازہ کرتے رہے اور میں ان یادوں کے اوراق کو الٹتا پلٹتا رہا۔

آخر کئی گھنٹے وہاں بیٹھے رہنے کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور پیدل جزیرے کے جنگل میں داخل ہو گیا۔ تاریکی میں میں نے اپنی راہ تلاش کر لی اور اسی درخت کی جانب روانہ ہو گیا جہاں میں شام کو بیٹھا ہوا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ چھتنار درخت بڑا ہی ہیبتناک نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر تاریکی میں ڈوبا ہوا وہ درخت نظر آ رہا تھا جس پر لکڑی کا زینہ بنا ہوا تھا۔

میں اپنے والے درخت پر ایک بار پھر چڑھ گیا اور میں نے ایک ازبدہ جگہ تلاش کر لی جہاں میں کچھ سوئی سی شاخوں سے لپٹ کر بہم دراز ہو گیا اور نیند کی آغوش میں سو گیا۔

ہتھیلیوں کی گرمی دہکتے کوئلوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ سارے جنگل میں ایک شور بپا تھا۔ پرندوں کی چہکاروں سے یوں لگتا تھا کہ درختوں کی ایک ایک ٹہنی سے پھوٹ رہی ہو۔ جس درخت پر میں بیٹھا ہوا تھا اس پر بھی ہزار ہا پرندوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں فوراً متحمل کر بیٹھ گیا۔ صبح صادق کا ہلکا ہلکا اجالا ہر طرف پھیل رہا تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں تازگی، نمی اور فرحت انگیز خنکی اور نرم خرامی تھی۔ درخت کے پتے شبنم کی بوندوں سے بھیگے ہوئے تھے۔ بیحد پُر فضا اور خوشگوار ماحول تھا۔ میرا جی چاہا کہ درخت سے نیچے اتروں اور دور دور تک آگے ہوئے سبزے پر ٹہل قدمی کروں۔ لیکن میں نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ فوری طور پر بن مانس کی نظروں میں آ جاؤں اور وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجبوراً مجھے اس کو ہلاک کر دینا پڑے۔ میں پہلے اس عورت سے اس کے اپنے بارے میں، اس بن مانس کے بارے میں اور یہاں کے حالات کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا اور اس وقت ابھی خاموش رہنے میں ہی مصلحت تھی۔

جب اجالے میں خوب اضافہ ہو گیا تو میں نے اپنے آپ کو اور بھی اچھی طرح پتوں میں چھپا لیا کہ میں بن مانس کی نظر بچا کر نیچے اتر پائے۔ میری نظریں اب کیبن والے درخت کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ آخر جب اجالا اچھی طرح پھیل گیا تو میں نے پہلے بن مانس کو جٹاؤں کی سیڑھی کے ذریعے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑے ماہرانہ انداز میں رسیاں پکڑتے ہوئے نیچے اترا۔ پھر ٹھاٹھ سے باہر وہ نیچے زمین پر کھڑا ہوا تھا اور اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب عورت جٹاؤں کی سیڑھی کے ذریعے نیچے اتری۔ وہ بھی چند لمحوں بعد وہ بھی نیچے اتر آئی اور وہ دونوں ایک طرف چل دیے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان کا رخ ایک بار پھر چشمے کی طرف تھا۔ میں اپنی جگہ پر اطمینان سے بیٹھا رہا۔ جب وقت عورت نے کہا تو ہوشیاری سے کام لیا تھا اور ایک بار بھی درخت کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بن مانس کی توجہ اس درخت کی جانب منعطف نہیں کروانا چاہتی تھی۔

وہ دونوں دیکھتے ہی دیکھتے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے لیکن میں نے نیچے اترنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اسی طرح اوپر بیٹھا رہا۔ آخر کچھ دیر بعد وہ دونوں دوبارہ آتے ہوئے نظر آئے اور کیبن والے درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ کل شام کو بن مچھلی لایا تھا۔ ان میں سے بہت سے پھل ابھی بھی درخت کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ بن مانس اور عورت پھلوں کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور بن مانس گزشتہ شام کی طرح اسے پھل اٹھا اٹھا کر دینے لگا۔ عورت نے چند پھل کھائے اور پھر ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

بن مانس نے حلق سے عجیب و غریب آواز نکالی اور عورت کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عورت آہستہ سے مسکرائی اور اس نے اپنا ہاتھ بن مانس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بن مانس چند ثانیے تک اس کے شانے پر ہاتھ رکھے رہا۔ پھر اس نے ہاتھ ہٹایا اور آہستہ آہستہ طویل چٹانوں کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ عورت اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ درخت کے نیچے میں بھی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چٹانوں کے قریب پہنچ کر بن مانس نے ایک بار مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا جہاں اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی بن مانس کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ بن مانس نے ایک بار پھر اپنے حلق سے بھیانک آواز نکالی اور پھر چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

اس کے غائب ہو جانے کے بعد بھی کافی دیر تک عورت اسی طرح کھڑی ہوئی چٹانوں کی طرف دیکھتی رہی۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی اس درخت کی طرف نہیں دیکھا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے بھی نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی۔

آخر جب کافی دیر ہو گئی اور عورت کو یقین ہو گیا کہ اب بن مانس کی واپسی کافی الحال کوئی امکان نہیں ہے تو اس نے پلٹ کر اس درخت کی طرف دیکھا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے شناسائی کا شکل دکھائی اور اس نے مسکرا کر مجھے نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ میں اشارہ پاتے ہی فوراً نیچے اتر آیا۔ عورت ٹیک کر میرے پاس آئی۔ اس نے بڑے ارسائیت کے انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تم نے بات بڑی مشکل میں گزاری ہوئی۔" میں نے کہا۔ "لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ تمہاری جان بچانے کے لیے ضروری تھا کہ تم اس دیو کی نظروں سے روپوش رہتے۔"

"اب کہاں گیا ہے؟" اس نے عورت سے پوچھا۔

"جناب جنگل کی سیر کرنے گیا ہے۔ درختوں پر چڑھنے گا اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگائے گا۔ پھر سے گا۔" عورت نے کہا۔ "یہ اس کا روزمرہ معمول ہے۔"

"کیا اب یہ شام ہی کو واپس آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" عورت نے جواب دیا۔ "یہ ایک بار دوپہر کے وقت بھی آئے گا۔ اس وقت یہ میرے لیے بہت سے پھل وغیرہ لے کر آئے گا اور مجھے جھولی کر کے کھلائے گا۔ تھوڑے بہت خود بھی کھائے گا۔ ویسے یہ اپنا پیٹ زیادہ تر شام کو آتا ہے۔ دوپہر میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میرے ساتھ گزارنے کے بعد یہ دوبارہ جنگل میں واپس چلا جاتا ہے اور پھر شام کو پلٹ کر آتا ہے۔"

"یہ تمہیں اپنے ساتھ اندر جنگل میں نہیں لے جاتا؟" میں نے پوچھا۔

"بہت ہی کم۔" عورت نے جواب دیا۔ "صرف دو ایک مرتبہ یہ مجھے اپنے ساتھ لے کر گیا ہے۔ چٹانوں کے اس پار بے شمار خطرناک جانور اور جنگلی درندے موجود ہیں اور اسے خوف رہتا ہے کہ کوئی جانور حملہ کر کے مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔"

"اوہ ـــــ لڑکی! یہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔" میں نے کہا۔

میرے اس سوال کے جواب میں عورت کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ "میں ایک بدنصیب عورت ہوں جو اس وحشی کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہوں اور نہ جانے کب تک پھنسی رہوں گی۔ مجھے ترس ہے اب سے اپنی نجات کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ شاید اب میں مر کر ہی اس عذاب سے نجات پا سکے گی۔"

"ناامید ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے عورت سے کہا۔ "مجھے تمہارے دکھ کا پورا احساس ہے اور میں تمہیں جلد ہی اس مصیبت سے نجات دلا دوں گا۔"

میری اس بات کے جواب میں عورت کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہے ہو۔ اس وحشی کے پاس طاقت ہے۔ وہ بڑے بڑے قوی ہیکل جانوروں کو آن کی آن میں ہلاک کر ڈالتا ہے۔ تم اس سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور پھر تمہارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی موجود نہیں ہے۔ تم بھلا اس پر کس طرح قابو پا سکتے ہو؟ ایک بار تمہاری گردن اس کے ہاتھ میں لگی تو پھر کوئی اس کے چنگل سے نہیں بچا سکتا۔ اس کے بعد تمہاری تخلیق ہے۔"

"خیر، ان باتوں کو چھوڑو۔" میں نے کہا۔ "تم سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کیا حالات تھے جن کے تحت تم یہاں پہنچ گئیں اور اس بن مانس نے تمہیں اپنا قیدی بنا لیا؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں پوری کہانی سنا کر تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ میں مختصراً اپنے حالات تمہیں بتائی ہوں۔ میرا نام ہمایہ ہے۔ میرا تعلق خانہ بدوشوں کے بڑے قبیلے سے ہے۔ تم جانتے ہو کہ خانہ بدوشوں کا کوئی وطن نہیں ہوتا اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ تاہم جس علاقے میں ہم لوگ عام طور پر سفر کرتے رہتے تھے وہ کوہ قفقاز کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ ہم لوگ مسلسل گروہوں میں رہتے تھے اور کسی ایک جگہ پندرہ بیس سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ میرا شمار اپنے قبیلے کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا اور قبیلے کے کئی گبرو نوجوان میرا ہاتھ تھامنے کے خواہش مند تھے۔ لیکن میرے باپ نے ابھی تک میری قسمت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔۔۔۔

"ایک شام کا ذکر ہے کہ میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ شام کے وقت چشمے سے پانی بھرنے جا رہی تھی۔ ان دنوں ہم لوگ ایک گھاٹی کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور اگلے چند دنوں میں ہمارا یہاں سے رخت بھجانے کا ارادہ تھا۔ میں اور میری سہیلی اپنے اپنے گھڑے سروں پر رکھے ہوئے چشمے کی جانب جا رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کوئی آٹھ دس گھڑ سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ ان لوگوں نے آناً فاناً ہمیں گھیر لیا اور ہم سے پوچھنے لگے کہ ہم لوگ کون ہیں اور شام کے اس وقت میں کہاں جا رہے ہیں۔ ہم دونوں سخت گھبرا گئے۔ پڑاؤ ہم سے بہت دور تھا اور آس پاس ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی بھی موجود نہیں تھا جو ہماری مدد کو آ سکے۔ ہم نے جلدی جلدی ان لوگوں کو بتایا کہ ہم خانہ بدوش لڑکیاں ہیں، ہمارا پڑاؤ یہاں سے قریب ہی ہے اور ہم لوگ چشمے سے پانی بھرنے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص جوان کا سردار معلوم ہوتا تھا ہم سے کہنے لگا کہ اگر ہم ان لوگوں کے ساتھ چلیں تو وہ ہمیں خانہ بدوشی کی زندگی سے نجات دلا دیں گے اور دولت سے مالا مال کر دیں گے۔ ہم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور آگے جانے کے لیے قدم بڑھائے ان لوگوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کی اور آناً فاناً ہم دونوں کو گرفتار کر لیا۔ ہم چیختے چلاتے ہی رہے لیکن انھوں نے ہماری ہتھکلیں کس لیں اور ہمیں گھوڑوں پر ڈال کر لے چلے۔۔۔۔

"یہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ وہ لوگ بستیوں سے بچتے ہوئے جا رہے تھے اور جنگلوں جنگلوں سفر کر رہے تھے۔ جب کوئی بستی نزدیک آتی تو ان میں سے کوئی ایک دو آدمی بستی میں چلے جاتے اور کھانے پینے کا سامان اور پانی لے آتے اور پھر سفر جاری ہو جاتا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں چلتے ہوئے کتنے دن گزر گئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ یہ مخلوق سفر کبھی ختم ہی نہیں ہو گا۔

"آخر ہم ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے یہاں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

سے ایک بہت بڑی کشتی حاصل کی اور سترہ گھوڑوں کے اس میں سوار ہو گئے۔ اب ہمارے سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا جو کوئی دن تک جاری رہا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جاتے تھے دریا کا پاٹ چوڑا ہوتا جاتا تھا اور اس کے بہاؤ میں بھی تیزی آتی جاتی تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ ہم لوگ دریا کے کنارے آباد ایک شہر میں جا پہنچے۔ ہم دونوں کو راستوں اور منزلوں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ہمارے گزر کرنے والوں نے ہماری رسیاں کھول دی تھیں کیونکہ اب انھیں ہماری طرف سے فرار ہونے کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ ہم فرار ہو کر کہاں جا سکتے تھے، ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہم کہاں ہیں اور نہ ہم اس شہر میں کسی کو جانتے تھے۔ میں اور میری سہیلی دونوں رو رہے تھے اور ان لوگوں کی خوشامد کر رہے تھے کہ ہمارے ٹھکانے پر واپس پہنچا دیں۔ لیکن ان لوگوں کا دل نہ پسیجا۔ بالآخر ہم نے صبر کر لیا ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم اپنے لوگوں میں کبھی واپس نہیں جا سکیں گے۔ ہم نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔

"کچھ عرصہ کے بعد ہمارے سمندری سفر کا آغاز ہوا۔ ہمیں نے اور میری سہیلی نے اس سے پہلے کبھی سمندر نہیں دیکھا تھا۔ اسقدر برق رفتار اور وسیع و عریض دریا کو دیکھ کر ہمارے ہوش اڑ گئے اور ہمیں بیحد خوف محسوس ہوا۔ ڈر کے مارے ہمکا پنے لگے۔ لیکن ہمارے آقاؤں نے ہماری ہمت بندھائی اور یہ کہا کہ اس سمندری سفر کے بعد ہماری قسمتیں بدل جائیں گی۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ہمیں ایک بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں جہاں ہم محل میں رہیں گے اور خوب عیش کریں گے۔ ہمیں کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا اور بہت اچھے کھانے کھانے کو اور عمدہ کپڑے پہننے کو ملیں گے۔۔۔۔

"جس جہاز میں ہم سفر کر رہے تھے اس میں ان سب لوگوں کے علاوہ جنھوں نے ہمیں گرفتار کیا تھا اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ نہ جانے یہ کون لوگ تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ ہمیں ان لوگوں سے ملنے جلنے اور بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اور گرفتار کرنے والوں میں سے ایک آدمی ہمیشہ ہمارے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ہماری منزل کون سی ہے اور ہم کہاں جا رہے ہیں۔ سمندری سفر کی زندگی ہمیں بہت عجیب و غریب محسوس ہو رہی تھی۔۔۔۔

"ہمیں سمندر میں سفر کرتے ہوئے کوئی دس پندرہ دن کا عرصہ گزرا ہو گا کہ اچانک ایک دن ہمارا جہاز طوفان میں گھر گیا۔ بڑا سخت اور ہولناک طوفان تھا۔ میں نے اور میری سہیلی نے بھلا اس سے پہلے سمندری طوفان کہاں دیکھا تھا۔ ہمارے ہوش اڑ گئے۔ لیکن ہوش صرف ہمارے ہی نہیں اڑے تھے۔ ہمیں ان تمام لوگوں کے ہوش اڑے ہوئے نظر آ رہے تھے جو ہمارے ساتھ جہاز میں سفر کر رہے تھے اور جن میں جہاز کے گرفتار کرنے والے بھی شامل تھے۔ جہاز سمندر کی بھیانک موجوں میں ایک تنکے کی طرح ڈول رہا تھا اور کچھ دیر بعد سمندری موجوں کے تند و تیز تھپیڑوں نے جہاز کو الٹ دیا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ نجانے کتنے گھنٹوں کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو جہاز سے الگ ہوئے ٹوٹے ڈھانچے اس جزیرے کے ساحل پر پڑا ہوا تھا جہاں اس وقت میں تم موجود ہیں۔ جہاز کے مسافروں میں سے ایک شخص کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ شخص مجھے اور میری سہیلی کو گرفتار کرنے والوں میں ایک تھا اور اس کا نام تاتم تھا۔ پورے جہاز میں صرف دو آدمی زندہ تھے، ایک میں اور ایک تاتم۔ تاتم کے جسم پر کافی زخم آئے تھے اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ میں بالکل زخمی نہیں ہوئی تھی۔

"میں اور تاتم اس جزیرے پر رہنے بسنے لگے۔ ہم دونوں کی اب ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئی تھیں اور دونوں ایک ہی جیسے کا شکار تھے۔ جزیرے پر رہنا آسان نہیں تھا۔ یہاں ہر وقت جنگلی درندوں اور وحشی جانوروں کا خطرہ موجود رہتا تھا۔ دوسرے ہمارے رہنے کے لیے کوئی مناسب جگہ بھی نہیں تھی۔ تب تاتم کی تجویز پر میں نے اور تاتم نے تباہ شدہ جہاز کے ڈھانچے سے تختے، لٹھے اور کیل نکال کر اس درخت پر مکڑی کا یہ چھوٹا سا مکان بنایا۔ ہمیں کام میں کئی مہینے لگ گئے اور محنت بھی بہت کرنی پڑی۔ لیکن ہمارا مکان بنانے میں کامیاب ہو گئے اور پھر ہم نے اس میں باقاعدہ رہنا شروع کر دیا۔ ہمارے کھانے کے لیے یہاں چیزوں کی کمی نہیں تھی۔ پرندوں کے درخت بڑی تعداد میں موجود تھے اور ہم ان پر گرفتار تھے۔ کبھی کبھار ہم ان پھوٹے موٹے ہتھیاروں کی مدد سے جو ہمیں شدہ جہاز کے ڈھانچے سے حاصل کیے تھے کسی چھوٹے سے جانور کا شکار کر لیتے تھے اور اس طرح ہمیں گوشت کھانے کو مل جاتا تھا۔

"کافی عرصے تک میں اور تاتم ساتھ رہتے رہے۔ ہم دونوں کے اس محفوظ مکان میں میاں بیوی کی حیثیت سے رہتے تھے دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے رفیق زندگی کے طور پر قبول کر لیا تھا۔ جزیرے کا یہ حصہ اونچی اونچی چٹانوں سے گھرا ہونے کی وجہ سے درندوں سے محفوظ تھا۔ پانی بھی قریب ہی موجود تھا۔ اس لیے یہاں سے نکل کر دور جانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ دونوں کے پاس خوراک کی تلاش کے بعد جو بھی وقت بچتا وہ ہم پر گزرتے اور اس عرصہ میں وہاں گھنٹوں بیٹھے رہتے کہ شاید بھولا بھٹکا جہاز ادھر سے گزرے اور ہم اسے اپنی طرف متوجہ کر لیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دن پر دن گزرتے چلے گئے اور کوئی جہاز ادھر سے نہیں گزرا۔ ہماری مایوسی میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ ایسا نظر آنے لگا کہ ہمیں اپنی بقیہ زندگی اس ویران جزیرے پر گزارنی پڑے گی۔

"اور پھر ایک دن اچانک ہم دونوں نے دیکھا کہ ہمارے دشمن تاتم کو ہلاک کرنے کے درپے تھے۔ اچانک ایک بھیانک اور کریہہ آواز نے ہمیں دہلا دیا۔ ہم نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ایک بن مانس کو کھڑے ہوئے نظروں سے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ ابھی ہم دونوں کچھ فیصلہ کر پائے تھے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے کہ اچانک اس بن مانس نے

پر حملہ کر دیا اور اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا، جیسا کہ تم نے اسے دیکھا ہے، وہ بیحد بھاری بھرکم اور طاقتور بن مانس ہے۔ اس نے فوراً ہی تاتم کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور اسے بری طرح دبانے لگا۔ بیچارہ تاتم کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔ اس کے حلق سے چند گھٹی گھٹی چیخیں نکلیں اور چند لمحوں میں اس نے دم توڑ دیا۔ میں ایک طرف کھڑی ہوئی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میرے حواس جیسے مفلوج ہو گئے اور میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ میں تاتم کو بچانے کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔۔۔۔

"بن مانس نے تاتم کے جسم کو دو تین زور زور سے جھٹکے دیے اور پھر اسے ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ میں خوفزدہ ہو کر بھاگی۔ میرا رخ اس درخت کی طرف تھا جس پر ہم نے مکڑی کا مکان بنایا ہوا تھا۔ بن مانس مجھے بھاگتے دیکھ کر تیزی سے میری طرف لپکا لیکن وہ زیادہ تیز دوڑ نہیں سکتا تھا۔ میں آناً فاناً درخت کے نیچے پہنچ گئی اور میں نے جٹاؤں کو پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس دوران بن مانس قریب آ چکا تھا اور کچھ دور کھڑا ہوا بڑے غور سے میری اس حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ میں جلدی جلدی چڑھتی ہوئی اوپر پہنچ گئی اور مکان کے اندر داخل ہو گئی۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ میں کسی طرح بھی اس بن مانس کی دسترس سے بچ نہیں سکوں گی اور وہ جلد ہی جٹاؤں کے سہارے چڑھتا ہوا اوپر آ جائے گا اور مجھے بھی اسی طرح ہلاک کر ڈالے گا جس طرح اس نے تاتم کو ہلاک کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب میرا آخری وقت قریب آ گیا اور مجھے اس ظالم بن مانس کے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔۔۔۔

"میرے خدشات بالکل صحیح ثابت ہوئے۔ ذرا دیر میں بن مانس جٹاؤں کی سیڑھی پر چڑھ کر اوپر آ گیا اور مکڑی کے مکان میں داخل ہو گیا۔ میں خوف کے مارے ایک طرف کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئی۔ بن مانس مجھ پر فوراً حملہ آور نہیں ہوا بلکہ دروازے کے قریب ٹھہر گیا اور عجیب عجیب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ بڑی دیر تک گھورتی رہی اور وہ اسی طرح مجھے گھورتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ میری طرف قریب سرکنا شروع کر دیا۔ میرے پاس فرار کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں زیادہ سے زیادہ کونے میں دبکی جاتی تھی اور وہ بڑا آہستہ آہستہ میری طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب و غریب چمک تھی۔ میرا رواں رواں خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ میں سوچنے لگی کہ میں نے اور تاتم نے مکڑی کے مکان میں گھر کر غلطی کی۔ کیونکہ یہاں تو میں کسی چوہے کی طرح چھپ کر جان میں بچ گئی تھی۔ اگر میں نیچے کھلی فضا میں ہوتی تو بن مانس کی گرفت سے بچنے کے لیے ادھر ادھر بھاگ سکتی تھی اور ممکن تھا کہ کوئی جائے پناہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔ لیکن یہاں کوئی جائے فرار کا سوال ہی نہیں تھا۔ موت میری آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی اور میں نے اپنے آپ کو دلی طور پر مرنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ بن مانس میرے بالکل قریب آ گیا اور میرے اور اس کے درمیان محض چند انچ کا فاصلہ باقی رہ گیا، اور تب میں سخت حیران ہوئی جب اس نے بھاری بھرکم بھدا اور سیاہ ہاتھ اٹھا کر بڑی نرمی سے میرے شانے پر رکھ دیا پھر اس نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی میرے شانے پر رکھ دیا اور اس کے بعد اس نے مجھے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ میں کوئی مزاحمت نہ کر سکی، میں مزاحمت کر بھی نہیں سکتی تھی۔

"تب سے میں اس خوفناک بن مانس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ اس نے مجھے اپنی محبوبہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ وہ میرے کھانے پینے کا بھی خیال رکھتا ہے اور روزانہ کافی مقدار میں پھل میرے لیے لے کر آتا ہے جبکہ میں تمھیں بتا چکی ہوں، وہ میرا کوئی بھائی بند کہیں سے بھی دور دور تک نہیں لاتا ہے۔ اس کے بعد وہ چلا جاتا ہے اور پھر شام کو واپس آتا ہے۔ اس تمام عرصے کے دوران میں جزیرے کے اس حصے میں رہتی ہوں جو بڑے جنگلی جانوروں کی پہنچ سے دور اور محفوظ ہے۔ مجھے اس بن مانس کے ساتھ رہتے ہوئے خاصی مدت گزر رہی ہے۔ اب تو مجھے ماہ و سال کا حساب بھی یاد نہیں رہا۔ تاتم کے مرنے کے بعد سے میں نے کسی انسان کی یہاں شکل نہیں دیکھی، تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے اس جزیرے پر دیکھا ہے۔ میں اب بھی سمندر کے کنارے جاتی ہوں اور وہاں گھنٹوں بیٹھی ہوئی اس بات کا انتظار کرتی رہتی ہوں کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا جہاز، کوئی بھولی بھٹکی کشتی ادھر سے گزرے اور مجھے دیکھ لے۔ شاید میں کبھی دوبارہ انسانی دنیا میں واپس جا سکوں۔ میں نے اپنے بارے میں تمھیں سب کچھ بتا دیا ہے اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم مجھے دوسرے انسانوں سے بہت مختلف نظر آتے ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں سنہری رنگت کی جلد والا کوئی انسان آج تک نہیں دیکھا۔ تمھارے بال بھی سنہرے رنگ کے ہیں۔ تمھیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے تمھیں چاندی کی کرنوں سے بنایا ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے، تم کون ہو اور اس ویران اور دور افتادہ جزیرے پر تم کس طرح آ گئے۔"

نام کا مسئلہ تو میرا حل ہو چکا تھا پروفیسر۔ میں اسے اپنا نام کیا بتاتا لیکن اسے مطمئن کرنے کی غرض سے مجھے اپنا کوئی نہ کوئی نام تو بتانا ہی تھا۔ اس کے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ میں چند لمحوں تک خاموشی کے ساتھ غور کرتا رہا اور پھر میں نے دل ہی دل میں اپنے لیے ایک نام کا انتخاب کر لیا۔

"میرا نام فرڈیس ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور میری داستان بھی تمھاری داستان سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ میں بھی ایک جہاز پر سوار تھی اور جہاز پر موجود لوگوں نے کئی قبیلوں کی زبان۔۔۔ کوئی بول کتا ہوں۔ گو کہ میں نہایت بد نصیب ہوں۔ لیکن کوئی عرصہ ہوا میں اپنے قبیلے کو چھوڑ کر وطن سے باہر چلا گیا تھا اور میں نے کافی عرصہ دوسرے ملکوں میں گزارا۔ اب میں جہاز کے ذریعہ ملک ہندوستان کی طرف جا رہا تھا کہ جہاز کو ایک زبردست طوفان نے آ گھیرا۔ جہاز ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہو گیا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہو گیا اور اس میں سوار سارے لوگ ہلاک ہو گئے۔ قسمت نے مجھے اس بڑے سے پرانے جہاز پر میری تم سے ملاقات ہو گئی۔ تمہاری داستان واقعی بڑی دردناک ہے اور میں تمہاری مدد کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں تمہیں بن مانس کے چنگل سے ضرور نجات دلاؤں گا۔"

"نہ نہ نہ۔" وہ بدحواسی سے گھبرا کر بولی۔ "ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ ایک لمبی مدت کے بعد مجھے ایک انسان کی شکل دیکھنی ہے اور تم اسے کھونا نہیں چاہتی۔ میں کسی قیمت پر بھی تمہیں خطرے میں نہیں ڈالوں گی۔ تمہیں بن مانس کے سامنے نہیں آنا ہے۔ اگر اس نے تمہیں دیکھ پایا تو وہ پلک جھپکتے میں تمہیں ہلاک کر ڈالے گا اور تم کسی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اور میں اتنی جلدی تم سے محروم ہونا نہیں چاہتی۔ تم اپنے آپ کو بن مانس کی نظروں سے پوشیدہ رکھو۔ شاید کبھی ہمیں ایسا موقع مل جائے کہ ہم اسے ہلاک کر سکیں۔ یہاں سے ہمارے فرار کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

میں اس کی باتوں پر دل ہی دل میں مسکرا تا رہا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے ایک گوری بچی تھی اور میری جسمانی ساخت بھی ایسی نہیں تھی جس کی بنا پر وہ یہ توقع کر سکے کہ میں بن مانس کا مقابلہ کر سکوں گا۔ تاہم میں نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔

"مگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں فوری طور پر بن مانس کے سامنے نہ آؤں تو میں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "چند روز انتظار کر لیتے ہیں۔ میں کوئی برج نہیں گھما رہا۔ لیکن اس کے بعد میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ اور تم یقین کرو کہ اس کو ہلاک کرنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔"

"نہیں فروس۔" ماریسہ نے کہا۔ "ہمیں بڑی احتیاط اور ہوشمندی سے کام لینا ہو گا۔ میں نے کہا نا کہ میں کسی قیمت پر بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

وہ پہر تک میں اور ماریسہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ وہ بھلے سے میرے بن مانس کے بارے میں میرے قبیلے کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھتی رہی اور میں دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔ بھلا پردھیر میرا کون سا بچپن تھا۔ اس کے بارے میں میں اسے بتاتا؟ چنانچہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے میں نے اسے ٹال دیا۔ اب دوپہر ہو گئی تھی اور بن مانس کے آنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ مجھے تو اس کی کوئی فکر نہیں تھی، لیکن ماریسہ کو اس بات کی بڑی فکر تھی۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں دوبارہ اسی درخت پر چڑھ کر ہتھوں میں چھپ جاؤں جہاں میں نے رات گزاری تھی۔

اس کے اصرار پر میں درخت پر چڑھ گیا اور میں نے اپنے گپ کو ہتھوں میں چھپا لیا۔ ماریسہ کہیں ولے درخت کے نیچے آرام سے بیٹھ گئی اور بن مانس کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بن مانس اور پگی بلائوں کے اوپر نمودار ہوا اور وہاں سے عجیب عجیب آوازیں نکالنا شروع کرنے لگا۔ وہ ماریسہ کے قریب آ رک گیا۔ اس کے ہاتھوں میں بہت سے پھل تھے جو اس نے ماریسہ کے سامنے ڈال دیے۔ ماریسہ ہاتھوں سے صاف کر کے پھل کھانے لگی۔ بن مانس حیوانی آوازیں نکال اپنی سمجھ میں کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے بعد وہ بن مانس پھر لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بن مانس اٹھا اور حیوانی آوازیں نکالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ماریسہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بن مانس اپنے بھدے جسم کے ساتھ بڑا ہوا پشتوں کے اوپر پہنچا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ میری نظروں سے اوجھل ہو جانے کے کچھ دیر بعد ماریسہ نے درخت کی طرف دیکھ کر مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ نیچے اتر آؤں۔ میں نیچے اتر آیا۔

"چلو اب چشمے پر چلتے ہیں۔" ماریسہ نے کہا۔ "وہاں چل کر خوب نہائیں گے۔"

تھوڑے کے بعد ہم دونوں چشمے سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ جہاں نرم زمین اور سبزہ تھا اس کی ہوئی تھی لیٹ کر اطمینان سے باتیں کرنے لگے اور باتیں کرتے ہی کرتے نہ جانے کب ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم دونوں سو گئے۔

اچانک ایک تیز خوف ناک اور کریہہ آواز نے ہماری نیند میں خوشگوار خلل ڈال دیا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ جدھر سے شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا، پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ہم نے کچھ فاصلے پر دیو پیکر بن مانس کھڑا ہوا خونی نظروں سے ہمیں گھور رہا تھا۔

ماریسہ کے منہ سے ایک ہیبناک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اس کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ ماریسہ کا سارا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے تحت خوف اور دہشت کے عالم میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور پیچھے کی طرف گھسٹنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہم دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوں۔

بن مانس تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے جھپٹ کر میری گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ ماریسہ کے منہ سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ بن مانس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد کس دیے تھے اور وہ بڑی زور لگا کر میری گردن کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور تب میں نے اپنے ایک ہاتھ سے اسے زور کا دھکا دیا۔ میری گردن اس کے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہو گئی اور وہ قلابازی کھا کر دور جا گرا۔ میں نے اسے بالکل آہستہ سے دھکا دیا تھا۔

پھندی لمحوں بعد وہ دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس نے حلق سے ایک بار پھر خوفناک آواز نکالی اور میری طرف آنا ہوا لپکا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ چکا تھا اور شاید بدحواس ہونے کے قریب تھا۔ میں نے اب اس قصے کو ختم کر دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جیسے ہی بن مانس میری طرف لپک کر میرے قریب آیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اسکی داڑھی اور گھنیری گردن پکڑ لی۔ بن مانس نے بہت جھٹکے سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کہ اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے سینے پر گوشت ادھیڑنے کی کوشش کی لیکن اس میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ میرے ہاتھوں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔ بن مانس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ نرم پڑتی جا رہی تھیں کہ یکایک میں نے رفتہ رفتہ اپنا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں ابل پڑیں اور اس کی زبان باہر نکل آئی۔ اس کا پورا جسم میرے بازوؤں میں جھولنے لگا۔ میں نے ایک نظر ماریسہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اب بدل گئے تھے۔ ان میں اب خوف کی جگہ حیرت موجود تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے بن مانس کی گردن کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور پھر اس کا جسم گرتی ہوئی پر گرا دیا۔ ایک دھماکے کے ساتھ اس کا جسم زمین پر گرا۔ تھوڑی دیر تک وہ کانپتا رہا اور پھر اس کے بعد ساکت ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے جسم کو پیر سے دھکیلا۔ وہ بے جان ہو چکا تھا۔

ماریسہ چند لمحوں تک تو دور کھڑی ہوئی کبھی مجھے دیکھتی تھی کبھی بن مانس کو۔ پھر وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آئی۔

"کیا تم نے اسے واقعی ہلاک کر دیا ہے فروس؟" اس نے بے یقینی کے انداز میں مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے آنکھوں سے دیکھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "اور چاہو تو ابھی دیکھ لو۔ اس کے تن مردہ میں اب کوئی جان باقی نہیں ہے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے کیا فروس؟"

"تم اس بارے میں زیادہ مت سوچو۔" میں نے ماریسہ سے کہا۔ "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس بن مانس کو ہلاک کر دینا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور دیکھو یہی جو کچھ کہتا تھا وہ میں نے کر دکھایا۔"

"تم واقعی ٹھیک کہتے تھے۔" اچانک ماریسہ مجھ سے لپٹ پڑی۔ "تم بہت بہادر اور بہادر ہو۔ تمہارے اندر طاقت اور قوت کا خزانہ چھپا ہے۔ اگر پہلے میں ایسے نظر نہیں آتے تھے تم نے اس قدر طاقتور دشمن کو انتہائی آسانی سے ہلاک کر کے ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں تم کو بتاتی ہوں۔ تم کو جسیم تم سے کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لیکن جب بن مانس نے اس کی گردن دبائی تو وہ بے چارہ حرکت نہیں کر سکا اور اس طرح تم کو کر گیا۔"

شادمانی کے مارے ماریسہ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے اور وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ اس نے اپنے شانے پر رکھ دیا اور میرا شانہ اس کے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔

"کیا بات ہے ماریسہ؟ تم رو کیوں رہی ہو؟" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں فروس۔" اس نے کہا۔ "آج ایک لمبی مدت کے بعد مجھے اپنے انسان ہونے کا احساس ہوا ہے۔ ورنہ میں تو اس جانور کے ساتھ رہتے رہتے خود بھی جانور بن گئی تھی اور مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ میں اسی طرح حیوانی زندگی گزارتے ہوئے ایک دن اس بے نام جزیرے پر مر جاؤں گی اور مرتے وقت بھی کسی انسان کی شکل نہیں دیکھ سکوں گی۔ لیکن دیوتاؤں کا بڑا کرم ہے کہ انہوں نے میرے حال پر کرم کیا کہ میری نجات کے لیے تمہیں یہاں بھیج دیا۔ اب کم از کم مجھے ایک انسان کی رفاقت تو حاصل ہے۔"

"تم اس رفاقت پر خود اندازہ لگا سکتی ہو ماریسہ۔" میں نے جواب دیا۔

شام ڈھل گئی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ چشمے کے کنارے جہاں ہم دونوں موجود تھے، اب بالکل اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہم نے کچھ فاصلے پر مردہ بن مانس کا جسم پڑا ہوا تھا جو اندھیرے کی وجہ سے ایک سیاہ ڈھیر کی مانند نظر آ رہا تھا۔

ہم نے ماریسہ کا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں اپنے مسکن کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگلی صبح ماریسہ کی زندگی کی ایک نئی صبح تھی۔

"فروس۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ ہم کیا کریں گے۔ کیا ہم اپنی ساری زندگی اس ویران جزیرے پر گزار دیں گے؟ کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی؟"

"یہاں سے نکلنے کی ایک ہی سبیل ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ کوئی جہاز ادھر سے گزرے اور ہمیں اپنے ساتھ لیتا جائے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ جزیرہ سمندر میں کس جگہ واقع ہے۔ اور یہاں سے قریب ترین ملک یا شہر کون سا ہے۔ اس صورت میں اگر ہم اس جزیرے سے نکل کر جانا بھی چاہیں تو کہاں جائیں گے؟ فرض کرو کہ ہم دونوں مل کر کچھ دنوں کی محنت سے ایک کشتی تیار کر لیں اور اس میں بہت سا سامان خورد و نوش اور پینے کا پانی رکھ کر سفر پر روانہ ہو جائیں تو بھی کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا یہ سفر کتنے دنوں کا ہو گا۔ ممکن ہے ہماری کشتی میں موجود کھانا اور پینے کا سب سامان ختم ہو جائے اور ہم بھوکے پیاسے ہی مر جائیں۔ اگر کہیں کوئی آبادی، کوئی ساحل نہیں ملا تو پھر ہم سمندر میں ہی بھٹکتے رہیں گے اور اسی عالم میں ہماری موت واقع ہو جائے گی۔"

میں ماریسہ سے اس کے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک میرا اپنا تعلق تھا تو میں کسی بھی وقت یہاں سے جہاں چاہتا جا سکتا تھا، لیکن ماریسہ کو ساتھ لے کر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا وہ ایک عام انسان تھی اور اس کی انسانی ضروریات تھیں جنہیں نظر انداز کر کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔

ماریسہ میری بات سن کر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر غور کرنے لگی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو فروس۔ یہاں سے ہمارا بچ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ کوئی جہاز اس علاقے کی طرف جائے اور جب تک ایسا نہیں ہوتا ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ ہمیں ان دنوں میں ایک بات بتانا چاہتی ہوں اور وہ یہ کہ تم اتنے اچھے انسان ہو، تم اسقدر خوبصورت اور دلنواز شخصیت کے حامل ہو کہ میں اس ویران جزیرے پر تمہارے ساتھ پوری زندگی ہنسی خوشی گزار سکتی ہوں۔ یقین کرو جب تک تم میرے ساتھ ہو، اس وقت تک مجھے اس بات کی کوئی خاص فکر نہیں ہے کہ میں انسانی آبادی میں ہوں یا انسانی آبادی سے دور۔ میں یہاں بھی زندگی کے دن گزار سکتی ہوں۔

تم بالکل ٹھیک کہتی ہو مارلیسہ۔" میں نے اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تم دل و جان سے عزیز ہو اور میں تمہارے ساتھ ساری زندگی گزار سکتا ہوں۔ مجھے بھی اس بات کی کوئی فکر نہیں ہے کہ میں آبادی میں رہ رہا ہوں یا ویرانے میں۔"

اس دن سے میں اور مارلیسہ ایک ساتھ رہنے لگے۔ یہ بڑی عجیب و غریب زندگی تھی۔ پروفیسر اور میری طویل زندگی کا یہ ایک نہایت دل چسپ اور انوکھا تجربہ تھا۔ میں ایک حسین و جمیل نوجوان عورت کے ساتھ ایک جزیرے پر بالکل تن تنہا رہ رہا تھا۔ اس جزیرے پر ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا انسان نہیں تھا۔ ہم دونوں ہی اس عجیب و غریب تجربے سے گزر رہے تھے۔

میں اور مارلیسہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ میں جہاں بھی جاتا، کبھی تنہا نہیں جھوڑتا تھا مبادا کوئی جنگلی جانور اس پر حملہ آور ہو جائے یا اسے کوئی اور نقصان پہنچ جائے۔ اس دوران کئی ایسے واقعات پیش آئے جب مجھے اپنی غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کرنا پڑا کیونکہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں تھا۔ مارلیسہ میری مہارت اور شجاعت کو دیکھ کر حیران تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر میں کس گرفت و پرداخت کا بنا ہوا انسان ہوں۔ میں نے اس کے بیحد اصرار پر ٹالنے کی غرض سے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میرے اوپر بعض دیوتاؤں کا سایہ ہے اور وہ مشکل کے وقت میری مدد کرتے ہیں اور مجھے خصوصی طاقت عطا کر دیتے ہیں۔ مارلیسہ میرے اس جواب سے بالکل مطمئن ہو گئی۔

میں اور مارلیسہ روزانہ صبح کو چشمے پر نہانے کے بعد سیدھے ساحل پر پہنچ جاتے اور پھر سارا دن وہیں بیٹھے رہتے۔ ہماری نظریں سمندر کی پہنائیوں میں دور دور تک جھانکتی پھرتیں اور کسی جہاز کی جھلک میں سرگرداں رہتیں۔ لیکن دن پر دن، ہفتے پر ہفتے اور سال پر سال گزرتے چلے گئے اور کسی جہاز کی جھلک تک ہمیں نظر نہ آئی۔ ہم دونوں ایک مخصوص زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ ہمارے دن ساحل کے مدار میں اور پھر ہم جنت کے موسم میں رہنے والے وقت سے بے پروا ہو جاتے۔ ہمارا گزارہ صرف جنگلی پھلوں پر نہیں تھا بلکہ میں کافی شکار بھی مار لیتا تھا اور پھر ہم لوگ سمندر سے مچھلیاں بھی پکڑتے رہتے تھے۔ اس لیے ہماری غذا میں کئی چیزیں شامل ہو گئی تھیں۔

[illegible] اس بات کا احساس تھا کہ اب میرا واپس جزیرے پر جانے کا کوئی [illegible] میں تھوڑی دیر تک تمہارا انتظار کرتی اور جانتے ہو اس کے [illegible] کیا کرتی؟ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں خود کو سمندر کی موجوں کے [illegible] کر دوں گی۔ تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا اب میں تصور بھی نہیں [illegible] تمہارے علاوہ میرا ہے کون جس کے سہارے میں زندہ [illegible] تمہارے بغیر تنہا اس ویران جزیرے پر رہ کر میں کیا کرتی؟" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

شاید احساس ندامت کے ساتھ میں نے آگے بڑھ کر اسے [illegible] لگایا۔ "تم اتنی پریشان نہ ہو مارلیسہ۔" میں نے اس کے شانے [illegible] ہوئے کہا۔ "دیکھ لو میں زندہ سلامت ہوں اور تمہارے [illegible] موجود ہوں۔ بات صرف آنی جانی تھی کہ میں تیرتے تیرتے زیادہ [illegible] گیا تھا اور مجھے وقت کا احساس نہیں رہا تھا لہٰذا واپسی میں بھی [illegible] وقت لگ گیا۔ مجھے معاف کر دو مارلیسہ آئندہ تم سے ایسی غلطی نہیں [illegible]

مارلیسہ نے محبت کے نشے سے بے خود ہو کر میرے دونوں [illegible] کو پکڑ لیے اور انھیں والہانہ انداز میں اپنی آنکھوں سے رگڑنے لگی۔

"کل صبح سے اب تک کہاں بیٹھی ہو؟" میں نے محبت بھرے [illegible] میں اس سے پوچھا۔

"ہاں فردس۔" اس نے ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب [illegible] میں کل صبح سے یہیں بیٹھی ہوں۔ بھلا میں یہاں سے کہاں جا سکتی [illegible] تمہارے بغیر جزیرے پر کس طرح واپس جا سکتی تھی؟"

میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں وہاں سے چل دیے۔ سب [illegible] میں اسے چشمے کے نیچے لایا جہاں ہم دونوں نے طلوع ہوتے [illegible] آفتاب کی مدھم روشنی میں فرحت بخش غسل کیا اور اس کے بعد میں [illegible] میں لے گیا۔ وہاں کافی مقدار میں پھل موجود تھے۔ میں نے مارلیسہ [illegible] کے ساتھ مل کر پھل کھائے اور خود بھی تھوڑے بہت کھائے۔ [illegible] ہم دونوں لیٹ کر بے خبر سو گئے۔ اس دن میں نے فیصلہ [illegible] کہ جب تک مارلیسہ کی زندگی ہے، میں اسے چھوڑ کر کہیں نہیں [illegible] خود مجھے کتنے ہی لمبے عرصے کے لیے اس ویران جزیرے پر [illegible] تنہائی زندگی بسر کرنا پڑے۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ میرے [illegible] زندگی کی سادہ وسائل و غیرہ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے معلوم [illegible] تھا کہ ہر حال میں زندہ رہنا ہی ہے۔ لیکن مارلیسہ دنیا کے تمام [illegible] کے برعکس ایک نہایت مختصر سا نایاب عقیدہ رکھتی تھی اور وہ یہ [illegible] کہ جب تک اس کے ساتھ کوئی ہستی تھی اور وقت کے لامحدود اور ناپیدا کنار [illegible] میں سے بعض

کر دو گے۔" ایک دن مارلیسہ نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

"میری فکر مت کرو مارلیسہ۔" میں نے محبت سے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں ہر حال میں زندگی گزارنے کا عادی ہوں اور گزار لوں گا۔ میری طرف سے کسی بھی قسم کی پریشانی کو اپنے دل میں جگہ مت دو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تم مرنے کے بارے میں مت سوچو۔ ابھی تم زندہ رہو گی بہت دنوں تک۔"

"میں جانتی ہوں فریوس کہ ایسا نہیں ہے۔" اس نے ایک لمبی سی ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو۔ ہر انسان کی زندگی میں ایک آخری وقت آتا ہے اور میری زندگی میں بھی وہ وقت آ رہا ہے جلد ہی۔ میں تم سے رخصت ہو جاؤں گی تم تنہا رہ جاؤ گے۔ بس یہی دکھ ہے جو مجھے پریشان کیے جا رہا ہے۔ ورنہ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

مجھے اس بات کا کچھ کچھ احساس تھا کہ مارلیسہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ درست ہے۔ اب واقعی اس کا آخری وقت قریب آ گیا تھا۔ میں بھی سچ کہوں اس خیال سے بہت پریشان تھی کہ اس کے بعد میں اس جزیرے پر تنہا رہ جاؤں گا۔ تاہم میں آخر وقت تک اسے دلاسہ تسلی دیتا رہا۔

آخر ایک دن مارلیسہ مر گئی۔

مجھ محبت ہے بے پروا فیصلہ کر اپنی طویل اور ہنگامہ خیز زندگی میں مجھے جن عورتوں کی موت کا صدمہ سے زیادہ قلق ہوا ہے، مارلیسہ ان میں سے ایک تھی۔ یوں تو میں نے بہت سی عورتوں کے ساتھ ان کے رفیق زندگی کے طور پر دن گزارے تھے اور وہ مر کر ہی مجھ سے جدا ہوئی تھیں لیکن مارلیسہ کی بات ہی دوسری تھی۔ مارلیسہ کے ساتھ میں نے بالکل مختلف انداز میں اپنی زندگی کے دن گزارے تھے۔ اس دسیع و عریض جزیرے پر صرف ہم دو انسان تھے۔ اور ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اس لیے ہماری زندگیاں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مربوط ہو کر رہ گئی تھیں۔

میں نے مارلیسہ کی لاش کو بڑے احترام کے ساتھ اسی درخت کے نیچے، جس پر کیبن بنا ہوا تھا، ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا اور اس پر بہت سے جنگلی پھول ڈال دیے۔ اس درخت کے اوپر خالی کیبن بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

مارلیسہ کے انتقال کے بعد میں نے پندرہ دن اس ویران جزیرے میں اور گزارے۔ اب یہاں میرے علاوہ کسی دوسرے انسان کا وجود نہیں تھا۔ گزرے ہوئے ماہ و سال کے ساتھ ایک طویل کہانی محترم ہو گئی تھی۔ میری اور مارلیسہ کی رفاقت کی طویل کہانی۔ اب میں آزاد ہو چکا تھا اور مجھے ایک نئے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ اب اس جزیرے پر میرے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ مجھے ایک بار پھر ہنگاموں اور شور و شغب سے بھرپور زندگی کی طرف واپس لوٹ جانا تھا۔ مجھے نہ کسی زاد راہ کی ضرورت تھی اور نہ کسی سواری کی۔ بس ایک بار سفر کا عزم کر لینا کافی تھا۔ چنانچہ میں نے عزم کر لیا اور ایک دن علی الصباح سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

میں نے اطمینان سے تیرنا شروع کر دیا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ سارا دن گزر گیا اور میں تیرتا رہا۔ نامعلوم و ویران جزیرہ اب بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ مارلیسہ کی قبر بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ مارلیسہ کی آخری یاد میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اب میری آنکھوں سے بالکل نامعلوم اور ویران جزیرے میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ لیکن مارلیسہ کا چراغ اب بھی میرے دل میں روشن تھا۔ میں تیرتا جاتا تھا اور اپنی زندگی کے ان بیتتے ہوئے ماہ و سال کو یاد کرتا جاتا تھا جو میں نے مارلیسہ کی پُرلطف رفاقت میں اس بے نام جزیرے پر گزارے تھے۔ مارلیسہ بوڑھی ہو کر خاک کا پیوند ہو گئی تھی اور میں ویسا ہی ہمیشہ کی طرح تر و تازہ، سدا بہار، نوجوان۔

اس بار میں نے فیصلہ کیا تھا پروفیسر کہ کسی جہاز میں سوار ہوں گا، بلکہ خود ہی تیرتا ہوا کسی انسانی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ایک عرصے سے میں سمندروں اور جہازوں کے بھنور میں پھنسا تھا اور اب میں اس سے نکلنا چاہتا تھا۔ اب میں کسی ویران جزیرے پر نہیں، بلکہ بھری پُری اور تہذیب یافتہ انسانی آبادی میں جانا چاہتا تھا۔ مہذب دنیا سے کٹے ہوئے مجھے بہت دن ہو گئے تھے۔ اس بار میں خشکی سے عرصے کے لیے مہذب دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹ جائے اور وہ بھی ایک جہاز کے ذریعے۔ اگر میں اس جہاز میں سفر کرتا تو ایک بار پھر مہذب دنیا تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن وہ جہاز طوفان میں ہو گیا اور مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ ایک عجیب و غریب جزیرے پر ایک خانہ بدوش عورت کے ساتھ گزارنا پڑا۔

میں نے ایک طویل عرصے تک اپنا سفر جاری رکھا۔ اس عرصے کے دوران کئی جہاز مجھے دور سے نظر آئے۔ لیکن میں نے کسی طرف پیشقدمی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان سے دور دور رہا اور وہ آہستہ آہستہ دور سمندر کی وسعتوں میں غائب ہو گئے۔

آخر ایک دن شام کے جھٹپٹے میں مجھے دور بہت دور کشتیوں کے بادبان اور جہازوں کے مستول نظر آئے گئے۔ میں گیا کہ اب میں مہذب دنیا کی کسی بندرگاہ کے قریب پہنچ رہا ہوں۔

میں تھوڑی دیر تک اور تیرتا رہا اور اب میں بندرگاہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور ہر طرف اندھیرا رہا تھا۔ بہت سی کشتیوں اور جہازوں پر شمعیں روشن کر دی گئی تھیں اور ان کی روشنی دور سے عجب بہار دکھا رہی تھی۔ ایک لمبی مدت بعد انسانوں سے آباد ایک شہر کے آثار دیکھ کر میرا دل خوشی سے بھر گیا۔

میں آہستہ آہستہ اور اطمینان سے تیرتا رہا اور آخر میں بندرگاہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ یہاں بیسیوں کشتیاں لنگر انداز تھیں

چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی کشتیاں تھیں۔ کئی جہاز بھی یہاں لنگر انداز تھے لیکن اب میرے سامنے ایک مسئلہ تھا۔ میں پانی سے باہر کس طرح نکلوں۔ میرے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا اور انسانی آبادی میں بغیر لباس کے پانی سے برآمد ہونا اپنا تماشا بنوانا تھا۔ مجھے ہر صورت میں اپنے لیے کسی نہ کسی لباس کا بندوبست کرنا تھا۔

آخر اس مسئلے کا بھی میں نے ایک حل نکال لیا۔ میں نے پانی سے سر نکال کر آس پاس کی کشتیوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ کئی کشتیوں میں لوگ تھے اور بعض کشتیاں ایسی بھی تھیں جو بالکل خالی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے ایک ایسی کشتی کا انتخاب کیا جو دوسری کشتیوں سے ذرا فاصلے پر تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھ کر کشتی کے اندر داخل ہو گیا۔ اتفاق سے کشتی بالکل خالی تھی۔ میں نے کشتی میں داخل ہو کر چاروں طرف اچھی طرح جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے ایک میلی کچیلی سی چادر پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے جلدی سے وہ چادر اٹھائی اور دوبارہ سمندر میں کود گیا۔

اب میں ساحل کے ایک ایسے حصے کی طرف بڑھ رہا تھا جو نسبتاً سنسان نظر آ رہا تھا۔ ذرا دیر میں میں اس طرف پہنچ گیا۔ وہاں جا کر میں نے اپنے آپ کو پانی سے باہر نکالا اور خشکی پر آ گیا۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا اور اندھیرے میں مجھے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں چادر کشتی میں سے اٹھا کر لایا تھا وہ بالکل گیلی ہو گئی تھی۔ لیکن میں نے گیلی چادر کو ہی اپنے جسم پر لپیٹ لیا۔ تیز سمندری ہوا چل رہی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ چادر تھوڑی دیر میں سوکھ جائے گی۔ چادر کر جسم پر اچھی طرح لپیٹ لینے کے بعد میں آگے بڑھ آیا۔

میں اندھیرے سے نکل کر بندرگاہ کے روشن حصے میں آ گیا جہاں کافی چہل پہل تھی۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ خانابدوش دکانوں پر طرح طرح کے کھانے پک رہے تھے جن کی خوشبو فضا میں بسی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ زیتون کے تیل میں مچھلی تلی جا رہی تھی اور لوگ مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ اندھیرے میں مگر چہ شکلیں صاف نظر نہیں آ رہی تھیں تاہم مجھے یہاں ادھر ادھر گھومتے ہوئے لوگوں میں مختلف نسلوں اور مختلف قومیتوں کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ چونکہ اندھیرا کافی تھا اس لیے میرے بے ڈھنگے لباس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ میری میلی چادر، جو پانی میں بھیگ کر اور زیادہ میلی ہو گئی تھی، میرے جسم کے گرد بڑے بے ڈھنگے پن سے لپٹی ہوئی تھی اور میں اس عجیب و غریب لباس میں کوئی عجیب الخلقت شے معلوم ہو رہا تھا۔

میں کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔ اب رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تھا اور بندرگاہ کے بازار کی رونق میں آہستہ آہستہ کمی ہونے لگی تھی۔

دکانیں بند ہونے لگی تھیں اور لوگ رخصت ہونے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اب فضا میں آدمیوں کے بھونکنے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو بازار میں تنہا پایا۔ اتفاق کا آدمی اب بھی آ جا رہے تھے۔ میں اس مشکوک حالت میں زیادہ دیر تک بازار میں نہیں رہنا چاہتا تھا کیونکہ اس وقت میرا موڈ کوئی جگہ تلاش کرنے کا نہیں تھا جہاں میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں رات گزار سکوں۔ اور جلد ہی مجھے ایک ایسی جگہ مل گئی۔ یہ ایک غیر آباد دکان تھی۔ اس کی چھت کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا اور دیواریں بھی پورے طور پر سلامت نہیں تھیں۔ میں اس ٹوٹی ہوئی اور غیر آباد دکان میں داخل ہو گیا۔ اور اس کے کچے فرش پر لیٹ کر اطمینان سے سو گیا۔ ایک بہت ہی لمبی مدت کے بعد مجھے انسانوں سے آباد ایک شہر کے اندر سونے کا اتفاق ہو رہا تھا۔

رات بھر میں اطمینان اور سکون کے ساتھ سوتا رہا۔ سمندر کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے مجھے بہت فرحت بخشی اور بڑے مزے کی نیند آئی۔ علی الصباح میں بیدار ہو گیا۔ بندرگاہ پر زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہو گیا تھا۔ لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے اور دکانیں بھی کھلنی شروع ہو گئی تھیں۔

مجھے نہ تو یہ معلوم تھا کہ یہ کون سا شہر ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ یہ کس ملک کا حصہ ہے اور اس پر کن لوگوں کی حکومت ہے، یہاں کون سی زبان بولی جاتی ہے اور لوگ کس قسم کے ہیں۔ بہرحال ان ساری چیزوں کے بارے میں مجھے معلوم کرنا تھا۔

میں نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی، جس وقت میں زمین پر لیٹا تھا اس وقت وہ چادر بالکل گیلی تھی جسے میں نے جسم سے لپیٹے ہوا تھا۔ گیلی چادر میں خوب مٹی لگ گئی تھی۔ بعد میں ہوا لگ لگ کر خشک ہو گئی تھی اس طرح چادر بہت ہی غلیظ ہو گئی تھی اور میں اس لباس میں بالکل کوئی فقیر معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن بہرحال مجھے اس لباس میں گزارہ کرنا تھا۔

میں ٹوٹی ہوئی دکان سے نکل کر باہر آ گیا اور بازار میں کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی میرے قریب سے گزرا۔ اس نے میرے اوپر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سکہ نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما کر آگے چلتا بنا۔ میں اسے حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے مجھے دو کوئی فقیر سمجھ کر خیرات دی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس صورتحال پر مسکرانے لگا۔ اس قسم کا واقعہ میرے ساتھ زندگی میں پہلی مرتبہ پیش آیا تھا۔ مجھے اب تک فقیر کسی نے نہیں سمجھا تھا۔ سو اب میں فقیر بھی ہو گیا۔ میں دل ہی دل میں اس دلچسپ بات پر خوب ہنسا۔

تھوڑی دیر تک میں اس دکان کے آگے کھڑا رہا اور پھر میں نے وہاں سے چلنا شروع کر دیا۔ بندرگاہ کے علاقے سے نکل کر میں شہر

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے علاقے میں داخل ہوگیا۔ شہر میں صبح کی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں اور ہر طرف لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ دکانیں بھی کھل گئی تھیں اور خرید و فروخت بھی جاری تھی۔ میں بلا مقصد ادھر ادھر گھومتا رہا اور لوگوں کو دیکھتا رہا۔ زیادہ تر لوگوں نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے مجھے غریب مسکین اور فقیر سمجھ کر مجھے کچھ دینے کی کوشش کی۔ تاہم میں نے کسی سے کچھ قبول نہیں کیا۔

میرے ارد گرد ہجوم لگ چل پھر رہے تھے۔ وہ اپنے لباس سے روسی نظر آرہے تھے۔ اس لیے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میں سلطنت روما کے کسی علاقے میں موجود ہوں۔ میں شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا پھرتا ایک ایسے حصے میں آگیا جہاں سامنے ایک بہت بڑا اور بہت وسیع و عریض میدان تھا۔ اس میدان کے اس پار اونچے اونچے اور شاندار محلات کا سلسلہ نظر آرہا تھا۔ محل کے بڑے دروازے پر رومن نوجوانوں کی نقل و حرکت دور سے نظر آرہی تھی۔ میں دلچسپی سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد میں نے آہستہ آہستہ محلات کے علاقے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ محلات کا ایک سلسلہ تھا۔ بڑے بڑے اور نہایت خوبصورت محلات بنے ہوئے تھے۔ اور وہ سب کے سب پہلے ہوئے تھے۔ میں محلوں کے بالکل نزدیک جا پہنچا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اچانک ایک پہرے دار کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔

"لوگوں سے دور یہاں کیا کر رہا ہے۔" اس نے کڑک کر مجھ سے پوچھا۔ میرا سارا جسم ایک غلیظ اور گندی چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس نے بھی مجھے کوئی فقیر سمجھ کر ہی یہ سوال کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شاہی محلات کے نزدیک میری موجودگی اسے سخت ناگوار گزری ہوگی۔

"میں اس شہر میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے بڑی مسکینی کے ساتھ جواب دیا۔

"مسافر ہے اور مسکین ہے تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" سپاہی نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "ادھر سے چلا جا۔"

میں سپاہی کو کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اب میں ایک دوسرے محل کے دروازے کے نزدیک جا پہنچا۔ یہاں بھی محافظوں کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ انھیں بھی شاہی محلات کے نزدیک میری موجودگی سخت ناگوار گزری۔

"کون ہے تو؟" ایک محافظ نے زور سے مجھے للکارا اور آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔

"میں تمھارے شہر میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اجنبی مسافر کا شاہی محلات کے نزدیک کیا کام ہے؟" سپاہی مجھ سے جرح کرنے لگا۔

"میرے پاس بسنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور میں ادھر ادھر آوارہ گردی کر رہا ہوں۔" میں نے مسکینی کے ساتھ جواب دیا۔

اس دوران ایک دوسرا سپاہی جو ہم لوگوں کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا، قریب آگیا اور بولا۔ "یہ کیسا مسکین ہے؟ مسکین ہے تو محتاج خانے میں چلا جائے۔ یہ شاہی محلات کے نزدیک کیا کر رہا ہے؟"

"یہی بات تو میں اس سے پوچھ رہا ہوں۔" پہلے والے سپاہی نے کہا۔

"مجھے تو یہ دشمن کا کوئی جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" پہلے والے سپاہی نے جواب دیا۔ "ویسے مجھے بھی یہ خاصا مشتبہ آدمی نظر آتا ہے۔" پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تو کہاں سے آیا ہے؟"

اس کے اس سوال کا جواب دینا میرے لیے بڑا مشکل تھا تاہم میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے یوں ہی کہہ دیا۔ "میں ایک قریبی گاؤں سے آیا ہوں۔ مجھے شہر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں نے اس سے پہلے شہر کبھی نہیں دیکھا خاص طور سے میں شاہی محلات کو باہر سے دیکھنا چاہتا تھا۔ واقعی یہ محلات بڑے خوبصورت اور حسین ہیں۔"

"زیادہ باتیں نہ بنا۔" پہلے والے سپاہی نے کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتا اس شہر میں تیری آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"میری آمد کا مقصد سیر و سیاحت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تیری جیب میں کتنی رقم موجود ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"میرے پاس کوئی رقم موجود نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اس شہر میں تیرا کوئی جاننے والا موجود ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔"

"عجیب بات ہے۔" پہلے والے سپاہی نے دوسرے سپاہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی جیب میں کوئی ایک پیسہ بھی نہیں اس شہر میں اس کا کوئی جاننے والا بھی موجود نہیں۔ اس کے جسم پر فقیروں کی سی ایک میلی کچیلی چادر کے علاوہ اور کوئی لباس بھی نہیں اور پھر بھی یہ کہتا ہے کہ میں سیر و سیاحت کے لیے آیا ہوں۔ یا تو یہ کوئی دشمن کا جاسوس ہے اور یا پھر کوئی پاگل دیوانہ ہے۔"

"تیرا نام کیا ہے؟" دوسرے سپاہی نے پوچھا۔

"میرا نام فروس ہے۔" میں نے وہی نام دہرا دیا، جو میں نے غریب علاقہ پہلے مدیکس کو بتایا تھا۔

"اسے محافظ دستے کے سردار کے پاس لے چلو۔" پہلے والے سپاہی نے دوسرے سپاہی سے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔

ان دونوں نے "ادھر آؤ، ادھر چلو" میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ مجھے ایک طرف لے چلے۔ محل کے بڑے دروازے سے گزر کر محل ایک بڑی سی ڈیوڑھی میں جا پہنچے جہاں بہت سے سپاہی موجود تھے۔ ایک جماری بھرکم جسم کا رومن افسر ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں سپاہی مجھے لے کر اس کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ انھوں نے باادب ہو کر اسے رومن انداز میں تعظیم دی۔

"کیا بات ہے؟" اس شخص نے اپنی بھاری آواز میں پوچھا۔ "اور یہ کس فقیر کو یہاں پکڑ لائے ہو؟"

"معزز ارجوسا، یہ شخص ہمیں شہزادی آرینہ کے دروازے کے پاس مشتبہ حالت میں ملا تھا۔ یہ ہمارے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ اس لیے ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے پاس لے آئے ہیں۔" پہلے والے سپاہی نے کہا۔

"مگر یہ تو اپنے حلیے سے کوئی فقیر معلوم ہوتا ہے۔" ارجوسا نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات ضرور ہے شاید لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا۔ اس کے جسم کی رنگت بہت عجیب و غریب ہے۔ میں نے آج تک سفید چہرے والا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ اس کے بال بھی سفید ہیں اور چہرہ بھی سفید ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس کے باقی جسم کا رنگ بھی سفید ہوگا۔"

اس کے بعد ارجوسا نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے جسم کے کسی حصے کو بے نقاب کر دوں۔ میں نے بے چون و چرا اس کی تعمیل پر عمل کیا۔ اور وہ فقرہ میں اپنے سپاہیوں سے کہنے لگا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس کے سارے جسم کا رنگ اس کے چہرے کی طرح سفید ہی ہوگا۔ یہ تو کوئی عجیب و غریب قسم کا انسان معلوم ہوتا ہے۔"

اس کے بعد ارجوسا نے بھی مجھ سے تقریباً وہی سوالات کیے جو اس سے پہلے دونوں سپاہی کر چکے تھے اور میں نے اسے بھی وہی جوابات دیے جو میں اس سے پہلے دے چکا تھا۔

اس شخص کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ "ارجوسا نے دونوں سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں تم دونوں سے اسے گرفتار کر کے غلطی ہی کیا ہے۔ مجھے بھی یہ کوئی مشتبہ قسم کا شخص معلوم ہوتا ہے۔ فی الحال اسے محل کے بندی خانے میں ڈال دو۔"

وہ دونوں سپاہی مجھے ساتھ لے گئے اور ایک کوٹھری میں قید کر دیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس کی چھت بہت ہی اونچی تھی اور دیواریں بہت مضبوط تھیں۔ اس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا جو بہت ہی موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ دیواروں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ البتہ اوپر چھت میں ایک چھوٹا سا روشن دان ضرور تھا جس میں سے گزر کر تھوڑی بہت ہوا اندر آجاتی تھی اور کچھ روشنی بھی ہو جاتی تھی۔ فرش پر کوئی بستر وغیرہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ گھاس پھوس کا ایک بڑا سا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے قید خانے میں ڈالنے سے پہلے میری چادر تلاش کر لی تھی اور ایک مختصر سا لباس پہننے کو دے دیا تھا۔ جو میرے کاٹا باہر سے بند کرنے سے پہلے انھوں نے ایک بالٹی پانی اندر رکھ دیا اور تھوڑا سا کھانا بھی دے دیا۔

اس نئے شہر میں میری خوب پذیرائی ہو رہی تھی۔ یہاں ٹھہری پر بھی اچھی طرح سے نہیں کر پایا تھا کہ یہاں کے محافظوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ میں نہ جانے اس کوٹھری میں کتنا عرصہ رہا۔ مکمل طور پر میرا اندازہ نہیں کیا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس قید تنہائی میں زیادہ دن نہیں گزاروں گا اور چند روز کے بعد دروازہ توڑ کر یہاں سے باہر نکل جاؤں گا۔

چند روز اسی طرح گزر گئے۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار دروازہ کھلتا۔ دروازہ کھولنے والے محافظ میری بالٹی کو پانی سے بھر دیتے اور کھانے کے لیے کچھ دے دیتے۔ اس کے بعد دروازہ دوبارہ بند ہو جاتا اور پھر اگلے ہی دن کھلتا۔

میں اب سوچ رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر کسی دن باہر نکل جاؤں کہ ایک دن خلاف معمول علی الصباح دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والے محافظ تھے اور ان دونوں کے ہاتھوں میں میرے کے لیے کچھ تھے۔

"چلو باہر نکلو۔" ان میں سے ایک نے اپنا کوڑا لہراتے ہوئے کہا۔ "بہت دن عیش کی روٹیاں کھا چکے۔ اب کچھ کام دھندا کرو۔"

میں ان دونوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میں نے انھیں سامنے کی یادداں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جاتے ہیں اور میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ میں نئی زندگی کے تجربات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ لوگ مجھے لیے ہوئے کوٹھری سے باہر آئے اور جانوروں کی طرح ہنکاتے ہوئے ایک طرف کو لے چلے۔ تھوڑی دور آگے جا کر میں نے دیکھا کہ میرے ہی جیسے قیدیوں کی ایک لمبی سی لائن لگی ہوئی تھی۔ کئی محافظ کوڑے ہاتھوں میں لیے ہوئے اطمینان اور رعب کے ساتھ ہو طرف ٹہل رہے تھے۔ سارے قیدی سخت خوفزدہ اور سہمے سہمے نظر آرہے تھے۔ میرے ساتھ آنے والے محافظوں نے مجھے بھی ان قیدیوں کی لائن میں شامل کر دیا۔

"چلو۔" ایک سپاہی نے کڑک کر قیدیوں کو حکم دیا اور سارے قیدی جواب ایک قطار کی صورت میں تھے آگے بڑھنے لگے۔ ایک محافظ ان کے آگے آگے چل رہا تھا اور وہی گویا راہنمائی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ہم لوگ چلتے ہوئے محل کے باغ میں داخل ہو گئے۔ باغ بہت وسیع اور سرسبز و شاداب باغ تھا۔ اس میں ہر طرف درختوں اور پودوں کی فراوانی تھی۔

ہمیں ایک بڑے سے قطعے میں پہنچا دیا گیا جہاں چار سو

Optimized by www.ImageOptimizer.net

فرش لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ ایک ایک کھرپی دے دی گئی۔

"تم لوگوں کا کام یہ ہے کہ آج شام کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ ساری گھاس صاف کر دو۔" ایک محافظ نے کڑا لہراتے ہوئے کہا۔ "دوپہر کو تمہیں کھانا کھانے کا وقفہ دیا جائے گا اور اس کے بعد دوبارہ کام شروع کرنا ہوگا۔ اگر ذرا سی بھی غفلت یا کوتاہی کی تو گھاری خیر نہیں ہے۔ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرنے والے کی پیٹھ کوڑوں سے چھیل دی جائے گی۔ بس چلو اب شروع ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ یہ شہزادی آریانہ کے محل کا باغ ہے اور شہزادی اپنے اس باغ کو بہت عزیز رکھتی ہے۔ اب کچھ دنوں تک تم لوگوں کو اس باغ میں کام کرنا ہوگا۔ اگر شہزادی آریانہ تم لوگوں کے کام سے خوش ہوئی تو تمہیں کوئی بھی انعام بھی مل سکتا ہے اور جس کے کام کو اس نے ناپسند کیا اس کی خیر نہیں ہے۔"

ہم لوگوں نے محافظوں کی ہدایت کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ میں بھی کام میں لگ گیا۔ تقریباً تک بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا اور فی الحال میرا ارادہ بھی نہیں تھا کہ میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ان لوگوں کو حیرت میں ڈال دوں اور خود ایک کوالیہ نشان بن جاؤں۔

شام تک ہم لوگ گھاس چھیلتے رہے اور اس کے گٹھے بنا بنا کر ایک طرف رکھتے رہے۔ متعدد محافظ کوڑے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہمارے سروں پر سوار رہے اور ہماری نگرانی کرتے رہے۔ اگر ہم میں سے کوئی ذرا سی سستی دکھاتا، کسی کے ہاتھ ایک آدھ منٹ کے لیے رک جاتے تو اس کی پیٹھ پر پڑنے والا محافظ کا کوڑا اسے فوراً دوبارہ کام پر لگا دیتا کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔ دوپہر کے وقت کچھ دیر کے لیے ہمارا کام روک کر ہم لوگوں کو کھانا دیا گیا۔ جو اس کھانے سے قدرے بہتر تھا جو مجھے روزانہ کوٹھری میں ملا کرتا تھا۔ دوسرے تمام قیدی کھانے پر بری طرح ٹوٹ پڑے لیکن میں نے اس میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ محافظوں کو میرے اس رویے پر کافی حیرت ہوئی لیکن انھوں نے کچھ کہا نہیں اور نہ ہی مجھے کھانا کھانے کے لیے زیادہ مجبور کیا۔

جب سورج ڈھلنے لگا تو ہمیں کام بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ہم لوگوں نے کھرپیاں ہاتھ سے رکھ دیں۔ آج دن بھر کی محنت کے بعد ہم لوگوں نے ایک خاصے بڑے قطعہ اراضی سے گھاس صاف کر دی تھی۔ لیکن اب بھی کافی زمین باقی تھی۔

ہم لوگ چلنے ہی والے تھے کہ اچانک سامنے سے دھول اڑتی نظر آئی۔ ہمارے "لفظ منجمد" گئے اور سامنے دیکھنے لگے۔ چند منٹ بعد دھول کے بادل چھٹ گئے اور اس میں کئی گھڑ سواروں کی شکلیں ابھریں۔ ان میں سب سے آگے ایک بہت خوبصورت اور دل کش نوجوان عورت تھی جو نہایت عمدہ شہسواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھوڑا دوڑا رہی تھی۔ اس کے اردگرد چار پانچ مسلح افراد تھے جو اس کے محافظ نظر آ رہے تھے۔

اس نوجوان عورت کو آتے دیکھ کر ہمارے محافظ ایک دم کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کام کرنے والے قیدیوں کو اپنے گرد میں لے لیا۔ وہ نوجوان عورت قریب آ گئی اور بولی: "تم لوگوں کا کام ہو گیا؟"

"شہزادی آریانہ!" محافظوں کے سردار نے جواب دیا۔ "آپ کے حکم کے مطابق یہ قطعہ زمین گھاس پھوس سے بالکل صاف کر دیا گیا ہے۔ اب کل اس کی مزید صفائی کرنے کے بعد اس کی گوڈائی کر دی جائے گی اور پھر اس میں پھولوں کے پودے لگا دیے جائیں گے۔ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ شہزادی آریانہ تھی اور یہ باغ اسی کی ہے جس میں ہم لوگ کام کر رہے تھے۔

شہزادی آریانہ نے ایک نظر گھاس سے صاف کیے ہوئے زمین پر ڈالی اور بولی: "تم لوگوں نے اس کی کافی اچھی طرح صفائی کر دی ہے۔ اب کل اس میں سے کنکر پتھر وغیرہ نکلوا کر زمین کی گوڈائی کرا دینا۔ اسے نرم کر دینا۔ پھر دو ایک دن تک پانی دینے کے بعد اس میں نئے پودے لگا دیے جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا شہزادی صاحبہ!" محافظوں کے سردار نے جواب دیا۔

اس کے بعد شہزادی باری باری ان قیدیوں کو دیکھنے لگی جو اسے بیگار کاٹنے کی غرض سے دیے گئے تھے۔ اس کی نظریں مجھ پر تقریباً دو منٹ تک مجھے بغور دیکھتی رہیں اور پھر آخر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: "ادھر سامنے آؤ۔ میں قیدیوں کی قطار سے نکل کر اس کے سامنے چلا گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے اپنی نرم و شیریں آواز میں پوچھا جس میں حکم کا لہجہ پورے طور پر نمایاں تھا۔

"میرا نام فروس ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کب سے قید خانے میں بند ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آج کئی دن ہو گئے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے کیا جرم کیا تھا جو تمہیں قید کر دیا گیا؟" شہزادی آریانہ نے پوچھا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اور آپ کے محافظین بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں اور انھوں نے مجھے بند تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔"

شہزادی آریانہ نے جواب طلب نظروں سے محافظوں کی طرف دیکھا۔ محافظ میرے بے خوف لب و لہجہ پر سخت مضطرب اور گھبرائے ہوئے نظر آتے تھے۔

"حضور شہزادی آریانہ!" محافظوں کا سردار بولا۔ "یہ شخص جو

کہتا ہے کہ اس نے بغاوت کرنے جیسا جرم نہیں کیا۔ لیکن درحقیقت ہمیں اس پر شبہ ہے کہ یہ دشمن کا جاسوس ہے۔ ہم نے اسے تب کے محل کے باہر مشتبہ حالات میں گھومتے ہوئے پایا تھا اور ہمارے استفسار پر کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔"

"لیکن تم نے کس بنیاد پر یہ رائے قائم کی کہ یہ دشمن کا جاسوس ہو سکتا ہے؟" شہزادی آریانہ نے نرمی سے پوچھا۔

محافظوں کے سردار کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے وہ خاموش ہو گیا۔ "بنیاد تو کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے لیکن اس قسم کے لوگ عموماً دشمنوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ ان کو سزا دینی ضروری ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہزادی آریانہ نے جواب دیا۔ "جیسا مناسب سمجھو ویسا کرو۔ لیکن مجھے یہ شخص دوسرے لوگوں سے بہت مختلف نظر آتا ہے۔"

اس کے بعد شہزادی وہاں سے چلی گئی۔ جاتے جاتے کنکھیوں سے اس نے میری طرف دیکھا۔

شہزادی کے جانے کے بعد محافظوں کا سردار خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میرے قریب آ کر اس نے میری آنکھوں میں جھانکا اور پھر بڑے خوفناک انداز میں مجھے گھورنے لگا۔

"تو نے شہزادی سے یہ کیوں کہا کہ تو بے قصور ہے؟" اس نے غرا کر کہا۔ اس کی آواز میں کرخت سے قیدی سہم گئے۔

"میں اور کیا کہتا؟" میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "تجھے تو خود نہیں معلوم کہ میں کیا بے قصور ہے۔"

"میں قصور تجھے ابھی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے دانت پیس کر کہا اور وہ محافظوں کو حکم دیا کہ مجھ پر کوڑے برسائیں۔

مجھے اسی فیصلہ کن لمحہ کا انتظار تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے ہاتھ کر لیا۔ میرا فیصلہ یہ تھا کہ میں ان لوگوں کے کوڑے خاموشی سے کھا لوں گا۔ اپنی جانب سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کروں گا۔ مجھے ابھی یہاں زندگی کا کچھ عرصہ حاصل کرنا تھا۔ شہزادی آریانہ کے رویے کو دیکھنا تھا اور اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں ابھی سے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار کر دوں تو فوراً ہی میری تو گفت گرفتار شروع ہو جائے گی اور میں سب لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاؤں گا۔ ان حالات میں اس صورت حال سے بچنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے مزاحمت نہیں کی۔

دونوں سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے اپنے کوڑے فضا میں لہرائے۔

"کس بدنصیب انسان پر محافظوں کا سردار مجھ سے بولا۔

اس سے پہلے کہ وہ ان کی آل اولاد کے سامنے تجھ جیسے حقیر قیدی کی ناپاک پیٹھ ننگی کریں تجھے خاموش رہنا پڑے گا۔" تو نے شہزادی آریانہ کے سامنے اپنی آنکھیں جھکا کر گفتگو کی۔ اس کے سامنے اپنے آپ کو بے گناہ کہا۔ مجھے اس کی تھوڑی بہت ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئی ہیں۔ اندھے کے لیے محتاط رہنا ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے ان دونوں سپاہیوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ دونوں اپنے کوڑے لیے مجھ پر پل پڑے۔

میں نے میری پیٹھ پر کئی کوڑے برسائے۔ لیکن بہت زیادہ نہیں کیونکہ محافظوں کے سردار نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ محافظ سمجھ گیا تھا کہ اتنا کافی ہے۔

"بس کرو، اتنا کافی ہے۔" اس نے کہا۔ "ابھی ہمیں اس سے کئی بھی کام لینا ہے اور اس کے بعد بھی کام لینا ہے۔ مقصد صرف تھوڑی سی سزا دینا ہے اور وہ اسے مل چکی ہے۔" سردار کے کہنے پر محافظوں نے ہاتھ روک لیے۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔" ایک محافظ نے سردار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اس کی پیٹھ پر کئی کوڑے مارے۔ اتنے کوڑے اس کی پیٹھ سے خون نکال دینے کے لیے کافی تھے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ خون کا ایک قطرہ بھی اس کی پیٹھ سے نہیں نکلا اور نہ ہی کھال پھٹی۔"

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" محافظوں کے سردار نے کہا۔ "بعض لوگ بڑی موٹی کھال کے ہوتے ہیں۔ یہ شخص بھی ایسے ہی لوگوں میں سے نظر آتا ہے۔ اگر یہ چار چھ کوڑے اور پڑ جاتے تو پھر اس کو مزہ آ جاتا۔ ساری پیٹھ لہولہان ہو جاتی۔"

اس کے بعد ہم لوگوں کو دوبارہ سے جا کر اپنی اپنی کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ میں خاموشی سے اپنی کوٹھری میں چلا آیا۔ میں نے نہ تو کوئی مزاحمت کی اور نہ ہی بھاگنے کی کوشش کی۔ کر اس سے پہلے میں یہ ارادہ کر چکا تھا کہ یہاں سے نکل جاؤں گا۔ لیکن اب میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا تھا۔ اب مجھے یہاں کی زندگی کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا اور میں اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ شہزادی آریانہ کو آج میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس نے بھی مجھے بڑے غور سے دیکھا تھا اور مجھ سے باتیں بھی کی تھیں۔ مجھے شہزادی بہت اچھی لگی اور میں اسے جلد دیکھنا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ شہزادی مجھے ایک نہایت عام انسان، ایک قیدی کے روپ میں دیکھ رہی تھی اور اسے میری حقیقت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ میں بھی فی الحال اسے اپنی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

چنانچہ دو رات بھی میں نے قید خانے کی اسی تنگ و تاریک کوٹھری میں گزاری۔ صبح کو گزشتہ روز کی طرح پھر محافظ آئے اور مجھے باغ میں کام کرنے کے لیے لے گئے۔ دوسرے قیدی بھی وہاں موجود تھے۔ ہم سب نے مل کر کام شروع کر دیا۔ آج ہم لوگ اس قطعہ زمین میں سے بچی کھچی گھاس پھونس اور جھاڑ جھنکاڑ وغیرہ نکال رہے تھے۔ کل محافظ ہم لوگوں کی نگرانی پر مامور تھے اور کام جاری تھا۔ میں بھی قیدیوں میں شامل ایک عام انسان کی حیثیت سے اس کام میں شریک تھا۔

گزشتہ روز کی طرح اس دن بھی دوپہر کے وقت کھانے کے لیے کام روک دیا گیا اور کھانا کھانے کے بعد کام دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ شام

Optimized by www.ImageOptimizer.net

مرنے سے پہلے شہزادی آرینہ پھر آئی تو اس نے کام کا جائزہ لیا۔ پھر اس نے ایک اچھوتا سوال کیا۔ اچھا لیکن آج اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور جلد ہی وہ واپس چلی گئی۔

کئی دن تک میں قید خانے کے ساتھ شہزادی آرینہ کے باغ میں صفائی کے کام میں مصروف رہا۔ شہزادی کام کی نگرانی کرنے کے لئے روز ہی آتی تھی اور روز ہی مجھے گھور کر دیکھتی تھی۔ لیکن پہلے دن کے بعد سے اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔

ایک دن شہزادی آرینہ شام سے کافی پہلے آگئی۔ وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ تھی۔ وہ گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے کام کا جائزہ لینے لگی۔ اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ شہزادی آرینہ کا گھوڑا بدک گیا۔ وہ بے قابو اپنی کمر دونوں ٹانگوں پر گھوڑا ہو گیا۔ اور زور زور سے ہنہنانے لگا۔ شہزادی نے اس کی رکاب میں کھینچیں اور اسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن گھوڑا بری طرح الف ہو گیا تھا۔ وہ پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو بری طرح ادھر ادھر اچھل رہا تھا۔

شہزادی کے محافظ دستے کے لوگ جن میں ان کا سردار بھی شامل تھا گھوڑے کی طرف دوڑ پڑے اور اسے رام کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن گھوڑے نے اچانک اچھلنا شروع کر دیں اور ان میں سے کئی آدمی زمین پر گر پڑے۔ محافظ دستے کا سردار بھی کچھ نہیں کر پایا۔ شہزادی بری طرح گھبرا گئی تھی اور چیخ رہی تھی۔ وہ گھوڑے کی پشت سے چپک گئی تھی اور بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔

اچانک گھوڑے نے ایک سمت میں بھاگنا شروع کر دیا۔ شہزادی کی چیخیں آسمان سر پر اٹھا رہی تھا۔ اس کے محافظ دستے کے لوگ بھی اس دستے کا سردار بھی شامل تھا۔ بے خود کھڑے رہ گئے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس الف گھوڑے کو کس طرح قابو میں کریں۔ وہ لوگ خود بھی بری طرح چیخ چلا رہے تھے۔ شور مچا رہے تھے۔ لیکن شہزادی کے گھوڑے پر کسی طرح قابو نہیں پا رہے تھے۔

"اگر شہزادی کو کچھ ہو گیا تو شاہ ماسطیس ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔" شہزادی کے محافظ دستے کا سردار بڑبڑایا۔ پھر اس نے چیخ کر کہا۔ "شہزادی آرینہ رسے زور سے چلائیں۔ اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر گھوڑے کے قریب پہنچنے کی کوشش کی لیکن گھوڑے نے ایک پھنکار کاٹ کر اس کے دوڑانی ٹانگ ماری۔ وہ زمین پر گر گیا۔

اب میں نے طے کیا کہ میرے بے عمل کا وقت آگیا ہے۔ شہزادی آرینہ کی جان بچانے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حرکت کی اور آناً فاناً میں گھوڑے کو جا لیا۔ میں نے گھوڑے کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لیا اور اس میں لٹک گیا۔ گھوڑے نے بہت اچھل کود کی۔ لیکن نہ تو میں اس کی گردن میرے آہنی شکنجے سے کسی طرح نکل سکتی تھی۔ میں اس سے بڑے رہا اور میں نے اپنے جسم کا بوجھ ڈال کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ گھوڑا سیدھا کھڑا ہو گیا اور چند لمحوں میں بالکل ساکت ہو گیا۔

گھوڑے کے پرسکون ہوتے ہی شہزادی آرینہ نے گھوڑے پر سے چھلانگ لگا دی۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کا سارا طمطراق چھو منتر ہو گیا تھا اور چہرہ فق ہو رہا تھا۔

اس نے تشکر اور تحسین بھری نظروں سے پہلے مجھے دیکھا۔ پھر مسکرانے لگی۔ اس اثنا میں شہزادی کے محافظ دستے کے تمام لوگ گھوڑوں سے اتر کر شہزادی کی طرف سرعت سے اور جلدی جلدی دیکھ کر خوش نظر آ رہے تھے۔

شہزادی نے اپنے محافظ دستے کے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "حیرت کی بات ہے کہ تم سب لوگ مل کر بھی گھوڑے کو قابو میں نہیں کر سکے جبکہ اس معمولی قیدی نے تن تنہا اس پر قابو پا لیا۔ یہ تم سب سے زیادہ ذہین، زیادہ شجاع اور بہادر معلوم ہوتا ہے۔"

منجھر نے کہا۔ "اس نے کسی ہوشیاری سے کام نہیں لیا۔ ہم لوگوں نے کوشش تو بہت کی تھی شہزادی صاحبہ۔ لیکن گھوڑا بری طرح بے قابو ہو گیا تھا اور ہمارے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے ہم میں سے کسی کو نزدیک نہیں آنے دیا۔"

"پھر بھی ہو نہ شہزادی نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے یہ بات کر دی ہے کہ میرے محافظ دستے کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام رہے ہو۔ مجھے اب اس کے لیے کچھ سوچنا پڑے گا۔"

منجھر ایک دم خاموش ہو گیا۔ غالباً اسے یہ توقع نہیں تھی کہ شہزادی اتنا برا فیصلہ فوراً ہی صادر کر دے گی۔ اس کے تمام ساتھی بھی خاموش ہو گئے تھے۔ شہزادی گھوڑے سے اتر کر اب دور کھڑی اپنی آنکھ تنہا چھل کر رہی تھی۔ اس کی پشت اب خالی تھی۔ شہزادی نے گھوڑے کو ایک نظر دیکھا پھر مجھے دیکھ کر بولی۔ "سنہری بدن والے نوجوان قیدی! تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟"

"میرا نام فردوس ہے۔" میں نے نیاز مندانہ انداز میں جواب دیا۔

"تم واقعی بہت بہادر نوجوان ہو فردوس۔" شہزادی آرینہ نے کہا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ تم اس بدکش اور بدلگام گھوڑے پر ابھی اور کتنی سواری کر کے اپنی مہارت کا مزید ثبوت دے سکتے ہو؟"

"آپ حکم دیں شہزادی صاحبہ تو ابھی بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ گھوڑا اس وقت ہی بے قابو ہے اور اس پر سواری کی کوشش کرنا تمہارے لیے موت کا پیغام ہو سکتا ہے۔"

شہزادی آرینہ نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے تمہیں گرا دیا تو شاید معاملہ زندہ بچنا ممکن نہ ہو سکے۔ اس وقت اپنے آپ سے باہر ہو رہا ہے۔"

"مجھے اس کا علم ہے معزز شہزادی۔" میں نے جذبے کے ساتھ کہا۔ "لیکن اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ

ری کرنے میں کامیاب رہوں گا۔"

"نہیں نہیں۔ اس بات کا حکم نہیں دیتی۔" شہزادی نے کہا۔ "میں ...ہاری مرضی معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ تم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ...ہو۔ میں تمہاری بہادری کے مزید جوہر دیکھنا چاہتے ہو تو یہ تمہارے لیے ...موقع ہے لیکن خیال رہے کہ اگر تم مر گئے تو تمہاری موت کا ذمہ دار ...ی نہیں ہو گا۔"

"میں جانتا ہوں شہزادی صاحبہ۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ ...یشان نہ ہوں۔ اپنی موت کا ذمہ دار میں خود ہوں گا۔"

شہزادی کے محافظ دستے کا سردار منجھر اور دوسرے محافظ ...ے غور سے میرے اور شہزادی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن ...ے تھے۔ منجھر مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اور میں صاف طور پر محسوس کر ...تا تھا کہ اس کی آنکھوں میں میرے لیے تحسین و توصیف کے بجائے ...دت اور غصے کے جذبات ہیں۔

"مجھے اجازت دیں شہزادی صاحبہ۔" میں نے کہا۔ اور اس کے ...وڑی میں گھوڑے کی طرف دوڑ پڑا۔ جو میدان کے وسط میں اپنی اگلی ...ٹانگوں کے بل پر کھڑا ہو کر اپنی کمر کا سا انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔

میں گھوڑے کے قریب پہنچا اور میں نے اس کی لگام پکڑ لی۔ ...ایک بار پھر زور سے ہنہنایا اور اس نے گھوم کر پچھلے زور سے لات ...مارنے کی کوشش کی۔ شاید اس کی لات مجھے لگ بھی جاتی لیکن میں نے اس ...کو موقع نہیں دیا اور پھرتی کے ساتھ اس کی لگام پکڑ کر ایک ہی ...جست میں اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا بالکل بے قابو ہو کر بڑے ...زور سے ہنہنایا اور اس نے مجھے اپنی پیٹھ پر سے گرانے کی کوشش کی۔ ...وہ کسی چٹان کی طرح اس کی پشت پر جم کر رہ گیا تھا۔ گھوڑا سخت ...خشمناک ہو رہا تھا اور بار بار مجھے گرانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں ...اس کے جسم کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ میں اپنے آپ کو سنبھالے رہا اور ...اس کو

آخر گھوڑے نے تنگ آ کر بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ ...بھاگتا رہا اور ساتھ ساتھ جھٹکے بھی لیتا جاتا تھا تاکہ مجھے گرا سکے لیکن ...ہر کوشش کو ناکام بناتا رہا تھا۔

دور کھڑی ہوئی شہزادی آرینہ اس کے محافظ دستے کا سردار اور ...سب لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ابھی تک میں نے گھوڑے ...کی آنکھوں کے ذریعے قابو پانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب میں ...نے اس کی لگامیں کھینچیں۔ گھوڑے کی رفتار دھیمی ہو گئی یہاں ...تک کہ فردوس دور پہنچنے کے بعد وہ بالکل رک گیا۔ اب میں نے آہستہ ...آہستہ لگامیں چھوڑ کر اسے تھپکنا شروع کیا اور وہ دھیرے دھیرے ...ہانپنے لگا۔ میں اس پر تھپکی دیتا رہا۔ قابو پا چکا تھا۔ میں نے اسے آہستہ ...سے ایک چکر دیا اور پھر میں اس جگہ آ کر اسے روک دیا جہاں ...دوسرے لوگ کھڑے تھے۔ ان سب کے چہروں پر

سخت حیرت اور تعجب کے آثار تھے۔

"تم نے واقعی کمال دکھایا ہے فردوس۔" شہزادی آرینہ نے اپنی مترنم آواز میں کہا۔ "یہ گھوڑا میں نے چند ہی دن پہلے ایک عرب تاجر سے خریدا تھا اور اس نے اسی وقت مجھے یہ بات بتا دی تھی کہ یہ بہت سرکش اور بدلگام گھوڑا ہے اور کسی سوار کو بمشکل ہی اپنی پشت پر بیٹھنے دیتا ہے اور اگر کوئی ایک بار ہمت کر کے بیٹھ بھی جائے تو پھر اسے گرائے بغیر نہیں چھوڑتا۔ مجھے اپنی شہسواری پر ناز تھا اور اسی لیے میں نے اس گھوڑے کو خرید بھی لیا اور اس پر سواری بھی کی۔ اس وقت میں پہلی مرتبہ اس پر سوار ہو کر یہاں آئی تھی اور اس نے مجھے گراتے گراتے چھوڑا۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں فردوس کہ تمہاری بہادری کی وجہ سے میری جان بچ گئی ورنہ میرے محافظ تو بالکل ہی نکمے اور ناکارہ ثابت ہوئے۔ یہ اتنے بہت سے لوگ تھے۔ اگر چاہتے تو آسانی سے گھوڑے پر قابو پا سکتے تھے۔ مگر یہ لوگ بزدل ہیں سب کے سب بزدل ہیں۔" اس نے حقارت آمیز انداز میں اپنے محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

محافظوں کے چہرے اتر گئے۔ خاص طور سے منجھر تو بہت ہی دل برداشتہ ہو گیا اور ایک بار پھر مجھے کڑی نظروں سے گھورنے لگا۔ چند لمحوں تک گہری خاموشی طاری رہی۔ پھر میں نے کہا۔ "یہ شہزادی کا کرم ہے کہ اس نے میری تعریف کی۔ ویسے اس معمولی سے کام کے لیے میں خود کو کسی تعریف کا مستحق نہیں سمجھتا۔"

"تم سے معمولی کام کہتے ہو۔" شہزادی آرینہ نے حیرت سے کہا۔ "تم نے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور تم اس کے لیے واقعی انعام و اکرام کے مستحق ہو۔ منجھر فردوس کو میرے ساتھ لے کر آؤ۔" شہزادی نے حکم آمیز لہجے میں کہا۔ شہزادی نے اب ایک اور محافظ کا گھوڑا لیا تھا اور اس پر سوار ہو گئی تھی۔ میں ابھی تک اس بدلگام اور سرکش گھوڑے پر سوار تھا۔

"جو حکم شہزادی صاحبہ۔" منجھر نے جواب دیا اور ہمارا قافلہ وہاں سے چل پڑا۔

جب ہم لوگ محل کے اندرونی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر ایک جگہ ہم لوگ گھوڑوں سے اتر گئے۔ ملازموں نے آگے بڑھ کر گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں۔ شہزادی آرینہ بھی اپنے گھوڑے سے اتر چکی تھی۔

"منجھر۔" اس نے محافظ دستے کے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے حکم دیا۔ "فردوس کو لے جاؤ۔ اسے نہلا دھلا کر صاف ستھرے کپڑے پہناؤ اور اس کے بعد میرے پاس لے کر آؤ۔ میں اسے ذاتی محفل میں نہیں بلکہ درباری محفل میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جو حکم شہزادی صاحبہ۔" منجھر نے جواب دیا۔ مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

منجھر مجھے ساتھ لے کر محل کے ایک ایسے حصے میں جا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

پہنچوا دیا۔ سپاہی دفنا دفنا کام کرتے تھے۔ اس نے مجھے ایک خیمہ بھی دلوا دیا اور مجھے ہدایت دی کہ خوب اچھی طرح غسل کروں۔ مجھے کئی دن کے بعد غسل کی نعمت حاصل ہوئی تھی اس لیے میں نے خوب اچھی طرح غسل کیا۔ اب میں غسل کر کے باہر نکلا تو شہزادی آرینہ نے مجھے ایک صاف ستھرا لباس پہننے کو دیا۔ میں نے وہ قیدیوں والا لباس تبدیل کر کے صاف ستھرے کپڑے پہن لیے اور جب میں زیادہ صحت مند اور صاف ستھرے کپڑے پہن کر شہزادی آرینہ کے سامنے کھڑا ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بھی اس حیرت پر قابو نہ پا سکا اور متعجب ہو کر بولا۔ "فروس! ہم کرن کی قسم کھا کے کہتے ہوئے، ہو بہو یہ حقیقت ہے کہ میں نے آج تک تمہارے جیسا حسین انسان نہیں دیکھا۔ تمہارے جسم کی رنگت تو لاجواب ہے ہی، تمہارے بالوں کا رنگ بھی بہت عجیب و غریب ہے۔ خدایا تم کون سی دنیا کے باشندے ہو؟"

میں یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے انتہائی نفرت کرنے کے باوجود بھی شہزادی آرینہ میرے حسن کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ تحسینی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ ہم لوگ خیمے کے بیرونی حصے سے نکل کر لمبے دالان نما حصے میں داخل ہو گئے۔ یہاں جگہ جگہ بہت سے درخت موجود تھے اور غلام اور کنیزیں ادھر ادھر جا رہی تھیں اور مجھ پر نظر پڑتے ہی ٹھہر جاتیں۔ لوگ حیرت بھری نظروں سے ہمیں دیکھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ مجھ کو ان کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا، لیکن میں ایک بالکل نئی ایک بالکل نرالی چیز تھا اور وہ لوگ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور آپس میں چہ میگوئیاں بھی کرتے جاتے تھے۔

میں اور مجھ کئی دالانوں اور برآمدوں سے گزر کر آخر ایک بڑے سے کمرے کے سامنے رک گئے۔ کمرے کے دروازے پر مسلح سپاہی موجود تھا۔ مجھ کو دیکھ کر اس نے ہم دونوں کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔ ہم دونوں کمرے کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ واقعی کسی شہزادی کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ نہایت بیش قیمت ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ دیواروں اور چھتوں پر خوبصورت اور بارنگ ریشمی پردے لٹک رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور نہایت خوبصورت نشستیں موجود تھیں۔ ایک نہایت قیمتی حد تک نفیس پوشاک شہزادی آرینہ پہنی ہوئی تھی۔ جب شہزادی آرینہ نہایا دھویا تھا تو اس نے اس سے پہلے میں دیکھا تھا۔ میں نے اسے صرف دو مرتبہ دیکھا تھا لیکن دونوں بار وہ مختلف لباس کے چست لباس میں ملبوس تھی اور قیمتی جواہرات سے مرصع تھی۔ اس مرتبہ وہ بیحد مختلف لباس کے لباس میں تھی۔ اس کا یہ لباس نہایت قیمتی نہایت اور نفیس تھا۔ اس نے خوب سنگھار کیا ہوا تھا۔ اس کا حسن پہلے سے کہیں زیادہ دلآویز اور پرکشش ہو گیا تھا۔

میں شہزادی کو دیکھتا رہ گیا اور شہزادی مجھے دیکھتی رہ گئی۔ اس نے بھی اس سے پہلے مجھے تیر یوں والے نیلے کپڑے کے لباس میں اور گدلے بدن کے ساتھ دیکھا تھا۔ لیکن اب نہانے دھونے اور کپڑے تبدیل کر لینے کے بعد میری تیج تیج ہی نرالی نکل آئی تھی۔ شہزادی مجھ سے آنکھیں چار کیے مجھے گھور رہی تھی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

"یہ تم ہو؟" بالآخر اس نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ واقعی تم ہو فروس؟ مجھے یقین نہیں آتا۔ اوہ — تم کسی کمسن شہزادے یا کسی بڑی ذات کے سپہ سالار نظر آتے ہو۔ خدا کی قسم کسی قسم کا جواب بے لاجواب اور بے مثال۔ میں نے اس سے پہلے اس قدر خوبصورت اور ایسی رنگت کا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ تم یقیناً تعریف کے قابل ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے پورے شہر میں تم جیسا حسین، غریب اور عجیب رنگ روپ والا کوئی انسان موجود نہیں ہے۔"

شہزادی فروس! میرے لیے چپ ہو گئی تو میں نے کہا۔ "یہ سب شہزادی کا کرم اور اس کی مہربانی ہے۔ ورنہ میں تو وہی ایک معمولی قیدی ہوں۔"

"اب تم قیدی نہیں رہے ہو۔" شہزادی نے اپنے لبوں سے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری رہائی کے احکامات جاری کیے جا چکے ہیں اور تم دوبارہ قید خانے کی کال کوٹھڑی میں نہیں جاؤ گے۔"

"آزاد کیے واقعی آزاد کر دیا گیا ہے شہزادی صاحبہ؟" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو صرف تمہیں آزاد کروایا ہے بلکہ تمہارے لیے ایک خوشخبری بھی ہے۔" شہزادی آرینہ نے کہا۔

"وہ کیا شہزادی صاحبہ؟" میں نے تعجب سے مضطرب ہو کر پوچھا۔ میں دریافت کیا۔ کیونکہ میں فی الحال کسی جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ میرا ارادہ کچھ دن آزادی اور سکون کے ساتھ اس شہر میں گزارنے کا تھا۔

"تمہارے اس سوال کا جواب میں نہیں دوں گی۔ شاہ مارطولیس دیں گے جو میرے والد بھی ہیں اور یہاں کے بادشاہ بھی۔ اس وقت تمہارے انتظار میں ہیں۔ میں نے انہیں تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

میں نے دیکھا شہزادی آرینہ کی زبان سے یہ باتیں سننے کے بعد مجھ کا چہرہ بالکل فق ہو گیا۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا اور وہ بالکل گم سم ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی شہزادی آرینہ جتنی دیر میری تعریف و توصیف کرتی رہی تھی مجھ کو نہ تو نظروں سے لگے دیکھتا رہا تھا اور اس وقت کسی بالکل بھولی بھالی لڑکی کی طرح شرما رہا تھا۔ لیکن اب یکایک ہی وہ بہت کچھ بدل گیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ مجھ کو بھی میری تعریف کرنے اور میرے حسن کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"چلو مجھ۔" شہزادی آرینہ نے اپنی کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "فروس کو بادشاہ کے پاس لے چلو۔ وہ ہم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

مجھ نے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا اور میری اجنبی [illegible] بدلہ لینے کا عہد کر لیا۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا شہزادی آرینہ کو لے کر آگے روانہ ہو گیا۔ اب شہزادی آگے آگے چل رہی تھی۔ اس کے پیچھے مجھ اور اس کے پیچھے میں چل رہا تھا۔

کئی کمروں کے سامنے سے گزر کر ہم لوگ ایک بڑے اور شاندار سے دروازے کے سامنے رک گئے۔ دروازے پر کئی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

شہزادی آرینہ اور جہان تھوڑی دیر کے لیے بڑے محل میں آنے والے تھے۔ اس لیے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میرا عادت ہے کہ بھی ملتے ہے کہ بادشاہ میرے محل کو اپنے تحفظ میں رکھنے کی خاطر" شہزادی آرینہ کو کچھ کہ ان محافظوں نے فوراً استرے دیا جو کہ وہ کے کھڑے تھے۔ سب سے آگے شہزادی آرینہ اس داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے مجھ اور سب سے پیچھے میں۔

پھر شہزادی آرینہ کے کہنے سے بھی بڑا تھا اور اس کے [illegible] زیادہ آراستہ بھی۔ اس میں منقش اور جدید طرز کی کرسیاں پڑی تھیں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا قد بڑا لمبا تھا اور اس وقت اس کے سر پر ایک چھوٹا سا تاج بھی موجود تھا۔ اس کے سر پر جو تاج تھا اس کی نشانی وہی تھی کہ اس کا وہ بادشاہ ہے۔ ورنہ اس وقت اس کا لباس کچھ خاص قیمتی لباس نہیں پہنے ہوئے تھا۔

بادشاہ کے سامنے پہنچ کر شہزادی آرینہ اور مجھ دونوں کو رکنے کے [illegible] گئے۔ میں نے بھی مجھ سے ان کی تقلید کی۔ چند لمحوں بعد مجھ کو [illegible] ہوئے کہ میں بھی ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔

"اے آرینہ! تم یہ چاند کا ٹکڑا کہاں سے لے آئیں؟" شاہ مارطولیس نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو واقعی یوسف حسین [illegible] غریب شہر کا انسان ہے۔"

شہزادی آرینہ نے کہا۔ "یہی وہ بیمار ہے جس کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ اس نے میری جان بچائی ہے اور اس نے [illegible] کیا جس نے مجھے مارنے کی کوشش کی تھی۔"

شاہ مارطولیس کی نظریں میرے اوپر گڑ کر رہ گئیں۔ وہ کافی دیر تک مجھ کو گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟ دل کش

"میرا نام فروس ہے عالی جاہ۔" میں نے نیاز مندانہ انداز میں

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم قیدی تھے۔" شاہ مارطولیس نے [illegible] والی کوئی جرم کیا ہے؟"

شہزادی کا اقبال بلند ہو۔" میں نے نیاز مندانہ انداز میں [illegible] کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ میری گرفتاری محض ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔"

مجھ خاموش کھڑا رہا۔ لیکن اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ بادشاہ، شہزادی آرینہ اور شہزادی مجھ کے سامنے کیا بول سکتا تھا؟

"تمہاری شکل و صورت بتا رہی ہے کہ تم مجرم نہیں ہو سکتے۔" شاہ مارطولیس نے کہا۔ "اور پھر تم کمسن بھی ہو۔ اتنے بہادر نہیں ہو سکتے جتنی بہادری کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تم پر کسی سنگین جرم کا الزام لگایا گیا ہے۔ لیکن گرم جاسوس ہونے کے نہ ہونے کا [illegible] بچانے کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دینے کو بھی جاسوس اپنے مشن کی حفاظت کے لیے خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔"

"شہنشاہ معظم! عالی جاہ! میں نے مجھے بار بار یہ بیان دیتے ہوئے کہا۔ "حضور کا دل جام جہاں نما ہے۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں آپ نے مجھ نما جیسے کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے اس کے لیے میں تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ہرگز کوئی جاسوس وغیرہ نہیں ہوں بلکہ ایک سیدھا سادا سا غریب آدمی ہوں جس کو حضور والا کے سپاہیوں نے محض غلط فہمی کی بنا پر اسیر کر لیا ہے۔"

"مجھے تمہاری زبان کو یقین ہے نوجوان۔" شاہ مارطولیس نے کہا۔ "تمہاری بے مثال جرأت اور بہادری سے متاثر ہو کر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح سے تم نے میری پیاری بیٹی شہزادی آرینہ کی حفاظت دشمن کے ہیروں کے ہاتھ سے ہوئی ہے اس کے پیش نظر میں تمہارے [illegible] کرتا ہوں کہ تم کو اس منصب پر فائز کر دوں۔ تم میرے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ۔ اب تم کو محافظ دستے کا سردار بنا دیا جائے گا۔ مگر تمہاری مرضی کا کام کرنے کا۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے حضور والا کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ مگر میں معذرت خواہ ہوں کہ منصب جلیلہ کا اہل نہیں پاتا۔ میں بادشاہوں کی حمایت اور نوازشوں کو مسترد کرتا ہوں جیسے عزیز انسان کے جوتے کی بات نہیں۔" میں نے کہا۔

"افوہ نوجوان! تمہارے اندر کتنی خصوصیات موجود ہیں۔" شاہ مارطولیس نے کہا۔ "ایک طرف تو تم اجسام بشارتوں کی طرح حسین ہو۔ دوسری طرف تم بہادری میں بے جواب نہیں رکھتے اور ساتھ ہی ساتھ تمہاری گفتگو میں بے پناہ فصاحت اور بلاغت ہے۔ آخر تم اور مرنج نوجوان دولت کے کہاں سے سیکھی؟"

"حضور یہ الطاف و کرم کی جو نظریں ہے ہیں کی خدمت کرنے کا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے مرنج ملا ہے۔" میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میری نگاہیں بے ساختہ کیٹ لیے کے لیے مجھ کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کا چہرہ غصے کے مارے سیاہ ہو رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ یہ شہنشاہ مارطولیس کا فیصلہ تھا اور وہ مارطولیس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ بھلا اس میں اتنی ہمت کہاں

ہو گئی تھی کہ وہ مہاراطولیس کے ساتھ جنگلات کے لیے روانہ ہو
"باباجان میں آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں۔"
نے میری سفارش قبول کرتے ہوئے فروس کو میرے ساتھ بھیج دیا
ہو رہا تھا منظور کیا۔ شہزادی آریشہ نے اپنی شکستی آواز میں کہا۔
نہیں بلکہ تمہیں ہے۔ فروس اپنے اس نئے منصب پر فائز ہونے
اب وہاں موجود ہمارے لوگوں کو معلوم ہو گیا۔ شہزادی کی
کی سفارش پر مجھے اس کے حفاظت دستے کا سردار مقرر کیا گیا تھا
منہ نے ایک بار پھر تیز نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر آنکھیں جھکا لیں
اس طرح پر وہ میرے ساتھ شہزادی کے حفاظت دستے کا سردار
مقرر ہو گیا۔ مجھے رہنے کے لیے شہزادی کے محل کے حفاظتی خانے
میں ہی ایک کمرہ بھی جگہ دے دی گئی اور رہنے کے لیے اعلیٰ درجہ
کی دردی فراہم کی گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں بہت خوش تھا۔ اگرچہ وہ میرے تمام
انکسارات کی بڑی چیز نہیں تھی لیکن پھر بھی عورت عورت ہوتی ہے
کہ دل ہی دل میں مجھے سخت نفرت کرتا ہے اور مجھے نقصان
پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ ملاقات کے
تمام سپاہیوں اور محافظوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ زخمی کر کے
دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ایک نئے باہر سے آنے والے شخص کو جس
کا نام فروس ہے شہزادی آریشہ کے محافظ دستے کا سردار مقرر کیا گیا ہے
میں اب شہزادی آریشہ کے محل کے علاوہ دوسرے محلات میں بھی
آزادانہ طور پر جا سکتا تھا مگر مجھ پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں
محلات کے محافظوں اور ملازموں میں بہت جلد دوست بن گیا تھا
ان میں خاص طور سے عورتیں میری ذات میں بہت زیادہ دلچسپی
لے رہی تھیں لیکن میں کسی کی طرف راغب نہیں تھا میری نگاہوں میں
تو صرف شہزادی آریشہ کی تصویر بسی ہوئی تھی۔ شہزادی بھی مجھ سے
بہت زیادہ محبت کے ساتھ پیش آتی تھی اور ایک ہفتہ سے زیادہ
عرصے ایک دوست رکھتی رہیں نے کئی بار شہزادی کی آنکھوں میں اپنے
لیے ایک خاص چمک دیکھی لیکن کبھی کبھی وہ مجھ سے دوری کی وجہ سے کوئی
پیش قدمی نہیں ہوئی تھی اور میں خود اس معاملے میں کوئی پیش قدمی
کرنا نہیں چاہتا تھا۔

کئی ہفتے گزر گئے۔ اب شہزادی یہاں بھی جانی اس کے دوست
بن گئے کے بعد اس کی حیثیت سے میں اس کے ساتھ ہر جگہ بھی جانے
لگا تھا لیکن اب اس کی حیثیت میرے ساتھ ایک اجنبی کی سی تھی۔ وہ اس کا
کام میرے اعتماد کو بحال کرنا تھا۔ شہزادی بہت تیزی سے ترقی کر رہی
تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اپنے محافظوں کے ساتھ ہر اکھاڑے
دیکھنے والوں کی آنکھیں تھے زبان پر شہزادی کی تعریف تھی۔
تھے بڑی تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ وہ پہلی بار جس اکھاڑے میں گئی تھی
اسکرڈ کی مہارتوں کی کوئی کمزوریوں اور ان کے پیچھے ہوتے
ہوئے مجھ بزرگ ہوں کے جوال برسانے لگی تھیں میں ان ساری باتوں

میں قریب پانی مل جانے تب تک آپ اس جگہ کو بے حد ضروری
یہ کہہ کر گھوڑے سے نیچے اتر کر کام کرنے لگے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فروس۔" شہزادی نے جواب دیا۔ "میں یہاں
دیر تک کھڑی آرام کرتی رہوں تم میرے لیے پانی تلاش کرو۔"

شہزادی گھوڑے سے اتر کر ایک بڑے سے درخت کے تنے
سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا اور وہ
بہت تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی میں نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے بندھی
ہوئی پانی کی چھاگل کھولی جو اب بالکل خالی ہو چکی تھی اور محض اندازے
سے ایک طرف چل پڑا۔ مجھے خود میں معلوم تھا کہ یہاں پانی کہاں دستیاب
ہو سکے گا۔ اس وقت مجھے اس فرقہ کے وہ وحشی قبائلی یاد آئے جن کے
ساتھ میں تھا۔ تیز ہوتے ہوئے تھے زرد رنگ دور سے پانی کے بہنے کی آواز
سن لیتے تھے اور پانی کی تلاش میں نکل پڑتے تھے ان کی یہ حیرت انگیز صلاحیت
میں بھی تک محدود تھی متمدن دنیا کے لوگ اس سے بالکل بے بہرہ
تھے میں پانی کی موجودگی کا پتہ لگانے سے قاصر تھا۔

میں پانی کی تلاش میں ادھر ادھر سر مار رہا تھا۔ مجھے کہیں پانی نظر
نہیں آ رہا تھا۔ اچانک کوئی چیز زور سے میری پیٹھ سے ٹکرائی اور زمین پر
گری۔ میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک ڈیلا اور سبک تیر تھا جو ایک
گھوڑے سے شہزادہ انسان کو ہلاک کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اگر میری جگہ
کوئی اور ہوتا تو اس کے زندہ بچ جانے کا کوئی امکان نہ ہوتا میں
بجلی کی طرح اچھل کر تیر آنے کی سمت سے ایک طرف لڑھک گیا۔ اس
کے بعد مجھے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے اس آواز کو پہچان
لیا تھا۔ یہ ایک بھیڑیے کی غراہٹ تھی۔ میں نے اسے پہچان
لیا تھا۔ یہ بھیڑیا تھا۔

بات صاف تھی میں آرہی تھی منہ پھٹے دن ہی سے میرے خلاف
تھا اور جب شاہ مہاراطولیس نے مجھے اس کی جگہ شہزادی آریشہ کے
محافظ دستے کا سردار بنایا تو پھر اس کے رشک حسد اور نفرت کی انتہا
نہ رہی۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح مجھے ہلاک کر دے۔ جب
شہزادی مجھ پر کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے تھے تو وہ بھی اپنے
گھوڑے سے کود کر ایک خاص فاصلے سے ہمارا پیچھا کرنے لگا تھا
میں نے دیکھا کہ میں شہزادی کو چھوڑ کر ایک طرف روانہ ہو گیا ہے
میرے خلاف سازشیں شروع کر دیا اور ایک جگہ مناسب موقع دیکھ کر مجھ پر
حملہ کر دیا۔ اس کا نشانہ بہت اچھا تھا اور تیر ٹھیک جگہ لگا تھا اس لیے
میرا سلسلہ پیچھے ہو کر یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ میرا کیا حشر ہوا
ہے۔ تیر لگتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں مر چکا ہوں۔ میں بھیڑیے کی پوزیشن کو دیکھ
کر سمجھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک چشمہ نظر آ گیا۔ یہ میٹھے پانی کا
چشمہ تھا۔ میں نے اس سے پیاس بجھائی اور بھاگتے ہوئے گھوڑے
کے لیے بھی پانی لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

جب ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے گھوڑا روکا
تو میں ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑے کو
کاٹ دیا۔ دیکھنے میں آپ کے لیے پانی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

"شہزادہ کیسے شہزادی صاحبہ۔" میں نے کہا "میری خاطر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیے۔"

"لے یہ مصیبت تو خود مجھے منظور ہے۔" شہزادی نے جواب دیا اور محبت سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

نہ جانے کتنی دیر تک ہم لوگ اس خوبرو نوجوان کی قسمت سے دوچار رہے جب میں جوش میں آیا تو کافی دیر ہو گئی تھی۔

شہزادی نے نرم آواز میں کہا۔ "تم لوگ اب کھانا کھانے والے پہلے مرد ہو۔ اور اب میں تمہارے لئے خصوصی انتظام کچھ کرتی ہوں۔ وہ دیکھو تم لوگ بھی بھوکے نہیں رہو گے اور مجھے چھوڑ کر کہیں اور جا بھی نہیں سکو گے۔"

"آپ کیسی باتیں کرتی ہیں شہزادی صاحبہ۔" میں نے کہا "یہ تو میری عزت افزائی ہے کہ آپ نے مجھے اپنے قریب کے قابل سمجھا اور مجھے یہ عزت بخشی۔ میں بھلا آپ کو دھوکہ کس طرح دے سکتا ہوں؟"

"اچھا کوب چلیں۔" شہزادی نے کہا۔ "میں کھانا تیار ہونے کا اہتمام جلد کرواتی ہوں۔ آپ لوگ تھکاوٹ محسوس کر رہے ہوں گے۔ میرے خاص ملازمین آپ کی خدمت پر مامور ہوں گے۔"

ہم دونوں چل پڑے۔ میں نے آتے وقت راستے کو اچھی طرح اپنے ذہن میں رکھا تھا، اس لیے واپسی میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ہم لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں ہمارے محافظ ہمارے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں تجربہ بھی شامل تھا۔ تجربہ نے جب مجھے اور شہزادی کو ایک ساتھ آتے دیکھا تو حیرت کے مارے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور میرے گلے لگ کر بے تحاشا رونے لگا۔ میں نے بھی اسے بھینچ لیا۔ تجربہ کے بعد باقی محافظوں سے بھی میں نے گلے ملا اور ان سب کی خیریت دریافت کی۔ سب کے سب بالکل ٹھیک تھے۔ ان کے چہروں پر بشاشت دیکھ کر میرا دل خوشی سے بھر گیا۔

میرے اور شہزادی آرینہ کے واپس آنے کے بعد محفل ہی کے ایک چھوٹے سے قطعے کو کھولا گیا اس پر جھاڑیوں سے اچھی طرح صاف کر کے وہاں قالین بچھا دیے گئے۔ شہزادی کے خاص سب سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی تھا۔ اس کے بعد میرے لیے قالین لایا گیا۔ پھر شہزادی کے لیے اور اس کے بعد دوسرے محافظوں کے گھوڑوں کو۔ ظاہر ہے بعد ہم لوگ آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے گئے۔

شام ہو چلی تھی۔ اس دوران بعض محافظوں نے ایک بڑے سے بڑے جانور کا شکار کر لیا تھا اور اس کے علاوہ کچھ بڑے بڑے پرندوں کا بھی شکار کیا تھا۔ محافظوں نے آگ روشن کی اور اس پر جانوروں کا صاف کیا ہوا گوشت بھونا جانے لگا۔ چاروں طرف بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو پھیل گئی۔ سب سے پہلے شہزادی کی خدمت میں نرم نرم بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا لیکن شہزادی اس وقت تک اسے کھانی نہیں جب تک کہ پہلے میں گوشت نہیں دے دیا گیا۔ اس اثنا میں مجھے کئی بار اس سے درخواست کی کہ وہ کھانا شروع کر دے لیکن میں نے ہر بار یہی کہا کہ شہزادی کی موجودگی میں میرا کھانا شروع کرنا آداب کے خلاف ہے۔ اس وقت تک کھانا شروع نہیں کروں گا جب تک شہزادی گوشت نہ کھا لے۔

گوشت کھانے کے بعد شہزادی نے مجھے تھوڑی دور تک چہل قدمی کی دعوت دی ہم میں نے تو نہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ہم دونوں کافی دیر تک اپنے کیمپ سے اکٹھے ہی ٹہلتے رہے۔ میں نے شہزادی کو زیادہ دور تک اس لیے نہیں جانے دیا کہ راستے میں جنگلی جانوروں کا خطرہ تھا چہل قدمی کے دوران شہزادی نے صاف صاف مجھ سے کہہ دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اپنی تقریباً ساری عمر میرے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔ میں نے اسے بہلانے کی کوشش کی کہ ایسا ممکن نہیں ہے اور یہ کہ شاہ مارطلوس اس کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔ لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔

"اگر تم میری ماں سے بات کرو تو اس معاملے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔" آرینہ نے کہا۔ "وہاں سے تو میری دعوت ملی اور میں اپنے دل کی سرپلٹ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ کہہ سکتی تھی۔ افسوس کہ چند سال پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ اب شاہ مارطلوس میرے لیے اپنے باپ کا بھی درجہ رکھتے ہیں اور میں کوشش کروں گی کہ انھیں بھی تمہارے لیے راضی کر لوں۔ تمہیں چاہتی ہوں کہ وہ دنیا کی ہر چیز حاصل کر لے جو تمہارے دل و جان سے پسند کرنے لگی ہے اور میں خود بھی اپنی دل پسند چیز ہی لے رہا ہوں۔ لیکن اب تک ایسا کوئی موقع نہیں ملا تھا کہ تم سے کچھ کہتی اور آرینہ دونوں خاصی احتیاط سے کام لے رہے تھے۔"

شہزادی آرینہ کا تجربہ کار بھائی کوب کچھ پریشان سا اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ کسی نہ کسی وجہ ایسے ہی آئے ہوئے کہ ان کی ملاقات کے دوران وہاں موجود رہا تھا۔ لیکن میں نے محسوس کر لیا کہ کوب میری موجودگی کو پسند نہیں کر رہا تھا اور کسی نہ کسی بہانے مجھے وہاں سے ٹالنا چاہتا تھا۔ چونکہ میں خود بھی اس بات کو محسوس کر رہا تھا اس لیے اب وہ موقع آ گیا تھا جب میں وہاں سے کھسک جاتا۔ میں نے یہی کیا۔

کوب ان کا تذکرہ ہے کہ میں محل کے باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اس وقت آرینہ اپنے محل کے اندر اپنی سہیلیوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھی۔ اس وقت اسے میری کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ایک طرف سے کوب اور تجربہ کو آتے دیکھا۔ میں نے ان کا سلام کیا۔ تجربہ نے جواب دیا لیکن کوب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا رہا۔ میں نے تجربہ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو تجربہ نے بتایا کہ کوب کو شہزادی آرینہ سے بے حد محبت ہے اور وہ شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ میرا وہاں سے ہٹ جانا ہی بہتر سمجھتا ہے۔ میں نے کوب کو مخاطب کر کے کہا کہ وہ بے فکر رہے۔ میں شہزادی سے شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ شہزادی نے خود مجھ سے شادی کی درخواست کی ہے۔ وہ آدھا ہی جملہ سن سکا تھا کہ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے مجھ سے معافی مانگی اور کہا کہ اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ اور تجربہ واپس چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد شہزادی آرینہ اپنی سہیلیوں سے ملنے کے بعد واپس آ گئی۔ خوشگوار اور تیز گفتگو میں بہت سا وقت گزر گیا تھا۔ وہ واپس آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ بجھی بجھی سی ہے۔ اور وہاں میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ اس کا موڈ بہتر ہو جائے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو اس نے کہا کہ کوب نے اسے بتایا ہے کہ میں نے اس سے شادی کرنے کے بارے میں بات کی ہے۔

"تو پھر جب تمہارے باپ نے تمہارے لیے پہلے ہی شوہر کا انتخاب کر لیا ہے تو تم یہ کیوں کہتی ہو کہ تم کو وہ قطعی میرے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دیں گے؟"

"میں اس سلسلے میں کوشش کروں گی۔" آرینہ نے جواب دیا۔ "میں بات کروں گی۔"

"لیکن اس ملاقات میں جلدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمیں ابھی بہت سے مقامات کا سفر طے کرنا ہے۔ وقت آنے پر تمہارے والد سے بات کر لینا۔"

"میں عورت ہوں اور میرا ایک دوسرے کے لئے قریب آنے کے دوران ہمارے درمیان کوئی اور تعلق استوار ہو گیا تھا۔ ہم لوگ دو ایک دن میں ایک دوسرے کے اتنا قریب آ گئے تھے جیسے ہم بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ ہوں۔ ہمارے درمیان ان خفیہ تعلقات کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ تجربہ سائے کی طرح ہمارے گرد منڈلاتا رہتا ہے اور اس کی موجودگی میں کہیں بھی ایسے عالم میں پکڑے کہ شاہ مارطلوس سے شکایت کر سکے۔ اسے اس بات کا خوب اچھی طرح اندازہ تھا کہ آرینہ مجھے دل و جان سے پسند کرنے لگی ہے اور میں خود بھی اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہوں۔ لیکن اب تک ایسا کوئی موقع نہیں آیا تھا کہ ہم کھل کر گفتگو کر سکتے اور آرینہ دونوں خاصی احتیاط سے کام لے رہے تھے۔"

"سردار کوب سب تمہارے لیے وقت آگیا ہے۔" میں نے کہا۔ "عملی قدم اٹھانے کا۔ مجھے نے اس سے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو مجتبیٰ؟" آرینہ نے پوچھا۔

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ شہزادی صاف طور پر فرض اس کو لے رہی ہے اور ظاہر ہے کہ فرض جیسے ایک معمولی اور ادنیٰ درجے کے غلام کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا عزت افزائی کی بات ہو سکتی ہے۔ وہ شہزادی آرینہ کا منظور نظر بن جائے۔ میں کافی دنوں سے اس بات کو بغور دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے ہیں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" کوب نے غصے سے کہا۔ "شہزادی آرینہ میری منگیتر ہے اور اس کی شادی ہر صورت میں مجھ سے ہی ہوگی۔ اس پر صرف میرا حق ہے۔ کوئی دوسرا اس پر اپنا حق نہیں جتا سکتا اور میں پہلے اولی الامر کی کیا حیثیت ہے کہ شہزادی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔"

"تمہارا کہنا ٹھیک ہے سردار کوب۔" مجتبیٰ نے کہا۔ "لیکن میرے اور تمہارے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے دلچسپی لے رہے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ بات بہت آگے تک بڑھ جائے گی۔"

"پھر تمہارے خیال سے مجھے کیا کرنا چاہیے۔" کوب نے پوچھا۔

"میرے خیال میں سب سے زیادہ محفوظ اور مناسب راستہ ایک ہی ہے۔" مجتبیٰ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"وہ کیا ہے؟" کوب نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ کسی طرح فروس کو قتل کروا دیا جائے۔ اس کے قتل کے ساتھ ہی یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔" مجتبیٰ نے کہا۔

"لیکن اس کو کس طرح قتل کیا جائے؟" کوب نے پوچھا۔ "میں اس کے لیے کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے سردار کوب۔" مجتبیٰ نے جواب دیا۔ مجتبیٰ آرینہ ہمراہ سفر اپنے محافظوں کے ساتھ سمیر کے لیے نکلتی ہے فروس اس میں شامل ہوتا ہے۔ کوئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد شہزادی وہاں سے بھاگتی ہے۔ اس کے بعد فروس کو دو ہر تک کے لیے چھٹی مل جاتی ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب فروس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد فروس کو دوپ

[illegible] ہوئے کہا۔ "تم شہزادی آرینہ کے ساتھ کہاں چلی گئی تھیں؟ میں [illegible] تمہیں [illegible] کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیے۔ تم اپنی اوقات کے مطابق چلو۔"

میں نے دیکھا کہ آزوب کی بات سن کر شہزادی آرینہ کے [illegible] ہاتھ رک گئے۔ لیکن اس نے کچھ بولنے سے پہلے ہی میں خود بول پڑا۔ "یہ وزیر آزوب ہیں۔ شہزادی آرینہ جانی دشمن ہیں۔ اصل میں ان کی جان کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ میں ان کے ساتھ سائے کی طرح رہتا ہوں۔ اگر ان کی جان کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو میں اپنی جان پیش کر کے انہیں بچا لوں گا۔ اس لیے چل رہ

تو میں نے پانی کی سطح پر سے اپنا سر اٹھایا۔ ساحل پر دور دور تک سناٹا نظر آرہا تھا اور کوئی شخص بردگرد موجود نہیں تھا۔ وہ آدمی جس نے مجھے زیر آب ڈبو کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی، یقیناً مطمئن ہو گا آزوب کو اپنی کامیابی کی اطلاع دینے چلا گیا ہوگا اور ان سے اپنا انعام بھی وصول کرنا چاہتا ہوگا۔

میں نے کچھ دیر تک اور سمندر میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا اور ادھر سے اُدھر تیرتا رہا۔ سمندر کا پانی اس وقت خنک تھا اور بڑا لطف دے رہا تھا۔ مجھے تیرنے اور نہانے میں بڑا مزا آرہا تھا۔ کافی دیر تک میں پانی میں اٹھکیلیاں کرتا رہا۔ اچانک مجھے دور سے تین آدمی سمندر کے ساحل کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں فوراً چوکنا اور ہوشیار ہو گیا، کیونکہ ساحل کا یہ حصہ جہاں میں اس وقت موجود تھا، بالعموم بالکل ہی سنسان اور ویران رہتا تھا اور اس طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ اب اکٹھا تین آدمیوں کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں جلدی سے ساحل کے قریب بھری ہوئی ایک چٹان کے اندر بنے ہوئے ایک غار نما غار میں جا گھسا۔ اس غار کے اندر بھی پانی بھرا ہوا تھا اور سخت پھسلن تھی لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح خود کو اس کے اندر چھپا لیا۔ یہ غار ایسا تھا کہ اس میں ایک بار چھپ جانے کے بعد آدمی باہر سے کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔

تینوں آدمیوں کے قدموں کی چاپ نزدیک آتی گئی اور پھر وہ غار کے عین قریب آکر رک گئے۔ اب وہ تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی ہے سردار منجر!" ایک بھاری اور کرخت آواز بلند ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس شخص کی آواز تھی جس نے مجھے زیر آب ہاتھوں میں ڈبا کر ڈبونے کی کوشش کی تھی۔

"اگر تم نے اپنا کام حسن و خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دے دیا ہے تو تمہیں اس کا خاطر خواہ انعام بھی ملے گا۔" ایک دوسری آواز بلند ہوئی۔ اور میں نے صاف طور پر پہچان لیا کہ یہ سردار آزوب کی آواز تھی میں ان لوگوں کی شکلیں اگرچہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ان کی آوازیں صاف طور پر سن اور سمجھ سکتا تھا۔

"سردار آزوب اس بات کا یقین رکھو کہ میں تمہارے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔" میرے قاتل کی آواز بلند ہوئی۔ "مجھے خوطہ خوری کا پچیس سال کا تجربہ ہے اور اس طویل تجربے کے دوران میں نے بڑے بڑے اہم کارنامے انجام دیئے ہیں اور دیو قامت قسم کے کئی ایک بار بھی مجھے ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا ہے۔ میں نے تمہارے دشمن کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے اور اب وہ تمہیں پریشان کرنے کے لیے کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

"وہ کون سی جگہ تھی جہاں تم نے اسے پانی میں ڈبویا تھا؟" منجر کی آواز بلند ہوئی۔

"جس جگہ ہم لوگ کھڑے ہیں یہاں سے کوئی بیس پچیس گز کے فاصلے پر۔" خوطہ خور نے جواب دیا۔ "وہ تیرنے اور نہانے کے لیے یہاں آیا تھا اور میں خاموشی سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آخر وقت تک میری موجودگی کی اطلاع نہیں مل سکی اور بہر صورت تو وہ کسی طرح بھی دیکھ نہیں پایا تھا۔ میں نے اسے پانی کے اندر ہی دھر دبوچا اور اس کا گلا دبا دیا۔ اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کہ میری قوت اور مہارت کے آگے اس کی چل سکتی تھی، اور زیادہ دیر میں وہ ختم ہو گیا۔"

"شاباش!" آزوب کی آواز سنائی دی۔ "لیکن کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ وہ ختم ہو چکا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کے اندر تھوڑی بہت جان باقی رہ گئی ہو اور وہ دوبارہ زندہ ہو جائے۔"

"یہ ہاتھ پکا کام نہیں کرتے سردار!" خوطہ خور نے جواب دیا۔ "جب تک آدمی کو پورے طور پر ٹھکانے نہیں لگا دیتے، اس وقت تک چھوڑتے نہیں ہیں۔"

"تمہارے خیال میں اس کی لاش کب تک دستیاب ہو سکے گی؟" منجر نے سوال کیا۔

"اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" خوطہ خور نے جواب دیا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی لاش کبھی نہ مل سکے، سمندری مچھلی اور دیگر جانور اسے کھا پی کر برابر کر دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی لاش بہتے بہتے بہت دور کسی علاقے میں نکل جائے اور تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لاش مل جائے۔ بہر حال کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔"

"اگر تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ تم نے اپنا کام پورا کر دیا ہے تو پھر تم آج شام کو میرے گھر آکر مجھ سے اپنی رقم لے لینا۔" آزوب نے کہا۔ "لیکن آئندہ رہے کہ میرے ساتھ کوئی دھوکہ بازی نہیں چلے گی۔"

"اس میں دھوکے بازی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" خوطہ خور نے جواب دیا۔ "میں نے اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔ میری رقم ہے آپ آج دوپہر کو مجھے میری رقم عنایت کر دیں تو میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں گا کیونکہ مجھے کچھ لوگوں کے قرضے ادا کرنے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" آزوب نے کہا۔ "تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں فوری طور پر رقم ادا کر دیتا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ سردار آزوب۔" خوطہ خور نے کہا۔

"لیکن ایک بات کا خیال رہے۔" آزوب کی آواز بلند ہوئی۔ "مجھے تمہارے جینے میں جینے کے لیے دفن رہنے گا۔ اگر کبھی تمہاری زبان سے یہ بات نکلی تو یاد رکھنا کہ وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔"

"اس بات کی تو حضور تکرار ہی نہ کریں۔" خوطہ خور نے جواب دیا۔ "میرے جینے میں ایک آپ ہی کا راز نہیں، معلوم نہیں اور کتنے لوگوں کے راز دفن ہیں اور ان میں سے کوئی بھی راز آج تک میری زبان پر نہیں آیا۔"

"خیر ہے چلو۔" آزوب نے کہا۔ اور وہ تینوں وہاں سے چل پڑے۔ رعب ان کے قدموں کی چاپ مجھ سے کچھ دور ہو گئی تو میں بے چینی اور بے چینی بھرے ہوئے اس غار میں سے باہر نکل آیا اور چٹان کی اوٹ سے انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ ان لوگوں کی پشت میری طرف تھی۔ میں نے دیکھا کہ آزوب سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے وہ خوطہ خور تھا اور اس کے پیچھے منجر تھا۔ میں انہیں جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

اور پھر ایک نہایت ہی عجیب و غریب اور غیر متوقع بات ظہور پذیر ہوئی۔

آزوب نے جو سب سے آگے چل رہا تھا یکایک پیچھے مڑ کر دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں منجر کو کسی بات کا اشارہ کیا۔ منجر چٹان کے پیچھے اس طرح چھپا ہوا تھا کہ میں ان لوگوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ معلوم نہیں خوطہ خور آزوب کے اس اشارے کا کوئی مطلب سمجھا یا نہیں سمجھا لیکن منجر اس کا مطلب ضرور سمجھ گیا۔ اس نے فوراً اپنی کمر میں سے ڈاب ہو خنجر نکالا اور اچھل کر خوطہ خور کی پشت میں پیوست کر دیا۔ خوطہ خور ایک چیخ مار کر زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ لیکن اس ویرانے اور سناٹے میں اس کی چیخ سننے والا کوئی نہیں تھا۔ اسے گرتے ہی منجر نے تڑ تڑ تڑ تڑ تڑ تڑ ایک اور کاری وار اس کے سینے پر کیا اور اس کے بعد دو تین وار اور کیے۔ خوطہ خور کے جسم سے خون کے فوارے ابل رہے تھے اور اب اس کے منہ سے کوئی چیخ نہیں نکل رہی تھی۔ اس کا جسم زور و برق تک کانپتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ بالکل ساکت ہو گیا۔ آزوب اور منجر دو یہ تک اس کے مردہ بدن کے پاس کھڑے رہے اور پھر وہاں سے چلے گئے۔

میں اب ان لوگوں کا پورا کھیل سمجھ گیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے پہلے تو اس کام پر خوطہ خور کی خدمات حاصل کیں۔ اسے بھاری رقم کا لالچ دے کر مجھے ہلاک کر دالا۔ اس کے بعد اس کی زبان کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کی غرض سے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ ان دونوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ شہزادی آرزو سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اگر اس کے کانوں میں یہ بھنک بھی پڑ گئی کہ مجھے ہلاک کرنے میں آزوب اور منجر کا ہاتھ ہے تو وہ ان دونوں سے سخت انتقام لے گی اور ممکن ہے کہ انہیں قتل بھی کروا دے۔ اس لیے انہوں نے اپنے راستے کے اس کانٹے کو بھی ٹھکانے لگا دیا اور مطمئن ہو گئے کہ میری موت کا راز ہمیشہ کے لیے راز ہی رہے گا۔

میں خاموشی سے چٹان کے پیچھے چھپا ہوا ان کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل ننگ دھڑنگ ہوں۔ میرے کپڑے اور جوتے وغیرہ ایک گٹھڑی کی شکل میں بندھے ہوئے ساحل پر ہی پڑے تھے۔ میں نے ان کی گٹھڑی بنائی اور اسے سر پر رکھ کر ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے اپنے گھر واپس آکر کھانا وغیرہ کھایا اور اپنے کمرے کے دروازہ اندر سے بند کر کے سو گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس وقت واپس آنے کا جب شہزادی کے دوبارہ سر پر جانے کا وقت آجائے گا اور اس وقت کہاں ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے شہزادی آرزو کو میری گمشدگی کے بارے میں اطلاع دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آج آزوب ہی شہزادی سے ملنے کی غرض سے آجائے۔

سب کچھ میری توقعات کے عین مطابق ہوا۔ مجھے اپنے ایک نائب کپتان زبانی بتا چکا تھا کہ آزوب دو بجے کے قریب شہزادی آرزو کی خدمت میں حاضری دینے کی خاطر محل میں آیا تھا۔ اس وقت بھی میں اپنے کمرے میں موجود تھا۔ یقیناً وہ آزوب کے محل میں آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی موجود ہو گا اور دونوں کے درمیان میری ہلاکت کا جشن منایا جا رہا ہو گا۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ ان کی یہ خوشی کتنی ناپائیدار ہو گی۔

شہزادی آرزو کے معمول کے مطابق کہ ایک تو وہ سہ پہر کے وقت سیر کے لیے نکلتی تھی اور اس وقت اس کے محافظ دستے کے سارے لوگ اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سیر کرنے کے بعد وہ واپس محل میں آجاتی تھی اور اس وقت محافظ دستے کے لوگوں کو چھٹی مل جاتی تھی اور یہی وہ وقت ہوتا تھا جب میں بالعموم سمندر کی جانب نکل جایا کرتا تھا۔ اس کے بعد شہزادی سیر پر کو ایک بار پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سیر و تفریح کے لیے باہر نکلتی تھی۔ اس بار بھی اس کے محافظ دستے کے پورے لوگ اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے پہلے شہزادی محل میں واپس آجاتی تھی۔ اس کے بعد محافظ دستے کے لوگوں کو چھٹی مل جاتی تھی۔

میں نے اپنے گھر واپس آکر کھانا وغیرہ کھایا اور اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے سو گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس وقت واپس آنے کا جب شہزادی کے دوبارہ سر پر جانے کا وقت آجائے گا اور اس وقت کہاں ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے شہزادی آرزو کو میری گمشدگی کے بارے میں اطلاع دے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آج آزوب ہی شہزادی سے ملنے کی غرض سے آجائے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دیکھ رہے تھے گویا ہمیں سچ مچ کا فروس نہیں ہوں بلکہ فروس کا مجسمہ ہوں۔ وہ یکساں ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بیک وقت حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات تھے۔

"کیا بات ہے بچہ، ہمیں نے تمہیں کہا کہ کیا تم نے آج تمہیں تعلیم دینا بھی بھول گئے ہیں کیا؟ تم اس حقیقت کو ذہن نشین کر لو کہ میں تمہارا استاد ہوں اور تمہاری آرینہ کے محافظ دستے کا نگران ہوں۔ تم نے..."

"میں... میں... میں سخت معذرت خواہ ہوں سردار فروس۔" منجھلے نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں کسی اور ہی سوچ میں غرق تھا۔ میں کچھ اور ہی باتیں سوچ رہا تھا۔"

"ذاتی باتوں کو فرائض کی ادائیگی میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔

"غلطی ہو گئی سردار فروس۔ مجھے دل ہی دل میں مجھے معاف کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "اگر اس دوران تم واپس آ گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ دوبارہ تم سے ملنے پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔"

"بری مناسب رہے گا۔" شہزادی آرینہ نے خشک لہجے میں کہا۔ اچھل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اس کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی سارے محافظ مستعد چوکس اور مستعد ہو گئے۔ میں نے اپنا گھوڑا سب سے آگے کر لیا۔ شہزادی میرے پیچھے تھی اور اس کے پیچھے محافظ دستے کے باقی لوگ تھے۔ ہم لوگ چل پڑے۔ مجھے بھی ہمارے ساتھ تھا۔ زیب کر گیا۔ آزوب کو منجھلے دونوں کی حالت قابل دید تھی۔ وہ مجھے فروس کے روپ میں شاید فروس کا بھوت سمجھ رہے ہوں گے۔ انھیں تو غوطہ خوری کے اس بات پر یقین دلایا تھا کہ وہ میرا کام تھی طور پر تمام کر چکا ہے اور اسی یقین دہانی کی خاطر انھوں نے اس غوطہ خور کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اسی لیے یہاں جنگل کے درمیان ان کے سامنے موجود میرا اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف تھا۔ ان دونوں کو شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ شہزادی نے سب لوگوں کے سامنے اور بالخصوص میرے سامنے آزوب کے ساتھ جو ٹھنڈے اور تضحیک آمیز رویہ اختیار کیا تھا اس سے وہ سخت دل گرفتہ نظر آ رہا تھا اور بڑی کینہ توز نظروں سے بھری طرف دیکھ رہا تھا۔

بہرحال آزوب کو یہیں چھوڑ کر ہم لوگوں کا قافلہ میرے لیے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے ہو کر شہزادی نے پتا نہیں میرے گھوڑے کے قریب کر لیا اور ہم دونوں کی واپس میں باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے۔ باقی لوگ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

اس دن شام ڈھلے تک شہزادی غوطہ خوری پر کرتی رہی۔ جب ہم لوگ واپس محل میں آئے تو اس وقت ظاہر ہو چکی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور محل میں جراغ جلنے شروع ہو گئے تھے۔ آزوب کافی دیر تک شہزادی کا انتظار کرتے کرتے بیزار ہو گیا تھا۔ شہزادی آرینہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور محافظین اپنے اپنے

پر چلے گئے۔ میں بھی اپنے کمرے میں آ گیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد شاہ مارلطوس نے شکار کا پروگرام بنایا۔ یہ پروگرام بھی شہزادی آرینہ کے اصرار پر ہی بنایا گیا تھا۔ وہ اپنے محافظین کے ساتھ تنہا شکار کے لیے جانا چاہتی تھی۔ لیکن شاہ مارلطوس نے کہا کہ وہ بھی شکار پر گئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں اور وہ بھی اس کے ساتھ چلنا چاہتا ہے۔ شہزادی اس بات سے بہت خوش ہوئی اور شکار کے پروگرام کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

جب آزوب کو اس بات کا پتا چلا کہ شاہ مارلطوس اور شہزادی آرینہ شکار کے لیے جانے والے ہیں تو اس نے بھی ان کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ شاہ مارلطوس کا ہونے والا داماد تھا۔ شاہ اسے کس طرح منع کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بخوشی اسے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح آزوب بھی شکار پر جانے والی پارٹی میں شامل ہو گیا۔

اگلے چند روز میں ہم لوگوں کی جمعیت شکار کے لیے روانہ ہو گئی۔ شاہ مارلطوس نے اس بات کی خاص ہدایت دی تھی کہ مجھے ضرور ساتھ لیا جائے کیونکہ ایک بار وہ میری بہادری کے بارے میں سن چکا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ شکار کے موقع پر میں اس کے ساتھ رہوں۔

ہم لوگ علی الصباح روانہ ہوئے۔ جلد ہی بستی اور آبادی سے نکل کر ہم لوگ جنگل میں پہنچ گئے اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ اس جنگل میں طرح طرح کے خطرناک جانور موجود تھے جن میں چیتے بکثرت پائے جاتے تھے۔ جھاڑیوں کے علاوہ بھی جنگل خوفناک درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ درندوں کے علاوہ اور جانور بھی بکثرت موجود تھے جن کا شکار کیا جا سکتا تھا۔

اس دفعہ چونکہ شاہ مارلطوس بذات خود ہم لوگوں کے ساتھ تھا اس لیے حفظ ماتقدم کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ شاہ مارلطوس، شہزادی آرینہ اور آزوب ایک ساتھ اپنے گھوڑوں پر سوار چل رہے تھے۔ ان کے آگے میں اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ تھا اور باقی شاہ مارلطوس کے ذاتی محافظوں میں سے کچھ لوگ تھے۔ شاہ مارلطوس و شہزادی آرینہ کے باقی ذاتی محافظ ان کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ یہ انتظام اس لیے کیا گیا تھا کہ کسی ہنگامی صورت حال کے موقع پر شاہی خاندان کے لوگ محفوظ رہیں۔

ہم لوگ پڑاؤ پر جا کر مقیم ہو گئے اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنے لگے۔ اس کے بعد شاہ مارلطوس نے مجھے اور آزوب کو اپنے ساتھ لے جانے کی دعوت دی کہ ہم لوگ کسی جانور کا شکار کریں۔ آرینہ بھی اصرار کر کے ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئی اور ہم تیر کمانوں، نیزوں اور بھالوں سے لیس ہو کے جنگل میں گھس گئے۔ اچانک ہمیں ایک جگہ ایک تندیدہ آتا جنگلی بھینسا نظر آیا جو شکل سے ہی سخت خطرناک نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بے اختیار میرا ہاتھ بھی اس جنگلی بھینسے کو دیکھ لیا۔

"اس جنگلی بھینسے کا شکار کون کرے گا؟" شاہ مارلطوس نے مسکراتے ہوئے ہم سب لوگوں سے دریافت کیا۔

میرے یا آرینہ کے جواب دینے سے پہلے ہی آزوب نے سینہ تان کر کہا۔ "اس کا شکار میں کروں گا۔ آپ چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ آرینہ تو عورت ہے اور یہ محافظ غلام میرے خیال میں اتنا اچھا تیر انداز ثابت نہیں ہو گا۔"

آزوب کے اس تحقیر آمیز انداز تخاطب پر میں دل ہی دل میں سخت برافروختہ ہوا۔ لیکن میں نے اپنے چہرے سے اپنے جذبات کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ لیکن شہزادی آرینہ کو آزوب کی یہ بات بھی کافی ناگوار گزری اور وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "فروس میرے محافظ دستے کا سردار ہے۔ وہ غلام نہیں ہے آزوب۔ تمہیں یہ بات یاد رکھنا چاہیے۔"

آزوب نے آرینہ کے جواب پر منہ بنایا اور خاموشی اختیار کر لی۔ شاہ مارلطوس بھی خاموش رہا لیکن اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے آزوب کا انداز تکلم پسند نہیں آیا۔

بھینسا ہم لوگوں سے کافی دور کھڑا ہوا ایک جھاڑی کے قریب کچھ کھا رہا تھا۔ چونکہ ہوا مخالف سمت سے چل رہی تھی اس لیے وہ ہماری بو نہیں سونگھ پایا تھا اور نہ ہی شاید اس نے ہماری آہٹ محسوس کی تھی ورنہ وہ اب تک وہاں سے بھاگ جاتا۔

"ٹھیک ہے آزوب۔" شاہ مارلطوس نے کہا۔ "میں پہلا موقع تمہیں دیتا ہوں۔ تم تیر کے ذریعے اس بھینسے کا شکار کرو۔"

"میں تیار ہوں۔" آزوب نے فخریہ گردن تان کر کہا۔ اور کندھے سے کمان اتار کر اس میں ایک سبک اور نکیلا تیر جوڑنا۔ اس نے تیر کمان میں لگا کر بھینسے کے جسم کا نشانہ لیا اور پھر کمان کو خوب اچھی طرح کھینچ کر تیر چھوڑ دیا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ آزوب ایک اچھا نشانہ باز ہے اور شاید وہ اس بھینسے کو مار گرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ جیسے ہی آزوب نے تیر چھوڑا ویسے ہی بھینسے نے اچانک پوزیشن بدل لی اور تیر بھینسے کے جسم میں گھسنے کے بجائے قریب ایک جھاڑی میں پیوست ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی بھینسے نے اپنا سر اٹھا کر ہم لوگوں کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے اچانک ہم لوگوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس وقت سب سے زیادہ قابل رحم حالت آزوب کی تھی۔ وہ بے تحاشا اپنا گھوڑا پیچھے موڑ کر بھاگنے لگا۔ شاہ مارلطوس اور آرینہ نے پھر بھی کچھ ہمت کا مظاہرہ کیا۔ آرینہ نے جلدی سے اپنی تلوار سونت لی اور شاہ مارلطوس نے اپنا نیزہ سنبھال لیا۔ لیکن آزوب کے کوئی ہتھیار سنبھالنے کے بجائے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔ دوتری سے پیچھے ہٹنے لگا لیکن زمین ناہموار ہونے کی وجہ سے اس کے گھوڑے کو پیچھے ہٹنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ اس اثنا میں بھینسا بالکل نزدیک آ گیا تھا اور قریب تھا کہ شاہ مارلطوس اپنا نیزہ اس پر پھینک کر مار دے، لیکن میں نے فوراً کے اشارے سے روک دیا۔ مجھے ابھی طرح معلوم

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تنہا اگلی رسید ایک بار رخی ہو جائے تو وہ انتہائی غضب ناک ہو جاتا ہے۔ دانت، دشمن پر بھیڑیوں کی طرح حملہ آور ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ آریہ بھی اپنی تلوار سونتے ہوئے تیار کھڑی تھی لیکن میں نے اسے بھی روک دیا۔ شاہمار مطلوبس اور آریہ دونوں حیران تھے کہ آخر میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خطرناک جنگلی بھینسا ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ہمارے قریب ہوتا جا رہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اس خوفناک بھینسے کو اس وقت میں نے زیادہ قریب سے نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت بھی اس وقت گھوڑے پر سوار تھا اور میرے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ میں شاہمار مطلوبس اور شہزادی آریہ کے سامنے اپنی بہت زیادہ غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میرا ارادہ تھا کہ میں ہتھیار کی مدد سے ہی بھینسے کو ہلاک کر دوں گا۔ پہلا پنجہ میں نیزے سے اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور میں نے بھینسے کو قریب آنے کا موقع دیا۔

"فردوس!" شاہمار مطلوبس زور سے چیخا۔ "تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"پیچھے ہٹو فردوس!" آریہ بھی چلائی۔ "یہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ یہ سخت غصے کے عالم میں معلوم ہوتا ہے۔"

لیکن میں نے ان لوگوں کی بات سنی ان سنی کر دی۔ جیسے ہی غضب ناک جنگلی بھینسا چنگھاڑتا ہوا میرے قریب آیا میں نے اپنے جسم کی پوری قوت سے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا نیزہ اس کے سر کے عین بیچوں بیچ گھسیڑ دیا۔ نیزہ اس کے سر کو توڑتا ہوا دور تک اندر گھستا چلا گیا اور بھینسا بہت زور سے ڈکرایا۔ اس نے اپنی جھونک میں کچھ اور آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن میں نے نیزے کے سرے کو جس ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا، ذرا ادھر اُدھر گھمایا اور بھینسا شدید تکلیف سے دھاڑتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے اپنا نیزہ اس کے سر کے اندر سے کھینچ لیا اور فوراً ہی دوبارہ اس کے سر میں گھسیڑ دیا۔ اس دفعہ نیزہ زیادہ اندر تک دھنستا ہوا چلا گیا۔ بھینسے کے حلق سے ایک اور خوفناک ڈکرانے کی آواز نکلی اور وہ زمین پر گر کر بُری طرح تڑپنے لگا۔ اس کے سر سے خون کے فوارے اُبل رہے تھے۔

اس اثنا میں شاہمار مطلوبس اور شہزادی آریہ میرے نزدیک آ گئے تھے اور حیرت اور بے یقینی کے عالم میں یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہے تھے۔ شاہمار مطلوبس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور آریہ کی آنکھوں میں میرے لیے حیرت کے علاوہ زبردست تحسین و توصیف کے جذبات بھی تھے۔ آزوب اپنے گھوڑے پر سوار ہم لوگوں سے کافی دور پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اب بھینسے کی ہلاکت کے بعد اسے بھی کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اور وہ بھی اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ چلاتا ہوا ہم لوگوں کے نزدیک آ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے سخت خجالت، شرمندگی اور مردنی ٹپک رہی تھی۔

"تم واقعی ایک غیر معمولی طور پر بہادر انسان ہو۔" شاہمار مطلوبس نے گہری آنکھوں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی سب سے بہادر فوج میں کوئی شخص اتنا بہادر اور جری نہیں دیکھا جو ایک غصے میں آئے ہوئے جنگلی بھینسے کا اس طرح مقابلہ کر سکے جس طرح تم نے کیا ہے۔ آریہ نے تمہارے بارے میں ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تم سے زیادہ بہادر آدمی اپنی ساری زندگی میں کہیں نہیں دیکھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی تمہاری بہادری کا مظاہرہ دیکھ چکی ہے لیکن میرے لیے یہ بالکل نئی بات ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں نوجوان۔ اور تمہیں شاہی بہادری کا تمغہ ضرور ملے گا۔"

"مجھے کسی صلے کی ضرورت نہیں ہے حضور والا۔" میں نے انکساری سے کام لیتے ہوئے شاہمار مطلوبس سے کہا۔ "آپ نے میرے کام کو پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی کی اور میرے لیے یہی سب کچھ ہے۔ آپ نے میرے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، بھلا اس کے بعد میں کسی اور صلے کی تمنا کر سکتا ہوں؟"

"یہ تمہاری نیک نیتی اور سعادت مندی کی دلیل ہے نوجوان۔" شاہمار مطلوبس نے میرے بندوں کو سراہتے ہوئے کہا۔ "بہرحال، خیر اب جانے کے بعد میں تمہارا انعام بھی دوں گا۔"

میں نے مارمطلوبس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا صرف احتراماً تشکر کے طور پر اپنی گردن جھکا دی۔

"اور تم آزوب۔" شاہمار مطلوبس نے آزوب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ صاف ظاہر ہے کہ آزوب سے سخت خفا نظر آ رہا تھا۔ تم اتنا خوف کیوں ملاحق ہو گئے؟ آخر تمہارے پاس بھی ہتھیار موجود تھے۔ تم اگر چاہتے تو ان ہتھیاروں کی مدد سے اس جنگلی بھینسے کا خاتمہ کر سکتے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔" شاہمار مطلوبس کے لہجے میں طنز کی جھلک کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آزوب کی یہ بزدلانہ حرکت شاہمار مطلوبس کو ذرا بھی پسند نہیں آئی تھی اور اب شکل یہ تھی کہ آزوب کی طرف سے اب اس بات کو مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آزوب کی پوزیشن واقعی بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے جنگلی بھینسے سے خوفزدہ ہو کر بھاگنے کی جو حماقت کی تھی اس کی سب سے بھاری قیمت اداکرنی پڑ رہی تھی۔ شہزادی آریہ نے تحقیر و تمسخر بھری نظروں سے سردار آزوب کو دیکھا اور اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں بولی۔ "سردار آزوب فی الواقعہ تھیں اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فردوس کو اپنا محافظ چن کر میں نے کتنی دانشمندی اور فراست کا ثبوت دیا ہے۔ فردوس نے اس وقت نہ صرف یہ کہ میری بلکہ شاہ جان کی بھی جان بچائی ہے۔ اگر فردوس موجود نہ ہوتا تو یہ بھینسا ہم لوگوں کو ہلاک نہیں تو کم از کم شدید طور پر زخمی ضرور کر دیتا۔ تم تو ہم لوگوں کو اس کے مقابلے میں چھوڑ کر اپنی جان بچا کر پیچھے بھاگ گئے تھے۔"

"یہ بات نہیں ہے شہزادی آریہ۔" آزوب نے اپنی جھینپ مٹانے کی خاطر بات بناتے ہوئے کہا۔ "دراصل میرا گھوڑا جنگلی بھینسوں سے

زیادہ بدکتا ہے۔ مجھے پہلے بھی کئی بار اس قسم کا تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ جنگلی بھینسا میرے گھوڑے کے سامنے آتا تو میرا گھوڑا بدک کر بے قابو ہو جاتا اور پھر نہ جانے وہ کدھر کو بھاگ پڑتا۔"

"ہاہاہا۔" شہزادی آریہ بڑے زور سے ہنسی۔ "گویا آزوب کی جان خطرے میں ہو، تم گھنے اور خطرناک جنگل میں رکے رہو لیکن اگر تمہارے گھوڑے کے سامنے ایسا کوئی جانور آ جائے جو جنگلی بھینسوں سے بدکتا ہے تو وہ گھوڑا تمہارے قابو سے باہر ہو جائے۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"بالکل درست فرمایا آپ نے شہزادی آریہ۔" شاہمار مطلوبس نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ سب ہم باتیں ہیں باطل جہاں۔ شہزادی آریہ نے صحیح کہا ہے اور آپ کو ان ساری باتوں پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے تمام مثبت و منفی پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنا ضروری ہے۔"

"فیصلہ تو ہو چکا ہے بیٹی۔" شاہمار مطلوبس نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آزوب جیسا بزدل آدمی میرے مرحوم بھائی کی اولاد ہے اور میں اپنے مرحوم بھائی کو زبان دے چکا ہوں اب اگر میں اپنی زبان سے پھرتا ہوں تو اس کی روح کو بہت تکلیف ہو گی اور میں یہ بات کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ ہی شادی تو آزوب سے طے ہے اور آزوب سے ہی ہو گی۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم سب مل کر اسے زیادہ بہادر اور حوصلہ مند بنانے کی کوشش کریں گے۔"

اپنے باپ کی ان باتوں کے جواب میں شہزادی آریہ کے چہرے پر اداسی پھیل گئی لیکن اس نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اسے بولنے کا تو کوئی موقع ہی نہیں پیدا ہوا تھا۔ میں خاموشی سے دونوں باپ بیٹیوں کی گفتگو سنتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد آزوب کیمپ سے بہت سے لوگوں کو لے کر آ گیا جو بڑی بڑی ٹوکریوں اور خنجروں سے لیس تھے اور انھوں نے مُردہ جنگلی بھینسے کی کھال اتار کر اس کا گوشت اتارنا شروع کر دیا۔ بھینسا بہت بڑا اور بھاری جسم کا تھا اور اس کے جسم میں سے بہت سا گوشت نکلا۔ سارا گوشت کیمپ میں پہنچا دیا گیا اور ہم لوگ بھی دوبارہ کیمپ روانہ ہو گئے۔ جہاں گوشت کو خوب بھون بھون کر کھایا گیا۔ دوپہر تک کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہا۔

دوپہر کے بعد میں، شاہمار مطلوبس، شہزادی آریہ اور چند ایک محافظ دوبارہ شکار کی تلاش میں نکلے۔ دراصل شاہمار مطلوبس چیتے کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن کافی تلاش و جستجو کے باوجود چیتے کی کوئی پیتا نظر نہیں آیا۔ البتہ شہزادی آریہ نے ایک ہرن کا شکار ضرور کیا اور اسے بھی ہم لوگ اپنے کیمپ پر لے آئے۔ یہاں اس کی کھال اتار کر اس کا بھی گوشت بھونا گیا اور کھایا گیا۔

اب شام ہو چلی تھی۔ جنگل کی اصل زندگی کا آغاز رات کے وقت ہی ہوتا ہے جب سارے جنگلی جانور اپنی اپنی خوراک کی تلاش میں اور پانی پینے کے لیے نکلتے ہیں۔ جنگلی درندوں کے نکلنے کا بھی وہی وقت ہوتا ہے۔

اندھیرا شروع ہوتے ہی کیمپ کے چاروں طرف ایک تیز الاؤ روشن کر دیا گیا۔ لوگوں نے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر پہلے ہی کافی مقدار میں جمع کر لی تھیں اور جنگلی درندوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہی تھا کہ پورے کیمپ کے گرد ایک الاؤ روشن کر دیا جائے تاکہ کوئی جانور

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کیمپ کے قریب ڈیرے ڈالے تمام جانور آگ سے بہت ڈرتے ہیں اور آگ کے قریب آتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ چنانچہ پورے کیمپ کے گرد آگ روشن کر دی گئی اور سب لوگ کیمپ کے اندر آرام کرنے لگے۔ اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا تھا کہ آگ میں اتنی لکڑیاں موجود ہیں جو ساری رات جلتی رہیں اور بجھ نہ جائیں۔

آہستہ آہستہ سب لوگ سو گئے۔ لیکن نیند میری آنکھوں سے کہیں دور تھی۔ میں جنگل میں سے آنے والی طرح طرح کی آوازوں کو سن رہا تھا اور ان کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ کافی رات گزر گئی۔ کیمپ میں موجود ساتھی لوگ گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وقت بہت ہی تھا۔ رہا تھا۔ میں اپنی طویل اور غلط فہمی سے بھری زندگی کے عجیب و غریب پہلوؤں پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا لیکن پھر یک لخت ہی آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ دور آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی کیمپ میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ میرے حساس کانوں نے کوئی بہت ہلکی سی آہٹ سنی تھی۔ ایک منٹ تک دنیا کے مختلف جنگلوں اور بالخصوص افریقہ کے جنگلوں میں رہنے کے بعد میری حسیات کافی بیدار ہو گئی تھیں اور میں ان آوازوں کو بھی سننے کی صلاحیت رکھتا تھا جنہیں عام آدمی عام حالات میں نہیں سن سکتے تھے۔

میں نے غور سے دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ ایک طرف کا الاؤ بالکل بجھ گیا تھا اور وہاں پر بالکل موجود نہیں تھی۔ وہ اس بھیڑے ہوئے الاؤ کے شمال میں چلا گئے کہ ایک چتکبرے رنگ کا بھاری جسم کا اور خونخوار چیتا اندر داخل ہو گیا تھا۔

شاہ مارطولیس لکڑی کے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے پنگ پر سو رہا تھا جس کے پائے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس کے پنگ کے برابر میں طرف لیٹے ہی ایک پنگ پر آزوب سو رہا تھا اور شاہ مارطولیس کے بائیں طرف والے پلنگ پر شہزادی آرینہ محو خواب تھی۔

چیتے کو دبے پاؤں آگے بڑھتے دیکھ کر میں ایک دم تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چیتا آہستہ آہستہ اور خاموشی سے قدم بڑھاتا ہوا سیدھا شاہ مارطولیس کے پنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کا نشانہ شاہ مارطولیس ہی ہے۔

چیتے کی چالاکی اور مکاری مشہور ہے۔ وہ اس قدر دبے پاؤں اور اتنا آہستہ چلتا ہے کہ کسی کو اس کی ذرا سی بھی آہٹ نہیں سنائی دیتی اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ اور چھپ کر حملہ کرتا ہے۔ چیتے کے متوقع حملے سے شاہ مارطولیس کو بچانے کی غرض سے مجھے بھی چیتے ہی کا سا طرز عمل اختیار کرنا تھا۔ میں نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے پلنگ پر سے اترا اور بالکل دبے پاؤں چلتا چیتے کے عین پیچھے جا پہنچا۔ چیتا ابھی تک میری موجودگی سے بے خبر تھا۔ لیکن پھر اچانک شاید اس نے میری بو سونگھ لی۔ کیونکہ ہوا میری طرف سے چیتے کی طرف چل رہی تھی۔ چیتے نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور ساتھ ہی وہ بڑے زور سے دھاڑا۔ اس کی گرج سن کر مارطولیس، آزوب، آبرینہ اور کئی دوسرے محافظوں کی آنکھ کھل گئی۔ سب سے پہلے آزوب نے صورت حال پوری طرح سمجھ لی اور اس نے منظر پر نے سامنے دیکھا وہ اس کا دل ہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے ایک زور دار چیخ ماری اور پنگ سے نیچے کود گیا۔ اس اثنا میں مارطولیس بھی پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ ایک خونخوار دھاری دار چیتا اس کے بستر کے پاس کھڑا ہے اور اس پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اور چیتے کے برابر میں میں کھڑا ہوں۔ میں پاگل ہوں اور میرے ہاتھ میں کوئی ہتھیار موجود نہیں ہے۔

شاہ مارطولیس نے محافظوں کو آواز دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بھی اتنا زیادہ پریشان اور حواس باختہ تھا کہ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ تاہم اس نے کانی ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے سرہانے سے اپنی تلوار اٹھالی اور قریب آتے ہوئے چیتے کو دیکھ کر ضرب لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن قبل اس کے کہ شاہ مارطولیس چیتے پر کوئی ضرب لگا سکتا، چیتے نے اچھل کر اس کے بازو کو اپنے منہ میں دبا لیا۔ کی لیکن میں چیتے سے زیادہ پھرتیلا تھا۔ آن واحد میں میں نے دونوں ہاتھ چیتے کے منہ میں گھسیڑ کر اس کا منہ چیر دیا اور شاہ مارطولیس جلدی سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ یہ سارا واقعہ اتنی تیزی سے اور اتنا ناقابل پیش آیا کہ دیکھنے والوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مارطولیس کو تو اصل ہوش اس وقت آیا جب اس نے یہ دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھ پوری طرح چیتے کے منہ کے اندر گھسیڑے ہوئے میں پوری قوت سے اس کا منہ چیر رہا ہوں۔ چیتے کے منہ سے عجیب غ آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس نے اپنے پنجوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن آزوب اپنے پنگ سے دور کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور اس کے سامنے اس کا بڑا سردار تھا۔ چیتے کا منہ چیرا جا رہا تھا اور اس کا خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ شاہ مارطولیس بھی حیران تھا کہ یہ کیا ہو رہا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فوری طور پر کیا قدم اٹھائے۔ جیسے شہزادی آرینہ کو ہوش آ گیا۔ اس نے ایک دم تلوار اٹھائی اور بجلی کی طرح دوڑ کر آگے بڑھی اور چیتے کی کمر پر بھرپور وار کیا۔ تلوار چیتے کی کمر کو کاٹتی ہوئی گئی اور خون کا فوارہ بلند ہو کر آگے پڑنے لگا۔ اس اثنا میں محافظین اور سپاہی بھی بھاگ کر وہاں آ گئے تھے اور ان میں سے بعض کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے لیکن اب لوگوں کی مدد کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں نے اور آرینہ نے مل کر چیتے کا کام تمام کر دیا۔ محافظ سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ چیتے کو ہی ہلاک کیا جا سکتا ہے۔

شاہ مارطولیس اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میرے

بھیڑے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح دیکھنے لگا۔ وہ اس بات کا یقین حاصل کرنا چاہتا تھا کہ میرے ہاتھوں پر کوئی زخم تو نہیں آئے ہیں لیکن ظاہر ہے میرے ہاتھ بالکل صحیح وسلامت تھے اور ان پر کوئی ہلکی سی خراش تک نہیں آئی تھی۔ مارطولیس نے ناقابل یقین نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "حیرت ہے فرویس، تم نے اس قدر بھاری بھرکم اور خونخوار چیتے کو ہلاک کر دیا ہے اور تمہارے ہاتھوں پر خراش تک نہیں آئی۔ تم کس قسم کے انسان ہو؟"

"یہ بھی ایک فن ہے حضور والا۔" میں نے انکساری کے ساتھ جواب دیا۔ "اگر میں اپنے ہاتھ اس طرح ڈالے جائیں کہ اس کے دانت ہاتھوں کی بجائے کلائی میں آئیں تو پھر وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے دانت انگلیوں کی بجائے کلائی میں دھنس جاتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو، لیکن یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔" مارطولیس نے کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ انوکھی بات نہیں دیکھی۔ تم ایک ذہین نوجوان اور حیرت انگیز انسان ہو۔ آرینہ تمہارے بارے میں جو کچھ کہتی تھی ٹھیک کہتی تھی۔"

"یہ شہزادی صاحبہ کی عنایت ہے۔" میں نے دوبارہ انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں تو بس ایک معمولی سا سپاہی ہوں۔"

"تم ایک معمولی سے سپاہی نہیں ہو۔" شاہ مارطولیس نے کہا۔ "تم ایک عظیم الشان انسان ہو۔ اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے اب تک تمہاری صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہرحال جب ہم شہر واپس چلیں گے تو تمہاری عظیم خدمت کا صلہ ضرور دوں گا۔"

"میں اس نوازش کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن دراصل مجھے کسی صلے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے میرے لیے جن تحسینی کلمات کا اظہار کیا ہے، یہ میری عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کے لیے ہی بہت کافی ہیں۔ میں آپ کی اس عنایت کا دل سے شکر گزار ہوں۔"

"تم جس قدر بہادر اور حوصلہ مند ہو اسی قدر مہذب اور شائستہ بھی ہو۔" شاہ مارطولیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری زبان اور تمہاری گفتگو میں اس قدر فصاحت اور شیرینی ہے کہ میں نے بہت کم لوگوں کو اس انداز کی گفتگو کرتے دیکھا ہے۔"

میں صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ شہزادی آرینہ بھی اپنے باپ کی اس بات چیت سے بہت خوش ہو رہی تھی۔ لیکن آزوب کے چہرے کا رنگ مسلسل بدلتا رہا تھا۔ کبھی یہ سادگی کا رنگ اختیار کر رہا تھا اور کبھی یہ سخت ناپسندیدگی کا۔ اس نے میری تعریف و توصیف میں ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا اور خاموش کھڑا انگارے اگلتی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورتا رہا۔ میں نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ کچھ ہی دیر میں شاہ مارطولیس اور شہزادی آرینہ گہری آزوب کے وجود کو فراموش کر چکے تھے۔

شاہ مارطولیس نے اسی وقت حکم دے کر سارے محافظین کو بلایا اور سب کو پتا چلایا کہ کن محافظوں کی غفلت سے الاؤ بجھا اور چیتے کو اندر آنے کا موقع ملا۔ جو محافظ اس کے ذمہ دار پائے گئے، انہیں سخت سزا دی گئی۔

اس کے بعد چند روز تک مزید سیر و شکار میں گزرے۔ اس دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اب رات کے وقت الاؤ جلانے کے علاوہ اس کے گرد باقاعدہ مسلح محافظین کے پہرے کا خاصا مناسب بندوبست کیا جاتا تھا اور اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ کوئی محافظ اپنے فرض سے غفلت نہ برتے۔ اس دوران شاہ مارطولیس کو ایک چیتے کا شکار کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ وہ چیتا ایک اونچے درخت کی گھنی جھاڑیوں میں چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ شاہ مارطولیس نے ترجمان کی مدد سے اس کا اندازہ کیا۔ اس چیتے کی کھال کو بطور خاص تار کر سنبھال کر رکھ لیا گیا۔ آرینہ نے بھی کئی جانور مارے۔ لیکن بدقسمت آزوب کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وہ ایک خرگوش تک نہ مار سکا اور سخت محجوب رہا۔ جلد ہی مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ آزوب کوئی خاص بہادر آدمی نہیں ہے اور وہ خطرات مول لینے سے خاص طور پر گھبراتا ہے۔

پندرہ روز کے بعد ہم لوگوں کا قافلہ دوبارہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ نیچے اکھاڑ دیے گئے۔ کیمپ ویران ہو گیا اور شکار گاہ ہم لوگوں سے خالی ہو گئی۔ اب ہم لوگوں کا رخ دوبارہ شہر کی جانب تھا۔

شہر میں پہنچنے کے ساتھ ہی میں نے ایک بار پھر اپنے فرائض سنبھال لیے اور شہزادی آرینہ کے محافظ دستے کے سردار کے طور پر کام کرنے لگا۔

چند روز بعد شاہ مارطولیس نے ایک دربار خاص کا اعلان کیا۔ ایسا بہت ہی کم موقعوں پر ہوتا تھا۔ عام دربار تو روزانہ ہی کیا کرتے تھے لیکن دربار خاص کبھی کبھی لگتا تھا اور وہ بھی اس صورت میں جب کوئی بہت ہی خاص موقع ہوتا۔ شاہ مارطولیس کی طرف سے یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ یہ دربار خاص کیوں لگایا جا رہا ہے اور اس لیکچا مقصد ہے۔ سارے لوگوں میں اس کے بارے میں چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی جانے لگیں۔

مجھے شاہ مارطولیس کی جانب سے پیغام بھیجا گیا کہ میں خاص طور سے اس دربار میں شرکت کروں۔ مگر میں شہزادی آرینہ کے محافظ دستے کا سردار ہونے کی حیثیت سے دربار میں شرکت کا اہل نہیں تھا اسی لیے مجھے اس بات پر حیرت ہوئی، لیکن میں کچھ کہہ نہ سکا تھا کیونکہ یہ میری طلبی کا مقصد کیا ہے۔

دربار کا دن ایک شاندار اور یادگار دن تھا۔ تمام امرا و رؤسائے سلطنت اپنی اپنی جگہ پر پروقار طریقے سے متمکن تھے۔ آزوب بھی ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ شہزادی آرینہ بھی کرسلا سنگھار کے دربار میں موجود تھی۔ مجھے بھی بیٹھنے کے لیے ایک مناسب جگہ پر ایک نشست دے دی گئی تھی اور میں خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ تمام لوگ دم سادھے شاہ مارطولیس

Optimized by www.HamariOptimizer.net

کے انتظار میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ کے آنے میں تھوڑی ہی دیر باقی رہ گئی تھی۔

بالآخر نقارچی نے شاہ کی آمد کا اعلان کیا۔ تمام لوگ اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چند لمحوں کے بعد شاہ مارطولیس پورے شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا دربار کے اندر داخل ہوا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

بادشاہ اپنے تخت پر متمکن ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام لوگ بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

"اس وقت سلطنت کے تمام امیر، وزیر اور رؤسا دربار میں موجود ہیں۔" شاہ مارطولیس نے سہلی ہوئی زبان میں کہنا شروع کیا۔ "اور اب سب لوگ یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں گے کہ میں نے یہ دربار خاص کس لیے منعقد کیا ہے۔ بہرحال میں آپ لوگوں کو زیادہ تجسس میں مبتلا نہیں رکھوں گا اور جلد ہی آپ کو بتادوں گا کہ اس دربار خصوصی کا مقصد کیا ہے۔"

شاہ مارطولیس چند لمحوں کے لیے رک گیا اور پھر اس کی نظریں جیسے میرے اوپر جم کر رہ گئیں۔

"پچھلے دنوں ہمارے شہر میں ایک نیا نوجوان وارد ہوا ہے جس کا نام فروس ہے۔" شاہ مارطولیس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کو اس کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کہ یہ نوجوان کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ اور میں اس بات سے کوئی خاص دل چسپی بھی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ نوجوان کی دیانت کا سہرا میری بیٹی شہزادی آرینہ کے سر ہے جس نے اس کی بہادری سے متاثر ہو کر اس کی داستان مجھے سنائی تھی اور میں نے آرینہ کو اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ اسے اپنے محافظ دستے کا سردار بنالے۔ پچھلے کچھ دنوں سے یہ شخص شہزادی آرینہ کے محافظ دستے کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ آپ لوگوں کو اس بات کا بھی علم ہوگا کہ تقریباً آٹھ دس دن پہلے ہم لوگ شکار پر گئے تھے اور اس مہم میں میرے علاوہ شہزادی آرینہ، سردار آزوب اور فروس بھی شامل تھے۔ شکار کی اس مہم کے دوران فروس نے بہادری اور جوانمردی کے دو ایسے تحیر العقل کارنامے سرانجام دیے کہ ہم سب لوگ دنگ رہ گئے۔ کم از کم میں نے اپنی زندگی میں اتنا زیادہ بہادر اور جری انسان نہیں دیکھا۔ فروس نے ایک نہایت توانا اور بھاری بھرکم جنگلی بھینسے کو تن تنہا ہلاک کر دیا اور پھر ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو صرف کوئی غیر معمولی انسان ہی سرانجام دے سکتا تھا۔ فروس کا دوسرا کارنامہ یہ تھا اور یہ پہلے کارنامے کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم اور لائق تحسین تھا کہ اس نے ڈسے بلیب دو عدد زہریلے سانپوں کو میری جان بچائی۔"

اس کے بعد شاہ مارطولیس نے تفصیل کے ساتھ وہ واقعہ بیان کیا جب رات کے وقت پہلے نے اس پر حملہ کیا تھا اور اگر میں بروقت اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو وہ یقیناً اس کو ہلاک کر دیتا۔ شاہ مارطولیس نے یہ واقعہ ساری تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ کس طرح شہزادی آرینہ نے تولہ اٹھا کر پہلے کے دو ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ اس بات نے خاص طور پر محسوس کی اور وہ یہ کہ آزوب کے بالکل ہی نظر انداز کر گیا۔ اس نے اس پورے واقعے میں آزوب کا ذکر نہیں کیا۔ نہ اس کی بزدلی کا اور نہ ہی اس کی "بہادری" کا۔

شاہ مارطولیس واقعات کی تفصیل بیان کر رہا تھا اور حاضرین دربار دم بخود بیٹھے ہوئے اس کی تقریر سن رہے تھے۔ سب کے چہروں اور آنکھوں سے زبردست حیرت نمایاں تھی۔ ان پر ہیبت کی نظریں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں اور ان میں میرے لیے تحسین و آفرین کے جذبات تھے۔ آزوب نے بھی دو تین بار سر اٹھا کر میری طرف دیکھا لیکن اس کی نظروں میں میرے لیے نفرت حقارت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ شہزادی آرینہ کئی بار میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"آپ لوگوں نے میری باتیں غور سے سن لیں۔" شاہ مارطولیس نے اپنی دلچسپ تقریر ختم کرتے ہوئے کہا۔ "فروس اس وقت تک میں میرے اور آپ سب لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ فروس نے میری جان بچا کر جو عظیم خدمت انجام دی ہے میں اسے اس کا صلہ چاہتا ہوں۔ وہ سلطنت کا جو بھی عہدہ مانگے میں اسے دینے کے تیار ہوں یا اس کے علاوہ وہ جتنی بھی دولت اور زر و جواہرات مانگے کرے وہ بھی میں اسے دینے کے لیے تیار ہوں۔ فروس! تمہیں جو کچھ چاہیے تم اپنی زبان کھولو تم جو کچھ مانگنا چاہو مانگ سکتے ہو۔ میں تمہیں زبان دیتا ہوں کہ تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔"

"میں شاہ عالی وقار کا بیحد ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ اس بھرے دربار میں تمام لوگوں کے سامنے میری عزت افزائی کی۔" میں نے کہا۔ "میں بھلا آپ سے کیا مانگ سکتا ہوں؟ آپ نے مجھے بہت کچھ دے دیا ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے بہت کچھ ہے۔"

"یہ تمہاری سعادت مندی اور فرمانبرداری ہے نوجوان!" شاہ مارطولیس نے کہا۔ "لیکن پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کچھ مانگو۔ مجھے تمہاری خواہش پوری کر کے دلی مسرت ہوگی۔"

"تو کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ میں مانگوں آپ مجھے دینے سے انکار نہیں کریں گے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں تم سے تمام لوگوں کے سامنے اس بھرے دربار کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں۔ تم جو کچھ مانگو گے میں تمہیں دوں گا۔ اگر تم کسی بڑے سے بڑا عہدہ بھی طلب کرو گے تو میں انکار نہیں کروں گا۔" شاہ مارطولیس نے کہا۔

"اچھا تو میری آپ سے صرف ایک درخواست ہے۔" میں نے رک رک کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "اور وہ یہ کہ آپ شہزادی آرینہ کا ہاتھ

میرے ہاتھ میں دے دیجیے۔"

میرے ان الفاظ کے ساتھ ہی سارے دربار میں جیسے سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر دم بخود بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی جس نے ہر شخص کو حیران و ششدر کر دیا تھا۔

شاہ مارطولیس جو ابھی تک میری تعریف میں رطب اللسان تھا، اچانک اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس کے چہرے کی ساری نرمی اور شفقت یک لخت غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ایک عجیب قسم کی غضب ناکی نے لے لی۔ آزوب نے لگی جانے والی نظروں سے مجھے گھورا اور خود شہزادی آرینہ میری اس بے باکانہ جرأت پر حیران رہ گئی۔

"گستاخ!" اچانک شاہ مارطولیس بڑے زور سے دھاڑا۔ دربار دربار کانپ کر رہ گیا۔ "تیری اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ تو نے ایسی بڑی بات کہہ دی؟ اگر میں نے تیری بہادری اور جوانمردی کی تعریف کی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ تو میری عزت پر حملہ کرنے کی جسارت کرے۔ نادان تو اپنی اوقات بھول گیا۔ تو نے اس بات کو کس طرح فراموش کر دیا کہ تو محض ایک معمولی ملازم ہے۔ شہزادی آرینہ کا ایک ادنیٰ محافظ اور تیرے جیسے سیکڑوں محافظ اور ملازم میرے چشم و ابرو کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تیری زبان پر اتنی بڑی بات آئے گی اور اتنی گستاخ حرکت کرے۔ مگر کیا کیجے معلوم نہیں کہ میرا بھتیجا سردار آزوب شہزادی آرینہ کا منگیتر ہے اور وہی اس کا شوہر بنے گا۔ کیا کوئی دوسرا دار آزوب کی جگہ لے سکتا ہے؟ اپنی اوقات بھول گیا ہے بے وقوف نادان!" اور اس کے ساتھ ہی مارے غصے کے شاہ مارطولیس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ سخت طیش کے عالم میں تھا۔ اس نے ایک قہر بھری نظر میری طرف ڈالی اور دربار میں موجود سپاہیوں کو حکم دیا۔ "اس کو فوراً گرفتار کر کے اور جیل کے قید خانے میں بند کر دو۔ اس نے بھرے دربار میں ہماری توہین کی ہے۔ اس نے ہماری شاہانہ اور نوازشوں کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ اس گستاخ کو کیا کی سزا ملنی چاہیے۔"

میری گرفتاری کا حکم سنتے ہی شہزادی آرینہ کے چہرے پر ناراضی کی جھلک نمایاں ہوگئی۔ لیکن آزوب کا چہرہ جیسے کھل اٹھا۔ اسے یقین تھا کہ اب مجھے موت سے کم سزا نہیں ملے گی۔ اس طرح ہمیشہ کے لیے میرا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے گا اور اس کے لیے راستہ ہموار ہو جائے گا۔ وہ میری طرف دیکھ کر زہریلے سے مسکرایا بھی۔

میں گرجتا تو اسی وقت سب کو مار پیٹ کر وہاں سے بھاگ جاتا لیکن اس طرح کچھ نہیں ہونا تھا۔ میں کسی طرح بھی اس صورتحال کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے خود کو گرفتاری کے حوالے کر دینا ہی مناسب سمجھا۔ میں نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے اور خود کو سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔

کئی سپاہی ایک وقت میں میری طرف آگے بڑھے اور انھوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں سے جکڑ دیا۔ میں نے اپنے ہم کو چھڑانے کی کوشش کی تھی لیکن انھیں رسیاں باندھنے کی پوری آزادی دے دی گئی تھی۔ انھوں نے رسیاں کس کر میرے بدن کو خوب اچھی طرح سے باندھ دیا۔ تمام دربار میں میں تھا۔ آزوب اور آرینہ بھی شامل تھے۔ میں منتظر کھڑا دیکھ رہے تھے۔ میں نے آرینہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی دیکھی اور آزوب کی آنکھوں میں حسد کی خوشی دیکھی۔

صورت حال ایسی تھی کہ آرینہ اگر چاہتی بھی تو میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بھرے دربار میں اپنے باپ شاہ کے سامنے موجود تھی۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں وہ اس بات کا اقرار نہیں کر سکتی تھی کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھ سے شادی کی خواہاں ہے۔ یہ بات سن کر تو شاہ مارطولیس اور بھی زیادہ غضب ناک ہو جاتا اور پھر وہ میرا نہ جانے کیا حشر کرتا۔ چنانچہ آرینہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ خاموش ہوگئی۔

سپاہیوں نے جلد ہی مجھے رسیوں سے باندھ دیا۔ انھوں نے اپنی دانست میں بیڑیاں بھی کس کس کے باندھ دی تھیں اور اگر میری جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ ہلنے جلنے کی بھی نہیں ہل سکتا تھا۔ میں نے خود بھی اس بات کی کوشش کی کہ دیکھوں کہ مجھے واقعی بے بس کر دیا گیا ہے۔

مجھے رسیوں سے اچھی طرح جکڑنے کے بعد سپاہیوں نے ہدایت طلب نظروں سے شاہ مارطولیس کی طرف دیکھا۔

"اسے فی الحال محل کے نچلے والے قید خانے میں لے جا کر بند کر دو۔" شاہ مارطولیس نے حکم دیا۔ "دو ایک روز کے اندر اندر میں اس کی قسمت کا فیصلہ کر دوں گا۔"

"جہاں پناہ! ایسے گستاخ اور غیر مہذب انسان کو جیل میں بند رکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے؟" آزوب بولا۔ "اس نے جتنی بڑی گستاخی کی ہے اس کی سزا تو یہی ہے کہ فوراً ہی اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیجیے تاکہ اس کا قصہ ہی ہمیشہ کے لیے تمام ہو جائے۔"

"مجھے تمہاری بات سے کوئی خاص اختلاف نہیں ہے آزوب۔" شاہ مارطولیس نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن میں اسے صرف گردن مارنے کی سزا نہیں دینا چاہتا۔ یہ سزا تو اس کے لیے بہت معمولی سے اور عام جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا ہے۔ اس نے جس جرم کا ارتکاب کیا ہے اس کی سزا محض گردن مار دینا ہی نہیں ہے۔ میں اسے بہت بڑی سزا دینا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کے زندہ بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن میں اس کی موت کو بھی عبرتناک رنگ دینا چاہتا ہوں تاکہ دنیا دیکھے اور آئندہ کوئی شخص اس قسم کی احمقانہ جرأت کا مظاہرہ کرنے کی جسارت نہ کرے۔" شاہ مارطولیس نے بڑے پُرعزم لہجے میں کہا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ زبان کھول سکتا۔ شہزادی آریانہ کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ مجبور تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آنذوب کے چہرے پر کھلے ہوئے گلاب کی دلی کیفیت کی غمازی کر رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں اس سارے تماشے پر ہنس رہا تھا۔ میں نے اپنی طویل اور جنگارہ شیز زندگی میں نہ جانے ایسی ایسی گتھی گرفتاریاں دیکھی تھیں اور نہ جانے ایسے ایسے کتنے شہنشاہوں اور بادشاہوں کو بھگتا تھا۔ ان لوگوں کی وقعت میرے سامنے کیا تھی۔

"اسے لے جاؤ۔" شاہ مارلطولیس نے کوتوال کو حکم دیا۔ "اور محل کے قید خانے میں اس وقت تک بند رکھو جب تک کہ میں اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہ کر لوں۔ اس کے ساتھ ہی میں خصوصی دربار کے برخاست کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔"

شاہ مارلطولیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادی آریانہ نے ایک بار حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ غالباً اپنے آنسو چھپانا چاہتی تھی۔

سپاہی مجھے لے چلے اور میں نے حسب معمول کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ محل کے وسیع حصوں سے گزرتے ہوئے ایک بالکل دوسرا گوشے کی طرف جا پہنچے۔ یہاں ہر طرف جھاڑیاں ہی ہوئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک عرصے سے اس علاقے کی صفائی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ یہاں ایک کرنے میں ایک پرانی سی عمارت کھڑی تھی جو دیکھنے میں بہت ہی بدنما لگ رہی تھی۔ اس عمارت کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہ کھڑکی کا بہت بھاری بھرکم دروازہ تھا جس پر دو پہرے دار متعین تھے۔

"یہ کسے پکڑ لائے ہو؟" دونوں پہرے داروں میں سے ایک نے ان سپاہیوں سے پوچھا جو مجھے وہاں ساتھ لے کر گئے تھے۔

"یہ شاہ مارلطولیس کا قیدی ہے۔" میرے ساتھ آنے والے ایک پہرے دار نے جواب دیا۔ "اس نے مجھے دربار میں شہنشاہ کی بے عزتی کی ہے اور اب اسے عذاب ناک موت کی سزا دی جائے گی۔"

"اچھا!" پہرے دار نے کہا۔ "اس نے دربار میں کیا کیا؟"

"اس معمولی حفاظت اور سلام نے بھرے دربار میں شاہ مارلطولیس سے شہزادی آریانہ کا رشتہ مانگا۔" میرے ساتھ آنے والے پہرے دار نے جواب دیا۔ "جہاں اس اتنی بڑی جرأت تو دیکھو ظالمو! اس کی اس حرکت پر برافروختہ ہو گیا اور اس نے اسے قید میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اب اسے یہاں چند روز تک موت کے انتظار میں گھڑیاں گننی ہوں گی۔"

پھاٹک پر متعین پہرے داروں میں سے ایک نے ایک چابی نکال کر پھاٹک کا بھاری قفل کھول دیا اور میرے ساتھ آنے والے دونوں سپاہی مجھے لے کر اندر داخل ہو گئے۔ اندر بہت سی کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں جن سب میں باہر سے تالے پڑے ہوئے تھے۔ "اسے میرے لیے معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ کوٹھریاں خالی ہیں یا ان کے اندر قیدی موجود ہیں۔ بہرحال مجھے بھی ایک کوٹھری میں دھکیل دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ہاتھوں پاؤں سے بندھی ہوئی رسیاں کھول دی گئیں۔ پھر مجھے کوٹھری میں بند کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں نے باہر سے تالا لگانے کی آواز سنی۔

دو دن تک میں کوٹھری میں بند رہا۔ شہزادی آریانہ کے عمل میں میرے سابقہ قید خانے کی طرح اس کوٹھری میں بھی کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ کوٹھری کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت پر ہی ایک روشندان بنا ہوا تھا جس میں موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور یہی ہوا اور روشنی کا واحد ذریعہ تھا۔ مجھے دن میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا تھا اور وہ بھی دوپہر کے وقت اور وہ کھانا بھی مقدار میں اتنا کم ہوتا تھا کہ بمشکل ہی ایک آدمی کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ تاہم ظاہر ہے کہ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔

تیسرے دن خلاف معمول شام ڈھلے میں نے کمرے کے دروازے کا تالا کھلنے کی آواز سنی۔ میں فوراً چوکنا ہو گیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ کھانا دینے والا سپاہی دوپہر میں آکر کھانا دے چکا تھا اور اور کسی کے آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کون آ سکتا ہے؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

دروازے کا تالا کھلا اور پھر ایک چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ بھی کھل گیا۔ شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ ایک سپاہی ہاتھ میں مشعل لیے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ ان دو پہرے داروں میں سے ایک تھا جنھیں میں نے پہلے دن قید خانے کے دروازے پر دیکھا تھا۔ سپاہی کے عقب میں شہزادی آریانہ کھڑی تھی!

"شہزادی آریانہ ـــــ تم!" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچیں اور پھر تمھیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے تمھاری محبت یہاں تک کھینچ کر لائی ہے فروس۔" آریانہ نے جواب دیا۔ "یہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے پہرے داروں کو بڑی مشکل سے راضی کرنا پڑا ہے اور انھیں بھاری رشوت بھی دینی پڑی ہے۔ یہ تمھاری زندگی اور موت کا سوال ہے فروس۔ میں نے بڑی مشکل سے تم تک پہنچنے کی راہ نکالی ہے۔ تم نے مجھے جہاں میں جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہے، وہ اس شہر بلکہ اس ملک کی تاریخ میں ایک انوکھی واقعہ ہے۔ تم نے دشمنی کما کر دیا ہے۔ میں تمھارے اس جذبے کی بے انتہا قدر کرتی ہوں اور مجھے ہر صورت میں تمھاری عزیز ہے۔ میں تمھیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں خواہ تو میرے بن کر رہ کر خواہ تو مجھ سے دور رہ کر۔ فی الحال تو میرے لیے تمھاری زندہ سلامت رہنا بڑی چیز ہے۔ اس لیے میں نے تمھارے لیے یہ کوشش کی ہے۔

وقت زیادہ نہیں ہے۔ قید خانے کی عمارت کے باہر ایک برقی فوارہ لگا ہوا ہے۔ تم وہاں سے نکل کر اس برقی چبوترے پر جاؤ اور جلد از جلد اس شہر کی حدود سے باہر چلے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رات ختم ہونے سے پہلے تم بہت دور جا چکے ہو گے۔ میں تمھارے لیے یہی کر سکتی تھی فروس اور میں نے اس کا پورا انتظام کر دیا ہے۔"

"میں تمھارا تہہ دل سے شکر گزار ہوں شہزادی آریانہ۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو کہ میں تمھیں اپنا چکا ہوں۔ میں تمھیں دل و جان سے پیار کرتا ہوں اور کسی حالت میں بھی تمھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ اپنی جان بچانے کی خاطر تمھیں اس جہنم میں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں۔"

"پاگل مت بنو فروس۔" آریانہ نے جواب دیا۔ "میں تمھارے ان جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن یہ وقت جذباتی بننے کا نہیں ہے۔ جو عمل کہہ رہے تم قید خانے میں ہو اور تمھیں نہیں معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ آنذوب کی تجویز پر میرے باپ نے تمھارے لیے بڑی سخت سزا تجویز کی ہے۔"

"مجھے کسی سزا کی پروا نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم یہ بات اس وقت شاید نہ سمجھ سکو مگر تمھیں پتا ہونا چاہیے تمھارے لیے کس قدر خوفناک خطرہ انسانی اور ظالمانہ سزا تجویز کی گئی ہے۔ میری ہمت نہیں پڑتی کہ میں اس سزا کے بارے میں تمھیں بتاؤں۔" شہزادی آریانہ نے کہا۔

"تم اپنے اندر ہمت پیدا کرو اور مجھے اس سزا کے بارے میں بتاؤ۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "میں ہر خبر سننے کا حوصلہ رکھتا ہوں میری فکر مت کرو۔"

فروس۔" شہزادی آریانہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمھارے لیے سزا تجویز کی گئی ہے کہ ایک بہت بڑے قدآدم برتن میں تیل کھولایا جائے گا۔ اور جب تیل کھول کر خوب اچھی طرح ابلنے لگے گا تو پھر تمھیں رسیوں سے باندھ کر اس برتن میں ڈال دیا جائے گا اور اس منظر کو دیکھنے کے لیے شاہ مارلطولیس آنذوب دربار کے امرا و رؤسا کے علاوہ مجھے بھی مجبور کر دیا جائے گا۔ یہی شاہ مارلطولیس کا حکم ہے اور تمھیں معلوم ہے، کسی طرح معلوم ہے کہ اس کے حکم کو ٹالا نہیں جا سکتا۔"

"تم کسی بات کی تکلیف مت کرو آریانہ۔" میں نے ایک بار پھر مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"فروس تم کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟" آریانہ نے خاصی تشویش سے کہا۔ "میں اتنی دیر سے تمھیں اس قدر اہم بات بتا رہی ہوں اور تمھاری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے؟ میں تم کو بتا رہی ہوں کہ تمھارے لیے ایک خوفناک سزا تجویز ہو چکی ہے۔ آج سے ٹھیک دو دن بعد سہ پہر کو شہر کے وسط میں واقع میدان میں اس سزا پر عملدرآمد بھی کر دیا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بروقت وہاں سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں سے کہیں اتنی دور چلے جاؤ کہ یہ لوگ تمھاری گرد کو بھی نہ پا سکیں۔ میں تمھارے فرار کا بندوبست کرنے کے لیے کتنی مصیبت مول لی ہے وہ میں ہی جانتی ہوں لیکن تم ہو کہ حالات کی سنگینی کو سمجھنے کی بالکل ہی کوشش نہیں کر رہے ہو۔ آخر تم مجھے کیوں نہیں جلدی کرنے پر باہر تیار کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور آ جائے اور جہاز بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

"سنو آریانہ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں انھیں کرنے دو۔ تمھیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وقت آنے پر تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا۔"

"ایک بات کان کھول کر سن لو فروس۔" آریانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ لوگ تمھیں تیل کے کھولتے ہوئے برتن میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد کوئی معجزہ بھی تمھیں بچا نہیں سکے گا۔ پھر میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہے گا کہ میں بھی خود کو ہلاک کر لوں۔ اگر تم اپنی ہلاکت کے ساتھ میری ہلاکت کے بھی درپے ہو تو تمھاری مرضی۔"

"نہ تو میں مروں گا اور نہ تم مرو گی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اور تم یہ بھی دیکھ لینا کہ شاہ مارلطولیس اور سارے لوگوں کی موجودگی میں میں خود کو تمھارے لیے اہل ثابت کروں گا۔ اس بزدل آنذوب کی کیا مجال اور کیا ہمت ہے کہ میرے ہوتے ہوئے تمھیں حاصل کرنے کا خواب بھی دیکھ سکے۔ اب تم اطمینان سے واپس جاؤ اور حالات کا انتظار کرو۔ میرے بارے میں پریشان ہونا بالکل چھوڑ دو۔"

"اگر تم موت کو بخوشی گلے لگانے کے لیے تیار ہو تو میں تمھیں اس سے کس طرح روک سکتی ہوں۔" آریانہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے تو ہر ممکن طرف سے سارے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ پہرے داروں کو راضی کر لیا تھا، گھوڑے کا انتظام کر لیا تھا اور تمھارے فرار کا پورا منصوبہ بنا لیا تھا۔ لیکن اگر تم خود ہی تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ تم سے اب دوسری دنیا میں ہی ملاقات ہو گی جہاں ہماری روحیں ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گی اور پھر ہمیں کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گی۔"

آریانہ آنسو بہاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مشعل بردار پہرے دار دروازے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آریانہ کے باہر نکلنے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ تالے میں چابی گھمانے کی آواز آئی اور اس کے بعد چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

دو دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس دوران آرپار چھپر نہیں آئی۔ وہ مخدوم علاؤالدین مر گئی تھی یا نہیں، یہ کہ اس کا خیال یہ ہو کہ موت کے فرشتے نے میرے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے اور میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی ہیں۔ اس لیے اس نے ابھی مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہو۔

تیسرے دن دوپہر کے بعد ہی ہمیں کھانے وغیرہ سے فارغ ہوئے تھوڑی دیر کا وقفہ گزرا تھا کہ نقارچی کی آواز سنائی دی۔ اور ساتھ ہی باہر سے شور کی آہٹ بھی سنائی دی۔ شاید ایک سے زیادہ لوگ ادھر آ رہے تھے۔ کھل گیا کہ آقا مجھے سزا دینے کا پروگرام ہے اور مجھے سزا دینے والوں کے خیال کے مطابق آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ثابت ہو گا۔

تالا کھلنے کے ساتھ ہی دروازہ بھی کھل گیا اور کئی مسلح سپاہی بیک وقت کمرے کے اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں بہت موٹی موٹی رسیاں تھیں۔ انھوں نے آتے ہی میرے ہاتھوں کو پہلوؤں کے ساتھ لگا کر مجھے رسیوں سے جکڑنا شروع کر دیا۔ ان کی بندشیں بڑی مضبوط تھیں۔ اس قدر مضبوط کہ طاقتور سے طاقتور آدمی بھی انھیں جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

انھوں نے مجھے خوب اچھی طرح باندھ لیا۔ اس طرح کہ میری انگلیوں کے علاوہ بدن کے جسم کی حرکت مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے میرے گلے میں بھی ایک رسی اچھی طرح باندھ دی۔ اس رسی کا پھندا کسی کے پھندے کی طرح تھا اور ایک سپاہی نے اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس کے بعد یہ لوگ مجھے باہر لے چلے۔

قید خانے کی عمارت کے باہر مسلح سپاہیوں کی ایک اور جماعت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سب کے سب ہمارے پیچھے ہو لیے۔ ان میں سے بعض گھوڑوں پر سوار تھے اور بعض پیدل تھے۔ میں پیدل چل رہا تھا اور ایک سپاہی میری گردن میں بندھی ہوئی رسی کو اس طرح پکڑے ہوئے تھا جس طرح کسی جانور کے گلے میں بندھی ہوئی رسی کو تھاما جاتا ہے۔ گھوڑ سوار جملے اردگرد چل رہے تھے۔ اس طرح ہمارا یہ قافلہ قید خانے سے نکل کر ایک بیرونی راستے سے محل کے باہر نکل گیا۔ میں نے یہ راستہ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ باہر سڑک پر سیکڑوں لوگوں کا مجمع تھا جو یہ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھتے گئے، ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا اور ہمارے پیچھے ایک قسم کا جلوس بن گیا۔

میں سارے راستے خاموشی سے چلتا رہا اور میں نے کسی قسم کی مزاحمت کی کوشش نہیں کی۔ جس شخص نے میری گردن میں بندھی ہوئی رسی کو پکڑ رکھا تھا، وہ خاصا سانولے دل والا بے رحم انسان معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھے بری طرح گھسیٹنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح گھسٹتا چلا جا رہا تھا۔

بالآخر ہم لوگ میدان کے وسط میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک عجیب و غریب منظر ہماری آنکھوں کا منتظر تھا۔

میدان کے بیچوں بیچ میں ایک بڑا سا الاؤ روشن کیا گیا تھا۔ اس پر ایک بہت بڑا قدِ آدم برتن رکھا ہوا تھا۔ اس برتن میں ابلنے والے تیل کی بُو میدان میں دور دور تک بسی ہوئی تھی۔ میدان میں چاروں طرف لوگ جمع تھے جو میری ہلاکت کا تماشا دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر شاہ مارقلوس سلطنت کی کرسیاں تھیں۔ سب سے آگے کرسیاں تھیں جو اب خالی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کرسیاں کس کے لیے ہیں۔ باقی ساری کرسیوں پر امراء، رؤسا اور وزراء وغیرہ بیٹھے تھے۔

مجھے الاؤ کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ الاؤ کی گرمی تھی تیز تھی کہ جہاں میں کھڑا ہوا تھا وہاں تک اس کی تپش صاف طور پر محسوس کی جا رہی تھی۔ میرے قریب کھڑے ہونے والے سپاہی بھی اس تپش کو محسوس کر رہے تھے اور شاید یہ انھیں خاصی ناگوار بھی گزر رہی تھی کیونکہ وہ جلد ہی مجھے وہاں سے ہٹا کر کچھ فاصلے پر لے گئے۔ میرے بے حد بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

میں نے اپنے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی طرف سے معمولی جسمانی قوت کا مظاہرہ تو ضرور کروں گا لیکن اس وقت کا سوچ کر کے ان لوگوں کو شدید حیرت میں نہیں ڈالوں گا کہ آگ میرے جسم پر اثر نہیں کرتی چنانچہ میں نے اس کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا۔

ہم لوگوں کو وہاں کھڑے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شاہی سواری کے آنے کا اعلان کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی شاہزادی آرینہ اور سردار آزوب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار آتے ہوئے دکھائی دیے۔ شاہی سواری کو آتا دیکھ کر تمام لوگ جو اپنی نشستوں پر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے۔ شاہ مارقلوس کرسیوں کے قریب آ کر درمیان والی کرسی پر بیٹھ گیا جو باقی دونوں کرسیوں سے اونچی تھی اور اس کے دائیں بائیں کی کرسیوں پر سردار آزوب اور شہزادی آرینہ بیٹھ گئے۔ اب گرمائی لوگ آ چکے تھے اور کارروائی کا وقت شروع ہونے والا تھا۔ میں الاؤ سے کچھ فاصلے پر رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور مسلح دستہ میرے اردگرد موجود تھا۔

شاہ مارقلوس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کارروائی کا آغاز کر دیا جائے۔ جس سپاہی کے ہاتھ میں میری گردن کی رسی تھی اس نے رسی کو زور سے جھٹکا دے کر مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے بہت سے سپاہی میرے اردگرد موجود ہو گئے تاکہ میرے جسم کو ہاتھوں پر اٹھا کر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیں۔ میں نے اپنی مدافعانہ کارروائی کا آغاز کرنے سے پہلے ایک نظر شہزادی آرینہ پر ڈالی، وہ میری طرف ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے ایک پیغام تھا۔ وہی پیغام جو اس نے اس سے پہلے قید خانے میں مجھے زبانی دیا تھا یعنی یہ کہ اب ہماری ملاقات دوسری دنیا میں ہو گی جہاں ہماری روحوں کو کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گا۔

میں نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر ذرا سا زور لگایا اور رسیاں ٹوٹ گئیں۔ میرے بازو آزاد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تڑاتڑ اپنی گردن میں بندھی ہوئی رسی کو توڑ ڈالا اور وہ سپاہی دور جا گرا جس رسی کو بے رحمی کے ساتھ کھینچ رہا تھا۔ باقی سارے سپاہیوں اور محافظوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ حالات اچانک اس طرح یہ متوقع طور پر یہ رخ اختیار کر لیں گے۔ ان کے خیال میں تو یہ بس چند منٹ کا معاملہ تھا۔ وہ مجھے اٹھا کر کھولتے ہوئے تیل کے برتن میں ڈال دیتے تو میرا قصہ تمام ہو جاتا لیکن یہاں تو حاصل ہی الٹا ہو گیا تھا۔ سارے کے سارے سپاہی مجھے آزاد، بگھو کر سخت حیران اور ششدر رہ گئے اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جانب جھپٹ پڑے۔

[illegible] ہوئے لوگوں [illegible] کا مدعا [illegible] یا [illegible] سپاہی مجھے [illegible] کر تیل کے برتن میں پھینکنے کی کوشش کریں گے۔ اور میں اس کے نتائج سے محفوظ رہ سکوں گا۔ لیکن جب چند لمحوں کے اندر ہی اندر میں نے اپنے اردگرد موجود سارے سپاہیوں اور محافظوں کو زمین پر لٹا دیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر تو چاروں طرف سے ہتھیار بند سپاہیوں کے جتھے میری طرف دوڑ پڑے۔ لیکن میں نے ان کے قریب آنے سے پہلے ایک کام کر دیا۔ میں نے زور سے ایک لات تیل کے کھولتے ہوئے برتن پر ڈالی اور برتن زمین پر لڑھک گیا۔ کھولتا ہوا تیل ایک سنسناہٹ کی آواز پیدا کرتا ہوا آگ میں بھی گرا اور میرے رہائی پر بھی گرا اور خالی برتن دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ اب مجھے زندہ بچانے کے لیے کھولتے ہوئے تیل کا کوئی برتن موجود نہیں تھا۔

اس کے ساتھ ہی مسلح سپاہیوں کے جتھوں نے مجھے چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ میں اگر چاہتا تو تنہا بھی ان کو بھی فرار ہو سکتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا پردہ فیسر میں بے پناہ صلاحیتوں کا کام سے کم استعمال اور اظہار کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے آگے بڑھ کر تلوار چھین لی اور پھر بالکل ویسے ہی انداز میں جس طرح ان لوگوں پر حملہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، میں نے ان سب پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ بھی پوری طرح تیار تھے۔ انھوں نے بھی مجھ پر حملہ کر دیا۔ ان کے حملوں کو ناکام بنانے کے لیے میں نے بھی اپنی تلوار کو حرکت دینا شروع کر دی۔ دیکھنے والوں کی زبانیں گنگ اور آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

بہت بڑی تعداد میں سپاہی میری طرف آتے رہے اور میرے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے۔ ان کی تلواریں ان کے تیر، ان کے نیزے جانے کب کے سب میرے جسم پر بے اثر ثابت ہو رہے تھے اور کسی نہ کسی پہلو سے وار پر وار کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صورت آ گئی کہ لوگوں نے مجھ سے خوف کھانا شروع کر دیا۔ اب وہ میرے نزدیک نہیں آ رہے تھے بلکہ دور دور سے ہی تیروں، نیزوں اور بھالوں کے ذریعے مجھ پر حملہ کر رہے تھے۔ شاہ مارقلوس، شہزادی آرینہ اور سارے فائدین سلطنت سخت حیران و پریشان تھے اور اپنی اپنی جگہوں پر سراسیمہ کھڑے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں آخر ایسی کون سی بلا ہوں جو کسی طرح آگے بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کے حملے میں بھی نہیں آ رہا ہوں۔

آخر میں اپنے اردگرد دور دور تک پھیلے ہوئے لوگوں کے نرغے کو توڑ کر باہر نکلا اور سیدھا اس طرف بڑھا جہاں شاہی مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے شاہ مارقلوس، سردار آزوب اور ان کے سارے فائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادی آرینہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اس کی جگہ سے اٹھایا۔ کیونکہ لوگ میری طرف پھینکے لیکن مجھے روکنے کی کسی میں جرأت نہیں ہو سکی۔ میں نے لپک کر ایک عمدہ سے گھوڑے کی باگیں تھامیں اور پہلے شہزادی کو اس پر بٹھایا اور اس کے بعد اس کے پیچھے خود بیٹھ کر سوار ہو گیا۔ شہزادی کو اپنے آگے بٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ پیچھے سے پھینکے جانے والے تیروں، نیزوں اور بھالوں کی زد سے محفوظ رہے۔

پندرہ منٹ تک تو لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن جب ان کے ہوش ٹھکانے آئے تو ہر طرف ایک افراتفری مچ گئی۔ میں شہزادی آرینہ کو گھوڑے پر بٹھا کر تیزی سے بھاگ نکلا۔ چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگوں نے جلدی جلدی میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور میں تیر کی طرح نکلتا چلا گیا لیکن اس اثنا میں لوگ سنبھل چکے تھے۔ پیچھے سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ مجھے خدشہ اس بات کا تھا کہ کوئی تیر گھوڑے کو نہ لگ جائے اور وہ زخمی ہو کر نہ گر پڑے۔ اس لیے میں نے اسے پوری تیز رفتاری سے بھگانا شروع کر دیا۔ ایک آدھ تیر تو میری پشت پر لگا لیکن گھوڑا زخمی نہیں ہوا۔ وہ بچ گیا۔ میرے پیچھے زبردست شور مچ رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ ایک پوری فوج میرا پیچھا کر رہی ہے۔

میں تیزی سے بھاگا چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر ایک جنگل میں داخل ہو گیا۔ میرا پیچھا کرنے والے لوگ بھی برابر میرے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ مجھے یہ خطرہ تھا کہ مجھے اپنی نرگوئی پر قابو نہیں تھا لیکن ایک تو مجھے شہزادی کو زخمی ہونے سے بچانا تھا اور دوسرے میں گھوڑے کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا تاکہ ہم لوگ اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ اس لیے میں نے تعاقب کرنے والوں کی نگاہوں سے بچ کر درختوں کے بڑے اور گھنے جھنڈ میں اپنے آپ کو، گھوڑے اور شہزادی آرینہ سمیت چھپا لیا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا ہے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ تعاقب کرنے والوں نے جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، ہم لوگ جس جھنڈ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اور اب انھوں نے چاروں طرف سے اس جھنڈ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر راستہ کھوجا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ی تعداد پچاس ساٹھ سے کم نہیں تھی اور سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ ان میں سردار آزدب خود بھی شامل تھا۔

"فروس باہر نکل۔" ہم نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" تعاقب کرنے والوں میں سے ایک شخص نے سامنے لگی ہوئی میں اسے جانتا تھا۔ اس کا نام تامور تھا۔ شاہ مارطلوس کا حکم ہے کہ تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ تم شہزادی آرینہ کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"سنو تامور۔" میں نے درختوں کے جھنڈ کے اندر سے ہی جواب دیا۔ "تمہیں بھی طرح یہ بات معلوم ہے کہ تم اور تمہارے یہ ساتھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم اور سردار آزدب درختوں کے جھنڈ کے اندر آجاؤ۔ لیکن خبردار۔ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمہاری چالاکی کی سزا تمہیں نہیں بلکہ شہزادی آرینہ کو دوں گا۔ اس لیے اپنے باقی تمام آدمیوں کو باہر ہی چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے فروس۔" تامور نے جواب دیا۔ "میں اور آزدب اندر آرہے ہیں۔ امید ہے تم مجھ کے ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یا آزدب کو یا کسی کو بھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقصد خون ریزی نہیں ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ دغا کی گئی تو میں جوابی کارروائی ضرور کروں گا۔"

"تمہارے ساتھ کوئی دغا نہیں کی جائے گی۔" تامور نے کہا اور اس کے چند منٹ کے بعد تامور اور آزدب دونوں درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے اور پورے ہتھیاروں سے لیس تھے۔

"شاہ مارطلوس کا حکم ہے کہ اگر تم شہزادی آرینہ کو واپس کر دو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔ اس لیے تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم شہزادی آرینہ کو ہمارے حوالے کر دو اور خود جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"اس بات کا فیصلہ میں نہیں کروں گا۔" میں نے بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "اس کا فیصلہ شہزادی آرینہ خود کرے گی کہ آیا وہ اپنے باپ کے گھر واپس جانا چاہتی ہے یا نہیں۔ اگر شہزادی آرینہ تم لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے تو مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ تم اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ لیکن اگر کسی نے شہزادی آرینہ کو اس کی مرضی کے خلاف یہاں سے لے جانے کی کوشش کی تو میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔"

"شہزادی آرینہ۔" آزدب نے آرینہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کے حکم کا احترام کرو گی اور ہم لوگوں کے ساتھ واپس گھر چلو گی۔ شاہ مارطلوس تمہاری وجہ سے سخت پریشان ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے آزدب۔" آرینہ نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے اپنا گھر اپنا محل ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے اپنی تقدیر کو فروس کے ساتھ وابستہ کر لیا ہے اور میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ مجھے جہاں بھی لے جائے گا وہ میرا گھر ہوگا۔"

"تم اس دو ٹکے کے سلام کے ساتھ جا کر اپنے باپ کی عزت خاندان کی سمت قربان کر رہی آرینہ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اس حرکت اور غیر سیاسی حرکت کے بعد تمہارے باپ کے دل پر کیا بیتے گی؟ خاندانی سلطنت میں کیسی کیسی باتیں نہیں ہوں گی؟ لوگوں کی زبانیں کیا کیا افسانے تراشیں گی۔ تم ایک شہزادی ہو۔ شاہ مارطلوس کی بیٹی ہو۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ایک معمولی سپاہی کی خاطر اپنا گھر بار اور اپنی سلطنت چھوڑ کر اس طرح راہ فرار اختیار کرو۔"

"مجھے تمہاری فکر یہ دلوں اور نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" شہزادی آرینہ نے جل کر کہا۔ "میں ایک عاقل اور بالغ انسان ہوں اپنے لیے فیصلے کرنے کا خود کو اہل سمجھتی ہوں۔ مجھے تمہاری ہدایات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے میں اس پر قائم رہوں گی۔ تم لوگ واپس جا کر میرے باپ کو میرے فیصلے کی اطلاع دے سکتے ہو۔"

"شہزادی صاحبہ۔" میں آپ سے دوبارہ درخواست کروں گا کہ آپ اس فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔" تامور نے پہلی مرتبہ زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "معزز سردار آزدب جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ کی شاہ مارطلوس اور آپ کے سارے خاندان کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ واپس گھر چلیں۔ جہاں تک فروس کا تعلق ہے تو ہم اسے آپ کی نظروں کے سامنے یہاں سے نکل جانے کا موقع دیں گے اور آپ کو اس بات کی خاطر جمع فراہم کرتے ہیں کہ فروس کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔"

"فروس کو گزند پہنچانے کی کوشش کر کے تم لوگ دیکھ چکے ہو۔" آرینہ نے جواب دیا۔ "اس کی عدیم المثال بہادری اور بے پناہ جرأت کے سامنے تم سب لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے اس بات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تم فروس کو کوئی نقصان پہنچا سکو۔ اب تک میرے واپس جانے کا سوال ہے تو اس کا وہی جواب ہے جو آزدب کو دے چکی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

تامور خاموش ہو گیا۔ "فروس۔" تم ایک احسان فراموش اور کمینے انسان ہو۔ میں نے نہایت درجہ گھٹیا پن کا ثبوت دیا ہے۔ شہزادی آرینہ نے تمہاری بہادری کے لیک کارنامے سے متاثر ہو کر تمہیں اپنے محافظ کا سردار بنا لیا اور تم اتنے ذلیل انسان نکلے کہ تم نے اسے دھوکا دے کر اس کے ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یاد رکھو کہ ہم لوگ تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تم شہزادی آرینہ کو زندہ و سلامت لے کر نہیں جا سکتے۔"

"سنو آزدب۔" میں نے ٹھنڈے دل سے کہا۔ "میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں خون خرابے سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں

بیٹھ کے میدان میں اس وقت بھی ان لوگوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے جو میرے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا یہاں بھی لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں؟ تمہاری اور تمہارے سارے ساتھیوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ تم لوگ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔"

"ہم لوگ یہاں سے ضرور واپس جائیں گے۔" آزدب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہارے بغیر نہیں۔ شہزادی آرینہ کو ساتھ لے کر۔ تم چاہو تو اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے ہو اور چاہو تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی آزدب نے باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو آواز دے کر بلا لیا۔ وہ سب کے سب اندر آجائیں۔ آزدب کی آواز سن کر سارے گھوڑ سوار درختوں کے جھنڈ کے اندر داخل ہو گئے اور اس کے حکم کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔

"میرے خیال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے معزز سردار آزدب۔" تامور نے سنجیدگی سے کہا۔ "شہزادی صاحبہ اگر خود گھر واپس جانے پر راضی نہیں ہیں تو ہم انہیں کس طرح مجبور کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے اور شاہ مارطلوس کو سارے واقعات کی بے کم و کاست اطلاع دے دینی چاہیے۔"

"تم خاموش رہو تامور۔" آزدب نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ ہماری اور ہمارے شاہی خاندان کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری شہزادی ایک معمولی ملازم کے ساتھ چلی جائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد آزدب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے اور شہزادی کے گرد گھیرا ڈال دیں اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں لیکن شہزادی کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

"سنو آزدب۔" میں نے زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کو بے موت مارنے کی کوشش مت کرو۔ تم شہزادی آرینہ کو زندہ لے جانے کی کوشش کرنا چاہتے ہو اور میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ تو ہم ایک دوسرا راستہ اختیار کر لیں۔ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کرتے ہیں تم میرے ساتھ جس طرح کا مقابلہ چاہو کر سکتے ہو۔ میں ہر مقابلے کے لیے تیار ہوں۔ اس مقابلے میں جو بھی جیت جائے گا۔ شہزادی آرینہ اسی کے ساتھ جائے گی۔ بولو تمہیں میری یہ تجویز منظور ہے؟"

"مجھے تمہاری یہ بیہودہ شرط ہرگز منظور نہیں ہے۔" آزدب نے بھی چلا کر جواب دیا۔ "میں تم جیسے ذلیل آدمی کے مقابلے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں ان سارے لوگوں سے نمٹنا ہوگا جو تمہارے اردگرد گھیرا ڈالے ہوئے کھڑے ہیں اور اب دیکھنا ہے کہ تم ان کے نرغے میں سے کس طرح بچ کر نکلتے ہو۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھڑسواروں کو حکم دیا کہ وہ تمام اطراف سے مجھ پر حملہ کر دیں لیکن شہزادی آرینہ کو ہر صورت میں بچائے رکھیں۔

"ٹھہرو۔" میں نے گرج کر کہا۔ "تم لوگوں کی اس بزدلانہ حرکت سے شہزادی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے میں اسے گھوڑے سے اتار کر نانگ کھڑا کیے دیتا ہوں۔" اور میں نے شہزادی آرینہ کو اپنے گھوڑے سے اتار کر ایک طرف ایک درخت کے نیچے کھڑا کر دیا۔

"اب تم جاؤ۔" میں نے آزدب کے سپاہیوں کو للکارا اور وہ دیوانوں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

میں نے جھٹ کر ان میں سے ایک کی تلوار چھین لی اور پھر بے دریغ ان کا قتل عام شروع کر دیا جو میرے قریب آتا تھا اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا تھا۔ سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ آزدب اور تامور دونوں ایک طرف کھڑے ہوئے تماشا کچھ رہے تھے اور وہ اس جنگ میں شامل نہیں تھے۔ آزدب کی بات تو میری سمجھ میں آتی تھی کہ وہ بہت بزدل تھا لیکن تامور کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ چونکہ وہ اس سے پہلے اس کارروائی کے خلاف تھا اس لیے وہ اس میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔

جب بہت سے سپاہی میرے ہاتھ سے مارے گئے تو باقی سپاہیوں میں دہشت پھیل گئی۔ وہ اب میرے قریب آنے کے بجائے مجھ سے دور بھاگنے لگے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر وہ میرے پاس آئیں گے تو ضرور مارے جائیں گے۔

اور تب آزدب نے ایک عجیب حرکت کی۔ میں تو ادھر سپاہیوں کے ساتھ معرکے میں مصروف تھا اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دم شہزادی آرینہ کو ایک سپاہی کی مدد سے اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا کر بھاگ نکلا۔ میں نے فوراً ہی اس کی اس حرکت کو دیکھ لیا اور اب کچھ چھوٹے چھوٹے درختوں کے پیچھے بھاگ پڑا۔ آزدب نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھایا تھا تاکہ میں اس پر پیچھے سے حملہ کر سکوں اور خود آگے بیٹھ گیا تھا۔ سردار آزدب کا گھوڑا نہایت عمدہ اور برق رفتار تھا۔ میرا گھوڑا اتنا زیادہ چست و مستعد نہیں تھا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اس دوڑ میں سردار آزدب کے قریب نہیں پہنچ پاؤں گا۔ چنانچہ اب مجھے دوسرا حربہ اختیار کرنا تھا۔

سردار آزدب کا گھوڑا بجلی کی طرح دوڑ رہا تھا اور میں اس سے خاصا پیچھے رہ گیا تھا۔ تامور اور باقی سپاہیوں کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ شاید وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے آرہے ہوں گے۔ لیکن مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت کب تھی۔ میری ساری توجہ تو سامنے لگی ہوئی تھی۔

اس وقت میرے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ یہ نیزہ ایک سپاہی نے مجھے پیش کر مارا تھا اور میں نے اسے ہوا میں پکڑ لیا تھا اور تب سے میں اسے اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا۔ میں کوئی بہت اچھا نشانچی نہیں تھا لیکن بہرحال اب میرے پاس آزدب کو روکنے کی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے علاوہ کوئی صورت بھی نہیں تھی کہ میں اس کے گھوڑے کے پٹھے کاٹ کر مار دوں اور اسے زخمی کر دوں۔ لیکن پھر اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں میرا نشانہ خطا نہ کر جائے۔ میں سخت کشمکش و تذبذب کا شکار تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ نیزہ پھینکنے کی صورت میں آرینہ کے مارے جانے کے قوی امکانات موجود تھے۔

عین اس وقت قدرت نے میری مدد کی۔ آزوب کے بھاگتے گھوڑے کے سامنے ایک خوفناک جنگلی ریچھ آگیا۔ گھوڑا ریچھ کو دیکھتے ہی بری طرح بدک گیا اور رک گیا۔ ساتھ ہی وہ گھبرا کر پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح آرینہ، جو آزوب کے پیٹھ ہوئی تھی، ایک دم پھسل کر نیچے گری۔ گھوڑا چونکہ اب دوڑ رہا تھا اور اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا، اس لیے نیچے گرنے کی وجہ سے آرینہ کو زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ اس اثنا میں میں اپنے گھوڑے کو پوری طاقت سے بھگاتا ہوا وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے جاتے ہی گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور سب سے پہلے آرینہ کو سنبھالا جو زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں آزوب اور ریچھ کی طرف متوجہ ہوا۔

ریچھ نہ معلوم کس وجہ سے غضب ناک ہو رہا تھا۔ آزوب کا گھوڑا تو اپنی دونوں سواریوں کو پیچھے گرا کر فرار ہو گیا اور ریچھ نے آگے بڑھ کر اپنا بھاری بھرکم پنجہ بڑے زور سے آزوب کے سینے پر مارا اور اس کا گوشت ادھیڑ گیا۔ آزوب کے سینے سے خون کا فوارہ بہنے لگا۔ اس دوران پیچھے سے تامور اور دوسرے سپاہی بھی آ گئے تھے۔

اس وقت ریچھ نے آزوب کو زمین پر گرا دیا تھا اور وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔ اگرچہ آزوب نے مسلسل میرے ساتھ خاکی تھی اور ہمیشہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ تاہم میں اسے اس شدید عذاب میں نہ دیکھ سکا۔ اور میں نے وہ نیزہ جو میں نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، ریچھ کی پشت میں اتار دیا۔ ریچھ نے ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ آزوب کو چھوڑ دیا اور اب اس نے اٹھ کر میری طرف لپکنے کی کوشش کی، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ میرے نیزے کا زخم بہت کاری تھا اور ریچھ اپنی کوشش کے باوجود اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔

میں نے نیزہ ریچھ کی پشت میں سے نکال لیا اور ایک بار پھر دوبارہ اس کی پشت میں داخل کر کے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ آزوب کا خون میں نہایا ہوا بدنما جسم اب بھی ریچھ کے پنجے میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے ریچھ کو آزوب کے اوپر سے ہٹانا چاہا، لیکن تامور فوراً ہی چند دوسرے سپاہیوں کے ساتھ سامنے آ گیا اور اس نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اب مجھے تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تامور اور اس کے آدمیوں نے مل کر ریچھ کے بھاری بھرکم جسم کو آزوب کے اوپر سے ہٹایا۔ آزوب بہت بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے سینے اور گردن سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔

تامور کے سپاہیوں میں سے ایک کے پاس مرہم پٹی کا سامان موجود تھا۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی آزوب کے زخموں پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ لیکن خون پھر بھی کافی بہہ چکا تھا۔ آزوب بیہوش تھا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ آرینہ ایک کونے میں کھڑی یہ منظر دیکھ کر سخت بشاشت پذیر ہو رہی تھی۔

"اسے جتنی جلدی ممکن ہو سکے شہر لے جاؤ۔" میں نے تامور سے کہا۔ "یہ بہت بری طرح زخمی ہوا ہے اور شاید ہی کوئی ہوشیار طبیب اس کا علاج کر سکے۔ ویسے بھی جانوروں کے دانتوں زخمی ہونے والے انسانوں کا جانبر ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم اسے فوراً شہر لے جا رہے ہیں۔" تامور نے جواب دیا۔ "حکیم ایل ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ طبیب اور جراح ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس کی جان بچا لے۔"

"میری خواہش ہے اور میری دعا ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔" میں نے کہا۔ "لیکن دیکھو تامور، تمہیں شاہمار لطوس کے سامنے کوئی غلط بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو واقعات جس انداز سے پیش آئے ہیں، اسی طرح سے بتا دینا اور اسے یہ بات بھی بتا دینا کہ آزوب کو زخمی کرنے والا میں نہیں تھا بلکہ اسے ایک جنگلی ریچھ نے زخمی کر دیا تھا جسے میں نے بالآخر ہلاک کر ڈالا۔ جہاں تک شہزادی آرینہ کی مرضی، پسند اور اس کے جواب کا مسئلہ ہے تو تم اس کی زبانی اس کا فیصلہ سن چکے ہو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ شاہمار لطوس تک اس کا پیغام بے کم و کاست پہنچا دو۔ تمہیں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں۔ مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" تامور نے کہا۔ "اور نہ ہی میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی ہے۔ میں تو محض دفترِ پورا کرنے آیا تھا۔ جو تیر تمہاری آنکھ کی جانب سے مجھے موصول ہوا تھا، میں نے اسے پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ میرے ساتھ کے سارے سپاہی میری اس بات کے گواہ ہیں۔ جہاں تک مرد آزوب کے زخمی ہونے کا تعلق ہے تو یہ محض ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ میں شاہمار لطوس کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔ اب اس کے بعد اس کی مرضی ہے، وہ مجھے زندہ چھوڑے یا نہ چھوڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم اپنے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر یہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جاؤ اور آزوب کے زخمی جسم کو بھی احتیاط کے ساتھ لے جاؤ۔ یہ سانحہ ہو کر یہ راستے ہی میں دم توڑ دے۔ جہاں تک میرا اور شہزادی آرینہ کا تعلق ہے تو ہم دونوں اپنی مرضی اور پسند سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، خواہ یہ بات شاہمار لطوس کو اچھی لگے یا بری لگے۔"

تامور نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی آزوب کے شدید زخمی جسم کو گھوڑے پر ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

وہ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے چلے گئے اور جاتے وقت انھوں نے میرے ساتھ کوئی چھیڑ خانی کی کوشش نہیں کی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میں اور شہزادی آرینہ اکیلے رہ گئے۔

"میں تمہیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔" آرینہ طویل عرصے کے بعد شہزادی کے روپ سے مجھ سے مخاطب ہو کر زبان کھولی۔ "میری اور اس کی روایات میں صرف اتنی، ذرا سی بھی مماثلت نہیں ہے جس دن وہ قید خانے میں مجھ سے ملنے آئی تھی، اس کا اصرار تھا کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اس دن کے بعد سے میری اس سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی اقدامات تو کئی ہونے تھے لیکن مجھے کسی کی نوبت نہیں آئی تھی۔

"میں تمہیں سمجھنے سے واقعی قاصر ہوں۔" شہزادی آرینہ نے ایک لمبا سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں ہو سکتی جتنی طاقت کا تم نے مظاہرہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم ہو کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔"

"میں کسی خاص مٹی کا بنا ہوا نہیں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بھی اسی مٹی کا بنا ہوا ہوں جس مٹی کے عام انسان بنے ہوتے ہیں۔"

"میں یہ بات نہیں مان سکتی۔" شہزادی آرینہ نے جواب دیا۔ "تم میں کچھ نہ کچھ عجیب و غریب خصوصیت تو ضرور ہے۔ شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ تو کوئی انسان نہیں کر سکتا فروس۔ مجھے اپنے بارے میں سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور تمہاری اصل حقیقت کیا ہے؟"

شہزادی آرینہ کے ان تابڑ توڑ سوالوں سے میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ میں اسے اپنے بارے میں کیا بتاتا؟ اور جو کچھ میں اسے بتاتا، کیا وہ یہ یقین کر سکتی تھی؟ اس نے تو مجھے اپنے خاصے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ بہرحال اسے مطمئن کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کہنا ضروری تھا۔

"سنو شہزادی۔" میں نے سنبھل کر کہنا شروع کیا۔ "میں بھی عام انسانوں کی طرح ایک عام انسان ہوں۔ مجھ میں اور عام لوگوں میں صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ میں ہمیشہ حق کے لیے لڑتا ہوں، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت کرتا ہوں اور ان کو ظالموں کے پنجے سے نجات دلاتا ہوں۔ اس کے علاوہ کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ میری یہی بات تمہارے باپ کو پسند ہے اور وہ اس وقت میری مدد کرتے ہیں جب میں کسی مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔"

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم پر دیوتاؤں کا سایہ ہے؟" شہزادی آرینہ نے پوچھا۔

"ایسا سمجھ سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر یہ بات ہے تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" شہزادی آرینہ نے مسکراتے ہوئے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم دونوں ایک ہیں اور مصیبتوں سے نمٹ لیں گے۔ ہم میں کوئی مغلوب نہیں کر سکے گا۔"

"بالکل درست بات ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے حکمت کی جو اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تمہارا باپ لطوس تمہاری شادی تمہاری پسند اور مرضی کے خلاف اپنے بھائی کے بیٹے آزوب سے کرنا چاہتا تھا جسے تم سخت ناپسند کرتی تھیں۔ دیوتاؤں کو بھی یہ بات منظور نہیں تھی کہ ایک ایسے شخص کی بیوی بنو جسے تم دل سے ناپسند کرتی ہو۔ اس لیے انھوں نے میری اور تمہاری دونوں کی مدد کی اور ہمیں آزوب کے تذبذب سے نجات دلا دی۔"

"کب تم کہو گے فروس۔" شہزادی آرینہ نے پوچھا۔ "جب ہمارے پاس نہ تو تیر ہوں اور نہ۔ بننے کے لیے کوئی جنگلی۔ بلکہ میرے جسم پر بہت سے چھوٹے زیورات موجود ہیں۔ ان کو بیچ کر ہم کچھ دن تک تو کام چلا ہی سکتے ہیں۔"

"تم اس بات کی بالکل فکر مت کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں اور میں ہر قسم کی محنت کر سکتا ہوں۔ مجھے کسی بھی قسم کا کام کرنے میں کوئی عار نہیں ہوگی۔ کام کروں گا اور تم بڑے اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کرو گی۔ یہ تو درست ہے کہ میں تمہیں محل جیسا عیش و آرام فراہم نہیں کر سکوں گا، لیکن اتنا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں خوش رکھنے کی میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"یقین کرو فروس، دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہے جو مجھے خوش رکھ سکتا ہے اور وہ تم ہو۔ تمہارے علاوہ میں کسی اور کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ تم مجھے جس حال میں بھی رکھو گے، مجھے مطمئن ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ ہر حالت میں خوش رہوں گی۔ میں تمہارے ساتھ گزارے ہوئے ہر لمحے کو یاد کر کر بھی خوش و شاد رہوں گی۔ جہاں تک میرے جسم پر موجود قیمتی زیورات کا تعلق ہے تو میرے نزدیک ان کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔ آپ جو تو ان سب کو فروخت کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" میں نے کہا۔

اس کے بعد ہم دونوں الگ الگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے کیونکہ اب گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ آزوب اور تامور کے بہت سے سپاہی مارے گئے تھے اور ان کے فالتو گھوڑے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میں اور شہزادی آرینہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔

میرے دل میں یہ خطرہ تھا کہ شاید دوبارہ ہمارے تعاقب کی کوشش کی جائے لیکن یہ خیال اس سے زیادہ قرینِ قیاس نہیں نظر آتا تھا کیونکہ تامور اور شدید زخمی حالت میں آزوب کو شہر تک پہنچنے کے لیے کئی گھنٹے درکار ہوتے۔ اگر شہر پہنچنے کے بعد ہی تامور تک کے ساتھ گھوڑوں کا دوبارہ تعاقب کیا جا سکتا تھا جو فی الحال ناممکن نظر آتا تھا۔ اس لیے میں نے اور شہزادی آرینہ نے اپنا سفر اطمینان اور میانہ روی کے ساتھ جاری رکھا۔ میں نے چند خرگوشوں کا شکار بھی کیا اور ان کا گوشت بھون کر کھایا۔

اب رات ہونے والی تھی اور مجھے کسی ایسی پناہ کی تلاش تھی جہاں آرینہ آرام و سکون کے ساتھ رہ سکے۔ ظاہر ہے مجھے اپنی تو کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ میں پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک جگہ درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں لکڑیوں اور پتھروں سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کٹیا نظر آئی۔ باہر سے یہ کٹیا بالکل ویران نظر آ رہی تھی اور

Optimized by www.ImageOptimizer.net

محسوس ہوتا تھا گویا اس میں کوئی رہتا نہیں ہے۔

اب خوصاصہ تیز ہو گیا تھا۔ میں نے شہزادی آرینہ کو کٹیا کے باہر چھوڑا اور خود کٹیا کے اندر داخل ہو گیا۔ یہاں چاروں طرف بالکل ہو کا عالم سنسان تھا۔ اندر کوئی روشنی نہیں تھی اور نہ ہی کسی انسان کے وجود کا احساس ہوتا تھا۔ البتہ چھوٹے موٹے جانوروں کے سرسرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے اس کٹیا کے اندر آرینہ کے ساتھ بات گزارنا مناسب نہ سمجھا اور باہر نکل آیا۔

کٹیا اندر سے بالکل ویران ہے اور اس میں کوئی انسان موجود نہیں ہے۔ میں نے آرینہ کو اطلاع دی "بہتر ہوگا کہ ہم لوگ رات کٹیا سے باہر ہی بسر کریں۔ اندر اندھیرے میں کیڑے مکوڑوں کا بھی خطرہ موجود ہے۔"

پھر ہم نے درختوں کے ہی جھنڈ کے اندر تھوڑی سی جگہ صاف کی۔ یہ جگہ کٹیا سے تھوڑے فاصلے پر تھی۔ گھوڑوں کو ہم نے درختوں سے باندھ دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ آرام سے ہو گئے۔

نہ جانے کتنی رات گزر گئی تھی کہ اچانک کچھ آوازوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ایک نظر شہزادی آرینہ کی طرف ڈالی۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ میں آوازوں پر غور کرنے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار آ رہے ہوں۔ میں فوراً ہی ہوشیار ہو گیا اور غیر محسوس انداز میں اس نے آرینہ خاص محفوظ جگہ پر چھپے ہوئے تھے اور فی الحال ہمارے دیکھے جانے کا خطرہ موجود نہیں تھا۔

اور پھر مجھے دور سے ایک روشنی نظر آئی۔ یوں لگتا تھا گویا کوئی مشعل لیے آگے بڑھ رہا ہو۔ جوں جوں وہ میرے پیچھے اندازہ ہو گیا کہ آنے والا گھوڑے پر سوار ہے اور ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی مشعل تھامے ہوئے ہے۔ میں غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ دور سے آتی ہوئی مشعل کی ہلکی سی روشنی میں مجھے گھوڑوں پر سوار ایک سے زیادہ ہیولے نظر آئے تھے۔ جیسے وہ لوگ قریب آتے گئے ان کی شکلیں واضح ہوتی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ چار گھڑ سوار تھے۔ جو اس طرف چلے آ رہے تھے۔ ان میں سب سے آگے والے گھڑ سوار کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جس سے وہ اپنے پیچھے آنے والوں کو راستہ دکھا رہا تھا۔

قریب آنے پر ان کی رفتار سست پڑ گئی اور وہ سب کے سب کٹیا کے دروازے کے عین سامنے پہنچ کر رک گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھوڑوں پر سامان کی کئی گٹھڑیاں لدی ہوئی تھیں۔ مجھے کچھ اندازہ ہو گیا کہ یہ لوگ چور ہیں اور اس کٹیا کو انھوں نے اپنی سرائے کا درجہ دے رکھا ہوا ہے۔ لیکن فی الحال میں ان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے شہزادی آرینہ کا خیال تھا۔ مجھے اس کو مرنے یا زخمی ہونے سے ہر حال میں بچانا تھا۔ اور نہ ہی مجھ میں تنہا ہوتا تو یقیناً میرا تدبیر بالکل مختلف ہوتا۔

کٹیا کے سامنے پہنچ کر وہ چاروں کے چاروں گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ مشعل والا آدمی سب سے آگے تھا۔ گھوڑوں پر سے اترنے کے بعد انھوں نے گھوڑوں پر سے سامان کی گٹھڑیاں بھی اتار لیں۔ مشعل والا آدمی سب سے پہلے کٹیا میں داخل ہوا اور اس کے پیچھے پیچھے باقی تینوں افراد بھی اپنی اپنی گٹھڑیاں سنبھالے ہوئے کٹیا کے اندر داخل ہو گئے۔

اب اس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ یہ چور ہیں۔ چوری کا سامان کہیں سے لے کر آتے ہیں اور شاید اندر رات گزارنے کے بعد صبح ہوتے ہی یہ لوگ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے اور پھر میں اور شہزادی آرینہ کے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا لیکن اتفاق سے میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

ہوا یوں کہ میرے اور شہزادی کے جو دونوں گھوڑے ہم سے کچھ فاصلے پر بندھے ہوئے تھے ان میں سے نہ معلوم کس وجہ سے کوئی گھوڑا بڑے زور سے ہنہنایا۔ ظاہر ہے کہ اس کے ہنہنانے کی آواز کٹیا کے اندر تک پہنچی۔ گھوڑے کے ہنہنانے سے شہزادی آرینہ کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مجھے اب یقین ہو گیا تھا کہ چور یا ڈاکو جو بھی یہ لوگ ہیں اب ضرور کٹیا میں سے نکل کر آئیں گے اور معلوم کریں گے کہ یہ کس کے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز ہے کیونکہ ان لوگوں کے اپنے گھوڑے تو کٹیا کے عین سامنے کھڑے ہوئے تھے جبکہ اس گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز ذرا دور سے آئی تھی اور یہ فرق صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔

میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ چند ہی لمحوں بعد کٹیا کے مشعل کی روشنی نکلتی دکھائی دی۔ مشعل بردار سب سے آگے آگے تھا اور اس کے پیچھے باقی تینوں آدمی تھے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے اور چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ آرینہ نے بھی مجھے لیا تھا اور وہ ڈر کے مارے مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہماری کوشش یہ چاہیے کہ یہ لوگ ہم کو نہ دیکھ پائیں اور اگر انھوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا تو میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ان سب سے نمٹنے کے لیے کافی ہوں۔"

میری باتوں سے آرینہ کی ڈھارس بندھی اور اس نے مجھ سے میرے کان میں کہا۔ "یہ لوگ ہمارے تعاقب میں آنے والے نہیں ہیں بلکہ کوئی ہر قسم کے پیشہ اور بدمعاش قسم کے لوگ لگتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ میرا زیور وغیرہ نہ چھین لیں۔"

"اطمینان رکھو۔ ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی میں ان لوگوں کے ہاتھ توڑ دوں گا۔"

وہ چاروں کے چاروں آپس میں باتیں کرتے ہوئے کٹیا کے ہنہنانے کی آواز کی سمت میں بڑھ رہے تھے اور ان کا رخ تھا۔ پندرہ ہی منٹ بعد وہ گھوڑوں کے پاس پہنچ گئے۔

"او ہو، یہاں تو دو گھوڑے موجود ہیں۔" ان میں سے ایک کی آواز سنائی دی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آس پاس ہی کہیں وہ لوگ بھی موجود ہوں گے جو ان گھوڑوں پر سوار ہیں۔" ایک دوسری آواز آئی۔

"ہمیں ان لوگوں کو تلاش کرنا چاہیے۔" تیسری آواز نے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ لوگ کوئی مسافر ہوں اور دن بھر کے سفر کے بعد تھک کر سو رہے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کچھ مال موجود ہو۔ گھوڑے تو دو ہی نظر آ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بھی دو ہی ہوں گے۔ ہم ان پر آسانی قابو پا سکتے ہیں۔"

"دونوں گھوڑے خاصے عمدہ نسل کے معلوم ہوتے ہیں۔" چوتھی آواز نے کہا۔ "اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے سوار کوئی معمولی لوگ نہیں ہوں گے۔"

اب ان لوگوں نے مشعل کی روشنی میں درختوں کے جھنڈ میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ میں اور آرینہ بالکل خاموشی کے ساتھ اور کوئی آواز پیدا کیے بغیر ذرا اور پیچھے چلے گئے کیونکہ میں فی الحال ان لوگوں سے محاذ آرائی نہیں چاہتا تھا۔

لیکن جلد ہی ان لوگوں نے ہمیں ڈھونڈ نکالا۔ میں اور آرینہ ایک جھاڑی کے پیچھے دبکے ہوئے انھیں نظر آ گئے۔

"اچھا تو تم لوگ یہاں چھپے ہوئے ہو۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا جو سب سے آگے تھا۔ "یہ گھوڑے تمہارے ہی ہیں؟"

"ہاں، یہ گھوڑے ہمارے ہی ہیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ میں اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور آرینہ میرے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

"تم دونوں کون ہو اور اس اندھیری رات میں اس سنسان جنگل میں کیا کر رہے ہو؟" اس شخص نے سوال کیا۔

"میں سوال میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" میں نے سکون سے کہا۔ "تم چاروں آدمی کون ہو اور اتنی رات گئے اس جنگل میں کیا کرنے نکلے ہو؟"

"اتنی تیزی نہ دکھاؤ جوان۔" سردار نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"ہم مسافر ہیں اور آگے شہر جا رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "راستے میں رات ہو گئی تھی اس لیے ہم آرام کرنے کے لیے یہاں رک گئے۔"

"اس گھوڑ کو کہاں سے چرا کر لائے ہو؟" سردار نے تمسخرانہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں اسے کہیں سے چرا کر نہیں لایا۔" میں نے بھی سخت لہجے میں جواب دیا۔ "یہ میری بیوی ہے اور میرے ساتھ جا رہی ہے۔"

اس دوران میں نے محسوس کیا کہ سردار سمیت ان تمام لوگوں کی نظریں آرینہ کے لباس اور اس کے قیمتی زیورات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ انھوں نے آرینہ کی شکل و صورت اور اس کے حلیے کا بھی طرح جائزہ لیتے کے بعد آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کیں۔

"یہ کوئی معمولی عورت نہیں معلوم ہو رہی۔" سردار نے کہا۔ "اور یہ تمہاری بیوی تو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس کے جسم پر جو لباس اور زیورات ہیں، وہ شہزادیوں اور ملکہ پریوں کو ہی میسر آ سکتے ہیں۔"

"ارے یہ کہیں شہزادی آرینہ تو نہیں ہے؟" اچانک ان میں سے ایک نے صدا لگائی۔ "آج آرسالے شہر کے یہ بات معلوم ہے کہ شہزادی آرینہ کو اس کے محافظ دستے کا سردار فردوس بھگا کر لے گیا ہے اور بات پھیلنے تک دونوں کا کوئی پتا نہیں چلا تھا۔ میں نے خبر سنی تھی کہ محل بھر کی تلاشی میں کئی فوجی دستے روانہ کیے جائیں گے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" چوروں کے سردار نے کہا۔ "یہ ضرور شہزادی آرینہ ہے اور اس کے ساتھ یہ شخص فردوس ہے۔ جو اسے بھگا کر لایا ہے۔"

"پھر تو ہم بہت بڑے انعام کے مستحق ہو گئے سردار۔" اس شخص نے کہا۔ "ہم ان دونوں کو گرفتار کر کے شاہ مارطوس کی خدمت میں پیش کریں گے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمیں زبردست انعام و اکرام سے نوازے گا۔"

"اب تم دونوں اپنے آپ کو زیر حراست سمجھو۔" سردار نے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرا حکم نہ ماننے کی کوشش کرنا اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم اکیلے مرد ہو اور یہاں ہم چار آدمی ہیں۔ لیکن پہلے تمہیں اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ تم فردوس ہو اور یہ شہزادی آرینہ ہے۔ تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتانا پڑے گا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "میں فردوس ہوں اور یہ شہزادی آرینہ ہے۔ اور ہم لوگ اپنی زندگیاں ایک ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے شہر میں ہمارے فرار کی خبر تو سن لی۔ لیکن شاید تم پوری خبر نہیں سن سکے۔"

"وہ کیا؟" چوروں کے سردار نے قدرے گھبرا کر کہا۔

"وہ یہ کہ سلطنت آرذوب اپنے سپاہیوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ہمارے تعاقب میں آئے تھے۔ اور اب سے پندرہ گھنٹے پہلے وہ لوگ واپس شہر پہنچ چکے ہوں گے۔ آرذوب اتنا شدید زخمی ہے کہ اس کے جانبر ہونے کی امید کم ہے اور ان دونوں کے سپاہیوں کی بہت سی لاشیں یہاں سے زیادہ دور نہیں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر تم لاشوں میں اپنی لاشوں کا اضافہ بھی کروانا چاہتے ہو تو ضرور تلاش کرو۔ ویسے میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مال اپنی چوری کے مال کا حصہ بانٹ کرنے کے بعد یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔"

"!!!!" سردار بڑے زور سے ہنسا۔ "آدمی ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔ تم نے بہت جلدی ہمارے بارے میں اندازہ لگا لیا۔ اور تمہارا اندازہ غلط بھی نہیں ہے۔ بہرحال اس سے ہمارے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ جب ہم تم دونوں کو شاہ مارطوس کی خدمت میں پیش

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کریں گے تو اس وقت یہ کٹیا بالکل خالی ہوگی اور یہاں کی تلاشی لینے والے کو یہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔ ہمیں کوئی بھی چیز ثابت نہیں کر سکے گا اور ایک بات اور یاد رکھنا تم نے تاموا اور آزوب کا اور ان کے سپاہیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کو بھول جاؤ۔ وہ نہ تھے اور نہ ہم ہیں۔ ہمارے چنگل سے تو تم بچ نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے اندر کوئی سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟" ہمیں نے اس سے پوچھا۔

"اس کا علم تمہیں بھی ہو جائے گا۔" اس نے پُرغرور لہجے میں کہا۔ اور پھر اپنے تینوں ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "ان دونوں کو ابھی اور اسی وقت گرفتار کر لو۔ لیکن خیال رہے کہ شہزادی آرینہ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔"

"میں تمہیں آخری بار متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے چوروں کے سردار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "اس حماقت کا ارتکاب نہ کرنا ورنہ سخت سزا بھگتنی پڑے گی اور تمہارا حشر بھی ان لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ جو اس سے پہلے میرے ہاتھوں سے نرک اٹھا چکے ہیں۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو مناسب یہی ہے کہ یہاں سے سیدھے سیدھے راہ فرار ہو جاؤ اور مجھے اور شہزادی آرینہ کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری خیریت ہے۔"

مگر چوروں کے سردار نے میری بات پر کوئی توجہ دینے کی زحمت ہی نہیں کی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ تینوں کے تینوں چاروں طرف سے ہماری طرف بڑھے۔ میں اس وقت خالی ہاتھ تھا اور اگر چہ میرے پاس موجود تھی لیکن وہ مجھے کافی فاصلے پر موجود تھی اور پھر مجھے اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔

آگے بڑھنے والے تینوں اشخاص مسلح تھے۔ لیکن ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک مضبوط سی رسی بھی موجود تھی جو اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ غالباً اسی رسی کو وہ چوری کے کام کے سلسلے مقصد کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ اس شخص نے وہ رسی بجلی سے اپنی کمر سے کھول کر چند ثانیوں کے اندر اندر اس کا پھندا بنایا اور پھر معمول مہارت اور چابکدستی کے ساتھ میری طرف اس طرح پھینکا کہ وہ سیدھا میری گردن میں فٹ ہو گیا۔ اس نے ایک زور کا جھٹکا دیا اور رسی کا پھندا میری گردن کے گرد کس گیا۔ چوروں کا سردار بے حد خوش ہو گیا اور خوشی سے بے قابو ہو کر بولا۔ "شاباش جابر تم نے بڑا اچھا کام دکھایا ہے۔ اسے کہتے ہیں مہارت اور چابکدستی۔ اب بھلا یہ بھاگ کر کہاں جا سکے گا اس کی گردن تو کسی چوہے کی گردن کی طرح پھنس گئی ہے۔"

لیکن ابھی اس کی زبان سے پورے الفاظ بھی ادا نہیں ہوئے تھے کہ میں نے بجلی کا ہاتھ رسی پر رکھ کر جھٹکا دیا۔ ریشم کی مضبوط رسی کسی معمولی ڈوری کی طرح ٹوٹ گئی اور میں نے اسے اپنی گردن سے فوراً کر پھینک دیا۔ چوروں کے سردار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ مجھے ناقابلِ یقین نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے رسی کے پھندے کو اطمینان سے اپنی گردن سے نکال کر زمین پر پھینک دیا اور پھر دونوں ہاتھ روک کر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ اب ان لوگوں کا اگلا اقدام کیا ہوتا ہے۔

شہزادی آرینہ میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی اور خاصی پریشان نظر آ رہی تھی لیکن وہ اتنی زیادہ خوفزدہ نہیں تھی کیونکہ اسے کافی حد تک یقین تھا کہ جب میں اتنے بہت سے لوگوں پر قابو پا سکتا ہوں تو یہ چار چور میرا کیا بگاڑ سکیں گے۔

سردار اور اس کے تینوں ساتھی چند لمحوں تک زمین پر پڑی ہوئی ٹوٹی ہوئی رسی کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سردار نے اپنی تلوار نکال لی اور اپنے باقی ساتھیوں کو حکم دیا۔ "انہیں چاروں طرف سے گھیر لو۔ اگر فرار کی راہ اختیار کرے تو پرواہ مت کرو۔ اسے مار ہی جانے دو۔ ہم اس کا بھرکس کر کے چھوڑیں گے اور اس کی ہلاکت کے ثبوت کے طور پر شاہ مہاراطلیس کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن بس اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ شہزادی آرینہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

سردار کا حکم پاتے ہی تینوں آدمیوں نے میرے اوپر یورش بول دی۔ سردار خود تلوار سونت کر شہزادی آرینہ کے سر پر تعینات ہو گیا تاکہ میں ادھر اُدھر بھاگنے کی کوشش نہ کروں۔ یہ سارا ہنگامہ زیادہ سے زیادہ چند منٹ کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ تینوں چور میرے ہاتھوں سے مارے گئے اور سردار حیرت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ اگرچہ تلوار اب بھی اس کے ہاتھ میں موجود تھی لیکن اس کا ہاتھ بُری طرح کپکپا رہا تھا اور اب شاید اس میں تلوار چلانے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔

"اس کو مت چھوڑنا فرون۔" شہزادی آرینہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر بولتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دو، ورنہ بعد میں یہ شخص ہمارے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔"

ویسے بھی میرا چوروں کے سردار کو بخش دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا اور اس طرح ان چاروں چوروں کو ٹھکانے لگا دیا۔

"آخر ان لوگوں کی موت انہیں ادھر لے کر آئی تھی۔" شہزادی آرینہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں نے انہیں پیشکش بھی کی تھی کہ وہ ہم لوگوں کے بدلے مال پر چھوڑ دیں اور اپنا راستہ پکڑیں۔ لیکن ان پر لالچ بہت زیادہ غالب آ گیا تھا۔ وہ ہمیں گرفتار کر کے شاہ مار اطلیس کے حضور میں پیش کرنا اور بھاری انعام حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ انہیں اس لالچ کی سزا اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ یہاں سے چلے جاتے تو میں انہیں ہرگز ہلاک نہیں کرتا۔"

"ان کی قسمت میں ہی تمہارے ہاتھوں موت لکھی ہوئی تھی۔" آرینہ نے کہا۔

رات شاید آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اس لیے میں اور آرینہ ایک بار پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ اس دفعہ ہمیں اپنے سونے کے

لیے نئے سرے سے جگہ تلاش اور صاف کرنی پڑی کیونکہ ہم ان چاروں لاشوں کے قریب نہیں لیٹنا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم گہری نیند میں غرق ہو گئے۔

اچانک ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی۔ رات ابھی باقی تھی اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دور آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور چاند کی بہت ہلکی ہلکی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی۔ اس برائے نام روشنی میں میں نے دیکھا کہ ہم سے کچھ فاصلے پر، جہاں ان چاروں چوروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں، کچھ جانوروں کے سیولے نظر آ رہے تھے۔ یہ جانور لاشوں کو بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ میں بڑی دلچسپی سے ان جانوروں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔ مجھے اندیشہ یہ تھا کہ کوئی جانور شہزادی کی طرف حملہ آور نہ ہو جائے اس لیے میں فوراً ہی جاگ گیا تھا۔ میں نے دوبارہ سونے کا ارادہ ترک کر دیا۔

آہستہ آہستہ صبح کاذب کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ تب میں نے ایک نظر شہزادی آرینہ پر ڈالی۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد صبح کا اجالا پھوٹنے لگا۔ دور مشرق کی جانب سے روشنی بڑھنے لگی اور ہمارے اردگرد کا منظر آہستہ آہستہ صاف اور واضح ہونے لگا۔ شہزادی آرینہ ابھی تک بے خبری کی نیند کے عالم میں سوئی پڑی تھی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک دل دہلا دینے والا عبرت انگیز منظر موجود تھا۔

بہت سے گیدڑ اور دوسرے جانور اور ان کے علاوہ بیسیوں تعداد میں گدھ چیلیں اور کتے ان چوروں کی لاشوں کو نوچ نوچ کر کھانے میں مصروف تھے جو ہم سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی تھیں۔ رات والوں تھا کہ ان لوگوں کے مرنے کے بعد ہی جنگلی جانوروں نے مُردہ گوشت کی بُو پا کر ان کے جسموں پر حملہ کر دیا تھا اور انہیں کھانا شروع کر دیا تھا۔ اور اب صبح ہوتے ہی مردار خور پرندے بھی اس مفت کی ضیافت میں شریک ہو گئے تھے۔ میں نے غور سے ان لاشوں کی طرف دیکھا۔ ان کے جسموں کا زیادہ تر حصہ کھایا جا چکا تھا۔ اور بہت سی جگہوں سے تو سفید سفید ہڈیاں تک جھانک رہی تھیں۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر سخت اذیت محسوس ہوئی اور میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔

اس اثنا میں شہزادی آرینہ کی آنکھ بھی کھل گئی اور اس کی نظر سب سے پہلے اس دہشت ناک منظر پر پڑی اور اس کے منہ سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی۔ شہزادی کی چیخ سن کر بعض جانوروں نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا۔ پھر انسانی آبادی کے قریب ہونے کی وجہ سے شاید انہیں خطرے کا احساس ہوا۔ چنانچہ وہ اپنی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھا اور پھر انسانی گوشت کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"اف تو یہ ہے فرون۔" شہزادی آرینہ نے کہا۔ "کس قدر خوفناک منظر ہے۔ ان جانوروں نے تو ان کے جسموں کو بھنبھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"یہ جنگل ہے آرینہ۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہاں اگلی جانوروں اور درندوں کا راج ہے۔ اس وقت جو جانور ان لاشوں سے پیٹ بھر رہے ہیں یہ سب کے سب مُردار خور جانور ہیں اور ان کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں بیک وقت چار چار انسانی لاشیں کھانے کو مل رہی ہیں۔"

اب کافی اجالا پھیل گیا تھا۔ کٹیا جو رات کی تاریکی میں ایک بھیانک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی، اب بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ایک خاصی پرانی بوسیدہ اور ٹوٹی پھوٹی کٹیا تھی لیکن اس میں دروازہ مضبوطی کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"آؤ اب ہم دن کے وقت اس کٹیا میں چل کر دیکھتے ہیں۔" شہزادی آرینہ نے کہا۔

"چلو۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کر اس کٹیا میں داخل ہو گئے۔ دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا اس لیے ہمیں اندر جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کٹیا جیسی باہر سے نظر آ رہی تھی اندر سے اس سے بالکل مختلف تھی۔ یہ خوب صاف ستھری تھی اور اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسے برابر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اندر سے یہ کافی وسیع اور کشادہ بھی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ کٹیا کے فرش پر چٹائیاں اور دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ چٹائیوں اور دریوں پر جگہ جگہ گٹھڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد چار تھی۔ غالباً یہ وہی چاروں گٹھڑیاں تھیں جو یہ چور گزشتہ رات کہیں سے چُرا کر لائے تھے۔

"ان گٹھڑیوں میں یقیناً چوری کا مال ہوگا۔" شہزادی آرینہ نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور شاید یہ وہی گٹھڑیاں ہیں جو یہ لوگ کل رات ہمارے سامنے گھوڑوں پر لاد کر لا رہے تھے۔"

"ہمیں انہیں کھول کر دیکھنا چاہیے۔" آرینہ نے کہا۔ "نہ معلوم ان میں کیا کیا سامان ہوگا۔"

"اگر تم کہتی ہو تو ہم کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اور باری باری ایک ایک گٹھڑی کھولنی شروع کر دی۔ تین گٹھڑیوں میں قیمتی ملبوسات تھے اور چوتھی گٹھڑی میں سونے چاندی کے کچھ زیورات کے علاوہ بعض قیمتی برتن بھی تھے۔ ہم نے گٹھڑیوں کے سامان کا جائزہ لینے کے بعد انہیں اسی طرح باندھ دیا۔

"اب ہم ان گٹھڑیوں کا کیا کریں۔" آرینہ نے مجھ سے پوچھا۔ "چور تو مارے گئے اور ان گٹھڑیوں کے سامان کے مالکوں کو ہمیں کوئی علم نہیں۔ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"ان حالات میں ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ ان گٹھڑیوں کو یہیں اور اسی جگہ چھوڑ کر ہم اپنا راستہ پکڑیں۔ یہ مال جس کی قسمت کا ہوگا اس کو مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ہم نہ اس کے مالکوں کو تلاش کر سکتے ہیں اور نہ ان تک یہ مال پہنچا سکتے ہیں اس لیے اس کے

بارے میں کچھ سوچنا فضول ہے۔" میں نے کہا۔

"تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" آرینہ نے جواب دیا۔ "ہمیں یہ چیزیں یہیں چھوڑ دینی چاہئیں اور اپنی راہ لینی چاہیے۔ ہمارے کام کے ساتھی کو زندگی تلاش نہیں کر سکے۔"

چنانچہ ہم دونوں نے چوری کے سامان کی بن گٹھڑیوں کو وہیں اسی کٹیا میں چھوڑا اور اپنی راہ لی۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ہم نے تین دن کے ساتھ اپنے نئے سفر کا آغاز کر دیا۔ ہماری نہ کوئی منزل تھی نہ ہمیں یہ معلوم تھا کہ ہمیں کہاں جانا ہے اور کہاں قیام کرنا ہے۔ ہم آپس میں سفر اختیار کئے چلے جا رہے تھے۔ بہر حال ہماری کوشش فی الحال یہ تھی کہ ہم بستیوں سے دور رہیں اور جنگل ہی جنگل میں اپنا سفر جاری رکھیں۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ آرینہ اب کافی تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ چنانچہ ہم نے تھوڑی دیر تک آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ درختوں کے ایک گھنے جھنڈ کے نزدیک جہاں قریب ہی پانی کا ایک چشمہ بھی موجود تھا ہم نے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ گھوڑے بھی بھوک اور پیاس سے بے حال ہو رہے تھے۔ انھوں نے بھی چشمے سے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور گھاس چرنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے ایک پھندے سے ہرن کا شکار کر لیا اور اس کی کھال اتار کر سوکھی لکڑیاں جمع کر لیں۔ آرینہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کا گوشت بھونا اور ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ چشمے سے خوب پانی پیا اور اس کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک آرام کرنے کے بعد ہم نے دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ آج کوئی دور دور تک ہمارے تعاقب میں نہیں آ رہا تھا۔ اور ہم لوگ اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ شاہ مارنطوس کر آزوب اور تامرو کی ہم کی ناکامیابی کے بعد اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ہم لوگوں کا پیچھا کرنا بے کار ہے۔ اور یہ کہ اب وہ میرے قبضے سے اپنی بیٹی کو نہیں چھڑا سکتا۔ آزوب کے بارے میں بھی یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی تھی کہ وہ زندہ تھا یا مر گیا تھا۔ کیونکہ کچھ کے ہاتھوں اسے خاصے زخم آئے تھے۔

بہر حال ہم دونوں نے شام تک اپنا سفر جاری رکھا۔ اب ہم شہر سے بہت دور نکل آئے تھے اور اس بات کے امکانات بہت حد تک دور ہو گئے تھے کہ کوئی ہمارا پیچھا کرے گا۔ شام تک سفر کرنے کے بعد ہم نے ایک بار پھر اپنا سفر مستوی کیا۔ اب سورج اپنا دن بھر کا سفر ختم کر کے اپنی آخری منزل کی طرف تیزی سے رواں تھا اور کوئی دم میں غروب ہونے والا تھا۔ ہمیں رات میں آرام کرنے کے لیے کوئی پُرسکون اور محفوظ جگہ چاہیے تھی اور میں نے جلد ہی یہ جگہ تلاش کر لی۔

یہ چند چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی صاف ستھری جگہ تھی جو اردگرد سے محفوظ بھی تھی اور اس کے چاروں طرف بہت سے درخت اگے ہوئے تھے۔ میں نے اور آرینہ نے اس جگہ رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے پاس ہرن کا بچا ہوا کافی گوشت موجود تھا۔ وہ ہم نے کھایا

پانی کی تلاش میں ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا اور جلد ہی ہم کھانے پینے سے فارغ ہو کر آرام کی تیاریاں کرنے لگے۔

دو رات بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئی۔ صبح ہوتے ہی ہم نے ایک بار پھر اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ غرض اسی طرح ہم کئی دن تک سفر میں مصروف رہے۔ ہمارے گھوڑے بہت عمدہ تھے اور انھوں نے دورانِ سفر ہمارا بہت ساتھ دیا۔ راستے میں ہمیں جگہ جگہ پانی بھی ملتا گیا اور خوراک کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوا کیونکہ میں راستے بھر چھوٹے موٹے جانوروں کا شکار کر کر تا رہا جن کے گوشت سے میں اور آرینہ اپنا پیٹ بھرتے رہے۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اب تک ہم نے جنگل میں الیسار سلطنت کے اختیار کیا تھا کہ ہم بستیوں اور آبادیوں سے دور دور رہیں اور جنگل کے اندر اندر ہی سفر کرتے رہیں لیکن اب ہمیں سفر کرتے ہوئے کئی دن کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس بات کے امکانات بالکل معدوم ہو گئے تھے کہ کوئی ہمارا پیچھا کر سکے گا۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا کہ اب ہمیں کسی بستی یا آبادی کی طرف نکل جانا چاہیے تاکہ ہم وہاں پر آرام سے کچھ زندگی بسر کر سکیں۔

چنانچہ ہم نے گھنے جنگل کا راستہ ترک کر کے بستی کی تلاش شروع کر دی۔ ہمیں اس سلسلے میں زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا اور جلد ہی ہمیں ایک بستی کے آثار نظر آنے لگے۔

"وہ سامنے ایک بستی نظر آ رہی ہے۔" آرینہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہاں ہمیں پناہ مل جائے اور ہم سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔"

"مجھے بھی اس بات کی توقع ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمیں ایک کام کرنا چاہیے۔ اپنے تمام قیمتی زیورات اپنے جسم پر سے اتار کر اپنی چادر کے ایک کونے میں گٹھڑی کی طرح باندھ لو۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کی نظریں خواہ مخواہ ہمارے قیمتی زیورات کی طرف اٹھیں اور ہمارے لیے کوئی نئی مشکل پیدا ہو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" آرینہ نے جواب دیا۔ ہم دونوں نے اپنے گھوڑے تھوڑی دیر کے لیے روک لیے اور آرینہ نے اپنے تمام قیمتی زیورات اتار کر اپنی چادر کے ایک کونے میں گٹھڑی کی طرح باندھ لیے۔ میں نے بھی اپنے تمام قیمتی زیورات اتار کر اپنی چادر کے ایک کونے میں گٹھڑی کی طرح باندھ لیے۔ اب کسی کی نظر ہم پر پڑتی تو اس کا یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ ہم لوگ امیر ہیں یا غریب۔ میرے پاس اگرچہ قیمتی لباس اب بھی موجود تھا لیکن اس کا تعلق کسی نہایت اعلیٰ خاندان سے ہے لیکن اب اس معاملے میں مجبوری تھی۔ آرینہ کے پاس کوئی اور دوسرا لباس موجود نہیں تھا جسے وہ پہن کر اپنا قیمتی لباس اتار سکتی۔

تھوڑی دیر میں ہم بستی کے حدود میں داخل ہو گئے۔ بستی میں اندر داخل ہوتے ہی لوگوں کے ایک ہجوم نے ہمیں گھیر لیا۔ یہ ایک چھوٹی سی اور معمولی سی بستی تھی اور یہاں کی آبادی بھی زیادہ نہیں تھی۔ درجنوں سوالات ہمارے کانوں سے ٹکرا رہے تھے۔ لوگ ہم سے ان سوالات کا جواب بھی نہیں دے پا رہے تھے کہ ایک طرف سے چند گھڑ سوار نمودار ہوئے اور ہجوم کو چیرتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔

"تم کون ہو اور یہاں کس لیے آئے ہو؟" ان سپاہیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر ہم سے پوچھا۔

"ہم لوگ مسافر ہیں اور پناہ کی تلاش میں تمہاری بستی میں آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔ "تمہیں ہمارے سردار کے پاس چلنا ہو گا۔ وہی تم سے سوال جواب کرے گا اور وہی اس بات کا فیصلہ بھی کرے گا کہ آیا تمہیں اس بستی میں رہنے کی اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ ہمارے ساتھ آؤ۔"

ہم دونوں ان سواروں کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ ہجوم بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم ایک عالیشان مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ جو بستی کے دیگر مکانوں کے مقابلے میں کافی بڑا اور شاندار نظر آ رہا تھا۔ ہم سب لوگ اپنے گھوڑوں سمیت مکان کی بیرونی حد میں داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی کے بعد ایک طویل صحن تھا اور صحن کے پار دیبیز دالان تھا۔ ایک دالان میں دریوں اور قالینوں کا فرش تھا جس پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ صحن میں پہنچ کر ہم سے کہا گیا کہ ہم گھوڑوں سے اتر جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ گھوڑوں سے اتر گئے۔ ہمارے ساتھی باقی لوگ بھی گھوڑوں سے اتر گئے۔ اب دالان میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی نظریں ہماری جانب مرکوز تھیں۔

ہم لوگ سپاہیوں کی معیت میں دالان کی طرف بڑھے۔ ایک طرف ایک قیمتی قالین پر ایک معتبر و بھاری بھرکم شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر کافی تھی اور سر اور داڑھی کے بال سفید ہو رہے تھے۔

"یہ کون لوگ ہیں میعوتو اور تم انھیں کہاں سے لے کر آئے ہو؟" اس شخص نے جو غالباً بستی کا سردار تھا سپاہیوں کے سردار سے پوچھا۔

"سردار۔" میعوتو نے جواب دیا۔ "اس شخص کا کہنا ہے کہ یہ دونوں مسافر ہیں اور پناہ کی تلاش میں ہماری بستی میں آ گئے ہیں۔"

"میں اپنی بستی میں آنے والوں کا کھلے دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔" سردار نے کہا۔ "تمہارا کیا نام ہے نوجوان اور یہ عورت کون ہے اور کیا نام ہے اس کا؟"

"میرا نام فروس ہے سردار۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ عورت میری بیوی ہے اور اس کا نام آرینہ ہے۔"

"تم لوگوں پر کیا مشکل پڑی کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر ایک دوسرے ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے؟" سردار نے دریافت کیا۔

"یہ ایک خاصا مشکل سوال تھا۔ میں نے اور آرینہ نے فوری طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہمیں اس موقع پر حاضر دماغی کا مظاہرہ کرنا تھا۔

"بات یہ ہے سردار کہ جس بستی سے میرا تعلق ہے وہاں کے کچھ لوگ میری جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور مجھے ان کی جان سے اپنی اور اپنی بیوی کی ہلاکت کا خدشہ لاحق تھا۔ اس وجہ سے میں اس بستی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوا اور جنگلوں جنگلوں بھٹکتا ہوا بالآخر اس بستی میں آن پہنچا۔"

میں نے اپنا جواب ختم کر کے سردار کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ ہم دونوں ان سادے سی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں ایک شخص فوری طور پر خود میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کی شکل بوڑھے سردار سے بہت مل رہی تھی اور وہ یقیناً اس کا بیٹا تھا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا اور جن نظروں سے وہ آرینہ کو دیکھ رہا تھا وہ مجھے بالکل پسند نہیں آئیں۔ اس کی نظروں سے کمینگی صاف ظاہر تھی۔

"میرا نام اومانوس ہے اور میں اس بستی کا سردار ہوں۔" سردار نے کہا۔ "اور یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کا نام شاہ مارنطوس ہے۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ کب دیوتاؤں کی جانب سے میرا بلاوا آ جائے۔ میرے مرنے کے بعد شاہ مارنطوس ہی اس بستی کا سردار ہو گا اور اسی لیے میں ابھی سے اسے اپنے فیصلے میں شریک رکھتا ہوں اور اس کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ میری اپنی دلی خواہش ہے کہ تم اس بستی میں قیام کرو۔ یہاں کا ماحول خوشی کے ساتھ زندگی گزارو۔ لیکن اس کے لیے شاہ مارنطوس کی منظوری ضروری ہے۔ کیوں شاہ مارنطوس اس بارے میں کیا کہتے ہو؟" اومانوس نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جس کی نظریں برابر آرینہ کے جسم کا طواف کرنے میں مصروف تھیں۔

"مجھے ان لوگوں کے یہاں رہنے پر اصولی طور پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شاہ مارنطوس نے کہا۔ "لیکن میں اس شخص سے پہلے اس بات کی تصدیق کر لینا چاہتا ہوں کہ یہ کسی جرم میں ملوث تو نہیں۔ یہ کسی کو قتل کر کے تو نہیں بھاگا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ہم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔"

"اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "بلکہ اس کے برخلاف میں تمہیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ اگر کبھی اس بستی پر اور یہاں کے لوگوں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو ہم بھی بستی کا تحفظ کرنے والے لوگوں کی پہلی صف میں پائے گے۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے نوجوان۔" اومانوس نے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ شاہ مارنطوس کے لیے بھی تمہارے اوپر شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی شکل و صورت سے ہی ایک شریف اور معزز نوجوان نظر آتے ہو۔ میں تمہیں اس بستی میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔ آج کی رات تم اور تمہاری بیوی میرے ہی مکان میں قیام کریں گے اور اس کے بعد چند دن کے اندر اندر تم یہاں کے دوسرے لوگوں کی مدد سے اپنے لیے ایک نیا مکان تعمیر کر سکتے ہو۔"

"میں اپنے معزز میزبان کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔" شاہ مار

Optimized by www.ImageOptimizer.net

نے جواب دیا۔ "ہم فرس اور اس کی بیوی آرینہ کو پناہ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

چنانچہ وہ رات میں نے اور آرینہ نے ارمانوس کے مہمان خانہ مکان کے ایک کمرے میں گزاری اور دوسرے دن بستی کے لوگوں کی مدد سے ایک جھونپڑے سے نئے مکان کی تعمیر کا آغاز ہو گیا۔ میں نے بستی کے سارے لوگوں کو بہت بامروت، دوست نواز اور پُرتعاون پایا۔ انھوں نے مجھے اپنے ایک بھائی اور ایک دوست کی حیثیت سے قبول کیا اور ہر طرح سے میری مدد پر کمربستہ ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں کے اندر اندر میرے اور آرینہ کے لیے بستی کے ایک کنارے پر ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان تعمیر ہو گیا اور ہم دونوں اس میں منتقل ہو گئے۔

پندرہ دن کے آرام کے بعد مجھے کام پر لگا دیا گیا۔ میرا کام لکڑیوں میں ہل چلانا اور زمین کی صفائی کرنا تھا۔ مجھے اپنا یہ نیا کام بہت پسند آیا اور میں پوری تن دہی کے ساتھ اس میں مصروف ہو گیا۔ آرینہ دوپہر کے وقت میرے لیے گھر سے کھانا لے کر آتی اور ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو جاتی اور میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ کام میں مصروف ہو جاتا۔ جب گھر پہنچتا تو آرینہ کو اپنا منتظر پاتا۔ آرینہ اپنی شہزادی کی زندگی کو فراموش کر چکی تھی۔ اب وہ ایک شہزادی نہیں رہی تھی بلکہ ایک محنت کش عورت بن گئی تھی اور بستی کی دیگر عورتوں کی طرح کام کاج میں مصروف رہتی۔ میں اکثر آرینہ سے اس کی نئی زندگی کے بارے میں اس کے تاثرات پوچھتا تو وہ ہنس کر یہی جواب دیتی کہ اسے اپنی نئی زندگی بہت پسند ہے، اسے وہ زندگی پسند ہے جو وہ میرے ساتھ گزار رہی ہے اور میرے ساتھ گزاری جانے والی زندگی خواہ کتنی بھی کٹھن کیوں نہ ہو، وہ اس کے لیے اس میں بھی راحت ہی راحت ہے۔ اس عرصے میں شاہنجو کی طرف سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے آرینہ کی طرف کوئی توجہ دینے کی کوشش کی۔ میں شاہنجو کی حرکات و سکنات پر بڑی کڑی نظر رکھے ہوئے تھا اور ایسا کوئی موقعہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ آرینہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پورے پورے سات ماہ کا عرصہ بغیر کسی ناخوشگوار واقعے کے ظہور کے گزر گیا اور اس کے بعد اچانک ارمانوس سخت بیمار پڑ گیا۔ بستی کے تمام بڑے اطبا اور ماہرین اس کے علاج کے لیے جمع ہو گئے اور سبھی نے اسے طرح طرح کی دوائیں دی جاتی رہیں لیکن ارمانوس کا بیمار تندرستی کی طرف نہیں لوٹ رہا تھا۔ اطبا اور ماہرین کی کوششیں اور پروہتوں کی دعائیں اور عبادتیں ارمانوس کو موت کے پنجے سے نہ چھڑا سکیں۔

اپنے انتقال سے چند گھنٹے پہلے ارمانوس نے بستی کے چیدہ چیدہ آدمیوں کو طلب کیا۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ اس وقت ارمانوس کے ساتھ اس کا بیٹا شاہنجو بھی موجود تھا۔

"سنو میرے دوستو۔" اس نے نحیف و نزار آواز میں کہا۔ "میں اعتماد کرتا ہے اور نہ جانے کیوں اسے اس بات کا یقین ہے کہ شاہنجو بھی اپنی طرح نیک اور باکردار انسان ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ دیسے لوگوں کا کہنا یہ بھی تھا کہ شاہنجو نے ابھی بہت زیادہ پردے نہیں اٹھائے ہیں اور اپنے باپ کی زندگی میں وہ اتنا زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہو رہا ہے جتنا زیادہ خطرناک وہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد ثابت ہو گا کیونکہ اس کی فطرت میں ظلم اور تند خوئی ہے۔ لوگ ارمانوس کی زندگی کی دعائیں مانگتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ارمانوس زیادہ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد انھیں شاہنجو جیسا سردار نہ ملے۔

لیکن لوگوں کی دعائیں زیادہ عرصے تک کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔ مجھے اس بستی میں رہتے ہوئے کوئی چھ سات ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص بات پیش نہیں آئی تھی، سوائے اس کے کہ میں دن بھر باہر کام کرتا اور آرینہ گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔ اس نے گھر میں مرغیاں بھی پال لیے تھے۔ دوپہر کو حسب معمول وہ میرے لیے کھانا لے کر آتی اور ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو جاتی اور میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ کام میں مصروف ہو جاتا۔ شام کو جب گھر پہنچتا تو آرینہ کو اپنا منتظر پاتا۔ آرینہ اپنی شہزادی کی زندگی کو فراموش کر چکی تھی۔ اب وہ ایک شہزادی نہیں رہی تھی بلکہ ایک محنت کش عورت بن گئی تھی اور بستی کی دیگر عورتوں کی طرح کام کاج میں مصروف رہتی۔ میں اکثر آرینہ سے اس کی نئی زندگی کے بارے میں اس کے تاثرات پوچھتا تو وہ ہنس کر یہی جواب دیتی کہ اسے اپنی نئی زندگی بہت پسند ہے، اسے وہ زندگی پسند ہے جو وہ میرے ساتھ گزار رہی ہے اور میرے ساتھ گزاری جانے والی زندگی خواہ کتنی بھی کٹھن کیوں نہ ہو، وہ اس کے لیے اس میں بھی راحت ہی راحت ہے۔ اس عرصے میں شاہنجو کی طرف سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے آرینہ کی طرف کوئی توجہ دینے کی کوشش کی۔ میں شاہنجو کی حرکات و سکنات پر بڑی کڑی نظر رکھے ہوئے تھا اور ایسا کوئی موقعہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ آرینہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پورے پورے سات ماہ کا عرصہ بغیر کسی ناخوشگوار واقعے کے ظہور کے گزر گیا اور اس کے بعد اچانک ارمانوس سخت بیمار پڑ گیا۔ بستی کے تمام بڑے اطبا اور ماہرین اس کے علاج کے لیے جمع ہو گئے اور سبھی نے اسے طرح طرح کی دوائیں دی جاتی رہیں لیکن ارمانوس کا بیمار تندرستی کی طرف نہیں لوٹ رہا تھا۔ اطبا اور ماہرین کی کوششیں اور پروہتوں کی دعائیں اور عبادتیں ارمانوس کو موت کے پنجے سے نہ چھڑا سکیں۔

اپنے انتقال سے چند گھنٹے پہلے ارمانوس نے بستی کے چیدہ چیدہ آدمیوں کو طلب کیا۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ اس وقت ارمانوس کے ساتھ اس کا بیٹا شاہنجو بھی موجود تھا۔

"سنو میرے دوستو۔" اس نے نحیف و نزار آواز میں کہا۔ "میں

آخری وقت آ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھے نئی زندگی عطا نہیں کر سکتی۔ دیوتاؤں کی طرف سے میرے لیے بلاوا آ گیا ہے اور اب اس بلاوے کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں تم کو اپنی آخری وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے شاہنجو کو اپنا سردار تسلیم کر لینا اور جس طرح میری زندگی میں تم لوگ میری فرمانبرداری اور اطاعت کرتے رہے ہو اسی طرح شاہنجو کی بھی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ شاہنجو میرا واحد اور اکلوتا بیٹا ہے اور وہ دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم لوگوں کے لیے ایک اچھا اور نیک دل سردار ثابت ہو گا۔"

"ہم لوگ تمھاری وصیت کا ضرور احترام کریں گے سردار۔" ارمانوس بستی کے ایک بوڑھے نے کہا۔ "لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے ہم لوگوں کو ہدایت دی ہے کہ ہم شاہنجو کو اپنا سردار بنا لیں اسی طرح ہم لوگوں کی موجودگی میں تم شاہنجو کو بھی یہ ہدایت دو کہ وہ اپنی بستی کے لوگوں سے محبت کرے، ان سے پیار کرے، ان کے دکھ درد میں شریک ہو اور اپنی طرف سے انھیں کبھی کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔"

"تم بزرگ ماشالا کی بات سن رہے ہو شاہنجو؟" سردار ارمانوس نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے امید ہے کہ مجھے ماشالا کی بات دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم نے اس بزرگ کی نصیحت کو ہمیشہ اپنی گرہ میں باندھ لیا ہو گا۔"

"میں بزرگ ماشالا کی بڑی عزت کرتا ہوں۔" شاہنجو نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے لیے میں منافقت صاف عیاں تھی۔ میں نے ماشالا کی بات کو گرہ میں باندھ لیا ہے اور ایسا ہی ہو گا جیسا کہ وہ چاہتا ہے۔"

"ماشالا!" ارمانوس نے نحیف آواز میں کہا۔ "سچ بتاؤ کیا تمھیں بستی کے کسی اور شخص کو میرے بیٹے کی جانب سے کوئی شکایت لاحق ہے؟ اگر ایسی کوئی بات ہے تو اسے میرے سامنے بیان کرنے سے پیچھے ہٹنے کا مظاہرہ مت کرو۔ میں اب بھی سب کچھ سننے کے لیے تیار ہوں۔"

بزرگ ماشالا کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا اور مسئلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف تو وہ جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہتا تھا اور دوسری طرف ارمانوس کے آخری وقت میں اسے تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا تھا لہٰذا سوچ سمجھ کر مصلحت سے کام لیتے ہوئے ایک درمیانی راہ نکالی اور وہ بولا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا سردار ارمانوس۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کے بعد شاہنجو کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی غرض سے اسے اپنی بہت سی پرانی عادتیں ترک کرنی پڑیں اور نئی عادتیں ڈالنی پڑیں۔ ظاہر ہے کہ اسے وقت کے تقاضوں کے ساتھ تو چلنا ہو گا۔ میں تو صرف اتنا ہی کہنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بستی کے لوگوں کی جانب زیادہ سے زیادہ محبت اور مروت کا مظاہرہ کرے۔"

"مجھے یقین ہے ایسا ہی ہو گا۔" ارمانوس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کے کچھ دیر بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

ارمانوس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح نواحی جزیرے میں ساری بستی میں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس کے مکان کے دروازے پر جمع ہونے لگے۔ وہ بری طرح رو رہے تھے، نوحہ کناں تھے، آہ و زاری کر رہے تھے اور ماتم کناں تھے۔ انھیں اپنے سردار کی موت کا بڑا افسوس تھا۔

چار دن تک بستی میں سردار ارمانوس کی موت کا باقاعدہ طور پر سوگ منایا گیا اور پانچویں دن شاہنجو کو بستی کا سردار مقرر کرنے کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ یہ بات میں نے خاص طور پر پہلے ہی نوٹ کر لی تھی کہ پوری بستی کے دیگر لوگوں کے مقابلے میں شاہنجو کو اپنے باپ کی موت کا سب سے کم غم تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے اس بات کی دیرینہ خواہش تھی کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد اب وہ خود قبیلے اور بستی کا سردار بنے گا اور اسے اپنی من مانی کرنے کا پورا موقع ملے گا۔

بہرحال پانچویں دن شاہنجو کو بستی کا باقاعدہ سردار بنا دیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی جس میں بستی کے چیدہ چیدہ بزرگوں کے علاوہ میں بھی شامل تھا۔ ماشالا بھی اس تقریب میں موجود تھا۔

تقریب کے دوران ہی شاہنجو نے اپنی فطرت کے خاصے بڑے حصے کو کھل کر منظر عام پر لا دیا۔

"تم لوگ مجھے اپنے باپ اور سابق سردار ارمانوس سے بہت مختلف پاؤ گے۔" اس نے تقریب میں شریک لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میرا باپ ایک حد درجہ نرم دل اور بڑی حد تک سادہ لوح آدمی تھا۔ وہ باتوں کی تہہ میں جا نہیں پاتا تھا۔ لیکن میں اس سے بالکل جدا ہوں۔ میں اس بستی کا سردار ہوں اور سرداری کی طرح رہنا چاہتا ہوں۔ میرا درجہ تم سب سے زیادہ بلند ہے اور تمھیں اس حقیقت کو بے چون و چرا تسلیم بھی کرنا پڑے گا اور میرے احکامات کی تعمیل بھی کرنی ہو گی۔ جو لوگ میری حکم عدولی کریں گے، انھیں میں اپنی مرضی اور منشا کے مطابق سزا بھی دوں گا اور یہ سزا بستی سے نکالے جانے کی حد تک ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگوں کو میرا حکم ہو سکتا ہے کہ میرا حکم ہو گا اور اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔"

"لیکن معزز شاہنجو۔" بوڑھے ماشالا نے زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "تمھارا باپ بھی ہمارا سردار تھا بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت تم ہمارے سردار ہو۔ اس نے ایک طویل عرصے تک سرداری کی لیکن اس نے کبھی ہم لوگوں سے اس لب و لہجے میں گفتگو نہیں کی جس طرح تم گفتگو کر رہے ہو۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ یقیناً ہم سب لوگ تم سے بھی اسی طرح تعاون کریں گے جس طرح تمھارے باپ کے ساتھ تعاون کرتے تھے کیونکہ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"مجھے تمہاری کوئی نہیں فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔" شاہجو نے غصے کے ساتھ کہا۔ "میرا باپ تمہارے تعاون کو طلب کرتا ہے۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔ میں تمہارا حاکم ہوں اور تم میرے حکم پر سر جھکاؤ۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی فرض نہیں ہے۔"

"لیکن ہم بھی تو آپ کی رعایا ہیں۔" ماشالا نے کہا۔ "ہمارے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔"

"تمہارے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔" شاہجو نے کہا۔ "لیکن اس کا فیصلہ میں کروں گا۔ تم نہیں۔ اور اب تم جاؤ۔ میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔"

ماشالا نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اس نے ایک نظر شاہجو کو دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماشالا نے ایک بار پھر شاہجو کو دیکھا اور پھر وہ سب کے سب خیمے سے باہر نکل گئے۔

ماشالا کے جانے کے بعد شاہجو کافی دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ مٹھیوں کی شکل میں تھے۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔ اس کا سینہ تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کا دماغ بھی کام کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے ماشالا کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا ہے، وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ اس کے ذہن میں بار بار یہ سوال ابھر رہا تھا کہ کیا اس کو ماشالا کے ساتھ اس طرح پیش آنا چاہیے تھا۔ کیا اس کو ماشالا کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ کیا اس کو ماشالا کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ کیا اس کو ماشالا کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا چاہیے تھا۔ کیا اس کو ماشالا کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کر

ماشالا کے ضبط کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا یہ دلفریب میں نے پلک جھپکتے ہی اس شخص کے ہاتھ سے کلہاڑی کھینچ لی اور ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑا دی۔ یہ سب کچھ اس قدر جلدی میں اور اتنا فاجانا ہوا کہ خود ماشالا اور باقی ہر کارے یہ سمجھ ہی نہیں پائے کہ بات کیا ہوئی ہے۔ انھیں تو جیسے اس وقت پتا چلا جب انھوں نے اس شخص کی لاش کو زمین پر گرکر تڑپتا ہوا دیکھا۔ ان سب کی آنکھیں خوف اور حیرت کے مارے پھیل گئی تھیں۔

اچانک ان سارے باقی آدمیوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں نکالیں اور کچھ پر تولے کی زد سے آگے بڑھے لیکن ماشالا نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روکتے ہوئے کہا۔ "صبر سے کام لو اور اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھو۔ شاہجو نے آرینہ کو بلوایا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ اب اپنے اس ساتھی کا کٹا ہوا سر شاہجو کے پاس لے جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اس کے مطالبے کا میں نے یہ جواب دیا ہے۔ اس کے بعد مجھ سے لڑنے کے لیے آنا۔"

لیکن ان پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی تلواریں سونت کر چاروں طرف سے میرے اور ہر حملہ آور ہو گئے۔ میرے پاس اس مُردہ ہرکارے کی پھینکی ہوئی تلوار موجود تھی۔ میں نے چند ہی منٹ میں اس سارے قصے کو ختم کر دیا لیکن ایک ہرکارہ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اس کا تعاقب نہیں کیا اور خود بھی اسے نکل جانے کا موقع دیا تاکہ وہ شاہجو تک پہنچ کر اسے اب تک کے واقعات کی تفصیلات سے آگاہ کر سکے۔

ماشالا کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ اس کا سارا جسم تھرتھر کانپ رہا تھا۔ ہم دونوں کے سامنے کئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جو سردار شاہجو کے ہرکاروں کی تھیں اور ظاہر ہے کہ ماشالا یہی سمجھ رہا تھا کہ اب ہم لوگوں کی تیر نہیں ہے۔ کوئی دم میں شاہجو کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں آ دھمکے گی اور ہم دونوں کو تہ تیغ کر دے گی۔ اس کے بعد اس کی بیٹی زردانہ اور میری بیوی آرینہ کا جو حال ہوگا اس کے خیال سے ہی اس کا دل کانپ اٹھا۔ اس اثنا میں شور و غل کی آوازیں سن کر آس پاس کے گھروں سے اور بھی بہت سے لوگ نکل آئے تھے اور وہ سب کے سب سامنے پڑی ہوئی لاشیں دیکھ کر دنگ اور حیران سا رہ گئے تھے۔ ان کی آن میں یہ خبر ساری بستی میں پھیل گئی اور بستی کے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

ماشالا نے انھیں مختصر الفاظ میں وہ سارے واقعات بتائے جو اب تک پیش آئے تھے اور انھیں اس سے بھی آگاہ کیا کہ اب سردار شاہجو بستی کی تمام عورتوں کو یرغمالی بنانے کی غرض سے یہاں آ رہا ہے۔ کیونکہ بقول اس کے یہ اس کا حق ہے اور بستی کا سردار ہونے کے ناتے اسے بستی کی ہر چیز پر مکمل تصرف حاصل ہے۔ ماشالا نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ شاہجو کے کارندوں کو قتل کرنے والا میں ہوں اور ایک کارندہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو شاہجو کو سارے واقعات کی اطلاع دے گا۔

وہاں موجود سارے لوگوں نے انتہائی حیرت اور دکھ کے عالم میں یہ ساری باتیں سنیں اور انھوں نے اسی وقت آپس میں بیٹھ کر یہ طے کر لیا کہ وہ کسی صورت میں اس بدکار اور ناانصافی کی اجازت نہیں دیں گے خواہ اس کے لیے انھیں اپنی گردنیں بھی کیوں نہ کٹوانی پڑیں۔

"شاہجو نے ایک مضبوط فوج تیار کر لی ہے۔" بستی کے ایک کسان نے کہا۔ "ساری کی ساری فوج بڑے ماہر لڑاکوں پر مشتمل ہے۔ اگر ہمیں شاہجو کے ارادوں کو ناکام بنانا ہے تو ہمیں خود کو اس فوج سے لڑنے کے لیے تیار کرنا پڑے گا۔"

"ہم تیار ہیں۔" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ "ہم شاہجو کی سپاہیوں کے تسلط نہیں ہو سکتے۔ ہم اسے مزا چکھا دیں گے۔"

غرضیکہ کافی دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ لوگوں کے حوصلے بہت زیادہ بلند تھے اور کچھ کافی خوفزدہ نظر آ رہے تھے اس دوران شاہجو کے بعض ہرکارے اس طرف آئے لیکن نزدیک تر نہیں آئے بلکہ دور سے ہی دیکھ کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کوئی دم میں شاہجو کی فوج کے سپاہی حملہ کرنے والے ہیں۔ تقریباً ہر شخص جلدی جلدی اپنے گھر جا کر مسلح ہو گیا اور لوگ شاہجو کی فوج کے حملے کے انتظار میں بیٹھے رہے لیکن کافی رات گزر گئی اور پھر شاہجو کا کوئی ہرکارہ اس طرف سے نہیں گزرا۔

جو لوگ وہاں جمع تھے ان میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا شاہجو سے گہرا اور قریبی تعلق تھا لیکن وہ بھی اس صورتحال سے پریشان تھے اور ان کا گمان تھا کہ شاہجو کو خراب کرنے والے اس کے خیالی طبع اور آوارہ مزاج دوست ہیں جن کے بغیر شاید وہ ہمیشہ گھرا رہتا ہے اور وہی اسے تباہی کے دہانے پر بٹھا کر دم لیں گے۔ تاہم ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ وہ دوسرے دن صبح کر شاہجو کو اس معاملے میں سمجھانے کی کوشش کریں گے اور اس بات کے لیے پورا زور لگا دیں گے کہ شاہجو اپنے اس سنگدلانہ اور غلیظ ارادے کو بدل ڈالے۔

لوگ کافی رات گئے تک شاہجو کی طرف سے کسی جوابی کارروائی کا انتظار کرتے رہے لیکن کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔

بالآخر لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ میں بھی اپنے گھر میں واپس آ گیا۔ اس دوران آرینہ کو مختلف دوسری عورتوں کی زبانی کافی حالات کا علم ہو چکا تھا اور وہ سخت پریشان نظر آ رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگ اس بستی میں بھی اب زیادہ دیر چین سے نہیں رہ سکتے۔" اس نے مجھ سے کہا۔

"ہم اس بستی میں بھی گے اور آرام اور سکون سے رہیں گے۔" میں نے مطمئن لہجے میں اسے جواب دیا۔ "تمھیں گھبرانے کی سطحی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن سردار شاہجو سے دشمنی مول لینے کے بعد ہم اس بستی میں کس طرح رہ سکیں گے زریں!" اس نے کہا۔ "وہ اس بستی کا سردار ہے وہاں کی ساری فوج اس کی تابع ہے۔ وہ اگر چاہے تو ہمیں قتل بھی کروا سکتا ہے اور ہمارے خلاف ہر قسم کی انتقامی کارروائی کر سکتا ہے۔ جہاں تک میں نے مختلف عورتوں سے سنا ہے، میرے بارے میں اس کے عزائم نہایت خطرناک ہیں اور تم نے زخمی ہو کر اس کے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ تمھیں وہ بھلا کس طرح معاف کر سکے گا۔"

"مجھے اس کی معافی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" میں نے بیرونی سے جواب دیا۔ "میں اس جیسے بزدل اور اوباش لوگوں سے نمٹنا بھی طرح جانتا ہوں۔"

اس کے بعد ہم لوگ سو گئے۔ ساری رات آرام و سکون سے گزری اور کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ علی الصباح جب میں نے اپنے دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ گزشتہ رات جو سپاہی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اب ان کی لاشیں وہاں موجود نہیں تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رات کے وقت ان کی لاشیں اٹھوا لی گئی تھیں۔ میں دوبارہ اپنے گھر کے اندر چلا آیا۔

مجھے گھر میں آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر پرزور شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ میرے گھر کا دروازہ بھی زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ شاہجو کے فوجیوں نے میرے مکان پر حملہ کر دیا ہے۔

میرے پاس گھر کے اندر ایک تلوار موجود تھی۔ وہ میں نے اٹھا لی۔ حملہ آور کو گھر کے ایک کمرے میں بند کر کے ہی میں نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔

باہر پچاسوں سپاہی جمع تھے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔

"فوراً اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔" ان میں سے ایک شخص نے جو سب سے آگے تھا، چلا کر کہا۔ "سردار شاہجو نے تم کو طلب کیا ہے۔ وہ تمھیں تمام بستی والوں کے سامنے سخت سزا دینا چاہتا ہے۔"

"میں نے سردار شاہجو کا کیا قصور کیا ہے؟" میں نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔

"اوہ — تو گویا تمھیں بتانا پڑے گا کہ تم نے کیا ہے۔" اس نے طنز کے ساتھ کہا۔ "تمھیں شاید اپنے اس قصور کا علم نہیں ہے کہ تم نے گزشتہ کئی سرکاری ہرکاروں کو قتل کر چکے ہو۔"

"ان لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے تو محض جوابی کارروائی کی ہے۔"

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "تو ہمارے ساتھ چلو ورنہ ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ ہم تمھیں تمھاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں۔"

میں نے چند ثانیوں تک موجودہ صورت حال پر غور کیا اور پھر ایک فیصلہ کر لیا۔ "ٹھیک ہے میں تمھارے ساتھ چل رہا ہوں۔" میں نے کہا اور گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ لوگ آرینہ کو بھی گھر کے اندر سے نکال کر میرے ساتھ ہی لے آئیں اور شاہجو کے سامنے ہم دونوں کو پیش کریں۔ لیکن ان میں سے کسی نے گھر کے اندر داخل ہو کر آرینہ کو نکالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میرے ہی گرد گھیرا ڈال کر چل پڑے۔

اس دوران اس پاس کے علاقے کے تقریباً سارے لوگ جمع ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب مسلح تھے۔ میں شاہجو کے سپاہیوں کی معیت میں آگے بڑھا اور لوگوں کا ہجوم میرے پیچھے پیچھے چلا پڑا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے آگے لوگوں کے ہجوم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تقریباً ساری بستی کے ہی لوگ اکٹھا ہو گئے تھے۔ چونکہ ابھی صبح کا وقت تھا اس لیے لوگ ابھی اپنے اپنے کاموں پر روانہ نہیں ہوئے تھے اور اسی لیے وہ ہمارے جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے، جلوس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس میں مردوں کے علاوہ کثیر تعداد میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اور تب میری نظر بھائی آرینہ پر پڑی۔ وہ بھی کچھ عورتوں کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ میں تو اسے خود اپنے ہاتھوں سے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا کر آیا تھا اور ایسا میں نے محض اس کے تحفظ کی غرض سے کیا تھا لیکن اب وہ آزاد تھی اور ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے شاید شور مچایا ہوگا اور دروازہ پیٹا ہوگا اور محلے کی کسی عورت نے دروازہ کھول کر اسے آزاد کر دیا ہوگا اور اس کے بعد وہ بھی اس جلوس میں شامل ہو گئی ہوگی۔

جلوس میں شامل بعض لوگ خاصے اشتعال کا مظاہرہ کر رہے تھے اور بعض تو اس حد تک جانے کے لیے تیار تھے کہ سپاہیوں پر حملہ کر دیں لیکن میرے اتحاد پر دانش مند ماشالا نہیں دے کے اور سبھالے ہوئے تھا تاہم وہ لوگ میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

جلوس ہم سردار شاہجو کے عالیشان مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد مکان کے سامنے متعینات تھی۔ ان سپاہیوں نے بستی کے باقی لوگوں کو مکان سے ذرا فاصلے پر ہی روک دیا اور صرف مجھے ان سپاہیوں کے آگے دہا جو مجھے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ مکان کے دروازے پر پہنچ کر ہم سب لوگ رک گئے۔ سپاہی ہمیں میرے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ چند سپاہی اندر چلے گئے۔

ذرا دیر کے بعد شاہجو اپنے مکان کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر سخت غیظ و غضب کے آثار تھے اور اس کے دائیں بائیں کئی سپاہی ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے تھے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

شاہجو کو، کچھ کر بستی کے چند برگزیدہ اور سربرآوردہ لوگوں نے جنھیں شاہجو کی قربت بھی حاصل تھی اس کے قریب جانے کی کوشش کی لیکن شاہجو نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں منع کر دیا۔

"میں تم لوگوں کی بات بھی سنوں گا اور ضرور سنوں گا۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے مجھے ان غیر تربیت یافتہ اور بے لگام سرداروں کی گوشمالی کرنی ہے جس نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ بدبختو! تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس طرح تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ میں تم سب کو ایک ایک کر کے سزا دوں گا۔ تم میں سے جو بھی زندہ بچے گا وہ بھی میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اب تم میں سے کوئی بھی یہاں سے ہلے گا نہیں۔ جو ہلے گا وہ بھی مارا جائے گا۔ اب تم میں سے جو بھی زندہ بچنا چاہتا ہے وہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر میرے حکم کا انتظار کرے۔"

شاہجو کے اس اعلان سے چاروں طرف سناٹا پھیل گیا۔ سارے لوگ خاموش ہو گئے۔ فضا میں صرف ہوا کی سرسراہٹ کی آواز گونج رہی تھی اور سارے لوگ دم بخود تھے۔

آخر بستی کے چند برگزیدہ آدمیوں نے ہمت کی اور وہ شاہجو کی طرف بڑھے۔ "سردار شاہجو۔" ان میں سے ایک نے لرزتی ہوئی آواز کہنے کی کوشش کی۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔" شاہجو نے سختی سے کہا۔ "میں پہلے ہی بتا چکا ہوں تم لوگوں نے میری جو نجی گفتگو سنی وہ فرہاد کی موت کے بعد ہی ہونی تھی۔ فرہاد کی موت کا یہ فیصلہ اٹل ہے اور اسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ اگر تم لوگوں نے کسی قسم کی مزاحمت کرنے کی حماقت کی تو میں مزاحمت کرنے والوں کا بے دریغ قتل عام شروع کر دوں گا۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہو گی کہ کتنے لوگ مارے جائیں گے کیونکہ میرے پاس مضبوط اور مسلح سپاہیوں کی کافی تعداد موجود ہے۔"

سردار شاہجو کی اس واشگاف دھمکی کے بعد لوگوں کے آگے بڑھنے والے قدم رک گئے اور وہ وہیں کے وہیں کھڑے رہ گئے۔ اندیشہ لاحق ہوا کہ کوئی گڑبڑ یا خون خرابے کی نوبت نہ آ جائے۔ میں نے پیچھے پلٹ کر اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے بستی کے لوگوں سے کہا۔ "سردار شاہجو جو کچھ کہہ رہا ہے آپ لوگ اس پر عمل کریں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ اس معاملے میں اپنے آپ کو نہ الجھائیں۔ یہ معاملہ میرے اور شاہجو کے درمیان ہے اگر وہ مجھے قتل کر دے تو ضرور کروا دے۔ اس میں کسی تکرار یا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اپنے معاملات سے متعلق غور جاتا ہوں۔ آپ لوگ اذہ [illegible] قصے سے دور رہیں۔"

معلوم نہیں کہ وہ لوگ میری بات کو صحیح طور پر سمجھے کہ نہیں لیکن انھوں نے اس معاملے میں کوئی مداخلت کی اور خاموش ہو گئے۔

"حکم کی تعمیل میں جلدی کی جائے۔" شاہجو نے کرخت لہجے میں کہا اور اس کے ساتھ ہی ہمت سے سپاہی میری طرف بڑھے۔ میں نے اپنے جسم کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ سپاہیوں کی ایک جمعیت مجھے کشاں کشاں ایک بڑے درخت کی طرف لے چلی۔ جس کا انتخاب غالباً پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ شاہجو خود بھی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ وہ میری عبرتناک سزا کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

سپاہیوں نے مجھے درخت کے تنے کے ساتھ ملا کر کھڑا کر دیا اور پھر بہت سی موٹی رسیوں سے مجھے درخت سے باندھنے لگے۔ یہ رسیاں اتنی موٹی اور مضبوط تھیں کہ انسان تو درکنار کوئی بیل یا گھوڑا بھی شاید ان کو نہیں تڑا سکتا تھا۔ بستی کے سارے لوگ خوف اور دہشت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ شاہجو کے چہرے پر ایک فاتحانہ اور سفاکانہ مسکراہٹ تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ روئے سخن مجھ سے ہی ہے تاکہ میری عبرتناک سزا کو دیکھ کر بستی کے لوگ اس کی نظر آرپار پر پرے۔ آئندہ کبھی بھی کسی کو اس کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو۔ اس طرح وہ مجھے ختم کرنا چاہتا تھا اور اب اس نے اپنی حریف کو سے یہ موقع حاصل کر لیا تھا۔

مجھے رسیوں سے اچھی طرح جکڑ دینے کے بعد شاہجو نے ماتحت سپاہیوں سے میری جانب دیکھا۔ وہ اپنی اس کامیابی پر بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ سپاہیوں کو اشارہ کر کے کہا۔ "اب تم لوگ جاؤ اور شکاری کتوں کو لے آؤ۔ خیال رہے کہ ان کی زنجیروں کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔"

شاہجو کے اس حکم پر مجمع میں بھنبھناہٹ کی آواز گونج اٹھی۔ کچھ سپاہی فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل میں ایک جانب روانہ ہو گئے۔ ان کی واپسی سے پہلے مجھے بہرحال اپنی کارروائی مکمل کر لینی تھی۔

میں نے ایک بار زور لگایا اور اس کے ساتھ ہی مضبوط رسیوں کی بعد شیں ڈھیلی پڑنی شروع ہو گئیں۔ دوسرے جھٹکے میں کئی رسیاں ٹوٹ گئیں اور اس سے اگلے جھٹکے میں میں آزاد تھا۔ لوگوں کی زبانوں سے حیرت کے مارے چیخیں نکل گئیں۔

"یہ کیا ہو گیا۔" شاہجو اپنی آواز کی پوری قوت سے دھاڑا۔ "یہ کیسے آزاد ہو گیا؟ اس کی رسیاں کیسے ٹوٹ گئیں؟ سپاہیو! اسے فوراً ہلاک کر دو۔ یہ بچ کر نہ جانے پائے۔"

اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے سپاہی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں میرے جسم پر برسنے لگیں۔ میں نے لپک کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور ان پر ٹوٹ پڑا۔ شاہجو اور سارے لوگ سخت حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک تنہا آدمی نے بہت سے سپاہیوں کا مقابلہ کر رکھا تھا اور انھیں بے دریغ ہلاک کر رہا تھا۔ میں نے سپاہیوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ میرا اصل ہدف شاہجو تھا جس نے ظالم اور بے رحم انسان کو سزا دینا چاہتا تھا۔ اس اثنا میں وہ سپاہی بھی واپس آ گئے جو شکاری کتوں کو لینے گئے تھے۔ ان کے ساتھ بیس تیس کتے تھے جو بے حد قدوقامت کے خوفناک کتے تھے جو مضبوط جسموں سے، لمبے لمبے دانتوں سے اور بھیانک شکل صورت سے مسلح تھے۔ ان لوگوں نے ایک بالکل نیا ہی منظر دیکھا اور وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ وہ جب یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو میں رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور اب جب وہ کتوں کو ساتھ لے کر آئے تھے تو میں کتوں اور دوسرے سپاہیوں کے ساتھ نبرد آزما تھا۔

ان سپاہیوں نے فوراً ہی خونی کتوں کو میری طرف چھوڑ دیا اور وہ خوفناک جبڑے کھولے میری طرف لپکے لیکن میرے قریب

آنے سے پہلے ہی وہ سارے کے سارے سورت کے گولیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ میری تلوار جو انسانی خون میں تر ہو گئی اب کتوں کے خون سے بھی آلودہ ہو گئی۔ اپنے سپاہیوں کے بے تحاشا قتل اور خونی کتوں کی ہلاکت نے شاہجو کے حواس معطل کر دیے۔ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے سپاہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ رہے ہیں اور اب وہ میرے مقابلے میں آنے سے کترا رہے ہیں۔ اس صورت حال نے اسے خاصا پریشان کر دیا۔ جہاں تک بستی کے عام لوگوں کا تعلق تھا کہ وہ دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی شاہجو کے سپاہیوں کی مدد کے لیے آگے پر تیار نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے چہروں سے حیرت کے علاوہ مسرت کے جذبات بھی عیاں تھے گویا وہ دل ہی دل میں اس بات پر خوش ہو رہے ہوں کہ میں شاہجو کے ستم کی چکی میں پسنے سے بچ گیا ہوں۔

آخر میں نے جلد ہی اس کھیل کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں سپاہیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا سیدھا شاہجو کی طرف بڑھنے لگا۔ میرے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سپاہی خود ہی میرے لیے راستہ چھوڑتے جا رہے تھے۔ شاہجو نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ میں اس کی جانب پیش قدمی کر رہا ہوں۔ اس نے اپنی تفاظت کرنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ جلدی سے لپک کر اسے بازو سے پکڑ لیا۔ شاہجو نے خود کو میرے بازو کی گرفت سے چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن ظاہر ہے کہ اسے اس میں کہاں کامیابی حاصل ہو سکتی تھی۔ میں اسے پکڑ کر کھینچتا ہوا بستی کے لوگوں کے سامنے لایا جو کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ شاہجو کے سپاہیوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو چکے تھے۔

"لوگو! یہ ہے تمھارا سردار۔ اسے میں پکڑ کر تمھارے سامنے لے آیا ہوں۔" میں نے چلا کر کہا۔ "اب میں خود اسے کوئی سزا نہیں دینا چاہتا۔ اسے سزا دینا یا نہ دینا تمھارا کام ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جہاں تک میرے اپنے معاملے کا تعلق ہے تو میں اس سے خود نمٹ لوں گا اور تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ میں اس سے نمٹ چکا ہوں۔ اس نے میرے ساتھ جو زیادتی کی تھی اس کی سزا میں اسے دے سکتا ہوں لیکن اصل سزا وہ ہو گی جو تم لوگ اسے دینا چاہو گے۔ اور اگر چاہو تو اسے معاف بھی کر سکتے ہو۔ جو چاہو تو اسے سزا دے سکتے ہو۔ اب فیصلہ کرنا تمھارا کام ہے۔"

"یہ شخص ہرگز معافی کے قابل نہیں ہے۔" مجمع میں سے کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں جن میں سب سے تیز آواز ماشالا کی تھی۔ "یہ ایک ظالم اور جابر انسان ہے۔" ماشالا اب مجمع میں سے نکل کر سب سے آگے آ گیا اور مجمع سے مخاطب ہو کر بولا۔ "لوگو! تمھیں میں ساری بات بتا چکا ہوں۔ اس بدبخت اور بدطینت انسان نے میری بیٹی کی بے حرمتی کرنی چاہی تھی۔ اس کے بعد یہ فرہاد کی بیوی کی بے حرمتی کرنا چاہتا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

تھا اور پھر یہ سلسلہ نہ جانے کہاں تک پہنچتا۔ اس نے اپنے ہرکاروں کے ذریعے صاف صاف کہلوا دیا تھا کہ وہ بستی کی تمام عورتوں پر اپنا حق سمجھتا ہے اور اپنے اس حق کو وہ استعمال کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ اب تک لوگ بتا رہے تھے کہ کیا ایسا شخص بستی کا سردار بننے کا اہل ہے؟ کیا یہ اس قابل ہے کہ اسے اس منصب پر فائز رہنے دیا جائے؟

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"یہ سردار رہنے کے لائق نہیں۔"

"یہ نہ صرف ننگِ اسلاف ہے، بلکہ یہ پوری بستی کے لیے بھی ایک ناپاک وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔" ایک بوڑھے نے کہا۔ "اس کے غلیظ وجود سے بستی کو جلد سے جلد پاک کر دیا جائے تو اچھا ہے۔"

"ایسے شخص کو بستی کا سردار بننے کا تو کجا، زندہ رہنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔" ایک اور برگزیدہ شخص نے کہا، جس کا شمار اس سے پہلے شاہجو کے مقربین میں ہوتا تھا۔

غرضیکہ وہاں موجود زیادہ تر لوگوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ شاہجو کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن یہ کام میں اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اس بات کا فیصلہ بستی والوں پر ہی چھوڑ دیا۔

"میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔" شاہجو نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں پھنسے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایک عام اور نیک انسان کی طرح زندگی گزاروں گا۔ میں تم سب سے معافی مانگتے ہوئے رحم کی درخواست کرتا ہوں کہ اگر میری جان بخشی کر دی جائے تو میں سرداری سے دست برداری کا اعلان کرتا ہوں۔ اور بستی کے عام ایک عام انسان کی طرح زندگی گزاروں گا۔"

"اس کی درخواست پر غور کرو۔" میں نے بستی والوں کو مشورہ دیا۔ "اسے قتل کر دینا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ تو ایک بڑے کام کا ہے۔ لیکن الرعفو و درگزر کے ذریعے ایک خراب آدمی کو اچھا بنایا جا سکے تو میرے خیال میں اسے اس کا موقع دیا جانا چاہیے۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی ہے۔"

"میرا خیال ہے، فردس ٹھیک کہتا ہے۔" ایک شخص نے بآواز بلند کہا۔ اگر شاہجو سرداری سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہے تو ہمیں اسے ایک عام انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا موقع دینا چاہیے۔ اگر اس کے بعد بھی یہ کوئی ناقابلِ برداشت حرکت کرے تو پھر اسے واقعی بڑی سے بڑی سزا ملنی چاہیے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس مسئلے پر لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاہجو کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔ اور بعض اس خیال کے حامی تھے کہ اسے ایک بار معاف کر دینا چاہیے۔ درمیانی سے اس کی دست برداری کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ شاہجو کی وہ طاقتور فوج جو اس کے ایک اشارے پر لوگوں کو قتل عام کرنے کے لیے تیار تھی، بالکل خاموش کھڑی تھی۔ نہ شاہجو اپنے فوجیوں کو کوئی حکم دے رہا تھا اور نہ اس کے فوجی اس کا کوئی حکم قبول کر رہے تھے۔ وہ سب کے سب تذبذب اور پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں اس عجیب و غریب تماشے کو دیکھ رہے تھے۔

جب لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تو بالآخر اس مسئلے کا حل بھی کر دریافت کر لیا گیا۔ اس کے لیے پروفیسر میں نے جمہوری طریقہ اختیار کیا۔ پہلے ان لوگوں کی تعداد گنی جو اس بات کے حق میں تھے کہ شاہجو کو معاف کر دیا جائے اور پھر ان لوگوں کی تعداد کا شمار کیا جو شاہجو کی موت کے خواہاں تھے۔ ان لوگوں کی تعداد زیادہ نکلی جو شاہجو کی معافی کے حق میں تھے۔ چنانچہ میں نے بستی کے بزرگوں سر پرکردہ لوگوں کے سامنے یہ صورتِ حال پیش کر دی اور ان سے کہا کہ اب وہ خود فیصلہ کریں۔

ماشالا نے فیصلے کا اعلان کیا۔ اس نے بستی کے بزرگوں کے ساتھ تھوڑی دیر تک مشورہ کرنے کے بعد یہ کہا کہ چونکہ لوگوں کی اکثریت شاہجو کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے شاہجو کو اس بار معاف کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سرداری سے بھی معزول کیا جاتا ہے۔ شاہجو نے یہ فیصلہ سنتے ہی اپنا سر ماشالا کے قدموں پر رکھ دیا اور وہ بے ساختہ آنسو بہانے لگا۔ بستی کے بزرگوں نے فیصلہ دے کر اکٹھ سے شاہجو بستی کے عام لوگوں کی طرح کھیتوں اور زمینوں پر کام کرے گا۔ شاہجو نے بے چون و چرا اس شرط کو تسلیم کر لیا اور اسی وقت اس نے اپنا سردار کا لباس اتار پھینکا۔

اب اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اور یہ مسئلہ یہ تھا کہ بستی کا نیا سردار کون ہو۔

"میں نئے سردار کے لیے فردس کا نام تجویز کرتا ہوں۔" ایک کمر جھکے ہوئے بوڑھے نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا۔ "اس جیسا غیر معمولی طور پر بہادر، نڈر اور غیر معمولی صلاحیتوں کا انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم لوگ شاہجو کے ظلم و ستم سے کسی طرح بھی نجات حاصل نہ کر سکتے تھے اور پھر شاید ہماری تمام بہبودیوں کی عرتیں خاک میں مل جاتیں۔ میری رائے میں سرداری کے منصب کا مستحق فردس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"میں بزرگ خوش کی بات سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔" اور بوڑھے نے کہا۔ "اس نے دراصل ہم سب کے دل کی بات کہہ دی ہے۔ بھلا فردس سے زیادہ اس منصب کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔"

"تب بھی اس سے بالکل متفق ہوں۔" ماشالا نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"میری بات سن لو دوستو۔" میں نے ان لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری ذات سے جو حسن

ظن میرے اوپر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں تم سب لوگوں کا شکر گزار ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی معذرت طلب بھی ہوں۔ اس بستی میں ایک مسافر کی حیثیت سے آیا ہوں اور وہ بھی پناہ کی تلاش میں۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کب تک اس بستی میں رہوں گا اور کب اپنی ہموی آرزیہ کے ساتھ یہاں سے کسی اور طرف چل پڑوں گا۔ ویسے بھی اس بستی کی سرداری پر ان لوگوں کا حق زیادہ ہے جو پشت ابِ پشت سے یہاں بستے چلے آئے ہیں اور جنھوں نے اس بستی میں جنم لیا ہے۔ مگر تم لوگ میری بات کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہو تو میں اس بستی کی سرداری کے لیے معتبر ترین شاہانا کا نام پیش کرتا ہوں۔ وہ ایک عمر رسیدہ، زیرک، دانا اور دانشمند انسان ہے اس میں معاملات کو سمجھنے، پرکھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔"

"نہیں نہیں فردس۔" ماشالا نے جلدی سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو بھلا میں کہاں اور بستی کی سرداری کہاں۔ ہم سے زیادہ اس منصب کا کوئی حقدار نہیں۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ تم یہ منصب قبول کرو۔"

"میں بستی اور بستی والوں کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے کہا۔ "اور اس خدمت کی انجام دہی کے لیے مجھے سرداری کے منصب کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے بغیر بھی اس بستی اور اس کے لوگوں کے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو میرے بس میں ہے اور کبھی بھی خدمت سے دریغ نہیں کروں گا۔"

غرضیکہ پروفیسر بڑی دیر تک اس بات پر بحث ہوتی رہی کہ کوئی سردار کسے بنایا جائے۔ زیادہ تر لوگوں کا اصرار تھا کہ میں سرداری قبول کروں لیکن میں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور لوگوں کو بھی اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ ماشالا کو اپنا سردار تسلیم کر لیں۔

بالآخر ماشالا کو بستی کا نیا سردار نامزد کر دیا گیا۔ تمام لوگ اس فیصلے سے مطمئن اور خوش ہو گئے۔ ماشالا نے اسی وقت اپنی ایک مشاورت تشکیل دی جس میں مجھے بطورِ خاص شامل کیا گیا۔ اس کے بعد بستی کے تقریباً تمام لوگوں کی موجودگی میں اور ان کی موجودگی میں ماشالا نے سابق فوجیوں کو حکم دیا کہ آئندہ وہ سرداری کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکامات کی پیروی کریں گے۔ شاہجو کے تمام سابق فوجیوں نے ماشالا کی اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد سے بستی میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ شاہجو کی سرداری میں ظلم و تشدد کا جو بازار گرم ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ ماشالا کے آتے ہی لوگوں کا سکون واپس لوٹ آیا۔ بلکہ اب تو بستی کے لوگ اس کے سامنے کے مقابلے میں بھی زیادہ خوشحالی اور مسرت سے گزر رہے تھے کیونکہ ماشالا کی قائم کردہ مجلسِ مشاورت میں عام لوگوں کی نمائندگی بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ اس سے بہت خوش تھی اگرچہ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ مجھے لوگوں کے اصرار پر بستی کی سرداری قبول کر لینی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ میں خود جان بوجھ کر سردار نہیں بننا چاہتا تھا۔ اور ایک عام محنت کش انسان کی طرح زندگی گزارنا مجھے بہت پسند ہے۔ وہ میرے اس استدلال سے مطمئن ہو گئی۔

شاہجو کی سرداری کی ساری کشتیوں نکل گئی تھی۔ وہ اب ایک عام اور معمولی انسان کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ دن بھر وہ کھیتوں میں محنت کرتا اور شام کو اپنے گھر چلا جاتا۔ وہ بہت کم لوگوں سے ملتا جلتا تھا اور لوگوں کی محفلوں میں بھی کم اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اسے ہر دم شاید یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں اس سے دوبارہ کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے اور اسے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونا پڑیں۔

بستی کا سالانہ انتظام بحسن و خوبی چل رہا تھا۔ ماشالا نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا اور بستی کو دیکھتے ہی دیکھتے ایک مثالی بستی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہر طرف خوشحالی اور مسرت کا دور دورہ تھا اور لوگ خوشی اور چین کی زندگی گزار رہے تھے۔

مگر کہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی، تاہم بستی میں ایک اچھی خاصی مضبوط فوج تشکیل کر لی گئی جس کے مخالف دستے سے اس کی مشق کرتے اور پھرہ دیتے تھے۔ ویسے بھی بستی کا ہر شخص فنِ حرب سے بخوبی واقف تھا اور ہر شخص کے پاس اپنے ہتھیار بھی موجود تھے۔

اور پھر ہوں ہوا پروفیسر کو احساس ہونے لگا کہ لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ شاہجو کی بستی سے غائب ہو جانے اور کئی دن تک نظر نہیں آتا ہے۔ شاہجو نے شادی نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی اس کا کوئی اور بہن بھائی موجود تھا جس سے اس کے بارے میں علم ہو سکتا کہ وہ کہاں گیا ہے اور کب تک واپس آئے گا۔ واپس پر گر کوئی اس سے دریافت کرتا کہ وہ اتنے دن سے کہاں تھا تو وہ جواب میں یہی کہتا کہ کام کرتے کرتے تھک گیا تھا اور چند دن کے لیے جنگلوں میں گھومنے پھرنے کے لیے نکل گیا تھا۔

سردار ماشالا اور مجلسِ مشاورت کے اراکین کو شاہجو کی متعدد بار کی غیر حاضری کی اطلاعات ملیں اور میں نے اس سلسلے میں خاصی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ببانگِ دہل یہ کہا کہ شاہجو بستی کے خلاف کسی سازش میں مصروف ہے اور اس کا اس طرح بار بار غائب ہو جانا خالی از علت نہیں ہے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ شاہجو کی خاموشی سے نگرانی کی جائی گی اور آئندہ جب وہ بستی سے باہر جائے گا تو اس کا چپ کر تعاقب کیا جائے گا۔

لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی، جلد ہی معلوم ہو گیا کہ شاہجو کہاں جاتا تھا اور کس کام کے لیے جاتا تھا۔ ہماری بستی کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ پڑوس کی کئی بستیوں کی مشترکہ فوج جم پر حملہ آور

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہونے والی ہے۔ پڑوس کی کئی بستیوں نے ہمارے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا ہے اور وہ ہمارے علاقے کو گھیر کر کے آس پاس میں اس کے حصے بخرے کر لینا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کو ہماری فوجی طاقت کا، ہمارے وسائل کا اور ہماری دفاعی حالت کا پورے طور پر علم ہے اور ہم میں سے بھی کوئی شخص انہیں برابر اطلاعات پہنچاتا رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ شخص شاہجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟

یہ مسئلہ چل ہی رہا تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ اب پیش آیا۔

ہوا یوں کہ بستی میں سے اچانک ایک آدمی غائب ہو گیا۔ وہ جنگل کی طرف گیا تھا، لیکن شام تک واپس نہ آیا۔ جب سورج ڈھل گیا اور شام کا اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تو بستی والوں کو تشویش ہوئی اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسے جنگل میں جا کر تلاش کریں گے۔ چند مشعلیں روشن کی گئیں اور کئی ٹکڑیوں میں بٹ کر لوگ اس آدمی کی تلاش میں مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ ایک گروہ میں میں بھی شامل تھا۔ ہم گئے تک اس آدمی کی تلاش کا کام جاری رہا، لیکن اس آدمی کا کوئی پتا نشان نہ دریافت ہو سکا۔ اس کی بیوی سخت پریشان اور غم زدہ تھی۔ بستی کے دیگر لوگ بھی پریشانی میں مبتلا تھے اور تقریباً سب ہی کو اس بات کا یقین تھا کہ مذکورہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اسے شاید کسی زہریلے کیڑے مکوڑے نے کاٹ کھایا ہے یا پھر کوئی جانور اسے کھا گیا ہے۔ رات زیادہ ہو جانے کے سبب تلاش کا کام روک دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ اب کل صبح دوبارہ اس کام کا آغاز کیا جائے گا۔ تمام ٹکڑیاں دوبارہ بستی میں واپس آ گئیں۔

دوسرے دن سے پھر تلاش کا کام شروع کر دیا گیا۔ جس ٹکڑی میں میں شامل تھا اسے جنگل میں کچھ دور ایک گھنی جھاڑی کے نیچے اس شخص کی آدھی کھائی ہوئی لاش مل گئی۔ ٹکڑی میں جو دوسرے لوگ شامل تھے انھوں نے لاش کا معائنہ کرنے کے بعد فوراً ہی بتا دیا کہ یہ لاش شیر کی کھائی ہوئی ہے۔ لاش کے بچے کھچے حصے کو احتیاط سے اٹھا لیا گیا اور بستی لے آیا گیا۔ باقی ٹکڑیوں کو جو جنگل کے دوسرے حصوں میں تلاش کا کام کر رہی تھیں، اطلاع دے کر واپس بلا لیا گیا۔

جب اس شخص کی آدھی کھائی ہوئی لاش بستی میں پہنچی تو ساری بستی میں ایک کہرام مچ گیا۔ بستی کے قریب جنگل میں شیر بستے تو ضرور تھے لیکن بستی والے اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ شیر بالعموم آدمی پر حملہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور صرف اس وقت انسان پر حملہ کرتا ہے جب اسے چھیڑا جائے۔ بستی کے اکثر لوگوں کا بعض اوقات جنگل میں شیروں سے آمنا سامنا ہو جاتا تھا لیکن کبھی کسی شیر نے انسان پر حملہ نہیں کیا تھا۔ بستی کے بڑے بوڑھوں کا کہنا تھا کہ یہ پہلا واقعہ ہے

کہ بستی کے ایک انسان کو شیر نے ہلاک کیا ہے۔ بہر حال اس واقعے سے ساری بستی میں خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ لوگ محتاط ہو گئے اور جنگل کے اندر تنہا جانے سے گریز کرنے لگے۔ اب وہ کئی کئی کی ٹکڑیوں میں مل کر اندر جاتے اور خاصے چوکنے رہتے۔

اس واقعے کے دو روز کے بعد کی بات ہے کہ شام کو جنگل سے واپس آنے والی ایک ٹکڑی کافی دیر سے لوٹی۔ سارے لوگوں کو ان کی واپسی کا انتظار تھا اور بستی میں ایک بار پھر تشویش کی لہر دوڑ رہی تھی۔

کافی دیر کے بعد وہ ٹکڑی جنگل سے واپس آ گئی۔ واپس آنے والے سارے لوگ حواس باختہ تھے اور سخت خوفزدہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ لکڑیاں کاٹنے کے لیے کلہاڑیوں سے مسلح جنگل میں پھیل رہے تھے۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ شام تک انھوں نے کافی لکڑیاں کاٹ کر اکٹھا کر لیں اور اس کے بعد گٹھی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر کو وہیں چھوڑ کر بستی کی طرف واپس چل پڑے۔ اس وقت سورج غروب ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ وہ آدمی آگے آگے تھے، دو ان کے پیچھے تھے اور ایک سب سے پیچھے تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اچانک اس بات کا احساس ہوا کہ سب سے پیچھے آنے والا آدمی غائب ہے۔ وہ اس قدر خاموشی سے غائب ہو گیا تھا کہ اس کے غائب ہونے کو آگے جانے والے چاروں آدمیوں میں سے کسی نے محسوس بھی نہ کر سکا۔ اور جب انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ ایک آدمی غائب ہو گیا ہے تو وہ سب کے سب سخت متوحش ہوئے اور دیر تک اس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اس وقت ان کا حوصلہ باقی تھا۔ جلد ہی انھوں نے زمین پر ایک انسانی جسم کے گھسٹنے کے نشانات کو پا لیا اور اس کے ساتھ ہی انھیں خون کے کچھ چھینٹے نظر آ گئے۔ انھوں نے احتیاط کے ساتھ اس سمت میں قدم بڑھانا شروع کر دیے، لیکن کچھ دور جا کر زمین سخت پتھریلی ہو گئی اور نشانات غائب ہو گئے تھے۔ اب اندھیرا بھی ہو رہا تھا اور اس لیے مزید اندر تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لیے وہ واپس لوٹ آئے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ اس شخص کو ہلاک کرنے والا وہی شیر ہے جو اس سے پہلے ایک اور آدمی کو ہلاک کر چکا ہے۔

گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیر آدم خور ہو گیا ہے۔ ایک بڈھے بوڑھے نے گردن ہلا کر کہا، اور جب کوئی شیر آدم خور ہو جاتا ہے تو وہ ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ ایک بار انسان کے گوشت کا ذائقہ لگ جانے کے بعد پھر اس شیر کو کسی اور جانور کا گوشت پسند نہیں آتا۔ وہ انسانوں کے گوشت کا ہی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ انسانوں کی بستی کے آس پاس ہی میں سرگرداں رہتا ہے اور جہاں بھی اسے کوئی اکیلا اور نہتا آدمی ملتا ہے، اسے پھاڑ کھاتا ہے۔ میں اب بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ انسانوں کی جان کا لاگو ہو گیا ہے۔ یہ ضرور انسانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلاک کرے گا۔"

"عمو ناجب شیر بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے تو جب

درندوں کا شکار کرنے کے قابل نہیں رہتا تو پھر وہ اکثر اوقات آدم خور ہو جاتا ہے۔" ایک دوسرے بوڑھے نے کہا۔ "ایسا شیر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ کبھی سامنے آ کر حملہ نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ پیچھے سے وار کرتا ہے اور وہ بھی نہایت خاموشی اور چابکدستی کے ساتھ۔ وہ انسان کو آواز لگانے کا موقع دیے بغیر ہی اسے دبوچ لیتا ہے اور انسان کو پتا بھی نہیں چل پاتا۔"

دوسرے دن صبح کو اس شخص کی لاش کی تلاش میں لوگ روانہ ہوئے اور جلد ہی اس کی لاش دریافت کر لی گئی۔ یہ ایک جگہ بہت لمبی سی اگی ہوئی گھاس کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ یہ لاش بھی آدھی سے زیادہ کھائی جا چکی تھی اور لوگوں نے صاف طور پر پتا لگا لیا کہ یہ بھی شیر کی کارستانی ہے۔

چند روز کے اندر اندر وہ نامہربان ہونے والی ایک ہی جیسی دو وارداتوں نے بستی والوں کے دل دہلا دیے اور ساری بستی پر خوف و ہراس کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

دو روز بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس اثنا میں لوگ برابر شاہجر کی تلاش میں سرگرم عمل رہے اور شام ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے گھروں کو واپس آ جاتے تھے جو جنگل کی طرف گئے ہوتے تھے، لیکن تیسری رات ایک بہت ہی ہولناک واقعہ پیش آیا۔

آدم خور شیر ایک مکان کی نیچی سی دیوار کو پھاند کر اندر داخل ہوا۔ صحن میں سوئی ہوئی ایک بارہ چودہ سال کی لڑکی کو اس قدر خاموشی سے اٹھا کر لے گیا کہ کسی کے کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ صبح کو جب گھر والے جاگے تو انھوں نے لڑکی کے بستر کو خالی پایا۔ وہ سخت متعجب ہوئے کہ آخر لڑکی کہاں گئی، لیکن فوراً ہی صورت حال کا اندازہ ہو گیا کیونکہ مکان کے صحن کی کچی زمین پر گھسٹنے جانے کے نشانات موجود تھے۔ اس نئے واقعے نے بستی والوں کو پہلے سے بھی زیادہ خوف زدہ کر دیا کیونکہ اب تو ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال لوگ لڑکی کی لاش کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آدم خور شیر کا یہ پسندیدہ شکار تھا اور سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ شیر نے گھر کے اندر گھس کر حملہ کیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اب بستی کے بہت کم مکانوں کو محفوظ قرار دیا جا سکتا تھا کیونکہ زیادہ تر مکانوں کی دیواریں نیچی تھیں اور شیر بآسانی پھلانگ کر ان کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

لڑکی کی لاش بھی تھوڑی سی تلاش کے بعد برآمد کر لی گئی۔ شیر حسب معمول اسے سارا ہی کھا چکا تھا اور جسم کا بہت تھوڑا سا حصہ باقی بچا تھا۔ بستی کے لوگوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں طے کیا گیا کہ ہر قیمت پر اور ہر ممکن طریقے سے اس شیر کی ہلاکت کا بندوبست کیا جائے ورنہ یہ عفریت بستی کے سارے انسانوں کو ایک ایک کر کے ہڑپ کر جائے گا۔ بستی کے لوگوں کو نقشہ جات بنانے کا تو اب تک ہمیں افراد اس کا شائبہ تک نہ تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگ بھی کس کی تھی۔

مختلف لوگوں نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ سب سے پہلی تجویز یہ تھی کہ رات کو ہماری ساری چار نوجوانوں کی ایک ٹولی مشعلوں اور نیزوں سے مسلح ہو کر بستی کا چکر لگایا کرے۔ دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ شیر کی تلاش میں مسلح ہو کر جتنے دن کے وقت جنگل کی طرف نکل جایا جائے اور اسے تلاش کر کے اور گھیر کے مارنے کی کوشش کریں۔

اسی دن کئی مسلح جتھے آدم خور شیر کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساما کو اس ماشالا کے مشورے اور میری ہدایات کے تحت کام دیا جا رہا تھا۔

لوگ سارا دن جنگل میں سرگرداں رہے اور انھوں نے جنگل کے خاصے بڑے حصے کو چھان مارا لیکن آدم خور شیر انھیں کہیں نظر نہیں آیا۔ رات کے وقت چار مسلح نوجوانوں کی ایک ٹولی نے مشعلوں اور متعدد ہتھیاروں سے مسلح ہو کر بستی میں پہرہ دیا اور ساری رات پوری بستی کا چکر لگاتے رہے۔ اس کے نتیجے میں کوئی واردات نہیں ہوئی۔

اس اثنا میں شاہجر نے پیچھے چھپے پیرے خلاف ایک عجیب و غریب مہم چلا رکھی تھی جس کے بارے میں اوائل اشاعت میں مجھ تک تبلیغ ہی تھیں۔ شاہجر نے میرے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں ایک منحوس انسان ہوں اور میری آمد کے ساتھ ہی بستی پر اس عجیب و غریب نحوست کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ شاہجر بستی کے ضعیف الاعتقاد لوگوں میں میرے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلانے میں لگا ہوا تھا، لیکن اس کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ یہ باتیں سارے لوگوں کے سامنے برملا کہہ سکے۔ وہ اکا دکا لوگوں سے تنہائی میں اس قسم کی باتیں کرتا تھا، لیکن مجھے اس کی سرگرمیوں کی ہر خبر کسی نہ کسی ذریعے سے ضرور ہو جاتی تھی اور میں اس کی نادانی پر دل ہی دل میں ہنستا تھا۔

پہلی رات تو خیریت کے ساتھ گزر گئی اور آدم خور شیر نے کوئی واردات نہیں کی، دوسری رات بھی خیریت سے گزر گئی لیکن رات خیریت سے نہیں گزری۔ رات کو شیر نے پھر واردات کی اور ایک مکان کی دیوار پھاند کر ایک چھوٹے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اس بات کا علم بھی صبح کو ہی ہو سکا۔

اب تو بستی میں جیسے کہرام مچ گیا۔ نوجوانوں کی ٹولی کے سخت پہرے کے باوجود شیر نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے ایک بار پھر خون ناک واردات کی تھی۔

"شیر اب ہوشیار ہو گیا ہے۔" بستی کے ایک معمر آدمی نے اس نئی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "پرسوں سے پہلے والی رات اس نے ایک گھر میں گھس کر ایک انسان کا شکار کیا اور اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ پرسوں رات بھی وہ بستی میں ضرور آیا ہو گا، لیکن مشعل بردار نوجوانوں کو پہرہ دیتے ہوئے اور ادھر ادھر گھومتے ہوئے دیکھ کر خاموشی سے واپس چلا گیا ہو گا۔ لیکن اب چونکہ اسے چاٹ پڑ چکی ہے۔ اس لیے اس نے کل پھر گھات لگائی اور جب اس نے مشعل بردار پہریداروں کی ٹولی کو بستی کے بالکل دوسرے کنارے پر پایا ہو گا تو پھر اس نے موقع پا کر ایک مکان میں چھلانگ لگا دی اور اس بار بھی اسے کامیابی حاصل ہو گئی۔"

"سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟" ماشالا نے سب لوگوں کی طرف

Optimized by www.ImageOptimizer.net

باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں ہر قیمت پر اس آدم خور شیر کو ہلاک کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"اور اس کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں کہ میں چند دن کے اندر اندر اسے ہلاک کر کے تم لوگوں کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"کیا تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی خاص منصوبہ ہے؟" ماشالا نے پوچھا۔

"ابھی میں اس بارے میں وضاحت سے کوئی بات بتانے سے قاصر ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن منصوبہ ساری بات آپ لوگوں کے سامنے آجائے گی۔"

دوسرے دن میں نے کئی شکاریوں کو تو شیر کی تلاش میں روانہ کر دیا اور خود تنہا اس کی تلاش میں لگ گیا۔ میں نے سارے دن میں جنگل کا کافی حصہ چھان مارا لیکن شیر کا کہیں پتا نہیں چل سکا۔ شام کو میں واپس آگیا۔ میرے ساتھ دوسرے شکاری بھی واپس آگئے۔

اس رات پہرہ دینے کی ڈیوٹی دوسرے چار نوجوانوں کے سپرد تھی۔ میں نے انھیں سمجھا دیا کہ وہ اپنا کام کریں اور مشعلیں لیے ہوئے بستی کے گرد گھوم کر پہرہ دیتے رہیں اور میں خود تنہا بغیر کسی مشعل کے بستی کے گرد چکر لگاؤں گا۔

میری بات سن کر تمام لوگ حیران رہ گئے۔ کوئی بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ میں خود کو تن تنہا شیر کے مقابلے میں لے آؤں گا۔ لوگوں نے مجھے سمجھانے اور اس "خطرناک" ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور انھیں یہ بتایا کہ بستی والوں کی جانوں کی حفاظت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے اور میں اپنے اس اہم فرض سے کوتاہی نہیں برت سکتا۔ سب لوگ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ وہ شاید مجھے پاگل سمجھ رہے تھے، یا ان کے خیال میں میں اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو گیا تھا۔

بہرحال رات آئی اور اندھیرا ہونے سے کچھ دیر بعد نوجوانوں کی ٹولی نے مشعلیں اور ہتھیار سنبھال کر بستی کا گشت شروع کر دیا۔ میں نے شام ہی کو بستی کے اطراف میں چاروں طرف اچھی طرح گھوم پھر کر اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جنگل کے کس حصے کی طرف سے شیر کے داخل ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ یوں تو ایک حصے سے کسی بھی طرف سے جنگل سے بستی میں داخل ہونا کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن پھر بھی داخلے کا آسان ترین راستہ ایک ہی تھا اور وہ مغرب کی سمت تھا۔ مغرب کی طرف شروع میں یعنی بستی سے ملحق جنگل کم گھنا تھا، لیکن ذرا سا آگے چل کر وہ کافی گھنا ہو گیا تھا اور گھنی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ بستی کے اندر داخل ہونے کے لیے اس سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں تھی۔

میں نے پہرہ دینے والے نوجوانوں کو پہلے ہی اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ مغرب والے راستے کا رخ نہ کریں اور بستی کی دیگر سمتوں پر اپنی توجہ مبذول رکھیں۔ انھوں نے میری ہدایت پر پورا پورا عمل کیا اور مغرب کی طرف کا رخ نہیں کیا۔ وہ باقی اطراف میں چکر لگاتے رہے۔

میں مغرب کی سمت جا کر درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ آدم خور شیر آج پھر بستی پر حملہ آور ہو گا اور اس کا گزرنے کا راستہ بھی یہی ہو گا کیونکہ پہر یار نوجوانوں کی جلتی ہوئی مشعلیں دیکھ کر ان کی طرف رخ نہیں کرے گا۔

کافی رات گزر گئی۔ اس اثنا میں میں نے کئی بار اپنی جگہ تبدیل کی اور آہستہ آہستہ آنکھیں بھی پوری کھل گئیں تاکہ اگر آدم خور شیر اس طرف آ رہا ہو تو اس بات کا احساس ہو جائے کہ کوئی انسان ادھر موجود ہے اور وہ حملہ کا منصوبہ ترک کر سکتا ہے۔

رات تقریباً آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی جب مجھے دور اندھیرے میں دو آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ میں چوکنا ہو گیا۔ شیر قریب آ رہا تھا۔ میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ شیر کو ادھر آتا دیکھ کر میں اس کی سیدھ سے نکل آیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ شیر مجھے دیکھ لے۔ شیر نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا کیونکہ اس کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ میں صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ شیر زمین پر بیٹھا ہوا ہے اور مجھ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔

اچانک شیر نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس نے بغیر کوئی آواز نکالے یکے بعد دیگرے ایک جست لگائی اور مجھے گردن سے دبوچنا چاہا۔ میں اس کے پہلے ہی حملے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ بستی کے اس مقتدر شخص کا شکار کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ ایک بوڑھا اور کہنہ مشق شیر تھا اور اب اس میں شاید پہلے جیسی رفتار اور چستی و چالاکی جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کی سکت باقی نہیں رہی ہے اسی لیے یہ آدم خور بن گیا ہے۔

بہرحال، شیر نے جیسے ہی میری گردن پر حملہ کیا میں نے دونوں ہاتھوں سے خود اس کی گردن دبالی اور ایک زوردار دھکے کے ساتھ اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ رات کے سناٹے میں اس دھماکے کی گونج دور تک سنائی دی۔ مشعل بردار پہرے دار بستی کے ایک سرے پر آ رہے تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی مشعلوں کی متحرک روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ دھماکے کی آواز خواہ بالکل ہلکی سی سہی، شاید رات کے گہرے سناٹے میں وہاں تک پہنچ گئی، کیونکہ اگلے چند لمحوں کے دوران میں نے مشعلوں کو میری سمت آواز کی سمت بڑھتے دیکھا۔

شیر ابھی تک زندہ تھا اور بھڑک رہا تھا، لیکن مجھے معلوم تھا کہ اب یہ زیادہ دیر کا مہمان نہیں تھا کیونکہ اس کی کمر کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں اور اب وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا اس لیے پھلانگ لگا کر مجھ پر حملہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں اطمینان سے وہیں کھڑا رہا اور مشعل برداروں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ذرا دیر میں چاروں نوجوان وہاں

پہنچ گئے۔ انھوں نے مشعلوں کی روشنی میں مجھے دیکھ لیا۔ میرے قریب ہی شیر کا جسم ایک ہتھوڑی چٹان پر پڑا ہوا تھا جو ابھی تک پھڑک رہا تھا۔ ان لوگوں نے مشعلوں کی روشنی میں اس منظر کا جائزہ لیا اور سب سے پہلے تو میری شکل دیکھنے لگے اور پھر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

"تم نے اسے ہلاک کر ڈالا فروس؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے سخت آثار تھے۔

"ہاں دوست، میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔" بلکہ یوں کہو کہ ذوالدیر میں موجود لوگ ہلاک ہو جانے کا، جیسے میں نے جواب دیا۔ میں نے اس کا گلا دبا کر اسے مارا ہے اور اس کے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اب یہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔"

لیکن فروس، دوسرے نوجوان نے حیرت سے کہا، "تم نے تنہا یہ کام کس طرح انجام دیا؟ میرا مطلب ہے کہ تم کو کہیں سے زخمی بھی نہیں کیا ہے، تم نے اکیلے اسے کس طرح مار دیا؟"

"میں شیروں کو مارنے کا ماہر ہوں۔" میں نے پُراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے لیے شیروں کو ہلاک کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"لیکن یہ تو بہت بڑا مسئلہ ہے۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔ "تم آخر ان شیروں کو کس طرح ہلاک کرتے ہو؟ کیا تم ان کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں؟"

"نہیں ماشالا!" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" درحقیقت اس وقت تک مجھے اس بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا سوال پوچھنا چاہتا ہے۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم کوئی چھپے ہوئے بہت بڑے جادوگر ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میں اور جادوگر؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ فضول بات تمہارے دماغ میں کیونکر آئی؟"

"کل سے ساری بستی میں تمہارے بارے میں یہ خبر گونج رہی ہے کہ تم ایک چھپے ہوئے جادوگر ہو۔" ماشالا نے کہا۔ "لوگوں کا کہنا ہے کہ تم نے جس طرح اس آدم خور شیر کو ہلاک کیا ہے وہ کام ایک جادوگر کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور تم جانتے ہی ہو کہ لوگ جادوگروں سے سخت کھاتے ہیں اور ان سے دور بھاگتے ہیں۔"

اچانک میرے ذہن میں ساری بات واضح ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔

"عدیرا افواہ پھیلانے میں یقیناً شامجو سب سے آگے ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میری اس بات کے جواب میں ماشالا چند ثانیوں کے لیے خاموش ہو گیا، لیکن ظاہر ہے کہ وہ میری بات کی تردید نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد کہا، "تمہارا کہنا درست ہے۔ سب سے پہلے یہ بات شامجو کی زبان پر بھی آئی تھی اور اسی نے دوسرے لوگوں سے یہ بات کہی ہے، لیکن بعض دوسرے لوگ بھی اس کی اس بات سے اتفاق کرتے

بستی کے لوگوں نے شیر کی لاش کو دیکھا اور مجھے دیکھا اور پھر چاروں طرف حیرت بھری سرگوشیاں ہونے لگیں۔ دفعتاً چڑھتے ہوئے سورج کی زبان پر یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ آدم خور شیر مارا گیا اور لوگوں نے بغیر کسی ہتھیار کی مدد کے اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ سب لوگوں نے اس سلسلے میں مجھ سے باز پرس کی لیکن میں نے انھیں کم و بیش وہی جواب دے کر ٹال دیا جو اس سے پہلے مشعل بردار پہریداروں کو دے چکا تھا۔ خود ماشالا نے انتہائی حیرت کے ساتھ مجھ سے اس بارے میں متعدد سوالات کیے لیکن اس کو بھی میں نے وہی جواب دیے۔

لیکن مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کی بدولت میرے خلاف سازش کا ایک جال بنا جا رہا ہے۔ اس کی باقاعدہ طرح مجھے دوسرے دن علی الصبح ماشالا نے خاص طور پر مجھے تنہائی میں طلب کیا۔

"بیٹھ جاؤ فروس۔" اس نے مجھ سے کہا۔ اس وقت اس کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ "تم میرے سب سے مخلص دوست ہو۔" ماشالا نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرو گے؟"

"نہیں ماشالا!" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" درحقیقت اس وقت تک مجھے اس بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا سوال پوچھنا چاہتا ہے۔

"آخر ایسی کون سی ترکیب آتی ہے تمہیں؟"

"ایسی ویسی بہت سی ترکیبیں مجھے آتی ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے انداز میں اس طرح جواب دیا کہ بات آئی گئی ہو گئی۔

رات بہت بیت گئی تھی، اس لیے ہم سب کے سب اس نیم مردہ شیر کی طرح چھوڑ کر واپس بستی میں آ گئے۔ بستی میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سارے لوگ سوئے ہوئے تھے۔ پہرہ دینے والے مشعل بردار نوجوان بھی اپنے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور ہم سب لوگوں نے بقیہ رات بستی کی حفاظت کی ذمہ داری بھی کرتے رہے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں بتاؤں کہ میں نے ایک بھاری بھرکم، آدم خور اور خونخوار شیر کو رات کے اندھیرے میں، کسی ہتھیار کے بغیر کس طرح ہلاک کر ڈالا۔ میں انھیں مطمئن کرنے کے لیے معقول دلائل موجود تھے۔ میں نے انھیں کسی نہ کسی طرح ٹال دیا کہ یہ ایک خاص فارمولا ہے جو میں نے ایک درویش سے سیکھا ہے لیکن اس درویش کی اجازت کے بغیر میں اس فن کے بارے میں کسی دوسرے کو نہیں بتا سکتا۔

صبح کو ساری بستی کے لوگوں کو خبر ہو گئی کہ آدم خور شیر مارا گیا ہے۔ بستی کے لوگ ایک جلوس کی شکل میں اس جگہ پہنچے جہاں میں نے شیر کو زمین پر پٹخا تھا۔ شیر کی اکڑی ہوئی لاش اس جگہ پڑی ہوئی تھی اور اس کے مردہ بدن سے ہزار ہا چیونٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہیں۔"

"میں تم سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں ماشالا۔" میں نے کہا۔ "کیا تم شاہجو کی گزشتہ حرکتوں کو بھول گئے ہو؟ کیا تم اس بات کو فراموش کر گئے ہو کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" ماشالا نے سختی سے جواب دیا۔ "میں نہ اس کی باتوں کو بھولا ہوں اور نہ اس کی گھٹیا حرکات کی طرف سے غافل ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ بلکہ مجھے تو اس کے بارے میں اور بھی ایسی کئی باتیں معلوم ہوئی ہیں جو شاید تمہیں نہ معلوم ہوں۔ میرے ابھی تک تم سے ان باتوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

مثلاً یہ کہ مجھے اپنے بعض آدمیوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ شاہجو اس بستی کے مفادات کے ساتھ غداری کر رہا ہے۔ مجھے کچھ اڑتی اڑتی سی خبریں مل رہی ہیں کہ وہ پڑوس کی بستی کے ساتھ کوئی سازباز کر کے انھیں اس بستی پر حملہ کرنے کے لیے اکسانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔" ماشالا نے کہا۔

"تمہاری بالکل ٹھیک سنا ہے ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "اسی لیے میں تمہارے پاس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو شخص اپنی بستی کے "اپنے لوگوں کا وفادار نہ ہو ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کیا جا سکتا ہے یا کیا اس کی بکواس کو درخور اعتنا سمجھا جا سکتا ہے؟"

میرے اس سوال کے جواب میں ماشالا ذرا دیر کے لیے چپ خاموش ہو گیا اور کچھ نہیں بولا۔

"یہ سب ایک کھیل ہے جو شاہجو بڑی چالاکی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد دوبارہ کہا۔ "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ دوبارہ سر اٹھنے کا خواہاں ہے۔ لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ سر اٹھنے کا خبط اب تک اس کے دماغ میں موجود ہے اور وہ اپنے اس ذاتی مفاد کے لیے پوری بستی کے مفادات کو داؤ پر لگانے کے لیے آمادہ ہے۔ وہ پڑوسیوں سے سازباز کر کے یہاں اپنی سرداری قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی راہ میں سب سے بڑا پتھر میں ہوں، اس لیے وہ مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ درحقیقت مجھ سے وہ بری طرح خوفزدہ ہے اور اسی لیے بستی کے لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کی غرض سے طرح طرح کی بے سود و فضول باتیں پھیلا رہا ہے۔ تم اس کی باتوں کی طرف دھیان مت دو۔ وہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں کوئی بدروح یا جادوگر ہوں، انھیں مجھ سے بدظن کرنا چاہتا ہے، لیکن تم اطمینان رکھو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھی تم لوگوں جیسا ایک انسان ہوں۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے فرویس۔" ماشالا نے کہا۔ "لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ تم نے آخر اس آدم خور شیر کو رات کی تاریکی میں کسی ہتھیار کی مدد کے بغیر کس طرح سے ہلاک کر ڈالا ہے؟"

"میں تو کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں نے خوفناک اور جنگلی جانوروں کو ہلاک کرنے کا یہ فن ایک درویش سے سیکھا تھا۔ اس فن کے بارے میں اس درویش کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں بتا سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو یہ صلاحیت مجھ سے چھن جائے گی اور میں بے کار ہو جاؤں گا۔ پھر شاید میں کسی بھی جانور کا اس طرح مقابلہ نہ کر سکوں۔"

اچانک اس مرحلے پر مجھے خیال آیا پروفیسر کہ پڑوس کی بستی سے آئے ہوئے چند دنوں، چند ہفتوں یا شاید چند مہینوں میں جنگل اور اس کے ساتھی یہ بھی ظاہر ہے کہ جنگ کے اس موقع پر مجھے بہادری کے جوہر دکھانے پڑیں گے اور غیر معمولی صلاحیتوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ اس وقت ماشالا اور دوسرے لوگوں کو اندازہ ہو جائے گا۔ لہٰذا انھیں اس چالاک نجیب سے بچانے کے لیے بہتر ہے کہ ابھی سے کوئی نہ کوئی ایسا اشارہ دے دوں جس سے بعد میں استعمال کر سکوں۔ چنانچہ میں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس درویش نے مجھے نہ صرف جنگلی جانوروں کی ہلاکت فن سکھایا تھا، بعض ایسے پوشیدہ اور خفیہ گر بھی بتائے تھے جن سے میں خدمت سے لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور انھیں کے گھاٹ بھی اتار سکتا ہوں بلکہ بعض اوقات تو تنہا میرا وجود پوری فوجی دستوں پر بھاری ہوتا ہے۔"

"واقعی؟" ماشالا نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن بھی مجھے اس درویش کے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف پر غالب آ سکتا ہوں جو ظلم اور ناانصافی کی راہ پر گامزن ہوں اور نے دوسرے انسانوں کو بلاوجہ کے لیے ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رکھا ایسے انسانوں کے حق میں قہر و اجل کی حیثیت رکھتا ہوں لیکن نیک اور انسان دوست لوگ ہیں، دوسرے انسانوں کے ساتھ عدل خلاف اور بھلائی کے ساتھ پیش آتے ہیں، ان کے خلاف میں کوئی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پڑوس کی بستی والے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو تم ہمارا ہی ساتھ دو گے؟"

"بالکل۔" میں نے جواب دیا۔ "میں سو فیصدی تمہارا یعنی بستی والوں کا ساتھ دوں گا۔ یہ بستی میری ہے۔ میں اس کے دفاع تحفظ کے لیے ہر وہ قدم اٹھاؤں گا جو ضروری ہو گا۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" اچانک ماشالا کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اس سے بڑھ کر اطمینان کی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہمارے درمیان ایک ایسا شخص موجود ہے جو بڑا وقت پڑنے پر کے پورے فوجی دستے پر قابو پا سکتا ہے۔ فرویس ہمیں دلی

رہے ہیں۔ میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

اس کے بعد بھی راستے میں مجھے بہت سے لوگ ملے لیکن ان میں سے پینسٹھ ان کی نظروں میں میں نے اپنے لیے تحسین و توصیف کے لعاب بٹورے۔ صرف ایک آدھ آدمی ہی ایسا ملا جس کی نگاہوں میں میرے لیے اجنبیت یا ناپسندیدگی کے تاثرات موجود تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ شاہجو کو بستی کے لوگ پہلے بھی پسند نہیں کرتے تھے اور اسی لیے اس کی چالاکی ہوئی سمجھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں کر پا رہی تھی۔

تقریباً ایک ہفتے کی مدت گزر گئی۔ اس عرصے کے دوران کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ شاہجو مستقل اپنی مہم میں لگا ہوا تھا اور موقع بموقع میرے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ مجھے اس کی حرکتوں کی خبریں گاہے بگاہے ملتی رہتی تھیں اور ماشالا بھی ساری باتوں سے واقف تھا۔ لیکن چونکہ میں نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا کہ وہ شاہجو کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے، اس لیے وہ ایسا کرنے سے باز رہا تھا۔

تاہم اس مدت کے دوران شاہجو نے اپنے حق المقدور میرے خلاف کافی پروپیگنڈہ کیا۔ اس نے لوگوں سے اس واقعے کا ذکر کئی بار کیا جب وہ سردار تھا اور اس نے مجھے قتل کروانے کا حکم دیا تھا اور میں نے تن تنہا مرن یہ کر خود کو مضبوط رسیوں کی گرفت سے آزاد کر دیا تھا بلکہ اس کے بعد سے آدمیوں کو ہلاک کر کے سارے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ شاہجو اس واقعے کو بھی شیر کے واقعے کے ساتھ ملا رہا تھا اور یہ کہتا پھر رہا تھا کہ یہ شخص کوئی بدروح یا جادوگر ہے۔ مگر چونکہ خود شاہجو اپنی سرداری کے زمانے میں نہایت گندے کردار کا مظاہرہ کر چکا تھا اس لیے بستی میں دو ایک لوگوں کے علاوہ کوئی بھی اس کی بات پر دھیان دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا پروفیسر کہ ایک ہفتے کی مدت گزر گئی اس کے دوران دو دن کے لیے شاہجو بستی سے غائب رہا۔ اس کے بعد ایک دن صبح کے وقت ایک مسافر بستی میں وارد ہوا۔ اس نے بستی میں داخل ہونے کے بعد سردار سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ اسے ماشالا کے پاس پہنچا دیا گیا۔ جیسا کہ بعد میں مجھے ماشالا نے بتایا، اس مسافر نے جس نے اپنا نام ورکری بتایا تھا، ماشالا سے کہا کہ وہ اس سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ماشالا نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے مشیر خاص یعنی میرے بغیر کوئی گفتگو نہیں کرے گا اور اس نے مجھے بلا بھیجا۔ اجنبی مسافر نے میرے بلائے جانے کی سخت مخالفت کی اور اس بات پر اصرار کرنے لگا کہ وہ صرف ماشالا سے ہی گفتگو کرے گا اور کسی دوسرے شخص کی موجودگی میں بات ہی نہیں کرے گا۔

ماشالا چالاک آدمی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اجنبی مسافر کی باتیں سنے کر آخر وہ کہنا کیا چاہتا ہے۔ لیکن ابھی مکمل تمہید کیے بغیر کوئی بات کرنے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ آخر ماتھ لانے اس سے خدا و بیر کی مہلت مانگی۔ میں ماشالا کے گھر کے دوسرے کمرے میں موجود تھا۔ ماشالا نے بڑی خاموشی کے ساتھ مکان کے ایک بالکل دوسرے حصے میں اپنی اور اجنبی کی نشستوں کا بندوبست کیا اور مجھے پہلے ہی ایک بھاری پردے کے پیچھے اس طرح چھپا دیا کہ میں کسی کو نظر نہ آ سکوں۔ اب میں اجنبی مسافر اور ماشالا کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ بڑے اطمینان سے سن سکتا تھا اور اس بات کا بھی کوئی خدشہ نہیں تھا کہ میں کسی کو نظر آ جاؤں۔

میں بستی بستی، نگری نگری جنگل جنگل بھٹکنے والا ایک درویش ہوں۔" واکری نے گفتگو کے سلسلے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ "میرے اندر غیر معمولی روحانی قوتیں موجود ہیں جن کی مدد سے میں لوگوں کو مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر سکتا ہوں، اور انھیں ان مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ بھی بتا سکتا ہوں۔ دیوتاؤں کی مہربانی سے مجھے یہ قوت حاصل ہے کہ میں لوگوں کی مدد کر سکوں۔ تمھیں بھی میں ایک بڑے خطرے سے آگاہ کرنے کی خاطر ہی یہاں تک آیا ہوں۔ میں نے تمھاری اور تمھارے لوگوں کی خاطر بڑی لمبی مسافت طے کی ہے۔ میرے پاس وقت بھی زیادہ نہیں ہے۔ امید ہے کہ تم اپنی اور اپنی بستی کی بھلائی کی خاطر میری بات کو توجہ سے سنو گے، اور اس پر عمل بھی کرو گے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو معزز واکری؟" ماشالا نے کہا۔ "جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو۔ میں تمھاری بات بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ سن رہا ہوں۔ اس وقت یہاں ہم دونوں تنہا موجود ہیں اور تیسرا اور کوئی شخص موجود نہیں ہے جو ہماری گفتگو سن سکے۔"

"بات یہ ہے سردار ماشالا!" واکری نے اپنی آواز میں بھاری پن پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "کہ تمھاری بستی پر ایک بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہوگی جو تمھاری ساری بستی کو تباہ و برباد کر دے گی اور اسے تباہ کر دے گی۔ تم خود بھی اس تباہی کا شکار ہو جاؤ گے۔ میں اس مصیبت کے بارے میں تمھیں خبردار کرتا ہوں اور اس سے بچنے کا طریقہ بھی بتا سکتا ہوں۔"

میں ان لوگوں کی صرف آوازیں سن سکتا تھا۔ ان کے چہروں کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لہٰذا میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت ماشالا کے چہرے کا کیا رنگ تھا، تاہم میں نے محسوس کیا کہ اس نے بڑی اطمینان آواز میں کہا: "بتاؤ معزز درویش، مجھے اس بستی پر نازل ہونے والی مصیبت کے بارے میں بتاؤ اور اس کے سدِ باب کا راستہ بھی بتاؤ۔"

"سردار ماشالا!" واکری نے کہنا شروع کیا۔ "جادو کا ایک ایسا عمل ہوتا ہے جس کے ذریعے ایک انسان طویل جوانی اور زبردست جسمانی قوت حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ عمل کوئی آسان اور نیک عمل نہیں ہوتا۔ یہ ایک انتہائی مشکل اور گندہ عمل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بہت ہولناک بھی۔ اس عمل کا سلسلہ اس کی قوتوں میں مرحلہ وار اضافہ کرتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے وہ عمل کے مطلوبہ مراحل طے کرتا جاتا ہے، ویسے ویسے اس عمل کے ان برسوں کے دوران اس کی قوتوں میں مرحلہ وار اضافہ ہوتا جیسے جیسے وہ عمل کے مطلوبہ مراحل طے کرتا جاتا ہے، ویسے ویسے اس قوتوں میں اور توانائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ عمل کی تکمیل کے بعد وہ شخص فاقت اور قوت کا ایک ایسا پیکر بن جاتا اسے کوئی دوسرا انسان شکست نہیں دے سکتا۔ پھر اسے کوئی ہوشیار یا پہنچا ہوا درویش یا جادوگر ہی شکست دے سکتا ہے ایسا کوئی جادوگر یا درویش موجود نہ ہو تو پھر یہ قوت یافتہ شخص زبردست خطرہ بن جاتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، سوکر سکتا ہے اور اسے کی قدرت کسی میں نہیں ہوتی۔"

واکری چند ثانیوں کے لیے سانس لینے کے لیے رکا اور اس عمل کی تکمیل کے لیے اس شخص کو ہفتہ میں ایک بار انسانی خون ہے اور ظاہر ہے کہ اس مقصد کی خاطر اسے اس کے لیے ضروری ہوتا وہ کسی نہ کسی کو قتل کرے۔ چنانچہ وہ شخص، خواہ کچھ بھی ہو جائے ایک انسان کو ہلاک ضرور کرتا ہے اور اس کا خون پیتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک مخصوص منتر کا جاپ بھی جاری رہتا ہے لیکن صرف منتر کافی نہیں ہوتا۔ منتر کے جاپ کا اثر فقط اس صورت میں ہوتا ہے شخص ساتھ ساتھ انسانی خون بھی پیے۔ یہ سلسلہ سات کئی برس تک رکھنا پڑتا ہے۔ ایک برس کی تکمیل کے بعد سے اچھی خاصی قوت ہو جاتی ہے اور وہ چاہے تو اپنے عمل میں کچھ دنوں کا وقفہ بھی ہے اور مزید قوت حاصل کرنے کے لیے کچھ وقفے کے بعد بھی عمل آغاز کر سکتا ہے۔ عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تین سال کا درکار ہوتا ہے، لیکن اگر ایک سال کے بعد وقفے تجاویز تو پھر یہ عرصہ ہو جاتا ہے۔"

واکری چند ثانیوں کے لیے پھر رک گیا۔ ماشالا کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔

"ایسا ہی ایک جادوگر تمھاری بستی میں داخل ہو چکا ہے۔" چند ثانیوں کے وقفے کے بعد کہا۔ "وہ اپنے اس خونی عمل کی ایک کی مدت پوری کر چکا ہے اور اس وقت وہ وقفے کی حالت میں ہے نئے ایک سال کی یہ مدت یہاں سے سیکڑوں میل دور واقع کئی بستی پوری کی ہے۔ وہ کچھ عرصہ تک ایک بستی میں قیام کرتا ہے انسان کو ہلاک کر کے اس کا خون پی جاتا تھا۔ جب زیادہ عرصہ گزر اور بستی کے لوگ اس آفت سے پریشان ہو جاتے تھے تو وہ اس کر کسی دوسری بستی میں منتقل ہو جاتا تھا اور وہاں یہ سلسلہ شروع تھا۔ اس طرح اس نے ایک سال مکمل کر لیا اور ایک سال کی مدت دوران اس نے کافی طاقت حاصل کر لی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس عمل کا صرف ایک ہی سال مکمل کیا ہے، اس لیے وہ ساری مطلوبہ حاصل نہیں کر سکا ہے۔ اس کے لیے اسے مزید دو سال اور ہوگا۔ اور ان برسوں کے عرصے میں وہ نہ جانے کتنے انسانوں کو

ہے گا۔ وہ اپنے منتر کا جاپ جاری رکھے گا۔ وہ شخص تمھاری بستی میں اپنی قوت کا بلکہ سامنا ظاہر کر بھی چکا ہے۔ اب اس نے اپنے طویل قیام کے لیے تمھاری بستی کو منتخب کیا ہے اور یہاں وہ عنقریب انسانوں کی ہلاکت کے کام کا آغاز کرنے والا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب تمھاری بستی سے ہر ایک دو دن غائب ہونا شروع ہو جائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے پائے گی کہ آخر وہ شخص گیا کہاں۔ تمھارے لوگ مرتے جائیں گے اور وہ شخص اپنی قوت میں اضافہ کرتا جائے گا۔ ممکن ہے کہ اس وقت تمھاری بات کو تسلیم نہ کرو اور اس شخص کو بستی میں قیام کرنے کی اجازت اسی طرح حاصل رہے جس طرح کہ اس وقت حاصل ہے، لیکن پھر ایک وقت وہ آئے گا جب وہ تمھارے قابو سے بالکل باہر ہو جائے گا اور تم اگر چاہو گے بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"

واکری ذرا دیر کے لیے ایک بار پھر رکا۔ کمرے کی فضا پر ایک پھر خاموشی کا غلبہ ہو گیا۔

"وہ شخص کون ہے اور اس کا کیا نام ہے؟" ماشالا کی آواز بلند ہوئی۔

"پچھلے کچھ دنوں سے، بلکہ ان دنوں سے جبکہ سردار رانوس زندہ تھا، تمھاری بستی میں کتنے نئے لوگ داخل ہوئے ہیں؟" واکری نے پوچھا۔

"صرف ایک۔" ماشالا کی آواز سے اطمینان جھلک رہا تھا۔

"وہ کون ہے؟" واکری نے پوچھا۔ "گو کہ میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں، لیکن پھر بھی میں تمھاری زبان سے اس کے بارے میں سننا چاہتا ہوں۔"

"اس کا نام (روس ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اسے ایک نیک دل، بہادر اور انسان دوست آدمی پایا ہے۔ بستی کے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی محنت کرتا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ آرام سے رہتا ہے۔ اس نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔"

"کیا یہ وہی شخص نہیں ہے جس نے اپنے آپ کو انتہائی مضبوط ہوں کی گرفت سے خود تنہا آزاد کرا لیا تھا اور اس کے بعد برہنہ سے پہاڑیوں کو عبور کر دیا تھا اور پانچ خوف ناک شکاری کتوں کو بھی آناً فاناً ہلاک کر دیا تھا؟" واکری نے کہا۔

"ہاں، یہ وہی شخص ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔

"ماشالا!" واکری نے کہا۔ "تم ایک بوڑھے اور تجربہ کار شخص ہو، اتنی اتنی عمر گزاری ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس سے پہلے تم نے کسی آدمی کو اتنا عجیب و غریب بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کسی آدمی کو نہیں دیکھا۔"

"اور کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک عام تنہا آدمی کے لیے وہ سب کچھ کرنا ممکن تھا جو اس آدمی نے کر دکھایا ہے؟"

واکری کے اس سوال کے جواب میں چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد ماشالا کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ "میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔ وہ ایک جنگی اور بہادر شخص ہے اور اس کے بدن میں قوت کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں تم یوں کہہ سکتے ہو کہ وہ دوسرے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی طور پر بہادر اور توانا ہے۔"

"بہادر سے بہادر اور توانا سے توانا انسان بھی وہ سب نہیں کر سکتا جو اس شخص نے کیا ہے۔ ایسا کام صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کے پاس غیر انسانی طاقتیں موجود ہوں۔"

"اچھا تو اب تم اس سلسلے میں مجھے کیا مشورہ دینا چاہتے ہو؟" ماشالا نے پوچھا۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم اس شخص کو بستی سے نکال دو، تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلے کا حل نہ ہوگا۔ ممکن ہے تھوڑے عرصہ بعد یہ شخص بستی چھوڑ کر چلا جائے لیکن ظاہر ہے کہ وہ کسی دوسری بستی میں قیام کرے گا اور وہاں بھی اس کی یہی سرگرمیاں ہوں گی۔ اس شخص کا علاج طاقت سے کر اسے ہلاک کر دیا جائے، یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے اور وہ آئندہ دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے زندہ ہی نہ رہے۔"

"ہوں۔" ماشالا نے ایک لمبا ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن جیسا کہ تم نے خود بتایا، تم اس عرصے میں بخوبی واقف ہو کہ وہ کافی زیادہ طاقت ور ہے اور بہت سے لوگ مل کر بھی اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔ شاید مجموعی سرداری کے زمانے میں اس کا تجربہ کر کے دیکھ چکا ہے۔ پھر تمھارے خیال میں اسے ہلاک کرنے کے لیے کیا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے؟"

"اگر تم میری رائے سے اتفاق کرتے ہو اور اس بات کے لیے تیار ہو کہ اس شخص کو ہلاک کر دیا جائے تو پھر یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔" واکری کی آواز سنائی دی۔

"تم اس کی ہلاکت کے لیے کیا طریق کار اختیار کرو گے؟" ماشالا نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس بات سے تمھارا کوئی تعلق نہیں، اس کی ہلاکت کی ذمہ داری میری ہے۔ بس تم چند روز تک مجھے اس بستی میں قیام کرنے کی اجازت دے دو اور اس کے بعد سارے معاملے کو میں خود سنبھال لوں گا۔ میں کوئی نہ کوئی صورت نکال کر اس کو ضرور ہلاک کر دوں گا۔"

"میں تمھاری اس جو یز پر غور کروں گا۔" ماشالا نے جواب دیا۔ اس کے بعد وہ چند لمحوں کے لیے اٹھ کر باہر گیا اور ایک آدمی کو جگا لایا۔ اس نے اس آدمی کو ہدایات دیں کہ وہ واکری کو فلاں فلاں مکان میں لے جائے اور اس کے قیام و طعام کا بندوبست کر دے۔ وہ شخص واکری کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد جب یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ وہاں سے نکل کر کچھ دور آگے جا چکا ہے۔ ماشالا نے مجھے آواز دی۔ میں پردے کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ میں باہر نکل آیا۔ ماشالا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"تم نے اس شخص کی ساری باتیں یقیناً سن لی ہوں گی؟" ماشالا نے ہنستے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ میں سن چکا ہوں۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"اس شخص کے بارے میں میری رائے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایک دھوکے باز اور فریبی آدمی ہے اور مکاری کا پتلا ہے۔ یہ عادی طور پر شاطر کا بھی بھوا آدمی ہے۔" اور تمہارے خلاف ایک باقاعدہ سازش تیار کی جا رہی ہے۔ اس سازش کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیا جائے۔ شاطر کی اس بات سے تم بخوبی واقف ہو گے کہ جب تک تم زندہ رہو اور اس بستی میں موجود رہو اس وقت تک اس کی دال گلنی مشکل ہے۔ اس لیے وہ یہ چاہتا ہے کہ ہماری بستی پر دوسری بستی والوں کے حملے سے پہلے ہی تمہیں ٹھکانے لگا دے تاکہ اس کے بعد اس کو سخت مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ شاطر نے ہی یہاں کے حالات اس شخص کو بتائے ہیں اور وہ ایک جادوگر کا روپ دھار کر یہاں آیا ہے۔ میں اس کی تمام چالوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ تمہیں اس شخص کی بات کا اعتبار نہیں ہے اور تم اسے پرلے درجے کا جھوٹا اور شاطر کا ایک کارندہ سمجھتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "مجھے تمہاری ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے اور اس نے تمہارے خلاف جتنی بھی باتیں کہی ہیں میری نظر میں ان کی اہمیت جھوٹ کے پلندے سے زیادہ نہیں ہے۔ اب تم مجھ سے کہو۔ وہ جانا ہوں مجھے بتاؤ کہ ان حالات میں تم مجھ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"ماشالا تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے ممنون کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"اس میں ممنونیت کی کوئی بات نہیں ہے فردوس۔" ماشالا نے کہا۔ "مجھے اس بات کا سو فیصدی یقین ہے کہ تم ایک بہادر اور شریف النفس انسان ہو۔ میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا جب میری بیٹی کی عزت بچانے کے لیے تم شاطر کے آدمیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے اور صرف ایک میری ہی بیٹی نہیں بلکہ ساری بستی کی بیٹیوں کے لیے تم نے جو کچھ کیا وہ قابل تعریف ہے تمہاری غیر معمولی بہادری بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ غیر انسانی نوعیت کی بہادری واقعی ہم سب کے لیے حیرت انگیز تھی لیکن جب تم نے بعد میں مجھے اس کا اصل سبب بتا دیا تو میرا دل اب تمہاری جانب سے بالکل مطمئن ہے۔ اب میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر غور سے سنو۔" میں نے ماشالا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ایک درویش نے مجھے بعض دنیاوی قوتیں عطا کی ہیں جن کی بدولت میں ایسے بہت سے کام کر سکتا ہوں جو دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں اس بارے میں بالکل خوفزدہ نہیں ہوں۔ اب میں جس طرح سے کہتا ہوں، اسی طرح سے کرو۔ وہ تمہیں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اس کی ساری باتیں مان لو۔ وہ تمہیں بستی میں کچھ دن رہنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ تم اسے یہ اجازت دے دو۔ بلکہ پر خلوص انداز میں اس سے درخواست کرو کہ اسے رہنے کے لیے میرے ہی گھر میں جگہ فراہم کر دو۔ میرا گھر کافی بڑا ہے اور میں اور آرینہ اس کے لیے ایک چھوٹا کمرہ خالی کر سکتے ہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس بات کا یقین دلا سکو گے کہ تم واقعی مجھے ہلاک کروانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد وہ میرے ساتھ میرے گھر میں رہنے لگے گا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں اس بات کا پورا یقین دلاتا ہوں کہ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"نہیں فردوس۔" ماشالا نے فکر مندانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا خطرہ کس طرح مول لے سکتا ہوں؟ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ایسے شخص کو تمہارے مکان میں رہنے کے لیے جگہ فراہم کر دوں جس کا اصل مقصد ہی تمہیں ہلاک کرنا ہے؟ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ایسا بالکل ہو سکتا ہے اور ایسا ہی ہو گا۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ "تمہیں اس سلسلے میں قطعاً پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو میرے ساتھ میرے گھر میں رہنے دو۔ پھر میں اس کی ساری چالوں کو ناکام بنا دوں گا۔"

"بھلا کس طرح سوچ لو فردوس؟" ماشالا نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سے زیادہ شاطر کی کاٹ کا شکار ہو کر کوئی نقصان اٹھا جاؤ۔ میں ہرگز یہ نہیں کروں گا کہ تم شاطر کی کسی گندی سازش کا نشانہ بنو۔ مجھے تمہاری بہت عزیز ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ بلکہ اس ساری بستی والوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ ہم تمہیں محروم نہیں ہونا چاہتے۔"

"اطمینان رکھو۔ تم مجھے محروم نہیں ہو گے اور میں شاطر کی کسی سازش کا شکار نہیں بنوں گا۔ بلکہ اصل لطف تو اس وقت آئے گا جب شاطر کے تمام بہودہ اور نامعقول حربے میرے اوپر ناکام ہو جائیں گے۔ اس کی اور شاطر کی جھلاہٹ قابل دید ہو گی۔"

"مگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو گا۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "لیکن اس تم سے ایک بار پھر ہی کہوں گا کہ تم اتنا بڑا رسک اور پرخطر فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے بارے میں ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اسے میرے گھر میں رہنے کی اجازت دو۔ اس کے بعد سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل سے اس کو اپنا مہمان تمہارے گھر میں انتظام کروں گا؟"

"لیکن اس سے ایک بات طے کر لینا۔" میں نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ اس سے صاف صاف کہہ دینا کہ تم اسے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کی مہلت دے سکتے ہو۔ اس ہفتے کے اندر اندر وہ مجھے ہلاک کر دے ورنہ اگر وہ ایک ہفتے کی مدت کے دوران مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا تو پھر اسے بستی سے نکل جانا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ میں اس مصیبت کو ایک ہفتے سے زیادہ اپنے گھر میں موجود رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ یہ پورا ہفتہ تمہارے لیے خیریت سے گزر جائے گا۔" ماشالا نے پوچھا۔

"اس بات کا تو پورا یقین ہے کہ میرے لیے یہ پورا ہفتہ خیریت سے گزر جائے گا۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ اس کے بعد یہ ہفتہ خیریت سے گزرے گا یا نہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "تم اپنے گھر کا ایک کمرہ اس کے لیے خالی کر دالو۔ میں کل صبح ہی اسے وہاں بھجوا دوں گا۔"

اسی دن شام کو ماشالا نے مجھے بتایا کہ اس نے واکری سے بات کر لی ہے اور واکری اس بات پر بہت خوش ہے کہ اس نے اسے میرے مکان پر قیام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ واکری کے ایک ہفتہ والی شرط بھی بڑی خوشی سے منظور کر لی ہے اور اس بات کا پکا دعویٰ اور وعدہ کیا ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر مجھے ہلاک کر دے گا۔

ماشالا سے گفتگو کرتے وقت ایک اہم نکتہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظاہر ہے کہ واکری مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا لیکن آرینہ بہرحال ایک عام انسان تھی۔ ناسمجھ ہونے کی صورت میں غلط فہمی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں وہ آرینہ کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا اس لیے اب مجھے کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنی تھیں۔

گھر آ کر میں نے آرینہ کو تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں اور اسے اطمینان دلایا کہ گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں محض احتیاط کے طور پر کچھ انتظامات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ واکری کی دی ہوئی کوئی چیز ہرگز نہ کھائے نہ پیے۔ کھانا وقت کے وقت اس طرح تیار کرے کہ واکری کو اتنا موقع نہ مل سکے کہ وہ باورچی خانے میں جا کر کھانے میں کوئی چیز ملا سکے۔ نیز یہ کہ جتنی دیر تک واکری گھر کے اندر موجود رہے وہ حتی المقدور اس سے دور رہنے کی کوشش کرے۔ آرینہ نے میری ساری باتوں کو غور اور توجہ کے ساتھ سنا اور ان پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ لیکن اس نے اس بات کو قطعی پسند نہیں کیا کہ میں نے ایسے شخص کو اپنے گھر میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا ہے جو میرے ان کا پیاسا ہے اور جس کا مقصد میری جان لینا ہے لیکن میرے سمجھانے بجھانے سے وہ ساری بات سمجھ گئی اور اس نے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ اس نے یہ بھی سمجھا دیا کہ اس کے طرز عمل سے کبھی ہرگز بھی اس بات کا اظہار نہیں ہونا چاہیے کہ ہم لوگ واکری کے اس منصوبے سے واقف ہیں۔ ہمیں اسے صرف یہی تاثر دینا ہے کہ بستی کے سردار کا مہمان ہے اور سردار کے حکم پر ہم نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا ہے۔

دوسرے دن ماشالا نے مجھے اپنے گھر بلایا۔ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ واکری پہلے سے موجود تھا۔

"آؤ فردوس۔" ماشالا نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔" میں سردار کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا۔

"اس معزز شخص کا نام واکری ہے اور یہ میرا مہمان ہے۔" ماشالا نے واکری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے اس بستی میں ہمارے مہمان کی حیثیت سے ایک ہفتہ قیام کرنا ہے۔ میں یہ اعلان تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ سردار کا معزز مہمان تمہارے گھر کے ایک کمرے میں قیام کرے اور گھر والے تمہاری بیوی اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔ تمہیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"معزز سردار ماشالا کا حکم سر آنکھوں پر۔" میں نے جواب دیا۔ "بھلا اس میں اعتراض کی کیا بات ہو سکتی ہے؟ میرے لیے تو واقعی یہ اعزاز ہے کہ سردار نے ایک معزز مہمان کو میرے مکان میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا ہے۔"

واکری کے ہونٹوں پر ایک منافقانہ اور مکارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جسے میں خوب محسوس کر رہا تھا اور یقینی طور پر ماشالا بھی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اور ماشالا نے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

"میں اپنے گھر میں معزز مہمان کا خیر مقدم کروں گا۔" میں نے ماشالا اور واکری، دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔ "معزز واکری جب بھی چاہیں میرے گھر تشریف لا سکتے ہیں۔"

"اچھا تو میں تھوڑی دیر بعد واکری کو تمہارے گھر بھیج دوں گا۔" ماشالا نے کہا۔ "تم جاؤ اور اپنے گھر میں واکری کے قیام کا بندوبست کرو۔ اپنی بیوی آرینہ سے کہہ دینا کہ معزز مہمان کے آرام کا خاص طور پر خیال رکھے۔"

"تم نے فکر رہو سردار ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "معزز مہمان کو میرے گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی میں اور میری بیوی مہمان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔"

اتنا کہہ کر میں واپس گھر چلا آیا۔ اب آج کا سارا دن مجھے واکری کے ساتھ ہی گزارنا تھا اور کام کرنے کی بھی نہیں جانا تھا۔ اس بارے میں ماشالا سے پہلے ہی بات ہو چکی تھی۔

گھر آ کر میں نے آرینہ کو بتا دیا کہ تھوڑی دیر میں واکری آنے والا ہے۔ آرینہ مہمان کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد واکری ایک آدمی کی معیت میں میرے گھر آ گیا۔ میں نے بڑی خوشدلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور آرینہ کو بلا کر ان دونوں کا آپس میں تعارف کروایا۔ واکری آرینہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑی دیر تک آرینہ سے گفتگو کرتا رہا۔ آرینہ نے بھی اپنے طرز عمل سے اس پر یہ بات قطعی ظاہر نہیں ہونے دی کہ ہم اس کے گندے عزائم کا کوئی علم رکھتے ہیں۔

ہم تینوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا اور اس کے بعد پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ واکری اپنے بارے میں ہم لوگوں کو یہ بتاتا رہا کہ اصل وہ ایک سیاح ہے اور اسے نئی نئی جگہیں اور نئے نئے شہر اور بستیاں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اس نے ہماری بستی کا نام بھی سن رکھا تھا اور بہت مدت سے اس طرف آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس سے پہلے وہ بارہ پیڈوس کی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بستیوں میں رہا چکا ہے اور وہاں قیام کر چکا ہے۔ میں اور آرینہ بڑے غور اور دل چسپی کے ساتھ اس کی باتوں کو سنتے رہے۔ واکری نے درمیان گفتگو کہیں بھی اپنے "درویش" یا "جادوگر" ہونے کا اشارہ بھی ذکر نہیں کیا۔

دن گزر گیا اور رات آ گئی۔ میں نے اپنا اور واکری کا بستر ایک ہی کمرے میں لگایا تھا۔ آرینہ دوسرے کمرے میں سو رہی تھی۔ میں نے سارا دن واکری کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی تھی اور خاص طور پر کھانا کھاتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ واکری کہیں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس کے نتیجے میں بے چارہ آرینہ کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن شام تک مجھے اس بات کی طرف سے کافی اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ واکری آرینہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میری تجربہ کار اور دور بین نگاہوں نے صاف طور پر دیکھ لیا تھا کہ واکری آرینہ کو گہری پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ ممکن ہے شاہجو کے ساتھ اس کی یہی بات طے ہو کر گارو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جانے اور اس کے بعد بستی پر دوسرے لوگوں کی مدد سے شاہجو کی سرداری دوبارہ قائم ہو جانے تو وہ آرینہ کو واکری کے حوالے کر دے گا۔ بہرحال مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن میں واکری کی آنکھوں میں لکھی ہوئی تحریر کو بہت غور سے پڑھ رہا تھا۔ اب آرینہ کی جانب سے میری کشمکش کافی کم ہو گئی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ واکری کے پاس چونکہ وقت کم ہے اور اسے ماشالا کی جانب سے مجھے ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک ہفتے کی مہلت دی گئی ہے اس لیے وہ وقت بالکل ضائع نہیں کرے گا اور ممکن ہے آج رات ہی وہ کوئی کارروائی کرے۔ اور میرا خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔

رات ہو جانے کے بعد ہم دونوں لیٹ گئے اور واکری تھوڑی ہی دیر بعد زور زور سے خراٹے لینے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فی الحقیقت سو نہیں رہا ہے اور محض یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ سو چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بھی اسی کی طرح خراٹے لینے شروع کر دیے تاکہ وہ یہ سمجھے کہ میں سو چکا ہوں۔ کافی دیر گزر گئی اور اس کے بعد اچانک میں نے محسوس کیا کہ واکری کے خراٹے بند ہو گئے ہیں۔ میں حسب معمول خراٹے لیتا رہا۔ واکری کی طرف سے اب بالکل خاموشی تھی۔

اس کے ذرا دیر بعد میں نے ایسی آوازیں سنیں گویا واکری اپنے پلنگ پر سے آہستہ آہستہ اتر رہا ہو۔ کمرے میں مدھم روشنی کی ایک شمع جل رہی تھی میں نے چپکے سے اپنی آدھی آنکھیں کھول کر دیکھا تو واکری آہستہ آہستہ اپنے بستر سے نیچے اتر رہا تھا۔ میں نیم وا آنکھوں سے اس کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتا رہا۔

پلنگ سے نیچے اترنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے سامان کی گٹھڑی کے پاس آیا۔ اس کے پاس سامان کی ایک وہی گٹھڑی تھی جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس دوران میرے مصنوعی خراٹے برابر جاری تھے۔

واکری نے اپنے سامان کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ پھر اس نے اس ڈبے کو کھولا۔ ڈبے میں سے اس نے لمبی سی سوئی جیسی چیز نکالی اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے اسی ڈبے میں سے ایک پتلی سی شیشی نکالی۔ شیشی میں نے زمین پر رکھ دی اور اس کا ڈھکن کھول دیا۔ پھر اس نے گٹھڑی میں سے ایک کپڑا نکالا اور سوئی کے کھلے حصے پر کپڑا لپیٹ کر اس سوئی کو اس طرح اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا کہ اس کی نوک کپڑے پر رکھی رہے۔ گویا سوئی کا دستہ اس کے ہاتھ سے مس نہیں ہو رہا تھا جس پر کپڑا لپٹا ہوا نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے سوئی کے اس کھلے ہوئے حصے کو اس شیشی میں ڈبو دیا اور کافی دیر تک ڈبوئے رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے سوئی کو باہر نکال لیا اور اسی طرح دبے قدموں چلتا ہوا میرے بستر کی طرف بڑھا۔ میں نے فوراً اپنی آنکھیں پورے طور پر بند کر لیں۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اپنی گردن پر اس کے ہاتھ کا دباؤ سا محسوس کیا اور اس نے میرے نرخرے کو آہستگی سے ٹٹولا۔ اس نے فوراً ہی بعد میں نے اپنے نرخرے پر سوئی کا چبھتا ہوا لمس محسوس کیا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے جسم کو اس طرح حرکت دی گویا مجھے سوتے میں کسی تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔ نیز سوئی کی چبھن کا یہ لمس چند لمحوں سے زیادہ کا نہیں تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے مع سوئی کے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ واپس اپنی گٹھڑی کی طرف جا رہا تھا۔

واکری اپنی گٹھڑی کے پاس پہنچ کر دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے وہ سوئی بڑی احتیاط کے ساتھ دوبارہ اس ڈبے میں رکھ دی۔ شیشی کا ڈھکن بند کیا اور شیشی کو بھی ڈبے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے ڈبے کو گٹھڑی میں رکھا اور گٹھڑی کو پہلے کی طرح باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ قدموں سے چلتا ہوا ایک بار پھر میری طرف بڑھا۔ میں نے بھی جلدی سے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ واکری کچھ دیر تک میرے بستر کے پاس کھڑا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ ٹٹولنے کی کوشش کی۔ میں نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ میرا ہاتھ چھو نہ سکا۔ وہ یقیناً میری نبض دیکھنا چاہتا ہوگا۔ لیکن اسے جب اس کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ذرا دیر بعد میں نے دوبارہ نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت تک وہ میرے پاس سے جا چکا تھا اور اپنے بستر پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

واکری کا پورا کھیل اب میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ اس نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے ایک مخصوص زہر اور بالکل طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ زہر نہایت تیزی سے اثر کرنے والا زہر ہے کرتا تھا۔ اس نے ایک سوئی کو زہر میں ڈبو کر وہ سوئی میرے جسم میں چبھو دی اور اس طرح زہر کو میرے جسم کے اندر داخل کر دیا۔ یقیناً یہ اتنا زیادہ سریع الاثر زہر ہرگز تھا کہ اتنی انتہائی خفیف سی مقدار بھی انسان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس نے محض زہر میں ڈوبی ہوئی سوئی میری گردن میں چبھونے پر ہی

اکتفا کیا تھا اور اب اسے یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں گا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوش اور مطمئن ہو رہا ہوگا کہ پہلی ہی رات اسے کامیابی حاصل ہو گئی اور اتنی لمبی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی۔ ادھر میں تھا کہ دل ہی دل میں اس کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔

ذرا دیر بعد مجھے واکری کی سانسوں کی بھاری آواز سنائی دینے لگی جو اس کے مصنوعی خراٹوں کی آواز سے بالکل مختلف تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ واقعی سو چکا ہے۔ اس کے دل کو پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور سوئی میں لگا ہوا خوفناک زہر میرے جسم کے اندر سرایت کر چکا ہے۔

وہ ساری رات میں نے اطمینان سے جاگ کر گزاری۔ ظاہر ہے بیرے سونے یا جاگنے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ واکری بقیہ تمام رات خوب مزے سے سوتا رہا۔

اور صبح کا ایک دل چسپ، حیرت انگیز اور نہایت مایوس کن منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

علی الصباح واکری اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بستر پر بیٹھا جمائیاں لیتا رہا اور جب بخوبی اس نے اندازہ کر لیا کہ میں مر چکا ہوں تو اس نے میری طرف دیکھا اس نے جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس طرح ظاہر کیا گویا میں گہری نیند میں ہوں۔

پھر میں نے اس کے بستر سے نیچے اترنے کی آہٹ سنی اور چند لمحوں کے بعد اپنے ماتھے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ میں دم سادھے خاموش پڑا رہا۔ واکری دیر تک میرے ماتھے پر ہاتھ رکھے رہا۔ میں اس کے دل کی بھلا کیا بھی سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ مجھے ہاتھ لگائے گا تو مجھ سے برجستہ زندگی کی حرارت اور گرمی سے خالی محسوس ہوگا اور اس کے بعد وہ خوشی خوشی ماشالا کو جا کر اس بات کی اطلاع دے گا کہ کام پورا ہو چکا ہے۔ یہ پورا یقین تھا کہ اس سریع الاثر زہر نے میری گردن کے پٹھے تک پہنچ کر مجھے ختم کر دیا ہوگا اور اب بستر پر محض میری اکڑی ہوئی لاش ہی ہوگی۔ لیکن اس وقت وہ جس کیفیت سے دوچار تھا اس کا اندازہ اس کے دل ہی دل میں اس کی ناکامی پر ہنس رہا تھا۔

چند لمحوں تک میرے ماتھے پر ہاتھ رکھے رہنے کے بعد اس نے وہاں سے ہٹا لیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ دوبارہ میرے دل کے اوپر رکھ دیا۔ میرا دل حسب معمول ایک زندہ انسان کے دل کی طرح دھڑک رہا تھا۔ چند لمحوں تک واکری وہاں ہاتھ رکھے رہا۔ پھر اس نے وہاں سے ہاتھ ہٹا لیا اور آہستہ سے میری نبض ٹٹولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ چھوڑ دیا اور میں نے اس کے واپس جانے کی آہٹ سنی۔ وہ دوبارہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔

ذرا دیر بعد میں نے آنکھیں کھول دیں اور ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے مسکرا کر واکری کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں عجب و استعجاب تھا، جس میں حیرت بھی شامل تھی، غصہ بھی، نفرت بھی اور کافی کا درد بھی۔

"رات کیسی گزری معزز واکری؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھی فرومی۔" واکری نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "مجھے خوب گہری نیند آئی اور میں رات بھر اطمینان سے سوتا رہا۔"

"مجھے یہ بات سن کر خوشی ہوئی کہ معزز مہمان کو میرے گھر میں آرام حاصل ہوا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری بستی کا موسم بہت اچھا ہے اور یہاں کی ہوائیں بہت خوشگوار ہوتی ہیں۔" واکری نے کہا۔ "کل کی رات بھی بہت خوشگوار تھی اور مجھے بڑے سکون و اطمینان کی نیند آئی۔ تمہاری رات کیسی گزری ہے؟" اس نے ذرا دیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی گزری۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو ایسا پرسکون سویا کہ پھر مجھے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا۔ ساری رات بالکل بے خبری کے عالم میں سوتا رہا۔"

میں نے دیکھا کہ واکری کے چہرے پر اطمینان کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے اس امر کا یقین حاصل کر لیا تھا کہ مجھے اس کی رات والی حرکت کا کوئی علم نہیں ہے۔

اس کے بعد واکری نے ہاتھ منہ دھویا۔ اس اثنا میں آرینہ ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ ہم تینوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ آج مجھے اپنے کام پر جانا تھا اس لیے میں نے واکری سے کہہ دیا کہ آج میں سارا دن اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا اور دوپہر کے کھانے کے وقت واپس آؤں گا اور کھانا کھانے کے بعد دوبارہ کام پر واپس چلا جاؤں گا۔ پھر اس کے بعد شام کو ہی اس سے ملاقات ہوگی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ ہی باہر نکلوں گا۔" واکری نے کہا۔ "اب میں تنہا تمہارے گھر میں رہ کر کیا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بیوی گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جائے گی۔ میں ذرا ماشالا سے اور بستی کے دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کروں گا اور دوپہر کو کھانے کے وقت یہاں واپس چلا آؤں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں اور واکری ساتھ ساتھ باہر نکل گئے۔ مجھے آج اپنے کھیت کی طرف جانا تھا اور وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔ گھر سے باہر نکلنے کے بعد تھوڑی دور جا کر میرے اور واکری کے راستے الگ الگ ہو گئے۔

دوپہر کے کھانے پر جب میں گھر واپس آیا تو اس کی تھوڑی ہی دیر بعد واکری بھی واپس آ گیا۔ آرینہ نے مجھے بتایا کہ میرے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک وہاں نہیں آیا تھا۔ ہم تینوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس دوران میں نے واکری کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی۔ کیونکہ مجھے آرینہ کی فکر لاحق تھی۔ گو کہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ واکری آرینہ کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کا اصل ہدف تو میں ہوں۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ پھر ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔ شام کو کام ختم کرنے کے بعد میں گھر جانے سے پہلے ذرا دیر کے لیے ماشالا کی طرف گیا، کیونکہ مجھے اس کا پیغام ملا تھا کہ میں اس سے ملنے کے بعد اپنے گھر جاؤں۔

ماشالا میرا منتظر بیٹھا تھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ واکری نے آج دن کا بیشتر وقت شاہجو کے ساتھ گزارا ہے۔" ماشالا نے مجھ سے کہا۔

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے پہلے ہی یقین تھا، وہ گزشتہ رات کے واقعے کی اطلاع دینے کے لیے فوری طور پر شاہجو سے رابطہ پیدا کرے گا اور اسے سب کچھ بتلائے گا۔"

"گزشتہ رات کا واقعہ؟" ماشالا نے چونک کر پوچھا۔ "کیا واقعہ پیش آیا تھا گزشتہ رات کوئی اہم واقعہ پیش آیا تھا؟"

"اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اچھا؟" ماشالا نے حیرت سے کہا۔ "لیکن اس وقت تمہارا یہاں زندہ موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس خبیث کو اپنی کوشش میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجھے تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ اس نے کیا کیا تھا؟"

میں نے ماشالا کو گزشتہ رات پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتادی۔ ماشالا کے چہرے پر غصے کے ساتھ حیرت کے آثار بھی تھے۔

"اس کے قاتل زہر کا تمہارے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا؟" ماشالا نے حیرت سے مجھ سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ اس کا اثر ہوتا تو میں تمہارے سامنے زندہ سلامت موجود نہ ہوتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو کیا تمہارے اوپر زہر بھی اثر نہیں کرتا؟" ماشالا نے حیرت سے کہا۔

"میں یہ بات تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں ماشالا کہ میرے اوپر ایک درویش کا سایہ ہے۔ مجھے واکری جیسے احمق اور شاہجو جیسے سازشی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، جب تک اس درویش کا سایہ میرے اوپر موجود ہے، مجھے اس قسم کے لوگوں سے ہرگز اندیشہ یا خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تم واقعی ایک حیرت انگیز انسان ہو۔" ماشالا نے کہا۔ "ہماری بستی کے لیے تمہارا وجود ایک نعمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں دل سے یہ چاہوں گا کہ تم ہماری بستی میں ہمیشہ قیام کرو اور کبھی یہاں سے نہ جاؤ۔ اگر تم نے کبھی یہاں سے جانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تو میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کروں گا۔"

"فی الحال تو میرا یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ ابھی تو ذرا مجھے دیکھنا ہے کہ واکری اب کیا کرتی ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ میرے پاس بھی آئے گا۔" ماشالا نے کہا۔ "اور ممکن ہے کہ اپنی کارکردگی کے بارے میں بھی مجھے بتائے گا۔ اس نے بہت نہایت سریع الاثر زہر کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کوشش ناکام ہوگئی اور اس طرح وہ اپنی اس بات کو مزید تقویت پہنچانے کی کوشش کرے گا کہ تم ایک خطرناک جادوگر ہو اور کافی قوتیں حاصل کر چکے ہو۔ وہ جو کچھ کہے گا، میں اس کی ہاں میں ہاں ملاؤں گا۔ لیکن کسی بھی حالت میں ایک ہفتے سے زیادہ بستی میں قیام کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس کے قیام کا ایک دن بیت چکا ہے اور اس کے پاس اب صرف چھ دن باقی رہ گئے ہیں۔"

"مجھے اس بات سے بالکل اتفاق ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم اسے زیادہ دنوں تک یہ تماشہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ واکری میرے گھر پہنچنے کے بہت دیر بعد واپس آیا۔

میں تمہاری بستی کے سردار ماشالا کے پاس گیا تھا۔" اس نے فخریہ کہا۔ "اس کے ساتھ باتوں میں دیر ہوگئی۔ تم دونوں یقیناً میرا انتظار کرتے ہوگے۔"

"ہاں معزز واکری۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اور کرینہ بڑی بے چینی سے کھانے پر تمہارے منتظر ہیں۔"

"میں تم دونوں سے اس دعوت کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" واکری نے شائستگی سے کہا۔ "اور اس کے بعد ہم تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ میں نے حسب معمول واکری کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی لیکن کوئی خاص بات پیش نہیں آئی۔

اس کے بعد ہم لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ گزشتہ رات کی طرح اس رات بھی میں جاگتا رہا۔ لیکن اس طرح خراٹے لیتا رہا، جیسے گہری نیند سو چکا ہوں۔

کافی رات گزر جانے کے بعد واکری نے پھر کل والی حرکت کی۔ بستر سے اس کے اٹھنے کی آہٹ پیدا ہوئی اور میں نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ بستر سے اتر کر پہلے اپنی اس گٹھڑی کے پاس گیا، اس نے گٹھڑی کو کھولا اور اس میں سے وہی کل والا ڈبہ نکال کر اس میں سے زہر کی ڈبیا باہر نکال لی۔ پھر اس نے کپڑے کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کی بتی سی بنائی۔ بتی کافی لمبی تھی۔ اس نے بتی کے ایک سرے کو شیشی کے اندر ڈبو دیا۔ دیر تک اس نے اسے اسی طرح ڈبوئے رہنے دیا، پھر باہر نکال لیا۔ اب وہ دبے قدموں میرے بستر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

پھر میں نے بھیگے ہوئے کپڑے کے لمس کو اپنے ہونٹوں پر محسوس کیا۔ واکری آہستہ آہستہ اس بتی کو میرے ہونٹوں پر رگڑ رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر تھوڑا سا اپنا منہ کھول دیا اور واکری نے فوراً ہی بتی میرے منہ میں داخل کر دی اور اسے ادھر ادھر گھمانے لگا۔

وہ بتی کو میرے منہ کے اندر گردش دیتا رہا۔ ایک بے حد کڑوا کسیلا ذائقہ میرے منہ میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد واکری نے بتی کو میرے منہ سے نکال لیا۔

گویا آج اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ اور شاہجو دونوں گزشتہ رات کے واقعے پر گفتگو کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ شاید سوئی کے ذریعے زہر میرے جسم میں ٹھیک طرح سے سرایت نہیں کر سکا۔ اسی لیے انھوں نے طے کیا ہوگا کہ اب براہ راست میرے ہونٹوں پر زہر مل دیا جائے تاکہ وہ زبان کے راستے میرے جسم کے اندر اتر جائے۔ اور اسی لیے واکری نے میرے ہونٹوں پر، ہر میں بھیگی ہوئی کپڑے کی بتی کی اچھی طرح مالش کی تھی۔ اور پھر اس نے اس بات کو بھی خوش قسمتی پر ہی محمول کیا ہوگا کہ میں نے عین وقت پر اپنا منہ بھی کھول دیا تھا۔ اس بات کا موقع مل گیا تھا کہ وہ زہر میں ڈوبی ہوئی بتی کو براہ راست میرے منہ کے اندر داخل کر سکے۔

اپنی اس کارروائی سے مطمئن ہو جانے کے بعد واکری پرسکون ہو گیا اور ذرا دیر میں اس کی سانسیں بھاری ہوگئیں۔ واکری کے سو جانے کے بعد میں نے بھی اب جاگنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور جلد ہی میں بھی سو گیا۔ لیکن صبح کو واکری کے بیدار ہونے سے پہلے ہی بیدار ہو گیا۔ میں نے آنکھیں نہیں کھولیں اور خاموشی کے ساتھ لیٹا رہا۔

کچھ دیر بعد واکری اٹھ بیٹھا۔ میں نے اس کے بستر پر آہٹ سنی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب گزشتہ روز کی طرح ایک بار پھر "میرا" طبی معائنہ ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ واکری نے وہ سارے مہم کیے جو وہ کل کر چکا تھا اور اس کے بعد میں نے اس کے زور سے سانس لینے اور دھیرے سے اپنے بستر پر بیٹھ جانے کی آواز سنی۔ اس بار تو اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہوگا کیونکہ وہ زہر کو میرے منہ کے اندر داخل کر چکا تھا لیکن میں تازہ دم ہو کر بظاہر اس کے حواس معطل کر دیے ہوں گے۔

آخر تھوڑی دیر بعد میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے واکری کو اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

"تم مجھ سے پہلے ہی بیدار ہو جاتے ہو معزز واکری۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" واکری نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ آج اس کے چہرے پر کوئی شناسا فخریہ مسکراہٹ بھی موجود نہیں تھی۔ "میں جلدی سو جانے اور جلدی بیدار ہو جانے کا عادی ہوں۔" میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے پناہ نفرت کو صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔

آج کی صبح تو کل سے بھی زیادہ خوشگوار محسوس ہو رہی ہے۔" میں واکری کو جلانے کے لیے مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہوا میں آہستہ آہستہ خنکی بڑھ رہی ہے۔ فضا کی تازگی اور فرحت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہوا کے موسم میں کتنی نرمی ہے؟"

"ہاں، موسم واقعی خوشگوار ہے۔" واکری نے سخت بیزار لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آواز اس کی دلی کیفیت کی آئینہ دار تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے پکڑ کر میرا گلا گھونٹ دے۔ میں دل ہی دل میں اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ واکری مجھے کن انکھیوں سے بار بار دیکھ رہا ہے اور میرے جسم کا جائزہ لے رہا ہے۔ شاید وہ میرے جسم پر زہر کا اثر تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن میرا جسم تو قسم میں ڈوبے ہوئے گلاب کی طرح تر و تازہ تھا۔ اس پر زہر کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھے۔ واکری بہت مایوس نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے سے مایوسی اور ناکامی کی جھلاہٹ عیاں تھی۔

تھوڑی دیر بعد آرینہ نے آکر اطلاع دی کہ ناشتہ تیار ہے اور ہم تینوں نے ناشتہ کیا۔ ناشتہ بالکل خاموشی کے ساتھ ہوا۔ واکری کسی گہری سوچ میں نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر فکر کی گہری لکیریں نظر آ رہی تھیں۔

"اچھا معزز واکری۔" میں نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کہا۔ "میں اب تم سے اجازت چاہوں گا کیونکہ مجھے اپنے کام پر جانا ہے۔ کل کی طرح آج بھی میں دوپہر میں گھر آجاؤں گا تاکہ ہم کھانا اکٹھے کھا سکیں۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا اور پھر تم سے شام کو ہی ملاقات ہوگی۔"

"میں بھی ابھی گھر سے نکل رہا ہوں۔" واکری نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور دوپہر کو میں تمہارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہو سکوں گا۔ مجھے کچھ ضروری کام سرانجام دینے ہیں اور کچھ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کرنی ہیں۔ میں دوپہر کا کھانا بھی باہر ہی کسی اور کے گھر کھاؤں گا۔ میرا انتظار مت کرنا۔"

"لیکن معزز واکری، تم میرے مہمان ہو۔" میں نے اسے اور زیادہ جلاتے ہوئے کہا۔ "یہ بات مناسب نہ ہوگی کہ میرے گھر کے ہوتے ہوئے تم کھانا کسی اور کے گھر میں کھاؤ۔ میری قسم سے گزارش ہے کہ کھانا کھانے کے لیے تم دوپہر کو یہاں ضرور آجانا۔ اس کے بعد پھر تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور لوگوں سے ملتے جلتے رہنا۔"

"اس عزت افزائی کا شکریہ۔" واکری نے اسی خشک لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں معافی چاہتا ہوں۔ آج کا دن میں باہر ہی گزارنا پسند کروں گا اور تم سے درخواست کروں گا کہ مجھے مجبور نہ کرو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے جواب دیا۔ "بہرحال رات کو تو تم ضرور آؤ گے نا؟"

"ہاں، رات کو میں آؤں گا اور رات کا کھانا یہیں کھاؤں گا۔" واکری نے جواب دیا اور میرا انتظار کیے بغیر گھر سے نکل گیا۔

"آج کیا بات ہوگئی ہے یہ بڑا بدلا ہوا سا نظر آ رہا ہے۔" واکری کے جانے کے بعد آرینہ نے مجھ سے پوچھا۔

گزشتہ روز مجھے آرینہ سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب واکری کے جانے کے بعد میں نے اطمینان سے اسے گزشتہ دنوں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

راتوں میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتادی۔ وہ یہ ساری تفصیل سن کر حیران رہ گئی۔

"اس نے زہر تمہارے جسم کے اندر داخل کر دیا اور تم بچ گئے؟ تمہارے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؟" اس نے نہایت حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "میں پہلے تمہیں تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں کہ مجھے ایک درویش کی عنایات حاصل ہیں اور جب تک اس کی عنایات کا سایہ میرے اوپر برقرار ہے، مجھے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

آرینہ میرے جواب سے مطمئن ہو گئی۔ اس کے بعد میں اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت میں نے آرینہ سے کہہ دیا کہ وہ دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے خود ہی کھیت پر آ جائے۔

شام کو میں کام سے واپسی پر گھر آنے سے پہلے گزشتہ روز کی طرح ماشالا کے پاس گیا اور اسے گزشتہ رات کی پوری روداد سنا دی۔ ماشالا نے بتایا کہ پہلی رات کی روداد داکری اسے سنا چکا ہے، اور اس نے اس شعبدے کا اظہار کیا تھا۔ شاید زہر میرے جسم میں ٹھیک سے سرایت نہیں کر سکا جس کی وجہ سے وہ مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا تھا کہ میرے نصیب میں اس کی توقع سے کہیں زیادہ قوتِ مدافعت موجود ہے۔ تاہم اس نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ اگلی رات وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیابی حاصل کرے گا۔ ماشالا نے مجھے بتایا کہ آج داکری سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ لیکن وہ اس کے پاس آئے گا ضرور، کیونکہ وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔ میں ذرا دیر تک ماشالا کے پاس بیٹھنے کے بعد واپس اپنے گھر چلا آیا۔

جب میں گھر پہنچا تو اس وقت تک داکری واپس نہیں آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ ماشالا سے ملاقات کرنے کے بعد ہی واپس آئے گا۔ چنانچہ کافی دیر گئے داکری واپس آیا۔ نہ جانے وہ سارا دن کیا کرتا رہا تھا۔ شاید جو سے تو وہ ضرور ملا ہو گا اور وہ دونوں مل کر نہ جانے کیا کیا منصوبے بناتے رہے ہوں گے۔ مجھے تو اب اس کے اگلے اقدام کا انتظار تھا۔

"آج بھی مجھے واپس میں کافی دیر ہو گئی۔" اس نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل اس وقت بھی میں سردار ماشالا کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب تک میں اس بستی میں مقیم ہوں، سردار کے سامنے حاضری دینی تو ضروری ہے۔ میں نے اس سے تمہاری مہمان نوازی کی بڑی تعریف کی ہے۔ تم دونوں میاں بیوی نے مجھے واقعی گھر کا سا آرام پہنچایا ہے۔" اس کے لہجے سے منافقت صاف عیاں تھی۔

"نہیں معزز داکری!" میرے بولنے سے پہلے آرینہ بول پڑی۔ "ہم نے تو تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ سچ پوچھو تو تم صرف رات کو سونے کے لیے ہمارے گھر آتے ہو۔ کل کو بھی سارا دن تم نے باہر گزارا اور تم دوپہر کے کھانے پر بھی نہیں آئے۔"

"ہاں، آج مجھے کچھ لوگوں سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے دوپہر کا کھانا ایک دوسری جگہ کھا لیا۔" داکری نے پُرشوق نگاہوں سے آرینہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا بہت لذیذ اور مزے دار ہوتا ہے۔"

"اس عنایت کا شکریہ۔" آرینہ نے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد وہ کھانا لینے چلی گئی۔ ہم تینوں نے گزشتہ شب کی طرح ایک ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد آرینہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں اور داکری اس کمرے میں چلے آئے جس میں ہم گزشتہ راتوں سے سوتے رہے تھے۔

"تمہارے گھر میں میرے قیام کے پانچ دن اور باقی ہیں۔" داکری نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"کیوں معزز داکری؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"بھلا پانچ دن کی بات تم کیوں کر رہے ہو؟ یہی تمہارا گھر ہے۔ تم جب تک چاہو اطمینان کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو۔ تمہارے رہنے سے مجھے اور میری بیوی کو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ تم جیسے مہمان کا ہمارے گھر رہنا ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے۔"

"نہیں میرے دوست داؤس!" داکری نے ایک لمبی سی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "وہ بڑی علاوہ داکاری کرتا ہے۔ میں اب پانچ دن سے زیادہ تمہارے گھر میں قیام نہیں کر سکتا۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اس فیصلے سے تمہاری بستی کے سردار ماشالا کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ پانچ دن کے بعد میں یہاں سے رختِ سفر باندھنے والا ہوں۔ میں تو بستی چھوڑ کر پھرنے والا ایک آوارہ گرد مسافر ہوں۔ بھلا ایک جگہ زیادہ دنوں تک کس طرح رہ سکتا ہوں؟ بس اب پانچ روز کے بعد یہاں سے کسی اور بستی کا رخ اختیار کروں گا۔"

"مجھے تمہاری جدائی کا افسوس ہو گا معزز داکری!" میں نے اپنے چہرے پر تاسف کے آثار پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میری قلبی خواہش تھی کہ تم طویل عرصے تک میری بستی میں قیام کرتے۔"

اس کے بعد داکری بہت دیر تک مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی کوشش یہ ہے کہ مجھ سے سب کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ میرے بارے میں جو کچھ جانتا تھا، وہ اسے پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہو گا۔ اب داکری اپنے طور پر میرے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اور میری بیوی اس بستی میں نے سے پہلے کون سی بستی میں رہتے تھے؟ ہم نے وہ بستی کیوں چھوڑی

کیا حالات تھے جن کے سبب ہم اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایک دوسری بستی میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔ میں اسے مطمئن کرنے کے لیے اس کے سوالات کے مناسب جوابات دیتا گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ اصل میں ہم لوگ ایک بہت ہی دُور دراز بستی کے رہنے والے ہیں۔ آرینہ کے بعض رشتے داروں نے میری اور آرینہ کی شادی کو ناپسند کیا تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھے۔ اس وجہ سے ہم دونوں اپنے اصل وطن کو خیرباد کہہ کر مہینوں اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد خوش قسمتی سے اس بستی میں آ کر آباد ہو گئے۔

داکری یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ آیا مجھے جادو سے بھی کوئی دلچسپی ہے یا نہیں۔ میں نے بتایا کہ کیا میں کسی خاص دیوتا کی پوجا کرتا ہوں یا کسی خصوصی جادو سے واقف ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے نہ تو جادو آتا ہے اور نہ ہی میں کسی خصوصی جاپ سے واقف ہوں اور نہ کسی خاص دیوتا کی پوجا کرتا ہوں۔

اس کے بعد داکری مجھ سے یہ پوچھتا رہا کہ میں عام طور سے کیا کیا چیزیں استعمال کرتا ہوں اور یہ کہ آیا میری غذا میں کوئی خاص چیز شامل ہے۔ میں اس کے تمام تر سوالات کا مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن بظاہر بڑی معصومیت کے ساتھ اس کے سوالوں کے جوابات دے رہا تھا۔ میں نے اسے اس بات کا بالکل اندازہ نہیں ہونے دیا کہ میں اس کے سوالات کرنے کے اصل مقصد سے پوری طرح واقف ہوں۔ وہ مجھ سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے تک کریدید کر مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ لیکن میرے تمام تر جوابات سے وہ میرے بارے میں کوئی بھی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ دراصل وہ یہ جاننے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ میری طاقتوں کا اصل ماخذ کیا ہے اور اس کے سارے سوالات محض اسی ایک مقصد کے تحت تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بھلا میں اسے اس بارے میں کیا بتا سکتا تھا؟

کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد بالآخر داکری خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی سانسوں کی بھاری آواز کمرے میں سنائی دینے لگی۔ وہ بہانہ نہیں کر رہا تھا، بلکہ واقعی سو چکا تھا۔ گویا اس کا مطلب آج رات اس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

اور واقعی اس رات کچھ نہیں ہوا۔ میں تقریباً ساری رات جاگ کر داکری کی طرف سے کی جانے والی کسی نئی کارروائی کا منتظر رہا، لیکن ساری رات سوتا رہا اور اس نے کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ اس نے اور شاہجو نے مل کر مجھے ہلاک کرنے کی جو ترکیب سوچی تھی، جس پر ہر حال آج رات عمل نہیں کیا جا سکا تھا۔ ساری رات کسی خاص واقعے کے بغیر گزر گئی۔ صبح کو جب داکری گزشتہ روز کی طرح بیزار اور چڑچڑا نہیں تھا، بلکہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ شاہجو کی مدد سے کوئی دوسرا تیا اور زیادہ خطرناک منصوبہ بنا چکا ہے۔

ناشتہ کرنے کے بعد داکری یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا کہ دوپہر کے کھانے پر آج بھی اس کا انتظار نہ کیا جائے۔ وہ اب رات کے وقت ہی واپس آئے گا۔ چنانچہ میں نے آرینہ سے کہا کہ وہ دوپہر کا کھانا لے کر کھیت پر ہی آ جائے۔ اس کے بعد میں کام پر روانہ ہو گیا۔ داکری مجھ سے پہلے جا چکا تھا۔

میں سیدھا کھیت پر پہنچا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور کھانے کا وقت ہو گیا۔ مجھے آرینہ کی آمد کا انتظار تھا۔ میں نے کام بند نہیں کیا، بلکہ یہی سوچ کر کام کرتا رہا کہ جب آرینہ آئے گی تو اس وقت کام بند کر دوں گا اور پھر ہم دونوں مل کر کھانا کھائیں گے۔

لیکن دوپہر ڈھل گئی اور آرینہ نہیں آئی۔ شروع شروع میں تو میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید اسے کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہو یا وہ گھر کے کام کاج میں کچھ زیادہ مصروف ہو گئی ہو لیکن دوپہر سے سہ پہر ہو گئی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف بڑھنے لگا تو میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے کام بند کر دیا اور سیدھا اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ مارا تو دروازہ کھل گیا۔ میں سیدھا اندر داخل ہو گیا۔

جب میں پہلے کمرے میں گھسا تو میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس میں میں اور داکری سوتے تھے۔ داکری بڑے اطمینان سے اپنے بستر کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ مجھے اندر آتا دیکھ کر وہ بڑے اطمینان اور آسودگی کے ساتھ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں گہری طمانیت کے ساتھ ساتھ طنز بھی پوشیدہ تھا۔

"تم یہ؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم رات کو آؤ گے؟"

"تو کیا ہوا؟" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارا مہمان ہوں اور کسی وقت بھی تمہارے گھر آ سکتا ہوں۔ تم نے مجھے خود اس کی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "لیکن آرینہ کہاں ہے؟ وہ دوپہر کا کھانا لے کر کھیت پر نہیں آئی۔ کیا وہ اندر ہے؟"

"نہیں۔" داکری نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ اندر نہیں ہے۔"

"پھر وہ کہاں ہے؟" میں نے بھی سخت لہجے میں کہا۔ لیکن میرے لہجے کی سختی کا داکری پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح اطمینان سے بیٹھا رہا۔ البتہ مجھے گھورتا رہا۔

"میں پوچھتا ہوں آرینہ کہاں ہے؟" میں نے چلا کر کہا اور جارحانہ انداز میں داکری کی طرف بڑھا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

میں پہلے سے تمہیں نہیں بتا سکتا کہ ہمیں کہاں جانا ہے اور وہاں "اس بات پر خاص طور پر خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ راستے میں ملنے والے لوگوں سے تم اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرو گے۔ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو جواب میں تم صرف اتنا کہو گے کہ تم اپنے مہمان کے ساتھ کسی کام سے جا رہے ہو۔ اگر تم نے کسی بھی شخص کو اشارتاً بھی اس بات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ تم غیر معمولی صورتحال سے دوچار ہو تو یہ بات تمہارے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آرینہ کے حق میں بہتر نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ تم میری باتیں اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے اور ان پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہو گے۔"

"میں تمہاری باتیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور ان پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "چلو یہاں سے زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو۔" واکری نے کہا۔ اور میں اور وہ دونوں مکان سے باہر نکل آئے۔

میں اور واکری ساتھ ساتھ بستی کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ہمیں کئی لوگ ملے۔ ان میں سے ہر ایک نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں، لیکن میں اور واکری کی مخالفانہ روش کی وجہ سے کسی نے بھی ہم سے کوئی بات نہیں کی۔

ہم دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ بستی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد جنگل شروع ہو گیا۔ میں اور واکری جنگل میں داخل ہو گئے۔ سارے راستے خاموشی طاری رہی اور ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی۔

واکری مجھے ساتھ لیے ہوئے جس سمت میں بڑھ رہا تھا وہ کافی آگے جا کر ایک چھوٹی سی شکستہ عمارت تھی۔ یہ عمارت بت پرست سردار نے جنگل میں شکار کے دوران اپنی قیام گاہ کے طور پر بنوائی تھی، لیکن ایک مدت سے یہ خالی اور ویران پڑی رہتی تھی اور اس میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ ادھر کوئی آتا بھی نہیں تھا، کیونکہ یہ جنگل کے کافی فاصلے پر بنی ہوئی عمارت تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ واکری نے کر اسی شکستہ حال عمارت کی طرف جا رہا ہے اور ان لوگوں سے آرینہ کو اغوا کر کے اسی عمارت میں رکھا ہے۔

میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ واکری مجھے ساتھ لیے ہوئے اسی عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم لوگ بالآخر اس شکستہ عمارت کے قریب پہنچ گئے۔

"تم یہاں ٹھہرو جاؤ۔" واکری نے عمارت کے دروازے پر کہا۔ "اور ایک بار پھر یہ بات اچھی طرح سمجھ لو اور سمجھ لو کہ آرینہ کی

جان تمہارے رویے پر ہے۔ تمہاری ذرا سی غلطی یا حماقت آرینہ کو موت کی نیند سلا سکتی ہے۔ تم میری بات سن رہے ہو نا؟ تمہیں میری ہدایات پر پورے جوش و جذبے سے عمل کرنا ہے۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا۔" میں نے زچ سے کہا۔ "میری طرف سے بے فکر رہو، جیسا کہو ویسا ہی کروں گا۔ مجھے آرینہ کی زندگی ہر حال عزیز ہے۔"

"اچھا تو یہیں رکے رہو اور اس وقت تک عمارت کے اندر نہ داخل ہونا جب تک کہ تم سے ایسا کرنے کے لیے کہا نہ جائے۔" واکری نے کہا اور پھر اپنے حلق سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی۔

اس آواز کے جواب میں چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد اندر عمارت کے کسی گوشے سے آتی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔ "اندر آ جاؤ۔" مجھے اس آواز کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ یہ شاموکو کی آواز تھی۔

مجھے وہیں کھڑا رہنے کی دوبارہ ہدایت دے کر واکری شکستہ حال عمارت کے دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ میں اطمینان سے وہیں کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد واکری واپس آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ "اب تم اندر آ سکتے ہو۔ تمہارے اصل امتحان کا وقت آ پہنچا ہے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی کے ساتھ شکستہ عمارت کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ عمارت کے دروازے سے گزر کر ہر ایک کمرے کو طے کرتے ہوئے عمارت کے ایک وسیع برآمدے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا۔ ہم دونوں برآمدے کے ایک سرے سے داخل ہوئے۔ برآمدے کے دوسرے سرے پر ایک عجیب و غریب منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

آرینہ رسیوں میں جکڑی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا تاکہ وہ چیخ بھی نہ سکے۔ اس کے دونوں طرف دو افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چمکدار خنجر تھے اور دونوں خنجروں کی نوکیں آرینہ کے پہلوؤں سے لگی ہوئی تھیں۔ میں ان دونوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام ترکالا اور دوسرے کا نام واپر تھا۔ وہ دونوں شاموکو کے خاص الخاص دوست تھے اور ہمیشہ اس کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ ان دونوں سے ذرا ہٹ کر شاموکو کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔ گویا میں اور مجبور آرینہ تین مسلح مردوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔

برآمدے کے ایک سرے سے اندر داخل ہو کر میں تابانہ انداز میں آرینہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

"بالکل نہیں۔" مجھے واکری نے شانے سے پکڑ کر روک لیا۔ "وہیں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے بڑھنے کی ضرورت ہے نہ اجازت۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ترکالا اور واپر کے خنجروں کی نوکیں آرینہ کے پہلوؤں سے لگی ہوئی ہیں اور صرف ایک لمحے کے اندر یہ دونوں خنجر آرینہ کے جسم میں پیوست ہو کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔"

میرے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود وہیں کے وہیں رک گئے۔ شاموکو کے چہرے پر ایک مکارانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ ترکالا اور واپر تمسخر آلود نظروں سے مجھے گھور رہے تھے اور واکری اب میرے سامنے کھڑا تھا۔

"اب مجھے کیا کرنا ہے؟ جلدی بتاؤ۔" میں نے واکری سے پوچھا۔

"اس ٹوکری کو دیکھ رہے ہو؟" واکری نے زمین پر رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی ٹوکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ بید کی بنی ہوئی ایک ٹوکری تھی اور اوپر سے بند تھی۔ میری نظر اس ٹوکری پر نہیں پڑی تھی کیونکہ میری ساری توجہ سامنے والے منظر پر مبذول رہی تھی جس میں آرینہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

"ہاں، دیکھ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس ٹوکری کے اندر تمہارے ہاتھوں میں اٹھا لو اور اپنے سینے کے قریب لا کر اس کا ڈھکن کھول دو۔" واکری نے گمبھیر آواز میں کہا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا، کیونکہ مجھے یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس ٹوکری میں کیا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے کئی تجربات سے میں اس سے پہلے بھی گزر چکا تھا تاہم، اس موقع پر میں جان بوجھ کر مصنوعی تشویش کا اظہار کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ پہلے سے ہی ہوشیار نہ ہو جائیں۔

"مگر اس میں کیا ہے؟" میں نے متفکرانہ لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

"اس بات کا پتا تمہیں اسی وقت چل جائے گا جب تم اسے کھولو گے۔" واکری نے کہا۔

"اور اگر میں اسے اٹھا کر کھولنے سے انکار کر دوں تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں ترکالا اور واپر کے خنجروں کو آرینہ کے جسم میں پیوست ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" واکری نے مسکرا کر کہا۔

"اور کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ آرینہ کی ہلاکت کے بعد تم چاروں مل کر مجھے ہلاک کر سکو گے؟" کیا تم اس حقیقت سے واقف ہو کہ آرینہ کی موت کی صورت میں تم چاروں پر بھی زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے؟"

"نہیں۔" اس بار واکری کے بولنے سے پہلے ہی شاموکو بول پڑا۔ "ہمیں اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ آرینہ کی موت کا مطلب ہو گا ہم چاروں کی بھی موت، لیکن ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ اگر تم آرینہ کی ہلاکت چاہتے ہو تو پھر ہم بھی خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بے تیار ہیں۔"

"لیکن تم لوگوں کا اصرار کیوں ہے کہ میں اس لڑکی کو اٹھا کر دوڑ کھوں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ہمارا اصرار نہیں بلکہ ہمارا حکم ہے۔" واکری نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور اس حکم کی ہی تعمیل یا عدم تعمیل پر اب تمہاری ہوی کی زندگی کا دارو مدار ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں، لیکن اس سے پہلے میں ایک بات اپنی بھی تم سے منوانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" شاجو نے کڑی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ یہ کہ مہربانی کر کے آرینہ کے منہ سے کپڑا نکال دو نہ جانے تم لوگوں نے کب سے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس رکھا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ کہیں دم گھٹنے سے ہلاک نہ ہو جائے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" شاجو نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہم آرینہ کے منہ سے کپڑا نہیں نکال سکتے۔"

"اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔" میں نے شاجو سے نرمی سے کہا۔ "وہ پہلے ہی رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ سے خنجر کی نوکیں لگی ہوئی ہیں اور تمہارے ساتھی اس کے سر پر کھڑے ہوں۔ ان حالات میں وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ وہ چیخ سکے گی، لیکن اس ویرانے میں اس کی چیخیں سننے والا کون ہے؟ یہاں ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے اور جہاں تک چیخنے کا تعلق ہے تو میں بھی چیخ سکتا ہوں۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس اقدام حرکت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ میری بات مان لو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔"

"تو گویا تمہاری بات منوانے پر مصر ہو؟" شاجو نے کروٹ تبدیل کرتے ہوئے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"تم ایسا سمجھ سکتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "جیسے ہی تم آرینہ کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا باہر نکال لو گے، ویسے ہی میں تمہاری ہدایت کے مطابق اس لڑکی کو اپنے سینے کے قریب سے جا کر کھول دوں گا۔"

"میرا خیال ہے اس کی یہ شرط مان لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔" واکری نے کہا۔ "اگر آرینہ کی زبان آزاد ہو بھی جاتی ہے تو بھی وہ اپنی زبان سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ فروس کو اس بات پر اصرار کیوں ہے؟" شاجو نے طرانے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں کسی بات پر اصرار کرنے کا حق ہے تو میں بھی کسی بات پر اصرار کر سکتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "یہ بھی میری بات ہے کہ وہ میری محبوب بیوی ہے اور میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے درد و تکلیف میں مبتلا نہیں ہو یکھ سکتا۔"

"اس کی بات مان لو شاجو۔" واکری نے کہا۔ "ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور ابھی ہمیں اور بھی بہت سے کام انجام دینے ہیں۔ تم بے کار سے اپنا وقت ضائع کیوں کر رہے ہو؟"

"تم کہتے ہو تو میں ایسا ہی کیے دیتا ہوں۔" شاجو نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے خنجر نکالا تھا۔ آرینہ کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال لیا۔ آرینہ نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد اس نے کئی لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اس کی نگاہیں میں میرے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات جھلک رہے تھے۔

"تمہاری شرط پوری ہو چکی ہے فروس۔" واکری نے بھاری آواز میں کہا۔ "لڑکی اٹھاؤ اور اپنا کام پورا کرو۔"

میں نے جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی فوراً ہی نیچے جھک کر وہ لڑکی اٹھا لی۔ واکری کی ہدایات کے عین مطابق میں نے اسے اپنے سینے کے قریب لایا اور میں نے اس کا ڈھکن اٹھا دیا۔ ڈھکن کا اٹھنا تھا کہ اس میں سے ایک نہایت خوف ناک سیاہ رنگ کا سانپ برآمد ہوا اور اس نے سیدھا میری گردن پر دار کیا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور ساتھ ہی شاجو اور واکری کے قہقہے بلند ہوئے۔

"اب دیکھنا ہے کہ تم کس طرح بچتے ہو فروس؟" واکری نے جیسے زہر سے ناچتے ہوئے کہا۔ "میرا دیا ہوا زہر ممکن ہے کسی وجہ سے اپنا اصل اثر ہی کھو چکا ہو، لیکن یہ خوف ناک اور تازہ ترین زہر تو ایسا ہے کہ دنیا میں کہیں بھی اس کا تریاق موجود نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تمہیں موت کے منہ سے کون بچاتا ہے۔"

سانپ اب پورے کا پورا لڑکی سے باہر نکل آیا تھا اور میرے گردن سے لپٹ گیا تھا۔ وہ بار بار میری گردن پر منہ مار رہا تھا۔ میں منصوبہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا۔ بہرحال میں آرینہ کو ہلاکت سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ اب تک مستقل خطرے میں تھی۔

میں نے آہستہ آہستہ اس طرح جھومنا شروع کر دیا گویا مجھ پر سانپ کے زہر کا اثر ہو رہا ہے۔ سانپ اب بھی میری گردن سے لپٹا ہوا تھا اور آرینہ کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"خاموش ہو جاؤ اور نہ ابھی گردن اڑا دوں گا۔" شاجو نے دانت پیس کر اسے کہا اور آرینہ خاموش ہو گئی۔ اس کی چیخیں سسکیوں میں بدل گئیں۔

اور پھر میں آہستہ سے زمین پر ڈھیر ہو گیا اور نیم بیہوش ہو گیا۔

"اب اس کے مرنے میں ذرا سی کسر باقی رہ گئی ہے۔" واکری نے فتحمندانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ جو زہر میں نے اسے دیا تھا وہ کسی وجہ سے خراب ہو کر بے اثر ہو چکا تھا، ورنہ یہ ناممکن تھا کہ اب

تک زندہ رہ پاتا۔ اسے تو اب تک زہر کا شکار ہو کر مر جانا چاہیے تھا۔ آخر سانپ کے زہر نے اس پر اثر کیوں نہیں کیا؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" شاجو نے جواب دیا۔ "میں نے تم سے پہلے ہی یہ بات کہہ دی تھی کہ تھا زہر بیکار ہو چکا ہے۔"

میں نے اپنی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی رکھی تھیں تاکہ کمرے میں ہونے والی کارروائیوں کو دیکھ سکوں۔

سانپ اب میری گردن پر سے اتر چکا تھا اور میرے جسم سے اتر کر برآمدے کے فرش پر رینگ رہا تھا۔ شاجو نے آگے بڑھ کر تیزی سے تلوار کا ایک وار کیا اور سانپ کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جس وقت میں نے آنکھیں اٹھائی تھی اور اسے کھولا تھا، اس وقت میں واکری مجھ سے کافی دور چلا گیا تھا اور وہیں کھڑا ہو گیا تھا جہاں آرینہ، شاجو اور دوسرے دونوں آدمی موجود تھے۔ سانپ کے ساتھ میں کیا ہی رہ گیا تھا اب شاجو نے آگے بڑھ کر سانپ کا خاتمہ کر دیا۔

"سنو تم کالا اور داپر۔" شاجو نے جلدی سے کہا۔ "اب آرینہ کی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی۔ فروس مر رہا ہے اور اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ تم دونوں جلدی سے جا کر اب ایک گڑھا کھود دو جس میں ہم اسے دبا سکیں۔ زیادہ گہرا کھودنے کی بھی ضرورت نہیں۔ گھوڑوں کا انتظام پہلے ہی ہو چکا ہے۔ ہم چلدا اور آرینہ کو لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔ فروس کی موت کے بارے میں شالا کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا کیونکہ وہ واکری کو اس کی اجازت دے چکا ہے لیکن آرینہ کو وہ ہرگز ہمارے حوالے نہیں کرے گا، جبکہ آرینہ کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ بھلا اتنی خوبصورت عورت کو یوں ہی چھوڑ دیں؟" شاجو نے دانت نکال دیے۔

"ٹھیک ہے۔" تر کالا نے کہا۔ "ہم دونوں گڑھے کی جگہ کا تعین پہلے ہی کر چکے ہیں، وہ نرم اور بھربھری زمین ہے۔ ذرا سی دیر میں گڑھا کھد جائے گا۔ اس کے بعد ہمارا کام ختم ہو جائے گا۔"

"بس پھر جاؤ، جلدی کرو۔" واکری نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہمارے روانہ ہونے سے پہلے ہی کوئی ادھر آ نکلے۔"

تر کالا اور داپر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کے روانہ ہوتے ہی شاجو برآمدے میں میرے اور آرینہ کے علاوہ صرف واکری اور خاتون رہ گئے تھے۔ واکری یقیناً مسلح تھا لیکن شاجو کے ہاتھ میں بھی ننگی تلوار تھی اور میری ذرا سی جلد بازی یا غلطی کے نتیجے میں آرینہ کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا۔ اس لیے مجھے اب بھی کافی احتیاط کی ضرورت تھی۔

"بالآخر ہم اس سردرد کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔" شاجو نے کہا اور اپنی تلوار لہراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اچانک آرینہ کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا۔ میں اس کی غم انگیز کیفیت کو بخوبی محسوس کر رہا تھا اور مجھے اطمینان تھا کہ جلد ہی میں اسے اس کیفیت سے نجات دلا دوں گا۔"

شاجو ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے بالکل میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں دم سادھے زمین پر پڑا رہا۔ میں نے اپنی آنکھیں ادھ کھلی رکھی تھیں، جس طرح بعض مرتے ہوئے انسانوں کی آنکھیں ادھ کھلی رہ جاتی ہیں۔ شاجو کے پیچھے پیچھے واکری بھی آ کر میرے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔

شاجو نے میرے جسم کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اب دکھاؤ اپنی بہادری خبیث کہاں گیا تیرا وہ طنطنہ... ہا ہا ہا!" لیکن اس کا قہقہہ پورا ہونے سے پہلے ہی میں بجلی کی سی تیزی سے پلک کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین چکا تھا۔

شاجو اور واکری دونوں کے منہ سے بیک وقت حیرت اور خوف بھری چیخیں نکل گئیں۔ چند لمحوں کے لیے وہ دونوں جگہوں پر مجسموں کی طرح ساکت و صامت ہو گئے۔

"یہ... یہ... یہ... زندہ ہے۔" واکری نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور شاجو کی طرف مایوس نظروں سے دیکھا۔

"ہاں، میں زندہ ہوں اور تمہارے لیے موت بن کر زندہ ہوں۔" میں نے کہا۔

واکری اور شاجو دونوں نے ایک ساتھ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ وہاں سے راہ فرار اختیار کریں، انہیں مقابلے کا انجام بخوبی معلوم تھا۔ اور ویسے بھی وہ دونوں نہتے تھے جبکہ میرے ہاتھ میں تلوار تھی لیکن میں نے انھیں بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ شاجو سے چھینی ہوئی تلوار کے ایک ہی وار نے پہلے واکری کو اور اس کے اگلے لمحے شاجو کو خون میں نہلا دیا۔ ان کے جسم کچھ دیر تک زمین پر پڑے رہے پھر ساکت ہو گئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ ساکت ہو گئے۔

آرینہ حیرت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس قدر آناً فاناً ہوا کہ چند لمحوں کے اندر اندر سارا ڈرامہ ختم ہو گیا اور آرینہ اس وقت بولنے کے قابل ہو سکی جب ان دونوں کے خون میں نہائے ہوئے جسم زمین پر پڑے تھے۔

"تم... تم... زندہ ہو فروس... او فروس تم زندہ ہو۔" خوشی کے مارے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

"تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو آرینہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم حقیقت کی ٹھوس دنیا میں موجود ہو۔ میں نے سنا ہے کہ موت صرف اس وجہ سے چلا جاتا ہے کہ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ ورنہ میں اس مکان میں داخل ہوتے ہی ان چاروں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن وہ خود مرنے سے پہلے تمہیں مزید مار دیتے اور میری دنیا کو تاریک کر جاتے۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"اوہ فردس... تم کتنے اچھے ہو۔ کتنے بہادر اور کتنے پُرخلوص انسان ہو۔" آرینہ نے کانپتی آواز میں کہا۔ "اب جلدی سے مجھے آزاد کر دو۔ ان لوگوں نے دیوار میں مضبوط کھونٹے گاڑ کر میرے جسم سے بندھی ہوئی رسیوں کو ان کھونٹوں سے باندھ رکھا ہے۔"

"اوہ۔ ان کھونٹوں کا تو مجھے علم ہی نہیں تھا۔" میں نے آرینہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تمہارا جسم رسیوں میں جکڑا ہوا ہے اور بس۔"

"نہیں فردس۔" آرینہ نے جواب دیا۔ "میں تو اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی۔"

میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسی تلوار کی مدد سے جو شاخچو اور واکری کے خون سے آلودہ تھی، آرینہ کے جسم سے بندھی ہوئی ساری رسیاں کاٹ دیں اور اسے آزاد کر دیا۔ اس نے آزاد ہوتے ہی اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ رسیوں کی رگڑ سے تیل کے نشان پڑ گئے تھے۔

"سنو آرینہ۔" میں نے کہا۔ "ابھی مجھے دو اور تعویذوں کی ضرورت ہے۔ وہ میری لاش کو دفن کرنے کے لیے گڑھا کھودنے میں کسی آکسیپاس مصروف ہیں۔ ابھی ہمیں کچھ اور اعتیاط کی ضرورت ہے۔ تم میرے ساتھ باہر آؤ۔"

میں اور آرینہ دونوں اس شکستہ حال عمارت سے باہر نکلے۔ ہم اپنے پیچھے دو انسانوں کی لاشیں اور ایک زہریلے سانپ کا مردہ جسم چھوڑ کر آئے تھے۔ شکستہ حال عمارت سے نکلنے کے بعد میں نے ادھر ادھر کے منظر پر غور کیا اور کوئی ایسی محفوظ جگہ تلاش کرنے لگا جہاں میں آرینہ کو چھپا سکوں۔

جلد ہی مجھے ایک ایسی جگہ نظر آگئی۔ یہ ایک اونچا سا لیکن بے حد گھنا درخت تھا۔ جس پر آرینہ بھی باآسانی چڑھ سکتی تھی۔ میں نے پہلے آرینہ کو اس درخت پر چڑھایا اور پھر خود بھی چڑھ گیا۔ ایک مضبوط سی شاخ پر ہم دونوں پتوں کے درمیان چھپ کر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اب ہم نیچے سے نظر نہیں آ سکتے تھے۔

"اب ہمیں خاموشی سے بیٹھ کر ان لوگوں کا انتظار کرنا ہے جو ایک ایسے شخص کی قبر کھودنے میں مصروف ہیں جو خود ان کے حق میں موت کا دیوتا ثابت ہوگا۔" میں نے کہا۔ "ان دونوں کو خبر ہی نہیں ہے کہ یہاں کیا ہونے والا ہے۔"

میرے استفسار پر آرینہ نے بتایا کہ وہ حسبِ معمول میرے لیے کھانا لے کر کھیت کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں اسے ترکالا ملا۔ ترکالا نے اسے میری طرف سے یہ پیغام دیا کہ میں اس وقت کھیت میں موجود نہیں ہوں....

"ترکالا نے مجھ سے کہا کہ اسے فردس نے میرے پاس بھیجا ہے اور وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔ فردس نے کہا ہے کہ وہ اس وقت کھیت میں موجود نہیں ہے اور جنگل کے کنارے سیب کے درختوں کی دیکھ بھال کے لیے گیا ہوا ہے اس لیے میں کھانا لے کر اس طرف چلی جاؤں۔ میں نے ترکالا کی باتوں کو سچ جانا۔ میرے ذہن میں کوئی شبہ ہی نہیں پیدا ہوا کہ میرے ساتھ دغا کی جا رہی ہے۔ میں نے اپنا راستہ تبدیل کر کے جنگل کے کنارے کی طرف چل پڑی۔ ترکالا میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے راستے میں مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ آج اسے بھی تمہارے ساتھ مل کر سیب کے درختوں کی دیکھ بھال کرنی ہے اور وہ اسی تیاریاں چھانٹنے میں مصروف ہیں۔ ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جنگل کے کنارے تک آ گئے۔ یہاں بالکل سناٹا تھا۔ دُور دُور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بستی اور کھیت بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اچانک کسی نے پیچھے سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر کس کر دبا دیا۔ میں ایک دم گھبرا گئی اور میں نے خوفزدہ نظروں سے ترکالا کی طرف دیکھا۔ لیکن ترکالا نے فوراً ہی اپنے لباس میں سے ایک لمبی سی رسی نکال کر مجھے باندھنا شروع کر دیا۔ پیچھے سے آنے والا شخص، جس کی شکل میں ابھی تک نہیں دیکھ سکی تھی، بڑی شدت سے میرے منہ کو دبائے ہوئے تھا...

"میں نے خود کو ان دونوں کی گرفت سے آزاد کرانے کی بہت جدوجہد کی لیکن مجھے کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔" آرینہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ان دو تابعداروں کے آگے ایک کمزور لڑکی کی کیا حیثیت تھی؟ جب ترکالا نے مجھے رسی سے اچھی طرح جکڑ دیا، اس شخص نے جو پیچھے سے میرے منہ کو کس کے دبائے ہوئے تھا، آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے منہ پر سے ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی فوراً ہی کپڑے کا ایک گولا میرے منہ میں ٹھونس دیا۔ اب میں بالکل ہی بے بس ہو چکی تھی۔ میرے جسم کو اس طرح رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا کہ میں سر بھی نہیں حرکت کر سکتی تھی اور میرے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ میں کوئی آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔ اب پیچھے والا شخص میرے سامنے آ گیا اور میں نے پہلی بار اسے دیکھا۔ وہ واپر تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں مجھے لاش کی طرح گھسیٹتے ہوئے یہاں اس ٹوٹی پھوٹی عمارت میں لے آئے۔ عمارت کے اندر شاخچو پہلے سے موجود تھا۔ ان لوگوں نے برآمدے کی دیوار میں کھونٹیاں بھی پہلے سے گاڑ رکھی تھیں۔ میرے جسم سے بندھی ہوئی رسی کو ان کھونٹیوں سے اس طرح جکڑ دیا گیا کہ میں اپنی جگہ پر سے حرکت بھی بالکل حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کا مقصد مجھے نہیں، بلکہ تمہیں ہلاک کرنا ہے اور تمہیں ہلاک کرنے کی ہی غرض سے مجھے اغوا کیا ہے اور اب وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں گھیر کر یہاں لے آئیں گے اور میری آنکھوں کے سامنے تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ میں دل ہی دل میں دیوتاؤں سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ میں یہ خوفناک اور الم انگیز منظر دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس لوکری میں سانپ ہے۔ البتہ یہ اندازہ ضرور تھا کہ اس کے اندر کوئی خطرناک شے ہے۔ اور جب سانپ نے تم پر حملہ کیا اور

تم یہ کھڑاکر گر پڑے تو میں نے اس وقت سے کر لیا تھا کہ اب میرا زندہ بچنا بے کار ہے۔ یقین کرو فردس، قبل اس کے کہ ان ذلیل انسانوں میں سے کوئی میرے جسم کو ہاتھ لگا سکتا، میں خود کشی کر لیتی۔"

"اور جب تم نے مجھے زندہ دیکھا تو کیسا محسوس کیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تب میں نے یہ محسوس کیا کہ تم ہی نہیں زندہ ہو، بلکہ میں خود بھی زندہ ہوں۔ کیونکہ اس وقت تک میں اپنا شمار مُردوں میں کر چکی تھی اور یہ بالکل سچ ہے کہ تمہارے بعد مجھے زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری خاطر میں نے اپنا اصل، اپنی دولت، سب کچھ چھوڑ دیا۔ بھلا اس کے بعد میرے لیے زندگی میں کیا کشش باقی رہ جاتی ہے؟"

"تم مجھ کتنی ہو آرینہ؟" میں نے محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم نے واقعی میرے لیے اتنی قربانیاں دی ہیں جن کی مثالیں کم ملتی ہیں اور میں اس کے لیے تمہارا بے حد ممنون ہوں میری ہی خاطر تم نے تاج و تخت کو ٹھوکر ماری اور اپنے شیکسٹر آزوب تک کو چھوڑ دیا۔"

"میں نے ایسا کر کے تمہارے اوپر کوئی احسان نہیں کیا ہے فردس۔" آرینہ نے کہا۔ "میں نے جو کچھ کیا، اپنے دل کے تقاضوں کے تحت مجبور ہو کر کیا۔"

میں اور آرینہ اس طرح بہت آہستہ آواز میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آرینہ بے حد خوش تھی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ مجھے اور اسے دونوں کی ایک نئی زندگی ملی ہے۔

ترکالا اور واپر ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ ہم دونوں بہت باتیں کر چکے تھے اور ہماری نظریں سامنے کی طرف لگی ہوئی تھیں، یہیں یہ معلوم تھا کہ وہ دونوں کس طرف سے آئیں گے، لیکن یہ بات عیاں تھی کہ وہ عمارت کے اندر ہی جائیں گے۔ اس لیے ہماری نگاہوں کا رُخ عمارت کا دروازہ تھا۔

اچانک مجھے دائیں طرف سے دور سے دو آدمیوں کی جھلک نظر آئی۔ میں نے آرینہ کو خبردار کر دیا۔ ہماری نظریں ان دونوں پر جم گئیں۔ جب آنے والوں کی شکلیں صاف دکھائی دینے لگیں۔ وہ ترکالا اور واپر تھے۔

"اب تم خاموشی سے اس جگہ بیٹھی رہنا۔" میں نے آرینہ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، لیکن تم ان کے سامنے آ گئیں تو ممکن ہے کہ تمہیں یہ کوئی نقصان پہنچا سکیں۔"

آرینہ نے خاموشی سے گردن ہلائی۔

ترکالا اور واپر بالکل ہی قریب آ گئے۔ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس درخت کے عین نیچے سے گزرے جس پر میں اور آرینہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔

ان کے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نہایت خاموشی سے لیکن بجلی کی سی تیزی کے ساتھ درخت سے نیچے اتری اور دبے پاؤں عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔ ترکالا اور واپر میرے آگے آگے چل رہے تھے اور انھیں اس بات کی کوئی خبر نہیں تھی کہ میں ان کے پیچھے موجود ہوں۔

کمرے سے گزر کر وہ دونوں برآمدے میں داخل ہوئے اور پھر دونوں کے منہ سے ایک ساتھ ہی چیخ نکل گئی۔ انھوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میں ایک شکستہ ستون کی آڑ میں ہو گئی اور ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکی۔ برآمدے میں سامنے ہی واکری اور شاخچو کی لاشوں کے علاوہ مردہ سانپ بھی پڑا ہوا تھا۔

"یہ... یہ کیا ہوا؟" ترکالا نے خوفزدہ نظروں سے اس پورے منظر کا جائزہ لیا اور واپر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "فردس کی لاش کہاں غائب ہو گئی اور آرینہ کس طرح آزاد ہو گئی؟ یہ شاخچو اور واکری کیسے ہلاک ہو گئے؟"

"ضرور ہم لوگوں کے جانے کے بعد کچھ لوگ یہاں آئے ہیں۔" واپر نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "آنے والے بستی کے ہی لوگ ہوں گے۔ ممکن ہے کسی کو کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہو اور لوگ ان دونوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہوں اور یہاں تک آ پہنچے ہوں۔ آنے والوں نے مقابلے کے دوران شاخچو اور واکری کو ہلاک کر دیا ہو اور آرینہ کو آزاد کر دیا ہو اور جاتے ہوئے فردس کی لاش کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے ہوں۔"

"ضرور یہی ہوا ہے۔" ترکالا نے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ فردس نے ہماری نظروں کے سامنے دم توڑ دیا تھا۔ وہ زمین پر گر چکا تھا۔ اس کی جانب سے کسی مزاحمت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہ گئی آرینہ، تو وہ بھلا کیا کر سکتی تھی سوائے چیخنے کے۔"

"ہو سکتا ہے وہ چیخی ہو اور اس کی چیخ سن کر کوئی ادھر آ گیا ہو۔" واپر نے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" ترکالا نے جواب دیا۔ "لیکن اب سوال یہ ہے کہ ہم دونوں کیا کریں؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ کیا واقعات پیش آئے ہیں۔ البتہ اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ آرینہ آزاد ہو چکی ہے اور وہ سردار ماتالا کو سارے واقعات بتا دے گی۔ ہم نے اسے اغوا کیا تھا۔ بستی کے قوانین کے مطابق ہمیں موت کی سزا دی جائے گی۔ اب تو ہم واپس بستی بھی نہیں جا سکتے۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" واپر نے پوچھا۔

"میرے خیال میں ہمیں اب یہاں سے جان نکالنا چاہیے۔" ترکالا نے کہا۔ "ہم یہاں سے سیدھے کاشور کی بستی چلتے ہیں۔ جہاں سے ہم لوگ واکری کو لے کر آئے تھے۔ اور وہاں کے سردار لمبایا کو بتا دیتے ہیں کہ

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ں کا دوست شاطو مارا جا چکا ہے اور اگر ہی بھی مارا جا چکا ہے۔ ساتھ ہی ہم
ے یہ بھی خوش خبری سنا دیں گے کہ فردوس بھی ہلاک ہو چکا ہے اور اب
اس کے لیے کوئی خطرہ بستی میں موجود نہیں ہے۔ وہ اطمینان سے حملہ کر
کے ہماری بستی کو فتح کر سکتا ہے۔"

"لیکن جس کی سرداری کی بحالی کی خاطر اس بستی پر حملہ کرو گے
مقصود تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ فردوس مر تو گیا لیکن ساتھ میں
شاطو بھی تو مارا گیا۔ اب اگر کاشور کی بستی کا سردار لمبایا ہماری بستی پر
حملہ کر کے اسے فتح بھی کر لیتا ہے تو بھی ہمارے کہ سرداری حاصل کرنے
کے لیے شاطو تو زندہ ہو کر واپس نہیں آ جائے گا۔" وہ پر بولا۔

"ہم اس معاملے میں لمبایا سے سودے بازی کریں گے۔" ہرتر
نے کہا۔ "ہم اس سے کہیں گے کہ بستی کو فتح کرنے کے بعد ہم دونوں میں
سے کسی ایک کو سردار بنا دے کیونکہ صرف ہم دونوں ہی شاطو کے خاص
آدمی تھے۔"

"مگر ہم دونوں میں سے کس کو؟" واپر نے کہا۔

"کیا یہ مسئلہ بھی ابھی اور اسی وقت طے کرنے کا ہے؟" ترکالا
نے جھلا کر کہا۔

"یقیناً" واپر نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ جب
لمبایا ہم سے اس بارے میں سوال کرے تو ہم بالکل خالی الذہن ہوں۔ ہمیں
ابھی اور اسی وقت یہ بات طے کر لینی ہوگی کہ شاطو کے بعد اب ہم دونوں
میں سے کون اس بستی کا سردار بنے گا۔ اور اپنی تجویز بالکل آخری اور
ٹھوس شکل میں لمبایا کے سامنے رکھنی ہوگی۔"

"میں شاطو کا دوست تھا۔" ترکالا نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "اور
اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا بہت قلق ہے۔ میں نے
جو کچھ کیا شاطو کی دوستی میں کیا۔ مجھے سرداری وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی
نہیں ہے۔ البتہ مجھے آرینہ سے ضرور دلی دلچسپی تھی اور شاطو نے مجھ سے
وعدہ کیا تھا کہ وہ مرنے تک آرینہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے بعد وہ اسے میرے
حوالے کر دے گا۔ اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ آرینہ کو میرے حوالے
کر دو گے تو میں سرداری کے لیے تمہارے حق میں دست بردار ہونے
کے لیے تیار ہوں۔"

"مجھے یہ سودا بخوشی منظور ہے۔" واپر نے کہا۔ "مجھے تو سرداری
سے دل چسپی ہے۔ اگر تم سرداری میرے سپرد کرنے کے لیے تیار ہو تو میں
بھی سودا بننے کے بعد آرینہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

"تو بس پھر بات طے ہو گئی۔" ترکالا نے کہا۔ "اب ہم یہاں سے
جلدی سے چل دیں۔ ہمیں ساری رات سفر کرنا پڑے گا۔ تب کہیں کل
دن چڑھے کے کافی دیر بعد ہم کاشور کی بستی کے حدود میں داخل
ہو سکیں گے۔"

"چلو۔" واپر نے کہا۔

"ٹھہرو۔" ایسی جلدی بھی کیا ہے؟" اچانک میں نے ستونوں کی
آڑ سے نکل کر سامنے آتے ہوئے کہا۔

"تم زندہ ہو؟ مگر... مگر... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ہرتر
نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے تو ہماری آنکھوں کے سامنے
دم توڑ دیا تھا؟"

"میں زندہ ہوں اور میں نے دم نہیں توڑا تھا۔ مجھے تم دونوں
کے خلاف آرینہ کو تیار کرنے کے لیے یہ ناٹک کھیلنا پڑا تھا۔" میں نے
انھیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ نہ صرف یہ کہ سازشی اور غدار ہو
بلکہ پرلے درجے کے بزدل اور گھٹیا بھی ہو۔ تمھیں ایک عورت کو حاصل
کرنے کا نشانہ بناتے ذرا شرم نہیں آئی؟"

ان دونوں کے چہروں پر زرد سی طاری تھا۔ میری باتوں کے جواب
میں وہ کچھ نہیں بولے اور خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"تو تم مردار ہو گئے؟" میں نے واپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اور تم؟" میں نے انگلی سے ترکالا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"آرینہ کا ہاتھ تھامو گے۔ لیکن ابھی آرینہ کا ہاتھ تھامنا کم از کم تمہارے
تمہارے بس میں نہیں ہے۔ ابھی اس تک پہنچ سکیں گے اور اس کے ساتھ ہی تمہارے
کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ اس کا چہرہ پورے کا پورا
گھوم گیا اور گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ لہرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ واپر
نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے پھرتی سے اسے بھی دبوچ لیا۔

"تمھیں مارنے میں میں جلد بازی سے کام نہیں لوں گا۔" میں نے
غصے کو فیصلہ میں ماشالا پر چھوڑوں گا۔" میں نے اسے گھسیٹتے ہوئے
کہا۔ "اب تمھیں میرے ساتھ بستی میں چلنا ہوگا اور وہاں چل کر ماشالا
کر سب کچھ سچ سچ بتانا ہوگا کہ تم لوگ سردار ماشالا اور اس بستی
کے خلاف کیا کیا سازشیں کرتے رہے ہو۔ ماشالا خود تمہاری سزا
تجویز کرے گا۔"

واپر کا بے جان جسم جیسے جان اور زندہ بچنے کی طرح کا نہیں
تھا۔ اس نے اپنے آپ کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی معمولی سی
جدوجہد بھی نہیں کی۔ غالباً وہ اس انجام سے بخوبی واقف تھا۔

میں واپر کو اسی طرح بازو سے پکڑے ہوئے اس شکستہ عمارت
سے باہر نکلا اور اس درخت کے نیچے آیا جس پر آرینہ بیٹھی ہوئی تھی۔
میں نے نیچے سے ہی اسے آواز دی اور کہا کہ وہ اتر آئے۔ وہ درخت
سے نیچے اتر آئی۔ واپر حیرت اور خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
آرینہ نے کمسن لڑکے کے ساتھ سکڑ کر واپر کی طرف دیکھا اور بولی:

"یہ اب تک زندہ ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ترکالا کو تو میں نے ٹھکانے لگا
دیا ہے، لیکن اسے جان بوجھ کر زندہ رکھا ہے۔ یہ لوگ ماشالا اور بستی کے
خلاف ایک گہری سازش میں ملوث ہیں اور اس سازش کا سرغنہ واپر
تھا۔ اب میں واپر کو ماشالا کے سامنے پیش کروں گا اور اس کے
سامنے سب کچھ اگلوانوں گا۔ چلو اب ہم یہاں سے چلتے ہیں۔"

میں واپر کا بازو پکڑ کر چلنے لگا اور آرینہ ہم دونوں کے ساتھ چلنے
لگی۔ اب شام ہو چلی تھی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف جا رہا تھا
رہتے میں میں نے آرینہ کو اس ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا جو ترکالا اور
واپر کے درمیان ہوئی تھی اور جس کا ایک ایک لفظ میں نے اپنے کانوں
سے سنا تھا۔

"تو یوں کہو کہ شاطو کے مرنے کے بعد اب یہ شخص دشمنوں کی
مدد سے ماشالا کو ہلاک کر کے خود سردار بننا چاہتا تھا۔ لعنت ہے ان
لوگوں پر جو اپنی ہی بستی سے غداری کرتے ہیں۔ تم نے اچھا کیا کہ اسے
زندہ نہیں دفن۔ اب ماشالا کو خود ہی کوئی فیصلہ کرنے دو۔"

جب ہم لوگ بستی کے اندر داخل ہوئے تو اس وقت اکا دکا ہی
اندھیرا ہو چکا تھا۔ ہمیں کافی لمبا راستہ طے کرنا پڑا تھا۔ سارے راستے
میں اور واپر نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس نے خود کو تقدیر کے حوالے
کر دیا اور خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتا رہا۔

بستی میں داخل ہونے کے بعد راستے میں ملنے والے لوگوں نے
حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ میں واپر کا بازو پکڑے ہوئے اسے لیے جا رہا
ہوں۔ وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے میرے ساتھ چل رہا تھا۔
اور آرینہ میرے ساتھ تھی۔ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے
اور میں نے واپر کو مجرم کی طرح کیوں پکڑ رکھا ہے۔ میں انھیں مختصراً جو
جواب دیتا گیا کہ عنقریب انھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور یہ کہ ابھی
ہمیں ماشالا کے پاس جانا ہے۔

بالآخر ہم لوگ ماشالا کے گھر پہنچ گئے۔ ماشالا نے فوراً ہمیں اندر
بلا لیا۔ وہ مجھے اور واپر کو اس حال میں دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ واپر کے
بازو پر سے میری گرفت ایک لمحے کے لیے بھی ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔

"کیا قصہ ہے فردوس؟" ماشالا نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ تم نے واپر
کو اس طرح کیوں پکڑ رکھا ہے؟ اور یہ آرینہ تمہارے ساتھ اس وقت
کیسے؟ ترکالا کہاں ہے؟"

"سب سے پہلے تم اپنے محافظوں کو بلا کر حکم دو کہ واپر کے ہاتھ
رسیوں سے باندھ دیے جائیں کہ یہ بھاگ نہ سکے۔" میں نے ماشالا سے
کہا۔ "اس کے بعد میں تمھیں تفصیلات بتاؤں گا۔"

ماشالا نے فوراً محافظوں کو طلب کیا اور آناً فاناً واپر کو رسیوں
میں جکڑ دیا گیا۔ اب مجھے اسے پکڑے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور اطمینان سے ماشالا کے پاس بیٹھ گیا۔
آرینہ بھی ہم دونوں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"داستان کا آغاز آرینہ کرے گی۔" میں نے ماشالا سے مخاطب
ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر آرینہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آرینہ اپنے اغوا کی
تفصیلات ماشالا کے سامنے پیش کرو۔"

آرینہ نے اپنی پوری داستان دہرا دی جو مجھے وہ پہلے ہی سنا
چکی تھی۔ اس نے اس وقت تک کے واقعات سنائے جبکہ میں اور ترکالا
اس شکستہ حال عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ ماشالا کا چہرہ غصے سے
سیاہ ہو رہا تھا۔

"ترکالا وہ۔ شاطو کہاں ہیں؟ وہ وحشی کے عالم میں دھاڑ پڑا۔ "اور
وہ ہرزہ پیدا معاش واگری کدھر ہے؟ مجھے بتاؤ میں ان سب کی تلاش
میں کچھ آدمیوں کو دوڑاتا ہوں۔ مجھے ان لوگوں کی لاشیں چاہییں۔"

"وہ تمھیں مل جائیں گی۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اب
داستان کا بقیہ حصہ مجھ سے سنو۔" اور اس کے بعد میں نے ان واقعات
کی تفصیل بیان کی جو میرے اور واگری کے عمارت میں داخل ہونے سے
لے کر ترکالا اور واپر کی آخری گفتگو اور ترکالا کی میرے ہاتھوں ہلاکت
تک مشتمل تھے۔

"ہوں۔" ماشالا نے زہر سے منکارا بھرا۔ "تو یوں کہو کہ اس
سازش کی جڑیں بہت گہری ہیں اور بیک بڑے سوچے سمجھے اور منظم
منصوبے کے تحت کام کیا جا رہا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا فردوس جوان
تینوں مردودوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ لوگ اسی قابل تھے۔ غداروں
کو موت کی سزا ہی ملنی چاہیے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ
تم نے ترکالا کے ساتھ ہی اس غدار کو کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچا
دیا؟ اس کا بھی فیصلہ پاک کر دیتے۔"

"نہیں ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کو تو میں نے ایک خاص
مقصد کے لیے زندہ رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے سامنے زبان
کھولے اور سازش کی پوری تفصیل بیان کرے جو تمہارے خلاف اور اس
بستی کے خلاف کی جا رہی تھی۔ پہلے اس کی زبان کھلوا لو۔ اس سے سب کچھ
معلوم کر لو کہ یہ لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور حملہ کرنے کا منصوبہ
تھا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم کر لو کہ آیا اس بستی میں اس غدار گروہ کا کوئی
اور فرد بھی موجود ہے یا نہیں۔"

"اوہ... تم ٹھیک سمجھے۔" ہوئے فردوس۔" ماشالا نے میری پیٹھ تھپتھپاتے
ہوئے کہا۔ "میں تو یہ بات بھول ہی گیا تھا کہ واپر کی ہلاکت کے بعد تو اس
سازش کے بارے میں مزید کوئی تفصیل کسی سے معلوم ہی نہیں ہو سکتی
تھی۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس غدار کو زندہ حالت میں میرے پاس لے
آئے۔ اب میں اس کی زبان کھلواؤں گا۔ اسے اپنے راز اگلنے پڑیں گے۔"

"یہی میرا اصل مقصد تھا۔" میں نے کہا۔

"شروع ہو جاؤ۔" ماشالا نے خونخوار نظروں سے واپر کو دیکھتے
ہوئے کہا۔ "تم اس سازش کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو اس کا ایک
ایک لفظ ہمارے سامنے بیان کرو۔ جھوٹ بولنے کی یا کوئی بات چھپانے کی
کوشش نہ کرنا۔"

واپر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا خلا میں
گھورتا رہا۔

"شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ موت تو بہرحال مقدر ہے ہی اور تمھیں
کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس لیے اس سے کیا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میرا مشورہ یہ ہے کہ ابھی اس بستی میں کسی کو بھی ان واقعات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتایا جائے۔ تم فی الحال وابر کو قید خانے میں بھجوا دو اور اس کی اچھی طرح حفاظت کے انتظامات جاری کر دو۔"

"جیسا تم کہو۔" ماشالا نے کہا اور سپاہیوں کو بلا کر حکم دے دیا کہ وابر کو قید خانے میں ڈال کر اس کی اچھی طرح حفاظت کریں۔

وابر کے وہاں سے چلے جانے کے بعد میں نے ماشالا سے کہا۔ "تم کل صبح اپنے معتمدین خاص کو جمع کرو۔ میں بھی آجاؤں گا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ وہ میں تمہارے اور تمہارے معتمدین کے سامنے پیش کروں گا۔ اگر تم لوگوں نے اسے پسند اور منظور کر لیا تو جلد ہی یہ سارا قصہ ختم پائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل اپنے چار معتمدین کو بلا لوں گا۔ تم بھی آجانا۔"

اس کے بعد میں اور آرینہ وہاں سے اپنے گھر واپس آگئے۔ آرینہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ میں بھی خوش اور مطمئن تھا کہ میں آرینہ کو ان وحشی درندوں کے چنگل سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ رات میں نے اور آرینہ نے بڑے سکون کے ساتھ گزاری۔ واکری کے جانے کے بعد ہمیں پہلی مرتبہ ایسی رات میں تنہائی نصیب ہوئی تھی ہم اس تنہائی سے پورے طور پر لطف اندوز ہوتے رہے۔

دوسرے دن صبح کو میں حسب وعدہ ماشالا کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے چار خصوصی معتمدین پہلے سے وہاں موجود تھے۔ وہ میرا انتظار تھا۔

"کارروائی کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟" ماشالا نے میرے آنے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"سب سے پہلے تو تم ان معززین کو واقعات کی تمام تر تفصیل سے آگاہ کرو۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ میرے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔"

ماشالا نے ان چاروں کو تمام تر واقعات تفصیل کے ساتھ بتا دیے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ میری اس غیر معمولی قوت کا راز میرے گھر میں میرے اوپر ایک درویش کا سایہ ہے اور جب تک اس کی تائید مجھے حاصل ہے، کوئی مجھے ہلاک نہیں کر سکے گا۔

"ہمیں پہلے ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ فروس ایک غیر معمولی ہستی ہے۔" ایک معتمد بولا۔ "اور ساتھ ہی ساتھ انسان دوست اور نیک بھی۔ ہم تم پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے فروس۔"

"ہم سب اس بات سے متفق ہیں۔" باقی تینوں معتمدین نے پہلے معتمد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم بتاؤ کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہیے؟" ماشالا نے مجھ سے کہا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں ان سارے واقعات کو بستی کے تمام لوگوں سے چھپانا ہے تاکہ کہیں کاشور کی بستی کے سردار لمبا پا کو اس بات کی خبر نہ ہو جائے کہ اس کے ساتھیوں کا منصوبہ ناکام ہو گیا، شکستہ حال عمارت میں پڑی ہوئی لاشوں کو فوری طور پر خاموشی سے دفن کروا دیا جائے اور ان میں وابر کی لاش کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔ شاجو، تمر کالا اور واکری کی گمشدگی پر بستی میں سخت تشویش کا اظہار کیا جائے گا، اور لوگ ان کی تلاش میں بھی نکلیں گے، لیکن کچھ دنوں بعد ہی سمجھا جائے گا کہ وہ یا تو خفیہ طور پر اس بستی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں یا پھر جنگلی جانوروں نے انہیں کھا لیا ہے۔ چند دنوں کے بعد میں اور آرینہ کسی ایسے مکان میں روپوش ہو جائیں گے جس کا علم تم پانچوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوگا اور ساری بستی میں یہ خبر مشہور کر دی جائے گی کہ فروس اور آرینہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسری بستی کی طرف نکل گئے ہیں اور یہ کہ میں نے جانے سے پہلے باقاعدہ ماشالا سے اجازت طلب کی ہے۔ اس کے بعد کسی خاص بات ہی پھر وسے کے آدمی کو پوری طرح تیار کر کے کاشور کی بستی میں سردار لمبا پا کے پاس بھیجا جائے گا۔ وہ شخص اپنے تئیں کاشور کا دوست اور حمایتی ظاہر کرے گا اور لمبا پا کو یہ اطلاع دے گا کہ شاجو، تمر کالا، وابر اور واکری اچانک ہی کہیں غائب ہو گئے۔ وہ اس خیال کا اظہار کرے گا کہ غالباً انہیں فروس نے کسی طرح ہلاک کر دیا ہے اس کے ساتھ ہی وہ یہ اطلاع بھی دے گا کہ ان لوگوں کی گمشدگی

کے بعد فروس بھی اپنی بیوی کو لے کر بستی سے چلا گیا۔ سردار ماشالا نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے کہا کہ اب وہ اس بستی میں نہیں رہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اور اس کی بیوی دونوں وہاں سے جا چکے ہیں۔ اس کے بعد یہ شخص لمبا پا کو اس بات کا مشورہ دے گا کہ اب میدان صاف ہے، فروس موجود نہیں ہے۔ اگر لمبا پا چاہے تو بستی پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس شخص کی فراہم کردہ تمام اطلاعات ایسی ہوں گی کہ اگر لمبا پا اپنے ذرائع سے ان کی تصدیق کرنا چاہے گا تو ان میں سے کوئی بھی بات غلط نہیں ثابت ہوگی۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں لمبا پا کے عزائم سے آگاہی حاصل ہو جائے گی اور ہم یہ جان لیں گے کہ وہ اب بھی ہماری بستی پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں۔"

"اور بالفرض اس نے حملہ کرنے میں دلچسپی ظاہر کی اور وہ تمہاری بستی پر حملہ کر دیا تو؟" ایک معتمد نے پوچھا۔

"تو اس کے نتیجے میں لمبا پا کی بستی کے سردار تم ہو گے میرے دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لمبا پا کے پاس خواہ کتنی ہی بڑی فوج کیوں نہ ہو، میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ [illegible] کر سکے گا۔ اس بستی کا [illegible]"

ماشالا سمیت تمام لوگوں نے میری تجویز سے اتفاق کیا۔ اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ تیار کر لیا گیا۔ سب سے پہلے تو چند نہایت قابل اعتبار اور وفادار لوگوں کو لاشیں دفنانے کا کام سونپا گیا۔ وابر کو ہلاک کر کے اس کی لاش بھی دفن کر دی گئی۔ اگلے روز رحیم محافظین نے وابر کو رسیوں سے باندھا تھا، وہ ماشالا کے خاص آدمی تھے۔ انہیں ہدایت دے دی گئی کہ وہ اس بات کا کہیں تذکرہ نہ کریں۔

اسی شام سے بستی میں شاجو، تمر کالا، وابر اور مہمان درویش واکری کی گمشدگی کو محسوس کیا جانے لگا۔ کئی دن تک مختلف ٹولیاں جنگل میں انہیں تلاش کرتی رہیں۔ ادھر ماشالا کے معتمدین اور دوسرے خاص لوگوں نے بستی میں یہ بات مشہور کرانے کی کوشش کی کہ وہ سب کے سب بستی سے فرداً فرداً کہیں دور چلے گئے ہیں کیونکہ وہ ماشالا کی سرداری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک ہفتے تک ان لوگوں کی گمشدگی کا گھر گھر چرچا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس ذکر کی شدت میں کمی آتی گئی۔ لوگوں نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا، لیکن ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا کوئی پتہ نشان نہیں ملا۔

دس دن گزر جانے کے بعد منصوبے کے دوسرے مرحلے پر بھی عملدرآمد کا آغاز ہوا۔ ماشالا کے بڑے سے مکان کے ایک حصے میں جہاں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی، میری اور آرینہ کی رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ ہم لوگ نہایت خاموشی سے وہاں منتقل ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے کسی کو کانوں کان یہ خبر تک نہ ہوئی۔ اسی دن سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ فروس اور آرینہ بستی کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔

جیسا کہ مجھے ماشالا سے ملاقاتوں کے دوران معلوم ہوتا رہا، بستی والوں نے اس امر پر سخت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا ہے کہ میں اور آرینہ بغیر کسی کو اطلاع دیے اور بغیر کسی کو ملے ہوئے کیوں اچانک چلے گئے۔ سردار ماشالا نے لوگوں کو بتایا کہ میں نے اور آرینہ نے جانے سے پہلے اس سے اجازت طلب کی تھی اور اس نے ہمیں روکنے کی کافی کوشش کی تھی، لیکن جب ہمارے بے حد اصرار پر ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

اب میں اور آرینہ دونوں کچھ دنوں کے لیے ایک طرح سے محصور اور گوشہ نشین ہو کر رہ گئے۔ ہم ماشالا کے مکان کے اس مخصوص حصے میں رہتے تھے اور ماشالا کے مکان کے دو خاص خواص آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس بات کی خبر نہیں تھی۔ یہی دونوں آدمی ہمیں کھانا وغیرہ پہنچانے اور ہماری دیگر ضروریات پوری کرنے پر مامور تھے۔

اسی عالم میں دو ہفتے گزر گئے۔ اب منصوبے کے تیسرے مرحلے پر کام شروع کرنے کا وقت آگیا تھا۔ اب کسی شخص کو سردار لمبا پا کے پاس کاشور کی بستی بھیجنا تھا تاکہ جا کر وہ خود کو شاجو کا دوست ظاہر کرے اور منصوبے کے مطابق طے شدہ باتیں اسے بتائے۔

اس دوران میری ہدایات کے مطابق ماشالا نے اس بات پر کڑی نظر رکھی کہ آیا کوئی نیا آدمی بستی میں داخل ہوتا ہے، لیکن کوئی نیا شخص بستی میں داخل نہیں ہوا، جس سے اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ بستی میں پیش آنے والے واقعات کا علم باہر کی دنیا والوں کو نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس اتنا میں بستی سے بھی کوئی شخص باہر نہیں گیا تھا۔

ماشالا اور اس کے خصوصی معتمدین نے کاشور کی بستی بھیجنے کے لیے بہت سوچ سمجھ کر ایک نہایت وفادار اور قابل اعتماد شخص کا انتخاب کیا۔ اس کا نام لارشم تھا۔ لارشم ریشے میں ماشالا کا بھتیجا تھا اور ماشالا کو اور اس کے دیگر معتمدین خصوصی کو لارشم پر بڑا بھروسہ تھا۔ لارشم کو کاشور کی بستی روانہ کرنے سے پہلے ایک باقاعدہ میٹنگ ہوئی جس میں ماشالا اور اس کے چاروں معتمدین کے علاوہ میں خود بھی شریک تھا۔ لارشم کو پہلے سے میرے بارے میں اصلیت بتا دی گئی تھی، جب اس نے میٹنگ میں مجھے موجود پایا تو وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

"مجھے تو اس کی کوئی خبر ہی نہ تھی لارشم بستی میں ہی موجود ہو۔" اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھ تو تمہارے جانے کا اس قدر افسوس ہوا کہ میں نے اس دن کھانا بھی نہیں کھایا۔ سب سے زیادہ تعجب تو اس بات کا تھا کہ تم میں سے کسی سے ملے بغیر ہی چلے گئے۔"

"جو کچھ کیا گیا وہ بستی کے مفادات اور یہاں کے لوگوں کی بھلائی کے لیے کیا گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس بات میں بھی ایک خاص مصلحت تھی جس سے فی الحال آپ تک تم واقف ہو چکے ہو گے؟"

"ہاں۔" لارشم نے جواب دیا۔ "بہت کچھ مجھے بتایا جا چکا ہے اور باقی باتیں اس نشست میں سمجھا دی جائیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنا کردار

Optimized by www.ImageOptimizer.net

بخوبی ادا کر سکوں گا۔"

"تمہیں پوری خود اعتمادی کے ساتھ اپنے آپ کو لمبایا کے سامنے پیش کر کے شاہجو کا دوست ظاہر کرنا ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ تمہاری ذرا سی لغزش، گھبراہٹ، پریشانی یا خود اعتمادی میں کمی لمبایا کو شبہ میں مبتلا کر سکتی ہے اور اس کے بعد تمہارا اپنی موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" لارشم نے کہا۔ "مجھے بھروسا رکھو، خود اعتمادی مفاہیم برقرار ہوگا۔"

اس کے بعد ایک طویل گفتگو کے دوران لارشم کو تمام باتیں تفصیل کے ساتھ بتا دی گئیں اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا گیا کہ اسے کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ اس کا اصل مقصد یہ بات معلوم کرنا ہے کہ آیا لمبایا فروس کے چلے جانے کے بعد ہماری بستی پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں اور اگر رکھتا ہے تو کب۔ اسے یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ ہماری بستی کے لوگوں میں سے کسی کو یہ نہ بتائے کہ وہ کاشور کی بستی جا رہا ہے بلکہ کسی دوسری بستی کا نام لے۔ یہ ضروری تھا کہ بستی کے لوگوں کو اصل واقعات کا علم نہ ہونے پائے۔ اور یہ بات کسی نہ کسی طرح سے لمبایا تک پہنچ سکتی تھی۔

بہرحال لارشم کو تمام باتیں اچھی طرح سمجھا دی گئیں اور اس کے دو دن بعد وہ کاشور کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب ہم لوگوں کا کام صرف یہ تھا کہ خاموشی سے لارشم کی واپسی کا انتظار کریں۔

کوئی دو ہفتے کی مدت کے گزر جانے کے بعد لارشم واپس آ گیا اس کی واپسی کی اطلاع پاتے ہی ماشالا نے اپنے چاروں معتمدین کو اور مجھے جمع کیا اور لارشم کو بلا بھیجا۔ لارشم نے ہم سب لوگوں کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔

"میں لمبایا کا یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں شاہجو کا دوست ہوں۔ گو کہ شروع شروع میں اسے اس بات کو تسلیم کرنے میں خاصا تردد تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ شاہجو تو کالیا و اپر آبھوں میں سے کسی نے بھی کبھی اس کے سامنے میرا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے جواب میں میں نے اسے بتایا کہ میں نے خود ان لوگوں کو منع کر دیا تھا کہ میرا تذکرہ کہیں نہ کیا جائے کیونکہ میں خود کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ میں ان کا دوست تھا اور ان کے سارے منصوبوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب میں نے لمبایا کو شاہجو، تر کالیا و اپر اور ورکی کے منصوبوں کے بارے میں اپنی معلومات سے آگاہ کیا تو اسے یقین آ گیا کہ میں شاہجو کے گروہ سے ہی تعلق رکھتا ہوں۔ جب میں اسے یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اس کے اور میرے درمیان کھل کر بات ہوئی۔ میں نے اسے شاہجو، تر کالیا، اپر اور ورکی کی اچانک گمشدگی کے بارے میں بتایا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ ان لوگوں کو غالباً فروس نے ہلاک کر ڈالا اور ان کی لاشوں کو کہیں دفن کر دیا کیونکہ اس کے کوئی دس دن بعد ہی فروس مع اپنی بیوی کے بستی چھوڑ کر چلا گیا اور سردار ماشالا کے ہزار روکنے کے باوجود نہیں رکا۔ جب لمبایا کو اس بات کا علم ہوا کہ فروس بستی کو چھوڑ کر جا چکا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ شاہجو اور اس کے ساتھیوں کی موت کا غم بھی بھول گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ تو کب سے ہماری بستی پر دست لگانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس نے ایک مضبوط فوج بھی تیار کر لی ہے۔ اسے تو بس فروس کی ہلاکت کا انتظار تھا۔ اس نے بتایا کہ ورکی کی بھوپل خبر حاضری کے باعث وہ خاصا پریشان تھا اور گذشتہ ایک آدھ روز کے اندر ہی اپنے کچھ جاسوس برفانی کی صورت میں ہماری بستی میں بھیجنے والا تھا۔ لیکن اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ شاہجو اور اس کے ساتھیوں کی جانب سے اتنے عرصے سے کوئی پیغام نہ ملنے کے سبب بڑا بے چین تھا۔ اس کا خیال تھا ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے کیونکہ ورکی بھی واپس نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی اطلاع مل سکی تھی۔ جب میں نے اسے ساری باتیں بتائیں تو اس نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا کہ کوئی اور نہ شاہجو کو ہلاک کرنے والا فروس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور فروس ان سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود بھی اس بستی سے اس لیے چلا گیا ہے کہ کہیں کسی وقت اس کی اس حرکت کا علم بستی کے دوسرے لوگوں کو نہ ہو جائے اور وہ قتل کے الزام میں ماخوذ نہ ہو جائے۔"

"اب لمبایا کے کیا ارادے ہیں؟" ایک معتمد نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اسی جانب آ رہا ہوں۔" لارشم نے جواب دیا۔ "جب میں نے ابھی ابھی بتایا، لمبایا کو اس خبر سے بے انتہا خوشی ہوئی ہے کہ اس نے مع اپنی بیوی کے بستی سے جا چکا ہے۔ اس کے نزدیک اب اصل خطرہ ٹل چکا ہے اور اس کی مضبوط فوج ہماری بستی پر حملہ آور ہو کر بہت آسانی سے فتح مند ہو سکتی ہے۔ میں نے اسے یہ پیشکش کی کہ میں ہر طرح سے اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں، بشرطیکہ وہ اس بات کا وعدہ کرے کہ فتح مند ہونے کے بعد ہماری بستی کا سردار مجھے بنا دے گا اور میں اسے باقاعدگی سے ہر سال خراج ادا کیا کروں گا۔ جس طرح خراج کے ساتھ اس کا معاملہ طے تھا۔ لمبایا اس بات پر فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بستی کو فتح کرنے کے بعد وہ وہاں اپنی حکومت قائم کرنے سے دل چسپی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کی اصل دل چسپی بستی کی دولت سے ہے۔ اگر میں ہر سال اسے مخصوص رقم دینے پر آمادہ ہوں تو وہ مجھے سردار بنا دے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اسے اس بات کا حق حاصل ہو گا کہ وہ جب چاہے بستی میں آ جائے اور جس عورت کے ساتھ چاہے رات گزارے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں نے اس کی یہ شرط بھی منظور کر لی۔"

"تم نے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا۔" ایک معتمد بولا۔

"بہرحال یہ کہ جب میں شاہجو کے دوست اور بستی کے ایک

حیثیت سے اس کے پاس گیا تھا تو پھر مجھے اس کی ہر شرط کے آگے جھکنا تھا۔" لارشم نے کہا۔ "مجھے تو اس کے اعتماد کو جیتنا تھا اور اس کے لیے یہ ساری چیزیں ضروری تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں مصلحت کے تقاضوں کے تحت ہی کام کرنا تھا۔"

"مختصر یہ کہ اب لمبایا ہماری بستی پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے۔ پہلے تو اس کا خیال یہ تھا کہ قریب کی دوسری بستی سے بھی فوجی مدد حاصل کرے، جہاں کا سردار اس کا بھائی ہے، لیکن بعد میں اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا کہ ہماری بستی کی فوجی قوت پہلے ہی بہت کم ہے اور کاشور کی بستی کی فوجوں کے مقابلے میں ہماری بستی کی فوجیں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ ماشالا ایک کمزور اور نرم دل سردار ہے اور اس کمزوری اور نرم دلی کے نتیجے میں فوجی تنظیم بالکل ڈھیلی ڈھالی قسم کی ہو کر رہ گئی ہے۔ فوج میں کوئی نظم و ضبط برقرار نہیں ہے اور ایک افراتفری کا عالم ہے۔ بلکہ میں نے اسے پوری طرح یقین کر دیا ہے کہ اسے پڑوس کی بستی سے فوجی مدد حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور صرف کاشور کی بستی کی فوج ہی کافی ہو گی۔"

"تم نے یہ بہت اچھا کیا۔" ماشالا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری کارکردگی سے بڑا مطمئن ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے غلط آدمی کا انتخاب نہیں کیا تھا۔" سارے لوگوں نے ماشالا کی اس بات کی تائید کی۔

"اب اگلے ماہ چاند کی ابتدائی تاریخوں میں لمبایا کی فوجیں ہماری بستی پر حملہ آور ہوں گی۔" لارشم نے سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لمبایا نے مجھے کہا ہے کہ میں اس عرصے کے دوران بستی میں اپنے دوستوں کی مدد سے بے اطمینانی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کروں اور سردار ماشالا کی مخالفت میں لوگوں کو ہموار کرنے کی معہم چالاکی کے ساتھ چلاؤں۔ اس کے مجھے ہدایت کی ہے کہ اب میں دوبارہ کاشور کا رخ نہ کروں، کیونکہ اگر میں کسی طرح ماشالا یا ہماری بستی کے دیگر لوگوں میں سے کسی کے علم میں آ گیا تو اس کے میرے بارے میں شبہات پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ میں نے اس کی اس بات سے اتفاق کیا۔" اتنا کہہ کر لارشم خاموش ہو گیا۔

"کوئی اور قابل ذکر بات؟" ماشالا نے پوچھا۔

"میرے خیال میں میں نے وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جو میرے اور لمبایا کے درمیان ہوئی تھیں اور میں نے کسی قابل ذکر بات کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔"

اس کے بعد ماشالا نے اس سے کاشور کی بستی کی فوجی قوت کے بارے میں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ لارشم نے ماشالا کو شور کی فوجی قوت کافی مضبوط ہے اور لمبایا ایک طاقتور قوت کا حکمران ہے، لیکن وہ ایک ظالم، جابر اور جریص حکمران ہے اس لیے وہاں کے لوگ اس سے خوش نہیں ہیں، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ لمبایا یا اس کے عمال کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان پر لا سکے۔ لمبایا کے جاسوس ساری بستی میں پھیلے ہوئے ہیں اور لوگوں کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات سرداروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ بستی میں مخالفین کے لیے بہت سخت سزائیں مقرر ہیں۔ انھیں فوراً ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخص زبان کھولتے ہوئے ڈرتا ہے۔ لارشم نے بتایا کہ اس کے پندرہ روزہ قیام کے دوران دو افراد کو پھانسی پر لٹکایا گیا، کیونکہ انھوں نے لمبایا کے خلاف باتیں کی تھیں اور لمبایا کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس کی خبر مل گئی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کاشور کی بستی کے حالات کو بھی درست کرنا ہو گا۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "اگر وہاں ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے تو یہ بڑا ظلم ہے۔ ہمیں اس ظلم کو ختم کرنا ہو گا۔"

"لیکن اس سے پہلے تو ہمیں اس آفت سے نمٹنا ہے جو اگلے ماہ کی چاند کی ابتدائی تاریخوں میں ہم پر ٹوٹنے والی ہے۔" ایک معتمد نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ گو کہ لارشم کی اطلاع کے مطابق کاشور کی فوج بڑی مضبوط ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے پاس ایک چھوٹی سی فوج موجود ہے، لیکن میری موجودگی میں یہ چھوٹی سی فوج ہی اتنی زیادہ طاقتور بن جائے گی کہ بستی کے عام لوگوں کو تو جنگ میں حصہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی اور صرف دونوں فوجوں کے ہم قسم افراد کے درمیان ہی جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

"لیکن ہمیں بہرحال کچھ نہ کچھ تیاریاں تو شروع کرنی ہی چاہئیں۔" ماشالا نے کہا۔ "ہماری فوجوں کو کم از کم ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے، یا ہو سکتا ہے۔"

"انھیں جسمانی طور پر بھی تیار ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری فوجیں لڑتے ہی مٹھ دکھائیں یا کسی کمزوری کا مظاہرہ کریں۔ انھیں بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بنا چاہیے۔ انھیں ابھی یہ نہ بتایا جائے کہ ہم پر حملہ ہونے والا ہے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ اس کی اطلاع کسی طرح لمبایا تک پہنچ جائے اور وہ اپنے منصوبے میں کوئی تبدیلی کر دے۔ فوجیوں کو صرف ہدایت کی جائے کہ انھیں زیادہ مستعد چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض پڑوسی بستیوں کی نظریں ہماری جانب لگی ہوئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی فوجی افسروں کو بھی ہوشیار کر دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے دستوں کو زیادہ چوکس کر دیں۔"

"تمہاری تجویز بالکل درست ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل ہی سارے فوجی افسروں کا ایک اجلاس طلب کروں گا اور انھیں خود ضروری ہدایات دوں گا۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"ٹھیک ہے۔" ایک معتمد نے کہا۔ "اس کے علاوہ ہمیں ہتھیاروں کے ذخیرے وغیرہ کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔"

"یہ بہت ضروری ہے کہ بستی کا ہر شخص پوری طرح مسلح ہو۔" ایک دوسرے معتمد نے کہا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو بستی میں شاید کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مسلح نہ ہو۔" میں نے کہا۔ "سارے ہی لوگوں کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔"

"پھر بھی ہمیں پتا لگا لینا چاہیے۔" ماشالا نے کہا۔ "جن لوگوں کے پاس ہتھیار موجود نہیں ہیں انہیں ہم ہتھیار فراہم کر دیں گے۔ ہنگامی صورت کے وقت وہ کچھ تو اپنا دفاع کر سکیں۔"

"ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میری بات کا یقین کرو ماشالا! بستی کے عام لوگوں کے اس جنگ میں شامل ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ بہرحال تم جو بھی ضروری کارروائیاں مناسب سمجھو وہ کر لو۔"

اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں دوبارہ اپنی کمین گاہ میں واپس آ گیا۔

دن ایک ایک کر کے گزرتے رہے۔ مہینہ بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہا تھا اور اگلے ماہ کی چاند کی تاریکیں شروع ہونے میں زیادہ مدت باقی نہیں رہی تھی۔ اس اثنا میں میری ماشالا سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ مجھے تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بستی کی فوجوں کی از سرِ نو صف بندی کی گئی ہے اور انہیں ہر محرک چوکس رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ بستی کے سارے لوگوں کو مسلح کر دیا گیا ہے اور اب کوئی شخص غیر مسلح نہیں رہا ہے۔ فوجوں کو اور بستی کے لوگوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جہاں اس پاس کی بعض بستیوں سے خطرہ لاحق ہے۔ مگر اس سلسلے میں کسی خاص بستی کا نام نہیں لیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات کہی گئی ہے کہ حملہ واقعی ہونے والا ہے۔ ماشالا نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جاسوسوں اور غیر سرکاری ذرائع کی ایک بڑی تعداد کو ان راستوں پر متعین کر دیا گیا ہے جو باہر سے بستی کی طرف آتے ہیں، اور اس طرح کا شور کی طرف سے آنے والی فوجوں کی اطلاع ہمیں ان کے بستی میں داخل ہونے سے کئی گھنٹے پہلے مل جائے گی اور اس دوران ہم اپنی صف بندی کر لیں گے۔

یہ ساری تیاریاں اپنی جگہ پر جاری تھیں کہ چاند کی تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا۔ اب کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا تھا۔ ماشالا کے چہرے سے کافی پریشانی جھلکنے لگی تھی، وہ جب بھی میرے پاس آتا یا مجھے اپنے پاس بلاتا میں اسے گھبرایا ہوا پاتا۔ اگرچہ میں اسے برابر تسلیاں دیے جا رہا تھا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ خاصی حد تک خوفزدہ تھا کیونکہ یہ ایک حقیقت تھی کہ کاشور کی فوجوں اور ہماری فوجوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ماشالا کے معتمدین بھی جن سے میری ملاقات ہوتی رہتی تھی کافی گھبرائے گھبرائے نظر آتے تھے۔

شاید آدھی رات کا وقت تھا اور میں اور آرینیا اپنے کمرے میں پڑے تھے کہ اچانک دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے کی آواز بلند ہوئی۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے ماشالا کا خاص محافظ کھڑا تھا۔

"سردار نے تمہیں فوراً بلایا ہے۔" اس نے سرگوشی کے عالم میں مجھ سے کہا۔ "دفاعی مورچے میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا۔ اس لمحے میں آرینیا بھی جاگ گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آرام سے سو جائے اور میرا انتظار نہ کرے۔

میں جب ماشالا کے کمرے میں پہنچا تو میں نے وہاں ماشالا ان چار اہم معتمدین کو پہلے سے موجود پایا۔ ان سب کے چہروں سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

"آؤ فروس۔" مجھے دیکھتے ہی ماشالا نے کہا۔ "ابھی بھی یہاں بہت ہم نازک ہے۔ حملے کا آغاز ہونے والا ہے۔"

"اچھا۔" میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "کیا کاشور کی فوجیں پہنچ رہی ہیں؟"

"خبر رسانوں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اطلاع دی ہے کہ گھوڑ سوار بہت دور سے سیکڑوں مشعلوں کو بستی کی طرف آتے دیکھا ہے۔ مشعلوں کی روشنی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی وہ لوگ بہت دور ہیں لیکن خیال ہے کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ بستی کے قریب پہنچ جائیں گے اور علی الصبح وہ اپنی دانست میں ہمارے ہوشیار ہونے سے پہلے، بستی پر یورش کر دیں گے۔"

"پھر اس کے بعد تم نے کیا کارروائی کی؟" میں نے پوچھا۔

"بستی میں ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے گئے ہیں۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "فوجوں کو تیار ہو کر باہر نکل آنے کا حکم دے دیا گیا ہے اور جلد ہی اپنی صف بندی مکمل کر لیں گے۔ دشمنوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہماری فوج ان کے استقبال کے لیے تیار ہو گی اور بستی کے اندر مسلح ہو کر فوج کے پیچھے موجود رہیں گے تاکہ کوئی نازک صورتِ حال ہونے پر وہ فوراً حرکت میں آ جائیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہاری منصوبہ بندی درست ہے۔ اب دشمنوں کو آنے دو۔"

"لیکن تمہاری منصوبہ بندی کیا ہے فروس؟" ایک معتمد نے پوچھا۔ "تم یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں بستی کی فوجوں میں سب سے آگے ہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یوں سمجھو کہ میں ان کی قیادت کروں گا۔ لیکن مجھے ایک ایسا نقاب چاہیے تاکہ ہماری فوج کے لوگ فوری طور پر مجھے پہچان کر حملہ کرنے کا شک نہ کر بیٹھیں۔ اس سے ان کی کارکردگی پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"تمہیں نقاب مہیا کر دیا جائے گا۔" ماشالا نے کہا۔ "کیا تمہیں اور تیر کی بھی ضرورت ہے؟"

"صرف ایک تلوار کی اور ایک گھوڑے کی۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

تھوڑی دیر میں نقاب اور تلوار مجھے فراہم کر دی گئیں۔ گھوڑا تیار کھڑا منتظر کھڑا تھا۔

اس اثنا میں محافظ خاص نے آ کر اطلاع دی کہ فوجوں کی صف بندی مکمل ہو گئی ہے۔ تمام فوجی افسر اپنے اپنے دستوں کے ساتھ مورچے پر موجود ہیں اور مشعلوں کی روشنی تیزی سے آگے بڑھتی آ رہی ہے۔

ماشالا نے میری طرف دیکھا۔ "آگے دو۔" میں نے جواب دیا۔ "ان کے اور ہونے سے پہلے ہی میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد رات پھیکی پڑنے لگی اور آمدِ سحر کی علامت نمودار ہونے لگی۔ ماشالا، اس کے چاروں معتمد اور میں اب مکان سے باہر نکل آئے تھے۔ میں نے اپنے چہرے پر ایک باریک نقاب چڑھا لیا تھا جس میں صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ باہر گھوڑے تیار تھے۔ ہم سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہونے لگے، لیکن یہ وقت کسی سوال و جواب کا نہیں تھا۔ ہم لوگ شہسواروں اور فوجیوں کی صفوں میں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے جو اپنے جہاں بستی کی فوجوں کا سپہ سالار فوجوں کی صف بندی کے لیے موجود تھا۔ ماشالا نے سپہ سالار کو بلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص ہمارا دوست ہے جو باہر سے آیا ہے اور ایک خاص مہم کے بارے میں شناخت نہیں کرانا چاہتا۔ یہ ہمارے ساتھ تعاون کرے گا۔ ہماری طرف سے جنگ میں حصے لے گا۔ یہ سب سے آگے آگے رہے گا۔ فوج کی ہدایت پر عمل کرنا۔"

"جو حکم سردار ماشالا۔" سپہ سالار نے جواب دیا اور تعظیماً ماشالا کے آگے جھک گیا۔

اب مشعلوں کا جلوس کچھ فاصلے پر آ کر رک چکا تھا۔ صبح کا ہلکا ہلکا پھیلا گہرا تھا اور اس اجالے میں گھوڑ سواروں کی نقل و حرکت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ واقعی ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ماشالا کے چہرے کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ لیکن اب میں بار بار اسے اس امر کی تلقین کرنا نہیں چاہتا تھا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ چند لمحوں میں اس نے اس کیفیت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ماشالا کے علاوہ اس کے باقی تمام مشیروں اور فوجی افسروں کے چہروں پر بھی اس وقت تشویش و اضطراب کے آثار تھے جب انھوں نے اپنے سامنے کاشور کی بستی کے لشکرِ جرار کو دیکھا۔

"سردار ماشالا۔" میں نے آخر فیصلہ کن قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب اپنے چاروں معتمدین کے ساتھ پیچھے چلے جاؤ۔ میں دشمن کو حملے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں، میں آگے بڑھ کر اس پر ضرب لگانے کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ جاؤ اب واپس چلے جاؤ۔"

"اب سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے میرے عزیز دوست!" ماشالا نے کہا۔ "جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے معتمدین کو اشارہ کیا اور وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ میں انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اب میں نے اپنے سامنے نظر ڈالی۔ کاشور کی فوجیں اپنی صفیں درست کر رہی تھیں۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہماری بستی کی فوجیں پہلے سے ان کے مقابلے کے لیے صف آرا ہیں۔ لیکن انھوں نے اس امر کا اندازہ نہیں لگایا کہ ان کے مقابلے میں ہماری فوجی حیثیت بہت معمولی ہے۔

"سپہ سالار۔" میں نے آواز بلند کر کے کہا۔ کیونکہ سپہ سالار اور دوسرے سب اچھی طرح واقف تھے اور مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں میری آواز نہ پہچان لے۔ "تمہیں اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے جب تک کہ کاشور کی بستی کی فوجوں کے سپاہی اس طرف حملہ آور نہ ہوں۔ جب وہ تمہاری فوج پر حملہ آور ہوں، صرف اسی وقت تم جوابی کارروائی کرنا ورنہ خاموشی سے کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتے رہنا۔"

سپہ سالار میری بات کا مطلب پورے طور پر نہیں سمجھ سکا اور حیرت سے میرے نقاب پوش چہرے کو دیکھنے لگا، لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا دیا۔

ذرا دیر کے اندر میں کاشور کی فوجوں کے قریب تھا جو ابھی تک اپنی صف بندی میں مصروف تھیں۔ ان کا سپہ سالار ایک نہایت تنومند، بلند خوفناک شکل و صورت والا آدمی تھا جو سب سے آگے کھڑا ہوا اپنے لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ایک نقاب پوش کو تیزی سے گھوڑا دوڑا کر اپنے قریب آتے ہوئے دیکھ کر سامنے کے سارے لوگ چوکنے ہو گئے اور خاص طور پر سپہ سالار سامنے کا مہم جو ڈر کر مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔

میں نے انھیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میرا سب سے پہلا نشانہ سپہ سالار خود تھا۔ میرے ایک ہی وار نے اس کی گردن کو گز دور اچھال دیا تھا۔ اس کے بعد میں کسی شیر کی طرح ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا۔

شروع شروع میں ان لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ماجرا کیا ہے اور یہ کون پاگل شخص ہے جس نے تن تنہا اتنی بڑی فوج پر یہ اس طرح حملہ کر دیا ہے۔ لیکن جب ان کا سپہ سالار قتل ہو گیا اور تاخانا کشتوں کے پشتے لگنے شروع ہو گئے تو پھر وہ لوگ جیسے ایک دم ہوش میں آ گئے اور انھوں نے چاروں طرف سے مجھ پر یلغار شروع کر دی۔ درجنوں تلواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور اچٹ رہی تھیں۔ ہر طرف سے مجھ پر برے تابڑ توڑ ہو رہے تھے اور میں ان سب سے بے نیاز کاشور کے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے میں مصروف تھا۔ مرنے والوں کی تعداد میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا کہ کاشور کے فوجیوں کے حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کون بلا ہوں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اور مجھ سے کس طرح چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ بے تحاشہ ہر طرف سے مجھے گھیر رہے تھے اور مار رہے تھے۔ لیکن سیکڑوں کے حساب سے ان کے آدمیوں کی لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں۔

جو سپاہی پیچھے تھے انھیں شاید اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ غالباً ہماری بستی والوں نے حملہ کر دینے میں پہل کی ہے اور وہ ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس لیے انھوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت شروع کر دی اور آگے بڑھ کر جنگ میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن انھیں مخالف فوج کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ سوائے ایک پراسرار نقاب پوش کے، جو بے دریغ کاشور کے سپاہیوں کو ہلاک کر رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ڈھائی گھنٹے کے اندر ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اور زمین پر جگہ خون کے تالاب بنے ہوئے نظر آنے لگے۔ بیس سیکڑوں سپاہیوں کو ہلاک کر چکا تھا اور ہلاکت کا سلسلہ ابھی برابر جاری تھا۔

بالآخر جس نے کاشور کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہوتے ہوئے دیکھے۔ انھیں اپنا سارا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا۔ مخالف فوج سے باقاعدہ طور پر ابھی ان کی کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے لیکر ڈوں ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چند فوجی افسر بھاگتے ہوئے ایک طرف جا رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مزدور سردار لمبا پا کو اس غیر معمولی واقعہ کی اطلاع دینے جا رہے ہوں گے جو لشکر کے پیچھے کسی محفوظ مقام پر موجود ہو گا۔ میں بھی ان لوگوں کے پیچھے لپکا۔ راستے میں جس نے بھی مزاحم ہونے کی کوشش کی وہ سیدھا موت کی وادی میں اتر گیا۔ ان افسروں نے جب مجھے اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گئے۔ ان کی حواس باختگی کا یہ عالم تھا کہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اگلا قدم کیا اٹھائیں۔ وہ رک گئے اور ان کا رکنا ہی ان کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو گیا۔ میری خون میں بھیگی ہوئی تلوار کچھ اور زیادہ تر ہو گئی اور وہ سب کے سب مارے گئے۔

صورت حال اب بالکل بدل چکی تھی۔ کاشور کے سپاہی سخت خوف زدگی اور سراسیمگی کے عالم میں ادھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ میں جدھر بھی نکل جاتا، وہ لوگ مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کرتے۔

سورج آسمان پر چمکنے لگا تھا۔ ہر طرف دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا رک کر ایک نظر ادھر ڈالی جدھر ہماری بستی کی فوجیں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ سب کے سب خاموش کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ سب سے آگے سپہ سالار کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہماری بستی کی فوج نرغے کے ساتھ صف آرا تھی۔ دور بہت پیچھے ایک اونچے ٹیلے پر مجھے چند دھندلی دھندلی شبیہیں نظر آ رہی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ تنگ ماشالا اور اس کے معتمدِ خصوصی ہوں گے۔

کاشور کے ایک فوجی افسر نے اپنی پراگندہ اور بکھری ہوئی فوج کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے، لیکن مجھے معلوم تھا کہ اس اتفاقیہ حکم کی بجا آوری مشکل ہی تعمیل کی جا سکے گی کیونکہ اس کی فوجیں میں اتنی جرأت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ آگے بڑھ کر حملہ کر سکیں۔ تاہم کچھ سپاہیوں نے محاذ کا ثبوت دیتے ہوئے اس حکم کی پیروی کی کوشش کی۔ میں نے سب سے پہلے تو ایک وار میں اس افسر کا کام تمام کیا جس نے یہ حکم دیا تھا۔ اور اس کے بعد ان آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کے قدم رک گئے۔ میں بجلی کی سی تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک مار رہا تھا اور کسی کی مجال نہیں رہی تھی کہ آگے قدم بڑھا سکے۔ جو بھی ایسی حرکت کرتا تھا، سیدھا راہیِ عدم ہوتا تھا۔ میں گویا اپنی بستی کی فوجوں اور کاشور کی بستی کی فوجوں کے درمیان ایک متحرک دیوار کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

پھر ان لوگوں نے ایک عجیب و غریب حرکت کی۔ میں نے دیکھا پندرہ بیس سپاہی ہاتھوں میں بڑی بڑی جلتی ہوئی مشعلیں تھامے ہوئے تیزی سے میری طرف دوڑے اور انھوں نے چاروں طرف سے مجھے گھیر کر مجھ پر جلتی ہوئی مشعلوں کی بارش کر دی۔ جب تک میں تب تک تیز آگ نے میرے لباس کے کافی حصے کو جلا ڈالا۔ لیکن میرا نقاب کو بہر حال محفوظ رکھنے میں کامیاب رہا۔ آگ کی بارش سے گھوڑا بھی گھبرا گیا اور بدکنے لگا۔ مجبوراً مجھے اس پر سے نیچے اترنا پڑا۔ مجھے گھوڑے سے اترتا اور میرے ہاتھوں کو بیکار دیکھ کر ان لوگوں نے بے تحاشہ خوشی کے مارے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ سمجھے کہ ان کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا ہے اور بالآخر وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد ہی انھوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔

لیکن ان کی یہ خوشی اس وقت خاک میں مل گئی جب میں نے زمین پر ایک ٹوٹا ہوا گھاس پھونس کا پھٹا پرانا بستر دیکھا۔ میں نے اس بستر کو جلتے ہوئے لباس سے بچا لیا اور سلگتی ہوئی آگ بجھ گئی۔ میرے داہنے جسم پر ایک بار پھر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اپنی تلوار سنبھالی اور لپک کر ایک خالی گھوڑے پر قبضہ کیا۔ میری اس کارروائی کے ساتھ ہی ان لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی جو میرے گرد گھیرا تنگ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لیکن میں نے ان کو بھاگنے کی بہت کم مہلت دی ان میں سے بیشتر کو میں نے چند ہی منٹ میں ٹھکانے لگا دیا۔

اب کاشور کی فوجوں کی حالت واقعی بے حد خراب ہو گئی تھی۔ ان کا ایک سپاہی بھی آگے بڑھ کر ہماری فوجوں کے پاس نہیں پہنچا تھا اور میں نے ان کی صفوں میں تباہی مچا دی تھی۔ لیکن اب میں جلد ہی اس کھیل کو ختم کر دینا چاہتا تھا کیونکہ میرے ہاتھوں کافی سپاہی ہلاک ہو چکے تھے اور میں ان کی مزید ہلاکت کا خواہاں نہیں تھا۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھ کر ایک فوجی افسر کو جا پکڑا جو اپنے گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

"میں تمھیں ہلاک نہیں کر رہا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے لمبا پا کے پاس لے چلو۔ میں اس سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں... میں تمھارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "لمبا پا لشکر کے پیچھے موجود ہے۔ میرے ساتھ آؤ، میں تمھیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔"

"میرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے اسے حکم دیا۔

وہ بیساکھیوں کے سہارے چلتا ہوا میرے پیچھے گھوڑے کی پشت پر آن بیٹھا۔

وہ شخص اس قدر گھبرایا ہوا اور خوفزدہ تھا کہ میرے پیچھے بیٹھے رہنے کے باوجود اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی حالانکہ وہ سارے ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھا اور چاہتا تو مجھ پر طبع آزمائی کر سکتا تھا، لیکن ان سارے لوگوں کے دلوں میں تنگ مشت بیٹھ گئی تھی کہ اب کوئی شخص خود پہل کر کے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ بڑی خاموشی سے میرے پیچھے بیٹھا رہا اور میں نے گھوڑے کو لشکر کے پیچھے کی جانب موڑ دیا۔ کاشور کے سپاہی میرے راستے سے کائی کی طرح چھٹتے جا رہے تھے، اور میں تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ ہم لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔

لشکر کے عقب میں بھی حیرانی، سراسیمگی اور افراتفری کی فضا تھی۔ سفید گھوڑے پر سوار ایک شخص، جو اپنے لباس اور رعب قطع کے اعتبار سے سب زیادہ ممتاز اور نمایاں نظر آ رہا تھا، کبھی تو زنظروں سے میری طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ہے سردار لمبا پا!" فوجی افسر نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ جلدی سے میرے گھوڑے پر سے کود کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔

"تم ہی لمبا پا ہو؟" میں نے کرخت آواز میں اس شخص سے سوال کیا۔

"ہاں، میں ہی لمبا پا ہوں۔" اس نے غضب ناک آواز میں جواب دیا۔ "تم کون ہو؟ نقاب پوش بدروح اور کیا چاہتا ہے؟"

"میں تیری ساری فوج کی ہلاکت کا خواہاں نہیں ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اپنی فوج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دے۔ اسی میں تیری اور تیرے لوگوں کی بھلائی ہے۔"

"لمبا پا بزدل نہیں ہے مردود۔" اس نے گرج کر کہا۔ "میری زندگی میں شکست نہیں ہو سکتا۔ ہاں میرے مارے جانے کے بعد جو کچھ ہو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو گی؟ اور اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار کھینچ لی اور مجھ پر حملہ کر دیا۔

اگلے لمحے لمبا پا کا مردہ جسم زمین پر پڑا ہوا پھڑک رہا تھا۔ اس کا سر گردن سے جدا ہو چکا تھا۔ دونوں میں سے کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ سب کے سب خوش و خشت زدہ اور گھبرائے ہوئے تھے۔

لمبا پا کا نائب کون ہے؟" میں نے گرج کر پوچھا۔

ایک شخص ڈرتا ڈرتا سامنے آیا۔ "میرا نام بابھو ہے سردار میں لمبا پا کا نائب ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا چاہتا ہے تو؟" میں نے اسی طرح کڑک کر پوچھا۔ "اپنی ساری فوج کی ہلاکت یا شکست؟"

"ہمیں تو شکست ہو ہی چکی ہے۔" اس نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "ہمارا سپہ سالار بھی مارا جا چکا ہے اور ہمارا سردار بھی۔ اس کے علاوہ لاتعداد سپاہی قتل ہو چکے ہیں۔ اب شکست تسلیم کرنے کے علاوہ ہمارے پاس چارہ ہی کیا ہے؟"

"تو پھر اپنی فوجوں کے سامنے چل کر باقاعدہ اعلان کر دے کہ تو نے شکست قبول کر لی ہے۔" میں نے کڑک کر اسے حکم دیا۔ اس کے بعد تجھے ہماری بستی کے سردار کے حضور میں پیش ہونا پڑے گا اور وہی فیصلہ دے گا۔ فی الحال تجھے غیر مشروط طور پر شکست قبول کرنی پڑے گی۔"

"میں اس کے لیے تیار ہوں۔" بابھو نے جواب دیا۔

"تو پھر چل۔" میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

بابھو نے اپنی فوجوں کے سامنے جا کر بلند آواز میں باقاعدہ اعلان کیا کہ سپہ سالار اور سردار لمبا پا، دونوں مارے جا چکے ہیں اور وہ لمبا پا کے نائب کی حیثیت سے غیر مشروط طور پر شکست قبول کرتا ہے۔ اس لیے اب کوئی سپاہی ہتھیار نہ اٹھائے۔

میں نے محسوس کیا کہ اس اعلان کے ساتھ ہی کاشور کی فوجوں میں ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ سپاہی جلدی جلدی اپنے گھوڑوں پر سے نیچے اترنے لگے اور ایک دو مرتبہ سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ میرے کانوں میں تنگ تھک کے جملے پڑنے لگے کہ "بابھو نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ ہم خانہ جنگی سے تو بچ سکتے ہیں۔ لیکن دوستوں یا دیوتاؤں سے ہم کس طرح جنگ کر سکتے ہیں۔ یہ نقاب پوش تو ناقابلِ تسخیر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہماری ساری فوج کو کاٹ کر رکھ دیتا اور ہم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔" وغیرہ وغیرہ۔

"اب تم اپنے چند معتمدین کو ساتھ لے کر میرے ساتھ سردار تنگ ماشالا کے پاس چلو۔" میں نے بابھو کو حکم دیا۔

بابھو نے اپنے تین چار چیدہ چیدہ ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیا اور میں ان لوگوں کو لے کر اپنی بستی کی فوجوں کی سمت روانہ ہوا۔

ہم لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہماری بستی کی فوجوں میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں میں یہاں سے وہاں تک اضطراب کی لہریں دوڑ گئیں۔ میں نے دور سے ماشالا اور اس کے ساتھیوں کو ٹیلے پر سے اترتے ہوئے دیکھا۔ میرے چہرے پر ابھی تک نقاب پڑی ہوئی تھی اور جب میں اپنی بستی کی فوجوں کے قریب پہنچا تو سب سے پہلے اس چھوٹے سے قافلے کا خیر مقدم کرنے والا ہماری بستی کی فوجوں کا سپہ سالار تھا

Optimized by www.ImageOptimizer.net

جو اب بھی فوجوں کے آگے کھڑا ہوا تھا، وہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے میرے گھوڑے کی باگیں تھام لیں۔

"مرحبا اجنبی دوست۔ آفرین ہے تمہاری اور پر! اس نے کہا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور نہ ہی تمہارے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں لیکن اب اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ تم ناقابل تسخیر ہو۔ تم واقعی ناقابل تسخیر ہو، تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم آسمانی روح ہو یا انسان کے روپ میں کوئی دیوتا ہو؟"

سپہ سالار میری شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بابو اور اس کے تینوں ساتھی بھی ہمارے ساتھ تھے۔

سامنے سے ماشالا اس کے چاروں معتمد اور کچھ دوسرے لوگ تیزی سے ہماری جانب بڑھتے ہوئے چلے آرہے تھے۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر ہم لوگ ایک دوسرے کے آمنے سامنے رک گئے۔

"فتح مبارک ہو سردار ماشالا!" میں نے ماشالا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کاشور کی بستی کا سردار لمبا پا مارا جا چکا ہے۔ ان کی فوجوں کا سپہ سالار بھی مارا جا چکا ہے۔ میرے ساتھ وہاں کا نائب سردار بابو ہے۔ بابو نے غیر مشروط طور پر شکست قبول کر لی ہے اور اپنے سپاہیوں کو جنگ بند کرنے کا حکم دے دیا ہے؟"

"کون سی جنگ میرے دوست؟" ماشالا نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی سارے لوگ اپنے گھوڑوں پر سے اتر آئے۔ بابو اور اس کے تینوں ساتھی بھی اپنے گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔

"کوئی جنگ تو شروع ہی نہیں ہوئی۔" ماشالا نے بابو کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "صرف تم آئے تھے جو کاشور کی فوجوں کے درمیان گھس گئے تھے اور تم نے وہاں جا کر غدر مچا دیا۔ ہماری فوج کے کسی ایک سپاہی کو بھی ہتھیار اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"بہرحال، جو کچھ بھی ہوا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میدان تمہارے ہاتھ ہے۔ کاشور کی بستی کا نائب سردار جو اب سردار کی جگہ پر ہے، اپنے منصوبے معتمدین کے ساتھ تمہارے سامنے موجود ہے وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر چکا ہے؟"

"میں نائب سردار بابو کے اس فیصلے پر اس کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے اپنی فوج کو بلاوجہ کی تباہی اور بربادی سے بچا لیا ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "اگر بابو بروقت فیصلہ نہ کرتا تو مجھے یقین ہے کہ اس کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہ بچ سکتا۔"

"سردار ماشالا!" بابو نے پہلی بار سب کے سامنے اپنی زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے کا غیر مشروط حکم دے دیا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم ہم سے کیا چاہتے ہو، ہم تم جو کچھ کہو گے ہم وہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہو چکا ہے کہ اس پراسرار نقاب پوش کی شکل میں تمہیں کس نوعیت کی غیر معمولی طاقت حاصل ہے اور اس کی موجودگی میں اگر ہمارے پاس کسی دوگنی فوج بھی موجود ہو تو بھی ہم تم سے جیت نہیں سکیں گے۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مشروط ہتھیار ڈال کر قبول کر لوں۔ اب میں تمہارے ہر حکم کا پابند ہوں۔ اور سب سے پہلے تم سے اپنے لیے اور اپنے معتمدین کے لیے جان کی امان کی درخواست کرتا ہوں۔"

"ہمیں تمہاری جان لینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سردار ماشالا نے بڑے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "ہم تو کسی کی بھی جان نہیں لینا چاہتے تھے۔ لیکن حملہ تم لوگوں نے کیا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہمیں اپنے دفاع کے لیے کارروائی کرنی ضروری تھی۔" اور وہ مسکرایا۔ "اب تم سب لوگ ہماری امان میں ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو بھی اب ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ تم لوگ ہمارے مہمان ہو اور ہم مہمانوں کے ساتھ احترام کا سلوک کرتے ہیں۔"

ماشالا کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بابو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے ہرگز اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس قدر فراخدلانہ سلوک کیا جائے گا۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ماشالا کی فوج کے تمام چیدہ چیدہ لوگوں کو اور اعلیٰ عہدہ داروں کو قتل کر دیا جائے گا اور باقی سپاہیوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ کیونکہ علاقے میں جنگوں کے دور ان ہی دستور تھا۔ لیکن ماشالا نے جس فیاضانہ روش کا اظہار کیا تھا وہ اس کے لیے بالکل نئی بات تھی۔

"میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں سردار ماشالا۔" بابو نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔"

"اپنے تمام فوجیوں کو حکم دے دو کہ وہ واپس اپنی بستی کو روانہ ہو جائیں۔" ماشالا نے بابو کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اور ہاں اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ بستی میں جانے کے بعد وہ کسی بھی شخص کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔ یہ بات ہمارے علم میں آ چکی ہے کہ سردار لمبا پا اور اس کے عمال نے بستی کے لوگوں کو سخت ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ اب یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ کاشور کی بستی کے لوگوں پر اب کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح اپنے سپاہیوں کو سمجھا دو۔ اور جو سرکاری عمال بستی میں موجود ہیں ان کو بھی یہ پیغام بھجوا دو کہ ہمارا ایک وفد یہاں سے تمہاری بستی کی طرف روانہ ہوگا۔ وہ وہاں جا کر کاشور کا پنچ خود جائزہ لے گا۔ اس کے بعد طے کریں گے کہ کاشور کی بستی میں فی الحال کون کون اصلاحات کی ضرورت ہے۔"

"سردار ماشالا کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے گی۔" بابو نے کہا۔ "مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنے فوجیوں کے پاس جا کر انہیں ضروری ہدایات دے سکوں۔"

"تم اپنے فوجیوں کے پاس جا سکتے ہو۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "لیکن ان سے بات کرنے کے بعد فوراً ہمیں واپس آنا ہوگا۔"

"میں ابھی چند منٹ میں یہاں واپس آتا ہوں۔" بابو نے کہا۔ "اس دوران میرے تینوں مشیر ان علی یہاں موجود رہیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی ہے کہ تم اپنے چہرے کو چھپائے رکھو۔" ماشالا نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنا نقاب اتار دو اور بستی والے تمہاری اصل شکل دیکھ لیں؟"

"مجھے اب اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے چہرے پر سے نقاب اتار ڈالا۔ نقاب کا اترنا تھا کہ گویا ایک قیامت برپا ہو گئی۔ ہر طرف سے "فروس فروس" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بستی کے فوجی چاروں طرف سے جیسے مجھ پر پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔ ان میں سپہ سالار بھی شامل تھا۔ ان لوگوں نے مجھے کاندھوں پر اٹھا لیا اور میرے نام کے نعرے بلند کرنے لگے۔ وہاں موجود تمام لوگوں میں تاحد نگاہ یہ خبر پھیل گئی کہ فروس موجود ہے اور نقاب پوش کی شکل میں وہی تھا جس نے کاشور کی بستی کی فوجوں کی اس بری طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ بابو کے تینوں مشیر حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کوئی میرے نام سے واقف تھا یا نہیں، کیونکہ شاید بجو اور اس کے ساتھیوں کا براہ راست (بلطہ لمبا پا) سے تھا۔

فوراً ہی بابو واپس آ گیا۔ اس نے نقاب کے بغیر میرا چہرہ دیکھا تو چونک پڑا۔

"تم تو عام انسانوں کی طرح ہو؟" اس نے حیران ہو کر مجھ سے پوچھا۔ "صرف فرق یہ ہے کہ تمہاری رنگت سنہری ہے۔ جو کہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس نقاب کے پیچھے نہ جانے کیسا پراسرار چہرہ پوشیدہ ہوگا۔"

"میرا نام فروس ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا کبھی لمبا پا نے تم سے میرا ذکر کیا تھا؟"

"فروس؟" بابو نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو تم فروس ہو؟ مگر تمہارے بارے میں تو ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم مجھ اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے مہم میں بستی سے چلے گئے تھے۔"

"میں کہیں نہیں گیا تھا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "صرف لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو گیا تھا۔"

فوراً ہی بربر میں کاشور کی بستی کی فوجوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ یہ دیکھتے ہی دیکھتے سامنے والے میدان میں لاشوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ کاشور کی فوجوں کی روانگی کے بعد ماشالا نے اپنی فوجوں اور شہریوں کو بستی میں واپس آنے کا حکم دیا۔ سب لوگ خوشی کے مارے ناچتے گاتے اور شور مچاتے ہوئے بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس رات بستی میں بڑے زور کا جشن منایا گیا۔ اس جشن کا ہیرو میں تھا۔ ماشالا سمیت بستی کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر میرے بارے میں یہ رائے قائم کر لی تھی کہ میں کوئی دیوتا ہوں جسے خاص طور سے ان کی تائید و حمایت کے لیے آسمانوں سے اتارا گیا ہے۔

دوسرے دن سات افراد پر مشتمل ایک وفد بابو اور اس کے ساتھیوں کی ہمراہی میں کاشور کی بستی کو روانہ ہوا۔ اس وفد میں میں بھی شامل تھا۔ ہم لوگوں نے تقریباً ایک ہفتے تک یہاں قیام کیا اور یہاں کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا اور متعدد اصلاحاتی اقدامات کیے۔ ہم نے بابو کو نیا سردار بنا دیا جو بہت سے عمال کو ہٹا کر ان کی جگہ نئے لوگوں کا تقرر کیا۔ بستی کے عام لوگوں ان اصلاحات سے بہت خوش تھے اور ہمارے بے حد ممنون تھے کہ ہم نے انہیں لمبا پا جیسے ظالم و جابر انسان سے نجات دلا دی۔ ہمارا کاشور کی بستی پر حکومت کرنے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے وہاں کے حالات کو درست کرنے اور حکومت بابو کے سپرد کرنے کے بعد ہم لوگ واپس آ گئے۔ تاہم آتے آتے بابو پر یہ بات واضح کر دی کہ میٹنگ میں کہ ہر حکم ایک بار ہمارا کوئی نہ کوئی نمائندہ یہاں آ کر حالات کا جائزہ لیتا رہے گا اور اگر اس کے خلاف کوئی شکایت پائی گئی تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔ بابو نے وعدہ کیا کہ وہ ہماری ہدایات پر پوری طرح عمل کرے گا۔

اب بستی میں آنے کے بعد میرے لیے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی، وہی مصیبت جس سے میں اس سے پہلے بھی بار بار گزر چکا تھا۔ لوگوں نے مجھے انسان سمجھنا چھوڑ دیا تھا اور دیوتا سمجھ کر میری پرستش شروع کر دی تھی۔ اب بستی میں میری الہ آرمیہ کی جنت دیوتا اور دیوتا کی ہوگئی میں جلد ہی ماہ میں اس صورت حال سے پریشان ہو گیا۔ اگرچہ آرمیہ اس میں کوئی پریشانی محسوس نہیں کر رہی تھی، بالآخر میں نے فیصلہ کر ہی لیا کہ آرمیہ کو لے کر اب یہاں سے کسی اور ہمراہ کا رخ کروں۔ جب میں نے آرمیہ کو اپنی اگلی پیش قدمی سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ گو کہ اسے اس تجویز سے پورے طور پر اتفاق نہیں ہے، کیونکہ وہ یہ سمجھتی ہے کہ ہم یہاں نہایت آرام اور عزت و آبرو کی زندگی گزار رہے ہیں، تاہم اگر میں اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہتا ہوں تو وہ میرے ساتھ چلے گی۔ اس نے ایک بار پھر مجھ پر یہ بات واضح کر دی کہ میرا اور اس کا جنم جنم کا ساتھ ہے اور جہاں میں جاؤں گا، وہاں وہ بھی جائے گی۔ میں اس معصوم عورت کی سادگی پر دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم کہ میرا اور اس کا جنم جنم کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اسے کیا معلوم کہ میری طویل زندگی میں اس جیسی کتنی عورتیں آئیں اور چلی گئیں۔

"لیکن ہمیں یہاں سے چھپ کر رات کی تاریکی میں نکلنا ہوگا۔" میں نے آرمیہ سے کہا۔ "اگر ہم نے ماشالا اور بستی والوں کی اجازت سے یہاں سے جانا چاہا، تو وہ کبھی بھی اس امر کی اجازت نہیں دیں گے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"...خواہ مخواہ کا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں یہاں سے چوروں کی طرح چھپ کر بھاگنا ہوگا؟" آرینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جو بھی سمجھ لو۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن ہر بستی والوں کو تو ہتا کر نہیں جا سکتے۔"

پھر ایک رات ہم نے وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم جس شے کو اپنے لیے ضروری سمجھ رہے تھے، وہ کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ آرینہ ساتھ تھی اس لیے سارے ہتھیارات ضروری تھے۔ چنانچہ میں نے دو خنجر اور تیر رکھنا گھوڑوں کے علاوہ پانی کے چند مشکیزے اور سوکھے ہوئے گوشت کے ایک بڑے ذخیرے کا بندوبست کیا اور کچھ کپڑے بھی ساتھ لیے۔ آرینہ کے قیمتی زیورات ابھی تک اس کے پاس موجود تھے۔ انھیں بھی ہم نے ساتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد رات کی تاریکی میں، جبکہ ساری بستی میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور ساری دنیا محوِ خواب تھی، ہم خاموشی سے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس علاقے سے نکل گئے۔

جلد ہی بستی پیچھے رہ گئی اور ہم گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ محض آرینہ کی حفاظت کے خیال سے میں نے کچھ ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے لیے تھے جن میں ایک بس بھی اور تیر و کمان بھی شامل تھی۔ خود آرینہ بھی ہتھیاروں سے لیس تھی۔ اسے ہتھیاروں کا استعمال بھی بخوبی آتا تھا، کیونکہ اس نے اپنی شہزادگی کے زمانے میں فنِ حرب کی باقاعدہ تربیت حاصل کی تھی۔

ہم نے رات بھر اپنا سفر جاری رکھا۔ ہماری یہ کوشش تھی کہ ہم نے کسی جگہ کا تعین کیا تھا۔ بس یوں ہی منہ اٹھایا تھا اور چل پڑے تھے۔ راستے میں کئی جگہ جنگلی جانوروں سے بھی ہمارا سامنا ہوا لیکن ان میں سے کسی نے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی اور ہمارا سفر جاری رہا۔

صبح کا اجالا پھوٹنے تک ہم بستی سے اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب اگر بستی والے ہماری تلاش میں نکلتے بھی تو ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکتے تھے۔ اب صبح ہو چکی تھی۔ اس لیے ہم نے کچھ دیر کی آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد جلد ہی ہم نے اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کر دیا۔ اس اثنا میں ہمارے گھوڑے بھی تازہ دم ہو چکے تھے۔

تین دن تک ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چوتھے دن ہمیں دور سے کسی بستی کے آثار نظر آئے۔ ابھی ہم سے بہت دور تھی بستی کے داہنی طرف ایک وسیع و عریض میدان تھا جہاں دھندلے دھندلے نقطوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ میں پہلے تو سمجھ نہیں پایا کہ یہ کیا چیز ہے لیکن جب میں نے زیادہ غور کیا تو میری سمجھ میں آیا کہ اس میدان میں بہت سے گھوڑے نصب ہیں۔ گویا بستی کے باہر گھوڑوں کا ایک بڑا لشکر خیمہ زن تھا۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ بستی کے باہر ان گھوڑوں کو کیا ہوا کہ اچانک پندرہ بیس سپاہیوں کے ایک جتھے نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" ان کے سردار نے کڑے تیوروں سے مجھے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس اثنا میں اس کی نگاہیں آرینہ کے جسم کا طواف کر رہی تھیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی ہوس کو صاف طور پر محسوس کر لیا تھا۔

"ہم مسافر ہیں۔ ہم نے اپنی بستی چھوڑ دی ہے اور میں ذرا کم کی تلاش میں کسی اور بستی کی طرف جا رہا ہوں۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔ "ہمارا کوئی منزل نہیں ہے۔"

"یہ عورت تمہاری کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ میری بیوی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم دونوں کو ہمارے سردار کے پاس چلنا پڑے گا۔" اس شخص نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے تم کوئی جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے تم اس عورت کو ہمیں سے جگا کرنے آئے ہو۔ بہر حال تمہاری قسمت کا فیصلہ تو اب سردار ہی کرے گا۔"

آرینہ اس نئی افتاد سے پریشان نظر آ رہی تھی، لیکن میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے سپاہیوں کے سردار سے کہا۔ "ٹھیک ہے، ہم نے اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ ہمیں جانے دو۔ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم تو خود اس علاقے میں بالکل اجنبی ہیں۔"

"یہ تو ہمارے سردار ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ تمہیں جانے دیں یا اس حسین و جمیل عورت کو بھی تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔" اس شخص نے ایک فحش سا قہقہہ لگایا۔ اچانک میرے جی چاہا کہ ایک طمانچہ اس کی موٹی سی ناک پر رسید کر دوں۔ لیکن میں نے اپنے آپ پر قابو پایا کیونکہ آرینہ کے تحفظ کا سوال سب سے زیادہ اہم تھا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی ہنگامہ ہو جو اس کی کوئی نقصان پہنچ جائے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے پُرسکون آواز میں کہا۔ "ہم لوگ تمہارے سردار کے پاس چلنے کے لیے تیار ہیں۔"

"چلو۔" اس شخص نے کہا۔ اس کے ساتھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر دوڑا چکے تھے۔ اب بستی کے قریب خیموں کی قطاریں صاف نظر آ رہی تھیں۔ جلد ہی ہم ان خیموں کے قریب پہنچ گئے۔ مضبوط کاٹھی کا ایک پورا فوجی خیمان مقیم تھا۔ بستی کے چاروں طرف مضبوط باڑھ تھا اور بستی کا نہایت بھاری بھر کم چوبی دروازہ جو بستی میں داخل ہونے کا واحد راستہ تھا، اندر سے بند تھا۔ گویا پوری بستی ایک مضبوط و طاقتور قلعے کی مانند تھی جس کے لوگ اندر سے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ فوج ان کا محاصرہ کیے پڑی تھی۔ ہلچل اور تبدیلی ہر جگہ دیکھی جا سکتی تھی۔ ہر جگہ سپاہی موجود تھے۔

سپاہیوں کی جھپٹ کے سردار نے ہم دونوں کو ایک خالی خیمے میں بٹھا دیا اور چند سپاہیوں کو ہماری نگرانی پر مامور کر کے خود چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ واپس آیا اور ہم سے کہنے لگا کہ

...نے تم دونوں کو بلایا ہے۔"

ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کچھ فاصلے کے دروازے پر پہنچ کر اس شخص نے ہمیں رک جانے کا اشارہ کیا اور خود اندر داخل ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد اگر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں خیمے کے اندر داخل ہو گئے۔

ایک دم میری اور آرینہ کی آنکھیں حیرت میں ڈوب گئیں۔ سامنے ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا جس پر بڑی شان و وقار کے ساتھ آزوب براجمان تھا۔ آزوب نے ہم لوگوں کو دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ "تم...

"تم دونوں..." تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کے ہونٹوں سے جیسے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ "میرا خیال تھا کہ تم لوگ اب تک ہوا کے دوش پر سوار ہو کر اس علاقے سے بہت دور نکل چکے ہو گے۔ یہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اس وقت آرینہ کے جذبات بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ فرحان نے کہا۔

"لیکن وہ تو ظاہر ہی ہو گیا۔" ظاہر ہونا اس کے ہونٹوں پر چڑھا ہوا تھا۔ "وہ تو کوئی جانی ہو گی۔" آزوب نے دونوں کا یکجا ذکر کرنے کی کچھ نہیں کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "آرینہ حیرت زدہ تو ضرور تھی لیکن خوفزدہ کسی بھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ آزوب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہی تھی۔

"میں کسی مضبوط سلطنتی جن کی طرح آزوب کے سامنے کھڑا ہوا تھا!"

"تم تو ہم دونوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے چلے تھے۔" میں نے کہا۔ "ہم دونوں اپنی جانوں کے ساتھ بھی کھیلے تھے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ گھنے جنگلوں میں ہم دونوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ لیکن چلو اچھا ہوا کہ تم بھی زندہ سلامت ہو۔ ہم نے تو تمہیں مرا ہوا سمجھ لیا تھا۔ ہم تو تمہاری قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے آئے تھے۔ ہم نے تو تمہارے لیے آنسو بہائے تھے۔ اور تم یہاں ہو۔ تم زندہ سلامت ہو۔ تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا۔ ہم تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

"میں نے تم دونوں کو مرنے کے لیے نہیں چھوڑا تھا۔" آزوب نے جواب دیا۔ "میں نے تم دونوں کو اس لیے چھوڑا تھا کہ تم دونوں کو ایک موقع مل سکے۔ تم دونوں کو ایک موقع مل سکے۔ تم دونوں کو ایک موقع مل سکے۔

کے بیٹے یا میں آزیہ کا باپ محمد ہوا ہر چکا ہے اور اب میں اس علاقے کا حکمران ہوں۔ اب نے اپنی حکومت کے دائرے کو کافی وسیع کر لیا ہے اور بہت سی نئی بستیوں کو فتح میں شامل کر دیا ہے۔ اس بستی کا ہم شمار ہے اور یہاں کے لوگوں نے میری اطاعت قبول کر لینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ علم بغاوت بلند کر چکے ہیں۔ لیکن وہ تب تک ایسا کر سکیں گے جب تک ہماری فوجیں اس بستی میں شامل ہونے والے تمام باغیوں کو جڑ سے ختم نہ کر دیں۔ یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا اور پھر ہی فوجیں ان لوگوں کو کوئی رعایت نہیں دیں گی۔ پھر اس بستی کے ہر فرد کو ان کی ساری کھیتیاں جلا دی جائیں گی۔ بلکہ ساری بستی کو ہی تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ ان حالات میں بھی اگر سب مل کر مقابلہ کریں گے تو انہیں جلد ہی قلعے کا دروازہ کھولنا پڑے گا۔ اور پھر میں انہیں ایسی سزا دوں گا کہ آئندہ کوئی بھی ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے مرد لوگوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو کنیزیں بنا لیا جائے گا۔ ان کے سارے بچوں کو ان کے ماں باپ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا جائے گا۔ ان کے گھروں کو جلا دیا جائے گا۔ بلکہ میں تو یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ آزیہ کو کیا جیسے، لیکن اس منظر کو دیکھنے کے لیے تم اور آزیہ زندہ نہیں ہو گے۔ میں تم دونوں کو حساب اس سے پہلے ہی چکا دوں گا۔"

"اگر تم ایسا کچھ نہیں کرو گے تو فوجیں ہی سہی۔" میں نے جواب دیا۔

"ان دونوں کو جواب مضبوطی کے ساتھ دیتے ہوئے سنا تو آزیہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ اور اس کے بعد انہیں ایک ایک تھپڑ کر کے اس کے گرد سخت پہرہ بٹھا دیا۔ جہاں رسے بھی گئے زیادہ سخت بنا دیے گئے اور خاص طور سے پیروں کو جکڑنے کی پابندی کی گئی۔ اسے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ فی الحال تو انہیں قید کر دو۔ پھر میں ان کے لیے عبرت ناک سزا کے بارے میں سوچوں گا۔"

میں ابھی کچھ فیصلہ ہی نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کسی انجانی طاقت نے زور کا جھٹکا دیا۔ اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے دیکھا کہ ہم دونوں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور ہمارے گرد سپاہی کھڑے تھے۔ ہم دونوں کو خوب اچھی طرح رسیوں سے جکڑا گیا تھا۔ ہمارے پیر بھی باندھ دیے گئے تھے۔ ہمیں زمین پر گرا کر ہمارے ہاتھ بھی باندھ دیے گئے تھے۔ اور اس طرح ان لوگوں نے ہمیں بالکل بے بس کر دیا۔ اپنا کام ختم کرنے کے بعد اور ہمیں اچھی طرح سے بے بس کر دینے کے بعد سپاہی پیچھے ہٹ گئے۔

"تم لوگ دیوانے تو بالکل نہیں تھے جو محمد کو دیوانے کہتے۔" میں نے کہا۔

"جانتے ہم دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن فوجیں بھیجنے کے بعد ہم نے آزوب کو بتایا کہ تم دونوں دیوانگی کے ناٹک کر رہے ہو۔ اس لیے ہم نے آزوب کو کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنے دی جس سے تم دونوں کو کوئی فائدہ پہنچتا۔ رہا معاملہ آزوب کا تو اسے ہم نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اب وہ ہمارے خلاف میں بغاوت کر دوں گا۔ پھر اس کے بعد موقع پا کر ہم دونوں کو زندہ یا مردہ واپس لے جائیں گے۔ ہم اس کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

میں نے زور کی بات کا جواب دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ خاموشی سے مجھے کسی زمین پر لڑنا پڑا۔ سپاہیوں کے ساتھ اس بھی نیچے سے نکل گیا اور ان لوگوں نے نیچے کے پردے کو ڈوریوں سے باندھ دیا۔ اب ہم دونوں اور آزیہ تنہا رہ گئے تھے۔

"اب کیا ہو گا فرزوں کے جانے کے بعد آزیہ نے خوفزدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہو گا آزیہ۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہم بالکل محفوظ ہیں۔ آزوب نے ہمیں جس طرح محفوظ کیا ہے اس سے پہلے بھی جب آزوب نے ہمیں نہیں گھیرا تھا تو میں نے ان کا کیا حشر کیا تھا۔ اس بار بھی یہ حشر سے مختلف ہو گا۔ تم میری طاقت کا اندازہ اس سے پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی ہو۔ اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہ ہوتا کہ ہم اسی بستی میں رہتے دونوں نے ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہوتا۔" آزیہ نے کہا۔ "میں محبت تم سے کرتی ہوں اور تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اس صورت میں تو ہمارے لیے بہتر ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔ ہمیں نہ ملتے۔ اس صورت میں ہم کم از کم اس تکلیف میں تو مبتلا نہ ہوتے جس میں اب ہیں۔ ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑے گا۔ ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کو بھولنا پڑے گا۔ ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کی یاد سے اپنے دل کو خالی کرنا پڑے گا۔ ہم دونوں کو ہی ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنی پڑے گی

سوئے ہوئے سیاہی کے قریب لگی ہوئی اس کی تلوار اٹھالی۔ اب میرے ہاتھ میں ایک ہتھیار آگیا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا تھا۔

نظر پر تصرف کرنے کے بعد میں نے آہستہ سے آرینہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں دبے قدموں نیچے سے باہر نکل آئے۔ میں نے آرینہ کو ہدایت دی کہ وہ سختی کے ساتھ میرے پیچھے رہے۔ ہمیں اس سمت میں پیش قدمی شروع کر دینی چاہیے جدھر ہم بالکل اندھیرا تھا۔ ہم دونوں نیموں کی آڑ لے کر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک ہمیں نیموں کے آگے سیاہ سے ہوتے ہوئے نظر آئے۔ ہم احتیاط کے ساتھ ان سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔

یکایک ہمیں سامنے سے دو شعلیں اپنی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ ناممکن نہیں تھا کہ ہمارے جلد ہی سے اپنے قریب نصب شدہ ایک نیمے کا رخ فضا میں گئے۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے آرینہ کو اشارہ کیا کہ وہ نیمے کے اندر داخل ہو جائے۔ آرینہ نیمے کے اندر چلی گئی اور اس کے پیچھے ہی میں بھی نیمے میں داخل ہو گیا۔ اندر گھپ اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن بھاری بھاری سانس کی آواز سے اس بات کا اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ نیمے کے اندر کچھ لوگ سو رہے ہیں۔ میں نے آرینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم دونوں نیمے کے اندر ہی دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو گئے کیونکہ آگے بڑھنے کی صورت میں اندر سوئے ہوئے لوگوں کے جسموں سے پیر ٹکرا جانے کا خطرہ تھا۔ ہم دونوں سانس روکے ہوئے خاموش کھڑے رہے اور نیمے کے اندر پردے کی جھری سے باہر دیکھتے رہے۔ وہ قدرے دور میں چار سپاہی تھے جو ہمارے سامنے سے گزرتے چلے گئے۔ ان میں سے جو دو آگے تھے ان کے ہاتھوں میں مشعلیں روشن تھیں اور ہوائی دوران کی لو اہتزازی انداز میں ہل رہے تھے۔ وہ لوگ آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

جب وہ لوگ ہمارے سامنے سے گزر گئے تو ہم دوبارہ اس نیمے سے باہر نکل آئے اور ہم نے آہستہ آہستہ اور احتیاط کے ساتھ اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ نیموں کی لمبی قطاریں تھیں کہ شیطان کی نسل کی حفاظت کے لئے بچھائی ہوئی تھیں۔ ختم ہونے ہی میں نہیں آتی تھیں۔ راستے میں کئی جگہ ہمیں روشنیاں اور گشت کرتے ہوئے مشعل بردار سپاہی ملے لیکن ہر مرتبہ ہم نے احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو ان کی نظروں سے محفوظ رکھا۔ کئی جگہ ہم نے خود کو نیموں کے اندر چھپایا اور بعض جگہوں پر زمین دست خطر محل لے کر ہم نیموں کے پیچھے چھپتے چلے گئے۔ غرض اسی طرح چھپتے چھپاتے اور بچتے بچاتے ہم نیموں کے اس جنگل سے باہر نکل گئے۔ میں نے اب آرینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

نیمہ گاہ کی حدود سے باہر نکل کر ہم نے پیچھے پلٹ کر ایک نظر نیمہ گاہ پر ڈالی۔ اندھیرے میں نیموں کی قطاریں بھوتوں کے کسی لشکر کی مانند نظر آرہی تھیں۔ کہیں کہیں الاؤ کی روشنی کی مشعلیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ صبح سے پہلے ہم لوگوں کے فرار کی اطلاع کسی کو نہیں مل سکے گی۔

آرینہ بھی اب کافی اطمینان محسوس کر رہی تھی اور اس کا خوف قدرے دور ہو چکا تھا۔ نیمہ گاہ کے بعد ایک وسیع میدان تھا اور اس میدان کے اس پار گھنا جنگل تھا۔ نیمہ گاہ کے ساتھ ساتھ شمرالہ کی بستی بھی تھی۔ میں نے رک کر ایک نظر شمرالہ کی بستی پر ڈالی۔ قلعہ کی بلند و بالا دیواریں گہرے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی نظر آتی تھیں۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا اور سناٹے کا عالم تھا۔ اگر فیصل کے دیگر لشکر بھی کچھ لوگ موجود ہیں بھی تو اگلی وہ اندھیرے کے باعث ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے میں نے آرینہ کے ساتھ شمرالہ کی قلعہ نما بستی کا ایک چکر لگانے کا فیصلہ کیا۔

شمرالہ کی قلعہ نما بستی کو آزوب کے لشکر نے دو طرف سے گھیر رکھا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ دباؤ دریا کی طرف تھا۔ دریا کی سب سے زیادہ فوج تھے اور لشکریوں کی تعداد بھی اسی طرف زیادہ تھی۔ بستی کی دوسری جانب نیموں کی تعداد بہت کم تھی اور قلعہ نما بستی کی پشت پر محض چند خیمے نصب تھے جن میں اس وقت گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ممکن ہے وہاں کے وقت ان میں کوئی رہتا ہو لیکن اس وقت تو بالکل سناٹا اور سنسان نظر آرہے تھے۔ میں نے آرینہ کا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے تو شمرالہ کی قلعہ نما بستی کے گرد گھومے اندھیرے میں ایک چکر لگایا اور اس کے بعد ہم دونوں بستی کے پچھلے حصے کی طرف نکل گئے جہاں محض چند خیمے ایستادہ تھے۔

ہم نے آرینہ کو ایک خیمے کی آڑ میں بحفاظت کھڑا کر دیا اور خود خیموں کے اس پاس منڈلا کر اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرنے لگے۔ کسی بھی خیمے پر سے گہری سانسوں یا خراٹوں کی آواز نہیں آرہی تھی جس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید ان کے اندر کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ اس کے بعد میں احتیاط کے ساتھ ایک خیمے کے اندر داخل ہوا۔ میں نے خوب اچھی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ خیمہ اندر سے بالکل خالی تھا۔ اس ایک خیمے کے علاوہ اس طرف تین خیمے اور تھے ان تینوں خیموں میں سے میں نے دو کا سرسری جائزہ لیا۔ دونوں ہی خالی تھے۔ اب صرف ایک خیمے کو دیکھنا باقی رہ گیا تھا۔

جب میں اس آخری خیمے میں داخل ہوا تو مجھے یہاں کسی انسان کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ تاریکی بھی تھا مگر ہیولہ سا نظر آرہا تھا اور اس کی بھاری بھاری سانسوں کی آواز صاف طور پر سنائی دے رہی تھی۔ میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ پورے لشکر میں اس وقت تک کوئی بھی خیمہ خالی نہیں کر دیا گیا تھا۔ میں زندہ بھی تھا اور سانس بھی لے رہا تھا اور شمرالہ کی قلعہ نما بستی کے لوگوں کو آزوب جیسے خاص شخص کا خیمہ خالی نہ ملنے سے بھی رکن چاہتا تھا۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اپنے کام کا آغاز کہاں سے کروں۔ شمرالہ کی بستی کے لوگ گھر بند کر کے سو رہے تھے اور دروازے بھی وہاں لگے ہوئے تھے۔ ہر گھر میں جانا ممکن نہیں تھا۔ ان گھروں سے رابطہ قائم کرنا بھی تو کیسے؟ اگر میں وہاں کے اجالے میں اپنی موجودگی کا اعلان کرتا تو ہنگامہ مچ جاتا اور میرے لیے آرینہ کو بچانا مشکل ہو جاتا۔ میں اس صورت حال پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ ایک بار تو میرے دل میں خیال آیا کہ آرینہ کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں کہیں غائب ہو جاؤں اور آزوب اور شمرالہ والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دوں لیکن جب مجھے ان باتوں کا خیال آیا جو شمرالہ والوں کے مشہ کے بارے میں آزوب نے کہی تھیں تو مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ میں نے طے کیا کہ خود کو بھی ہر

نے شمرالہ والوں کی مدد ضرور کروں گا۔ آزوب کے اس منصوبے کو ناکام بنا دینا ہی میرا مقصد تھا۔ میں شمرالہ کے ہم دردوں کو اپنا غلام اور ان کی عورتوں کو اپنی کنیز بنانے والے ان کے سامنے بچوں کی موت کے گھاٹ اتار دے۔

انہی میں اس شش و پنج میں گرفتار تھا کہ اچانک مجھے فصیل کے اوپر روشنی کا ایک ہلکا سا جھماکا دکھائی دیا۔ یہ جھماکا ایسا تھا جیسا آتشبازی کا پٹاخہ ہوا میں جھٹکے سے پھوٹتا ہے اور مختلف چند لمحوں کا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ضرور کسی کو اشارہ دیا گیا ہے۔ ورنہ اتنی رات گئے فصیل کے ایک برج میں اس قسم کی روشنی کے جھماکے کا بھلا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟

میں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ اس نیمے میں میں دوبارہ داخل ہو گیا جس میں میں نے کسی آدمی کے وجود کو محسوس کیا تھا۔ اس نے اندھیرے میں اس کو تلاش کر لیا۔ وہ بے خبر ہو رہا تھا اور ایک ہی آدمی تھا۔ پورے نیمے میں اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا۔ میں نے تلوار کے ایک ہی وار سے [illegible] کر دیا۔ پھر میں نے آرینہ کو ساتھ لیا اور ہم دونوں بستی کی قلعہ نما دیوار کی طرف بڑھ گئے۔

مجھے یقین تھا کہ فصیل کے برج سے روشنی کا جو جھماکا کیا گیا ہے اس کا [illegible] مقصد ہے اور میں اس راز کو جاننے کا خواہش مند تھا۔ میں نے آرینہ کو خاموشی سے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت تک وہ خاموش میرے پیچھے پیچھے چلتی رہی جب تک میں اس کے قریب تک نہ آگیا۔ اس کے بعد وہ میرے برابر آگئی اور وہ مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے میری ہدایت کے مطابق میرے پیچھے پیچھے چلنا چاہا۔

اب ہمارا رخ جنگل کی طرف تھا۔ آخر کار فصیل کے جس برج سے روشنی کا اشارہ کیا گیا تھا وہ جنگل ہی کی طرف واقع تھا۔ تھوڑی دیر میں ہم آرینہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف اس قدر گھپ اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اس گھپ اندھیرے میں کہیں نہ کہیں کوئی شخص یا شخصی حمل موجود ہیں جنہیں کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بٹھایا گیا ہے۔ لیکن میرے لیے یہ سوال تھا کہ میں اس گھپ اندھیرے میں کیسے ان لوگوں کی تلاش میں کون سا رخ اختیار کروں۔ میں نے آرینہ کو ہدایت کر دی کہ وہ میری قلندرانہ آہستہ آہستہ اور غیر محسوس انداز میں میرے پیچھے پیچھے چلتی رہے۔ آرینہ کے ساتھ ساتھ میں بھی آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ ہم دونوں نے اسی طرح چلتے چلتے کافی فاصلہ طے کر لیا۔

اچانک میں ایک جگہ رک گیا۔ میرے ساتھ ہی آرینہ بھی رک گئی۔ میں غور سننے لگا۔ اندھیرے کے گھنے پن اور تاریک جنگلوں میں ایک طویل عرصہ گزارنے سے میری قوت سماعت بہت زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اب میں بھی ایسی آوازیں سن سکتا تھا جنہیں عام انسانوں کے کان سننے سے قاصر تھے۔ میں نے آرینہ کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"کوئی ہے۔ کوئی ہمارے آگے آگے چل رہا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کوئی آدمی ہے۔"

"کون ہو تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے فوراً اپنی تلوار گھماتے ہوئے کہا اور وہاں رات کی تاریکی میں کیا کہہ رہے ہو؟" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کسی صورت میں تم سے کہہ چکا ہوں میرے دوست۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ۔"

"یہ وہ چالاک بلے کی کوشش مت کرو۔ میں شمس نے ساتھی کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم آزوب کے آدمی ہو اور جاسوسی کر رہے ہو؟ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس اثنا میں دوسرا گھڑ سوار بھی تک گیا تھا۔ اس نے بھی اپنی تلوار سونت لی۔

"اگر تم نے فوراً اپنے اور اس عورت کے بارے میں صحیح صحیح نہیں بتایا تو۔" پیچھے گھڑی ہے آواز کے لہجے کی تھرتھراہٹ ہماری تلواروں کی زد میں ہوں گی۔" دوسرے گھڑ سوار نے ڈپٹ کر کہا۔

"آنہ عنصر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اسے بھی نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے اور اس عورت کے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا دوں گا۔ بس اتنا سا تحمل کرنے کی زحمت دیتا ہوں کہ ذرا آزوب جیسے ذلیل اور خاص شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ عورت میری بیوی ہے۔ مجھے اور میری بیوی کو آزوب نے پابند بنا رکھا تھا۔ کل دن میں کسی وقت وہ ہمیں جنگ کرنے والا تھا۔ ہم مشکل تمام اس کی قید سے فرار ہو کر آئے ہیں۔"

"ہم کیسے اس بات کا یقین کر لیں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ درست ہے اور تم ہمیں جال میں نہیں پھنسا رہے؟" پہلے گھڑ سوار نے کہا۔

"تمہیں بھی خرد مند ہے کہ جاسوسی کی سزا موت ہوتی ہے اور میں بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہوں۔ اگر کسی طرح بھی میرا جاسوس ہونا ثابت ہو جائے تو تم میری بیوی کی آنکھوں کے سامنے مجھے جلا کر دینا۔ اس کے علاوہ میں اپنی سلامتی میں اور کیا کہہ سکتا ہوں!"

"ٹھیک ہے تم دونوں اس وقت جہاں کھڑے ہو رہے تھے، وہیں گھوڑوں سمیت رہو۔ ہم تمہیں لینے آجائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم گھوڑوں سے اتر کر ان کی لگامیں تھامے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ آزوب کی نشانی میں کہے ہوئے الفاظ نے جو ہمارے بارے میں کہے تھے، ان کی وجہ سے ہمیں ان گھڑ سواروں کی سمت میں قدم بڑھاتے ہوئے کچھ تامل نہیں ہوا۔ ہم ایک جگہ پہنچ گئے جہاں کچھ عمودی شکل کی پہاڑیاں موجود تھیں۔ یہ پہاڑیاں جنگل کے درختوں کے درمیان سے ہمیں کچھ کچھ نشانی ہوئے نظر آئے۔ ایسی صورت حال تھا کہ یا تو یہ شمرالہ والوں کی ایک قطار ہے جو ایک گھنے جنگل کے اندر غائب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان میں سے کچھ پیدل تھے اور کچھ گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ گھوڑوں سمیت عمودی چڑھان میں غائب ہوتے جا رہے تھے۔

میں نے اپنے قدم تیز کر دیے اور میرے ساتھ ہی آرینہ نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی۔ جب ہم اس عمودی چڑھان کے قریب پہنچے تو صرف دو گھوڑ سوار باقی رہ گئے تھے جو چڑھان کے اندر داخل ہونے والے تھے۔ ان کے گھوڑوں پر صرف سامان لدا ہوا تھا۔ اندھیرے میں انھوں نے ہمارے سائے دیکھ لیے اور وہ رک گئے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے بعد میرا جی چاہا کہ میں تم لوگوں کی مدد کروں اور تمہارے ساتھ مل کر آزوب کے عین حملہ آور پر ٹوٹ پڑنے والے لمحے میں ہی ایک بھرپور اور بڑھ چڑھ کر شہ کرو۔"

ان دو گھوڑ سواروں نے کیا میں سر گرشیوں میں کچھ بات کی ہے میں نہیں کہہ سکا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک گھوڑا موڑ کر اپنا گھوڑا بڑھا کر ہمارے پیچھے آگیا۔ اس طرح ہم دونوں گھوڑ سواروں کے بیچ میں آگئے۔

"اب ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور ہم سب لوگ آگے بڑھ گئے۔ ہم گھوڑی پشتان کی سمت میں آگے بڑھ رہے تھے۔

اور تب میں نے دیکھا کہ دشمنوں پشتان پتہ میں سے کسی دروازے کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ یہ علم ہونا مشکل تھا کہ اس میں سے ایک گھوڑا سوار باقی نکل سکتا تھا اس کے بعد یک طویل سرنگ تھی جو کافی دور تک چلی گئی تھی اور جس کے فاصلے خاطر سے مشعلیں روشن تھیں۔ ہمارے پیچھے آنے والے گھوڑ سوار نے غلوری پشتان کے فلاہوں میں داخل ہونے کے بعد اپنے گھوڑے کو روک دیا اور گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے اندر سے ایک لمبے ہوئے کچھ کو نکال دیا۔ پھر اندر سے ہوا گیا اور اس کے ساتھ ہی گرد کا بہت سی ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور کھلی ہوئی پشتان دوبارہ بند ہو گئی۔ اب اندر سے اس پشتان کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا کہ یہ کسی رکاوٹ میں مستعمل رہی ہوگی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ باہر سے بھی اس کی صورت حال ایسی ہی ہوگی اور باہر سے دیکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا ہوگا کہ یہ پشتان دراصل دو حصوں پر مشتمل ہے اور اسے باہر سے بھی کھولنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ موجود ہوگا جس سے شاید صرف شہزادی اسپتی کے محافظ لوگ واقف ہوں گے۔

اب ہم ایک طویل لیکن بڑی دلچسپ سرنگ میں سے گزر رہے تھے۔ یہ سرنگ پہاڑوں اور چٹانوں کو اندر سے کاٹ کر بنائی گئی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فرہاد محنت اور کاری گری کی ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔

سرنگ کا سوراخ اندر سے بند ہو جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ ہمارے آگے لوگوں کی ایک اچھی خاصی لمبی قطار جا رہی تھی۔ اس میں کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ پیدل تھے۔ ہمارے آگے اور پیچھے چلنے والے گھوڑ سواروں نے اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کی اور وہ اسی طرح ہم دونوں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ دونوں کافی ہوشیاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سنگی کمانیں ان کے ہاتھوں میں تھیں اور آگے جانے والا شخص بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا اور آزوب پر ایک نظر ڈال لیتا تھا۔ میری نگاہیں لوگوں نے بھی اسی وقت لے لی تھی جب ہم نے اپنے ساتھ سرنگ میں آنے کی اجازت دی تھی اور میں نے بغیر کسی امتحان کے اپنی کمانیں ان کے حوالے کر دی تھی کیونکہ مجھے کافی حد تک اس بات کا یقین تھا کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ہمارا آگے بڑھنا دیر تک جاری رہا۔ یہ ایک بہت لمبی سرنگ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا کوئی آخری سرا ہی نہیں ہے۔ پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ پروفیسر سرنگ شاخوں کے شعلے سے مشعلیں روشن تھیں جن کی وجہ سے ہر طرح کی روشنی میں کافی کمی تھی لیکن یہ بات میں نے دیکھی کہ جو گھوڑ سوار میرے پیچھے آرہا تھا وہ پیچھے چلنے والی شمعوں کو گنتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس طرح سرنگ کا پچھلا حصہ بھی تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ روشنی صرف ہمارے ساتھ تھی یا ہمارے آگے تھی۔ پیچھے کوئی روشنی نہیں تھی۔ صرف گھپ اندھیرا تھا۔

آخر کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد سرنگ کا دہانہ اچانک ایک وسیع و عریض کمرے میں جا کھلا۔ جس سے آگے جانے والے لوگ اس کمرے میں اور اس سے آگے دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ ہمارے پیچھے آنے والے گھوڑ سوار نے اس کمرے میں داخل ہونے کے بعد اندر کی طرف لگی ہوئی ایک بھاری سی آہنی زنجیر کھینچی۔ ایک گڑگڑاہٹ سی پیدا ہوئی اور پشتان کا ایک حصہ دروازے کھسکتا ہوا نیچے آیا اور اس نے اس دروازے کو بند کر دیا۔ اب اندر سے اس کمرے کی بیرونی دیواروں کی طرح پتھر کی کھردری پتلی تراشی گئی تھی۔ کمرے کا دروازہ دیکھنے والا کوئی شخص یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا تھا کہ اس دروازے کا دروازہ بھی ہے۔

اس دروازے کو بند کرنے کے بعد دونوں گھوڑ سوار گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے دو دو ساتھیوں کو گلے لگایا۔ انھوں نے آپس میں اپنی اپنی کمانیں نکال لی تھیں اور وہ ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ دونوں کون ہیں اور یہاں کہاں سے آگئے؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ان سوالوں کے جوابات کتنی دیر میں مل جائیں گے۔" ہمارے ساتھ آنے والے گھوڑ سوار نے جواب دیا۔ "فی الحال تم جلدی سے جا کر سردار برال کو اس بات سے خبردار کر دو کہ ایک اجنبی مرد اور عورت ہمارے ساتھ موجود ہیں اور ان کی سردار سے ملاقات ضروری ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" اتنا کہہ کر وہ آدمی غائب ہو گیا۔

اب ہم تین افراد میں کی زیر حفاظت باقی رہ گئے تھے۔ وہ تینوں کے تینوں اپنی اپنی کمانیں سنبھالے ہوئے ہمارے گرد کھڑے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص واپس آگیا جسے سردار برال کے پاس بھیجا گیا تھا۔

"سردار برال نے کہا ہے کہ ان دونوں کو لانا تاخیر کی خدمت میں پیش کیا جائے۔" اس شخص نے کہا۔

"چلو۔" ہمیں ساتھ لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔ اور ہم سب لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جس کمرے میں ابھی تک ہم لوگ موجود تھے اس کے آگے ایک اور کمرہ تھا جو پہلے کمرے سے زیادہ وسیع و کشادہ تھا۔ اس کمرے سے گزر کر ہم ایک بڑے سے برآمدے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک طویل برآمدہ تھا جس کی آخری سرے پر ایک دروازہ نظر آرہا تھا۔ ہم لوگ اس دروازے سے بھی گزر گئے۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ ہم اس وقت ایک بہت بڑے محل نما مکان میں ہیں اور یقیناً سردار برال کا مکان ہوگا۔ اسی مکان میں سے خفیہ سرنگ نکل کر جنگل کی طرف گئی تھی۔ ہم سے آگے آنے والے باقی لوگ مکان کے نہ جانے کون کون سے حصوں میں گم ہو چکے تھے۔ اب صرف ہم دونوں تھے اور ہمارے ساتھ چار مسلح سپاہی تھے جو ہر طرف سے گھیرے ڈالے ہوئے چل رہے تھے۔

کئی طویل و عریض راہداریوں اور دالانوں میں سے گزرتے ہوئے بالآخر ہم ایک بڑے سے کمرے کے اندر پہنچ گئے۔ یہاں تخت پر ایک درمیانی عمر کا آدمی جو مسلح تھا بڑے غور سے ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے دائیں بائیں دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو شاید اس کے خصوصی مشیر تھے۔

اس شخص نے مجھے اور آزوب کو گھور کر دیکھا اور پھر ان چاروں آدمیوں میں سے جو ہمیں ساتھ لائے تھے ایک سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ کون لوگ ہیں؟ تاکر مہم کہاں سے پکڑ لائے ہو؟" اس کے لہجے میں کافی نرمی تھی۔

"یہ دونوں جنگل میں سرنگ کے خفیہ دہانے کے قریب ملے تھے۔" تاکر نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ ساتھ تھا۔" اس نے اپنے دوسرے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چونکہ ان دونوں نے ہماری خفیہ سرنگ کا راز نہ دیکھ لیا تھا اس لیے انھیں زندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اس لیے میں نے اور ساتھ نے انھیں پس منظر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ہم دونوں کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ ہم انھیں وہیں اسی جگہ بھی ختم کر سکتے تھے لیکن اس شخص کا کہنا ہے کہ یہ اس کی بیوی آزوب کی قید سے فرار ہونے میں اور آزوب ان کا جانی دشمن ہے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ یہ آزوب سے لڑنے میں ہماری مدد کرے گا۔ اس لیے ہم ان دونوں کو زندہ تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔ ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

تھم نے بہت متعدد کی تائید دیتے ہوئے کہا۔ "سردار برال نے کہا تھا کہ اگر یہ دونوں آزوب کی قید میں رہ چکے ہیں تو انھیں یقیناً آزوب کی طرف کی بات اور اس کے مزاج کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوگا اور اس طرح شاید ہمیں بھی کچھ کام آسکیں۔ لیکن اس سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ یہ دونوں آزوب کے جاسوس نہیں ہیں اور آزوب نے انھیں ہماری صفوں میں دشمنانہ طریقے پر گھسنے کی کوشش نہیں کی ہے۔"

"معزز سردار برال۔" میں نے پہلی مرتبہ برال کے سامنے اپنی زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "مجھے وہ طریقہ بتاؤ جس سے میں یہ ثابت کر سکوں کہ میں اور میری بیوی آزوب کے جاسوس نہیں ہیں۔ کیونکہ آزوب کے ظلم و تشدد کا شکار رہیں۔ ہم تم سے بالکل یہ نظر نہ آئے کہ ہم کس طرح تمہیں اس بات کا یقین دلائیں کہ آزوب ہمارا بدترین دشمن ہے۔"

برال میرے سوالات کے جوابات میں فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سنو سنہری سنگ کے فرزند۔" آخر اس نے ایک طویل سکوت کے بعد کہا۔ "ہمیں اس وقت پچاس سال سے نشانہ کر چکی ہے اور اس عرصے میں میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا بھالا۔ جانچا پرکھا ہے اور میری آنکھوں نے بھی کہا جانے والے بہت کم دھوکے کھائے ہیں۔ تمہارے چہرے کی معصومیت اور تمہاری آنکھوں میں جھلکتی ہوئی سچائی مجھے یہ بتاتی ہے کہ تم سچے ہو اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم پر اعتماد کروں۔ لیکن مجھے تم پر اعتماد کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ تم لوگوں کے جرم کو ثابت کر سکتے ہو کہ تم آزوب کے جاسوس نہیں ہو۔ اس کا انحصار تو صرف وقت آنے پر ہی ہو سکتا ہے۔"

"مجھ پر اعتماد کرو سردار برال۔" میں نے مستحکم آواز میں کہا۔ "مجھے آزوب سے انتقام لینے کے علاوہ اور کسی کام سے دلچسپی نہیں ہے۔ ہم نے بہت مشکل سے یہاں تک کا سفر طے کیا ہے اور ہم اس کی وجہ سے یہ سرنگ کا راستہ اور دروازہ جو غلوری پشتان کے اندر جنگل میں واقع ہے صرف اتنے ہی کھولنا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ اسے باہر سے نہ تو کھولا جا سکتا ہے اور نہ بند کیا جا سکتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پشتان کو توڑ دیا جائے تو یہ کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ بہت مشکل بات ہے کیونکہ غلوری پشتان جو پتھر سے مل کر بنی ہوئی ہے اور روزانہ بنائی جاتی ہے بہت مضبوط پشتان ہے۔ میرے خیال میں اسے توڑنا ناممکن تو نہیں ہے، لیکن بہت مشکل ضرور ہے۔ اس کا شمار تھا کہ یہ کبھی پسند نہیں کیا اور اس سے بچنے کے لیے تریخ دی اور میری بیوی منا قبول کیا۔ اب سے آزوب ہم لوگوں کا دشمن بن گیا ہے۔ میں نے برال کو بتایا کہ اس وقت محض اتفاق سے آزوب کے پیروں نے ہم دونوں کو گھیر لیا اور وہ ہمیں گھیر کر آزوب تک لے آئے اور ہم نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راہ فرار اختیار کی۔

سردار برال کو جب معلوم ہوا کہ آزوب ایک شہزادی ہے اور وہ آزوب کی بچا زاد بہن ہے تو وہ بہت سے سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے بڑی تنظیم کے ساتھ آزوب کو قید کے تخت پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑا سرپرائز تھا کہ آزوب اس اور دوسرے دونوں کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس صورتحال سے کافی خوش نظر آرہا تھا۔ برال کے دونوں مشیر بھی اب کافی مطمئن معلوم ہوتے تھے۔ میں ان لوگوں کو پہچانا بھی نہیں تھا۔

"اچھا فرہاد۔ اب یہ بتاؤ کہ تم آزوب کی فوجی طاقت اور اس کے جرائم کے بارے میں کیا جانتے ہو اور ہمیں آزوب کو سمجھنے میں کس حد تک مدد دے سکتے ہو؟" برال نے مجھ سے پوچھا۔

"آزوب اس وقت ایک کافی مضبوط فوجی طاقت کا مالک ہے۔" میں نے کہا۔ "اس کی فوجوں نے شہزادہ اسپتی کی بستی کو تین طرف سے گھیر رکھا ہے۔ سب سے زیادہ زور ساتھ کے حصے پر ہے جس رخ پر قلعہ اسپتی کا دروازہ واقع ہے۔ باقی دونوں طرف میں بھی خاصی فوجیں موجود ہیں۔ البتہ پچھلے حصے کو انھوں نے تقریباً نظر انداز کر دیا ہے اور میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلی طرف نہ تو بستی کا کوئی دروازہ ہے اور نہ اس کا کوئی امکان موجود ہے کہ پچھلی طرف سے بستی کے اندر داخل ہوا جا سکے۔ اس لیے وہ لوگ اس طرف سے بالکل مطمئن اور غافل ہیں۔ جہاں تک خفیہ سرنگ کا تعلق ہے تو آزوب اور اس کے ساتھیوں کو ابھی تک اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ خود مجھے اور آزیہ کو بھی اس سرنگ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ یہ سنی تھمہ کے پچھلی طرف فصیل کے ایک برج میں ہونے والے روشنی کے ایک پراسرار جھماکے نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس روشنی کے ذریعے ضرور کسی کو کوئی خاص اشارہ دیا جا رہا ہے اور جنگل کے اندر کوئی نہ کوئی موجود ہے جسے ہمارا خوف ہم لوگوں کی طرف سے ہے۔ اس لیے میں نے اور آزیہ نے اس طرف کا رخ کیا اور وہاں ہمیں یہ سرنگ ملی۔ اس کے بعد کی ساری داستان تو آپ کے علم میں ہے۔"

"ہمیں اس کا علم ہو بھی جائے تو بھی ان کے لیے سرنگ میں داخل ہونا ناممکن ہوگا۔" برال نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ سرنگ کا اصل دروازہ جو غلوری پشتان کے اندر جنگل میں واقع ہے صرف اندر سے ہی کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ اسے باہر سے نہ تو کھولا جا سکتا ہے اور نہ بند کیا جا سکتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پشتان کو توڑ دیا جائے تو یہ کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ بہت مشکل بات ہے کیونکہ غلوری پشتان جو پتھر سے مل کر بنی ہوئی ہے اور روزانہ بنائی جاتی ہے بہت مضبوط پشتان ہے۔ میرے خیال میں اسے توڑنا ناممکن تو نہیں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"اس کا مطلب ہے کہ جب تک آزوب کی فوج کا کوئی آدمی دھوکے یا فریب کے ذریعے اس سرنگ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو اس وقت تک اس سرنگ کے ذریعے آزوب کی فوجوں کے بستی میں داخل ہونے کے کوئی امکانات موجود نہیں ہیں۔" میں نے کہا۔

"اچھا خیال ہے فروس۔" ہرال نے کہا۔ "اس لیے ہم سرنگ کی طرف سے تو مطمئن ہیں اور ہمیں اس سرنگ کے راستے برابر خطے اور دیگر شیلنے حوصلہ کی رسد حاصل ہے۔ رات کی تاریکی میں ہمارے خاص خاص لوگ اس سرنگ کے راستے باہر نکل جاتے ہیں اور پھر صبح ہی کی تاریکی میں وہ اس پاس کی بستیوں سے سامان رسد حاصل کر کے واپس آجاتے ہیں۔ قطعے کی فصیل میں ایک برج ایسے جس پر تین ایک شخص کا کام صرف یہ ہے کہ وہ دور بین کے اس حلقے پر نظر رکھے جہاں ہماری پٹان واقع ہے جس میں سرنگ کا دروازہ موجود ہے۔ رات کو خاص طور پر اس جانب زیادہ توجہ دی جاتی ہے کیونکہ رسد حاصل کرنے کے لیے جانے والے لوگ رات کی تاریکی میں ہی واپس آتے ہیں۔ جب وہ ہماری پٹان کے قریب پہنچتے ہیں تو وہ اس کا ایک اشارہ دیتے ہیں۔ برج پر موجود برجی پہرے دار اس اشارے کو سمجھ لیتا ہے اور جواباً روشنی کا اسی طرح کا اشارہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے اشارے کو دیکھ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مستعد لوگوں کو اطلاع دی جاتی ہے اور پھر سرنگ کا دروازہ اندر سے کھولا جاتا ہے۔ دروازہ کھلنے پر یہ لوگ اندر آجاتے ہیں اور اس کے بعد پھر دروازہ دوبارہ بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہے ہمارا انتظام۔ ہمیں کہ آزوب کو کوئی خبر نہیں۔"

"آزوب اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ صدیوں شمرال کی بستی کے لوگوں کے پاس کھانے پینے کی اشیاء اور دیگر شیلنے ضرورت کی سخت قلت ہو جائے گی اور وہ بھوکے مرنے لگیں گے۔" میں نے ہرال سے کہا۔ "اندازہ یہی ہے کہ اس وقت شمرال کے لوگ اپنی بستی کے مویشی ذبح کر دیں گے اور وہ انہیں آسانی سے مغلوب کر لے گا۔ لیکن شمرال کے لوگوں کے بارے میں اس کے علم نے اسے بہت غلط فہمی میں مبتلا رکھا۔ وہ تم لوگوں کے بارے میں بڑے بڑے گندے منصوبے بنا رہا ہے۔ وہ جان کے تمام مردوں کو اپنا غلام اور عورتوں کو اپنی بیگمیں بنانا چاہتا ہے اور اسے بچوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا ہے۔"

"اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔" ہرال نے جرأت مندانہ لہجے میں کہا۔ "شمرال کی بستی کا ایک ایک فرد اپنی جان دے دے گا لیکن آزوب کی غلامی کو قبول نہیں کرے گا۔ یہاں کی عورتیں جو کشتی کر کے مرجائیں گی وہ کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں گی اپنے پیٹ میں خنجر اتار لیں گی لیکن آزوب کی کنیزیں بن کر زندگی نہیں گزاریں گی۔ دراصل آزوب نے تم لوگوں کو سمجھنے میں بڑی غلطی کی ہے۔ ہماری بستی کے لوگ بالکل مختلف قسم کے انسان ہیں۔ وہ اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن غلامی کی زندگی گزار نہیں سکتے۔"

"آزوب کی فوجیں کتنے دنوں سے شمرال کی بستی کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں؟" میں نے ہرال سے پوچھا۔

"اگلے چند روز میں انہیں پانچ سال کا عرصہ ہو جائے گا۔" شمرال کے صورت پذیر ہرال نے کہا۔ "ہمارے اس عرصے کے دوران خود آزوب پر مدت ہو چکی ہے۔ اس کی کبھی چڑھائی فوج ہماری بستی کا محاصرہ کیے ہوئے پڑی ہے۔ اسے اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ سپاہی روز بروز زیادہ کاہل اور مسلسل پسند ہوتے جاتے ہیں۔ رسد کی مسلسل برقراری بھی ایک اہم مسئلہ بن گئی ہے۔ اکثر آزوب کی فوج کے سپاہی اس پاس کی بستیوں میں جا گھستے ہیں اور مال سے مویشی پکڑ لاتے ہیں یا اناج وغیرہ لوٹ لیتے ہیں۔ اس عجز میں ان کے بہت سے سپاہی مارے بھی جا چکے ہیں لیکن آزوب ابھی تک اس حد تک اپنے سارے ہماری بستی کا محاصرہ کیے ہوئے ہے کہ ایک دن ہمارے پاس خوراک ختم ہو جائے گی اور اس نے اپنی دانست میں ہماری رسد کے آگے بند کر رکھے ہیں۔ اس لیے ہم مجبور ہو کر قطعے کا دروازہ کھول دیں گے اور خود کو اس کے قدموں میں ڈال دیں گے۔"

"لیکن تمہارا کیا خیال ہے سردار ہرال۔" میں نے پوچھا۔ "آزوب کی فوجیں بستی کے باہر موجود تمہارے تمام کھیتوں اور باغات کو تباہ برباد کر دیا ہے اور شہر کو محاصرہ کر دیا ہے۔ کیا تمہارے پاس اتنے غلے میں اتنی رقم موجود ہے کہ تم پوری بستی کو کھانے کے لیے ایک خاصی مدت تک باہر کی بستیوں سے خود خرید کر منگوا سکو؟ کیا تمہاری حالت اتنی مستحکم ہے؟ ظاہر ہے کہ تم لوگ خود تو قلاش اور کنگال نہیں ہو اور قطعے کے اندر موجود مویشیوں کی تعداد بھی بہت کم ہوگی۔ ان حالات میں تم اس محاصرے کو کب تک مقابلہ کر سکو گے؟"

میرے اس سوال کے جواب میں ہرال خاموش ہو گیا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے دونوں مشیر بھی خاموش تھے۔ کمرے میں سناٹا بھی خاموشی تھے ہر طرف یک لخت خاموشی ہی خاموشی چھا گئی تھی۔

"تم نے ایک بہت اہم سوال کیا ہے فروس۔" ہرال نے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم میں سے کسی نے اب تک اس نکتے پر واقعی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا۔ آزوب تو ٹوٹ کر کے اپنے نوجوانوں کے لیے خدا فراموش کر سکتا ہے لیکن ہم واقعی اس حال میں کب تک گزارہ کر سکیں گے؟"

ہرال چند ثانیے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"زہوا آرتوس۔" اس نے اپنے دونوں مشیروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اس معاملے میں کیا کہتے ہو؟ فروس نے ایک نہایت اہم اور دلچسپ سوال اٹھایا ہے۔ اس سوال کا تعلق ہم سب کی انا سے ہے۔"

"زہوا خزانے کا نگران ہے۔" دوسرے شخص نے کہا۔ "اس کا نام آرتوس ہونا چاہیے تھا۔" وہ زیادہ بہتر طور پر بتا سکتا ہے کہ خزانے کی کیا صورت حال ہے۔"

"خزانے کی صورتحال زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔" زہوا نے ہماری کے انداز میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "روزانہ کی رسد پر جو رقم خرچ ہو رہی ہے اس سے خزانہ بڑی تیزی کے ساتھ خالی ہوتا جا رہا ہے۔ ابھی تک ہم نے بستی کے لوگوں سے کسی کی رقم نہیں لی ہے۔ شیلنے کی روٹی کی قیمت لینا شروع نہیں کی ہے۔ جو کچھ ہم لوگوں کو مفت خوراک پہنچا رہے ہیں۔ لیکن شاید جلد ہی وہ وقت آجائے جب ہم لوگوں کو مفت خدا فراموش سے معذور ہو جائیں۔ اس وقت ہمیں لوگوں سے خدا کی قیمت وصول کرنی ہوگی لیکن خلاصہ یہ کہ لوگوں کے پاس ابھی کافی رقم موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک طویل عرصے تک خدا کی خرید کی کے تقابل ہو سکیں۔ جب سب کے پاس رقم اور دولت ختم ہو جائے گی تو پھر ہمارے رسد کا سلسلہ بھی بند ہو جائے گا۔"

"اس صورت میں تو ہم بڑی سخت مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے۔" ہرال

نے کہا۔

سردار ہرال کے چہرے پر برجی کی سیاہی چھا گئی۔ "تم نے ہمیں ایک ایسی بے اساس دلاسا دیا ہے فروس جس کے بارے میں ابھی تک ہم نے کچھ سوچا ہی نہ تھا۔" اس نے ذہانت کے ساتھ کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ مکمل سپاہی ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ جب ہماری بستی میں نہ لوگوں کے پاس خوراک ختم ہو جائے گی تو ہمیں باہر قطعے کے دروازے کھولنے ہی پڑیں گے۔ اس کے بعد کی وحشی ٹڈی دل جیسے لشکر سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس مقابلے کا انجام تو ظاہر ہے کہ آزوب کی فوج کے سامنے ہماری بستی کیا چیز ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں ہے فروس۔ ہم ہار کر بھی مطمئن رہیں گے۔ ہم کم از کم وقت تک مقابلہ کریں گے اس وقت تک متقابل رہیں گے جب تک ہماری بستی کا ایک فرد بھی زندہ ہے۔ ہماری کوئی عورت آزوب کے وحشی سپاہیوں کی کنیز نہیں بنے گی۔ ایسا ہونے سے پہلے وہ سب اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گی۔ اگر عورت ہی ہمارا مقصد ہے تو ہم اس کے لیے بخوشی تیار ہیں جب تک ہو سکے گا ہم اس مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کریں گے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔" شمارس نے کہا۔

"کہو کیا تجویز ہے شمارس۔" ہرال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اپنے چند مستعد ساتھیوں کو ہمراہ لے کر سرنگ کے راستے باہر نکل جانا اور اس پاس کی بستیوں سے امداد طلب کرنی چاہیے۔ ہم اس پاس کی تمام بستیوں کے سرداروں سے درخواست کریں گے کہ وہ شمرال کے لوگوں کی حمایت پر کمر باندھ کر آزوب کی سرکوبی کریں۔ دشمن کے بقیہ لشکروں کے ہاں بھی قاصد بھیجے جائیں اور انہیں بھی اس مہم میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ اس طرح ہم ایک بڑا لشکر تیار کر سکیں جو آزوب کی فوجوں کا کام کر دے اور انہیں شکست دے دے۔"

"مگر اس سے پہلے ہمیں ایک اور اہم کام کرنا ہوگا۔" ہرال نے کہا۔ "ہمیں اپنی جان بچانے کی خاطر اس شہر کے لوگوں کو آزوب کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جہاں سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے ہمیں اپنے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو لے جانا ہوگا جو ہمارے ساتھ جا کر ان پاس کی بستیوں کے سرداروں سے ملاقات کر سکیں۔ ان لوگوں کو ہمارے ساتھ جانا ہوگا۔ ہم ان کو یہاں نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کے بغیر ہماری مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھا منصوبہ ہے۔" میں نے کہا۔ "اور اس پر جلد سے جلد عمل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے لوگوں کو یہ بات کسی طرح باور کرایا جا سکتا تھا کہ ان آزوب کے اس دشمن دل لشکر کے لیے تنہا کافی ہوں اور آزوب سمیت ان تمام لوگوں کو بھگانے لگا دوں گا۔ مگر میں ان لوگوں کے سامنے ایسی کوئی بات کا کوئی اشارہ بھی نہیں کرتا۔ آزوہ واقعی خوفناک لوگ ہیں جنہیں دشمن کا خیال ہی سوچتے ہوئے ہو جاتے ہیں۔ اس منصوبے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھا منصوبہ ہے۔" ہرال نے کہا۔ "اور جلد سے جلد ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دشمن کی وجہ سے ہمارے ساتھ جانے والے لوگوں کو بھی کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ جانے والے لوگوں کو بھی اس منصوبے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں ستاروں کی سرپرستی کی وجہ سے اتفاق کرتا ہوں۔" شمارس نے کہا۔ "اور میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اس دشمن کی وجہ سے ہمارے ساتھ جانے والے لوگوں کو بھی کوئی خاص خطرہ نہیں ہوگا۔ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔"

"اور فروس۔" ہرال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم جو ہماری مدد کر رہے ہو اور ہماری دوستی کے دعوے دار ہو تو اس منصوبے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں ستاروں کی سرپرستی کی وجہ سے اتفاق کرتا ہوں۔" شمارس نے کہا۔ "اور میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ اس دشمن کی وجہ سے ہمارے ساتھ جانے والے لوگوں کو بھی کوئی خاص خطرہ نہیں ہوگا۔ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔"

"اور فروس۔" ہرال نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم جو ہماری مدد کر رہے ہو اور ہماری دوستی کے دعوے دار ہو تو اس منصوبے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک اچھا منصوبہ ہے۔" میں نے کہا۔ "اور جلد سے جلد ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ساتھ جانے والے لوگوں کو بھی

تھے۔ ان کے قریب ایک درخت پر بیٹھ گئے جس میں بہت سے جھولے لٹکے ہوئے تھے۔ ان جھولوں پر بیٹھ کر بچے اٹھکیلیاں کرتے اور ان کے ساتھ ہی ان کی مائیں بھی جھولوں پر بیٹھ کر ان بچوں کے ساتھ جھولتی تھیں۔ یہ منظر بہت دلچسپ تھا۔ آزر اور آریہ بھی اس منظر کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے سخت بیقراری ہے۔" آزر نے کہا۔ "تم بھی تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ۔ ہم دونوں علی الصباح بیدار ہو جائیں گے اور پھر یہ ہرا بھرا منظر دیکھیں گے۔"

آزر کے کہنے پر میں بھی لیٹ گیا۔ لیکن نیند میری آنکھوں سے دور تھی۔ آزر بھی بے حد مضطرب تھا۔ بیتابی کی وجہ سے وہ کبھی ادھر کبھی ادھر ٹہلنے لگتا۔ کبھی وہ درختوں کی طرف سے پرندوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دینے لگتی۔ اب کافی دلچسپ منظر دیکھنے کو ملنے والا تھا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور پھر پیڑوں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ نیچوں کی قطاریں ہر آتی جاتی رات کی سنگلی روشنی میں دھندلی دھندلی نظر آرہی تھیں۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ یاد کرشمیں بھی گہری ہو گئی تھیں۔ صرف اتنا روشنی کہیں روشن تھی۔ میں کافی دیر تک کھڑا رہا یہاں تک کہ مجھ کو اجالا نمودار ہو گیا۔ میں نے آزر کو بیدار کر دیا اور اس سے کہا کہ اب صبح ہو رہی ہے۔ دوبارہ کا منظر دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے۔

آریہ بھی میرے برابر ہی آکر کھڑی ہو گئی اور ہم دونوں پیڑوں میں سے باہر کا منظر دیکھنے لگے۔ اب نیچوں کے باہر چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ نیچوں کے بند ہونے والے پردے کھل رہے تھے اور لوگ ان میں سے باہر نکل رہے تھے۔ میں نے انداز سے اس سمت کا تعین کیا جدھر وہ خیمہ نصب تھا جہاں بچے اور آریہ کو قید کیا گیا تھا۔ میری نگاہوں نے جلدی اس جگہ کو تلاش کر لیا اور پھر میں نے آریہ کو بھی بتا دیا۔ ہم دونوں نے باری باری اسی طرف نظر کو مرکز کر دیا۔

ذرا دیر بعد ہی ہم نے دو سپاہیوں کو اس خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا وہ خیمہ جس میں ہم دونوں کو قید کیا گیا تھا۔ ہماری نظروں کے عین سامنے موجود نہیں تھا۔ بلکہ کچھ نیچوں کے پیچھے تھا لیکن پھر بھی اس کی سمت کا بالکل صحیح اندازہ تھا۔ وہ دونوں سپاہی نیچوں کے پیچھے باہر غائب ہو گئے۔ لیکن چند ہی منٹ کے بعد وہ دونوں پھر ہماری نظروں کے سامنے تھے۔ جس میں ہاتھوں کی حالت بالکل مختلف تھی۔ وہ سخت گھبرائے ہوئے اور پریشان نظر آرہے تھے وہ تیزی سے بھاگے ہوئے جا رہے تھے۔ بعض دوسرے سپاہیوں نے ان کو روک کر ان سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے پہلے سے بھاگے ہوئے پیچھے گئے۔ انھیں روکنے کی کوشش کرنے والے انھیں حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

"اب یہ لوگ سیدھے آزدب کے پاس جائیں گے اور اسے ہمارے فرار کی اطلاع دیں گے۔" آزر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پہلے زارس کے پاس جائیں گے۔ ان کے اندر اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ یہ براہ راست آزدب کے پاس پہنچیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں دیوی سپاہی ہیں جنھیں ہمارے بیٹے کی نگرانی کے لیے اور کیا تھا۔ جس وقت ہم بیٹے سے باہر نکلے ہیں تو اس وقت یہ دونوں سوئے ہوئے تھے۔ جو کہ اب رات میں کسی وقت اٹھ کر یہ لوگ کسی اور خیمے میں جا کر سو گئے ہوں۔ وہ انھیں اس بات کا بھی خیال نہ رہا ہو کہ ان پر سے کیے گئے جادو کا اثر غائب ہے اب علی الصباح جب یہ خیمے کا جائزہ لینے پہنچے ہوں گے تو انھوں نے اسے خالی پایا ہوگا۔ اس لیے یہ جو اس واقعہ کو کر سیدھے زارس کے پاس جائیں گے اور اسے جھوٹ کوئی کہانی سنائیں گے۔"

میری بات غلط ثابت نہیں ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے زارس کو ان دونوں سپاہیوں کے ساتھ جلدی جلدی اس طرف آتے دیکھا۔ زارس اور دونوں سپاہی نیچوں کے پیچھے غائب ہو گئے اور کافی دیر کے بعد دوبارہ برآمد ہوئے۔ اس کا چہرہ سخت متوحش اور مضطرب تھا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا کہہ رہا تھا کہ ان سپاہیوں نے کچھ کہا تھا لیکن اس کی آواز ہم تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ پھر زارس ان دونوں سپاہیوں کو ساتھ لیے ہوئے ہمارے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔

"اب آزدب شاید خود آئے۔" میں نے آریہ سے کہا۔ "اس کے لیے یہ اس کی اپنی زندگی کا دوسرا بڑا صدمہ ہوگا۔"

ہم دونوں وہیں کھڑے رہے اور تب واقعی آزدب نمودار ہوا اس کے ساتھ زارس اور ان دونوں سپاہیوں کے علاوہ اور بھی بہت سے سپاہی تھے۔ لیکن اس بار منظر میں ایک تبدیلی تھی۔ اس بار وہ یہ کہ ان دونوں سپاہیوں کے ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے تھے اور رسی کا ایک سرا زارس کے ہاتھ میں تھا۔ ہماری نظروں کے سامنے ہی یہ گروہ نیچوں کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔

اس اثنا میں پوری خیمہ گاہ میں جیسے ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ بہت سے سپاہی بھاگ بھاگ کر اس طرف آرہے تھے اور ان کا رخ اسی نیچے کی طرف تھا جدھر ہی دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار سپاہی وہاں جمع ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے فرار کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری خیمہ گاہ میں پھیل چکی تھی اور جس سپاہی کو بھی یہ خبر ملتی وہ دوڑا ہوا اس خیمے کی طرف چلا آتا۔ میں اور آریہ بڑی دلچسپی کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

اور پھر اچانک سپاہیوں کی بھیڑ چھٹنے لگی۔ آزدب اور اس کے ساتھی واپس آرہے تھے اور سپاہی ان کے لیے راستہ چھوڑ رہے تھے۔

اب آزدب، زارس، وہ دونوں سپاہی اور کچھ دیگر سپاہی نیچوں کے سامنے کھلی جگہ میں کھڑے ہوئے تھے اور ہماری آنکھیں انھیں بخوبی دیکھ سکتی تھیں۔ آزدب کا چہرہ غصے اور طیش کے عالم میں سیاہ ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا لیکن میری اس کی آواز نہیں سن پا رہے تھے۔

اچانک آزدب نے زارس سے کچھ کہا اور ان دونوں سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا جن کے ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے تھے۔ زارس نے فوراً ہی تلوار کھینچی اور چشم زدن میں ان کے سر تلوار کر دیے۔ ان کے سر پیڑ پر سے زمین پر گرے اور بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ چاروں طرف ایک ہیبت ناک سناٹا چھا گیا۔ اس پاس کھڑے ہوئے تمام لوگ دم بخود ہو کر رہ گئے۔ کسی میں دم مارنے کی ہمت نہیں تھی۔

آریہ نے خوف و دہشت کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ فوراً ہی

نے بہت لمبی سانس کھینچ کر کہا۔ "بیچارے دونوں مارے گئے۔ آزدب نے غالباً ان کی مدد کرنے کی کوشش کی اور ان کی ستائی ہوئی کوئی کہانی سے مطمئن نہیں ہوا۔"

"کوئی بھی کہانی سے مطمئن نہیں ہو سکتی تھی۔" میں نے کہا۔ "ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح کا انتظار تو قرار دیا جانا تھا ظاہر ہے کہ آزدب اور دوسرے لوگ بھی یہی سمجھ پائیں گے کہ ان دونوں کی غلطی کی وجہ سے ہمیں بھاگنے کا موقع مل گیا۔ دیوی سپاہی دونوں کا متقدر ہوتی تھی۔ مگر یہ ہیں گزشتہ رات خیمے سے باہر جاگنے والے دیوتے متے تو ظاہر ہے کہ پھر مجھے اپنے ہاتھ ان کا کام تمام کرنا پڑتا۔"

"اور تب شاید آزدب اتنے زیادہ غم و غصے کا بھی شکار نہ ہوتا۔" آریہ نے کہا۔ "وہ سمجھتا کہ ان لوگوں نے مزاحمت کی لیکن وہ تمہارے ہاتھوں مارے گئے۔"

"اب مجھے موت یقینی ہو گی۔" میں نے فرض کر تمہاری داستان کا ایک ایک لفظ سچ پر مشتمل ہے۔" اچانک میرے پیچھے سے ایک آواز بلند ہوئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا میرے سامنے برال کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"جس منظر کو تم دونوں اس برج کے پھریروں سے دیکھ رہے تھے۔ اسی منظر کو میں اس کے باہر والے برج کے پھریروں سے دیکھ رہا تھا۔" برال نے کہا۔ "تم نے کچھ میری اور میرے بعض دوسرے ساتھیوں کی آنکھوں نے دیکھا وہ اس بات کی تصدیق کے لیے کافی سے زیادہ ہے کہ تم نے ہمیں سب کچھ سچ سچ بتایا تھا۔ تم دونوں واقعی آزدب کی قید میں تھے اور وہاں سے فرار ہو کر نکلے تھے۔ جن حالات نے تمھیں فرار ہونے کا موقع دیا انھیں آزدب نے سخت گھاٹ اتروا دیے۔ لیکن میرے دوست یہ سمجھ گئے کہ میں نے گزشتہ رات تمہاری باتوں پر یقین نہیں کیا تھا یا تمھیں جھوٹا سمجھا تھا۔ یہ بات نہیں تھی۔ میں نے رات کو ہی محسوس کر لیا تھا کہ تمہاری باتوں نے سچائی کی بو آرہی ہے۔ اس وقت اس منظر کو دیکھ کر تمہاری باتوں کی مکمل تصدیق ہو گئی ہے۔"

"اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے سردار برال۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اور آریہ تمھارے لیے اور تمھارے لوگوں کے لیے بالکل اجنبی تھے۔ اس سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور اجنبیوں پر ایک دم سے بھروسہ کرنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ دانشمندی کے اصولوں کے مطابق ہی ہے۔ میں گزشتہ رات کی تمہاری آمد کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ تم نے یہ فیصلہ اختیار کیا۔ بہر حال مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے بلا خوف مجھ پر اعتماد کر ہی لیا۔ اب میں تمھیں ایک پتے کی بات بتاؤں۔ دوست کی حیثیت سے اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اگر دیگر بستیوں سے مدد درخواست کے لیے جانے والا وفد ناکام بھی واپس لوٹ آیا اور تمھیں کسی دوسرے ذریعے سے بھی مدد حاصل نہ ہو سکی تو بھی یہ ہمت آزدب اس کے فوجی شمرالہ کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ شمرالہ کی بستی تباہ اور برباد ہو جائے گی۔ اس کی عزت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔"

"یہ بات تم اتنے یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو؟" آزدب نے کچھ گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"فی الحال اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "لیکن وقت آنے پر تمھیں اس بات کا پتا چل جائیگا کہ میرے یہ دعویٰ میں کیا مضمون ہے۔ میں وقت سے پہلے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم بھی خاصے عجیب و غریب قسم کی مخلوق معلوم ہوتے ہو۔" برال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہر حال میں اصرار نہیں کروں گا۔ جو سکتا ہے تمھارے ذہن میں واقعی کوئی چھپا ہوا مقصد ہو جو وقت سے پہلے اس کا انکشاف تم مناسب نہ سمجھتے ہو۔ لیکن وقت آنے پر تو تم اس مقصد کے بارے میں ہمیں ضرور مطلع کر دو گے۔"

"ضرور مطلع کروں گا۔" میں نے برال کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "بلکہ وقت آنے پر تو میں تم سب لوگوں کے مشورے سے ہی اپنے مقصد پر عمل کروں گا۔"

"تمھارا بہت بہت شکریہ فریس۔ برال نے دوستانہ انداز میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے واقعی ہماری بڑی حوصلہ افزائی کی ہے اور تباہی کیوں تم سے ملنے کے بعد اور تمھاری باتیں سننے کے بعد یہ یقین کر لیے کوئی چاہتا ہے کہ تم ہماری کوئی فیصلہ کن مدد کر سکو گے۔"

"بالکل یقین رکھو۔" میں نے بھی دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ "تم مجھے طرفداروں کی سب سے اگلی صف میں پاؤ گے۔"

اس کے بعد ہم برج میں سے نیچے آئے۔ برال اور اس کے چند خاص خاص مشیروں کے ساتھ ہم نے اشتہا کیا اور اس کے بعد دیر تک موجودہ صورتحال پر گفتگو ہوتی رہی۔ خود برال اور اس کے ساتھی باہر کی بستیوں کی امداد کے سلسلے میں بالکل پر امید نہیں تھے۔ میرے لیے ظاہر ہے یہ بحث بالکل بے معنی تھی کیونکہ اس سے میرے لیے بھلا کیا فرق پڑتا تھا کہ باہر کی بستیاں دل سے کوئی امداد کرتی ہیں یا نہیں۔

اب مجھے اور آریہ کو پوری قلعہ نما بستی میں گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی تھی۔ ہماری رہائش کے لیے برال کے وسیع مکان میں ہی ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا تھا اور ہمیں اس کی اطلاع دے دی گئی تھی۔

میں نے اور آریہ نے پوری بستی کا چکر لگایا۔ ہم جدھر سے نکل جاتے سارے لوگ ہمیں بڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ وہ یہ کیوں نہ کرتا چاہیے کہ ہم اجنبی حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ وہ یہ کیوں نہ کرتا چاہیے کہ ہم اجنبی تھے اور ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ آریہ تو بہر حال ایک عورت تھی اور ہم دونوں کی جوڑی واقعی قابل دید تھی۔ بستی کے بوڑھے اور عمر رسیدہ ہمیں بڑی دلچسپی، حیرت اور شک کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ کئی جگہ لوگوں نے ہم کو روک کر ہم سے بات چیت کی اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو یہی بتایا کہ ہم سردار برال کے دوست ہیں اور شمرالہ کی بستی کے لوگوں کی مدد کرنے کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔

"لیکن یہی بستی والے کا دروازہ تو بند ہے۔" کئی لوگوں نے ہم سے یہ سوال کیا۔ "اور باہر آزدب کی فوجیں گھیرا ڈالے پڑی ہیں۔ تم لوگ بستی کے اندر داخل کس طرح ہو گئے؟"

"ہم لوگ رات کی تاریکی میں فصیل کے برج پر کمند ڈال کر اوپر چڑھ آئے۔" میں نے ان لوگوں کو جواب دیا۔ لیکن پروفیسر مجھے ان لوگوں کے اس سوال سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ شمرالہ کی بستی میں موجود تمام لوگوں کو اس بات

سرنگ کا علم نہیں ہے، بلکہ صرف کچھ مخصوص لوگ ہی جو اس کے بارے میں جانتے ہیں اور یہ امر خاصا اطمینان بخش تھا۔

میں اور آئرینہ دو ہفتے تک ساری بستی میں گھومتے پھرتے رہے اور اس دوران ہم نے بستی کے کافی بڑے حصے کی سیر کر لی۔ بہت سے لوگوں سے ہماری ملاقاتیں ہوئیں جن میں مرد اور عورتیں، سبھی شامل تھے۔ ایک بات میں نے خاص طور پر محسوس کی کہ بڑی عمر اور دیکھ بھال کی بستی کے تمام لوگوں کے حوصلے بہت بلند تھے۔ وہ آزوب کی فوجی قوت سے خوفزدہ نہیں تھے اور ان میں سے بیشتر نے برملا یہ بات کہی کہ وہ اپنی آزادی کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگانے کے لیے تیار ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ برال اپنی بستی کے لوگوں کے جذبوں سے واقعی بخوبی آگاہی رکھتا ہے اور ان کے مزاج سے پوری طرح باخبر ہے۔

ہفتہ وار ہے پر وہ فیصلہ کر لے شہر والے عام لوگوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ نئی سادہ اور جذبہ مند لوگ تھے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دیتے تھے۔ مجھے ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جس کے حوصلوں کو میں نے پست پایا ہو۔

"یہ سب لوگ مر جائیں گے لیکن آزوب کے ہاتھوں شکست قبول نہیں کریں گے۔" میں نے واپسی میں آئرینہ سے کہا۔

"لیکن انھیں مرنا نہیں چاہیے۔" آئرینہ نے کہا۔ "ایسے بہادر اور باہمت لوگوں کو زندہ رہنے کی ضرورت ہے۔ تم ان کی کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"میں ان کے لیے بہت کچھ کر سکتا ہوں اگر وں تو۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن ابھی ان کے دفاع کو پختہ کرنے کے بعد میں نے سوچا ہے کہ آزوب کے خلاف کیا کرنا ہے اور آزوب کو کس طرح قوت اور ہوائی سے دوچار کرنا ہے۔"

"لیکن زندگی کی واپسی تو مختلف دن سے پہلے نہیں ہو سکے گی۔" آئرینہ نے کہا۔ "اگر اس عرصے کے دوران آزوب کی فوجوں نے بستی میں داخل ہونے کی کوشش کر لی تو پھر کیا ہوگا؟"

"ابھی تک تو میں اس بات کو نہیں سمجھ سکا کہ آزوب کی فوجیں بستی میں داخل ہونے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کریں گی کیونکہ جیسا کہ برال نے بتایا ہے گزشتہ پانچ سالوں سے یہ فوجیں بستی کا محاصرہ کیے پڑی ہیں لیکن ابھی تک انھیں اندر داخل ہونے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔"

"بستی میں داخل ہونے کا ایک طریقہ موجود ہے۔" آئرینہ نے کہا۔ "اور مجھے حیرت ہے کہ یہ طریقہ اب تک ان لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا۔"

"وہ کون سا طریقہ؟" میں نے آئرینہ کی بات پر توجہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بستی کا صدر دروازہ جو بستی میں داخلے کا واحد راستہ ہے، بھاری اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ لیکن لکڑی جہاں کمزوری ہے اور وہ جل سکتی ہے۔ انھوں نے صدر دروازے میں آگ لگنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"اوہ ــــ تم بھی کیسی نادانی کی باتیں کرتی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ آزوب اور اس کے ساتھیوں کے ذہن میں یہ ترکیب نہیں آئی ہوگی یقیناً آئی ہوگی۔ لیکن یہ عملاً ناممکن ہے۔ اوّل تو صدر دروازہ بہت موٹی لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اتنی موٹی لکڑی اتنی آسانی سے آگ نہیں پکڑتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دروازے پر مسلسل اندر سے کافی مقدار میں پانی ڈالا جاتا ہے تاکہ وہ کم سے کم جلد آگ نہ پکڑ سکے۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے لوگوں کو دروازے پر باقاعدہ پانی انڈیلتے ہوئے نہیں دیکھا؟" آئرینہ نے جواب دیا۔ "تیسری وجہ ہے ہم بات یہ ہے کہ دروازے میں آگ لگانے کے لیے کون آگے گا؟ فصیل کے تمام برجوں پر تیر انداز تعینات ہیں اور وہ آگے بڑھنے والوں کو تیروں کی بارش پر رکھ لیں گے۔ ایک مخصوص علاقہ پار کرنا ہوگا جس میں جانے کے بعد ہی وجہ ہے کہ محاصرہ کرنے والوں نے اپنے خیمے فصیل سے اتنے فاصلے پر لگائے ہیں جہاں تک فصیل پر موجود تیر انداز ان کی زد سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر وہ بھاگ کر بھی پہنچ سکتے تو کب کا اسے آگ لگا چکے ہوتے یا آگ بجھا چکے ہوتے لیکن ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" آئرینہ نے کہا۔ "واقعی جرأت میں سوچ سکتی ہوں کہ بھلا آزوب اور اس کے ساتھی کیوں نہیں سوچ سکے؟ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ کب کا دروازہ توڑ چکے ہوتے یا اسے جلا چکے ہوتے۔"

ہم دونوں اسی طرح باتیں کرتے ہوئے برال کے دیہی مکان میں پہنچ آگئے اور ایک سپاہی نے ہمیں اطلاع دی کہ برال اور اس کے مشیر دوپہر کے کھا پر ہمارے منتظر ہیں۔ وہی سپاہی ہم لوگوں کو طعام گاہ تک لے گیا جہاں میں اور آئرینہ نے برال اور اس کے مشیروں کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران نے برال کو بتایا کہ میں نے بستی کے بہت سے مردوں اور عورتوں سے ملاقاتیں کی ہیں اور میں نے ان سب کو بڑا باہمت اور پُرجوش پایا ہے اور یہ کہ میں ذاتی طور آخری جنگ اور حتمی فتح موجود ہو سے دنیا کی کوئی طاقت غلام نہیں بنا سکتی۔

برال اور اس کے مشیر میری اس بات سے بہت خوش ہوئے۔

"مجھے اپنے لوگوں کے مزاج کا بخوبی اندازہ ہے۔" برال نے فخریہ کہا۔ "ہمارے آباؤ اجداد صدیوں سے اس سرزمین پر بستے چلے آئے ہیں۔ انھوں نے کبھی اپنی آزادی پر آنچ نہیں آنے دی۔ ہم لوگ غلامی سے نفرت کرتے ہیں۔ دوسروں کو غلام بنانا چاہتے ہیں اور نہ خود کسی کو غلام بننے کے لیے تیار ہیں۔ جنگ کی تیاری اس بات کی گواہ ہے کہ ہم نے دشمن کو کبھی بھی پر حملہ نہیں کیا لیکن اگر کوئی ہمارے علاقے پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو ہم اس کے دانت کھٹے کر دیتے ہیں۔"

اسی طرح باتیں کرتے ہوئے برال نے مجھے بتایا کہ بستی کے مختلف حصوں میں تعینات فوجیوں کی تعداد کتنی ہے اور ان کے ہتھیار کیا ہیں۔ اس

"نہ" سب کو متحد کرنے میں بھی دیر لگ پڑے گی۔ ہم اس وقت آدوب کی فوجوں پر حملہ آور ہوں گے جب وہ سب کے سب اپنے خیموں میں آرام سے پڑے ہوئے سو رہے ہوں گے۔ ان کے جاگنے کا بھی کوئی امکان نہیں ہوگا کہ کوئی اس وقت ان پر حملہ کر بھی سکتا ہے اور جب تک وہ سنبھلیں گے۔ اس وقت تک ہم ان کے آدھے سے زیادہ خیموں کو آگ لگ چکے ہوں گے اور ان کی فوج میں زبردست افراتفری پھیل جائے گی۔ ہم پھر بھی پہلے سے تیار ہوں گے اس لیے تعداد میں کم ہونے کے باوجود ان کے بڑی دل شکر کو زیادہ دیر تک نہیں پہنچا سکیں گے اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ میں اس جنگ کے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن مجھے اس بات پر یقین ہے کہ اس کا انجام ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔"

میں خاموش ہوگیا اور میرے خاموش ہونے کے ساتھ ہی ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ سب لوگ چپ تھے اور میری تجویز پر غور و خوض کرنے میں کوئی بھی پہل کرنے پر تیار نظر نہیں آتا تھا۔ وہ سب باری باری ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے گویا اس بات کا انتظار کر رہے ہوں کہ کوئی دوسرا کچھ بولے تو وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔

"آخر خود ہرال نے اس گہرے سکوت کو توڑا۔

"دوستو! ان لوگوں نے ہماری اس تجویز پر بھی کچھ نہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ اگرچہ یہ تجویز بھی بڑی مشکل میں ہے اور اس میں بہت سے نکات وضاحت طلب ہیں۔ تاہم میں تم سے اس تجویز کے بارے میں تمہاری رائے معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"میرے خیال میں یہ ایک ایسی تجویز ہے جس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جا سکتا ہے۔" تماس نے کہا۔

"ہمیں اب کوئی نہ کوئی خطرہ تو ہر حال مول لینا ہوگا۔" زمبو بولا۔ "اور میں سمجھتا ہوں کہ فروں کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ ہم یہیں کے حملے کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی بجائے خود آگے بڑھ کر دشمن پر ضرب لگائیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ جیت ہمیشہ جان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو خود بڑھ کر پہل کرتے ہیں۔"

"میں خود بھی فروس کی اس تجویز کے حق میں ہوں۔" ہرال نے کہا۔ "اس کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ اگر ہم نے ہی خطرہ تو کچھ مسک مسک کر مرنے سے کیا فائدہ؟ ایک ہی بار دل کی ساری حسرتیں نکال لینی چاہئیں۔"

"تو پھر اب اس تجویز کی تفصیلات طے کر لینی چاہئیں۔" تماس نے کہا۔

"اس کی تفصیلات میں تمہیں بتاتا ہوں۔" میں نے تماس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ذہن میں جو منصوبہ تھا وہ تو آپ سن ہی چکے ہیں۔ اب اس کے بارے میں کوئی اور تجویز ہو تو پیش کریں۔ ہاں میں اس منصوبے کے بارے میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم اس پر عمل درآمد کرنے میں سب سے پہلے خود کیا کریں گے۔"

"ٹھیک ہے فروس۔" ہرال نے بے چینی سے کہا۔ "اب تم جلدی سے اپنا منصوبہ بیان کر ڈالو۔"

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم اپنی فوجوں کو ہر طرح سے تیار اور آراستہ کر کے بستی کے پھاٹک کے پیچھے ان کی مناسب صف بندی کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "میں نے کہا ہماری فوجیں حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں گی۔ فوجوں کے ساتھ ہی بستی کے تمام دروازوں کو بھی اسطرح بند کر کے تیار رہنے کی ہدایت کر دی جائے گی۔ فصیل کے برجوں پر تمام تیر انداز اپنی اپنی کمانیں سنبھالے ہوئے تیار کھڑے ہوں گے اور جیسے ہی ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارے تیروں کی حفاظتی حد سے باہر نکل جائے گا۔ ہر تیر کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ میں باہر نکلنے کے بعد پیچھا چھڑانا آدوب کی خیمہ گاہ میں پہنچنے تک ان کو کسی نہ کسی طرح کسی سپاہی کو ہلاک کر کے اس کا لباس خود پہن لوں گا۔ اس طرح میں بھی ایک گرفتار سپاہی نظر آؤں گا اور اس کے بعد میرا کام یہ ہوگا کہ میں خیموں میں مسلسل آگ لگاتا شروع کر دوں گا۔ اس آتش زنی کا علم لگتے ہی باقی خیموں میں مقیم لوگوں کو فوری طور پر نہیں تو کچھ دیر کے بعد ہی سہی انھیں اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ آدوب کی خیمہ گاہ میں رات کو جاگ کر پہرہ دینے والے سپاہیوں کی تعداد خاصی کم ہے اور جو پہرہ دیتے بھی ہیں وہ بھی اتنے زیادہ چوکس نہیں ہوتے اور عموماً سو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ رات کے وقت ان پر کوئی حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ خیموں میں سوئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ہی ساتھ لشکریوں کی افراتفری پھیل جائے گی اور ساتھ ہی آگ بجھانے میں مصروف ہو جائیں گے۔ ان کے لیے یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہوگا کیونکہ جس تیزی سے لوگ پانی استعمال کے لیے پانی لیتے ہیں وہ خیمہ گاہ سے کافی فاصلے پر دریا تک ہے اور ان کے پاس خیموں کے مذہبی اثاثہ وغیرہ کو محفوظ نہیں ہوگا۔ اس سے وہ یہ آگ بجھا سکیں۔ اس طرح آگ ہر طرف پھیلتی چلی جائے گی اور ساری کی بڑی تعداد خیموں کے اندر ہی جل جائے گی۔ میں یہ کام انجام دینے کے بعد الدھیرے سے نالہ والا راستہ اختیار کروں گا جو سیدھا بستی کے صدر دروازے پر نکلتا ہے۔ برج پر موجود سپاہی مجھے دیکھ لیں گے۔ بس اسی وقت دروازے کو کھول دیا جائے اور ہماری تازہ دم اور مسلح فوجیں آدوب کی پریشان حال اور خوفزدہ فوجوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کے بعد ہم کر تعاقب کیا جائے۔ عدھیرا اس کی پروا نہ کی جائے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔"

میری تجویز کی تفصیل سن کر سارے لوگ بالکل خاموش ہو گئے۔ ہرال اپنے ساتھیوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔ بالآخر اس نے ہی اس سکوت کو توڑا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم تنہا آدوب کی لشکر گاہ میں جا کر اس کے خیموں میں آگ لگانے کا کام انجام دو گے؟" ہرال نے اپنی بھنویں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ تم خود اپنی جان داؤ پر موت کے منہ میں دھکیل دو۔ بھلا کوئی بھی تمہاری تنہا مدد کیسے کر سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں کر سکتا؟" میں نے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔ "دنیا کی تاریخ بہادروں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے اور میں خود اپنا شمار بھی بہادروں میں ہی کرتا ہوں۔ میں کوئی دو چار لوگ کی آدمی نہیں ہوں اور موت میرے لیے ایک کھیل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ مجھے اس تم لوگوں کی اعانت درکار ہوگی اس کے علاوہ میں دیکھنا کہ میں آدوب اور اس کے لشکر کا کیا حشر کرتا ہوں۔"

"تمہاری تجویز صوری نقطہ نظر سے تو نہایت عمدہ ہے۔" زمبو نے کہا۔

طلبہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے خیال میں مناسب یہ ہوگا کہ خیموں میں آگ لگانے کا کام تم تنہا انجام مت دو۔ بلکہ اس کام میں تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شامل ہوں۔ مگر جلد از جلد زیادہ سے زیادہ خیموں کو آگ کا نشانہ بنایا جائے اور آدوب کی فوجوں کی صفوں میں زیادہ تیزی کے ساتھ افراتفری پیدا کی جا سکے۔"

"نہیں۔" میں نے حتمی کے ساتھ جواب دیا۔ "میں اس کام میں کسی دوسرے کو شامل کر کے اس کی زندگی سے نہیں کھیلنا چاہتا۔ میری تجویز ہے اور میں تنہا ہی اس پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں تم سب لوگوں کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ میں اس قسم کے کاموں میں بہت مہارت رکھتا ہوں اس لیے میرے اوپر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور میں اپنا کام بخیر انجام دے کر بھی سلامت واپس آ جاؤں گا لیکن میں کسی دوسرے شخص کی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"تم اس بات پر مصر کیوں ہو کہ تم تنہا یہ کام کرو گے؟" تماس نے کہا۔ "میرے خیال میں تو زمبو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ ایک دو آدمی اور بھی چلے جائیں۔ اس سے تمہیں مدد ہی ملے گی۔"

"لیکن مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔" میں نے قطعی فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں تنہا جاؤں گا اور تنہا ہی اس کام کو انجام دوں گا۔ بس اتنی طرح جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"مگر فروس کا اصرار ہے کہ وہ تنہا اس کام کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت مل جانی چاہیے۔" ارتوس نے کہا۔ "لیکن اس بات کی آخری فیصلہ کر بستی کا صدر دروازہ کھولا جائے یا بند رکھا جائے۔ ہم لوگ کریں گے جو کہ بستی کے اندر موجود ہوں گے اور حالات سے صورتحال کا اندازہ لگا رہے ہوں گے۔ ہمارا تمہارا کا سوال ہے اور اس میں ہم کسی جذباتیت کا شکار نہیں ہو سکتے۔ سنو فروس! یہ تمہیں کہنا ہے کہ حالات کا رخ اختیار کر پائیں۔ تم تو جا رہے ہو اور اس بات کا امکان ہے کہ وہ لوگ آگ پر قابو پا بھی لیں اور تمہارا مشن ناکام ہو جائے۔ ایسی صورت میں ہم اس بات کے پابند نہیں ہوں گے کہ بستی کا صدر دروازہ کھولنے کا حکم دیں۔ کیا تمہیں یہ شرط منظور ہے؟"

"مجھے یہ شرط قطعاً منظور ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ "تم لوگوں کو اختیار موجود ہوگا۔ اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہوگا کہ بستی کا دروازہ کھولو یا بند رکھو۔ ویسے بھی میں تم سے بستی کا دروازہ کھول کر حملہ کرنے کی درخواست صرف اس وقت ہی کروں گا جب میں ان کے زیادہ تر خیموں میں آگ لگا کر خود زندہ سلامت بستی کے صدر دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اگر میں زندہ سلامت صدر دروازے تک نہ پہنچوں تو تم لوگ ہرگز ہرگز دروازہ نہ کھولنا اور یہی سمجھ لینا کہ یہ مشن ناکام ہو گیا ہے۔ اس کی کوئی ذمہ داری تم لوگوں پر عائد نہیں ہوگی لیکن میں تمہیں اتنا یقین ضرور دلاتا ہوں کہ اگر بالفرض میرا مشن ناکام ہو گیا تو بھی میں آدوب کی فوجوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دوں گا۔ میں اس کی فوجوں کی کمر توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم شمالی بستی کے لوگوں کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے پر تیار ہو گئے ہو؟" ہرال نے کہا۔ "لیکن میں اخلاقی طور پر اس کا کبھی حق نہیں رکھتا ہے کہ ہم اپنی جان قربان کر دیں۔"

"میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ تم مجھے اس کام کے لیے مجبور کرو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے یہ فیصلہ خود اپنے ذہن سے کیا ہے اور اس میں کسی کی اعانت سے زیادہ یا زبردستی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ برضا و رغبت کر رہا ہوں۔"

"لیکن تمہارے تنہا جانے کی صورت میں مجھے اس مہم کا انجام کوئی خاص خوشگوار نظر نہیں آتا۔" زمبو نے مایوسی کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے جیسے عظیم اور مخلص دوست کے بچھڑ جانے کا ہمیں ہمیشہ افسوس رہے گا۔" ہرال نے کہا۔ "مجھے زمبو کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ تمہارے تنہا جانے کی صورت میں کامیابی کے امکانات زیادہ نہیں ہیں اور اس صورت میں ہم اس بات کے لیے مجبور ہوں گے کہ بستی کی بستی کا دروازہ کھولیں۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے یہ شرط منظور ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ "میری ساری زندگی انسانوں کی خدمت کرتے اور ان کے لیے قربانیاں دیتے گزری ہے اور انسانوں کے کام آ کر مجھے جو مسرت حاصل ہوتی ہے۔ مگر میری جان تم لوگوں کی برتری کا تحفظ کرنے کے دوران قربان ہو جائے تو میں اسے اپنے لیے بھی خوش نصیبی کا باعث سمجھوں گا۔"

ہرال نے اور اس کے ساتھیوں نے کافی دیر تک مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی میں اپنے تنہا جانے کے ارادے سے باز آ جاؤں۔ لیکن میں اپنی بات پر اڑا رہا۔ بالآخر سب لوگوں نے میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ بات طے پا گئی کہ میں تنہا آدوب کی خیمہ گاہ میں جاؤں گا اور بھی طے کر لیا گیا کہ بستی کے قلعے کے دروازے کو کھول کر آدوب کے لشکر پر حملہ کرنے کا فیصلہ وہی لوگ کریں گے جو بستی کے اندر موجود ہوں گے اور اپنی آنکھوں سے باہر کا منظر دیکھ رہے ہوں گے۔ تاہم میں نے انھیں احتیاطاً خاصی بات یاد دی کہ وہ اس وقت تک تو ہرگز دروازہ کھولنے کے بارے میں نہ سوچیں جب تک کہ میں خود دروازے پر موجود نہ ہوں۔

اس کارروائی پر عمل درآمد کرنے کے لیے اگلی رات کا وقت مقرر کیا گیا۔ دوسرے دن صبح ہی سے تمام فوجیوں اور شہریوں کو تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ جن شہریوں کے پاس ہتھیار نہیں تھے انھیں ہتھیار فراہم کیے گئے۔ صبح سے ہی ساری بستی والوں کو بتا دیا گیا تھا کہ آج کی رات کسی معرکے کے ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ لیکن پورے منصوبے کا علم ان چند افراد کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا جو رات کے وقت اس نشست میں موجود تھے جس میں میں نے اپنے منصوبے کا اعلان کیا تھا۔ بستی کے فوجیوں اور شہریوں کو صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ آج کی رات آدوب کے لشکر کی جانب سے حملے کا خطرہ ہے۔ اس لیے وہ عام دنوں سے زیادہ چوکنا اور اپنی پوزیشن سنبھال لیں اور خود کو ایک بڑی جنگ کے لیے آمادہ کر لیں۔

دن بھر بستی میں بڑی گہما گہمی رہی۔ میں اور آپ ساری بستی میں گھومتے پھرتے رہے اور ہم نے لوگوں میں بڑا جوش و خروش پایا۔ ہر طرف رات کی تیاریاں

Optimized by www.ImageOptimizer.net

جاری تھیں۔ تحریم ہلدی ملاوی کھانا پکا رہی تھیں تاکہ سرِشام ہی کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر رات کی مہم کے لیے اپنے مردوں کو اور خود کو تیار کر لیں۔

اس رات برال نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ذرا جلدی ہی کھانا کھا لیا اور حسبِ معمول میں اور آئیرس کھانے میں شریک تھے۔ کھانے کے دوران زیادہ تر خاموشی ہی رہی بہت کم باتیں کی گئیں۔ ان سب لوگوں کے چہروں پر تفکر کی گہرے سائے سنڈ رہے تھے۔ خاص طور سے برال بہت زیادہ متفکر نظر آ رہا تھا لیکن میرے چہرے پر تو سوائے اس کے فکر و تردد کا نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ میں نے اور آئیرنے بالکل اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ کھانا کھایا۔ آئیرنے بھی اتنے دنوں سے میرے ساتھ رہ رہی تھی اور بار بار میری قوت کے غیر معمولی کرشموں کو دیکھ چکی تھی اس لیے اسے بھی تھا کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور میں اس مہم سے بھی اسی طرح سرخرو واپس آؤں گا جس طرح اس سے پہلے میں کئی مہمات سر کر چکا تھا۔

"تم نے لکڑ مگسوں کو خبردار نہیں کیا؟" برال نے آئیر سے برال سے پوچھ لیا۔

برال نے اپنی آنکھیں اٹھا کر مجھے گہری نظروں سے دیکھا اور پھر بہت آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ "جب بھی وقت ہے فرس، تم اپنے اس خطرناک ارادے سے باز آ جاؤ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آئیر بھی نوجوان اور حسین ہے اور تم خود کتنے دلکش اور خوبصورت ہو۔ تمہارے بعد آئیر نہ تو تم جیسا کوئی بھی دوسرا شوہر نہیں مل سکے گا، مگر اپنا نہیں تو کم از کم آئیر کا ہی خیال کرو۔ اگر تم ایک آدھ آدمی کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے تو اس میں تمہارا ہرج ہی کیا ہے؟"

"اسے جانے دو معزز برال۔" میرے بجائے آئیر نے فوراً جواب دیا۔ اس کا لہجہ بڑا مستحکم تھا۔ "یہ میرا شوہر ہے اور مجھ سے زیادہ تم سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ کتنا بہادر ہے اور کس وقت کتنے مت سے لوگوں سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔ تم اس کے بارے میں بالکل فکر مند نہ ہو اور جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس پر عمل کرو۔ اس بات پر یقین رکھو کہ جیت اسی کی ہو گی۔"

"تمہیں اپنے شوہر پر بڑا اعتماد ہے۔" فرقس نے آئیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔" آئیر نے جواب دیا۔ "اور میرے شوہر نے میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ وہ ہمیشہ میرے اعتماد پر پورا اترتا رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس بار بھی وہ مجھے اور تم لوگوں کو مایوس نہیں کرے گا۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی آئیر نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ میں مجھے ایسی ہمارائی ان مسکراہٹوں میں دکھائی دیں جو وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی بھی دوسرا شخص شریک نہیں ہوا۔

"اچھا دوست۔" کھانا ختم ہونے کے بعد برال نے مجھ سے کہا۔ "اب تمہیں ہم لوگوں سے رخصت ہونا ہے۔ تاکر اور اس کے ساتھ دو آدمی تمہیں بحفاظت سرنگ کے دہانے پر بحفاظت پہنچا دیں گے اور اس کے بعد تم جانو اور تمہارا کام۔ تم نے خود اپنی مرضی سے اپنے لیے یہ راستہ منتخب کیا ہے۔ ہم لوگ بہرحال تمہاری کامیابی کے متمنی رہیں گے مگر تمہاری کامیابی ہی سے ہماری کامیابی وابستہ ہے۔ اگر تم سرخرو ہو گے تو یہ تمہاری آزادی کی ضمانت ہو گی۔ تم آئیر کی فکر مت کرنا، ہم اسے اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔"

"مجھے تمہاری بات کا پورا یقین ہے۔" میں نے کہا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

جب میں کمرے سے باہر نکلا تو تاکر اسے اس کے ساتھ دو اور آدمی باہر انتظار میں باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ان تینوں آدمیوں کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ مختلف کمروں پر تعینات مرد بال الگوں سے گزرتے ہوئے ہم اگر بالآخر اس کمرے میں پہنچ گئے جس کی چٹانی دیوار میں سرنگ کا خفیہ دروازہ پوشیدہ تھا۔ اس طرف خاص خاص لوگوں کے علاوہ عام آدمیوں کو آنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ پھر بھی تاکر نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس پاس کی جگہ کا اچھی طرح جائزہ لے لیا۔ تاکر کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی بھی پوری طرح مستعد اور چوکنے تھے۔ انھوں نے بھی کمرے میں داخل ہونے سے پہلے باہر اور اندر کی فضا کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لیا اور اس کے بعد ہی کمرے میں داخل ہوئے۔

تاکر نے دیوار کے قریب ابھرے ہوئے ایک پتھر کو ایک خاص انداز میں کئی بار ہلایا۔ اچانک ایک گھڑگھڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور چٹانی دیوار کا ایک حصہ کھل گیا۔ تاکر کے ساتھ آنے والے دو آدمیوں میں سے ایک شخص تو اسی کمرے میں رک گیا اور اس نے اس کمرے کے باہر والی دروازے کو اندر سے بند کر کے اور کھلی ہوئی سرنگ کے دہانے پر کھڑا ہو گیا۔ میں، تاکر اور دوسرے آدمی کے ساتھ سرنگ کے اندر داخل ہو گیا۔

"تم نے ہم لوگوں کی خاطر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے فرس۔" تاکر نے تھوڑی دور تک میرے ساتھ چلنے کے بعد کہا۔

"مجھے خطرات مول لینے میں مزہ آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "میری زندگی ہمیشہ خطرات میں گزری ہے اور میں خطرات سے کھیلنے والا آدمی ہوں برال۔"

"وہ تو ٹھیک ہے فرس۔" تاکر نے کہا۔ "لیکن تمہارا موجودہ مشن قریباً کل کسی دیوانے کا مشن معلوم ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تم جان بوجھ کر موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو کیا تمہیں اپنے آپ سے کوئی دشمنی ہے؟"

"مجھے اپنے آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بلکہ میں تم لوگوں کی میزبانی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

ہم لوگ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہمارے اور روشنی کے درمیان اتنا معمولی سا فاصلہ رہ گیا کہ ہم اسے بخوبی محسوس کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ہم لوگ سرنگ کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔

"تو یہ ہے فرس۔" تاکر نے کہا۔ "اب تمہاری منزل آ گئی۔ یہاں سے اب تم اور تمہارے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ میں رکتا ہوں اور ہم لوگ واپس لوٹ جائیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے مخصوص طریقے سے سرنگ کے دہانے کو کھول دیا۔ گھومتی چٹان میں ویسا ہی خلا پیدا ہو گیا جیسا کہ میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ تاکر اور اس کے ساتھی دونوں کچھ پیچھے ہٹ گئے تاکہ مشعلوں کی روشنی آسانی سے میرے ہاری ان دونوں سے ساتھ دے سکے اور پھر ہوا کے ایک جھونکے کی طرح سرنگ سے باہر نکل گیا۔ میں نے اپنے پیچھے گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا، سرنگ کا دہانہ دوبارہ بند ہو چکا تھا اور گھومتی چٹان اپنی جگہ پر

پوزیشن اختیار کر چکی تھی۔

اب میں تنہا تھا اور میرے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل تھا۔ بھی بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میرے پاس پناہ گاہ نما چھپنے کے لیے کوئی وقت موجود تھا۔ جنگل میں میں نے طرح طرح کے جانوروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کہیں کہیں بڑی بڑی جنگلی بھیڑیے پر دار کے ساتھ آرووب کی مخالف سمت کی طرف بیش قدمی شروع کر دی جنگل کے اس حصے سے لشکر گاہ کا فاصلہ کوئی چھ میل تھا۔ میں آہستہ آہستہ یہ فاصلہ طے کرنا چاہتا تھا۔

آخر میں آرووب کی لشکر گاہ کے بالکل قریب پہنچ گیا اور ایک گھنے درخت کی آڑ لے کر کھڑا ہو کر صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ ابھی چونکہ بہت زیادہ رات نہیں گزری تھی اس لیے ہر طرف سپاہیوں کی ٹولیاں مصلحت میں اور خیموں کے آگے جلتی ہوئی آگ کے چبوترے میں مصروف تھیں۔ مشعلیں بھی کافی تعداد میں روشن تھیں۔ مجھے بھی اوقاتِ تاریک انتظار کرنے کی ضرورت تھی۔ میں نے ایک نظر سامنے تمام صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میری فصیل پوری بستی کا احاطہ کیے ہوئے تھی اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فصیل پر دو تین مشعلیں جل رہی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ان میں سے ہر ایک برج میں تیر اندازوں کے تیر کمان سنبھالے کھڑے ہیں اور پھاٹک کے پیچھے بستی کی فوج تیار اور مسلح کھڑی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت تک بستی کے لوگ اپنی ساری تیاریاں مکمل کر چکے ہوں گے اور انھوں نے اپنے مورچے سنبھال لیے ہوں گے۔

آہستہ آہستہ رات گہری ہوتی گئی اور اس کے ساتھ ہی سپاہیوں کی محفلیں برخاست بھی کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر بعد سوائے پہرے داروں کے کوئی باہر نہیں رہا۔ سب لوگ آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے خیموں میں جا چکے تھے اور چند ایک پہرے دار الاؤ کے گرد ادھر سے ادھر گشت کر رہے تھے۔ میں نے تھوڑی دیر تک اور انتظار کیا یہاں تک کہ پہرے داروں کی تعداد بھی گھٹ کر آدھی رہ گئی۔ اب میں نے اپنی پیش قدمی شروع کر دی۔ میں بہت آہستہ آہستہ رینگتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک لمبا خنجر تھا۔ میں نے اپنے جسم پر کیچڑ مل لی تھی تاکہ اندھیرے میں میرا جسم چمکے نہیں۔ میرے کپڑے بھی کیچڑ آلود تھے۔ میں نے اپنے سر پر بھی کیچڑ مل لی تھی۔ میرے بال بھی کیچڑ آلود تھے۔ میرا چہرہ بھی کیچڑ آلود تھا۔ میرے ہاتھ بھی کیچڑ آلود تھے۔ میرا جسم بھی کیچڑ آلود تھا۔ میرے کپڑے بھی کیچڑ آلود تھے۔ میرے پیر بھی کیچڑ آلود تھے۔ میں کیچڑ کا ایک مجسمہ تھا۔ میں کیچڑ کا ایک بت تھا۔ میں کیچڑ کا ایک انسان تھا۔ میں کیچڑ کا ایک آدمی تھا۔ میں کیچڑ کا ایک مرد تھا۔ میں کیچڑ کا ایک بہادر تھا۔ میں کیچڑ کا ایک جنگجو تھا۔ میں کیچڑ کا ایک سپاہی تھا۔ میں کیچڑ کا ایک سورما تھا۔ میں کیچڑ کا ایک شیر تھا۔ میں کیچڑ کا ایک ببر شیر تھا۔ میں کیچڑ کا ایک ہیرو تھا۔ میں کیچڑ کا ایک فاتح تھا۔ میں کیچڑ کا ایک مہم جو تھا۔ میں کیچڑ کا ایک مسافر تھا۔ میں کیچڑ کا ایک صدیوں کا مسافر تھا۔

اب میں آرووب کی فوج کا ایک سپاہی معلوم ہوتا تھا اور کسی کے لیے بھی میرا پہچاننا قطعاً ممکن نہیں تھا۔ میں نے دبے پاؤں مگر مشعل لیے انھوں میں اطمینان اور بڑے گھومنا شروع کر دیا۔ کہیں سے بھی دیکھنے پر کوئی دشمن سپاہی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میں ایک دشمن ہوں۔ میں جب بھی دیکھتا کہ کوئی دشمن مشعل بردار میری طرف بڑھ رہا ہے تو میں فوراً اپنا راستہ تبدیل کر لیتا اور دوسری سمت اختیار کر لیتا۔ میں پوری پوری کوشش اس بات کی کرتا تھا کہ دوسرے سپاہیوں سے میری مڈبھیڑ نہ ہو۔

رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی مشعلوں کی گردش میں بھی کمی آتی گئی۔ زیادہ تر پہرے دار ادھر ادھر بیٹھ گئے تھے اور شاید اونگھ رہے تھے۔ اب میرے کام کے آغاز کا وقت آ گیا تھا۔

میں نے مشعل اتنی دور تھامی اور خیموں کی سب سے پچھلی قطار کی طرف چلا گیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا۔ میں نے آخری سرے والے خیمے کو تاکا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہی وہ خیمہ ہے جس میں آرووب مقیم ہے کیونکہ گزشتہ رات جب مجھے اور آئیر کو گرفتار کیا گیا تھا تو وہ یہیں اسی خیمے میں لے کر گیا تھا اور یہیں ہم لوگوں کے سامنے پیش ہوئے تھے۔

میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اس خیمے کی طرف چلنے لگا جس میں آرووب مقیم تھا۔ اس خیمے کے سامنے مجھے زیادہ سے زیادہ سپاہی نظر آ رہے تھے۔ اب میرا مقصد ان سپاہیوں کی تعداد کو کم کرنا تھا۔ میں نے اپنی مشعل کو زمین پر رگڑ کر بجھا دیا اور اندھیرے کا فائدہ اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود خنجر کو مضبوطی سے تھام لیا۔ میرے ہاتھ میں ایک اور خنجر بھی موجود تھا جو میں نے ایک سپاہی سے چھینا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود خنجر کو اپنے دانتوں میں دبا لیا اور دونوں ہاتھوں کو آزاد کر لیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو آزاد کر لیا تھ

سے فرار کی بعد ان تمام خیموں میں ایک جشن برپا ہو گیا۔ ان میں سے اکثر لوگوں کی تلخی ختم ہو گئی تھی۔ ہنستے ہوئے لوگ ہر خیموں سے نکل رہے تھے اور اس خوشی کے ماحول میں کسی کی نظر ان کی طرف نہیں اٹھ رہی تھی۔ ہر شخص مصروف تھا۔ خیموں میں آگ کس طرح تک رہی ہے۔

جس نے ان لوگوں کو خوشی حال میں پھولا اور مشعل بلند کیے دیکھا تھا وہ خیموں کی دوسری سمت سے بھی نظارہ کی طرف چلا گیا۔ اب بہت سے مشعل بردار صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس لیے میرا مشعل بلند کیے کر بھاگنا کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی طرف لوگ توجہ دیں۔ میں تیزی کے ساتھ دوسری سمت سے بھی نظارہ کرتا ہوا اور میں نے خیموں میں بھی تیزی سے آگ لگانی شروع کر دی۔ اب میرے ہاتھوں میں ایک کے بجائے دو مشعلیں تھیں۔ کچھ ہی دیر میں ایک جگہ بڑی ہوئی آگ بجھانے کی کوشش کی جانے لگی تھی جو میں نے توڑ دی اور اپنے ہاتھ میں پہلے سے موجود بجھی ہوئی مشعل سے اسے سلگا لیا۔ اب میرے دونوں ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے اور میں زیادہ سے زیادہ خیموں میں آگ لگانا چاہتا تھا۔ ابھی تک کسی نے مجھے آگ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

تیسری نظارے کے تقریباً تمام خیموں میں آگ لگا دینے کے بعد میں نے دو اور نظاروں کے خیموں میں آگ لگا دی اور اس جگہ بڑی ہوئی آگ میں سپاہی کی لاش کو بھی نذر آتش کر دیا جسے ابھی کچھ دیر پہلے میں نے ہلاک کیا تھا۔

اب خیمہ گاہ میں تقریباً سارے ہی آگ پکڑ چکے تھے۔ ہر طرف چیخ و پکار، شور و ہنگامہ اور افراتفری کا عالم تھا۔ میں بھی بھاگ دوڑ کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔ لوگ جلدی جلدی جہاں جہاں سے بھی پانی مل سکتا تھا، آگ بجھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے لیکن یہ آندھی کی مدد قسمتی تھی کہ اس رات ہوا بڑی تیز چل رہی تھی اور تیز ہوا کے جھونکوں میں آگ کے شعلے بڑی سرعت کے ساتھ پھیلتے جا رہے تھے۔

میں ایک وقت دو کام کر رہا تھا ایک طرف تو میں شور مچانے والوں میں شامل تھا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر پانی مہیا کرنے میں بھی حصہ لے رہا تھا۔ اور دوسری طرف میں موقع ملتے ہی کسی نہ کسی خیمے میں آگ لگا دیتا اور تیز ہوا سے جلد ہی وہ آگ اور زیادہ پھیلتی چلی جاتی۔

خیموں میں جتنے پانی کا ذخیرہ تھا اسے نکال نکال کر آگ بجھانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا لیکن زیادہ تر پانی ذخیرہ ختم ہو گیا اور آگ بجھانے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں رہی۔ اس لیے اس شام میں سب سے زیادہ خیموں میں آگ لگا جا رہا تھا اور قدرت بھی جیسے میری مددگار تھی۔ تیز ہواؤں کے جھکڑ آگ کے شعلوں کو ایک خیمے سے دوسرے خیمے تک تیزی کے ساتھ پہنچا رہے تھے۔ اور اب خیمہ گاہ کا ایک خاصا بڑا حصہ ایک بھڑکتے ہوئے الاؤ کی تصویر پیش کر رہا تھا۔

میں دو مشعلیں ہاتھوں میں تھامے ہوئے اب بھاگتا ہوا خیمہ گاہ کے سامنے والے حصے کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔ میں نے کئی سپاہی مٹے ہوئے خیموں کے عقب سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ان میں سے دو ایک نے مجھے دیکھ کر کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن میں کوئی جواب دیے بغیر سیدھا بھاگتا رہا۔ میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے لگائے ہوئے شعلوں سے کتنی آگ پھیلی ہے۔

جیسے ہی لوگ میری نظر سے اوجھل ہوتے یا میں لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوتا، ویسے ہی میں ایک گروہ دیکھتے ہی اس میں شامل ہو جاتا۔ سب لوگ بے تحاشا دوڑ رہے تھے۔ پانی کا ذخیرہ ختم ہو جانے کے بعد لوگوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اب آگ بجھانے کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ اب تو ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

میں ایک جگہ رکا تو میرے ہاتھ میں ایک مشعل تھی۔ میں نے اسے بجھا دیا۔ اب میرے ہاتھ میں صرف ایک مشعل تھی۔ میں نے اسے بھی بجھا دیا۔ اب میرے ہاتھ خالی تھے۔ میں نے ہاتھ جھاڑے اور پھر سے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت تک اس کے ساتھیوں کے خیال میں خود کو سپاہی کے فرائض انجام دینے پر مامور تمام لوگوں نے اس بات سے اتفاق کیا اور یہ طے پایا کہ اب فوجوں کی کمان کسی ایک ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اور اس کی تیار کردہ حکمت عملی کے مطابق عمل کیا جائے۔

سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ خیموں میں آگ کس طرح لگی۔"

"میں نے کہا۔ "شہر کی بستی کا ہر فرد بلند سے بلند اور مہم جوئیوں سے گھبرانے والا نہیں ہے۔ ہم نے اس حملے کی تیاری کی ہے۔ ہم نے اس کے لیے بہت محنت کی ہے۔ ہم نے اس کے لیے بہت قربانیاں دی ہیں۔ ہم نے اس کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ہم نے اس کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ ہم نے اس کے لیے بہت کچھ کیا ہے

زارس نے اپنے دونوں ہی دھلی ہوئی مشعلیں تھامیں اور ایک سرے سے پہلی قطار کا معائنہ کیا۔ وہ ایک ایک سپاہی کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتا چلا گیا۔ لیکن اس نے کسی پر بھی شبہے کا اظہار نہیں کیا۔ سب چہرے اس کے جانے پہچانے تھے۔ اس کے بعد اس نے دوسری قطار کا معائنہ شروع کیا۔ یہاں بھی وہ ایک سرے سے دوسرے تک تمام چہروں کو غور سے دیکھتا چلا گیا لیکن اسے کوئی بھی چہرہ نظر نہیں آیا۔ وہ خاصا مایوس اور پریشان نظر آنے لگا۔

"ان لوگوں میں کوئی شخص میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔" اس نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا۔ "یہ سب چہرے میرے لیے جانے پہچانے ہیں اور یہ سب کے سب اس سے پہلے متعدد جنگوں میں میرے ساتھ حصہ لے چکے ہیں۔ لہٰذا میں ان میں سے کسی پر بھی شبہ کا اظہار نہیں کر سکتا۔ تاہم محض احتیاط کے طور پر ہمیں ان سب کو جلنے سے بچانے کی خاطر میں یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ تمام مشعل بردار سپاہی صرف ہی جگہ موجود رہیں گے جہاں کہ اس وقت وہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے کوئی بھی نیچوں کے قریب نہیں جائے گا۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ مزید چیچوں میں کس طرح آگ لگتی ہے۔ اس وقت ہمارے سیکڑوں آدمی مل کر جاگ ہو چکے ہیں جن میں پہلا نظم سپلارڈوب بھی شامل ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہے اور اگر ہم اصل مجرم کو صبح ہونے سے پہلے پہلے گرفتار نہ کر سکے تو پھر شاید ہم اسے کبھی بھی گرفتار نہ کر سکیں گے۔ اس لیے میں حکم دیتا ہوں کہ ہمارے معزز جادوگر وائزکر بلایا جائے۔ اس موقع پر وہی ہماری سب سے زیادہ مدد کر سکتا ہے۔ رات کی تاریکی میں چھپے ہوئے ایک دشمن کو تلاش کرنا ہمارے لیے تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن وائزکے لیے ناممکن نہیں۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

میں جو ہم تاریکی میں سپاہیوں کے ایک قول کے اندر سمایا ہوا زارس کی باتیں سن رہا تھا، دل ہی دل میں ہنسنے لگا۔ اب زارس نہ جانے کس تکلیف کے ذریعے "غدار" کا پتا چلایا کرے گا۔ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال "زارس کے حکم پر کئی لوگ ایک ساتھ ہی ایک طرف دوڑ پڑے۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے سرکتا ہوا زیادہ سے زیادہ تاریکی میں ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ضعیف العمر اور باریش شخص ان لوگوں کی معیت میں آتا ہوا دکھائی دیا جو اسے لینے گئے تھے۔ راستے میں کھڑے ہوئے تمام سپاہی اسے دیکھ کر راستہ چھوڑتے گئے۔ وہ شخص سیدھا زارس کے پاس پہنچا۔ زارس نے جھک کر اسے تعظیم دی جس کے جواب میں وائزنے اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے سیدھا کر دیا۔ زارس نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے عقیدت مندی کے ساتھ بوسہ دیا۔

"معزز و مقدس وائز۔" زارس نے کہنا شروع کیا۔ "ہم پر جو اچانک آفت آ پڑی ہے اس سے آپ یقیناً واقف ہو گئے ہوں گے۔ باغی دشمن کا کوئی خطرناک جاسوس ہماری صفوں میں گھس آیا ہے اور پھر ہم میں سے ہی کوئی دشمن کے ہاتھوں بک گیا ہے اور غداری پر آمادہ ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے بہت چالاک مکار اور ہوشیار آدمی ہے اور اس نے کمال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے ہمارے آدھے سے زیادہ نیچوں کو آگ لگا کر تباہ کر دیا ہے۔ اس نے یہ حملہ اچانک کیا ہے اور ہمارے سیکڑوں سپاہی نیچوں میں جل کر جاگ ہو چکے ہیں۔ سب سے زیادہ دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں میں ہمارا معزز اور بہادر سپلارڈوب شامل ہے جگر ہمارا خیال ہے کہ غدار نے سب سے پہلے اس کے نیچے کو اپنا نشانہ بنایا ہو اور وہ بے خبری کے عالم میں مارا گیا ہو۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے بے حد سر غدار کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ہمیں اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ معزز وائز ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ تم ہماری مدد کرو اور اپنے علم کے ذریعے یہ معلوم کرو کہ ہمارے درمیان وہ غدار کون ہے۔ اس کی نشاندہی ہو جانے کے بعد پھر اس سے نمٹنا ہمارا کام ہے۔"

"لیکن تم نے یہ معزز و مقدس یوں قائم کر لیا کہ غدار صرف ایک ہی شخص ہے۔" وائز نے کہا۔ "جس ہیجانی پر لشکر گاہ میں آگ لگائی گئی ہے اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام کسی ایک شخص کا نہیں بلکہ کئی اشخاص کا ہے۔ لہٰذا ہمیں معلوم ہونا ہے کہ تمہاری صفوں کے درمیان غداروں کا ایک پورا گروہ موجود ہے۔ بہرحال فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے علم کے زور سے ان لوگوں کا پتا چلا لوں گا اور پھر چند ہی لمحوں میں سب کا قلع قمع ہو جائے گا۔"

"وقت ــــ معزز وائز وقت ــــ" زارس نے کہا۔ "وقت بہت قیمتی ہے۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ بیحد قیمتی ہے۔ غدار اپنی سازشوں میں مصروف ہیں۔ اگر ہم نے زیادہ تاخیر کی تو وہ ہمارے لشکر کو تباہ برباد کر دیں گے۔ ابھی تو وہ صرف نیچے جلا رہے ہیں اور نیچوں کے ساتھ ہی وہ ہمارے سیکڑوں سپاہیوں کو جلا چکے ہیں۔ اس کے بعد نہ جانے ان کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ اس لیے معزز وائز جلدی کرو۔"

"تم اطمینان رکھو زارس۔" وائز نے وہاں سے چلتے ہوئے کہا۔ "میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں اب اپنے نیچے میں واپس جا رہا ہوں اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں میں تمہیں بتا دوں گا کہ غداری کون کر رہا ہے۔ اس عرصے کے دوران تم اس بات کی کوشش کرنا کہ تمہاری فوج کا کوئی سپاہی بھاگ کر ادھر ادھر نہ جانے پائے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ ابھی تک نہیں ہو پایا ہے کیونکہ میں نہایت ہوشیاری و احتیاط کے ساتھ اس طرح پیچھے سرک گیا کہ کوئی بھی میری اس حرکت کو محسوس نہ کر سکے۔ ادھر وائز کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور ادھر زارس نے اپنے ماتحت کو احکامات دینے شروع کر دیے کہ تمام سپاہیوں کو سامنے والے میدان میں جمع کر لیا جائے تاکہ اس کے حکم پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی جلدی سے ندیدے میں ایک خالی نیچے کے دروازے کے پردے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا اور باہر ہونے والی نقل و حرکت کو دیکھنے لگا۔ زارس کے ماتحت سے چاروں طرف دوڑ دوڑ کر سپاہیوں کو میدان میں جمع ہونے کی ہدایات دے رہے تھے اور وائز بڑے پُروقار انداز میں چلتا ہوا ایک طرف کو جا رہا تھا۔ میں نے اپنی نظریں وائز کے پیچھے گاڑ دیں۔ وہ ذرا سے فاصلے پر ہی گیا تھا کہ وہ گھوم گیا۔ میں اس کے اصل نیچے کو تو نہیں دیکھ سکا لیکن ان نیچوں کے نزدیک جا کر وہ غائب ہی ہوا تھا۔ میں نے اچھی طرح نظریں گاڑ رکھی تھیں اور جب سپاہیوں کی کثیر تعداد بھاگ کر میدان کی طرف جا رہی تھی تو اس وقت عین اسی لمحے سے فائدہ اٹھا کر میں چپکے سے اس خالی نیچے سے باہر نکلا اور میں نے اس طرف کا رخ اختیار کیا جدھر وائز گیا تھا۔ میں بڑی احتیاط سے چلتا ہوا ادھر پہنچ گیا۔ جلتے ہوئے نیچوں کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن ایک نیچے میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس نیچے کی جانب پیش قدمی شروع

کی۔ راستے میں مجھے ایک جگہ ایک ٹیڑھی بانکی سی چھڑی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ یہ کسی سپاہی کی تلوار تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اس پر کہیں کہیں خون بھی جما ہوا تھا۔ میں نے اس کی دھار کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ کافی تیز تھی۔ میں نے تلوار کو اپنے ہاتھ میں تول کر اس کا وزن محسوس کیا۔ یہ ہلکی پھلکی تھی۔ میں نے اسے فوراً پھینک دیا اور اس نیچے کے قریب پہنچ گیا جس کے پردوں میں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔

میں نے نیچے کے ساتھ پہنچ کر خنجر کی نوک سے اس کے ایک حصے کو ہولے سے شگاف بنایا اور پھر اس میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ میں بالکل ٹھیک سمجھا تھا۔ یہ وائز کا ہی نیچہ تھا اور اندر وائز ایک پیمانی پر اکتی پالتی مارے بیٹھا کسی عمل میں مصروف تھا۔ اس کے سامنے عجیب رنگ کے پانی کا ایک برتن، کچھ جانوروں کی عجیب و غریب قسم کی ہڈیاں اور کچھ اسی قسم کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی ایک بڑا سا شیشہ رکھا ہوا تھا جس میں وہ بڑے غور سے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"اب مجھے جھانکنے کی ضرورت نہیں۔" اچانک وائز نے شیشے کی جانب سے نظریں اٹھائے بغیر بھاری آواز میں کہا۔ "تم مجھے کامیابہ وہ کھول کر بھی اندر آ سکتے ہو۔ تمہارے کاٹ کر بھی اندر آ سکتے ہو۔ میں تمہیں بخوبی دیکھ رہا ہوں اور اپنے علم کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیا ہے کہ تم ہم انسانوں میں سے نہیں اندر آ جاؤ۔"

میں نے نیچے کے پردے کی ڈوریاں تلوار سے کاٹ دیں اور اندر داخل ہو گیا۔ اسی طرح بیٹھا رہا۔ اس نے نہ تو اپنی جگہ سے کوئی جنبش کی اور نہ ہی نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ خاموشی سے شیشے پر اپنی نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

"میرے قریب آؤ۔" اس نے کہا۔ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اب میرا آخری وقت آن پہنچا ہے اور یہ تمہاں نے میری موت تمہارے ہاتھوں لکھی ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں اس موت کے لیے تیار ہوں۔ مجھے اتنا تو علم ہو چکا ہے کہ تم کوئی بڑے اسرار سے اور ناقابل تسخیر بھی ہو لیکن فی الحقیقت تم ہو کیا، یہ تم بتانے سے مجھے معاف رکھو۔ میں اس پورے حملے کا اکیلا ہی ذمہ دار ہوں اور میرے علم کے آگے تمام لوگوں کی طاقتیں ہیچ ہیں لیکن تمہارے متعلق میرا علم بھی خاموش ہے۔ میں نے بہت چاہا کہ تمہاری اصلیت معلوم کروں لیکن مجھے ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہو سکی اور یہی کامیابی ہونے کی امید لیے ہوئے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو جس کی وجہ سے میرے لشکر کے تمام انتظامات ہوئے۔ تمہارا کوئی شریک کار نہیں ہے اور تم نے تنہا ہی یہ سارے کام انجام دیے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم آدھے کے پورے لشکر کو اکیلے ہی شکست سے دوچار کر دو گے۔ میں یہ ساری باتیں معلوم کر چکا ہوں۔"

"اگر تم یہ سب کچھ جانتے ہو وائز تو پھر تم مجھ سے یہ توقع کیوں کرتے ہو کہ میں خاک کر دوں گا، تمہارے زندہ رہنے یا نہ رہنے کے بھلا مجھے کیا سروکار ہے؟ تم نے بیان ٹھیک کیا ہے کہ میں ایک بڑا سرمایہ شخصیت بھی ہوں لیکن تم نے یہ بھی صحیح کہا ہے کہ میں اپنی شخصیت کے اسرار سے خود بھی واقف نہیں ہوں۔ تم نے یہ بھی صحیح کہا ہے کہ میں نے کسی بھی شریک کار کی مدد کے بغیر آدھے لشکر کو آگ لگائی ہے اور میں اس کی فوجوں کو بھی تہس نہس کر دوں گا۔ کسی کے لوگ بے تصور ہیں۔ انھوں نے کوئی خطا نہیں کی۔ اگر انھیں اپنی سرداری اور خود مختاری پیاری ہے تو اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں۔ انھیں اپنے دفاع کا پورا پورا حق حاصل ہے اور میں اس معاملے میں ان کی بھرپور مدد کروں گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وائز نے مزاحیہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ بس اب تم اپنی تلوار سنبھالو اور ایک ہی وار میں میری گردن کاٹ دو۔ میرا بھانڈا زندگی بھر سر نہیں ہو سکا ہے۔ دیوتاؤں کا حکم یہی ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں اور اس حکم کو سرِ عام میں پورا کیا جائے۔ میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ بس اپنا کام کرو وائز۔"

"نہیں وائز۔" میں نے اپنا صرفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں۔ تم نے مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے میں تمہیں ہلاک نہیں کروں گا۔"

"نہیں میرے دوست۔" وائز نے افسردگی کے ساتھ کہا۔ "دیوتاؤں کا حکم بہرحال پورا کرنا ہوگا۔ اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میرا وقت آ چکا ہے۔ اب تم جلدی کرو۔ وقت ضائع مت کرو اور میری ذہنی قوت کے لمحوں کو طول نہ دو۔ مجھے تمہارے ہی ہاتھ قتل ہونا ہے۔ بس اب جلدی کرو۔ تلوار اٹھاؤ اور میرا سر قلم کر دو۔ میرا مقدر یہی ہے اور دیوتاؤں کی مرضی یہی ہے۔"

میں نے اس کے ساتھ کافی تبادلہ خیال کیا اور وجہ کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ بضد رہا اور بالآخر مجھے اس کے بیحد اصرار پر اس کا کہنا ماننا ہی پڑا۔ میں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔ اس کا بے سر کا دھڑ کچھ دیر تک زمین پر تڑپتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

اس کے مرنے کے بعد میں بڑی دیر تک اس کے نیچے میں موجود ہر اس کی چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ اس کا نیچہ عجیب و غریب قسم کے سامان سے بھرا ہوا تھا۔ ہڈیاں کچھ پڑیاں طرح طرح کے پرندوں کے پر، جانوروں کے ناخن، جانوروں کے بھیگے ہوئے چمڑوں کے ٹکڑے، طرح طرح کے رنگ برنگے پتھر، جو مختلف شیشیوں میں بھرے ہوئے تھے اور اسی قسم کی دیسیوں الم غلم چیزیں۔

مجھے شاید اس کی شیا کا اندازہ لیتے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں تو اس وقت چونکا جب مجھے نیچے کے باہر کچھ غدروں کی آواز سنائی دی۔ کچھ لوگ دھمکا رہے تھے۔ میں فوراً چوکنا ہو گیا۔ اور نیچے کے پردے کی ڈوری کے ساتھ چپک کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ آنے والوں کی نظریں فوراً ہی مجھ پر نہ پڑ سکیں۔ چند ثانیوں کے بعد نیچے کے دروازے کے پردے کے پیچھے سے آواز آئی۔ "معزز وائز زارس آپ کو بلا رہے ہیں۔ جلدی کرو۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہے ہیں۔ اس نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ آپ کو بھی کتنی دیر لگے گی۔"

اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ باہر بھی چند لمحوں تک سناٹا چھایا رہا۔

"معزز وائز۔" آنے والوں میں سے کسی نے دوبارہ آواز دی۔ "ہم اندر آ رہے ہیں۔ اگر آپ کو اس میں کوئی اعتراض ہو تو براہِ کرم ہمیں مطلع کر دیجیے۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اندر سے کچھ کرنل کی آواز نہیں سنائی دی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔

مگر کوئی جواب ہی نہیں آرہا ہے۔" باہر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ "شاید معزز واٹر ابھی تک اپنے کسی اہم عمل میں مصروف ہے۔ ہمیں خود ہی اندر چل کر دیکھنا چاہیے اور پھر زار کو بتا دینا چاہیے۔"

"میرے خیال میں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "آؤ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی خیمے کے دروازے کا پردہ ہٹا اور دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک مشعل روشن تھی۔ خیمے کے اندر داخل ہوتے ہی جس چیز پر ان کی نظر سب سے پہلے پڑی وہ واٹر کی سر بریدہ لاش تھی!

"اوہ ـــــ معزز واٹر کو کسی نے قتل کر دیا۔" ان میں سے ایک نے لرز کر کہا۔ "اس کا سر دیکھنے میں پڑا ہوا ہے اور جسم ادھر پڑا ہوا ہے۔ یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔"

"دشمن نے یہ بڑا بھرپور اور کاری حملہ کیا ہے۔" دوسرے شخص نے کہا۔ "لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے پاس سے آگے نہیں بڑھا جو ہمیں دیکھ سکتا۔ وہ ریت بکھرے ہوئے تو خود ہی فاصلہ بن گیا۔ ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔"

"ہمیں فوراً چل کر زار کو اس کی اطلاع دینا چاہیے۔" ایک بولا۔ "یہ بری طرح یہ گھبرا رہے کہ معزز واٹر اپنے کسی عمل میں مصروف ہے اور یہاں وہ اس دنیا سے ہی رخصت ہو چکا ہے۔"

"چلو، جلدی چلو۔" دوسرا شخص بولا۔ اور وہ دونوں الٹے پیروں وہاں سے بھاگ پڑے۔

میں نے بھی اب یہاں زیادہ دیر تک رکنا مناسب نہیں سمجھا اور میں واٹر کے خیمے کے باہر نکل آیا۔ مجھے مختلف سمتوں سے دونوں سپاہی تقریباً دوڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ ان کا رخ میدان کی طرف تھا۔ غالباً میں ایک خاص فاصلے سے ہی ان کا تعاقب جاری رکھا۔ جب وہ اس جگہ کے کچھ قریب پہنچ گئے جہاں سارے فوجیوں مشعل برداروں اور فوجی سرداروں کا اجتماع تھا تو میں بھی نیم تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چپکے سے فوجیوں کے ہجوم میں داخل ہو گیا۔ اور جلدی جلدی مگر بتاتا ہوا آگے صفوں تک جا پہنچا تاکہ زار اس کے ساتھ ہونے والی ان لوگوں کی گفتگو سن سکوں۔

"معزز زار۔" ان میں سے ایک شخص نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔ "بڑا غضب ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" زار نے چونک کر پوچھا۔

"معزز واٹر کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور اس کی سر بریدہ لاش اس کے خیمے کے اندر پڑی ہوئی ہے۔" دوسرے شخص نے جلدی سے جواب دیا۔

"کیا کہا؟" زار نے چیخ کر کہا۔ "واٹر کو قتل کر دیا گیا۔ واٹر کو کسی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔"

"ہاں زار۔" ان میں سے پہلا شخص بولا۔ "واٹر کو کسی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کہیں آس پاس، ہمارے بالکل قریب ہی موجود ہے لیکن ہم اسے تلاش کس طرح کر سکیں گے، یہ تو بڑی مصیبت کی بات ہے۔ جو شخص یا اشخاص آزوب کو ہلاک کر سکتے ہیں، ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کو ہلاک کر بھی سکتے ہیں۔ فوجیں تو بھاری نفری کی وجہ سے ہی جیتی جاتی ہیں۔ ساحرانہ قوتوں کا مالک تنہا وہ ہم میں سے کسی کو بھی جب چاہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی زندگی ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

زار اپنے ساتھیوں سے گفتگو میں مصروف تھا اور میں شمراہ کی بستی کے قلعے کی جانب دیکھ رہا تھا جو بھورتوں کے کسی سیاہ نام اور دیو ہیکل ڈریگن مسکن کی مانند تاریکی میں سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کی فصیلوں کے دھندلے خطوط گہرے سیاہ پس منظر میں صاف طور پر محسوس کیے جا سکتے تھے۔ قلعے کے اندر کے برجوں میں موجود لوگ بچے کے منظر کو بخوبی مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ وہ جگہ جگہ جلتے ہوئے خیموں کے منظر کو بخوبی دیکھ رہے ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ آگ میں سے زیادہ خیمہ گاہ جل چکی ہے، وہ یہ بھی دیکھ چکے ہوں گے کہ آزوب کے لشکر میں زبردست افراتفری پھیل گئی ہے اور جلتے ہوئے خیموں کی تیز روشنی میں انھیں سپاہیوں کی جلی ہوئی اکا دکا لاشیں بھی نظر آگئی ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک آدھ نے بلندی پر موجود ہونے کے باعث بلے بھی لیے ہوں۔ مشعل کے ذریعے آگ لگاتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہو۔ اور اب شاید وہ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ میں بستی کے دروازے کی طرف آؤں اور ان سے کہوں کہ وہ دروازہ کھول کر دشمن کا منتشر اور پریشان حال فوج پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن انھیں اس بات پر ضرور حیرت ہو رہی ہوگی کہ میں نے اب تک ان سے دروازہ کھولنے کی درخواست نہیں کی۔

"اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔" زار نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اور وہ یہ کہ تم پہلے تو اپنے تمام فوجیوں کی شکلوں کا جائزہ لیں۔ میں اپنے سب فوجیوں کو شکل سے پہچانتا ہوں۔ اگر ہمیں ان میں کوئی نیا چہرہ نظر آئے تو اسے ہم فوراً الگ کر کے اس سے پوچھ گچھ کریں۔ لیکن اگر تمام فوجیوں کے درمیان کوئی بھی نیا چہرہ نظر نہیں آتا تو پھر لازمی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے کچھ لوگوں کو شمراہ نے خرید لیا ہے اور پھر ان تمام سپاہیوں کو، تمام فوجوں کو جن میں میں خود بھی شامل ہوں، رات اسی طرح اسی میدان میں گزارنی ہوگی۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل کر نہیں جائے گا اور صبح کو پھر جامہ تلاشی کی نوبت آئے گی۔"

"یہی ایک طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔" زار کے ایک ساتھی نے کہا۔ "فوجیوں کے چہروں کی شناخت تو ہم رات کو بھی کر سکتے ہیں۔"

"تمام فوجیوں کو حکم دیا جائے کہ وہ باقاعدہ قطاریں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور کوئی بھی سپاہی اس میدان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔" زار کی تیز آواز بلند ہوئی۔ "اور اس کے ساتھی تمام مشعل برداروں کو حکم دیا جائے کہ وہ میدان کے چاروں طرف پھیل کر فوجیوں کی صفوں کو اپنے گھیرے میں لے لیں تاکہ کوئی بھی فوجی گھیرے میں سے نکل کر بھاگ جانے نہ پائے۔ فوراً آگے بڑھو۔ حکم پر فوراً عمل درآمد شروع کر دیا جائے۔"

زار کے حکم کی دیر تھی، فوجی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ فوجی دستوں کے سردار نے اپنے اپنے دستوں کو قطاروں میں کھڑا کرنا شروع کر دیا۔ ہر طرف صفیں صف بندی ہونے لگی۔ میں اس دھکا پیل میں اگلی صفوں میں سے پچھلی صفوں میں چلا گیا۔

زار نے دو مشعل برداروں کو اپنے ساتھ لیا اور پہلی صف کے سپاہیوں کے چہرے دیکھنے شروع کر دیے۔ وہ ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتا اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ کوئی بھی چہرہ اسے نظر نہیں آیا۔ پھر دوسری صف کا اور اسی طرح وہ صفوں پر صفیں دیکھتا چلا گیا اور مایوسی کے انداز میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ بہت وقت گزر گیا۔

اب زار اس صف کا معائنہ کرنے والا تھا جو آخری چند صفوں میں ایک تھی اور اسی صف میں میں بھی کھڑا ہوا تھا۔ میرے جسم پر آزوب کے فوجیوں کا لباس تھا جو میں نے ایک فوجی کو ہلاک کر کے حاصل کیا تھا۔ میری کمر پر تلوار بھی بندھی ہوئی تھی۔ تلوار کے علاوہ میرے پاس اور کوئی دوسرا ہتھیار نہیں تھا۔ اور غور سے دیکھنے پر میری تلوار پر خون کے ان دھبوں کو بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

زار اس کے دو ساتھی اور دو مشعل بردار آہستہ آہستہ اس صف میں کھڑے سپاہیوں کے چہرے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں صف کے بالکل آخری سرے پر تھا اور اپنے آپ کو آنے والے معرکے کے لیے تیار کر رہا تھا۔

بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب مشعل برداروں کی مشعلیں میرے چہرے کے قریب آگئیں اور زار اس اور اس کے ساتھیوں نے میری شکل دیکھی۔ انھوں نے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں۔ اچانک زار کو جیسے کچھ یاد آیا کہ ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹا اور پھر ایک قدم آگے بڑھا۔ اس نے مشعل برداروں کو حکم دیا کہ مشعلیں میرے چہرے کے اور قریب لائیں۔ مشعل برداروں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"تو یہ تم ہو؟" اچانک زار اتنے زور سے دھاڑا کہ صاف میدان گونج اٹھا۔ سارے کے سارے سناٹے میں اس کی آواز اس قدر تیز تھی کہ یقیناً شمراہ کے قلعے کے برج میں موجود لوگوں نے بھی سن لی ہوگی۔ اس کے ہاتھ میں اس کا خنجر چمک رہا تھا۔ خنجر میرے دائیں رخسار پر پڑا، لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنا ہاتھ اچانک جھٹکے لگا گیا۔ اسے سخت تکلیف ہو رہی ہو، میں خاموش کھڑا رہا۔

"کم فروس ہو؟" اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے دھاڑ کر کہا۔ "تم شمراہ کی بستی کے فلاں فلاں نیزہ برداروں کو ہماری قید میں سے نکل بھاگنے میں مدد دینے کے جرم میں گرفتار کیے جانے کے بعد تم شمراہ کی بستی میں داخل ہوئے، قلعے کا ایک بھاٹک کھلوا کر تم شمراہ کی بستی میں داخل ہو گئے۔ تمھارے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے جو اس وقت تمھارے ساتھ نہیں ہیں۔ تم نے ہی ہمارے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ بستی کے دروازے کھول دیں۔ تم نے ہی ہمارے سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے۔ تمھارے پاس کوئی ساحرانہ طاقت نہیں ہے

تو وب ملا جا چکا ہے اور اسی کی طرح تم لوگ بھی مارے جاؤ گے اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ خود خوشی سے ہتھیار ڈال دو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ تم لوگ کو محفوظ رہنے کی جگہ مل جائے گی۔ بھی وہ کسی کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔"

"تاشوم۔" میری بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے زارس نے چیخ کر کہا۔ اور فوراً ہی ایک طرف سے ایک شخص کا چیختا ہوا۔ وہ انسان کیا تھا گوشت اور ہڈیوں کا ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا۔ اس کا قد مجھ سے کہ کم از کم ڈیوڑھا ہوگا اور جسامت میں بھی وہ کسی طرح مجھ سے دوگنے سے کم نہیں ہوگا۔ وہ بہت بھاری اور مضبوط قسم کا آدمی تھا اور اس کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ اگر میرے اور زارس کے برابر کھڑا ہو گیا اور مجھے نفرت بھری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"تاشوم۔" زارس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لیے ایک شکار موجود ہے۔ بہت دنوں سے تم خالی بیٹھے یقیناً اکتا گئے ہوگے۔"

"تم درست کہتے ہو معتبر سردار زارس۔" تاشوم نے اپنے ٹیڑھے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میں واقعی بہت دنوں سے خالی بیٹھے اکتا گیا ہوں اور مجھے یوں لگتا ہے کہ میرے ہاتھ بیر جیسے ہو گئے ہوں جا رہے ہیں۔ تمہاری بڑی مہربانی کہ تم نے میری دلجوئی کے لیے سامان فراہم کر دیے۔ مگر مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میرا مقابلہ میرے سامنے بہت ہی کمزور اور ناتواں مخلوق سے ہوتا ہے۔ بھلا یہ میرا مقابلہ کیا کرے گا۔ اس کے لیے تو میرا ایک ہی ہاتھ کافی ہوگا۔ میرے ایک ہی گھونسے میں اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو جائے گی اور بھیجا باہر نکل آئے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اسے ایک ہی وار میں ہلاک مت کرو۔" زارس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل بھی کھیل سکتے ہو۔ میری خواہش کہ تم اس بدکار اور دغاباز شخص کو سسکا سسکا کر ہلاک کرو۔ اس کے جسم کے ایک ایک عضو کو الگ کر دو۔ اسے شدید ترین اذیت سے دوچار کر دو۔ یہ آدمی کا قاتل ہے، یہ ہمارے قاتل ہے اور یہ ہمارے سیکڑوں سپاہیوں کا قاتل ہے۔ اور پھر یہ ہمارے دشمن کا دوست ہے۔ ٹرائے والوں کی طرف سے ہمیں دھمکی دینے کے لیے یہاں آیا ہے۔ اس کا وار ہمیشہ کے لیے ٹھیک کر دو تاشوم۔"

"جو حکم سردار زارس۔" تاشوم نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے بجلی کی ایک چمک میرے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور اسے دور اچھال دیا۔ اب میں بھی اسی طرح نہتا ہو گیا تھا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور اسے موقع دیا کہ وہ مجھے گھور کر مجھے بے بس کر دے۔ ویسے بھی میں اس کے خلاف تلوار استعمال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"تو کس قسم کی موت مرنا پسند کرے گا سنہری بچھو۔" تاشوم نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ "میں تیرا گلا گھونٹ دوں یا تیری دونوں ٹانگوں کو چیر کر تیرے جسم کو دو حصوں میں منقسم کر دوں؟"

"تیری مرضی ہے تاشوم۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ ایک لمحے کے لیے تاشوم کی آنکھوں میں حیرت اور تعجب کی جھلک نمودار ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ختم ہو گئی۔ اب اس کی جگہ غصے نے لے لی۔

"اچھا تو پھر تیار ہو جا۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی گھومنے کی بجلی کی سی طرب میری کنپٹی پر لگائی۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کیا اور یہی میری خوش قسمتی ثابت ہوئی۔ بجلی کی طرح تیز گھونسہ میری کنپٹی پر لگا اور میں ایک طرف لڑھک گیا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ میں نے اپنے اس ہاتھ کو جو میرے سینے پر تھا اس نے گھونسہ مارا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تو اتنا کمزور نہیں ہے جتنا کہ دیکھنے میں نظر آتا ہے۔" تاشوم نے متاسف لہجے میں کہا اور اپنے الفاظ ختم ہونے کے ساتھ ہی اس نے ایک زوردار گھونسہ میری دوسری کنپٹی پر جڑ دیا لیکن اس بار میں فوراً ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ہاتھ کو بری طرح جھٹکنے اور سہلانے لگا۔ اب اس کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر صاف طور پر نمایاں تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ اسے اپنے اوپر بہت زیادہ اعتماد تھا اس لیے اس نے مجھے اپنے زخم میں پھنسانے کا موقع دیے بغیر ہی اچھل کر ایک زوردار لات میرے پیٹ پر ماری۔ لیکن میں اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا اور تاشوم پیچھے ہٹ کر وہ جا گرا۔

زارس اور اس کے آس پاس کھڑے ہوئے اس کے ساتھی حیرت اور تعجب کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

تاشوم جلدی سے دوبارہ اٹھ کھڑا ہو گیا لیکن اب اس کے انداز میں وہ پھرتی اور چستی نظر نہیں آ رہی تھی جس کا مظاہرہ اس نے اپنے پہلے دو حملوں میں کیا تھا۔ ہر حال اب اس نے ایک نیا حربہ آزمانا چاہا۔ وہ میرے بالکل قریب گیا اور قریب آ کر اس نے اپنے دونوں موٹے اور بھدے تو انا بازو میری کمر کے گرد ڈال کر مجھے اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے مجھے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر زمین پر پٹک دینا چاہتا تھا تاکہ اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے بیٹھ پر سوار ہو کر اپنی بقیہ کارروائی کر سکے۔

تاشوم کو مجھے نہتا سمجھنے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی تھی۔ میں واقعی اس وقت نہتا تھا۔ میرا ہاتھ بھی کسی فولادی ستون کی مانند زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی جگہ سے ذرا سی بھی جنبش نہ دے سکا لیکن اس نے اپنی کوشش جاری رکھی یہاں تک کہ اس کا سانس پھول گیا اور اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ کافی دیر تک اس طرح زور آزمائی کرنے کے بعد آخر وہ بے بس ہو گیا اور مجھے چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے سخت غصہ، شرمندگی اور مایوسی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ میں، جسے وہ ایک تر نوالہ سمجھ رہا تھا، اب اسے چنوں سے بھی زیادہ مضبوط اور سخت لگا۔

"نہ جانے یہ شخص کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔" تاشوم آہستہ سے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ دوسرے لوگ اس کے الفاظ نہیں سن سکے لیکن میں نے اس کی بات سن لی اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے میری مسکراہٹ کا جواب نفرت سے زمین پر تھوک کر دیا۔

اور پھر اس نے ایک عجیب و غریب حرکت کی۔ شاید اس نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جسمانی طاقت میں میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اس نے پلک جھپکتے ہی تلوار اٹھا لی جو اس نے ابھی کچھ دیر پہلے میرے ہاتھ سے چھین کر پھینکی تھی۔ اس تلوار کو اس نے ہاتھ میں لے کر اس کا رخ میری طرف کر دیا۔ اس کے چہرے پر اب ایک فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔ اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر اس نے جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

وی تھی۔ اس تلوار کو ہاتھ میں تھام کر وہ بھی کسی طرح میرے اوپر حملہ آور اس نے بھاری بھرکم اور مضبوط تلوار کو بھر پور قوت سے گھما کر میری کھوپڑی پر کیا ایک کی صدا بلند ہوئی اور تلوار کے ٹکڑے ہو گئے۔ تاشوم اور اس کے پاس کھڑے لوگوں کے منہ سے بھی خوف زدہ سی چیخیں نکل گئیں۔

"بس تاشوم بہت ہو چکا۔" میں نے زور دار آواز میں کہا۔ میں نے بھرپور اعتماد پیدا کرتے ہوئے اپنے دل کی سرسراہٹ نکال کر باہر پھینک دی تھی۔ میں نے کہا۔ "تم جو کچھ کر سکتے تھے وہ سب تم نے کر ڈالا اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ لیکن اب میری باری ہے، تیار ہو جاؤ۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے آگے بڑھ کر تاشوم کے منہ پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ تاشوم کا منہ پیچھے کی طرف گھوم گیا۔ اس کی گردن کی ہڈی کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور اس کا پہاڑ جیسا جسم زمین پر ڈھیر ہو کر مرا پڑا ہے اب ہلنے لگا۔ چند منٹ تک وہ جسم زمین پر اسی طرح پڑا رہا۔ اور اس کے بعد ساکت ہو گیا ہمیشہ کے لیے ــــــ تاشوم مر چکا تھا!

زارس اس کے ساتھی اور ان کے آس پاس کھڑے ہوئے دیگر لوگ بھی سخت خوفزدہ ہو گئے۔ اب ان کے چہروں پر حیرت کم اور خوف زیادہ تھا۔ ان کے لشکر کے سب سے زیادہ طاقتور آدمی کو اس انداز میں ہلاک کیا تھا۔ وہ سخت ہراساں ہو گئے تھے۔

"تاشوم کا جسم تم نے دیکھ لیا زارس۔" میں نے کہا۔ "اب اگر تمہارے میں تاشوم جیسا کوئی اور شخص موجود ہو تو اسے بھی بلا لو۔ میں ایک بار پھر یہ کہوں گا کہ میں تمہاری فوج کے معمولی سپاہیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا پسند کروں گا۔"

"براس اور التمود کو بلاؤ۔" زارس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور پندرہ منٹ بعد دو لمبے تڑنگے جوان اور بھدے جسموں کے مالک دو آدمی اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ تاشوم جیسے بھاری بھرکم تو نہیں تھے لیکن پھر بھی بہت زیادہ مضبوط نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں بھاری بھاری نیزے تھامے ہوئے تھے۔

وہ دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کر کھڑے ہو گئے اور اجازت طلب نظروں سے زارس کی طرف دیکھنے لگے۔

"براس۔" زارس نے ان میں سے ایک کو مخاطب ہو کر کہا۔ "پہلے تمہارے پاس ہتھیار موجود تھے۔ اپنے نیزے سے اس اجنبی کے سینے کو چھلنی کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں پہلا موقع نہیں دیتا ہوں۔"

براس چند قدم پیچھے ہٹا اور اس نے دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے اپنے نیزے کا رخ اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ شاید اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ میں اس کے نیزے سے بچنے کے لیے ادھر ادھر ہٹ بازوں گا تاکہ اس کا نشانہ خطا ہو جائے لیکن میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنا کام کرو براس اور میں اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا۔ مجھے تمہاری اور التمود کی جوانی پر رحم آتا ہے کہ تم لوگ بے موت مارے جاؤ۔ اپنے سردار کے حکم پر تم لوگوں نے خود اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اب اگر تم دونوں صرف زخمی ہو کر اس میں سے زندہ بچ گئے تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہوگا۔"

براس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے نیزے کو سیدھے طرح تولا اور اس کے بعد بڑی برق رفتاری کے ساتھ نیزے میری جانب اچھال دیا۔ میں کوئی زیادہ حیرت کی تماشا دکھا کر ان لوگوں کو بہت زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا جیسا کہ میں نے اس سے پہلے کیا تھا اور تاشوم کو اپنے سر پر کھڑا مارنے کا موقع دیا تھا جس کے نتیجے میں تلوار دو ٹکڑے ہو گئی تھی اور سارے لوگ سخت حیرت زدہ اور خوفزدہ ہو گئے تھے۔ میں اب اس بات کو دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیزے کے قبل اس کے کہ وہ میرے سینے سے ٹکراتا، اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور ابھی لوگ سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ کیا ماجرا پیش آیا ہے کہ میں نے وہی نیزہ واپس براس کے سینے کی طرف اچھال دیا۔ ایک خوفناک کراہ کی آواز بلند ہوئی اور اس کے منہ سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

التمود نے زارس کے حکم کا انتظار بھی نہیں کیا اور فوراً ہی چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنا نیزہ میرے سینے کا نشانہ لیا۔ میں نے پوری قوت سے میرے سینے کی طرف اچھال دیا۔ میں گزند سامعی ثابت ہوتا تو نیزہ سیدھا میرے سینے سے آ کر ٹکراتا لیکن میں اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے پوری طرح تیار تھا۔ اپنے پیچھے میں نے التمود کے نیزے کو بھی اپنے ہاتھ سے روکا اور اسے واپس التمود کے سینے کا نشانہ لے کر اچھال دیا لیکن التمود اس سے پہلے براس کا حشر دیکھ چکا تھا اور اسے خدشہ تھا کہ شاید اس کے ساتھ بھی یہی کچھ پیش آئے۔ اس لیے وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ میرا نشانہ خطا گیا اور نیزہ التمود کے جسم میں پیوست ہونے کے بجائے کچی زمین میں جا کر گڑ گیا۔

زارس اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر مایوسی کی کیفیت بھی سی جھلک نظر آئی۔ التمود نے پلک جھپکتے ہی دوبارہ اٹھایا اور فوراً ہی میرے سینے پر دوبارہ وار کرنے کی غرض سے اسے میری طرف پھینک دیا۔ اس بار میں نے التمود کا نیزہ آزمایا اور جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ نیزہ میرے شانے سے چھوتا ہوا سیدھا زمین پر جا گرا لیکن میں نے اسے اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور خاموشی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا لیکن اسی اثنا میں کسی دوسرے سپاہی نے لپک کر ایک اور نیزہ التمود کے ہاتھ میں تھما دیا۔ یہ نیزہ پہلے والے نیزے کے مقابلے میں زیادہ لمبا اور شاید زیادہ بھاری بھی تھا۔

التمود بڑی پھرتی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس نے نیزہ ہاتھ میں آتے ہی فوراً اسے میرے سینے کا نشانہ لے کر میری طرف اچھال دیا۔ اس بار میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ بھاری بھرکم نیزہ ایک دھماکے کے ساتھ میرے سینے سے ٹکرایا اور نیچے گر پڑا۔ ایک بار پھر حیرت اور خوف سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور ہر طرف سراسیمگی پھیل گئی۔

مجھ میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے سردار زارس۔" التمود نے شدید اضطراب کے ساتھ زارس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس شخص نے خود اپنے لباس کے نیچے زرہ بکتر پہن رکھی ہے اور اس نے اپنے سر پر بھی لوہے کا کوئی ایسا خول منڈھ رکھا ہے جو ہم اندھیرے میں ہم لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہے۔"

Optimized by www.ImageOptimizer.net

"اف۔" زارس نے ایک دم چیخ کر کہا۔ "اس بات کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ تبھی تو مجھے اس بات پر سخت حیرت ہو رہی تھی کہ شہزور کی حکومت کے سر سے ٹکرا کر کس طرح ٹوٹ گئی۔ بھلا کوئی انسانی کھوپڑی ایسی بھی ہو سکتی ہے جس سے ٹکرا کر تلوار ٹوٹ جائے اور کوئی انسانی سینہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جس سے ٹکرا کر فولادی نیزہ ٹوٹ جائے۔ تم ٹھیک کہتے ہو اتھو۔ چلو سپاہیوں سے فوراً گفتگو کرو۔ اس کو اس کی زہ بکتر سے محروم کر دینے کے بعد کتے کی موت مار دیا جائے گا۔"

زارس کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے سپاہیوں کا ایک جم غفیر جیسے کچھ پر ٹوٹ پڑا۔ ہر طرف سے جیسے کینچا تانی شروع کر دی گئی۔ چونکہ زارس نے مجھے گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا کرنے کا نہیں۔ اس لیے سپاہی ہتھیاروں کا استعمال نہیں کر رہے تھے اور اپنی جسمانی طاقت کے بل بوتے پر مجھے اسیر کرنے کی ناکام کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ میں نے اتھو کو اشارہ کر کے انھیں اپنے سے دور بھگا دیا۔ جس سپاہی کے پہلا ایک ہاتھ بھی لگ جاتا وہ دور جا کر ایسا گرتا کہ کافی دیر تک اس کے لیے اٹھنا مشکل ہو جاتا۔ بڑی دیر تک یہ تماشا جاری رہا۔ سپاہیوں کے حملوں کو خود پر ٹوٹ ٹوٹ کر مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کرتے رہے اور میں ان کی ان کوششوں کو ناکام بناتا گیا۔ آخر زارس نے اس صورتحال سے تنگ آ کر ایک نیا حکم جاری کیا۔

"اس کو قتل کر دو۔" اس نے چلا کر کہا۔ "سپاہیو اسے قتل کر دو۔ اب اسے زندہ مت پکڑنے کی۔ یہ اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے تلواروں کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ بے شمار سپاہیوں نے مجھے اپنے نرغے میں لے لیا اور بے دریغ مجھ پر وار کرنے لگے۔ مجھے زارس کی اس احمقانہ حرکت پر سخت غصہ آ گیا اور میں نے ایک سپاہی کی تلوار چھین کر زارس کے فوجیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ چند منٹ کا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میرے اردگرد لاشوں کے پلندے لگ گئے۔ سپاہیوں کے حملے جو میرے گرد منڈلا رہے تھے۔ اچانک کافی کی طرف چھٹنے لگے اور فوراً بعد میں نے محسوس کیا کہ میں خون میں ڈوبی ہوئی تلوار اپنے ہاتھ میں لیے بے بس تنہا کھڑا ہوا ہوں۔ اب کوئی سپاہی اکیلا میری طرف آنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میرا سارا لباس خون میں تر بتر تھا اور میرے قدموں کے پاس خون کا جیسے ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا تھا۔

میں نے ادھر ادھر نظر ڈالی۔ زارس اور اس کے چند ساتھی کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے سخت متوحش نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی فوج کے بہت زیادہ سپاہی مارے جا چکے تھے اور جو بچ گئے تھے ان کی حالت اب خود فریڈوں کی سی تھی اور وہ مجھ سے بہت دُور پیچھے ہٹ گئے تھے۔

میں نے فیصلہ کیا کہ ان بیچارے سپاہیوں کو مارنے کے بجائے پہلے زارس اور اس کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دوں۔ میرے ایک ہاتھ میں تلوار تو پہلے سے ہی موجود تھی۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے ایک سپاہی کا نیزہ اٹھا لیا جو میرے سامنے زمین پر پڑا ہوا تھا اور اب میں اس طرف بڑھا جہاں زارس اور اس کے ساتھی گھوڑے موجود تھے۔ چند مشعل بردار ان کے ارد گرد موجود تھے اس لیے میں ان لوگوں کی شکلوں کو صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔

مجھے جارحانہ انداز میں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ان لوگوں کے جیسے اوسان خطا ہو گئے۔ انھوں نے نہایت بزدلانہ انداز میں وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس اثنا میں میں نے بھاگتے ہوئے زارس کی پشت کا نشانہ لے کر نیزہ پھینکا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اسے گرتا دیکھ کر اس کے ساتھی صرف ایک لمحے کے لیے رکے اور اس کے بعد پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مشعل برداروں نے مشعلیں اپنے ہاتھوں سے پھینک دیں اور وہ بھی زارس کے بھاگنے والے ساتھیوں میں شامل ہو گئے۔

میں نے ان بھگوڑوں کا پیچھا کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی اور اب میں واپس پلٹ کر اس طرف چلا جہاں زارس کے بچے کھچے فوجی گرد و پیش کی شکل میں خوفزدہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے آس پاس بہت سے مشعل بردار بھی موجود تھے جن کی وجہ سے منظر روشن تھا۔

مجھے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر ان لوگوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ میری دہشت ان لوگوں کے دلوں پر اتنی زیادہ بیٹھ گئی تھی کہ اب شاید وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں رہے تھے لیکن میں نے اپنے ہاتھوں سے تلوار اور نیزہ دونوں چیزیں انھیں دکھا کر پھینک دیں اور اپنے دونوں ہاتھ دوسرے دوستانہ انداز میں ان کی طرف بڑھا دیے۔ میں اس طرح انھیں اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں انھیں نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ میری اس حرکت کو دیکھ کر وہ لوگ رک گئے۔

میں خالی ہاتھ آہستگی سے چلتا ہوا ان کی طرف قدم بڑھانے لگا اور پھر ایک بہت دلچسپ بات مجھ پر یہ ہوئی کہ وہ "نیزہ بردار" دوبارہ کہیں سے نیزے لے کر میرے آگے بڑھ آیا تھا۔ کیسے ویسے سپاہیوں کے حوالے اپنے ہتھیار کر کے پہلے کی طرح پھینکتے جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے انھیں دکھا کر اپنے ہتھیار پھینک دیے تھے اس لیے وہ بھی بلا تامل اپنے ہتھیار پھینک رہے تھے اور میری جانب اپنے ہتھیار سنبھالنے کے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ جیسے جیسے میں ان کی طرف بڑھتا جا رہا تھا ان کے سامنے زمین پر پڑے ہوئے ہتھیاروں کے ڈھیر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ ایک ایک سپاہی نے ہتھیار ڈال دیے۔ اب وہ سب کے سب گردن میں مفلسم تنے کھڑے ہوئے تھے۔

میں ان کے قریب جا کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"آندب مر چکا ہے۔" اتھو نے کہا۔ "میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ "اب آپ میں سے کون ایسا نمائندہ شخص ہے جو ہم سے ہمارے لوگوں کی ترجمانی کرتے اور مجھ سے گفتگو کر سکے۔ زارس کے ساتھ جو چند لوگ تھے وہ بھاگ گئے ہیں۔"

میرے اس سوال پر تمام گروہ ایک دوسرے کے قریب گئے اور پھر میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد ایک معمر سپاہی نے مجھ سے کہا۔ "ہماری جانب سے نسوہ تم سے گفتگو کرے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی ایک پکی عمر کا آدمی بھیڑ میں سے نکل کر میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خاصا گھریلو سا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ تاہم وہ اپنے جذبات پر قابو پانے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔

"تم کون ہو اور آندب کی فوج میں تمھیں کیا مقام حاصل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام نسوہ ہے اور میں آندب کی فوج میں سپہ سالار کا مشیر اعلیٰ تھا۔ سپہ سالار تو زارس کی مہم کے بعد بھاگ گیا۔ اب میں ہی تم سے بات کر رہا ہوں۔ تم بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔ "پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہم امن چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم سب مل کر بھی تمھیں زیر نہیں تو ضرور کر سکتے۔" اس نے کہا۔

"کیا شہزور کی فتح کا بھوت تم لوگوں کے دماغوں پر سے اتر گیا ہے؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"ہمیں شہزور کی فتح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" نسوہ نے کہا۔ "ہم تم سے اپنی جانوں کی امان چاہتے ہیں اور یہ گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی بستی میں واپس جانے کی اجازت دے دو۔ جن لوگوں کو شہزور کی بستی پر حکومت کرنے کا نشہ تھا وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ میری مراد آندب اور زارس سے ہے۔ جہاں تک میرا اور میرے دوسرے ساتھیوں کا تعلق ہے تو ہم شہزور والوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جانب سے شہزور والوں کو اس بات کا یقین دلایا جائے۔"

"یہ بھی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اب اس وقت بات بہت ہو چکی ہے۔ تم لوگوں نے میرا کوئی دوست باقی نہیں ہونے دیا۔ تم اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ میں تمھیں نہیں روکوں گا۔ جاؤ جہاں جانا چاہتے ہو۔ میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ البتہ اگر تم لوگوں کو اپنے ہتھیاروں کی ضرورت ہے تو یہ لے جاؤ۔ مجھے ان کی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔" نسوہ نے کہا۔ اور پھر سپاہیوں سے کہا کہ وہ اپنے ہتھیار اٹھا لیں۔ اس کے ساتھ ہی سپاہی اپنے اپنے ہتھیار اٹھانے لگے۔ کچھ سپاہی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے قریب گئے اور ان کے ہتھیار بھی اٹھا لیے۔ اس کے بعد وہ سب کے سب ایک سمت میں چل پڑے۔ میں نے نسوہ سے پوچھا۔

"تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم اپنی بستی میں واپس جا رہے ہیں۔" نسوہ نے جواب دیا۔ "ہم نے اپنے ساتھیوں کو یہاں دفن کیا ہے۔ ہم ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اپنی بستی کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ جاؤ۔ میں تمھیں نہیں روکوں گا۔"

"شکریہ۔" نسوہ نے کہا۔ "ہم تمھارے اس احسان کو کبھی نہیں بھولیں گے۔"

"میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر تم لوگ واپس جانا چاہتے ہو تو ابھی چلے جاؤ۔ رات کے سناٹے میں میری بھاری گھوڑے زیادہ تیز دوڑ سکیں گے۔ اس کے جواب میں نسوہ سے کچھ کہتے نہ بن پایا۔ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ میری بات سن لی گئی ہے۔ اس کے فوراً بعد میں اور نسوہ دونوں مشعل برداروں کے ساتھ واپس آ گئے۔

"اب میں کسی خالی خیمے میں آرام کروں گا۔" میں نے نسوہ سے کہا۔ اور جلد ہی اپنے لیے ایک خالی خیمے کا انتخاب کر لیا۔ میں نے نسوہ سے کہا کہ وہ خود بھی جا کر آرام کرے۔ دراصل میں نسوہ کو یہ بات بتا دینا چاہتا تھا کہ میں نے اپنی شب بسری کے لیے کون سے خیمے کا انتخاب کیا ہے۔

میں خیمے میں لیٹ گیا اور ساری رات جاگتا رہا۔ لیکن وہ ساری رات بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئی۔ نسوہ نے اپنے وعدے کی پابندی کی۔ اس کے آدمیوں نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ لوگ چاہتے تو کم از کم مجھے تکلیف میں ڈالنے کی کوشش تو کر ہی سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا اور نہ ہی کسی نے میرے خیمے میں داخل ہو کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میں نسوہ اور اس کے ساتھیوں پر اعتماد کر سکتا ہوں۔

صبح ہوتے ہی نسوہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ میرے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ لوگ اپنے ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان لے کر لائے تھے۔

"اب تم ہمارے مہمان ہو فروس۔" نسوہ نے کہا۔ "ہم تمھارے لیے یہ مشہ لائے ہیں۔ ہمارے ساتھ مل کر کھاؤ۔ ہمارے فوجی بھی اس وقت کھانے میں مصروف ہیں اور کھانا ختم کرتے ہی ہم لوگ اس علاقے سے بالکل غیر ضروری طور پر نکل جائیں گے۔ ہمارا کوئی سپاہی بھی یہاں موجود نہیں ہے گا۔ شہزور والے اب ہماری جانب سے بالکل اطمینان رکھیں۔ میں نے اپنے تمام اہم ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کر لیا ہے اور یہ ہم سب کی متفقہ رائے ہے۔ اب ہم اپنے وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ لمبی طویل مدت کے دوران ہم نے یہاں پڑے رہ کر سوائے نقصانات کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں کیا ہے۔"

"تم لوگوں کا یہ فیصلہ نہایت دانشمندانہ ہے۔" میں نے نسوہ کی بات کر مسراتے ہوئے کہا۔ "یہ بات نہ صرف شہزور کی بستی والوں کے لیے خوشی کا باعث ہو گی بلکہ خود تمھاری بستی کے لوگوں کے لیے بھی خوش آئند ثابت ہو گی جو ایک طویل عرصے سے ایک ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں جو ان کے نامساعد ماحول کی پیدا کردہ ہے۔"

"آج ہم کئی ماہ کے بعد سکون کا سانس لے رہے ہیں۔" نسوہ نے کہا۔ "اور یہ سپاہی جب اس بات کی اطلاع دی گئی کہ اب ہم گھر واپسی کا حکم کر کے اپنے گھر واپس لوٹ جائیں گے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے فوری طور پر روانگی کی تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں۔"

میں نے نسوہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد جب لوگ مجھے سے باہر نکلے۔ باہر نکل کر میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ صرف وہی خیمہ اپنی جگہ پر رہ گیا تھا جس میں میں موجود تھا۔ اس کے ساتھیوں سمیت باقی تمام خیمے اکھاڑ دیے گئے تھے۔ ان کے بانس اور رسیاں وغیرہ بھی غائب تھیں۔ ان کے گھوڑے بھی غائب تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے مشعل بردار بھی غائب تھے۔ ان کے بھی صرف وہی مشعل بردار موجود تھے جو میرے خیمے کے آس پاس موجود تھے۔ میں نے نسوہ سے پوچھا۔

"یہ کیا ہوا؟"

"ہم نے اپنے ساتھیوں کو روانہ کر دیا ہے۔" نسوہ نے جواب دیا۔ "ہم نے سوچا کہ ہم سب کے ساتھ جانے سے بہتر ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ یہاں رہ کر تمھارے ساتھ جائیں۔ اس طرح ہمارے ساتھیوں کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ہم نے سوچا کہ ہم میں سے کچھ لوگ تمھارے ساتھ جائیں۔ اس طرح ہمارے ساتھیوں کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ہم نے سوچا کہ ہم میں سے کچھ لوگ تمھارے ساتھ جائیں۔ اس طرح ہمارے ساتھیوں کو بھی کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

کے ساتھ بیٹھا کھا رہا تھا۔ باقی تمام خیمے اکھاڑے جا چکے تھے۔ خیمہ گاہ ویران ہو گئی تھی۔ سپاہی اپنے اپنے گھوڑوں کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ بار برداری کے گھوڑوں پر سامان لادا جا چکا تھا اور بس صرف نسمور اور اس کے ساتھیوں کا انتظار تھا۔

نسمور اور اس کے ساتھیوں نے مجھ سے اجازت لی معافی مانگی اور اس کے بعد وہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پیچھے لشکر نے کوچ کر دیا۔ میں خاموش کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ فصیل کے برجوں میں موجود شمرالہ کے محافظ بھی یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے۔ سردار برال کو اس کی اطلاع دی جا چکی ہو گی اور وہ اپنے دونوں خصوصی مشیروں زنبورالہ اور نوس کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا ہو گا اور سخت حیران ہو رہا ہو گا۔ سارس، تاکر اور دوسرے لوگ بھی یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے انھوں نے آئینہ کو بھی بلا لیا ہو۔ ان لوگوں کے لیے واقعی یہ سب کچھ سخت حیرت اور تعجب کا باعث ہو گا۔

تھوڑی دیر میں نسمور کا لشکر گرد کے بادلوں میں لپٹ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں اپنی جگہ پر اسی طرح کھڑا رہا۔ زوار پر میں وہ دیر تک بھی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئی اور صرف چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبوں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں رہا۔ میں نے ایک نظر لشکر گاہ پر ڈالی۔ ہر طرف جلے ہوئے خیموں اور جلی ہوئی باڑوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ آذوب کے فوجی اس قدر دہشت زدہ اور خوف کا شکار ہو گئے تھے کہ انھوں نے اپنے زخمی ساتھیوں کو قتل کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی اور ان کی لاشوں کو چیل کوؤں کی غذا بننے کے لیے چھوڑ گئے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے گدھوں کا غول کہیں دور سے اڑتا اور لاشوں پر پل پڑا۔ گدھوں کے ساتھ ہی اور جنگلی جانور بھی آ گئے تھے۔ ہر طرف ناک منظر تھا۔

میں آہستہ آہستہ اور سکون سے بڑھتا ہوا شمرالہ کے قلعے کے پھاٹک کی جانب روانہ ہوا۔ میرے قریب پہنچتے ہی میری کسی ہدایت کے بغیر قلعے کا پھاٹک کھول دیا گیا۔ میرے سامنے برال، زنبورالہ، نوس اور تاکر کھڑے ہوئے تھے۔ سب سے آگے برال تھا اور برال کے چہرے پر ہنسی مسکراتی آئینہ کھڑی تھی جس کی آنکھوں میں میرے لیے سارے جہان کی محبت سمٹ آئی تھی۔

"ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے کیا معجزہ کر دکھایا ہے فرواس۔" برال نے آگے بڑھ کر بولنے لگے تھے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ ساری رات عجیب و غریب منظر دیکھتے رہے۔ ہم اپنے دیکھتے رہے کہ آذوب کے خیموں میں دھواں دھواں لگ گئی گئی اور پھر تمہیں نے خود اپنی آنکھوں سے تم کو شمرالہ کے ذریعے آگ لگاتے دیکھا، اور پھر ہم نے آذوب کے لشکر میں پھیلی ہوئی افراتفری بھی دیکھی۔ ہم نے اس کے فوجیوں اور مشعل برداروں کو میدان میں بھاگتے بھی دیکھا، لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور تم اب کیا کر رہے ہو۔ لیکن ہمیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ تم لوگوں کو زبردست نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ ہم بات کو اس بات کے لیے تیار اور منتظر کھڑے تھے کہ اچانک تم کو ادھر تم اکیلے شمرالہ کا صدر دروازہ کھول کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن کافی دیر گزر گئی اور تم نہیں آئے۔ البتہ دور سے میدان میں ہمیں کچھ یوں نظر آیا تھا جیسے دو آدمیوں میں کوئی زبردست مقابلہ ہو رہا ہو۔ لیکن دھیمی روشنی اور کافی فاصلے کی وجہ سے منظر صاف نہیں تھا اور ہم سمجھ نہیں سکے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد دیر گزر گئی اور جب تم دشمن سرداروں اور ایک شخص کے ساتھ واپس آئے تو ہم نے ہی سمجھا کہ اب تم ہم سے پھاٹک کھولنے کے لیے کہو گے۔ ہم اس کے لیے کھڑے تھے لیکن تم نے آگر ہمیں ہدایت کی کہ ہم اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں اور آرام کریں۔ تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آئیں۔"

برال ذرا دیر کے لیے سانس لینے کو رکا اور اس کی جگہ فوراً زنبورالہ شروع کر دیا۔ "اور علی الصباح ہم یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آذوب کی زیر پیچھے پیچھے آ کھڑی تھیں اور کرپا کی تیاریاں کر رہی تھیں اور ہمارے دیکھتے۔ ہماری نظروں کے سامنے آذوب کے لشکر کے لوگ یہاں سے کوچ کر گئے۔"

"تم نے کیا جادو کر دیا فرواس؟" برال نے پوچھا۔

"میں نے ان پر کوئی جادو وادو نہیں کیا۔" میں نے خلیستان کے بارے میں تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں شمرالہ کی آزادی کا تحفظ کروں گا اور آذوب کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ شمرالہ والوں کو غلام بنا سکے۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ آذوب مارا جا چکا ہے۔"

"کیا کہا؟" اچانک کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ "آذوب مارا جا چکا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے سب سے پہلے آذوب کے بیٹوں کو آگ لگائی تھی۔ آذوب اس وقت خیمے کے اندر موجود تھا اور وہ بھی مارا گیا۔ اس کے بعد جیسا کہ تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، میں نے شمرالہ میں آگ لگا کر اجلی جلادی اور اس طرح آذوب کے سیکڑوں سپاہی مارے گئے۔ آذوب کے علاوہ اس کی فوج میں موجود سب سے بڑا جادوگر دشمن مارا گیا اور آذوب کا نائب زارس بھی مارا گیا۔ اتنے بہت سے لوگوں کے مارے جانے کے بعد آذوب کے فوجیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کے سپہ سالار کے مشیر اعلیٰ نسمور نے واپس جانے کا فیصلہ کیا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے تمہیں کیوں مکمل زندہ چھوڑ دیا؟" برال نے حیرت سے پوچھا۔ "تم اطمینان سے ان کے خیموں میں آگ لگاتے رہے اور ان لوگوں کو ہلاک کرتے رہے۔ ان کے فوجیوں کا تعاقب کرتے رہے اور پھر تم نے تھیلے سے سب کچھ کرنے رہنے کی کھلی اجازت دے دی۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بھلا مجھے ان ساری باتوں کی کھلی اجازت کیوں دے سکتے تھے۔ میں نے معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے نے تو چپ چپ کر ان پر کاری ضربات لگائیں اور جب وہ سخت خوفزدہ تب میں ان کے سامنے اس انداز میں جلوہ گر ہوا گویا میں آسمانوں سے بھیجا گیا ہوں اور ان کے لیے کوئی خصوصی ہدایت لے کر آیا ہوں۔ میں نے بھی محض حیلے سے کام لیتے ہوئے انھیں یہاں سے کوچ کر جانے پر مجبور کر دیا۔"

"تم نے ہم سب پر احسان عظیم کیا ہے۔" برال نے کہا اور میں نے قلعے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ "اب دروازے کو بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے محافظوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "انھیں کھلا رہنے دو۔ پھر سے غفلت نہ برتنا۔ دشمن جا چکا ہے اور اب اس کے واپس آنے کا

امکان نہیں ہے۔"

پنانچہ شمرالہ کی تعلیم نما بستی کے دروازے کھول دیے گئے اور مستعد محافظ دروازے پر مورچے سنبھال لیے۔ ویسے اب انھیں کسی بات کا خوف نہیں تھا۔ برال اور اس کے ساتھی مجھے اور آئینہ کو اپنے ساتھ لیے ہوئے آگے آگے اور ہم سب کے سب خوش و خرم اور مطمئن لوگوں کے ہجوموں کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے برال کے محل میں داخل ہو گئے۔ ہمارا فوراً ہی ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا۔

شمرالہ کی بستی میں اس دن کے بعد سے امن و سکون قائم ہو گیا۔ اگلے دن سے لوگوں نے اپنے اجڑے ہوئے کھیتوں اور باغوں کو نئے سرے سے آباد کرنا شروع کر دیا۔ بیرونی زمین میں جان ڈال دی گئی اور نئی فصلیں بوئی جانے لگیں۔ یہی فصلیں کی تیاری تک کی مدت کے دوران قلعے کی ضرورت ہر حال اپنی جگہ تھی۔ لیکن کسی نہ کسی طرح یہ وقت بھی گزر گیا اور شمرالہ کی بستی ایک بار پھر آباد ہو گئی۔

آئینہ نے مجھ سے کہہ دیا کہ اب وہ شمرالہ کی بستی سے کہیں اور نہیں جانا چاہتی۔ یہ جگہ اسے سب لوگوں کو بہت پسند آ گئے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی یہ طے کر لیا کہ جب تک آئینہ زندہ ہے اور میرے ساتھ ہے اس وقت تک میں شمرالہ ہی میں اپنی زندگی کے دن گزارتا رہوں گا۔

موسم بدلتے گئے۔ گرمیاں سردیوں میں اور سردیاں گرمیوں میں تبدیل ہوتی رہیں۔ ماہ و سال کا کبھی نہ ختم ہونے والا سفر جاری و ساری رہا۔ ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے۔ بے شمار لوگ گردش کی مانند آتی جاتی رہیں۔ نہ جانے کتنا عرصہ بیت گیا۔ برال مر گیا۔ اس کی جگہ لوگوں نے مجھے سردار بنانے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے صاف انکار کر دیا اور چھ ماہ کے لیے سردار بنا لیا گیا۔ زنبورالہ کی سرداری کو بھی ایک مدت گزر گئی۔ پھر وہ بھی مر گیا۔ نوس بھی مر گیا اور تاکر بھی مر گیا۔ یہ سب ایک ایک کر کے مرتے چلے جا رہے تھے۔ آئینہ کے سر کے بال چاندی کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ اس کی کمر جھک گئی تھی۔ بینائی بڑے نام کی رہ گئی تھی۔ دانت سارے ٹوٹ گئے تھے اور وہ صرف جو ایک زبان میں پڑی تھی، وہ بھی شمال ہو کر گر گئی تھی۔ اب ایک ہڈی ہوئی بڑھیا ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن ویسے کا ویسا ہی تھا۔ شمرالہ کی بستی میں مجھ سے پہلی والی نسل کب کی ختم ہو چکی تھی۔ میرے ساتھ والی نسل کے لوگ بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہے تھے۔ نئی جوان ہو کر پرانی نسل کی جگہ لے رہی تھی اور میں تھا کہ جسے محو حیرت بنا ہوا تھا۔ ہمیشگی کی طرح نوجوان اور تر و تازہ میرے اندر رہتے ہوئے کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تھی۔ اور نہ ہی کوئی تبدیلی آئی۔ شمرالہ کے لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ میں کس قسم کا انسان ہوں کہ بڑھاپا مجھ سے گریزاں ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ میں شاید کوئی خصوصی دوا کھاتا ہوں جس میں جوانی کا راز مضمر ہے۔ بعض یہ سمجھتے تھے کہ میں کوئی خاص قسم کی غذا کھاتا ہوں جس میں جوانی کا راز مضمر ہے۔ بعض لوگ تو میرے اس عمل سے واقف ہوں جس کی برکت سے بڑھاپا میرے پاس نہیں پھٹکتا تھا۔ کچھ لوگ مجھ سے اتنی ہی باتیں۔ لیکن حقیقت سے سب ہی لوگ ناواقف تھے۔ تاہم شمرالہ کی بستی میں میری عزت بہت زیادہ تھی اور نوجوان نسل کے تمام لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ میں ہی بستی کا نجات دہندہ ہوں اور میں نے ان کی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے اپنے دل و جان کی بازی لگا دی تھی۔

اور پھر ایک دن وہ آیا جب پروفیسر خاور اور آئینہ نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ میری وہ مونس و غمخوار شہزادی جس نے میری خاطر تخت و تاج کو ٹھوکر مار کر فکندری اور روشنی کی زندگی گزاری تھی، آخر ایک دن بچے کے ساتھ میرا ساتھ چھوڑ کر عدم آباد گئی۔ مجھے رات میں پتا بھی نہیں چلا اور وہ سوتے میں ہی ختم ہو گئی۔

صبح کو بستر پر مجھے اس کا سرد اور کٹا ہوا جسم ملا۔ میں نے بستی والوں کو بڑا افسوس ناک خبر سنائی۔ حد جلدی کریہ کی آخری رسومات پوری کر دی گئیں۔

آئینہ کے بعد شمرالہ کی بستی سے میرا دل اچاٹ ہو گیا۔ اب یہاں سے میری طبیعت اکتا گئی تھی۔ ایک طویل عرصے سے یہاں رہتے رہتے میں تھک چکا تھا اور اب کسی نئی جگہ کی تلاش میں جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک مدت بالکل خاموشی سے شمرالہ کی بستی کو خیر باد کہہ دیا۔

"خیر جاؤ اے ازلی اور ابدی نوجوان، ذرا دیر کے لیے رک جاؤ۔" پروفیسر خاور نے کہا۔ "میرے سینے میں اچانک شدید درد ہونے لگا ہے اور میں سخت تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ شاید میں تمہاری اگلی داستان پوری دل جمعی کے ساتھ نہ سن سکوں۔ اس لیے مجھے ذرا سنبھلنے کا موقع دو۔"

فرزانہ اور فروزاں اس اچانک صورت حال سے گھبرا گئیں اور انھوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر پروفیسر خاور کو سنبھال لیا۔

"ابو آپ کی کیسی طبیعت ہے؟" فروزاں نے اپنے باپ سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے بیٹا۔" پروفیسر خاور نے جواب دیا۔ "میرے سینے میں سخت درد ہو رہا ہے۔"

"لائیے میں آپ کے سینے کی مالش کر دوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "تم دونوں ان کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ میں انھیں اٹھا کر آرام سے بستر پر لٹا دوں گا اور انھیں مشروب حیات پینے کو دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ اس سے ان کی طبیعت بہت بہتر ہو جائے گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی میں نے پروفیسر خاور کے بھاری بھرکم جسم کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اس خاور کی طرف لے چلا جہاں نرم بستر اور آرام کے دیگر لوازمات موجود تھے اور جہاں پروفیسر خاور اور اس کی دونوں بیٹیاں اس وقت آرام کرتے تھے جب میری ایک داستان ختم ہو جاتی تھی۔

میں نے پروفیسر خاور کو آرام سے ایک بستر پر لٹا دیا۔ اس کا تنفس اچانک بہت تیز ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر زردی کھنڈ رہی تھی۔

"لائیے میرے ابو کو کیا ہو رہا ہے۔" فروزاں نے روتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ مت۔" فرزانہ نے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ "ابو ٹھیک ہو جائیں گے۔ بس ذرا ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ میں ان کے سینے کی آہستہ آہستہ مالش کرتی ہوں۔ ان کا سر سہلاتی ہوں۔"

فرزانہ پروفیسر کے سینے پر اس کے دل کے قریب آہستہ آہستہ مالش کرنے لگی اور فروزاں اس کا سر سہلانے لگی۔ میں نے مشروب حیات کا ایک پیالہ بھر کر پروفیسر خاور کے منہ سے لگا دیا۔ لیکن اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے۔

Optimized by www.ImageOptimizer.net

وہ مکمل بیہوشی کے عالم میں تھا میری اور فروزاں کی کوششوں کے باوجود مشرقی کا ایک قطرہ بھی پروفیسر خاور کے حلق کے نیچے نہ اتر سکا۔ اب اس کے سانس کی کیفیت بھی تبدیل ہو چکی تھی۔ سانس بہت آہستہ ہو گیا تھا اور رک رک کر آ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنے ہونٹ پروفیسر کے ہونٹوں پر رکھ دیے اور پھیپھڑوں کو مدد کر کے مصنوعی طریقہ تنفس کے ذریعے اس کے سانس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے اس عمل کا فوری نتیجہ نکلا اور چند منٹ کے بعد پروفیسر کا سانس کسی حد تک بحال ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ میں، فروزاں اور فرزانہ تینوں ہی اس کے قریب موجود تھے۔

"فرزانہ اور فروزاں۔" پروفیسر خاور نے بہت ہی نحیف اور کمزور آواز میں کہا۔ "تمام انسان فانی ہیں۔ قائم و باقی ذات صرف اللہ کی ہے۔ ہر اک نے ہے اور ابد تک رہے گی۔ دنیا میں جو شے وجود میں آئی ہے یا آئے گی اسے ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میرا بھی آخری وقت آن پہنچا ہے۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب اور میرا سانس بے آہنگ ہوتا جا رہا ہے۔ میری بجھتی آنکھوں نے سامنے سنہری انسانی روپ میں جو شخصیت کھڑی ہے وہ کوئی انسان نہیں ہے۔ وہ وقت ہے۔ وقت کا سراپا، وقت کی مجسم وقت کا انسانی پیکر۔ وقت کو فنا نہیں، وقت کی کوئی ابتدا نہیں اور وقت کی کوئی انتہا نہیں وقت ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے اور ان تمام لوگوں کو ان تمام مناظر کو ان تمام قوموں اور گروہوں کو اپنے تیز و تند سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہاتا لیتا چلا جاتا ہے۔ جو اس کی راہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اس کے راستے میں حائل ہوتے ہیں۔ وقت کی قدر کرنا میری بھتیجو! وقت کے ساتھ ساتھ رہنا، وقت کے ساتھ ساتھ چلنا۔ یہ وقت تمہیں ماضی کی بھولی بسری داستانیں سنائے گا، یہ وقت تمہیں حمد و ثنا کی کہانیاں سنائے گا۔ تمہارے سامنے تاریخ کے گمشدہ اوراق کھولے گا اور تم اس کے سحر میں ڈوب کر رہ جاؤ گی۔" اس کے لطف بیان سے سحر ہر جائے گی۔ میرے قریبی نے جب تک میرا ساتھ دیا، میں نے بھی وقت کا ساتھ دیا۔ لیکن اب میرا یہ فانی جسم جواب دے چکا ہے۔ اب مجھ میں مزید جینے کی تاب نہیں اور پتا پر پھر تو اب مجھے مزید جینے کی آرزو بھی نہیں۔ اس لیے خدا حافظ میری بچیو ——— میرے مرنے کے بعد رونا دھونا نہیں۔ مجھے خاموشی سے زمین میں ایک گڑھا کھود کر دفن کر دینا اور پھر مجھے بھول جانا۔ دنیا مرنے والی ہے۔ انسان آتے جاتے رہتے ہیں۔ مرنے والوں کے ساتھ کوئی مرا نہیں کرتا۔ کچھ دن تک مرنے والوں کا غم تازہ رہتا ہے اور پھر اس کے بعد لوگ سب بھول بھال جاتے ہیں۔ تم بھی کچھ دنوں بعد مجھے بھول جاؤ گی میری بچیو۔ بس وقت کو یاد رکھنا، وقت کا ساتھ دینا، وقت کا ساتھ دینا ——— وقت کا ساتھ۔۔۔۔"

اور اس کے ساتھ ہی پروفیسر کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اس نے ایک تیز ہچکی لی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ میں نے اپنی آخری کوشش کے طور پر ایک بار پھر مصنوعی طریقہ تنفس کے ذریعے اس میں سانس پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس بار مجھے قطعاً کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ فروزاں اور فرزانہ چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ فرزانہ اب بھی پروفیسر خاور کے سینے کی مالش کیے جا رہی تھی اور فروزاں اس کا سر سہلا رہی تھی۔ لیکن میں نے یہ بہت اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اب پروفیسر خاور کے جسم میں کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ جسم کی حرارت تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکن کو محسوس کرنے کی کوشش کی۔ وہاں موت کے سناٹے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

میں نے فرزانہ اور فروزاں کو بدقت تمام کھینچ کر پروفیسر خاور کے مردہ جسم سے علیحدہ کیا اور دونوں کو ایک دوسرے بستر پر بٹھا دیا۔ پھر میں پروفیسر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ میں ان کے درمیان ساکت و صامت اور خاموش کھڑا تھا۔ میری آنکھیں بھی پرنم تھیں۔ فروزاں اور فرزانہ کے ناخلف نے مجھے بڑا ملول اور دل گرفتہ کر دیا تھا۔ میں بھی پروفیسر خاور کے ساتھ بہت سی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی عمر کا ایک لمبا عرصہ گزارا تھا۔ میں پروفیسر کا بہت عقیدت مند تھا۔ پروفیسر خاور اور اس کی بیٹیوں کے سامنے میں نے ماضی کی کئی داستانیں سنائی تھیں۔ جہاں کئی محفلیں جمی تھیں، جہاں ہنسی مذاق کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔ ان سب کے سامنے میں نے ماضی کی کئی داستانیں سنائی تھیں۔ میری دل چسپ داستانیں، جہاں کئی محفلیں جمی تھیں، جن کا میں ایک حصہ تھا۔ میں جو ہر داستان کا ایک لازمی حصہ تھا۔

"تمہارے ابو مر چکے ہیں فروزاں اور فرزانہ۔" میں نے آہستگی سے ان کو انھیں تسلی دینے والے لہجے میں کہا۔ "آؤ اب ہم تینوں مل کر انھیں ان کے سفر پر روانہ کرنے کی تیاریاں کریں۔"

میں نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑے اور غار سے باہر نکل آیا۔

جلد ہی ہم نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کر لیا جہاں پر پروفیسر کی قبر بنائی جا سکتی تھی۔ میں نے فوراً ہی کھدائی شروع کر دی۔ دونوں لڑکیوں نے میری مدد کرنی چاہی لیکن میں نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ بھلا مجھے ان کی مدد کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے تنہائی کی ڈیڑھ گھنٹے میں قبر کھود کر رکھ دی اور پھر میں نے انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ پروفیسر کے مردہ بدن کو غار میں سے نکال کر قبر کے اندر اتار دیا۔ ہم تینوں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ فروزاں اور فرزانہ برابر روئے جا رہی تھیں۔ میں انھیں تسلی دے رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باپ کی موت کا صدمہ ایسی چیز نہیں تھی جسے اتنی جلدی کے ساتھ فراموش کر دیا جاتا۔

اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ ہم تینوں روز صبح و شام دو وقت پروفیسر کی قبر پر حاضری دیتے۔ دونوں لڑکیاں پھوٹ پھوٹ کر روتیں اور میں انھیں تسلی دیتا اور پھر قبر پر فاتحہ پڑھتا۔ دوسرے دن تک وہ پھول مرجھا جاتے اور نئے پھول ان کی جگہ لے لیتے۔ اس ایک ہفتے کے دوران وہ دونوں اپنے غم پر قابو پانے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئی تھیں اور ان کا صدمہ کافی کم ہو گیا تھا۔

"سنو فروزاں اور فرزانہ۔" میں نے پروفیسر خاور کی قبر کے آخری دن ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "تمہارا باپ تمہارا ساتھ چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اب تم دونوں اس بھری دنیا میں اکیلی ہو۔ تمہارے کوئی اور نہیں ہے جس کے پاس تم واپس جا سکو۔ میں نے برسہا برس تک تم دونوں کو اور تمہارے باپ کو ماضی کے بے شمار واقعات سنائے ہیں جو تمہیں تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملیں گے۔ لیکن اب پروفیسر خاور ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ تم

دونوں کی طرح وہ بھی دنیا کے کوچ کر گیا ہے لہٰذا اب میں تمہیں ماضی کی جو کہانیاں سناؤں گا، وہ مکمل ختم ہو گیا جو پروفیسر خاور کے سامنے داستان گوئی میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ بھی تاریخ کا عالم تھا اور اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ بس آج کے بعد سے ماضی کی داستانیں سنانے کا سلسلہ ختم۔ اب ہم یہاں میں نہ رہ پائیں گے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دونوں اب حال میں زندہ رہ کر ہی آج سے تم دونوں کا تعلق ماضی سے ٹوٹ رہا ہے۔ اب تک میرا تعلق ہے تو میں ماضی میں ہی کہیں حال میں اور مستقبل میں۔ کیونکہ میں زندہ ہوں اس وقت کی انسانی تجسیم ہوں۔ "اول و ابدی ——— پروفیسر مرتے وقت تم دونوں کو ہدایت کر کے گیا ہے کہ وقت کا ساتھ دینا۔ وقت کے ساتھ ساتھ رہنا۔ تو میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں اب میرے ساتھ رہو۔ ہو میری شریک سفر۔ جو میری ہمسفر ہو۔ اب سے اب تک جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا ہے، اس کا علم تم دونوں کو ہے۔ اب جو کچھ میرے ساتھ پیش آئے گا، اس کا علم بھی تم دونوں کو ہو گا۔ خود بخود مشاہدہ کرتی رہو گی اور مجھے اس بات کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ تمہیں کوئی داستان سناؤں۔ آج کے بعد سے پیش آنے والی تمام داستانیں خود تمہاری آنکھوں کے سامنے سے گزریں گی۔"

"ہمیں منظور ہے۔" فروزاں اور فرزانہ کی آواز میں بیک وقت نکلا۔

"ہم تب تک، جب تک ہمارا ساتھ نہیں چھوٹ جاتا۔" فرزانہ بولی۔

"جس طرح ہمارے باپ نے ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی جان دے دی ہے، اسی طرح باری باری ہم دونوں بھی تمہارے سامنے اپنی جان دیں گے۔" فروزاں بولی۔ "آج سے ہم تمہاری زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ ہم اپنے وجود کو تمہارے وجود سے الگ نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم دونوں اپنے وجود کو میرے وجود کا ایک حصہ سمجھو۔" میں نے کہا۔ "اب ہمیں اس جگہ قیام کیے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ اس جگہ کو ہم چھوڑ دیں اور حال کی زمین میں کسی نئے مقام پر روانہ ہو جائیں۔ کسی دور دراز کے علاقے میں کسی اور دور دراز کے خطے میں اور زندگی کے نئے نئے سلسلوں کا سلسلہ کریں۔ نئی نئی جگہوں کا جائزہ لیں۔ کہ زندگی کا کام یوں ہی آگے بڑھتے رہنا ہے۔ زندگی کبھی ٹھہرتی نہیں ہے اور وقت کبھی ساکت نہیں ہوتا۔ گزرتا زندگی منجمد اور وقت ساکت ہو جائے تو یہ چہرہ دنیا کے خاتمے کی علامت ہو گی۔"

"تمہاری باتیں بالکل سچی ہیں۔" فروزاں نے کہا۔ "بس آج سے ہم وقت کو ایک حقیقت اور جہاں جہاں ہمیں وقت لے جائے گا ہم اس کے ساتھ جائیں گے۔"

دوستو! تم تینوں نے اسی غار میں گزاروی اور علی الصباح تم اپنے نئے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے تم تینوں نے مل کر اس پاس کے علاقے سے وحشی جنگلی پھول چنے اور انھیں بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ پروفیسر کی قبر پر نذر کیا۔ اس روز بہت دیر تک پروفیسر خاور کی پوری قبر پھولوں سے ڈھک گئی۔

"جب آج کے بعد کوئی اس قبر پر پھول چڑھانے نہیں آئے گا۔" فروزاں نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"اور ہم بھی شاید اب اپنی زندگی میں دوبارہ اپنے باپ کی تربت کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔" فرزانہ نے روتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے زندگی ہمیں ایک بار پھر کبھی اس علاقے میں واپس لے آئے۔" میں نے کہا۔ "حالات کے بارے میں کوئی کیا پیشین گوئی کر سکتا ہے۔"

ہم تینوں نے ایک خود فانی نظر پروفیسر خاور کی قبر پر ڈالی۔ فروزاں اور فرزانہ نے قبر کے اوپر سے جنگلی جھنگی بھر مٹھا کر اپنی پیشانیوں سے ملی اور پھر ہم پرنم میرے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ وہ دونوں انسان تھیں اور اس لیے انہیں انسانی طبیعت کا کچھ ساز و سامان بھی اپنے ساتھ رکھنا پڑتا۔

ہمارا سفر کئی مہینوں تک جاری رہا۔ ہم غاروں، پہاڑوں اور جنگلوں کی خیانے نکل کر آبادی سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن جدید انسانی آبادی میں قدم رکھنے سے پیشتر ہمیں بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی جو ہمارے پاس موجود نہیں تھیں۔ سب سے پہلے تو ہمیں اس آبادی کی کرنسی کی ضرورت تھی تاکہ ہم اشیائے ضرورت کی خریداری کر سکیں۔ یہ قدیم بستیوں، جنگلوں اور غاروں کا زمانہ نہیں تھا جہاں انسانی ضروریات محدود ہوں کہ صرف پیٹ بھرنے تک رہ جاتی ہیں۔ یہ جدید دور تھا جس میں انسانی ضروریات کے دائرے کسی وسعت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اور اس وسعت میں گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ برابر اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مجھے اپنے لیے تو کچھ بھی درکار نہیں تھا لیکن میرے ساتھ فروزاں اور فرزانہ تھیں اور ان کی انسانی ضروریات تھیں۔ ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور مجھے ان کی خاطر کہیں نہ کہیں سے رقم کا بہر حال بندوبست کرنا ہی تھا۔

ہم تینوں اس وقت جس جگہ موجود تھے وہ سمندر کا کنارہ تھی۔ لیکن یہ کنارہ بالکل غیر آباد اور سنسان تھا۔ یہاں جگہ جگہ چٹانیں تھیں اور ان چٹانوں کے اندر کافی گہرے غار بھی موجود تھے جن میں بیک وقت کئی درجن انسان چھپ کر بیٹھ سکتے تھے اور یہ سے انھیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ساحل سے دور بہت دور کبھی کبھار دور دراز شہر کی بلند و بالا عمارتوں کے ہیولے دھوئیں کے اور اٹھتے ہوئے مرغولوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

ہم تینوں نے مل کر ایک ایسا غار تلاش کر لیا جو چٹانوں کے کافی اندر واقع تھا اور اس تک سے اسے بہت بڑی حد تک محفوظ بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔

"تم دونوں کو اس غار میں رک کر میرا انتظار کرنا ہو گا۔" میں نے فروزاں اور فرزانہ سے کہا۔ "میں اس شہر کی طرف جا رہا ہوں جس کے بارے میں مجھے ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میں خالی ہاتھ واپس نہیں آؤں گا۔ مجھے کچھ رقم کا بندوبست کرنا ہے۔ اور اس کے علاوہ شہر کے حالات کو دیکھ کر ہم لوگوں کے لیے ایسے لباس بھی حاصل کرنا ہیں جن کو پہن کر ہم یہاں اجنبی نہ لگیں۔ اس وقت تم نے جو کپڑے پہن رکھے ہیں وہ شاید اس شہر کے روایتی ملبوسات کے بالکل مختلف ہوں۔ پھر مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ میں خالی ہاتھ واپس نہیں آؤں گا

تک گزار سکتی ہو جہاں تک اس علاقے کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے کہ کوئی دلچسپ کام نہیں کرسکے گی کیونکہ یہ ایک بالکل ویران اور سنسان جگہ ہے اور اگر بالفرض کوئی آ بھی جائے تو تم بالکل بے زبان بن جانا اور اس کے کسی سوال کا جواب نہ دینا۔ ویسے بھی تمہیں معلوم کہ یہاں جو زبان بولی جاتی ہے اس سے تم دونوں واقف بھی ہو یا نہیں۔ بہرحال اب میں چلتا ہوں اور تم دونوں اپنی حفاظت سے غافل نہ رہنا۔ یہ نامعلوم سی محفوظ جگہ ہے۔ یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ان دونوں کو بھی طرح طرح کی ہدایات دینے کے بعد میں وہاں سے چل پڑا۔ میں نے سیدھا شہر کی طرف جانے کے بجائے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا ضروری سمجھا کیونکہ جسم پر اس وقت زیر کپڑے پہنے ہوئے ایک معمولی سے کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ اس لباس میں میں شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید ساحل پر گئے جاگر کسی آبادی کا سراغ مل جائے اور وہاں سے میں کسی طرح کچھ کپڑے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں اور میرا خیال غلط نہیں نکلا۔

میں چند میل چلا ہوں گا کہ مجھے ساحل پر دُور سے انسانوں کے دھندلے دھندلے سے ہیولے نظر آنے لگے۔ میں تھکا ہوا تو ہو گیا تھا میں نے اپنی رفتار بھی دگنی کر دی۔ پھر اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔ میں نے ٹھٹک کر پیچھے رہنے کے بجائے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور ساحل کے ساتھ ساتھ تیرنے لگا۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے ساحل کا منظر صاف اور زیادہ واضح ہوتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اب انسانوں کے جسم مجھے پورے طور پر دکھائی دینے لگے۔ میں کسی ساحلی تفریح گاہ کے قریب تھا۔ ساحل پر بنے ہوئے کیبنوں کے سلسلے مجھے نظر آ رہے تھے۔ اس کے علاوہ غسل کے مختصر سے لباس میں ملبوس مرد اور عورتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ بہت سے لوگ ریت پر لیٹے ہوئے سورج کی کرنوں سے اپنے بدن کو سینک رہے تھے۔ کچھ ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ بعض لوگ ریت پر بیٹھے ہوئے مشروبات سے دل بہلا رہے تھے اور بہت سے نوجوان جوڑے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے رومانس کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مستانہ انداز میں اِدھر سے اُدھر گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایک مدت کے بعد میں جدید دنیا کو دیکھ رہا تھا۔ انسان لوگوں کو دیکھ کر میرے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔ اب مجھے اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ میرے جسم پر جو انتہائی مختصر اور نامناسب لباس ہے وہ ساحل پر موجود لوگوں کے سامنے آنے سے میری راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا کیونکہ ساحل پر موجود لوگ جن میں مرد اور عورتیں دونوں ہی شامل تھے۔ مجھ سے کہیں زیادہ مختصر لباس میں ملبوس تھے۔

میں ساحل کے ساتھ ساتھ تیرتا تیرتا آگے بڑھتا گیا۔ اب میرے آس پاس کئی اور لوگ بھی تیر رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی شامل تھیں اور مرد بھی تھے۔ وہ سب کے سب باہر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جلد ہی میں ان کے قریب آ گیا اور وہ بھی میرے قریب آ گئے اور پانی میں خوش دلی کے ساتھ ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے اور مسکرانے لگے۔

تھوڑی دیر تک تیرتے رہنے کے بعد میں پانی میں سے باہر نکل کر خشکی پر آ گیا۔

ایک خوش اور خاتون جو میرے ساتھ سمندر میں تیرنے والوں میں شامل تھی، مسکراتی ہوئی میرے قریب آئی اور مجھے دلچسپی بھری نظروں سے ملاحظہ کرنے لگی۔ پھر اچانک اس نے زبان بولی۔ "تم کس قدر سیکسی جسم کے مالک ہو۔" میں نے کن انکھیوں سے اس رنگ روپ کو کوئی انسان نہیں دیکھا۔ تمہیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم چاند کی خیالی دنیا کے باشندے ہو۔ تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟"

وہ دل رُبا حسینہ خالص شمالی امریکہ کے لب و لہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔ اس سے مجھے اس بات کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا کہ میں اس وقت شمالی امریکہ کے کسی حصے سے ساحل شہر میں موجود ہوں۔

"میں تو ایک مسافر ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اور اس کے حسن پر نظر دوڑ کرتے ہوئے کہا۔ "سیاحت میرا مشغلہ ہے اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تب سے میں ملکوں ملکوں کی سیر کرتا پھر رہا ہوں۔"

"ان تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کوئی بہت مالدار آدمی ہو مسٹر۔۔۔؟"

"جیکسن۔" میں نے جلدی سے اس کا جملہ پورا کر دیا اور کہا۔ "نہیں میں کوئی خاص مالدار آدمی نہیں ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ میری ضروریات بہت محدود ہیں مس۔۔۔؟"

"ڈیوڈ۔ میری ڈیوڈ۔" اس نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔

"میں جس ملک میں بھی جاتا ہوں وہاں سیاحت کرنے کے علاوہ میں تھوڑا بہت کام بھی کر لیتا ہوں اور اس طرح اپنا خرچہ چلا لیتا ہوں۔" میں نے مسئلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہارے شہر میں آ کر میں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

"ہمارا چھوٹا سا شہر مارے ترہڑی پُرسکون جگہ ہے۔" میری نے کہا۔ "اور اس طرح مجھے معلوم ہو گیا کہ تمہارے کام آنا ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ نہیں ہے لیکن یہ سیاحوں کی دل کشی کا مرکز ہے کیونکہ یہاں قدرتی مناظر کی فراوانی ہے۔"

"لیکن تمہارے قصبے نے میرے ساتھ کوئی فراخدلانہ سلوک نہیں کیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" میری نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"میں نے سمندر میں اترنے سے پہلے اپنے کپڑے سامنے والی کیبن کے برآمدے کے باہر ڈال دیے تھے۔ ان کپڑوں میں میری پتلون بھی شامل تھی جس کی جیب میں ایک ہزار ڈالر کی رقم تھی جو میری متاع پر پڑی تھی۔ اس کے بعد میں نہانے کے لیے سمندر میں اتر گیا اور جب میں تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو میرے کپڑے غائب تھے۔ میں نے چاروں طرف اپنے کپڑوں کو تلاش کر ڈالا لیکن وہ کہیں نہیں ملے۔ میں نے آس پاس کے کئی لوگوں سے دریافت بھی کیا لیکن کوئی کچھ نہیں بتا سکا مجبوراً میں نے دوبارہ سمندر میں چھلانگ لگا دی اور ایک بار پھر تیرنے لگا۔ اب میں تیر کر دوبارہ واپس آ گیا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔"

"اوہ ـــــ یہ بات ہے۔" میری نے کہا۔ "ویسے میں تم کو یہ بات بتا دوں کہ ہمارے شہر میں کوئی چور نہیں ہے یہاں چوری نہیں ہوتی یہ ضرور ہے کہ شہر بڑم کے نوجوانوں کی حرکت ہو گی۔ انہوں نے تم کو پریشان کرنے کی غرض سے تمہارے کپڑے غائب کر دیے ہوں گے اور جب انہیں تمہاری پتلون کی جیب

میں بڑی رقم ملی ہو گی تو انہوں نے اس رقم کو تم کو واپس کرنے کے بجائے اپنے قبضے میں کر لیا ہو گا۔ تمہارے کپڑوں کے لیے کہیں اِدھر اُدھر نکل گئے ہوں گے۔ بہرحال تم اس صورت کو پریشان ہونا بھی چھوڑ دو۔ میں ابھی جا کر معاملے کو حل کیے دیتا ہوں۔"

"مگر کس طرح؟" میں نے میری سے سوال کیا۔

"مسٹر جیکسن۔" اس نے کہا۔ "سامنے جو بیرکیبن موجود ہے، ہم دونوں یہاں رہتے ہیں۔ میرے کیبن میں مردانہ لباس تو کوئی موجود نہیں ہے لیکن میں اپنے کیبن کی بھی سوئٹر کر فون کر کے تمہارے لیے لباس منگوا سکتی ہوں۔"

"لیکن میں نے بتایا نا کہ میرے پاس جتنی بھی رقم تھی، وہ میری پتلون کی جیب میں تھی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اب تو میرے پاس بالکل بھی رقم موجود نہیں ہے۔ لباس کی قیمت کہاں سے ادا کروں گا؟"

"اوہ ـــ" میری نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمہیں بھلا اس بارے میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اتنا تو چند گھڑیوں کی قیمت ہی کیا ہوتی ہے، میرے پاس کئی تھیلیں پرتاندل کی ہیں اس شہر کے سب سے زیادہ مالدار شخص کی بیوی ہوں۔ لیکن اس سے میری ہمدردی گرچہ نہیں ہے کہ میں تمہیں مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس نے بڑی سادگی سے کہا۔ "میں تو تمہیں دراصل صرف یہ بتانا چاہتی تھی کہ میرے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں ہے اور تم جیسے حسین اور کشش نوجوان کے لیے تو میں اپنے سارے خزانے لٹا سکتی ہوں۔ ہر چند وہ ہزار ڈالر بات کیا ہے، وہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔" مجھے یوں لگا جیسے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

وہ مجھے اپنے کیبن میں لے آئی جہاں فون موجود تھا۔ اس نے شہر کے کسی سٹور کا نمبر ملایا اور فون پر کئی مرد و زن پتلونیں اور قمیصیں بھیج دینے کی ہدایت کی۔ اس زمانے میں کیبن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس میں ایک بیڈ کے علاوہ تھوڑا سا فرنیچر تھا، کمرہ میں چند آرام کرسیاں اور ایک میز شامل تھی۔ جس وقت وہ فون کر رہی تھی اس وقت میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ فون کرنے کے بعد وہ بھی میرے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "کیا پینا پسند کرو گے؟"

"جو بھی تم پلا دو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے سکاچ وہسکی کے دو گلاس بنائے ایک میرے سامنے رکھا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہم دونوں رنگ چسکیاں لیتے رہے اور کیبن میں گفتگو کرتے رہے۔ اس نے مجھ سے میری خاص بات کے مطابق مجھ سے میرے ماضی میں میرے ماضی کے بارے میں میری ذات کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا۔ البتہ وہ اپنے بارے میں بہت تفصیل سے مجھے بتاتی رہی۔ میں میرا ایک کوسی برآمد لگا ہوا تھا۔ میں سارا وقت فرنڈال اور فرنڈ کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس لیے میں نے اس کی آدھی باتیں سنیں اور کچھ ہی نہیں سنیں۔

اسی اثنا میں کیبن کے دروازے پر کسی گاڑی کے رکنے کی اور باہر سے کسی کے آواز دینے کی آواز سنائی دی۔ میری نے ایک گاؤن اٹھا کر اپنے جسم پر ڈالا، دروازہ کھول کر باہر جھانک کر دیکھا۔ دروازے میں سے کسی نے ایک پیکٹ پکڑایا۔ میری نے پیکٹ وصول کر کے کسی کاغذ پر دستخط کیے اور دروازہ بند کر کے واپس آ گئی۔

"تمہارے لیے کپڑے آ گئے ہیں جیکسن۔" اس نے پیکٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم ان میں سے اپنی پسند کا لباس منتخب کر کے پہن سکتے ہو باقی کپڑے بھی تمہارے ہی لیے ہیں۔"

اور پھر اس نے میرے قریب آ کر اچانک میرے گلے میں اپنی باہیں ڈال دیں۔

کافی دیر بعد جب میں نئے کپڑے پہن کر جانے کے لیے تیار ہونے لگا تو میری نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے دو ہزار ڈالر کے نوٹ نکالے اور میرے حوالے کرتی ہوئی بولی۔ "یہ رکھ لو جیکسن۔ مجھے امید ہے کہ اس رقم سے تمہارا کچھ دیگر کام تو نکل ہی جائے گا۔"

"نہیں نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے ظاہراً تکلف کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ لیکن میری بصارت والی امید میں نے بالآخر وہ نوٹ لے کر اپنی جیب میں رکھ لیے۔ میری نے باقی کپڑوں کا پیکٹ بھی میرے حوالے کر دیا۔

"اب تم سے کب اور کہاں ملاقات ہو گی ڈارلنگ؟" میری نے محبت سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"تم مجھے اپنا فون نمبر اور گھر کا پتا دے دو۔" میں نے اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں دو ایک روز میں تمہیں فون کر کے مطلع کر دوں گا۔"

"ہاں جیکسن۔" اس نے کہا۔ "مجھے تم سے دوبارہ ملاقات کر کے بڑی خوشی ہو گی۔ کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ تمہارا قیام کہاں ہے؟"

میرے لیے یہ بڑا مشکل سوال تھا۔ اس لیے کہ میں اس شہر کے نوٹوں اور سڑکوں سے بالکل ناواقف تھا اور مجھے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں معلوم تھا چنانچہ میں نے بات بنانے کی غرض سے کہا۔ "میں ابھی جس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں وہ مجھے کوئی زیادہ پسند نہیں آیا اور میں وہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں کیا تم مجھے کسی دوسرے معقول ہوٹل کا نام اور پتا بتا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔" میری نے جلدی سے کہا۔ "تم کلارک ہوٹل میں منتقل ہو جاؤ۔ وہ بڑی اچھی جگہ ہے۔" اور اس نے مجھے کلارک ہوٹل کا پتا بتا دیا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں کلارک ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا اور اگر وہ چاہے تو مجھے کلارک ہوٹل میں فون کر سکتی ہے۔

اس کے بعد میں نے میری سے اجازت لی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

ساحلی علاقے سے مجھے ایک بس مل گئی جو شہر تک جاتی تھی۔ میں اس بس کے ذریعے شہر میں داخل ہوا اور ایک اسٹور سے میں نے نئے نامہ کپڑوں کے کئی جوڑے خریدے جو جدید ترین ڈیزائن اور فیشن کے عین مطابق تھے۔ اس کے علاوہ میں نے کھانے پینے کی بھی کچھ اشیاء خریدیں اور پھر میں دوبارہ بس میں بیٹھ کر ساحلی علاقے کی طرف آ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے اس طرف اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کر دیا جہاں میں نے فرنڈال اور فرنڈ کو چھوڑا تھا۔ میری جیب میں اب بھی بہت سی رقم موجود تھی۔ میری نے مجھے دو ہزار ڈالر کی خطیر رقم دی تھی اور ابھی

Optimized by www.ImageOptimizer.net

اس میں سے بہت کم چیزیں خریدنا ہوتی تھیں۔

کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد میں بالآخر اس سنسان اور ویران علاقے میں پہنچ گئی جہاں میں نے ایک چٹان کے محفوظ غاروں میں فروزاں اور فرزانہ کو پھر سے ڈھونڈ لیا تھا۔ جب میں آہستگی سے قدم رکھتا ہوا اس غار میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ فروزاں سو رہی تھی اور فرزانہ جاگ رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے مشکوک ہوگئی۔ اس نے مجھے اس سے پہلے کبھی ایسے لباس میں نہیں دیکھا تھا اور اسی لیے مجھے پہچاننے میں اسے کچھ وقت لگا۔ لیکن جب اس نے غور سے دیکھنے کے بعد مجھے پہچان لیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"یہ تم ہو! کیا یہ واقعی تم ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "یہ میں ہوں، اپنے مکمل انسانی جسم اور اس وقت شمالی امریکہ کے قصبے میں جس کا نام ہارلے ہے۔ فروزاں کب سے سو رہی ہے؟"

"ہم دونوں باری باری سوتے رہے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔ "ورنہ اس ہم لوگ اس بری طرح تھک گئے تھے کہ ہمیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ ہمارے پاس میں تو یہ کہنا مشکل تھا کہ ہم کب تک واپس آئیں گے۔ لہٰذا ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم باری باری سوئیں گے۔ فروزاں نے پہلے مجھے سونے کا موقع دیا اور خود جاگتی رہی، جب میں کافی دیر تک آرام کر چکی تو پھر اس نے مجھے جگا دیا اور خود سو گئی۔ اب وہ سو رہی ہے اور میں جاگ رہی ہوں۔ لیکن اسے سوتے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اسے بیدار کر دوں۔ وہ تمہیں اس نئے لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔"

"بہتر ہے کہ اسے جگا دو۔" میں نے کہا۔ "تم دونوں نے کچھ کھایا بھی یا نہیں؟"

"ابھی نہیں۔" فرزانہ نے جواب دیا۔ "ہمارا پروگرام یہ تھا کہ جب ہم دونوں باری باری کافی آرام کر لیں گے تو پھر اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ اچھا اب میں فروزاں کو جگائے دیتی ہوں۔"

اور فرزانہ نے فروزاں کو بیدار کر دیا۔ فروزاں نے بیدار ہوتے ہی میرے اوپر نظر ڈالی اور اس کی زبان سے اچانک نکلا۔ "یہ کون ہیں؟" اس کی بلند کی باتی آنکھیں میرے بدلے ہوئے حلیے میں مجھے پہچان نہیں پا رہی تھیں۔

"تم نہیں جانتیں، فرزانہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ مسٹر جیکسن ہیں۔"

"کون مسٹر جیکسن؟" فروزاں نے کہا اور پھر اچانک جیسے وہ اپنے ہوش میں آگئی۔ "او یہ تم ہو ——— یہ تم ہو!" اس کی زبان سے حیرت میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے۔ "میں تو تمہیں بالکل نہیں پہچان سکی۔ اس لباس میں میں نے تم کو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ کمال ہے، تم کتنا مختلف دکھائی دے رہے ہو۔ تمہاری تو مادی شخصیت ہی جیسے بدل کر رہ گئی ہے۔"

میں غار میں ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا۔ اور میں نے مختصراً انہیں وہ روداد سنا دی جو میرے ساتھ پیش آئی تھی۔ فروزاں اور فرزانہ میرے ماضی کے سیکڑوں قصے سن چکی تھیں اور حال کے اس نئے قصے میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے میں ان سے چھپانے کی ضرورت محسوس کرتا۔ لیکن میں نے انہیں بیگم کے متعلق وہ سب کچھ بتا دیا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔

"تم دونوں پڑھی لکھی ہو، اور بہت اچھی طرح انگریزی بول سکتی ہو، میں نے اپنی داستان ختم کرنے کے بعد ان سے کہا۔ "ہم لوگ اس وقت شمالی امریکہ کی کسی چھوٹے سے شہر میں ہیں جس کا نام ہارلے ہے۔ یہاں تمہیں زبان کا مسئلہ پیش نہیں آئے گا، یہاں تک میرا تعلق ہے تو زبان ہر جگہ میرے لیے زبان کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میری کے دیے ہوئے دو ہزار ڈالر کے نوٹ میرے پاس ابھی کافی رقم موجود ہے۔ ہم فوری طور پر کسی دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے ہیں اس شہر میں نہیں رہنا چاہتا کیونکہ یہاں میری موجودہ جو پہچان کسی نہ کسی راستے بازار میں اس سے ملاقات ہو جانے کا خدشہ موجود ہے کیونکہ یہ کوئی بڑا شہر نہیں ہے اور زیادہ تر لوگ ایک دوسرے سے واقفیت رکھتے ہیں۔ میں میری کو سامنا اس لیے نہیں کرنا چاہتا کیونکہ پھر اس سے بچنا میرے لیے خاصا مشکل ہوگا۔ وہ چاہے گی کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزاروں اور پھر میں نے اپنے بارے میں جو کچھ اسے بتایا ہے، اسے ثابت کرنا خاصا مشکل ہوگا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ یہاں سے کسی دوسرے قریبی شہر میں چلے چلیں۔ مجھے بتاؤ کہ کوئی نہ کوئی ملازمت مل جائے گی کیونکہ میں ہر قسم کے کام کا عادی ہوں۔ اور پھر ہم اطمینان سے کچھ عرصہ یہاں گزار سکیں گے۔ اس کے بعد آئندہ کی دیکھی جائے گی۔"

"ہم دونوں کو بھی ملازمت مل سکتی ہے۔" فروزاں نے کہا۔ "ہمیں بھی اچھی انگریزی آتی ہے اور میں تو ٹائپ بھی کر سکتی ہوں۔ اگرچہ کافی عرصے سے میں نے ٹائپ رائٹر کو ہاتھ نہیں لگایا ہے لیکن مجھے بس تھوڑی سی مشق کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں پھر اسی طرح ٹائپ کرنے لگوں گی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "ہم دونوں کو بھی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی موٹی ملازمت کر لینی چاہیے۔ اس طرح ہمارا وقت بھی آرام سے گزر جائے گا اور ہمیں ایک ذریعۂ معاش بھی حاصل ہو جائے گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے ان سے کہا۔ "اچھا اب میں غار سے باہر نکلتا ہوں اور تم لوگ جلدی جلدی اپنے باس تھیلے کر لو۔ میں تمہارے لیے یہاں کے حلیے کے مطابق کپڑے لے آیا ہوں۔ تم لوگوں کے جسموں پر جو لباس ہے وہ یہاں کے لحاظ سے قطعی غیر مناسب ہے۔ اور تمہارے کپڑے غار سے باہر نکل کر۔"

تھوڑی دیر کے بعد فرزانہ اور فروزاں غار سے باہر نکل آئیں۔ ان کی شکلیں اتری ہوئی تھیں۔ اب ان کے جسموں پر اسکرٹ اور بلاؤز تھے اور اس لباس میں وہ دونوں بہت خوبصورت نظر آ رہی تھیں۔ میں نے انہیں دیکھ کر مسکرایا اور وہ کچھ جھینپ سی گئیں۔

"تم لوگ کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان سے کہا۔ "بے شک ہم لوگ مشرقی لڑکیاں ہو اور اس لباس میں پہنے پر تم کو بہت عجیب و غریب محسوس کرو گی لیکن کیا کیا جائے، مجبوری ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ اچھا اب تم لوگ کچھ کھا پی لو۔ میں کھانے کا سامان ساتھ لایا ہوں۔ اس کے فوراً بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

ہم تینوں نے غار سے باہر آ کر سمندر کے کھلے ساحل پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ یہیں اب پھیلے رہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ غار سے نزدیک کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو دوسروں کی توجہ کا مرکز بنتی۔ ہم عام لباس میں تھے جو عام شہریوں کا لباس تھا

کہا۔ "تم کرنے کے بعد فرزانہ اور فروزاں نے اپنے پرانے کپڑوں کی ایک گٹھڑی بنائی اور "سے" دریندہ کی موجوں میں اچھال دیا۔

"یہ ہے ہمارا ماضی کا ایک پرانا باب ختم ہوا۔" فروزاں نے کہا۔ "اب ہم نئے باب کا آغاز کریں گے۔"

"اب ہمارے ماضی سے ناطہ توڑ لیا ہے اور حال میں قدم رکھا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "اب ہم وقت کے ساتھ ساتھ حال میں سفر کریں گے۔ ماضی کے سارے سفر تمام ہوئے۔ اب ہم نے حال سے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ ہم دو بارہ ماضی کی منزلوں سے روانہ ہو کر حال کی شاہراہ پر گامزن ہو گئے ہیں۔ اب ہم حال کا حصہ ہیں، اور حال ہی میں رہیں گے۔"

ماضی کی داستانوں کا اصل لطف تو اس وقت تھا جب تک فرزانہ ہمارے ساتھ تھی۔ اس نے اخروٹ کے ساتھ کہا۔ "اب وہ خود ماضی کا حصہ بن گئے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ماضی کے ویران خانوں میں چلے گئے ہیں۔ اور تم ——— اب تم بھی مسٹر جیکسن ہو گئے ہو کیونکہ اپنے لیے یہ نیا نام تم نے خود ہی منتخب کیا ہے ——— مسٹر جیکسن شاید اپنی نسلوں میں سے کسی کو ہمارے ماضی کے واقعات کی داستان بھی سناؤ گے جس کے بعد اس دنیا سے اٹھ جائے گے۔" اس طرح ایک روز میں اور فرزانہ بھی یہاں سے چلی جائیں گے۔ لیکن خود زندہ رہو گے۔ تمہاری داستانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا اور ہم —— ہم بھی نہیں طویل طویل داستانوں کا ایک جزو بن جائیں گے۔"

"یہی ہمارا انجام ہوگا۔" فرزانہ نے کہا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ ہمارے فسانوں کا یہی انجام ہوتا ہے ہم سب کے سب نادیدہ زمان ماضی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تاریخ کی گمشدہ وادیوں میں قدم رکھتے ہیں اور دنیا ہمارا نام بھی نہیں جانتی۔"

"اچھا اب میں چل دینا چاہیے۔" میں نے ان دونوں سے کہا۔ "وقت کافی ہو چکا ہے۔ ہمیں جلد از جلد دوسرے شہر پہنچنا ہے۔ وہاں پہنچ کر ہمیں بہت سے مسائل سے نمٹنا ہے۔ اب جبکہ ہم حال میں سفر کر رہے ہیں تو ہمیں حال کے مسائل سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے مسٹر جیکسن۔" فروزاں نے کہا۔ "ہم چلنے کے لیے تیار ہیں۔"

ہم تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ میں چونکہ اس چھوٹے سے شہر کا ایک چکر لگا چکا تھا اس لیے اس کے راستوں سے تھوڑی بہت واقفیت میں نے حاصل کر لی تھی۔ اس بار میں نے نسبتاً مختصر راستہ اختیار کیا اور جلد ہی ہم شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ فروزاں اور فرزانہ بہت دلچسپی کی نظروں سے ہر چیز کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ ایک طویل مدت کے بعد انہیں جدید دنیا کے مناظر دیکھنے کو مل رہے تھے اور وہ ان مناظر کے تحیر میں جیسے گم ہو کر رہ گئی تھیں۔

میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک دکان سے اس ریاست کا ایک تفصیلی نقشہ خریدا اور اس کے بعد ہم تینوں ایک ریستوران میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہم نے کافی کا آرڈر دیا اور میں نے نقشہ میز پر پھیلا دیا۔ ہم تینوں نقشے پر جھک گئے اور میں نے قریب ترین شہر کا نام پڑھنا شروع کیا۔ "فرزانہ نے کہا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔ ہمارے اف

دھماکے کے ساتھ ریلنگ سے جا ٹکرائی۔ ریلنگ اتنی مضبوط تھی کہ اس زبردست تصادم کے باوجود وہ ٹوٹی نہیں، البتہ بری طرح مڑ گئی۔ لیکن اس شدید تصادم کے نتیجے میں بس الٹ گئی اور اس کے انجن میں آگ لگ گئی۔

ایک شور برپا ہو گیا۔ ساری بس میں افراتفری مچ گئی۔ چیخیں ٹوٹ کر ایک دوسرے کے اوپر گر رہی تھیں اور ان کے درمیان پھنسے ہوئے انسان بری طرح چیخے چلانے لگے۔ جس سیٹ پر فرزانہ اور فرزانہ بیٹھی ہوئی تھیں، وہ بالکل چور چور ہو گئی تھی اور دونوں نیچے دب کر رہ گئی تھیں۔ میرے برابر بیٹھی ہوئی معمر خاتون لڑھک کر بہت دور جا گری تھی اور خون میں نہا گئی تھی۔ میں خود سیٹ کے نیچے پھنسا ہوا تھا۔ ہر طرف آہ و بکا اور شور و غوغا کا عالم تھا۔ بس ایک پہلو کے بل گر گئی تھی اور اس طرح تمام مسافر ایک دوسرے کے اوپر آ پڑے تھے۔

میں نے کھڑکی کے ساتھ خود کو سیٹ کے نیچے سے نکالا۔ لیکن جب پراگندہ حواسی کچھ کم ہوئی تو میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ مسافر جو زندہ تھے، بس کے اندر ایک طرف سے قیمہ ہو کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ ایک پہلو کے بل گرنے کے باعث بس کا دروازہ اور اس طرف کی کھڑکیاں زمین سے لگ گئی تھیں اور دوسری طرف کا ایئر ہیچ دروازہ اور اس طرف کی کھڑکیاں چھت کی طرف ہو گئی تھیں۔

بس کا حادثہ ہوتے ہی آس پاس کا ٹریفک رک گیا۔ اس اثنا میں میں نے ایک چھلانگ لگا کر خود کو سیٹ کی قید سے نکالا اور میں فوری طور پر فرزانہ اور فرزانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ دونوں سیٹ کے نیچے دبی ہوئی تھیں اور اس سیٹ کے اوپر بیگ اور زخمی لڑ رہا تھا۔ میں نے پہلے تو اس زخمی کو اپنی کھڑکی کے ساتھ سیٹ کے اوپر سے ہٹا کر دوسری طرف دھکیلا، پھر شکستہ سیٹ کے نیچے پھنسی ہوئی فرزانہ اور فرزانہ کو گھسیٹ کر باہر نکالا۔ ان دونوں کے جسم لہولہان ہو رہے تھے۔ فرزانہ کا سر پھٹ گیا تھا اور اس میں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ فرزانہ کی ناک اور منہ سے خون جاری تھا۔ یہ ایک ایسا وقت تھا کہ ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

شاید کسی نے فوری طور پر پولیس کو اطلاع دے دی تھی کیونکہ حادثے کو زیادہ سے زیادہ دس منٹ گزرے تھے کہ پولیس اور فائر بریگیڈ کی گاڑیوں کے سائرن کے آخری سائرن سنائی دیئے تھے۔ فائر بریگیڈ والوں نے فوراً اندر پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے کی کارروائی شروع کر دی اور ایمبولینسوں میں ڈال ڈال کر ہسپتال بھیجنا شروع کر دیا۔

ساری بس میں صرف میں ایک ایسا شخص تھا جس کے جسم پر کوئی بھی خراش تک نہیں آئی تھی۔ بس کے ڈرائیور سمیت چودہ مسافر جن میں چھ تو عین موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے، تقریباً بیس مسافر شدید طور پر زخمی ہوئے تھے اور اصابتی کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ فرزانہ اور فرزانہ شدید طور پر زخمی ہو جانے والے لوگوں میں سے تھیں۔ انہیں دوسرے زخمیوں کے ساتھ فوری طور پر ایمبولینس کے ذریعے ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ میں خود بھی ہسپتال پہنچا اور میں نے پولیس والوں اور شہر کے اراکین اعتماد کو فرزانہ اور فرزانہ کے بارے میں یہ بتایا کہ وہ دونوں میری بہنیں ہیں۔ ہم لوگ بارلو کے لیے روانہ ہوئے تھے کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔ پوری بس میں میں ہی واحد شخص بچا تھا جس کے کوئی زخم نہیں آیا تھا اور جس کے ہوش و حواس قائم تھے۔ بہت سے اخبار والوں نے میرے انٹرویو لیے اور مجھے حادثے کی تفصیلات پوچھیں۔ میں نے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے ظاہر کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی پوری تفصیلات نہیں تھیں۔ ریڈیو اور ٹی وی والوں نے بھی میرے کئی انٹرویو ریکارڈ کیے اور ٹی وی کیمرے نے بھی میرے ساتھ ساتھ میری تمام ساتھی چڑیوں سے بچا جا تھا۔ لیکن لوگ مجھے کسی نہ کسی طرح گھیر لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

مجھے فرزانہ اور فرزانہ کی طرف سے سخت فکر لاحق تھی اور میرا زیادہ تر وقت ہسپتال میں ہی گزرتا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوش تھیں۔ اور بارلو کی زبردست کوششوں کے باوجود انہیں اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔ تین دن گزر گئے تھے۔ اس اثنا میں انہیں کافی خون بھی چڑھایا گیا تھا اور برابر مختلف قسم کے انجکشن وغیرہ بھی دیے جا رہے تھے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کی بھی حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا۔ اس دوران بس کے حادثے میں زخمی ہونے والے اور غیر ہسپتال میں ہلاک ہو گئے تھے۔ کئی دن تک اخبارات میں اس حادثے کی خبریں اور تبصرے آتے رہے۔ لوگ اس واقعے کو بھولنے لگے۔

ہارلے اور بارلو کے درمیان ایک بالکل چھوٹا سا قصبہ ایشلے ڈرنگ میں یہ حادثہ ایشلے ڈرنگ میں ہی پیش آیا تھا اور ایشلے ڈرنگ کے ہسپتال ہی میں زخمیوں کو داخل کیا گیا تھا۔ میں اس چھوٹے سے قصبے کے واحد ہوٹل کے ایک کمرے میں تمام دن پڑا رہتا تھا۔ لیکن میں ہوٹل میں بہت کم رہتا تھا۔ میرا زیادہ تر وقت قریبی ہسپتال میں گزرتا تھا۔

ایک ہفتے کے بعد ڈاکٹروں نے مجھے اطلاع دی کہ فرزانہ اب چند گھنٹوں سے زیادہ کی مہمان نہیں ہے۔ اس کے خون کا دباؤ بہت کم ہو گیا تھا اور اس کی نبض بہت سست ہو گئی تھی اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹروں نے آخری وقت میں مجھے فرزانہ کو دیکھنے کی اجازت دے دی۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ڈاکٹروں کی اجازت فرزانہ اور فرزانہ کو دیکھ چکا تھا لیکن اس بار ڈاکٹروں نے خاص طور پر مجھے کہا کہ میں فرزانہ کی آخری بار دیکھ لوں کیونکہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

میں نے جب فرزانہ کو جا کر دیکھا تو میرا کلیجہ جیسے کٹنے لگا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کے چہرے پر موت کی زردی کھنڈ رہی تھی۔ میں اس کی تاب نہ لا سکا اور جلدی سے اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ میرے دل پر بڑا جبر تھا لیکن میں مجبور تھا۔ فرزانہ ایک انسان تھی۔ اس کے جسم کا ایک حیاتیاتی نظام تھا اور اب یہ حیاتیاتی نظام بری طرح منتشر اور خبر ہو گیا تھا۔ اس کو درست کرنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میں واپس اپنے ہوٹل وقت آیا جہاں تقریباً گھنٹے کے بعد مجھے فون پر یہ اطلاع ملی کہ فرزانہ مر گئی ہے۔ میں فوراً بھاگا ہوا دوبارہ ہسپتال گیا۔ ہسپتال جانے سے پہلے میں نے ایک کمپنی کو فون کرنے والے ادارے کو ٹیلی فون کر کے بعد نفن کے بارے میں ہدایات دے دی تھیں۔ جب میں ہسپتال پہنچا تو فرزانہ کی لاش میرے حوالے کر دی گئی۔ اس وقت تک کفن دفن کا انتظام کرنے والے ادارے کی گاڑی آ چکی تھی۔ وہ فرزانہ کی لاش لے گئی اور میں اس کے ساتھ گیا۔ فرزانہ کو خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ فرزانہ

کی قبر کے پاس ہی ڈاکٹر اس کی طرف سے بھی مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ میں ایک نرس جوان ڈاکٹر جس کا نام رچرڈ تھا، فرزانہ کے کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا تھا اور وہ مجھے اس بات کی امید دلاتا تھا کہ شاید فرزانہ بچ جائے۔ رچرڈ نے ذاتی طور پر فرزانہ کے کیس میں بہت دلچسپی لی اور اس کی تیمارداری میں بھی بہت وقت صرف کیا۔ بالآخر رچرڈ اور دیگر ڈاکٹروں کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں فرزانہ کی طبیعت آہستہ آہستہ بحال ہونا شروع ہو گئی۔ اس عرصے کے دوران میں نے نشے کے ایک اجتماع میں ملازمت بھی کر لی تھی اور اس طرح میرا وقت بھی گزر جاتا تھا اور کچھ پیسے بھی اکٹھے ہو جاتے تھے۔

فرزانہ کو مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں کوئی تین ماہ کا عرصہ لگ گیا۔ اس دوران میں نے بار بار فرزانہ کے بارے میں پوچھا۔ مجھے بھی اور ڈاکٹروں سے بھی۔ لیکن ہم میں سے کسی نے اسے یہ نہیں بتایا کہ فرزانہ مر چکی ہے۔ ڈاکٹروں کی سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ فی الحال کچھ عرصے تک اس کو یہ کچھ نہ بتایا جائے۔ بلکہ فرزانہ کو یہی بتاتے رہیں کہ فرزانہ ایک دوسرے ہسپتال میں داخل ہے۔ اس کا علاج ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر رچرڈ کی فرزانہ سے دل چسپی یک طرفہ نہیں تھی۔ فرزانہ خود بھی یہ محسوس کر رہی تھی کہ ڈاکٹر رچرڈ اس کی جانب خصوصی توجہ دے رہا ہے اور پہلے سے زیادہ وقت اس کی تیمارداری میں صرف کر رہا ہے۔ اب فرزانہ کو یہ بھی بتایا جا چکا تھا کہ فرزانہ کا انتقال ہو چکا ہے۔

اور آخر ایک دن، جبکہ فرزانہ کی طبیعت کافی بہتر ہو چکی تھی اور اسے پندرہ روز کے بعد ہسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی، میں فرزانہ کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو فرزانہ اپنے دل کی بات زبان پر لے ہی آئی۔

"ڈاکٹر رچرڈ نے مجھ سے شادی کی درخواست کی ہے۔" فرزانہ نے مجھ سے کہا۔ "میرا دل تو بھی یہ چاہتا ہے کہ اب سکون کی زندگی گزاروں۔ تم فرزانہ کی موت کے بعد میرا دل ٹوٹ کر رہ گیا ہے اور اب میں اپنے اندر ہمت نہیں پاتی کہ تمہاری ہمسفر بن سکوں۔ میں تمام فانی انسانوں کی طرح ایک فانی انسان ہوں۔ اپنی عمر کا تقریباً دو تہائی حصہ میں گزار چکی ہوں اور بقیہ حصے کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ جانے کب اور کیسے بلاوا آ جائے۔ اور تم تو جوانی ہو۔ کیونکہ تم ابھی تو وقت ہو تم کو فنا نہیں۔ میں اب تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مجھے آزاد کر دو فرزانہ۔ میں نے ڈاکٹر رچرڈ کی یہ درخواست اس طرح سے تھوکر دی ہے کہ وہ میرا مذہب مختلف کر لے اور وہ اس بات پر بخوشی راضی ہو گیا ہے۔"

میری طرف سے تم آزاد ہو فرزانہ۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور تمہاری اور ڈاکٹر رچرڈ کی خوشگوار زندگی کے لیے دعا گو ہوں۔ مجھے واقعی اس بات کا شدید احساس ہے کہ پروفیسر خاور اور فرزانہ کے جانے کے بعد تم اپنی زندگی میں ایک گہرا خلا محسوس کر رہی ہو گی اور اس خلا کو صرف اسی طرح پُر کیا جا سکتا ہے کہ تم اپنے لیے کوئی اچھا سا جیون ساتھی تلاش کر لو۔ ڈاکٹر رچرڈ ایک بہت اچھا آدمی ہے اور اگر وہ تمہارا مذہب بھی قبول کرنے کے لیے تیار ہے تو تمہاری اور اس کی شادی میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہاں جیکسن۔" فرزانہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "میں بھی اب یہ چاہتی ہوں کہ اپنی باقی زندگی سکون کے ساتھ گزار دوں۔ خاور اور فرزانہ کے جانے کے بعد اب میں خود کو بہت اداس اور تنہا پاتی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا ساتھ میرے لیے بہت خوش گوار ثابت ہوتا۔ لیکن تم بھلا کس کے ہو کر رہ سکتے ہو؟ تم تو وقت ہو اور وقت ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ تم زندہ رہو گے، اسی طرح جوان، توانا، بھرپور اور پُرجوش۔ میری عمر ڈھل جائے گی، میں بوڑھی ہو جاؤں گی، پھر ایک دن میرا بیاہ، میات، لبریز ہو جائے گا۔ لیکن تم اسی طرح پُرجوش، جاوداں، پیہم رواں دواں رہو گے۔ ہر دم جواں۔۔۔"

"ٹھیک کہتی ہو فرزانہ۔" میں نے کہا۔ "تم نے میری داستانوں میں سنا کہ میری زندگی میں ہر دور انسان آئے، لاکھوں انسان آئے، ان گنت عورتیں آئیں اور اپنا اپنا وقت گزارنے کے بعد چلی گئیں۔ میں ہی کون سا ہمیشہ رہ سکتا تھا؟ اس لیے میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم بھی صرف میری ذات کی اسیر ہو کر رہ جاؤ۔ تم ضرور ڈاکٹر رچرڈ سے شادی کر لو۔ میں اس شادی میں شریک ہوں گا اور اس کے بعد پھر کسی اور طرف نکل جاؤں گا۔ میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا۔ پھر تم مجھے کہیں نہیں دیکھ سکو گی۔ البتہ جب تک زندہ رہوں گا مجھے محسوس کرتی رہو گی۔ کیونکہ میں ہر انسان کو ہمیشہ اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہوں۔"

"شکریہ جیکسن۔" فرزانہ نے جواب دیا۔ "اب ڈاکٹر رچرڈ کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ آتے ہی ہو گا اور بہتر ہو گا کہ اس کی موجودگی میں ہی تم اس کی نگہبانی پر اپنی خوشنودی کا اظہار کر دو۔ کم سے کم اسے اپنی طرف سے اطمینان حاصل ہو گا۔"

"جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا فرزانہ۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔

اس کے کچھ دیر بعد ڈاکٹر رچرڈ آ گیا اور مجھے وہاں دیکھ کر اس نے دلی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ مجھے فرزانہ کے بھائی کی حیثیت سے جانتا تھا۔

فرزانہ نے اسے بتا دیا کہ میں اس کی اور اپنی شادی کے موضوع پر مجھ سے گفتگو کر چکی ہے اور یہ کہ مجھے نہ صرف یہ کہ اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ میں اس سے بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ میں نے فرزانہ کی باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے ڈاکٹر رچرڈ کو اس کے اس فیصلے پر مبارکباد پیش کی۔

میرا خیال ہے کہ فرزانہ کو اب دو دن سے زیادہ ہسپتال میں رہنے کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر رچرڈ نے کہا۔ "اس کے بعد یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی اور ایک نارمل اور صحت مند انسان کی حیثیت سے زندگی گزار سکیں گی۔ بقیہ تفصیلات ہے کہ میں انہیں خوش رکھ سکوں گا۔"

"لیکن تمہاری بیوی ڈاکٹر رچرڈ؟" کیا مشرقی لگ میں اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرزانہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور مشرق کی روایات میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اس بات کا پورا امکان موجود ہے کہ فرزانہ کو نئے ماحول میں ڈھلنے میں کچھ دقتیں پیش آئیں گی۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تمہاری محبت بھری رفاقت کو جلد ہی تمام دقتیں پر قابو حاصل ہو جائے گا اور تم لوگ ایک مثالی زندگی گزار سکو گے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کبھی کبھار معمولی سی بات چیت

Optimized by www.ImageOptimizer.net

ہے جو زندگی کو خوشگوار اور پُرمسرت بناتی ہے۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی مسٹر جیکسن۔" ڈاکٹر رمپاٹ نے مجھ سے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اور مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس معاملے میں میری معلومات زیادہ نہیں ہیں تو جیکسن ایک غیر مسلم نام ہے۔ عام طور پر مسلمانوں میں یہ نام نہیں ہوتا پھر آپ کا نام جیکسن کس طرح ہے جبکہ آپ مسلمان ہیں اور فرزانہ کے بھائی بھی ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اب میں تمہیں ساری بات پورے طور سے بتا ہی دوں تو بہتر ہے۔" میں نے باری باری فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فرزانہ کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"بات یہ ہے ڈاکٹر رمپاٹ کہ میرا نام جیکسن ہی ہے اور میرا کسی ایک خاص مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میں فرزانہ کا سگا بھائی ہوں۔ فرزانہ کے باپ نے مرتے وقت مجھے اس کا سرپرست مقرر کیا تھا اور اس لحاظ سے میں اس کے بھائی کی جگہ ہوں۔ فرزانہ کا تعلق اپنے مسلمان خاندان سے ہے اور بالعموم مسلمان لڑکیاں غیر مذاہب کے لوگوں سے شادی نہیں کرتیں۔ اس لیے فرزانہ کی یہ شرط اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہے کہ اگر تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کا مذہب بھی اختیار کرنا ہوگا۔"

"میں فرزانہ کی یہ شرط منظور کر چکا ہوں۔" ڈاکٹر رمپاٹ نے جواب دیا۔

"فرزانہ جیسے ہی اسپتال سے ڈسچارج ہو جائے گی ہم لوگ اس کے دوسرے ہی دن نیویارک روانہ ہو جائیں گے جہاں مسلم برادری کے بہت سے لوگ موجود ہیں اور جہاں جا کر میں باضابطہ طور پر مسلمان ہو سکتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے اور اس کے اگلے دن ہم اسلامی طریقے سے شادی کر لیں گے۔"

"میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اگلے چند روز کے دوران تمام مراحل بخیر و خوبی طے ہو گئے۔ میں فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ کے ہمراہ نیویارک گیا جہاں کی ایک مسجد کے امام نے رمپاٹ کو مشرف بہ اسلام کیا اور انہی امام صاحب نے اگلے روز رمپاٹ اور فرزانہ کا نکاح پڑھا دیا۔ میں نے فرزانہ کو علیحدگی میں بتا دیا کہ اب میں اس سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں....

اور پھر میں نیویارک سے چل پڑا۔ ایک جہاز میں بیٹھ کر میں آسٹریلیا کی طرف روانہ ہو گیا۔ یورپ، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، افریقہ اور ایشیا سے دور بہت دور۔ اب میں آسٹریلیا کی طرف مائل بہ پرواز تھا۔ اب میں بالکل تنہا تھا۔ نہ پروفیسر خالد میرے ساتھ تھا، نہ فرزانہ تھی، نہ فروزاں تھی۔ میں تھا اور میرے سامنے پھیلی ہوئی فضائے بسیط تھی۔ میری نظروں کے سامنے دنیا کی لامتناہیاں منہ کھولے کھڑی تھیں، میں کہیں بھی جا سکتا تھا، کسی جگہ بھی جا سکتا تھا، مجھے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

بالآخر میں اس جگہ تھکنے پر مجبور ہو گیا جہاں پر اتر پڑا۔ ہر جگہ میرا گھر تھا اور کوئی گھر میرا گھر نہیں تھا۔ ہر شخص میرا اپنا تھا اور کوئی شخص میرا اپنا نہیں تھا۔ میں جو وقت ہوں ازلی اور ابدی وقت جسے فنا نہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کروڑوں انسان میرے ساتھ آتے اور جاتے رہے اور نہ جانے کب تک آتے اور جاتے رہیں گے۔ ہاں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی جو میرے سحر میں میرے طلسم میں گرفتار ہو کر میرے بن کر رہ گئے۔ ان میں سے میں نے صرف تین انسانوں کی کہانی دنیا والوں کو سنائی ہے اور وہ تین انسان تھے پروفیسر خالد، فروزاں اور فرزانہ۔ ان تینوں نے میرے اندر سما جانے کی کوشش کی۔ انھوں نے میرے وجود کا ایک حصہ بن جانا چاہا۔ ایک عرصے تک یہ میرا ساتھ بناتے رہے لیکن تمام انسانوں کی طرح یہ بھی فانی تھے۔ پروفیسر خالد اور فروزاں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فرزانہ نے اپنی الگ دنیا آباد کر لی جو ایک معینہ عرصے تک آباد رہے گی اور اس کے بعد اجڑ جائے گی اور کروڑوں اربوں انسانوں کی طرح فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ بھی زمین کی گہرائیوں میں عدم کی سرد وادیوں میں اتر جائیں گے جہاں نہ کوئی صبح ہوتی ہے نہ شام ہوتی ہے جہاں نہ دن نکلتا ہے نہ رات ہوتی ہے جہاں نہ سود و زیاں کا کوئی احساس ہوتا ہے نہ زمان و مکاں کا کوئی تصور ہوتا ہے جہاں مطلق ازل اور ابدی خلا تاریک اور تنہا خلا!

Optimized by www.ImageOptimizer.net